وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لیا کرو، اور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے رک جایا کرو۔

فیوض الزاهی

فی شرح

سنن النسائی

جلد دوئم

حدیث نمبر

۱۰۱ ــــ ۲۱۹

تصنیف

ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

پروگریسو بکس

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لیا کرو، اور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے رُک جایا کرو۔

فیوض النسائی
فی شرح
سنن النسائی

جلد دوم

حدیث نمبر

۱۰۱ — ۲۱۹

تصنیف

ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

پروگریسو بکس لاہور
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فیوض الزاهی
فی شرح
سنن النسائی

جلد دوم
حدیث نمبر ۱۰۱ ـــــ ۲۱۹

تصنیف
ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

بار اول .... جولائی 2015ء
پرنٹرز .... آصف صدیق، پرنٹرز
تعداد 1100/-
ناشر .... چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول
میاں شہزاد رسول
قیمت .... =/ روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941 0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ۰ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فہرست مشمولات

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب ۸۴: مَسْحُ الْاُذُنَيْنِ — کانوں کا مسح کرنا

اس باب میں دونوں کانوں کے مسح کرنے کی مشروعیت کا بیان ہے، دونوں کانوں کا ایک دفعہ مسح کرنا سنت مبارکہ ہے، پچھلے باب میں عورت کے لئے سر کے مسح کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں کانوں کے مسح کرنے کا بیان ہے۔

۱۰۱۔ اَخْبَرَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ اَيُّوبَ الطَّالَقَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَّاحِدَةٍ وَّغَسَلَ وَجْهَهُ وَغَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّةً مَّرَّةً وَّمَسَحَ بِرَاْسِهِ وَاُذُنَيْهِ مَرَّةً قَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ وَاَخْبَرَنِي مَنْ سَمِعَ ابْنَ عَجْلَانَ يَقُوْلُ فِي ذٰلِكَ وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دھوئے، پھر ایک ہی چلو سے کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر ایک دفعہ چہرہ دھویا، اور ایک دفعہ ہی ہاتھ دھوئے، پھر ایک ایک دفعہ سر کا اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔ (امام) عبدالعزیز بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے ابن عجلان رحمۃ اللہ علیہ سے سننے والے نے بتلایا، کہ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں پاؤں دھوئے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک دفعہ سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۱۴۰، ابوداؤد: ۱۳۷، ترمذی: ۳۶، ابن ماجہ: ۴۰۳، ۴۳۹، احمد: ۱۶۵۸۱، السنن الکبریٰ: ۹۲

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ الهیثم بن ایوب طالقانی:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ابوعمران هیثم بن ابی ایوب طالقانی (م: ۲۳۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت و دیانت پر متفق ہیں، امام بخاری اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۱۔ i۔ تقریب تھذیب، ج ۲، ص ۳۳۱ ii۔ الثقات، ج ۹، ص ۲۳۷

۲۔عبدالعزیز بن محمد:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ابو محمد عبدالعزیز بن محمد بن دراوردی جہنی (م:۱۸۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، صدوق، واہم، خاطی راوی ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب یہ اپنی کتاب سے روایت کریں، تو ثقہ ہیں، اگر حافظے کی بناء پر یا کسی اور کتاب سے روایت کریں، تو وھم ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر یہ عبید اللہ بن عمر سے روایت کریں، تو منکر ہے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۳۔زید بن اسلم:

آپ کا نام ابو عبداللہ زید بن اسلم عدوی مدنی (م:۱۳۶ھ) ہے، آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مولیٰ ہیں، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، عالم، فقیہی، مدنی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت وفقاھت پر متفق ہیں، آپ مرسل روایات کرتے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۴۔عطاء بن یسار:

آپ کا نام ابو محمد عطاء بن یسار ھلالی مدنی (م:۹۴ھ) ہے، آپ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں، اور حضرت سلیمان بن یسار، عبدالملک بن یسار اور عبداللہ بن یسار کے بھائی ہیں، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ صغار سے ثقہ، فاضل، تابعی راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۵۔عبداللہ بن عباس:

راجع:۳۱

۴۔حکمِ حدیث:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ تنتالیسویں (۴۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں، البتہ عبدالعزیز بن محمد متکلم فیہ راوی ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی طالقانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ روایت تابعی (زید بن اسلم) کی دوسرے تابعی (عطاء بن یسار) سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظِ اداءِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ i۔تاریخ الثقات، ص۳۰۶ ii۔الجرح والتعدیل، ج۵، ص۳۹۵

۲۔ i۔العلل، ج۱، ص۳۲ ii۔تاریخ ابی زرعہ، ص۴۲۹

۳۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۴۰۶ ii۔طبقات ابن سعد، ج۵، ص۱۷۳

٦۔لغات:

رایت: میں نے دیکھا تمضمض: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی

استنشق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناک میں پانی چڑھایا غرفۃ واحدۃ: ایک چلو

۷۔مسائل ونصائح:

کان بھی حکم مسح میں سر کی طرح ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کان سر سے ہیں۔(۱)

• امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ۵۵ مختلف اسناد کے ساتھ لائے ہیں جن میں مرفوع اور غیر مرفوع دونوں طرح کی روایات جمع ہیں۔

احناف کے نزدیک سر کے پانی کے ساتھ ہی کانوں کا مسح کرنا سنت ہے اور دلیل یہ حدیث ہے کہ اذنان بھی رأس سے ہیں جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ نئے پانی کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کا مسح نئے پانی کے ساتھ کیا۔

احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح اور کانوں کا مسح ایک ہی پانی کے ساتھ کیا۔(۲)

دونوں احادیث میں مطابقت اس طرح ہے کہ اگر سر کے مسح کرنے کے بعد دونوں ہاتھوں پر "تری" تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کیا اور اگر دونوں ہاتھوں کی تری ختم ہوجائے تو پھر نئے پانی کے ساتھ کانوں کا مسح کیا جائے گا۔

اس میں جو اغلب حکم ہے وہ یہی ہے کہ وضو میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ ہاتھ ابھی سر کے مسح والے پانی سے تر ہوتے ہیں کہ کانوں کا مسح کیا جاتا ہے۔لہٰذا سر کے مسح سے ہی کانوں کا مسح کیا جائے ان کے لئے نیا پانی لانے کی ضرورت نہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ کان حکم کے اعتبار سے سر کے حکم میں ہے اس میں اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قیاس کرے کہ کان چہرے کی جنس سے ہیں اور سر کی جنس سے نہیں ہیں تو انہیں سر کے مسح کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کانوں کے حکم کا اعتبار کیا گیا ہے کہ شریعت میں ان کے مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ان کو دھونے کا حکم ہے۔(۳)

☆ کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔(۴)

"مضمضۃ" اور "استنشاق" کا معنی:

• اس حدیث میں "تمضمض" کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: منہ میں پانی ڈال کر اس کو منہ میں گھمانا، پھر اس پانی کی کلی کر دینا۔

"استنشاق" ناک میں پانی داخل کرنا، پھر ناک صاف کرنا اور اس پانی کو نکال دینا۔

۱۔ سنن دارقطنی، ج۱ص، دار المعرفہ، بیروت ۲۔ عنایہ شرح ہدایۃ، ج۱ص۲۹

۳۔ شرح ھدایۃ، ج۱ص۱۶۶۔۱۶۷ ۴۔ ردالمختار، ج۱ص۲۶۴

☆ نیا پانی لے کر سر کا مسح کرنا اور کانوں کے مسح کی تفصیل:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دونوں ہاتھ دھونے کے بعد سر کا مسح کیا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس حدیث میں سر پر مسح کرنے کے لئے نیا پانی لینے کا ذکر نہیں ہے، بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھوں پر جو تری تھی، اسی سے سر کا مسح کرلیا، حالانکہ وہ تری تو مستعمل پانی کے حکم میں ہے اور اس سے مسح کرنا صحیح نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ''سنن ابوداؤد'' میں نیا پانی لینے کا ذکر ہے اور بعض احادیث دوسری بعض احادیث کی تفسیر کرتی ہیں، ''سنن ابوداؤد'' کی وہ حدیث یہ ہے:

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرماتے تھے؟ پھر انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور دائیں ہاتھ سے ایک چلو میں پانی لیا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر دوسرے چلو میں پانی لیا اور دونوں ہاتھ ملا کر ان سے اپنے چہرے کو دھویا، پھر چلو میں پانی لیا اور اس سے اپنے دائیں ہاتھ کو دھویا، پھر چلو میں پانی لیا اور اس سے اپنے بائیں ہاتھ کو دھویا، پھر اپنے ہاتھ میں پانی لے کر اس پانی کو جھاڑا، پھر اس پانی کی تری کے ساتھ اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔(۱)

اور سنن نسائی میں کانوں کا مسح کرنے کی تفصیل اس طرح مذکور ہے کہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے سر کا اور کانوں کا مسح کیا، کانوں کے باطن کا شہادت کی انگلی سے مسح کیا اور کانوں کے ظاہر کا انگوٹھوں سے مسح کیا۔(۲)

☆ اس حدیث میں سر کے مسح کے لئے پانی لینے کا ذکر نہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسح کے لئے ہاتھ تر ہونا ضروری ہے اور جو تری اعضا کے بعد رہ گئی ہو اس سے بھی مسح کیا جا سکتا ہے۔ حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ وحسن رحمۃ اللہ علیہ وعروہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ومالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہاتھ میں جو تری رہ جاتی ہے اس سے مسح جائز نہیں۔ بلکہ مسح کے لئے دوبارہ ہاتھ کو تر کرنا چاہئے جیسا کہ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مسح کے لئے ایک چلو پانی لیا اور ہاتھوں کو جھاڑ کر مسح کیا۔ لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ہاتھ میں جو تری رہ گئی اس سے مسح کیا اور از سر نو ہاتھ کو تر نہ کیا تو جب دونوں طرح حدیث میں مذکور ہے تو اعضاء کے دھونے کے بعد جو تری رہ جاتی ہے اس سے بھی مسح جائز ہونا چاہئے اور یہ بھی جائز ہے کہ مسح کے لئے نئے پانی سے ہاتھ کو تر کرے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس عمل سے کہ انہوں نے مسح کے لئے نئے پانی سے ہاتھ کو تر نہ کیا بلکہ جو تری باقی تھی اسی سے مسح کرلیا، یہ استدلال کیا ہے کہ پانی مستعمل طاہر و مطہر ہے کیونکہ جب ایک بار پانی عضو سے مل گیا تو وہ پانی مستعمل ہوگیا۔ پھر جب اعضاء وضو میں سے ایک (عضو مسح میں اس کا استعمال جائز ہوا تو سب میں جائز ہونا چاہئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ پانی مستعمل اس کو کہتے ہیں جو عضو سے بہہ جائے اور جب تک پانی عضو پر رہے اور ٹپکے نہیں اس کو مستعمل نہیں کہا جا سکتا۔(۳)

☆ کانوں کا مسح کرنا وضو کی ایک اور سنت یہ ہے کہ وضو کرنے والا کانوں کا ظاہری اور اندرونی جانب سے سر کے پانی کے ساتھ ایک بار مسح کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لے کر مسح کرے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ

۱۔ i-ابوداؤد:۱۳۷ ii-ترمذی:۳۵

۲۔ i-نسائی:۱۰۲ ii-ترمذی:۳۶ iii-مسند احمد، ج۱، ص۲۶۸ ۳۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۵۲۲

علیحدہ اعضا ہیں، اور یہ حقیقی اور حکمی دونوں طرح سے سر کا حصہ نہیں ہیں، حقیقی طور پر اس طرح کہ سر پر بال اگتے ہیں، مگر کانوں پر بالوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اور حکمی طور پر یوں کہ ان پر مسح کر لینا۔ سر کے مسح کے قائم مقام نہیں بنتا اگر یہ دونوں سر کا حصہ ہوتے، تو سر کے دیگر اجزا کی طرح ان پر کیا ہوا مسح سر کے مسح کے قائم مقام قرار پاتا۔ ہمارا استدلال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ وہ فرماتے ہیں "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پانی سے کانوں کا مسح فرمایا جس پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا مسح کیا تھا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ:

الا ذنان من الراس ۔ دونوں کان سر کا حصہ ہیں۔

اور یہ بات واضح ہے کہ یہاں آپ نے کانوں کی پیدائشی اور خلقی حیثیت بیان نہیں فرمائی، بلکہ آپ نے یہاں پر ان کا حکم ذکر فرمایا ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ سر کے مسح کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، وجہ یہ ہے کہ سر کے مسح کا حکم ایک قطعی دلیل سے ثابت ہوا ہے، جبکہ کانوں کا سر کے ساتھ شامل ہونا ایک خبر واحد سے ثابت ہوتا ہے، جس سے وجوب عمل تو ثابت ہوتا ہے، مگر وجوب علم نہیں۔ تو اگر ہم کانوں کے مسح کو سر کے مسح کے قائم مقام قرار دیں تو گویا ہم نے کانوں کو سر میں قطعی اور یقینی طور پر شامل کر دیا جو درست نہیں ہے، اور یہ ایسے ہی جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

الحطیم من البیت ۔ حطیم کعبۂ معلیٰ کا حصہ ہے۔ (۱)

تو اس حدیث سے حطیم کا کعبہ کا حصہ ہونا ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اس کا بھی ویسے ہی طواف ضروری ہوگا جس طرح کہ بیت اللہ شریف کا طواف کیا جاتا ہے، لیکن بایں ہمہ حطیم کی جانب رخ کر کے نماز ادا کرنا درست نہ ہوگا۔ وجہ یہ ہے کہ کعبہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دلیل قطعی سے ثابت ہوا ہے۔ اور اس کے کعبہ کا حصہ ہونے کا حکم "خبر واحد" کے ساتھ ثابت ہوا ہے اور خبر واحد پر عمل اسی وقت ضروری ہوتا ہے کہ جب اس پر عمل کرنے سے کسی قطعی حکم پر عمل کرنا متاثر نہ ہوتا ہو اور اگر اس کے برخلاف اس پر عمل کرنے سے قطعی حکم پر عمل کرنا متاثر ہوتا ہو، تو پھر اس پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ (۲)

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ کانوں کا مسح کرنا سنت ہے۔

☆ کانوں کے اندرونی اور بیرونی دونوں حصوں کا مسح کرنا سنت ہے۔

☆ مسح کے سنت ہونے میں آئمہ کرام کا اتفاق ہے، البتہ کانوں کے مسح کے لئے علیحدہ پانی لینا چاہئے یا ہاتھوں پر تری کا ہونا کافی ہے، اس بارے میں امام اعظم، ابوحنیفہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک کا اختلاف ہے:

۱۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کان حکمی طور پر سر کا حصہ ہیں، اس لئے سر کے مسح کرنے کے بعد اگر ہاتھوں پر تری باقی ہے، تو اسی سے کانوں کا مسح کر لینا ٹھیک ہے۔

۲۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سر اور کان علیحدہ علیحدہ عضو ہیں، اس لئے دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ پانی لینا چاہئے۔

۳۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کانوں کے مسح کے لئے تری کافی نہیں، بلکہ علیحدہ پانی سے مسح کرنا چاہئے۔

☆ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو کا مستعمل پانی طاہر و مطہر ہوتا ہے، جبکہ احناف کے نزدیک وضو کا مستعمل پانی طاہر ہوتا ہے، لیکن مطہر نہیں ہوتا۔

۱۔ فیوض الباری، ج ۱، ص ۳۹۱ ۲۔ بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۱۴۱۔۱۴۲

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اعضاء وضو کو ایک ایک دفعہ دھونے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، اور وضو میں اعضاء کو ایک ایک دفعہ دھونا فرض ہے۔

☆ ایک ہی چلو سے کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا جائز ہے، البتہ یہی ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں چڑھانے کے لئے علیحدہ علیحدہ چلو سے پانی لیا جائے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں اعضاء وضو کو ایک ایک دفعہ دھونے کے جواز کا بیان ہے۔

باب ۸۵: مَسْحِ الْاُذُنَیْنِ مَعَ الرَّأْسِ وَمَا یُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى اَنَّهُمَا مِنَ الرَّأْسِ

کانوں کا مسح سر کے ساتھ کرنا اور کانوں کا سر کے حکم میں ہونے کی دلیل

اس باب میں دو باتوں کا بیان ہے:

۱۔ کانوں کا مسح سر کے ساتھ ہی کرنا چاہئے۔ ۲۔ کان حکماً سر میں شامل ہیں۔

کان چونکہ حکماً سر میں شامل ہیں، اس لئے کانوں کا مسح کیا جانا سنت ہے، جیسا کہ سر کا مسح کیا جانا مشروع ہے، اور یہ حکماً چہرہ میں شامل نہیں ہے، اگرچہ تخلیقاً کانوں کا تعلق چہرہ سے بنتا ہے، اور وضو میں چہرہ دھویا جاتا ہے، جبکہ کانوں کا مسح کیا جاتا ہے۔ پچھلے باب میں مطلقاً کانوں کے مسح کا بیان تھا، اس باب میں سر کے ساتھ کانوں کے مسح کا بیان اور ساتھ ساتھ اس کی دلیل کی وضاحت ہے۔

۱۰۲۔ اَخْبَرَنَا مُجَاهِدُ بْنُ مُوسَى قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اِدْرِيسَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عَجْلَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّاَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَرَفَ غَرْفَةً فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَرَفَ غَرْفَةً فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ غَرَفَ غَرْفَةً فَغَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ غَرَفَ غَرْفَةً فَغَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهِ وَاُذُنَيْهِ بَاطِنِهِمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرِهِمَا بِاِبْهَامَيْهِ ثُمَّ غَرَفَ غَرْفَةً فَغَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ غَرَفَ غَرْفَةً فَغَسَلَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا: ایک چلو لے کر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر چلو لے کر چہرہ مبارک دھویا، پھر چلو لے کر دایاں ہاتھ دھویا، پھر چلو لے کر بایاں ہاتھ دھویا، پھر سر کا اور دونوں کانوں کا مسح کیا: کانوں کے اندرونی حصے کا مسح شہادت کی انگلیوں سے اور بیرونی حصے کا مسح فرمایا، پھر چلو لے کر دایاں پاؤں دھویا، پھر چلو لے کر بایاں پاؤں دھویا۔

۱۔ اطراف:

راجع: ۱۰۱

۲۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات گزر چکے ہیں، باقی تین کے حالات درج ذیل ہیں:

۱۔مجاھد بن موسیٰ:

آپ کا نام ابوعلی مجاہد بن موسیٰ بن فروخ خوارزمی ختلی (م:۲۴۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام بخاری کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔آپ نے چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔(۱)

۲۔عبداللہ بن ادریس:

آپ کا نام ابومحمد عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن اودی کوفی (م:۱۹۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، فقیہ، عابد، امام الحدیث راوی ہیں، آپ نے ستر سال سے زائد کی عمر پائی، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔محمد بن عجلان:

آپ کا نام محمد بن عجلان مدنی قریشی (م:۱۴۸ھ)، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، صدوق، عابد، فقیہہ راوی ہیں، امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے میں اضطراب ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات میں اختلاط کا شکار ہوئے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً روایت کی ہے۔(۳)

۴۔زید بن اسلم: راجع:۱۰۱ ۵۔عطاء بن یسار: ایضاً ۶۔ابن عباس: راجع:۳۱

۴۔حکمِ حدیث:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایات سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چوالیسویں (۴۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، دوسرے کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعین کرام ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔

☆ سند میں محمد بن عجلان، زید بن اسلم اور عطاء بن یسار تابعین کرام ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۸، ص۳۲۱ ii۔الثقات، ج۹، ص۱۸۹

۲۔ i۔تاریخ الثقات، ص۲۴۹ ii۔ابن طھمان، ص۲۷

۳۔ i۔الضعفاء، رقم:۱۶۷۷ ii۔تاریخ ابی زرعہ، ص۵۱۹

۶۔لغات:

یستدل به: جس سے دلیل پکڑی گئی ہے۔

السباحتین: شہادت کی دونوں انگلیاں

ابهامی: دونوں انگوٹھے

بطنهما: دونوں (مرادکان) کا اندرونی حصہ

ظاهر هما: دونوں (مرادکان) کا بیرونی حصہ

۱۰۳۔اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ وَعُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ مَالِكٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الصُّنَابِحِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ فَتَمَضْمَضَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ فِيْهِ فَاِذَا اسْتَنْثَرَ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ اَنْفِهٖ فَاِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَشْفَارِ عَيْنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ يَدَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ يَدَيْهِ فَاِذَا مَسَحَ بِرَأْسِهٖ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ اُذُنَيْهِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتِ الْخَطَايَا مِنْ رِجْلَيْهِ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِ رِجْلَيْهِ ثُمَّ كَانَ مَشْيُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ وَصَلَاتُهٗ نَافِلَةً لَهٗ" قَالَ قُتَيْبَةُ عَنِ الصُّنَابِحِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ۔

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جب وضو کرتے ہوئے کلی کرتا ہے تو اس کے منہ کے گناہ دھل جاتے ہیں، جب ناک میں پانی چڑھاتا ہے تو ناک کے گناہ دھل جاتے ہیں، جب چہرہ دھوتا ہے تو چہرہ کے گناہ دھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں، جب دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں کے گناہ دھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں، جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کے گناہ دھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے کانوں سے گناہ نکل جاتے ہیں، جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے گناہ دھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں، پھر اس کا مسجد کی طرف چل کر جانے اور نماز ادا کرنے کا ثواب علیحدہ ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل الفاظ بیان فرمائے: عن الصنابحی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

۱۔اطراف:

ترمذی:۲، ابن ماجہ:۲۸۲، مؤطا مالک:۶۴، السنن الکبریٰ:۱۰۶، تحفۃ الاشراف:۹۶۷۷

۲۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

جب مسلمان سر کا مسح کرتا ہے، تو اس کے سر کے گناہ دھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے کانوں سے گناہ نکل جاتے ہیں۔

وضاحت: چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کے مسح کے ساتھ کانوں کا ذکر کیا ہے، اس لئے کان سر کا حصہ ہیں۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے پانچ کے حالات گزر چکے ہیں، حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ کے حالات درج کئے

جاتے ہیں:

۱۔قتیبۃ: راجع:۱ ۲۔عتبۃ بن عبداللہ: راجع:۹۸

۳۔مالک: راجع:۵۰ ۴۔زید بن اسلم: راجع:۱۰۱

۵۔عطاء بن یسار :ایضاً

۶۔عبداللہ الصنابحی:

آپ کا نام عبداللہ صنابحی مدنی رضی اللہ عنہ ہے، آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، البتہ صنابحی نسبت کی وجہ سے آئمہ رجال کو آپ رضی اللہ عنہ کے نام میں اشتباہ ہوا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (۱)، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ (۲) اور امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (۳) نے آپ سے روایت کی ہے، جبکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے اور اس حدیث کی روایت کی توثیق فرمائی ہے۔(۴) البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اس نام کے صحابی ہونے کا رد کیا ہے۔(۵)

آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں: ایک مذکورہ بالا حدیث مبارکہ اور دوسری درج ذیل مروی ہے

حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

بے شک سورج شیطان کے سینگ کے ساتھ طلوع ہوتا ہے، جب سورج بلند ہوتا ہے تو شیطان علیحدہ ہو جاتا ہے، جب سورج برابر ہوتا ہے (یعنی دوپہر کے وقت سر پر) تو شیطان ساتھ مل جاتا ہے، جب سورج ڈھلتا ہے تو شیطان علیحدہ ہو جاتا ہے، اسی طرح جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو شیطان ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے، جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔(۶)

آپ کے صحابی ہونے میں اشتباہ علماء سلف کو ہوا، لیکن علماء خلف کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ بالاتفاق صحابی ہیں، اس بارے میں علماء سلف وخلف کی آراء درج ذیل ہیں:

۱ ۔امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا حدیث روایت کی ہے۔

۲۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

روایت ہے عبداللہ صنابحی سے کہا فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بندۂ مومن جس وقت وضو شروع کرتا ہے پھر کلی کرتا ہے نکل جاتے ہیں گناہ اس کے منہ سے پھر جس وقت ناک صاف کرتا ہے نکل جاتے ہیں گناہ اس کی ناک سے پھر جس وقت منہ دھوتا ہے نکل جاتے ہیں اس کے منہ سے یہاں تک کہ نکل جاتے ہیں پلکوں کے اگنے کی جگہ یعنی پپوٹوں سے پھر جس وقت مسح کرتا ہے سر کا نکل جاتے ہیں گناہ اس کے سر سے یہاں تک کہ نکل جاتے ہیں اس کے دونوں کانوں سے۔ پھر جس وقت پاؤں دھوتا ہے نکل جاتے ہیں گناہ اس کے دونوں پاؤں سے یہاں تک کہ نکل جاتے ہیں اس کے دونوں پاؤں کے ناخنوں سے پھر چلنا اس کا مسجد کی طرف اور نماز ادا کرنا الگ ہے یعنی اس کا ثواب جداگانہ ہے۔ (۷)

۱۔ مؤطا:۶۴ ۲۔ تقریب التھذیب، ج۱،ص۴۳۳ ۳۔ مستدرک:۴۵۸

۴۔ ترمذی:۲ ۵۔ اسعاف المبطأ برجال المؤطاء،ص۵۴۵

۶۔ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج۳،ص۲۸۱ ۷۔ مؤطا مالک:۶۴

۳۔امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت کر کے تبصرہ کرتے ہیں:

امام ابوعیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسے مالک سہیل سے وہ اپنے والد سے اور وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں سہیل کے والد ابوصالح سمان رضی اللہ عنہ کا نام ذکوان ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام عبد شمس ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہے۔محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور یہی صحیح ہے۔اور اس باب میں عثمان،ثوبان، صنابحی،عمرو بن عبسہ،سلیمان اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مذکور ہیں اور صنابحی رضی اللہ عنہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ان کا سماع نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ان کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ رضی اللہ عنہ اور کنیت ابوعبداللہ ہے۔انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات کے لئے سفر کیا،وہ سفر میں تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں۔صنابحی بن اعسر احمسی ہیں وہ صحابی ہیں ان کو بھی صنابحی کہا جاتا ہے۔ان سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں پر فخر کرنے والا ہوں پس میرے بعد آپس میں قتال نہ کرنا۔(۱)

۴۔امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

سوید بن سعید،حفص بن یسرہ،زید بن اسلم،عطاء بن یسار،عبداللہ الصنابحی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص وضو کرتے ہوئے،کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے،تو اس کے منہ اور ناک سے گناہ نکل جاتے ہیں۔جب منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ سے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ پلکوں کے نیچے سے بھی،جب ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھوں سے گناہ جھڑ جاتے ہیں،جب سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر سے گناہ نکل جاتے ہیں حتیٰ کہ کانوں سے بھی،جب پیر دھوتا ہے تو اس کے پیروں کے حتیٰ کہ پیر کے ناخنوں سے گناہ نکل جاتے ہیں اب اس کا نماز پڑھنا مسجد کی طرف چلنے کا ثواب مذکورہ امور کے علاوہ ہے۔(۲)

۵۔امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ روایت کر کے وضاحت کرتے ہیں:

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وامام مسلم رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے معیار کے مطابق صحیح ہے لیکن دونوں نے ہی اسے نقل نہیں کیا اور اس میں کوئی علت بھی نہیں ہے۔تاہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے متن کا کچھ حصہ حمران،عثمان اور ابوصالح کی سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے لیکن وہ متن مکمل نہیں ہے (اور اس کی سند میں) عبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عسیلہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہیں،ان کو ابوعبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ صنابحی قیس بن ابوحازم ہیں،ان کو الصناح بن الاعسر بھی کہا جاتا ہے۔(۳)

علامہ ابوعلی بن السکن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عبداللہ الصنابحی یقال:لہ صحبۃ،معدود فی المدنیین (۴)	حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کا شمار مدنی صحابہ میں ہوتا ہے۔

۱۔ ترمذی:۲　　۲۔ ابن ماجہ:۵۸۲　　۳۔ مستدرک:۴۵۸

۴۔ تہذیب الکمال،ج۱۶،ص۳۴۴

۷۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، اوران کی صحابیت کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے، اوراس میں بعض لوگوں کو شدید مغالطہ ہوا ہے۔(۱)

۸۔ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی بیان کرتے ہیں:

والصنابحی هذا الذی روی عن النبی ﷺ الخ :

جامع ترمذی کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے، اس کے مطابق اس عبارت سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء یہ ہے کہ فضیلت وضو میں ایک حدیث حضرت صنابحی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ان کی تعیین میں تھوڑا سا اختلاف ہوگیا ہے، کیونکہ رواۃ حدیث میں صنابحی نام کے تین حضرات ہیں:

۱۔ عبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ: یہ باتفاق صحابی ہیں، اورراجح قول کے مطابق حدیث فضل طہور انہیں سے مروی ہے۔

۲۔ ابوعبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ: ان کا نام عبدالرحمٰن بن عسیلہ ہے، یہ مخضرمین میں سے ہیں، یعنی حضور علیہ السلام کے ہمعصر ہیں، لیکن یہ جب حضور علیہ السلام کی زیارت کی نیت سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو مقام زوالحلیفہ پہنچ کر انہیں علم ہوا کہ صرف پانچ دن قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوچکی ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ان کا سماع ثابت نہیں اور انہوں رضی اللہ عنہ نے جتنی مرفوع احادیث روایت کی ہیں، وہ سب مرسل ہیں، البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت ہے۔

۳۔ الصنابح رضی اللہ عنہ بن الاعسر الاحمسی: یہ بھی باتفاق صحابی ہیں، اوران کو بھی بعض اوقات صنابحی کہہ دیا جاتا ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تشریح کا منشاء یہ ہے کہ جس حدیث فضل طہور کا حوالہ دیا گیا ہے، وہ پہلے صاحب یعنی عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ فضل طہور کی حدیث کے راوی عبداللہ الصنابحی رضی اللہ عنہ ہیں۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ عبداللہ الصنابحی کے نام کا کوئی صحابی موجود نہیں ہے، صنابحی کا اطلاق صرف دو حضرات پر ہوتا ہے، ایک ابوعبداللہ عبدالرحمٰن بن عسیلہ، دوسرے صنابح ابن الاعسر احمسی، وہ فرماتے ہیں کہ دراصل فضلِ طہور کی حدیث کے راوی ابوعبداللہ صنابحی ہیں نہ کہ عبداللہ۔ اس لئے یہ حدیث مرسل ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دراصل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے وہم ہوا ہے اور انہوں نے ابوعبداللہ کی بجائے عبداللہ صنابحی کا نام ذکر کردیا، گویا ان حضرات کے نزدیک نہ تو عبداللہ صنابحی کے نام کا کوئی راوی موجود ہے اور نہ یہ حدیث اس کے مسندات میں سے ہے۔

جامع ترمذی کے بعض مصری نسخوں پر عبارت کچھ اس طرح لکھی ہوئی ہے کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اور علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم خیال ہیں، مصری نسخوں میں یہاں عبداللہ الصنابحی کا کوئی ذکر نہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے (مولانا رشید احمد گنگوہی) اسی مصری نسخہ کو ترجیح دی ہے، تاکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے مطابق ہوجائے، لیکن دوسرے شراح نے جس میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سید انور شاہ کشمیری) وغیرہ بھی شامل ہیں اسی ہندوستانی نسخہ کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ مصری نسخہ میں کاتب سے عبارت چھوٹ گئی ہے، اور یہ قاعدہ معروف ہے "المثبت مقدم علی النافی" اس لئے حقیقت یہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نقطہ نظر کی تردید کرنا چاہتے ہیں، ادھر خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس معاملہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف وہم کی نسبت کرنا درست نہیں، اس لئے کہ ان کی بنیاد اس بات پر ہے کہ عبداللہ صنابحی دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں، دونوں سے روایتیں مروی ہیں اور کتب رجال

۱۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج ۲ ص ۳۷۷

میں دونوں کا الگ الگ تذکرہ موجود ہے اور فضل طہور والی روایت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ابوعبداللہ سے نہیں، لہٰذا یہ روایت مرسل بھی نہیں ہے۔ (۱)

۳۔ حکمِ حدیث:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اور اس کے دیگر شواہد ومتابعات موجود ہیں۔

۴۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار یہ چوالیسویں (۴۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت عتبہ بن عبداللہ سے روایت لینے میں منفرد ہیں، باقی آئمہ صحاح ستہ ان سے روایت نہیں کرتے۔

☆ حضرت عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، صحاح ستہ میں ان سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، اور کل دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

۵۔ لغات:

خرجت:	وہ نکلی، مراد ہے گناہ کا دھلنا	الخطایا:	گناہ
انف:	ناک	وجہ:	چہرہ
اشفار:	پلکیں	اظفار:	ناخن
مشی:	چلنا	نافلۃ:	زائد۔ اضافی

۶۔ مسائل ونصائح:

علامہ نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہ مراد نہیں ہیں، جیسا کہ دوسری حدیث میں یہ قید ہے کہ ''جب تک وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو، قاضی عیاض نے کہا گناہ جھڑ جانے سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، کیونکہ گناہ اجسام نہیں ہیں حتیٰ کہ ان کا جسم سے نکلنا یا جھڑنا متصور ہو، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گناہ کرنے سے دل میں جو سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے وہ نقطہ مٹا دیا جاتا ہے نیز اس حدیث میں پیروں کے دھونے کا ذکر ہے، اس میں رافضیوں کے اس قول کا رد ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے۔ (۲)

۱۔ درس ترمذی، ج ۱ ص ۱۷۹۔۱۸۰

۲۔ i- شرح مسلم نووی، ج ۱ ص ۱۲۵ ii- شرح صحیح مسلم، ج ۱ ص ۸۹۵۔۸۹۶

☆ امام صاحب کا آخری جملہ (قال قتيبة عن ...) سے مقصود یہ ہے کہ اس روایت میں میرے دو اساتذہ میں سے ایک، یعنی عتبہ بن عبداللہ نے (ان رسول اللہ) کہا جب کہ دوسری استاذ قتیبہ نے (ان النبی ﷺ) کہا، اگر چہ اس لفظی اختلاف کا سند یا متن حدیث پر ذرہ بھر بھی اثر نہیں پڑتا مگر محدثین کا یہ کمال حفظ وضبط ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے معمولی سے اختلاف کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ اس سے ان کی دیانت داری کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ رحمهم الله رحمة واسعة۔

☆ ''غلطیاں نکل جاتی ہیں'' ۔ اس سے مراد غلطیوں کے اثرات ہیں کیونکہ گناہوں کے اثرات متعلقہ اعضاء میں جاگزین ہوجاتے ہیں۔ وضو کے ساتھ جس طرح جس ظاہری نجاست اور میل کچیل سے پاک ہوجاتا ہے، اسی طرح اعضائے وضو گناہوں کے اثرات سے پاک ہوجاتے ہیں۔ نتیجتاً جسم ظاہری اور معنوی طور پر، یعنی میل کچیل اور گناہ دونوں صاف ہوجاتے ہیں۔

☆ اس حدیث میں سر اور کانوں کا مسح اکٹھا ذکر کیا گیا ہے۔ حقیقتاً بھی کانوں کا مسح الگ نہیں ہوتا بلکہ سر والے پانی ہی سے کانوں کا مسح کیا جاتا ہے۔ اگر چہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کانوں کے لئے الگ پانی لینے کے قائل ہیں مگر یہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ گویا کان سر ہی میں داخل ہیں۔ اس مفہوم کی ایک صریح روایت بھی موجود ہے۔ (الاذنان من الراس) ''کان سر میں شامل ہیں'' (۱) بعض لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ کانوں کا سامنے والا حصہ منہ میں داخل ہے، لہٰذا اسے منہ کے ساتھ دھویا جائے اور پچھلا حصہ سر میں داخل ہے، لہٰذا اس کا سر کے ساتھ مسح کیا جائے۔ اسی طرح بعض لوگ کانوں کو چہرے کی طرح دھونے کے قائل ہیں مگر ان کی بنیاد قیاس پر ہے۔ صحیح وصریح احادیث کے مقابلے میں قیاس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ مذموم ہے۔

☆ جس دلیل کی طرف امام صاحب نے باب میں اشارہ فرمایا ہے، وہ یہ لفظ ہیں: (خرجت الخطايا من راسه حتى تخرج من اذنيه) انہی الفاظ میں سر کی غلطیوں کا کانوں سے نکلنا بتلایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کانوں کا حکم سر والا ہے، یعنی مسح۔

☆ (نافلة) ''زائد'' یعنی رفع درجات کا سبب بن جائیں۔ (۲)

☆ قوله: خرجت من وجهه كل خطيئة: علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہاں یہ بحث چھیڑی ہے کہ خروج کا عمل تو جواہر اور اجسام کے لوازم میں سے ہے، اور ذنوب اور خطایا اعراض ہیں، ان پر خروج پر اطلاق کیونکر ہوسکتا ہے، اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: درحقیقت یہاں خروج کی نسبت گناہ کی طرف مجازی ہے، اور دراصل مراد یہ ہے کہ ''غفرت له كل خطيئة''

قاضی ابوبکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: درحقیقت ''كل خطيئة'' سے پہلے ایک مضاف محذوف ہے اور تقدیری عبارت ہے ''خرج من وجهه اثر كل خطيئة'' اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک حدیث میں آتا ہے: ''جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے، اس کے بعد وہ جتنے گناہ کرتا ہے ان نقطوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک مرحلہ میں سیاہی ''ران'' کی صورت اختیار کرلیتی ہے'' ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں کے کچھ آثار مرئی بھی ہوتے ہیں، اس حدیث میں وضو کے ذریعے ایسے ہی آثار کے خروج کا حکم لگایا گیا ہے۔ لیکن اس معاملہ میں سب سے بہتر جواب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سید انور شاہ کشمیری) نے دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت عالم کی دو قسمیں ہیں،

۱۔ i-ابوداؤد: ۱۳۴ ii-ابن ماجہ: ۴۴۳ ۲۔ نسائی (فوائد)، ج ۱ ص ۱۶۲۔۱۶۳

ایک عالم مشاہدہ جو ہمیں بیداری کے عالم میں آنکھوں سے نظر آتا ہے، اور ایک عالم مثال، عالم مشاہدہ میں جو چیزیں اعراض ہوتی ہیں وہ بسا اوقات عالم مثال میں جواہر اور اجسام کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، مثلاً اگر خواب میں کوئی دودھ دیکھے تو اس کی تعبیر علم ہے، جو حدیث سے بھی ثابت ہے، لہٰذا علم جو عالم مشاہدہ میں عرض تھا وہ عالم مثال میں ایک جوہر بن گیا، اسی طرح تمام گناہوں کا حال ہے کہ وہ اگرچہ عالم مشاہدہ میں اعراض ہوں لیکن عالم مثال میں ان میں سے ہر ایک کا جسم اور خاص شکل وصورت موجود ہے، حدیث میں خروج کا اطلاق اسی عالم مثال کی نسبت سے کیا گیا ہے، اس کی تائید بزرگان دین کے ان واقعات ومکاشفات سے بھی ہوتی ہے، جن میں انہوں نے گناہوں کو مختلف جسمانی صورتوں میں دیکھا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں عالمِ مثال کی حقیقت پر مفصل بحث کی ہے۔

☆ اس حدیث سے متعلق دوسری بحث یہ ہے کہ اس حدیث میں وضو کے ذریعہ جن گناہوں کی معافی کا حکم لگایا گیا ہے ان سے مراد کون سے گناہ ہیں، صغیرہ یا کبیرہ؟ اکثر حضرات نے یہ فرمایا کہ ان سے مراد صغائر ہیں، کیونکہ کبائر بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اور اس قسم کے اعمال پر جہاں بھی گناہوں کی معافی کا ذکر آیا ہے، وہاں پر صغائر ہی مراد ہیں، بعض روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے: ''الصلوٰت الخمس والجمعة الى الجمعة مكفرات لما بينهن مالم يخش الكبائر'' لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اگر صرف صغائر معاف ہوتے ہیں اور کبائر معاف نہیں ہوتے تو آخر میں ''حتى يخرج نقيا من الذنوب'' کہنے کا کیا مطلب ہے؟

☆ اس کا ایک جواب تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (رشید احمد) نے ''الكوكب الدری'' میں یہ دیا ہے کہ یہاں صغائر اور کبائر دونوں مراد ہیں وہ اس طرح کے یہ معروف قاعدہ ہے کہ جب اسم مشتق پر کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو مادہ اشتقاق اس حکم کی علت اور اس کا مدار ہوا کرتا ہے، یہاں وضو کا حکم ''المسلم'' یا ''المؤمن'' پر لگایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی معافی اس وقت ہوگی جبکہ انسان اسلام اور ایمان کے ساتھ یعنی اپنی تمام کوتاہیوں اور گناہوں پر اظہار ندامت اور توبہ کے ساتھ وضو کرنے آئے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کے صغائر اور کبائر دونوں معاف ہو جائیں گے۔

لیکن اس جواب پر بھی یہ اشکال ہوتا ہے کہ پھر تو کبائر کی معافی توبہ کی وجہ سے ہوئی نہ کہ وضو کی وجہ سے، پھر اس سے فضل وضو کیسے ثابت ہو گیا؟ اس لئے مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرتب ''الكوكب الدری'' نے فرمایا کہ یہاں صرف صغائر مراد ہیں اور ''حتیٰ یخرج نقیاً من الذنوب'' اس لئے کہا گیا ہے کہ ایک مسلمان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ مرتکب کبائر ہو، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ (محمود الحسن) نے بھی ''الورد الشذی'' میں اسی سے ملتا جلتا جواب دیا ہے، بعض حضرات نے اس معاملہ میں توقف اور سکوت کو اسلم قرار دیا ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (انور شاہ کشمیری) نے فرمایا کہ دراصل یہاں چار الفاظ ہیں، جن کے درجات مختلف ہیں (۱) ذنب (۲) خطیئہ (۳) سیئہ (۴) معصیۃ، ان میں شدت کے اعتبار سے ترتیب بھی یہی ہے کہ سب سے ہلکا درجہ ذنب ہے، پھر خطیئہ پھر سیئہ اور پھر معصیہ سب سے آخر میں، ان میں سے صرف معصیت کبیرہ ہوتی ہے، باقی صغائر میں داخل ہیں، اس حدیث میں خطیئہ اور ذنب کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، سیئہ اور معصیہ کا یہاں کوئی ذکر نہیں، اور یہ دونوں مسکوت عنہ کے درجہ میں ہیں، لہٰذا کبائر کی معافی کا اس میں کوئی ذکر نہیں اور ''نقیا من الذنوب'' کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی صغائر سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (۱)

وضاحت: کانوں کا سر میں شامل ہونے یا چہرے میں شامل ہونے کی مکمل بحث حدیث نمبر ایک سو ایک (۱۰۱) پر گزر چکی ہے۔

۱۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۱۷۵۔۱۷۶

۷۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا ان دو احادیث سے تین مسائل میں استدلال ہے۔

ا۔ کانوں کا مسح سر کے ساتھ اسی پانی یا تری سے کرنا سنت ہے۔

۲۔ کان وضو کرنے میں سر کا حکم رکھتے ہیں۔

۳۔ کان وضو کرنے میں چہرہ کا حکم نہیں رکھتے۔

☆ حضرت عبداللہ صنابحی کی روایت میں ہے کہ گناہ ہاتھ، چہرے، سر اور پاؤں سے نکل جاتے ہیں، جبکہ نکلنے کے لئے جسم ہونا ضروری ہے، اور گناہ اعراض ہیں، اس کی درج ذیل توجیہات ہیں:

ا۔ حدیث مبارکہ میں نکلنے سے مراد گناہوں کا معاف ہونا ہے۔

۲۔ یہاں پر نکلنے سے مراد گناہ کا مٹنا ہے، اس کی وضاحت قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

(ایسا) ہرگز نہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) ان کے دلوں پر ان اعمال (بد) کا زنگ چڑھ گیا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے (اس لئے آیتیں ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں) (۱)

اس طرح حدیث مبارکہ میں ہے:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے، اس گناہ سے باز آجائے اور استغفار کرے تو دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر بار بار وہ گناہ کرتا رہے تو وہ داغ بڑھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں، یہی وہ رین ہے جس کا اس آیت میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ذکر فرمایا ہے۔ (۲)

☆ جس طرح نیک اعمال کے نتیجہ میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، آئینہ دل شفاف ہو جاتا ہے، اسی طرح بدکاریوں اور نافرمانیوں کے باعث دل کا آئینہ گرد آلود ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی چمک بالکل ناپید ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ ان سرکشوں کا آئینہ دل تاریک ہو گیا ہے، ان کی فطرت سلیمہ مسخ ہو چکی ہے اسی لئے یہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی آیتوں کو جھوٹی کہانیاں اور بے سروپا افسانے خیال کرتے ہیں اور بڑی بے حیائی سے وقوع قیامت کا انکار کر رہے ہیں اور اس انکار کی وجہ سے یہ گناہوں کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔ (۳)

☆ اسی طرح مفسرین نے کہا ہے کہ مسلسل گناہ کرتے رہنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے فراء نے کہا: جس شخص کے گناہ بہت زیادہ ہو جائیں تو وہ اس کے دل کا احاطہ کر لیتے ہیں اور یہی دل کا زنگ ہے، مجاہد نے کہا: جب بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے انہوں نے اپنی ہتھیلی کی ایک انگلی بند کر لی اور جب دوبارہ گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انہوں نے دوسری انگلی بند کر لی، پھر جب بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کی مثل یہ ہے، انہوں نے ساری انگلیاں بند کر کے مٹھی بند کر لی حتیٰ کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے۔ (۴)

۳۔ یہاں پر نکلنے سے حقیقی مراد نہیں، بلکہ مجازی اور حکمی ہے۔

ا۔ مطففین ۸۳:۱۴ ۲۔ ترمذی: ۳۳۳۴

۳۔ ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۵۱۷ ۴۔ تبیان القرآن، ج ۱۲، ص ۶۲۸

۴۔ یہاں پر گناہ کے نکلنے سے مراد عالم امثال کی نسبت سے ہوسکتا ہے، کیونکہ عالم امثال میں اعراض بھی مجسم متشکل ہوتے ہیں۔

☆ یہاں پر گناہوں کی معافی سے مراد صغیرہ گناہوں کی معافی ہے، کیونکہ کبائز کے لئے توبہ کرنا ضروری ہے، ہاں اگر صغائر نہ ہوں، تو کبائر میں کمی مراد ہے، اور اگر کبائر بھی نہ ہوں تو نیکیوں میں اضافہ مراد ہے۔

☆ وضو کی فضیلت کے بارے میں یہ حدیث مبارکہ بہت اعلیٰ وارفع ہے۔

☆ کان خلقی اعتبار سے چہرے کا حصہ ہیں، جبکہ وضو میں حکمی اعتبار سے سر کا حصہ ہیں۔

باب ۸۶: اَلْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ　　پگڑی پر مسح کرنے کا بیان

اس باب میں عمامے شریف پر مسح کرنے کے جواز کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں، جن میں سے دو احادیث مبارکہ میں پگڑی کے ساتھ ساتھ موزوں پر مسح کرنے کا ذکر موجود ہے، اور ایک حدیث مبارکہ میں صرف موزوں پر مسح کرنے کا بیان ہے، پچھلے باب میں سر اور کانوں کے مسح کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں پگڑی پر مسح کرنے کا بیان ہے، دونوں مسحوں کا تعلق وضو سے ہے۔

۱۰۴۔ اَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ ح وَاَنْبَاَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ لَيْلٰى عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ عَنْ بِلَالٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

۱۔ اطراف:

مسلم: ۲۷۵، ترمذی: ۱۰۱، ابن ماجہ: ۵۶۱، احمد: ۲۳۹۴۰، ۲۳۹۵۴، ۲۳۹۶۰، ۲۳۹۶۷، السنن الکبریٰ: ۱۲۳۔۱۲۴، تحفۃ الاشراف: ۲۰۴۷

۲۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۳۔ تعارفِ رجال:

اس سند کی روایت میں آٹھ راوی ہیں، ان میں سے دو کے حالاتِ زندگی گذر چکے ہیں، باقی چھ کے درج ذیل ہیں:

۱۔ الحسین بن منصور:

آپ کا نام ابو علی حسین بن منصور بن جعفر بن عبداللہ سلمی نیشاپوری (م: ۲۳۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، فقیہہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت وفقاہت اور زہد وتقویٰ پر متفق ہیں، امام بخاری اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہما آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۳، ص ۶۵　ii۔ الثقات، ج ۸، ص ۱۹۱

۲۔ابوسعادیۃ: راجع:۳۰ ۳۔الاعمش: راجع:۱۸

۴۔عبداللہ بن نمیر:

آپ کا نام ابوھشام عبداللہ بن نمیر ھمدانی کوفی (۱۱۵ھ۔۱۹۹ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ کبار سے ثقہ، صالح الحدیث، صاحب سنۃ، کثیر الحدیث، صدوق راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں وفات پائی۔(۱)

۵۔الحکم:

آپ کا نام ابومحمد حکم بن عتیبہ کندی کوفی ہے (م:۱۱۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، فقیہہ، عابد، مدلس راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ساٹھ سال سے زائد کی عمر پائی۔(۲)

۶۔عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ:

آپ کا نام ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بسار انصاری، مدنی، کوفی (م:۸۲ھ) ہے، آپ کی پیدائش حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو بیس (۱۲۰) انصار صحابہ کی زیارت کی، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آپ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، آپ نے اکہتر سال (۷۱) کی عمر میں واقعہ جماجم میں شہادت پائی۔بعض نے کہا ہے کہ آپ کی شہادت پانی میں ڈوبنے سے مقام دجیل پر ہوئی۔(۳)

۷۔کعب بن عجرۃ:

آپ کا نام ابومحمد کعب بن عجرہ انصاری مدنی (م:۵۲ھ) ہے، آپ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

نام ونسب: کعب نام، ابومحمد کنیت، خاندان بلی سے تھے اور قواقل کے حلیف تھے، نسب نامہ یہ ہے، کعب بن عجرہ بن امیہ بن عدی بن عبید بن خالد بن عمرو بن عوف بن غنم بن سواد ابن مری بن اراشہ بن عامر بن عبیلہ بن قسیل بن فران بن بلی بن عمرو بن حارث بن قصاعہ۔

اسلام: ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے۔

غزوات: تمام غزوات میں شرکت کی، عمرہ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، سر میں اس کثرت سے جوئیں پڑگئیں تھیں کہ چہرہ پر آ کر گرتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا: تو فرمایا تم کو سخت تکلیف ہے، اپنا سر منڈوادو، حضرت کعب رضی اللہ عنہ اگرچہ احرام باندھے ہوئے تھے، لیکن انہوں نے متابعت حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سر منڈوادیا اور اس تکلیف سے نجات پاگئے۔(۴)

روزہ کے فدیہ کے متعلق آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ سے ارشاد فرمایا: کہ تمہارے لئے تین صورتیں ہیں، یا تو ایک بکری ذبح کرو، یا تین روزے رکھو، (۵) یا مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، جس کی مقدار فی مسکین نصف صاع ہو، معلوم نہیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کون سی صورت اختیار کی، بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی قدرت نہ تھی، اس کے بعد صرف دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں، اب انہوں نے جس کو اختیار کیا، روایت سے صاف پتہ نہیں چلتا۔

۱۔ i۔تاریخ الثقات، ص۲۸۲ ii۔طبقات ابن سعد، ج۶، ص۳۹۴
۲۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۱۲۵ ii۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۱۹۰
۳۔ i۔تاریخ الثقات، ص۲۹۸ ii۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج۲، ص۵۷۷
۴۔ الاصابہ، ج۵، ص۳۰۴ ۵۔ بخاری، ج۲، ص۶۴۸

عام حالات: عہد نبوت کے بعد کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

وفات: ۵۱ ہجری میں مدینہ آ کر انتقال ہوا، اس وقت ۷۵ برس عمر تھی۔

اولاد: چار بیٹے چھوڑے جو حدیث کے راویوں میں ہیں ان کے نام یہ ہیں، اسحاق، عبدالملک، محمد، ربیع۔ رضی اللہ عنہم

حلیہ: ایک ہاتھ کسی غزوہ میں کٹ گیا تھا، سر پر گھنے بال تھے۔ (۱)

فضل وکمال: آنحضرت ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کی، راویوں میں حسب ذیل حضرات ہیں:

ابن عمر، جابر، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم، ابن عباس، عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہم، ابن مقرن مزنی، طارق بن شہاب، ابووائل، زید بن وہب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، ابن سیرین، ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، محمد بن کعب قرظی، ابوثمامہ حناط، سعید مقبری، عاصم عدوی، موسیٰ بن دربہ رحمہم اللہ، دان روایتوں کی تعداد ستنالیس ہے۔

اخلاق: حمایت حق اور حب رسول ﷺ دو چیزیں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اخلاق میں نہایت روشن ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ایک روز خطبہ دیا، جس میں مسلمانوں کی آئندہ خانہ جنگی کا تذکرہ بھی کیا تھا، کعب رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ وقت سامنے آ گیا ہے، اتنے میں ایک شخص چادر اوڑھے سامنے سے گزرا، آنحضرت ﷺ نے کہا اس روز یہ شخص حق پر ہوگا، کعب رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور اس کے بازو پکڑ کر کہا یارسول اللہ ﷺ! یہ شخص؟ فرمایا ہاں، کعب نے چہرہ دیکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ (۲)

طبرانی کتاب الاوسط میں ہے کہ ایک روز کعب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے چہرہ مبارک (بھوک کی وجہ سے) متغیر دیکھ کر جلدی سے واپس گئے، راستہ میں ایک یہودی اونٹ کو پانی پلا رہا تھا، انہوں نے فی ڈول ایک چھوہارے کے حساب سے کچھ دیر مزدوری کی، کچھ چھوہارے جمع ہو گئے تو خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوئے اور پیش کیے۔ (۳) آپ صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۴)

۸۔ بلال:

نام ونسب: بلال نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا، یہ حبشی نژاد غلام تھے، لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے، بنی جمح ان کے آقا تھے۔ (۵)

اسلام: حضرت بلال رضی اللہ عنہ صورت ظاہری کے لحاظ سے گوسیاہ فام حبشی تھے، تاہم آئینہ دل شفاف تھا، اس کو ضیائے ایمان نے اس وقت منور کیا، جب کہ وادئ بطحاء کی اکثر گوری مخلوق غرور حسن وزعم شرافت میں ضلالت وگمراہی کی ٹھوکریں کھا رہی تھی، جن معدودے چند بزرگوں نے داعی حق کو لبیک کہا تھا ان میں صرف سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی تھا۔ (۶) سچ ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۴۲ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً

۴۔ سیرۃ الصحابۃ، حصہ انصار (دوم) ج ۱، ص ۱۵۰۔۱۵۱ ۵۔ اسعد الغابہ، ج ۱، ص ۹۲۰۶

۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۶۶

ابتلاء واستقامت: کمزور ہمیشہ سب سے زیادہ ظلم کا آماجگاہ رہتا ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جو ذاتی حالت تھی، اس لحاظ سے وہ اور بھی اس ناموس جفا کے شکار ہوگئے، گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے استقلال واستقامت کی آزمائش ہوئی، تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹائے گئے، مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں رسیاں ڈال کر بازیچہ اطفال بنایا، لیکن ان تمام روح فرسا وجان گسل آزمائشوں کے باوجود توحید کا حبل متین ہاتھ سے نہ چھوٹا، ابوجہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے پتھر کی چکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بیقرار کر دیتی تو کہتا: بلال (رضی اللہ عنہ)! اب بھی محمد کے خدا سے باز آ، لیکن اس وقت بھی دہن مبارک سے یہی ''احد احد'' نکلتا۔(۱)

ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا، اس کی جدت طرازیوں نے ظلم وجفا کے نئے طریقے ایجاد کئے تھے، وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا، کبھی گائے کی کھال میں لپیٹتا، کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا اور کہتا: ''تمہارا خدا لات اور عزیٰ ہے''۔ لیکن اس وارفتہ توحید کی زبان سے ''احد احد'' کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا، مشرکین کہتے: کہ تم ہمارے ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے: کہ میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کرسکتی۔(۲)

آزادی: حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک روز حسب معمول وادیٔ بطحاء میں مشق ستم بنائے جا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس طرف سے گذرے تو یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر دل بھر آیا اور ایک گرانقدر رقم معاوضہ دے کر آزاد کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: ''ابوبکر تم مجھے اس میں شریک کرلو''۔ عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اور میرا مال سب آپ کا ہے میں اسے آزاد کر چکا ہوں''۔(۳)

ہجرت: وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، حضرت سعد ابورویحہ عبداللہ ابن عبدالرحمٰن خثعمی رضی اللہ عنہ سے مواخات ہوئی، ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہوگئی تھی، عہد فاروقی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''بلال! تمہارا وظیفہ کون وصول کرے گا؟'' عرض کی: ''ابورویحہ (رضی اللہ عنہ) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں میں جو برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے وہ کبھی منقطع نہیں ہوسکتا''۔(۴)

مؤذن: مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا، یہاں پہنچنے کے ساتھ شعار اسلام ودین متین کی اصولی وتدوین وتکمیل کا سلسلہ شروع ہوا، مسجد تعمیر ہوئی، خدائے لایزال کی عبادت وپرستش کے لئے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لئے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے۔(۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آواز نہایت بلند وبالا ودلکش تھی، ان کی ایک صدا توحید کے متوالوں کو بے چین کر دیتی تھی، مرد اپنا کاروبار عورتیں شبستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ان کے اردگرد جمع ہوجاتے، جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہوجاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہوکر کہتے حي علي الصلوٰة حي علي الفلاح الصلوٰة یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز

۱۔ اسد الغابہ، ج۱ ص۲۰۶
۲۔ طبقات ابن سعد، ج۳ ص۵۶
۳۔ ایضاً
۴۔ طبقات ابن سعد، ج۳ ص۱۶۷
۵۔ بخاری: ۶۰۳

تیار ہے، غرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صدائے سامعہ نواز تکبیر اقامت کے نعروں سے بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال والاکرام میں سربسجود ہونے کے لئے صف بصف کھڑا کر دیتی۔(۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اگر کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ان کی قائم مقامی کرتے تھے، صبح کی اذان عموماً کچھ رات رہتے ہوئے دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صبح کے وقت دو اذانیں مقرر کی گئی تھیں، آخری اذان حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ دیتے تھے۔ چونکہ وہ نابینا تھے، اس لئے ان کو وقت کا پتہ نہ چلتا تھا، جب لوگ ان سے کہتے کہ "صبح ہوگئی" تو اٹھ کر ندائے تکبیر بلند فرماتے تھے، اسی بنا پر رمضان میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد اکل وشرب جائز تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کہ بلال رضی اللہ عنہ کی اذان صرف اس لئے ہے کہ جو لوگ رات بھر عبادت الٰہی میں مصروف رہے ہیں، وہ کچھ دیر آرام کریں اور جو تمام رات خواب راحت میں سرشار رہے ہیں وہ بیدار ہو کر نماز صبح کی تیاری کریں، لیکن وہ صبح کا وقت نہیں ہوتا بلکہ رات باقی رہتی ہے۔(۲)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر وحضر ہر موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے، ایک دفعہ سفر درپیش تھا، ایک جگہ رات ہوگئی، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر اسی جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا، ارشاد ہوا: "مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل نہ کردے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا، انہوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے، غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے خیال سے شب زندہ داری کا ارادہ کرلیا اور رات بھر اپنے کجاوہ پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے، لیکن اتفاق وقت اس حال میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غنودگی طاری ہوئی کہ طلوع آفتاب تک ہوشیار نہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا: "بلال رضی اللہ عنہ! تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟" عرض کی: "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج کچھ ایسی نیند طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا"۔ ارشاد ہوا: "بے شک خدا جب چاہتا ہے تمہاری روحوں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے، اچھا اٹھو، اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرو۔(۳)

غزوات: حضرت بلال رضی اللہ عنہ تمام مشہور غزوات میں شریک تھے، غزوۂ بدر میں انہوں نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا، اور خود ان کی ایذا رسانی میں بھی اس کا ہاتھ سب سے پیش پیش تھا۔(۴)

فتح مکہ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس مؤذن خاص کو معیت کا فخر حاصل تھا۔(۵) انہیں حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پرعظمت صدائے تکبیر بلند کریں، خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا، مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمۂ توحید سے گونجا۔(۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے محسن وولی نعمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کی: "یا خلیفہ رسول! آپ نے خدا کے لئے آزاد کیا ہے یا اپنی مصاحبت کے لئے"۔ فرمایا: "خدا کے لئے"۔ بولے "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرنا مؤمن کا سب سے بہتر کام ہے، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پیام موت تک اسی عمل خیر کو لازمہ حیات بنالوں"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳ص ۱۷۶ ۲۔ بخاری: ۶۱۷
۳۔ بخاری: ۵۹۵ ۴۔ اسد الغابہ، ج ۱ص ۲۰۷
۵۔ اسد الغابہ، ج ۱ص ۲۰۷ ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۳ص ۱۶۷

''بلال رضی اللہ عنہ! میں تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس عالم پیری میں داغ مفارقت نہ دو''۔ اس مؤثر فرمان نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو عہد صدیقی کے غزوات میں شریک ہونے سے باز رکھا۔(۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھا تو انہوں نے پھر شرکت جہاد کی اجازت طلب کی، خلیفہ اول کی طرح خلیفہ دوم نے بھی ان کو روکنا چاہا لیکن جوش جہاد کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا، بے حد اصرار کے بعد اجازت حاصل کی، اور شامی مہم میں شریک ہو گئے۔(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے افسران فوج کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بھی مقام جابیہ میں ان کو خوش آمدید کہا، اور بیت المقدس کی سیاحت میں ہمرکاب رہے، ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اذان دینے کی فرمائش کی تو بولے: ''گو میں عہد کر چکا ہوں کہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذان نہ دوں گا، تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا، یہ کہہ کر اس عندلیب توحید نے کچھ ایسے لحن میں خدائے ذوالجلال کی عظمت وشوکت کا نغمہ سنایا کہ تمام مجمع بیتاب ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی بے اختیار رو رہے تھے، غرض سب کے سامنے عہد نبوی کا نقشہ کھنچ گیا اور تمام سامعین نے ایک خاص کیفیت محسوس کی۔(۳)

شام میں توطن: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملک شام کی سرسبز وشاداب زمین پسند آ گئی تھی، انہوں نے خلیفہ دوم سے درخواست کی کہ ان کو اور ان کے اسلامی بھائی حضرت ابورویحہ رضی اللہ عنہ کو یہاں مستقل سکونت کی اجازت دی جائے۔ یہ درخواست منظور ہوئی تو ان دونوں نے قصبہ خولان میں مستقل اقامت اختیار کر لی، اور حضرت ابوالدرداء انصاری رضی اللہ عنہ کے خاندان سے جو پہلے ہی یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا، رشتہ مناکحت کی سلسلہ جنبانی فرماتے ہوئے کہا: ''ہم دونوں کافر تھے، خدا نے ہماری ہدایت کی، ہم غلام تھے، اس نے آزاد کر دیا، ہم محتاج تھے، اس نے مالدار بنایا، اب ہم تمہارے خاندان سے پیوستہ ہونے کی آرزو رکھتے ہیں، اگر تم رشتہ ازدواج سے یہ آرزو پوری کرو گے تو خدا کا شکر ہے، ورنہ کوئی شکایت نہیں''۔ آپ نے کالے، گورے، حبشی اور عربی کی تصدیق مٹادی تھی، انصار نے نہایت خوشی کے ساتھ ان کے اس پیام کو لبیک کہا اور اپنی لڑکیوں سے شادی کر دی۔(۴)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک عرصہ تک شام میں متوطن رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں: ''بلال رضی اللہ عنہ! یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گذشتہ زندگی کے پرلطف افسانے یاد دلائے، عشق ومحبت کے مرجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے، اسی وقت مدینہ کی راہ لی اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا، اور مضطربانہ جوش ومحبت کے ساتھ جگر گوشان رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو چمٹا چمٹا کر پیار کر رہے تھے، ان دونوں نے خواہش ظاہر کی کہ آج صبح کے وقت اذان دیجئے، گو ارادہ کر چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ اذان نہ دیں گے، تاہم ان کی فرمائش ٹال نہ سکے، صبح کے وقت مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر بلند کیا تو تمام مدینہ منورہ گونج اٹھا، اس کے بعد نعرہ توحید نے اس کو اور بھی پرعظمت بنا دیا، لیکن جب اشهد ان محمد رسول الله کا نعرہ بلند کیا تو عورتیں بیقرار ہو کر پردوں سے نکل پڑیں اور تمام

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۶۸ ۲۔ بخاری وطبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۶۸

۳۔ اسد الغابہ، ج ۱، ص ۲۰۸ ۴۔ اسد الغابہ ج ۱، ص ۲۰۸

عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار آنسوؤں سے تر ہو گئے، بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایسا پراثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔(۱)

وفات: ۲۰ھ میں اس مخلص باوفا نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت کے لئے دنیائے فانی کو خیر باد کہا، کم وبیش ساٹھ برس کی عمر پائی، دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے۔(۲)

اخلاق: محاسن اخلاق نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پایہ فضل وکمال کو نہایت بلند کر دیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ابوبکر سیدنا اعتق سیدنا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ سردار ہیں، اور انہوں نے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا ہے۔(۳)

حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گذاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا، ہر وقت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہتے، آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جان نثار کی طرح ہمراہ ہوتے۔ عیدین واستسقاء کے مواقع پر بلم لے کر آگے آگے چلتے۔(۴) وعظ وپند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے، افلاس ونا داری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آجاتا اس کا ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لئے پس انداز کرتے، ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے تعجب سے پوچھا ''بلال! یہ کہاں سے؟'' عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں، وہ نہایت خراب قسم کی تھیں، چونکہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا تھا، اس لئے میں نے دوصاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں، ارشاد ہوا، ''اُف! اُف! ایسا نہ کیا کرو، یہ تو عین ربا ہے، اگر تمہیں خریدنا تھا: تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے، پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے''۔(۵)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم ومصائب کے متحمل ہوئے، اس سے ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوتا ہے، تواضع وخاکساری ان کی فطرت میں داخل تھی، لوگ ان کے فضائل ومحاسن کا تذکرہ کرتے تو فرماتے ''میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا۔(۶) ''صداقت، بے لوثی اور دیانت داری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا، ان کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے، ایک عربی خاتون کے پاس نکاح کا پیام بھیجا، اس کے خاندان والوں نے جواب دیا: کہ اگر بلال رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے، تو ہم کو بخوشی منظور ہے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا ''صاحبو! میں بلال بن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، میں جانتا ہوں کہ اخلاق ومذہب کے لحاظ سے یہ برا آدمی ہے، اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو'' انہوں نے کہا: بلال! تم جس کے بھائی ہو گے، اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لئے عار نہیں''۔(۷)

مذہبی زندگی: حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن خاص تھے، اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانہ خدا میں حاضر رہنا تھا، معاملات دنیوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت وشب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے، عرض کی ''میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے، البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے''۔(۸) نماز میں سب سے پہلے امین کہتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ مجھ سے سبقت نہ کیا کرو''۔(۹)

۱۔ اسد الغابہ، ج۱، ص۲۰۸ ۲۔ اسد الغابہ، ج۱، ص۲۰۹ ۳۔ متدرک حاکم، ج۳، ص۲۸۴

۴۔ طبقات ابن سعد، ج۳، ص۱۶۸ ۵۔ بخاری، ج۱، ص۳۱۱ ۶۔ طبقات ابن سعد، ج۱، ص۱۶۹

۷۔ متدرک حاکم، ج۳، ص۲۸۳ ۸۔ بخاری، ج۲، ص۱۱۲۴ ۹۔ اصابہ، تذکرہ بلال رضی اللہ عنہ

ایمان کو تمام اعمال حسنہ کی بنیاد سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا: کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ بولے" خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ، پھر جہاد، پھر حج مبرور"(۱)

حلیہ: حلیہ یہ تھا، قد نہایت طویل، جسم لاغر، رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی، سر کے بال گھنے، خمدار اور اکثر سفید تھے۔(۲)

ازواج: حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں، ان کی بعض بیویاں عرب کے نہایت شریف و معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے خود رسول اللہ ﷺ نے نکاح کرا دیا تھا، بنی زہرہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا، لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔(۳)

آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں آپ سے مروی روایات ہیں۔

۴۔ حکمِ حدیث:

یہ روایت صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے، اور امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی حکم بن عتیبہ سے روایت لینے میں صیغہ تحدیث (حدثنی) کی تصریح کی ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں: وفی حدیث عیسیٰ: حدثنی الحکم، حدثنی بلال (۴)

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ گیارھویں (۱۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ امام اعمش اور حکم بن عتیبہ تدلیس کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، حضرت کعب رضی اللہ عنہ مدنی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدنی شامی اور باقی سارے کوفی رواۃ ہیں۔

☆ یہ روایت تابعی (اعمش) کی دوسرے تابعی حکم بن عتیبہ اور وہ تیسرے تابعی (عبدالرحمٰن) سے، اور صحابی حضرت (کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ) کی دوسرے صحابی (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

☆ سنن نسائی کی یہ پہلی روایت ہے، جس میں تین تابعی اور دو صحابی راوی ہیں۔

☆ سند میں تحویل ہے، جو کہ سند کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔

☆ سند میں حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے عنعنہ سے روایت کی ہے، جبکہ آپ مدلس راوی ہیں، البتہ اس سند کی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے صیغہ تحدیث کے ساتھ روایت کی تصریح فرمائی ہے، اور یہ روایت تدلیس سے خالی ہے۔

☆ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مؤذن رسول ﷺ ہیں۔

☆ سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں آپ رضی اللہ عنہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا دو دفعہ، حدثنا چار دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ بخاری، ج۲، ص۱۱۴۴ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج۱، ص۱۷۰

۳۔ i- طبقات ابن سعد، ج۱، ص۱۶۹ ii- سیرۃ الصحابۃ، ج۱، ص۱۳۴۔۱۳۸ ۴۔ مسلم: ۶۳۷

۶۔لغات:

رایت: میں نے دیکھا — یمسح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح کیا

الخفین: دوموزے — الخمار: پگڑی، دوپٹہ، چادر

۱۰۵۔وَاَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجَرْجَرَائِيُّ عَنْ طَلْقِ بْنِ غَنَّامٍ قَالَ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ وَحَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِي لَيْلٰى عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ بِلَالٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

۱۔اطراف:

احمد:۲۳۹۷۱،تحفۃ الاشراف:۲۰۳۲

۲۔مطابقت:

اس حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ بظاہر کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان عمامہ شریف پر مسح کرنا ہے، اور حدیث مبارکہ میں صرف موزوں پر مسح کرنے کا بیان ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث مبارکہ کو یہاں پر نقل کرنا تین وجہ سے ہوسکتا ہے:

۱۔ باب کا عنوان پگڑی پر مسح کرنا ہے، اور اس حدیث مبارکہ میں موزوں پر مسح کرنے کا ذکر ہے، دونوں میں مسح کرنے کا بیان ہے۔

۲۔ باب کے عنوان اور حدیث مبارکہ دونوں کا تعلق وضو سے ہے۔

۳۔ زیادہ تر روایات میں عمامہ اور موزوں پر مسح کرنے کا ذکر اکٹھا ہوا ہے، اس لئے امام صاحب نے صرف موزوں پر مسح کرنے والی روایت بھی علیحدہ سند سے ذکر کردی ہے، اسی لئے اس حدیث مبارکہ کو درمیان میں ذکر کیا ہے اور اس سے پہلے اور بعد میں پگڑی اور موزوں دونوں پر مسح کرنے والی احادیث مبارکہ کو ذکر کیا ہے۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس سند کی روایت میں نو راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی پانچ کے حالات حسب ذیل ہیں:

۱۔الحسین بن عبدالرحمان الجرجرائی:

آپ کا نام ابوعلی حسین بن عبدالرحمان جرجرائی (م:۲۵۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، مقبول راوی ہیں، امام ترمذی کے علاوہ آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۱۔ i۔تہذیب التھذیب، ج۲،ص۳۴۳ ii۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۱۷۷

۲۔طلق بن غنام:

آپ کا نام ابومحمد طلق بن غنام بن طلق بن معاویہ نخعی کوفی (م:۲۱۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ کبار سے ثقہ، صالح، صدوق راوی ہیں، امام مسلم کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں (۱)

۳۔زائدۃ:

آپ کا نام ابوصلت زائدہ بن قدامہ ثقفی کوفی (م:۱۶۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، صدوق، صاحب سنۃ، حافظ متقن مامون راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت واتقان پر متفق ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے بلاد روم میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔(۲)

۴۔حفص بن غیاث:

آپ کا نام ابوعمر قاضی حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ نخعی کوفی (م:۹۴ھ/۹۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، فقیہ، مامون راوی ہیں، البتہ آخری عمر میں سوء حفظ کا شکار ہو گئے تھے، آپ کوفہ اور بغداد کے قاضی بھی رہے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔(۳)

۵۔الاعمش: راجع:۱۸ ۶۔الحکم: راجع:۱۰۴

۷۔عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ: ایضاً

۸۔البراء:

نام ونسب: براء نام، ابوعمارہ کنیت، خاندان حارثہ سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے براء بن عازب ابن حارث بن عدی بن جشم بن مجدعہ بن حارثہ بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس ننہال کی طرف سے حضرت ابوبردہ بن نیار جو غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے اور قبیلہ بلی سے تھے (۴) ان کے ماموں (۵) تھے پیشتر وہ اپنی سسرال کے حلیف بھی بن چکے تھے۔ حضرت براء کے والد (عازب) صحابی تھے، صحیحین میں ان کا یہ واقعہ مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے اونٹ کا پلان خریدا، اور کہا اس کو اپنے بیٹے سے اٹھوا کر میرے ساتھ بھیجئے، جواب دیا، پہلے ہجرت کا قصہ سنایئے، (۶) پھر آپ جاسکتے ہیں۔

اسلام: مدینہ میں دعوت اسلام عام ہو چکی تھی، ماموں عقبہ میں بیعت کر چکے تھے باپ نے بھی توحید ورسالت کا اقرار کر لیا تھا، بیٹے نے ان ہی دونوں خاندانوں میں تربیت پائی تھی۔

غزوات ودیگر حالات: قبول اسلام کے بعد احکام ومسائل کے سیکھنے میں مصروف ہوئے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور ابن ام مکتوم کی درس گاہ کتاب وسنت کا مرکز بنی ہوئی تھی، انہوں نے وہیں تعلیم پائی، پہلے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا، آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو سبح اسم ربک

۱۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۵،ص۵۵۲ ii۔الجرح والتعدیل، ج۴،ص۴۹۱

۲۔ i۔تاریخ ابی زرعہ، ص۴۶۷ ii۔الثقات، ج۶،ص۳۳۹

۳۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲،ص۱۲۱ ii۔تاریخ الثقات، ص۱۲۵

۴۔ الاصابۃ، ابوبردہ ۵۔ مسند احمد، ج۴،ص۲۸۲ ۶۔ بخاری، ج۱،ص۵۵۷

الاعلیٰ کی سورۃ زیر درس تھی۔(۱) غزوہ بدر میں اگر چہ کم سن تھے، تاہم جوش ایمان عین شباب پر تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے لڑائی کے ناقابل سمجھ کر واپس کر دیا۔(۲) غزوہ احد میں پندرہ سال کی عمر میں لڑائی میں شریک (۳) ہوئے، خندق، (۴) حدیبیہ، (۵) خیبر میں بھی صرف شرکت حاصل تھی۔(۶) غزوہ حنین میں نہایت پامردی سے مقابلہ کیا، ایک شخص نے پوچھا حنین میں تم بھاگے تھے؟ فرمایا بہر حال میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیٹھ نہیں پھیری، جلد باز لوگ البتہ دور تک پھیل گئے تھے۔(۷) اس روایت سے لوگوں نے براء کے عدم فرار پر استدلال کیا ہے کہ بھاگنے کی صورت میں وہ ان واقعات کو دیکھ کر بیان نہ سکتے تھے جن کے بچشم خود دیکھنے کی مدعی ہیں۔ غزوہ طائف کے بعد اور حجۃ الوداع کے قبل آنحضرت ﷺ نے حضرت خالد کو کچھ لوگوں کے ہمراہ یمن روانہ کیا، حضرت براء بھی ساتھ تھے، ان کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ اصحاب خالد رضی اللہ عنہ میں جو لوگ وہاں رہنا چاہیں تمہارے ساتھ رہ سکتے ہیں، اور جو آنا چاہتے ہوں وہ مدینہ چلے آئیں، حضرت براء یمن میں ٹھہر گئے اور وہاں بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔(۸) غرض عہد نبوت کے وہ غزوات جن میں آنحضرت ﷺ کی بہ نفس نفیس شرکت تھی، ان میں سے ۱۵ میں شمولیت حاصل کی۔(۹) غزوات کے ساتھ اگر دیگر واقعات بھی ملا دیئے جائیں تو آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کرنے کی تعداد ۱۸ ہو جاتی ہے۔(۱۰) ۲۲ھ (خلافت فاروقی) میں رے فتح کیا، غزوہ تستر میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے، اور جناب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جو لڑائیاں ہوئیں سب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے۔ کوفہ میں ایک مکان بنایا اور وہیں سکونت اختیار کی۔

وفات: ۷۲ھ میں مصعب بن زبیر امیر کوفہ تھے، کوفہ میں انتقال فرمایا۔

اولاد: حسب ذیل اولاد چھوڑی، عبید، ربیع، سوید، یزید، ان میں سے موخر الذکر عمان کے امیر تھے۔(۱۱) سوید کے حالات میں صاحب طبقات نے لکھا ہے کہ عمان کے بہترین (۱۲) امیر ثابت ہوئے تھے، ممکن ہے کہ یزید اور سوید دونوں عمان کے امیر مقرر ہوئے ہوں۔

سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے، سونا مردوں کے لئے شرعاً حرام ہے، لوگوں نے اعتراض کیا، فرمایا: پہلے واقعہ سن لو، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مال غنیمت تقسیم کیا۔ صرف انگوٹھی رہ گئی، ادھر ادھر دیکھا، پھر مجھ کو بلا کر فرمایا: تم اس کو پہنو! یہ خدا تعالیٰ اور رسول ﷺ نے تم کو پہنائی ہے، اب تم ہی بتاؤ، جو چیز اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے مجھے پہنائی ہو، اس کو کیونکر اتار پھینکوں۔(۱۳)

فضل وکمال: فضلاء صحابہ میں تھے، حدیث کی نشر و اشاعت میں خاص اہتمام تھا، ان کے سلسلہ سے جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ ان کی تعداد ۳۰۵ ہے، ان میں ۲۲ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔

روایت حدیث میں خاص احتیاط رکھتے تھے اور اس کی تعلیم خود آنحضرت ﷺ سے پائی تھی، آنحضرت ﷺ نے ان کو ایک دعا بتائی اور خود سنا کر ان سے پڑھوایا انہوں نے برسوں پڑھا، آنحضرت ﷺ نے بنبیک بتایا تھا، فرمایا نہیں بنبیک۔(۱۴) اس کا یہ اثر تھا کہ حدیث بیان کرتے

۱۔ ایضاً، ج ۱، ص ۵۵۸ ۲۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۶۴ ۳۔ بخاری، ج ۱، ص ۵۷۹
۴۔ ایضاً، ص ۵۸۹ ۵۔ ایضاً، ص ۶۱۰ ۶۔ ایضاً، ص ۶۰۷
۷۔ ایضاً، ص ۶۱۷ ۸۔ ایضاً، ص ۶۲۳ ۹۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۹۲
۱۰۔ ایضاً، ص ۲۹۲ ۱۱۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۸۸ ۱۲۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۲۰۷
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۹۴ ۱۴۔ ایضاً، ج ۴، ص ۲۹۳

وقت ان نزاکتوں کا پورا خیال رکھتے تھے ایک مرتبہ اپنی روایتوں کی نوعیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ما کل الحدیث سمعنیاہ من رسول اللہ کان یحدثنا اصحابنا عنہ کانت شغلنا عنہ رعیۃ الابل۔

''یعنی جتنی حدیثیں میں بیان کروں ضروری نہیں کہ سب رسول اللہ ﷺ سے سنی بھی ہوں۔ ہم اونٹ چرایا کرتے تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے پاس ہر وقت حاضر نہ رہ سکتے تھے بہت حدیثیں صحابہ سے روایت کرتا ہوں۔''(۱)

جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کی، وہ اپنے طبقہ کے سربرآوردہ تھے، مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عازب رضی اللہ عنہ۔

جن لوگوں کو تلمذ کا فخر حاصل تھا وہ اکابر تابعین میں سے تھے، ابن ابی لیلیٰ، عدی بن ثابت، ابواسحاق، معاویہ بن سوید بن مقرن، ابو بردہ، ابوبکر پسران ابوموسیٰ رحمہم اللہ اشعری وغیرہ۔

بسا اوقات حدیث کی مجلس میں صحابہ بھی شریک ہوتے تھے، ابوجحیفہ اور عبداللہ بن زید خطمی تو راویوں کے زمرہ میں داخل ہو چکے تھے، ان کے علاوہ اور بھی صحابہ آتے تھے ایک روز کعب بن عجرہ چند صحابہ کے ساتھ ان کی مجلس میں تشریف لائے تھے۔(۲)

مجلس میں مختلف قسم کے شکوک پیش ہوتے تھے، بعض آیات قرآنی پر شبہ وارد کرتے تھے۔ بعض مسائل فقہ دریافت کرتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا لاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو) میں مشرکین پر حملہ کرنا داخل ہے یا نہیں، فرمایا کیسے ہوسکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت ﷺ کو جہاد کرنے کا حکم دیا اور فرمایا فقاتل فی سبیل اللہ لاتکلف الانفسک (خدا کی راہ میں لڑائی کرو تم صرف اپنے نفس کے مکلف ہو) تم نے جو آیت پیش کی، خرچ کے بارے میں ہے،(۳) یعنی یہ نہ سمجھو کہ راہ خدا میں صرف کرنے سے ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسا سمجھنا ہلاکت ہے۔

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن مطعم (ابومنہال) کے ساتھی نے بازار میں کچھ درہم ایک مدت معینہ کے لئے فروخت کیے، عبدالرحمٰن نے کہا: یہ جائز بھی ہے؟ بولا: ہاں! میں نے اس سے پہلے بھی بیچے ہیں لیکن کسی نے برا نہ کہا، یہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور واقعہ بیان کیا۔ فرمایا: آنحضرت ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو ہم لوگ اسی طرح خرید و فروخت کرتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا: کہ جو ہاتھوں ہاتھ ہو، اس میں مضائقہ نہیں، لیکن ادھار ناجائز ہے۔ مزید اطمینان کے لئے زید بن ارقم سے جاکر پوچھو، وہ ہم میں سب سے بڑے تاجر تھے، حضرت عبدالرحمٰن، زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، انہوں نے براء کی تائید کی۔(۴)

اخلاق وعادات: اخلاق وعادات میں اتباع سنت، حب رسول، انکسار وتواضع نمایاں ہیں۔ اتباع سنت کا یہ حال تھا کہ نماز کی ایک ایک چیز رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھی، ایک روز گھر والوں کو جمع کر کے کہا کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ وضو کرتے اور نماز پڑھتے تھے، آج تم کو دکھا دوں، خدا معلوم میری زندگی کب تک رہے اور وضو کر کے ظہر کی نماز با جماعت پڑھی، پھر عصر، مغرب، عشا سب اسی طرح پڑھائیں۔(۵)

ایک آنحضرت ﷺ کے سجدہ کی نقل کر کے بتائی۔(۶)

۱۔ ایضاً ص ۲۹۳ ۲۔ مسند، ج ۴، ص ۳۰۳ ۳۔ مسند، ج ۴، ص ۲۸۱

۴۔ بخاری: ۲۱۸۰ ۵۔ مسند، ج ۴، ص ۴۸ ۶۔ ایضاً ص ۳۰۳

ایک مرتبہ ابودرداء ملاقات کو آئے انہوں نے خود سلام کیا، اوران کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کرخوب ہنسے، پھر فرمایا جانتے ہو میں نے ایسا کیوں کیا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ ایک مرتبہ ایسا ہی کیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب دو مسلمان اس طرح ملیں اور کوئی ذاتی غرض درمیان میں نہ ہو تو دونوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔(۱) صف نماز میں داہنی طرف کھڑے ہونے کی فضیلت وارد ہوئی ہے، اس لئے حضرت براء داہنی طرف کھڑا ہونا پسند کرتے تھے۔(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جان ومال سے زیادہ تھی اور اس کا اثر ہر بات پر نمایاں تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے تو ہر لفظ محبت کے آب حیات میں ڈوبا ہوا نکلتا، فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب آدمیوں سے خوبصورت تھے میں نے سرخ چادر اوڑھے دیکھا تھا۔ جتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کھلتی تھی کسی پر نہ کھلتی تھی۔(۳) ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ (چمک میں) تلوار کے مانند تھا؟ فرمایا نہیں بلکہ چاند کے مانند تھا۔(۴) انکسار وتواضع کا یہ حال تھا کہ گو آپ جلیل القدر صحابی تھے، لیکن اپنے کو نہایت ناچیز سمجھتے تھے۔ ایک شخص نے آکر کہا خوش بختی مبارک! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اور بیعت الرضوان میں بھی شریک ہو چکے ہیں، فرمایا برادرزادے! تم کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم نے کیا کیا۔(۵)

۹۔ **بلال:** راجع:۱۰۴

۴۔ حکمِ حدیث:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ دوسری حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے رواۃ میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ جرجرائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ مدنی شامی دمشقی اور باقی رواۃ کوفی ہیں۔

☆ اس سند میں تین تابعین کرام (اعمش، حکم، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ) نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔

☆ اس سند میں تین تابعی اور دو صحابی راوی ہیں۔

☆ اس باب کی احادیث میں یہ طویل سند ہے۔

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے تین سو پانچ (۳۰۵) احادیثِ مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ میں سے ہیں اور مؤذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب سے مشہور ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چھ دفعہ استعمال ہوا ہے

۱۔ مسند احمد، ج۴، ص۲۸۹ ۲۔ ایضاً ص۳۰۴ ۳۔ بخاری، ج۱، ص۵۰۲ ۴۔ ایضاً

۵۔ i۔ بخاری، ج۱، ص۵۹۹ ii۔ سیر الصحابۃ، ج۱، ص۱۶۰۔۱۶۴

۱۰۶۔أَخْبَرَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ وَكِيعٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ بِلَالٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخِمَارِ وَالْخُفَّيْنِ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پگڑی مبارک اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔

۱۔اطراف:

احمد: ۲۳۹۶۷، السنن الکبریٰ: ۱۲۵، تحفۃ الاشراف: ۲۰۴۳

۲۔مطابقت:-

حدیث مبارکہ میں عمامہ شریف پر مسح کا ذکر ہے۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔ھناد بن السری:	راجع: ۳۱	۲۔وکیع:	ایضاً
۳۔شعبۃ:	راجع: ۲۷	۴۔الحکم:	راجع: ۱۰۴
۵۔عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ:	ایضاً	۵۔بلال:	ایضاً

۴۔حکمِ حدیث:

یہ حدیث صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ پینتالیسویں (۴۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ سند پہلی دو سندوں سے اعلیٰ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند میں حضرت شعبہ واسطی بصری رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدنی، شامی، دمشقی راوی ہیں، جبکہ باقی تمام کوفی راوی ہیں۔

☆ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ اس سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۱۰۴

۷۔ مسائل ونصائح:

☆ علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عمامہ پر مسح کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام احمد یہ کہتے ہیں کہ اگر کامل وضو کر کے عمامہ پہنا ہو تو عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے جس طرح موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، جو فقہاء عمامہ پر مسح کرنے کا انکار کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے: وامسحوا برءوسکم (۱) اپنے سروں پر مسح کرو' اور جو شخص عمامہ پر مسح کرے گا وہ سر پر مسح نہیں کرے گا، اور اس پر اجماع ہے کہ چہرے پر کوئی کپڑا لپیٹ کر اگر اس کپڑے پر مسح کیا جائے تو تیمم میں کافی نہیں ہوگا، اس کا مفاد یہ ہے کہ جس عضو پر مسح کرنا ہے اس عضو پر کپڑا رکھ کر مسح کیا جائے تو وہ کافی نہیں ہوگا، اسی طرح سر پر عمامہ رکھ کر عمامہ پر مسح کیا جائے تو وہ سر کے مسح سے کفایت نہیں کرے گا، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے سر پر مسح کرنے کو فرض کیا ہے اور عمامہ پر مسح کرنے والی حدیث تاویل کی محتمل ہے تو محتمل چیز کی وجہ سے یقینی چیز کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

☆ علامہ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضرت ابوبکر صدیق نے عمامہ پر مسح کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے، حضرت سعد بن مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابودرداء رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی روایت ہے، عمر بن عبدالعزیز حسن رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ، مکحول رحمۃ اللہ علیہ، اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے، اور عروہ، نخعی، شعبی، قاسم رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب رائے (فقہا احناف) نے کہا عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

ٹوپی پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اور عورت کے لئے دوپٹہ پر مسح کرنے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں ہے کہ یہ جائز ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ (۲)

☆ عمامہ پر مسح کرنے کے جوابات:

حضرت مغیرہ کی اس حدیث سے چوتھائی سر پر مسح کے استدلال پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آپ نے حدیث کے ایک جز سے استدلال کیا اور دوسرے جز کو چھوڑ دیا، اس حدیث میں عمامہ پر مسح کرنے کا بھی ذکر ہے اور آپ عمامہ پر مسح کے جواز کے قائل نہیں ہیں، اس کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ اگر ہم عمامہ پر مسح کو بھی اختیار کرتے تو اس سے خبر واحد سے قرآن مجید پر زیادتی لازم آتی کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور عمامہ پر مسح کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، لہٰذا اگر عمامہ پر مسح کا قول کیا جائے تو خبر واحد سے قرآن مجید پر زیادتی لازم آئے گی۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمامہ پر مسح کیا تھا، اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے عمامہ کے نچلے حصہ پر مسح کیا تھا اور اس میں حال کا اطلاق محل پر ہے۔

۳۔ راوی آپ سے دور تھا، آپ نے سر سے عمامہ اتارے بغیر سر پر مسح کیا تو راوی نے سمجھا کہ آپ نے عمامہ پر مسح کیا ہے۔

۴۔ آپ کے سر پر کوئی زخم تھا، جس میں پانی کی تری لگنا باعث ضرر تھا اور عمامہ بہ منزلہ پٹی تھا تو آپ نے اس عذر کی وجہ سے عمامہ پر مسح کیا، یعنی حالت اضطرار میں عمامہ پر مسح کیا، حالت اختیار میں عمامہ پر مسح نہیں کیا۔

۱۔ مائدۃ ۵ ۲۔ i- عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۹۸۔۹۷ ii- شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۵۰

ہم نے جو دوسرا جواب ذکر کیا ہے، اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے، آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا، آپ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصہ پر مسح کیا اور عمامہ نہیں اتارا۔ (۱)

☆ حدیث پنجم میں بھی احناف کی دلیل ہے۔ اس میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام نے ناصیہ یعنی چوتھائی سر کا مسح فرمایا۔ بعض علماء نے کہا کہ اس میں تو عمامہ پر مسح کا ذکر ہے تو اب نئی کیفیت یہ پیدا ہوگئی کہ اگر عمامہ باندھا ہو تو اس کو اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسی صورت میں پیشانی پر مسح کر لیا جائے اور عمامہ پر بھی ہاتھ پھیر لیا جائے تا کہ پورے سر کا مسح ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ بات یہی قرار پائی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارے سر کا مسح فرمایا۔ ہاں نئی کیفیت یہ پیدا ہوئی کہ سر پر عمامہ ہو تو پیشانی پر مسح کر لیا جائے اور باقی مسح پگڑی پر کر لیا جائے۔ جس کا نتیجہ بہر صورت یہی نکلا کہ آپ نے پورے سر کا مسح فرمایا تو احناف اس موقع پر بھی وہی جواب دیں گے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فقط پیشانی کے مسح پر اکتفا فرمانا بھی تو ثابت ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ مقدار مفروضہ پیشانی ہے اور اس سے زائد کا مسح بطور استحباب کے ہے۔ غرضیکہ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے اور سارے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ (۲)

☆ وعلی العمامۃ یعنی اور آپ نے عمامہ شریف پر مسح کیا۔ یہ اس پر محمول ہے کہ جب آپ نے فریضہ مسح ادا کیا اور مقدار پیشانی پر کفایت کی تو اس کی تکمیل اور ادائے سنت کی خاطر جو تمام سر کا مسح ہے، بقیہ سر پر مسح کرنے کے بجائے عمامہ شریف پر مسح کیا یا آپ نے فی الجملہ تطہیر و تنظیف کے لئے کیا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق چونکہ تمام سر کا مسح فرض ہے۔ اس لئے اس فریضہ کی تکمیل کے لئے کچھ سر پر مسح کیا اور کچھ عمامہ شریف پر امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ راوی کا وہم ہو۔ شاید کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت دست مبارک عمامہ شریف پر پھیرا ہو اور راوی نے یہ وہم کر لیا ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ شریف پر مسح کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن سر پر مسح نہ کرنا بلکہ مستقلاً عمامہ پر مسح کرنا جس طرح موزوں میں ہوتا ہے۔ تو تینوں آئمہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ماسوائے امام احمد کے کہ ان کے نزدیک صرف عمامے پر مسح کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ عمامہ باوضو پہنا ہو اور اس نے سارے سر کو چھپایا ہوا ہو۔ جس طرح موزوں میں ہے۔ اور راوی نے یہ جو کہا وعلی الخفین (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں پر مسح کیا) تو اس سے بھی ظاہر اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اور امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ فقہاء حدیث کی ایک جماعت نے عمامے پر مسح کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر دیار اسلام کے اکثر لوگوں میں اس کے خلاف پر عمل ہے۔ انتہیٰ۔ اور حق یہ ہے کہ صرف اس محتمل خبر پر انحصار کرتے ہوئے عمامہ پر مسح کا حکم و فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ مگر یہ کہ ظہور و شہرت میں موزوں کی حدیث کے درجے کی حدیث ہو جو آفتاب کی روشنی کی طرح روشن و واضح ہو۔ واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم۔ (۳)

☆ خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر عمامہ شریف پکڑ لیا تھا تا کہ گر نہ جائے، دیکھنے والے سمجھے کہ آپ عمامہ کا بھی مسح کر رہے ہیں، اس لئے ایسی روایت کر دی عمامہ پر مسح کرنا، قرآن شریف کے خلاف ہے، فرماتا ہے: وامسحوبرء وسکم لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چہارم سر کا مسح کیا اور باقی عمامہ کا نیز اگر عمامہ کا مسح ہوتا تو سر کے مسح کا نائب ہوتا اور نائب اور اصل جمع نہیں ہو سکتے، یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک پاؤں دھو لو اور ایک پاؤں کے موزے پر مسح کر لو یا آدھا وضو کر لو اور آدھا تیمم۔ (۴)

۱۔ i-ابوداؤد: ۱۴۷ ii-ابن ماجہ: ۵۶۴ iii-نعمۃ الباری، ج ا ص ۶۱۵۔۶۱۶

۲۔ فیوض الباری، ج ا ص ۴۶۷ ۳۔ اشعۃ اللمعات، ج ا ص ۲۲۵ ۴۔ مراۃ المناجیح، ج ا ص ۲۶۷۔۲۶۸

☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر سر کے بعض حصہ کا مسح کر کے عمامہ پر مسح کیا جائے، تو یہ جائز ہے، البتہ صرف عمامہ پر مسح اسی صورت جائز ہے جب وضو کر کے عمامہ پہنا جائے۔(۱)

☆ ومسح علی الخفین والعمامة: اس حدیث سے استدلال کر کے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ، وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ مسح علی العمامہ پر اکتفاء جائز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح علی العمامہ پر اکتفاء تو درست نہیں، لیکن سر کی مقدار مفروض کا مسح کرنے کے بعد سنت استیعاب عمامہ پر ادا کی جا سکتی ہے، قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، لیکن احناف کی کتب میں اس کا ذکر نہیں ملتا، لہٰذا صحیح یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک سنت استیعاب بھی مسح علی العمامہ سے ادا نہیں ہوتی۔

☆ قائلین جواز کا استدلال حدیث باب کے علاوہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب کے آخر میں تخریج کی ہے: "عن بلال رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مسح علی الخفین والخمار" اسی طرح ابوداؤد باب المسح علی العمامة میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال ہے: "قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریة فاصابهم البرد فلما قدموا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرهم ان یمسحوا علی العصائب (العمائم) والتساخین (جمع تسخان بمعنی الخف)" نیز ان کا استدلال صحیح بخاری (۲) میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کی روایت سے بھی ہے، جس سے مسح علی العمامہ کا ثبوت ملتا ہے، یہ چاروں حدیثیں سنداً صحیح ہیں۔

☆ احناف اور مالکیہ کا استدلال آیت قرآنی "وامسحوا برؤسکم" سے ہے کہ یہ قطعی ہے، اور مسح علی العمامہ کی احادیث اخبار آحاد ہیں جن سے کتاب اللہ پر زیادتی ممکن نہیں، بخلاف مسح علی الخفین کے اول تو خود قرآن کریم کی قراۃ جر سے اس کی طرف اشارہ ہو رہا ہے، دوسرے اس کی احادیث معنیً متواتر ہیں، لہٰذا ان سے کتاب اللہ پر زیادتی ممکن ہے۔

☆ جہاں تک حدیث باب اور مسح علی العمامہ کی دوسری احادیث کا تعلق ہے، جمہور کی طرف سے اس کے بہت سے جوابات دیئے گئے اور توجیہات کی گئی ہیں۔

☆ مسح علی العمامہ کی روایات محتمل التاویل ہیں، اور حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جن روایتوں میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے وہ مختصر ہیں، اصل میں "مسح علی ناصیته وعمامته" تھا جس کی مختصر شکل صرف علی عمامته بن گئی، چنانچہ بعض روایات میں ناصیہ کی تصریح موجود ہے، خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وذکر محمد بن البشار فی هذا الحدیث فی موضع آخر انه مسح علی ناصیته وعمامته" حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی بعض طرق میں ناصیہ کا ذکر آیا ہے، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اگلی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے مسح علی العمامہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "مس الشعر"

☆ ان تمام روایات کے پیش نظر یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تنہا عمامہ کا مسح نہیں فرمایا، لہٰذا اب مسح علی العمامہ کی تمام روایات کا محمل یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی مقدار مفروض کا مسح فرمایا، اس کے بعد عمامہ پر ہاتھ پھیرا، اور یہ عمل بیان جواز کے لئے تھا۔

☆ بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح رأس کے بعد عمامہ کو درست فرمایا ہوگا، جسے راوی نے مسح علی العمامہ سمجھ لیا، لیکن یہ جواب کمزور ہے، کیونکہ یہ ثقہ راویوں کی فہم پر بدگمانی کی حیثیت رکھتا ہے، جبکہ مسح علی العمامہ کی روایات متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی

۱۔ حاشیہ سندھی، ص ۹۳۶ ۲۔ بخاری، باب المسح علی الخفین، ج ۱، ص ۳۳

ہیں، اوران تمام کے بارے میں یہ خیال سوءِ ظن ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''موطا'' (۱) میں ایک اور طریقہ سے مسح علی العمامہ کی روایت کا جواب دیا ہے، وہ لکھتے ہیں ''بلغنا ان المسح علی العمامۃ کان فترک''، مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بلاغات مسند ہیں، اگر یہ بات صحیح ہو تو بات بالکل ہی صاف ہو جاتی ہے، اور مسح علی العمامہ کی احادیث کا بہترین جواب بن جاتا ہے، کہ مسح علی العمامہ منسوخ ہو چکا ہے۔ (۲)

۸۔خلاصہ:

☆ اس باب کی دونوں احادیث سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے، کہ صرف عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے، جیسا کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اگلے جو دو باب قائم فرمائے ہیں، وہ اس کی نفی کر رہے ہیں، کیونکہ ان دونوں ابواب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث نقل فرمائی ہیں، ان میں عمامہ سے پہلے ناصیہ (پیشانی) پر مسح کرنے کا بیان ہے، بلکہ حدیث نمبر ایک سو نو (۱۰۹) میں اس کی وضاحت زیادہ ہے: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی پر مسح کیا، اور عمامہ شریف کی دونوں جانب مسح کیا، جس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح تو پیشانی پر کیا، جو کہ سر کی مقدار فرض کا ادا کرنا تھا، پھر سنت استیعاب عمامہ پر مسح کر کے ادا فرمائی، جو کہ پورے سر کا مسح کرنا ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عمامہ پر مسح اسی صورت میں جائز ہے جب کہ عمامہ وضو کر کے پہنا ہو، اور اس نے پورے سر کو ڈھانپا ہو۔

☆ مطلقاً عمامہ پر مسح کرنا چاروں آئمہ کرام کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

☆ سر پر مسح کرنے کا حکم قرآن مجید کی نص وامسحوا برؤ وسکم (المآئدۃ ۶:۵) سے ثابت ہے، اور عمامہ پر مسح کرنے کا جواز خبر واحد سے ثابت ہے، اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے، اس لئے صرف عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ سر پر مسح کرنے کا حکم قطعی اور یقینی ہے، جب کہ عمامہ پر مسح کرنے کا حکم ظنی اور محتمل التاویل ہے، اس لئے یقینی پر عمل کیا جائے گا۔

☆ صرف عمامہ پر مسح کی احادیث محتمل التاویل ہیں، جن میں تطبیق کی پانچ صورتیں بنتی ہیں:

۱۔ صرف عمامہ پر مسح والی احادیث مختصر ہیں، جب کہ ان کی تفصیل پیشانی پر مسح والی احادیث میں ہے۔

۲۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی سر کا مسح فرمانے کے بعد عمامہ شریف کا مسح فرمایا۔

۳۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی پر مسح کرنے کے بعد عمامہ شریف پر مسح فرمایا۔

۴۔ ابتداً عمامہ شریف پر مسح کرنا جائز تھا، بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشانی کی مقدار مسح بطور فرض کے فرمایا، اور اس کے بعد استحباب اور بیان جواز کے لئے عمامہ پر مسح فرمایا۔

☆ باب مذکور کی تینوں احادیث موزوں پر مسح کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ موطا امام محمد، باب المسح علی العمامۃ والخمار، ص ۷۱ ۲۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۳۵۱۔۳۵۲

باب ۸۷: الْمَسْحِ عَلَى الْعِمَامَةِ مَعَ النَّاصِيَةِ پیشانی اور پگڑی پر مسح کرنا

اس باب میں پیشانی کے ساتھ پگڑی پر مسح کرنے کا بیان ہے، یعنی نبی کریم ﷺ نے پیشانی پر مسح کرنے کے بعد پگڑی پر مسح کیا، اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ چوتھائی سر کی مقدار مسح کے بعد پگڑی پر مسح کرنا مستحب ہے، پچھلے باب میں صرف پگڑی پر مسح کرنے کا بیان تھا، اس طرح یہ باب پچھلے باب کے اجمال کی تفصیل ہے۔

۱۰۷۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيُّ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنِ الْمُغِيرَةِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ نَاصِيَتَهُ وَعِمَامَتَهُ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ۔ قَالَ بَكْرٌ وَقَدْ سَمِعْتُهُ مِنِ ابْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا، اور آپ ﷺ نے پیشانی، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔ امام بکر بن عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے یہ حدیث مبارکہ براہ راست ابن مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے بھی سماعت کی ہے۔

۱۔ اطراف الحدیث:

مسلم: ۲۷۴، ابوداؤد: ۱۵۰، ترمذی: ۱۰۰، احمد: ۱۸۶۶۲، السنن الکبریٰ: ۱۰۷، تحفۃ الاشراف: ۱۱۴۹۵

۲۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار راویوں کے حالات گزر چکے ہیں، باقی تین کے حالات درج ذیل ہیں:

۱۔ عمرو بن علی: راجع: ۴ ۲۔ یحییٰ بن سعید: ایضاً

۳۔ سلیمان التیمی:

آپ کا نام ابو معتمر سلیمان بن طرخان تیمی بصری (م: ۱۴۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، عابد، کثیر الحدیث، تابعی راوی ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں وفات پائی۔ (۱)

۴۔ بکر بن عبداللہ المزنی:

آپ کا نام ابو عبداللہ بکر بن عبداللہ بن عمرو مزنی بصری (م: ۱۰۶ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، ثابت، جلیل، مامون، تابعی راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۱۔ i۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۲۳۲ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۲۰۴

۲۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۲۰۹ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۸۴

۵۔حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: حسن نام، ابوسعید کنیت، والد کا نام یسار تھا، علمی کمالات کے لحاظ سے سرخیل علماء اور اخلاقی وروحانی فضائل کے اعتبار سے سرتاج اولیاء تھے۔ ان کے والدین غلام تھے، ان کی غلامی کے بارے میں مختلف بیانات ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ ان کے والد میسان کے قیدیوں میں تھے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع بنت نصر نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بنی نجار یعنی ایک انصاری کی غلامی میں تھے، انہوں نے بیوی کے مہر میں بنی سلمہ کو دے دیا تھا، بنی سلمہ نے ان کو آزاد کر دیا، تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، اوران کی ماں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں، ان اختلافات سے قطع نظر کر کے اتنا مسلم ہے کہ یسار اوران کی بیوی لونڈی غلام تھے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت:

حسن بصری آخری عہد فاروقی میں جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دو سال باقی رہ گئے تھے یعنی ۲۲ھ میں پیدا ہوئے، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی غلامی کی نسبت سے ان کو وہ شرف میسر ہوا جو کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آیا ہوگا، ان کی ماں لونڈی تھیں، اس لئے اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں، جب وہ حسن بصری کو چھوڑ کر کسی کام میں لگ جاتیں اور وہ رونے لگتے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کو بہلانے کے لئے چھاتی منہ میں دے دیتیں، پھران کی ماں لوٹ کر دودھ پلاتیں، اس طرح ان کو ام المومنین کی رضاعت کا شرف حاصل ہوا۔

علمی کمالات:

حسن بصری ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے، جب کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد موجود تھی، اور ایسے مقام پر ان کی نشو ونما ہوئی تھی، جہاں کی گلی گلی علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مخزن تھی، پھر انہیں صحبت ایسے بزرگوں کی میسر آئی، جو تعلیمات اسلامی کا زندہ نمونہ اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجسم تصویر تھے۔ اس لئے ان کا دامن علم وعمل، فضل وکمال اور زہد وورع جملہ اخلاقی اور روحانی فضائل سے مالا مال ہوگیا۔

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

كان الحسن جامعاً عالماً عالياً رفيعاً، ماموناً، عابداً، ناسكاً، كبير العلم فصيحا جميلا وسفياً۔(۱)	''حسن بصری جامع کمالات تھے، عالم تھے، بلند مرتبت رفیع المنزلت تھے، مامون تھے، عابد وزاہد تھے، وسیع العلم تھے، فصیح وبلیغ اور حسین جمیل تھے''

غرض وہ جملہ ظاہر اور باطنی نعمتوں سے مالا مال تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، حافظ، علامة من بحور العلم، فقيه النفس، كبير الشان، عديم النظير، مليح التذكير، بليغ الموعظة، راس في انواع الخير (۲)، علامہ نووی لکھتے ہیں: کہ وہ مشہور عالم تھے، ان کی جلالت شان پر سب کا اتفاق ہے۔(۳)

اکابر علماء کی رائے: اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال کا ان کی جلالت شان پر اتفاق ہے۔ امام شعبی کہتے تھے کہ میں نے اس ملک (عراق) کے کسی شخص کو بھی ان سے افضل نہیں پایا۔ قتادہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ اس شخص (حسن بصری) کا دامن پکڑو میں نے رائے میں اس سے زیادہ

۱۔ ایضاً ص ۱۱۵　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۶۲　۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۶۱

کسی شخص کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں دیکھا، اعمش کہتے تھے: کہ حسن حکمت کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کو بولتے تھے، امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ ان کی باتیں انبیاء کی باتوں کے مشابہ ہیں، حضرت غالب القطان کہتے تھے: کہ اس عہد کے علماء پر حسن کو ایسی فضیلت حاصل تھی جیسے طیور میں باز دیگر طیور پر ہوتی ہے، جو شخص اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھنا چاہے، اسے حسن کو دیکھنا چاہئے۔ حضرت عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ مجھے اہل بصرہ پر حسن اور محمد دو شیخین کی وجہ سے رشک ہے، حضرت یونس بن عبید اللہ اور حمید الطویل کہتے تھے: کہ میں نے بہت سے فقہاء کو دیکھا: لیکن حسن سے زیادہ کسی کو کامل الروایۃ نہیں پایا، عطاء بن ابی رباح لوگوں کو ہدایت کرتے تھے: کہ تم لوگ اس شخص (حسن) کی طرف مسائل میں رجوع کیا کرو، وہ بہت بڑے عالم، امام اور مقتداء ہیں، امام مالک فرماتے تھے: کہ تم لوگ حسن بصری سے مسائل پوچھا کرو، کیونکہ انہوں نے محفوظ رکھا اور ہم نے بھلا دیا، بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر حسن نے سن شعور میں عہد صحابہ پایا ہوتا تو یہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج نہ ہوتے۔ (۱)

اگر چہ حسن بصری جامع العلوم تھے، لیکن ان کی زندگی زیادہ تر زہد و عبادت اور روحانی مشاغل میں بسر ہوتی تھی، اس لئے ان کے روحانی مرتبہ کے مقابلہ میں ان کے علم کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں، تاہم جتنے حالات ملتے ہیں وہ سرسری اندازہ لگانے کے لئے کافی ہیں، ان کو تفسیر فقہ اور حدیث جملہ مذہبی علوم میں یکساں دسترس حاصل تھی۔

تفسیر: تفسیر کی تعلیم انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی، بارہ برس کے سن میں وہ حافظ قران ہو گئے تھے۔ ابو بکر الہذلی کا بیان ہے: کہ جب تک وہ ایک سورۃ کی تفسیر و تاویل اور شان نزول وغیرہ سے پوری واقفیت حاصل کر لیتے، اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے، (۲) اس محنت نے ان کو قرآن کا بڑا عالم بنا دیا تھا اور وہ تفسیر کا درس دیتے تھے۔ (۳)

حدیث: حدیث میں ان کا جو درجہ ہے اس کا اندازہ حافظ ذہبی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے: کہ وہ علامہ اور علم کے سمندروں میں سے تھے۔ (۴) حدیث میں انہوں نے ان بزرگوں سے فیض پایا، جن میں سے اکثر اس فن کے اساطین اور رکن اعظم تھے، چنانچہ صحابہ میں حضرت عثمان، حضرت علی، ابو موسی اشعری، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، انس بن مالک، جابر بن معاویہ، معقل بن یسار، ابی بکرہ، عمران بن حصین اور جندب بجلی رضی اللہ عنہم سے براہ راست استفادہ کیا تھا اور عمر بن الخطاب، ابن کعب، سعد بن عبادہ، عمار بن یاسر، ثوبان، عثمان بن ابی العاص اور معقل بن سنان رضی اللہ عنہم سے بواسطہ مستفید ہوئے، صحابہ کے علاوہ اکابر تابعین کی ایک بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔ (۵)

شائقین حدیث کا مرجوع: ان کا کوئی خاص حلقہ درس نہ تھا اور وہ اس سلسلہ کو اپنے لئے پسند نہ کرتے تھے اور حدیث بہ درجہ مجبوری بیان کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ ''اگر خدا نے اہل علم سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تم لوگوں کے سب سوالات میں حدیث نہ بیان کرتا''۔ (۶)

لیکن ان کی شخصیت ایسی تھی کہ لوگ ان کا دامن نہ چھوڑتے تھے، اکثر شائقین علم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے، اور جہاں وہ جاتے تھے خلق اللہ کا مرجع بن جاتے تھے۔ مکہ مکرمہ تک میں جو مدینہ کے بعد علم کا دوسرا مرکز تھا، لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا اہل مکہ آپ کو تخت پر بٹھا کر حدیثیں سنتے تھے، اور مجاہد، عطاء اور طاؤس رحمہم اللہ جیسے اکابر سننے والوں میں ہوتے تھے، اور ان کی زبان پر کلمہ ہوتا تھا کہ ہم نے اس

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۱۰ ۲۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۳۷ ۳۔ تھذیب التھذیب ج ۲، ص ۲۶۳

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۶۲ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۲۶۴ ۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۱۵

نہیں دیکھا۔(۱)

روایت بالمعنی: احادیث کو بالفاظہ روایت کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے، صرف معنی اور مطلب کے ادا ہو جانے کو کافی سمجھتے تھے عموماً ان کی روایت بالمعنی ہوتی تھیں (۲) بعض الفاظ میں اختلاف اور کمی بیشی ہو جاتی تھی، لیکن معنی ایک ہی رہتے تھے۔(۳)

تلامذہ: روایت حدیث میں احتیاط کے باوجود آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ان کی مختصر فہرست یہ ہے، حمید الطویل، یزید بن ابی مریم، ایوب، قتادہ، بکر بن عبداللہ مزنی، جریر بن ابی حازم، ابوالاشہب، ربیع بن صبیح، سعید جریری، سعد بن ابراہیم، سماک بن حرب، ابن عدن، خالد الحذاء، عطاء بن سائب، عثمان البتی، قرہ بن خالد، مبارک بن فضالہ، مجاہد اور عطاء اور طاؤس وغیرہ۔(۴)

فقہ: فقہ کے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ حسن حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے۔(۵) ایوب کا بیان ہے کہ حسن سے بڑا فقیہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا ربیع بن انس کا بیان ہے کہ میں کامل دس سال تک حسن کے پاس آتا جاتا رہا، اور ان سے ہمیشہ نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے۔(۶)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حدیث وفقہ میں بعض کتابیں بھی لکھی تھیں۔

رائے اور قیاس: اس تفقہ کے لئے مجتہدانہ نظر ضروری تھی، چنانچہ جن مسائل میں روایتی سند نہ ہوتی تھی، اس میں رائے اور قیاس سے اجتہاد کرتے تھے، ایک مرتبہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے پوچھا کہ آپ جن جن مسائل میں لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں، کیا ان سب میں آپ کے پاس سماعی سند ہوتی ہے۔فرمایا نہیں خدا کی قسم سب میں سماعی سند نہیں ہوتی، لیکن ہماری رائے سائلوں کی رائے سے ان کے لئے بہتر ہے۔(۷)

ان کی رائے اصابت وصحبت میں اصحاب رائے صحابہ کے برابر ہوتی تھی، قتادہ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے، اور کہتے تھے، خدا کی قسم میں نے ان کی رائے سے زیادہ کسی کی رائے کو عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کی رائے کے مشابہ نہیں دیکھا۔(۸) بعض ارباب علم تو یہاں تک ان کی اصابت رائے اور دقت نظر کے معترف تھے اور کہتے تھے کہ اگر حسن سن شعور میں عہد صحابہ میں ہوتے تو وہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوتے۔(۹)

زبان وادب: ان مذہبی علوم کے علاوہ وہ زبان وادب کے بڑے ماہر اور فصیح وبلیغ تھے، ابن عماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ وہ فصاحت زبان اور عربیت مین روبہ بن حجاج کے مشابہ تھے۔(۱۰)

ارباب علم کی صحبت: ارباب علم کی صحبت اور ان سے علمی مذاکرہ اور ذکر وفکر کا شغل بہت مرغوب خاطر تھا، ایک مرتبہ چند اہل علم آپ سے ملنے کے لئے آئے، باتوں باتوں میں دوپہر کا وقت آ گیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ گیا، ان کے صاحبزادے نے حاضرین سے کہا آپ لوگوں نے والد پر بہت بوجھ ڈالا، آپ انہیں آرام لینے دیجئے، ابھی تک انہوں نے کھایا تک نہیں ہے۔یہ سن کر آپ نے صاحبزادے کو تنبیہ فرمائی کہ ان لوگوں کی دید سے زیادہ میرے لئے کوئی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں۔جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو باہم حدیث بیان کرتے ہیں، خدا کا ذکر اور اس کی

۱۔ ایضاً ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۱۵ ۳۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۱۵

۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۲۲۴ ۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۱۸ ۶۔ تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۲۶۵

۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۰ ۸۔ ایضاً ۹۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۰

۱۰۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۱۳۸

تحمید وتقدیس کرتے ہیں، یہاں تک کہ قیلولہ کا موقع بھی نہیں ملتا۔(۱)

حقیقی عالم: آپ کے نزدیک تنہا بار علم سے کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق نہ ہوتا تھا، بلکہ اس کے لئے بہت سی شرائط تھیں۔ایک مرتبہ مطرالوراق نے آپ سے مسئلہ پوچھا اور عرض کیا: فقہاء آپ کی مخالفت کرتے ہیں، فرمایا: تیری ماں تجھ کو روئے تو نے فقیہہ دیکھا بھی ہے، اور جانتا بھی ہے کہ فقیہ کسے کہتے ہیں، فقیہ وہ ہے جو زاہد ومتورع ہو، اپنے سے بلند مرتبہ کی پرواہ نہ کرتا ہو، اور اپنے سے کم رتبہ والے کا مذاق نہ اڑاتا ہو، اور خدا نے اس کو جو کچھ علم عطا کیا ہے، اس سے قلیل دنیاوی منفعت نہ حاصل کرتا ہو۔(۲)

علم باطن: گوحسن بصری علوم ظاہر میں بھی شیخ الاسلام کا درجہ رکھتے تھے، لیکن یہ علوم ان کے لئے سرمایۂ فخر وامتیاز نہ تھے، ان کا اصل اور حقیقی مقام عرفان وحقیقت کا کنگرہ تھا۔ان کی ذات تصوف کا منبع اور علم باطن کا سرچشمہ تھی، تصوف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں۔چنانچہ تصوف کے اکثر بڑے بڑے سلاسل آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتے ہیں، اس طرح گویا آپ ہی کے واسطہ سے دنیا میں یہ دریائے نور رواں ہوا۔اگرچہ محدثین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کا استفادہ روحانی ثابت نہیں ہے لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''ارباب طریقت کے نزدیک حضرت حسن بصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب یقینی منسوب ہیں، محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے۔لیکن شیخ احمد قستاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اہل تصوف کی تائید کی ہے، ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فیض پایا۔(۳)

سلف سے لے کر خلف تک تمام اکابر صوفیہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو اس سلسلہ نورانی کا سرچشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں، ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں، صوفیہ کے تذکروں میں ان کا نام سرفہرست ہوتا ہے، ان کے اقوال تعلیم تصوف کا نصاب مانے جاتے ہیں۔

شیخ فریدالدین ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر شروع کرتے ہیں: ''آن پروردۂ نعمت، آن خوکردۂ فتوحات، آن کعبہ علم وعمل، آن خلاصہ ورع وحلم، آں بردۂ بصاحب صدری صدر سنت حسن بصری رضی اللہ عنہ مناقب او بسیار است ومحامد او بے شمار۔(۴)

حضرت داتا گنج بخش شیخ علی بن عثمان ہجویری ثم لاہوری المتوفی ۴۶۵ھ، اپنی کتاب کشف المحجوب میں جو فارسی میں تصوف کی سب سے قدیم کتاب ہے لکھتے ہیں: ''امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بن ابی الحسن بصری رضی اللہ عنہ وے را قدرے وخطرے بزرگ است نزدیک اہل طریقت الاشارہ بودہ است اندر علم ومعاملت۔(۵)

شیخ ابونصر سراج المتوفی ۳۷۰ھ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر صوفیہ نے اپنی کتابوں میں کتاب اللمع اور عوارف المعارف میں حسن بصری کے اقوال سے استفادہ کیا ہے۔(۶)

فضائل اخلاق: روحانی اور اخلاقی کمالات کے اعتبار سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ زہد وورع کا مجسم پیکر اور فضائل اخلاق کی مجسم تصویر

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۳ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۹

۳۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص ۱۳۱، ص ۸۱ ۴۔ تذکرۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۳۲۴

۵۔ کشف المحجوب، ص ۷۷ ۶۔ کتاب اللمع وعوارف المعارف

تھے، اگرچہ انہوں نے رسالت کا مقدس زمانہ نہیں دیکھا تھا، اور آنحضرت ﷺ کی صحبت سے مشرف نہ ہوئے تھے، لیکن ان کے اخلاق اسی مقدس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، تابعین کی جماعت میں ان سے زیادہ کوئی شخص صحابہ رسول ﷺ سے مشابہ نہ تھا، ان کی ہر ادا سے شان صحابیت آشکار تھی۔ اکابر تابعین کو اس کا اعتراف تھا، حضرت ابو بردہ جو ایک بلند مرتبہ تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے کسی غیر صحابی کو حسن سے زیادہ اصحاب رسول سے مشابہ نہیں دیکھا، (ابن سعد، ج ۷، ق ۱، ص ۱۸) امام شعبی نے ستر صحابہ کرام کو دیکھا تھا، اور اس شرف میں شاید وہ حسن بصری سے بھی ممتاز تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی بڑی عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا ابا میں دیکھتا ہوں کہ جیسا برتاؤ آپ اس شیخ (حسن بصری) کے ساتھ کرتے ہیں ویسا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہیں کرتے ہیں، شعبی نے جواب دیا بیٹا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے، اور حسن سے زیادہ کسی کو ان سے مشابہ نہیں پایا۔ (۱)

عمل اور اخلاص فی العمل: آپ کے نزدیک زہد محض زبانی دعوؤں اور ظاہری وضع بنانے کا نام نہ تھا بلکہ اصل شے عمل و اخلاص تھا، فرماتے تھے کہ انسان جو کچھ کہتا ہے، اگر اس کو کچھ کرتا بھی ہے تو یہ فضیلت ہے، اور اگر کرنے سے زیادہ کہتا ہے تو وہ عار ہے، (۲) آپ کی زندگی سرتا پا عمل تھی، ابو بکر ہذلی کا بیان ہے کہ وہ جب تک خود ایک کام نہ کر لیتے تھے، اس وقت تک دوسروں کو اس کے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے، اور جب تک کسی خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے اس وقت تک دوسرے کو اس سے منع نہ کرتے، یونس بن عبید سے کسی نے پوچھا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو حسن بصری جیسے اعمال کرتا ہو، انہوں نے کہا ان جیسے اعمال تو کجا میں کسی ایسے شخص کو بھی نہیں جانتا جو زبان سے ان جیسی باتیں کہتا ہو۔ (۳)

بغیر اخلاص کے محض حلقہ نشینی اور گلیم پوشی کو فریب تصور کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حلقہ میں بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں، لیکن اس سے ان کی غرض دنیا ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کے سامنے گلیم پوشوں کا تذکرہ کیا گیا، فرمایا یہ لوگ دل کی گہرائیوں میں غرور کے بت چھپائے ہیں اور ظاہر لباس سے تواضع اور فروتنی ظاہر کرتے ہین، بخدا یہ اپنی گلیم گدائی میں بیش قیمت ردا پوشوں سے زیادہ مغرور ہیں:

بزیر دلق مرقع کمانہا دارند

اظہار حق: لیکن حکام اور سلاطین کے مقابلہ میں وہ ہر موقع پر خاموشی ہی سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ جب کبھی ان کے سامنے خیالات کے اظہار کا موقع آجاتا تھا تو وہ بلا خوف و خطر اپنے حقیقی خیالات ظاہر کر دیتے تھے، یزید بن عبد الملک کے زمانے میں جب عمرو بن ہبیرہ خراسان اور عراق کا والی مقرر ہوا تو اس نے عراق کے اکابر علماء حسن بصری، محمد بن سیرین اور امام شعبی کو بلا کر ان سے بطور استفتا سوال کیا کہ یزید خدا کا خلیفہ ہے، خدا نے اس کو بندوں پر اپنا نائب بنایا ہے، اور ان سے اس کی اطاعت اور ہم (حکام) سے اس کے احکام کی تکمیل کا وعدہ لیا ہے، آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس نے ہم کو والی بنایا ہے، اور ہمارے پاس احکام بھیجتا ہے، میں اس کی تعمیل کرتا ہوں، ان حالات میں آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے، ابن سیرین اور شعبی نے گول جواب دیا، حسن بالکل خاموش تھے، ابن ہبیرہ نے ان سے پوچھا آپ اپنا خیال ظاہر کیجئے، انہوں نے جواب دیا، ابن ہبیرہ! یزید کے بارے میں خدا کا خوف کر، اور خدا کے معاملہ میں اس کا خوف نہ کیا کر، خدا تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے۔ لیکن یزید تجھ کو خدا سے نہیں بچا

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۸ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۴

۳۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۱۳۷۔ ۱۳۸

سکتا، وہ زمانہ قریب ہے کہ خدا تیرے پاس ایسا فرشتہ بھیجے گا جو تجھ کو تخت حکومت سے اتار کر اور قصر کی وسعت سے نکال کر قبر کی تنگی میں ڈال دے گا، اس وقت تیرے اعمال کے سوا کوئی اور شے تجھ کو نجات نہ دلا سکے گی۔ خدا نے بادشاہ اور حکومت کو اپنے دین اور اپنے بندوں کی امداد اور اعانت کے لئے بنایا ہے، اس لئے خدا کی دی ہوئی حکومت کے ذریعہ سے تم خدا کے دین اور اس کے بندوں پر سوار نہ ہو جاؤ، خدا کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔(۱)

مسئلہ تقدیر: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری قدری تھے، جو صحیح نہیں ہے، اس شہرت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعض اکابر تابعین، میں اتنے متشدد تھے کہ قدریوں سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے جلنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے، اس لئے ناواقفوں نے اس میل جول کی وجہ سے قدریوں کے خیالات کو ان کی طرف منسوب کر دیا، حالانکہ ان کا دامن اس سے پاک تھا، عمر کا بیان ہے کہ قدری حسن کے پاس آتے جاتے تھے۔ لیکن ان کے خیالات ان کے مخالف تھے، حسن کہتے تھے ابن آدم خدا کو ناراض کر کے کسی انسان کی خوشنودی حاصل نہ کر، خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کر، خدا کے افضال پر کسی انسان کی تعریف نہ کر جو شے خدا نے تجھے نہیں دی، اس پر کسی انسان کو ملامت نہ کر، خدا نے خلق اور خلائق کو پیدا کر دیا، اور وہ اپنی تخلیق کے اصول پر چل رہے ہیں، جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اپنی حرص سے اپنے رزق میں اضافہ کر سکتا ہے تو اگر اس کا یہ گمان صحیح ہے تو ذرا اپنی عمر بڑھا کر دکھا دے، اپنا رنگ بدل دے، اپنے اعضاء و جوارح میں کوئی اضافہ کر دے۔(۲) جب ایسا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا، انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہر شے تقدیر الٰہی پر چل رہی ہے۔(۳)

اصل یہ ہے کہ ان کے بعض مشتبہ اقوال سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے، اگر کسی حد تک وہ اس سے متاثر بھی تھے تو آخر میں اس سے رجوع کر لیا تھا، اصمعی اپنے والد کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ حسن کبھی قدر کے بعض حصوں پر گفتگو کرتے تھے، لیکن پھر اس سے رجوع کر لیا تھا، قاضی عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ قدری تھے، ان کی زبان میں جادو کا اثر تھا، وہ اور سعید جہنی حضرت حسن کے پاس آتے تھے، اور ان سے سوالات کرتے تھے اور کہتے تھے: ابو سعید یہ سلاطین و فرمارو امسلمانوں کا خون بہاتے ہیں اور ان کا مال لیتے ہیں، اور کہتے ہیں: کہ ہمارے یہ اعمال خدا کی تقدیر کے مطابق ہیں، حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر کہتے وہ دشمنان خدا جھوٹے ہیں، اس تردید اور بعض اس قبیل کے دوسرے واقعات سے لوگوں نے ان کے قدری ہونے کا نتیجہ نکالا ہے۔(۴) حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خاص موقع تھا، جس کو عقیدہ قدر سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض اقوال اور کلمات طیبات: بے کار اور بے نتیجہ باتیں بہت نہیں کرتے تھے، ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ حکمت اور موعظت کے موتی ہوتے تھے۔(۵) ان کے حکیمانہ اقوال معنویت اور بلاغت کے اعتبار سے پند و موعظت اور علم و حکمت کا دفتر ہیں، جن سے بہت سے اخلاقی اور روحانی اسرار و حکم پر روشنی پڑتی ہے ان میں سے بعض اقوال یہاں نقل کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ فرماتے تھے جو وسوسے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں اور نکل جاتے، وہ شیطان کی جانب سے ہیں، ان کے ازالہ کے لیے ذکر خدا اور تلاوت قرآن سے مدد لینی چاہئے، اور جو پیدا ہو کر قائم ہو جاتے ہیں، وہ نفس کی جانب سے ہیں، ان کے دور کرنے میں نماز روزہ اور ریاضت سے مدد لینی چاہئے۔

۱۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۲۸۔۱۲۹ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۲ ۳۔ ایضاً، ج ۷، ص ۱۲۷
۴۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۳۸ ۵۔ ایضاً، ۱۳۷

۲۔ خدا جس بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے، اس کو اہل وعیال کی بندشوں میں نہیں پھنساتا۔

۳۔ متواضع ہونے کی یہ شرط ہے کہ گھر سے باہر کسی سے بھی ملے، تو اس کو اپنے سے افضل اور برتر سمجھے۔

۴۔ جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے، تو اس سے خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کی قرابت میں اضافہ ہوتا ہے۔

۵۔ ایک شخص نے آپ سے اپنے قلب کی شکایت کی، فرمایا: اس کو ذکر وفکر کے مقامات میں لے جایا کرو۔

۶۔ مردہ کے لئے سب سے برے خود اس کے گھر والے ہوتے ہیں، کہ اس پر روتے ہیں، حالانکہ اس کے مقابلہ میں اس کے قرض کا ادا کرنا ان پر آسان نہیں ہوتا۔

۷۔ ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو۔

۸۔ طمع عالم کو رسوا کر دیتی ہے۔

۹۔ انسان کا علانیہ اپنے نفس کی مذمت کرنا، درحقیقت اس کی مدح ہے۔

۱۰۔ اپنے بھائیوں کی عزت کرو، تو ہمیشہ ان کے ساتھ تمہاری دوستی قائم رہے گی۔

۱۱۔ اگر اپنی موت کی رفتار پر ابن آدم کی نظر ہوتی، تو وہ اپنے فریب امید کا دشمن بن جاتا۔

۱۲۔ جو شخص عاجزی کے لئے خدا کے سامنے صوف پہنتا ہے، تو خدا تعالیٰ اس کی نگاہ اور قلب کا نور بڑھاتا ہے، اور جو پندار کے لئے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۱۳۔ کاش میں کوئی ایسا کھانا کھالیتا جو میرے پیٹ میں اینٹ بن جاتا، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اینٹ پانی میں تین سو برس تک باقی رہتی ہے۔

۱۴۔ ایک مرتبہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ فقیہ ایسا ایسا کہتے ہیں، فرمایا: تم لوگوں نے فقیہ دیکھا بھی ہے۔ فقیہ وہ ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو، دین میں بصیرت رکھتا ہو، خدائے عزوجل کی عبادت پر مداومت کرتا ہو۔

۱۵۔ خدا کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ: جس شخص نے مال وزر کو عزت دی، خدا تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا۔

۱۶۔ عقلمند کی زبان قلب کے پیچھے ہے، جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے، تو قلب کی طرف رجوع کرتا ہے، اگر وہ بات اس کے فائدہ کی ہوتی ہے، تو کہتا ہے، ورنہ رک جاتا ہے اور جاہل کا قلب اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے، وہ قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا، جو زبان پر آتا ہے کہہ جاتا ہے۔

۱۷۔ دنیا درحقیقت تمہاری سواری ہے، اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو وہ تم کو (اپنی پیٹھ) پر اٹھائے گی، اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی۔

۱۸۔ جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو، تو پہلے اس پر نظر کرو، اگر وہ خدا تعالیٰ کا مطیع ہے، تو اس سے بچو، کیونکہ خدا اس کو کبھی تمہارے قبضہ میں نہ دے گا اور تمہارے لئے اس کو تنہا نہ چھوڑے گا، اور اگر وہ خدا تعالیٰ کا نافرمان ہے، تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں، اپنے نفس کو خواہ مخواہ اس کی عداوت میں پریشان نہ کرو، (یعنی وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔ خدا کی دشمنی اس کے لئے کافی ہے۔

۱۹۔ جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے اس سے دوستی تم پر ضروری ہے، کیونکہ جو شخص صالح آدمی کو دوست رکھتا ہے، وہ گویا خدا تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے۔

۲۰۔ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا، جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو، اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔ یعنی پھر ایسی چیز کیوں نہ چاہی جائے، جس سے دونوں چیزیں مل جائیں۔

۲۱۔ اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو، اور ہر مسلمان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔

۲۲۔ محبت کا متوالا ہمیشہ مست و بے خود رہتا ہے، اسے صرف محبوب کا مشاہدۂ جمال ہوشیار کرتا ہے۔(۱)

وفات: بعض خاصان حق کو دنیا چھوڑنے سے پیشتر وصل محبوب کے اشارات مل جاتے ہیں، خود قرآن نے وفات نبوی ﷺ کا اشارہ کر دیا تھا، بعض آدمیوں کو عالم رویا میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا بھی اشارہ مل گیا تھا، (۲) چنانچہ ان کی وفات سے چند دنوں پیشتر ایک شخص نے خواب میں دیکھا: کہ ایک طائر نے مسجد کی سب سے خوبصورت کنکری اٹھالی، مشہور معبر ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعبیر دی: کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو جائے گا۔(۳)

اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، دوران علالت فرماتے تھے: ''کاش انسان نے اپنی صحت و تندرستی کے زمانہ میں بیماری کے دن کے لئے کچھ رکھ چھوڑا ہوتا، وقت آخر اپنے صاحبزادے کو اپنی کتابیں اکٹھا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے حکم کی تعمیل کی، اس کے بعد خادم کو تنور جلانے کا حکم دیا، اس نے جلایا اور چشم زدن میں علوم و فنون کا سارا دفتر جل کر خاکستر ہو گیا۔ اب اس کا وقت آ گیا تھا۔ دم آخر کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ ﷺ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ ان تیاریوں سے فراغت کے بعد ۱۱۰ھ میں شب جمعہ کو سفر آخرت کیا، حضرت محدث ایوب رحمۃ اللہ علیہ اور حمید الطّویل رحمۃ اللہ علیہ نے غسل دیا۔(۴) دوسرے دن بعد نماز جمعہ ''عاشق کا جنازہ تھا، بڑی دھوم سے اٹھا، ساری خلقت جنازہ پر ٹوٹ پڑی، شہر اتنا خالی ہو گیا: کہ اس دن جامع مسجد بصرہ میں کوئی عصر کی نماز پڑھنے والا نہ تھا۔(۵)

۶۔ ابن المغیرۃ:

آپ کا نام حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ رحمۃ اللہ علیہ ثقفی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، تابعی راوی ہیں، آپ مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۶)

۷۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

نام و نسب: مغیرہ نام، ابو عبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے: مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معتب بن مالک بن کعب بن عمرو بن عوف بن قیس۔(۷)

۱۔ صفوۃ الصفوۃ ص ۱۴۴ تا ۱۴۶ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۷ ۳۔ ایضاً ص ۱۲۹ ۴۔ ایضاً ص ۱۲۹

۵۔ i۔ ابن خلکان، ج ۱ ص ۱۲۸ ii۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۸ iii۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۶۲۔۷۴

۶۔ i۔ تقریب التہذیب، ج ۱ ص ۱۹۹ ii۔ الثقات، ج ۴ ص ۱۶۸ ۷۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۴۰۶

اسلام: غزوۂ خندق کے سال ۵ ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسی زمانہ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ (۱)

غزوات: آنحضرت ﷺ کے ساتھ قیام کیا، غزوہ حدیبیہ میں آپ کے ساتھ نکلے، قریش اس میں مزاحم ہوئے اور ان کی طرف سے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی (رضی اللہ عنہ) گفتگو کے لئے آئے، عرب کے عام قاعدہ کے مطابق دوران گفتگو بار بار آنحضرت ﷺ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے، مسلمان اس گستاخانہ طریقہ تخاطب کے عادی نہ تھے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ جو اس وقت ہتھیار لگائے، آنحضرت ﷺ کی پشت کی جانب کھڑے تھے، یہ انداز گفتگو ناگوار ہوا، وہ ہر مرتبہ تلوار کے قبضہ پر ہاتھ لے جاتے تھے، آخر میں ضبط نہ ہو سکا، ڈانٹ کر کہا: خبردار! ہاتھ قابو میں رکھو۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے پہچان کر کہا: دغاباز! میں نے تیری دغابازی کے معاملہ میں تیری طرف سے کوشش نہیں کی تھی؟ (زمانہ جاہلیت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے ان کی دیت ادا کی تھی۔ حدیبیہ کے بعد متعدد غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا، آنحضرت ﷺ نے ایک خاص سریہ میں ان کو اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو طائف بھیجا تھا، اس میں انہوں نے نہایت بہادری سے دشمنوں کو شکست دی۔ (۲)

آخری سعادت: آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین کے وقت موجود تھے، جب لوگ جسد مبارک کو قبر انور میں رکھ کر نکلے، تو انہوں نے عمداً قبر میں اپنی انگوٹھی گرادی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نکال لو، انہوں نے قبر میں اتر کر قدم مبارک کو ہاتھ سے مس کیا، اور جب مٹی گرائی جانے لگی، اس وقت قبر سے نکلے، انہوں نے قصداً اس لئے انگوٹھی گرائی، تاکہ یہ شرف ان کے ساتھ مخصوص ہو جائے، کہ وہ ذات نبوی ﷺ سے سب سے آخری جدا ہونے والے ہیں، چنانچہ ہمیشہ لوگوں سے فخریہ کہا کرتے: کہ میں تم سب میں آنحضرت ﷺ سے آخری جدا ہونے والا ہوں۔ (۳)

عہد صدیقی: آنحضرت ﷺ کے بعد شیخین کے عہد کی اکثر معرکہ آرائیوں میں شریک رہے، اور بڑے بڑے کارنمایاں کئے، سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اہل بحیرہ کی طرف گئے، پھر یمامہ کے مرتدوں کی سرکوبی میں پیش پیش رہے۔ (۴)

عہد فاروقی: فتنہ ارتداد کے فرو ہونے کے بعد عراق کی فتوحات میں شریک ہوئے، بویب کی تسخیر کے بعد، جب مسلمان قادسیہ کی طرف بڑھے اور رستم نے مصالحت کے لئے مسلمان سفرا بلائے، تو کئی سفراء بھیجے گئے، آخر میں یہ خدمت حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی۔

سفارت: ایرانیوں نے اسلامی سفیر پر رعب ڈالنے کے لئے بڑی شان و شوکت سے دربار سجایا تھا، تمام افسران فوج دیبا و حریر کے بیش قیمت ملبوسات زیب تن کئے تھے۔ رستم زرنگار تاج سر پر رکھے تخت پر بیٹھا تھا، دربار میں کارچوبی کا فرش تھا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ پہنچے تو بلا کسی جھجک کے سیدھے رستم کے تخت پر جا کر بیٹھ گئے، ان کا اس دلیری سے رستم کے پہلو بہ پہلو بیٹھ جانا، درباریوں کو ناگوار گزرا، انہوں نے ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھا دیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہم عرب ہیں، ہمارے یہاں یہ دستور نہیں ہے، کہ ایک شخص خدا بنے، اور دوسرے لوگ اس کی پرستش کریں، ہم سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، تم نے ہم کو خود بلایا ہے، ہم اپنی غرض سے نہیں آئے ہیں، پھر تمہارا یہ سلوک کہاں تک مناسب ہے، اگر تم لوگوں کا یہی حال رہا تو بہت جلد نیست و نابود ہو جاؤ گے، بقائے سلطنت کی یہ شکل نہیں ہے'' ایرانی اس مساوات سے ناآشنا تھے، یہ خیالات سن کر دنگ رہ گئے، رستم بھی نادم ہوا، بولا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے اور حسن تلافی کے طور پر ان کے ترکش سے تیر نکال کر مذاق کے لہجہ میں کہا: کہ ان تکلوں سے کیا

۱۔ استیعاب، ج ۱، ص ۲۵۸ ۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۴۴۷

۳۔ ابن سعد، ج ۲، ق ۲، ص ۷۷-۷۸ ۴۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۴۴۷

ہوگا؟ کہا: چنگاری چھوٹی ہو مگر پھر بھی آگ ہے، پھر اس نے تلوار کی طرف اشارہ کر کے کہا: کہ تمہاری تلوار کس قدر بوسیدہ ہے: کہا: گو نیام بوسیدہ ہے لیکن دھار تیز ہے۔ اس کے بعد اصل معاملہ پر گفتگو شروع ہوئی، رستم نے اپنی قوم کی شوکت وعظمت، سطوت وجبروت اور عربوں کی حقارت وکم مائیگی کا تذکرہ کر کے کہا: کہ گو تمہارے جیسی ناچیز قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، تاہم اگر تم لوٹ جاؤ، تو تمہاری فوج اور سردار فوج کو ان کے مرتبہ کے موافق انعام دیا جائے گا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت جوش سے جوابی تقریر کی اور آخر میں کہا: کہ اگر تم کو جزیہ نہیں منظور، تو تلوار تمہارا فیصلہ کرے گی، رستم یہ سخت جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا، بولا: کہ آفتاب نکلنے سے پہلے تمہاری فوج کو تہ وبالا کر دوں گا'' اس گفتگو کے بعد حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ واپس چلے آئے۔(۱) اور قادسیہ کی مشہور جنگ میں بھی شریک تھے۔(۲)

دوسری سفارت: جب اسلامی لشکر نہاوند کے قریب پہنچا، تو ایرانیوں نے دوبارہ مصالحت کی، گفتگو کے لئے ایک سفیر طلب کیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو ایک مرتبہ حسن خوبی کے ساتھ انجام دے چکے تھے، اس لئے دوبارہ ان ہی کا انتخاب ہوا، یہ سفیر بن کر گئے تو دربار کا وہی رنگ دیکھا، مروان شاہ سر پر تاج زرنگار رکھے طلائی تخت پر بیٹھا تھا، درباری چپ وراست چمک دار تلواریں لگائے، جو آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں، کھڑے تھے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی توجہ نہ کی اور سیدھے گھستے ہوئے چلے گئے، راستہ میں درباریوں نے روکنا چاہا، کہا: سفرا کے ساتھ ایسا برتاؤ نہیں کیا جاتا اور مترجم کے ذریعہ گفتگو شروع ہوئی۔ مروان شاہ نے کہا: کہ تم عرب ہو اور عربوں سے زیادہ بد بخت، فاقہ مست اور نجس قوم دنیا میں نہیں ہے، میری سپاہ کب کا تمہارا فیصلہ کر چکی ہوتی، لیکن تم اس قدر ذلیل ہو کہ: ہم ان کے تیر بھی تمہارے ناپاک خون سے آلودہ کرنا نہیں چاہتے، اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو معاف کر دیا جائے گا، ورنہ تمہاری لاشیں میدان میں تڑپتی نظر آئیں گی، انہوں نے حمد ونعت کے بعد جواب دیا: کہ بیشک جیسا تمہارا خیال ہے، ایک زمانہ میں ہم ویسے ہی تھے، لیکن ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری کایا پلٹ دی، اب ہر طرف ہمارے لئے میدان صاف ہے، اور بغیر تمہارا تاج وتخت چھینے اس وقت تک نہیں لوٹ سکتے، جب تک ''میدان جنگ میں ہماری لاشیں نہ تڑپیں''۔(۳) غرض یہ سفارت بے نتیجہ رہی اور طرفین میں لڑائی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ میسرہ کے افسر مقرر ہوئے، نہاوند کے معرکہ میں اسلامی فوج کے سپہ سالار حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ ایسے شدید زخمی ہوئے کہ پھر جانبر نہ ہو سکے، لیکن مسلمانوں کے ثبات واستقلال میں کوئی فرق نہ آیا اور بالآخر ایرانیوں کو شکست ہوئی، اختتام جنگ کے بعد حضرت معقل رضی اللہ عنہ، نعمان رضی اللہ عنہ کی خبر لینے گئے، سانس کی آمد وشد باقی تھی، لیکن نگاہ جواب دے چکی تھی، پوچھا: کون؟ حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے بتایا: پوچھا جنگ کا کیا نتیجہ رہا؟ عرض کی: خدا تعالیٰ نے کامیاب کیا، فرمایا: الحمد للہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو اطلاع دو اور یہ مژدہ سننے کے بعد طائر روح پرواز کر گئی۔(۴)

نہاوند کے بعد ایران پر عام فوج کشی ہوئی، ہر حصہ پر الگ الگ فوجیں بھیجی گئیں، ہمدان کی مہم حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، انہوں نے نہایت بہادری سے اس کو سر کیا، پھر اہل ایران کی درخواست پر صلح کر لی (۵)۔ بصرہ آباد ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو یہاں کا گورنر مقرر کیا، انہوں نے اپنے عہد حکومت میں بہت سے نئے انتظامات کئے، باقاعدہ ایک دفتر کھولا، جہاں سے سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفہ خواروں اور وثیقہ پانے والوں کے وظیفے اور وثیقے ملتے تھے، اس سے پہلے کوئی دفتر نہ تھا، اس کی ایجاد کا سہرا حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے سر ہے کچھ دنوں کے بعد ایک جرم کے الزام میں ماخوذ ہوئے۔(۶) لیکن شہادت سے یہ الزام ثابت نہ ہو سکا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے کہ ایک صحابی کا دامن معصیت کی

۱۔ طبری، ج ۵ ص ۲۲۷۴۔ ۲۲۷۷ ۲۔ مستدرک، ج ۳ ص ۴۴۷ ۳۔ طبری، ج ۲ ص ۲۶۰۲۔ ۲۵۰۳

۴۔ فتوح البلدان بلاذری، ص ۳۱۲۔ ۳۱۳ ۵۔ i۔ ایضاً ص ۳۱۷ ii۔ مستدرک حاکم، ج ۳ ص ۴۴۸ ۶۔ فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۴۸

آلودگی سے پاک نکلا، تاہم سیاسی مصالح کے لحاظ سے بصرہ سے تبادلہ کر کے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا گورنر بنایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک یہاں کے گورنر رہے۔ اور جدید عثمانی انتظامات میں معزول کر دیئے گئے۔

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ: اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اختلافات ہوئے، تو ابتدا میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی وطرفدار تھے، چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مخلصانہ مشورہ دیا: کہ اگر آپ اپنی خلافت کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں، تو حضرت طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہما) کو کوفہ اور بصرہ کا والی بنایئے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کے قدیم عہدہ پر واپس کیجئے، پورا تسلط ہو جانے کے بعد، پھر جو خیال میں آئے، وہ کیجئے گا، لیکن جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کہ حضرت طلحہ وزبیر (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں غور کروں گا، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب تک اپنی حرکتوں سے باز نہ آئیں گے، اس وقت تک نہ ان کو کہیں کا امیر بناؤں گا اور نہ ان سے کسی قسم کی مدد لوں گا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ اس جواب سے بدظن ہو گئے۔(۱) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی، تو انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنی طرف مائل کر کے ان سے بیعت لے لی۔(۲) اب حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، اور علی الاعلان جناب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت شروع کر دی، مجمع عام میں آپ کے خلاف تقریر کرتے اور لوگوں کو آپ کی مخالفت پر ابھارتے تھے۔(۳) حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی حمایت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بڑی قیمتی مدد پہنچائی، بڑی بڑی اہم گتھیاں انہوں نے اپنے ناخن تدبیر سے حل کر دیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دعویٰ خلافت کے سلسلہ میں بعض مواقع ایسے نازک آئے تھے، کہ اگر حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا تدبر نہ ہوتا، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت ترین دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا، زیاد دہاۃ عرب میں تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے فارس کا والی تھا، یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت ترین دشمن تھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دست برداری کے بعد گو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سارے عالم اسلامی کے خلیفہ ہو گئے تھے، لیکن زیاد ان کی خلافت نہیں تسلیم کرتا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور جفا کار بسر بن ابی ارطاۃ کو اس کے مطیع کرنے پر مامور کیا، لیکن اس کی سختیاں بے کار ثابت ہوئیں، اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے تدبر سے زیاد کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطیع بنا کر ایک بڑے خطرہ سے بچا لیا۔(۴)

کوفہ کی گورنری: ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو ان کے حسن خدمات کے صلہ میں کوفہ کا عامل بنایا، ۴۲ھ میں خارجیوں نے بڑا سخت فتنہ برپا کیا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نہایت ہوشیاری اور سرعت سے اس کو فرو کیا، اور خارجیوں کا ایک سرغنہ مستورد مارا گیا، غرض حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت استوار کرنے میں پورا زور صرف کیا۔

وفات: ۵۰ھ میں کوفہ میں طاعون کی وبا پھیلی، اس میں انتقال کیا، وفات کے وقت ۷۰ سال کی عمر تھی۔(۵)

حلیہ: سر بڑا، بال بھورے، لب پیوستہ، بازو فراخ اور شانہ کشادہ تھے۔(۶)

اولاد: وفات کے وقت ۳ اولادیں چھوڑیں عروہ، حمزہ، عقار۔(۷)

فضل وکمال: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گو ایک مدبر اور فوجی شخص تھے، تاہم ان کو مذہبی علوم سے بھی وافر حصہ ملا تھا، اور اپنے زمرہ میں علمی حیثیت سے ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ان کی ۱۳۳ روایتیں حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، ان میں سے ۹ متفق علیہ ہیں اور ایک میں امام بخاری اور ۲ میں مسلم منفرد ہیں۔(۸) تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا، ان میں ان کے تینوں لڑکے عروہ، حمزہ، عقار اور عام لوگوں میں جبیرہ بن وحیہ،

۱۔ استیعاب، ج۱، ص۲۵۹ ۲۔ استیعاب، ج۱، ص۲۵۹، مستدرک، ج۳، ص۴۴۸ ۳۔ اصابہ، ج۶، ص۱۳۲

۴۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۴۵۰ ۵۔ ابن اثیر، ج۳، ص۱۶۸ ۶۔ ابن اثیر، ج۳، ص۱۸۲

۷۔ اصابہ، ج۶، ص۱۳۲ ۸۔ تھذیب التھذیب، ج۷، ص۱۵۲

مسور بن مخرمہ، قیس بن ابی حازم، مسروق بن اجدع، نافع بن جبیر بن مطعم، عروہ بن زبیر اور عمرو بن وہب رحمۃ اللہ علیہم قابل ذکر ہیں۔(۱) گو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ مذہبی علوم سے بے بہرہ نہ تھے، لیکن ان کی عظمت ووقار کا علم علم وافتا کی مسند کے بجائے سیاست کی خاردار وادیوں میں گڑا تھا، اور یہی ان کے کمال کا حقیقی مظہر تھا، عقل ودانش اور تدبر وسیاست کے لحاظ سے وہ عرب کے ممتاز مدبرین میں تھے، ان کا شمار ''دہاۃ عرب'' میں تھا اور اپنے غیر معمولی دل ودماغ کے سبب سے ''مغیرۃ الرائے'' کہلاتے تھے۔(۲) اسی وصف کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بڑے بڑے ذمہ دار عہدوں پر ممتاز رہے اور دربار ایران تک ان کے تدبر کا سکہ جم گیا تھا۔ حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں عرصہ تک حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، وہ اس تدبیر وسیاست کے آدمی تھے، کہ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں، اور ان میں ایک میں سے بھی بغیر ہوشیاری اور چالاکی کے گزرنا دشوار ہو، تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آٹھوں دروازوں سے نکل جاتے۔(۳) اہم امور کی گتھیاں سلجھانے میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا۔(۴) جب کسی معاملہ میں رائے قائم کرتے تو اسی میں مفر کی صورت نکلتی۔(۵)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم، ابوداؤد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ بارھویں (۱۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ حضرت حمزہ بن مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ نے روایات بیان کی ہیں، البتہ حضرت حمزہ سے امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایات بیان کی ہیں۔

☆ سند میں حضرت مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے صاحبزادے کوفی راوی ہیں، باقی تمام بصری راوی ہیں۔

☆ سند میں چار تابعی راوی ہیں، اور یہ حضرت سلیمان، حضرت بکر، حضرت حسن بصری اور حضرت حمزہ بن مغیرہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔

☆ سند میں چار تابعین کرام نے ایک دوسرے سے روایت نقل کی ہے۔

☆ سند میں بیٹے (حضرت حمزہ رحمۃ اللہ علیہ) نے باپ (حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان کی ہے۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت عمرو بن علی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ الشیوخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت بیان کرتے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ تین تین دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ اصابہ، ج۶، ص۱۳۲ ۲۔ ایضاً

۳۔ تہذیب الکمال، ج۹، ص۳۸۵ ۴۔ تھذیب التھذیب، ج۱، ص۲۰۲

۵۔ سیر الصحابۃ، ج۱، ص۱۱۷۔۱۲۱

۶۔لغات:

توضأ: آپ ﷺ نے وضو کیا   مسح: آپ ﷺ نے مسح کیا
ناصیته: اپنی پیشانی   عمامته: اپنی پگڑی
الخفین: دو موزے

۱۰۸۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَحُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ عَنْ يَزِيدَ - وَهُوَ ابْنُ زُرَيْعٍ - قَالَ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمُزَنِيُّ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ تَخَلَّفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَخَلَّفْتُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى حَاجَتَهُ قَالَ "أَمَعَكَ مَاءٌ" فَأَتَيْتُهُ بِمِطْهَرَةٍ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَغَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ يَحْسُرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ فَأَلْقَاهُ عَلَى مَنْكِبَيْهِ فَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى خُفَّيْهِ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ (ایک سفر میں) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیچھے تھے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا، جب آپ ﷺ حاجت سے فارغ ہوئے تو پوچھا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں پانی کا برتن لے کر حاضر خدمت ہوا، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اور چہرہ مبارک دھویا، پھر آپ ﷺ ہاتھ آستینوں سے نکالنے لگے تو وہ تنگ تھیں، آپ ﷺ نے جبے کو کندھوں پر ڈال لیا، پھر بازو دھوئے اور پیشانی، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔

۱۔اطراف:

تقدم: ۱۲۵، مسلم: ۲۷۴، احمد: ۱۸۲۰۶، ۱۸۲۱۸، ۱۸۲۲۱، السنن الکبریٰ: ۱۰۸، تحفۃ الاشراف: ۱۱۴۹۴

۲۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
آپ ﷺ نے پیشانی، پگڑی اور موزوں پر مسح کیا۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند کے سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے حالات درج ذیل ہیں:

۱۔عمرو بن علی: راجع: ۴
۲۔حمید بن مسعدۃ: راجع: ۵

۳۔یزید بن زریع:

آپ کا نام ابو معاویہ یزید بن زریع عیشی تمیمی بصری (م: ۱۸۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، حجۃ، کثیر الحدیث راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ اپنے زمانہ کے بصری رواۃ میں علم، اتفاق، زہد و تقویٰ اور تثبیت میں سب سے فائق

ہیں۔امام ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں آپ کی صحبت میں چالیس سال رہا، اوران چالیس سالوں میں کوئی دن بھی خیر سے خالی نہ تھا، امام نصر بن علی جہینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت یزید بن زریع رحمۃ اللہ علیہ کو حالت خواب میں دیکھا، میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے مجھے جنت عطا فرمائی ہے۔میں نے پوچھا: جنت کس وجہ سے ملی ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا: کثرت کے ساتھ نماز پڑھنے سے۔(۱)

۴۔حمید:

آپ کا نام ابوعبیدہ حمید بن ابی حمید الطّویل بصری (م:۱۴۲ھ) ہے، آپ طلحہ الطلحات خزاعی کے آزادکردہ غلام تھے، آپ کے والد کے نام میں شدید اختلاف ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے دس اقوال کا ذکر کیا ہے، البتہ علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے والد ابوحمید کا نام طرخان ذکر کیا ہے، آپ قد کے لحاظ سے طویل القامت نہ تھے، اس کے باوجود آپ طویل کے لقب سے مشہور تھے، اس بارے میں علماء کے دوقول ہیں۔

۱۔ آپ کے ایک پڑوسی تھے، جن کا نام حمید اور لقب قصیر تھا، ان سے پہچان کے لئے آپ حمید الطّویل کے لقب سے مشہور تھے۔

۲۔ آپ کا قد طویل نہ تھا، البتہ آپ کے ہاتھ طویل تھے، اسی وجہ سے الطّویل کے لقب سے مشہور تھے۔

آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، کثیر الحدیث، مدلس راوی ہیں، علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ آپ کی تدلیس حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے۔لیکن اس کا وقوع شاذ ہے۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔بکر بن عبداللہ المزنی:　راجع: ۱۰۷

۶۔ابن المغیرۃ:　ایضاً

۷۔المغیرۃ:　ایضاً

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چھیالیسویں (۴۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ اس باب میں یہ روایت پہلی روایت سے عالی ہے، کیونکہ وہ سباعیات ہے اور یہ سداسیات ہے۔

☆ روایت میں عن یزید۔وھو ابن زریع۔کے الفاظ اس بات کی وضاحت ہیں: کہ یزید کا نسب شیخ نے ذکر نہیں کیا، بلکہ راوی نے خود اس کا اضافہ کیا ہے، اگر شیخ ذکر کرتا تو وہ یزید بن زریع کے الفاظ استعمال کرتا۔

۱۔ i۔تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۳۲۵۔۳۲۸　ii۔طبقات ابن سعد، ج۷، ص۲۸۹

۲۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۷، ص۲۵۲　ii۔تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۸

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں، البتہ حضرت حمزہ بن مغیرہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کوفی ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (حمزہ) کی باپ (حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

☆ سند میں تین تابعی (حضرت حمید، حضرت بکر، حضرت حمزہ رحمۃ اللہ علیہم) راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداءِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

تخلف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے — قضی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری کی

حاجته: اپنی حاجت — مطھرۃ: پانی کا برتن

یحسر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آستین چڑھائی — صناق: وہ تنگ تھی

کم الجبة: جبے کی آستین — منکبیه: اپنے کاندھوں پر

۷۔مسائل ونصائح:

راجع: ۱۰۶

۸۔خلاصہ:

☆ ان دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ پیشانی پر مسح کے ساتھ ساتھ عمامہ شریف پر مسح کر لینا مستحب ہے۔

☆ استاد، شیخ اور کسی بھی بڑے کا چھوٹوں سے خدمت لینا جائز ہے۔

☆ تنگ لباس پہننا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے ستر چھپا ہوا ہو، اسی سے عصر حاضر کے لباس سفاری سوٹ، پینٹ شرٹ اور پینٹ کوٹ کا جواز بھی نکلتا ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا، اس سے غیر ملکی ملبوسات اور دیگر اشیاء کے جواز کا ثبوت نکلتا ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے جنگ کے موقع پر تنگ لباس پہننے کے استحباب کا ثبوت ہے، اسی سے افواج کے لئے مخصوص تنگ لباس پر مبنی یونیفارم پہننے کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے پورے سر کے مسح کا سنت ہونا بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ شریف پہننے کے باوجود مسح فرمایا۔

☆ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

☆ سفر کے دوران پانی اور دیگر ضروریات زندگی ساتھ رکھنا مستحب ہے۔

باب ۸۸: كَيْفَ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ — پگڑی پر مسح کیسے کیا جائے؟

اس باب میں پگڑی پر مسح کرنے کے طریقہ کا بیان ہے، پیشانی پر مسح کرنے کے ساتھ ساتھ پگڑی کے اطراف میں مسح کرنا سنت مبارکہ ہے، پچھلے باب میں پیشانی اور عمامہ پر اکٹھے مسح کرنے کا بیان تھا۔

۱۰۹۔ اَخْبَرَنَا يَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اَخْبَرَنِىْ عَمْرُو بْنُ وَهْبٍ الثَّقَفِىُّ قَالَ سَمِعْتُ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ قَالَ خَصْلَتَانِ لَا اَسْاَلُ عَنْهُمَا اَحَدًا بَعْدَ مَا شَهِدْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ - كُنَّا مَعَهُ فِىْ سَفَرٍ فَبَرَزَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ جَاءَ فَتَوَضَّاَ وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَجَانِبَىْ عِمَامَتِهِ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ قَالَ وَصَلَاةُ الْاِمَامِ خَلْفَ الرَّجُلِ مِنْ رَعِيَّتِهِ فَشَهِدْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ فِىْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَاحْتَبَسَ عَلَيْهِمُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَامُوا الصَّلَاةَ وَقَدَّمُوا ابْنَ عَوْفٍ فَصَلّٰى بِهِمْ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى خَلْفَ ابْنِ عَوْفٍ مَا بَقِىَ مِنَ الصَّلَاةِ فَلَمَّا سَلَّمَ ابْنُ عَوْفٍ قَامَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى مَا سُبِقَ بِهِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

دو باتیں ایسی ہیں، جن کے بارے میں میں کسی سے نہیں پوچھوں گا، کیونکہ ان دو باتوں کا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود مشاہدہ کیا ہے:

۱۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت کے لئے تشریف لے گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر وضو فرمایا، پیشانی پر مسح کیا، پگڑی کے دونوں کناروں پر مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

۲۔ امام کا اپنی رعایا میں سے کسی کے پیچھے نماز پڑھنا (درست ہے)، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، نماز کا وقت ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری نہ ہوئی (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کو تشریف لے گئے تھے)، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز (باجماعت پڑھنا) شروع کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے بقیہ نماز پڑھنا شروع کر دی، جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر باقی نماز ادا فرمائی۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پگڑی کے دونوں کناروں پر مسح کیا۔

۲۔ اطراف:

ابن خزیمہ: ۱۶۴۵، احمد: ۱۸۱۵۸، ۱۸۱۹۰، ۱۸۱۹۸، السنن الکبریٰ: ۱۱۲، تحفۃ الاشراف: ۱۴۳۸۱

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے دو کے حالات گزر چکے ہیں، باقی چار کے حسبِ ذیل ہیں:

۱۔یعقوب بن ابراھیم: راجع:۲۲

۲۔ھشیم:

آپ کا نام ابومعاویہ ھشیم بن بشیر بن قاسم بن دینار سلمی واسطی (م:۱۸۳ھ) ہے آپ ابومعاویہ بن ابوحازم کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں، آپ ساتویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، مدلس، مرسل راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے تقریباً اسی (۸۰) سال کی عمر میں وفات پائی۔(۱)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ کثرت سے ذکر تسبیح کرنے والے تھے۔(۲)

امام اسحاق زیادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت خواب میں دیدار سے مشرف فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھشیم سے روایت کرو، ھشیم کتنا اچھا آدمی ہے۔(۳)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حالتِ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ھشیم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ دعائیہ کلمات کہتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ جل جلالہ آپ کو میری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے۔(۴)

امام سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: مجھے حالتِ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے عرض کیا: میں ابویوسف اور ھشیم میں سے کس کی صحبت اختیار کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھشیم رحمۃ اللہ علیہ کی۔(۵)

۳۔یونس بن عبید:

آپ کا نام ابوعبید یونس بن عبید بن دینار عبدی بصری (م:۱۳۹ھ) ہے، آپ نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم خادمِ رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، فاضل، متقی، کثیر الحدیث، تابعی راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت، علم وفضل اور حفظ واتقان پر متفق ہیں۔(۶)

علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ اپنے ہم عصر علماء فضلا اور محدثین کے گروہ کے سرخیل تھے۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نہایت متقی اور پرہیزگار شخصیت تھے، آپ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے۔(۷)

امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مؤمل بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: ایک شامی شخص بازار ریشماں آیا اور اس نے حضرت یونس بن عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: آپ کے پاس چارسو درھم کی قیمت والی چادر ہے، آپ نے فرمایا: ہمارے پاس دوسو درھم والی ہے، پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھنا شروع کردی، جب رکوع میں پہنچے، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے نے وہ چادر شامی شخص کو چارسو درھم میں فروخت کردی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے (نماز مکمل کرنے کے بعد) اس شامی سے کہا: اے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے بندے! یہی چادر ہے، جس کی قیمت میں نے آپ کو دوسو درھم بتلائی تھی، اگر

۱۔ تقریب التھذیب، ج۲، ص۳۲۶ ۲۔ تاریخ بغداد، ج۱۴، ص۸۵

۳۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج۳، ص۸۸ ۴۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۵۹۔۶۴ ۵۔ ایضاً

۶۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۷، ص۲۶۰ ii۔العلل (ابن حنبل)، ج۱، ص۱۴۴

iii۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۶۸۸ iv۔الجرح والتعدیل، ج۹، ص۲۴۲

۷۔ الثقات، ج۷، ص۶۴۷

آپ چاہیں تو چادر لے لیں اور دو سو درھم بھی واپس لے لیں، اور اگر آپ نہ چاہیں تو اسے چھوڑ دیں۔ اس شامی شخص نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ آپ نے بتلایا: میں یونس بن عبید ہوں۔ اس شخص نے کہا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عزت کی قسم! ہم دشمنوں کے ساتھ جنگ کر رہے تھے، دوران جنگ جب ہمارے لئے دشمن کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا، تو ہم نے یہ دعا مانگی: اے اللہ تعالیٰ جل جلالہ! یونس کے رب ہونے کے واسطے سے ہمیں فتح عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ہمیں فتح عطا فرمادی۔ حضرت یونس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: سبحان اللہ، سبحان اللہ۔(۱)

فضل وکمال: حضرت یونس اگر چہ غلام تھے۔ لیکن حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ ان کے فیض صحبت وہم نشینی نے ان کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی ان کو امام حجۃ اور قدوہ لکھتے ہیں۔(۲) امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے اور وہ جلیل القدر تابعی ہیں۔(۳) ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ علم وفضل حفظ واتقان پابندی سنت اور اہل بدعت سے بغض، تقشف، تفقہ فی الدین اور کثرت حفظ میں اپنے زمانہ کے سادات میں سے تھے۔(۴)

حدیث: حدیث میں اپنے عہد کے ممتاز حفاظ میں سے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة كثير الحديث''۔(۵) صحابہ میں انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا، لیکن ان سے فیض یاب نہ ہو سکے، انہوں نے زیادہ تر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا۔ ان کے بعد محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ، ثابت البنانی، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، حکیم بن عرج، نافع مولیٰ ابن عمر، حمید بن بلال، عطاء بن ابی رباح رحمہم اللہ وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔(۶) حدیث میں اپنے اکثر معاصرین پر فائق تھے۔ حضرت سعید بن عامر کا بیان ہے: کہ میں نے حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ تمام اہل بصرہ کی یہی رائے ہے۔ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ وہ حضرت سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بلند مرتبہ تھے۔ تیمی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔(۷) اس کمال کے ساتھ وہ حدیث میں بڑے محتاط تھے، حدیث بیان کرنے کے بعد ہمیشہ تین مرتبہ استغفر الله کہتے تھے۔(۸) محض احتیاط کی بنا پر حدیثوں کو قلم بند نہیں کرتے تھے۔

تلامذہ: قابل ذکر تلامذہ کے نام یہ ہیں، ان کے صاحبزادے عبداللہ، شعبہ، ثوری، وہیب، حماد، عبداللہ بن عیسیٰ، خزار اور خارجہ بن مصعب رحمہم اللہ وغیرہ۔(۹)

اخلاص فی العلم: ان کی علمی طلب شہرت اور ناموری کے لئے نہیں بلکہ خالصتاً للہ تھی۔ حضرت ہشام بن حسان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ میں نے حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو ایسا نہیں پایا، جس کی غرض علم سے محض لوجہ اللہ ہو۔(۱۰)

فضائل اخلاق: وفور علم کے ساتھ عمل بھی اسی درجہ کا تھا۔ عقائد میں بڑے متشدد اور مذہب میں بڑے متقشف تھے، علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ وہ بڑے عامل سنت، بدعات سے نفرت کرنے والے اور متقشف تھے، عقائد کے باب میں اتنے متشدد تھے کہ جدید عقائد وخیالات کو گناہ کبیرہ سے بھی بڑھ کر سمجھتے تھے۔ اپنے صاحبزادے سے ایک مرتبہ فرمایا: کہ میں تم کو سود، چوری اور شراب نوشی سے منع کرتا ہوں، لیکن تمہارا ان چیزوں میں مبتلا ہو کر خدا سے ملنا، اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ عمرو بن عبید اور اس کے ساتھیوں کے ہم خیال ہو کر اس سے ملو۔(۱۱)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۴۴۳۔۴۴۴ — ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۰ — ۳۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ص۱۶۸
۴۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۴۴۵ — ۵۔ ابن سعد، ج۷، ق۲، ص۲۳ — ۶۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۴۴۲
۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۰ — ۸۔ ابن سعد، ج۷، ق۲، ص۲۳ — ۹۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۴۴۲
۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۰ — ۱۱۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۴۴۴

مبتدعین کی عیادت کرنا بھی کارثواب نہ سمجھتے تھے۔ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا: کہ میرا ایک معتزلی پڑوسی بیمار ہے، میں اس کی عیادت کروں۔فرمایا ثواب کی نیت سے نہیں۔(۱)

فرائض کے علاوہ زیادہ روزہ نماز نہ ادا کرتے تھے۔لیکن خدا کے حقوق وفرائض کی ادائیگی کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے،حضرت سلام بن مطیع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت یونس رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ روزہ نماز نہ ادا کرتے تھے۔لیکن خدا کی قسم جب خدا کے حقوق کا وقت آتا،تو وہ اس کی ادائیگی کے لئے بالکل تیار رہتے تھے۔(۲) جہاد کو افضل العبادات سمجھتے تھے،اس کے چھوٹ جانے کا انتہائی قلق ہوتا تھا۔ان کو کسی سبب سے جہاد کا موقع نہ ملا تھا،اس کا تادم آخر قلق رہا،حضرت اسحاق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت یونس رحمۃ اللہ علیہ مرض الموت میں اپنے پیروں کی طرف دیکھ کر روتے تھے،لوگوں نے سبب پوچھا؟ فرمایا: کہ وہ خدا کی راہ میں غبار آلود نہیں ہوئے۔(۳) زبان پر اکثر کلمہ استغفار جاری رہتا تھا۔حضرت عبدالملک ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ استغفار کرنے والا نہیں دیکھا۔(۴)

دیانت: ان کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔اور تجارتی دیانت میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے،کہ اس مبالغہ کے ساتھ تجارت کرنا مشکل ہے۔ان کی تجارتی دیانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔ایک مرتبہ ایک خاص مقام پر ریشم کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا۔انہیں معلوم ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے مقام کے ریشم فروش سے تیس ہزار کا ریشم خریدا۔بعد کو انہیں خیال آیا تو اس بیچنے والے سے پوچھا: کہ تم کو فلاں مقام پر مال کے نرخ چڑھنے کی خبر تھی۔اس نے کہا: اگر مجھے معلوم ہوتا،تو میں اپنا مال کیوں فروخت کرتا۔یہ جواب سن کر روپیہ لے کر مال واپس کر دیا۔(۵) ایک مرتبہ ایک عورت ان کے پاس خز کی چادر فروخت کرنے کے لئے لائی۔انہوں نے اسے دیکھ کر قیمت پوچھی،اس نے کہا: ساٹھ درہم۔انہوں نے اپنے ایک ہمسایہ تاجر کو چادر دکھا کر پوچھا،تمہاری نظر میں اس کی کیا قیمت ہے؟ اس نے کہا: ایک سو بیس تک ہو سکتی ہے۔قیمت لگوانے کے بعد عورت سے کہا: اپنے گھر والوں سے پوچھ آؤ،وہ ایک سو پچیس تک بیچنے کی اجازت دیتے ہیں۔(۶) ایک مرتبہ ایک عورت ریشم کا ایک جبہ بیچنے کے لئے لائی۔انہوں نے قیمت دریافت کی،اس نے پانچ سو بتائی۔ان کی نگاہ میں وہ اس سے بہت زیادہ قیمت کا تھا۔اس لئے انہوں نے دو ہزار تک اس کی قیمت لگا دی۔(۷) اس احتیاط کے باوجود انہیں اس بارے ہمیں پورا اطمینان نہ ہوتا تھا۔علامہ ابن شوذب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یونس رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابن عون رحمۃ اللہ علیہ حلال وحرام پر باتیں کر رہے تھے۔دونوں نے کہا: کہ ہمارے مال میں ایک درہم بھی حلال کا نہیں ہے۔(۸)

وفات: ۱۳۹ میں وفات پائی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پوتے سلیمان اور عبداللہ بن علی اور پڑپوتے جعفر اور محمد رحمۃ اللہ علیہما نے جنازہ اٹھایا۔اور ان کی زبان پر تھا کہ "خدا کی قسم! یہ عزت وشرف ہے۔(۹)

۱۔ تھذیب التھذیب،ج ۱۱،ص ۴۴۴
۲۔ ایضاً،ص،۴۴۳
۳۔ ایضاً،ص ۴۴۴
۴۔ ایضاً،ص ۴۴۳
۵۔ ایضاً،ص ۴۴۵
۶۔ ایضاً،ص ۴۴۵
۷۔ ایضاً،ص ۴۴۴
۸۔ ایضاً
۹۔ i-ابن سعد،ج ۷،ص ۲۴ ii- سیر الصحابہ،ج ۳،ص ۳۳۲-۳۳۴

۴۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ:

محمد نام، ابوبکر کنیت، والد کا نام سیرین تھا۔ سیرین جرجرایا (عراق) کے باشندے تھے، اور ٹھٹیرے کا کام کرتے تھے۔ عین التمر میں ان کی دوکان تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عین التمر کے معرکہ میں اور عجمیوں کے ساتھ سیرین بھی گرفتار ہوئے، اور کسی مجاہد کے حصہ میں پڑے۔ بعد میں وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی غلامی میں تھے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید وہ ان ہی کے حصہ میں پڑے ہوں گے۔ یا انہوں نے کسی مجاہد سے خریدا ہوگا۔ بہرحال وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی غلامی میں تھے۔ سیرین بڑے صناع تھے۔ کافی کماتے تھے۔ اس لئے انس رضی اللہ عنہ نے بیس یا چالیس ہزار لے کر انہیں کچھ عرصہ کے بعد آزاد کر دیا۔ (۱)

ان کی بیوی صفیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں۔ اور ایسی لونڈی تھیں جن کی ذات آزاد عورتوں کے لئے قابل رشک ہے۔ ان کے نکاح میں تین امہات المؤمنین نے ان کو سنوارا تھا، اور اٹھارہ بدری صحابہ شریک نکاح تھے، اور ان کے لئے دعائے خیر کی تھی۔ (۲)

پیدائش: ان دونوں شخصیت سے مل کر امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی ذات وجود میں آئی۔ وہ ۳۳ھ میں تولد ہوئے۔ (۳)

فضل وکمال: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ذات وہ تھی جن کے معمولی تربیت یافتہ علم وعمل کے وارث ہوئے۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کے دامن علم میں تربیت پائی تھی۔ اور مدتوں ان کے ساتھ رہے تھے، (۴) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ اکابر صحابہ میں سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زیادہ صحبت اٹھائی تھی اور ان کے اصحاب میں ان کا شمار تھا۔ (۵) تابعین میں وہ مدتوں سرتاج تابعین حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے۔ (۶) ان بزرگوں کے فیض صحبت نے امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کو پیکر علم وعمل بنا دیا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقة مامونا عليا و فيعا اما ما كثير العلم ورعا" (۷) حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "كان فقيها اماما عزيز العلم ثقة ثبتا علامة التفسير اسا فى الورع"۔ (۸)

تفسیر: انہیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں: کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ اور تعبیر رویا وغیرہ فنون میں امام تھے۔ (۹)

حدیث: امام ابن سیرین حضرت انس رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم جلیس تھے۔ جن میں سے ہر ایک حدیث کا رکن اعظم تھا۔ ان تینوں بزرگوں کے علاوہ انہوں نے اس فن شریف میں صحابہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ، ابوبکر ثقفی رضی اللہ عنہ، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اور غیر صحابہ علماء میں حضرت عکرمہ، شریح، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، عبداللہ بن شقیق، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، قیس بن عباد، مسلم بن یسار، یونس بن جبیر، عمرہ بن وہب، یحییٰ بن ابی اسحاق حضرمی، خالد الحذاء رحمہم اللہ وغیرہ ایک بڑی جماعت سے روایتیں کی ہیں۔ (۱۰)

۱۔ ابن خلکان، ج ۴، ص ۴۵۳ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۰ ۳۔ ایضاً
۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۲۱۵ ۵۔ ایضاً ۶۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۵۱
۷۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۰ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۶۷
۹۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۸۲ ۱۰۔ تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۲۱۴

احتیاط: اس وسعت علم کے باوجود وہ بڑے محتاط تھے۔اور سماع اور روایت دونوں میں انتہائی احتیاط برتتے تھے۔معمولی درجہ کے اشخاص سے تحصیل علم اور اخذ حدیث خلاف احتیاط سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے: کہ علم دین ہے۔اس لئے ان کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب اچھی طرح سے پرکھ لو جس سے اس کو حاصل کرنا ہے۔(۱)

روایت میں اتنے محتاط تھے کہ احادیث کو لفظاً روایت کرتے تھے۔تنہا معنیٰ بیان کرنا کافی نہ سمجھتے تھے۔حدیث اس احتیاط سے بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز صاف کر رہے ہیں، یا کسی چیز کا خوف ہے۔(۲) انتہائی احتیاط کی بنا پر حدیثوں کا قلم بند کرنا پسند نہ تھا۔فرماتے تھے کہ کتاب سے بچو، تمہارے اگلے لوگ کتابوں ہی سے سرگرداں اور گمراہ ہوئے۔اگر میں کسی چیز کو کتاب بناتا تو رسول اللہ ﷺ کے خطوط کو بناتا لیکن حدیثوں کو حفظ کرنے کے لئے اس شرط پر ان کا قلمبند کرنا جائز سمجھتے تھے کہ حفظ کرنے کے بعد وہ مٹادی جائیں۔(۳) روایت اور کتابت حدیث کے سلسلہ میں ایک باریک نکتہ ارشاد فرماتے تھے: کہ اگر کسی بات کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی باتیں مواخذہ کے لئے قلم بند کی جاتی ہیں، تو وہ گفتگو کردے۔(۴) اس کا مقصد یہ ہے کہ جب معمولی باتوں میں باتیں کرنے والے مواخذہ کے خوف سے احتیاط کرنے لگتے ہیں، تو حدیثوں کی کتابت میں تو بدرجہ اولیٰ احتیاط کرنی چاہئے کہ اس کی بھول چوک میں زیادہ مواخذہ ہے، اور کتاب کی بھول چوک کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔

اس احتیاط کی بناء پر ارباب فن کے نزدیک وہ بڑے صادق القول اور ان کی روایات نہایت معتبر مانی جاتی تھیں۔حضرت ہشام بن حسان رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ میں نے انسانوں میں سب سے زیادہ سچا امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کو پایا۔(۵) بڑے بڑے ائمہ حدیث شائقین علم کو ان کا دامن پکڑنے کی ہدایت کرتے تھے، حضرت شعیب بن حجاب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ شعبی ہم لوگوں سے کہتے تھے: کہ تم لوگ امام ابن سیرین کا دامن پکڑو۔(۶)

تلامذہ: حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔بعضوں کے نام یہ ہیں: امام شعبی، ثابت، خالد الحذاء، داؤد بن ہند، ابن عون، جریر بن حازم، ایوب، عاصم الاحول، قتادہ، سلیمان التیمی، مالک بن دینار، امام اوزاعی، قرہ بن خالد، ہشام بن حسان اور ابو ہلال راسبی رحمہم اللہ وغیرہ۔(۷)

فقہ: فقہ میں بھی ان کا مقام و مرتبہ پایہ نہایت بلند تھا۔وہ بالاتفاق اپنے عہد کے اکابر فقہاء میں تھے، ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی اور ابن حجر وغیرہ تمام آئمہ فقہ میں ان کی امامت کے معترف ہیں۔علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فقیہ، فاضل اور متقن تھے۔(۸)

مہارت قضاء اور اس سے گریز: فقہی کمال کی بناء پر انہیں قضا میں بڑی مہارت تھی۔حضرت عثمان البتی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس علاقہ میں امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ قضا کا عالم کوئی نہ تھا۔(۹) ان کی مہارت قضا کی وجہ سے ان کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا گیا۔یہ اس خوف سے شام بھاگ گئے، پھر عرصہ کے بعد وہاں سے مدینہ واپس آئے۔(۱۰)

فتاویٰ میں احتیاط: مسائل اور فتاویٰ کے جواب میں اتنے محتاط تھے کہ جواب دیتے وقت شدت احتیاط یا خوف سے گھبرا جاتے، اور ان کی

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۱ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ص ۱۴

۴۔ ایضاً ص ۱۴ ۵۔ ایضاً ص ۱۴۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۶۸

۷۔ تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۲۱۴ ۸۔ ایضاً ص ۲۱۶ ۹۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۳

۱۰۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۳۹

حالت بدل جاتی، امام اشعث رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھتے تھے، تو وہ باتیں بھی کرتے تھے، ہنستے بھی تھے، حالات بھی پوچھتے تھے۔ لیکن جہاں ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ یا حرام وحلال کے متعلق کچھ پوچھا جاتا، تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ ہنس بول رہے تھے۔ (۱) علامہ ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ میں نے ایک مسئلہ میں امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا میں یہ نہیں کہتا، کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ (۲)

معاصر علماء کا اعتراف: اس عہد کے بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال انہیں ان کے زمانہ کا ممتاز فاضل سمجھتے تھے۔ علامہ ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: کہ ساری دنیا میں تین آدمیوں کا مثل نہیں مل سکتا۔ عراق میں امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا، حجاز میں حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اور شام میں حضرت رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ کا، لیکن امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ان تینوں میں فائق تھے۔ (۳)

علامہ ابن حبان لکھتے ہیں: کہ امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ بصرہ کے سب سے بڑے متورع، فقیہ، فاضل، حافظ، متقن اور معبر خواب تھے۔ (۴)

عبادت: ان کا سب سے محبوب مشغلہ عبادت تھا، اور وہ بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے، علامہ ابن عماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی کمال پر تھے۔ (۵) روزانہ شب کو سات ورد پڑھتے تھے، اگر ان میں سے کوئی باقی رہ جاتا تھا تو اسے دن میں پورا کرتے تھے۔ تنہائی میں تسبیح کا شغل رہتا تھا۔ (۶) سوتے وقت نفس کو (ذکر الٰہی) کی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔ اس طرح گویا ساری رات عبادت میں بسر ہوتی تھی۔ ایک دن درمیان دے کر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور اس میں اس قدر سختی برتتے تھے کہ اگر روزہ کا دن یوم شک میں پڑ تا یعنی شعبان اور رمضان کا فیصلہ نہ ہو سکتا، تو شک سے روزہ نہ چھوڑتے۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کے احاطہ میں ایک مسجد تھی، جس میں بچوں کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ معمولی عبادتوں میں بھی مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ وضو میں پنڈلیوں تک پاؤں دھوتے تھے۔ زکوٰۃ کے باب میں اتنا اہتمام تھا کہ بغیر اس کو نکالے ہوئے عید کی نماز کے لئے گھر سے نہ نکلتے تھے۔ علامہ ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ ہم کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا: کہ عید کے دن ہم امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے ہوں، اور انہوں نے ہم کو خبیص (ایک قسم کا کھانا) یا فالودہ نہ کھلایا ہو، وہ بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے عید کے لئے گھر سے نہ نکلتے تھے۔ پہلے زکوٰۃ نکال کر جامع مسجد بھجوا دیتے تھے، اس کے بعد عید کی نماز کے لئے نکلتے تھے۔ (۷)

شہرت سے نفرت: شہرت سے بہت گھبراتے تھے۔ اور اس سے بچنے کے لئے وہ عام مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ فرماتے کہ: میں صرف شہرت کے خوف سے تمہاری مجلسوں میں نہیں آتا۔ (۸) وہ ہر ایسے امتیاز سے جس سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف منعطف ہوتی بچتے تھے۔ اکثر نماز میں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو امامت کے لئے بڑھا دیتے۔ علامہ ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ ابن ہبیرہ رحمۃ اللہ علیہ کے خروج کے زمانہ میں، میں بھی امام ابن سیرین کے ساتھ نکلا، نماز کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ میں نے اس کی تعمیل تو کی لیکن نماز پڑھانے کے بعد میں نے ان سے کہا: کہ آپ تو فرمایا کرتے تھے: کہ نماز اسی شخص کو پڑھانا چاہئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہو۔ فرمایا: مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا، کہ میں نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھوں، اور لوگ یہ کہیں کہ: محمد لوگوں کی امامت کرتے ہیں۔ (۹)

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۳ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۲
۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۲۱۶ ۴۔ ایضاً ۵۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۱۳۹
۶۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۵ ۷۔ ایضاً ص ۱۴۶ ۸۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۴۵
۹۔ ایضاً

ماں کی اطاعت: ماں کے بڑے مطیع اور خدمت گزار تھے۔ان کی بہن کا بیان ہے: کہ ان کی ماں حجازی تھیں۔اس لئے ان کو رنگین اور نفیس کپڑوں کا بڑا شوق تھا۔امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ اس شوق کو اتنا ملحوظ رکھتے تھے کہ جب ان کے لئے کپڑا خریدتے تو محض کپڑے کی لطافت اور نرمی کو دیکھتے،اس کی مضبوطی کا مطلق خیال نہ کرتے تھے۔عید کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے ماں کے کپڑے رنگتے۔میں نے کبھی ان کو ماں کے مقابلہ میں آواز بلند کرتے نہیں سنا۔جب ماں سے باتیں کرتے تو اس آہستگی کے ساتھ جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہے ہیں۔علامہ ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ جس وقت اپنی ماں کے سامنے ہوتے تھے،تو ان کی آواز اتنی پست ہوتی تھی کہ ناواقف آدمی انہیں بیمار سمجھتا تھا۔(۱)

عجز و فروتنی: اپنے کو نہایت حقیر سمجھتے تھے،اپنی ذات کے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہ کرتے تھے۔چنانچہ کسی کو اپنے ساتھ چلنے نہ دیتے تھے۔اگر کوئی شخص ساتھ چلنا چاہتا تو فرماتے:اگر تم بلاضرورت چل رہے ہو تو لوٹ جاؤ،فرماتے تھے: کہ اگر گناہوں میں بو ہوتی تو کوئی شخص بو کی شدت سے میرے قریب نہیں آسکتا تھا۔(۲) لیکن اس فروتنی اور تواضع کے ساتھ بڑے بے باک اور بے خوف تھے۔بڑے سے بڑے خطرہ کو وہ خاطر میں نہ لاتے تھے۔حضرت ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ محمد کے برابر کون طاقت رکھتا ہے؟ وہ نیزے کی نوک پر چڑھ جاتے تھے۔(۳) اور آپ بڑے صاف دل تھے۔کبھی کسی پر رشک وحسد نہ کرتے تھے۔خود فرمایا کرتے تھے: کہ میں نے بھلے برے کسی پر حسد نہیں کیا۔(۴)

صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ پر ابن سیرین کا اثر: ان کے ان محاسن کا بڑے بڑے صحابہ اور تابعین پر اتنا اثر تھا: کہ وہ ان سے جنازہ کی نماز پڑھانا باعث برکت سمجھتے تھے،حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں وصیت کی تھی: کہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ انہیں غسل میت دیں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں۔اتفاق سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات زمانہ میں وہ قید تھے۔اس لئے حاکم شہر سے حصول اجازت کے بعد وہ لائے گئے،اور غسل،تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کے بعد پھر قید خانہ واپس گئے۔(۵) علامہ ابن عون رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی روپوشی کے زمانہ میں ان کی ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا۔میں نے جا کر ان کو اطلاع دی۔مجھے خیال تھا کہ وہ مجھ ہی کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیں گے،لیکن انہوں نے ضروری ہدایات دینے کے بعد امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جنازہ پڑھوانے کا حکم دیا۔(۶)

وصیت ووفات: ۱۱۰ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔آخر عمر میں چالیس ہزار کے مقروض ہوگئے تھے۔اس کی بڑی فکر تھی۔آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔اس سعادت مندی پر ان کے لئے دعائے خیر کی،پھر وصیت فرمائی کہ تم لوگ خدا کا خوف کرتے رہنا،آپس میں صلح ومسالمت سے رہنا۔اگر مؤمن ہونے کا دعویٰ ہے،تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنا،خدا نے تمہارے لئے ایک دین منتخب کیا ہے۔اسی پر مرنا،اس کا دعویٰ نہ کرنا کہ تم دین میں انصار کے بھائی اور موالی ہو۔صدق اور عفاف،زنا اور جھوٹ سے زیادہ بہتر اور پائیدار ہیں،ان وصایا کے بعد جمعہ کے دن انتقال فرمایا،اس وقت آپ کی اسی (۸۰) سال سے اوپر عمر تھی۔(۷)

۵۔عمرو بن وھب ثقفی:

آپ کا نام عمرو بن وھب ثقفی ہے،آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ،قلیل الحدیث راوی ہیں،امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں،امام بخاری نے جزء القراءۃ میں آپ سے روایت بیان کی ہے،ائمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔(۸)

۱۔ ابن سعد،ج ۷،ص ۱۴۴ ۔ ۲۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ،ص ۱۵۰ ۔ ۳۔ ابن سعد،ج ۷،ص ۱۴۴

۴۔ تذکرۃ الحفاظ،ج ۱،ص ۶۸ ۔ ۵۔ ابن خلکان،ج ۱،ص ۴۵۳ ۔ ۶۔ ابن سعد،ج ۷،ص ۱۴۷

۷۔ ابن سعد،ج ۷،ص ۱۴۹۔۱۵۰ ۔ ۸۔ i۔الثقات،ج ۵،ص ۱۶۹ ii۔تاریخ الثقات،ص ۳۷۱

۶۔المغیرۃ بن شعبۃ: راجع:۱۰۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اس کے شواھد کثیر ہیں، حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اس حدیث مبارکہ کو ضعیف کہا ہے، حافظ صاحب نے ضعف کی وجہ راوی یونس بن عبید کا مدلس ہونا اور عنعنہ سے روایت کرنا بیان کیا ہے۔(۱)

یہ تین وجہ سے درست نہیں ہے:

۱۔ جب کہ حضرت یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے بھی مدلس قرار نہیں دیا، بلکہ آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت وفقاہت پر متفق ہیں۔ (جس کی تفصیل آپ کے حالات میں گذر چکی ہے)

۲۔ اس سند میں یونس بن عبید کی بجائے ھشیم مدلس راوی ہیں، اور انہوں نے اخبرنا سے روایت کی ہے۔

۳۔ اس روایت کے شواھد کثیر ہیں، جیسا کہ امام مسلم (۲۷۴)، ابوداؤد (۱۵۰)، ترمذی (۱۰۰)، ابن ماجہ (۱۲۳۶)، احمد بن حنبل (۱۸۱۵۸) اور امام ابن خزیمہ (۱۶۴۵) نے اس بارے میں روایات ذکر کی ہیں۔اسی طرح علامہ ناصر الدین البانی اور علامہ علی بن آدم اتیوبی لولوی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔لہٰذا یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ سنتالیسویں (۴۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی کوفی، دوسرے واسطی، تیسرے اور چوتھے بصری اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بصری کوفی ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت یعقوب بن ابراھیم رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ ہیں، جن پر اصحاب اصول تسعہ متفق ہیں، اور ان سے بلاواسطہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں تین تابعین کرام (یونس بن عبید، محمد بن سیرین، عمرو بن وھب) راوی ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔

۶۔لغات:

خصلتان: دومسئلے، دوباتیں	لا أسال: میں نہیں پوچھوں گا
شهدت: میں حاضر تھا	برز: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے
جانبي عمامته: پگڑی کی دونوں اطراف	رعيته: اپنی عوام۔اپنی رعایا
حضرت الصلاة: نماز کا وقت ہوگیا	احتبس: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر کردی
قدموا ابن عوف: صحابہ نے ابن عوف کو امام بنایا	مابقي: جو باقی رہ گئی
ماسبق به: جو گذر چکی تھی	

۱۔ انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ، ص ۳۲۱

۷۔ مسائل ونصائح:

راجع: ۱۰۶

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس حدیث مبارکہ سے یہ ہے کہ پگڑی پر مسح کرنے کی کیفیت یہ ہوگی: کہ اس کے دونوں جانب یعنی دائیں اور بائیں جانب ہاتھ پھیرے جائیں گے، اس طرح پگڑی کھولے بغیر ہی اس کے کناروں پر مسح کیا جائے گا۔

☆ یہ حدیث مبارکہ سر اور پگڑی پر مسح کرنے کے بارے میں جامع ہے، اور اس بات کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف پگڑی پر مسح نہیں فرمایا، بلکہ پیشانی پر مسح کرنے کے بعد پگڑی پر مسح فرمایا، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پوری کیفیت بھی بیان کردی۔

☆ وہ احادیث مبارکہ جن میں صرف پیشانی پر مسح کرنے یا صرف عمامہ پر مسح کرنے کا بیان ہے، وہ مختصراً روایت کی گئی ہیں، یہ حدیث مبارکہ جامع ہے۔

☆ یہ حدیث مبارکہ مطلقاً عمامہ پر مسح کرنے والی احادیث مبارکہ کے لئے مقید ہے، کہ پگڑی پر مسح اسی صورت درست ہوگا، جب کہ پیشانی پر مسح کیا جائے۔

☆ موزوں پر مسح کرنا سنت مبارکہ ہے۔

☆ یہ حدیث مبارکہ تین مسائل میں فقہاء احناف کی مؤید ہے:

۱۔ بقدر پیشانی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

۲۔ پورے سر کا مسح کرنا سنت مبارکہ ہے۔

۳۔ صرف پگڑی پر مسح جائز نہیں ہے۔

☆ مختصر سفر کے لئے بھی ساتھی تلاش کرنا چاہئے۔

☆ حاکم کا اپنی رعایا کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

☆ افضل کا مفضول کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

☆ امام وقت یا مقرر کو وقت سے دیر ہو جائے، تو مقتدیوں کا کسی اور کو امام بنا کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

☆ امام کے ساتھ جو رکعات پڑھنے سے رہ جائیں، امام کے سلام پھیرنے کے بعد ادا کی جائیں گی۔

☆ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں مسئلے چونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود مشاہدہ کئے تھے، اور انہیں علم یقینی حاصل تھا، اس لئے فرمایا: کہ میں کسی اور سے نہیں پوچھوں گا، البتہ ہمارے لئے زیادہ سے زیادہ اہل علم سے پوچھنے میں ہی علم و برکت اور عافیت ہے۔

باب ۸۹: اِیجَابِ غَسْلِ الرِّجْلَیْنِ
پاؤں دھونا واجب ہے کا بیان

اس باب میں وضو کے چوتھے فرض پاؤں کو دھونے کا بیان ہے، اور پاؤں دھوتے وقت کسی بھی حصے کا خشک رہ جانا موجب وعید ہے، اس باب کی احادیث میں اگرچہ صرف ایڑیوں کے خشک رہنے پر وعید کا بیان ہے، لیکن اس بیان خاص سے مراد عموم ہے یعنی جن اعضاء کا دھونا فرض ہے، ان میں سے کسی حصے کے ہی خشک رہنے سے وضو نہ ہوگا، اور ایسا شخص موجب وعید ہوگا۔ اس سے پہلے باب میں وضو کے تیسرے فرض سر کے مسح کا بیان تھا۔

۱۱۱۔ اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ قَالَ: حَدَّثَنَا یَزِیدُ بْنُ زُرَیْعٍ، عَنْ شُعْبَۃَ ح وَاَنْبَاَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیلُ، عَنْ شُعْبَۃَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِیَادٍ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: وَیْلٌ لِلْعَقِبِ مِنَ النَّارِ

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ ابوالقاسم (رسول ﷺ) نے فرمایا: ایڑی (وضو میں خشک رہ جانے والی) کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے:
ایڑی کے خشک رہ جانے پر آپ ﷺ نے جہنم کی آگ کی وعید سنائی ہے۔
ایڑی پاؤں کا حصہ ہے، آگ کی وعید کا ہونا اس کے وجوب پر دال ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری:۱۶۵، مسلم:۲۴۲، احمد:۹۰۵۹، ۹۳۳۰، ۱۰۰۳۱، السنن الکبریٰ:۱۱۳، تحفۃ الاشراف:۱۴۳۸۱

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند کے سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کے حالات گذر چکے ہیں، ایک راوی تابعی حضرت محمد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات حسب ذیل ہیں:

۱۔ قتیبہ: راجع:۱ ۲۔ یزید بن زریع: راجع:۱۰۸

۳۔ امام شعبۃ رحمۃ اللہ علیہ:

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے، مگر وہ اپنے علم وفضل، دیانت وتقوی اور بعض دوسری خصوصیات کی وجہ سے تابعین کے زمرہ میں شمار کیے جانے کے مستحق ہیں، انہوں نے دو صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا۔ اگر ان کے تابعی ہونے کے لیے کوئی دوسری وجہ نہ بھی ہوتی تو تنہا روایت صحابہ کا فضل ہی ان کی تابعیت کے لیے کافی تھا، مگر ارباب تذکرہ ان کا ذکر تبع تابعین کے ساتھ کرتے ہیں۔ غالباً ان کے نزدیک صرف روایت صحابہ تابعین کے لیے کافی نہیں، اس لیے ان کو اس فہرست میں لے لیا گیا ہے۔

نام ونسب اور ولادت:

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نام اور ابو بسطام کنیت، والد کا نام حجاج تھا، ان کے والد قصبہ واسط کے قریب ایک دیہات تہیمان کے رہنے والے تھے، ۸۳ھ میں یہیں ان کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

ان کی ولادت تو ایک گاؤں میں ہوئی مگر ان کے والد غالباً ترک سکونت کر کے شہر واسط چلے آئے، واسط کوفہ وبصرہ کے درمیان ایک مرکزی مقام ہے جہاں علم وادب کا کافی چرچا تھا، امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا نشو ونما یہیں کے علم پرور ماحول میں ہوا۔ ان کی علمی زندگی شعر وادب سے شروع ہوئی مگر بہت زیادہ دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ وہ علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ امام المحدثین بن گئے۔ خود انہوں نے یہ واقعہ اپنی زبان سے بیان کی ہے کہ کہتے ہیں: کہ میں سوال کرتا رہتا تھا، مگر ایک دن کوفہ کے مشہور محدث حکم بن عتیبہ کی مجلس درس سے گزرا تو وہ محدثانہ انداز سے ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کر رہے تھے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز جب میرے کانوں میں پہنچی تو وہ دل تک اتر گئی۔ میں نے اسی وقت دل میں سوچا کہ شعر وشاعری جس کی طلب اب تک میں نے کی ہے اس کے مقابلہ میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب بدرجہا بہتر ہے، چنانچہ اس دن سے میں علم حدیث کے حصول میں لگ گیا۔ افسوس کے ساتھ فرماتے تھے کہ میں اگر شعر وادب میں نہ لگ گیا ہوتا تو امام شعبی سے حدیث میں استفادہ کیا ہوتا۔

قوت حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ بھی غیر معمولی دیا تھا۔ وہ حدیث نبوی بہت کم لکھتے تھے، مگر لمبی لمبی حدیثیں نوک زبان رہتی تھیں، ایک بار علی بن المدینی نے یحیی بن قطان سے پوچھا کہ سفیان ثوری اور اس شعبہ میں کون لمبی لمبی حدیثوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھتا تھا، بولے شعبہ اس میں بہت آگے تھے۔ غیر معمولی قوت حافظہ اور اس کدوکاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلدی حدیث نبوی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ ہو گیا۔ اور اب وہ مرجع خلائق بن گئے، اسلامی مملکت کے گوشہ گوشہ سے حدیث نبوی کے پروانے آ کر اس شمع علم کے گرد جمع ہونے لگے۔

علم وفضل:

اوپر ذکر آ چکا ہے کہ ان کی تعلیم شعر وادب سے شروع ہوئی تھی، اور مشہور شاعر طرماح کے شاگرد تھے۔ خود اصمعی ان کے ادبی ذوق کا معترف تھا۔ اس کے بعد دینی علوم کی طرف توجہ کی تو اس میں بھی انہوں نے ممتاز حیثیت حاصل کی، خصوصیت سے حدیث میں ان کی امامت اور جلالت تو ضرب المثل بن گئی ہے حدیث کی کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہیں ہے، جس میں ان کی مرویات کثرت سے موجود نہ ہوں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی المدینی کے واسطہ سے ان کی دو ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک ہزار حدیثوں پر میں نے ان سے ردوقدح کیا اور ایک ہزار حدیثوں کے دلائل وبراہین سے خود انہوں نے مجھے واقف کیا۔

روایت حدیث میں احتیاط:

اس علم وفضل کے باوجود حدیث کی روایت میں بڑی احتیاط کرتے تھے، جب تک وہ کسی حدیث کو کئی کئی بار سن نہ لیتے تھے، اس کی

روایت نہیں کرتے تھے۔ بسا اوقات ایک ایک حدیث کا سماع وہ بیس بیس مرتبہ کرتے تھے، حماد بن زید کہتے تھے: کہ کسی حدیث میں اگر شعبہ میرے موافق ہوں تو میں کسی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ وہ کسی حدیث کو سننے کے بعد فوراً مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری کا قول ہے کہ میں نے حدیث نبوی کی روایت میں شعبہ سے زیادہ کسی کو محتاط نہیں پایا۔ ان کو صحیح حدیث میں بھی شک ہو جاتا تھا، تو ترک کر دیتے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یہ مجھے پسند ہیں مگر یہ پسند نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی حدیث کو سنا نہ ہو اور یہ کہوں کہ میں نے سنا ہے۔

اس زمانہ میں حدیث میں بعض لوگ تدلیس کرتے تھے۔ تدلیس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی راوی کسی وجہ سے اپنے اس شیخ کا نام نہ لے جس سے انہوں نے روایت سنی ہے بلکہ اوپر کے راوی کا نام لے۔ یہ ایک طرح کی غلط بیانی ہے، اس لیے آئمہ نے اس کو بہت ناپسند کیا ہے، عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

بالغ شعبۃ فی ذمہ

''امام شعبہ تدلیس کی بہت زیادہ مذمت کرتے تھے۔''

خود اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں یہ پسند کروں گا کہ میں آسمان سے گر پڑوں اور میرے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں مگر یہ بات پسند نہیں کر سکتا کہ میں کسی حدیث کی روایت میں تدلیس کروں۔

وہ روایت حدیث میں خود ہی احتیاط نہیں کرتے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ جب کسی نااہل آدمی کو حدیث کی روایت کرتے سنتے تھے تو اس کے پاس جاتے اور اس سے کہتے: کہ تم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحدیث چھوڑ دو ورنہ میں بادشاہ کے پاس تمہاری شکایت لے جاؤں گا۔

تنقید رجال کی ابتداء:

اس وقت حدیث کی روایت میں جو بے اعتدالیاں شروع ہو گئی تھیں اور حدیث کا مبارک علم جس طرح آہستہ آہستہ نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں جا رہا تھا۔ اگر بر وقت اس کی روک تھام نہ کی جاتی تو امت میں ایک نئے فتنے کا آغاز ہو جاتا۔ خدا جزائے خیر دے امام شعبہ کو کہ وہ ہر وقت اس فتنے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ انہوں نے رواۃ حدیث پر کلام کیا۔ انکے صفات بتائے۔ ان کے لیے کچھ اصول مقرر کیے، اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے اعتدالیاں کم ہونے لگیں اور ہر کس و ناکس کو روایت حدیث کی جرات نہیں ہوتی تھی، امام شعبہ نے جس کام کی ابتداء کی تھی گو اس کی تکمیل دوسرے آئمہ یعنی امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین وغیرہ نے کی مگر بحر حال تقدم کا شرف امام شعبہ کو حاصل ہے۔ امام نووی نے صالح بن محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اول من تکلم فی الرجال شعبہ ثم تبعہ یحیی القطان ثم احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین۔ (تھذیب الاسماء)

''راویوں پر سب سے پہلے تنقید امام شعبہ نے شروع کی، پھر امام یحیٰ القطان نے ان کے بعد امام احمد بن حنبل اور یحیٰ بن معین نے''

حافظ ابن حجر نے بھی اپنی کتاب تہذیب میں ابو بکر منجویہ کا قول نقل کیا ہے کہ

وھو اول من فتش بالعراق عن امر المحدثین وجانب الضعفاء و المتروکین ۔(ج۴،۳۴۵)

''عراق میں سب سے پہلے امام شعبہ نے عام محدثین اور ضعیف اور متروک راویوں کے بارے میں چھان بین شروع کی۔

تنقید الرجال کے بارے میں امام شعبہ کی حیثیت اتنی مسلم ہو چکی تھی کہ جن راویوں سے وہ روایت نہیں کرتے تھے، دوسرے محدثین بھی ان کی روایت سے گریز کرتے تھے۔ ممتاز محدث ابن عون سے کسی نے پوچھا کہ آپ فلاں آدمی سے روایت نہیں کرتے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ بولے! شعبہ اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔ (تھذیب التھذیب)

حدیث میں ان کی امامت وجلالت مسلم تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ انسان تھے، اس لئے ان سے بھی روایت حدیث میں بعض لغزشیں ہوئی ہیں، جن کی طرف بعد کے علماء نے توجہ دلائی ہے۔

عجلی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں مگر اسماء رجال میں ان سے کبھی کبھی غلطی ہو جاتی تھی، دارقطنی نے لکھا ہے کہ متن حدیث کے یاد کرنے میں اتنا زیادہ مشغول رہتے تھے کہ ان کی توجہ رواۃ کی طرف نہیں ہونے پاتی تھی۔ اس وجہ سے رجال کے ناموں میں کبھی کبھی غلطی ہو جاتی تھی، مگر ان کی اس غلطی کا اثر روایت کی صحت اور عدم صحت پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ صرف اتنا ہوتا تھا کہ روایت کرتے وقت کبھی کسی راوی کا نام بھول گئے یا اس کا نام غلط لے لیا کرتے تھے چنانچہ سفیان ثوری سے کسی نے ان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ امام شعبہ اسماء الرجال میں غلطی کرتے ہیں مگر ان کی غلطی

لایضرہ ویعاب علیه

''ایسی نہیں ہے جس سے ان کی عظمت پر حرف آتا ہو یا ان کی وجہ سے ان کو مطعون کیا جائے''۔

خوف آخرت:

آخرت کا خوف ہر وقت دستگیر رہتا تھا۔ حدیث کی روایت میں وہ جس قدر احتیاط کرتے تھے اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مگر اس احتیاط کے باوجود آخرت کی باز پرس سے ہر وقت خائف رہتے تھے کہ کوئی غلطی ہوگئی ہو اور قیامت کے دن خدا کے حضور شرمندہ ہونا پڑے۔ فرماتے تھے کہ کاش میں ایک معمولی فرد ہوتا اور مجھے حدیث کی معرفت نہ حاصل ہوتی۔ بسا اوقات جب ان کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ چیخ اٹھتے تھے۔ ان کا یہ خوف اور ڈر ان ذمہ داریوں کے احساس کی وجہ سے تھا جو حدیث کے راوی کے حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھیں ایک ذمہ داری روایت کی تھی، دوسرے اس کے عمل واتباع کی، ظاہر ہے کہ ایسی بہت سی احادیث خود انہوں نے روایت کی ہوں گی جن میں ان دونوں ذمہ داریوں کی طرف حضور انور ﷺ نے توجہ دلائی ہوگی تو ان کا یہ خوف لازمی تھا، اگر کسی کو خوف نہ ہو تو تعجب ہے۔

انہی اوصاف وکمالات اور اخلاقی خوبیوں کی بناء پر یحییٰ بن معین جو خود علم وتقویٰ میں آپ اپنی نظر تھے امام شعبہ کو امام المتقین کہتے تھے۔ یحییٰ بن معین کے متعدد شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے یحییٰ بن معین کی زبان سے سنا ہے کہ

شعبة امام المتقین

''شعبہ متقیوں کے امام ہیں''

وفات:

۱۶۰ھ میں ۷۷ برس کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی۔ان کی وفات کی خبر سفیان ثوری کے پاس پہنچی تو بولے کہ مات الحدیث حدیث کا علم آج ختم ہوگیا۔

زریں اقوال:

ان کے دو چار زریں اقوال جو تذکروں میں ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے نا جانے کتنے ایسے مقولے ان کی زبان سے نکلے ہوں گے۔فرماتے تھے کہ عقل کے اعتبار سے لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں، کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کی عقل ان کے ساتھ رہتی ہے اور کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان ان کی عقل ہمیشہ سے دور رہتی ہے اور بعض لوگ عقل سے بالکل کورے ہوتے ہیں، جن میں پہلے گروہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بات کرنے ہی سے پہلے سوچ لیتے ہیں کہ ان کو کیا کہنا ہے۔(یہ مقولہ پورا تذکروں میں منقول نہیں ہے)۔

ان کے عہد میں حدیث کا چرچا اتنا زیادہ ہوگیا تھا کہ لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف سے قدرے کم ہوگئی تھی، ان کو جب اس کا احساس ہوا تو وہ لوگوں سے برابر کہا کرتے تھے کہ اگر تم حدیث سے بہت زیادہ شغف رکھو گے تو پھر قرآن کے علم میں پیچھے رہ جاؤ گے۔مقصد یہ ہے کہ دونوں دین کے سرچشمے ہیں۔اس لئے ان دونوں سے برابر فائدہ اٹھانا چاہیے۔

امام شعبہ کے اس جملہ سے دینی تاریخ کے ایک بہت بڑے حادثہ کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ دوسری صدی میں جتنا عام چرچا اور شغف حدیث سے رہا ہے قرآن سے اس کا دسواں حصہ بھی نہیں تھا۔خالص حدیث کی تحدیث و روایت کے لئے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں مجلسیں برپا تھیں۔لیکن خاص طور سے قرآن کی تعلیم و تفسیر کے لئے مشکل سے دو چار مجالس درس قائم تھیں۔

تصنیف:

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علم دین قرآن کی ترویج کے لئے خود ایک تفسیر لکھی، صاحب کشف الظنون نے تفسیر شعبہ کے نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے، صاحب مفتاح السعادہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اس وقت اس کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے، مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری صدی کے ابتدائی زمانہ ہی سے علم تفسیر کی بھی تدوین شروع ہوگئی تھی، اور غالباً علم تفسیر پر پہلی کتاب تھی۔

سیر الصحابۃ، ج ۳، ص ۲۰۹۔۲۱۶

۴۔مؤمل بن ھشام: راجع: ۲۶

۶۔محمد بن زیاد:

آپ کا نام ابو الحارث محمد بن زیاد قریشی، جمحی، مدنی، بصری ہے، آپ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، ثابت، صدوق، مرسل، تابعی راوی ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۱۔ i۔تاریخ الکبیر (بخاری)، ج ۱، ص ۲۲۲ ii۔سیر اعلام النبلاء، ج ۵، ص ۲۶۲

۷۔ابوھریرۃ:

عمیر نام، ابو ہریرہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے: عمیر بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن غیاث بن لہیعہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔(۱)

اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت ﷺ نے عمیر رکھا، کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ''ہرۃ'' بلی پالے ہوئے تھا، شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا، تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا۔(۲) دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا۔

قبل از اسلام: بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لئے فقر وافلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے، بسرہ بنت غزوان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم تھے، اور خدمت یہ سپرد تھی، کہ جب وہ کہیں جانے لگتی تو یہ پاپیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلتے اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آ گئی۔(۳)

اسلام وہجرت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک ہم قبیلہ حضرت طفیل دوسی رضی اللہ عنہ ہجرت عظمیٰ سے قبل، مکہ ہی میں قرآن کے معجزانہ سحر سے مسحور ہو چکے تھے اور قبول اسلام کے بعد اس کی تبلیغ کے لئے یمن لوٹ آئے۔ ان ہی کی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوۂ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے (۸۰) خانوادوں کو لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے، لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے، اس لئے یہ لوگ مدینہ منورہ سے خیبر پہنچے۔(۴) اسی قبیلہ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور راستہ میں بڑے شوق وولولہ کے ساتھ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

بالليلة من طولها وعنائها　　　علی انها من دار الكفر نجت

اسی ذوق وشوق کے ساتھ خیبر پہنچ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے، ان کا ایک غلام راستہ میں گم ہو گیا تھا، اتفاق سے اسی وقت وہ دکھائی دیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! تمہارا غلام آ گیا، عرض کیا: خدا کی راہ میں آزاد ہے۔ بیعت اسلام کے بعد دامن نبوی (ﷺ) سے وابستہ ہوئے کہ مرتے دم تک ساتھ نہ چھوڑا۔(۵)

غزوات: غزوات میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی، مگر اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ اسلام کے بعد متعدد غزوات میں شریک ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ میں جن جن لڑائیوں میں شریک رہا، غزوۂ خیبر کے علاوہ ان سب میں مال غنیمت ملا، کیونکہ اس کا مال حدیبیہ والوں کے لئے مخصوص تھا۔(۶)

ماں کا اسلام: دولت اسلام سے بہرہ ور ہونے کے بعد فکر ہوئی کہ بوڑھی ماں کو بھی، جو زندہ تھیں، اس سعادت میں شریک کریں، مگر وہ برابر انکار کرتی رہیں، ایک دن حسب معمول ان کو اسلام کی دعوت دی، انہوں نے شان نبوت ﷺ میں کچھ ناروا الفاظ استعمال کئے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور یہ واقعہ بیان کر کے ماں کے اسلام کے لئے طالب دعا ہوئے، رحمت عالم ﷺ نے دعا فرمائی: واپس ہوئے تو دعا قبول ہو چکی تھی، والدہ اسلام کے لئے نہا دھو کر تیار ہو رہی تھیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گھر پہنچے تو ان کو

۱۔ ابن سعد، ج۴، ص۵۲　　۲۔ ترمذی: ۳۸۴۰

۳۔ ابن سعد، ج۴، ص۵۳　　۴۔ ایضاً ص۱۷۵

۵۔ اسد الغابہ، ج۵، ۳۱۶　　۶۔ طبقات ابن سعد، ج۴، ص۵۴

اندر بلایا اور اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ کے سامعہ نواز ترانہ کے ساتھ ان کا استقبال کیا، یہ فوراً الٹے پاؤں فرطِ مسرت سے روتے ہوئے کاشانۂ نبوی ﷺ پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے "یارسول اللہ ﷺ بشارت ہو، آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی، خدا نے میری ماں کو اسلام کی دولت بخشی"۔(۱)

عہد خلفاء: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا، اس لئے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے، اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے حدیث کی اشاعت میں خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، انہوں نے ان کو بحرین کا عامل مقرر کیا، اس دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا، چنانچہ جب وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ پاس تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باز پرس کی: کہ اتنی رقم کہاں سے ملی؟ عرض کی گھوڑیوں کے بچوں، عطیوں اور غلاموں کے ٹیکس سے، تحقیقات سے ان کا بیان صحیح نکلا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ ان کے عہدہ پر واپس کرنا چاہا، مگر انہوں نے انکار کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم کو امارت قبول کرنے میں کیوں عذر ہے؟ اس کی خواہش تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کی، جو تم سے افضل تھے، عرض کی: وہ نبی اور نبی زادہ تھے، میں بے چارہ ابوہریرہ امیمہ کا بیٹا ہوں، میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں: ایک یہ کہ بغیر علم کے کچھ کہوں، دوسرے یہ کہ بغیر حجت شرعی کے فیصلہ کروں، تیسرے یہ کہ مارا جاؤں، میری آبروریزی کی جائے اور میرا مال چھینا جائے۔(۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت خاموشی میں بسر کیا، البتہ آخر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کے بعد لوگوں کو ان کی امداد واعانت پر آمادہ کرتے تھے، اور محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھے، کچھ اور لوگ بھی تھے، ان سب کو خطاب کر کے کہا: میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ "تم لوگ میرے بعد فتنہ اور اختلاف میں مبتلا ہو گے، لوگوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! اس وقت ہمارا کیا طرزِ عمل ہونا چاہئے۔ فرمایا: "تم کو امین اور اس کے حامیوں کے ساتھ ہونا چاہئے"۔ اس سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ تھا۔(۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ تک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا پتہ چلتا ہے، اس کے بعد آپ کی شہادت، جنگ جمل اور جنگ صفین وغیرہ میں کہیں نہیں نظر آتے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنہ عام کے زمانہ میں اکثر محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم گوشہ نشین ہو گئے تھے، اکثر نے تو آبادی چھوڑ کر بادہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فتنہ میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے، ان فتنوں کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں مروان کبھی کبھی ان کو مدینہ منورہ پر اپنا قائم مقام بناتا تھا۔(۴)

علالت: ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں بیمار ہوئے، بڑے بڑے لوگ عیادت کو آتے تھے، خود مروان بن حکم بھی آتا تھا، بیماری کی حالت میں زندگی کی کوئی آرزو باقی نہ رہی تھی، اگر کوئی تمنا تھی تو صرف یہ کہ جلد سے جلد یہ دار الابتلاء چھوڑ کر دار البقا میں داخل ہو جائیں، حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ عیادت کو آئے، رواج کے مطابق ان کی صحت کے لئے دعا کی، انہوں نے کہا: خدایا! اب دنیا میں نہ لوٹا، پھر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بولے "وہ زمانہ بہت جلد آنے والا ہے، جب انسان موت کو سونے کے ذخیرہ سے زیادہ پسند کرے گا"۔ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ جب آدمی قبر پر گزرے گا، تو تمنا کرے گا کہ کاش بجائے اس کے، وہ اس میں دفن ہوتا۔(۵) بستر مرگ پر پیش آنے والی منزل کے خطرات کو

۱۔ مسلم، ج۲،ص۵۴ ۲۔ اصابہ ج۷، ص۲۰۶
۳۔ مسند ابن حنبل ج۲،ص۳۴۵ ۴۔ مسلم ج۱،ص۱۵۴ ۵۔ ابن سعد، ج۴،ص۱۶۲

یاد کر کے بہت روتے تھے، لوگ رونے کا سبب پوچھتے، تو فرماتے: کہ میں اس دنیا کی دلفریبیوں پر نہیں روتا، بلکہ سفر کی طوالت اور زادراہ کی قلت پر آنسو بہاتا ہوں، اس وقت میں جنت ودوزخ کے نشیب وفراز کے درمیان ہوں، معلوم نہیں ان میں سے کس راستہ پر جانا ہوگا۔(۱)

وصیت: آخری وقت میں تجہیز وتکفین کے متعلق ہدایات دیں، کہ آنحضرت ﷺ کی طرح مجھ کو عمامہ اور قمیص نہ پہنانا، اور عرب کے پرانے دستور کے مطابق میری قبر پر نہ خیمہ نصب کرنا، اور نہ جنازہ کے پیچھے آگ لے چلنا، اور جنازہ لے جانے میں جلدی کرنا، کہ اگر میں صالح ہوں گا تو جلد اپنے رب سے ملوں گا، اور اگر بدقسمت ہوں گا تو ایک بوجھ تمہاری گردن سے دور ہوگا۔(۲)

وفات اور تجہیز وتکفین: انتقال کے بعد اس وصیت کی پوری تکمیل کی گئی، ولید نے نماز جنازہ پڑھائی، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ موجود تھے، نماز کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں نے کندھا دے کر جنت البقیع پہنچایا اور مہاجرین کے گورغریباں میں اس مخزن علم کو سپرد خاک کیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔(۳) انتقال کے وقت ۷۸ سال کی عمر تھی۔(۴)

ترکہ: انتقال کے بعد ولید حاکم مدینہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی خبر دی، تو انہوں نے ترکہ کے علاوہ بیت المال سے دس ہزار درہم آپ کے ورثاء کو دلوائے اور ولید کو ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔(۵)

حلیہ: رنگ گندم گوں، شانے کشادہ، دانت آبدار تھے اور آگے دو دانتوں کے درمیان جگہ خالی تھی، زلفیں رکھتے تھے اور بالوں میں زرد خضاب کرتے تھے۔

لباس: عموماً سادہ ہوتا تھا، یعنی صرف دو رنگین کپڑے استعمال کرتے تھے، کبھی کبھی کتان وغیرہ کے بیش قیمت لباس بھی استعمال کر لیتے تھے۔

فضل وکمال: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں ہیں جو علم حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں آپ بالاتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں سب سے زیادہ حافظ حدیث تھے، اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما بھی حفاظ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کثرت روایت میں ان پر بھی تفوق حاصل تھا، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے: کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ علم کا ظرف ہیں۔(۶)

ذوق علم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو علم کی بڑی جستجو تھی، ان کا ذوق علم حرص کے درجہ تک پہنچ گیا تھا، ان کی علمی حرص کا اعتراف خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ "قیامت کے دن کون خوش قسمت آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق ہوگا، فرمایا: "تمہاری حرص علی الحدیث کو دیکھ کر میرا پہلے سے خیال تھا، کہ یہ سوال تم سے پہلے کوئی نہ کرے گا۔(۷)

عام طور پر لوگ آنحضرت ﷺ سے زیادہ سوال کرتے ہوئے جھجکتے تھے، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نہایت دلیری سے پوچھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا کہ "حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ سے کثرت سے روایت کرتے ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا: پناہ بخدا! ان کی روایات میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ کرنا، اس کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ سے پوچھنے میں بہت جری تھے، اس لئے وہ ایسے ایسے سوالات کرتے تھے، جن کو ہم لوگ نہیں کر سکتے تھے۔(۸)

۱۔ ابن سعد، ج۴، ص۶۲۔۶۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً
۴۔ اسد الغابہ، ج۵، ص۳۱۷ ۵۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۵۰۸ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۸
۷۔ مسند احمد بن حنبل، ج۲، ص۳۷۳ ۸۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۵۱۰

وہ خود جیسے علم کے شائق تھے، چاہتے تھے کہ ہر مسلمان کے دل میں طلب علم کا یہی جذبہ پیدا ہو جائے۔ ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا: کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا ہے؟ لوگوں نے پوچھا: کس شے سے؟ کہا وہاں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو، لوگوں نے پوچھا: کہاں؟ کہا: مسجد میں، چنانچہ سب دوڑ کر مسجد آئے، لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی، اس لئے لوٹ گئے اور کہا: وہاں کچھ بھی تقسیم نہیں ہوتا، البتہ کچھ لوگ نمازیں پڑھ رہے تھے، کچھ لوگ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھے، کچھ حلال وحرام پر گفتگو کر رہے تھے، بولے: تم لوگوں پر افسوس ہے، یہی تمہارے نبی ﷺ کی میراث ہے۔ (۱)

حدیث میں مقام:

اس تلاش وجستجو نے ان کو حدیث کا بحر بے کراں بنا دیا تھا، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جو خود بھی بڑے حافظ حدیث تھے فرماتے تھے کہ ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ حدیث جانتے تھے۔ (۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے: کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ہمعصر حفاظ میں سب سے بڑے حافظ تھے۔ (۳) حضرت اعمش ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سب سے حافظ حدیث تھے، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ'' علم کا ظرف تھے اور صاحب فتویٰ ائمہ کی جماعت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ (۴) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، کہ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ'' اپنے ہمعصر رواۃ میں سب سے بڑے حافظ تھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی نے حدیث کا اتنا ذخیرہ نہیں فراہم کیا''۔ (۵) کمال کی آخری حد یہ تھی کہ آپ کو خود اپنی ہمہ دانی کا یقین واثق تھا، چنانچہ ایک موقع پر اپنی زبان سے کہا: کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس کو مجھ سے زیادہ احادیث یاد ہوں۔ (۶) ترمذی کی روایت میں صرف حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا استثنا ہے۔ (۷)

کثرت روایت کا سبب: بہت سے اکابر اور علمائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کثرت علم اور وسعت معلومات کا سبب یہ تھا: کہ ان کو اس قسم کے مواقع حاصل تھے جو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل نہ تھے، یہ خود اپنی کثرت روایت کے وجوہ واسباب بیان کرتے تھے کہ ''لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں بیان کرتا ہے، حالانکہ مہاجرین وانصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے مگر معترضین اس پر غور نہیں کرتے، کہ ہمارے مہاجر بھائی بازاروں میں اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے، اور انصار اپنی زراعت کی دیکھ بھال میں سرگردان رہتے تھے، میں محتاج آدمی تھا، میرا سارا وقت آنحضرت ﷺ کی صحبت میں گزرتا اور جن اوقات میں وہ موجود نہ ہوتے تھے، اس وقت بھی میں موجود رہتا تھا، دوسرے جن چیزوں کو وہ بھلا دیتے تھے، میں ان کو یاد رکھتا تھا۔ (۸) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس توجیہ کی تصدیق کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا: کہ اتنے میں ایک شخص نے آ کر کہا: ابو محمد! آج تک ہم کو نہ معلوم ہو سکا، کہ یہ یمنی (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) اقوال نبوی (ﷺ) کا بڑا حافظ ہے، یا تم لوگ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ''بلاشبہ انہوں نے بہت سی ایسی حدیثیں سنیں، جو ہم لوگوں نے نہیں سنیں، اور بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں، جو ہمارے علم سے باہر ہیں، اس کی وجہ یہ ہے: کہ ہم لوگ دولت

۱۔ جمع الفوائد، ج ۱، ص ۲۲۱ ۔ ۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۱۰

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۱ ۔ ۴۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۸

۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۲، ص ۲۶۶ ۔ ۶۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۱۱

۷۔ ترمذی: ۳۸۴۱ ۔ ۸۔ ابن سعد، ج ۴، ص ۶

وجائیداد والے تھے، ہمارے گھر بار اور اہل عیال تھے، ہم ان میں پھنسے رہتے تھے، صرف صبح وشام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر لوٹ آتے تھے اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) مسکین اور مال ومتاع کی رحمتوں اور بال بچوں کی ذمہ داری سے سبکدوش تھے، اس لئے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے آپ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، ہم سب کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے ہم سب سے زیادہ احادیث نبوی (ﷺ) سنیں اور ہم میں سے کسی نے ان پر یہ اتہام نہیں لگایا، کہ وہ بغیر آنحضرت ﷺ سے سنے ہوئے، ان کو بیان کرتے ہیں۔(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ ''حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ)'' ہم سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کی خدمت کے حاضر باش تھے۔(۲) ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو بلا کر پوچھا: تم یہ کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ میں نے (فعل نبوی ﷺ) دیکھا اور (قول نبوی ﷺ) سنا، وہی تم نے بھی سنا اور دیکھا، عرض کی ''آپ آنحضرت ﷺ کی خاطر زیب وزینت میں مصروف رہتی تھیں اور خدا کی قسم! میری توجہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی چیز نہیں ہٹاتی تھی۔(۳)

ایک مرتبہ مروان کو ان کی کوئی بات ناگوار ہوئی، اس نے غصہ میں کہا: کہ لوگ کہتے ہیں: کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بہت حدیثیں روایت کرتے ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے کچھ ہی دنوں پہلے مدینہ منورہ آئے تھے، بولے ''جب میں مدینہ آیا، تو آنحضرت ﷺ خیبر میں تھے، اس وقت میری عمر تیس ۳۰ سال سے کچھ اوپر تھی اور آپ ﷺ کی وفات تک سایہ کی طرح آپ کے ساتھ رہا، آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتا تھا، آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، آپ ﷺ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک رہتا تھا، آپ کی معیت میں حج کرتا تھا، اس لئے میں دوسرے لوگوں سے زیادہ حدیثیں جانتا ہوں خدا تعالیٰ کی قسم! وہ جماعت جو مجھ سے قبل آپ کی صحبت میں تھی، وہ میری حاضر باشی کی معترف تھی اور مجھ سے حدیثیں پوچھا کرتی تھی، ان پوچھنے والوں میں حضرت عمر، عثمان، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں''۔(۴)

آپ دعا بھی زیادتی علم ہی کے لئے مانگتے تھے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ایک دن میں حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) اور ایک دوسرا شخص مسجد میں بیٹھے دعا اور ذکر خدا میں مشغول تھے، اس وقت میں آنحضرت ﷺ بھی تشریف لائے، ہم لوگ خاموش ہوگئے، آپ نے فرمایا: اپنا کام جاری رکھو، اس ارشاد پر میں اور دوسرا شخص، حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے قبل دعا کرنے لگے اور آنحضرت ﷺ آمین کہتے جاتے تھے، اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دعا کی: خدایا جو کچھ میرے ساتھ مجھ سے قبل مانگ چکے ہیں، وہ بھی مجھے دے، اس کے علاوہ ایسا علم عطا فرما، جو پھر فراموش نہ ہو، اس پر آنحضرت ﷺ نے آمین کہی۔ اس کے بعد ہم دونوں شخصوں نے عرض کی ''یا رسول اللہ (ﷺ)! ہم کو بھی ایسا علم عطا ہو، جو فراموشی کی دست برد سے محفوظ رہے۔ فرمایا وہ دوسی نوجوان کے حصہ میں آچکا ہے۔(۵) اسی طرح ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے نسیان حدیث کی شکایت کی، آپ ﷺ نے فرمایا: چادر پھیلاؤ، انہوں نے چادر پھیلا دی، آپ نے اس میں دست مبارک ڈالے، پھر فرمایا: کہ اس کو سینہ سے لگالو، کہتے ہیں: کہ اس کے بعد سے میں پھر کبھی نہ بھولا۔(۶)

حدیث کی تحریر وکتابت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیثوں کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے، چنانچہ بھولنے یا الفاظ کے ردو بدل کے ڈر سے جو کچھ سنتے تھے اس کو قلمبند کر لیتے تھے، حضرت فضل بن حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد حسن بن عمرو رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سنا ہوا بیان

۱۔ مستدرک حاکم جلد ۳، ص ۵۱۲
۲۔ مستدرک حاکم ج ۳، ص ۵۱۱
۳۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۰۹
۴۔ اصابہ، ج ۷، ص ۲۰۵
۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۲۶۶
۶۔ ترمذی: ۳۸۳۵

کرتے ہیں: کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک حدیث سنائی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے یہ حدیث آپ ہی سے سنی ہے، فرمایا کہ اگر مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس ضرور لکھی ہوگی، چنانچہ ان کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور ایک کتاب دکھائی، جس میں تمام حدیثیں درج تھیں، اسی میں وہ حدیث بھی تھی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اگر تم نے مجھ سے سنی ہے، تو وہ ضرور لکھی ہوگی۔ (۱) لیکن صحاح کی ایک اور روایت میں ہے جو خود ان ہی سے مروی ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مجھ سے زیادہ حدیث اس لئے جانتے تھے، کہ وہ آپ کی باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا''۔ (۲) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں گو نہیں لکھتے تھے، مگر بعد میں ان کو بھی لکھنا ضروری معلوم ہوا۔

امتحان: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت روایت کی وجہ سے بعض اشخاص کے دل میں ان کی روایات کی جانب سے شکوک وشبہات پیدا ہوئے، چنانچہ ایک مرتبہ مروان نے امتحان کی غرض سے ان کو بلوایا، اور اپنے کاتب کو تخت کے پیچھے بٹھا کر ان سے حدیثیں پوچھنا شروع کیں، یہ بیان کرتے جاتے تھے اور کاتب چھپا ہوا ان کی لاعلمی میں لکھتا جاتا تھا، دوسرے سال پھر اسی طریقہ سے امتحان لیا، اس مرتبہ بھی انہوں نے بلاکم وکاست وہی جوابات دیئے، جو ایک سال قبل دے چکے تھے، حتیٰ کہ ترتیب میں بھی کوئی فرق نہ آیا۔ (۳)

اشاعت حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو جس فیاضی سے علم کی دولت عطا کی، اسی فیاضی سے آپ نے اس کو مسلمانوں کے لئے وقف عام کیا، چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، جہاں بھی کچھ مسلمان مل جاتے، ان کے کانوں تک اقوال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا دیتے، جمعہ کے دن، نماز کے قبل کا وقت حدیث کے لئے مخصوص تھا، چنانچہ ہر جمعہ کو نماز سے پہلے لوگوں کے سامنے حدیثیں بیان کرتے اور یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا، جب تک مقصورہ کا دروازہ نہ کھلتا اور امام وقت تشریف فرما نہ ہوتا۔ (۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علم وعرفان کی بارش سے عورتیں بھی سیراب ہوتی تھیں، گو اس طبقہ کو وہ باقاعدہ تعلیم نہیں دیتے تھے، لیکن اگر کسی عورت سے کوئی فعل خلاف احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سرزد ہو جاتا تو فوراً ٹوک دیتے، اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اس کو بتا دیتے، ایک مرتبہ ایک عورت سے ملے، اس کے پیراہن سے خوشبو کی لپٹ آتی تھی، پوچھا تو مسجد سے آتی ہے اس نے کہا: ہاں! پھر پوچھا: مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگائی تھی؟ اس نے کہا: ہاں! فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ اس عورت کی نماز جو مخصوص مسجد جانے کے لئے خوشبو لگاتی ہے، اس وقت تک مقبول نہ ہوگی، جب تک کہ وہ غسل نہ کر ڈالے۔ (۵) یعنی اس کی خوشبو ڈھل نہ جائے، کیونکہ وہ فتنہ بن جاتی ہے، غرض اس عہد مبارک کی خواتین بھی ان کے خرمن علم کی خوشہ چین تھیں، چنانچہ آپ کے زمرہ رواۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی نظر آتا ہے۔

آپ کے دامن کمال میں جس قدر علمی جواہر تھے، سب عام مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے، لیکن وہ احادیث جو فتنہ سے متعلق تھیں اور جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کے طور پر فرمایا تھا: زبان سے نہ نکالیں کہ یہ خود فتنہ کی بنیاد بن جاتیں، فرماتے تھے: کہ ''میں نے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دو ظرف میں محفوظ کی ہیں'' ایک ظرف کی احادیث پھیلائیں، اگر دوسرے کی پھیلا دوں تو نرخرہ کاٹ ڈالا جائے۔ (۶)

۱۔ مستدرک حاکم ج ۳، ص ۵۱۱ ۲۔ ترمذی: ۳۸۴۱ ۳۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۱۰
۴۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۱۲ ۵۔ ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۲۱
۶۔ ابن سعد، ج ۴، ص ۵۷

صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ اسرار توحید کی امانت تھے، متکلمین کہتے ہیں کہ وہ اسرار دین تھے، لیکن محدثین کا فتویٰ یہی ہے کہ وہ فتنہ کی حدیثیں تھیں۔

اشاعت علم فریضہ مذہبی اور عمل خیر ہے، لیکن اگر اس میں مذہبی خدمت کے جذبے کے بجائے نمود و نمائش کا شائبہ شامل ہو جائے، تو یہی عمل شر بن جائے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس جذبہ کے تحت اس فرض کو انجام دیتے تھے، اس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ اگر سورۂ بقرہ کی یہ آیت:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (۱)

ان لوگوں پر، جو ہمارے نازل کئے ہوئے، کھلے ہوئے احکام اور ہدایت کی باتوں میں، جن کو ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں کھول کر بیان کر دیا ہے، چھپاتے ہیں، خدا بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت بھیجنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔

نہ ہوتی تو میں کبھی کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔ (۲)

مرویات کی تعداد: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے، ان میں ۳۲۵ متفق علیہ ہیں اور ۷۹ میں امام بخاری اور ۹۳ میں امام مسلم منفرد ہیں۔ (۳)

عام تعلیم: عام تعلیمی لحاظ سے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں بہت نمایاں تھے، عربی مادری زبان تھی اس کے علاوہ فارسی بھی جانتے تھے، ایک مرتبہ ایک ایرانی عورت استغاثہ لے کر آئی کہ: شوہر نے مجھ کو طلاق دے دی ہے، اور لڑکا لینا چاہتا ہے، یہ عورت فارسی میں گفتگو کرتی تھی، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ (۴) اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب سے بھی واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ توراۃ کے مسائل سے کافی واقفیت تھی۔ (۵) لکھنے میں بھی پوری مہارت رکھتے تھے، چنانچہ احادیث کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

عبادت وریاضت: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو عبادت سے خاص ذوق تھا، شب بیداری آپ کا محبوب مشغلہ تھا، خود بھی شب بیداری کرتے تھے اور گھر والوں سے بھی شب بیداری کراتے تھے، آپ کا کنبہ تین آدمیوں پر مشتمل تھا، ایک خود، دوسری بیوی اور تیسرا خادم، یہ تینوں بالالتزام باری باری سے اٹھ کر ایک ایک تہائی شب میں نماز پڑھتے تھے، ایک ختم کر کے دوسرے کو جگاتا اور دوسرا تیسرے کو۔ اسی طریقہ سے تینوں مل کر پوری رات نماز میں گذار دیتے۔ (۶)

ہر مہینہ کے شروع میں تین روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، اگر کسی سبب سے شروع میں نہ رکھ سکتے تو آخر میں پورے کرتے۔ (۷) ارکان عبادت کو پورے شرائط کے ساتھ ادا کرتے تھے بلکہ شدت احتیاط کے باعث اس میں مبالغہ سے کام لیتے تھے، حضرت نعیم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر وضو کرتے تھے، میں نے دیکھا: کہ ہاتھ اٹھا کر شانوں تک دھوتے اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت کے دن میری امت کے وہ اعضاء جو وضو میں دھوئے جاتے ہیں چمکیں گے، اس لئے تم لوگوں سے جہاں تک ہو سکے، اس کی چمک کو بڑھاؤ۔ (۸) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بارہ تسبیحیں روزانہ پڑھتے تھے، اور کہتے تھے: کہ

۱۔ بقرہ ۲:۱۵۹ ۲۔ ابن سعد، ج ۴ ص ۵۷
۳۔ تھذیب الکمال ج ۱ ص ۴۶۲ ۴۔ ابوداؤد، ج ۱ ص ۲۲۷
۵۔ اصابہ، ج ۵ ص ۲۰۵ ۶۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲ ص ۳۵۳
۷۔ ایضاً ۸۔ ایضاً ص ۲۳۴

بقدر گناہ تسبیح کرتا ہوں، حضرت مضارب بن جزء رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ رات کو میں نکلا کرتا تھا، ایک دن نکلا تو تکبیر کی آواز سنی، قریب جا کر دیکھا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے، پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ کہا: خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ ایک دن وہ تھا کہ میں حضرت بسرہ بنت غزوان رضی اللہ عنہا کے پاس پیٹ کی روٹی پر ملازم تھا، اس کے بعد خدا نے یہ دن دکھایا، کہ وہ میرے عقد میں آ گئی۔(۱) آپ تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے، ایک تھیلی میں کنکریاں اور گٹھلیاں بھری رہتی تھیں، جن پر وہ تسبیح پڑھتے تھے۔ جب تھیلی ختم ہو جاتی تو لونڈی کو حکم دیتے، وہ بھر لاتی۔(۲)

محبت رسول ﷺ آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی محبت شیفتگی کے درجہ تک تھی، ایک لمحہ کے لئے بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے، تمام مہاجرین وانصار اپنے اپنے کاروبار میں لگے رہتے، لیکن ان کا کام صرف یہ تھا کہ جمال نبوی ﷺ کے دیدار سے شوق کی آگ بجھائیں، ایک موقع پر اس کا اظہار بھی کیا "یارسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ کا مشاہدہ جمال میری جان کا سرمایہ راحت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔(۳) آنحضرت ﷺ کے بعد لطیف غذا کھانے سے محض اس لئے پرہیز کرتے تھے، کہ حضور ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ لوگوں نے ان کو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی، انہوں نے محض اس لئے قبول کرنے سے انکار کیا کہ آنحضرت ﷺ دنیا سے اس حال میں سدھارے، کہ کبھی جو کی روٹی بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی۔(۴)

محبت آل رسول ﷺ ذات نبوی ﷺ کے ساتھ اس والہانہ تعلق کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ آل اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفتگی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ "خدا تعالیٰ میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی اسے محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ" اس کے بعد سے جب بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔(۵) حضرت عمیر بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو کہا کہ "اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولیے جو آنحضرت ﷺ کا بوسہ گاہ تھا، آپ نے کپڑا اٹھا دیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔(۶)

والدہ کی خدمت گزاری: حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان حتی المقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے، جنہوں نے اس کو بچہ سے جوان بنایا، اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز واحترام اور خدمت گزاری کی تعلیم دی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا، کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھر حج نہیں کیا۔(۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دو دور تھے، پہلا افلاس، تنگدستی اور فقر وفاقہ میں بسر ہوا، دوسرے میں جاہ وثروت اور فارغ البالی نصیب ہوئی، فقر وفاقہ کا دور نہایت درد انگیز تھا، مسلسل فاقوں سے غش پر غش آتے تھے، لیکن رحمۃ العالمین ﷺ کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا، اس زمانہ میں آپ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں، لیکن زبان کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی۔ ایک مرتبہ بھوک کی شدت سے بہت بے قرار ہوئے تو راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا، ان سے ایک آیت پوچھی، وہ بتا کر گزر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا، تو آپ اس حسن طلب کو سمجھ گئے اور ساتھ لے جا کر ان کو اور تمام اصحاب صفہ کو کھانا کھلایا، اسی طرح آقا کریم ﷺ نے ایک دفعہ دودھ بھی ستر اصحاب کو پلایا تھا، اسی بارے میں اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر ہے:

کیوں جناب ابوھریرہ کیسا تھا وہ جام شیر
جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ بھر گیا (۱) (حدائق بخشش، ص)(۸)

۱۔ ابوداؤد، ج ۷، ص ۲۰۶　۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۴۹۳　۳۔ ایضاً　۴۔ بخاری: ۵۴۰۹　۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۵۳۲
۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۴۸۸　۷۔ مسلم، ج ۲، باب ثواب العبد　۸۔ ترمذی، ایضاً

جب فقر وفاقہ کا دور ختم ہوا، اور خدا تعالیٰ نے فارغ البال کیا، اس وقت فقیرانہ سادگی کو قائم رکھتے ہوئے کبھی کبھی فارغ البالی کا بھی اظہار کیا، چنانچہ ایک مرتبہ کتان کے دورنگے ہوئے کپڑے پہنے اور ایک سے ناک صاف کر کے کہا: واہ، واہ، ابوہریرہ! آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو، حالانکہ کل منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان غش کھا کر گرتے تھے اور گزرنے والے تمہاری گردن پر پیر رکھ کر کہتے تھے، کہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو جنون ہوگیا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔(۱)

سادگی: امارت کی حالت میں بھی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی، جب شہر سے نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا، جس پر معمولی نمدہ کسا ہوتا، چھال کی رسی کی لگام ہوتی، غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو امارت کا اندازہ بھی نہ ہوتا، جب کوئی سواری کے سامنے آجاتا تو (مذاق سے) خود کہتے راستہ چھوڑ دو، امیر کی سواری آرہی ہے۔(۲)

فیاضی: فقر وغنا دونوں حالتوں میں بلند حوصلہ اور فیاض رہے، لوگوں کو کھلانے پلانے میں بڑی سیر چشمی سے کام لیتے تھے، حضرت عبداللہ بن رباح رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ چند آدمیوں کا وفد آیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، رمضان کا زمانہ تھا، ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، ان سب میں سب سے زیادہ ''ابوہریرہ'' دعوت کرتے تھے۔(۳) گو مہمان نوازی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابی تھے۔(۴)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ پینتالیسویں (۴۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند میں ''ح'' تحویل کی علامت ہے، جس سے دو اسناد کا اظہار کرنا مقصود ہے، اور یہ سند کے قوی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی بلخی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدنی، حضرت محمد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ مدنی بصری اور باقی تمام بصری ہیں۔

☆ سنن نسائی (صغریٰ) میں حضرت محمد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی یہ پہلی حدیث مبارکہ ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ صحابہ میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے صحابی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، انبأنا ایک ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

ویل: بربادی، تباہی، مراد عذاب ہے عقب: ایڑی النار: آگ۔ مراد دوزخ کی آگ ہے

۱۔ بخاری، کتاب الاعتصام ۲۔ ابن سعد جز ۴، ص ۲۰

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۵۳۸ ۴۔ ایضاً

۱۱۱۔ اَخْبَرَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ ح وَاَنْبَاَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِیٍّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ - وَاللَّفْظُ لَہٗ - عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ ھِلَالِ بْنِ یِسَافٍ عَنْ اَبِیْ یَحْیٰی عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْمًا یَتَوَضَّئُوْنَ فَرَاٰی اَعْقَابَھُمْ تَلُوْحُ فَقَالَ "وَیْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، دراں حالیکہ ان کی ایڑیاں خشک تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (خشک) ایڑیوں کے لئے دوزخ کی آگ کا عذاب ہے۔ وضو اچھی طرح کرو۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان سے مطابقت اس طرح ہے: کہ وضو میں ایڑی کے خشک رہنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کی وعید سنائی ہے، اور یہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، چونکہ ایڑی پاؤں کا حصہ ہے، اس لئے پاؤں دھونا واجب ہیں۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۱۴۲، مسلم: ۲۴۱، ابوداؤد: ۹۷، ابن ماجہ: ۴۵۰، احمد: ۱۴۳۹۹، السنن الکبریٰ: ۱۱۴، تحفۃ الاشراف: ۸۹۳۶

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، جن میں سے سات کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ محمود بن غیلان: راجع: ۳۷

۲۔ وکیع رحمۃ اللہ علیہ:

دوسری صدی ہجری میں جن ممتاز تبع تابعین نے علم وعمل کے چراغ روشن کئے، ان میں امام وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے، اگرچہ ان کی تصانیف کی عدم شہرت اور نایابی کی بنا پر ان کی شخصیت اہل قلم کی توجہات کا مرکز نہ بن سکی، لیکن علم وفضل، زہد وورع، ذہانت وفطانت اور قوت حافظہ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے علو مرتبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ابن مبارک، ابن معین، ابن مدینی اور امام شافعی رحمہم اللہ جیسے فضلاء روزگار ان ہی کے دامن تربیت کے پروردہ ہیں۔

نام ونسب: وکیع نام اور ابو عبدالرحمٰن الرواسی کنیت تھی، (۱) پورا سلسلہ نسب یہ ہے: وکیع بن الجراح بن ملیح بن عدی بن الفرس بن سفیان بن الحارث بن عمر بن عبید بن رواس بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ (۲)، قبیلہ قیس عیلان کی ایک شاخ رواس کی نسبت سے رواسی کہلاتے ہیں۔ (۳)

۱۔ i- تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۶ ii- الفہرست لابن ندیم، ص ۳۱۷

۲۔ i- الطبقات لابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۵ ii- الاعلام، ج ۳، ص ۱۳۶

iii- تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۸۰ iv- صفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۰۴

v- الانساب للسمعانی، ج ۶، ص ۱۸۲ vi- تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۲

۳۔ الطبقات لابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۵

نشوونما: امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۹ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔(۱) مگر علامہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بسند امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے: کہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی ولادت کب ہوئی؟ تو فرمایا: ولدت سنة ثمان وعشرين و مائة۔(۲) ''میری ولادت ۱۲۸ھ میں ہوئی۔

اکثر محققین کی رائے ہے کہ آپ اصلاً کوفی تھے، (۳) مگر بعض کا خیال ہے کہ آپ کے مولد ہونے کا شرف نیشاپور کے استواء نامی ایک گاؤں کو حاصل ہے، بیشتر شواہد اور دلائل اول الذکر ہی کو مرجح قرار دیتے ہیں، ممکن ہے کوفہ میں ولادت کے بعد استواء منتقل ہو گئے ہوں۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ ہی میں نشوونما پائی، وہاں ان کے والد بیت المال کی نگرانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔(۴) خود فرماتے ہیں:

كان ابى علىٰ بيت المال ۔(۵) ''میرے والد بیت المال کے نگران تھے''۔

تحصیل علم: امام وکیع نے اپنے وقت کے تقریباً سبھی علمی سرچشموں سے اپنی علمی تشنگی فرو کی، ان کے زمانہ تک علم سینہ بسینہ رائج تھا۔ اسی بنا پر تحصیل علم میں جو مشقت اور تکلیفیں علمائے سلف نے اٹھائیں وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ ان حالات میں جب امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علم کی تحصیل کے لئے کتنی مشقتیں جھیلی ہوں گی، مگر اسی سچی لگن اور جذبہ صادق نے انہیں علوم مرتبت کے اس مقام پر فائز کیا، کہ زبان خلق نے ان کو امام المسلمین، احد ائمۃ الاسلام اور محدث العراق کے خطابات سے نوازا۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے فطری جوہر طالب علمی کے زمانہ میں نمایاں ہونا شروع ہو گئے تھے، چنانچہ جب وہ امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسب فیض کے لئے گئے، تو انہوں نے نام دریافت کرنے کے بعد فرمایا: مااحسب الاسيكون لك نبأ۔(۶) ''میرا خیال ہے کہ تمہارا مستقبل شاندار ہوگا''۔

یحییٰ بن یمان وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے عہد طالب علمی کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:(۷)

نظر سفيان الى عينى وكيع فقال ترون هذا الرواسى لايموت حتىٰ يكون له نبأ۔(۸)

''امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں دیکھ کر فرمایا: تم لوگ اس رواسی کو دیکھ رہے ہو، موت سے پہلے اس کی بڑی منزلت ہو جائے گی۔ اپنے شاگرد کے بارے میں استاد کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔

علامہ ضمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا شمار امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کے ساتھ کیا ہے۔(۹)

درس حدیث: جلیل القدر اساتذہ کے فیض نے ان کو آسمان علم کا نیر تاباں بنا دیا۔ اور ان کے فضل و کمال کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، حلقہ درس سے جو فضلا نکلے ان میں حضرت یحییٰ بن آدم، ابن معین اور ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ جیسی یگانہ وقت ہستیاں شامل ہیں، اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر بزرگ، جنہوں نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حمید الطویل رحمۃ اللہ علیہ جیسے ائمہ سے فیض حاصل کیا تھا، وہ بھی امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے فخریہ روایت کرتے تھے۔

امام وکیع نے اپنے شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد مسند درس کو زینت دی۔(۱۰)

۱۔ i- الاعلام، ج ۳، ص ۱۳۶ ii- المستدرک، ص ۳۵ iii- تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۸۰

۲۔ i- صفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۰۴ ii- الانساب للسمعانی، ج ۶، ص ۱۸۲

۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۲ ۴۔ کتاب الجمع بین رجال الصحیحین، ج ۲، ص ۵۴۶

۵۔ الاعلام، ج ۳، ص ۱۱۳۶ ۶۔ الانساب للسمعانی، ج ۶، ص ۱۸۱

۷۔ کتاب الانساب للسمعانی، ج ۶، ص ۱۸۲ ۸۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۶۹

۹۔ الجواہر المضیۃ، ج ۲، ص ۲۰۹ ۱۰۔ i- صفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۰۴ ii- تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۸

مشہور امام جرح وتعدیل حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ۳۵ سال کی عمر میں درس دینا شروع کر دیا تھا، لیکن حضرت ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ: ''حدث وکیع وھو ابن ثلاث وثلاثین سنۃ'' یعنی امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے ۳۳ سال کی عمر میں درس کا آغاز کیا تھا۔ وہ جہاں بھی جاتے ان کا حلقہ درس مرجع خلائق بن جاتا، اور دوسرے تمام حلقہ ہائے درس ویران نظر آنے لگتے، حضرت ابوہشام رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

دخلت المسجد الحرام فاذا عبیداللہ بن موسیٰ یحدث والناس حولہ کثیر فطفت اسبوعاً ثم جئت فاذا عبیداللہ قاعدوحدہ فقلت ماھذا فقال قدم التنین فاخذھم یعنی وکیعاً(۱) ''ایک مرتبہ مسجد حرام میں گیا تو حضرت عبیداللہ بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کا درس دیتے دیکھا۔ ان کے اردگرد طلبہ کا ہجوم تھا، پھر ایک ہفتہ طواف کے بعد جو آ کر دیکھا تو حضرت عبیداللہ رحمۃ اللہ علیہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہوا: ایک اژدہا آ گیا ہے، جو پورے حلقہ کو نگل گیا ہے، ان کی مراد حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے تھی''۔

علامہ خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس واقعہ کو مزید تفصیل سے لکھا ہے۔(۲) اس کے علاوہ بھی مسجد حرام کے کئی حلقہ ہائے درس، حضرت امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے مکہ آ جانے کے بعد ویران ہو گئے، جن کی تفصیل خطیب نے بیان کی ہے۔

فضل وکمال: امام وکیع کا فضل وکمال ان کے دور کے علما میں مسلم تھا، اور وہ سب ان کے کمالات کے معترف تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مارایت رجلا قط مثل وکیع فی العلم والحفظ والاسناد والابواب مع خشوع وورع۔ (۳) میں نے علم، حفظ، اسناد اور ساتھ ہی ساتھ ورع وتقویٰ میں امام وکیع بن جراح کا مثل کسی کو نہیں دیکھا''۔

انہی کا دوسرا قول ہے: مارایت عینی مثلہ قط یحفظ الحدیث جیدًا ویذاکر بالفقہ فیحسن مع ورع واجتھاد۔ (۴) ''میری آنکھوں نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا مثل نہیں دیکھا، وہ حدیث کے بڑے اچھے حافظ تھے، فقہ بھی بہترین پڑھاتے تھے، تقویٰ اور اجتہاد میں مختار تھے''۔

ابن عمار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ماکان بالکوفۃ فی زمان وکیع افقہ ولا اعلم بالحدیث۔(۵)

''امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور حدیث کو ان سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا، امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ عبقری وقت تھے''۔

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کان وکیع فی زمانہ کالاوزاعی فی زمانہ۔(۶)

''امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی ان کے زمانہ میں وہی حیثیت تھی، جو امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی ان کے وقت میں تھی''۔

علامہ ابن ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ابوسفیان (وکیع) محدث العراق ثقۃ متقین ورع۔ ''امام ابوسفیان وکیع محدث عراق، ثقہ اور متقی تھے''۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقہ، بلند مرتبہ عالم، مامون، کثیر الحدیث اور حجۃ لکھا ہے،(۷) ان کمالات کی بناء پر وہ امام کوفہ اور محدث عراق کے خطاب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

ذہانت اور قوت حافظہ: مبداء فیاض نے امام صاحب کو غیر معمولی قوت حافظہ سے نوازا تھا، ان کی ذکاوت وفطانت کے جوہر صغرسنی ہی میں کھلنے لگے تھے، طالب علمی کے زمانہ میں انہوں نے جو حدیث کسی شیخ سے سنی تھی، وہ عمر بھر ان کے حافظہ میں محفوظ رہی، ان کی اس خصوصیت پر آئمہ وقت

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۹　۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۹
۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۴　۴۔ i- شذرات الذھب، ج ۱، ص ۲۵۰　ii- الانساب للسمعانی، ص ۲۶۱
۵۔ ایضاً　۶۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ۳، ص ۱۰۲　۷۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۵

رشک کرتے تھے، علامہ قاسم حربی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر پوچھتے کہ رواسی سے تم نے کون سی حدیث سنی ہے، وہ پوری سند کے ساتھ اس کو بیان کر دیتے، کہ مجھ سے فلاں شخص نے اس طرح حدیث روایت کی ہے، راوی کا بیان ہے، کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگرد کی اس حاضر دماغی کو دیکھ کر مسکراتے، اور تعجب وحیرت کا اظہار کرتے۔(۱)

اپنی قوت حافظہ کے بارے میں خود امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: **مانظرت فی کتاب منذخمس عشرة سنة الا صحیفة یوماً فنظرت فی طرف منه ثم اعدته علی مکانه۔** (۲) ''میں نے گزشتہ پندرہ سال کے عرصہ میں سوائے ایک دن کے کبھی کتاب کھول کر نہیں دیکھی، اور اس مرتبہ میں بھی بہت سرسری طور سے دیکھا اور کتاب کو پھر اس کی جگہ رکھ دیا''۔ اسی قوت حافظہ کا نتیجہ تھا کہ درس کے وقت کتاب سامنے نہیں رکھتے تھے، بلکہ زبانی حدیث کا درس دیتے اور طلبہ اس کو اثنائے درس میں یا اس کے بعد قلمبند کرتے، طالب علموں کے زمانہ میں بھی انہوں نے کبھی حدیثوں کو قلمبند نہیں کیا، بلکہ درس کے بعد آ کر لکھتے تھے۔ **ماکتبت عن سفیان الثوری حدیثاً کنت احفظ فاذارجعت الی المنزل کتبتــه** ۔(۳) ''میں نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس کے وقت کبھی حدیث نہیں لکھی، بلکہ اس کو دماغ میں محفوظ کر لیتا، پھر گھر واپس آ کر لکھتا تھا''۔

حضرت اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ ہم لوگوں کا حافظہ تو بتکلف ہے، اور امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ فطری حافظ تھے، (۴) امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے لڑکے کا بیان ہے: کہ میں نے اپنے والد کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب اور کاغذ کا ٹکڑا نہیں دیکھا''۔(۵)

امام موصوف کے نزدیک قوت حافظہ کا سب سے بڑا نسخہ معاصی سے اجتناب ہے، اللہ تعالیٰ ہر انسان کو حفظ وفہم کی دولت سے نوازتا ہے، مگر خبائث اور معاصی کی کثرت اس کو کند کر دیتی ہے، حضرت علی بن خشرم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، وہ صرف اپنے حافظہ سے درس دیتے تھے، ان کی حیرت انگیز قوت حافظہ دیکھ کر میں نے ان سے کوئی ایسی دوا پوچھی، جس سے حافظہ اچھا ہو جائے، امام صاحب نے فرمایا:

ترک المعاصی ماجربت مثله للحفظ۔ (۶)

گناہوں سے اجتناب سے بڑھ کر قوت حافظہ کے لئے کوئی چیز میرے تجربہ میں نہیں آئی۔

ایک دفعہ کسی شخص نے سوء حفظ کی شکایت کی، امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو معاصی سے اجتناب کا مشورہ دیا، اور فرمایا: علم خداوند قدوس کا نور ہے، وہ کسی خطا کار اور عاصی کو عطا نہیں کیا جاتا، درج ذیل اشعار میں اس واقعہ کا ذکر ہے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

وعلله العلم فضل وفضل الله لا یؤتی لعاصی (۷)

معمولات: حضرت سفیان بن وکیع رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد کے شب وروز کے معمولات کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۸ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۵

۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۵ ۴۔ کتاب الانساب للسمعانی، ص ۲۶۱

۵۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۷۹ ۶۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۹

۷۔ مرآۃ الجنان للیافعی، ج ۱، ص ۴۵۸

''میرے والد صائم الدھر تھے، صبح سویرے بیدار ہوجاتے، فجر کی نماز کے بعد مجلس درس شروع ہوجاتی، دن نکلتے تک اس میں مشغول رہتے، پھر گھر جاکر ظہر کی نماز تک قیلولہ فرماتے، اس کے بعد ظہر کی نماز ادا کرتے، پھر عصر تک طلبہ کو قرآن کا درس دیتے، اور پھر مسجد آکر عصر کی نماز پڑھتے، اور اس سے فارغ ہوکر پھر درس قرآن شروع ہوجاتا اور شام تک مذاکرہ میں منہمک رہتے، پھر مکان پر تشریف لاکر افطار فرماتے، اس سے فارغ ہوکر نماز پڑھتے تھے''۔(۱)

مسلک: امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ منصب امامت واجتہاد پر فائز تھے، لیکن فتویٰ مسلک حنفیہ کے مطابق دیتے تھے، اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ حنفی مسلک کی طرف مائل تھے، علامہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کان وکیع یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان قد سمع منه شیئاً کثیراً۔(۲) ''امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور انہوں نے امام صاحب سے کافی سماعت بھی کی تھی''۔

علالت ووفات: ۱۹۶ھ کے اواخر میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے، حج سے فراغت کے بعد اسہال کی شکایت ہوگئی، اس لئے وطن کا قصد کیا، لیکن مرض بشدت اختیار کرتا گیا، اور کوفہ ومکہ کے درمیان مقام فید میں پہنچے تھے کہ پیام اجل آ گیا، اور علم وفضل کا یہ پیکر اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوگیا۔(۳) اس وقت اڑسٹھ (۶۸) سال کی عمر تھی۔

تصنیفات: متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے درس وتدریس کے ساتھ تالیف وتصنیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: علیکن بمصنفات وکیع۔(۴)

امام جوزی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: صنف التصانیف الکثیرۃ۔(۵) ''انہوں نے بکثرت کتابیں تصنیف کی ہیں''۔

لیکن ان تصنیفات کی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے، (۶) علامہ خیرالدین زرکلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: ''لہ مصنف فی الفقہ والسنن'' لیکن صراحت کے ساتھ صرف دو کتابوں کے نام ملتے ہیں۔

۱۔ مصنف ابی سفیان (وکیع بن الجراح) (۷)، ۲۔ کتاب السنن۔(۸)

مگر آج ان کی کسی تصنیف کی موجودگی کا پتہ نہیں چلتا، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ چلپی اور صاحب المعجم نے امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔(۹)

۳۔ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ: جن آئمہ فقہ وحدیث کو زمرۂ تبع تابعین کا گل سرسبد کہا جاسکتا ہے، ان میں ایک امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، علم وفضل کے لحاظ سے ان کا شمار ان آئمہ مجتہدین میں ہوتا ہے، جو ایک جدا فقہی مسلک کے بانی تھے، گو آئمہ اربعہ کے مسلک کے سامنے یہ مسلک زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکا۔ مگر اس کے باوجود فقہ وحدیث کی تمام قدیم کتابوں میں آئمہ اربعہ کے ساتھ سفیان ثوری کے راویوں اور مجتہدات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب ترمذی ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، قریب قریب ہر باب میں وعلیہ سفیان روی وغیرہ کے الفاظ آپ کو ملیں گے۔ اس عہد میں جن بزرگوں کو قرآن اور اس کی تفسیر وتاویل سے خاص شغف تھا، اور جنہوں نے اس فن میں اپنی تحریری یادگاریں بھی

۱۔ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۴۷۱ ۲۔ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۴۷۱ ۳۔ العبر فی خبر من غبر، ج۱، ص۲۴۵

۴۔ i- تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۸ ii- تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۲۶ iii- تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۲۷۶

۵۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۲، ص۱۶۴ ۶۔ الاعلام، ج۳، ص۱۱۳۶

۷۔ المستطرف، ص۳۵ ۸۔ الفہرست، ص۳۱۷ ۹۔ سیر الصحابۃ، ج۳، ص۲۳۷۔۲۴۴

چھوڑیں، ان میں امام موصوف بھی تھے۔ تذکرہ نگاروں نے امام کو بحیثیت فقیہ اور محدث تو پیش کیا ہے، مگر طبقات المفسرین میں ان کا شمار نہیں کیا ہے، حالانکہ اس فن میں ان کا کارنامہ حضرت سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح، اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ سے کم نہیں تھا، حیرت ہے کہ ان بزرگوں کو تو مفسرین کی فہرست میں جگہ دی گئی ہے، اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس شرف سے محروم رکھا گیا۔ علم وفضل کے ساتھ زہد واتقا میں ضرب المثل تھے، ان کے بارے میں عام تذکرہ نویس لکھتے ہیں: کہ دنیا ان کی طرف بڑھی مگر انہوں نے اس سے اپنی نظر پھیر لی۔

نام ونسب اور ولادت: سفیان نام، ابوعبداللہ کنیت، ان کے سلسلہ نسب میں ایک نام ثور بن مناۃ آتا ہے۔ اس کی نسبت سے وہ ثوری کہلاتے ہیں۔ (تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ثور نام کے دو آدمی تھے، ایک کا تعلق مشہور عرب قبیلہ مضر سے اور دوسرے کا مشہور قبیلہ ہمدان سے، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں عام تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ ثور مضر سے ہیں، اور بعض لکھتے ہیں: کہ ثور ہمدان سے ہیں) باختلاف روایت ان کی ولادت سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں ۹۶ھ ۹۷ھ میں ہوئی۔ (۱) بعض لوگوں نے ان کا سنہ ولادت ۹۵ھ لکھا ہے مگر یہ اس لئے غلط ہے کہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سلیمان کی خلافت میں پیدا ہوئے تھے، اور سلیمان ۹۶ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا تھا۔

تعلیم وتربیت: امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ میں آنکھ کھولی، جو حرمین کے بعد علوم دینیہ کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ خاص طور پر فقہ وحدیث کے تو بے شمار حلقہ ہائے درس قائم تھے، ماشاءاللہ گھر کا ماحول بھی قال اللہ اور قال الرسول کی صدا سے پرشور تھا، اسی علم افزا اور روح پرور ماحول میں ان کی تعلیم وتربیت شروع ہوئی، تذکروں میں ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ (۲) مگر ان کے والد کے تلامذہ کی جو فہرست رجال کی کتابوں میں ملتی ہے۔ اس میں ان کا نام بھی ملتا ہے، بعض واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ گھر کی معاشی حالت اچھی نہیں تھی، جو ان کے حصول علم کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہی تھی، مگر ان کی والدہ کے جذبہ دینی اور ہمت مردانہ نے اس کو دور کر دیا، ایک دن انہوں نے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو حصول علم کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: یابنی اطلب العلم وانا اکفیك بمغزلی۔ (۳) ''اے نور نظر تم حصول علم میں لگے رہو، میں چرخہ کات کر تمہارے اخراجات پورے کروں گی''۔ نیک بخت ماں نے ان کو محض حصول علم کی ترغیب ہی نہیں دی، بلکہ ان کو یہ نصیحت بھی کی کہ یہ علم ان کے اخلاق وکردار کو سنوارنے کا سبب ہو، ان کے بگاڑنے کا سبب نہ ہو، وہ عبادت ہو، تجارت نہ ہو، ان کا یار ہو مار نہ ہو۔ چنانچہ ایک بڑی دلسوزی کے ساتھ نصیحت کی کہ: ''بیٹے جب تم دس حرف لکھ چکو تو دیکھو کہ تمہاری چال ڈھال اور حلم ووقار میں کوئی اضافہ ہوا یا نہیں، اگر اس سے کوئی اضافہ نہیں ہوا تو سمجھ لو کہ علم نے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا''۔ (۴) والدہ کی اس نصیحت کو انہوں نے زندگی بھر حرز جان بنائے رکھا، جس کی شہادت ان کی پوری زندگی سے ملتی ہے۔ والدین کی تعلیم وتربیت کے علاوہ کوفہ کے تمام ممتاز شیوخ وفقہ سے انہوں نے استفادہ کیا تھا۔ کوفہ میں اس وقت جن تابعین کی مجلس درس وافتا کو امتیاز حاصل تھا۔ ان میں امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ اور ابواسحٰق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست تھے، ان دونوں بزرگوں سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔ خاص طور پر امام اعمش کی روایات کے وہ بہت بڑے امین تھے، امام وقت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: سفیان الثوری اعلم الناس بحدیث الاعمش۔ (۵) ''حضرت سفیان ثوری اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی روایتوں کے سب سے بڑے جاننے والے تھے''۔ کہ اس عہد میں حدیث کا دفتر سفینوں سے زیادہ سینوں میں تھا۔ اس لئے حدیث کے طالب علموں کو ان جواہر ریزوں کی تلاش میں دور دور کی خاک چھاننی پڑتی

۱۔ i- تھذیب الکمال، ج۴، ص۱۱۴　ii- تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۹۲

۲۔ تھذیب الکمال، ج۴، ص۲۵۹　۳۔ ایضاً

۴۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳، ص۱۱۶　۵۔ تاریخ بغداد، ج۹، ص۱۶۷

تھی، اور جو ریزہ جہاں سے بھی ملتا تھا، اسے اپنے سفینوں میں جمع کرنے جاتے تھے، برسوں کی اس محنت شاقہ کے بعد کہیں جا کر کوئی شخص تحدیث وروایت کے قابل سمجھا جاتا تھا، امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی بزرگوں میں سے تھے۔ جن کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سننے کے لئے سینکڑوں میل کا سفر کرنا پڑا۔ پہلے انہوں نے کوفہ کے تمام ممتاز شیوخ حدیث کی خدمت میں استفادہ کیا، اور پھر بصرہ اور حجاز کے مختلف مقامات کے شیوخ حدیث کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سماع حدیث کیا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کوفہ، بصرہ، اور حجاز کے بعض ممتاز شیوخ کے نام لے کر لکھتے ہیں:

وخلق من اهل الكوفه وجماعة من اهل البصرة وطوائف من اهل الحجاز۔ (۱)

"اہل کوفہ کی ایک بڑی تعداد سے استفادہ کیا، اسی طرح بصرہ کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا اور حجاز کے مختلف حلقہائے درس سے بہرہ مند ہوئے"۔

وثوق علم: اپنے علم وفن پر وثوق واعتماد ہر علم وفن کے لئے ضروری ہے، خاص طور پر تحدیث روایت میں یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے، اگر ریب وشک سے کوئی شخص حدیث نبوی کی روایت کرے گا، تو وہ اس روایت میں بھی شک پیدا کرے گا، اور اس سے دوسروں کے دل میں بھی بے اعتمادی پیدا ہوگی، عام طور پر محدثین کو اپنی یادداشت اور اخذ روایت پر اعتماد ہوتا تھا، مگر امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اس میں خاص طور پر ممتاز تھے۔

حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان کی روایتوں کے سب سے بڑے امین تھے۔ انہوں نے ان سے جو روایتیں کی تھیں، ان پر اتنا وثوق تھا: کہ اس سلسلہ میں استاد سے تسامح ہو جاتا تھا، مگر ان سے نہیں ہوتا تھا۔ مشہور محدث زائد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: کہ ہم لوگ حضرت اعمش کی خدمت سے حدیث لکھ کر واپس ہوتے تھے، تو ان مکتوبہ روایات کو امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے، وہ دیکھ کر بعض روایتوں کے بارے میں فرماتے تھے: کہ فلاں فلاں روایت تو حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ نہیں ہیں، (یعنی اس کے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے میں شبہ نہیں تھا، اور نہ امام سفیان کو اس پر اعتراض تھا۔ بلکہ ان کے اعتراض کا مطلب یہ تھا کہ اس روایت کو ان روایتوں میں شامل نہ کیا جائے، جو امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیوخ سے براہ راست سنی ہیں) اندازہ کیجئے کہ تدوین حدیث میں محدثین نے کتنا دیدہ ریزی کی ہے۔ (۲) ہم کہتے کہ انہوں نے ابھی ہم سے ان کی تحدیث کی ہے، فرماتے کہ صدق سفیان حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک کہا ہے، اور پھر اپنے صحیفہ سے ان کو مٹا دیتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ جو خود امام حدیث ہیں، فرماتے تھے: مارایت صاحب الحدیث احفظ من سفیان الثوری۔ (۳) "میں نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حدیثیں یاد رکھنے والا نہیں دیکھا"۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا: کہ ایک بار انہوں نے حضرت حماد بن ابی سلیمان عن عمرو بن عطیہ عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ایک روایت بیان کی، میں نے ان سے عرض کیا: کہ ابوعبداللہ! اس میں آپ سے غلطی ہوئی ہے، پوچھا کیسے؟ کسی اور واسطہ سے روایت منقول ہے؟ میں نے کہا: ہاں! حماد سے ربعی نے، ربعی نے سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، فرمایا: کس نے اس واسطہ سے روایت بیان کی ہے، میں نے کہا: امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام شعبہ سے غلطی ہوئی ہے، پھر کچھ دیر خاموش ہو کر سوچتے رہے، پھر پوچھا: کہ اچھا اس روایت میں امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی کسی اور نے بھی تائید کی ہے، میں نے ہشام الدستوائی۔ سعید بن عروبہ اور حماد بن زید کا نام لیا۔ فرمایا: کہ حماد سے غلطی ہوئی ہے، انہوں نے مجھ سے عمرو بن عطیہ کے واسطہ سے یہ روایت بیان کی ہے، ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جب چار آدمی ایک بات پر متفق ہیں، تو وہی صحیح ہوگی، لیکن ایک سال بعد یعنی ۱۸۱ھ میں شیخ غندر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، تو انہوں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب کردہ صحیفہ حدیث مجھ کو دکھایا۔ اس میں یہ روایت عن حماد عن ربعی کے الفاظ میں موجود تھی، امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا تھا کہ حماد کبھی اسے عمرو بن عطیہ سے بھی روایت کرتے تھے، اور کبھی ربعی سے۔ یہ دیکھ کر ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے بے اختیار نکلا: ابوعبداللہ! آپ پر خدا رحم کرے، آپ جب کوئی حدیث یاد کر لیتے ہیں، تو پھر یہ پروا نہیں کرتے کہ کون آپ کی مخالفت کرتا ہے۔ (۴)

۱۔ تھذیب الکمال، ج ۴، ص ۱۶۷　　۲۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۱۶۸　　۳۔ ایضاً　　۴۔ ایضاً

مرویات کی تعداد: دوسری صدی کے بعد جب حدیث کا منتشر ذخیرہ بڑی حد تک جمع ہو گیا، تو محدثین کے لئے لاکھوں کی تعداد میں روایات اور ان کے سلسلہ اسناد کا یاد رکھنا آسان ہو گیا، لیکن جب یہ ذخیرہ منتشر تھا تو پھر دو چار ہزار حدیثوں کا بھی سینوں اور سفینوں میں محفوظ رکھنا مشکل تھا، اس لئے تبع تابعین کے عہد میں دس ہزار سے زیادہ کسی امام حدیث کو حدیثیں مشکل سے یاد تھیں، لیکن امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو اس حیثیت سے بھی امتیاز حاصل تھا کہ ان کی مرویات کی تعداد جو ان کے سینہ میں ہر وقت محفوظ رہتی تھیں، تیس ہزار تھیں۔ (۱)

فقہی مسلک: ان کے علمی فضائل صرف درس و تدریس ہی تک محدود نہیں تھے، اور نہ وہ محض قرآن و حدیث کے ناقل تھے، بلکہ قرآن و حدیث پر ان کی نظر مجتہدانہ تھی، ان کا شمار ان چھ سات آئمہ مجتہدین میں ہوتا ہے، جو تبع تابعین میں صاحب مذہب شمار کئے جاتے ہیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: هو احد اصحاب المذاهب الستة المتبوعة۔ (۲) "ان کا شمار ان چھ صاحب مذہب ائمہ میں ہوتا ہے جو متبوع خلائق ہیں"۔

سیرت و کردار: امام سفیان ثوری کی ذات علم و عمل دونوں کا مجموعہ تھی، ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے، کہ ان کا مرتبہ علم و فضل کے لحاظ سے زیادہ بلند تھا یا سیرت و کردار کے اعتبار سے، جس طرح ان کا علم و فضل تبع تابعین میں ہر کہ و مہ کے نزدیک مسلم تھا، اسی طرح ان کی سیرت و کردار کا نقش بھی ہر دل پر بیٹھا ہوا تھا، اور اس میں ان کی فطری سلامت روی کے ساتھ ان کی والدہ کی تربیت کو بھی بڑا دخل تھا۔ جیسا کہ ابتداء میں انہوں نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا: کہ بیٹا علم کے ذریعہ تمہاری سیرت سنورنی چاہیے۔ ان کے سیرت و کردار کی ایک جھلک اس خط سے ملتی ہے، انہوں نے اپنے ایک شاگرد کے نام لکھا تھا۔ اس خط کا خلاصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں۔ (۳) "تم جس زمانے میں ہو یہ وہ زمانہ ہے، جس سے نبی کریم ﷺ کے صحابہ پناہ مانگتے، کہ وہ یہ زمانہ پائیں، اور قدامت کی وجہ سے انہیں وہ کچھ حاصل تھا، جو ہمیں حاصل نہیں ہے۔ پھر امور خیر میں قلت علم، قلت صبر اور قلت اعوان، لوگوں کی فساد انگیزی اور دنیا کی گندگی و ناپاکی کے باوجود ہم نے جس زمانہ کو پایا ہے، اس سے کیونکر علیحدہ ہو سکتے ہیں، لیکن تم پر واجب ہے کہ گمنامی کی زندگی بسر کرو، کہ یہ زمانہ گمنامی کے لئے موزوں ہے، تم پر لازم ہے کہ گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرو، اور لوگوں سے ملنا جلنا کم رکھو، پہلے زمانہ میں لوگ ملتے تھے، تو ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، لیکن اب وہ صورت نہیں رہی، بس راہ نجات یہی ہے کہ ترک تعلق کے اصول پر عمل کیا جائے، اور ہاں خبردار امراء کا قرب نہ اختیار کرنا، نہ ان سے کسی معاملہ میں اختلاط روا رکھنا، خبردار مبتلائے قرب نہ ہونا تم سے کہا جائے گا: کہ اس شخص کی سفارش کر دیجئے، ظلم کے مٹانے کی سعی کیجئے، یاد رکھو یہ سب باتیں ابلیس کی فریب کاریاں ہیں، وقت کے تاجروں نے اپنی سربلندی کے لئے ان باتوں کو سیڑھی بنالیا ہے۔ (مقصد یہ ہے کہ ظلم کے مٹانے اور خدمت خلق کے نام پر اقتدار پرست لوگ تمہیں آلہ کار نہ بنالیں)، اور ہاں خبردار! تم اس آدمی کی طرح نہ ہو جانا، جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے قول پر عمل کیا جائے، اس کی باتوں کی اشاعت کی جائے، اور اس کا کلام سنا جائے۔ خبردار حکومت اور ریاست کی محبت سے بچنا، کیونکہ لوگ اقتدار کو سونے اور چاندی سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں"۔ (۴)

علم کی ذمہ داری کا احساس: علم دین کا حصول اتنا مشکل کام نہیں ہے، جتنا مشکل اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے، امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے علم و فضل جس جدوجہد سے حاصل کیا تھا، اسی اعتبار سے اس کی ذمہ داری کو بھی انہوں نے ادا کیا۔ انہوں نے اپنے علم کو منفعت کا نہیں، خلق کی ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ وہ اس ذمہ داری سے ہر وقت گراں بار رہتے تھے کہ اگر میں کچھ نہ جانتا تو میرا غم کچھ کم ہوتا۔ ان کی والدہ نے ابتدائے عمر ہی میں یہ نصیحت کی تھی: کہ تمہارا علم تمہاری سیرت و کردار کو سنوارنے کا سبب ہے، چنانچہ انہوں نے اس کا پورا حق ادا کیا۔ علم کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے ایک شاگرد کو لکھتے ہیں: "علم حاصل کرو، اور جب علم حاصل کر چکو تو اس کی رکھوالی کرو، اسے ہنسی مذاق اور کھیل کود سے مخلوط نہ کرو، کیونکہ اس طرح دل کی دنیا سونی ہو جاتی ہے"۔ (۵)

فرماتے تھے: علم حدیث کا حصول سب سے افضل کام ہے، بشرطیکہ نیت درست ہو، دوسری روایت ہے کہ لوگوں کے لئے حدیث سے زیادہ کوئی علم مفید نہیں ہے۔ فرمایا کرتے تھے: کہ اگر میں علم (کی ذمہ داری) سے اس صورت میں بھی نجات پا جاؤں، کہ نہ وہ میرے خلاف حجت بنے اور نہ میرے لئے شفیع، تو میں اسے پسند کروں گا، مجھے کسی عمل سے اتنا خوف نہیں جتنا کہ حدیث (کی روایت) سے۔ (۶)

۱۔ تھذیب الکمال، ج ۴، ص ۱۱۴ ۲۔ تھذیب الاسماء، ص ۲۲۳ ۳۔ شذرات، ج ۱، ص ۲۵۱

۴۔ i۔ طبقات الکبری، ج ۱، ص ۴۲ ii۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۶، ص ۳۷۷ ۵۔ ایضاً، ج ۶، ص ۳۶۸ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۸۴

قناعت وسادگی: نہایت سادہ متواضع اور قناعت پسندانہ زندگی گزارتے تھے، کہ ان کا ذریعہ معاش صرف ان کے چچا کی ایک جائیداد تھی، انہوں نے زندگی بھر گھر کے اوپر ایک پیسہ خرچ نہیں کیا، لباس بھی نہایت سادہ پہنتے تھے، حضرت علی بن ثابت کہتے ہیں: کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے راستہ میں مجھ سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کی ہر چیز کی قیمت کا اندازہ لگایا، تو وہ تین درہم سے زیادہ نہیں تھی۔(۱)

وہ مجلس میں بیٹھتے تھے، تو صدر نشین بن کر نہیں بلکہ غایت تواضع میں دیوار کے ایک کنارے سے ٹیک لگا کر اکڑوں بیٹھتے تھے۔(۲) خود بھی فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے تھے، اور ان کی مجالس میں اہل فقر ہی کی عزت تھی، ارباب دولت کی ان کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، محمد بن عبدالوہاب کہتے ہیں کہ: **مارایت الفقر قط اعز ولا ارفع منه فی مجلس سفیان ولا رایت الغنی اذل منه فی مجلس سفیان۔**(۳) میں نے فقر کو امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے زیادہ معزز اور بلند نہیں دیکھا، اور غنا یعنی دولت و خوشحالی کو ان کی مجلس سے زیادہ ذلیل نہیں دیکھا۔

ان کے انہی علمی و عملی اوصاف کی بنا پر امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام وقت فرماتے تھے کہ: **ان سفیان سادا الناس بالعلم والورع۔**(۴)

بایں ہمہ علم و فضل شہرت اور نیاز مندی کو پسند نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے، میں چاہتا ہوں کہ ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں مجھے کوئی پہچانتا نہ ہو۔(۵)

وفات: مہدی کی ناراضگی کے بعد وہ مصر چلے گئے تھے، بصرہ میں ان کا قیام زیادہ تر امام یحیٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ اور الھیثم بن منصور کے یہاں تھا، مگر آخر میں مشہور محدث عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں چلے آئے تھے، اسی غربت کدہ میں اس پیکر علم و عمل نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی امام ذہبی لکھتے ہیں: **مات فی البصره فی الاختفاء من المهدی فانه کان قوالا بالحق شدید الانکار علیه** :''ان کا انتقال بصرہ میں مہدی سے روپوشی کی حالت میں ہوا۔ روپوشی کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ غیر معمولی طور پر حق گو واقع ہوئے تھے، اور اس کے اوپر تنقید کرتے تھے (اور وہ ناراض ہو گیا)''۔(۶)

علامہ ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ ان کی وفات کا حال بیان کرتے ہیں: کہ جس رات ان کی وفات ہوئی، اس رات انہوں نے نماز کے لئے کئی بار وضو کیا۔ جب صبح ہونے لگی تو مجھ سے کہا: کہ ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ میرا چہرہ زمین پر رکھ دو، اب میں کچھ دیر کا مہمان ہوں، یہ جملہ بار بار زبان پر تھا کہ موت کی تکلیف کس قدر سخت ہوتی ہے، ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ لپکے ہوئے حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کرنے گئے، کہ راستہ میں ان سے ملاقات ہو گئی، وہ اپنے اصحاب کے ساتھ خود ہی آرہے تھے، حضرت ابوسلمہ اور حماد رحمۃ اللہ علیہ ان کے سرہانے کھڑے تھے، حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ آپ کو خوش خبری ہو، کہ آپ جس بات سے ڈرتے تھے، اس سے نجات پا گئے، غالباً گرفتاری و قتل کی طرف اشارہ ہے، اور اب اپنے رب غفور کے حضور جا رہے ہیں، حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تم کو امید ہے کہ مجھ جیسے آدمی کی مغفرت ہو جائے گی، حضرت ابوسلمہ نے کہا: اس میں کیا تعجب ہے، اس سے ان پر ایک بشاشت طاری ہو گئی، غالباً اس کے بعد ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئے۔(۷)

وصیت: وفات سے کچھ دیر پہلے آپ نے دریافت فرمایا تھا، کہ یہاں میرے وطن کے بھی کچھ لوگ موجود ہیں، لوگوں نے نگاہ دوڑائی تو دو ممتاز آدمی نظر پڑے، ایک حضرت عبدالرحمٰن بن ملک رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے حضرت حسن بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ چنانچہ عیاش رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد اپنا ترکہ کیا، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت کی، جب جنازہ رکھا گیا، اور معلوم ہوا کہ نماز جنازہ حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ پڑھائیں گے، تو بعض لوگوں نے اس وجہ سے اعتراض کیا کہ ان کا امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن جب معلوم ہوا کہ ان کی وصیت ہے، تو سب لوگوں نے بخوشی نماز پڑھانے کی ان کو اجازت دی۔(۸)

۱۔ تاریخ بغداد، ج۹ ص۱۶۲ ۲۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳ ص۸۳ ۳۔ تاریخ بغداد، ج۹ ص۱۶۲
۴۔ تاریخ بغداد، ج۹ ص۱۶۲ ۵۔ ایضاً ۴۲ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۱۸۶
۷۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۳ ص۸۸ ۸۔ تاریخ بغداد، ج۹ ص۱۶۰

سمعانی کے بیان کے مطابق ان کو قبرستان بنو کلیب میں عشاء کے وقت دفن کیا گیا (ان کا انتقال صبح ہی کو ہو چکا تھا) غالباً حکومت کے خوف سے رات میں ان کو دفن کیا گیا۔

تصنیفات:

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی چند تصنیفات درج ذیل ہیں:

۱۔ **الجامع الکبیر فی الفقہ:** یہ کتاب ابوبکر محمد بن ابی الخیر الاموی نے چوتھی صدی ہجری میں اور علامہ محمد عابد بن احمد علی سندی نے تیرھویں صدی ہجری کے نصف اول میں پڑھی تھی۔(۱)

۲۔ **الجامع الصغیر:**

۳۔ **کتاب الفرائض:** یہ کتاب بھی محمد بن عابد سندی نے پڑھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب بھی ۱۳ ویں صدی تک موجود تھی۔

۴۔ **کتاب التفسیر:** یہ کتاب بھی محمد عابد سندی نے پڑھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی تیرھویں صدی تک اہل علم میں متداول رہی ہے، اس تفسیر کا ایک حصہ جو مخطوط ہے کتب خانہ رامپور میں موجود ہے، جسے غالباً مولانا امتیاز علی صاحب عرشی نے طبع بھی کرا دیا ہے۔

عقیدہ: پہلی صدی ہجری میں بعض سیاسی اختلافات کی بنا پر شیعیت وخارجیت پیدا ہوئی، لیکن پہلی صدی کے آخر اور دوسری صدی کے شروع میں فلسفہ، شیعیت اور خارجیت کے بطن سے بعض اور فرقے بھی پیدا ہوئے، جن میں معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، مرجیہ وغیرہ بہت زیادہ مشہور ہوئے، ان فرقوں کی اصل گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے ذات وصفات کے بارے میں بے جا موشگافیاں شروع کر دی تھیں، اور مسئلہ کے ایک ہی پہلو پر ان میں اصرار اور غلو پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے شریعت کی سادہ تعلیم اور اس کا دامن اعتدال داغدار ہو رہا تھا۔ اس بنا پر علمائے اہل حق نے ان خیالات کی تردید کی، اور ان کی اس گمراہی پر انہیں متنبہ تو کیا، مگر کسی نے ان کی قطعی تکفیر نہیں کی، ان فرقوں اور ان کے پیدا کردہ مسائل کا چرچا زیادہ تر کوفہ اور بصرہ میں رہتا تھا۔ گو اس سے ممالک اسلامیہ کے دوسرے مقامات کے علماء بھی متاثر ہوتے تھے، مگر ان کا سب سے زیادہ مقابلہ کوفہ، بغداد اور بصرہ کے علماء کو کرنا پڑتا تھا حضرت امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ بھی چونکہ یہیں کے باشندے تھے اور یہیں ان کی مجلس درس تھی، اس لئے ان سے بھی ان فرقوں کے خیالات کے بارے میں سوال کئے جاتے تھے۔ خاص طور پر جن مسائل کے بارے میں ان سے سوال کئے گئے، وہ یہ ہیں: خلق قرآن، ایمان کی زیادتی صرف یقین کا نام ہے، یا اس میں عمل بھی شامل ہے وغیرہ۔ چنانچہ ان تمام مسائل کے بارے میں اپنی رائے انہوں نے اپنے ایک شاگرد حضرت جریر بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا دی تھی۔ ان کی اس تحریر کا خلاصہ یہ تھا: قرآن خدا کا کلام ہے، اور غیر مخلوق ہے، خدا کی ذات ہی اس کی مبداء اور معاد ہے، جو اس کے خلاف کہتا ہے، وہ کفر کی بات کہتا ہے۔ ایمان، قول، عمل اور نیت کے مجموعے کا نام ہے، اور اس میں کمی وزیادتی بھی ہوتی ہے اور دیکھو شیخین یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مقدم رکھنا، اس کے بعد فرمایا: کہ شعیب! میں نے جو کچھ لکھایا ہے، وہ تمہیں اسی وقت فائدہ پہنچائے گا جب تم ان باتوں کو بھی صحیح سمجھو، وہ باتیں درج ذیل ہیں:

۱۔ موزوں پر مسح کرنا۔

۲۔ قرآن کو بلند آواز سے پڑھنے کے مقابلہ میں آہستہ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج۹،ص۱۶۱

۳۔ تقدیر پر ایمان رکھنا۔

۴۔ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لینا۔

۵۔ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

۶۔ حکومت کے جھنڈے کے نیچے رہنا خواہ حکومت ظالمانہ ہو یا عادلانہ۔

حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سوال کیا: کہ تمام نمازیں ہم ان کے پیچھے پڑھ لیا کریں، فرمایا: نہیں! صرف جمعہ اور عیدین، جن کے پیچھے بھی مل جائیں پڑھ لو مگر دوسری نمازوں میں تمہیں اختیار ہے، کہ جس پر پورا اعتماد ہو اور اس کے بارے میں تم کو علم ہو، کہ یہ اہل سنت میں ہے، اسی کے پیچھے پڑھو، جب تم قیامت میں خدا کے روبرو حاضر ہو اور تم سے سوال ہو تو عرض کر دینا: کہ مجھے یہ باتیں سفیان نے بتائی ہیں، اور تم میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا۔(۱)

۴۔عمرو بن علی: راجع:۴ ۵۔عبدالرحمٰن بن مھدی: راجع:۴۹

۶۔منصور: راجع:۲ ۷۔ھلال بن یساف: راجع:۸۹

۸۔ابو یحییٰ:

آپ کا نام ابو یحییٰ مصدع اعرج معرقب ہے، آپ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے مقبول راوی ہیں، آپ تشیع کی طرف مائل تھے، امام مسلم اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۹۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ:

نام و نسب: عبداللہ نام، ابو محمد اور ابو عبدالرحمان کنیت، والد کا نام عمرو بن العاص اور والدہ کا نام ریطہ بنت منبہ تھا، شجرۂ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عمرو بن العاص بن وائل بن ہاشم بن معید بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی القرشی۔

اسلام: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔(۳) آپ دربارِ نبوت میں اکثر حاضر رہتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ سنتے، اس کو لکھ لیتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند بزرگوں نے ان کو اس سے منع کیا اور کہا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حالت غیظ و انبساط میں خدا جانے کیا کچھ فرماتے ہیں؟ آپ سب کو قلمبند نہ کیا کیجیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس رب کی عزت کی قسم! میری زبان سے ہر حال میں حق ہی نکلتا ہے''۔(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے جو وقت بچتا تھا وہ تمام تر یادِ حق میں صرف ہوتا تھا، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا، اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، رفتہ رفتہ یہ مشغلہ اس قدر بڑھا کہ اہل و عیال اور تمام دنیاوی تعلقات سے کنارہ کش ہو گئے، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دربارِ نبوت میں ان کی اس راہبانہ زندگی کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر اپنے والد کی اطاعت کی تاکید کی اور فرمایا ''عبداللہ! روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، نیز بیوی بچوں کا حق ادا کرو، یہی میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ میری امت سے نہیں ہے''۔(۵)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۹۰ ۲۔ تقریب التھذیب، ج۲،ص۲۵۷

۳۔ اسد الغابہ، ج۳،ص۲۳۳ ۴۔ مسند احمد، ج۴،ص۱۹۲ ۵۔ ایضاً،۱۵۸

غزوات: عہد نبوت کے بعض غزوات میں شریک تھے، جہاد وفوج کشی کے موقع پر عموماً بار برداری کا اہتمام ان کے سپرد ہوتا تھا، ایک مرتبہ عمرو بن حریش نے ان سے پوچھا ''ابومحمد! ہم لوگ ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں درہم ودینار کا چلن نہیں، مویشی اور جانور ہمارے مال واسباب ہیں، ہم آپس میں بکریوں کے عوض اونٹ، گائے کے بدلے گھوڑے اور گھوڑوں کے عوض اونٹ ادھار خرید وفروخت کرتے ہیں، اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟'' فرمایا: تم ایک واقف کار شخص کے پاس آئے ہو، ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو شتر سواروں کی ایک فوج مرتب کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میرے اہتمام میں جس قدر اونٹ تھے ایک ایک کر کے سب پر لوگوں کو میں نے سوار کرایا، تاہم کچھ لوگ ایسے رہ گئے، جن کے پاس سواری نہ تھی، میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! تمام سواریاں تقسیم ہو گئیں، لیکن پھر بھی ایک جماعت ایسی رہ گئی جس کو کوئی سواری نہ مل سکی''۔ ارشاد ہوا کہ ''ایک اونٹ کے عوض صدقہ کے دو دو، تین تین اونٹوں کا وعدہ کر کے کچھ اونٹ خرید لو'' چنانچہ اس طرح میں نے حسب ضرورت اونٹ فراہم کر لئے۔(۱)

وفات: ۶۵ھ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فسطاط میں وفات پائی، لوگوں نے ان کو گھر ہی میں دفن کر دیا، کیونکہ اس زمانہ میں مروان بن الحکم اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی فوجوں میں نہایت شدید جنگ ہو رہی تھی، اور جنازہ کا عام قبرستان تک پہنچانا سخت دشوار تھا۔(۲)

حلیہ: حلیہ یہ تھا: قد بلند وبالا، پیٹ بھاری، رنگ سرخ، اخیر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔

علم وفضل: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے علم وفضل کے لحاظ سے طبقہ صحابہ میں خاص امتیاز رکھتے تھے، انہوں نے اپنی مادری زبان کے علاوہ عبرانی میں بھی مخصوص دستگاہ حاصل کی تھی، اور توریت وانجیل کا نہایت غور سے مطالعہ کیا تھا، احادیث نبوی ﷺ کا جس قدر کثیر ذخیرہ ان کے پاس تھا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک کو اعتراف تھا کہ ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو مجھ سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا''۔(۳)

مجموعہ حدیث کے پہلے مدون: انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات وملفوظات کا ایک مجموعہ جمع کیا تھا، جس کا نام صادقہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا، جس کے متعلق انہیں زبانی کچھ یاد نہ ہوتا، تو اس میں دیکھ کر جواب دیتے تھے، حضرت ابوقبیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پوچھا کہ ''قسطنطنیہ پہلے فتح کیا جائے گا یا رومیہ؟'' ان کو زبانی یاد نہ تھا، انہوں نے صندوق منگوا کر ایک کتاب نکالی اور اس کو ایک نظر دیکھ کر فرمایا: کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے، کہ کسی نے یہی سوال کیا؟ ارشاد ہوا: کہ ''ہرقل کا شہر (یعنی قسطنطنیہ) پہلے فتح کیا جائے گا''۔(۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس مجموعہ کو نہایت عزیز رکھتے تھے، حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: کہ ایک مرتبہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور بستر کے نیچے سے ایک کتاب نکال کر دیکھنے لگا' انہوں نے منع کیا، میں نے کہا: ''آپ تو مجھ کو کسی چیز سے منع نہ فرماتے تھے، یہ کیا ہے؟'' فرمایا یہ وہ صحیفہ حق ہے جس کو میں نے تنہا رسول اللہ ﷺ سے سن کر جمع کیا تھا۔ پھر فرمایا: اگر صحیفہ اور قرآن اور وہط کی جاگیر مجھ کو دے دی جائے تو پھر مجھ کو دنیا کی کچھ پرواہ نہ ہو''۔(۵)

۱۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۲۳۴ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۳۶ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۳، ص ۳۶

۴۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۱۷۶ ۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۲۳۴

مرویات کی تعداد: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد سات سو (۷۰۰) ہے، جس میں ۷ بخاری اور مسلم دونوں میں ہیں، ان متفق علیہ حدیثوں کے علاوہ ۸ بخاری میں ہیں اور ۲۰ مسلم میں ہیں۔ (۱)

حلقۂ درس: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا، لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے تحصیل حدیث کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور وہ جہاں پہنچ جاتے تھے، شائقین علم کا ایک مجمع ان کے گرد و پیش ہو جاتا تھا، امام نخعی شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ''ایک مرتبہ میں ایلیاء کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، کہ ایک شخص میرے پہلو میں آ کر کھڑا ہوا، نماز کے بعد لوگ ہر طرف سے اس کے پاس سمٹ آئے، دریافت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما یہی ہیں''۔ (۲) وہ اپنے تلامذہ کے ساتھ نہایت محبت کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک دفعہ ان کے گرد بہت بڑا مجمع تھا، ایک شخص اس کو چیرتا ہوا آگے بڑھا، لوگوں نے روکا تو فرمایا ''اس کو آنے دو'' غرض وہ ان کے پاس آ کر بیٹھا اور بولا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان یاد ہو تو بیان کیجئے، فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''مسلم وہ ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں، اور مہاجر وہ ہے جو خدا کی منع کی ہوئی باتوں کو چھوڑ دے''۔ (۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے خرمن علم سے اہل بصرہ نے زیادہ خوشہ چینی کی، کیونکہ ان کے حلقہ درس میں نسبتاً بصرہ والوں کا زیادہ ہجوم رہتا تھا۔ (۴)

ارباب علم کی قدر شناسی: وہ اپنے ذی علم معاصرین کی نہایت عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا گیا تو بولے ''تم لوگوں نے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا جس کو میں اس دن سے بہت دوست رکھتا ہوں، جس دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو اور سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ (۵)

اخلاق: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے زہد و تقویٰ اور کثرت عبادت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے تھے، طبیعت فطرۃً رہبانیت کی طرف مائل تھی، دن عموماً روزوں میں بسر ہوتا اور رات عبادت میں گذر جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر فرمایا: ''عبداللہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے عہد کیا ہے، کہ تمام عمر دن کو روزے رکھو گے، اور رات عبادت میں صرف کرو گے'' بولے ''ہاں! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداك امي وابي وامي) فرمایا کہ ''تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، روزہ رکھو اور افطار کرو، نماز پڑھو اور آرام کرو، مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو، کیونکہ ہر نیکی کا معاوضہ دس گنا ہوتا ہے، لیکن اس کا ثواب تمام عمر روزہ رکھنے کے برابر ہے''۔ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں''۔ ارشاد ہوا کہ ''ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو'' بولے: میں اس سے بھی زیادہ رکھ سکتا ہوں'' حکم ہوا کہ ''ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار، داؤد علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا اور یہ روزوں کی بہترین صورت ہے''۔ عرض کی: میں اس سے بھی بہتر روزے رکھ سکتا ہوں''۔ ارشاد ہوا کہ ''اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں''۔ (۶)

اسلام کا مطمح نظر رہبانیت نہیں، بلکہ انسان کے تمام فطری تعلقات کو خوشگوار بنانا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کو تاکید فرماتے: کہ شوق شہادت میں حقوق عباد کو بھول نہ جائیں، فرماتے ہیں:

۱۔ تھذیب الکمال، ج ۳ ص ۲۰۸　۲۔ مسند احمد، ج ۴ ص ۱۹۸　۳۔ ایضاً ص ۱۹۲

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۳ ص ۳۶　۵۔ مسلم: ۶۳۳۴　۶۔ بخاری: ۱۹۷۷

کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں تشریف لا کر فرمایا کہ "روزے رکھو اور افطار کرو، نمازیں پڑھو اور آرام کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا، تمہاری آنکھوں کا، تمہارے اہل وعیال کا اور تمہارے دوستوں کا تم پر حق ہے"۔ میں نے عرض کی: حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ کیا ہے؟" ارشاد ہوا کہ "نصف عمر"۔(۱) غرض انہوں نے تمام عمر روزوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کی پیروی کی، اور رات کا اکثر حصہ عبادت میں بسر کیا، تلاوت کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر لیتے تھے، لیکن اخیر عمر میں جب کہ قوی مضمحل ہو گئے، تو اس قدر سخت ریاضت دشوار گذرنے لگی، فرمایا کرتے تھے: کاش! میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت قبول کر لیتا" (۲)

ذریعہ معاش: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو اپنے والد سے وراثت میں بہت بڑی دولت اور بہت سے خدام وحشم ملے تھے، طائف میں وہط کے نام سے ان کی ایک جاگیر تھی جس کی قیمت کا سرسری تخمینہ دس لاکھ درہم تھا۔ (۳) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی طرف سے یہاں زراعت ہوتی تھی۔ (۴) ایک مرتبہ حضرت عتبہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا، یہاں تک کہ دونوں طرف سے کشت و خون کی تیاریاں ہو گئی تھیں، حضرت خالد بن العاص رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لئے آئے تو انہوں نے جواب دیا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں قتل کیا جائے، وہ شہید ہے"۔ (۵)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور اس کے شواھد کثیر ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اسے روایت کیا ہے، صحیح بخاری (٦٠) میں اس کے شواھد موجود ہیں۔

۵۔ خصوصیات سند:

- ☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
- ☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ تیرھویں (۱۳) حدیث مبارکہ ہے۔
- ☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں، البتہ ابو یحییٰ مقبول راوی ہیں۔
- ☆ سند کے پہلے راوی مروزی بغدادی، حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، منصور رحمۃ اللہ علیہ، ھلال بن یساف رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کوفی، جبکہ حضرت عمرو بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ بصری اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مصری راوی ہیں۔
- ☆ سند میں دو تابعی راوی ہیں، جو کہ حضرت ھلال بن یساف رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس طرح یہ تابعی کی تابعی سے روایت ہے۔
- ☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے سنن نسائی (صغریٰ) میں مروی یہ پہلی حدیث مبارکہ ہے۔
- ☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ایسے صحابی رسول ﷺ ہیں، جو اپنے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے تھے۔
- ☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے سات سو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
- ☆ سند میں تحویل ہے، جو کہ سند کے لئے تقویت کا باعث ہے۔ بعض کے نزدیک تحویل سند کے ضعف پر دلالت کرتی ہے۔

۱۔ ایضاً: ۱۹۷۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۳ص ۲۶

۴۔ اسد الغابہ، ج ۳ص ۲۳۴ ۵۔ مسند احمد، ج ۱ص ۲۰۶

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبأ نا ایک ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ چار چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رای: آپ ﷺ نے دیکھا
یتوضؤن: وہ وضو کر رہے تھے
تلوح: ظاہر، واضح، چمک رہی تھی، مراد ہے خشک رہ گئی تھیں
اسبغوا: مکمل کرو۔ پورا کرو۔ اچھی طرح کرو

۷۔مسائل ونصائح:

☆ پیروں کو دھونے کی فرضیت، جسم اور روح دونوں کے عذاب کا ثبوت، اور عالم پر غلط بات کو ٹوکنے کی ذمہ داری:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا دھونا فرض ہے، کیونکہ اگر پیروں پر مسح کر لینا کافی ہوتا تو آپ ان کو دوزخ کی آگ کی وعید نہ سناتے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقط روح کو عذاب نہیں ہوگا، بلکہ جسم کو بھی عذاب ہوگا اور یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے، اور جب عالم کسی شخص کو کوئی غلط کام کرتے ہوئے دیکھے تو اس کو بلند آواز سے منع کرے اور سختی کرے اور کسی اہم بات کا بار بار ذکر کرے، کیونکہ آپ نے دو یا تین بار فرمایا تھا: (بے دھلی) ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہو۔

☆ حدیث مذکور کی مؤید دیگر روایات، جن میں اس سفر اور اس نماز کا بیان ہے

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ آ رہے تھے، حتیٰ کہ جب ہم راستہ میں پانی کے پاس سے گزرے تو بعض مسلمانوں نے عصر کی نماز کے لئے عجلت کی اور انہوں نے جلدی جلدی وضو کیا، حتیٰ کہ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو ان کی ایڑیاں خشک تھیں، جن کو پانی نے نہیں چھوا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (بے دھلی) ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہوگا، وضو مکمل کیا کرو۔(۱)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے تھے، پھر آپ ہم سے آملے، اس وقت عصر کی نماز کھڑی ہو چکی تھی، ہم اپنے پاؤں پر مسح کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا: (بے دھلی) ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہوگا۔(۲)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا، جس نے اپنی ایڑیوں کو نہیں دھویا تھا، آپ نے فرمایا: (بے دھلی) ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہوگا۔(۳)

☆ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحابہ نے نماز کو افضل وقت سے کیوں مؤخر کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس حرص میں نماز کو مؤخر کیا تھا کہ وہ اس نماز کو نبی ﷺ کے ساتھ مل کر پڑھ لیں گے، لیکن جب دیر زیادہ ہوگئی اور ان کو نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہوا تو پھر انہوں نے جلدی کی اور عجلت سے وضو کرنے لگے۔(۴)

۱۔ i- مسلم:۲۴۱ ii- ابوداؤد:۹۷ iii- نسائی:۱۱۱ iv- ابن ماجہ:۴۵۰
۲۔ مسلم، کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء:۲۷ ۳۔ مسلم:۲۴۲
۴۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۳۰۱۔۳۰۲

☆علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، اہل فتویٰ فقہاء کی ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ پیروں کو ٹخنوں تک دھونا واجب ہے اور پیروں پر مسح کرنا ناجائز نہیں ہے اور پیر دھونے کے ساتھ مسح کرنا واجب نہیں ہے اور جب لوگوں کا اجماع معتبر ہے ان میں سے کسی ایک کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف منقول نہیں ہے اور فرقہ شیعہ نے کہا ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے اور محمد بن جریر اور رئیس معتزلہ جبائی نے کہا ہے کہ پیروں پر مسح کرنے اور ان کو دھونے میں اختیار ہے اور بعض اہل ظاہر (غیر مقلدین) نے کہا ہے کہ مسح کرنے اور دھونے کو جمع کرنا واجب ہے۔(۱)

☆وضو میں پیروں پر مسح کرنے کے متعلق علماء شیعہ کے دلائل:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

جو لوگ پیروں پر مسح کرنے کے قائل ہیں انہوں نے قرآن مجید میں جر (زیر) کی قرأت سے استدلال کیا ہے۔ وامسحوا برء وسکم وارجلکم۔ اپنے سروں اور پیروں پر مسح کرو۔ اس آیت میں ممسوح کا ممسوح پر عطف ہے، وضو کے اعضاء چار ہیں، دو اعضاء کو دھویا جاتا ہے اور دو پر مسح کیا جاتا ہے۔ مسح کے قائلین حسب ذیل روایات سے بھی استدلال کرتے ہیں:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ روایت پہنچی کہ حجاج نے خطبہ میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چہروں، ہاتھوں اور پیروں کو دھونے کا حکم دیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور حجاج نے جھوٹ بولا، پھر انہوں نے پڑھا: وامسحوا برء وسکم وارجلکم۔ اپنے سروں اور پیروں پر مسح کرو۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ وضوء میں دو چیزوں کو دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا ہے،

۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسح کرنے کا حکم دیا ہے اور لوگ اس کا انکار کر کے دھوتے ہیں۔

۴۔ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اچھی طرح نماز نہیں پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: جب تک تم میں سے کوئی شخص اس طرح مکمل وضو نہیں کرے گا جس طرح اللہ تعالیٰ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے اس وقت اس کی نماز مکمل نہیں ہوگی، وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو دھوئے اور اپنے سر اور پیروں پر مسح کرے۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضوء کیا تو انہوں نے ایک چلو میں پانی لے کر اپنے دائیں پیر پر چھڑکا، جس میں ان کی جوتی تھی، پھر انہوں نے مسح کیا، پھر دوسرے پیر پر یہی عمل کیا۔ قرآن مجید کی آیت مذکورہ میں جر کی قرأت اور احادیث مذکورہ کے علاوہ شیعہ علماء ایک عقلی دلیل سے بھی استدلال کرتے ہیں:

جو اعضاء وضوء میں دھوئے جاتے ہیں تیمم مین ان پر مسح کیا جاتا ہے اور جن اعضاء پر وضو میں مسح کیا جاتا ہے تیمم میں ان کو ترک کردیا جاتا ہے، اگر وضو میں پیروں کا دھونا اصل ہوتا تو تیمم میں پیروں پر مسح کیا جاتا اور جب کہ تیمم میں پیروں کو ترک کردیا جاتا ہے، تو معلوم ہوا کہ وضو

۱۔ شرح مسلم، ج۱، ص۲۴

میں پیروں پرمسح کرنا اصل ہے۔(۱)

☆ آیت وضو میں قرأت جر سے علماء شیعہ کے استدلال کے جوابات:

قرآن مجید کی آیت کریمہ میں قرأت جر کی تقدیر پر بھی ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے اور اس پر زیر جوار کی وجہ سے ہے، اس کی نظیر یہ آیت ہے:

إِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ (۲) بیشک میں تم پر دردناک عذاب کے دن کا خوف رکھتا ہوں۔

اس آیت میں الیم عذاب کی صفت ہے اس اعتبار سے اس پر نصب (زبر) ہونی چاہئے تھی لیکن چونکہ اس کے جوار میں یوم پر تنوین ہے اس لئے اس کو بھی زیر دی گئی اس کو جوار کہتے ہیں، اسی طرح ارجلکم کا عطف وجوھکم اور ایدیکم پر ہے اس وجہ سے اس پر نصب ہونی چاہیے تھی لیکن اس کے جوار میں برؤسکم چونکہ مجرور ہے اس لئے اس کو بھی جر دی گئی لہٰذا یہ زیر جوار ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم کا عطف برء وسکم پر ہے اور اس سے پہلے وامسحوا مقدر ہے لیکن وامسحوا برء وسکم میں مسح کا معنی حقیقی مراد ہے یعنی گیلا ہاتھ پھیرنا اور وامسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی دھونا اہل عرب کہتے ہیں مسح المطر الارض بارش نے زمین کو دھوڈالا سو مسح مجازاً دھونے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مراد ہے، معطوف علیہ میں حقیقت اور معطوف میں مجاز مراد ہو سکتا ہے، قرآن مجید میں اس کی نظیر یہ آیت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُواْ مَا تَقُولُونَ وَلاَ جُنُباً إِلاَّ عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا (۳) اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ تم یہ سمجھنے لگو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مسجد کے قریب جاؤ، حتیٰ کہ تم غسل کرلو،

الا یہ کہ تم نے (مسجد میں صرف) رستہ عبور کرنا۔ اس آیت میں ولا جنبا کا عطف ولاتقربوا الصلوٰۃ پر ہے اور اس سے پہلے بھی ولاتقربوا الصلوٰۃ مقدر ہے لیکن معطوف علیہ میں الصلوٰۃ کا معنی حقیقتاً مراد ہے یعنی نماز، اور معطوف میں الصلوٰۃ کا معنی مجازاً مراد ہے یعنی مسجد اور محل صلوٰۃ۔ اسی طرح آیت وضو میں وامسحوا برئوسکم میں مسح کا حقیقی معنی مراد ہے اور وامسحوا بارجلکم میں مسح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی دھونا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ ارجلکم اور اَرْجُلِکُم دو متواتر قرأتیں ہیں اور جس طرح قرآن مجید کی آیات میں باہم تعارض نہیں ہے اسی طرح قرآن مجید کی قرأت میں بھی باہم تعارض نہیں ہے اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں کا دھونا اور ارجلکم کا معنی ہے پیروں پر مسح کرنا، اسی لئے ارجلکم کی قرأت اس حال پر محمول ہے جب وضو کرنے والے نے موزے نہ پہنے ہوں اور ارجلکم کی قرأت اس حال پر محمول ہے، جب اس نے موزے پہنے ہوئے ہوں، یعنی جب موزے پہنے ہوں تو پیروں پر مسح کرلو اور جب موزے نہ پہنے ہوں تو پیروں کو دھولو، اس طرح ان دونوں قرأتوں میں کوئی تعارض نہیں رہے گا۔

۱۔ المجموع شرح المھذب، ج۱، ص ۴۱۸

۲۔ ھود: ۲۶

۳۔ نساء: ۴۳

☆ علماء شیعہ کی پیش کردہ روایات کے جوابات:

شیعہ علماء نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے اس کے جواب میں علامہ نووی لکھتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حجاج بن یوسف پر اس لئے رد کیا تھا کہ اس نے آیت وضو سے پیروں کے دھونے پر استدلال کیا تھا، جبکہ اس آیت میں جو کی قرأت بھی ہے، ان کے نزدیک پیروں کے دھونے پر صحیح استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہے، لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ پیروں کے دھونے میں حجاج کے موافق ہیں اور اس آیت سے پیروں کے دھونے پر استدلال میں اس کے مخالف ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پیروں کے دھونے کے متعلق بہ کثرت احادیث مروی ہیں اور وہ خود بھی اپنے پیروں کو دھوتے تھے۔

علماء شیعہ نے حضرت ابن عباس کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ وضو میں دو چیزوں کو دھونا ہے اور دو چیزوں پر مسح کرنا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور نہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے معروف ہے، اس کی سند ضعیف ہے، اور صحیح اور ثابت یہ ہے کہ حضرت ابن عباس وارجلکم قرأت کرتے تھے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خود اپنے پیروں کو دھوتے تھے اور دھونے کی احادیث روایت کرتے تھے۔ اس لئے اس کے خلاف جو روایات ان سے مروی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ اور حضرت رفاعہ کی روایت میں جو پیروں کے مسح کرنے کا ذکر ہے وہ اس حال پر محمول ہے جب اس نے موزے پہنے ہوں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو پیروں پر پانی چھڑکنے کی روایت ہے وہ ضعیف ہے، امام بخاری نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کے برعکس بہ کثرت صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کرتے ہوئے نعلین میں پیروں کو دھویا۔(۱)

☆ پیروں کے دھونے کے ثبوت میں احادیث اور آثار کا بیان:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

عن عبداللہ بن عمرو قال تخلف النبی علیہ السلام عنافی سفرۃ فادر کنا وقد ارھقنا العصر فجلعلنا نتوضا ونمسح علی ارجلنا فنادی باعلی صوتہ ویل للا عقاب من النار مرتین اوھلفا(۲)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے تھے، پھر آپ نے ہم کو پایا، درآں حالیکہ ہم نے عصر کو موخر کر دیا تھا، ہم اس وقت وضو کر رہے تھے اور اپنے پیروں پر مسح کر رہے تھے آپ نے دو یا تین بار بلند آواز سے فرمایا خشک ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔(۳)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن زیاد قال سمعت اباھریرۃ وکان یمربنا والناس یتوضؤن من المطھرۃ وقال اسبغوا الوضوء فان ابا القاسم علیہ السلام قال ویل للاعقاب من النار۔(۴)

محمد بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ لوگ برتن سے پانی لے کر وضو کر رہے تھے، اس وقت وہاں سے حضرت ابو ہریرہ گذرے تو انہوں نے کہا مکمل وضو کرو کیونکہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے خشک ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

۱۔ المجموع شرح المہذب، ج ۱ ص ۴۲۱
۲۔ بخاری، ج ۱ ص ۲۸
۳۔ مسلم، ج ۱ ص ۱۲۵۔۱۲۴
۴۔ بخاری، ج ۱ ص ۲۸

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن عمر بن الخطاب ان رجلا توضا فترك موضع ظفر علی قدمه فابصره النبی ﷺ فقال ارجع فاحسن وضوءك فرجع ثم صلی ۔(۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اپنے پیر میں ایک ناخن جتنی جگہ چھوڑ دی، نبی ﷺ نے اس جگہ کو دیکھ لیا اور فرمایا جاؤ اچھی طرح اپنا وضو کرو، وہ لوٹ گیا اور پھر نماز پڑھی۔

عن حمران ان عثمان بن عفان دعا بوضوء فتوضا فغسل کفیه ثلاث مرات ثم مضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاث مرات ثم غسل یده الیمنی الی المرفق ثلاث مرات ثم غسل یده الیسری مثل ذلك ثم مسح براسه ثم غسل رجله الیمنی الی الکعبین ثلاث مرات ثم غسل الیسری مثل ذلك ثم قال رایت رسول الله ﷺ توضا نحو وضوئی هذا۔(۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے وضو کے لئے پانی منگایا اور وضو کرنا شروع کیا، تین بار ہتھیلیوں کو دھویا، پھر کلی کی، اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنے چہرے کو تین بار دھویا، پھر اپنے دائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر بائیں ہاتھ کو کہنی سمیت تین بار دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر دایاں پیر ٹخنوں تک تین بار دھویا، پھر اسی طرح بایاں پیر دھویا، پھر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا توضا العبد المسلم اوالمؤمنین فغسل وجهه خرج من وجهه کل خطیئة نظر الیها بعینه مع الماء اومع اخرقطر الماء فاذا غسل یدیه خرج من یدیه کل خطیئة کان بطشتها یداه مع الماء اومع اخر قطرالماء فاذا غسل رجلیه خرجت کل خطیئة مشتها رجلاه مع الماء اومع اخرقطرالماء حتی یخرج نقیا من الذنوب۔ (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ مسلم وضو کرتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرے سے ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس نے دیکھا ہو، اور جب وہ ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے ہاتھوں سے ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے پکڑا ہو، اور جب وہ اپنے پیر دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کا ہر وہ گناہ نکل جاتا ہے جس میں وہ اپنے پیروں سے چلا تھا، حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہو کر نکلتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

عن ابراهیم قال سالت الاسودا کان عمر یغسل قدمیه؟ قال نعم کان یغسلها غسلا۔(۴)

ابراہیم کہتے ہیں میں نے اسود سے سوال کیا: کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیروں کو دھوتے تھے؟ انہوں نے کہا ہاں! وہ پیروں کو دھوتے تھے!۔

عن ابن غرباء ان عمر بن الخطاب رای رجلا غسل ظاهر قدمیه وترك باطنهما فقال لم ترکتهاللنار۔(۵)

ابن غرباء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جس نے اپنے پیروں کے ظاہری حصہ کو دھویا اور باطنی حصہ کو چھوڑ دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ان پیروں کو آگ کے لئے کیوں چھوڑ دیا۔

۱۔ مسلم، ج۱، ص۱۲۵ ۲۔ مسلم، ج۱، ص۱۲۰۔۱۱۹ ۳۔ مسلم، ج۱، ص۱۲۵

۴۔ المصنف، ج۱، ص۲۶ ۵۔ المصنف، ج۱، ص۲۶

عن الحارث عن علی غسل القدمین الی الکعبین۔(۱)

حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیروں کو ٹخنوں سمیت دھوتے تھے۔

عن ابی حیة قال رایت علیا توضا فغسل قدمیه الی الکعبین وقال اردت ان اریکم طهور نبیکم ﷺ (۲)

ابوحیہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور پیروں کو ٹخنوں سمیت دھویا اور کہا میں نے یہ ارادہ کیا کہ تم کو تمہارے نبی ﷺ کے وضو کا طریقہ دکھاؤں۔

عن عکرمة عن ابن عباس انه قرا وارجلکم یعنی رجع الامر الی الغسل (۳)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرأت کی وارجلکم یعنی انہوں نے پیر دھونے کی طرف رجوع کرلیا۔

عن الربیع قالت کان رسول الله ﷺ یاتینا فتوضا فغسل رجلیه ثلاثا۔(۴)

ربیع رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لاتے تھے، آپ وضو فرماتے تھے اور تین بار پیروں کو دھوتے تھے۔

عن محمد بن محمود قال رای رسول اللهﷺ رجلا اعمٰی یتوضا فغسل وجهه ویدیه فجعل النبیﷺ یقول باطن قدمیك فجعل یغسل باطن قدمیه (۵)

محمد بن محمود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نابینا شخص کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، اس نے چہرہ اور ہاتھ دھوئے، نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے پیروں کے نچلے حصے کو دھوؤ، تو وہ اپنے پیروں کے نچلے حصہ کو دھونے لگا۔

عن عبدالملك عن عطاء قال قلت له ادرکت احد امنهم یمسح علی القدمین قال محدث،(۶)

عبدالملک عطاء سے روایت کرتے ہیں میں نے ان سے کہا ایک شخص ان میں سے پیروں پر مسح کرتا ہے، انہوں نے کہا وہ بدعتی ہے۔

عن یزید مولیٰ سلمة کان سلمة یغسل قدمیه ۔(۷)

سلمہ کے غلام یزید بیان کرتے ہیں کہ سلمہ پیروں کو دھوتے تھے۔

☆ علماء شیعہ کی عقلی دلیل کا جواب:

علماء شیعہ نے کہا ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ وہ وضوء میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے ان پر تیمم میں مسح کیا جاتا ہے اور وضوء میں جن اعضا پر مسح کیا جاتا ہے تیمم میں ان کو ترک کردیا جاتا ہے، سو اگر وضو میں پیروں کے دھونے کا حکم ہوتا تو تیمم میں ان پر مسح ہوتا اور جب کہ تیمم میں پیروں کو ترک کردیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ وضو میں پیروں کا حکم مسح کرنا ہے۔

اس دلیل کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے نہ کسی حدیث میں، یہ محض ان کی ذہنی اختراع ہے، اللہ تعالیٰ نے وضو میں جن اعضاء کو دھونے کا حکم دیا ہے اور وہ چہرہ ہاتھ اور پیر ہیں تو ان کو دھویا جائے گا اور جس عضو پر مسح کا حکم دیا ہے وہ سر ہے تو اس پر مسح کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے تیمم کے لئے قیاس کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ احادیث میں صریح حکم ہے کہ چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جائے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس اور قاعدہ غسل سے ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ تیمم جس طرح وضو کی فرع ہے اسی طرح غسل کی فرع ہے اور

۱۔ المصنف، ج۱ص۲۶ ۲۔ المصنف، ج۱ص۲۶ ۳۔ المصنف، ایضاً
۴۔ المصنف، ج۱ص۲۷ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً ۷۔ ایضاً

جب تیمم میں چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جاتا ہے اور باقاعدہ بدن کو ترک کیا جاتا ہے تو چاہیے کہ غسل میں صرف چہرے اور ہاتھوں کو دھولیا جائے اور باقی بدن پر مسح کرلیا جائے اور جب کہ بالاتفاق غسل میں ایسا نہیں کیا جاتا تو معلوم ہوا کہ یہ قاعدہ اور قیاس فاسد ہے۔

تمام اعضاء وضو کو مکمل طور پر دھونے کا استحباب:

عن جابر قال اخبرني عمر ابن الخطاب ان رجلاً توضأ فترك موضع ظفر على قدمه فابصره النبي ﷺ فقال ارجع فاحسن وضوءك فرجع ثم صلى۔ (۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اپنے پیر میں ناخن جتنی جگہ چھوڑ دی، نبی ﷺ نے اس کو دیکھا تو فرمایا جاؤ اچھی طرح وضو کرو، وہ واپس گیا اور پھر نماز پڑھی۔

☆ وضو اور تیمم میں اعضا طہارت کے کسی جز کی طہارت کے ترک ہو جانے کا حکم:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں جن اعضاء کا دھونا فرض ہے، ان میں سے اگر تھوڑی سی جگہ بھی رہ گئی تو وہ وضو صحیح نہیں ہوگا، اس پر سب کا اتفاق ہے، اور اگر تیمم میں تھوڑی سی جگہ رہ گئی تو اس میں اختلاف ہے، ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ تیمم بھی وضو کی طرح صحیح نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں تین روایات ہیں: (۱) اگر نصف سے کم عضو پر تیمم نہیں ہوا تو جائز ہے۔ (۲) اگر ایک درہم سے کم مقدار پر تیمم نہیں ہوا تو جائز ہے۔ (۳) اگر چوتھائی یا اس سے کم عضو کو ترک کر دیا تو جائز ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اگر کسی شخص نے مسئلہ سے ناواقفیت کی بناء پر طہارت کی جگہ طہارت نہیں کی تو اس کی طہارت صحیح ہوگی، اور یہ کہ جس مسئلہ کا علم نہ ہو۔ اس کو ملائمت سے مسئلہ کی تعلیم دینی چاہیے، علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ وضو میں پیروں کو دھونا فرض ہے، اور مسح کرنا جائز نہیں ہے، کیوں کہ جس شخص کا وضو میں ایک ناخن کے برابر خشک رہ گیا تھا اس کو نبی ﷺ نے دوبارہ وضو کرنے کا حکم دیا۔ (۲)

☆ ویل۔ جہنم کی ایک وادی ہے۔ جس کی حرارت کا یہ عالم ہے کہ اگر پہاڑ اس میں ڈال دیئے جائیں تو پگھل جائیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ویل جہنمیوں کی راد، پیپ کو کہتے ہیں۔ ویسے عموماً عرب ویل کا لفظ اس شخص کے لئے بولتے ہیں جو ایسا کام کرے جو اس کی شان کے خلاف ہو۔ ویح کا لفظ بھی ویل کے ہم معنی بولا جاتا ہے اور اس کے اصل معنی ہلاکت اور عذاب کے ہیں۔ حدیث ہذا سے معلوم ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے اور دھونے کے معنی یہ ہیں کہ پانی عضو پر ایک بار بہہ جائے۔ محض تیل کی طرح چپڑ لینے کو دھونا نہیں کہتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اعضائے وضو سے کوئی عضو ذرا بھی خشک رہ گیا تو وضو درست نہ ہوگا۔

اگرچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تمسح کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ ابتدا میں پاؤں کا مسح کیا جاتا تھا۔ پھر یہ منسوخ ہوگیا اور وضو میں پاؤں دھونا فرض قرار پایا لیکن اگر یہ بات ہوتی تو حضور ﷺ مسح کی منسوخی کے لئے ویل کا لفظ استعمال نہ فرماتے کیونکہ وعید اس مقام پر سنائی جاتی ہے جہاں لوگ کسی حکم شرعی میں کوتاہی کر رہے ہوں۔ لفظ ویل تو قرینہ ہے اس بات کا کہ وضو کرنے والے پاؤں دھونے میں احتیاط نہیں برت رہے تھے۔ یعنی ایسے دھو رہے تھے کہ ایڑیاں خشک رہ گئی تھیں۔ چنانچہ حدیث مسلم اس کی تائید کرتی ہے۔ اس میں یہ وضاحت ہے کہ یہ سفر مکہ سے مدینہ کی طرف تھا۔

۱۔ مسلم: ۴۸۴
۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۸۸۷۔۸۹۵۔

راستہ میں نماز کا وقت ہو گیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جلدی میں وضو کرنے لگے۔ "وھم عجال" اور اسی جلدی میں دھونے کی وجہ سے ایڑیاں خشک رہ گئیں۔ اس پر حضور ﷺ نے وعید سنائی اور فرمایا: ویل للا عقاب۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ ان دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ موزے پہننے کی صورت میں مسح کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔

☆ ہمارے ہاں مروج اون، پشم، کاٹن، کپڑے وغیرہ، سے بنائی گئی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، صرف موزے پر مسح جائز ہے، جو کہ چمڑے، ریکسین وغیرہ کے بنے ہوتے ہیں، بشرطیکہ ان کے اوپر پانی ڈالنے سے پانی پاؤں تک نہ پہنچتا ہو۔

☆ دونوں احادیث میں مذکور واقعہ ایک ہی ہے اور یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کرتے ہوئے پیش آیا۔

☆ عالم دین کو چاہیے کہ اگر لوگوں میں غلطی دیکھے تو اس کی فوری اصلاح کی کوشش کرے۔

☆ عالم یا کسی بھی بڑے کا دوسروں کو سمجھانے کے لئے بلند آواز سے بات کہنا جائز ہے۔

☆ وضو میں تین اعضاء (ہاتھ، چہرہ، پاؤں) کا دھونا فرض ہے، اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔

☆ عذاب روح کے ساتھ ساتھ جسم کو بھی ہوگا، کیونکہ آپ ﷺ نے خشک رہنے والی ایڑیوں کے لئے دوزخ کی وعید سنائی ہے۔

☆ وضو سکون واطمینان کے ساتھ اچھی طرح مکمل کرنا چاہیے۔

☆ دوران وضو، چہرے اور پاؤں میں سے بال برابر بھی جگہ خشک رہ جائے، تو وضو نہ ہوگا۔

☆ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔

باب ۹۰: بِأَيِّ الرِّجْلَيْنِ يَبْدَأُ بِالْغَسْلِ — پہلے کون سا پاؤں دھونا چاہیے

حضور نبی کریم ﷺ ہر پسندیدہ اور تزئین والے کام کی ابتداء دائیں طرف سے کرنا پسند کرتے تھے، اسی طرح جوتا پہنتے، وضو میں اعضاء دھوتے وقت بھی دائیں طرف سے ابتداء فرماتے تھے، اس باب میں اسی سنت مبارکہ کا بیان ہے۔ پچھلے باب میں پاؤں دھونے کا بیان تھا، اور اس باب میں دائیں پاؤں کو پہلے دھونے کا بیان ہے۔

۱۱۱۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْأَشْعَثُ قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ - رضي الله عنها - وَذَكَرَتْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحِبُّ التَّيَامُنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي طُهُورِهِ وَنَعْلِهِ وَتَرَجُّلِهِ قَالَ شُعْبَةُ ثُمَّ سَمِعْتُ الْأَشْعَثَ بِوَاسِطٍ يَقُولُ يُحِبُّ التَّيَامُنَ فَذَكَرَ شَأْنَهُ كُلَّهُ ثُمَّ سَمِعْتُهُ بِالْكُوفَةِ يَقُولُ يُحِبُّ التَّيَامُنَ مَا اسْتَطَاعَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی کریم ﷺ طہارت و پاکیزگی، جوتا پہننے اور کنگی کرنے میں ممکنہ حد تک دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت اشعث رحمۃ اللہ علیہ سے شہر واسط میں سنا کہ: آپ ﷺ تمام امور میں دائیں طرف کو پسند فرماتے تھے۔ اسی طرح میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے شہر کوفہ میں بھی سنا کہ: آپ ﷺ ممکنہ حد تک دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے۔

۱۔ فیوض الباری، ج ۱، ص ۳۴۳

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام امور میں دائیں جانب سے ابتدا کرنے کو پسند فرماتے تھے۔
مطابقت یہ ہے کہ پاؤں دایاں اور بایاں ہیں، اس لئے
سنت مستحبہ یہ ہے کہ پاؤں دھوتے وقت دائیں پاؤں سے ابتدا کی جائے۔

۲۔اطراف:

تقدم:۱۱۸، ۵۲۵۵، بخاری:۱۶۸، ۴۴۶، ۵۳۸۰، ۵۸۵۴، مسلم:۲۶۶، ۲۶۸، ابوداؤد:۴۱۴۰، ترمذی:۶۰۸، ۶۰۸، ابن ماجہ:۴۰۱، احمد:۲۴۶۸۱، السنن الکبریٰ:۱۱۶، تحفۃ الاشراف:۱۷۶۵۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی راویوں کے حالات درج ذیل ہیں:

۱۔محمد بن عبدالاعلی: راجع:۶۸ **۲۔خالد:** راجع:۴۷

۳۔شعبۃ: راجع:۱۰۶

۴۔الاشعث:

آپ کا نام اشعث بن ابی شعثاء محاربی کوفی (م:۱۲۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔ابوالشعثاء:

آپ کا نام ابوشعثاء سلیم بن اسود بن حنظلہ محاربی کوفی (م:۱۳۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ کبار سے ثقہ تابعی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۶۔مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: مسروق نام، ابوعائشہ کنیت، ان کے والد کا نام اجدع اور اسلامی نام عبدالرحمٰن تھا۔وہ یمن کے مشہور خاندان ہمدان کے سرداراور عرب کے نامور شہسوار عمرو بن معدیکرب کے عزیز تھے، نسب نامہ یہ ہے: مسروق بن اجدع (عبدالرحمٰن) بن مالک بن امیہ بن عبداللہ بن مر بن سلمان بن معمر بن حارث بن سعد بن عبداللہ بن وداعہ بن عمرو بن عامر بن ناشح ہمدانی۔

اسلام: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا۔عہد رسالت میں موجود تھے۔ان کے گھرانے کے افراد اسی عہد میں مسلمان ہو گئے تھے۔خود ان کے عزیز حضرت عمرو بن معدیکرب نے مدینہ منورہ جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر اسلام قبول کیا تھا۔(۳) لیکن

۱۔ i۔تھذیب الکمال، ج۳ص۲۷۲ ii۔الجرح والتعدیل، ج۲ص۲۷۰

۲۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲ص۲۳۸ ii۔تاریخ الثقات، ص۲۰۱ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج۵ص۳۸۴

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ اس عہد میں اس شرف سے محروم رہے۔ان کے زمانۂ اسلام کا صریح تذکرہ نہیں ملتا۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، وہ عہد صدیقی میں مسلمان ہو چکے تھے۔طبقات ابن سعد میں خود ان کی زبانی یہ روایت ملتی ہے: کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔(۱)

عہد فاروقی: عہد فاروقی میں حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نمایاں نظر آتے ہیں۔فاروقی عہد میں ایک مرتبہ وہ یمن کے وفد میں آئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے نام ونشان پوچھا، انہوں نے بتایا مسروق ابن اجدع۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اجدع شیطان ہے۔تم مسروق بن عبدالرحمٰن ہو۔اس وقت سے ان کے والد کا نام بدل گیا۔ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے نہیں، بلکہ ان کے والد ہی سے نام پوچھ کر اجدع کے بجائے عبدالرحمٰن تجویز کیا تھا۔(۲) بہر حال ان دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی میں باپ بیٹا دونوں مدینہ آئے تھے۔

☆ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ یمن کے نامور شہسواروں میں تھے۔عہد فاروقی میں اپنے بھائی حضرت عبداللہ، ابوبکر اور منتشر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قادسیہ کے مشہور معرکہ میں شریک ہوئے، تینوں بھائی شہید ہوئے حضرت مسروق کا لڑتے لڑتے ہاتھ شل ہو گیا، اور سر میں گہرا زخم آ گیا۔جس کا نشان ہمیشہ باقی رہا۔اس نشان کو وہ بہت محبوب رکھتے تھے، کہ شجاعت وجانبازی کی سند تھا۔اور اس کا مٹ جانا ناپسند کرتے تھے۔(۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت: حضرت مسروق کی یہ شجاعت وشہامت اسلام کی خدمت کے لئے اور غیروں کے مقابلہ میں تھی۔مسلمانوں کی خانہ جنگی میں ان کی تلوار نیام میں رہی۔عثمانی عہد کے ہنگاموں میں انہوں نے کسی جانب سے حصہ نہیں لیا۔لیکن بحیثیت خیر خواہ اسلام کے وہ اپنے شہر (کوفہ) والوں کو اہل مدینہ کی اعانت اور حمایت پر آمادہ کرتے تھے۔(۴)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب جنگ جمل کی تیاریاں شروع ہوئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو حصول مدد کے لئے کوفہ بھیجا، تو سب سے پہلے حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملے اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''ابوالیقظان! تم لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس بات پر شہید کر دیا'' انہوں نے جواب دیا اپنی آبرو ریزی اور مار پر، حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے کہا: خدا کی قسم! تم لوگوں نے جتنی سزا پائی تھی، اس سے زیادہ انتقام لیا، اگر تم نے صبر کیا ہوتا۔تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر تھا۔(۵)

خانہ جنگی سے احتراز: جنگ جمل سے خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ جنگ صفین تک جاری رہا، حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کسی میں حصہ نہیں لیا۔کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔یہاں رہ کر حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کے لئے بچنا مشکل تھا، اس لئے وہ اپنے کو بچانے کے لئے کوفہ چھوڑ کر قزوین چلے گئے تھے۔(۶)

امام شعبی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کسی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ تھے۔جب ان سے پوچھا جاتا: کہ تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔تو کہتے میں تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں: کہ فرض کرو کہ جب ہم لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوں اور فریقین اسلحہ نکال کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں۔اس وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے آسمان میں کوئی دروازہ کھل جائے، اور اس سے فرشتے اتر کر دونوں صفوں کے درمیان آ کر کہیں:

۱۔ ایضاً ۲۔ ایضاً، ج ۶، ص ۵۰ ۳۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۱۸۵
۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ۶۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۳۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلاَّ أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ وَلاَ تَقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً (۱)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ مگر یہ تمہاری رضامندی سے تجارت سے حاصل ہو، اور اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحیم ہے''۔

تو ان کا یہ کہنا فریقین کے لئے جنگ سے مانع ہوگا یا نہیں۔ لوگ جواب دیتے، ضرور ہوگا، اس وقت حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کہتے'' خدا کی قسم! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا آسمان کا دروازہ کھول چکا ہے، اور اس کے راستہ سے ایک فرشتہ اتر کر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حکم سنا چکا ہے، جو صحائف میں موجود ہے، اور اس کو کسی شے نے منسوخ نہیں کیا ہے۔ (۲)

ایک دوسری روایت میں حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کہ جب مؤمنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑنے کے لئے صف بستہ ہوں اور اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ نمودار ہو کر ندا دے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَأْكُلُواْ أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (۳)

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ''۔

تو تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا لوگ جنگ کریں گے یا رک جائیں؟ میں نے کہا: اگر وہ بے حس اور جامد پتھر نہیں ہیں، تو ضرور رک جائیں گے، یہ جواب سن کر انہوں نے کہا: تو خدا تعالیٰ کا ایک سماوی صفی اس حکم کے ساتھ ایک ارضی صفی پر نازل ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ نہ رکے، حالانکہ ایمان بالغیب عینی مشاہدہ کے بعد کے ایمان سے بہتر ہے، ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود کنارہ کش رہے، بلکہ عام مسلمانوں کو روکنے کے لئے صفین کے میدان تک گئے۔ اور دونوں صفوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر یہ وعظ سنا کر لوگوں کو جنگ سے روکتے تھے۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ خود شریک ہوئے اور کسی حیثیت سے بھی صفین میں نہیں گئے۔

قضاءت: اموی دور میں کچھ دنوں قاضی رہے۔ (۴)

وفات: ۶۳ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے، زندگی ہمیشہ سے متوکلانہ تھی دنیا سے کبھی دامن دولت آلودہ نہ ہوا تھا۔ قضاءت کے زمانہ میں بھی کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے۔ (۵) کفن کے لیے کوڑی تک نہ تھی۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت مسروق نے مرتے وقت کفن تک کی قیمت نہ چھوڑی اور اس کے لئے قرض کی وصیت کی، مگر یہ ہدایت کردی کہ زراعت پیشہ اور چرواہے سے نہ لیا جائے۔ بلکہ مویشی رکھنے والے یا تجارت پیشہ سے لیا جائے۔ دم آخر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا'' خدایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت کے خلاف طریقہ پر نہیں مر رہا ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے اپنی تلوار کے علاوہ کسی انسان کے پاس کوئی سونا اور چاندی نہیں چھوڑا ہے۔ اسی کے ذریعہ مجھے کفنانا، (غالباً اس سے تلوار بیچ کر روپیہ حاصل کرنے کی طرف اشارہ تھا)۔ ان وصایا کے بعد سلسلہ وسط میں وفات پائی اور یہیں سپرد خاک کئے گئے۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ مزار مبارک روحانی فیض کا مرکز ہے:

آپ کی وفات کے بعد بھی ان کا روحانی فیض جاری رہا۔ خشک سالی کے مواقع پر خلق اللہ ان کے مزار پر انوار پر جمع ہو کر پانی کے لئے دعا کرتی تھی، اور اس کی برکت سے پانی برستا تھا۔ (۶)

۱۔ النساء ۴:۲۹ ۲۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۵۱-۵۲ ۳۔ النساء ۴:۲۹

۴۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۵۱ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً، ج ۶، ص ۵۶

فضل وکمال: علمی اعتبار سے علمائے تابعین میں تھے، انہیں آغاز عمر ہی سے طلب علم کا ذوق تھا، علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ ان سے زیادہ علم کا طلب کرنے والا کوئی نہ تھا، (۱) خوش قسمتی سے انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی شفیق اور فاضلہ ماں مل گئی تھیں، جو انہیں اپنے لڑکے کی جگہ سمجھتی تھیں، حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کو مادرانہ محبت تھی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کو متبنیٰ بنالیا تھا۔ (۲) حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی شوق وجستجو اور ان دونوں بزرگوں کے فیض صحبت نے حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کو علماء اعلام میں بنادیا۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کو فقیہ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔ علامہ نووی، لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، توثیق، فضیلت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۳) حضرت مرہ کہا کرتے تھے: کہ کوئی ہمدانی عورت حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ جیسا فرزند پیدا نہ کرسکی۔ (۴)

حدیث وسنت: حدیث وسنت میں حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا علم خاصہ وسیع تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کانت له احادیث صالحة" (۵) اس فن میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، کعب بن ارت، عبداللہ بن عمر، ابن عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے اکابر صحابہ سے فیض پایا تھا۔ حدیث کے ساتھ وہ سنت کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ (۶)

فقہ وفتاویٰ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا خاص فن فقہ تھا۔ اس میں وہ امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں تھے، جن کا شغل ہی درس وافتا تھا۔ (۷) افتا میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ علامہ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ افتا میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ سے فائق تھے۔ وہ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ (۸) اور خود حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ ان کے مشورہ سے بالکل بے نیاز تھے۔ (۹)

قضاءت: اس فقہی کمال کی بنا پر انہیں قضاءت میں خاص ملکہ تھا، اور یہ مشغلہ ان کے پسند خاطر بھی تھا۔ قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلوں میں ان سے مشورہ لینا اس کی سب سے بڑی سند ہے، وہ اموی دور میں کچھ دنوں قاضی بھی رہے، انہیں قضاء سے اس قدر ذوق تھا، کہ کہا کرتے تھے: کہ مجھے کسی قضیہ میں صحیح اور حق کے موافق فیصلہ کرنا ایک سال کے جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہے۔ (۱۰)

خشیت الٰہی: تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ اصل علم خوف خدا کو سمجھتے تھے اور اس کے مقابلہ میں غرور علم کو جہل تصور کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ انسان کے لئے یہ علم کافی ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے اور جہل یہ ہے کہ اپنے علم پر غرور کرے۔ (۱۱)

عبادت وریاضت: عابد مرتاض تھے۔ بڑی ریاضت کرتے تھے۔ نمازوں کی کثرت سے دونوں پاؤں متورم ہوجاتے تھے۔ خاص خاص زمانوں میں ان کی عبادت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ طاعون کی وباء کے زمانے میں وہ عبادت کے لئے گوشہ تنہائی اختیار کرلیتے تھے۔ بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہوتا تھا کہ طاعون کی وجہ سے ہٹ گئے ہیں، حالانکہ اس کی غرض محض عبادت ہوتی تھی، حضرت انس بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ طاعون سے بھاگتے تھے، لیکن محمد کو اس کا یقین نہ آیا، انہوں نے کہا: ان کی بیوی سے چل کر پوچھنا چاہیے۔ البتہ جس زمانہ میں طاعون کی وبا پھیلتی تھی، وہ کہتے: کہ یہ شغل وذکر کے ایام ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تنہائی میں عبادت کروں، چنانچہ وہ عبادت کرنے کے لئے گوشہ خلوت اختیار کرلیتے تھے، اور اپنے نفس کے اوپر سختیاں کرتے تھے کہ بسا اوقات میں ان کے حالات دیکھ کر ان کے پیچھے بیٹھ کر روتی تھی۔ (۱۲) حج کے زمانہ میں جب تک مکہ مکرمہ میں رہتے، اس وقت سجدہ ہی میں سوتے تھے۔ (۱۳)

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ۱ ص ۸۸ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۴۲ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۲ ص ۸۸ ۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۵۵
۵۔ ایضاً ص ۵۶ ۶۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰ ص ۱۱۰ ۷۔ ایضاً ص ۱۱۱ ۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۵۵
۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۴۳ ۱۰۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۵۵ ۱۱۔ ایضاً ۱۲۔ ایضاً ۱۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۴۳

توبہ استغفار: وہ اپنے نفس کا محاسبہ اور گناہوں کو یاد کر کے ان کے لئے استغفار کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے: کہ انسان کے لئے ایسی مجالس ہونی چاہئیں، جن میں بیٹھ کر وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے خدا سے استغفار کرے۔(۱)

دنیا کی حقیقت: ان کی نگاہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہ تھی، وہ اس کو ایک مزبلہ سے زیادہ وقت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ اپنے بھتیجے کا ہاتھ پکڑ کر ایک مزبلہ پر لے گئے اور فرمایا: میں تم کو دنیا دکھاؤں۔ دیکھو یہ دنیا ہے کہ اس کو کھا کر دفنا دیا۔ پہن کر پرانا اور بوسیدہ کر دیا۔ سوار ہو کر لاغر کر دیا۔ اس کے لئے خون بہایا، محارم اللہ کو حلال اور رحم کو قطع کیا۔(۲)

دنیا سے بے تعلقی: اسی لئے دنیا کی جانب ان کا دل کبھی مائل نہ ہوا۔ اور کسی دنیاوی شے میں ان کے لئے کوئی کشش نہ تھی۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ ان کے ہم مذاق وہم مشرب تھے، ان میں اور حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ میں راز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ حضرت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا: سعید! اب کوئی ایسی شے نہیں، جس کی جانب میلان خاطر باقی ہو، بجز اس کے کہ اپنے چہروں کو اسی مٹی میں آلودہ کریں۔(۳)

دولت دنیا سے بے نیازی: اس دل شکستگی کی وجہ سے وہ دولت دنیا سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے لیکن وہ قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خالد بن اسید رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے پاس تیس ہزار کی رقم بھیجی۔ انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے اعزہ نے بہت سمجھایا: کہ لے لیجئے اس سے صدقہ کیجئے گا۔ عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کیجیے گا اور اس قبیل کے دوسرے کاموں میں لائیے گا۔ مگر انہوں نے کسی طرح قبول نہ کیا۔(۴)

انفاق فی سبیل اللہ: اس قناعت اور توکل کے باوجود بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، جب انہیں کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تھی، تو اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔ اپنی لڑکی کی شادی حضرت سائب بن اقرع رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کی، اور ان سے مہر کے علاوہ دس ہزار اپنے لئے حاصل کیے۔ یہ کل رقم مجاہدین فی سبیل اللہ، مساکین اور مکاتب غلاموں کی آزادی کے لیے مخصوص کر دی تھی۔(۵)

احتیاط: اتنے محتاط تھے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ جب کشتی پر سوار ہونے لگتے تو طہارت کے خیال سے ایک اینٹ ساتھ لے لیتے، جس پر سجدہ کرتے۔(۶) جس کا کوئی کام ان سے نکلتا تھا، اس سے ہدیہ تک قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی معاملہ میں ایک شخص کی سفارش کی۔ اس نے شکریہ میں ایک لونڈی لا کر پیش کی۔ یہ اسے دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا: اگر مجھے پہلے تمہارے اس خیال کا علم ہوتا، تو میں کبھی تمہاری سفارش نہ کرتا۔ جتنی سفارش کر چکا وہ کر چکا، اب جتنی ضرورت اور باقی رہ گئی ہے، اس کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے یا ظلم کے انسداد کے لئے کسی کی سفارش کرے، اور اس کے معاوضہ میں اس کو ہدیہ دیا جائے اور سفارش کرنے والا قبول کر لے، تو وہ ہدیہ اس پر حرام ہے۔(۷)

۷۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب: عائشہ نام، صدیقہ اور حمیرا لقب، ام عبداللہ کنیت، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، ماں کا نام زینب تھا، ام رومان کنیت تھی، اور قبیلہ غنم بن مالک سے تھیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۵۴ ۲۔ ایضاً ص ۵۵ ۳۔ ایضاً
۴۔ ایضاً ص ۵۳ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً ۷۔ ایضاً ص ۵۳

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چار برس بعد شوال کے مہینہ میں پیدا ہوئیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کاشانہ وہ برج سعادت تھا، جہاں خورشید اسلام کی شعاعیں سب سے پہلے پرتو فگن ہوئیں، اس بناپر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسلام کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں ہیں، جن کے کانوں نے کبھی کفروشرک کی آواز نہیں سنی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا ان کو مسلمان پایا۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وائل کی بیوی نے دودھ پلایا، وائل کی کنیت ابوالقعیس تھی، وائل کے بھائی افلح، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا کبھی کبھی ان سے ملنے آیا کرتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے وہ ان کے سامنے آتی تھیں، (۲) رضاعی بھائی بھی کبھی کبھی ملنے آیا کرتا تھا۔(۳)

نکاح: تمام ازواج مطہرات عنھن میں یہ شرف صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنواری بیوی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ حضرت جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب ہوئی تھیں۔(بعض کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت خود جبیر بن مطعم سے طے ہوئی تھی جو مطعم بن عدی کے بیٹے تھے۔ بعد میں حضرت جبیر بن مطعم کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی،) لیکن جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر ام رومان سے کہا، اور انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا، تو چونکہ یہ ایک قسم کی وعدہ خلافی تھی، وہ بولے: کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں، لیکن مطعم نے خود اس بناپر انکار کر دیا: کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے گھر میں آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آجائے گا۔ بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کر دیا، پانچ سو درہم مہر قرار پایا، یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ برس کی تھیں۔ یہ نکاح اسلام کی سادگی کی حقیقی تصویر تھا، حضرت عطیہ رضی اللہ عنہا اس طرح بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں، ان کی انا آئی اور ان کو لے گئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھا دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود کہتی ہیں کہ "جب میرا نکاح ہوا تو مجھ کو خبر تک نہ ہوئی، جب میری والدہ نے باہر نکلنے سے روک ٹوک شروع کی، تب میں سمجھی کہ میرا نکاح ہو گیا اور اس کے بعد میری والدہ نے مجھے سمجھا بھی دیا" (۴)۔ نکاح کے بعد مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام ۳ سال تک رہا، ۱۳ نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، تو حضرت ابوبکر ساتھ تھے اور اہل وعیال کو دشمنوں کے نرغہ میں چھوڑ آئے تھے۔ جب اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ رضی اللہ عنھن کو لے آئیں، مدینہ منورہ میں آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بخار میں مبتلا ہوئیں، اشتداد مرض سے سر کے بال جھڑ گئے (۵) صحت ہوئی تو ام رومان رضی اللہ عنہا کو رسم عروسی کا خیال آیا، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ حضرت ام رومان نے آواز دی، ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، ماں کے پاس آئیں، انہوں نے منہ دھویا، بال درست کیے، گھر میں لے گئیں، انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں، یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارک باد دی، تھوڑی دیر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، (۶) شوال میں نکاح ہوا تھا اور شوال ہی میں یہ رسم ادا کی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے عرب کے بعض بیہودہ خیالات میں اصلاح ہوئی۔

۱۔ بخاری، ج ۱ ص ۲۵۲ ۲۔ ایضاً ص ۳۲۰ ۳۔ ایضاً ص ۳۶۱
۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۴۰ ۵۔ صحیح بخاری باب الہجرۃ ۶۔ بخاری تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا

ا۔ عرب منہ بولے بھائی کی لڑکی سے شادی نہیں کرتے تھے، اسی بنا پر جب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ظاہر کیا، توانہوں نے حیرت سے کہا کہ ''کیا یہ جائز ہے؟ عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے''۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انت اخ فی الاسلام تم صرف مذہبی بھائی ہو۔ (۱)

۲۔ اہل عرب شوال میں شادی نہیں کرتے تھے، زمانہ قدیم میں اس مہینہ میں طاعون آیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی اور رخصتی دونوں شوال میں ہوئیں۔

وفات: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اخیر زمانہ خلافت تھا کہ (۱۷) رمضان ۵۸ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رحلت فرمائی، اس وقت سرسٹھ برس کا سن تھا، اور وصیت کے مطابق جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں، حضرت قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قبر میں اتارا، اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی۔

اولاد: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، ابن الاعرابی نے لکھا ہے: کہ ایک ناتمام بچہ ساقط ہوا تھا، اس کا نام عبداللہ تھا اور اسی کے نام پر انہوں نے کنیت رکھی تھی، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ ان کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے تعلق سے تھی، جن کو انہوں نے متبنیٰ بنایا تھا۔

حلیہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خوش رو اور صاحب جمال تھیں، رنگ سرخ وسفید تھا۔ (۲)

فضل وکمال: علمی حیثیت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہ صرف عورتوں پر نہ صرف دوسری امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن پر، نہ صرف خاص خاص صحابیوں پر بلکہ باستثنائے چند تمام صحابہ پر فوقیت حاصل تھی، جامع ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

مااشکل علینا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیث قط فسئالنا عائشة الا وجدنا عندنا منه علما۔

''ہم کو کبھی کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو، اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں''۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

مارأت احدًا اعلم بالقران ولا بفريضة ولا بحلال ولا بفقه ولا بشعر ولا بطب ولا بحديث العرب ولا نسب من عائشة،

''میں نے قرآن، فرائض، حلال وحرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور نسب کا عالم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا''

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک شہادت ہے:

لوجمع علم الناس كلهم ثم علم ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فكانت عائشة وسعهم علما۔

''اگر تمام مردوں کا اور امہات المؤمنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم وسیع تر ہوگا۔

ا۔ مستدرک حاکم، ج۴، ص۸　　۲۔ طبقات ابن سعد، ج۲، ص۲۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا شمار مجتہدین صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، اور اس حیثیت سے وہ اس قدر بلند ہیں کہ بے تکلف ان کا نام حضرت عمر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے ساتھ لیا جاسکتا ہے، وہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں فتوے دیتی تھیں، اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر انہوں نے جو دقیق اعتراضات کئے ہیں، ان کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کا نام عین الاصابہ فی مااستدرکتہ عائشہ علی الصحابہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکثرین صحابہ میں داخل ہیں، ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں، جن میں ۱۷۴ حدیثوں پر شیخین نے اتفاق کیا ہے، امام بخاری نے منفرداً ان سے ۵۴ حدیثیں روایت کی ہیں، ۶۸ حدیثوں میں امام مسلم منفرد ہیں، بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے۔ علم کلام کے متعدد مسائل ان کی زبان سے ادا ہوئے ہیں، چنانچہ رؤیت باری، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت اور سماع موتی وغیرہ کے متعلق انہوں نے جو خیالات ظاہر کئے ہیں، انصاف یہ ہے کہ ان میں ان کی دقت نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے۔ علم اسرارالدین کے متعلق بھی ان سے بہت سے مسائل مروی ہیں، چنانچہ قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ منورہ میں کامیابی اسلام کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، صوم عاشورہ کا سبب، حج کی حقیقت اور ہجرت کے معنی کی انہوں نے خاص تشریحیں کی ہیں۔ طب کے متعلق وہی عام معلومات تھیں، جو گھر کی عورتوں کو عام طور پر ہوتی ہیں۔ البتہ تاریخ عرب میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں، عرب جاہلیت کے حالات ان کے رسوم ورواج، ان کے انساب اور ان کی طرز معاشرت کے متعلق انہوں نے بعض ایسی باتیں بیان کیں ہیں، جو دوسری جگہ نہیں مل سکتیں، اسلامی تاریخ کے متعلق بھی بعض اہم واقعات ان سے منقول ہیں، مثلاً آغاز وحی کی کیفیت، ہجرت کے واقعات افک، نزول قرآن اور اس کی ترتیب، نماز کی صورتیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے حالات، غزوہ بدر، احد، خندق، قریظہ کے واقعات، غزوۂ ذات الرقاع میں نماز خوف کی کیفیت، فتح مکہ میں عورتوں کی بیعت، حجۃ الوداع کے ضروری حالات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، خلافت صدیقی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ازواج المطہرات عنھن کا دعویٰ میراث، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ملال خاطر اور پھر بیعت کے حالات کے تمام مفصل حالات ان ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔ ادبی حیثیت سے وہ نہایت شیریں کلام اور فصیح اللسان تھیں، ترمذی میں موسیٰ ابن طلحہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

مارایت افصح من عائشة (۱) ''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا''۔

اگرچہ احادیث میں روایت بالمعنی کا عام طور پر رواج ہے، اور روایت باللفظ کم اور نہایت کم ہوتی ہے، تاہم جہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصلی الفاظ محفوظ رہ گئے ہیں، پوری حدیث میں جان پڑ گئی ہے، مثلاً آغاز وحی کے سلسلہ میں فرماتی ہیں:

فمارای رویا الاجاء ت مثل فلق الصبح۔ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے تھے سپیدۂ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا''۔

آپ پر جب وحی کی کیفیت طاری ہوتی، تو جبیں مبارک پر عرق (پسینہ) آجاتا تھا، اس کو اس طرح ادا کرتی ہیں:

مثل الجمان ''پیشانی پر موتی ڈھلکتے تھے''۔

۱۔ مستدرک حاکم، ج۴، ص۱۱

واقعہ افک میں انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی، اس کو اس طرح بیان فرماتی ہیں:

مااکتحل بنوم۔ ''میں نے سرمۂ خواب نہیں لگایا تھا''۔

صحیح بخاری میں ان کے ذریعہ سے ام زرع کا جو قصہ مذکور ہے، وہ جان ادب ہے اور اہل ادب نے اس کی مفصل شرحیں اور حاشیے لکھے ہیں۔ خطابت کے لحاظ سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا تمام صحابہ میں ممتاز تھیں، جنگ جمل میں انہوں نے جو تقریریں کی ہیں، وہ جوش کی ہیں، وہ جوش اور زور کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتیں، ایک تقریر میں فرماتی ہیں:

''لوگو! خاموش، خاموش، تم پر میرا مادری حق ہے، مجھے نصیحت کی عزت حاصل ہے، سوا اس شخص کے جو خدا تعالیٰ کا فرمانبردار نہیں ہے، مجھ کو کوئی الزام نہیں دے سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر سر رکھے ہوئے وفات پائی ہے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین بیوی ہوں، خدا نے مجھ کو دوسروں سے ہر طرح محفوظ رکھا اور میری ذات سے مؤمن و منافق کی تمیز ہوئی، اور میرے ہی سبب سے تم پر خدا نے تیمم کا حکم نازل فرمایا۔ پھر میرا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان ہے اور غار حرا میں دو کا دوسرا تھا اور پہلا شخص تھا، جو صدیق کے لقب سے مخاطب ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے خوش ہو کر اور اس کو طوق خلافت پہنا کر وفات پائی، اس کے بعد جب مذہب اسلام کی رسی ہلنے لگی، تو میرا ہی باپ تھا، جس نے اس کے دونوں سرے تھام لیے، جس نے نفاق کی باگ روک دی، جس نے ارتداد کا سرچشمہ خشک کر دیا، جس نے یہودیوں کی آتش افروزی سرد کی، تم لوگ اس وقت آنکھیں بند کیے غدر و فتنہ کے منتظر تھے، اور شور و غوغا پر گوش برآواز تھے۔ اس نے شگاف کو برابر کیا، بیکار کو درست کیا، گرتوں کو سنبھالا، دلوں کی مدفون بیماریوں کو دور کیا، جو پانی سے سیراب ہو چکے تھے، ان کو تھان تک پہنچا دیا، جو پیاسے تھے، ان کو گھاٹ پر لے آیا، اور جو ایک بار پانی پی چکے تھے انہیں دوبارہ پلایا، جب وہ نفاق کا سر کچل چکا، اور اہل شرک کے لئے آتش جنگ مشتعل کر چکا اور تمہارے سامان کی گٹھڑی کو ڈوری سے باندھ چکا، تو خدا تعالیٰ نے اسے اٹھا لیا۔ ہاں میں سوال کا نشانہ بن گئی ہوں کہ کیوں فوج لے کر نکلی؟ میرا مقصد اس سے گناہ کی تلاش اور فتنہ کی جستجو نہیں ہے، جس کو میں پامال کرنا چاہتی ہوں، جو کچھ کہہ رہی ہوں سچائی اور انصاف کے ساتھ تنبیہ اور اتمام حجت کے لئے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو شعر نہیں کہتی تھیں، تاہم شاعرانہ ذوق اس قدر عمدہ پایا تھا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جو عرب کے مسلم الثبوت شاعر تھے، ان کی خدمت میں اشعار سنانے کے لئے حاضر ہوتے تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کعب بن مالک کا پورا قصیدہ یاد تھا، اس قصیدہ میں کم و بیش چالیس شعر تھے، کعب کے علاوہ ان کو دیگر جاہلی اور اسلامی شعراء کے اشعار بھی بکثرت یاد تھے، جن کو وہ مناسب موقعوں پر پڑھا کرتی تھیں، چنانچہ وہ احادیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف ان علوم کی ماہر تھیں، بلکہ دوسروں کو بھی ماہر بنا دیتی تھیں، چنانچہ ان کے دامن تربیت میں جو لوگ پرورش پا کر نکلے، اگرچہ ان کی تعداد دو سو کے قریب ہے لیکن ان میں جن کو زیادہ قرب و اختصاص حاصل تھا، وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، مسروق، عمرۃ، صفیہ بنت شیبہ، عائشہ بنت طلحہ، معاذۃ عدویہ رضوان اللہ عنہم۔

اخلاق و عادات: اخلاقی حیثیت سے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ رکھتی تھیں، وہ نہایت قانع تھیں، غیبت سے احتراز کرتی تھیں، احسان کم قبول کرتیں، اگرچہ خودستائی ناپسند تھی، تاہم نہایت خوددار تھیں، شجاعت اور دلیری بھی ان کا خاص جوہر تھا۔ ان کا سب سے زیادہ نمایاں وصف

۱۔ عقد الفرید، ص ۱۴

جود وسخا تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: کہ ان سے زیادہ سخی کسی کو نہیں دیکھا، ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے، تو شام ہوتے ہوتے سب خیرات کر دیئے، اور اپنے لیے کچھ نہ رکھا، اتفاق سے اس دن روزہ رکھا تھا، لونڈی نے عرض کی: افطار کے لئے کچھ نہیں ہے، فرمایا: پہلے سے کیوں نہ یاد دلایا۔ (۱)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جوان کے متبنیٰ فرزند تھے، ان کی فیاضی دیکھ کر گھبرا گئے اور کہا: اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا، تو سخت برہم ہوئیں اور قسم کھائی! کہ ان سے بات نہ کریں گی، چنانچہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما مدت تک معتوب رہے اور بڑی دقت سے ان کا غصہ فرو ہوا۔ (۲) نہایت خاشع، متضرع اور عبادت گزار تھیں، چاشت کی نماز برابر پڑھتیں، فرماتی تھیں: کہ اگر میرا باپ بھی قبر سے اٹھ آئے اور مجھ کو منع کرے، تب بھی میں باز نہ آؤں گی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ راتوں کو اٹھ کر تہجد کی نماز ادا کرتی تھیں، اور اس کی اس قدر پابند تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی یہ نماز قضا ہو جاتی، تو نماز فجر سے پہلے اٹھ کر اس کو پڑھ لیتی تھیں، رمضان میں تراویح کا خاص اہتمام کرتی تھیں، حضرت ذکوان رحمۃ اللہ علیہ آپ کا غلام امامت کرتا اور آپ مقتدی ہوتیں۔ اکثر روزے رکھا کرتی تھیں، حج کی بھی شدت سے پابند تھیں، اور ہر سال اس فرض کو ادا کرتی تھیں، غلاموں پر شفقت کرتیں، اور ان کو خرید کر آزاد کرتی تھیں، ان کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد ۶۷ ہے۔ (۳)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے، آئمہ صحاح ستہ نے اس حدیث مبارکہ کو روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چودھویں (۱۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل دوسری حدیث مبارکہ سباعیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، دوسرے تین کوفی اور آخری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ عفیفہ مدنیہ ہیں۔

☆ یہ تابعی (سلیم) کی دوسرے تابعی (مسروق) سے روایت ہے، اور اسی طرح تبع تابعی (شعبہ) کی دوسرے تبع تابعی (اشعث) سے روایت ہے۔

☆ سند میں دو کبار تابعی اور دو کبار تبع تابعین کرام رحمہم اللہ ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبر، حدث اور عنعنہ دو دو دفعہ اور سمعت ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۱۳ ۲۔ بخاری، ۳۵۰۵ ۳۔ شرح بلوغ المرام، کتاب العتق

۶۔لغات:

یحب: آپ ﷺ پسند فرماتے　　التیامن: دایاں، دائیں جانب

استطلاع: ممکنہ حد۔طاقت بھر　　طھور: پاکیزگی

نعل: جوتا مبارک　　ترجل: کنگھی کرنا۔

۷۔مسائل ونصائح:

☆ اس حدیث میں ''تیمن'' کا لفظ ہے، اس کا معنی ہے: دائیں طرف سے ابتدا کرنا، کسی چیز کو دائیں ہاتھ سے دینا اور دائیں جانب کا قصد کرنا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت حاصل ہے اور یہ کہ ہر کام میں دائیں جانب کو فضیلت حاصل ہے۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسجد میں بہترین جگہ مسجد کی دائیں جانب ہے، سعید بن المسیب نے کہا: مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھیں، ابراہیم کو یہ پسند تھا کہ مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھیں، حضرت انس، حسن بصری اور ابن سیرین مسجد کی دائیں جانب میں نماز پڑھتے تھے۔(۱)

☆ التیمن کے معنی ہر کام میں داہنی طرف سے شروع کرنے کے ہیں۔حضور ﷺ جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو فرمانے۔حتیٰ کہ تمام کاموں میں داہنی طرف سے ابتدا کرنے کو پسند فرماتے تھے۔''فی شانہ کلہ'' یہ عام مخصوص ہے کیونکہ بعض افعال میں بائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا ہے جیسے پاخانہ جاتے وقت پہلے بایاں قدم رکھا جائے۔امام شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہوا کہ وہ ہر کام جو عزت وبزرگی رکھتا ہے اسے سیدھی طرف سے شروع کرنا مستحب ہے جیسے مسجد میں داخل ہونا، مصافحہ کرنا، کپڑے پہننا، وضو وغسل کرنا وغیرہ اور جس کام میں یہ بات نہیں جیسے مسجد سے باہر آنا، استنجا کرنا وغیرہ اس میں سیدھی طرف سے شروع کرنا نہیں ہے۔(۲)

معلوم ہوا کہ حدیث میں دونوں لفظ ہیں۔ایک کا ذکر ایک موقع پر ہو گیا اور دوسرے کا دوسرے موقع پر، یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے خلاف نہیں، بلکہ مآل ایک ہی ہے۔

☆ دیگر پسندیدہ کاموں کی طرح وضو میں بھی دھوئے جانے والے اعضاء میں دائیں جانب سے ابتداء کرنا مستحب ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نیک اور جنتی لوگوں کے لئے (أَصْحَابُ الْيَمِينِ)(۳) ''دائیں طرف والے'' کا لقب پسند فرمایا ہے۔قدرتی طور پر عموماً دائیں جانب میں بائیں سے زیادہ قوت ہوتی ہے۔امام نووی فرماتے ہیں: شریعت کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ پسندیدہ اور تزئین والے کاموں میں دائیں جانب سے ابتدا کرنا مستحب ہے، مثلاً لباس پہننا، مسجد میں داخل ہونا، کنگھی کرنا اور نماز میں سلام پھیرنا وغیرہ اور جو کام اس کے برعکس ہیں، انہیں بائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے، مثلاً: بیت الخلا میں جانا، مسجد سے نکلنا اور لباس اتارنا وغیرہ۔(۴)

☆ بال کٹوانا تزئین سے ہے اور اسے دائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے۔(۵)

☆ ناخن تراشنا، مونچھیں کٹوانا، زیر ناف بال صاف کرنا اور بغلوں کے بال صاف کرنا تزئین وآرائش سے ہیں، اور ان کی ابتداء دائیں جانب سے کرنا سنت مبارکہ ہے۔

۱۔ i-عمدۃ القاری، ج۳، ص۴۷　ii-نعمۃ الباری، ج۱، ص۵۷۹

۲۔ فیوض الباری، ج۱، ص۵۱۸　۳۔ الواقعۃ ۵۶: ۲۷

۴۔ نسائی (دار السلام) ص۱۶۸۔۱۶۹　۵۔ ارشاد الساری، ج۱، ص۳۸۴

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ وضو کرتے ہوئے جب دونوں پاؤں کو دھونا ہے، تو پہلے دائیں پاؤں کو دھوئیں گے۔ یہ مستحب امر ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں تین کام پاکیزگی حاصل کرنے، جوتا پہننے اور کنگھی کرنے کے استحباب کا بیان ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں حصر نہیں ہے، بلکہ شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ کام جو عزت وتکریم یا تزئین وآرائش والا ہو، اسے دائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے، جیسے کپڑے پہننا، جوتے پہننا، مسجد میں داخل ہونا، امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہونا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، ناخن تراشنا، مونچھیں کترانا، کنگھی کرنا، بغلوں کے بال صاف کرنا، زیر ناف بال صاف کرنا، سر کے بال کٹوانا، نماز کے آخر میں سلام پھیرنا، اعضاء وضو کو دھونا، غسل کرنا، بیت الخلاء سے نکلنا، کھانا پینا، مصافحہ کرنا، حجر اسود کو سلام کرنا، کسی کو چیز پکڑانا یا کسی سے پکڑنا وغیرہ۔

☆ جن امور میں عزت وتکریم یا تزئین وآرائش نہ ہو، انہیں بائیں جانب سے شروع کرنا مستحب ہے، جیسے بیت الخلاء جانا، مسجد سے نکلنا، کپڑے اتارنا، جوتا اتارنا، تھوکنا وغیرہ۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت حاصل ہے۔

☆ بال سنوارنا کنگھی کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور پسندیدہ عمل ہے۔

☆ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اشعث رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث مبارکہ تین دفعہ سماعت کی، پہلی دفعہ کا ذکر حدیث مبارکہ میں نہیں، جبکہ دوسری دفعہ شہر واسطہ اور تیسری دفعہ شہر کوفہ میں سماعت کا ذکر ہے۔

باب ۹۱: غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ بِالْيَدَيْنِ — دونوں پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے دھونا

اس باب میں دونوں ہاتھوں کے ساتھ دونوں پاؤں کو دھونے کا بیان ہے، اگرچہ ایک ہاتھ کے ساتھ بھی پاؤں کو دھونا جائز ہے، البتہ دونوں ہاتھوں کا استعمال زیادہ بہتر واولیٰ ہے۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، اس باب میں دونوں پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے دھونے کا بیان ہے، جبکہ پچھلے باب میں دائیں پاؤں کو پہلے دھونے کا بیان تھا۔

۱۱۳۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوْ جَعْفَرٍ الْمَدَنِيُّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ - يَعْنِي عُمَارَةَ - قَالَ حَدَّثَنِي الْقَيْسِيُّ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَاُتِيَ بِمَاءٍ فَقَالَ عَلٰى يَدَيْهِ مِنَ الْاِنَاءِ فَغَسَلَهُمَا مَرَّةً وَّغَسَلَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ مَرَّةً مَّرَّةً وَّغَسَلَ رِجْلَيْهِ بِيَمِيْنِهٖ كِلْتَيْهِمَا

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد قیسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن سے پانی لے کر دونوں ہاتھ، چہرہ اور دونوں بازو ایک ایک دفعہ دھوئے، اور دونوں ہاتھوں سے دونوں پاؤں ایک ایک دفعہ دھوئے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:

آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے دونوں پاؤں کو دھویا۔

۲۔اطراف:

احمد:۲۳۱۲۹،السنن الکبریٰ:۱۱۵،تحفۃ الاشراف:۱۵۶۴۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں،جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں،جبکہ باقی تین کے درج ذیل ہیں:

۱۔محمد بن بشار: راجع:۲۷ ۲۔محمد: راجع:۲۲ ۳۔شعبۃ: راجع:۱۰۶

۴۔ابوجعفر المدنی:

آپ کا نام ابوجعفر عمیر بن یزید بن عمیر بن حبیب بن خماشہ خطمی مدنی بصری ہے،آپ کی والدہ صحابی رسول ﷺ حضرت خاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ کی پوتی ہیں،اور مشہور تابعی حضرت عقبہ بن خاکہ کی صاحبزادی ہیں،آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ،صدوق راوی ہیں،امام ابن معین،نسائی اور امام عملی نے آپ کو ثقہ لکھا ہے،اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق قرار دیا ہے،آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔عمارہ بن عثمان بن حنیف:

آپ کا نام عمارہ بن عثمان بن حنیف انصاری اوسی مدنی ہے،آپ صحابی رسول ﷺ حضرت ابوامامہ اسعد بن سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے چچا زاد ہیں،حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے ۱۰۰ھ میں بانوے (۹۲) سال کی عمر میں وفات پائی۔(۲) حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رواۃ کے تیسرے طبقہ سے مقبول تابعی راوی ہیں،آپ کے بارے آئمہ جرح وتعدیل کی آرا درج ذیل ہیں:

۱۔حافظ ذھبی لکھتے ہیں:

حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نقل کی ہے،وہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں،اوران سے حضرت ابوجعفر خطمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے،مجھے ان کے حالات معلوم نہیں ہیں۔(۳)

۲۔حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دو آراء ہیں:

i۔تھذیب التھذیب میں لکھتے ہیں:

حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ انصاری مدنی ہیں،آپ نے دو صحابہ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد قیسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں،آپ سے حضرت ابوجعفر خطمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے،آپ معروف النسب ہیں،لیکن میں نے آپ کے بارے میں

۱۔ i۔الجرح والتعدیل،ج۶،ص۳۷۸ ii۔تقریب التھذیب،ج۲،ص۹۳

۲۔ تقریب التھذیب،ج۲،ص۵۶

۳۔ میزان الاعتدال،ج۳،ص۱۷۷

توثیق نہیں پائی، اور میں نے حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کے لکھے ہوئے میزان الاعتدال کے مخطوطے میں لکھا ہوا پڑھا ہے کہ وہ ان کو حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات معلوم نہیں ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۳۔علامہ جمال الدین مزی لکھتے ہیں:

حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف انصاری اوسی مدنی ہیں، آپ حضرت ابوامامہ بن سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ کے چچازاد ہیں، آپ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد قیسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، آپ سے حضرت ابوجعفر خطمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ آئمہ صحاح ستہ میں سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے روایت کیا ہے۔(۲)

۴۔علامہ حافظ ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمہ مزی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے حالات لکھتے ہیں:

آپ کا نام ابوعمرو حضرت عثمان بن حنیف بن واھب بن حکیم انصاری اوسی مدنی کوفی ہے، آپ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ حضرت سھل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور حضرت عباد بن حنیف یا کوئی اور رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی زمین کی پیائش پر مامور کیا تھا، اور پھر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ والی مقرر کیا تھا، آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں، جن کو امام بخاری (ادب المفرد)، امام ترمذی، امام نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے، آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بھتیجے ابوامامہ اسعد بن سھل بن حنیف اور دیگر شامل ہیں۔(۳)

ان تمام تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ معروف النسب راوی ہیں، مجہول نہیں ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقبول ہونے کی تصریح کی ہے، یہ تعدیل ہے، جب کہ ان کی تجریح کسی نے بھی نہیں کی۔

۶۔القیسی:

آپ کا نام عبدالرحمٰن بن ابی قراد قیسی انصاری حجازی ہے، آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۴۔حکم روایت:

یہ روایت صحیح ہے، حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، جبکہ علامہ ناصرالدین البانی، علامہ اتیوبی لولوی اور حافظ محمد امین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، جو کہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ مذکورہ تینوں محققین نے حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے مجہول ہونے کو وجہ قرار دیا ہے، حافظ محمد امین لکھتے ہیں۔

فاضل محقق (حافظ زبیر علی زئی) نے مذکورہ روایت کو سنداً صحیح قرار دیا ہے، حالانکہ اس کی سند میں عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ راوی مجہول ہے، شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے سنداً ضعیف قرار دیا ہے۔ دلائل کی رو سے انہی کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔(۵)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۴۲۰ ۲۔ تھذیب الکمال، ج ۷، ص ۴۴۳ ۳۔ تھذیب الکمال، ج ۷، ص ۱۴

۴۔ i۔اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۳۱۹ ii۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج ۵، ص ۷۹۹

۵۔ نسائی، ج ۱، ص ۱۶۹

حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ کو مجہول کہنا درست نہیں ہے، اس کی تین وجوہ ہیں:

۱۔ آئمہ جرح وتعدیل واسماء الرجال میں سے کسی نے بھی ان کو مجہول قرار نہیں دیا، بلکہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے معروف النسب قرار دیا ہے۔(۱)

۲۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التھذیب میں ان کے مقبول راوی ہونے کی توثیق کی ہے۔(۲)

۳۔ آپ تابعی راوی ہیں، آپ کے والد اور دو چچا صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مغالطہ کی وجہ: مذکورہ محققین کو جو مغالطہ ہوا ہے، اس کی غالباً وجہ یہ ہے کہ ایک اور راوی حضرت عمارہ بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے حضرت شبیب بن نعیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، یہ مجہول راوی ہیں، جیسا کہ علامہ ذھبی نے تصریح کی ہے۔(۳)
اس لئے ان دونوں راویوں میں فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اڑتالیسویں (۴۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عمارہ بن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ مقبول تابعی راوی ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری اور آخری دو مدنی راوی ہیں۔

☆ امام محمد بن بشار رحمۃ اللہ علیہ ایسے راوی ہیں، جو آئمہ صحاح ستہ کے شیخ ہیں، اور آئمہ صحاح ستہ آپ سے بلا واسطہ روایت کرتی ہیں۔

☆ سند میں ابن عثمان بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ، یعنی عمارۃ، کے الفاظ اس امر کی نشاندہی، کہ عمارۃ کا لفظ شیخ نے ادا نہیں کیا، بلکہ راوی نے وضاحت کے لئے اس کا اضافہ کیا ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبر دو دفعہ، سمعت ایک دفعہ اور حدث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قراد قیسی رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، سنن المجتبیٰ میں آپ سے یہ دوسری روایت مروی ہے، اس سے پہلے حدیث نمبر سولہ (۱۶) آپ سے مروی ہے، صحاح ستہ میں آپ سے غالباً یہی دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

۶۔لغات:

اتی:	لایا گیا، پیش خدمت کیا گیا	مآء:	پانی
یدیہ:	اپنے دونوں ہاتھ	الاناء:	برتن
مرۃ:	ایک دفعہ	وجہ:	چہرہ
ذراعیہ:	اپنے دونوں بازو	رجلیہ:	اپنے دونوں پاؤں

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۷، ص۴۲۰　۲۔ تقریب التھذیب، ج۲، ص۵۶　۳۔ میزان الاعتدال، ج۳، ص۱۷۷

۷۔ مسائل ونصائح:

☆ موجودہ اکثر نسخہ جات اور ہندوستانی نسخوں میں کلیتھما ہی ہے، البتہ مصری نسخہ میں کلتا ھما ہے، پہلی صورت میں یہ حالت جزوی ہوگی اور بیدیہ کی تاکید ہوگی، اس صورت میں معنیٰ امام نسائی کے قائم کردہ باب کے مطابق ہوگا، یعنی آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں پاؤں کو دھویا۔ دوسری صورت مصری نسخہ کے مطابق ہوتو یہ لرجلیہ کی تاکید ہوگی، اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ ﷺ نے دونوں پاؤں کو اپنے ہاتھوں سے دھویا اور یہ معنیٰ اس حدیث کے موافق ہوگا کہ آپ ﷺ نے دونوں پاؤں کو بائیں ہاتھ کے ساتھ دھویا۔ (۱)

☆ روایت میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے، اس کی بابت درست رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے پاؤں دھونا جائز ہے کیونکہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے، البتہ مستحب اور اولیٰ یہی ہے کہ پاؤں کو بائیں ہاتھ سے دھویا جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ہر اچھا عمل دائیں ہاتھ سے یا دائیں طرف سے کیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ کوئی بھی کام بائیں طرف سے بائیں ہاتھ سے کیا کرتے تھے، نیز پاؤں کو دھونے سے مقصود عموماً میل کچیل دور کرنا ہے جسے بائیں ہاتھ ہی سے دور کرنا بہتر اور مستحب معلوم ہوتا ہے، البتہ دونوں ہاتھوں سے دھونا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ (۲)

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ پاؤں کو دھوتے وقت دونوں ہاتھوں کا استعمال جائز ہے۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اس باب کے قائم کرنے اور حدیث مبارکہ سے مراد غالباً بیان جواز ہے، وگرنہ پچھلی حدیث مبارکہ کی شرح کے ضمن میں اس امر کی وضاحت ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ ہر عزت وتکریم اور زیب وآرائش والا کام دائیں ہاتھ سے اور باقی کام بائیں ہاتھ سے کرتے تھے۔

☆ حدیث مبارکہ میں آقا کریم ﷺ کو دونوں پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے دھونے کی دو صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ آپ ﷺ چونکہ برتن سے پانی بھی خود ہی لے رہے تھے، اس لئے ممکن ہے، ایک ہاتھ سے پانی ڈالا ہو اور دوسرے ہاتھ سے پاؤں کو ملا ہو۔

۲۔ دونوں ہاتھوں سے برتن سے پانی ڈالا ہو، اور پھر دونوں ہاتھوں سے پاؤں کو ملا ہو۔

☆ مذکورہ دونوں صورتوں میں پہلی صورت استحباب پر محمول ہے، اور دوسری صورت جواز پر محمول ہے۔

☆ وضو کے لئے کسی دوسرے سے پانی لینا جائز ہے۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج ۳، ص ۶۶ ۲۔ نسائی (فوائد)، ج ۱، ص ۱۶۹۔۱۷۰

باب ۹۲: الْاَمْرُ بِتَخْلِيلِ الْاَصَابِعِ — انگلیوں کے درمیان خلال کرنے کا حکم

اس باب میں پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرنے کے حکم کا بیان ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر سے وجوب مراد نہیں لیا، بلکہ سنت مراد لیا ہے، کیونکہ اس باب سے پچھلے باب میں پاؤں کو دونوں ہاتھوں سے دھونے کی سنت کا بیان ہے، اور اس باب کے بعد والے باب میں پاؤں کو تین دفعہ دھونے کی سنت کا بیان ہے۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۱۱۴- أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ كَثِيرٍ وَكَانَ يُكْنَى أَبَا هَاشِمٍ ح وَأَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ أَبِي هَاشِمٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ لَقِيطٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِذَا تَوَضَّأْتَ فَأَسْبِغِ الْوُضُوءَ وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ"

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تو وضو کرے، تو اچھی طرح وضو کر، اور انگلیوں کے درمیان خلال کر۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
تو انگلیوں کے درمیان خلال کر۔

۲۔ اطراف:

ابوداؤد: ۱۴۲-۱۴۴، ترمذی: ۳۸، ۸۸، ابن ماجہ: ۴۴۸، السنن الکبریٰ: ۱۱۷، تحفۃ الاشراف: ۱۱۱۷۲

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے چھ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں، جب کہ کچھ آئمہ کرام کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ:

تابعین کے فیض تربیت سے جو لوگ بہرہ ور ہوئے اور ان کے بعد علوم دینیہ کی اشاعت و ترویج کی، انہی میں امام المسلمین اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ ان کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے، جنہوں نے دینی علوم خصوصاً تفسیر و حدیث کی بے بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اور اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں۔

نام و نسب: نام اسحاق اور ابو یعقوب کنیت تھی۔ والد کا نام ابراہیم تھا۔ مگر راھویہ (عبداللہ بن طاہر امیر خراساں نے ایک بار ان سے دریافت کیا کہ آپ ابن راھویہ کے نام سے کیوں مشہور ہیں؟ اس نام سے آپ کو مخاطب کیا جائے تو آپ برا نہیں مانیں گے؟ بولے کہ میرے والد کی ولادت راستہ میں ہوئی تھی، جس کی وجہ سے اہل مرو، ان کو راھوی کہنے لگے، یہی راھوی عربی میں آ کر راھویہ ہو گیا۔ میرے والد اس لفظ کو اپنے لئے پسند

نہیں کرتے تھے، لیکن مجھے پسند ہے۔(۱) آپ راھویہ کے نام سے مشہور تھے۔ عام طور پر ارباب رجال ان کا پورا سلسلہ نسب بیان نہیں کرتے، علامہ دولابی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا پورا سلسلہ نسب بیان کیا ہے۔ جن کو صاحب تھذیب نے نقل کیا ہے۔(۲)

ان کا اصلی وطن مرو (ایران) تھا۔ البتہ قیام نیشاپور میں تھا۔(۳)

تعلیم وتربیت: ۱۶۱ھ یا ۱۶۳ھ میں ولادت ہوئی۔ (سنہ وفات میں اختلاف ہے اس اختلاف کی وجہ سے ان کی تاریخ ولادت میں بھی اختلاف ہوگیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ ۱۶۱ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۳۸ھ میں وفات ہوئی)۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حدیث کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے امام وقت حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گئے مگر آپ کی کم سنی استفادہ میں مانع بنی، پھر دوسرے شیوخ حدیث کی مجالس درس میں شریک ہوئے، اور ان سے استفادہ کیا۔ اس وقت ممالک اسلامیہ میں دینی علوم کے جتنے مراکز تھے، وہ سب ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور تھے، مگر ابن راہویہ نے ان تمام مقامات کا سفر کیا اور وہاں کے تمام ممتاز محدثین وعلماء سے استفادہ کیا۔ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں عراق، حجاز، یمن، مکہ اور شام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ مگر ان مقامات کی حیثیت محض ایک شہر کی نہیں تھی بلکہ یہ مملکت اسلام کے بڑے بڑے صوبے یا علاقے تھے، جن میں سینکڑوں علمی مراکز تھے اور بے شمار جگہوں پر فقہ وحدیث کی مجلسیں برپا تھیں، اس لئے ان مرکزی مقامات کی نہ جانے کتنی بستیوں کی خاک چھانی ہوگی،

تفسیر: ان کو ابتداہی سے علم حدیث سے شغف تھا اور اسی کے حصول میں انہوں نے سب سے زیادہ محنت، کوشش کی، مگر تفسیر وفقہ وغیرہ میں بھی ان کو دسترس تھی، علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ وہ حدیث وفقہ کے جامع تھے۔ جب وہ قرآن کی تفسیر بیان کرتے تھے تو اس میں بھی سند کا تذکرہ کرتے تھے۔ علامہ ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کہتے ہیں: کہ حدیث کے سلسلہ روایت اور الفاظ کا یاد کرنا تفسیر کے مقابلہ میں آسان ہے۔ امام ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ میں یہ کمال ہے کہ وہ تفسیر کے سلسلہ سند کو بھی یاد کر لیتے ہیں۔(۴)

قوت حافظہ اور حدیث سے شغف واعتماد: اس کدوکاوش کے ساتھ خدا تعالیٰ نے قوت حافظہ بھی غیر معمولی دیا تھا۔ بے شمار احادیث زبانی یاد تھیں، کئی کئی ہزار احادیث تلامذہ کو وہ اپنی یاداشت سے لکھادیا کرتے تھے اور کبھی کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ خود کہتے تھے: کہ میں جو کچھ سنتا ہوں اسے یاد کر لیتا ہوں اور جو کچھ یاد کر لیتا ہوں پھر نہیں بھولتا۔ فرماتے تھے ستر ہزار حدیثیں ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہتی ہیں۔ امام ابوزرعہ: کہتے تھے: کہ ان کے جیسا قوت حافظہ رکھنے والا نہیں دیکھا گیا۔(۵) ان سے ایک بار کہا گیا: کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں۔ فرمایا: کہ میں ایک دولاکھ کچھ نہیں جانتا مگر میں نے آج تک جتنی حدیثیں سنی ہیں، وہ سب یاد ہیں۔ امام ابوداؤد خفاف رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے تلامذہ میں ہیں، کہتے تھے: کہ ایک بار گیارہ ہزار حدیثیں انہوں نے املا کرائیں۔ اور پھر ان کو دوبارہ دوہرایا تو ایک حرف کا فرق نہیں تھا۔(۶)

۱۔ تاریخ بغداد، ج۶ ص ۳۷۵ ۲۔ تہذیب الکمال، ج۱ ص ۲۱۸ ۳۔ ایضاً، ج۲ ص ۲۱۶

۴۔ ایضاً، ج۱ ص ۲۱۸ ۵۔ تاریخ بغداد ۶۔ ایضاً

حدیث سے شغف کا نتیجہ: خداداد استعداد وصلاحیت اور قوت حافظہ کے ساتھ حدیث سے ان کے شغف وانہماک نے جلد ہی ان کو تبع تابعین کے زمرہ میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک بنا دیا۔ بڑے بڑے آئمہ حدیث ان کے فضل وکمال کے معترف اور انؒ کی جلالت علم کے قائل ہوگئے۔ علامہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو اپنے علم وفضل کی بناء پر اس زمرہ میں بھی ایک ممتاز حیثیت حاصل کرتے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی شخص ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کہتا تو ان کو برا معلوم ہوتا تھا (کہ اس میں ایک اہانت کا پہلو تھا)۔ وہ کہتے تھے: کہ خراسان کے علاقہ میں ان کے زمانہ میں ان کے جیسا صاحب علم آدمی نہیں پیدا ہوا، گو ہمارے اور ان کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف تھا۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اختلاف تو ہر زمانہ کے اہل علم میں ہوا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اختلاف کی بناء پر کسی کے فضل کا اعتراف نہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ایک ممتاز محدث تھے، ان کے پاس جب امام ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ آتے تھے، تو وہ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے، کہ ان کے قریب کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا: کہ وہ تو آپ سے عمر میں بھی چھوٹے ہیں۔ ان کی اتنی عزت افزائی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا:

اسحاق اکثر علماً منی وانا اسن منه۔ (۱) اسحاق علم میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں عمر میں ان سے بڑا ہوں۔

انہی کا قول ہے کہ اسحاق کے پاس علم کا ایک خزانہ ہے۔ (۲) علامہ محمد بن یحییٰ الذہلی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: کہ ایک بار ۱۹۹ھ میں، امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رصافہ گیا، یہاں پر تمام معاصر آئمہ حدیث مثلاً احمد بن حنبل، یحییٰ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جمع تھے۔ مگر اس مجلس کے صدر نشین امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ بنائے گئے۔ (۳)

درس وتدریس: اس بارے میں اہل تذکرہ کچھ زیادہ معلومات نہیں فراہم کرتے۔ مگر جستہ جستہ واقعات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ تحصیل علم اور سماع حدیث کے بعد ان کا قیام زیادہ تر نیشاپور میں رہتا تھا۔ گو یہ جگہ اسلامی مملکت کے مرکزی مقامات سے بہت دور تھی، پھر اس زمانہ میں سفر کی دقتیں بھی وہاں تک پہنچنے میں مانع تھیں۔ مگر اس کے باوجود صدہا تشنگان علم اس چشمہ علم سے سیراب ہوئے۔ خصوصیت سے خراسان کے علاقہ میں ان کا علم کافی پھیلا خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ ان کا علم خراسانیوں میں خوب پھیلا، حضرت وہب ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ مشرق میں جن لوگوں نے سنت کو زندہ کیا، ان میں امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ (۴) ان سے جن لوگوں نے اکتساب فیض کیا، ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد ونسائی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین رحمتہ اللہ علیہم وغیرہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ان تمام آئمہ نے اپنی اپنی کتابوں میں امام اسحاق ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات نقل کی ہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ ان کبار آئمہ کے علاوہ خلق کثیر نے ان سے روایت کیا ہے۔ حضرت یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہ ان کے شیوخ میں ہیں، مگر انہوں نے ان سے تقریباً دو ہزار دو سو روایتیں نقل کی تھیں۔

طریقہ درس: عام طور پر آئمہ حدیث کا طریقہ درس یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ انہیں املا کرانا ہوتا تھا اسے وہ پہلے سے لکھ کر لے جاتے تھے۔ مگر بہت سے آئمہ حدیث کو اپنے حفظ پر اتنا اعتماد ہوتا تھا کہ وہ زبانی املا کراتے تھے، ان ہی لوگوں میں امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، کہ بسا اوقات وہ کئی کئی ہزار روایتیں ایک مجلس میں زبانی املا کرا دیتے تھے۔

تنقید حدیث: اکثر فرماتے تھے کہ (جو ذخیرۂ حدیث میرے پاس ہے ان میں) ایک لاکھ حدیثوں کے موقع ومحل سے اس طرح واقف ہوں کہ وہ گویا میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ان میں سے ستر ہزار تو مجھے مع معانی حفظ ہیں، اور چار ہزار مزورہ حدیثیں اور مجھے یاد ہیں۔ لوگوں نے پوچھا

۱۔ تاریخ بغداد ۲۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۲، ص ۴۴۰ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ص ۳۷۶

کہ مزورہ حدیثوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ جھوٹی اور موضوع روایتیں، جنہیں میں نے اس لئے یاد کرلیا ہے، کہ جب وہ روایتیں صحیح احادیث کے ساتھ مخلط ہوکر میرے سامنے آئیں، تو ان میں جتنا حصہ کذب اور وضع کا ہو، اسے الگ کردوں، اور صحیح حدیث کا جتنا حصہ ہے، اس کو علیحدہ کردوں۔ ان کی اس خدمت کی اہمیت کا اندازہ پورے طور پر اسی وقت ہوسکتا ہے، جب دوسری صدی کے اس فتنہ کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے، جس کے ذریعہ ہزاروں بے سروپا روایتیں احادیث نبوی ﷺ کے نام سے لوگوں میں رواج پا گئی تھیں، اور نہ جانے کتنی موضوع روایتیں زبان زد خاص و عام ہوگئی تھیں، اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے آئمہ حدیث نے جو کدوکاوش اور جدوجہد کی، اور اس کے لئے دکھ سہے، اس کا صحیح اندازہ تو حضرت یحییٰ بن معین، عبدالرحمن مہدی، ابن المدینی، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے حالات سے ہوتا ہے، مگر اس صدی کے دوسرے آئمہ کے سوانح حیات میں بھی اس قسم کی کوششوں کی کوئی نہ کوئی جھلک ملتی ہے۔ اسی طرح کی کوشش حضرت اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کی تھی۔

اہل علم سے مذاکرات: اجتہادی مسائل میں ارباب علم کے درمیان ہمیشہ مذاکرہ و مباحثہ ہوتا رہا ہے، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، یہ دونوں بزرگ امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر تھے، اس لئے ان میں بھی بعض دینی مسائل میں مذاکرے ہوئے ہیں، ان میں سے اہل تذکرہ نے خصوصیت سے دو مسئلوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ مکہ مکرمہ کے اندر جو مکانات ہیں، ان پر ان کے رہنے والوں کا حق ملکیت بھی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہ ان کو کرایہ وغیرہ پر اٹھا سکتے ہیں یا نہیں، اور اگر نہیں ہے تو پھر ان کو بیچ کرنے یا کرایہ پر دینے کا اختیار ہے یا نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ملکیت کے قائل تھے۔ اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر کسی کی ملکیت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اتفاق سے اس بار مکہ مکرمہ میں ان دونوں بزرگوں کا اجتماع ہوگیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اس مسئلہ میں بہت سخت تھے، اس لئے انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا۔ اور اپنے اس اجتہاد پر قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا۔

للفقرآء المھجرین الذین اخرجوا من دیارھم (۱) ''ان فقیر مہاجرین کے لئے جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا''۔

ان کا استدلال یہ تھا کہ اس آیت میں دیار کی نسبت ان کے مالکوں کی طرف کی گئی ہے، پھر حدیث سے انہوں نے حجت قائم کی۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے، وہ مامون ہے۔ پھر فرمایا: کہ ابوسفیان کے مکان میں داخل ہوجائے، اس کو امن ہے، پھر فرمایا: کہ عقیل نے تو ہمارے لئے کوئی مکان نہیں چھوڑا، (جس میں ہم ٹھہر سکیں)۔ (امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلائل سن کر فرمایا: کہ مگر بعض تابعین میرے خیال کی تائید (حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے، جب آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ مکہ سے ہجرت کر گئے تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنا اور آنحضرت ﷺ کا مکان فروخت کرڈالا، یہ اسی طرف اشارہ ہے۔) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسوہ سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی نے فرمایا: کہ انہوں نے جیل خانے کے لئے کچھ لوگوں سے ان کے مکانات خرید لئے تھے۔ اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ میں تو رسول اللہ ﷺ کا قول پیش کرتا ہوں۔ اور آپ تابعین کی رائے سے استدلال کرتے ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر قرآن کی اس آیت کو استدلال میں پیش کیا۔

سوآء ن العاکف فیه والباد (۲) ''اس میں مقیم و مسافر دونوں برابر ہیں''

۱۔ الحشر ۵۹:۸ ۲۔ الحج ۲۲:۲۵

اس کے جواب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ تو مسجد حرام کے بارے میں ہے، مکہ مکرمہ کی عام زمین اس سے مراد نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور مسئلہ میں بھی مذاکرہ ہوا، وہ مسئلہ یہ تھا، کہ مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پاکی کے قائل تھے، اور امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ عدم جواز کے۔(۱)

عادات واخلاق: عادات واخلاق اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے بھی وہ ممتاز تھے، تمام اہل تذکرہ لکھتے ہیں: وہ صدق وصفا، ورع وتقویٰ میں ممتاز تھے، ان کے تقویٰ اور خشیت الٰہی کے بارے میں یہ آیت مثال کے طور پر پیش کی جاتی تھی۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (۲)　　خدا کے بندوں میں اس سے، اس کو جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔

ایک بار امیر خراسان علی بن طاہر کے پاس گئے، ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں، وہ کھاتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے، اس نے ان کی اس بے نیازی اور سادگی کو دیکھ کر کہا: اگر تم نے یہ کسی ریا کی وجہ سے نہیں کیا ہے، تو دنیا میں تم سے زیادہ بے ریا میں نے نہیں دیکھا۔(۳) اس سادگی کے باوجود زندگی زیادہ تر عسرت ہی میں بسر ہوتی تھی، وہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے، ایک بار تیس ہزار درہم ان پر قرض ہو گئے، حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے جو ان کے علم وفضل کے قائل تھے، علی بن طاہر امیر خراسان کو ایک رقعہ لکھا، کہ ان کا قرض ادا کر دیا جائے، چنانچہ اس نے ان کا قرض ادا کر دیا۔

(۴) حضرت وہب بن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ امام اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور عمر کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے مشرق میں سنت کو زندہ کیا"۔(۵) علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے سنت نبوی ﷺ کی ترویج کی۔ جھوٹی روایتوں کو احادیث نبوی ﷺ سے الگ کیا۔ اور جن لوگوں نے سنت کی مخالفت کی ان کا پورا مقابلہ کیا۔

تصنیف: انہوں نے اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں۔ مگر اس وقت ان کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے۔ علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف اتنا لکھا ہے۔ وصنف الکتب "انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں"۔

مگر اس کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی۔ ابن ندیم نے البتہ ان کی دو تصنیف کا تذکرہ کیا ہے: ۱۔ کتاب السنن فی الفقہ ۲۔ کتاب التفسیر، امام سیوطی نے لکھا ہے: کہ تابعین کے بعد جن لوگوں نے فن تفسیر کو زندہ کیا، ان میں اسحاق بھی ہیں۔(۶)

مزار مبارک زیارت گاہ خلق ہے: ۷۷ برس کی عمر میں ۲۳۸ھ میں وفات پائی ہے۔ ان کی قبر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ ان کی قبر مشہور ہے۔ اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔(۷)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ یہ فقہ میں ایک مسلک کے بانی تھے، جسے اسحاقیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

اسحق بن راھویہ قد کان اماما متبعاً لہ طائفۃ یقلدونہ، ویجتھدوا علی مسلکۃ۔(۸)　　"امام اسحاق بن راہویہ امام وقت تھے، ایک گروہ ان کی تقلید کرتا تھا اور ان کے مسلک کے مطابق مسائل کا استنباط اور اجتہاد کرتا تھا"۔

اس بات کا علم نہیں ہو سکا کہ یہ مسلک کہاں پروان چڑھا، کتنے دنوں تک زندہ رہا اور کب فنا ہو گیا۔(۹)

۱۔ طبقات الشافعیہ، ج ۱ ص ۲۴۹　　۲۔ فاطر ۳۵: ۲۸　　۳۔ ابن عساکر، ج ۲، ص ۴۱۴

۴۔ طبقات الشافعیہ، ج ۱ ص ۲۳۴　　۵۔ ابن عساکر، ج ۲، ص ۴۱۴

۶۔ تھذیب، ج ۱ ص ۲۱۹　　۷۔ اختصار علوم الحدیث، ص ۸۹

۸۔ اختصار علوم الحدیث، ص ۸۹　　۹۔ سیر الصحابہ، ج ۳، حصہ تبع تابعین (اول)، ص ۱۷۳۔۱۷۸

۲۔یحییٰ بن سلیم:

آپ کا نام ابومحمد یحییٰ بن سلیم طائفی مکی حذاء ار (م:۱۹۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ہیں، آپ کو امام بخاری، ابن معین، ابن سعد، ابن حبان اور امام عجلی رحمۃ اللہ علیہم نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ صالح محلہ الصدق، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے لیس بہ بأس وھومنکر الحدیث امام دولابی رحمۃ اللہ علیہ نے لیس بالقوی، امام دارقطنی نے سوء الحفظ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق سیء الحفظ کے الفاظ لکھے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ اپنے وقت کے ابدال تھے۔(۱)

۳۔اسماعیل بن کثیر: راجع:۸۷

۴۔محمد بن رافع:

آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن رافع بن ابی زید سابور قشیری نیشاپوری (م:۲۴۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ، عابد، مامون، صدوق راوی ہیں۔ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ عابد وزاہد اور خوددار شخصیت کے مالک تھے، امام ذکریا بن دلویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رئیس طاہر بن عبداللہ نے آپ کی خدمت میں پانچ لاکھ درہم بطور ہدیہ بھیجے، لیکن آپ نے اسے قبول نہ کیا اور واپس کر دیئے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سترہ (۱۷) اور امام مسلم نے تین سو باسٹھ (۳۶۲) احادیث مبارکہ آپ سے روایت کی ہیں۔(۲)

۵۔یحییٰ بن آدم:

یحییٰ نام ابوزکریا کنیت، والد کا نام آدم (۳)، امام نووی نے آدم اور سلیمان کے درمیان علی کے نام کا ایک اضافہ کیا ہے، جو عام تذکروں کے بیان کے خلاف ہے۔ (اموی نسبت دلائی ہے، نسبی نہیں۔ یعنی ان کے والد آدم خالد بن خالد اموی کے غلام تھے، اس وقت یہ عام دستور تھا کہ غلام اپنے آقا کی نسبت کے ساتھ منسوب ہوتے تھے، اس طرح یحییٰ بھی غلامان اسلام کی فہرست میں داخل ہیں، لیکن خود خالد اور اس کے باپ اور دادا کے متعلق اہل تذکرہ خاموش ہیں، خالد کا جداعلیٰ عقبہ بن معیط ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں مشہور تھا۔ بدر کے روز گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ البتہ اس کے لڑکے ولید نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ ابن سلیمان الاموی (۴) حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا سلیمان کا کوئی تذکرہ رجال کی کتابوں میں نہیں ملتا، ان کے والد آدم البتہ حدیث کے ثقہ راویوں میں ہیں، ابن سعد اور تھذیب میں ان کا تذکرہ موجود (۵) ہے، صحیح مسلم میں وکیع کی سند سے ان کی ایک روایت بھی موجود ہے۔

خراج اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک شعبہ ہے، اس کا قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ہو چکا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اس میں کوئی خاص تغیر نہیں ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے البتہ حکومت کے دوسرے شعبوں کی طرح اس کو ایک حد تک منظم کیا، اور اس کے انتظام میں

۱۔ i۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج۱۱، ص۲۲۶۔۲۲۷ — ii۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۶۴۸
iii۔طبقات ابن سعد، ج۵، ص۵۰۰ — iv۔الثقات، ج۷، ص۶۱۵
v۔الجرح والتعدیل، ج۹، ص۱۵۶ — vi۔تھذیب الکمال، ج۷، ص۳۶۷
۲۔ i۔المعجم المشتمل، ص۸۲۱ — ii۔الثقات، ج۹، ص۱۰۲
۳۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۱۷۵ — ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۶، ص۲۳۳
۵۔ تھذیب الکمال، ج۱، ص۱۹۶

بہت سے تغیرات کئے۔ اس کے بعد سے برابر اس شعبہ میں اصلاح وترقی ہوتی رہی، لیکن ڈیڑھ صدی تک اس کا کوئی مکمل تحریری دستور مرتب نہیں ہوا۔ ۱۷۰ھ میں جب ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوا، تو اس نے اس کام کی طرف توجہ کی، اور قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اس موضوع پر ایک خاص کتاب لکھنے کی درخواست کی، انہوں نے اس مبارک کام کو اپنے ذمہ لیا، اور کتاب الخراج کے نام سے ایک کتاب لکھ کر خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کی۔ کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب صرف خراج یعنی اسلامی ٹیکس سے متعلق ہوگی، لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ کتاب اسلامی حکومت کی مالی آمدنی اور خراج کا ایک مکمل دستور ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ہی کے زمانہ یا اس کے قریب قریب اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی گئیں، جن میں حضرت یحیٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاموال زیادہ مشہور ہے۔

ولادت: بعض قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۴۰ھ یا اس کے کچھ قبل یا بعد ان کی ولادت ہوئی وہ قرآئن یہ ہیں۔

۱۔ تمام اہل تذکرہ متفق ہیں کہ ان کی وفات ۲۰۳ھ میں ہوئی۔

۲۔ ان کے قدیم شیوخ میں حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ اور حضرت قطر بن خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۵ھ ہیں، اس حساب سے ان کے اور حضرت یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے سالِ وفات میں تقریباً ۵۰ برس کا فرق ہے۔

۳۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اس وقت تک بالکل چھوٹے بچوں کا سماع حدیث (حدیث سنانے) کا دستور نہیں شروع ہوا تھا۔ بلکہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جاتے تھے، تب شیوخ انہیں اپنے حلقہ درس میں لیتے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ) وغیرہ سے سماع کے وقت کم از کم ان کی عمر ۱۵ برس کی ہوگی۔

اس اعتبار سے اگر حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ کا سن وفات ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو وفات کے وقت حضرت یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۶۵ سال اور اگر ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو ۶۳ برس کی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ ان کا سنہ ولادت ۱۳۸ھ یا ۱۴۰ھ قرار دینا پڑے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تعلیم وتربیت: تذکروں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی تعلیم وتربیت کہاں اور کس کی نگرانی میں ہوئی اور انہوں نے کیا کیا علوم حاصل کئے، لیکن ان کے شیوخ کی فہرست اور ان کی کتاب کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ انہوں نے خالص دینی علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی تھی۔ اور اس کے حصول کے لئے تقریباً تمام علمی مراکز مثلاً مکہ، مدینہ، کوفہ، حمص، وغیرہ میں پہنچے، اور خصوصیت سے قرآن وحدیث کسی حد تک فقہ میں بھی دسترس بہم پہنچائی۔ ان کے شیوخ کی فہرست میں حضرت حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جو علم قراءت کے امام ہیں، ان کے تلمذ کی وجہ سے قیاس ہوتا ہے، کہ شاید انہوں نے علم قراءت میں بھی کچھ دستگاہ بہم پہنچائی ہو۔ حضرت یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۶ خلفاء منصور، ہادی، مہدی، ہارون، امین، مامون کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی خلیفہ کے دربار سے انہوں نے اپنا تعلق نہیں قائم کیا، اور نہ حکومت کا کوئی عہدہ قبول کیا۔

علم وفضل: علم وفضل کے لحاظ سے حضرت یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے۔ جس میں امام شافعی، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ہیں۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے جو آئمہ حدیث میں سے ہیں، روایت کی ہے: کہ حدیث کی سند کا مدار زیادہ تر چھ آدمیوں پر ہے: اہل مدینہ میں امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ، اہل مکہ میں حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ اہل بصرہ میں حضرت قتادہ اور یحیٰ بن ابی کثیر رحمہا اللہ علیہما، اہل کوفہ میں حضرت ابو اسحٰق، اہل مکہ میں امام ابن جریج اور ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہما اور اہل بصرہ میں حضرت سعید بن ابی عروبہ، حماد بن سلمہ، وابو عوانہ، شعبہ اور معمر رحمۃ اللہ علیہم اور اہل کوفہ میں سفیان ثوری

اور اہل شام میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور واسط میں حضرت ہشیم رحمۃ اللہ علیہ، پھران آئمہ کا علم تین آدمیوں حضرت یحییٰ القطان، یحییٰ بن زکریا اور وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہم میں سمٹ آیا۔ پھران تینوں سے یہ امانت حضرت عبداللہ بن مبارک عبدالرحمٰن بن مہدی اور یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہم کی طرف منتقل ہوئی۔(۱) حضرت یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ کثیر الحدیث اور بہت بڑے فقیہ تھے، حالانکہ ان کا سن بہت زیادہ نہیں تھا، حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: کہ ان کے پاس علم تھا، علامہ ابواسامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ میں جب حضرت یحییٰ بن آدم رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں، تو امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ یاد آجاتے ہیں، یعنی وہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح جامع العلوم تھے، علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ، یحییٰ بن معین، ابوحاتم، ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، حضرت یحییٰ بن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں: کہ ثقہ، صدوق، ثبت، حجۃ، (۲)، یحییٰ قابل اعتماد اور حجۃ تھے، ان کے علم وفضل کے متعلق ان آئمہ کی رائے سب سے بڑی سند ہے۔

مسلک: ان کے زمانہ تک باقاعدہ تقلید کا دور شروع نہیں ہوا تھا، اور نہ اس وقت محدثین اور فقہاء اپنے لئے اس لقب کو پسند کرتے تھے، بلکہ علماء قرآن وحدیث وآثار کی روشنی میں اپنی بصیرت کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ اگر کسی مسئلہ میں وہ خود رائے قائم نہیں کر پاتے تھے، تو آئمہ میں سے جن کی رائے انہیں پسند ہوتی، اس کو اختیار کر لیتے تھے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی: کہ اس زمانہ میں تشنگان علم بغیر کسی عصبیت اور تحزب وتعصب کے مختلف شیوخ سے سماع حدیث اور مختلف الخیال فقہاء کی خدمت میں جا کر تحصیل فقہ کرتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ حدیث میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، حضرت اسد بن فرات اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تحصیل کی تھی۔ خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان علمی مذاکرے ہوتے رہتے تھے۔ (اس وقت تک دو مسلک حنفی اور مالکی رواج پاچکے تھے، حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں دونوں میں سے ہر ایک کی کسی جگہ موافقت اور کسی جگہ مخالفت کرتے ہیں) (۳) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، ایسی بہت مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

حضرت یحییٰ بن آدم نے بھی مختلف الخیال محدثین اور فقہاء سے تحصیل علم کی تھی، ایک طرف وہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں، دوسری طرف سے حضرت حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کے جن کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے شدید اختلاف تھا، خاص تلامذہ میں تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کسی بھی امام کے مسلک کے پابند نہیں ہوسکے، اور نہ انہوں نے اپنی کتاب کو کسی خاص مسلک تک محدود رکھا۔ ان کے مسلک کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کا تعلق محدثین کی جماعت سے تھا۔ چنانچہ کتاب میں جہاں جہاں عندنا یا عند اصحابنا یا جماعۃ عن اصحابنا وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ مسائل میں ان کا نقطہ نظر محدثانہ تھا۔

تصانیف: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات میں صرف کتاب الخراج کا تذکرہ کیا ہے، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ ''ھو صاحب التصانیف'' وہ صاحب تصانیف ہیں، لیکن انہوں نے بھی کتاب الخراج کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ (۴)

۶۔ سفیان: راجع: ۱۱ ۷۔ عاصم بن لقیط: راجع: ۸۷

۸۔ لقیط بن صبرہ: ایضاً

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۳۰ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۱۰۵

۳۔ ص ۱۶، ۱۴۵ اور ص ۱۴۷ ۴۔ سیر الصحابہ، ج ۳، ص ۲۹۹۔۳۰۸

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت بیک وقت خماسی اور سداسی ہے، حضرت اسحاق بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے خماسی اور حضرت محمد رافع رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے سداسی ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چھیالیسویں (۴۶) حدیث مبارکہ ہے، اور سداسیات کے اعتبار سے یہ انچاسویں (۴۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ کی سند اول عالی ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ یحییٰ بن سلیم بعض کے نزدیک متکلم فیہ راوی ہیں۔

☆ سند کے دوراوی حضرت اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اور محمد رافع رحمۃ اللہ علیہ نیشاپوری، دوراوی حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ مکی، دوراوی حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کوفی اور دوراوی حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت لقیط بن صبرہ رحمۃ اللہ علیہ یمنی ہیں۔ اس طرح سند میں دوراوی نیشاپوری، دو مکی، دو کوفی اور دو یمنی ہیں۔

☆ سند میں تحویل ہے، جو کہ سند کے لئے تقویت کا باعث ہے۔

☆ سند میں اسماعیل بن کثیر ملتقی الاسنادین ہیں۔

☆ سند اول عالی اور سند ثانی نازل ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداءِ روایت اخبرنا اور انبانا ایک ایک دفعہ، حدث اور عنعنہ تین تین دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔ لغات:

توضات: جب تو وضو کرے۔ اسبغ: تو مکمل کر، اچھی طرح کر۔

خلل: تو خلال کر الاصابع: انگلیاں

۷۔ مسائل ونصائح:

انگلیوں کا خلال کرنا:

☆ علامہ ابوالحسن فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انگلیوں کا خلال کرنا مسنون ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم اپنی انگلیوں کا خلال کرو، تا کہ ان کے درمیان جہنم کی آگ نہ داخل ہو۔ اور یہ حکم اس لئے بھی ہے کہ یہ محل فرض کو اسی میں پورا کرنے والا ہے۔

جیسا کہ سنن اربعہ کی حدیث مبارکہ ہے:

حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم وضو کرو تو انگلیوں کا خلال کرو۔(۱)

☆ صاحب ہدایہ نے جس حدیث کو انگلیوں کے خلال کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے، اس میں ترک خلال پر سخت وعید وارد ہوئی ہے، اور انگلیوں کا خلال سنت بنایا ہے، حالانکہ شرعی اصول ہے کہ جس حکم کے ترک پر وعید ہو وہ واجب ہوتا ہے۔

اس کے جواب میں علامہ محمود البابرتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انگلیوں کے خلال میں امر کا صیغہ وجوب کا فائدہ نہیں دیتا، اگر چہ ترک خلال پر وعید ذکر ہوئی ہے، اس لئے حدیث اعرابی اور دیگر اخبار میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر آیا ہے، ان میں خلال کا ذکر نہیں ہوا، اسی وجہ سے اس حکم کو وجوب سے پھیر دیا گیا ہے۔ اور وعید کو بیان کرنے کا محل یہ ہے: کہ کہیں انگلیوں کے درمیان کی جگہ خشک نہ رہ جائے۔(۲)

☆ انگلیوں کا خلال یہ پاؤں کی صفت ہے کہ بائیں ہاتھ کی خنصر کو دائیں پاؤں کی خنصر سے خلال شروع کرے، اور بائیں پاؤں کی خنصر پر ختم کرے۔(۳)

☆ فقہاء احناف کے یہاں انگلیوں کے درمیان خلال کا طریقہ یہ ہے: کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر، دائیں ہاتھ کی انگلیاں بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر خلال کیا جائے۔ یہی طریقہ اولیٰ ہے۔

☆ پاؤں کی انگلیوں کا خلال بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے کرنا چاہئے، اس طرح کہ اسے دائیں پاؤں کی چھنگلیا کے نیچے داخل کر کے خلال کرنا شروع کیا جائے، یہاں تک کہ بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کیا جائے۔

☆ ناک میں پانی دینے کی حد یہ ہے کہ پانی ناک کے نرم حصہ تک پہنچایا جائے، اور اس میں مبالغہ جو حدیث کا منشا ہے، یہ ہے: کہ پانی اس سے بھی آگے گزر جائے، مگر جیسا کہ خود حدیث نے وضاحت کر دی ہے، کہ یہ مبالغہ یعنی ناک کے نرم حصہ سے بھی آگے پانی پہنچانا، اس وقت ہے جب کہ وضو کرنے والا روزہ دار نہ ہو، اگر وضو کرنے والا روزہ دار ہو تو پھر اس کے لئے یہ مبالغہ مکروہ ہے۔

☆ کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں سنت ہے اور غسل میں فرض مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غسل اور وضو میں یہ دونوں چیزیں سنت ہیں۔

☆ اگر انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور وضو کرے تو خلال سنت ہے، اور اگر انگلیاں کھلی ہیں، تو خلال ترک کرنا جائز ہے، اور اسی طرح اگر کوئی شخص جاری پانی سے وضو کرے یا حوض سے وضو کرے، اور اس میں اپنے پاؤں داخل کرے، تو بھی ترک خلال جائز ہے، اگر چہ انگلیاں ملی ہوئی ہی کیوں نہ ہوں جبکہ شمس الائمہ حلوانی فرماتے ہیں: کہ انگلیوں کا خلال مطلقاً سنت ہے۔(۴)

☆ انگلیوں کا خلال بھی اسی لیے ہے کہ محل فرض کی تکمیل ہو، اور اگر خلال کے بغیر پانی نہ پہنچے، تو ان کا خلال فرض ہے۔(۵)

۱۔ جامع ترمذی، ج۱، ص۷ ۲۔ عنایہ شرح ہدایہ، ج۱، ص۳۱ ۳۔ فتح القدیر، ج۱، ص۴۳

۴۔ المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی، ج۱، ص۸

۵۔ i- اللباب فی شرح الکتاب، ج۱، ص۷ ii- شرح ھدایہ، ج۱، ص۱۶۸۔۱۷۰

☆ گھنی ڈاڑھی اور انگلیوں میں خلال کرنا:

ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

گھنی داڑھی کا خلال داڑھی کی نچلی طرف سے ایک چلو پانی کے ذریعے کرنا مسنون ہے۔ ہلکی داڑھی اور گھنی داڑھی جو چہرے کی حد میں ہو اور مرد کے رخسار اور گال پر ہو، تو پانی اس کے ظاہری اور اندرونی حصے، اور اس کی جڑوں میں خلال وغیرہ کے ذریعے پہنچانا ضروری ہے۔ (۱)

☆ اسی طرح ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا یہ دونوں امور باتفاق فقہاء سنت ہیں، دلیل میں اس کی وہ حدیث ہے جو امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تصحیح کے ساتھ اسے روایت کیا ہے: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی مبارک میں خلال فرماتے تھے، اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے، تو ایک چلو پانی لیتے، اور اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے سے ڈالتے، اور اپنی ڈاڑھی کا اس سے خلال فرماتے، اور فرماتے کہ اس طرح میرے رب تعالیٰ نے مجھے کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۲)

☆ اسی طرح حضرت لقیط بن صبرہ کی روایت کردہ حدیث، جو استنشاق میں مبالغے کی دلیل ہے، جو کہ پہلے گذری کہ وضو مکمل کرو اور انگلیوں میں خلال کرو، اور استنشاق میں مبالغہ کرو، ماسوا اس کے کہ تم روزہ دار ہو۔ امام بخاری نے یہ حدیث روایت کی ہے اور امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۳)

☆ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ حدیث، کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ جب تم وضو کرو، تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرو۔ (۴)

☆ حضرت مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا: کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے، تو پاؤں کی انگلیوں میں چھنگلی سے خلال فرماتے تھے۔ (۵)

☆ علامہ عبدالرحمٰن الجزیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

منجملہ سنن وضو کے "ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں میں خلال کرنا" ہے اور خلال کرنے کا مطلب یہ ہے، کہ بعض انگلیوں کو بعض انگلیوں کی گھائیوں میں پانی سے تر کر کے پھیرا جائے۔ ایسا کرنا سنت مؤکدہ ہے، جس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اس عمل کا سنت ہونا، اس حال میں ہے، جب انگلیوں کی گھائیاں تر ہوں، اور انگلیاں بھنچی ہوئی ہوں۔ اگر پانی اندر نہ پہنچا ہو تو خلال کرنا سنت نہیں، بلکہ وہ واجب ہوگا۔ ہاتھ کی انگلیوں میں خلال کرنے کا طریقہ یہ ہے: کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم ایک دوسرے کی گھائیوں میں داخل کیا جائے۔ پیر کی انگلیوں میں خلال یہ ہے کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلیا کو پہلے دائیں پاؤں کی چھنگلی کی گھائی میں پھرایا جائے، اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام انگلیوں میں پھرا کر بائیں پاؤں کی چھنگلی پر ختم کیا جائے۔ اس طرح خلال کرنا بہتر ہے، باقی جس طرح جی چاہے خلال کر لیا جائے۔ (۶)

۱۔ مغنی المحتاج، ج ۱ص ۶۰ ۲۔ نیل الاوطار، ج ۱ص ۱۴۸

۳۔ ایضاً ص ۱۴۵ ۴۔ ایضاً ص ۱۵۳

۵۔ i- نصب الرایہ، ج ۱ص ۲۷ ii- الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱ص ۲۷۷

۶۔ کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، ج ۱ص ۸۱۔۸۲

☆ علامہ علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

سنت ہے کہ انگلیوں کے مابین پانی پہنچا کر ان کا خلال کیا جائے، اس لئے کہ ارشاد نبوی ہے:

خللوا اصابعکم قبل ان تخللها نار جهنم وفی روایة خللوا اصابعکم لاتخللها نار جهنم۔ (الحدیث)

قبل اس کے کہ جہنم کی آگ ان کا خلال کرے، تم خود ہاتھ کی انگلیوں کا خلال کیا کرو۔ دوسری روایت میں ہے کہ تم انگلیوں کا خلال کرلیا کرو، تو جہنم کی آگ ان میں نہیں بھرے گی۔

علاوہ ازیں خلال کرنا کمال طہارت کا ذریعہ ہے، لہٰذا یہ مسنون ہے اور اگر انگلی میں کوئی انگوٹھی ہو، تو اگر تو وہ کشادہ ہے تو اس کو ہلانے کی ضرورت نہیں اور اگر وہ تنگ ہے، تو اس کو ہلانا ضروری ہے تا کہ اس کے نیچے پانی پہنچ سکے۔ (۱)

۸۔خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ وضو میں پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے۔ کیونکہ امام نسائی رضی اللہ عنہ نے اس باب سے پچھلے باب میں پاؤں کو دونوں ہاتھوں کے ساتھ دھونے کی سنت اور بعد والے باب میں دونوں پاؤں کو تین تین دفعہ دھونے کی سنت کا بیان کیا ہے۔

☆ یہاں پر امر استحباب کے لئے ہے، تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا سنت ہے، البتہ بعض اہل ظواھر کے نزدیک واجب ہے۔

☆ احناف کے نزدیک اگر ہاتھ یا پاؤں کی انگلیاں باہم ملی ہوئی ہوں، تو خلال کرنا فرض ہے، تا کہ فرض کی تکمیل ہو سکے۔

☆ پاؤں کی انگلیوں کے خلال کا سنت طریقہ یہ ہے: کہ بائیں ہاتھ کی چھنگلی انگلی کے ساتھ دائیں پاؤں کی چھنگلی سے خلال شروع کرے، اور بائیں ہاتھ کی چھنگلی انگلی پر ختم کرے۔

☆ اسبغ الوضوء سے مراد ہے کہ وضو کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحباب پر عمل کیا جائے۔

باب ۹۳: عَدَدُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ — پاؤں دھونے کی تعداد

اس باب میں پاؤں دھونے کی مسنون تعداد کا بیان ہے، اور وہ تین دفعہ دھونا ہے، پاؤں کم از کم ایک مرتبہ دھونا فرض ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کرنے کا بیان تھا۔

۱۱۵۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اٰدَمَ عَنِ ابْنِ اَبِیْ زَائِدَةَ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ وَغَیْرُهٗ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِیْ حَیَّةَ الْوَادِعِیِّ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّاَ فَغَسَلَ كَفَّیْهِ ثَلَاثًا وَّتَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثَلَاثًا وَّغَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلَاثًا وَّذِرَاعَیْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا وَّمَسَحَ بِرَاْسِهٖ وَغَسَلَ رِجْلَیْهِ ثَلَاثًا ثَلَاثًا قَالَ هٰذَا وُضُوْءُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

حضرت ابوحیہ وادعی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا: آپ نے تین مرتبہ ہتھیلیوں کو دھویا، تین مرتبہ کلی کی، تین مرتبہ ناک میں پانی چڑھایا، تین مرتبہ چہرہ دھویا، تین تین مرتبہ دونوں بازو دھوئے، ایک مرتبہ سر کا مسح کیا اور دونوں پاؤں تین تین مرتبہ دھوئے، پھر فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو ہے۔

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۱، ص۱۳۹

۱۔مطابقت:

اس حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں پاؤں تین تین مرتبہ دھوئے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۹۶، ۱۳۶، ابوداؤد: ۱۱۶، ترمذی: ۴۸، السنن الکبریٰ: ۱۶۴، تحفۃ الاشراف: ۱۰۳۲۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی کی تفصیل درج ذیل ہے:
۱۔محمد بن آدم:

آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن حاتم بن سلیمان جھنی مصیصی رحمۃ اللہ علیہ (م: ۲۵۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام ابوبکر بن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ اپنے وقت کے ابدال تھے۔(۱)
۲۔یحیٰ ابن ابی زائدۃ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: یحیٰ نام، ابوسعید کنیت اور والد کا نام زکریا تھا، سلسلہ نسب وہ یہ ہے:
یحیٰ بن زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز الھمدانی، اپنے دادا ابوزائدہ کی نسبت شہرت پائی، محمد بن المبشر الھمدانی سے تعلق ولاء رکھتے تھے۔

تعلیم وتربیت: شیخ یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے والد زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ خود بڑے پایہ کے محدث اور فقیہ تھے، اس لیے یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو علمی خانوادہ میں پیدا ہونے کے باعث علم سے قدرتی وفطری مناسبت تھی، پھر ان کے والد کو بھی شروع ہی سے اپنے بیٹے کی تعلیم کا بڑا خیال تھا، حضرت عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے حضرت زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے، کہ وہ اپنے صغیر السن بچے کو حضرت مجاہد بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے تھے، اور ان سے کہتے تھے: "بیٹے ان حدیثوں کو یاد کرلو"۔ مزید برآں یہ ہوا کہ حضرت یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ کے رہنے والے تھے، جو اس زمانہ میں اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ تھا، آپ نے ان قدرتی مواقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ آپ نے حدیث کا سماع اپنے والد ماجد حضرت زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل بن ابی خالد، سلیمان الاعمش، حجاج بن الارطاۃ، ابن عون اور عاصم الاحول رحمۃ اللہ علیہم جیسے اساطین علم وفن سے حاصل کیا، اور اپنے ذوق وشوق اور شیوخ کے فیض التفات سے علم وفیض میں وہ بلند مقام حاصل کیا، کہ منتخب علماء وقت میں شمار کیے جانے لگے۔

اساتذہ: اوپر جن اکابر شیوخ کا ذکر ہوا، ان کے علاوہ حضرت یحیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی بکثرت آئمہ سے کسب فیض کیا، جن میں سے کچھ نام یہ ہیں:
حضرت یحیٰ بن سعید الانصاری، عکرمہ بن عمار، ابو مالک الاشجعی، ابن ابی غنیۃ، عبدالملک بن عبدالحمید، مسعر بن کدام رحمہم اللہ وغیرہ۔

علم وفضل: یحیٰ کی جلالت علمی پر علمائے امت متفق الرائے ہیں، امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ حضرت ابن عباس اپنے زمانہ میں علم کے منتہا تھے، ان کے بعد حضرت شعبی اپنے عہد میں علم کے مرکز قرار پائے، پھر حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا عہد آیا، تو امام وقت ہوئے، اسی طرح حضرت یحیٰ بن

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۷، ص۲۰۹ ii۔تھذیب الکمال، ج۸، ص۵۳۶۔۵۳۷

ابی زائدہ رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں علم کے منتہا تھے۔ ایک دوسرے قول میں وہ مزید فرماتے ہیں کہ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی شخص معتبر فی الحدیث نہیں تھا، حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ مشہور امام جرح وتعدیل ہیں، لیکن وہ بھی حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی جلالت ووجاہت کے اس درجہ معترف تھے، کہ فرمایا کرتے تھے: کہ کوفہ میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے، جس کی مخالفت میرے لئے حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ کی مخالفت سے زیادہ صبر آزماء اور شدید ہو۔

حدیث: ان کا خاص فن حدیث تھا، جس میں وہ یکتائے عہد تھے، حضرت ابو خالد الاحمر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ "کان یحییٰ جیدا لاخذ للحدیث"، حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث کے انتخاب میں بڑی بصیرت حاصل تھی، ان میں ایک خاص کمال یہ تھا کہ وہ عموماً کتاب دیکھے بغیر اپنے حافظہ سے روایت کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود کیا مجال تھی کہ کہیں خطا ہو جائے، حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نقد وجرح میں نہایت متشدد تھے، لیکن وہ بھی صرف ایک حدیث میں حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کی غلطی کا دعویٰ کر سکے۔ فرماتے ہیں: کان یحییٰ بن زکریا کیساً ولا اعلمہ اخطا الافی حدیث واحد۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ دو ایسی شخصیتیں ہیں، کہ ہم نے ان کے مثل کسی کو نہیں دیکھا۔

مدار اسناد: حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں اسناد کے سب سے بڑے مدار تھے، حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: کہ اسناد کا دارومدار پہلے زمانہ میں چھ بزرگوں پر تھا، آپ نے ان کے اسمائے گرامی بھی شمار کرائے، پھر ان چھ ارباب علم وفضل کا علم ایسے مختلف اصحاب کی طرف منتقل ہو گیا، جنہوں نے علم کی مختلف شاخوں میں کمال پیدا کیا، (حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ان بزرگوں کا نام بھی لیا)، پھر ان سب کا علم دو بزرگوں پر آکر ختم ہو گیا، ایک ابو سعید یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ جو بنو تمیم کے غلام تھے اور جنہوں نے صفر ۱۹۸ھ میں وفات پائی، اور دوسرے بزرگ حضرت یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کیا عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح یہ دونوں بزرگ نام اور کنیت میں یکساں ہیں، علم کی جامعیت اور مرکزیت میں بھی ایک ہیں۔

ثقاہت: ثقاہت اور تثبت کے لحاظ سے ان کا پایہ بہت بلند تھا، تمام آئمہ حدیث ان کی ثقاہت پر متفق ہیں، حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: کہ آپ کو ابن مسہر زیادہ محبوب ہیں، یا یحییٰ بن ابی زائدہ، بولے "دونوں ثقہ اور قابل قبول ہیں، امام نسائی اور عجلی رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں، حضرت ابن نمیر رحمۃ اللہ علیہ اتقان کے لحاظ سے ان کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فائق مانتے ہیں، امام ابو حاتم فرماتے ہیں: وہ مستقیم الحدیث ثقہ اور صدوق ہیں، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار کوفہ کے حفاظ حدیث میں ہوتا ہے، وہ متقن، ثبت اور صاحب سنت تھے۔

فقہ: حدیث کی طرح ان کو فقہ میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ ان کا شمار کوفہ کے فقہاء محدثین میں بھی ہوتا ہے، ایک مرتبہ حضرت عجلی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آ گیا، تو انہوں نے جواب دیا: کہ یہ بھی ثقہ ہیں، اور ان کے والد حضرت زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ثقہ تھے، اور دونوں ان اکابرین امت میں سے ہیں، جو حدیث اور فقہ دونوں کے جامع تھے، حسن بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کرنے کے بعد لوٹے، تو انہوں نے بیان کیا: کہ میں کوفہ کے سب سے بڑے فقیہ (حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ) کے پاس مہمان تھا۔

افتاء: فقہی کمال کے ساتھ وہ صاحب افتاء بھی تھے، حضرت ابن عماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ انہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں شمار کرتے ہیں۔

عہدہ قضا اور وفات: کمال تفقہ اور تثبیت فی العلم کی وجہ سے ان کو وفات سے چار ماہ پیشتر مدائن کی قضا کا عہدہ پیش کیا گیا، جس کو انہوں نے منظور کرلیا۔ یہ زمانہ خلیفہ ہارون الرشید کی حکومت کا تھا۔ لیکن عمر نے وفا نہیں کی، اور اسی عہدہ قضا پر مامور ہونے کی حالت میں، بماہ جمادی الاولیٰ ۱۸۳ھ میں مدائن میں وفات پائی، صاحب شذرات نے ۱۸۲ھ کے وفیات میں ذکر کیا ہے، اس وقت عمر ۶۳ (تریسٹھ) سال کی تھی۔

تصنیفات: حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیگر محدثین میں ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی حاصل تھی، کہ وہ کوفہ کے سب سے پہلے امام ہیں، جنہوں نے حدیث میں تصنیف کی۔ علامہ بغدادی، علامہ سمعانی اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تینوں لکھتے ہیں کہ:

وھو اول من صنف الکتب بالکوفۃ. وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کوفہ میں کتابیں تصنیف کیں۔

ان کا انداز تصنیف اتنا مقبول ہوا کہ ان کے بعد اور آئمہ نے بھی تصنیف کی طرف توجہ کی، تو انہیں کے نقش قدم کو دلیل راہ بنانا پڑا، چنانچہ منقول ہے کہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی ہی پیروی کی۔ ان کی تصنیفات کی تعداد اور دیگر تفصیلات کے بارے میں اہل تذکرہ خاموش ہیں۔ ابن ندیم نے صرف ایک کتاب ''کتاب السنن'' کی تصریح کی ہے۔ اغلب ہے کہ جس طرح اور بہت سے آئمہ کی تصنیفات گوشہ خمول میں گم ہیں، ان کی بھی نادر الوجود ہیں۔ (۱)

۳۔ زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام و نسب: نام زکریا اور ابو یحییٰ کنیت تھی، پورا نسب نامہ یہ ہے: زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز، ایک دوسرے قول کے مطابق ان کے والد کا نام ہبیرہ تھا، عمرو بن عبداللہ الوداعی سے نسبت ولاء رکھتے تھے، وادعہ قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے اسی بنا پر زکریا بن ابی زائدہ الوداعی اور الہمدانی کہے جاتے ہیں۔ (۲) علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ کو عمرو بن عبداللہ کے بجائے محمد بن المنتشر ہمدانی کا غلام بتایا ہے۔ (۳)

فضل و کمال: علم و فضل کے اعتبار سے وہ زمرہ تبع تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کی جلالت مرتبت کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے، کہ ان کے صاحبزادے حضرت یحییٰ بن زکریا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے والد کے فیض صحبت سے بہرہ ور ہوکر خود بھی تبع تابعین میں بلند مرتبہ ہوئے، حدیث و فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حدیث: حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا شمار طبقہ سادسہ کے محدثین میں کیا ہے، اور اہل نظر سے مخفی نہیں، کہ اخیار و صلحاء امت کا یہ وہ طبقہ ہے، جنہوں نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم کے چراغوں سے اپنے دلوں کی دنیا منور کی تھی، انہوں نے اپنے گرد و پیش کی پوری فضا کو قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول کے سرمدی نغموں سے گونجتا پایا تھا، چنانچہ حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس معدن علم سے کندن بن کر نکلے، انہوں نے اس علمی ماحول سے پوری طرح استفادہ کیا تھا اور سرمد آرائے روزگار آئمہ سے حدیث و فقہ کی تحصیل کی تھی۔ حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو مشہور تابعی اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل تھا، ان کے علاوہ جن علماء سے انہوں نے اپنی علم تشنگی فرو کی ان میں حضرت عامر الشعبی، فراس، سماک بن حرب، سعد بن ابراہیم، خالد بن سلمہ، مصعب بن شعبہ، عبدالمالک بن عمیر کے اسمائے گرامی ممتاز ہیں۔ (۴)

تلامذہ: خود زکریا بن ابی زائدہ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے یحییٰ کے علاوہ سفیان ثوری، شعبہ، عبداللہ بن مبارک، عیسیٰ بن یونس، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح، ابو اسامہ، ابونعیم رحمۃ اللہ علیہم جیسے اکابر شامل ہیں۔

ثقاہت اور تدریس: ان کی عدالت و ثقاہت کے بارے میں محققین مختلف الرائے ہیں۔ (۵) تاہم انہیں ضعیف کسی نے بھی قرار نہیں دیا، زیادہ

۱۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، ص ۲۵۴۔۲۵۷ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۳۲۹ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۲۷

۴۔ تھذیب وتھذیب، ج ۳، ص ۳۳۰ ۵۔ i۔ میزان الاعتدال للذہبی، ج ۱، ص ۳۴۹ ii۔ تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۳۲۹

سے زیادہ بعض علماء نے ان کی طرف تدلیس کی نسبت کی ہے، یعنی اپنے شیخ کا ذکر کئے بغیر براہ راست اوپر کے راوی سے حدیث بیان کر دیتے تھے۔ ناقدین فن کے نزدیک یہ چیز ایک عیب تصور کی جاتی ہے، لیکن احناف کے نزدیک ثقات کی مدلس روایات مقبول ہیں، جیسا کہ حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت مسلم ہے۔ علماء کی ایک بڑی تعداد نے انہیں ثقہ اور صدوق قرار دیا ہے، علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "کان ثقة كثير الحديث" (۱) حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ انہیں صدوق، مشہور، حافظ کہتے ہیں۔ (۲)

امام احمد ابوداؤد نے بھی تصدیق کی ہے۔ (۳) امام نسائی، یعقوب بن سفیان اور ابوبکر البزار رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کی ثقاہت کے معترف ہیں، (۴) مزید برآں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الثقات میں ان کا بہت نمایاں ذکر کیا ہے۔ (۵)

افتاء قضاءت: فقہ وحدیث میں عبور کلی کے ساتھ افتاء قضاءت پر بھی کامل قدرت حاصل تھی، اس بنا پر کوفہ کی مسند قضا کی بھی زینت بنے، علامہ ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: كان قاضياً بالكوفة۔ (۶)

علماء کی رائے: حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت شان کا اعتراف ان کے معاصر اور بعد کے علماء دونوں نے کیا ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: کہ جب ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی روایت کے بارے میں ان کے شاگردان رشید زکریا اور اسرائیل میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے، تو میرے نزدیک حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہوگا، امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ زکریا مجھے ہر چیز میں سب سے زیادہ محبوب ہیں، امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ وہ ثقہ تھے، لیکن انہوں نے امام ابواسحاق سبیعی سے ان کی آخری زندگی میں سماعت کی تھی، جبکہ انسان کا دماغ وذہنی قویٰ انحطاط پذیر ہو جاتے ہیں، اس لئے محدثین اس زمانہ حیات کی روایتوں کو بلند درجہ نہیں دیتے، چنانچہ آئمہ فن نے حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت کا اعتراف کرنے کے باوصف ان کی ان روایات کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔ (۷)

وفات: باختلاف روایت ۱۴۸ھ یا ۱۴۹ھ میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔ (۸)

۴۔ ابی اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: عمرو نام، ابواسحاق کنیت، کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، نسب نامہ یہ ہے: عمرو بن عبداللہ بن علی بن احمد بن ذی یحمد بن سبیع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن جشم بن خیران بن نوف بن ہمدان ہمدانی کوفی۔

ہمدان میں ان کا ممتاز اور مشہور خاندان تھا۔ اسلامی عہد میں یہ خاندان کوفہ میں آباد ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت ابواسحاق کے دادا مدینہ منورہ آئے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندانی اعزاز کا لحاظ کر کے پندرہ ہزار پانچ سو ان کا اور سو سو ان کے اہل وعیال کا وظیفہ مقرر کیا۔ (۹)

پیدائش: امام ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ غالباً کوفہ ہی میں عثمانی عہد کے آخر میں، جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تین سال باقی تھے، پیدا ہوئے۔ (۱۰)

اموی دور: اموی دور میں بھی امام ابواسحاق کا خاندانی اعزاز قائم رہا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ اور ان کے والد تین سو وظیفہ پاتے تھے۔ (۱۱)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۲۲۷ ۲۔ میزان الاعتدال، ج ۱ ص ۳۴۹ ۳۔ تھذیب الکمال، ج ۳ ص ۵۸۱
۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۳ ص ۳۳۰ ۵۔ ایضاً ۶۔ ایضاً ۷۔ ایضاً
۸۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۲۲۷ ۹۔ ایضاً ص ۲۱۹ ۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۰۲

فضل وکمال: مرکز علم کوفہ میں امام ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی نشو ونما ہوئی تھی، ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد وصلاحیت تھی، اس لئے علمائے کوفہ کے فیض سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان کا شمار علماء کے اکابر علماء میں ہوگیا۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ ان کی توثیق، جلالت اور ثناء پر سب کا اتفاق ہے۔(۱) حافظ ذہبی لکھتے ہیں: کہ وہ علم کا ظرف تھے، ان کے مناقب بہت ہیں۔(۲) علامہ ابن ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ ان کو آئمہ اسلام اور بڑے حفاظ حدیث میں لکھتے ہیں۔(۳)

قرآن: قرآن کے وہ نہایت مشہور قاری تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب ان کو عمراء القاری کہتے تھے۔ اس فن کی تعلیم انہوں نے اس فن کے مشہور علماء حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی اور اسود بن یزید رحمہما اللہ سے حاصل کی تھی۔(۴)

حدیث: حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کو علم کا ظرف اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔ صحابہ میں انہوں نے حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، معاویہ، عمرو بن یزید الخطمی، نعمان بن بشیر، عمرو بن الحارث، عمرو بن الحریث، زید بن ارقم، براء بن عازب، سلیمان بن صرد، حارثہ بن وہب، عدی بن حاتم، جابر بن سمرہ، رافع بن خدیج، عروہ بارقی، ابوجحیفہ، خالد بن عرفطہ، جریر بن عبداللہ بجلی، اشعث بن قیس، مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم، اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔(۵) امام ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے شیوخ کی تعداد باختلاف روایت تین یا چار سو لکھی ہے۔ ان میں اڑتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔(۶) امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ روایات کی کثرت اور رجال کے علم میں، ان کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔(۷) امام ابوداؤد الطیالسی کا بیان ہے: کہ ہم نے چار آدمیوں کے پاس حدیث کا ذخیرہ پایا۔ ان چار میں ایک حضرت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی احادیث اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایات ان کے پاس زیادہ تھیں، ان کی جملہ احادیث کی تعداد دو ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔(۸)

تلامذہ: شیوخ کے تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا، اور اس میں بڑے بڑے تابعین تھے۔ بعض قابل ذکر نام یہ ہیں: حضرت سلیمان التیمی، اعمش، قتادہ، اسماعیل بن ابی خالد، شریک بن عبداللہ، عمارہ بن زریق، منصور بن معتمر، سفیان ثوری، مسعر، مالک بن مغول، سفیان بن عیینہ، زہیر بن معاویہ، زائدہ، حسن بن صالح اور ابوبکرہ بن عباس رحمہم اللہ وغیرہ۔(۹)

زہد وعبادت: اس علم کے ساتھ عمل بھی اسی درجہ کا تھا، بڑے عابد وزاہد تھے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: کان صواما قواما مقبی قبتلا۔(۱۰) تین دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ روزے بھی بکثرت رکھتے تھے۔(۱۱) آخر عمر میں جب قویٰ ضعیف اور عبادت شاقہ کے متحمل نہ رہ گئے تھے، اس وقت ان معمولات میں فرق آ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی مہینہ میں تین دن اور ہر جمعہ و دوشنبہ کو اور اشہر حرم میں پابندی سے روزہ رکھتے تھے، اور ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ ختم کرتے تھے۔(۱۲)

جہاد فی سبیل اللہ: جہاد فی سبیل اللہ کا بھی ولولہ تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں روم کی فوج کشی میں شریک ہوئے تھے۔

وفات: ۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت کم وبیش سو سال کے قریب عمر تھی۔(۱۳)

۱۔ تھذیب الاسماء، ج۱ص۱۷۲ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۰۲ ۳۔ شذرات الذھب، ج۱ص۱۷۴
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۰۱۹ ۵۔ تھذیب الاسماء، ج۱ص۱۶ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۰۳
۷۔ تھذیب التھذیب، ج۸ص۶۵ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۰۲ ۹۔ تھذیب الاسماء، ج۱ص۱۷۱
۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۱۰۲ ۱۱۔ ایضاً ۱۲۔ ایضاً ص۱۰۱
۱۳۔ i۔ ایضاً ص۱۰۳ ii۔ سیر الصحابہ، ج۳ص۳۳۶۔۳۳۷

۶۔ابوحیۃ الوادعی: راجع:۹۶

۷۔حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ:

نام ونسب: علی نام، ابوالحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر (شیر) (۱) لقب، والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی، اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ خاندان ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت وعظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے والد ابوطالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی، اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا۔ ابوطالب ہر موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سینہ سپر رہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے پنجۂ ظلم وستم سے محفوظ رکھا۔ مشرکین قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ ایک گھاٹی میں اس کو محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، کھانا پینا تک بند کر دیا۔ غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اٹھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ ابوطالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جو خدمت وحمایت کی ہے، اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لامتناہی دولت حاصل ہو، اس لئے ابوطالب کی وفات کے وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی۔ ابوطالب نے کہا، عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا۔ (۲) سیرت ابن ہشام میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا، مگر یہ روایت کمزور ہے۔ بہرحال ابوطالب نے گو اعلانیہ اسلام قبول نہیں کیا۔ تاہم انہوں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح پرورش وپرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت وحمایت کا فریضہ سرانجام دیا، اس لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکرگذاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کے اس یتیم معصوم کی، ماں کی طرح شفقت ومحبت سے پرورش کی، مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئیں، ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا۔ لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا: کہ ابوطالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنون احسان ہوں۔ (۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے، ابوطالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے۔ قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا، اس لئے رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ ہم کو اس مصیبت وپریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حسب ارشاد حضرت جعفر علیہ السلام کی کفالت اپنے

۱۔ مسلم، ۴۶۷۸ ۲۔سیرت ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۲۸ ۳۔اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۱۷

ذمہ لی اور سرور کائنات ﷺ کی نگاہ انتخاب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پسند کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پرنور ﷺ کے ساتھ رہے۔ (۱)

اسلام: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا، کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی جل جلالہ سے نبوت کا خلعت عطا ہوا۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لئے ان کو اسلام کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے۔ چنانچہ ایک روز آنحضرت ﷺ اور ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو مصروف عبادت دیکھا۔ اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا۔ طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا: آپ دونوں کیا کررہے تھے؟ سرور کائنات ﷺ نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفروشرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے، متحیر ہو کر عرض کی: اپنے والد ابوطالب سے دریافت کروں، اس کے متعلق؟ چونکہ سرور کائنات ﷺ کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لئے فرمایا: کہ اگر تمہیں تامل ہے، تو خود غور کرو، لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ آنحضرت ﷺ کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی، توفیق الٰہی شامل ہوئی، اس لئے زیادہ غور وفکر کی ضرورت پیش نہ ہوئی اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا، بعض روایات سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی، بعض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کے خیال میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارث کا ایمان سب پر مقدم ہے۔ لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مردوں میں، حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ غلاموں میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

مکہ کی زندگی: اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے، چونکہ وہ رات دن سرور کائنات ﷺ کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم وارشاد کے مجمعوں میں، کفار ومشرکین کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی پرستش وعبادت کے موقعوں پر، غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے لئے اعلانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ آنحضرت ﷺ چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی عبادت فرماتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ وادیٔ نخلہ میں حسب معمول مصروف عبادت تھے، کہ اتفاق سے اس طرف ابوطالب کا گذر ہوا۔ اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروف عبادت دیکھ کر پوچھا: کیا کرتے ہو؟ آنحضرت ﷺ نے کلمہ حق کی دعوت دی، تو کہنے لگے: کہ اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ (۲)

ایام حج میں مکہ مکرمہ کی سرزمین قبائل عرب کا مرجع بن جاتی تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے، تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے۔ (۳) کبھی کبھی تو آپ ﷺ کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کردیتے تھے۔ (۴)

انتظام دعوت: منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تین برس تک اعلانیہ دعوت اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی، بلکہ پوشیدہ

۱۔ زرقانی، ج ۱، ص ۲۸۰ ۲۔ اسعد الغابہ
۳۔ کنز العمال، ج ۶، ص ۳۱۹ ۴۔ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۸۴

طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے۔ چوتھے سال کے اعلان عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وانذر عشیرتک الاقربین O(۱) ''اپنے قریبی اعزہ کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ''۔

سرور کائنات ﷺ نے اس حکم کے موافق کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی، لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہو سکتا تھا۔ ابولہب نے کہا: تبالك اسی لئے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی، لیکن انہوں نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا۔ دستر خوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا، دعوت میں کل خاندان شریک تھا، جن کی تعداد چالیس تھی، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ، ابولہب اور ابوطالب بھی شرکاء میں شامل تھے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر فرمایا ''یا بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم! میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں، بولو: تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا؟'' اس کے جواب میں سب چپ رہے، صرف شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے، اور میری ٹانگیں پتلی ہیں، تاہم میں آپ ﷺ کا یاور اور دست و بازو بنوں گا''۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھا تم بیٹھ جاؤ، اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا، لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اٹھے، آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بار گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہ کیا، تو اس مرتبہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جانبازی کے لہجہ میں، انہی الفاظ کا اعادہ کیا، تو ارشاد ہوا: بیٹھ جاؤ: تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔''(۲)

ہجرت: بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے۔ لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ ﷺ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے جانثاروں کو اسیر پنجہ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ منورہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ معظمہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں، اس لئے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں۔ اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول ﷺ کی جان کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کاشانہ نبوت ﷺ کی طرف چلے کہ مکہ معظمہ چھوڑنے سے پہلے ذات اقدس (ﷺ) کو دنیا سے رخصت کر دیں، لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام حقانیت کے نور سے پرنور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے۔ اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت ﷺ کس طرح غروب ہو سکتا تھا۔ اس لئے وحی الٰہی نے آنحضرت ﷺ کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دے دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا، سرور کائنات ﷺ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے فرش اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

فدویت و جان نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیس برس کی تھی، اس عنفوان شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لئے پیش

۱۔ الشعراء ۲۶: ۲۱۴ ۲۔ طبری، ص ۱۱۷۲

کرنا فدویت وجان نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون واطمینان کے ساتھ محوخواب رہا، غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکہ میں رہے کہ خود سرور کائنات ﷺ ہی استراحت فرما ہیں۔ صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لئے اندر آئے، لیکن یہاں یہ دیکھ کر وہ متحیر رہ گئے کہ شہنشاہ دو عالم ﷺ کے بجائے، آپ ﷺ کا ایک جانثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لئے سر بکف سو رہا ہے، مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش وجستجو میں روانہ ہوگئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن مکہ معظمہ میں مقیم رہے، اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپ ﷺ کا کاروبار اور لین دین اور امانتیں تھیں، ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیر باد کہہ کر عازم مدینہ شریف ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت سرور کائنات ﷺ مقام قبا پر حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی انہی کے مکان میں جا کر فروکش ہوئے۔ (۱) رسول اللہ ﷺ نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔ (۲)

تعمیر مسجد: مدینہ شریف کا اسلام مکہ معظمہ کی طرح بے بس ومجبور نہ تھا، بلکہ آزادی وحریت کی سرزمین میں تھا، جہاں ہر شخص اعلانیہ خدائے واحد کی پرستش کرسکتا اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کرسکتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرور کائنات ﷺ کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم جوش کے ساتھ شریک کار تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اینٹ اور گارہ لا لا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔

لا یستوی من یعمر المساجد یدائب فیہ قائما وقاعدا ومن یری عن الغبار حائد۔ (۳)

''جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد وغبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ برابر نہیں ہوسکتے''۔

غزوات ودیگر حالات:

غزوۂ بدر: سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے، اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ اپنے تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چند منتخب جان بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل وحرکت کا پتہ چلانے کے لئے بھیجا، انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کرلیا، سترہویں رمضان جمعۃ المبارک کے دن جنگ کی ابتداء ہوئی۔ قاعدہ کے موافق پہلے تنہا مقابلہ ہوا۔ سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی گرامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے، تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا، اور آگے بڑھے۔ قریش کے بہادروں نے ان کا نام ونسب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ وہ مدینہ منورہ کے نوجوان ہیں، تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کردیا اور آنحضرت ﷺ کو پکار کر کہا: کہ اے محمد! (ﷺ) ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے خاندان کے تین غازیوں کے نام لئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ تینوں اپنے حریفوں کے لئے میدان میں آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کردیا۔ اس کے بعد جھپٹ کر حضرت

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۳ ۲۔ ایضا ص ۱۴ ۳۔ زرقانی، ج ۱، ص ۴۲۶

عبیدہ رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو کو بھی قتل کیا، مشرکین نے طیش میں آ کر عام حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرہ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے، اور عام جنگ شروع ہوگئی۔ شیر خدا نے صفیں کی صفیں الٹ دیں، اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی۔(۱)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح: اسی سال یعنی ۲ھ میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دامادی کا شرف بخشا، یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خواہش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے؟ بولے: ایک گھوڑا اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گھوڑا تو لڑائی کے لئے ہے، البتہ زرہ کو فروخت کردو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا، اور قیمت لا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں، اور خود نکاح پڑھایا، اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔(۲)

رخصتی: نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اس لئے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو۔ چنانچہ حضرت حارث بن النعمان رضی اللہ عنہ کا مکان ملا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ملکہ جنت کو رخصت کرا کے مکان میں لے آئے۔(۳)

جہیز: حضرت سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا، اس کی کل کائنات یہ تھی: ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوت ولیمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی نہایت فقیرانہ وزاہدانہ تھی۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا، جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوت ولیمہ کے لئے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا، لیکن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب سیخ بنا دیا، اس لئے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا، جو زرہ کی قیمت میں مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اسی سے دعوت ولیمہ کا سامان کیا، جس میں کھجور، جو کی روٹی، پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا، لیکن یہ اس زمانہ کے لحاظ سے پر تکلف ولیمہ تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔(۴)

فضل وکمال: حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بچپن ہی سے درس گاہ نبوت میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ مسند احمد میں خود ان سے روایت ہے: کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔(۵) اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا۔

۱۔ سیرت ابن ہشام، ج۱، ص۶۲۵ ۲۔ زرقانی، ج۲، ص۴ ۳۔ الاصابۃ، ج۸، ص۱۵۸

۴۔ i-زرقانی، ج۲، ص۸ ii-سیر الصحابۃ، ج۱، ص۱۹۶-۲۰۲ ۵۔ کتاب الخراج، ص۸۵

ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو بار اس قسم کا موقع ملتا تھا۔(۱) اکثر سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا، اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا، ایک مرتبہ حضرت شریح بن ہانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "مسح علی الخفین" کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بتایا، اور اس کی وجہ یہ بیان کی: کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔(۲) شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس تقریب و تربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت نقل کر کے، جس کا مفہوم یہ ہے: کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں، کسی صحابی کے نہیں ہیں، اس کی تشریح یہ کی ہے:

"عبد ضعیف گوید سبب ایں معنی اجتماع دو جہت است: در مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کہ رسوخ او در سوابق اسلامیہ، دوم قرب قرابت او با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و آں جناب علیہ الصلوٰۃ والسلام اوصل ناس بارحام واعرف ناس بحقوق قرابت بودند باز چوں عنایت الٰہی مساعدت نمود۔ حضرت مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم را در کنار تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انداخت مرتبہ قرابت در بالا شد و کرامت دیگر در کار او کردند رضی اللہ عنہ باز چوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عقد او دادند مزید فضیلت باد یار شد" (۳)

آپ کے تقرب واختصاص کی بناء پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔(۴) بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے۔(۵) چند مخصوص حدیثیں بھی قلم بند کر لی تھیں۔(۶) غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابتداء ہی سے علم و فضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی، اس لئے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل و کمال کے مالک اور "وانا مدینۃ العلم وعلی بابھا" (میں علم کا شہر اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے۔ جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں ہے "انا دار الحکمۃ وعلی بابھا" لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے۔ امام حاکم نے مستدرک میں اس روایت کے متعلق متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے۔)(۶)

نوشت وخواند کی تعلیم آپ نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی، چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جب کہ آپ کی عمر بہت کم تھی، آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔(۷) اسی لئے ابتداء ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تحریری کام سرانجام دیتے تھے، چنانچہ کاتبان وحی میں آپ کا بھی نام ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو مکاتیب وفرامین لکھے جاتے تھے، ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے، تھے چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

تفسیر اور علوم القرآن: اسلام کے علوم ومعارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہ رضوان اللہ علیہم میں تھے، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں، نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا، بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنیٰ اور شان نزول سے واقف تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا: کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں، کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی؟۔(۸) چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے، اور صحابہ میں حضرت

۱۔ مسند، ج ۱، ص ۱۴۶ ۲۔ ازالۃ الخفاء، ج ۱، ص ۸۳ ۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۶۰
۴۔ مسند، ج ۱، ص ۸۳ ۵۔ مسند، ج ۱، ص ۸۵ ۶۔ مسند، ج ۱، ص ۷۹
۶۔ مستدرک، ج ۳، ص ۴۹۲ ۷۔ فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۷۷ ۸۔ ابن سعد جز ثانی قسم ثانی، ص ۱۰۱

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار زیادہ تر آپ کی روایتوں پر ہے۔ مثلاً ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی، اس میں آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔ قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں خوارج نے اعتراض کیا: کہ فیصلہ کا حق خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں، ان الحکم الا للہ۔ تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا: کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دیتا ہے۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا۔ (النساء ۴: ۳۵) اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا ناجائز ہو؟ کیا تمام امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا تعالیٰ کی نگاہ میں کم ہے۔ (۱)

علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے، اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا، ان کو درس و وعظ سے روک دیتے تھے، چنانچہ کوفہ کی جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا تھا، اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے: کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے، اگر وہ نفی میں جواب دیتا، تو اس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے، اور درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے۔ آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ رضی اللہ عنہ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں، کہ اگر ان کا استقصاء کیا جائے، تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو ان ظاہری علوم کے علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں۔ ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا: کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا: قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اگاتا ہے، اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے، قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں، لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا تعالیٰ جس کو چاہے دے۔ (۲) ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو قسم کھائی ہے، اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے۔ یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے، اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے، جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے، جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا، اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے، تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں، معنیٰ و مطالب نکلتے ہیں۔

علم حدیث: حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بچپن سے لے کر وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کامل تیس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و رفاقت میں بسر کئے اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام و فرائض اور ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے، پھر تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات و افادات کی مسند پر جلوہ گر رہے۔ خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ رضی اللہ عنہ ہی کی سپرد رہی۔ ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا، اس لئے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ ملا۔ اسی لئے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے۔ اس لیے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے بیس

۱۔ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۸۶ ۲۔ ایضاً ص ۷۹۔۱۰۰

حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور ۹ حدیثیں صرف بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں ہیں، اور پندرہ (۱۵) حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں ہیں۔ غرض صحیحین میں آپ کی کل ۳۹ حدیثیں ہیں۔ احادیث کو قلم بند کرنے کا شرف جن چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاصل ہے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی داخل ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گذری ہے اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا، اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔ (۱)

فقہ واجتہاد: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فقہ واجتہاد میں بھی کامل دست گاہ حاصل تھی، بلکہ علم واطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کی متحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ ماننی پڑے گی۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی کبھی کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضل وکمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔ فقہ واجتہاد کے لئے کتاب وسنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم، دقیقہ سنجی انتقال، ذہنی کی بڑی ضرورت ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے، مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔ مثلاً: ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ارادہ سے باز آ گئے۔ (۲)

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا۔ لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے جواز کے قائل تھے۔ انہوں نے کہا: حالت احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے۔ لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے، تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ انہوں نے ان سے جا کر دریافت کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو، وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں تھے، ایک گورخر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں، یہ ان کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں۔ حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی، اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا: جس میں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے پیش کئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا۔ اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی۔ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا۔ (۳)، فقہا میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کر لیا۔

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا: کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد، کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا کر دریافت کرو، ان کو معلوم ہوگا، کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے، چنانچہ وہ سائل

۱۔ i- بخاری: ۱۱۱ ii- مسند احمد، ج ۱ ص ۷۰۹

۲۔ ایضاً، ج ۱ ص ۱۴۰ ۳۔ ایضاً، ج ۱ ص ۱۰۰

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات تک۔(۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم اور ان کی اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لئے مجبور ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھ کر دریافت کیا: کہ خنثیٰ مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا: کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟(۲) فقہی مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وسعت نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے: کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ بعض ایسے مسائل جو شرم وحیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے، اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے پوچھوا لیتے تھے۔ چنانچہ مذی کا ناقض وضو ہونا، آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے علم وکمال کی بناء پر متعدد مسائل میں عام صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف رائے رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا۔ مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا، اب وہ حالت نہیں ہے، اس لئے اب جائز نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہر حال میں جائز سمجھتے تھے، اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ گو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے، لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گذرا، اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا، اس لئے آپ کے مسائل واجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی، اسی بناء پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہی فیصلوں پر ہے۔

قضا اور فیصلے: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان ہی خصوصیات کی بناء پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لئے نہایت موزوں تھے، اور اس کو صحابہ رضی اللہ عنہم عام طور سے تسلیم کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ "اقضانا علی واقرأنا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لئے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری حضرت ابی رضی اللہ عنہ ہیں"۔(۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس استعداد قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کرلیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "اقضاھم علی" کی سند مل چکی تھی ا، ورضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدۂ قضاء کے لئے آپ کو منتخب فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضاء کا تجربہ اور علم نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہ راست اور تمہارے دل کو ثبات واستقلال بخشے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔(۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قضاء اور فیصلہ مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرو، اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو، جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔(۶)

۱۔ مسند ابن حنبل، ج۱ص۹۶، ج۶ص۵۵ ۲۔ تاریخ الخلفاء، ص۳۷۶

۳۔ نسائی: ۱۵۲ ۴۔ طبقات ابن سعد، ج۲ص۱۰۲

۵۔ i۔ مسند ابن حنبل، ج۱ص۸۳ ii۔ حاکم، ج۳ص۲۳۵ ۶۔ مسند ابن حنبل، ج۱ص۹۶۔۱۴۳

مقدمات میں علم یقین کے لئے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضاء میں داخل تھا۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا۔ آپ نے اس سے پے در پے متعدد سوالات کئے، جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی، تو اس وقت سزا کا حکم دیا۔ (۱) اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیئے، آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا، اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا۔ اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے، اس سے فراغت کے بعد دیکھا، کہ دونوں گواہ موقع پا کر چل دیئے۔ آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا۔ (۲)

یمن میں آپ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا۔ یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا، پرانی باتیں بھی تازہ تھیں، ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا، جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے۔ نو ماہ بعد اس کے ہاں لڑکا ہوا، اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے۔ ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا: کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کئے۔ پھر قرعہ ڈالا، جس کے نام قرعہ نکلا، اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوا دیئے۔ گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ (۳)

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لئے ایک کنواں کھودا تھا، شیر اس میں گر گیا۔ چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے، کہ اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا، اور وہ اس کنوئیں میں گرا، اس نے اپنی جان بچانے کے لئے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑ لی، وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی۔ تیسرے نے چوتھے کو پکڑ لیا، غرض چاروں اس میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے ورثاء باہم آمادۂ جنگ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو اس ہنگامہ و فساد سے روکا اور فرمایا: کہ ایک رسول کی موجودگی میں یہ فتنہ و فساد مناسب نہیں۔ میں فیصلہ کرتا ہوں، اگر وہ پسند نہ ہو تو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔ لوگوں نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا: کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا، ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے، کہ ایک پوری، ایک تہائی، ایک، ایک چوتھائی اور ایک آدھی، پہلے مقتول کے ورثاء کو ایک چوتھائی خون بہا، دوسرے کو ثلث، تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خون بہا دلایا۔ لوگ اس بظاہر عجیب و غریب فیصلہ سے راضی ہوئے، اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔ (۴)

روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لئے ملا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان ہیں۔ غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ کی شکل ہے، اس لئے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے۔ اتنا ہی اس کو کم و بیش دلایا گیا۔ اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا۔ چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا، اس لئے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی۔ اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے، تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلایا، باقی دو بچے تو دو حصے کر کے نصف کا مقرر کیا۔ (۵)

۱۔ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۱۴۰　۲۔ سیر الصحابہ، ج ۱، ص ۲۳۹　۳۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۳۵
۴۔ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۷۷　۵۔ سیر الصحابہ، ج ۱، ص ۲۳۰

اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا، جنہوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی، اس لئے کسی متعین قاتل کے نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خون بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا۔ پہلا شخص گو اتفاقاً گرا۔ مگر ایک دوسرے کے دھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل تھا، اس لئے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا، اس لئے وہ خون بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا، یعنی ایک چوتھائی۔ پہلے نے دوسرے کو گویا بالقصد کھینچا، مگر غایت بدحواسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا، اس لئے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے، اس لئے وہ تہائی کا مستحق ہوا۔ دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا، اس لئے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا، اس لئے اس کو نصف دلایا گیا۔ تیسرے نے چوتھے کو کھینچا، حالانکہ وہ سب سے دور تھا، اور گذشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا، اس لئے وہ تمام تر قصد وارادہ سے گرایا گیا۔ نیز یہ کہ اس نے اپنے رفقاء کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا، اس لئے وہ پوری دیت کا مستحق تھا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا: دو شخص (غالباً مسافر) تھے، ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں، دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے، کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آ گیا، وہ بھی کھانے میں شریک ہوا، کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور آگے بڑھ گیا۔ جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں، اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا، اور نصف کا مطالبہ کیا۔ یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا، آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی: کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے، اس کو قبول کر لو، اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے۔ لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہئیں۔ اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہو گیا، آپ نے فرمایا: کہ تم تین آدمی تھے، تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ، تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کئے جائیں تو نو ٹکڑے ہوتے ہیں، تم اپنے نو ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کر دو تو ۲۴ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے تو فی کس آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں، تم نے اپنے نو میں سے آٹھ خود کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیئے۔ اس لئے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمہارا رفیق مستحق ہے۔ (۱) کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے، ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے۔ فرمایا، ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو، اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو۔ (۲)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا، اس لئے ان میں تحریف بھی ہونے لگی چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا، تو اس میں سے ایک حصہ کو انہوں نے جعلی بتلایا اور فرمایا: کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔ (۳)

۱۔ تاریخ الخلفاء، ص ۳۸۰ ۲۔ سیر الصحابہ، ج ۱ ص ۲۴۰۔ ۲۴۱ ۳۔ مقدمہ صحیح مسلم: ۲۲

علم اسرار و حکم: دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہیں: ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بناء پر ہر شرعی حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے، اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے: جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا، بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جزئی مصلحتیں رکھی ہیں، ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذاق علم پہلی قسم اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذوق فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے، ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی، جتنی ان کی عملی کیفیت پر، اسی لئے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا، ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں، کہ انسانی عقل خود ناقص ہے، وہ کسی حکم شرعی کے لئے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ۔ (۱) ''لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا تعالیٰ یا خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم جھٹلایا جائے''۔

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں، تو لامحالہ اپنی کوتاہی عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح سے وہ نادانستگی میں خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔ اس لئے لوگوں سے ان کی عقل کے موافق گفتگو کرنی چاہیے، کہ ہر مصالح الٰہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آ سکتے ہیں۔ احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کو متحمل ہوں، تو آپ کا یہ فیصلہ ہے: کہ ان میں سے وہی معنیٰ صحیح ہوں گے، جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں۔ مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں، آپ نے فرمایا:

اذا حدثتم عن رسول اللہ علیہ السلام بحدیث فظنوا بہ الذی ھو اھدیٰ والذی ھو اتقی والذی ھو اھون۔ (۲) ''جب تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کی جائے، تو اس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ قرین ہدایت، زیادہ پرہیزگارانہ اور زیادہ بہتر ہوں''۔

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے، لیکن یہ مسح نیچے تلوؤں پر نہیں بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے:

لو کان الدین بالرای لکان باطن المقدمین احق بالمسح من ظاھر ھما وقد مسح النبی علیہ السلام علی اظھر خفیہ: (۳) ''اگر دینی مسائل کا انحصار محض رائے پر ہوتا، تو تلوے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے مستحق ہوتے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کی پشت پر مسح فرمایا''۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ اگر گرد وغبار کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلوؤں پر مسح ہوتا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے نہیں مسح فرمایا۔ اس لئے احکام الٰہی کے مصالح کی تعین میں محض ظاہری عقل ورائے کو دخل نہیں ہے۔

یہی روایت مسند ابن حنبل (۴) میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا، تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے، یعنی ظاہر قیاس کا مقتضی یہی تھا، مگر حکم الٰہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔

۱۔ بخاری، کتاب العلم باب ۴۹ ص ۴۲ ۲۔ مسند احمد، ج ۱ ص ۱۳۰ ۳۔ ابوداؤد: ۱۶۲ ۴۔ مسند احمد، ج ۱ ص ۱۱۴

تصوف: تصوف جو مذہب کی جان، شریعت کی روح اور جو خاصان امت کا حصہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کئے ہیں۔ تصوف کے اکثر سلسلے سینہ مرتضی رضی اللہ عنہ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''اصول اور آزمائش وامتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بے حد انہماک تھا، مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی۔ (۱) محدثین کے اصول روایت کے مطابق حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے یہ صوفیانہ اقوال پایہ صحت کو نہیں پہنچتے اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں، کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ پر جا کر تمام ہوتے ہیں، ان کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی، بلکہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انہوں نے بلاواسطہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ سنا بھی ہے، بہرحال اتنا بالاتفاق ثابت ہے، کہ انہوں نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے پہلے مدینہ منورہ میں دیکھا تھا، اور ان کے دیدار سے مشرف تھے، اور اس وقت ان کی عمر غالباً ۱۴، ۱۵ برس کی تھی۔

علم نحو کی ایجاد: علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے، ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا۔ اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہوسکے۔ چنانچہ حضرت ابوالاسود دوئلی رحمۃ اللہ علیہ کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا۔ اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں۔

اخلاق وعادات اور ذاتی حالات: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی، اس لئے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک وکفر سے آلودہ نہ ہوئی، اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ (ترمذی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دوستوں کے ایک جلسہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراب پی اور اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورۃ قل یاایھا الکافرون کچھ سے کچھ پڑھ دی، اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی، گو شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ نہیں تھا تاہم ظاہر ہے کہ کمال تقویٰ کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دامن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا؟ اسی لئے اس روایت کے قبول کرنے میں بہت ساروں کو تردد ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کا اخیر راوی گو پہلے علوی تھا مگر آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخالف (عثمانی) ہوگیا تھا۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہوسکتی۔ اب امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی مستدرک چھپ چکی ہے، اس کی روایت سے اصلی واقعہ ثابت ہوتا ہے: کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا، عثمانی راوی نے خود حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا نام رکھ دیا۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بحمد للہ اس روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے، وہ اٹھ گیا۔)

۱۔ ازالۃ الخفاء، ص ۲۷۴

امانت ودیانت: آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے، اس لئے ابتداء ہی سے امین تھے آنحضرت ﷺ کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں۔ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ (۱) اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانتوں میں بیت المال جیسی امانت داری فرمائی۔ اس کا اندازہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایک نارنگی اٹھالی۔ جناب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کردی۔

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے، کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہوجائیں۔ ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کئے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کرکے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، کہ وہ قیامت میں ان کی امانت ودیانت کی شاہد رہے۔

غذا ولباس: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی زہد وورع نے ان کی معاشرت کونہایت سادہ بنادیا تھا، کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے۔ عمدہ لباس اور قیمتی لباس سے شوق نہ تھا، عمامہ بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ فرمایا کرتے تھے: العمامة يتجان العرب، یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں، کبھی کبھی سفید ٹوپی بھی پہنتے تھے، کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے۔ تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی۔ کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لئے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے، غرض آپ کو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا۔ پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا، تو فرمایا: یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک اچھا نمونہ ہے، کہ وہ اس کی پیروی کریں۔ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر ''الله الملك'' نقش تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سردی وگرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے غزوۂ خیبر میں ان کے لئے دعا فرمائی تھی اللهم اذهب عنه الحر والبرد یعنی اس سے گرمی وسردی دور کر۔ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑا میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ (۲)

حلیہ: قد میانہ، رنگ گندم گوں، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ پر رونق وخوبصورت، سینہ چوڑا اس پر بال، بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا، پیٹ بڑا اور نکلا ہوا، سر میں بال نہ تھے، یا ایک روایت میں ہے: کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے، کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے، اسی لئے میں بالوں کا دشمن ہوں۔ ایک روایت میں ہے: کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے۔ مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے۔ ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی، کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی ہوئی تھی۔ آخر میں بال بالکل سفید ہوگئے تھے، اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا۔

۱۔ ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ ۲۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۹۹

ازواج واولاد: سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ ان سے ذکور میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، محسن رضی اللہ عنہ اور لڑکیوں میں حضرت زینب کبریٰ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم کبریٰ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ محسن نے بچپن ہی میں وفات پائی۔

ام البنین بنت حزام: ان سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ، جعفر، عبداللہ اور عثمان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ ان میں سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

لیلیٰ بنت مسعود: انہوں نے حضرت عبیداللہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یادگار چھوڑا۔ لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔

اسماء بنت عمیس: ان سے حضرت یحییٰ رضی اللہ عنہ اور محمد اصغر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ: یہ ام ولد تھیں، ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاس برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی۔

امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، ان سے محمد اوسط تولد ہوئے۔

خولہ بنت جعفر: حضرت محمد بن علی جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں، ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

خیاۃ بنت امرء القیس: ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی،

متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں:

''حضرت ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، ام مہ، خدیجہ ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ رحمۃ اللہ علیہن''

غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلہ نسل جاری رہا۔ ان کے نام یہ ہیں:

حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، عباس، محمد بن حنفیہ، عمر رضی اللہ عنہم (۱)

وفات: واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی، اور بحث ومباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی، کہ جب تک تین آدمی حضرت علی، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم صفحہ ہستی پر موجود ہیں، دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا: کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں۔ اسی طرح نزول نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے قتل کا بیڑہ اٹھایا، اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوگئے۔ کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خوب صورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا، اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خون کا مہر قرار دیا۔ غرض رمضان ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اتفاقی طور پر بچ گئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر وار اوچھا پڑا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

۱۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، ص ۲۲۷۔۲۵۶

اس دن امامت کے لئے نہیں آئے تھے، ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا وہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے دھوکہ میں مارا گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا، آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجم کو جو مسجد میں آ کر سو رہا تھا، جگایا، جب آپ نے نماز شروع کی اور سر سجدہ میں اور دل راز و نیاز الٰہی میں مصروف تھا، کہ اسی حالت میں شقی ابن ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا، سر پر زخم آیا اور ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی، اس لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر نہایت مفید نصائح کئے، اور حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ لطف و مدارت کی تائید کی۔ حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: امیر المؤمنین! آپ کے بعد ہم لوگ حضرت امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں، فرمایا: اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، تم لوگ خود اس کو طے کرو۔ اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں۔ قاتل کے متعلق فرمایا: کہ معمولی طور پر قصاص لینا۔ (۲) تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی، اس لئے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا، اور اسی روز یعنی ۲۰ رمضان ۴۰ ہجری جمعہ مبارک کی رات کو فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی۔ اور عزی، نامی کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ (۳)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے، اس حدیث مبارکہ کے شواھد اور متابعات کثیر ہیں۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ پچاسویں (۵۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں، البتہ اسحاق بن ابراھیم مصیصی ہیں۔

☆ یہ تابعی (ابو اسحاق) کی دوسرے تابعی (ابو حیہ) سے روایت ہے۔

☆ سند میں موجود رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ امام اسحاق بن ابراھیم سے امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔

☆ یہ روایت خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

☆ سند میں روایت لفظ اخبر نا، حدثنی، رایت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع: ۹۶

۱۔ طبری، ص ۲۴۵۷۔۲۴۵۸ ۲۔ ایضاً ص ۲۴۶۱ ۳۔ سیر الصحابۃ، ص ۲۲۶۔۲۲۷

۷۔ مسائل ونصائح:

ایضاً

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ دونوں پاؤں کو تین تین دفعہ دھونا سنت ہے۔
☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا: کہ وضو میں اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونا سنت ہے، اور سر کا مسح ایک مرتبہ کرنا سنت ہے۔
☆ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کے لئے لوگوں کو تحریص دلانی چاہیے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
☆ تعلیم دینے کے لئے بالعمل کا طریقہ اپنانا زیادہ بہتر اور نافع ہے۔
☆ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اشاعت وتبلیغ کے لئے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے۔

باب ۹۴: حَدِّ الْغُسْلِ — پاؤں دھونے کی حد

اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پاؤں دھونے کی حد ٹخنے بیان کی ہے، ٹخنے پاؤں دھونے کی حد میں شامل ہیں، اور ان کا دھونا بھی فرض ہے، پچھلے باب میں پاؤں دھونے کی تعداد کا بیان تھا، اور اس باب میں پاؤں دھونے کی حد کا بیان ہے۔

۱۱۶۔ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ وَالْحَارِثُ بْنُ مِسْكِيْنٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَاَنَا اَسْمَعُ - وَاللَّفْظُ لَهُ - عَنِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ يُوْنُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيْدَ اللَّيْثِيَّ اَخْبَرَهُ اَنَّ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ اَخْبَرَهُ اَنَّ عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ تَوَضَّاَ نَحْوَ وُضُوْئِيْ هٰذَا ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ"

حضرت حمران رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور وضو کیا، آپ نے دونوں ہاتھوں کو تین دفعہ دھویا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا، پھر تین دفعہ چہرہ دھویا، پھر دایاں بازو کہنی سمیت تین دفعہ دھویا، پھر بایاں بازو اسی طرح دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر دایاں پاؤں ٹخنے سمیت تین دفعہ دھویا، پھر بایاں پاؤں اسی طرح دھویا اور فرمایا: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری طرح وضو کرے، اور کھڑے ہو کر دو رکعتیں ادا کرے، اور اس دوران اپنے دل میں کوئی وسوسہ نہ لائے، تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ان الفاظ میں ہے:
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے۔

۲۔اطراف:

راجع:۸۴،۸۵

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، ان سب کے حالات پہلے بھی گذر چکے ہیں۔البتہ کچھ کے دوبارہ تفصیلی لکھے جاتے ہیں۔

۱۔احمد بن عمرو بن السرح: راجع:۳۹ ۲۔الحارث بن مسکین: راجع:۹۷

۳۔عبداللہ بن وهب رحمۃ اللہ علیہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے جو تلامذہ ان کے علم وفضل کے وارث ہوئے، اور جن کے ذریعہ مشرق ومغرب میں ان کے فقہی مسلک کی ترویج ہوئی، ان میں سب سے زیادہ ممتاز حضرت اسد بن فرات، ابن قاسم، اشہب، عبداللہ بن عبدالحکم، یحییٰ بن یحییٰ، اور عبداللہ بن وهب رحمۃ اللہ علیہم تھے۔

ان میں سے ہر ایک کی کچھ امتیازی خصوصیتیں اور خدمات ہیں، عبداللہ بن وهب رحمۃ اللہ علیہ چند باتوں میں ممتاز تھے۔ان میں حفظ حدیث، وسعت علم، اور کثرت تصانیف خاص طور سے قابل ذکر ہیں، دیگر تصانیف کے علاوہ ان کو موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی تدوین کی سعادت بھی حاصل ہے۔گوشہرت ان کے مرتب کردہ نسخہ کے بجائے حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے نسخہ کو ہوئی، مگر خود حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے تلامذہ میں سے پہلے ابن وهب ہی سے سماع موطا کیا تھا۔اس طرح حضرت ابن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی تدوین میں بھی بواسطہ ان کا ہاتھ تھا۔

نام ونسب: عبداللہ نام، ابو محمد کنیت تھی، قریش کے ایک خاندان بنوفہر کے غلام تھے۔آبائی وطن مصر تھا اور یہیں ۱۲۵ھ میں پیدا ہوئے۔(۱)

تعلیم: ایک مدت تک ان کو حصول علم کا موقع نہ مل سکا یا طبیعت کا میلان نہیں ہوا۔مگر جب ان کی عمر ۱۷ سال کی ہوئی تو حصول علم کا شوق ہوا۔مصر میں اس وقت حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے درس فقہ وحدیث کی ہر طرف شہرت تھی، حضرت ابن وهب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے کسب فیض کیا۔مصر میں اس وقت فقہ وحدیث کی متعدد وممتاز مجلسیں موجود تھیں۔مگر اس کے باوجود حضرت ابن وهب رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق طلب کو تسکین نہیں ہوئی۔اور انہوں نے مکہ، مدینہ، بغداد وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کے آئمہ علم وفضل سے استفادہ کیا۔بغداد کے زمانہ قیام یعنی ۱۴۶ھ میں یہ ممتاز تابعی حضرت ہشام بن عروہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ان سے کسب فیض کا موقع نہ مل سکا اور اسی سال ان کا انتقال ہو گیا۔ارباب تذکرہ لکھتے ہیں: کہ انہوں نے تقریباً چار سو ارباب فضل وکمال سے اکتساب علم کیا تھا۔(۲)

ان کے طلب علم کا سب سے طویل زمانہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گزرا، قریب قریب بیس سال تک وہ امام کی خدمت میں رہے۔ان کی ذہانت وذکاوت اور غیر معمولی قوت حافظہ کی بنا پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ایک بار کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے تخلیل اصابع (انگلیوں میں خلال) کے بارے میں اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کیا۔انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔حضرت ابن وهب رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں موجود تھے، بولے: کہ ہاں ہمارے پاس ایک ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے اور پھر حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے واسطہ سے یہ روایت سنا دی کہ ''جب وضو کرو تو پیر کی انگلیوں کا خلال کر لیا کر''۔(۳) اس کے بعد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب کوئی شخص یہ مسئلہ پوچھتا: تو اس کو انگلیوں کے

۱۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۴۵ ۲۔ i۔الانتقاء، ص ۴۸، ii بستان المحدثین، ص ۲

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۷۹

خلال کا حکم دیتے۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے: کہ میں نے اب تک یہ روایت نہیں سنی تھی یعنی اس کا علم مجھے علامہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ہوا ہے۔ ابن وہب جب مصر چلے جاتے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ان کو خط لکھتے تو خط کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی:

عبدالله بن وهب الىٰ فقيه مصر الى مفتى مصر، عبداللہ بن وہب کی طرف جو مصر کے فقیہ و مفتی ہیں۔

یہ جملے نقل کرنے کے بعد ارباب تذکرہ لکھتے ہیں: کہ اتنی قدر افزائی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کی نہیں کی۔ (۱) حالانکہ مصر میں اس وقت لیث بن سعد، ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہما جیسے آئمہ روزگار کے علاوہ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار صاحب علم و فضل تلامذہ موجود تھے۔

مدینہ منورہ جہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا چشمہ علم تقریباً نصف صدی جاری رہا، ان کی وفات کے بعد وہاں کے ارباب علم میں جب کسی مسئلہ یا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا، تو وہ لوگ علامہ ابن وہب کی رائے کے منتظر رہتے تھے، کہ اس کا آخری فیصلہ وہی کریں گے۔ جب وہ حج کو تشریف لاتے تو یہ لوگ ان کی رائے دریافت کرتے اور اسی پر فیصلہ ہو جاتا تھا۔ (۲) علامہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے جن ممتاز شیوخ سے استفادہ کیا تھا، ان کی فہرست بہت لمبی ہے، چند مشاہیر کے نام یہ ہیں: حضرت عمرو بن حارث، قاضی حیاۃ بن شریح ابن الہیعۃ، یونس بن یزید، معاویہ بن صالح سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔

علم و فضل: ان اساتذہ کی صحبت اور اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر زمرہ تبع تابعین میں ممتاز حیثیت کے مالک ہو گئے، جس کا اعتراف تمام معاصرین نے کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ امام ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے عقل، دین اور اصلاح سب کچھ دیا تھا، وہ حدیث کی صحت کا بڑا لحاظ کرتے تھے، کسی نے کہا: مگر حدیث کے اخذ کرنے میں غلطی کرتے ہیں، فرمایا: کہ ہاں! یہ بات ضرور ہے۔ مگر میں نے ان کی روایتوں کے کل ذخیرہ کو، جو انہوں نے اپنے اساتذہ سے روایت کیا ہے، پرکھا مجھے سب صحیح نظر آیا۔ (۳)

علامہ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ یہ ثقہ ہیں۔ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: کہ یہ صادق اور ان کی مرویات عمدہ ہیں، میں ان کو حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ امام وقت ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ جب ان کا ذکر کرتے تو شیخ اہل مصر کہتے، امام ابو زرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ میں نے امام ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کی تیس ہزار حدیثوں کو بنظر غائر دیکھا مگر مجھے اس میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملی، جس کی کوئی بنیاد نہ ہو، یہ واقعی ثقہ تھے، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ حجاز اور مصر کے اہل علم میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ذخیرہ پھیلا ہوا تھا، اس کو انہوں نے یاد کیا، پھر اس کو جمع کر کے مدون و مرتب کیا۔ حتیٰ کہ ان کے مسانید و مقاطیع (۴) سب کو جمع کر ڈالا۔ میں نے ان کے ذخیرۂ روایات میں کوئی منکر روایت نہیں دیکھی۔ (۵)

حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ ان کو ''دیوان العلم '' ذخیرہ علم کہا کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور شاگرد علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: کہ اگر ابن عیینہ کا انتقال ہو گیا، تو اہل علم کی سواریاں مکہ مکرمہ کے بجائے مصر حضرت ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جایا کریں گی، حدیث کی جمع و تدوین کا جو کام امام ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کسی نے نہیں کیا، ان کے سامنے بڑے بڑے ارباب علم کی گردنیں جھک جاتی تھیں، امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کثیر العلم اور ثقہ لکھا ہے۔ امام محمد بن عبداللہ کہتے تھے: کہ ابن وہب، ابن قاسم سے زیادہ فقیہ تھے، مگر غایت احتیاط سے فتوے نہیں دیتے تھے۔ (۶) امام ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو افقہ قرار دینا بڑی اہمیت رکھتا ہے، امام ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا تفقہ ضرب المثل ہے۔ اسی طرح کی

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۷۳ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۷۳ ۳۔ ایضاً، ج ۶ ص ۷۶

۴۔ ایضاً ص ۷۳ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۲۷۸ ۶۔ بستان المحدثین ص ۳

رائے حضرت یحییٰ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دی ہے۔ان کو کثرت سے احادیث نبوی یاد تھیں۔امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ ایک لاکھ روایتیں ان کی نوک زبان تھیں۔ان کی تصانیف کے ذریعہ تقریباً سوا لاکھ روایتیں مدون ہوگئیں۔

جامعیت: یہ محض راوی حدیث ہی نہیں تھے، بلکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل کے اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت بھی موجود تھی،امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو حافظ حدیث کے ساتھ مجتہد بھی لکھا ہے۔حدیث کے علاوہ ان کو فقہ اور مغازی میں بھی درک تھا۔کسی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ابن قاسم اور ابن وھب کے علم وفضل کے بارے میں پوچھا،تو فرمایا: ابن قاسم فقیہ اور یہ عالم ہیں۔مقصد یہ تھا: کہ ابن قاسم کو علوم دینیہ کے ایک شعبہ فقہ میں درک ہے اور ابن وھب کے علم میں وسعت وہمہ گیری تھی۔(۱) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بستان المحدثین میں امام ابن وھب کا تذکرہ تدوین موطا کے سلسلہ میں کیا ہے،اس میں وہ لکھتے ہیں: ''حضرت عبداللہ بن وھب اپنے زمانے میں حجت تھے،تمام لوگ ان کی مرویات پر کمال وثوق اور اعتماد رکھتے تھے، وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ خود مجتہد تھے،البتہ طریقہ اجتہاد وتفقہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرتے تھے''۔(۲)

جرح وتنقید: اس فضل وکمال کے باوجود بعض اہل علم ان کی مرویات اور طریقہ اخذ روایات پر تنقید کرتے ہیں۔امام احمد کا ارشاد ہے کہ وہ اخذ روایت میں غلطی کرتے تھے،امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: کہ وہ قبول روایت میں کچھ تساہل ضرور برتتے تھے،مگر ان کی مرویات کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،امام ساجی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ یہ سماعی حدیثوں کے بارے میں کچھ متساہل واقع تھے،اور یہ تساہل اس وجہ سے تھا، کہ اہل مصر اجازت حدیث کو تحدیث کے لئے کافی سمجھتے تھے۔(محدثین کی اصلاح میں ان روایتوں،جن کو شیخ سے سنا نہ ہو، بلکہ شیخ کی اجازت سے روایت کررہا ہو،اس کو حدثنا یا حدثنی کے لفظ سے روایت نہ کرنا چاہیے۔)(چنانچہ ان روایتوں کو جو اجازۃً ان کو پہنچی ہیں)ان کو حدثنی فلاں وغیرہ الفاظ سے بیان کرتے تھے۔(۳)(حالانکہ یہ الفاظ سماع کے لئے مخصوص ہیں)اس سے معلوم ہوا کہ اخذ روایت میں ان پر جو تساہل کا الزام لگایا گیا ہے اس کا مدار اہل مصر اور اہل حجاز کے طریقہ اخذ روایت کے اختلاف پر ہے،ورنہ وہ تحدیث روایت میں حد درجہ محتاط تھے۔(۴)

عہدۂ قضا سے انکار: حکومت کی عام بے راہ روی اور اس کی غیر اسلامی روش کی بنا پر عام آئمہ تبع تابعین نے فقر وفاقہ کی زندگی بسر کی،مگر اس سے کسی طرح کا تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔اس لئے جو ارباب فضل وکمال اس سے تعلق رکھتے تھے،وہ عوام وخواص میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ابن وھب بھی انہیں بزرگوں میں تھے، جو دربار خلافت سے اپنا دامن بچاتے رہے،گو اس سلسلہ میں ان کو کچھ مصائب بھی برداشت کرنے پڑے۔امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ عباد بن محمد والی مصر نے ان کو بلایا،اور ان کے سامنے عہدۂ قضا پیش کیا۔انہوں نے اس سے کسی طرح پیچھا چھڑایا،اور چھپ گئے،عباد کو ان کے غائب ہوجانے کی اطلاع ملی،تو اس نے غصہ میں ان کا گھر گروادیا،مگر اس کے باوجود انہوں نے اس عہدے کو قبول کرنا پسند نہیں کیا۔(۵)

اس سلسلہ میں دوسری روایت ابن خلکان نے علامہ یونس بن عبد الاعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے،وہ یہ ہے کہ خلیفہ وقت نے خود ان کو لکھا، کہ آپ مصر میں عہدۂ قضا قبول کرلیں مگر آپ نے اسے پسند نہیں کیا اور روپوش ہوکر خانہ نشین ہوگئے،ایک دن وہ گھر کے صحن میں وضو کررہے تھے کہ

۱۔ تھذیب التھذیب،ج ۶ ص ۷۲ ۲۔ ایضاً،ج ۶ ص ۱۶

۳۔ تھذیب التھذیب،ج ۶ ص ۷۴ ۴۔ ایضاً ۵۔ تذکرۃ الحفاظ،ج ۱ ص ۲۷۹

حضرت اسد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ آ گئے، انہوں نے کہا: کہ کیا یہ بہتر بات نہیں تھی کہ آپ گھر سے باہر نکل کر کتاب وسنت کے مطابق لوگوں کے فیصلے کرتے (یہ اشارہ تھا عہدۂ قضا کے قبول کر لینے کی طرف)، یہ سن کر امام ابن وھب: نے سر اٹھایا اور بولے: بس تمہاری عقل اسی قدر ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ علماء کا حشر انبیاء علیہما السلام کے ساتھ ہوگا، اور قضاۃ کا سلاطین کے ساتھ۔ (۱) انہوں نے اس جملے میں اس وقت کے سلاطین کی غیر اسلامی روش اور اس کے انجام کی طرف کیسے بلیغ انداز میں اشارہ کیا ہے۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود خلیفہ نے براہ راست ان کو لکھا۔ مگر ان دونوں میں یہ تضاد نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہوگا کہ خلیفہ نے والی مصر عباد کو لکھا ہوگا، اور اس نے امام ابن وھب رحمۃ اللہ علیہ کو بلا کر یہ حکم سنایا ہوگا۔ اور عدم تعمیل میں اس نے یہ روش اختیار کی ہوگی، جیسا کہ عموماً نیچے کے افسران کرتے رہتے ہیں مگر یہ توجیہ اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب یہ واقعہ ۱۶۴ھ کے بعد کا مانا جائے۔ اس لئے کہ قضاۃ کا تقرر ۱۶۴ھ سے پہلے صوبوں کے والیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ۱۶۴ھ سے خود خلفا نے اپنے ہاتھ میں اسے لے لیا تھا۔ (۲)

زہد وعبادت: زہد وعبادت میں ممتاز تھے، خاص طور سے زیارت حرمین شریفین کا جذبہ ان میں عشق کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ سال کے چار مہینے وہ دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ورفت میں گزار دیتے تھے، انہوں نے قریب قریب ۳۶ حج کئے تھے۔ (۳) دوسری عبادات کا حال بھی یہ تھا، علامہ ساجی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ:

وکان من العباد (۴) ''یہ عبادت گزاروں میں سے تھے''۔

خوف خدا اور قیامت کی باز پرس کا خیال:

خدا کا خوف اور قیامت کی باز پرس کا خیال ایک مؤمن کی نمایاں صفات ہونی چاہئے، یہ چیز مؤمن کی زندگی میں جتنی شدت کے ساتھ موجود ہوگی، اس کی زندگی اتنی ہی پاکیزہ اور صالح ہوگی، علامہ ابن وھب رحمۃ اللہ علیہ پر خوف خدا کی کیفیت ہمہ وقت طاری رہتی تھی، ذرا قیامت کی ہولناکی کا ذکر آیا اور ان کی آنکھیں بہہ پڑیں، بسا اوقات بے ہوش ہو جاتے تھے، ایک بار کسی نے ان کے سامنے یہ آیت تلاوت کی:

واذیتحاجون فی النار فیقول الضعفو اللذین استکبروا انا کنالکم تبعا فھل انتم مغنون عنا نصیبا من النار قال الذین استکبروا انا کل فیھا ان اللہ قدحکم بین العباد۔ (۵) یاد کرو جب دوزخی (اہل کفر) ایک دوسرے سے حجت کریں گے، ایک گروہ کہے گا: کہ ہم نے تمہاری بات مانی تھی، ذرا کچھ عذاب کو ہلکا کرو تو وہ کہیں گے ہم تو خود اس میں مبتلا ہیں۔

آپ نے سنا تو غشی کی کیفیت طاری ہوگئی اور بہت دیر تک یہ حالت رہی، خوف کی یہی شدت ان کی موت کا سبب ہوگئی۔

وفات: انہوں نے ایک کتاب احوال قیامت (قیامت کی ہولناکیوں) کے نام سے مرتب کی تھی، ایک دن کسی نے ان کے سامنے یہ کتاب پڑھنی شروع کی، ان پر اس دن اتنا اثر ہوا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، اٹھا کر گھر لائے گئے، اور اسی حالت میں جاں بحق ہو گئے۔ یہ حادثہ شعبان المعظم ۱۹۷ھ میں پیش آیا، حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس حادثہ کی اطلاع ملی تو انا للہ پڑھا، اور بڑے درد ورنج میں ڈوبے ہوئے لہجہ میں فرمایا: یہ عامۃ المسلمین اور خواص اہل علم دونوں کا حادثہ ہے۔ (۶)

۱۔ ابن خلکان، ج۱، ص۲۴۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرہ، ج۱، ص۲۷۹

۴۔ تھذیب التھذیب، ج۲، ص۷۴ ۵۔ المؤمن ۴۰: ۴۷-۴۸ ۶۔ تھذیب التھذیب، ج۶، ص۷۴

سیرت و کردار: ان کی سیرت و کردار کے واقعات تذکروں میں بہت کم ملتے ہیں مگر ایک ہی واقعہ سے ان کی سیرت کے خدوخال دیکھے جاسکتے ہیں، ان کا دستور تھا: کہ جب وہ کسی کی غیبت کرتے، تو اس کی پاداش میں ایک روزہ رکھتے تھے، ایک دن لوگوں سے کہا: کہ مجھے روزہ رکھتے رکھتے ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ اب نفس کے اوپر روزوں کا رکھنا شاق نہیں گزرتا۔ اس لئے اب میں نے یہ طے کیا ہے: کہ اب اگر کسی کی غیبت کروں گا، تو ایک درہم خیرات کروں گا، چنانچہ ایک درہم کا صدقہ کرنا مجھ پر (تنگی کی وجہ سے) اتنا شاق گزرا، کہ غیبت کرنے کی عادت ہی چھوٹ گئی۔ (۱)

شوق جہاد: میدان جہاد کی پرشور زندگی، علم و فن کی پرسکون زندگی کے ساتھ بہت کم جمع ہوتی ہے، مگر تبع تابعین میں حضرت عبداللہ بن مبارک اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں اوصاف کے جامع تھے، امام ابن وہب نے پورے سال کو تین کاموں کے لئے تقسیم کر دیا تھا، چار ماہ درس و تدریس کے لئے، چار ماہ سفر حج کے لئے، چار ماہ باطل کو سرنگوں اور حق کو غالب کرنے کی جدوجہد کے لئے۔ (۲)

تصنیف: علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں کہتے تھے: ان کے جیسا تدوین و تالیف کا کام کسی نے نہیں کیا۔ (۳)

ابن خلکان نے لکھا ہے کہ: وله مصنفات في الفقه معروفة ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنی کافی تحریری یادگاریں چھوڑی تھیں مگر ارباب تذکرہ صرف ان کی دو تین کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔

موطا: اس میں انہوں نے ان مرویات کو جمع کیا تھا، جو انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنی تھیں۔ موطا کے جامعین ہزاروں ہیں مگر ان میں محض پندرہ سولہ نسخے موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت تین موطاؤں کو ہے۔ موطا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، موطا یحیٰی بن یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ (آج کل یہی متداول ہے) اور موطا ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ۔ غالباً انہوں نے اس کا اختصار بھی کیا تھا، جس کا نام موطاء صغیر رکھا تھا۔ ان کی تیسری کتاب احوال قیامت ہے، اس میں انہوں نے قیامت کی باز پرس اور دوزخ کی ہولناکی کا ذکر کیا ہے۔ (۴)

۴۔ یونس: راجع: ایضاً

۵۔ محمد بن مسلم المعروف ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ:

نام و نسب: محمد نام، ابوبکر کنیت، نسب نامہ یہ ہے: محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب ابن حارث بن زہرہ بن کلاب بن قرشی، زہری کے والد کا نام مسلم تھا۔ لیکن وہ اپنے دادا شہاب بن حارث کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ ان کے پردادا عبداللہ بن شہاب آغاز اسلام میں دوسرے عمائد قریش کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے۔ اور بدر و احد کے مشہور معرکوں میں مشرکین کے ساتھ اسلام کے استیصال کے لئے نکلے تھے اور شرکائے احد کے ان پرجوش مشرکین میں تھے، جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے یا خود لڑ کر مر جانے کا عہد کیا تھا۔ (۵)

اسی کی نسل میں محمد بن مسلم پیدا ہوئے، جن کی دینی خدمات کو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ ان چند آئمہ اسلام میں سے ایک ہیں، جن کی ذات سے اسلام کے مذہبی علوم میں زندگی پیدا ہوئی اور اس کی روشنی سے ساری دنیائے اسلام منور ہوئی۔

حصول علم کی استعداد: علمی کمالات کے اعتبار سے ابن شہاب کا کوئی معاصر ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ حصول علم کی استعداد ان میں فطری تھی۔ ذہانت، ذکاوت اور قوت حافظہ بے نظیر پائی تھی، ذہین ایسے تھے: کہ کسی مسئلہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت نہ پیش آئی تھی۔ حافظہ اتنا قوی تھا: کہ ایک مرتبہ جو بات

۱۔ بستان المحدثین: ص ۴۸ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۲۷۹ ۳۔ ایضاً ص ۲۷۸

۴۔ ابن خلکان، ج ۱ ص ۴۴۶ ۵۔ ابن خلکان جلد اول، ص ۴۵۱

سن لی، وہ ہمیشہ کے لئے لوح دل پر نقش ہوگئی اور دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑی۔(۱) ان کی قوت حافظہ کی یہ ادنیٰ مثال ہے کہ اسی (۸۰) دن میں پورا کلام اللہ حفظ کرلیا تھا۔(۲) ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ ایک حدیث میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا۔لیکن پوچھنے کے بعد معلوم ہوا کہ جس طریقہ سے ان کو یاد تھی، ویسی ہی تھی۔(۳)

ذوق وطلب: اس ذہن اور حافظہ کے ساتھ ان کے ذوق اور طلب جستجو کا بھی یہی حال تھا۔علم وفن کا کوئی خرمن ایسا نہ تھا، جس سے انہوں نے خوشہ چینی نہ کی ہو، آٹھ سال تک امام مدینہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے تھے۔اس عہد کا مدینہ منورہ وہ تھا جس کی گلی گلی علم وفن کا مرکز تھی۔یہاں کے تمام زن ومرد اور بوڑھے بچے ایک علمی درس گاہ تھے۔امام ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ گھر گھر آ کر سب سے استفادہ کرتے تھے۔ علامہ ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ ہم لوگ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ علماء کے گھروں کا چکر لگاتے تھے۔امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تختیاں اور بیاضیں ہوتی تھیں، وہ جو کچھ سنتے جاتے تھے اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے۔(۴) علمی مجلسوں میں وہ سب سے پہلے جاتے۔اور بلا امتیاز بوڑھوں اور بچوں سب سے استفادہ کرتے تھے۔ان مجلسوں سے نکلنے کے بعد وہ مدینہ منورہ کی گلیوں کا طواف کرتے اور تمام بچوں، بوڑھوں اور عورتوں تک سے استفادہ کرتے۔علامہ سعد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا: کہ علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ علم میں آپ لوگوں پر کیسے فائق ہوگئے۔انہوں نے جواب دیا: وہ علمی مجالس میں سب سے پہلے آتے تھے، یہاں سے اٹھ کر وہ انصار کے گھروں پر جاتے اور کوئی جوان نوخیز، ادھیڑ عمر مرد اور بوڑھی عورتیں باقی نہ رہتیں، جن سے وہ فائدہ نہ حاصل کرتے ہوں۔یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں تک کے پاس چلے جاتے۔ (۵) جہاں کسی فاضلہ خاتون کا پتہ چلتا، فوراً اس کے پاس پہنچتے۔ان کا خود بیان ہے: کہ ایک مرتبہ حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہما نے مجھ سے کہا: کہ تم میں علم کی بڑی حرص ہے، اس لئے میں تم کو علم کے ظرف کا پتہ بتاتا ہوں۔انہوں نے کہا: ضرور بتایئے۔حضرت قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کی لڑکی کے پاس جاؤ۔انہوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش تربیت میں پرورش پائی ہے۔چنانچہ میں ان کے پاس گیا۔واقعی وہ علم کا بحر بیکراں تھیں۔(۶)

ہمہ گیری: ان کا ذوق ہمہ گیر تھا: کسی خاص علم وفن کی تخصیص نہ تھی، بلکہ وہ ہر علم یکساں ذوق سے حاصل کرتے تھے۔اور جو کچھ سنتے تھے، سب کچھ لکھ لیتے تھے۔علامہ ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ ہم لوگ صرف حلال وحرام کے مسائل قلمبند کرتے تھے، اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ سنتے تھے، سب کچھ لکھ لیتے تھے، جب آگے چل کر ضرورت پڑی تو معلوم ہوا کہ وہ سب سے بڑے عالم ہیں۔(۷)

جامعیت: ان کے ذوق کی اس ہمہ گیری کی وجہ سے انہیں جملہ فنون میں یکساں دستگاہ حاصل تھی۔جس فن پر وہ گفتگو کرتے تھے، معلوم ہوتا تھا، کہ یہی ان کا خاص فن ہے۔امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ جامع شخصیت نہیں دیکھی۔جب وہ ترغیب پر گفتگو کرتے، تو معلوم ہوتا کہ وہ اسی کے بڑے عالم ہیں۔جب عرب اور انساب عرب پر روشنی ڈالتے، تو معلوم ہوتا یہی ان کا خاص موضوع ہے، اور جب قرآن

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۹ص۴۴۸ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۹۷ ۳۔ ایضاً ص۹۸

۴۔ ایضاً ص۹۶ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج۹ص۴۴۹ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۹۹

۷۔ تھذیب التھذیب، ج۹ص۴۴۸

وسنت پر بولتے تو معلوم ہوتا، یہی ان کا خاص فن ہے۔(۱) علامہ معمر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ جن جن فنون میں ان کو درک تھا، ان میں وہ اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔(۲)

قرآن: قرآن کے وہ بڑے حافظ تھے، اور اس کے متعلقات پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی: کہ کلام اللہ ان کا خاص موضوع معلوم ہوتا تھا۔ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے حبر الامۃ کے تربیت یافتہ تھے، ان سے قرآن کا دور کیا تھا۔(۳)

حدیث: اگر چہ ان کو جملہ فنون میں یکساں کمال حاصل تھا۔ لیکن ان کا خاص فن حدیث وسنت تھا۔ اس کا انہیں جتنا ذوق تھا اور جس مشقت سے انہوں نے صدہا خرمنوں سے ایک ایک دانہ چن کر علم کا انبار لگایا تھا، یہ انہی کا خاصہ ہے، انہوں نے اس عہد کے تمام آئمہ اور اکابر علماء کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔ علامہ ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ اور عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان تقسیم تھا۔ ان کی احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو تک پہنچی۔(۴)

سنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنن صحابہ رضی اللہ عنہم: انہیں سنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنن صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بڑا ذوق تھا۔ اور مدینہ منورہ کے جملہ سنن انہوں نے قلمبند کر لئے تھے علامہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ وہ تحصیل علم میں علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: کہ ہم کو سنن لکھ لینا چاہیے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سنن لکھ لئے۔ سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قلمبند کرنے کے بعد انہوں نے کہا: اب صحابہ رضی اللہ عنہم کے سنن کو لکھنا چاہیے۔ لیکن سنن صحابہ ہم لوگوں نے نہیں لکھے، اور انہوں نے لکھ لئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب رہے، اور میں نے موقع ضائع کر دیا۔(۵)

مدینہ منورہ کے سنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنن صحابہ انہی کی ذات سے محفوظ رہے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ اگر علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو مدینہ منورہ کے سنن ضائع ہو جاتے۔(۶) وہ بالاتفاق اپنے زمانہ کے سنن کے سب سے بڑے عالم تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اب علامہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا۔(۷)

علم حاضر: انہوں نے حافظہ ایسا پایا تھا کہ جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ سب محفوظ تھا۔(۸) وہ خود کہا کرتے تھے: کہ میں نے اپنے سینہ میں جو علم ودیعت کیا، وہ نہیں بھولا۔(۹) پھر حفظ کا یہ حال تھا: کہ ایک مرتبہ سینکڑوں حدیثیں سنا جاتے تھے، اور جب پھر انہیں دہرانے کی ضرورت ہوتی تھی، تو ایک حرف کا بھی تغیر وتبدل نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی لڑکے کے واسطے ان سے حدیثیں لکھنے کی درخواست کی، انہوں نے چار سو حدیثیں قلمبند کرا دیں، ایک مہینہ کے بعد خلیفہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے امتحاناً کہا کہ وہ مجموعہ گم ہو گیا، انہوں نے پھر لکھوا دیا۔ بعد میں دونوں مجموعوں میں مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا فرق نہ تھا۔(۱۰) علاوہ ان احادیث سنن کے، جو ان کے سینہ ہی میں رہ گئیں، ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔(۱۱) غرض حدیث میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ ان کے مناقب ثناء وصفت اور ان کے حفظ کے کمالات شمار سے باہر ہیں۔(۱۲)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۹۶ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج۹، ص۴۴۹ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۹۹
۴۔ تھذیب التھذیب، ج۹ص۴۴۷ ۵۔ ایضاً ص۴۴۸ ۶۔ تھذیب الاسماء، ج۱ص۹۱
۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۹۷ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۹۷ ۹۔ تھذیب التھذیب، ج۹، ص۴۴۸
۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۹۷ ۱۱۔ ایضاً ص۹۶ ۱۲۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ق۱۹۱

مرویات کا پایہ: حفظ حدیث میں ان کی روایات کی کثرت سے زیادہ ان کی کیفیت اور نوعیت معیار کمال ہے، اس اعتبار سے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایات کا جو پایہ تھا، اس کا اندازہ ان آراء سے ہوگا۔ شیخ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ جو خود بہت بڑے محدث تھے، فرماتے تھے: کہ میں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حدیث میں کسی کو اصح نہیں دیکھا۔(۱) امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے: کہ زہری کی وہ روایات اصح ہیں، جو انہوں نے سالم سے اور سالم نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہیں۔(۲)

شیوخ: چونکہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی تھی۔ اس لئے ان کے شیوخ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔(۳) جن میں بہت سی فاضلہ خواتین بھی ہیں۔ ان کے عہد کے صحابہ اور اکابر تابعین میں کوئی ایسا شخص نہ تھا، جس سے انہوں نے استفادہ نہ کیا ہو۔ صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن جعفر، ربیعہ بن عباد، مسور بن مخرمہ، انس بن مالک، سہل بن سعد، سائب بن یزید، شبیب، ابو جمیلہ، عبدالرحمٰن بن ازہر، محمود بن ربیع، عبداللہ بن ثعلبہ، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، سعد بن سہل اور ابوالطفیل رضوان اللہ علیہم وغیرہ، اکابر تابعین میں سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ، مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء۔ ان کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا تھا، جن کی فہرست بہت طویل ہے۔

تلامذہ: ابن شہاب کی ذات مرجع انام تھی۔ اس لئے ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے، ان میں بعض تلامذہ حدیث کے نام یہ ہیں:

حضرت عطاء بن ابی رباح، عمر بن عبدالعزیز، عمرو بن دینار، صالح بن کیسان، یحیٰی بن سعید انصاری، ایوب سختیانی، عبداللہ بن مسلم زہری، امام اوزاعی، ابن جریج، محمد بن علی بن حسین، محمد بن منکدر، منصور بن معتمر، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، امام مالک، معمر الزبیدی، ابن ابی ذیب، لیث، اسحٰق بن یحیٰی کلبی اور بکر بن وائل رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔(۴)

فقہ: فقہ میں بھی بہت بلند پایہ رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔(۵) ان کے علاوہ اس عہد کے تمام اکابر فقہاء کے علم کے وہ وارث تھے۔ حضرت جعفر بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ میں نے حضرت عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کہ مدینہ منورہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ انہوں نے: کہا حضرت سعید بن مسیّب، عروہ اور عبداللہ بن عبداللہ رحمہم اللہ۔ یہ نام گنواتے کے بعد کہا: میرے نزدیک علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ ان سب سے بڑے عالم تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے ان سب کا علم اپنے علم میں شامل کر لیا تھا۔(۶)

فتاویٰ: اس فقہی کمال کی وجہ سے مدینہ منورہ کی مجلس افتا کے مسند نشین تھے۔ ان کے فتاویٰ کی تعداد اتنی زیادہ تھی، کہ حضرت محمد بن نوح رحمۃ اللہ علیہ نے فقہی ترتیب سے ان کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا تھا۔(۷)

مغازی: مغازی کے وہ امام تھے۔ ان سے پہلے کسی نے مغازی کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ تاریخ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مغازی پر مستقل کتاب لکھی، امام سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق: یہ اس فن کی سب سے پہلی کتاب تھی۔ ان کی ذات سے مغازی اور سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے تلامذہ میں حضرت یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ نے اس فن میں بڑا کمال پیدا کیا۔ خصوصاً آخر الذکر دونوں تلامذہ نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۹ ص ۴۴۸ ۲۔ تہذیب الاسماء، ج ۱ ص ۹۱ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۹ ص ۴۴۶ ۴۔ ایضاً ii۔ تہذیب الاسماء، ج ۱ ص ۹۱

۵۔ ابن خلکان، ج ۱ ص ۴۵۱ ۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۹ ص ۴۴۸ ۷۔ اعلام الموقعین، ج ۱ ص ۲۶

علماء میں ابن شہاب کا درجہ: امام زہری کا علمی مرتبہ اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال میں مسلم تھا، ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: کہ میں نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا عالم نہیں دیکھا، کسی نے پوچھا: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نہیں۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا: کہ میں نے حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا کسی کو بھی نہیں پایا۔(۱) حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے جنہوں نے تحصیل علم کے سلسلہ میں ساری دنیا چھان ماری تھی اور دنیائے اسلام کے تمام بڑے بڑے علماء سے ملے تھے، کسی نے پوچھا: تم سب سے بڑے کس عالم سے ملے۔ انہوں نے جواب دیا: علامہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ دنیا میں زہری کا کوئی مثل نہ تھا۔(۲) حضرت سعد بن ابراہیم یہاں تک مبالغہ کرتے تھے: کہ میرے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ جتنا علم کسی میں نہ تھا۔(۳)

اشاعت علم: خدا نے زہری کو جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا کی تھی۔ اسی فیاضی کے ساتھ انہوں نے اس کو تقسیم کیا، اور اس کی اشاعت میں سعی بلیغ کی، فرمایا کرتے تھے: نہ کسی نے تحصیل علم میں میرے جیسی مشقت اٹھائی اور نہ اس کی اشاعت میں، (۴) ان کے تلامذہ کی فہرست سے ان کی علمی خدمات کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی پوری زندگی علم میں ڈوبی ہوئی تھی، اس کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ علمی انہماک میں وہ دنیا و مافیہا حتیٰ کہ بیوی تک سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ جب گھر آتے تھے، تو کتابوں کے ڈھیر میں گم ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی نے ایک دن تنگ آ کر کہا: ''خدا تعالیٰ کی قسم! یہ کتابیں میرے لئے تین سوکنوں سے زیادہ تکلیف دہ ہیں''۔(۵)

عہدۂ قضاء اور خلفاء سے تعلقات: خلیفہ عبدالملک، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام رحمہم اللہ وغیرہ جو چھ خلفاء امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تھے، ان سب سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اس کا آغاز خلیفہ عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ خلیفہ عبدالملک خود بڑے صاحب علم اور جوہر شناس تھے، اگر وہ خلیفہ ہو کر برباد نہ ہو گیا ہوتا، تو عہد تابعین کا نہایت جلیل القدر عالم ہوتا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اس کے علمی کمالات کے اتنے معترف تھے، کہ فرماتے تھے: میں جن لوگوں سے ملا خلیفہ عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کے سوا، اپنے کو سب سے افضل پایا۔(۶) خلیفہ عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب میں کوئی حدیث بیان کرتا یا شعر پڑھتا، تو وہ اس میں اور اضافہ کر دیتا۔(۷) امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سب سے اول ۸۰ھ میں خلیفہ عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دمشق گئے۔ وہ ان کے علمی کمالات سے بہت متاثر ہوا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ مقروض تھے۔ ان کا کل قرض ادا کر دیا۔ قرض کی ادائیگی کے علاوہ اور بھی سلوک کئے۔ اور انہیں دمشق کے عہدۂ قضا پر ممتاز کیا۔(۸) اس تعلق سے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا دمشق میں مستقل قیام ہو گیا تھا، اور وہ خلیفہ عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ ہی کے ساتھ رہتے تھے۔ اموی خلفاء میں عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بڑے صاحب علم اور جوہر شناس تھے۔ وہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو بہت مانتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ انہوں نے تمام ممالک محروسہ میں اعلان کروا دیا تھا: کہ

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ا ص ۹۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۹۷ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ا ص ۹۲
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۹۷ ۵۔ ابن خلکان، ج ا ص ۴۵۱ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۹۷
۷۔ ابن خلکان، ج ا ص ۴۵۲ ۸۔ ابن خلکان، ج ا ص ۴۵۱

سب لوگ علامہ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کی اقتدا کیا کریں، کہ ان سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں مل سکتا۔(۱) خلیفہ عبدالملک کی وفات کے بعد امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اس کے لڑکے ہشام کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ پھر ہشام کے لڑکے کے اتالیق ہو گئے تھے۔ خلیفہ ہشام پر بھی ان کا بڑا اثر تھا، اور وہ انہیں بہت مانتا تھا۔ اس نے ہزاروں روپیہ کا ان کا قرض ادا کیا، ہشام کے ساتھ ان کی درباری گفتگو اور حاضر جوابی کے بعض دلچسپ واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ ایک دن امام اور ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ ہشام کے دربار میں تھے، ہشام نے ان سے سوال کیا: کہ اہل مدینہ کے وظیفے کس مہینہ میں تقسیم ہوا کرتے تھے، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے لاعلمی ظاہر کی، اس نے ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: انہوں نے بتایا: محرم میں، یہ جواب سن کر ہشام نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: ابوبکر! یہ علم تم کو آج حاصل ہوا۔ زہری نے برجستہ جواب دیا: امیر المؤمنین کی مجلس ایسی ہی ہے کہ اس سے علمی استفادہ کیا جائے۔(۲)

فیاضی: فیاضی اور سیر چشمی زہری کا نمایاں وصف تھا۔ وہ دولت کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ عمرو بن دینار کا بیان ہے: کہ میں نے درہم و دینار کو زہری کی نگاہ سے زیادہ کسی نگاہ میں بے وقعت نہیں دیکھا، وہ اس کو اونٹ کی مینگنی سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔(۳) اسی کا نتیجہ تھا کہ بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے اور بار بار مقروض ہو جاتے تھے، خلیفہ عبدالملک اور ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا ان کا قرض ادا کیا، لیکن ان کی غلط بخشیوں نے ان کو ہمیشہ مقروض رکھا۔ علامہ ولید بن محمد موقری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ میں نے ایک مرتبہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: کہ ابوبکر! تم میں صرف ایک عیب قرض لینے کا ہے، جواب دیا: مجھ پر قرض ہی کیا ہے، کل چالیس ہزار دینار کا قرض ہے۔ اور میرے پاس چار غلام ہیں، جن میں سے ہر ایک چالیس ہزار سے زیادہ بہتر ہے، اور صرف ایک پوتا میرا وارث ہے۔ میری تو تمنا یہ ہے کہ کسی کو میری وراثت نہ ملے۔(۴)

وفات: ۱۲۴ھ میں یہ آفتاب علم و عمل دنیا سے روپوش ہوا۔

حلیہ: قد چھوٹا تھا، سر پر کاکلیں تھیں۔(۵)

۶۔ عطاء بن یزید اللیثی: راجع: ۹۷ **۷۔ حمران:** ایضاً

۸۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

آپ کا نام: عثمان، کنیت ابوعبداللہ اور ابوعمر، لقب ذوالنورین، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی تھا۔

ا۔ سلسلہ نسب: والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی (۶)

والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی بیضاء ام

۱۔ ایضاً، ص ۴۵۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۹۷ ۳۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۵۱

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۹۹ ۵۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، ص ۲۹۰۔۲۹۵ ۶۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۴۲۳

الحکیم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لئے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ آپ کو ذوالنورین (دونوروں والا) اس لئے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔(۱)

۲۔حلیہ مبارک: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ درمیانے قد کے خوبرو شخص تھے، رنگ میں سفیدی کے ساتھ ساتھ سرخی شامل تھی، چہرے پر چیچک کے داغ تھے، داڑھی بہت گھنی تھی، جسم کی ہڈیاں چوڑی تھیں، شانے کافی پھیلے ہوئے تھے۔ پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں، ہاتھ لمبے تھے، جن پر بال کافی تھے۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ دانت بہت خوبصورت تھے اور سونے کے تار سے بندھے ہوئے تھے۔ کنپٹیوں کے بال کانوں تک آتے تھے، زرد رنگ کا خضاب کرتے تھے۔

حضرت عبیداللہ بن خزم الحازنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوبرو عورتوں اور مردوں میں کسی اور کو نہیں پایا۔ موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت زیادہ حسین تھے۔

حضرت اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے کچھ گوشت دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، جب میں آپ کے گھر میں گیا، تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں، میں کبھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھتا تھا۔ جب میں آپ کے گھر سے واپس آ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: اسامہ! تم عثمان کے گھر کے اندر گئے تھے، میں نے عرض کیا: جی ہاں! ارشاد ہوا کہ: کیا تم نے ان میاں بیوی سے زیادہ خوبصورت میاں بیوی دیکھے ہیں؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کبھی نہیں۔(۲)

۳۔ولادت وشادی: آپ عام الفیل کے چھ برس بعد پیدا ہوئے، آپ ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے تھے، آپ ان حضرات میں سے ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ نے اسلام کے لئے دوبار ہجرت کی۔ پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ طیبہ کی جانب۔ آپ کی شادی قبل نبوت رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی، جن کا غزوہ بدر میں انتقال ہو گیا، اور ان کی تیمارداری کے باعث آپ غزوہ میں شرکت نہیں فرما سکے تھے، کیونکہ آپ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کرو، مگر رسول اللہ ﷺ نے چونکہ آپ کو بدر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا تھا اس لئے آپ کا شمار اہل بدر میں کیا جاتا ہے۔ جس وقت مدینہ میں قاصد جنگ بدر کی فتح کی خوشخبری لے کر داخل ہوا تھا، اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا جا رہا تھا۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ کی شادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی دوسری بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے حضور ﷺ نے فرما دی، ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں نو ہجری میں ہوا۔

سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اور کسی شخص کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ یکے بعد دیگرے کسی نبی کی دو بیٹیاں عقد میں آئی ہوں، اسی مناسبت سے آپ کا لقب ذوالنورین تھا۔ آپ بھی سابق اولین، اول مہاجرین اور عشرہ مبشرہ میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا شمار ان چھ ہستیوں میں بھی کیا جاتا ہے جن سے رسول اکرم ﷺ بوقت وفات شریف تک خوش رہے۔ آپ ان لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے قرآن شریف جمع کیا، بلکہ کلبہ ابن عباد تو یہ کہتے ہیں: کہ خلفاء میں سے سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور عباسی خلیفہ مامون کے کسی نے قرآن شریف کو جمع نہیں کیا۔(۳)

۱۔ سیر الصحابۃ، ج۱، ص۱۵۱ ۲۔ تاریخ الخلفاء، ص۳۳۶ ۳۔ تاریخ الخلفاء، ص۳۳۳ تا ۳۳۴

۴۔اولاد: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں عبداللہ بن رقیہ کے علاوہ عبداللہ اصغر تھے، جولاولد فوت ہوئے، ان کی والدہ فاختہ بنت غزوان ابن جابر بن جسیب بن وہیب بن زید بن مالک بن عبدعوف ابن الحارث بن مازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بنع عیلان تھیں۔

پانچ بچے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم تھے، ان کی والدہ ام عمرو بنت جندب بن عمرو بن حممہ بن الحارث بن رفاعہ بن سعد بن ثعلبہ ابن لوی بن عامر بن غنم بن دہمان بن منہب بن دوس قبیلہ ازد میں سے تھیں۔ ولید بن عثمان، سعد اور امام سعید کی والدہ بنت الولید بن عبد شمس بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم تھیں۔

عبدالملک بن عثمان لاولد مر گئے، ان کی والدہ ام البنین بنت عینیہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزاری تھیں۔ عائشہ بنت عثمان، ام ابان، ام عمرو کی والدہ رملہ بنت شیبہ ابن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی تھیں۔

مریم بنت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ نائلہ بنت الفرافصہ بن الاحوج ابن عمرو بن ثعلبہ بن الحارث بن حصن بن ضمضم بن عدی بن خباب قبیلہ کلب میں سے تھیں۔ ام البنین بنت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ ام ولد تھیں، یہ وہی تھیں جو عبداللہ ابن یزید بن ابی سفیان کے پاس تھیں۔(۱)

۵۔قبول اسلام اور مصائب و آلام: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عمر کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوگئی، گوملکی رسم ورواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے یہ آواز نامانوس تھی، تاہم وہ اپنی فطرت عفت، پارسائی، دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کے لئے بالکل تیار تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ واشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین وہدایت کا کام شروع کیا، ایام جاہلیت میں ان کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ارتباط تھا، اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی، ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے، ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا ''عثمان رضی اللہ عنہ! خدا کی جنت قبول کر'' میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ وصاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔(۲)

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق اموی خاندان سے تھا، جو بنو ہاشم کا حریف تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو اس لئے خوف وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا، کہ اس طریقہ سے عرب کی سیادت کی باگ ڈور بنوامیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو ہاشم کے دست اقتدار میں چلی جائے گی، یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابوسفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا آئینہ دل خاندانی تعصب کے گرد وغبار سے پاک تھا، اس لئے اس قسم کی کوئی پیش بینی ان کے صفائے باطن کو مکدر نہ کر سکی، انہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا، جب کہ صرف پینتیس یا چھتیس زن ومرد حلقہ بگوش اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے تھے۔(۳)

۱۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۱ ۲۔ اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۳۷۶ ۳۔ ایضاً

قبول اسلام پر شدائد مصائب: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو پکڑ کر ایک کمرے میں بند کر دیا اور کہا تم نے آبائی مذہب ترک کر کے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ جب تک تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا (اسی طرح بند رکھوں گا)۔ یہ سن کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، چچا! خدا کی قسم میں مذہب اسلام کبھی نہیں چھوڑوں گا اور اس دولت سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا۔ اس طرح حکم بن ابی العاص نے جب آپ کو اسلام پر مستحکم اور مستقل پایا تو مجبور ہو کر آپ کو قید و بند سے آزاد کر دیا۔(ا)

۶۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سادگی اور پوشاک: حضرت محمود بن لبید سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ایک خچر پر اس حالت میں سوار دیکھا کہ ان کے جسم پر دو زرد چادریں تھیں اور ان کے دو، کا کل تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سعد مولائے اسود بن سفیان سے مروی ہے کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو جب وہ چار، وزراء بنا رہے تھے، ایک سفید خچر پر اس حالت میں سوار دیکھا، کہ ان کی داڑھی بٹی ہوئی تھی۔

حضرت حکم بن الصلت سے مروی ہے کہ میرے والد نے بیان کیا: کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں خطبہ پڑھتے دیکھا کہ ان کے جسم پر ایک چوکور چادر تھی، جو مہندی میں رنگی ہوئی تھی۔

طبیین کے ایک شخص نے اپنے والد سے روایت کی: کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک قوی کرتہ دیکھا۔ احنف بن قیس سے مروی ہے کہ میں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے جسم پر زرد چادر دیکھی۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے جسم پر دو گیرو کی رنگی ہوئی چادریں دیکھیں۔ حضرت سلیم ابی عامر سے مروی ہے: کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک یمنی چادر دیکھی، جس کی قیمت سو درہم تھی۔

حضرت محمد بن ربیعہ بن الحارث سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اپنی عورتوں پر اس لباس میں وسعت کرتے تھے، جس سے حفاظت کی جاتی تھی اور جس سے زینت حاصل کی جاتی تھی۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جسم پر ایک سوت ریشم ملی ہوئی نقشین چادر دیکھی جس کی قیمت دو سو درہم تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ میری زوجہ نائلہ کی ہے جو میں نے انہیں اوڑھائی تھی، پھر میں اسے اوڑھ کر ان کو اس سے خوش کرتا ہوں۔

حضرت محمد بن عمر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمرو بن عبداللہ بن عنبسہ اور حضرت عروہ بن خالد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان سے اور عبدالرحمٰن بن ابی الزناد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حلیہ دریافت کیا، تو میں نے ان کے درمیان اختلاف نہیں دیکھا، انہوں نے کہا: کہ وہ ایسے آدمی تھے کہ نہ پست قد تھے، نہ بلند و بالا، خوبصورت نرم کھال والے، بڑی اور گھنی داڑھی والے، گندم گوں، دست میں بڑی کری والے دونوں شانوں کے درمیان زیادہ فاصلہ رکھنے والے، سر میں زیادہ بال والے تھے، جو اپنی داڑھی کو بٹتے تھے۔ حضرت واقد بن ابی یاسر سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دانت سونے سے باندھا کرتے تھے۔ حضرت عبیداللہ بن دارہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بطور مرض کے پیشاب جاری ہو گیا تھا، انہوں نے اس کا علاج کیا، اس کے بعد وہ پھر جاری ہو گیا تو ہر نماز کے لئے، وہ وضو کیا کرتے تھے۔

ا۔ i- سیر الصحابۃ، ج ا، ص ۱۵۲ ii- تاریخ الخلفاء، ص ۳۳۷

جعفر بن محمد نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مہر کی انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ حضرت عمر بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے یہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا، تو اسے منگواتے تھے، جو کپڑے میں لپٹا ہوتا تھا اور اسے سونگھتے تھے، ان سے کہا گیا کہ: آپ یہ کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا: کہ اگر اسے کوئی شئے (تکلیف) پہنچے تو یہ ہو کہ میرے قلب میں اس کے لئے محبت پڑ چکی ہو۔

حضرت اسحاق بن یحیٰی نے اپنے چچا حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت کی: کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے دن اس طرح نکلتے دیکھا کہ ان کے جسم پر دو زرد چادریں ہوتیں، وہ منبر پر بیٹھتے، موذن اذان دیتا، وہ لوگوں سے باتیں کر کے ان سے بازار کے نرخ، آنے والے مہمان اور مریضوں کو دریافت کرتے، جب موذن خاموش ہو جاتا تو وہ اپنی ٹیڑھی موٹھ کو عصاء پر سہارا لگا کر کھڑے ہوتے، وہ اسی حالت میں خطبہ پڑھتے کہ عصاء ان کے ہاتھ میں ہوتا، پھر وہ بیٹھ جاتے اور لوگوں سے باتیں شروع کرتے، ان سے پہلی مرتبہ کی طرح سوالات کرتے، پھر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے اور منبر سے اتر آتے اور موذن اقامت کہتا تھا۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں دیکھا کہ موذن اذان کہتا ہوتا تھا اور وہ لوگوں سے باتیں کر کے ان سے پوچھتے اور ان سے نرخ اور حالات دریافت کرتے رہتے تھے۔ حضرت بنانہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وضو کے بعد رومال سے منہ ہاتھ خشک کرتے تھے۔ انہی سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بارش میں نہایا کرتے تھے۔ مزید یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب غسل کرتے تھے تو میں ان کے کپڑے ان کے پاس لاتی تھی، وہ مجھ سے کہتے تھے کہ میری طرف مت دیکھو، کیونکہ تمہارے لئے میری طرف دیکھنا حلال نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ میں ان کی بیوی کی باندی تھی۔ حضرت بنانہ سے ہی مروی ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ سفید داڑھی والے تھے۔ حضرت عبداللہ الرومی سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کے وضو کے پانی کا خود انتظام کرتے تھے، ان سے کہا گیا: کہ اگر آپ اپنے کسی خادم کو حکم دیں تو وہ آپ کو کفایت کریں، انہوں نے کہا، ''نہیں، رات ان کے لئے بھی ہے جس میں وہ آرام کرتے ہیں''۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سب سے زیادہ حیادار عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ سب لوگوں سے زیادہ مناسک (مسائل حج) کا علم رکھنے والے عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ''هل يستوى هو و من يامر بالعدل و هو علىٰ صراط مستقيم'' (کیا وہ شخص (جو ظلم کرتا ہے) اور وہ شخص جو عدل کے ساتھ حکم کرتا ہے برابر ہے؟ وہ (جو عادل ہے) راہِ راست پر ہے) میں مروی ہے کہ اس عادل سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں مسجد میں سوتے ہوئے دیکھا کہ وہ اپنی چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے۔ حضرت ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی: کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں کسی کو گواہ نہیں بنایا۔ حضرت عبید اللہ بن زرارہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جاہلیت اور اسلام میں تاجر آدمی تھے، وہ اپنا مال شرکت (مضاربت) پر دے دیا کرتے تھے۔ حضرت علاء بن عبدالرحمٰن نے اپنے والد سے روایت کی: کہ عثمان رضی اللہ عنہ اپنا مال انہیں نصف نفع کی شرکت پر دے دیتے تھے۔ (۱)

۷۔ ہجرت حبشہ و ہجرت مدینہ: مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ و غضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلاکشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم و ستم کا نشانہ تھے،

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۳۳۔ ۱۳۵

ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا، اعزہ واقارب نے سردمہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی، اور بالآخر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہوگئے۔ چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا، جو حق وصداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلاوطن ہوا۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوسکا، اس لئے پریشان خاطر تھے، ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا، اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان عثمان اول من هاجر باهله من هذه الامة.(۱)

اس میری امت میں عثمان رضی اللہ عنہ پہلا شخص ہے جو اپنے اہل وعیال کو لے کر جلاوطن ہوا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس ملک میں چند سال رہے، اس کے بعد جب بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی آگئے، یہاں آکر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے، اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر نہ گئے۔ اسی اثنا میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہوگیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کا ایماء فرمایا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اخوت قائم کردی۔ (۲)

اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہوگئی تھی، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ تمام عمر سوگوار رہے اور ان کا نہایت پردرد مرثیہ لکھا۔ (۳)

۸۔ بطور خلیفہ انتخاب: فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زخمی ہونے کے بعد حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ کو ہدایت کی حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کو ایک مکان میں جمع کرنا۔ کسی کو ان کے پاس آنے جانے نہ دینا۔ تین روز کے اندر باتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنالیں اور اگر اختلاف آراء ہو تو کثرت رائے سے عمل کیا جائے۔ در صورت مساوات حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حاکم بنائے جائیں اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس فریق سے اتفاق رائے کریں جس میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں، اس زمانہ میں حضرت صہیب امامت کریں اور نماز پڑھائیں، اور اگر اس تین دن کے اندر حضرت طلحہ آجائیں تو وہ بھی شوریٰ میں شریک کرلئے جائیں، ورنہ ان کا انتظار نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق ابوطلحہ اور مقداد نے مسور بن مخرمہ کے، بعض کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں ان لوگوں کو جمع کیا۔ اتنے میں عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ دروازے پر آکر بیٹھ گئے۔ حضرت سعد آئے اور یہ کہہ کر ان کو اٹھادیا کہ ''تم لوگ اس دروازے پر اس ارادے سے آکر بیٹھے ہو کہ کل کو کہو گے ہم بھی اہل شوریٰ میں سے تھے''۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ چلے گئے۔ ارباب شوریٰ میں انتخاب خلیفہ کی بابت بحث ومباحثہ ہونے لگا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی دست برداری: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم میں ایسا کوئی شخص ہے جو اپنے کو ان لوگوں سے علیحدہ کرلے جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں تاکہ وہ تم میں سے جو افضل اور لائق ہو اس کو خلیفہ بنائے''۔ کسی نے کچھ جواب نہ دیا، عبدالرحمٰن نے

۱۔ اسد الغابۃ، ج۳، ص۳۷۶ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج۳، ص۳۸ ۳۔ سیر الصحابۃ، ج۱، ص۱۵۲۔۱۵۳۱

کہا ''میں اپنے کو اس جماعت سے علیحدہ کرتا ہوں، میں اس خدمت کو انجام دوں گا''۔ ارباب حل وعقد اس پر راضی ہو گئے۔ لیکن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ''لاونعم'' کچھ جواب نہ دیا خاموش بیٹھے رہے۔ عبدالرحمٰن نے ان سے مخاطب ہو کر کہا ''ماتقول ابوالحسن'''' اے ابوالحسن تم کیا کہتے ہو؟'' علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بولے میں بھی راضی ہوں بشرطیکہ تم اقرار کرو کہ حق کرو گے، اپنے ہوائے نفسانی کی پیروی نہ کرو گے، نہ کسی رشتہ داری کا پاس ولحاظ کرو گے۔ حق کہنے میں کسی کی ملامت اور نصیحت کا خیال نہ کرو گے''۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس شرط کو تسلیم کر کے کہا ''اچھا آپ بھی اقرار کیجئے کہ آپ ہمارا ساتھ دیں گے جو ہماری رائے سے اختلاف کرے گا، اس سے آپ بھی اختلاف کریں اور جس کو ہم خلافت کے لئے منتخب کریں گے اسے آپ بھی پسند کریں گے''۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گفتگو: عبدالرحمٰن بن عوف، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور حاضرین جلسہ میں باہم عہد و پیان ہوا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قرابت دار ہو، سابق الاسلام ہو، تم نے دینی خدمت بے حد کی ہے، اس وجہ سے خلافت کے زیادہ مستحق ہو؟ جواب دیا اور عثمان بن عفان۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو تخلیہ میں لے جا کر ان سے بھی ایسا ہی کہا۔ انہوں نے کہا کہ علی، اس قدر گفتگو ہونے کے بعد جلسہ ختم ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، صحابہ کبار اور لوگوں سے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے ملتے اور خلافت کی بابت چوتھے روز صبح تک دریافت کرتے رہے۔ بعد اس کے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر آئے، زبیر رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا ''صحابہ کا اتفاق علی رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ہوتا ہے تم لوگ کیا کہتے ہو؟'' دونوں بزرگوں نے کہا ''ہم بھی اس سے متفق ہیں''۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے کہا بہتر ہوتا کہ تم ہم سے اپنی بیعت لے لیتے اور ہم کو ان جھگڑوں سے آزاد کر دیتے! جواب دیا ''یہ نہیں ہو سکتا! میں نے اپنے آپ کو ان سے مستثنیٰ کر لیا ہے جو خلافت کے لئے نامزد کئے گئے ہیں، محض اس لئے کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لوں''۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن، علی اور عثمان رضی اللہ عنہم کو بلا کر باتیں کرتے رہے۔ اتنے میں صبح کا وقت آ گیا کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ کیا باتیں ہوئیں اور ارباب شوریٰ میں کیا طے پایا؟

حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی تلخ کلامی: نماز فجر کے بعد مہاجرین، انصار اور امراء لشکر طلب کئے گئے۔ تھوڑی دیر میں ساری مسجد پر ہو گئی اور تل رکھنے کی جگہ باقی نہ تھی۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے کہا جس کو تم لوگ خلافت کے لئے منتخب کرنا چاہتے ہو اس کی طرف اشارہ کرو! عمار رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے کہا اگر قریش کے اختلاف کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کرتا! عبداللہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے اتفاق کیا، عمار رضی اللہ عنہ اور ابن ابی سرح رضی اللہ عنہ میں گفتگو بڑھ گئی سخت کلامی کی نوبت آ گئی۔ سعد نے اٹھ کر کہا اے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس سے پیشتر کہ لوگوں میں فتنہ برپا ہو جائے تم جس کو چاہو خلیفہ منتخب کر لو!

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب: حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے اپنے ذہن میں خلیفہ منتخب کر لیا ہے اور رائے قائم کر لی ہے۔ اے لوگو! ذرا بھر خاموش ہو جاؤ۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''تم کو اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اور وہ درمیان میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں خلفاء (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی سیرت کی تعلیم دینا۔ اس شرط پر خلافت کی بیعت تمہارے ہاتھ پر کی جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''میں امید کرتا ہوں کہ اس کی کوشش کروں گا اور اپنے مبلغ علم وطاقت کے موافق عمل پیرا ہوں گا''۔ یہ جواب پا کر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر یہی کلمات کہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا ''ہاں میں ایسا ہی کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ''۔

بیعت خلافت: حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی سقف مسجد کی طرف سر اٹھایا اور اپنا ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے کر یہ پڑھنے لگے "اللهم اشهد انی قد جعلت مافی عنقی من ذلك فی عنق عثمان" "اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ بیعت خلافت کا بار جو میری گردن پر تھا اس کو میں نے عثمان کی گردن پر ڈال دیا"۔ اس کے بعد حاضرین بیعت کرنے لگے اور بیعت عام ہوگئی۔ بیعت عامہ کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا "تم کو اختیار ہے اگر تم میری بیعت سے انکار کرو تو میں خلع خلافت کردوں"۔ طلحہ بولے کیا سب نے بیعت کرلی! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس سے اختلاف نہیں کرنا چاہتا جس پر سب نے اتفاق کرلیا ہے میں تمہاری خلافت سے راضی ہوں۔(۱)

۹۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا خطبہ خلافت:

كَتَبَ إِلَيَّ السَّرِيُّ، عن شعيب عن سيف عن بدر بن عُثْمَانَ عَنْ عَمِّهِ، قَالَ :لَمَّا بَايَعَ أَهْلُ الشُّورَى عُثْمَانَ خَرَجَ وَهُوَ أَشَدُّهُمْ كَآبَةً فَأَتَى منبر رسول الله ص، فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَصَلَّى على النبي ﷺ وَقَالَ :إِنَّكُمْ فِي دَارِ قُلْعَةٍ وَفِي بَقِيَّةِ أَعْمَارٍ، فَبَادِرُوا آجَالَكُمْ بِخَيْرِ مَا تَقْدِرُونَ عَلَيْهِ فَلَقَدْ أُتِيتُمْ، صُبِّحْتُمْ أَوْ مُسِّيتُمْ، أَلا وَإِنَّ الدُّنْيَا طُوِيَتْ عَلَى الْغُرُورِ، فَلا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ اعتبروا بمن مضى، ثم وجدوا ولا تغفلوا، فَإِنَّهُ لا يُغْفَلُ عَنْكُمْ أَيْنَ أَبْنَاءُ الدُّنْيَا وَإِخْوَانُهَا الَّذِينَ أَثَارُوهَا وَعَمَّرُوهَا، وَمُتِّعُوا بِهَا طَوِيلا، أَلَمْ تَلْفِظْهُمْ !ارْمُوا بِالدُّنْيَا حَيْثُ رَمَى اللَّهُ بِهَا، وَاطْلُبُوا الآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ قد ضرب لها مثلا، وللذى هُوَ خَيْرٌ، فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ :وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ -الى قوله -أَمَلا، وَأَقْبَلَ النَّاسُ يُبَايِعُونَهُ.(۲)

سیف کی روایت ہے کہ جب اہل شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو وہ بہت اداس ہوکر کھڑے ہوئے اور منبر رسول ﷺ پر آکر یوں خطبہ دیا پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کہی اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا بعد ازاں آپ نے فرمایا: تم قلعہ بند گھر میں (اپنے آپ کو سمجھتے) ہو اور عمر کے بقیہ حصے میں ہو اس لئے تم اپنی (باقی ماندہ) زندگی میں بہت جلد نیک کام سرانجام دو اور جو نیک کام تم کرسکتے ہو اس سے دریغ نہ کرو۔ کیونکہ تمہیں صبح یا شام کوچ کرنا ہوگا۔ آگاہ ہوجاؤ کہ دنیا مکروفریب میں لپٹی ہوئی ہے، اس لئے تمہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا نہ کردے۔ تم گزری ہوئی باتوں سے عبرت حاصل کرو۔ اور سرگرمی کے ساتھ (نیک) کام کرو اور غافل نہ رہو۔ کیونکہ وہ (خدا) تم سے غافل نہیں ہے۔ وہ دنیادار اور اس کے فرزند کہاں ہیں جنہوں نے دنیا میں عمارتیں تعمیر کیں، اور عرصہ دراز تک دنیا کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ کیا دنیا نے انہیں چھوڑا ہے؟ تم بھی دنیا کو وہیں پھینک دو، جہاں اللہ نے اسے پھینکا ہوا ہے، (اس کے بجائے) آخرت کے طلب گار رہو۔ کیونکہ اللہ نے دنیا کی کیا ہی اچھی مثال دی ہے، اور فرمایا: "(اے نبی ﷺ) تم انہیں دنیا کی زندگی کی مثال بیان کرو کہ وہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا ہو"۔ اس خطبہ کے بعد لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔

۱۔ تاریخ ابن خلدون، ج۱ص۳۱۹۔۳۲۱ ۲۔ التاریخ الامم والملوک، ج۲ص۲۷۵۔۲۷۶

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر وتوسیع: مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے عہد نبوی ﷺ میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی تھی تو اس کی توسیع کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریب کا قطعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا، پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ سب سے اول ۲۴ھ میں اس کا ارادہ کیا لیکن مسجد کے گرد و پیش میں لوگوں کے مکانات تھے، وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی مسجد نبوی ﷺ کی قربت کے شرف سے دست کش ہونے کے لئے راضی نہ ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لئے مختلف تدبیریں کیں لیکن، وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ پانچ سال اس میں گزر گئے۔ بالآخر ۲۹ھ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی موثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیئے اور آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا۔ نگرانی کے لئے تمام عمال طلب کئے اور خود شب و روز مصروف کار رہتے تھے غرض دس مہینوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ، چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم عمارت تیار ہوگئی، وسعت میں بھی کافی اضافہ ہوگیا، یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا، البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔ (۱)

مذہبی خدمات: نائب رسول اللہ ﷺ کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اس کی اشاعت وتبلیغ ہے۔ اس لئے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو اس فرض کے انجام دینے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا، چنانچہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے، ان کے سامنے خود اسلام کے محاسن بیان کر کے ان کو دین متین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا۔ چنانچہ دو عورتوں نے متاثر ہو کر کلمہ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہوئیں۔ (۲)

غیر قوموں میں اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم وتلقین ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بالمشافہ مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے بتایا کہ میں نے رسول اللہ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا۔ (۳) جس مسئلہ میں شبہ ہوتا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکتے تو دوسرے صحابہ سے استفسار فرماتے اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر حج کے دوران میں ایک شخص نے پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا تھا، جب آپ کھانے کے لئے بیٹھے تو شبہ ہوا کہ حالت احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہمسفر تھے، ان سے استفسار کیا انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ (۴)

مذہبی انتظامات کی طرف پوری توجہ تھی، مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر کا حال گزر چکا ہے، مدینہ کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہوتی تھی، اس لئے ایک اور موذن کا تقرر کیا جو مقام زوراء میں اذان دے کر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا، نماز میں صفوں کے برابر اور سیدھی رکھنے کے انتظام پر متعدد اشخاص متعین تھے جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے۔ (۵)

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف وتحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی

۱۔ خلاصۃ الوفاء، ص ۱۲۴ ۲۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، ص ۱۸۵ ۳۔ ابوداؤد: ۱۱۰

۴۔ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۱۰۰ ۵۔ مسند شافعی، ص ۳۸

عام اشاعت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ آرمینیہ اور آذر بائیجان کی مہم میں شام، مصر، عراق وغیرہ مختلف ملکوں کی فوجیں مجتمع تھیں، جن میں زیادہ تر نومسلم اور عجمی النسل تھے، جن کی مادری زبان عربی نہ تھی، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بھی شریک جہاد تھے، انہوں نے دیکھا کہ اختلاف قرأت کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرأت، اہل عراق سے بالکل جداگانہ ہے، اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت اہل کوفہ سے مختلف ہے اور ہر ایک اپنے ملک کی قرأت صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتا ہے حضرت حذیفہ کو اس اختلاف سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس ہوئے تو سیدھے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا ''امیر المومنین! اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح خدا کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کر لیں گے''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی خیال ہوا اور انہوں نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہم سے اس کی نقلیں کرا کے تمام ملک میں اس کی اشاعت کی، اور ان تمام مختلف مصاحف کو جنہیں لوگوں نے بطور خود مختلف املاؤں سے لکھا تھا، صفحہ ہستی سے معدوم کر دیا۔(۱) ظاہر ہے کہ اس اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت وانجیل اور دیگر صحف آسمانی کا ہوا۔

۱۰۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: امام بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب آتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لباس مبارک کو ٹھیک کر لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اس سے کس طرح شرم نہ کروں جس سے فرشتے بھی شرم کرتے ہیں۔(۲) امام بخاری نے ابو عبدالرحمٰن سلمی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (ایام ابتلا میں) گھر میں محصور ہو جانے کے بعد محاصرہ کرنے والوں سے فرمایا کہ اللہ کی قسم دے کر تم سب سے خصوصا صحابہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں یہ بات پوچھتا ہوں کہ تم کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو کوئی جیش عسرہ کے لئے سامان فراہم کرے وہ جنتی ہے تو میں نے سامان جنگ فراہم کیا تھا! تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد ہوگا کہ جو شخص بیئر رومہ (مسلمانوں کے لئے) خرید کر دے گا وہ جنتی ہوگا، چنانچہ میں نے مدینہ منورہ کو اس کنویں کو یہودی سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا، آپ کی ہر بات کی صحابہ نے تصدیق کی۔(۳) امام ترمذی نے عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیش عسرۃ کی تیاری کے لئے صحابہ کرام کو ترغیب دے رہے تھے میں بھی وہاں موجود تھا۔ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سو اونٹ مع پالان اور ساز و سامان اپنے ذمہ لیتا ہوں، (اللہ کے لئے سو اونٹ مع ساز و سامان پیش کرتا ہوں)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پھر ترغیب دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دو سو اونٹ اور ساز و سامان اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی صحابہ کرام کو ترغیب دی تو آپ نے فرمایا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ذمہ تین سو اونٹ مع پالان اور ساز و سامان کے! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا کہ آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے جرم و گناہ ان کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔(۴) امام ترمذی عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت جیش عسرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیناروں کو الٹے پلٹے جاتے اور فرماتے جاتے کہ آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا

۱۔ بخاری: ۴۹۸۷ ۲۔ مسلم: ۲۴۰۱

۳۔ بخاری: ۲۷۷۸ ۴۔ ترمذی: ۳۷۰۰

کوئی عمل ان کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔ (آپ نے دو مرتبہ فرمایا)۔(۱)

امام ترمذی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب بیعت الرضوان ہوئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے مکہ معظمہ میں سفیر بن کر گئے تھے۔ یہاں لوگوں نے رسول اللہ سے بیعت رضوان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چونکہ عثمان رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کے کام کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا میں خود ان کی طرف بیعت کرتا ہوں۔ یہ ارشاد فرما کر آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دست مبارک تمام لوگوں کے ہاتھوں اور جانوں سے کس قدر افضل و برتر ہے۔(۲) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ مقرر فرمایا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم رضی اللہ عنہ نے فتنوں کی بابت ارشاد فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ایک فتنہ میں یہ بھی مظلوم شہید ہوں گے۔(۳)

ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ نے مرہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رسول مقبول رضی اللہ عنہ مستقبل میں برپا ہونے والے ایک فتنے کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص اس روز ہدایت پر ہوگا۔ میں نے کھڑے ہو کر دیکھا کہ کون صاحب ہیں تو دیکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا! کیا یہ ہدایت پر ہوں گے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہی!!(۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان! خداوند تعالیٰ تمہیں ایک قمیص (خلافت) عنایت فرمائے گا۔ جب منافق اس کو اتارنے کی کوشش کریں تو تم اس کو مت اتارنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آملو! اسی بناء پر آپ نے جس روز آپ محصور ہوئے تھے یہ فرمایا تھا کہ اس کے بارے میں مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا تھا چنانچہ اس پر میں قائم ہوں اور صبر کر رہا ہوں۔(۵)

حاکم نے حضرت ابو ہریرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو مرتبہ جنت خریدی ہے، ایک مرتبہ تو یہودی سے بیئر رومہ خرید کر اس کی کھدائی کرا کے (تاکہ مسلمانوں کو زیادہ پانی مل سکے)۔ دوسری مرتبہ جیش عسرہ کو ساز و سامان فراہم کر کے۔ ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ میں مجھ سے مشابہ عثمان (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ طبرانی نے عصمہ بن مالک سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ رضی اللہ عنہ کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا (زوجہ حضرت عثمان) کا بھی انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا نکاح کسی سے کردو، اگر میری تیسری بیٹی موجود ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیتا کہ میں نے ان کے نکاح پہلے بھی وحی الٰہی کے ذریعہ سے کئے تھے۔(۶)

ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ اگر میری چالیس لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان سب کا نکاح تم سے کر دیتا۔ (یہاں تک کہ کوئی بھی باقی نہ رہتی)۔(۷)

۱۔ ترمذی، المناقب، ص ۱۴۱، رقم ۳۷۰۱، مستدرک، ۱۰۲/۳
۲۔ ترمذی، المناقب، رقم ۳۷۰۲، ص ۱۴۱۱
۳۔ ترمذی، المناقب، رقم ۳۷۰۸، ص ۱۴۱۴
۴۔ ایضاً، رقم ۳۷۰۴، ص ۱۴۱۲
۵۔ ترمذی، المناقب، رقم ۳۷۰۵، ص ۱۴۱۲
۶۔ الطبرانی فی الکبیر، ۴۹۰/۱۷
۷۔ تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۱۲۱

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرے پاس سے جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گزرے تو ایک فرشتہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا: یہ شہید ہیں، ان کو قوم شہید کردے گی، مجھے ان سے شرم آتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ فرشتے (حضرت) عثمان رضی اللہ عنہ سے اس طرح حیاء کرتے ہیں جیسے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواباً فرمایا: کہ (آپ کی حیا کا کیا پوچھتے ہو) اگر آپ کبھی نہانے کا قصد کرتے تو گھر میں کواڑ بند کر کے بھی، کپڑے اتارنے میں اس قدر شرم فرماتے تھے، کہ اپنی پیٹھ سیدھی نہیں کرتے تھے۔ (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دس خصائل: حضرت ابن ثور الفہمی بیان کرتے ہیں: کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت گیا جب کہ آپ محصور تھے، اس وقت آپ نے مجھ سے فرمایا: کہ میری دس خصلتیں اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہیں۔ (۱) میں اسلام قبول کرنے والا چوتھا شخص ہوں۔ (۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کو میرے عقد میں دیا۔ (۳) میں کبھی گانے بجانے میں شریک نہیں ہوا۔ (۴) میں کبھی لہو ولعب میں مشغول نہیں ہوا۔ (۵) میں نے کبھی کسی برائی اور بدی کی تمنا نہیں کی۔ (۶) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں نے کبھی اپنا سیدھا ہاتھ اپنی شرمگاہ کو نہیں لگایا۔ (۷) اسلام لانے کے بعد میں نے ہر جمعہ کو اللہ کیلئے ایک غلام آزاد کیا، اگر اس وقت ممکن نہ ہوا تو بعد میں آزاد کیا۔ (۸) زمانہ جاہلیت یا عہد اسلام میں کبھی زنا کا مرتکب نہیں ہوا۔ (۹) عہد جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی چوری نہیں کی۔ (۱۰) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مطابق میں نے قرآن شریف کو جمع کیا۔ (۲)

محاصرہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب مصری وفد کے ناجائز مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کردیا تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا۔ ابتداء میں یہ محاصرہ نرم تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد میں آتے جاتے اور امامت کرتے تھے، اور یہ گروہ بھی آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرتا تھا۔ ایک دن اس گروہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کہ وہ ان کی موجودگی میں خلیفہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا: کہ یہ لوگ آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں حاضر ہوں۔ چنانچہ مصری وفد کے ایک رکن عبدالرحمٰن بن عدیس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا: کہ مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو تبدیل کیا جائے اور ہماری مرضی کا گورنر مقرر کیا جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارا یہ مطالبہ کسی قیمت پر بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ اگر میں تمہاری خواہش کے مطابق گورنروں کا عزل ونصب کرنے لگوں تو پھر حکومت کا اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہوگا نہ کہ میرے ہاتھ میں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی میں آنا جانا تھا کہ ایک دن آپ جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں مصری وفد بھی موجود تھا۔ نماز کی امامت حسب معمول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کرائی۔ فراغت کے بعد آپ منبر پر تشریف لائے اور مصری وفد کی طرف روئے سخن کر کے فرمایا: کہ دشمنو! اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب سے ڈرو۔ اہل مدینہ خوب جانتے ہیں کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں ملعون ہو، پس تم لوگوں نے جو خطائیں کی ہیں ان کی تلافی عمل خیر سے کرو۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ حسنات کے ذریعہ سیئات کو محو کردیتا ہے۔

۱۔ تاریخ الخلفاء، ص ۳۳۸۔۳۴۰ ۲۔ ایضاً ص ۳۵۴

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بالکل سچ فرمایا ہے آپ نے! میں اس کا گواہ ہوں۔

اس کے بعد مصری وفد کے ارکان اور دوسرے اہل مدینہ کے لوگوں میں جھڑپ شروع ہوگئی۔ ایک دوسرے کی طرف پتھراؤ کیا گیا، کئی لوگ زخمی ہوئے، جن میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر پہنچایا گیا۔ اس کے بعد مفسدین نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور گھر سے نکلنے پر پابندی لگادی اور ان کا اپنا امیر غافقی امامت کرنے لگا۔ (۱)

امیر حج کے لئے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی نامزدگی: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ ہر سال جب سے آپ خلیفہ ہوئے تھے، حج کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور امیر حج خود ہوتے تھے۔ لیکن اب کی مرتبہ باغیوں نے آپ کو مکان میں محصور کردیا تھا۔ اسلئے آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو امیر حج مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس پر راضی نہ تھے لیکن امیر المومنین کے اصرار پر راضی ہوگئے۔ (۲)

باغیوں نے حضرت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گھر میں محصور کردیا تھا۔ ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکان کی چھت پر چڑھ کر باغیوں سے خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا:

کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو مسجد کی جگہ تنگ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی۔ اب تم مجھے اس مسجد میں نماز پڑھانے سے روکتے ہو؟ کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں بئر رومہ کے سوا اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا۔ اور یہ کنواں یہودی کی ملکیت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ کون اس کنویں کو خرید کر عام مسلمانوں کے لئے وقف کرے گا۔ اور اس کو اس سے بہتر جنت میں صلہ ملے گا۔ تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور آج تم نے مجھے اسی کے پانی پینے سے محروم کردیا ہے۔ باغیوں نے جواب دیا: آپ سچ فرمارہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے امداد کے لیئے فرمایا تو میں نے سب سے زیادہ اس میں امداد کی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو جنت کی بشارت دی۔ باغیوں نے بیک زبان ہوکر کہا: آپ سچ فرمارہے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ احد پر تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابوبکر، عمر رضی اللہ عنہما اور میں تھا۔ کوہ احد لرزنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احد ٹھہر جا! اس وقت تیری پشت پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا تمہیں یاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مجھے سفیر بنا کر مکہ بھیجا تھا اور بیعت رضوان میں اپنے ایک ہاتھ کو میرا ہاتھ قرار دیا تھا اور میری طرف سے خود ہی بیعت کی تھی۔ سب نے کہا: آپ سچ فرمارہے ہیں۔ (۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس تقریر کا مقصد صرف باغیوں کے ضمیر کو جگانا تھا اور انہیں یہ سوچنے پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ کس کے ساتھ یہ معاملہ کررہے ہیں۔ لیکن ان کا ضمیر مردہ ہوچکا تھا۔ اس لئے وہ ہر سوال کا جواب اثبات میں دینے کے باوجود اپنے موقف پر قائم رہے اور ان کا یہی مطالبہ تھا کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہوجائیں۔ لیکن امیر المومنین نے ان کا یہ مطالبہ سختی سے مسترد کردیا۔

۱۔ تاریخ طبری، ج ۳، ص ۳۵۴ ۲۔ تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۲، ص ۱۷۴

۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۶۰، رقم ۴۲۰

اسلام میں کسی کے قتل کی صرف تین صورتیں ہیں:

۱۔ اس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے۔

۲۔ اس نے ارادۃً کسی کو قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں قتل کیا جائے۔

۳۔ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

۱۔ میں نے تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں بدکاری کی ہے۔

۲۔ نہ میں نے آج تک کسی کو قتل کیا ہے۔

۳۔ اور نہ میں اسلام سے مرتد ہوا ہوں۔ اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ (۱)

لیکن باغیوں پر آپ کی تقریر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ: محاصرہ کے دوران حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیر المومنین تین صورتیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کو اختیار کیجئے:

۱۔ آپ کے پاس طاقت ہے، اس کو لے کر نکلئے اور ان کا مقابلہ کیجئے۔

۲۔ مکان کے پچھلے دروازے سے نکل کر مکہ معظمہ چلے جایئے۔

۳۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے جایئے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ میں آپ کی تینوں صورتیں تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں۔

۱۔ میں ان کا مقابلہ نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ پہلا خلیفہ بننا گوارا نہیں کر سکتا جس کے ہاتھوں امت میں خونریزی کا آغاز ہوا ہو۔

۲۔ اگر میں مکہ معظمہ چلا جاؤں تو اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرم الٰہی کی توہین نہیں کریں گے اور جنگ سے باز آجائیں گے، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشنگوئی کے مطابق وہ شخص بننا نہیں چاہتا کہ جو مکہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث ہو۔

۳۔ میں شام نہیں جاؤں گا، مجھے معلوم ہے کہ وہاں معاویہ موجود ہیں اور وہاں کے لوگ بھی وفادار ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دار ہجرت سے جدائی اور دوری کس طرح منظور کر سکتا ہوں؟ (۲)

مقابلے کے لئے جانثاروں کی اجازت طلبی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا گھر بہت وسیع تھا اور گھر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی۔ ابن سعد کے مطابق جانثاروں کی تعداد سات سو تھی۔ (۳)

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۶۲، رقم ۴۳۷ ۲۔ ایضاً ص ۶۷ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۴۹

ان جانثاروں کے سردار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا امیر المومنین اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے، اجازت ہو تو میں ان باغیوں سے جنگ کروں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لئے اپنا خون نہ بہائے۔ (۱) گھر میں اس وقت بیس غلام موجود تھے، ان سب کو بلا کر آزاد کر دیا۔ (۲) حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، انہوں نے عرض کیا: امیر المومنین! انصار دروازے پر کھڑے ہیں اور آپ کی اجازت کے منتظر ہیں کہ دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر لڑائی مقصود ہے تو میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔ (۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: کیا جنگ کی اجازت ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ: کیا تم پسند کرو گے کہ تم دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو قتل کر دو۔ جواب دیا: نہیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تم نے ایک آدمی کو بھی قتل کیا تو گویا سب کو قتل کیا۔

من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا (۴)　　جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ یہ سن کر واپس لوٹ گئے۔ (۵)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت: پچاس دن تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اسی مکان میں قید رہے، اس عرصہ میں برابر روزہ رکھتے رہے۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا، کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار شریف سے باہر تشریف لائے اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا اے عثمان! کیا تمہیں بہت بھوک لگی ہے؟ تم نے چالیس دن تک روزہ رکھا، اے عثمان! کل روزہ تم ہمارے پاس آکر کھولو گے، ہم حوض کوثر سے تمہارا روزہ کھلوائیں گے، اے عثمان! کل تم شہید کئے جاؤ گے اور تمہارے خون کا پہلا قطرہ آیت **فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم** پر پڑے گا۔

یہ خواب دیکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کا دروازہ کھول دیا اور فرمایا، آنے دو آج تو میری دعوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر کریں گے دروازہ کھلتے ہی بلوائی اندر گھس آئے اور اس خیال سے کوئی دروازہ پھر بند نہ کر دے کواڑوں میں آگ لگا دی۔ دروازہ کے اوپر چھپر پڑا تھا اس کو بھی آگ لگ گئی، گھر والے گھبرا گئے۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور سورہ طٰہٰ شروع تھی گھر میں آگ لگ رہی تھی، مگر آپ کی نماز یا قرأت پڑھنے میں ذرا بھی فرق یا لکنت نہ تھی یہاں تک کہ نماز سے آپ فارغ ہوئے، قرآن منگوایا، کھولا سامنے رکھا وہی آیت نکلی۔ ایک آدمی آپ کے قتل کے ارادے سے آپ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا تو مجھ کو قتل نہ کر کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لئے دعا کی تھی کہ اللہ تجھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بچائے کیا تو میرے نبی کی دعا کے خلاف کرے گا؟ اس شخص کو تو یہ بات سنتے ہی پسینہ آیا اور شرمندہ ہو کر گھر سے نکل گیا۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس موقع پر آئے اور فرمایا ظالمو! خبردار! عثمان رضی اللہ عنہ کا خون نہ کرو، دیکھو اللہ ایک عثمان کے بدلے اسی ہزار کو قتل کرے گا، اس وقت تک مدینہ منورہ کی حفاظت فرشتے کرتے ہیں۔ جس وقت تم عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرو گے فرشتے چلے جائیں گے، ایک ظالم بولا، او یہودی کے بچے! تو کیا جانے، جا اپنا کام کر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم صبر کرو۔

۱۔ ایضاً　　۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۷۳　　۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۴۸

۴۔ المائدۃ ۵:۳۲　　۵۔ ایضاً

اتنے میں سودان بن حمران ایک شخص آیا اور کہنے لگا، اوعثمان تو کس دین پر ہے؟ آپ نے فرمایا: میں دین محمدی پر ہوں۔ اس نے بڑے زور سے آپ کا گلا گھونٹا، پھر ایک اور ظالم آپ کے پاس آیا اور آپ کے چہرے پر طمانچہ مارا اور تلوار آپ کی جانب اٹھائی، آپ نے ہاتھ سے تلوار کو روکا، ہاتھ کٹ گیا، فرمایا: یہ وہ ہاتھ تھا، جو وحی لکھا کرتا تھا، آج یہ راہ مولیٰ میں کٹا ہے، یہ وہ ہاتھ ہے جس نے سید المرسلین کے ہاتھ پر بیعت کی، جس دن سے یہ ہاتھ نبی ﷺ کے ہاتھ سے ملا تھا، کسی گندی چیز کو اس ہاتھ نے نہ چھوا تھا، لوگو! ذرا اس ہاتھ کو اچھی طرح دفن کرنا، اس ظالم نے کہا: لو بلاؤ! اپنے مددگاروں کو، فرمایا: میرا جو مددگار ہے، میرے پاس ہے، پھر ایک اور ظالم آیا، اس نے تین زخم آپ کے ماتھے پر اور تین چھاتی پر برچھی کی نوک سے کئے، اس وقت جو قرآن شریف سامنے رکھا تھا اور اسے آپ پڑھ رہے تھے، اس پر پہلا قطرہ آپ کے خون کا جو پڑا، وہ اس آیت پر پڑا "فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم" "اے عثمان! تیرا بدلہ لینے کو تیرا اللہ کافی ہے" یہ قرآن حکیم کا نسخہ آج بھی استنبول میوزیم میں رکھا ہے جس پر آپ کے خون کے قطرے پڑے تھے۔ آپ اس دن روزہ کی حالت میں تھے شہید جس جگہ اور جس حالت میں شہید کیا جاتا ہے۔ روز قیامت اسی حالت میں اٹھایا جائے گا۔ اب عثمان رضی اللہ عنہ آپ تو روز قیامت حالت روزہ میں، قرآن کی تلاوت فرماتے ہوئے اٹھیں گے، اور آپ کی شہادت کی گواہی قرآن دے رہا ہوگا۔ آپ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے ہوئے زمین پر گرے، اس ظالم نے آپ کی پسلیوں پر کودنا شروع کیا، آپ کی تین پسلیاں ٹوٹ گئیں، ظالموں نے آپ کی ازواج کا زیور اتارا اور گھر کا سب اسباب لوٹ لیا۔ (۱)

یہ عظیم حادثہ جمعہ مبارک کے دن عصر و مغرب کے درمیان ۱۸، ذی الحجہ ۳۵ھ کو پیش آیا۔

۴۔ حکم روایت:

یہ روایت صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ پانچویں (۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی مصری، حضرت یونس ایلی اور باقی سارے مدنی راوی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی راوی (ابن شھاب، عطاء، حمران) ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔

☆ سند میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں "قراءۃ علیہ وانا اسمع" کے الفاظ ادا کئے ہیں، اس سے مقصود ان مخصوص حالات کی وضاحت کرنی ہے، کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ شیخ سے چھپ کر سماعت کرتے تھے، کیونکہ حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان حالات ناموافق تھے۔

☆ "واللفظ لہ" سے مراد ہے کہ یہ الفاظ شیخ حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

☆ سند کے آخری راوی خلیفہ سوم داماد رسول، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبر اور عنعنہ تین دفعہ اور قال دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔ تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۲ ii۔ سیرۃ الصالحین، ص ۱۰۱

۶۔لغات:

راجع:۸۴

۷۔مسائل ونصائح:

ایضاً

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے، اور ٹخنے پاؤں کی حد میں شامل ہیں۔

☆ پاؤں کا ٹخنوں سمیت ایک دفعہ دھونا فرض ہے، جبکہ تین تین دفعہ دھونا سنت ہے۔

☆ ہاتھوں کی حد میں کہنیاں شامل ہیں۔

☆ وضو کے بعد دو نفل پڑھنا سنت ہے۔

☆ نفل کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے۔

☆ نماز میں توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہنی چاہیے، اور دل میں آنے والے وسوسوں اور خیالات سے بچنا چاہیے۔

☆ یہاں گناہوں کی بخشش سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، وگرنہ کبیرہ گناہوں کی بخشش کے لئے توبہ ضروری ہے۔

☆ اس حدیثِ مبارکہ میں اعضاء وضو کے ترتیب سے دھونے کی سنت کا بیان ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد ظاھری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب سنت ہے

☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض ہے۔

باب ۹۵: الْوُضُوءِ فِي النَّعْلِ — جوتوں سمیت وضو کرنا

اس باب میں جوتے پہنے ہوئے وضو کرنے کے جواز کا بیان ہے۔ اس سے مراد ایسے جوتے ہیں، جن کو پہنے ہوئے آسانی وضو ہوسکتا ہے، پچھلے باب میں پاؤں کی حد کا بیان تھا، اور اس باب میں پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے وضو کرنے کا بیان ہے۔

۱۱۷۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ إِدْرِيسَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ وَمَالِكٍ وَابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَأَيْتُكَ تَلْبَسُ هَذِهِ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَتَتَوَضَّأُ فِيهَا. قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا.

حضرت عبید بن جریج رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے عرض کیا: آپ صاف چمڑے کا جوتا پہنتے ہیں، اور ان کو پہنے پہنے وضو کرتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی جوتے پہنے اور ان کے ساتھ وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۲۷۵۹، ۲۹۵۰، ۵۲۵۸، بخاری: ۱۲۶، ۵۸۵۱، مسلم: ۱۱۸۷، ابوداؤد: ۱۷۷۲، ترمذی: ۴۰۷، ابن ماجہ: ۳۶۲۶، احمد: ۵۳۳۸، السنن الکبریٰ: ۱۱۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، ان میں سے چار راویوں حضرت ابن ادریس، مالک، ابن جریج، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات پہلے بھی گذر چکے ہیں، باقی کے حالات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔محمد بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا نام ابوکریب محمد بن العلاء بن کریب ھمدانی کوفی (م: ۲۴۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، حافظ، صدوق راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے براہ راست روایت کرتے ہیں، آپ نے ستاسی سال کی عمر میں وفات پائی، آپ کو تین لاکھ احادیث یاد تھیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر میں ایسے شیوخ سے روایت کرتا، جنہیں امتحان دینا پڑتا، تو صرف حضرت ابومعمر اور ابوکریب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتا، امام احمد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوکریب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک لاکھ احادیث مبارکہ ساعت کی ہیں۔ آپ کی ثقاھت، فقاھت، عدالت اور اتقان پر اہل علم متفق ہیں۔ (۱)

۲۔عبداللہ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ:

عبداللہ نام اور ابومحمد کنیت تھی۔ (۲) نسب نامہ یہ ہے: عبداللہ ابن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن (۳) کوفہ کے قبیلہ اود کی ایک شاخ زعافر سے خاندانی نسبت رکھتے تھے، اس لئے کوفی، اودی اور زعافری کی تینوں نسبتوں سے مشہور ہوئے۔ (۴)

ولادت: ان کے سن پیدائش کے بارے میں محققین بہت مختلف الرائے ہیں۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے نشاندہی کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ (۵) علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں بروایت طلق بن غنم ۱۱۵ھ کو ان کا سن ولادت قرار دیا، جوان کی روایت سے نقل کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کو کہتے سنا: ''ولدت فی سنۃ ۱۱۰ھ'' علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کو نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں: ''وکذا رواہ غیر واحد'' علاوہ ازیں صاحب تھذیب نے ۱۲۰ھ کے قول کو لفظ قیل سے ذکر کیا ہے، جس سے اس کا ضعف ظاہر ہے۔ (۶)

فضل وکمال: انہیں علم وفضل کی دولت بے بہا وراثتاً نصیب ہوئی تھی، ان کے دادا یزید جلیل المرتبت تابعی تھے، جنہوں نے حضرت

۱۔ i۔تھذیب الکمال، ج۹ ص۲۵۵ ii۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج۱ ص۵۱۳

۲۔ طبقات ابن سعد، ج۶ ص۲۷۱ ۳۔ خلاصہ تذہیب تھذیب الکمال، ص۱۹

۴۔ اللباب فی تھذیب الانساب، ج۱ ص۵۰۱ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۲۵۸ ۶۔تھذیب التھذیب، ج۵ ص۱۴۶

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے دامان فیض سے خوشہ چینی کی تھی، اسی طرح حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد بھی وقت کے بلند پایہ عالم اور ماہر فن تھے، گونا گوں مناسبتوں سے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی علم کی دولت سے مالا مال ہوئے، منتخب زمانہ تابعین سے اکتساب فیض کیا اور پھر خود بھی افتاء واجتہاد کے منصب پر فائز ہوئے، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ انہیں الامام، القدوۃ، الحجۃ، احد العلام اور الحافظ، العابد لکھتے ہیں۔(۱) امام ابوحاکم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

ھو امام من آئمة المسلمین "وہ آئمہ اسلام میں سے ہیں"۔

حسن بن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

ما رایت بالکوفة افضل منه۔(۲) "میں نے کوفہ میں ان سے بڑا فاضل نہیں دیکھا"۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ "کان عبداللہ بن ادریس نسیج وحدۃ" کے الفاظ سے رطب اللسان ہیں۔(۳)

شیوخ: انہوں نے بکثرت محدثین سے سماع حاصل کیا تھا، جن میں اجلۂ روزگار تابعین کی بھی خاصی تعداد شامل ہے، ممتاز اور لائق ذکر اساتذہ کے نام یہ ہیں: امام اعمش، ابن جریج، امام شعبہ، سہیل بن ابی صالح، یحییٰ بن سعید الانصاری، داؤد بن ابی ہند، ہشام بن عروہ، حسن بن فرات، ابواسحاق الشیبانی رحمہم اللہ۔(۴)

تلامذہ: خود امام زعافری رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب کمال کی کرنوں سے جن علماء کے دل منور ہوئے، ان میں امام مالک، امام احمد، عبداللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن شیبہ، ابوخیثمہ، زیاد بن ایوب یحییٰ بن آدم، ابوبکر بن ابی شیبہ، حسن بن ربیع اور حسن بن عرفہ رحمہم اللہ جیسے یکتائے عصر آئمہ شامل ہیں۔(۵)

مرویات کا پایہ: حدیث ومتعلقات حدیث کی معرفت میں حضرت ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کا پایہ نہایت بلند تھا، امام ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: کہ اس فن میں وہ اپنے والد بزرگوار پر بھی تفوق رکھتے تھے۔

عبداللہ بن ادریس فوق ابیه فی الحدیث۔(۶) حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث میں اپنے والد پر بھی فوقیت حاصل تھی۔

محققین علماء نے ان کی ثقاہت، حجیت، تثبت اور اتقان کو بصراحت تسلیم کیا ہے، علامہ ابن معین کہتے ہیں: ثقة فی کل شی۔(۷)

امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

ھو حجة یحتج بھا وھو امام من آئمة المسلمین ثقة۔(۸) وہ حجت، امام اور ثقہ ہیں۔

علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

وکان ثقة مامونا کثیر الحدیث حجة صاحب سنة وجماعة۔(۹) وہ ثقہ، مامون، کثیر الحدیث، حجت اور اہل سنت راوی تھے۔

۱۔ i۔العبر، ج۱ص۳۰۸ ii۔وتذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۲۵۸ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج۵ص۱۴۴

۳۔ مراۃ الجنان، ج۱ص۴۳۰ ۴۔ تہذیب التہذیب، ج۵ص۱۴۴ ۵۔ تہذیب التہذیب، ج۵ص۱۴۴

۶۔ خلاصہ تذہیب، ص۱۹۱ ۷۔ طبقات ابن سعد، ج۶ص۲۷۱ ۸۔ تہذیب التہذیب، ج۵ص۱۴۵

۹۔ تہذیب التہذیب، ج۵ص۱۴۰

عبادت وصالحیت: علم وفضل کے ساتھ ان کی دنیائے عمل بھی بہت روشن تھی، عبادت وریاضت اور تقویٰ وصالحیت میں وہ کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں شمار کئے جاتے تھے، بیان کیا جاتا ہے: کہ کوفہ میں ان سے بڑا عابد کوئی نہ تھا۔ "لم یکن عبدمنه" ۔(۱) علامہ ابن عمار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: کہ وہ خدا تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں میں تھے، جن کا نمایاں وصف نیکی وتقویٰ ہوتا ہے۔ (۲) امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "کان عابد افاضلاً" ۔(۳)

مسلک: اگرچہ وہ دوسری صدی کے دیگر آئمہ کی طرح منصب امامت واجتہاد پر فائز تھے، لیکن اپنے فتاویٰ اور فقہی اقوال میں بیشتر مسلک اہل مدینہ کی اتباع کرتے تھے۔(۴)

موطا امام مالک کی روایات: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بایں ہمہ جلالت علم وتفوق زمانی علامہ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے کافی سماع حاصل کیا تھا، اور ان دونوں میں بہت گہرے دوستانہ مراسم تھے، بیان کیا جاتا ہے: کہ مؤطا کی تمام روایات کا سماع امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا تھا۔

ان جمیع ماروا ہ مالك فی المؤطا سمع من ابن ادریس ۔(۵)

"امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا کی تمام روایت کی سماعت ابن ادریس سے کی تھی"۔

جاہ ومنصب سے بے اعتنائی: وہ تاحیات منصب سے کنارہ کش رہے۔ دنیا نے ان کے قدموں میں بارہا جبہ سائی کی، لیکن انہوں نے بے نیازی کا لائق تقلید نمونہ پیش کرتے ہوئے اسے ٹھکرا دیا، چنانچہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ان کے سامنے قضا کا عہدہ پیش کیا، اور اس کے قبول کرنے پر از حد اصرار کیا، لیکن شیخ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عدم صلاحیت کا حیلہ کر کے اس پیش کش کو مسترد کر دیا، ان سے قبل خلیفہ مذکور نے یہ منصب حافظ وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کرنا چاہا تھا، مگر انہوں نے بھی اسے ٹھکرا دیا تھا اور پھر بالآخر شیخ حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قبول کر لیا۔ پھر ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ ہزار درہم بطور زاد راہ پیش کیا، تو اول الذکر دونوں آئمہ نے اسے بھی لینے سے انکار کر دیا، اور شیخ ابن غیاث رحمۃ اللہ علیہ نے لے لیا۔(۶) اس واقعہ کے بعد شیخ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی حفص کی جانب سے سخت تکدر پیدا ہو گیا، کیونکہ انہوں نے آئمہ سلف کی شان استغنا کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ بروایت صحیح منقول ہے کہ شیخ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد قاضی حفص سے تاحیات بات نہ کرنے کی قسم کھالی۔(۷)

ایک بار خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ حج کی غرض سے مکہ جا رہا تھا، سر راہ کوفہ سے اس کا گزر ہوا، اس کے ہمراہ دونوں لڑکوں امین اور مامون کے علاوہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، کوفہ پہنچ کر اس نے حکم دیا: کہ تمامی شیوخ حدیث جمع ہوں، تاکہ ان سے امین ومامون سماع حاصل کر سکیں، چنانچہ حسب حکم تمام علماء خلیفہ کی فرودگاہ پر مجتمع ہوئے، لیکن حضرت عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ، اسے وقار علمی کے منافی تصور کر کے نہ آئے۔ شیخ کوفہ سے اکتساب فیض کرنے کے بعد امین ومامون ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے سو حدیثیں سماعت کیں، اس کے بعد مامون نے ان کی خدمت میں کچھ مال وزر پیش کیا، لیکن شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں سے کچھ بھی قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ ان سے فارغ ہو کر دونوں خلیفہ زادے شیخ عیسیٰ بن یونس رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے اور ان سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا، مامون نے انہیں دس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا، جسے ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ نے لینے سے انکار کر دیا، پھر مامون نے اس رقم کو دوگنا کر کے پیش کیا، شیخ ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت غضبناک ہو کر فرمایا:

۱۔ شذرات الذہب، ج۱، ص۳۳۰ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۵۷
۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۵۷
۶۔ البدایہ والنہایہ، ج۱۰، ص۲۰۸ ۷۔ i- تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۵۸ ii- البدایہ والنہایہ، ج۱۰، ص۲۰۸

خدا کی قسم اگر تم مسجد کو فرش سے چھت تک مال بھر کر پیش کرو تو بھی میں حدیث رسول اللہ ﷺ کی تعلیم پر ایک حبہ لینا گوارا نہیں کر سکتا۔(۱)

وفات: ہارون الرشید کے ایام خلافت میں ۱۰ ذوالحجہ ۱۹۲ھ کو بمقام کوفہ راہ سپار عالم جاوداں ہوئے۔(۲) انتقال کے وقت ۷۲ سال کی عمر تھی۔(۳) چونکہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق ان کی پیدائش ۱۲۰ھ میں ہوئی۔ اس لئے وفات کے وقت شیخ کی عمر ۷۲ سال قرار پاتی ہے، لیکن سن ولادت کے بارے میں ذہبی کے قول کو ضعیف مانا جاتا ہے اور جیسا کہ مذکور ہوا، خود شیخ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق ۱۱۰ھ میں ان کی پیدائش ہوئی، اس طرح ان کی عمر ۸۲ سال ہوتی ہے۔ جب شیخ ابن ادریس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا وقت آیا، تو ان کی صاحبزادی محبت پدری سے مغلوب ہو کر رونے لگیں، یہ دیکھ کر فرمایا: ''کس بات پر روتی ہو، میں نے اس گھر میں چار ہزار ختم قرآن کئے ہیں۔(۴) یعنی خیر و برکت کا ایک خزانہ اس مکان میں چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہوں، جو پس ماندگان کے لئے سرور انبساط کا باعث ہونا چاہئے''۔ (۵)

۳۔عبیداللہ بن عمر بن حفص:

آپ کا نام ابو عثمان عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر رضی اللہ عنہم بن خطاب (م:۱۴۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، حافظ، متفق علیہ راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے تقریباً اسی سال کی عمر میں وفات پائی، امام عثمان دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت نافع اور حضرت عبیداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ میں سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: دونوں محبوبیت میں برابر ہیں۔ آپ علماء مدینہ کے سالار تھے۔ آپ کی ثقاہت، عدالت اور اتقان پر اہل علم متفق ہیں۔(۶)

۴۔امام مالک بن انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ: (ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ)

آپ امت میں امام دار الہجرت کے لقب سے مشہور ہیں، دراز قامت، فربہ جسم، زردی مائل سفید رنگ، کشادہ چشم، بلند ناک اور خوبصورت تھے، آپ کی پیشانی کی طرف سر پر بال کم تھے۔ ریش مبارک دراز اور گھنی تھی، مونچھ منڈانے کو مثلہ فرماتے تھے، صرف لب کا بالائی حصہ ترشوا لیتے تھے، اور دونوں طرف کے بال چھوڑ دیتے تھے اس بات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید فرماتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات میں بیان کیا جاتا ہے: کہ جب وہ کسی معاملہ میں متفکر ہوتے تو اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے: کہ ان کی مونچھوں کے دو طرفہ بال دراز تھے، آپ خوش پوشاک تھے۔ آپ کا نسب غیمان بن خثیل پر پہنچتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصابہ میں اس کو بصیغہ تصغیر خاء معجمہ کے ساتھ ضبط کیا ہے، اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے جیم کے ساتھ جثیل، عمرو بن الحارث کے فرزند تھے اور حارث کا لقب ذو اصبح تھا۔ اسی لحاظ سے آپ کو اصبحی کہتے ہیں۔(۷)

آپ تابعین کے طبقہ میں تھے۔ آپ کے شیوخ اور تلامذہ کا کیا پوچھنا، نووی تھذیب الاسماء میں لکھتے ہیں: کہ امام کے شیوخ کی تعداد نو سو تھی جن میں تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: رجال کی چھان بین کرنے والا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو جب حدیث کے کسی ٹکڑے میں شک پڑ جاتا تھا، تو پوری کی پوری حدیث ترک کر دیتے تھے۔ امام وھب بن خالد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ مشرق و مغرب کے درمیان احادیث نبویہ کے بارے میں قابل اطمینان شخص

۱۔ البدایہ والنھایہ، ج ۱۰، ص ۲۰۸ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۱ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۵۸

۴۔ البدایہ والنھایہ، ج ۱۰، ص ۲۰۹ ۵۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تبع تابعین، ص ۱۴۷۔۱۵۰

۶۔ i۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۶، ص ۳۰۴ ii۔ تاریخ دارمی، ص ۱۲۸ ۷۔ بستان المحدثین، ص ۱۲

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ دور دور کا سفر کریں گے "عالم مدینہ" سے بڑھ کر عالم انہیں کہیں میسر نہ آئے گا۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس حدیث کا مصداق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ شیخ خلف بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک پرچہ دیا، امام نے اسے پڑھا اور اپنی جانماز کے نیچے رکھ لیا، جب وہ کھڑے ہوئے تو میں بھی ان کے ساتھ ہی چلنے لگا، فرمایا: بیٹھ جاؤ، اور وہ پرچہ مجھے دیا، کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہیں اور آپ سے کچھ مانگ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ میں نے اس منبر کے نیچے ایک بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے، اور مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کہہ دیا ہے، وہ تمہیں تقسیم کر دیں گے، اس لئے مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاؤ، لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے، بتاؤ مالک رحمۃ اللہ علیہ تقسیم کریں گے یا نہیں، کسی نے جواب دیا: جس بات کا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو حکم دیا گیا ہے، وہ ضرور اسے پورا کریں گے، اس خواب سے امام مالک پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا روئے کہ میں انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

شیخ عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ ہم مالک کی خدمت میں حاضر تھے، ایک شخص آیا اور بولا: میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں، فرمایا: کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا آپ نے فرمایا: مجھے اچھی طرح معلوم نہیں، وہ حیران ہو کر بولا: اچھا تو اپنے شہر والوں سے کیا کہوں، فرمایا: کہہ دینا کہ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے، آپ کی ہمشیرہ سے پوچھا گیا: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ گھر میں کیا کرتے ہیں۔ فرمایا: تلاوت قرآن۔ آپ کی محفل ایسی بارعب تھی کہ بادشاہوں اور سلاطین کو تاب سخن نہ تھی، ایک خاموشی کا عالم رہا کرتا تھا۔ (۱)

محدثین کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جس کے راوی مالک نافع سے اور نافع ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے شیوخ میں شامل تھے، وہ بھی آپ سے مستفید تھے۔ امام لیث، ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے مشاہیر آپ کے زمرۂ تلامذہ میں داخل تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: اگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و سفیان رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو حجاز کا علم ختم ہو جاتا۔ آپ کے حفظ کا یہ عالم تھا کہ جو بات ایک مرتبہ سن لیتے، پھر کبھی نہ بھولتے۔ حدیث روایت کرنے کے لئے جب بیٹھتے تو پہلے وضو کرتے، اچھی طرح پوشاک پہنتے، خوشبو لگاتے، ریش مبارک میں کنگھی کرتے، لوگوں نے اس تجمل کا سبب پوچھا، تو فرمایا: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی توقیر کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ روایت فرماتے ہیں: کہ ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے درس حدیث شروع کیا، تو اثناء درس میں آپ کا رنگ بار بار متغیر ہو ہو جاتا تھا مگر آپ نے نہ درس حدیث بند کیا، نہ آپ سے حدیث کی روایت کرنے میں کسی قسم کی لغزش واقع ہوئی۔ فارغ ہونے کے بعد میں نے مزاج مبارک دریافت کیا، تو فرمایا: کہ اثناء درس میں تقریباً دس بار بچھو نے ڈنگ مارا ہے، اور یہ بھی فرمایا: کہ میں نے یہ صبر اپنی شجاعت واستقامت جتانے کے لئے نہیں کیا، بلکہ صرف حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے کیا ہے۔ (۲)

امام یافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق تھا، حتیٰ کہ آپ اپنے ضعف و پیری کے باوجود مدینہ منورہ میں سوار نہ ہوتے، اور فرمایا کرتے تھے: کہ جس شہر میں آپ کا جسد مبارک مدفون ہو، اس میں ہرگز سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ ہارون رشید مدینہ طیبہ آیا، اس کو یہ معلوم ہو چکا تھا، کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب موطا تالیف فرمائی ہے، اور آپ لوگوں کو اس کی

۱۔ بستان المحدثین ص ۱۳ ۲۔ ایضاً ص ۲۰

تعلیم بھی دیتے ہیں۔ہارون الرشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی کو آپ کی خدمت میں بھیجا، کہ وہ سلام عرض کردے، کہ آپ موطا لاکر مجھے سنائیں۔ برمکی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اورامیر المؤمنین کا سلام پہنچا کر اس کی درخواست پیش کی۔امام رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: میرا ان سے سلام کہنا، اور کہہ دینا کہ علم خود کسی کے پاس نہیں آیا کرتا، لوگ اس کے پاس آیا کرتے ہیں۔جعفر واپس آیا اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان عرض کردیا۔اتنے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ خود تشریف لے آئے اور سلام کرکے بیٹھ گئے۔ہارون الرشید نے کہا: میں نے آپ کے پاس ایک پیغام بھیجا تھا۔آپ نے میرا حکم نہیں مانا۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سند کے ساتھ وہ روایت سنائی، جس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زانوئے مبارک میرے زانو پر تھا، صرف کلمہ غیر اولی الضرر نازل ہوا تھا، کہ اس کے وزن سے میرا زانو چور چور ہوجانے کے قریب ہوگیا تھا۔ اس کے بعد فرمایا: کہ جس قرآن کا ایک حرف حضرت جبرئیل علیہ السلام پچاس ہزار سال (کہ اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں کی مسافت کا پچاس ہزار سال کی مدت ہونا آئمہ کے درمیان بھی مشہور تھا) کی مسافت سے لے کر آئے ہوں، کیا میرے لئے زیبا نہیں، کہ میں بھی اس کی عزت واحترام کروں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت وبادشاہت سے نوازا ہے، اگر سب سے پہلے آپ ہی اس علم کی مٹی خراب کریں گے، تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کہیں آپ کی عزت برباد نہ کردے، یہ سن کر موطا سننے کے لئے آپ کے ساتھ ہوگیا۔امام مالک علیہ السلام نے اپنے ساتھ اس کو مسند پر بٹھا لیا۔جب موطا پڑھنے کا ارادہ کیا، تو اس نے کہا: آپ ہی مجھے پڑھ کر سنایئے۔امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عرصہ ہوا میں خود پڑھ کر سنانا چھوڑ چکا ہوں، اس نے کہا: اچھا تو اور لوگوں کو باہر ہی نکال دیجئے، تاکہ میں خود آپ کو سنادوں۔امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: علم کی خاصیت یہ ہے کہ اگر خاص لوگوں کی رعایت سے عام لوگوں کو اس سے محروم کردیا جاتا ہے، تو پھر خواص کو بھی اس سے نفع نہیں ہوتا۔خلیفہ ہارون سے کہا: اے امیر المؤمنین! اس شہر میں اہل علم کا دستور یہ ہے، کہ وہ علم کے لئے تواضع کرنا پسند کرتے ہیں، خلیفہ ہارون یہ سن کر مسند سے اتر آیا اور سامنے آ بیٹھا اور موطا سننے لگا۔

ایک مرتبہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے شکایت کردی، کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کی خلافت کے مخالف ہیں، اس نے آپ کو ستر کوڑے لگانے کا حکم دے دیا۔اس کے بعد آپ کی عزت اور بڑھتی گئی، گویا یہ کوڑے آپ کا زیور بن گئے۔منصور جب مدینہ منورہ آیا تو اس نے انتقام لینے کا ارادہ کیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے قسم کھا کر فرمایا: میں تو اس کا ایک ایک کوڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی خاطر معاف کرچکا ہوں۔مؤرخین کہتے ہیں کہ یہ سزا آپ کو اس جرم میں دی گئی تھی کہ آپ نے کوئی فتویٰ ان کی مرضی کے موافق نہیں دیا تھا۔(۱)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ پانچ باتیں جیسی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں جمع ہوگئی ہیں، میرے علم میں کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں:

۱۔ اتنی دراز عمر اور ایسی عالی مسند۔
۲۔ ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم۔
۳۔ آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کا اتفاق۔
۴۔ آپ کی عدالت، اتباع سنت اور دینداری پر محدثین کا اتفاق۔
۵۔ فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت۔(۲)

آئمہ اربعہ میں صرف ایک آپ ہیں، جن کی تصنیف فن حدیث کے متعلق امت کے ہاتھ میں موجود ہے، بقیہ جو تصانیف دوسرے آئمہ کی

۱۔ تاریخ الدوری، ج ۲ ص ۵۴۳ ۲۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۸ ص ۴۳

طرف منسوب ہیں، وہ ان کے شاگردوں کی جمع کردہ ہیں، حتیٰ کہ مسند امام احمد بھی گو اس کی تائید خود امام موصوف نے کی ہے۔ مگر اس کی موجودہ ترتیب خود امام کی نہیں ہے۔ ہارون الرشید کے نام بیس صفحات پر آپ کا جو خط ہے، قابل دید ہے۔ مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے نصیحت آمیز کلمات کو نقل کرتے ہیں:

☆ کہ بے کار اور غلط باتوں کے پاس پھٹکنا بربادی ہے، غلط بات زبان پر لانا سچائی سے دوری کی بنیاد ہے۔

☆ اگر انسان کا دین و مروت بگڑنے لگے تو دنیا بہت بھی جمع ہو جائے، پھر بھی کس کام کی۔

☆ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے: کہ علم آئندہ اور گھٹے گا، بڑھے گا نہیں، اور ہمیشہ انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے نزول کے بعد گھٹا ہی کرتا ہے۔

☆ سلف میں علم ہدایت کے علوم ہی کا نام تھا۔ اس لحاظ سے اس مقولہ کے صدق میں کیا تردد ہے۔ (۱)

امام قعنبی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: کہ میں مرض الوفات میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، سلام کر کے بیٹھ گیا، دیکھا، تو امام رحمۃ اللہ علیہ رو رہے تھے۔ میں نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا: کیسے نہ روؤں اور مجھ سے زیادہ رونے کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے؟ میری آرزو ہے کہ جو مسئلہ بھی میں نے اپنی رائے سے بتایا ہوتا ہے ہر مسئلہ کے بدلے مجھے ایک کوڑا مارا جائے، کاش! میں نے اپنی رائے سے ایک مسئلہ بھی نہ بتایا ہوتا، مجھے گنجائش تھی، کہ اس کے جوابات مجھ سے پہلے دیئے جا چکے تھے، ان پر سکوت کر لیتا۔ ماہ ربیع الاول میں آپ کا انتقال ہوا، اور جس تمنا میں عمر گزاری تھی، آخر وہ پوری ہوئی یعنی دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک پاک نے ہمیشہ کے لئے آپ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ آپ سرزمین مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہیں۔

فقہ مالکی: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں اہل مدینہ کے تعامل کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان کے نزدیک مدینہ منورہ مہبط وحی ہے۔ اس کا تعامل حجت ہونا چاہیے۔ حافظ ابو عمر دراوردی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جب یہ فرماتے ہیں: کہ میں نے اپنے شہر کا عمل اس مسئلہ میں دیکھا ہے، تو اس سے ان کی مراد (موجودہ سپین) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن اور ابن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ ہوتے ہیں۔ (۲)

فقہ مالکی کا زیادہ چرچا اہل مغرب اور اندلس میں ہے۔ علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں: کہ اہل مغرب اور اندلس کا سفر اکثر حجاز ہی کی جانب ہوا کرتا تھا، اس زمانہ میں مدینہ طیبہ علم کا گہوارہ بن رہا تھا۔ یہیں سے نکل کر علم عراق پہنچا ہے، ان کے راستہ میں عراق نہ پڑتا تھا، اس لئے ان کے علم کا مآخذ صرف علماء مدینہ تھے، علماء مدینہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا رتبہ معلوم ہے، اس لئے مغرب اور اندلس کے اصحاب کا علم امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد ان کے تلامذہ میں منحصر ہو گیا تھا، ان ہی کے وہ مقلد تھے، اور جن کا علم انہیں نہیں پہنچا، ان کے وہ مقلد بھی نہیں تھے۔ (۳)

۵۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ:

ابن جریج نے آنکھ کھولی تو صحابہ کی متعدبہ تعداد موجود تھی، اگر وہ ان کی صحبت اختیار کرتے تو ان کا شمار زمرۂ تابعین میں ہوتا، مگر ابتداء میں ان کو شعر و ادب سے دلچسپی تھی اس لئے وہ ان سے کسب فیض نہ کر سکے، اس لئے ان کو تبع تابعین میں شمار کیا گیا ہے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۲۔ جامع بیان العلم، ج ۲، ص ۱۴۹

۳۔ سیر الصحابہ، ج ۳، تبع تابعین، ص ۳۰۹۔۳۱۲

ان کا شمار تبع تابعین کے اس زمرہ میں ہوتا ہے، جنہوں نے تفسیر وحدیث کی تدوین وترتیب میں حصہ لیا، خاص طور پر علم تفسیر میں یہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ تفسیر طبری میں سینکڑوں روایات ان کے واسطہ سے ملیں گی، یہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد عطاء بن ابی رباح کے خاص شاگرد تھے۔

نام ونسب:

عبدالملک نام، ابوالولید اور ابو خالد کنیت تھی، ان کا آبائی وطن روم تھا۔ (تاریخ بغداد، ج ۱۰، ص ۴۰۱، فجر الاسلام کے مصنف نے بھی انہیں اہل کتاب تبع تابعین شمار کیا ہے) اسی وجہ سے بعض لوگ انہیں رومی عیسائی کہتے ہیں۔ (۱) بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پہلے سے مکہ میں متعدد رومی غلام خاندان موجود تھے۔ غالباً ان ہی میں ابن جریج کا خاندان بھی تھا، یہیں ۸۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت:

مکہ میں اس وقت شعر وادب اور حدیث وفقہ کا عام چرچا تھا۔ ابتداً میں ان کو شعر وادب سے دلچسپی پیدا ہوئی اور جوانی کا پورا زمانہ اسی وادی میں گزار دیا، عمر کے ڈھلنے کا زمانہ آیا تو کسی نے علوم دینیہ کی طرف توجہ دلائی اس کے بعد پوری زندگی اس کی نذر کر دی۔

مکہ میں اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ممتاز شاگرد عطاء بن ابی رباح کا چشمہ فیض جاری تھا، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سماع کے لئے سب سے پہلے ابن جریج انہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ میں عطاء بن ابی رباح کی خدمت میں یہ جذبہ لے کر حاضر ہوا کہ میں بھی ان کا مرتبہ حاصل کروں۔ اتفاق سے اس وقت ان کی خدمت میں عبداللہ بن عبید (یہ حضرت عبید بن عمر کے لڑکے اور عطا کے شاگرد تھے) بھی موجود تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ قرآن حفظ کر لیا ہے۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ بولے جاؤ پہلے قرآن پڑھ لو، پھر علم (حدیث) کا قصد کرو۔ میں واپس آ کر قرآن کی تعلیم میں لگ گیا، کچھ دنوں بعد پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اتفاق سے اس دن بھی عبداللہ موجود تھے، پوچھا کہ قرآن مستحضر ہو گیا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ انہوں نے دوسرا سوال یہ کیا کہ فرائض بھی سیکھے ہیں، بولا نہیں انہوں نے کہا جاؤ پہلے فرائض کی تحصیل کرو۔ پھر واپس آؤ، چنانچہ میں واپس چلا گیا اور کچھ دنوں کے بعد واپس آیا، تو مجھے عطا کی صحبت میں کسب علم کی اجازت ملی اور پھر سترہ برس تک ان کی خدمت میں رہا۔ (۲)

اس واقعہ سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عطا ہر کس وناکس کو اپنے درس میں شریک نہیں کرتے تھے، بلکہ اس کے لئے انہوں نے کم از کم قرآن کے حفظ اور درس کے عالم مفہوم ومعنی کے استحضار کو ضروری قرار دیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے درس کی سب سے بڑی خصوصیت جیسا کہ ابن سعد نے لکھا ہے۔ قرآن کی تفسیر اور اس کے وقائق ومعانی کی تعلیم تھی، ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن سے بالکل نابلند ہو وہ ان کے درس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا تھا؟

دوسرے اس واقعہ سے ابن جریج کے شوق وانہماک کا پتہ چلتا ہے کہ ان کو دوبارہ مجلس درس سے واپس کیا گیا مگر ہر بار ان کا جذبہ شوق کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی رہا اور پھر اسی شوق نے انہیں سترہ برس تک اپنے استاد سے جدا نہ ہونے دیا۔ اتنی مدت ان کی خدمت میں رہنے کے بعد بھی ان کا جذبہ طلب کو تسکین نہیں ہوئی اور سات برس تک مکہ کے دوسرے ممتاز شیخ عمرو بن دینار کی خدمت میں رہے اور پھر مکہ سے نکل کر انہوں نے مدینہ، بصرہ، بغداد، یمن، شام اور مصر کی خاک چھانی اور وہاں کے تمام ممتاز شیوخ سے استفادہ کیا۔ ان کے مخصوص شیوخ تفسیر وحدیث کے نام یہ ہیں۔

۱۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۲۶　　۲۔ شذرات ج ۱، ص ۳۲۸، تاریخ بغداد، ج ۱۰، ص ۴۰۲

اساتذہ:

عطاء بن ابی رباح، امام زہری، صالح بن کیسان، عمرو بن دینار، نافع مولی بن عمر، ہشام بن عروہ، موسیٰ بن عقبہ، امام جعفر صادق، یحییٰ بن سعید الانصاری، امام اوزاعی لیث بن سعد وغیرہ ہم۔

علم وفضل:

ان کے علم وفضل کے بارے میں آئمہ نے جو رائیں دی ہیں۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس لحاظ سے معروف تھے۔ان کے شیخ عطاء بن ابی رباح ان کو اہل حجاز کا سردار کہتے تھے۔(۱) امام احمد ان کو"علم کا ظرف" کہتے تھے۔(۲) امام ذہبی نے انہیں امام، حافظ حدیث اور احد الاعلام (بڑوں میں ایک تھے) لکھا ہے۔امام نووی نے لکھا ہے کہ ان کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔

علم تفسیر:

علم تفسیر میں جو صحابہ ممتاز تھے ان میں حضرت عبداللہ بن عباس کا نام سرفہرست ہے۔تابعین میں ان کے جو تلامذہ علم تفسیر میں مشہور ہوئے ان میں عطاء بن ابی رباح بھی ہیں۔اوپر ذکر آچکا ہے کہ ابن جریج ان کے بہت ہی چہیتے شاگرد تھے اور سترہ برس تک ان کی خدمت میں رہے تھے، ظاہر ہے کہ علم تفسیر کا جو سرمایہ عطا بن ابی رباح کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ملا تھا اس سے ابن جریج کو بھی وافر حصہ ملا ہوگا۔مگر تعجب یہ ہے کہ ارباب تذکرہ ان کی اس خصوصیت کا کوئی ذکر نہیں کرتے، البتہ علوم تفسیر کی کتابوں میں انہی کی قرآن فہمی کے بارے میں اشارات ملتے ہیں۔

امام ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ نسلاً رومی تھے۔ارباب تذکرہ جب کسی کے بارے میں رومی یا قبطی لکھتے ہیں تو اس سے عموماً عیسائی ہی مراد لئے جاتے ہیں، یعنی ان کی وطنی نسبت کو ان کی دینی نسبت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔غالباً اسی بنا پر صاحب فجر الاسلام نے لکھا ہے کہ یہ نصرانی تھے، کیونکہ طبری نے نصاریٰ کے بارے میں جو روایتیں اپنی کتاب میں درج کی ہیں، ان میں بیشتر ابن جریج ہی کے ذریعہ مروی ہیں۔(۳)

علم تفسیر میں گو یہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مدرسہ فیض سے مستفیض ہوئے تھے، مگر ان کی تفسیر پر مفسرین نے زیادہ اعتماد کا اظہار نہیں کیا ہے۔امام سیوطی نے لکھا ہے۔

ان ابن جریج لم یقتصد الصحة و انما روی ماذکر فی کل آیة من الصحیح والسقیم۔(۴)

"ابن جریج نے تفسیر میں زیادہ صحت کا اہتمام نہیں کیا، وہ ہر آیت کی تفسیر میں غلط صحیح ہر طرح کی روایتیں نقل کر دیتے ہیں"۔

عموماً علمائے امت اہل کتاب مفسرین کے بارے میں اس طرح کی رائے دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کا ماخذ عموماً اسرائیلات ہوتا تھا جس کا سارا تار پود قصہ وافسانہ ہوتا تھا، جن میں نہ صحت سند کا کوئی لحاظ کیا جاتا تھا اور نہ درایت ہی سے کوئی واسطہ ہوتا تھا۔ایسے لوگ جب مسلمان ہوئے تو اسلامی روایات کے بارے میں بھی ان کی ذہنیت کسی نہ کسی حد تک باقی رہی جس کی وجہ سے غلط روایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اسلامی علوم میں شامل ہوگیا۔خصوصیت سے علم تفسیر کے سلسلہ میں جو قصے وافسانے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے اور جو غلط روایات رواج پذیر ہوئیں، اس میں انہی اہل کتاب تابعین وتبع تابعین کا زیادہ تر ہاتھ تھا۔

۱۔تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۴۰۴ ۲۔تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۴۰۴

۳۔فجر الاسلام، ص ۲۴۶ ۴۔اتقان، ج ۲، ص ۱۸۵

بہر حال سقم و غلطی کے باوجود علم تفسیر میں ابن جریج کا درجہ و رتبہ ہے۔ تمام مفسرین ان کے رائے نقل کرتے ہیں، خاص طور سے علامہ طبری نی تو بے شمار جگہ ان کے اقوال نقل کیئے ہیں اور ان کی مرویات سے استدلال کیا ہے افسوس ہے کہ فن تفسیر میں ان کی تحریری یادگار موجود نہیں ہے۔ جس سے اس فن میں ان کے مرتبہ کا آسانی سے اندازہ لگایا جائے۔

فن قراءت میں بھی ان کو مہارت تھی۔ ابن حبان نے ان کا شمار قراء اہل حجاز میں کیا ہے۔

علم حدیث:

علم حدیث میں ابن جریج نے ممالک اسلامیہ کے تقریباً تمام مشہور آئمہ سے استفادہ کیا تھا، خاص طور سے عطاء ابن ابی رباح اور عمرو بن دینار کی خدمت میں وہ برسوں رہے تھے۔ اس لئے اس فن میں بھی ان کا ایک مرتبہ ہے۔ ان کی روایات کو آئمہ حدیث نے قبول کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ ''ابن جریج نے عطا سے جو روایتیں کی تھیں، ان میں انہوں نے غلطی نہیں کی ہے، خود ان کا استاد عطاء کو بھی ان پر بڑا اعتماد تھا۔ کسی نے پوچھا کہ آپ کے بعد مسائل میں ہم کس کی طرف رجوع کیا کریں، بولے کہ ابن جریج کی طرف، پھر کہا کہ یہ اہل حجاز کے بہترین نوجوان ہیں''۔(۱)

بعض معاصر آئمہ نے ان پر جرح بھی کی ہے اور ان کی مرویات کو ضعیف قرار دیا ہے۔

یحییٰ بن سعید قطان سے کسی نے پوچھا کہ ان کی روایات کیسی ہیں؟ فرمایا کہ ضعیف۔ پھر پوچھا کہ وہ جب اخبرنی کے لفظ سے روایت کریں تو فرمایا کہ یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ ان کی مرویات بہر حال ضعیف ہیں۔ (جن الفاظ سے آئمہ روایت کرتے ہیں ان میں ایک اخبرنی بھی ہے)

ابوزرعہ رازی نی بھی ان کی تضعیف کی ہے۔ امام مالک ان کو حاطب اللیل (ہر غلط و صحیح روایات کا جامع کہتے تھے، مگر ان کے بارے جرح کے جو الفاظ منقول ہیں ان میں کسی حد تک مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ فن حدیث میں ان کے مرتبہ کی تعیین کے لئے یحییٰ بن معین امام جرح و تعدیل اور امام ذہلی کی راہیں زیادہ محتاط اور صحیح معلوم ہوتی ہیں ابن معین فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے جو روایتیں تحریری کی مدد سے بیان کی ہیں وہ قابل اعتماد ہیں۔(۲) مقصد یہ ہے کہ ان کی زبانی مرویات زیادہ قابل اعتماد نہیں ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کا حافظ معمولی درجہ تھا۔ اس لئے ان کو زبانی روایتیں اچھی طرح یاد نہیں رہتی تھیں۔ یحییٰ بن سعید جن کی جرح اوپر گذر چکی ہے تحریری روایت کے بارے میں یہ بھی ابن معین کے ہم خیال تھے۔(۳)

امام ذہلی کہتے تھے کہ ان کی زبانی روایتیں وہی قابل وثوق ہیں جن میں یہ حدثنی یا سمعت کے الفاظ استعمال کریں۔(۴)

ان تمام راویوں کو پیش نظر رکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ آئمہ نے حدیث نبوی کی جمع و ترتیب میں کس قدر احتیاط برتی ہے اور ضعیف و کمزور روایتوں کو اس پاکیزہ ذخیرہ سے علیحدہ کرنے میں کتنا اہتمام کیا ہے۔ اگر کسی مسلم امام حدیث سے بھی اس بارے میں کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کی لغزش کو واضح کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی ہے۔

فقہ:

ابن حبان نے ان کو فقہائے اہل حجاز میں شمار کیا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ شافعی طرز فقہ کی داغ بیل جن آئمہ نے امام شافعی سے پہلے ڈالی ان میں ابن جریج کا بھی شمار ہے۔ امام نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ امام شافعی نے فقہ میں جن لوگوں سے استفادہ کیا تھا۔ ان میں مسلم خانجی بھی شامل

۱۔ تھذیب، ج ۱ ۲۔ تھذیب، ج ۲، ص ۴۰۶ ۳۔ تھذیب، ج ۶، ص ۴۰۴ ۴۔ تھذیب، ج ۶، ص ۴۰۴

تھے جو ابن جریج کے تربیت یافتہ تھے۔(۱)

تصنیف:

ان کا شمار ان آئمہ میں ہوتا ہے جنہوں نے علوم دینیہ کی تدوین و ترتیب میں حصہ لیا۔ ارباب تذکرہ نے ان کی کسی کتاب کا نام نہیں لیا ہے۔ البتہ ابن ندیم نے لکھا ہے کہ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''کتاب السنن'' ہے اس کے بارے میں لکھا ہی کہ یہ اس طرز پر لکھی گئی ہے جس پر عام کتب سنن لکھی گئی ہے یعنی ہر ہر باب جدا جدا ہے، مثلاً باب طہارت، باب الصلوٰۃ وغیرہ۔ (ابن ندیم) ان کی ایک تفسیر کی کتاب کا ذکر کشف الظنون میں بھی ہے۔

ان کی تصانیف کے بارے میں عام اہل تذکرہ امام احمد کی یہ رائے نقل کرتے ہیں کہ

اول من صنف الکتب ابن جریج و ابن ابی عروبہ۔(۲)

''سب سے پہلے جن لوگوں نے الگ الگ عنوانات پر کتابیں تصنیف کیں ان میں ابن جریج اور ابن عروبہ سب سے مقدم ہیں''۔

مگر ہمارے سامنے اسلامی علوم کی جمع و تدوین کی جو تاریخ ہے اس کی روشنی میں یہ رائے صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ ان بزرگوں سے بہت پہلے سے تمام اسلامی علوم، تفسیر و حدیث وغیرہ پر تصنیف و تدوین کا کام شروع ہو گیا تھا۔ اس بارے میں یا تو ابن عماد کی یہ رائے صحیح ہے کہ:

اول من صنف الکتاب بالحجاز۔(۳)

''حجاز میں سب سے پہلے ابن جریج نے جمع و تدوین کا کام شروع کیا''۔

یا پھر یہ کہا جائے کہ ابتداء جن لوگوں نے حدیث اور فقہ پر کتابیں لکھیں ان میں موضوع و عنوان کی تقسیم نہیں تھی۔ بلکہ جس کو تفسیر، حدیث اور فقہ کا جو ذخیرہ جس طرح مل گیا اس نے اسے اسی طرح مرتب کر دیا، ابن جریج کا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے اس میں فنی ترتیب قائم کر کے موضوع کے اعتبار سے حدیث نبوی ﷺ کو جمع کیا، چنانچہ خود بھی کہا کرتے تھے کہ میری طرح کسی نے علم کی تدوین نہیں کی۔(۴)

ان کی تصنیف کے بارے میں آئمہ نے جو رائیں دی ہیں وہ بھی قابل ذکر ہیں یحییٰ بن سعید کہتے ہیں ''ابن جریج کی کتابیں کتب امانت ہیں''۔(۵)

ان کی کتابیں ان کی زندگی ہی میں مشہور ہو چکی تھیں اور لوگ ان سے استفادہ کرنے کے لئے دور دور سے سفر کرتے تھے۔

خالد بن نزار کہتے ہیں کہ میں ۱۵۰ھ میں وطن سے اس ارادہ سے نکلا کہ ابن جریج کی کتابیں حاصل کروں مگر جب منزل مقصود پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ چند دن پہلے ان کا انتقال ہو چکا۔(۶)

عادات و اخلاق:

ان کے اوپر خشیت ربانی کی کیفیت ہر وقت طاری رہتی تھی۔ مشہور محدث عبدالرزاق کا بیان ہے کہ جب میں ان کو دیکھتا تھا تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ خدا سے ڈرتے ہیں۔ میں نے ان کے جیسا بہتر نمازی نہیں دیکھا۔(۷) ظاہر ہے کہ نماز کی روح خشوع و خضوع اور خشیت الٰہی ہے، جس کے اوپر یہ کیفیت ہمہ وقت طاری رہتی ہو وہ نماز میں سراپا خشیت کیوں نہ بن جاتا ہوگا؟ ان کی اس خشیت الٰہی کا اثر تھا کہ وہ شب زندہ دار ہو گئے تھے۔ امام مالک ان کی شب بیداری کی وجہ سے ان کو صاحب اللیل (رات میں عبادت کرنے والا) کہتے تھے۔(۸)

۱۔ تھذیب الاسماء، ج۲، ص ۲۹۸ ۲۔ تھذیب الاسماء، ج۲، ص ۲۹۸ ۳۔ ش، ج۲، ص ۲۲۲ ۴۔ تاریخ بغداد، ج۱۰، ص ۴۰۲
۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص ۱۵۴، ص ۴۷۲ ۶۔ تاریخ بغداد، ج۱۰، ص ۴۷۳ ۷۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۲، ص ۲۳ ۸۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۲، ص ۲۳

روزے سے بے انتہا شغف تھا، پورے سال روزے سے رہتے تھے، ہر ماہ میں صرف تین دن روزے وہ چھوڑ دیا کرتے تھے۔(۱)
طبیعت بہت رقیق اور اثر پذیر پائی تھی۔ یمن کے زمانہ قیام میں حج کی سعادت سے محروم رہے تھے، ایک دن عمرو بن ابی ربیعہ کے چند اشعار یاد آ گئے۔ جن میں طول ہجر کی شکایت تھی۔
ان اشعار کا یاد آنا تھا کہ فوراً زیارت حرمین کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ اسی وقت اپنے استاد معن بن زائدہ کے پاس آئے اور ان سے اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ استاد نے کہا کہ تم نے پہلے کیوں نہ اطلاع دی۔ انہوں نے جلدی قصد کر لینے کا سبب بتایا تو استاد نے جلدی جلدی ان کے لئے سامان سفر کا انتظام کیا اور وہ دیار محبوب کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔(۲)

علم کے حصول کا مقصد:

ایک بار متعدد آئمہ کا مجمع تھا۔ امام اوزاعی بھی موجود تھے۔ ولید بن مسلم نے پوچھا کہ آپ حضرات نے علم کس کے لئے حاصل کیا ہے، سب نے کہا اپنی ذات کے لئے، مگر ابن جریج بولے کہ میں نے علم لوگوں کے فائدہ کے لئے حاصل کیا ہے۔(۳)

نفاست طبع:

خوشبو کے استعمال کے عادی تھے۔ اس کے ساتھ خضاب کا بھی استعمال کرتے تھے۔

وفات:

زندگی کے بیشتر ایام انہوں نے جوار حرم میں گزارے مگر آخر عمر میں بصرہ چلے گئے اور وہاں پہنچ کر سلسلہ درس شروع کر دیا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اور شروع ذوالحجہ ۱۵۰ھ میں انتقال ہو گیا۔(۴)

اولاد:

دو صاحبزادے یادگار چھوڑے۔ دونوں صاحب علم و فضل تھے۔(۵)

۶۔ المقبری:

آپ کا نام ابوسعد سعید بن ابی سعید کیسان مقبری مدنی (م:۱۲۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، صدوق، تابعی راوی ہیں، آپ کے مقبری ہونے کی نسبت اس وجہ سے ہے، کہ آپ مدینہ منورہ میں ایک مقبرہ کے مجاور تھے۔ وفات سے چار سال قبل حافظہ میں تغیر واقعہ ہو گیا تھا، آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرسل روایات کرتے ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۶)

۷۔ عبید بن جریج:

آپ کا نام عبید بن جریج تیمی مدنی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، تابعی، مکی راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشمائل میں روایت کی ہے، آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی ایک حدیث روایت کی ہے، البتہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور روایات بیان کی ہیں۔(۷)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۲۔ شذرات الذھب، ج۱، ص۲۲۶ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج۱۰، ص۴۰۴ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۵۳، ۵۷
۵۔ سیر الصحابہ، تبع تابعین، حصہ اول، ص۱۶۷۔۱۷۲ ۶۔ i۔ تھذیب الاسماء نووی، ج۱، ص۲۱۹ ii۔ تقریب التھذیب، ج۱، ص۲۸۹
۷۔ i۔ تاریخ الثقات، ص۳۲۰ ii۔ الجرح والتعدیل، ج۵، ص۴۰۳

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:

عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، آبائی سلسلہ نسب یہ ہے:

عبداللہ بن عمر بن خطاب ابن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر، ماں کا نام زینب تھا، نانہالی نسب نامہ یہ ہے: زینب بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن حصیص۔

ولادت: یہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غزوۂ احد میں، جو ۳ھ میں پیش آیا، چودہ برس کے تھے، اس حساب سے ان کی پیدائش کا تخمینی زمانہ بعثت کا دوسرا سال ہے، اور ۶ھ نبوی میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سن تقریباً پانچ برس کا ہوگا۔

اسلام: حضرت عبداللہ بن عمر نے ہوش سنبھالا ہی تھا، کہ اپنے گھر کے درودیوار پر اسلام کو پرتوفگن دیکھا، اور اسلام ہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار سے پہلے مشرف باسلام ہوئے تھے، مگر صحیح یہ ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ اس طرح اسلام قبول کیا تھا، جس طرح خاندان کے بڑے بزرگ کے تبدیل مذہب کے گھر کے کمسن بچے بھی غیر شعوری طور سے اپنے مذہب کو بدل ڈالتے ہیں، جن غیر معتبر راویوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اسلام کا واقعہ نقل کیا ہے، درحقیقت ان کو بیعت رضوان کے واقعہ کے ساتھ التباس ہوا ہے، صحیح بخاری میں خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی زبانی منقول ہے: کہ جب میرے باپ مسلمان ہوئے تو میں چھوٹا بچہ تھا۔ (۱) ظاہر ہے کہ ایک چھوٹا بچہ حق وباطل کی تمیز کی وہ وقت نگاہ نہیں رکھتا، جو اس زمانہ میں اس کو کسی مذہب کے بذات خود ردوقبول پر آمادہ کرسکے۔

ہجرت: انوار اسلام کی چمک کے ساتھ مشرکین کے ظلم وطغیان کی گرج بھی برابر بڑھتی گئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کا خاندان بھی ان کی ستم کیشیوں سے محفوظ نہ رہا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت کی۔

بدر: ہجرت کے بعد حق وباطل کی پہلی آویزش غزوۂ بدر ہے، اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر کل ۱۳ سال کی تھی، تاہم جانبازی کے شوق میں شرکت کی درخواست کی، صغیرالسن ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمائی۔ (۲)

احد: اس کے ایک سال بعد، دوسرا معرکہ احد میں ہوا، اس میں بھی انہوں نے اپنا نام پیش کیا مگر چونکہ چودہ (۱۴) سال سے متجاوز نہیں ہوئے تھے، اس لئے اس مرتبہ بھی ان کی درخواست مسترد ہوگئی۔ (۳)

خندق: احد کے دوسال بعد ۵ھ غزوہ خندق میں ان کی عمر پندرہ سال پوری ہوچکی تھی، چنانچہ یہی وہ سب سے پہلا معرکہ ہے، جس میں ان کو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے شرکت کی اجازت ملی۔ (۴)

بیعت رضوان:

۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ہوئے، اور بیعت رضوان کا بھی شرف حاصل کیا، اور حسن اتفاق یہ کہ یہ شرف اپنے پدر عالی قدر سے پہلے حاصل کرلیا، اس کی صورت یہ پیش آئی: کہ حدیبیہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ایک

۱۔ اسد الغابۃ، ج۳، ص۲۲۷
۲۔ ابن سعد، ج۴، ص۱۴۲
۳۔ بخاری: ۴۰۹۷
۴۔ ایضاً

انصاری کے پاس گھوڑا لانے کے لئے بھیجا تھا، کہ جہاد میں وہ اس پر سوار ہوسکیں، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت لے رہے ہیں، چنانچہ انہوں نے پہنچ کر پہلے خود بیعت کی، اور اس کے بعد گھوڑا لے کر گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی ،انہوں نے بھی جا کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔(۱)

خیبر: اس کے بعد غزوۂ خیبر میں بھی وہ مجاہدانہ شریک ہوئے ،اور اس سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال وحرام کے جو بعض خاص احکام جاری فرمائے، وہ ان کے راوی ہیں۔(۲)

فتح مکہ: قریش اور اسلام کی فتح وشکست کا آخری معرکہ فتح مکہ تھا، اس وقت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی عمر ۲۰ سال کی تھی، پورے جوان ہوچکے تھے اور ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے دوسرے مجاہدین کے دوش بدوش تھے، سامان جنگ میں ایک تیز رفتار گھوڑا اور ایک بھاری نیزہ تھا، جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور خود اپنے ہاتھ سے گھوڑے کے لئے گھاس کاٹ رہے تھے، اس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی، تو تعریف کے لہجہ میں فرمایا: کہ ''عبداللہ ہے عبداللہ'' فتح کے بعد خانہ کعبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے داخل ہوئے، چنانچہ ان کا بیان ہے: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار مکہ مکرمہ کے بالائی حصہ کی طرف سے داخل ہوئے تھے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ سوار تھے، حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کے جلو میں تھے، خانہ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجیاں منگائیں اور کعبہ کا دروازہ کھول کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے، ان لوگوں کے بعد سب سے پہلا داخل ہونے والا میں تھا۔(۳)

غزوہ حنین: فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین میں بھی صف آرا تھے، چنانچہ حنین کی واپسی کے بعد کے واقعات کے سلسلہ میں کہتے ہیں: کہ جب ہم غزوہ حنین سے لوٹے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتکاف کی نذر کے متعلق پوچھا، جو جاہلیت کے زمانہ میں مانی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پورا کرنے کا حکم دیا۔(۴)

محاصرہ طائف: اس کے بعد طائف کا محاصرہ ہوا، اس محاصرہ میں بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پیش پیش تھے، چنانچہ اس محاصرہ کے واقعات بیان کرتے تھے، کہ جب محاصرہ میں مسلمانوں کو کامیابی نہ ہوئی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ان شاءاللہ کل محاصرہ اٹھا کر واپس ہوجائیں گے، یہ ارشاد لوگوں پر گراں گزرا، انہوں نے عرض کی: کیا بغیر فتح کئے ہوئے لوٹ چلیں؟ آپ نے فرمایا: اچھا کل پھر لڑلو، چنانچہ دوسرے دن لڑے اور فتح کے بجائے الٹے زخمی ہوئے، آپ نے پھر فرمایا: کہ ان شاءاللہ کل واپس جائیں گے، اس مرتبہ لوگوں نے بخوشی منظور کرلیا، اس پر آپ مسکرا دیئے۔(۵)

حجۃ الوداع: حجۃ الوداع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا، اس میں مسلمانوں کا جم غفیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس شرف میں شریک تھے، چنانچہ حجۃ الوداع کے واقعات میں ان کا بیان ہے کہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ نے بال منڈائے تھے اور

۱۔ بخاری: ۴۱۸۶
۲۔ بخاری، ج ۲، باب غزوہ خیبر، ص ۶۰۶
۳۔ بخاری، کتاب المغازی، باب فتح مکہ، ص ۸۶۲
۴۔ بخاری کتاب المغازی، باب غزوہ حنین، ص ۸۶۸
۵۔ بخاری، کتاب المغازی، غزوۂ طائف، ص ۸۷۰

بعضوں نے صرف ترشوانے پر اکتفا کی تھی۔(۱)

غزوۂ تبوک: ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا، اس میں آنحضرت ﷺ نے ۳۰ ہزار کی جمعیت کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لئے تبوک کا رخ کیا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس میں بھی شریک تھے، چنانچہ فرماتے ہیں: کہ جب آنحضرت ﷺ حجر (قدیم اقوام عاد وثمود کی آبادیاں) کی طرف گزرے، تو فرمایا: ان لوگوں کے مسکن میں داخل نہ ہو، جنہوں نے (خدا کی نافرمانی کر کے) اپنے اوپر ظلم کیا، کہ مبادا تم بھی اس عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ، جس میں وہ مبتلا ہوئے، اگر گزرنا ہے تو خشیت الٰہی سے روتے ہوئے گزر جاؤ۔(۲) غرض غزوۂ خندق سے لے کر آخر تک آنحضرت ﷺ کی زندگی میں کوئی ایسی بڑی مہم نہ تھی، جس میں آپ نے شرکت کی عزت حاصل نہ کی ہو۔

علالت اور وفات: ۷۴ھ میں تراسی/چوراسی برس کی عمر میں وفات پائی، وفات کا واقعہ یہ ہے: کہ حج کے زمانہ میں ایک شخص کے نیزہ کی نوک جو زہر میں بجھی ہوئی تھی، ان کے پاؤں میں چبھ گئی، یہ زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا، اور یہ زخم ان کی موت کا باعث ہوا، عام طور سے خیال کیا جاتا ہے: کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ حجاج کے اشارہ سے اس طرح زخمی کئے گئے تھے، البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، مستدرک کی روایت ہے کہ حجاج نے جب خانہ کعبہ میں منجنیق نصب کرائی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو شہید کرایا، تو اس کا یہ فعل شنیع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بہت ناپسند ہوا، آپ نے اس کو بہت برا بھلا کہا، حجاج برافروختہ ہو گیا اور اس کے اشارے سے شامیوں نے زخمی کر دیا۔(۳)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: کہ عبدالملک نے حجاج کو ہدایت کی تھی کہ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مخالفت نہ کرے۔ یہ حکم اس پر بہت شاق گزرا، لیکن عدول حکمی بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور آپ کو زخمی کرا دیا۔(۴)

طبقات ابن سعد کی روایت ہے: کہ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر یہ اتہام لگایا: کہ انہوں نے نعوذ باللہ کلام اللہ میں تحریف کی ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی تردید کی اور فرمایا: تو جھوٹ بولتا ہے، نہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما میں اتنی طاقت ہے، نہ تجھ میں یہ مجال ہے۔ مجمع عام کے سامنے ان کی یہ ڈانٹ اس کو بہت ناگوار ہوئی، لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ علانیہ کوئی برابر تاؤ نہیں کر سکتا تھا، اس لئے خفیہ انتقام لیا۔(۵)

وفیات: ابن خلکان اور اسد الغابہ میں اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا، اس کو اس قدر طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہو گیا آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ آفتاب انتظار نہیں کر سکتا، حجاج نے کہا: جی میں آتا ہے کہ "تمہاری آنکھیں پھوڑ دوں" فرمایا: تجھ کوتاہ بین سے کچھ بعید نہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام حجاج مناسک حج میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہما عرفات اور دوسرے مواقف سے بغیر حجاج کا انتظار کئے بڑھ جاتے تھے، حجاج کی فرعونیت کب اس کو گوارا کرتی مگر عبدالملک کے حکم سے مجبور تھا، اس لئے آپ کی جان کا خواہاں ہو گیا۔(۶)

۱۔ بخاری، باب حجۃ الوداع، ص ۸۸۵ ۲۔ بخاری کتاب المغازی، غزوۂ تبوک، ص ۸۸۸
۳۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۵۷ ۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۵، ص ۳۳۰
۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۱۴۲
۶۔ i-ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۴۲ ii-اسد الغابہ، ج ۳، ص ۲۳۰

ابن عبدالبر نے استیعاب میں بھی یہی دونوں روایتیں نقل کی ہیں، اگرچہ ان روایتوں کی صورت واقعہ میں اختلاف ہے، مگر تضاد نہیں، اس لئے ان میں سے کسی کو غلط نہیں کہا جاسکتا، ہوسکتا ہے کہ یہ تمام واقعات یکے بعد دیگرے آتے رہے، مگر حجاج ضبط کرتا رہا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے اس کی پیش نہیں چلتی، اور وہ اس کو مطلق دھیان میں نہیں لاتے، تو اخیر میں آپ کا قصہ ختم کردینے کا فیصلہ کرلیا، لیکن علی الاعلان وہ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا، اس لئے یہ صورت نکالی: کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی کو حکم دیا: کہ وہ حج کے موقع پر جب لوگوں کا ازدہام ہوتا ہے، مسموم نیزہ سے آپ کے پاؤں میں خراش دے دیں، اس اژدہام میں زخمی کرنے والا گرفتار بھی نہ ہوسکے گا، اور زہر کے اثر سے آپ کا کام بھی تمام ہوجائے گا، اور یہی ہوا، جب آپ بیمار ہوئے تو حجاج عیادت کو آیا اور مزاج پرسی کے بعد کہا: کہ کاش مجھ کو ملزم کا پتہ چل جاتا، تو میں اس کی گردن اڑادیتا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ہی نے یہ سب کچھ کیا، اور پھر کہتے ہو کہ میں مجرم کو قتل کردیتا، نہ تم حرم میں اسلحہ باندھنے کی اجازت دیتے نہ یہ واقعہ پیش آتا۔(۱) یہ سن کر وہ خاموش ہوگیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ میں وفات پانے کی تمنا بہت تھی، چنانچہ جب آپ کی حالت نازک ہوئی تو دعا کرتے تھے: کہ خدایا مجھ کو مکہ مکرمہ میں موت نہ دے(۲) اور اپنے صاحبزادے حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے وصیت بھی، کی کہ اگر میں مکہ مکرمہ ہی مرجاؤں، تو حدود حرم کے باہر دفن کرنا، کیونکہ جس زمین سے ہجرت کی، پھر اس میں پیوند خاک ہوتے اچھا نہیں معلوم ہوتا، وصیت کے چند دنوں بعد سفر آخرت کیا۔(۳) اور علم وعمل کا یہ آفتاب تاباں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگیا۔

تجہیز وتکفین: وفات کے بعد، وصیت کے مطابق، لوگوں نے حرم کے باہر دفن کرنا چاہا، مگر حجاج نے مداخلت کی اور خود ہی نماز جنازہ پڑھائی، مجبوراً "فخ" مہاجرین کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔(۴)

فضل وکمال: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت، آپ کی بارگاہ کی دائمی حاضر باشی، سفر وحضر کی ہمرکابی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی تعلیم وتربیت اور خود ان کی تلاش وجستجو نے مذہبی علوم کا دریا بنادیا تھا، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ تمام مذہبی علوم کا بحر بیکراں تھے، آپ کا شمار علمائے مدینہ کے اس زمرہ میں تھا، جو علم وعمل کے مجمع البحرین سمجھے جاتے تھے۔(۵)

تلاوت وتفسیر قرآن: تلاوت قرآن کے ساتھ آپ کو غیر معمولی شغف تھا، اس کی سور وآیات پر فکر وتدبر میں عمر عزیز کا بہت بڑا حصہ صرف کیا، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ صرف سورۃ بقرہ پر ۱۴ برس صرف کئے۔(۶) اس غیر معمولی شغف نے آپ میں قرآن کی تفسیر وتاویل کا غیر معمولی ملکہ پیدا کردیا تھا، فہم قرآن کا ملکہ آپ میں عنفوان شباب ہی میں پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد صحابہ کا مجمع تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی اس مثال:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۝ تُؤْتِيْ أُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا(۷)

"تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی اچھی مثال دی ہے، کہ وہ پاک درخت کی مثل ہے، جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان تک ہیں، وہ اپنے خدا تعالیٰ کے حکم سے ہروقت پھل لاتا ہے"۔

۱۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۵۵۷ ۲۔ ابن سعد، ج۴، ص۱۳۶ ۳۔ ابن سعد، ج۴، ص۱۳۸ ۴۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۵۵۷

۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۳۵ ۶۔ موطا امام مالک مطبع احمدی، دہلی ۷۔ ابراہیم ۱۴:۲۴۔۲۵

کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کہ وہ درخت کون سا ہے، جو مرد مسلم کی طرح سدابہار ہے، اس کے پتے کبھی خزاں رسیدہ نہیں ہوتے اور ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے، اس سوال کے جواب میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم حتیٰ کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تک خاموش رہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بتایا: کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پہلے ہی سمجھ چکے تھے، لیکن اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: کہ تم نے جواب کیوں نہ دیا، تمہارا جواب دینا مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔(۱)

قرآن کے الفاظ اور معنوں پر بہت غائر نظر تھی، وہ ان کے ایسے جامع معنی اختیار کرتے تھے، جو مفہوم پر پورے طور سے حاوی ہوتے تھے، چنانچہ ''اقم الصلوٰۃ لدلوك الشمس الی غسق اللیل ''(۲) میں دلوک کے معنی ڈھلنے کے لیتے تھے۔

''دلوك ''لغت میں ڈھلنے، زرد ہونے، غروب ہونے، تینوں معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کے معنی مطلق ڈھلنے کے لیتے تھے۔(۳) اس معنیٰ سے ظہر، عصر اور مغرب تینوں کے اوقات متعین ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ میل یا زوال کی تین منزلیں ہیں: ایک متعارف، جس میں سمت الراس سے زوال ہوتا ہے، جو ظہر کا وقت ہے۔ دوسرا جس میں سمت نظر سے ڈھلتا ہے، یہ عصر کا وقت ہے۔ تیسرا وہ جس میں سمت افق سے ڈھل کر غروب ہو جاتا ہے، یہ مغرب کا وقت ہے۔

بعض اوقات آیات کے شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کی لاعلمی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا ہو جاتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی فہم قرآنی سے اس قسم کے شکوک کا ازالہ کر دیتے تھے، ایک شخص کو قرآن پاک کی اس آیت

(والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم)(۴)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے، اس کو عذاب الیم کی بشارت دے دو۔

کے بارہ میں یہ شبہ پیدا ہوا، کہ زکوٰۃ دینے کے بعد کیوں انفاق فی سبیل اللہ کا مطالبہ ہے، اور عدم انفاق کی صورت میں عذاب الیم کی وعید کیوں ہے، اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا آپ نے بتایا: کہ یہ وعید اس شخص کے لئے ہے، جو سونا چاندی جمع کر کے زکوٰۃ نہیں دیتا، وہ قابل افسوس ہے اور یہ آیت زکوٰۃ کے نزول کے قبل کی ہے، زکوٰۃ تو خود ہی مال کو طاہر کر دیتی ہے۔(۵)

اسی آیت میں ایک شخص نے ''کنز'' کے معنی پوچھے، آپ نے ایسے لطیف معنی بتائے، کہ اگر یہ آیت نزول زکوٰۃ کے بعد کی بھی ہوتی، تب بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہو سکتا، کنز کے لغوی معنی: مال مدفونہ کے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ کنز جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے، اس معنی سے لاینفقون کا مفہوم صرف یکنزون سے ادا ہو جاتا ہے، اور ینفقونها سے مزید تاکید ہو جاتی ہے، اور کنز کے لغوی معنی بھی نہیں جاتے، کیونکہ زکوٰۃ نہ دی جائے گی، تو خواہ مخواہ جمع ہی ہوگا، ورنہ پھر زکوٰۃ کا مطالبہ اور عذاب الیم کی وعید کیوں ہوتی، اور جمع بمنزلہ دفن کے ہے۔(۶) اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن پاک کے اصل مفہوم ومنشاء اور اس کے انداز بیان کو سمجھنے، میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کیسا ملکہ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا: کہ آپ فتنہ میں قتال کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، قرآن کا حکم ہے کہ:

قاتلوهم حتی لاتکون فتنة(۷)

ان لوگوں سے مقاتلہ کرو یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے۔

۱۔ بخاری: ۴۶۹۸ ۲۔ الاسراء ۱۷: ۷۸ ۳۔ مؤطا: ۱۹ ۴۔ التوبۃ ۹: ۳۴

۵۔ بخاری، ج ۱ ص ۱۸۸ ۶۔ موطا امام مالک، ص ۱۰۹ ۷۔ البقرۃ ۲: ۱۹۳

یہ سوال مسلمانوں کی خانہ جنگی کے زمانہ میں کیا گیا تھا، انہوں نے فرمایا: تم فتنہ کے معنی کیا سمجھتے ہو؟ یہاں قتال علی الفتنہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بادشاہت کے لئے لڑو، بلکہ قتال سے وہ قتال مراد ہے، جو آنحضرت ﷺ نے مشرکین کے ساتھ فرمایا تھا، کہ ان کے دین میں داخل ہونا مسلمانوں کی لئے فتنہ تھا۔(۱)

صحیح بخاری میں اس واقعہ کے متعلق جو روایت ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے، کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ہنگامہ کے زمانہ میں دو آدمی ان کے پاس آئے اور کہا: سب لوگ ختم ہو چکے آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، آپ کیوں نہیں میدان میں آتے؟۔ فرمایا: خدا تعالیٰ نے بھائی کا خون حرام کیا ہے، اس لئے میں نہیں نکلتا، دونوں نے کہا: خدا تو خود فرماتا ہے:

(وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ)(۲) یعنی ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالص خدا کے لئے ہو جائے۔

فرمایا: بے شک ہم لڑے، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا، اور دین خدا تعالیٰ کے لئے ہو گیا، اور تم لوگ اس لئے لڑنا چاہتے ہو، کہ فتنہ پیدا ہو، اور دین غیر خدا کے لئے ہو جائے۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: یہ اس وقت کا حکم ہے، جب مسلمان تعداد میں کم تھے، اور وہ اپنے مذہب کا اعلان نہیں کر سکتے، اور جب کرتے تھے تو کفار ان کو ستاتے تھے، یہی فتنہ تھا، جس کو روکنے کی لئے جہاد تھا، اب مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے، اس لئے اب اس فتنہ کا ڈر نہیں رہا۔(۳)

حدیث کی طلب وجستجو: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حدیث نبوی ﷺ کا اتنا شوق اور اس کی اس قدر جستجو تھی، کہ اپنی غیر حاضری کے اقوال اور افعال نبوی ﷺ ان لوگوں سے حاصل کرتے جو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے، اور ان کو یاد رکھتے تھے۔(۴) اگر کوئی ایسی حدیث یا ایسا مسئلہ سنتے جو ان کے علم میں نہ ہوتا، تو فوراً خود آنحضرت ﷺ یا حدیث کے راوی کے پاس جا کر اس کی تصدیق کرتے، ایک مرتبہ کسی نے ایک مسئلہ بیان کیا، جو ان کے علم میں نہ تھا، فوراً خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر اس کی تصدیق کی۔(۵) ایک مرتبہ ایک لیثی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا: کہ آنحضرت ﷺ نے سونا چاندی کی بیع صرف اس صورت میں جائز رکھی ہے، کہ برابر ہو، ان کو اس کا علم نہ تھا، اس لئے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس کی تصدیق کی۔(۶)

حدیث کی اشاعت وتعلیم: اس تلاش وجستجو نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حدیث کا دریا بنا دیا تھا، جس سے ہزاروں لاکھوں مسلمان سیراب ہوئے، ان کی ذات سے حدیث کا وافر حصہ اشاعت پذیر ہوا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کے بعد ساٹھ سال سے زیادہ زندہ رہے، اس میں آپ کا مشغلہ صرف علم کی اشاعت تھا۔(۷) اسی لئے آپ نے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا: کہ اس سے یہ مبارک سلسلہ منقطع ہو جاتا، مدینہ منورہ میں مستقل حلقہ درس تھا، اس کے علاوہ اشاعت کے لئے سب سے بہترین موقع حج مبارک کا تھا، جس میں تمام اسلامی ملکوں کے مسلمان جمع ہوتے تھے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ اس موقع پر فتویٰ دیتے تھے، اس سے بہت جلد مشرق سے مغرب تک احادیث پھیل جاتی تھیں۔(۸)

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج۲، ص۹۴ ۲۔ البقرۃ ۲:۱۹۳
۳۔ بخاری، کتاب التفسیر، ج۲، ص۶۴۸ ۴۔ اصابہ، ج۴، ص۱۰۹
۵۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، ج۱، ص۲۷۵ ۶۔ ایضاً، باب الربا، ص۶۳۰
۷۔ استیعاب، ج۱، ص۳۸۱ ۸۔ اسد الغابہ، ج۳، ص۲۲۸

لوگوں کے گھروں پر جا کر حدیث سناتے تھے، زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبداللہ بن مطیع کے یہاں گئے، عبداللہ نے خوش آمدید کہا اور ان کے لئے فرش بچھایا، انہوں نے کہا میں اس وقت تمہارے پاس صرف ایک حدیث سنانے کی غرض سے آیا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے دستبرداری کی، وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔(۱)

ان کی تعلیم کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا علی بن عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میں حالت نماز میں کنکریوں سے شغل کر رہا تھا، نماز تمام کر چکا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ٹوکا اور کہا جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، اس طریقہ سے پڑھا کرو، پھر خود ہی طریقہ بتایا۔(۲)

ایک مرتبہ سعید بن یسار مکہ کے راستہ میں آپ کے ساتھ تھے صبح ہونے کے قریب ہوئی تو سعید نے سواری سے اتر کر وتر پڑھے اور پڑھ کر پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مل گئے، انہوں نے پوچھا کہاں تھے، کہا صبح ہو جانے کے خوف سے سواری سے اتر کر وتر ادا کیے، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں ہے، سعید نے کہا خدا کی قسم ضرور ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ ہی پر بیٹھے بیٹھے وتر پڑھتے تھے۔(۳)

خود آپ کی ذات گرامی اوصاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی زندہ تصویر اور ایسا جامع مرقع تھی جو سینکڑوں درس اور ہزاروں تلقینات سے زیادہ کارآمد تھی، جس کا صرف ایک نظر دیکھ لینا اور چند ساعتیں آپ کی صحبت اٹھالینا برسوں کی درس و تدریس کے برابر ہوتا ہے، آپ کے صحیفۂ زندگی میں تمام احادیث عملاً بعنوان جلی قوم تھیں وہ تمام صحابہ اور تابعین جنہوں نے ان کو دیکھا تھا، بالاتفاق ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا، مگر عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ نہیں بدلے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ عہد نبوی کی حالت و کیفیت کا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی پابند نہیں رہا، حضرت نافع جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم اور شاگرد خاص تھے اور جو ان کی خدمت میں تیس برس رہے تھے، وہ تابعین اور اپنے شاگردوں سے کہتے کہ اگر اس زمانہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ ہوتے تو ان کو آثار نبوی کی شدت سے اتباع کرتے ہوئے دیکھ کر تم یہی کہتے کہ یہ دیوانہ ہے۔(۴)

آپ کی ذات دوسروں کے لئے نمونہ تھی، لوگ دعا کرتے تھے کہ "خدایا ہماری زندگی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کو زندہ رکھ کہ ان کی اقتدا سے فیض یاب ہوتے رہیں، ان سے زیادہ عہد رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔(۵) اکابر علماء مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، سعید بن جبیر جو خود بھی تابعی تھے، بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے لعان کے متعلق مجھ سے سوال کیا، مجھ کو معلوم نہ تھا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر دریافت کیا۔(۶) ابن شہاب زہری جن سے بڑا کوئی محدث تابعین میں نہیں گذرا، کہا کرتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس تک افادہ خلق میں مصروف رہے، ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات چھپی نہ تھی۔(۷) چونکہ آپ ایک عالم کے مقتدا تھے، آپ کا ہر قول و فعل دوسروں کے لئے نمونہ بن جاتا تھا، اس لئے اپنے ان امور و اعمال کی جن کو سنت سے تعلق نہ ہوتا، بلکہ طبعاً یا بدرجہ مجبوری سرزد ہوتے

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۱۵۴
۲۔ موطا امام مالک العمل فی الجلوس فی الصلوۃ، ص ۳۰
۳۔ موطا امام مالک باب الامر بالدیہ، ص ۴۳
۴۔ مستدرک، ج ۳، ص ۵۶۱
۵۔ ابن سعد، جزء ۴، قسم اول، ص ۱۰۶
۶۔ مسلم کتاب اللعان، ج ۱، ص ۵۹۲
۷۔ تذکرۃ الحفاظ تذکرۃ ابن عمر رضی اللہ عنہ

تصریح فرما دیتے تھے، آپ مروہ میں بال بنوا رہے تھے، لوگ گرد و پیش جمع ہو کر دیکھنے لگے، فرمایا یہ سنت نہیں ہے، بلکہ بال تکلیف دے رہے تھے، اس لئے بنوا دیئے۔ (۱)

ایک شخص آپ کے پہلو میں نماز پڑھ رہا تھا، چوتھی رکعت میں پالتی مار کر بیٹھا، اور دونوں پاؤں موڑ لئے، آپ نے اس کو مذموم بتایا، اس نے کہا آپ ایسے بیٹھتے، فرمایا مجبوری سے کرتا ہوں۔ (۲) آپ کا بدن بھاری تھا اس لئے مسنون طریقہ سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

احتیاط فی الحدیث: لیکن اس فضل و کمال، اس وسعت علم اور اس دقت نظر کے باوجود حدیث بیان کرنے میں حد درجہ محتاط تھے، محمد بن علی راوی ہیں کہ صحابہ کی جماعت میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حدیث بیان کرنے میں کوئی محتاط نہ تھا، وہ حدیث میں کمی و بیشی سے بہت ڈرتے تھے۔ (۳) ابو جعفر کا بیان ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں کمی و زیادتی سے بہت زیادہ خائف رہتے تھے۔ (۴) سعید اپنے والد کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ حدیث نبوی میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ محتاط میری نظر سے کوئی نہیں گزرا۔ (۵) اس لئے آپ عام طور پر حدیث بیان کرنے سے گریز کرتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ مدینہ کے راستہ میں میرا اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ساتھ ہوا، اس درمیان میں انہوں نے صرف ایک حدیث بیان کی۔ (۶) امام شعبی کا بیان ہے کہ میں ایک سال تک عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا لیکن انہوں نے کوئی حدیث نہیں بیان فرمائی، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ روایت حدیث کو برا سمجھتے تھے یا کم بیان کرتے تھے بلکہ بلا ضرورت نہیں بیان کرتے تھے۔ وہ احادیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں روایت کرنا ضروری سمجھتے اور اس میں تغیر پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ حدیث سنا رہے تھے کہ ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل التافق کشاۃ من بین ربیضتین اذا اتت ھؤلاء نطحتھا'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً ٹوک دیا کہ یہ حدیث اس طرح نہیں بلکہ یوں ہے ''مثل المنافق بین غنمین'' عبید رضی اللہ عنہ عمر میں آپ سے بڑے تھے، اس لئے ان کو غیرت آ گئی، بہت برہم ہوئے، ان کے اس بے جا غصہ کا یہ جواب دیا کہ اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طریقہ سے نہ سنا ہوتا تو تردید نہ کرتا۔ (۷)

اس احتیاط کی بنا پر اکابر علماء آپ کی مرویات کو اتنی قابل اعتماد سمجھتے تھے کہ پھر کسی مزید توثیق کی ضرورت باقی نہیں رہتی، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بہت درست ہوتی تھی۔ (۸) ابن شہاب زہری ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، موطا امام مالک جس کو امت نے کتاب اللہ کے بعد صداقت اور وثوق میں دوسرا درجہ دیا ہے زیادہ تر ان ہی کی روایات پر مشتمل ہے، خصوصاً وہ روایات جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے خادم و شاگرد نافع رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہیں اور ان سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سنا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تقریباً پندرہ برس رہے، پھر شیخین رضی اللہ عنہم کا پورا زمانہ دیکھا اور حضرت عمر کی خدمت میں گویا تیس برس رہے، پھر حضرت نافع ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں تیس برس رہے، پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں دس بارہ برس بیٹھے، اس طرح مالک رحمۃ اللہ علیہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ محدثین کے نزدیک سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے اور بجا کہا جاتا ہے کہ:

ایں سلسلہ از طلائے ناب است ایں خانہ تمام آفتاب است

۱۔ ابن سعد، جزء ۴، قسم اول، ص ۴۳ ۲۔ موطا امام مالک العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ، ص ۳۰

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۴ ۴۔ مستدرک، ج ۳، ص ۵۶۰

۵۔ اصابہ، ج ۴، ص ۱۰۹ ۶۔ بخاری باب الفہم فی العلم، ج ۱، ص ۱۶

۷۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۳۲ ۸۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۲۲۸

ذات نبوی کے علاوہ آپ کے شیوخ میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، بلال، صہیب، رافع بن خدیج، عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر امت ہیں۔

فقہ: حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے کہ اس پر تشریع اسلامی کا دارومدار ہے، حضرت ابن عمر کو تفقہ فی الدین میں درجہ کمال حاصل تھا، آپ کی ساری عمر علم وافتا میں گزری، مدینہ کے ان مشہور صاحب فتاویٰ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن کے فتاویٰ کی تعداد زیادہ ہے، ایک ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(۱) فقہ مالکی جو آئمہ اربعہ میں سے ایک امام کی فقہ ہے، اس کا تمام تر دارومدار حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتاوی پر ہے۔(۲) اس بنا پر امام مالک فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ آئمہ دین میں تھے۔(۳) ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے۔(۴) کبار کی رائے ہے کہ تنہا ابن عمر کے اقوال، اسلامی مسائل کے استقصاء کے لئے کافی ہے۔

احتیاط فی الفتاویٰ: مگر اس تفقہ کے باوجود حدیث کی طرح فتاویٰ میں بھی بہت محتاط تھے، جب تک کسی مسئلہ کے متعلق پورا یقین نہ ہوتا، فتویٰ نہ دیتے، حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ وہ اپنے فتوؤں میں اور اعمال میں نہایت سخت محتاط تھے اور خوب سوچ سمجھ کر کہنے والے اور کرنے والے تھے۔(۵)

اگر کوئی مسئلہ نہ معلوم ہوتا تو اپنی کسر شان کا لحاظ کئے بغیر نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کردیتے، ایک مرتبہ کسی نے مسئلہ پوچھا، آپ کو علم نہ تھا، فرمایا ''مجھے نہیں معلوم'' اس کو ان کی صاف بیانی پر تعجب ہوا، کہنے لگا ''ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی خوب آدمی ہیں جو چیز معلوم نہ تھی اس سے صاف لاعلمی ظاہر کردی۔(۶) عقبہ بن مسلم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا، فرمایا مجھ کو نہیں معلوم، تم میری پیٹھ کو جہنم کا پل بنانا چاہتے ہو کہ تم یہ کہہ سکو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ کو ایسا فتویٰ دیا تھا۔(۷) ابن عباس رضی اللہ عنہ کو آپ کا یہ طرز عمل تعجب انگیز معلوم ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھ کو ابن عمر رضی اللہ عنہ پر تعجب آتا ہے کہ جس چیز میں ان کو ذرا بھی شک ہوتا ہے خاموش رہتے ہیں اور مستفتی کو لوٹا دیتے ہیں۔(۸) اگر کبھی فتویٰ دینے کے بعد غلطی معلوم ہوتی تو بلا پس وپیش پہلے فتویٰ سے رجوع کرلیتے اور مستفتی کو صحیح فتویٰ سے آگاہ کردیتے، ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن ابی ہریرہ نے آبی مردار کے متعلق استفتاء کیا کہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، آپ نے ناجائز بتایا، بعد میں قرآن منگا کر دیکھا تو یہ حکم ملا ''احل لکم صید البحر وطعامه'' چنانچہ انہوں نے عبدالرحمٰن کے پاس کہلا بھیجا کہ اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔(۹) دوسرے عام مفتیوں کو بھی اپنے رائے وقیاس سے فتویٰ دینے سے منع فرماتے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ بصرہ کے مفتی تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو پہلی ہدایت یہی فرمائی کہ ''تم بصرہ کے مفتی ہو، لوگ تم سے استفتا کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر فتویٰ نہ دیا کرو''۔(۱۰)

قیاس واجتہاد: تاہم اس احتیاط کے باوجود بعض مسائل میں قیاس واجتہاد ناگزیر ہے کیونکہ کتاب وسنت میں تمام مسائل کا استقصا نہیں ہے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوجائے گا، ابن عمر رضی اللہ عنہ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور عملی مثالوں کی طرف رجوع کرتے تھے، جب مقصد حاصل ہوتا تو اجتہاد کرتے۔(۱۱) لیکن مستفتی سے کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے، طاؤس کا بیان ہے

۱۔ اعلام الموقعین ابن قیم، ج۱ ص۱۳ ۲۔ مقدمہ مسوی شرح موطا شاہ ولی اللہ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج۵ ص۲۲۱
۴۔ اعلام الموقعین ابن قیم، ج۱ ص۱۳ ۵۔ استیعاب، ج۱ ص۳۸۰ ۶۔ ابن سعد، قسم ۴ ص۱۲۵
۷۔ اصابہ، ج۴ ص۱۰۹ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۳۳
۹۔ موطا امام مالک باب ماجاء فی صید البحر، ص۱۸۴ ۱۰۔ اعلام الموقعین، ج۱ ص۶۷
۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ج۱ ص۳۳

کہ جب ابن عمر کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا، جس کے بارے میں کتاب اور سنت میں کوئی حکم نہ ہوتا، تو پوچھنے والوں سے کہتے کہ "اگر کہو تو اپنے قیاس سے بتادوں"۔(۱) لیکن قیاس واجتہاد میں بھی آپ کو ایسا خداداد ملکہ حاصل تھا اور آپ کی رائے بھی اتنی صائب اور فیصلہ کن سمجھی جاتی کہ بڑے بڑے آئمہ اس کے بعد پھر کسی دوسرے کی رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے، امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد امام مالک کو ہدایت کی تھی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کسی کی رائے کو ترجیح نہ دینا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ساٹھ برس تک زندہ رہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوئی بات ان سے چھپی نہ تھی۔(۲) امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بڑے صائب الرائے تھے۔(۳) بڑے بڑے مشائخ کہا کرتے تھے کہ "جس نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو اختیار کیا اس نے پھر تلاش وتفحص کے لئے کچھ نہیں چھوڑا"۔(۴)

مشتبہات سے اجتناب: شدت ورع کی بناپر ہمیشہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز فرماتے تھے، مروان نے اپنے زمانہ میں میل کے نشان کے پتھر نصب کرائے تھے، ابن عمر رضی اللہ عنہ ادھر رخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے (۵) کہ اس میں پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ ہے اس طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے وقت تک کھیتوں کا لگان لیا کرتے تھے، لیکن ایک مرتبہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کے کرایہ سے منع کیا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو جاکر ان سے تصدیق چاہی، رافع نے کہا کہ ہاں منع کیا ہے۔ کہا تم کو معلوم ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں زمین کا لگان لیا جاتا تھا، اگرچہ ان کو اس کا یقین نہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم دیا ہوگا، مگر محض اس احتمال کی بناپر لگان لینا چھوڑ دیا کہ شاید بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہو اور مجھے علم نہ ہوا ہو۔ (۶) ککڑی اور خربوزہ صرف اس لئے نہ کھاتے تھے کہ اس میں گندی چیزوں کی کھاد دی جاتی ہے۔(۷) ایک مرتبہ کسی نے کھجور کا سرکہ ہدیہ بھیجا، پوچھا کیا چیز ہے، معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے، انہوں نے اس خیال سے پھینکوادیا کہ سکر نہ پیدا ہوگیا ہو۔(۸) اگرچہ غنا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، تاہم احتیاط کا اقتضا یہی ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے چنانچہ جب اپنے صاحبزادے کو گنگناتے ہوئے سنتے تو تنبیہ فرمائی۔(۹)

اگر کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی وہم ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے، ایک دن بازار گئے وہاں ایک دودھاری بکری بک رہی تھی، اپنے غلام سے کہا لے لو، اس نے اپنے دام سے خریدلیا، آپ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے، اس لئے افطار کے وقت اس بکری کا دودھ پیش کیا گیا، فرمایا کہ یہ دودھ بکری کا ہے اور بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے اور غلام صدقہ کا ہے اس لئے اس کو لے جاؤ، مجھ کو اس کی حاجت نہیں ہے۔(۱۰)

محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کا سرمایہ حیات اور جان حزین کی تسکین کا باعث تھی، آپ کی وفات کے بعد ایسے شکستہ دل ہوئے کہ اس کے بعد نہ کوئی مکان بنایا اور نہ باغ لگایا۔(۱۱) وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب آپ کا ذکر آتا تو بے اختیار رو پڑتے۔(۱۲) جب سفر سے لوٹتے تو روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوکر سلام کہتے۔(۱۳) ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس شیفتگی کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ آل اطہار رضی اللہ عنہم سے بھی وہی تعلق تھا، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھا، آپ نے پوچھا تم کون ہو اس نے کہا عراقی، فرمایا لوگو! ذرا اس کو دیکھنا، یہ شخص مجھ

۱۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۶۷ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۳ ۳۔ مستدرک، ج ۳، ص ۵۶۰
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۳۳ ۵۔ ازالۃ الخفا مقصد دوم، ص ۱۹۰ ۶۔ بخاری، ج ۱، ص ۳۱۵
۷۔ ابن سعد جز ۴، قسم اول، ص ۱۲۰ ۸۔ ابن سعد جز ۴، قسم ۱، ص ۱۲۲ ۹۔ ابن سعد جز ۴، قسم ۱، ص ۱۱۴
۱۰۔ ابن سعد، قسم اول، جز ۴، ص ۱۱۸ ۱۱۔ ازالۃ الخفاء مقصد دوم، ص ۱۸۹ ۱۲۔ ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہ
۱۳۔ ابن سعد تذکرہ ابن عمر رضی اللہ عنہ

سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے، حالانکہ ان لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے جگر گوشہ کو شہید کیا ہے، جن کے متعلق آنحضرت ﷺ فرماتے تھے: کہ یہ دونوں میرے باغ دنیا کے دو پھول ہیں۔(۱)

یہ محبت آل اطہار رضی اللہ عنہم کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ جس چیز کو بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی قسم کی نسبت ہوئی، اس سے آپ کو وہی شغف تھا، آنحضرت ﷺ کبھی ایک درخت کے نیچے اترے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ اس کو پانی دیتے تھے، کہ خشک نہ ہو جائے۔(۲) مدینۃ الرسول ﷺ سے اس درجہ محبت تھی کہ تنگی کی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا، ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے تنگ حالی کی شکایت کی اور مدینہ منورہ سے جانے کی اجازت چاہی، فرمایا: کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: کہ جو شخص مدینہ منورہ کے مصائب پر صبر کرے گا، قیامت میں میں اس کا شفیع ہوں گا۔(۳)

اختلاف امت کا لحاظ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس کام سے جس میں امت مسلمہ کے اختلاف وافتراق کا ادنیٰ خطرہ بھی نکلتا، احتراز فرماتے تھے، ان کی حق پرستی مسلم ہے، لیکن امت کے ضرر کے خیال سے بعض مواقع پر خاموش ہو جاتے تھے، فرماتے تھے: کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعویٰ سے کہا: کہ خلافت کا ہم سے زیادہ حق دار کون ہے؟ میرے دل میں خیال آیا: کہ جواب دوں، کہ تم سے زیادہ وہ حقدار ہے، جس نے تم کو اور تمہارے باپ کو اس پر مارا تھا، مگر فساد کے خیال سے خاموش رہا۔(۴) اختلاف امت سے بچنے کا ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں خیال رکھتے تھے، منیٰ میں آنحضرت ﷺ عصر کی نماز میں قصر کرتے تھے، آپ کے بعد حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی طریقہ رہا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ابتدا میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے، مگر کچھ دنوں کے بعد پوری چار پڑھنے لگے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی تفریق کے خیال سے امام کے پیچھے چار پڑھتے، لیکن اکیلے ہوتے تو قصر کرتے اور فرماتے کہ ''الخلاف منکر''۔(۵) اختلاف ناپسندیدہ ہے۔ فرمایا کرتے تھے: کہ اگر میری خلافت پر دو شخص کے علاوہ پوری امت محمدی متفق ہو جائے، تو بھی میں ان سے نہ لڑوں گا، لوگوں کو نصیحت کرتے: کہ ہم دوسروں سے اس لئے لڑتے تھے، کہ دین فساد کا ذریعہ نہ بنے اور خالص خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائے، اور تم لوگ اس سے لڑتے ہو کہ دین غیر خدا کا ہو کر فتنہ وفساد کی بنیاد بن جائے۔ ایک شخص نے کہا: کہ آپ سے زیادہ فتنہ پرداز امت محمدی ﷺ میں کوئی نہیں، فرمایا: یہ کیسے؟ خدا کی قسم! نہ میں نے ان کا خون بہایا، نہ ان کی جماعت میں اختلاف ڈالا، نہ ان کی مجتمع قوت منتشر کی، اس نے بر سبیل مبالغہ کہا: کہ اگر آپ چاہتے تو دو شخص بھی آپ کی خلافت میں اختلاف نہ کرتے، آپ نے فرمایا: میں اس کو ناپسند کرتا ہوں، کہ ایک شخص کہے کہ میں تمہاری خلافت سے راضی ہوں، دوسرا کہے کہ میں راضی نہیں ہوں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی لاعلمی میں ان کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا، وہ فرماتے جاتے تھے: کہ لوگ تلواریں لئے آپس میں کٹتے مرتے ہیں، پھر کہتے ہیں: کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیعت کے لئے ہاتھ بڑھاؤ۔(۶)

اسی اختلاف امت سے بچنے کے لئے ہر خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے، کہ مبادا انکار کسی نئے فتنہ کی بنیاد نہ بن جائے، چنانچہ فتنہ کے زمانہ میں ہر امیر کے پیچھے نماز پڑھ لیتے، اور زکوٰۃ ادا کر دیتے، خود فرماتے تھے: کہ میں دور فتن میں جنگ وجدل سے الگ رہتا ہوں اور ہر غالب کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں۔(۷) مگر یہ اطاعت اسی حد تک تھی جہاں تک مذہب اجازت دیتا، اور اگر اس سے مذہبی پابندی میں کوئی خلل پڑتا، تو اطاعت ضروری نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ ابتداءً حجاج کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، لیکن جب اس نے نماز میں تاخیر شروع کی تو اس کے پیچھے نماز

۱۔ بخاری، ج۲، ص۸۸۶ ۲۔ اسد الغابہ، ج۳، ص۲۲۷ ۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج۲، ص۱۱۳

۴۔ طبقات ابن سعد، ج۴، ص۱۳۴ ۵۔ ابوداؤد، ج۱، ص۹۶ ۶۔ ابن سعد، ج۱، ص۱۱۱ ۷۔ ایضاً ص۱۱۰

پڑھنی چھوڑ دی بلکہ مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ چلے آئے۔(۱) اس احتیاط کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ وفساد اور افتراق وانشقاق کا جو طوفان اٹھا، جس میں بہت کم ایسے مسلمان تھے، جن کا ہاتھ ایک دوسرے کے خون سے رنگین نہ ہوا ہو، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے کمال احتیاط کے باعث اس ہنگامہ عام میں بھی بچے رہے، چنانچہ محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''اگر ہم میں سے کوئی شخص مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے تو وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں''۔

حلیہ: شکل وصورت میں وہ اپنے والد بزرگوار سے بہت مشابہ تھے، دراز قامت اور بھاری بھرکم تھے، رنگ گندمی تھا۔(۲) کندھوں تک کاکلیں تھیں، کبھی کبھی مانگ بھی نکالا کرتے تھے۔(۳) داڑھی بقدر ایک مشت رکھتے تھے، مونچھیں اس قدر گہری کترواتے تھے کہ لبوں کی سپیدی نمایاں ہوجاتی تھی، زرد خضاب کرتے تھے۔(۴)

ازدواج واولاد: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی متعدد بیویاں تھیں، جن سے بارہ لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں، ابوبکر، ابوعبیدہ، واقد، عبداللہ، عمر حفصہ اور سودہ صفیہ بنت ابی عبید کے بطن سے تھے، عبدالرحمٰن ام علقمہ بنت علقمہ کے بطن سے تھے، سالم، عبیداللہ ابوسلمہ اور قلابہ مختلف لونڈیوں کے بطن سے تھے۔(۵)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اکیاونویں (۵۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ اس سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت لیتے ہیں۔

☆ یہ روایت ابن ادریس نے تین شیوخ حضرت عبیداللہ، امام مالک اور ابن جریج رحمہم اللہ سے روایت کی ہے۔

☆ سند کے پہلے شیخ محمد بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور یہ ایسے راوی ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ بلاواسطہ روایت کرتے ہیں، یعنی محمد بن العلآء رحمۃ اللہ علیہ اصحاب صحاح ستہ کے شیخ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دوراوی کوفی، عبدالملک ابن جریج مکی اور باقی تمام مدنی راوی ہیں۔

☆ سند میں سعید مقبری اور عبید بن جریج تابعی رحمۃ اللہ علیہ راوی ہیں۔اس طرح یہ تابعی کی دوسرے تابعی سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداءروایت کے لئے اخبر نا ، حدثنا ، قال ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

☆ سند کے آخری صحابی راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، آپ مہاجر صحابہ اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔آپ فقہاء عبادلہ صحابہ میں سے ہے۔

۱۔ طبقات، ج۴، ص۱۳۳ ۲۔ اصابہ، ج۴، ص۱۰۹ ۳۔ ابن سعد، ج۴، ص۱۳۳
۴۔ ایضاً ۵۔ سیر الصحابۃ، ج۱، حصہ مہاجرین دوم، ص۹۔۳۶

۶۔لغات:

رایتك: میں آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں　　تلبس: آپ رضی اللہ عنہ پہنتے ہیں

النعال: جوتے　　السبتیة: گائے کی کھال جو دباغت شدہ ہو، صاف چمڑا۔ بالوں کے بغیر چمڑا

تتوضأ فیھا: آپ رضی اللہ عنہ جوتوں سمیت وضو کرتے ہیں۔

۷۔مسائل ونصائح:

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اگر وضو کرتے وقت پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے ہوں، تو بھی پاؤں دھونا واجب ہے، صرف جوتوں پر مسح کرنا کافی نہ ہوگا، جیسا کہ موزوں پر مسح کیا جاتا ہے۔(۱)

☆ سبتیة: سبت کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے، سبت کا معنیٰ گائے کی ایسی کھال جسے دباغت (رنگنا) دی گئی ہو، اور اس کھال پر بال نہ ہوں)۔(۲)

☆ اس حدیث مبارکہ میں حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کے انداز سوال سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو انہوں نے متعدد بار جوتوں سمیت وضو کرتے دیکھا تھا۔(۳)

☆۔اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جوتے پہننے کی صورت میں بھی پاؤں کا دھونا فرض ہے اور مسح کرنا جائز نہیں ہے۔(۴)

☆ علامہ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وضو کرتے وقت جوتے پہننے کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔(۵)

☆ سبتیة: بازار سبت کی طرف نسبت کی وجہ سے بھی ہوسکتا ہے۔(۶)

☆ اس حدیث سے متبادر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروں کو جوتوں میں ہی دھوتے تھے اور وہ جوتے بند نہیں ہوں گے، وہ جوتے ایسے ہوں گے، جیسے ہماری کھلی ہوئی اسفنج (Sponge) کی چپل ہوتی ہے، جس میں پیر کو آسانی سے دھویا جاسکتا ہے۔(۷)

☆ النعال السبتیة: ایسے جوتوں پر بھی بولا جاتا ہے، جسے امیر لوگ عیاشی کے طور پر پہنتے ہیں، اس وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر اعتراض ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر سبت سے مراد صرف ایسے جوتے ہیں، جس پر بال نہ ہوں، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایسے ہی جوتے پہنتے تھے۔(۸)

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایسے جوتے پہننا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے تھا۔(۹)

☆ ۔جوتوں میں وضوٗ' کا مطلب یہ ہے کہ اگر جوتے پہنے ہوئے ہوں اور وہ بند نہ ہوں، بلکہ چپل نما ہوں، جن میں وضو کیا جاسکتا ہو، تو پاؤں کو دھونا ضروری ہے۔ النعال السبتیة سے مراد صاف چمڑے کے جوتے ہیں۔ چمڑے کو دباغت دے کر (رنگ کر) بالوں سے مکمل صاف کرلیا جاتا

۱۔ حاشیہ سندھی، ص۳۹　　۲۔ زہر الربیٰ، ج۱، ص۴۱　　۳۔ حاشیہ سندھی، ص۳۹

۴۔ ایضاً　　۵۔ عمدۃ القاری، ج۳، ص۴۰　　۶۔ ارشاد الساری، ج۱، ص۳۸۲

۷۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۵۷۵　　۸۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج۳، ص۱۱۰　　۹۔ ایضاً ص۱۱۱

ہے، اس طرح چمڑا اصاف ہونے کے ساتھ ساتھ نرم بھی ہو جاتا ہے۔ یہ جوتے خوب صورت اور آرام دہ ہوتے ہیں۔(۱)

☆**چپلوں پر مسح کی بحث:** امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا عنوان قائم کر کے یہ بتایا ہے کہ چپلوں پر مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ چمڑے کے موزوں پر مسح جائز ہے لیکن چپلوں پر مسح جائز نہیں ہے، لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض افراد کے متعلق ایسی حدیثیں مل جاتی ہیں کہ انہوں نے چپلوں پر مسح کیا۔ مثلاً حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ میں نے اپنے والد کو دیکھا: کہ انہوں نے چپلوں پر مسح کیا، میں نے کہا: یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی (نعلین) پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت ابوظبیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا: کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر وضو کے لئے پانی منگایا ''ومسح علی النعلین'' (اور چپلوں پر مسح کیا) اور مسجد میں جا کر نعلین اتار کر نماز پڑھی۔ اس نوع کے آثار سے بعض لوگوں کا یہ استدلال درست نہیں، کیونکہ اس سلسلہ کی احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن نعلین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسح فرمایا، ان کے نیچے چمڑے کے موزے بھی ہوں، ۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ بھی موزوں پر ہی مسح کا ہو، کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپل نہ پہنے ہوتے تو بھی موزوں پر ہی مسح فرماتے، تو آپ کا ارادہ تو موزوں پر ہی مسح کا تھا، مگر آپ نے موزہ اور نعلین دونوں پر مسح فرمایا، تو طہارت حاصل ہوگئی، اور نعلین پر مسح فرمانا امر زائد ہوا، چنانچہ اس کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چپلوں پر مسح فرمایا، ان کے نیچے موزے بھی پہنے ہوئے تھے، حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

مسح علی جوربیہ و نعلیہ(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جورب اور نعلین پر مسح فرمایا

تو حدیث حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے نعلین پر مسح کرنے کی کیفیت معلوم ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین کے ساتھ ساتھ جوراب پر بھی مسح فرمایا، تو مقصود دراصل (جوراب) موزوں پر ہی مسح کرنا تھا نہ کہ چپلوں اور جوتیوں پر، لہٰذا چپل پر مسح کرنے سے وضو کی صحت ثابت نہ ہوئی۔

اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نکلتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وضو کرتے اور جوتے آپ کے پاؤں میں ہوتے تو آپ ظاہر قدمین پر مسح کر لیتے، اور یہ فرماتے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پر مسح کرنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعلین پر مسح کرتے ہوئے ظاہر قدمین پر بھی مسح فرما لیتے تھے، یعنی ظاہر قدمین پر مسح فرمانا تو علی سبیل الفرضیۃ تھا اور نعلین پر مسح کرنا، امر زائد تھا (پھر یہ پاؤں پر مسح کرنے کا جواز منسوخ ہوگیا)۔ غرضیکہ جن احادیث و آثار میں نعلین پر مسح کرنے کا بیان ہے، ان میں یہ دونوں احتمال پائے جاتے ہیں۔ اول: یہ کہ نعلین پر مسح کرنے کی کیفیت یہ تھی کہ آپ موزے بھی پہنے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین اور موزہ دونوں پر مسح فرمایا جیسا کہ حدیث مغیرہ و حدیث ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوتا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: مسح علی جوربیہ ونعلیہ۔(۳) اور جرابوں پر مسح کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی جائز سمجھتے ہیں، جب کہ وہ مجلد یا منعل ہوں، یا ایسی دبیز چیز کی بنی ہوئی ہوں، کہ ان میں پانی نہ چھنے۔ دوسرا یہ کہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ احتمال نکلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نعلین پر مسح کرتے ہوئے ظاہر قدمین پر بھی مسح فرمایا کرتے تھے، تو گویا پاؤں پر مسح بطور فرض وضو کے تھا اور نعلین پر مسح ضمنی طور پر امر زائد تھا۔ پھر پاؤں پر مسح کرنا منسوخ ہوگیا۔ غرضیکہ وہ احادیث و آثار جن میں نعلین (چپل) پر مسح کا ذکر ہے مذکورہ بالا دونوں معنوں میں سے کسی بھی معنی پر محمول کر لیجئے۔ اس سے چپلوں پر مسح کرنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ عقل بھی چاہتی ہے کہ

۱۔ سنن نسائی (دار السلام)، ج۱، ص۱۷۲۔۱۷۳ ۲۔ شرح معانی الآثار، حدیث ۶۱۶، جلد۱، صفحہ ۹۷ ۳۔ ایضاً

چپلوں پر مسح کرنا جائز نہ ہو، کیونکہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر چمڑا کا موزہ اتنا پھٹ جائے، کہ پاؤں کا اکثر حصہ ظاہر ہو جائے تو ایسے موزوں پر مسح جائز نہیں، اور یہ ظاہر ہے چپل میں پاؤں کا اکثر حصہ ظاہر رہتا ہے، لہذا چپل پر مسح جائز نہیں ہونا چاہیے۔ نیز اس سلسلہ میں اہل علم کے لئے مندرجہ ذیل امور بھی قابل غور وفکر ہیں:

اول: حدیث ''مسح علیٰ جوربیه ونعلیه'' محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے۔ حضرت سفیان ثوری، عبدالرحمٰن مہدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور علی المدینی ومسلم بن حجاج رحمۃ اللہ علیہم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ عبدالرحمٰن بن مہدی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت نہیں کرتے کیونکہ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے جو معروف ومشہور حدیث مروی ہے اس کا مضمون تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔ اسی طرح یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے مگر یہ روایت بھی متصل نہیں ہے، اگرچہ اس حدیث کو ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ لیکن ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ اس کی سند بھی متصل نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے حضرت ضحاک ابن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ضحاک رضی اللہ عنہ کا سماع حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ وامام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ یہ حدیث ضعیف ہے، قوی نہیں ہے، کیونکہ اس کی اسناد میں عیسیٰ بن سنان رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جو ضعیف ہیں، لائق حجت نہیں ہیں۔ (۱)

دوم: اسی طرح وہ حدیث جس میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین پر مسح کیا۔ یہ سب حدیثیں فعلی ہیں۔ مثلاً اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو نعلین پر مسح کرتے دیکھا تو ان سے میں نے کہا کہ آپ یہ کیا کرتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ (۲) لیکن کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس میں یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نعلین پر مسح کرو تمہیں نعلین پر مسح کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اسی طرح اس باب کی تمام حدیثیں خبر احاد ہیں۔ لیکن اس کے برعکس چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کے جواز کی حدیثیں قولی بھی ہیں اور فعلی بھی بلکہ احادیث مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث مشہور ہے۔ بلکہ پیر کی تین انگلیوں کی مقدار اگر موزے سے کھل جاتی ہو تو مسح جائز نہیں۔

سوم: حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق نعلین پر مسح کرنے کی جو حدیث ہے اس کا مضمون یہ ہے کہ آپ نے نعلین پر مسح کیا۔ پھر مسجد میں گئے اور نعلین اتار کر نماز پڑھی ''ثم دخل المسجد فخلع نعليه ثم صلى'' (۳) غور طلب بات یہ ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نعلین پر مسح فرمایا تھا تو پھر نماز پڑھتے وقت اس کو اتارا کیوں؟ اور اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ موزہ پر مسح کے بعد اگر اس کو اتار دیا جائے تو مسح ٹوٹ جاتا ہے۔

ان امور کے پیش نظر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نعلین پر مسح کے متعلق جس قدر آثار ملتے ہیں، اول تو ان کی یہ پوزیشن نہیں ہے کہ ان کو حدیث مشہورہ کے مقابل لایا جائے، دوسرے یہ کہ نعلین اتار کر نماز پڑھی کے جملہ سے اس توجیہہ کو تقویت پہنچتی ہے کہ ضرور نعلین کے اندر چمڑہ کا موزہ پہنا ہوا تھا اور اس زمانہ کی چپل بھی ایسی ہوتی تھی کہ اس میں پاؤں کا اوپر کا حصہ بالکل ظاہر رہتا تھا۔ پس مسح علی نعلیه کا مفہوم یہ ہوا کہ چپل پہنے پہنے موزہ پر مسح کر لیتے تھے کیونکہ چپل پہننے کی صورت میں بھی مسح کرنے کی جگہ ظاہر رہتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بوقت نماز چپل اتار دیتے تھے ورنہ اگر چپل پر مسح کیا ہوتا تو اس کو اتارتے نہیں کیونکہ اتارنے سے مسح ٹوٹ جاتا ہے۔ (۴)

۱۔ نیل الاوطار، ج۱، ص۲۰۸   ۲۔ طحاوی، ابوداؤد

۳۔ طحاوی   ۴۔ فیوض الباری، ج۱، ص۵۱۲۔۵۱۵

۸۔خلاصہ بحث:

☆ امام نسائی ؒ کا استدلال یہ ہے کہ دوران وضو اگر جوتے پہنے ہوئے ہوں، تو بھی پاؤں کا دھونا فرض ہے، اور مسح کرنا کافی نہ ہوگا۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ صرف جوتے پر مسح جائز نہیں ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی چپل غالباً اسی طرح کھلی ہوئی ہوگی، جس طرح ہمارے ہاں ہوائی چپل یا قینچی چپل ہوتی ہے، اور اس زمانہ میں ایسے ہی جوتے زیادہ استعمال کیے جاتے تھے، جن میں پاؤں کا اکثر حصہ ننگا ہوتا تھا۔

☆ حدیث مبارکہ میں حضرت ابن جریج کے سوال اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے جواب سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان جوتوں کا استعمال کثرت سے فرماتے تھے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ کی کامل اتباع اور آپ ﷺ سے محبت کامل کا آئینہ دار ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں مجیب صحابی ہیں، اور سائل تابعی ہیں، اس سے تعلیم وتعلم کے لئے سوال وجواب کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اس حدیث مبارکہ سے فقہاء کرام نے کئی ایک مسائل کا استنباط کیا ہے، جو محض ایک شاگرد کے سوال اور استاد کے جواب سے ممکن ہوا، آج ہمیں تعلیم کی بہتری کے لئے اسی طرح کے ماحول کو رواج دینا ہوگا۔

باب۹۶: اَلْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ — موزوں پر مسح کرنا

اس باب میں پاؤں میں موزے پہن کر مسح کرنے کا بیان ہے، امام نسائی نے اس باب میں موزوں پر مسح کے جواز پر سات احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، اہل سنت کے نزدیک موزوں پر مسح کرنے کے جواز پر اجماع ہے۔ پچھلے باب میں پاؤں میں جوتے پہن کر وضو کرنے کا بیان تھا۔ اور اس باب میں پاؤں میں موزے پہن کر مسح کرنے کا بیان ہے۔

۱۱۸۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا حَفْصٌ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهُ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَقِيْلَ لَهُ اَتَمْسَحُ فَقَالَ قَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ وَكَانَ اَصْحَابُ عَبْدِ اللّٰهِ يُعْجِبُهُمْ قَوْلُ جَرِيْرٍ وَكَانَ اِسْلَامُ جَرِيْرٍ قَبْلَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَسِيْرٍ۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: کیا آپ رضی اللہ عنہ (موزوں پر) مسح کرتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو (موزوں پر) مسح کرتے ہوئی دیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کو حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بہت پسند تھی، کیونکہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے وصال سے چند دن پہلے اسلام لائے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۷۷، بخاری: ۳۸۷، مسلم: ۲۷۲، ترمذی: ۹۳، ابن ماجہ: ۵۴۳، السنن الکبریٰ: ۱۲۱، تحفۃ الاشراف: ۳۲۳۵

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں۔ البتہ کچھ راویوں کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں۔

ا۔قتیبہ بن سعید الثقفی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: بعض کے نزدیک ان کا نام یحییٰ اور بعض کے نزدیک علی تھا اور قتیبہ لقب، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ نام قتیبہ تھا اور ابو رجاء کنیت تھی، نسب نامہ اس طرح ہے، قتیبہ بن سعید بن جمیل بن طریف بن عبداللہ۔(۱) ان کے دادا جمیل بن طریف عراق کے مشہور اموی گورنر حجاج بن یوسف الثقفی کے غلام تھے، حجاج انتہائی ظالم وجابر اور تندمزاج ہونے کے باوجود جمیل کی بڑی تکریم کرتا تھا، انتہا یہ ہے کہ جب وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا تو قتیبہ کے دادا کو اپنے دائیں جانب ایک علیحدہ کرسی پر بٹھایا کرتا تھا۔(۲) بنوثقیف کے ساتھ تعلق غلامی کی وجہ سے ثقفی کہے جاتے ہیں۔

ولادت: شیخ قتیبہ کی ولادت ۱۵۰ھ میں ان کے وطن بغلان میں ہوئی، (جو بلخ کا ایک گاؤں ہے) ایک روایت میں ان کا سنہ ولادت ۱۴۸ھ بتایا گیا ہے، لیکن خود شیخ قتیبہ کے بیان سے اول الذکر ہی کی تائید ہوتی ہے، اس لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔(۳) ان کا اصل وطن تو بغلان تھا، لیکن عراق آ کر مستقل سکونت اختیار کر لی اور وہیں آباد ہو گئے تھے۔ کبھی اپنے وطن جاتے تو ایک دو دن رہ کر چلے آتے تھے، چنانچہ خود فرماتے ہیں:

مـــا کـــان فـــی بـــغـــلان مـســکـــنـــة	ترجمہ: میری طرح بغلان میں کوئی ایسا نہ ہوگا جس کا وطن ہو تو بغلان
ولا یـــمـــر بـهـــا الا عـــلـــیٰ ســفـــر (۴)	مگر وہ وہاں آئے مسافر کی طرح۔

تعلیم وتربیت: شیخ قتیبہ کے والد سعید بن جمیل نہایت نیک اطوار اور خوش خو تھے۔ ایک بار انہوں نے عالم خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ کے دست مبارک میں ایک رجسٹر (صحیفہ) تھا، سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا: ''اس میں علماء کے نام درج ہیں''۔ انہوں نے عرض کیا: ''ذرا یہ مجھے مرحمت فرما دیں کہ میں دیکھوں، اس میں میرے لڑکے کا نام ہے یا نہیں؟ دیکھا تو اس میں ان کے فرزند قتیبہ کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔(۵) ایسے نیک بخت اور حوصلہ مند باپ کے فرزند ہونے کی بنا پر قتیبہ کو اسلامی علوم وفنون کے ساتھ قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ انہوں نے اس ذوق وشوق میں وطن سے نکل کر عراق، مدینہ، مکہ، شام اور مصر تک کا سفر کیا اور وہاں کے کبار آئمہ سے سماع کا شرف حاصل کیا۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۴ ۲۔ ایضاً ص ۴۶۸

۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۳۶۰ ۴۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۷۰

۵۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۸

شیوخ: شیخ قتیبہ کو مختلف امصار و بلاد کے جن آئمہ سے کسب فیض کا موقع بہم پہنچا، ان میں درج ذیل نام ملتے ہیں:

امام مالک بن انس، لیث بن سعد، ابن لہیعہ، شریک (۱) بکر بن مضر، مفضل بن فضالہ، عبدالوارث بن سعید، حماد بن زید، عبدالعزیز بن ابی حازم، حفص بن غیاث، حمید بن عبدالرحمٰن الرواسی، عبدالوہاب الثقفی، فضیل بن عیاض، جعفر بن سلیمان، الضبعی، ہشیم، ابوعوانہ یزید بن زریع، اسماعیل بن علیہ، ابن عیینہ، امام وکیع ابن الجراح رحمہم اللہ وغیرہم۔ (۲)

انہوں نے اپنے علمی سفر کا آغاز صغر سنی ہی میں کر دیا تھا، چنانچہ جب وہ عراق آئے تو ان کی عمر ۲۳ سال تھی، خود ان کا بیان ہے کہ:

''میں جب سب سے پہلی مرتبہ ۱۷۲ھ میں عراق آیا تو اس وقت میری عمر صرف ۲۳ سال کی تھی''۔

علم و فضل: تحصیل علم میں ان کی غایت درجہ محنت اور اکابر امت سے استفادہ نے انہیں علم کا سرچشمہ بنا دیا تھا، حافظ ذہبی انہیں ''الشیخ الحافظ محدث خراسان'' لکھتے ہیں، اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ عالم، صاحب حدیث اور کثرت سے سفر کرنے والے تھے۔ (۳)

ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں کہ:

الیہ المنتھی فی الثقة۔ (۴) ''ثقاہت میں ان کا آخری درجہ تھا''۔

درس حدیث: امام قتیبہ جہاں بھی تشریف لے جاتے، علم و فضل کا دفتر کھل جاتا، چنانچہ بغداد میں تشریف فرما ہوئے تو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے آئمہ روزگار نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کا درس لیا اور جو لوگ ان سے استفادہ کے موقع کو ضائع کر دیتے تھے وہ اس پر کف افسوس ملتے تھے۔ عمرو بن علی الفلاس بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ منیٰ میں حضرت قتیبہ کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ عباس العنبر ی ان کے پاس بیٹھے حدیث لکھ رہے تھے، میں اس وقت گزر گیا اور ان سے سماع نہیں کیا، لیکن بعد میں مجھ کو اپنے تساہل پر بڑی ندامت ہوئی۔ (۵)

تلامذہ: ان کی عظمت و بزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے حلقہ تلامذہ میں اس عہد کے بڑے بڑے آئمہ حدیث داخل ہیں، کچھ ممتاز اسمائے گرامی یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، ابوبکر بن ابی شیبہ، ابوداؤد السجستانی، ابوحاتم الرازی، ان کے علاوہ امام بخاری نے ان کی روایت کی ہوئی تین سو آٹھ اور امام مسلم نے چھ سو اڑسٹھ احادیث صحیحین میں درج کی ہیں۔ (۶) شیخ قتیبہ نے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کی روایتوں کے لئے اپنے صحیفہ میں الگ الگ علامتیں مقرر کر رکھی تھیں، چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ احمد بن محمد بن زیاد الکرمینی سے فرمایا کہ تم کو میری جن روایتوں پر سرخ نشان ملے سمجھنا کہ میں نے وہ روایتیں امام احمد بن حنبل کے سامنے روایت کی ہیں اور جن روایتوں پر سبز نشان ہے وہ یحییٰ بن معین کی روایت کی ہوئی ہیں۔ (۷)

لیکن ابوالعباس السراج کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں دو قسم کی نہیں بلکہ سات قسم کی تھیں، ان سات میں سے دو تو امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے لئے ہی مخصوص تھیں، باقی پانچ نشانیاں ابوخیثمہ، ابوبکر بن ابی شیبہ، یحییٰ الحمانی، ابوزرعہ، عبیداللہ بن عبدالکریم الرازی اور ابوالحسین مسلم بن الحجاج نیشاپوری کے لئے مخصوص تھی۔ (۸) عبیداللہ بن سیار بیان کرتے ہیں کہ عراق میں کوئی بڑا امام ایسا نہیں ہے جس نے قتیبہ بن سعید سے روایت نہ کی ہو اور وہ بڑے سچے تھے۔ (۹)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۲، ص ۳۳ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۵۹ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۲، ص ۳۰

۴۔ شذرات الذھب، ج ۲، ص ۹۵ ۵۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۸ ۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۶۱

۷۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۶ ۸۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۶ ۹۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۴۶

کثرت حدیث: جیسا کہ مذکور ہوا شیخ قتیبہ نے حدیث کی جستجو میں ان تمام ملکوں کا سفر کیا تھا، جہاں ان کو حدیثوں کے ملنے کی امید ہو سکتی تھی۔ ان سفروں میں انہوں نے احادیث کا اتنا بڑا ذخیرہ فراہم کر لیا کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے فرمایا: ''اگر تم اس موسم سرما میں میرے پاس قیام کرو تو میں تم کو پانچ شخصوں کی روایت کی ہوئی، ایک لاکھ حدیثیں سناؤں گا''۔ شاگرد نے عرض کیا کہ ''غالباً ان میں ایک بزرگ تو عمر بن ہارون ہوں گے'' فرمایا نہیں صرف عمرو بن ہارون سے تو میں نے الگ سے تیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں، یہ ایک لاکھ حدیثیں تو وکیع بن الجراح، عبدالوہاب الثقفی، جریر الرازی، محمد بن بکر البرساخی سے منقول ہیں'' راوی کا بیان ہے کہ قتیبہ ابن سعید نے پانچویں بزرگ کا بھی نام لیا تھا لیکن میں بھول گیا۔(۱)

امام قتیبہ کی علمی زندگی کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ وہ شروع شروع میں قیاسی مسائل کی جستجو میں زیادہ لگے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان سے توشہ دان لٹک رہا ہے، لوگ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اس تک پہنچنے سے عاجز ہیں، پھر میں نے (قتیبہ نے) اس کو لینا چاہا تو میں اپنی سعی میں کامیاب ہو گیا، اب میں نے اس میں جھانک کر دیکھا تو مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کل کائنات نظر آ گئی، صبح کے وقت میں ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا جو خواب کی تعبیر بتانے میں بڑی شہرت رکھتے تھے، میں نے ان سے اپنا خواب بیان کیا، انہوں نے سن کر فرمایا: ''بیٹے اب تم روایات و آثار کی طلب میں مشغول ہو جاؤ، کیونکہ صرف روایات و آثار ہی مشرق و مغرب تک پہنچ سکتی ہیں، قیاسی مسائل میں اس درجہ وسعت کہاں؟

عام اہل علم کے برخلاف شیخ قتیبہ بڑے مالدار تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ: ''کان غنیاً متمولاً''(۲) ان کے پاس اونٹ بکریاں، گائیں اور گھوڑے وغیرہ بڑی کثرت سے تھے۔(۳)

حلیہ: ان کا حلیہ یہ تھا، میانہ قد و قامت، سر کے بال آگے سے غائب، پر رونق چہرہ، خوش وضع داڑھی، اخلاق و عادات کے لحاظ سے بڑے مہمان نواز اور خوش خلق تھے۔(۴)

وفات: ۲ شعبان ۲۴۰ھ میں اپنے وطن بغلان میں وفات پائی، اس وقت عمر ۹۱ سال تھی۔(۵)

۲۔ حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ:

نام و نسب: حفص نام اور کنیت ابو عمر تھی۔ پورا نسب نامہ یہ ہے۔ حفص بن غیاث بن طلق بن معاویہ بن مالک بن الحارث بن ثعلبہ بن عامر بن ربیعہ بن جشم بن وہبیل بن سعد بن مالک بن النخع۔(۶) یمن کے مشہور قبیلہ مذحج کی نخع نامی ایک شاخ کوفہ میں آباد ہو گئی تھی۔ اسی خاندانی تعلق کی بنا پر نخعی کہلاتے ہیں۔(۷)

پیدائش اور وطن: ابو عمر کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہشام بن عبدالملک کے ایام خلافت میں ہوئی۔ خود ان ہی کی زبانی منقول ہے کہ ''ولدت سنة سبع عشرة ومأة''(۸) کوفہ کی اس مردم خیز سرزمین کو ان کے وطن ہونے کا فخر حاصل ہے، جس کی خاک سے علماء و فضلاء کی کئی نسلیں اٹھی تھیں۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۹   ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ص ۳۰   ۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۸
۴۔ ایضاً   ۵۔ i- تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۳۶۰ ii- تذکرۃ الحفاظ، ج ۲، ص ۳۱
۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۲   ۷۔ کتاب الانساب ورق ۵۵۷
۸۔ i- تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۷۲ ii- ابن سعد، ج ۶، ص ۲۷۲

فضل وکمال: علمی حیثیت سے ابوعمر کا مرتبہ نہایت بلند تھا۔ انہوں نے مشاہیر تابعین سے فیض صحبت حاصل کیا تھا۔ حدیث وفقہ میں پوری مہارت رکھنے کے ساتھ استغناء وبے نیازی، حفظ واتقان اور سیر چشمی وفراخ دستی کا پیکر مجسم تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان کا قول ہے: (۱)

اوثق اصحاب الاعمش حفص بن غیاث — امام اعمش کے تلامذہ میں حفص بن غیاث سب سے زیادہ ثقہ تھے۔

ابن معین کا بیان ہے:

کان حفص بن غیاث صاحب حدیث له معرفة۔ — حفص بن غیاث محدث تھے اور انہیں اس میں پوری معرفت حاصل تھی۔

ابن القطان کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ میں ان تین کے مثل نہیں دیکھا یعنی حزام، حفص اور ابن ابی زائدہ۔ یہ سب اصحاب حدیث تھے۔ (۲)

حدیث: ابوعمر حفص اکابر حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ہزاروں روایات انہیں زبانی یاد تھیں۔ خطیب بغدادی رقمطراز ہیں:

کان حفص کثیر الحدیث حافظاً له ثبتا فیه و کان ایضاً مقدماً عند المشائخ اللذین سمع منهم الحدیث (۳) — ''حفص بن غیاث کثیر الحدیث، حافظ اور ثقہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے شیوخ سے بھی بلند مرتبہ تھے''۔

امام اعمش کے محبوب اور ارشد تلامذہ میں تھے۔ حتیٰ کہ ان کے حلقہ درس میں سوائے حفص اور ابومعاویہ کے کسی کو سوال کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے جن محدثین سے سماع حاصل کیا تھا ان میں امام اعمش کے علاوہ ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، سفیان ثوری، عاصم الاحول، ابن جریج، اسماعیل بن ابی خالد، عبیداللہ بن عمر، مصعب بن سلیم، ابی مالک الاشجعی، جعفر الصادق، ابواسحاق الشیبانی، لیث بن ابی سلیم، مسعر بن کدام علیہم السلام وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں۔ اسی تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی کافی وسیع ہے، جن میں سے کچھ ممتاز یہ ہیں، عمر بن حفص، ابونعیم، عفان بن مسلم، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، حسن بن عرفہ، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، عمرو بن محمد الناقد۔ ان کے علاوہ کوفہ کے دوسرے تمام محدثین بھی ان سے مستفید ہوئے۔

منصب قضا: ان کی زندگی کا سب سے زرین صفحہ قضاء وافتاء کے سلسلہ میں ان کی خدمات ہیں۔ کوفہ وبغداد میں وہ سالہا سال تک اس منصب کی زینت بنے رہے۔ بغداد کے مشرقی ومغربی حصوں میں ہمیشہ علیحدہ علیحدہ دو قاضیوں کا تقرر ہوا کرتا تھا۔ سب سے پہلے ۱۷۷ھ میں خلیفہ ہارون الرشید نے انہیں شرق بغداد کے منصب قضا پر فائز کیا تھا۔ اس وقت قاضی حفص کی عمر ۶۰ سال تھی۔ دو سال تک وہ بہت شوکت و دبدبہ کے ساتھ بغداد کے قاضی رہے۔ خلیفہ ان کی بڑی عزت وتکریم کرتا تھا۔ اور ان کے عدالتی فیصلوں کو بہت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اسی اثناء میں قاضی حفص نے ایک قرض دار مجوسی سردار کے مقدمہ میں دلائل وشواہد کی بنیاد پر اس کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ۲۹ ہزار کے اس قرض کا کچھ تعلق امام جعفر سے بھی تھا۔ چنانچہ اس نے خلیفہ پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ قاضی حفص کو معزول کر دیں۔ لیکن ہارون الرشید اس کے لئے کسی طرح تیار نہ ہوا، بلکہ وہ اس بے لاگ فیصلہ سے اس قدر مسرور ہوا کہ اس نے حفص بن غیاث کو تیس ہزار درہم دیئے جانے کا حکم دیا۔ لیکن پھر جب ان کی معزولی کے لئے امام جعفر کا دباؤ حد سے زیادہ ہوا تو ہارون نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ جہاں انہوں نے پوری شان سے ۱۳ سال تک اس منصب کی عزت بڑھائے رکھی۔ قاضی حفص نے کوفہ وبغداد کو ملا کر تقریباً ۱۵ سال تک اس فرض کو انجام دیا۔ اس طویل مدت میں انہوں نے کبھی بھی اس اعلیٰ عہدہ کی شان سے فروتر کوئی بات نہیں کی۔ جرأت، غیر جانبداری، حق گوئی اور بے باکی سے وہ زیر بحث قضایا میں اپنی رائے اور فیصلہ صادر فرمایا

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۲۰۰ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۱۹۷۔۱۹۸ ۳۔ ایضاً ص ۱۹۴

کرتے تھے، اس میں نہ تو کسی صاحب اقتدار کی پرواہ کرتے اور نہ ارباب ثروت کو خاطر میں لاتے، بلکہ کتاب وسنت اور دلائل نظائر کی روشنی میں جو بات قرین حق وانصاف معلوم ہوتی اسے بے باکانہ طور پر ظاہر کردیتے تھے۔

ہشام الرفاعی کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حفص بن غیاث مسند قضا پر بیٹھے اپنے کام میں منہمک تھے کہ خلیفہ ہارون کا قاصد ان کی طلبی کا پروانہ لے کر حاضر ہوا۔ قاضی حفص نے اس سے کہا کہ مقدمات سے فارغ ہو کر آؤں گا۔ کیونکہ میں عوام کا خادم ہوں۔ چنانچہ وہ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ اٹھے جب تک کہ تمام مقدمات کا فیصلہ کر کے فارغ نہ ہو گئے۔ اس منصب کی کڑی آزمائشوں سے وہ ہمہ وقت لرزاں رہا کرتے تھے اور اکثر بلک بلک کر رو دیا کرتے کہ ایسا گرانبار فریضہ میرے ناتواں کندھوں پر لاد دیا گیا ہے، نہ معلوم اس سے کما حقہ، عہدہ برآ ہو رہا ہوں یا نہیں، انہی کا قول ہے:

لان یدخل الرجل اصبعه فی عینه فیقة لعها فیری بها خیر له من ان یکون قاضیا (۱)

آدمی اپنی انگلی آنکھوں میں ڈال کر اسے نکال پھینکے یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قضا کا کام کرے۔

لیکن یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ انہوں نے عہدہ قضا کے تمام تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کیا۔ دوسرے قضاۃ میں ان کی نظیر بہت کم ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین نے ان کی اس حیثیت کو بہت نمایاں طور پر اجاگر کیا ہے۔ امام وکیع سے جب بھی کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو فرماتے: "اذھبوا الی قاضیا فاسئلوہ"۔ ولید بن ابی بدر کہتے ہیں کہ جب قاضی حفص منصب قضا سے سبکدوش ہوئے تو امام وکیع نے فرمایا: "ذھبت القضاہ بعد حفص" (۲) سجادہ کا بیان کہ حفص پر قضاءت کا خاتمہ ہو گیا۔ (۳)

حفظ واتقان: قاضی حفص کا حافظہ بھی نہایت قوی تھا، ہزاروں حدیثیں مع اسناد ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں، جنہیں اپنے تلامذہ کے سامنے بغیر کتاب روایت کیا کرتے تھے۔ ابن معین کا بیان ہے کہ:

جمیع ماحدث به حفص ببغداد والکوفه انما هو من حفظه لم یخرج کتاباً کتبوا عنه ثلاث الاف او اربعة الاف حدیث من حفظه۔ (۴)

"بغداد اور کوفہ میں حفص نے جتنی بھی حدیثیں روایت کیں سب صرف اپنے حافظہ سے بغیر کتاب کے بیان کیں۔ لوگوں نے اس طرح ان سے تین یا چار ہزار حدیثیں لکھی"۔

لیکن بعض علماء کا خیال ہے کہ قاضی ہو جانے کے بعد ان کے قوت حافظہ میں خلل پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ابوزرعہ کا قول ہے:

ماء حفظه بعد ما استقضی فمن کتب عنه من کتاب فهو صالح۔ (۵)

"قاضی بن جانے کے بعد وہ سوء حافظہ کا شکار ہو گئے تھے اس لئے جو ان کی کتاب سے روایت کرلے وہ قابل قبول ہے"۔

ثقاہت: حفص بن غیاث کی عدالت وثقاہت پر اکثر علماء کا اتفاق ہے۔ بلکہ ان کے مرتبہ تثبت واتقان کو بعض نے دوسرے کبار محدثین سے ارفع واعلیٰ قرار دیا ہے۔ ابوحاتم کا قول ہے۔ حفص تقن واحفظ من ابی خالد الاحمر" ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ (۶)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۴۱۵۔۴۱۶
۲۔ اخبار القضاۃ، ج ۳، ص ۱۸۴
۳۔ العبر فی خبر من غبر، ص ۳۱۴
۴۔ i- تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۷۲ ii- میزان الاعتدال، ج ۱، ص ۲۶۶
۵۔ خلاصہ تہذیب تھذیب الکمال، ص ۱۸۰
۶۔ تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۴۱۷

آخر میں عمر کی کبرسنی کی بناپر نسیان کا غلبہ ہوگیا تھا۔جس کی وجہ سے کبھی روایات میں فرق ہوجاتا تھا اور بعض اوقات تدلیس کا شبہ ہوجاتا تھا۔ابن سعد رقمطراز ہیں:

کان ثقه ماموناً کثیرا الحدیث الا انه کان یدلس۔(۱)　　وہ ثقہ اور مؤمن اور کثیر الحدیث تھے مگر وہ تدلیس بھی کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ نسیان سے پہلے حفص بن غیاث کی ثقاہت مسلم تھی۔

کثرت احتیاط: کسب حلال میں فرط احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اپنے عہدہ قضا کے دوران ایک مرتبہ پندرہ روز تک علالت کی بناپر فرائض منصبی انجام نہ دے سکے چنانچہ صحت یاب ہونے کے بعد سودرہم یہ کہہ کر عامل کو واپس بھجوادیے کہ:

هذه رزق خمسة عشرة یوماً لم اقضی فیها بین المسلمین لاحظ لی فیها۔(۲)　　"یہ ان پندرہ روز کا خرچ ہے جس میں میں نے مسلمانوں کا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔اس لئے اس رقم کو لینے کا مجھے کوئی حق نہیں"۔

استغنا: قاضی حفص بغداد وکوفہ کے (چیف جسٹس) تھے، جو حکومت کا بلند ترین عہدہ ہے۔دنیا اور اس کے الوان ونعم ان کے قدموں میں ڈھیر تھے،لیکن ان کی بے نیازی اور استغنا بھی اس مرتبہ ومقام کی نسبت سے ارفع تھی۔سرکاری خزانہ سے انہیں تین سودرہم ماہانہ وظیفہ ملتا تھا،لیکن وہ اس میں سے اپنے جملہ مصارف کے لئے صرف سودرہم رکھ کر باقی مستحقین میں تقسیم کردیتے تھے۔(۳)

سیر چشمی: اسی کے ساتھ وہ بہت ہی سیر چشم اور سخی واقع ہوئے تھے۔ابھی مذکور ہوا کہ اپنی تنخواہ میں وہ صرف سودرہم رکھتے اور ان کو بڑی فراخ دستی کے ساتھ خرچ کرڈالتے تھے۔ان کا دسترخوان بڑا وسیع ہوتا تھا،جس میں ان کے تلامذہ کے علاوہ بہت سے مقامی وبیرونی لوگ بھی شریک رہتے تھے،مزید برآں گاہ بگاہ پوری بستی کی دعوت بھی کرتے تھے۔امام وکیع کا قول ہے"وکان سخیاً عفیفاً مسلماً"(۴) ابوجعفر المسندی کہتے ہیں:

کان حفص بن غیاث من اسخی العرب و کان یقول من لم یاکل من طجامی الا احدثه واذا کان یوم ضیافته لا یبقی راس من الرواسبین۔　　"حفص بن غیاث عرب کے سب سے زیادہ سخی آدمی تھے۔وہ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص میرا کھانا نہیں کھائے گا اس سے میں حدیث بیان نہیں کروں گا۔جب ان کے یہاں دعوت کا دن ہوتا تو رواس کا کوئی شخص اس میں شرکت سے باقی نہیں رہتا تھا"۔

اسی فراخ دستی کا نتیجہ تھا کہ وہ عمر بھر عسرت کا شکار رہے اور رحلت کے وقت نہ صرف یہ کہ ان کے پاس ایک درہم بھی نہ تھا بلکہ نوسودرہم کے مقروض نکلے جو ان کے پسماندگان نے ادا کیا۔

حلیہ: قاضی حفص کے تفصیلی حلیہ کا تو ذکر نہیں ملتا،لیکن ابوبکر بن غیاث کے اس قول سے کچھ روشنی ملتی ہے،کہ جتنے نوجوان ہمارے پاس آتے ہیں ان میں حسن صورت کے اعتبار سے حفص بن غیاث کا کوئی ہمسر نہیں۔(۶)

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۶،ص۲۷۲　۲۔ تاریخ بغداد، ج۸،ص۱۹۱　۳۔ تاریخ بغداد، ج۸،ص۱۹۴
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۲۷۲　۵۔ طبقات ابن سعد، ج۶،ص۲۷۲　۶۔ تھذیب التھذیب، ج۲،ص۴۱۷

وفات: تاحیات ان کی یہ دلی تمنا رہی کہ وفات کے وقت قضاۃ کی زنجیروں سے آزاد ہوں۔ خداوند قدوس نے ان کی یہ آرزو پوری فرمائی اور وفات سے دو سال قبل عہدہ قضا سے ان کی علیحدگی کے سامان فراہم کر دیئے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد فالج کا شکار ہو گئے اور بالآخر امین کے عہد خلافت میں ۱۰ ذی الحجہ ۱۹۴ھ کو ان کی شمع حیات گل ہوئی۔(۱) امیر کوفہ فضل بن عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔(۲)

۳۔ اعمش (سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ):

نام ونسب: سلیمان نام، ابو محمد کنیت، اعمش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں، ان کے والد کا نام مہران تھا۔ مہران عجمی النسل تھے۔ ان کا آبائی وطن طبرستان تھا، ایک روایت یہ ہے کہ مہران دیلم کے کسی معرکہ میں گرفتار ہوئے، دوسرا بیان یہ ہے کہ اعمش کو کوفہ کے بنی کاہل کے ایک شخص نے خریدا تھا اور خرید کر آزاد کر دیا۔ بہرحال اتنا مسلم ہے کہ اعمش ابتدا میں غلام تھے، اور اس غلامی کی نسبت سے وہ کاہلی اور اسدی کہلاتے ہیں۔

پیدائش: اعمش حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن یعنی یوم عاشورہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔(۳)

فضل وکمال: اگرچہ اعمش کا آغاز غلامی سے ہوا، لیکن ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد تھی۔ خوش قسمتی سے مرکز علم کوفہ میں ان کی نشوونما ہوئی، اس لئے آگے چل کر وہ کوفہ کی مسند علم و افتاء کی زینت بنے، ان کے علمی اور عملی کمالات پر تمام ارباب سیر وطبقات کا اتفاق ہے، ابن حجر اور حافظ ذہبی ان کو "عابد مرتاض علامۃ الاسلام وشیخ الاسلام" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔(۴) عیسیٰ بن یونس کہتے تھے کہ ہم نے اور ہمارے قبل والے قرن کے لوگوں نے اعمش کا مثل نہیں دیکھا۔(۵) ان جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ اعمش کتاب اللہ کے بڑے قاری، احادیث کے بڑے حافظ اور علم فرائض کے ماہر تھے۔(۶) قرآن کے ساتھ ان کو خاص ذوق تھا، علوم قرآنی میں وہ راس العلم شمار کئے جاتے تھے،(۷) ہشیم کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں اعمش سے بڑا قاری قرآن نہیں دیکھا۔(۸) قرآن کا مستقل درس دیتے تھے، لیکن آخر عمر میں کبرسنی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، لیکن شعبان میں تھوڑا قرآن ضرور سناتے تھے۔ قراءت میں وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پیرو تھے۔ ان کی قراءت اتنی مستند تھی کہ لوگ اس کے مطابق اپنے قرآن درست کرتے تھے۔(۹)

حدیث: حدیث رسول میں ان کی معلومات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، حافظ ذہبی انہیں شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ ابن مدائنی کا بیان ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں چھ آدمیوں نے علم (حدیث) کو محفوظ کیا تھا، مکہ میں ابن دینار، مدینہ میں زہری، کوفہ میں ابو اسحاق سبیعی اور اعمش اور بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن کثیر نے(۱۰) ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اعمش کو سید المحدثین کہتے تھے۔(۱۱) ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد تیرہ سو ہے،(۱۲) اور بعض روایات کے مطابق چار ہزار۔ محدث زہری اہل عراق کے علم کے قائل نہ تھے، اسحاق بن راشد نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ کوفہ میں اسد کا ایک غلام ہے جس کو چار ہزار حدیثیں یاد ہیں، زہری نے تعجب سے پوچھا، چار ہزار، اسحٰق نے کہا ہاں چار ہزار اگر آپ کہیں تو میں اس کا کچھ حصہ لا کر آپ کے سامنے پیش کروں۔ چنانچہ انہوں نے اعمش کی مرویات کا کچھ حصہ ان کے سامنے پیش کیا۔ زہری اس کو پڑھتے جاتے تھے، اور حیرت سے ان کا رنگ بدلتا جاتا تھا، مجموعہ ختم کرنے کے بعد بولے خدا کی قسم اسے علم کہتے

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۲۷۲ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۸ ص ۲۰۰ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۶ ص ۲۲۹
۴۔ i- تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۳۸ ii- تھذیب التھذیب، ج ۴ ص ۲۲۳ ۵۔ تاریخ خطیب، ج ۹ ص ۸
۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۳۸ ۷۔ تھذیب التھذیب، ج ۴ ص ۲۲۳ ۸۔ تاریخ خطیب، ج ۹ ص ۶ ۹۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۲۳۸
۱۰۔ تھذیب التھذیب، ج ۴ ص ۲۲۳ ۱۱۔ خطیب بغدادی، ج ۹ ص ۱۱ ۱۲۔ شذرات الذھب، ج ۱ ص ۲۲۱

ہیں مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ کسی کے پاس اتنا علم محفوظ ہوگا۔(۱) شعبہ کہتے تھے کہ حدیث میں مجھ کو جو تشفی اعمش سے ہوئی وہ کسی سے نہیں ہوئی، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں، قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے تھے کہ کوفہ میں اعمش سے زیادہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث کا جاننے والا نہیں ہے۔(۲)

مرویات کا پایہ: ان کی مرویات کیفیت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجہ کی تھیں چنانچہ وہ اپنی صداقت اور روایتوں کے معیار کی بلندی کے اعتبار سے مصحف کہے جاتے تھے،(۳) ابن عمار کہتے تھے کہ محدثین میں اعمش سے زیادہ اثبت کوئی نہیں،(۴) جریر ان کی روایات کو دیبائے خسروانی کہتے تھے۔(۵)

احتیاط: اس علم کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے، اور زیادہ حدیث بیان کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے، لوگوں سے کہتے تھے کہ جب تم لوگ (حدیث سننے کے لئے) کسی کے پاس جاتے ہو تو اس کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتے ہو، خدا کی قسم یہ لوگ شر الناس ہیں۔

شیوخ وتلامذہ: حدیث میں انہوں نے زیادہ تر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ان کے بعد انس بن مالک رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ، زید بن وھب، ابووائل، ابوعمر شیبانی، قیس بن ابی حازم، اسماعیل بن رجاء، ابوصخرہ، جامع بن شداد، ابوزبیان بن جندب، امام شعبی، ابراہیم نخعی اور مجاہد بن جبیر رحمہم اللہ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے تلامذہ میں حکم بن عتیبہ، زبید الیامی، ابواسحاق سبیعی، سلیمان تیمی، سہیل بن ابوصالح، محمد ابن واسع، شعبہ، ابراہیم بن طہمان اور جریر بن حازم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

محدثین کے مراتب پر نظر: حدیث میں ان کے کمال کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ اس عہد کے بڑے بڑے محدثین کے علم پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اور ان کے نزدیک سب کا ایک خاص درجہ متعین تھا، ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اور محدثین کے پاس سے ہوکر آخر میں اعمش کے پاس جاتے تھے، وہ ہم سے سوال کرتے، کس کے پاس سے آئے ہو؟ ہم بتاتے کہ فلاں شخص کے پاس سے۔ نام سن کر وہ کہتے وہ پھٹا ہوا طبل ہے، پھر پوچھتے ان کے بعد کہاں گئے، ہم لوگ بتاتے فلاں کے پاس، وہ کہتے وہ اڑنے والے طائر ہیں، پھر پوچھتے ان کے بعد ہم لوگ نام بتاتے، فرماتے وہ دف ہیں۔(۶)

فقہ وفرائض: فقہ وفرائض میں بھی وہ پورا درک رکھتے تھے، فقہاء ان کو اپنا سردار رکھتے تھے۔(۷) فرائض میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت رکھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ فرائض کے بڑے عالم تھے، ان سے پہلے ابراہیم فرائض کے عالم مانے جاتے تھے، اور لوگ اس فن میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد اعمش کی ذات مرجوعہ بن گئی تھی۔(۸)

عبادت وریاضت: علم کے ساتھ وہ عمل میں بھی یہی درجہ رکھتے تھے۔ یحییٰ قطان کا بیان ہے کہ وہ عابد وزاہد تھے۔(۹) یحییٰ بن سعید انہیں عباد وقت میں شمار کرتے تھے۔ خریبی کا بیان ہے کہ اعمش نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے بڑا عبادت گزار نہیں چھوڑا،(۱۰) حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم نافع اور عمل صالح دونوں کے سردار تھے۔(۱۱) نماز باجماعت میں یہ اہتمام تھا کہ ستر سال تک تکبیر اولیٰ تک قضا نہیں ہوئی۔(۱۲)

۱۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۲۳۹ — ۲۔ تاریخ خطیب، ج ۹ ص ۱۰ — ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۳۸
۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۴ ص ۲۲۳ — ۵۔ تاریخ خطیب، ج ۹ ص ۱۰۷ — ۶۔ تاریخ خطیب، ج ۹ ص ۱۱
۷۔ تاریخ خطیب، ج ۹ ص ۸ — ۸۔ ایضاً ص ۹ — ۹۔ ایضاً ص ۸
۱۰۔ تھذیب التھذیب، ج ۴ ص ۲۲۴ — ۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۳۸ — ۱۲۔ تاریخ خطیب، ج ۹ ص ۸

امراء سے استغناء: اعمش خاصان خدا اور صلحائے امت کی طرح دولت دنیا سے بالکل تہی دامن تھے، معیشت کی طرف سے بھی ان کو پورا اطمینان نہ تھا، لیکن اس فقر واحتیاج کے باوجود امراء اور ارباب دولت سے نہ صرف بے نیاز تھے بلکہ ان کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ اعمش کی فقر واحتیاج کے باوجود میں نے ان سے زیادہ امراء اور سلاطین کو کسی کی نگاہ میں حقیر نہیں پایا۔(۱) امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی، لیکن ان کی مجلس میں اغنیا اور سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے۔(۲)

ان کی جرأت کا ایک واقعہ: امراء کے مقابلہ میں ان کی جرأت وبے باکی کا یہ واقعہ لائق ذکر ہے۔ خلیفہ ہشام نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل اور علی رضی اللہ عنہ کی برائیاں میرے لئے قلمبند کردیجئے، انہوں نے شاہی قاصد کے سامنے اس خط کو بکری کو کھلا دیا اور قاصد سے کہا یہ تمہاری تحریر کا جواب ہے۔ جب قاصد نے جواب کے لئے زیادہ اصرار کیا تو یہ جواب لکھا: "بسم اللہ الرحمن الرحیم !امابعد ! اگر عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات میں ساری دنیا کے انسانوں کی خوبیاں جمع ہوں تو بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور اگر علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں دنیا بھر کی برائیاں مجتمع ہوں تو اس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، تم کو صرف اپنے نفس کی خبر رکھنی چاہیے۔(۳)

فیاضی: طبعاً بڑے فیاض تھے، ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ "ہم لوگ جب اعمش کے پاس جاتے تھے، تو ہم کو کچھ نہ کچھ کھلاتے تھے۔(۴)

نفس کی تحقیر: ان ظاہری وباطنی کمالات کے باوجود اپنی ذات کو بالکل حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے، چنانچہ وصیت کی تھی کہ "جب میں مرجاؤں تو کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دی جائے اور مجھ کو میرے رب کے پاس لے جاکر لحد میں پھینک دیا جائے، میں اس سے بھی فروتر اور حقیر ہوں کہ لوگ میرے جنازہ میں شرکت کریں۔(۵)

وفات: باختلاف روایت ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔(۶)

۴۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب: ابراہیم نام، ابوعمران کنیت، نسب نامہ یہ ہے: ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو بن حارثہ ابن سعد بن مالک بن نخع۔ نخعی قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا، اور کوفہ میں آباد تھا۔

فضل وکمال: فضل وکمال کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کوفہ کے ممتاز تابعین میں سے تھے، ان کا گھرانہ علم کا گہوارہ تھا، ان کے چچا علقمہ اور ماموں اسود دونوں کوفہ کے ممتاز محدثین میں تھے، ابراہیم نے انہی کے دامن میں پرورش پائی، علقمہ کا حلقہ درس اتنا وسیع تھا کہ محمد بن سیرین جیسے اکابر اس میں شریک ہوتے تھے، ابراہیم بھی اس حلقہ کے فیض یافتہ تھے،(۷) اس کے علاوہ علقمہ اور اسود کے سلسلہ سے ابراہیم کو اس عہد کی بڑی بڑی ممتاز ہستیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا، چنانچہ بچپن میں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آتے جاتے تھے، ابومعشر کا بیان ہے کہ ابراہیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آتے جاتے تھے، ایوب نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بچپن میں بلوغ کے پہلے اپنے چچا اور ماموں علقمہ اور اسود کے ساتھ حج کو جاتے تھے، اور ان لوگوں کو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت وارادت اور ان کی مجلسوں میں ان صاحبوں کی آمد ورفت تھی۔(۸) گو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابراہیم کا سماع ثابت نہیں ہے۔ لیکن ان کی

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۲۲۴ ۲۔ طبقات کبریٰ امام شعرانی، ج ۱، ص ۳۸ ۳۔ شذرات الذہب، ج ۱، ۲۲۱

۴۔ تاریخ خطیب، ج ۹، ص ۱۱ ۵۔ طبقات کبریٰ، ج ۱، ص ۳۸ ۶۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، حصہ تابعین، ص ۳۱۔۳۴

۷۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۱۹ ۸۔ تہذیب الاسماء ق اول، ج ۱، ص ۱۰۴

جیسی برگزیدہ ہستیوں کی مجلس میں شریک ہوجانا ہی حصول برکت وسعادت کے لئے کافی تھا۔ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابراہیم کا دامن دولت علم سے مالا مال کردیا تھا۔اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق جلالت اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے،ابوزرعہ نخعی کہتے ہیں کہ وہ اعلام اہل اسلام میں ایک علم تھے۔(۱) ان کو حدیث وفقہ دونوں علوم میں بڑی دسترس حاصل تھی۔

حدیث: حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے،حافظ ذہبی ان کو دوسرے طبقہ کے حفاظ میں شمار کرتے ہیں۔حدیث میں انہوں نے اپنے ماموں اسود اور عبدالرحمٰن بن یزید اور مسروق،علقمہ،ابومعمر،ہمام،ابن حارث،قاضی شریح اور سہم بن منجاب وغیرہ سے استفادہ کیا تھا اور اعمش،منصور،ابن عون، زبید الیمانی،حماد بن سلیمان اور مغیرہ بن مقسم ضبی وغیرہ ان کے تلامذہ تھے۔(۲) حدیث میں ان کی معلومات اس قدر وسیع تھی کہ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کے بارے میں میری معلومات میں اضافہ کردیا۔(۳) ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعبی کی مرسل روایات سے زیادہ پسند کرتے تھے۔(۴)

روایت بالمعنی: روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے،اور بالمعنی روایت کافی سمجھتے تھے۔(۵)

انتساب رسول میں احتیاط: لیکن اسی کے ساتھ وہ روایت کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منسوب کرنے میں بڑے محتاط تھے اور مرفوع روایت کے حفظ کے باوجود انہیں روایت نہ کرتے تھے،ابوہاشم کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے پوچھا،کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے،جس کو آپ ہم سے بیان کریں،جواب دیا کیوں نہیں،لیکن عمر،عبیداللہ،علقمہ اور اسود سے روایت کرنا اپنے لئے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔

فقہ: ابراہیم کا خاص فن فقہ تھا،اس فن کے وہ امام تھے۔ان کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔(۶) حافظ ذہبی انہیں فقیہ عراق اور امام نووی فقیہ کوفہ لکھتے ہیں،امام شعبی نے ان کی وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا،لوگوں نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں،شعبی نے جواب دیا نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ،کوفہ،حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں،(۷) بڑے بڑے علماء فقہی مسائل کے سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لئے آتا تو اس سے کہتے ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو،(۸) ابووائل کے پاس جب کوئی مستفتی جاتا تو اس کو ابراہیم کے پاس بھیج دیتے اور اس سے کہہ دیتے کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا۔(۹)

اظہار علم سے احتراز: ان کمالات کے باوجود وہ علم کا اظہار کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے،چنانچہ بغیر سوال کئے ہوئے کبھی خود سے کوئی علمی تذکرہ نہ کرتے تھے۔(۱۰) اور سوالات سے بھی گھبراتے تھے۔زبید کا بیان ہے کہ جب کبھی ابراہیم سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا تو ان میں ناگواری کے آثار نظر آئے۔(۱۱)

ذمہ داری کا احساس اور احتیاط: اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ علم کی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے۔چنانچہ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ تھا جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور اب یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھا ہے۔مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ علم کے متعلق ایک

۱۔ تھذیب الاسماء،ق ا،ج ا،ص ۱۰۴ ۲۔ تھذیب التھذیب،ج ا،ص ۱۷۷ ۳۔ ابن سعد،ج ۶،ص ۱۸۹
۴۔ تھذیب التھذیب،ج ا،ص ۱۷۷ ۵۔ ابن سعد،ج ۶،ص ۱۹ ۶۔ تھذیب الاسماء،ق ا،ج ا،ص ۱۰۴
۷۔ تھذیب الاسماء،ق ا،ج ا،ص ۱۰۲ ۸۔ ابن سعد،ج ۶،ص ۱۸۹ ۹۔ ایضاً ص ۱۹۰
۱۰۔ تذکرۃ الحفاظ،ج ا،ص ۶۴ ۱۱۔ طبقات ابن سعد،ج ۶،ص ۱۸۹

کلمہ بھی منہ سے نہ نکالوں، جس زمانے میں میں فقیہ ہوا وہ بہت ہی برا زمانہ ہے، (۱) میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جب وہ مجمعوں میں ہوتے تھے تو اپنی بہترین احادیث بھی نہ بیان کرتے تھے۔ اس ذمہ داری اور احتیاط کی وجہ سے مسائل کے جوابات میں بڑے محتاط تھے، اعمش کا کہنا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابراہیم سے کہا کہ میں چند مسائل آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، فرمایا: "میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں کسی شے کے متعلق کہوں کہ وہ اس طرح ہے اور وہ اس کے خلاف ہو۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ شہرت اور ریاء کو سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو وہ اس کے وسیلہ سے سیدھا جہنم میں گرتا ہے، نہ کہ جس کی شروع سے آخر تک یہی نیت ہو۔ (۲)

استفادہ کے مخصوص اوقات: لیکن اس احتیاط کے باوجود انہوں نے اپنی ذات سے استفادہ کا دروازہ بند نہیں کر دیا تھا، وہ مسائل بتاتے تھے، اور اس کے لئے خاص اوقات مقرر تھے جن میں ہر شخص مسائل پوچھ سکتا تھا، اور آپ اس کے جواب دیتے تھے۔ حسن بن عبید اللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے حدیث بیان کریں گے، جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں فلاں شخص کی طرح ہو جاؤں، اگر تم کو اس کی خواہش ہے تو قبیلہ کی مسجد میں آیا کرو۔ وہاں جب کوئی شخص پوچھے گا تو تم بھی جواب سن لو گے۔ (۳)

تحریر پر حفظ کو ترجیح: بعض قدما اور اسلاف کی طرح ابراہیم کو علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ پر اعتماد تھا، چنانچہ وہ لکھتے نہ تھے، فضیل کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ میں نے مسائل کو کتاب میں جمع کیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ انہوں نے کہا کہ جب انسان لکھ لیتا ہے تو اس پر اس کو اعتماد ہو جاتا ہے، اور جب انسان علم کی جستجو کرتا ہے، تو خدا اس کو بقدر کفایت علم عطا فرماتا ہے۔ (۴)

فضائل اخلاق: اس علم کے ساتھ وہ عمل اور فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔

عبادت وریاضت: نہایت عابد وزاہد اور متورع تھے، راتوں کی تنہائی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے، طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تھے، اس وقت ابراہیم ایک عمدہ لباس پہن کر خوشبو لگا کر مسجد چلے جاتے، صبح تک وہیں رہتے، صبح کو حلہ اتار کر پھر معمولی لباس پہن لیتے تھے۔ (۵) عبادت کے اثر سے بالکل چور اور خستہ ہو جاتے تھے۔ اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم اکثر نماز پڑھ کر ہمارے یہاں آتے تھے، دن چڑھے تک یہ حال رہتا تھا کہ بیمار معلوم ہوتے تھے۔ (۶) ایک دن ناغہ دے کر پابندی کے ساتھ روزے رکھتے۔ (۷)

صحت عقیدہ: عقیدہ میں سلف کے عقائد سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ ارجاء کا عقیدہ رکھنے والوں کے، جو کوئی اہم شے نہیں ہے اور بعض تابعین بھی اس عقیدہ کے، سخت خلاف تھے، فرماتے تھے ارجاء بدعت ہے، تم لوگ ہمیشہ اس سے بچتے رہو، مرجئہ کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے پاس آنے والوں میں جس کے خیالات میں ارجاء کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر آتا ان کو آنے سے منع کر دیتے۔ (۸)

انتہائی احتیاط: صلحاء اور خیار امت سے طلب دعا کی ممانعت نہیں ہے، اور اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا عمل بھی رہا ہے، لیکن چونکہ اس سے بعض بدعات کا دروازہ کھلتا ہے، اور عوام کے عقیدوں میں اس سے ضعف پیدا ہوتا ہے، اس لئے اسے پسند بھی نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ ابو عمران دعا کیجئے کہ خدا مجھے شفا عطا فرمائے، ان کو یہ درخواست گراں گزری اور اس شخص سے کہا کہ ایک مرتبہ

۱۔ طبقات کبریٰ امام شعرانی، ج ۱، ص ۳۶　۲۔ طبقات کبریٰ امام شعرانی، ج ۱، ص ۳۶
۳۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۱۹۰　۴۔ ایضاً ص ۱۸۹　۵۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۱۹۳
۶۔ ایضاً ص ۱۹۵　۷۔ ایضاً ص ۲۹۱　۸۔ ایضاً ص ۱۹۰۔۱۹۱

ایک شخص نے حذیفہ سے مغفرت کی دعا کی درخواست کی۔انہوں نے دعا کی بجائے کہا کہ خداتمہاری مغفرت نہ فرمائے، یہ سن کروہ شخص الگ ہٹ گیا۔تھوڑی دیر کے بعد حذیفہ نے اس کو بلا کر دعا کی کہ خداتم کو حذیفہ کی جگہ داخل کرے۔اس دعا کے بعد اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ اب تم راضی ہو، تم میں سے بعض اشخاص ایک شخص کے عقیدہ کے ساتھ جاتے ہیں، کہ اس نے تمام مراتب حاصل کر لئے ہیں، اور وہ کوئی بلند ہستی بن گیا ہے۔یہ واقعہ سنا کر ابراہیم نے سنت کا تذکرہ کر کے اس کی پابندی کی تلقین کی اور بدعتوں کا ذکر کر کے ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔(۱)

مساحت: لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے، اوران میں سختی ناپسند کرتے تھے، ایک دن آپ کے یہاں دو آدمی آئے، ان میں سے ایک کا بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے۔فرقد سنجی نے ابراہیم سے کہا کہ ابوعمران، اس شخص کو بند کھولنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع نہیں کرتے، ابراہیم نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں بنی اسد کی سنگدلی پیدا ہوگئی ہے یا بنی تمیم کی سختی؟ ان میں سے اس شخص کو گرمی معلوم ہو رہی تھی، اس نے بند کھول دیا اور دوسرا شخص نماز کے وقت بال کھول دیتا ہے۔(۲)

اختلاف صحابہ میں سکوت: صحابہ کرام کے اختلافات پر تنقید اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی کی جانب داری ناپسند کرتے تھے اوران مسائل میں سکوت سے کام لیتے تھے، ان کے ایک شاگرد نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختلاف کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کہا نہ میں سبائی ہوں نہ مرجی، اس طرح ایک مرتبہ ایک اور شخص نے ان سے کہا مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت ہے، انہوں نے کہا اگر علی رضی اللہ عنہ تمہارا یہ خیال سنتے تو تم کو سزا دیتے، اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو، فرماتے تھے کہ مجھ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت ہے، لیکن میں آسمان سے منہ کے بل گرنا پسند کرتا ہوں، اور یہ گوارا نہیں ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی قسم کا سوئے ظن رکھوں۔(۳)

تواضع وانکساری: ابراہیم بایں جلالت شان نہایت خاموش، عزلت نشین، بے تکلف اور سادہ مزاج تھے، تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ ٹیک لگا کر بیٹھنے تک کا امتیاز بھی گوارا نہ تھا۔(۴) کبھی کبھی حصول اجر کے لئے دوسروں کا بوجھ تک اٹھا لیتے تھے، اعمش کا بیان ہے کہ میں نے بسا اوقات ابراہیم کو بوجھ اٹھائے ہوئے دیکھا ہے، وہ کہتے تھے کہ میں حصول اجر کے لئے ایسا کرتا ہوں۔

سلاطین اور امراء سے تعلقات: سلاطین وامراء کے ساتھ ابراہیم کے دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں میں باہم ہدایا وتحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔اکثر ممتاز امراء ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔(۵) یہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے، اور اسے برا سمجھتے تھے کہ خدا کسی کو کوئی شے عطا فرمائے اور وہ اس سے انکار کرے۔(۶) لیکن وہ ہدایا لینے کے ساتھ ان کا بدلہ بھی کرتے تھے۔(۷)

ظالم امراء کی مخالفت: البتہ ظالم اور جفا کار امراء کے سخت خلاف رہتے تھے، اسی لئے ان میں اور حجاج میں کبھی نہ بنتی تھی، وہ آپ کا سخت دشمن تھا، ابراہیم اسے برا بھلا کہا کرتے تھے، اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں سوال کیا، آپ نے جواب دیا خدا خود قرآن میں فرماتا ہے: حجاج کی موت پر اس قدر مسرور ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے اور آنکھوں سے اشک مسرت رواں ہو گئے۔(۸)

۱۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۱۹۳ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۱۹۲

۴۔ i- تھذیب التھذیب، ج ۱ ص ۷۷ ii- تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۶۴ ۵۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۱۹۳

۶۔ ایضاً ص ۱۹۴ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۶۴ ۸۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۱۹۵

وفات: حجاج کی موت کے چند مہینے بعد بیمار پڑے، دم آخر نہایت مضطرب و بے قرار تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا اس سے زیادہ خطرہ کا وقت کون سا ہوگا کہ خدا کا قاصد جنت یا دوزخ کا پیام لے کر آئے گا، میں اس پیام کے مقابلہ میں قیامت تک موجودہ صورت کا قائم رہنا پسند کرتا ہوں۔ (۱) اسی علالت میں آغاز ۹۶ھ میں انتقال کیا، باختلاف رائے انتقال کے وقت انچاس یا پچاس سے کچھ اوپر عمر تھی۔ (۲)

حلیہ ولباس: ابراہیم نہایت خوش لباس تھے، رنگین اور بیش قیمت پوشاک پہنتے تھے، زعفرانی اور سرخ رنگ کا لباس استعمال کرنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ جاڑوں کے لباس میں سمور کی سنجاف لگی ہوتی تھی، سمور کی ٹوپی لیتے تھے۔ عمامہ بھی باندھتے تھے لوہے کی انگوٹھی پہنتے تھے اس کا نقش "ذباب اللہ ونحن لہ" (۳) تھا۔ امام شعرانی کا بیان ہے کہ اپنے کو چھپانے کے لئے رنگین کپڑے پہنتے تھے تا کہ یہ نہ معلوم ہو کر قراء کی جماعت سے ہیں یا دنیاداروں کی۔ (۴)

حکیمانہ اقوال: آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ اور پر موعظت ہیں، فرماتے تھے کہ:

۱۔ انسان چالیس سال تک جس سیرت پر قائم رہے، پھر وہ نہیں بدل سکتی۔

۲۔ ایمان کے بعد آدمی کو سب سے بڑی دولت تکلیفوں پر صبر کی عطا کی گئی ہے، اسی لئے بیماری کا حال بیان کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اس کو چاہئے کہ پہلے اچھا کہے، اس کے بعد اصل حالت بیان کرے کہ شکوۂ غم بھی شان صبر کے خلاف ہے۔ (۵)

۳۔ انسان کے لئے یہ معصیت کافی ہے کہ لوگ دنیا یا دین کے معاملہ میں اس پر انگشت نمائی کریں۔ (۶)

۵۔ ھمام:

آپ کا نام ھمام بن حارث بن قیس بن عمرو نخعی کوفی (م: ۶۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ، عابد، تابعی راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۷)

۶۔ جریر بن عبداللہ: راجع: ۵۱

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ یہ سداسیات کے اعتبار سے باونویں (۵۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

۱۔ ابن خلکان، ج ۱ ص ۳ ۲۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۱۹۹ ۳۔ ابن سعد، ج ۶ ص ۱۹۶۔۱۹۷

۴۔ طبقات امام شعرانی، ج ۱ ص ۳۶ ۵۔ ابن سعد، ج ۶، تذکرہ ابراھیم نخعی ۶۔ طبقات امام شعرانی، ج ۱ ص ۳۶

۷۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۵۶۱ ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲ ص ۳۲۷

☆ سند میں شیخ بغلانی کے علاوہ تمام راوی کوفی ہیں۔

☆ حضرت جریر بن عبداللہ نبی کریم ﷺ کی وفات مبارکہ سے چالیس دن قبل اسلام لائے تھے۔

☆ سند میں تین تابعی راوی ہیں، یعنی حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ہمام رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ تینوں نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

توضا: آپ رضی اللہ عنہ نے وضو کیا	مسح: آپ رضی اللہ عنہ نے مسح کیا
خفیه: اپنے دونوں جوتے	اتمسح: کیا آپ رضی اللہ عنہ مسح کرتے ہیں؟
رایت: میں نے دیکھا	اصحاب عبداللہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگرد
یعجبهم: وہ پسند کرتے تھے	بیسیر: چند دن۔ چند روز

۱۱۹۔ اَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ قَالَ حَدَّثَنَا حَرْبُ بْنُ شَدَّادٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيرٍ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ اَبِيهِ اَنَّهُ رَاَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، تو آپ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۰۴۔۲۰۵، ابن ماجہ: ۵۶۲، احمد: ۱۷۲۴۵، السنن الکبریٰ: ۱۲۶، تحفۃ الاشراف: ۱۰۷۰۱، ابن خزیمہ: ۱۸۱، مصنف ابن ابی شیبہ، ج۱، ص۷۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے دو کے حالات پہلے گزر چکے ہیں، باقی پانچ کے درج ذیل ہیں:

۱۔العباس بن عبدالعظیم:

آپ کا نام ابوالفضل عباس بن عبدالعظیم بن اسماعیل بن توبہ عنبری مروزی بصری (م: ۲۴۶ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ کبار سے ثقہ، حافظ، صدوق، مامون راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے تعلیقا روایت کی ہے۔(۱)

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۶، ص۲۱۶ ii۔تقریب التهذیب، ج۱، ص۳۷۸

۴۔عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی بھی غلامان اسلام میں تھے۔مگر زمرہ تبع تابعین میں ان کا شماران ممتاز محدثین میں ہوتا ہے جن کے ذریعہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین وحفاظت ہوئی حدیث ورجال میں ان کی رائے حضرت یحییٰ بن معین اور ابن قطان وغیرہ کے ہم پلہ سمجھی جاتی ہے۔

نام ونسب: عبدالرحمٰن نام، ابوسعید کنیت تھی، والد کا نام مہدی تھا، یہ قبیلہ از دبصری کے غلام تھے،اس لئے ان کو بھی اہل تذکرہ بصری لکھتے ہیں۔(تاریخ بغداد اور تہذیب وغیرہ)ان کی ایک اور نسبت لولوی بھی ہے۔اس نسبت کے بارے میں سمعانی نے لکھا ہے کہ ان کے یہاں موتیوں (لولو) کی تجارت ہوتی تھی۔اس پیشہ کی نسبت سے ان کو لولوی بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

ولادت، ماحول اور تعلیم وتربیت: خلافت عباسیہ کے آغاز ۱۳۵ھ میں یہ بصرہ میں پیدا ہوئے۔عراق میں اس وقت دو مقام کوفہ وبصرہ خاص طور سے گہوارہ علم وفضل بنے ہوئے تھے، بصرہ میں جہاں دینی علوم کے متعدد چشمے ابل رہے تھے، وہیں دوسری قوموں کے اختلاط سے غیر دینی رجحانات اور غلط افکار بھی دین کے چشمہ صافی میں مختلط ہو رہے تھے، اس اختلاط سے جہاں بہت سے برے نتائج پیدا ہوئے، ان میں ایک مذہبی قصہ گوئی بھی ہے، اس قصہ گوئی کو رواج دینے میں عام مجالس پندونصائح کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔اس وقت بصرہ میں امام حسن بصری کی مجالس پندونصائح کا بڑا چرچا تھا۔مگر وہ اس بارے میں انتہائی محتاط تھے، ان کے بعد یہ احتیاط باقی نہیں رہی، اور اہل لوگوں کے ساتھ بہت سے نااہل بھی اس بزم کے مسندنشین بن گئے۔چونکہ یہی دور دینی علوم اور خاص طور پر حدیث کی تدوین وتربیت کا بھی تھا اس لئے بڑی آسانی سے یہ روایتیں ذخیرۂ تفسیر وحدیث میں داخل ہو گئیں۔ابن مہدی نے آنکھ کھولی تو بصرہ میں قصہ گوئی کا عام رواج ہو چکا تھا۔چنانچہ ان کے علمی نشوونما کا آغاز قصہ گویوں کی صحبت ہی سے ہوا۔ابو عامر عقدی کہتے ہیں کہ وہ قصاص کے پاس جایا کرتے تھے۔ایک دن میں نے ان سے کہا کہ ان قصہ گویوں کی صحبت سے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آئے گا، چنانچہ میری یہی نصیحت ان کو علم حدیث کی طرف مائل کرنے کا سبب بن گئی۔پھر یہ طلب اتنی بڑھی کہ بصرہ سے سینکڑوں میل دور دیار نبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مدینہ منورہ پہنچے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شریک ہو کر طلب علم کی پیاس بجھائی۔(۲)

شیوخ: انہوں نے کبار تابعین کا زمانہ تو نہیں پایا تھا مگر پھر بھی ان کے زمانہ میں تابعین کی ایک معتد بہ تعداد موجود تھی، انہوں نے ان سے اور ممتاز تبع تابعین سے استفادہ کیا تھا۔ان کے اساتذہ کے چند نام یہ ہیں۔

ایمن بن نابل، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام مالک، امام شعبہ، مالک بن معول، خالد بن دینار، مہدی بن میمون وغیرہ۔

درس وتدریس: ذہانت وذکاوت اور قوت حافظہ میں ابتداہی سے ممتاز تھے۔چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ زمانہ طالب علمی ہی سے استاذ بن گئے تھے۔خود ان کا بیان ہے کہ جس زمانے میں میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں داخل ہو کر استفادہ کر رہا تھا، اس زمانے میں بہت سے طالبان حدیث مجھ سے نقل روایت کرتے تھے۔(۳)

امام مالک کی مجلس درس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ نہایت باوقار اور سنجیدہ ہوتی تھی، جب تک درس کا سلسلہ جاری ہوتا تھا کوئی

۱۔ کتاب الانساب ۲۔ تاریخ بغداد، ج۱۰، ص۲۴۰ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج۶، ص۲۸۰

شخص اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا تھا۔ اور نہ خود امام پہلو بدلتے تھے۔ یہی حال ابن مہدی کی مجلس درس کا بھی تھا۔ احمد بن سنان اس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔ جب تک درس ہوتا رہتا تھا کوئی مجلس میں بات چیت نہیں کرتا تھا۔ نہ کوئی قلم بناتا تھا اور نہ مجلس سے اٹھ کر جا سکتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حاضرین نماز میں شریک ہیں یا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ (۱)

بہت سے ممتاز آئمہ نے ان سے استفادہ کیا تھا، چند استفادہ کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن مبارک، اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین علی بن المدینی، امام زہلی استاذ امام بخاری وغیرہ۔

ان کے فضل وکمال کے بارے میں معاصرین کی رائے: علی بن المدینی کہتے ہیں کہ میں اگر کعبہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھاؤں کہ میں نے ان کے جیسا عالم نہیں دیکھا تو میں اپنی قسم میں سچا ہوں گا۔ (۲) امام احمد فرماتے ہیں کہ ۱۸۰ھ میں ابن مہدی بغداد آئے، ان کو میں برابر دیکھا کرتا تھا، مگر ان سے کبھی استفادہ نہیں کیا۔ اس کے بعد یہ پھر دوبارہ بغداد آئے تو ہم لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر جم کر ان سے استفادہ کیا، تو میں نے ان کے سماع سے تقریبا چھ سات سو روایتیں نقل کیں۔ (۳) یحییٰ بن سعید سے کسی نے ایک حدیث کے بارے میں سوال کیا، بولے کہ ابن مہدی کے پاس جاؤ اور خود ان کی چند مرویات میرے سامنے بیان کیں۔ (۴) ابن سعید کہتے تھے کہ میں نے براہ راست جو حدیثیں اعمش سے سماع کی ہیں، وہ روایتیں جب ابن مہدی اعمش سے بواسطہ سفیان بیان کرتے ہیں تو مجھے ان کا بالواسطہ سماع اپنے براہ راست سماع سے زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ (۵) امام ذہبی ان کو الحافظ الکبیر اور العالم الشہیر لکھتے ہیں، ابن حجر نے انہیں حافظ اور امام علم لکھا ہے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ ان کے اوپر علوم حدیث میں اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور اس علم کے معارف کا ان کے اوپر دارومدار ہے۔

قوت حافظہ: قوت حافظہ بھی غیر معمولی پایا تھا۔ تمام آئمہ حدیث نے ان کی قوت حافظہ کا اعتراف کیا ہے، اس کا انداز عبداللہ کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک بار ابن مہدی نے بیس ہزار حدیثیں مجھے اپنے حافظہ سے املا کرائی تھیں۔ (۶)

علم حدیث میں ان کا مرتبہ: علم حدیث میں ان کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے جن کے ذریعہ یہ فن اہل ہوس کی دست برد سے محفوظ ومامون رہا۔ تمام آئمہ حدیث نے ان کی خدمت حدیث اور ان کی امامت وجلالت کا اعتراف کیا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ وہ حدیث نبوی کی خدمت ہی کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ (۷) ابن مہدی جس شخص کی روایت قبول کرلیں، سمجھو کہ وہ حجت ہے۔ (۸) ابن مدینی جو خود فن رجال کے امام ہیں کہتے تھے کہ ابن مہدی اور ابن قطان جس راوی سے روایت کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ میں بھی اسے ترک کر دیتا ہوں اور جب کسی راوی کی روایت قبول کرنے میں یہ دونوں امام مختلف الرائے ہو جاتے ہیں تو میں ابن مہدی کی رائے کو ترجیح دیتا ہوں، اس لئے کہ یہ رائے دینے میں زیادہ معتدل اور محتاط ہیں، اور ابن قطان میں تشدد زیادہ ہے۔ (۹) ابن معین فرماتے تھے۔ میں نے فن حدیث میں ابن مہدی سے زیادہ پختہ کار نہیں دیکھا۔ (۱۰) ابوحاتم کا قول ہے کہ وہ ثقہ تھے، فکر ونظر کی پختگی میں ان کا درجہ وکیع سے بڑھا ہوا تھا۔ (۱۱) ابوربیع زہرانی بیان کرتے تھے کہ ان کی خصوصیت بصیرت فی الحدیث تھی، ابن عمار کہتے تھے کہ وکیع اور ابن مہدی دونوں قابل وثوق ہیں مگر ابن مہدی کی بصیرت فی الحدیث بڑھی ہوئی تھی۔ انہی کا قول ہے کہ حدیث کے الفاظ کے اختلاف سے خوب واقف تھے، امام احمد فرماتے تھے کہ ابن مہدی وکیع بن جراح سے اس لئے زیادہ قابل وثوق ہیں کہ یہ عہد تدوین وتحریر سے زیادہ قریب تھے۔ (۱۲) یعنی ان کے زمانہ میں حدیث کی تدوین وترتیب کا کام عام طور پر شروع ہو گیا

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۳۰۳ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۰ ص ۲۴۵ ۳۔ ایضاً ص ۲۴۱
۴۔ ایضاً ص ۲۴۱ ۵۔ ایضاً ص ۲۴۴ ۶۔ صفوۃ الصلوٰۃ، ج ۴ ص ۲
۷۔ تھذیب الاسماء، ج ۱ ص ۳۰۵ ۸۔ تاریخ بغداد، ج ۱۰ ص ۲۴۳ ۹۔ ایضاً
۱۰۔ تھذیب الاسماء، ص ۳۰۵ ۱۱۔ تاریخ بغداد، ص ۲۴۲ ۱۲۔ تاریخ بغداد، ج ص ۲۴۲۔۲۴۳

تھا۔ اور وکیع بن جراح کے زمانہ میں آئمہ زیادہ تر زبانی ہی روایت کرتے تھے۔

حدیث کی صحت کا معیار درایت بھی ہے: حدیث کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ دو چیزوں پر ہے، ایک روایت یعنی سلسلہ سند اور دوسرے درایت، یعنی کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ وہ ثقہ اور قابل وثوق لوگوں کے ذریعہ بیان ہوئی ہے بلکہ اس میں یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ روایت اسلامی تعلیم کی کسی روح کے خلاف تو نہیں ہے۔ وہ کسی حدیث صحیح سے متصادم تو نہیں ہوتی ہے، اس میں مقام نبوت سے گری ہوئی کوئی بات تو بیان نہیں ہوئی ہے۔ وہ قرآن کے کسی بیان سے ٹکراتی تو نہیں درایت کا استعمال عہد نبوت ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ عہد صحابہ میں بھی ہمیشہ یہ اصول برتا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خصوصیت سے اس میں سب سے زیادہ ممتاز تھے۔ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں بھی حدیث کے رد و قبول میں صرف روایت کا نہیں بلکہ درایت کا بھی لحاظ کیا جاتا تھا مگر درایت کے مقابلہ میں روایت حدیث کا کام آسان ہے، اس لئے حاملین روایت کی تعداد تو کثرت سے نظر آتی ہے، اس کے مقابلہ میں صاحب درایت خال خال نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ ظاہر ہے، روایت حدیث کا دارومدار زیادہ تر قوت حافظہ پر ہے، جو شخص اس نعمت سے بہرہ ور ہے وہ تھوڑی سی ذہانت وذکاوت کے ساتھ اس فرض کو انجام دے سکتا ہے، مگر صاحب درایت کے لئے محض قوت حافظہ ہی کی نہیں بلکہ غیر معمولی ذہانت وذکاوت کے ساتھ وسعت نظر اور وقت فکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے اس کے حاملین کی تعداد تو کم ہونی ہی چاہئے۔

تبع تابعین میں جن بزرگوں کو یہ خصوصیت حاصل تھی ان میں ابن مہدی بھی تھے۔ اوپر جو اقوال نقل ہوئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہو گیا ہوگا کہ علم حدیث میں ان کی بصیرت اور دقیقہ سنجی کے تمام اکابر معترف ہیں، خود فرماتے تھے کہ کسی شخص کا امام (جس کا اتباع کیا جائے) بننا اس وقت تک صحیح نہیں ہے جب تک اس کو روایت کی صحت اور غلط کا علم نہ ہو جائے تاکہ وہ ہر روایت سے استدلال نہ کرنے لگے، اس کے لئے اس کو علم کے ماحصل و ماخذ و منبع کا علم ہونا چاہیے یعنی کتاب وسنت کی روح سے پورے طور پر واقف ہونا چاہیے، درایت کے پورے مفہوم کو اردو میں کسی ایک لفظ سے ظاہر نہیں کیا جا سکتا، البتہ اس کے مفہوم کو ذہن سے قریب تر کرنے کے لئے مہارت فن اور ذوق وعلم کے الفاظ استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ یعنی کسی علم کی ممارست اور انہماک سے جو ایک ذوق حاصل ہو جاتا ہے اور اس ذوق سلیم کی روشنی میں اس فن کے بارے میں جو فیصلہ کیا جاتا ہے، اس کو درایت کہتے ہیں۔ خود ابن مہدی نے درایت کے مفہوم کو ایک بڑی عمدہ مثال کے ذریعہ واضح کیا ہے، ابن مہدی بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ اے ابوسعید! آپ کسی روایت کو ضعیف اور کسی کو قوی قرار دیتے ہیں۔ کسی کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور کسی کے غلط ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، تو یہ رائے اتنی جلد آپ کس طرح قائم کرتے ہیں۔ (یعنی وہ کونسا معیار ہے جس پر جانچ کر آپ صحیح وغیر صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں) فرمایا کہ تم کسی صراف یا روپئے کے پارکھ کے پاس روپئے وزیرگاری لے جاتے تو وہ فوراً دیکھتے ہی کہتا ہے کہ یہ سکہ کھرا ہے اور یہ کھوٹا یہ اچھا ہے اور یہ ردی تو کیا تم اس سے پوچھتے ہو کہ یہ حکم تم نے کیوں اور کیسے لگایا؟ یا اس کی بات تسلیم کر لیتے ہو۔ اس نے کہا ہاں اس بارے میں میں تو اس کی رائے بے چون وچرا تسلیم ہی کر لینی پڑتی ہے، فرمایا کہ روایت کا حال بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ مگر یہ منصب ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے ممارست، اہل علم کی صحبت تبادلہ خیال اور وفور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔ (۱) معرفت حدیث کے بارے میں ان کا قول تھا کہ حدیث کی معرفت ایک طرح کا الہام ہے۔ (۲) ان کا یہ جملہ درایت حدیث کی بہترین تفسیر ہے۔

۱۔ تہذیب الاسماء، ص ۳۰۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۰۳

روایت باللفظ: حدیث نبوی کا جو ذخیرہ ہمارے پاس روایات کے ذریعہ پہنچا ہے اس میں کچھ قولی ہیں، اور کچھ فعلی، فعلی حدیثوں کو تمام صحابہ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ مثلاً آپ نے وضو فرمایا تو وضو کی پوری حالت کو مختلف صحابہ نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے مگر احادیث کا وہ حصہ جو آپ کے ارشادات پر مشتمل ہے اس میں کچھ حصہ تو صحابہ نے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے یعنی روایت بالمعنی کی ہے اور کچھ حصہ ایسا ہے جس میں ارشاد نبوی ﷺ کو لفظ بلفظ بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صحابہ کرام کے عہد سے عہد تبع تابعین تک بیشمار ایسے اکابر گزرے ہیں جو غایت احتیاط میں ارشاد نبوی ﷺ کی معنا روایت کرنے کے بجائے لفظاً روایت کرنے کو پسند کرتے تھے۔ ان ہی بزرگوں میں عبدالرحمٰن بن مہدی بھی تھے۔ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ ابن مہدی حافظ حدیث تھے؟ فرمایا کہ حافظ حدیث ہی نہیں بلکہ انتہائی محتاط محدث تھے۔ اور ان کی ایک خاص خصوصیت یہ تھی کہ:

وکان یحب ان یحدث باللفظ۔ (۱) ''کلام نبوی کی لفظ بلفظ روایت کرنا پسند کرتے تھے''۔

حدیث میں ان کی ایک اور خصوصیت کا ذکر خطیب بغدادی نے کیا ہے، وہ یہ ہے کہ:

بدع فی معرفۃ الاثر وطرق الروایات واحوال الشیوخ ''آثار نبوی روایات کے مختلف سلسلہ سند اور شیوخ حدیث کے احوال سے واقفیت میں ان کو پوری مہارت حاصل تھی''۔

تفقہ: جس شخص میں روایت ودرایت حدیث کے تمام اوصاف موجود ہوں، جو دین کی روح اور اس کے ماخذ ومنبع سے پوری واقفیت رکھتا ہو، اس کے تفقہ فی الدین میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کہ بصرہ میں دو غیر معمولی عالم پیدا ہوئے۔ ایک یحیٰی بن سعید دوسرے عبدالرحمٰن بن مہدی مگر تفقہ میں ابن مہدی کا پلہ بھاری تھا۔ کمال تفقہ ہی کی بناء پر معاذ بن معاذ کہتے تھے کہ بصرہ میں عہدۂ قضا کا اگر کوئی اہل ہے تو صرف ابن مہدی ہیں مگر ان میں کمی یہ ہے کہ ان کا خاندان یہاں نہیں ہے، اگر وہ کسی بڑے آدمی کے خلاف کوئی فیصلہ کردیں، تو وہ بڑے ان کو اس فیصلہ سے روکنے کی کوشش کریں گے۔ (۲) اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عجمی اثرات کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں دوبارہ خاندانی عصبیت کس طرح گھس آئی تھی کہ اس وقت کا قاضی اگر اپنی پشت پر اپنے ہمنواؤں کی ایک جماعت نہیں رکھتا تھا تو اس کے اپنے فیصلے بھی بے اثر ہوسکتے تھے، اور حکومت اس میں کچھ نہ کر پاتی تھی۔

سیرت واخلاق: اپنی سیرت واخلاق کے اعتبار سے بھی وہ ممتاز تھے۔ ابن جوزی نے ان کو صاحب زہد وتقویٰ اتباع تابعین میں شمار کیا ہے۔ ایوب بن متوکل کا بیان ہے کہ جب ہمیں کسی ایسے شخص سے ملنے کی خواہش ہوتی جو دین ودنیا کا جامع ہوتو ابن مہدی کی خدمت میں حاضر ہوجاتے تھے، حسان بن ازرق لکھتے ہیں کہ ان کو دیکھنے سے آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی تھیں۔ (۳)

ان کے ورع وتقویٰ کا حال یہ تھا کہ اگر ان کو کسی چیز میں حرام ہونے کا شبہ بھی ہوجاتا تھا تو اس کو اپنے استعمال میں نہیں لاتے تھے، وہ کہا کرتے تھے کہ جو چیز تم خدا کی رضا اور خوشنودی کے لئے چھوڑ دوگے خدا تعالیٰ اس کو تمہارے پاس ضرور واپس کردے گا۔ یہ کہنے کے بعد انہوں نے اپنا ایک واقعہ بیان کیا کہ میں نے اور میرے بھائی نے مشترکہ تجارت کی جس میں کافی نفع ہوا مگر جب نفع تقسیم ہونے لگا تو اس مال میں کچھ شبہ ہوا۔ میں اپنے حصہ سے دستبردار ہوگیا۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ میری زندگی میں وہ تمام دولت پھر میرے اور میرے لڑکوں کے پاس آگئی، وہ

۱۔ تھذیب، ج ۶ ص ۲۸۰ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۰ ص ۲۷۲ ۳۔ ایضاً

اس طرح کہ میرے بھائی نے اپنی تین لڑکیوں کی شادی میرے تین لڑکوں سے کردی تھی اور میں نے اپنی لڑکی کی شادی ان کے لڑکے سے کردی۔ اتفاق سے کچھ دن بعد بھائی کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کے سارے مال کی وارث میرے والد اور مرحوم بھائی کی لڑکیاں جو میرے لڑکوں سے منسوب تھیں ہوئیں۔ اس کے بعد والد کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور وہ کل دولت میرے گھر میں آ گئی۔(۱)

ایک بار کسی کو زمین بیچنے کا ارادہ کیا۔ ڈھائی سو دینار فی جریب پر معاملہ طے ہوگیا، وہاں جس کے ذریعہ غالبًا یہ معاملہ طے ہوا تھا۔ اس نے آپ سے کہا کہ خریدار نے اس زمین کو ویران اور غیر آباد سمجھ کر اتنی قیمت لگائی ہے، اگر میں اور آپ کا غلام دونوں مل کر اس زمین میں کھاد وغیرہ ڈال کر اس کو آباد کردیں تو اس زمین کی قیمت فی جریب پچاس دینار (پانچ چھ سو روپے) سے زیادہ ہوجائے گی، اس طرح پوری زمین میں آپ کو چار ہزار دینار مزید مل جائیں گے، گو ایسا کرنا غلط نہیں تھا اس لئے کہ اس نے ابھی قیمت نہیں ادا کی تھی، مگر پھر بھی انہوں نے محض تھوڑے سے فائدے کے لئے وعدہ کرنے کے بعد اس کو مایوس کرنا ایک طرح کی بدمعاملگی اور بداخلاقی سمجھی، اس لئے دلال کی گفتگو سے بہت ناراض ہوئے اور بولے کہ تم چار ہزار دینار کا لالچ دیتے ہو۔ میں اس چار ہزار سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی:

لایستوی الخبیث والطیب ولو اعجبك كثرة الخبيث۔ ''حرام اور حلال مال برابر نہیں ہوسکتے، اگرچہ حرام مال کی کثرت تمہارے لئے کتنی ہی پسندیدہ کیوں نہ ہو''۔

پھر کہا کہ میں ہرگز اس معاملہ سے باز نہیں رہ سکتا۔ خواہ چار ہزار کے بجائے ایک لاکھ دینار کا فائدہ کیوں نہ ہو۔(۲) حصول ثواب کا انہیں عشق تھا۔ فرماتے تھے کہ اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ خدا کی نافرمانی ہوگی تو میں یہ تمنا کرتا کہ اس شہر کا ہر ہر شخص میری غیبت کرے۔ بھلا اس نیکی سے عمدہ کون سی نیکی ہوسکتی ہے جس کو اس نے نہ تو کیا ہو اور نہ اسے اس کا علم ہو مگر قیامت کے دن محاسبہ ہو تو اس کے صحیفہ اعمال میں وہ نیکی موجود ہو۔ یہ اشارہ اس حدیث نبوی کی طرف ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جب کسی بندہ کی ناحق برائی کی جاتی ہے، تو برائی کے بدلہ اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔

نصیحت: اہل علم کو وہ نصیحت کیا کرتے تھے کہ جب آدمی اپنے سے زیادہ صاحب فضل وکمال سے ملے تو اس کی صحبت کو غنیمت سمجھے۔ اگر اپنے برابر ملے تو اس سے استفادہ اور مذاکرہ کی کوشش کرے، اور اگر اپنے سے کم تر آدمی سے ملے تو اس کے ساتھ تواضع سے پیش آئے اور اس کو اپنے علم وفضل سے فائدہ پہنچائے۔ جو شخص ہر سنی سنائی روایت کو نقل کردیتا ہو اور جو ہر کسی کی روایت قبول کرلیتا ہو وہ علم حدیث کا امام بننے کے لائق نہیں ہے۔(۳)

علم وفضل اور اخلاق وسیرت کے ساتھ عبادت وریاضت میں بھی وہ ممتاز تھے۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ وہ اکثر اوقات پوری رات نفل نماز تلاوت قرآن میں گزار دیتے تھے۔ ان کا عام معمول یہ تھا کہ ہر روز نصف قرآن تلاوت کرتے تھے۔ یہ ایک بار پوری رات جاگتے رہے مگر عین صبح کے وقت آنکھ لگ گئی اور نماز فجر قضا ہوگئی۔ ان کو اس کا اتنا رنج ہوا کہ اس کی تلافی کے لئے بہت دنوں تک زمین پر پیٹھ نہیں لگائی۔(۴)

۱۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۴، ص۳ ۲۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۴، ص۳ ۳۔ صفوۃ الصفوۃ، ج۴

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۳۰۳

خلق قرآن کے مسئلہ میں ان کی رائے: یونانی فلسفہ اور دوسری قوموں کے اختلاط سے اس زمانہ میں بہت سے ایسے مسائل پیدا ہو گئے تھے، جن کا وجود عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ رضوان اللہ علیہم میں نہیں ملتا، ابتداء علماء محدثین ان مسائل کے جواب سے گریز کرتے تھے، مگر جب یہ مسائل بہت زیادہ عام ہوئے ان کو ان کے بارے میں اپنی رائے دینی ہی پڑی، انہیں مسائل میں ایک مسئلہ قرآن کے مخلوق ہونے کا بھی تھا۔ اس بارے میں قریب قریب اس عہد کے بیشتر علماء ومحدثین سے سوال کیا گیا تھا۔ ان سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر مجھے اقتدار حاصل ہوتا تو قرآن کو مخلوق کہنے والے کی میں گردن اڑا دیتا اور پھر اس کی لاش دجلہ میں پھینکوا دیتا۔ (۱)

فرماتے تھے، فرقہ جہمیہ چاہتا ہے کہ خدا کے لئے نہ تو صفت کلام ثابت ہو سکے اور نہ قرآن اس کا کلام ثابت ہو سکے، حالانکہ یہ ثابت ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور پھر بتاکید کہا کہ:

وكلم الله موسى تكليما۔ (۲) ''اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا''۔

وفات: اس پیکر فضل وکمال نے تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ۱۹۸ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔ رحمه الله رحمة واسعة۔ (۳)

۳۔ حرب بن شداد:

آپ کا نام ابو الخطاب حرب بن شداد یشکری بصری (م:۱۶۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ صالح راوی ہیں۔ ابن ماجہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۴)

۴۔ یحییٰ بن ابی کثیر: راجع: ۲۴ **۵۔ ابی سلمۃ:** راجع: ۱

۶۔ جعفر بن عمرو بن امیہ:

آپ کا نام جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری مدنی (م:۹۵ھ) ہے، آپ عبد الملک بن مروان کے رضاعی بھائی تھے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں۔ ابن ماجہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۵)

۷۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ:

نام ونسب: عمرو نام، ابو امیہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبد اللہ ابن ایاس بن عبید بن ناشرہ بن کعب بن جدی بن حمزہ بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کنانی۔ (۶)

اسلام: بدر اور احد کی لڑائیوں میں مشرکین کے ساتھ تھے، اور مسلمانوں کے خلاف نہایت شجاعت اور پامردی سے لڑے، لیکن بدر واحد کے معرکوں میں جو شخص مسلمانوں کے خون سے پیاس بجھانے آیا تھا، وہ احد کے بعد اسلام کے سرچشمہ ایمان سے سیراب ہو گیا۔ (۷)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۳۰۳ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۳۰۳
۳۔ سیر الصحابہ، ج۳، حصہ تبع تابعین اول، ص۲۴۳۔۲۴۹
۴۔ i۔ تاریخ الدوری، ج۲ص۱۰۵ ii۔ الثقات، ج۶ص۲۳۰
۵۔ i۔ عمدۃ القاری، ج۳ص۱۴۹ ii۔ تقریب التھذیب، ج۱ص۱۳۵
۶۔ اسد الغابہ، ج۴، ۸۶ ۷۔ استیعاب، ج۲ص۴۴۳

بیر معونہ: اسلام لانے کے بعد سب سے پہلے بیر معونہ میں شریک ہوئے، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ۴ھ میں ابو براء قبیلہ کلاب کے رئیس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ کچھ مسلمان ہمارے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجئے، آپ نے فرمایا مجھ کو نجد والوں کی طرف سے خطرہ ہے، لیکن اس کی ضمانت کے بعد ستر آدمیوں کی جماعت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں بھیج دی، ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آنحضرت ﷺ کا دعوت نامہ عامر بن طفیل کے پاس بھجوا دیا، اس نے ان کو قتل کر دیا، اور عصیہ، رعل اور ذکوان وغیرہ کے قبائل میں منادی کرا دی، یہ سب جمع ہو گئے، یہاں جب حرام کی واپسی میں دیر ہوئی تو مسلمان ان کی تلاش میں نکلے، لیکن آگے بڑھ کر رعل وذکوان وغیرہ کا سامنا ہو گیا ان سب نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کی پوری جماعت تہہ تیغ کر دی، صرف حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو عامر بن طفیل نے یہ کہہ کر کہ "میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی" چھوڑ دیا، اور نشان ذلت کے طور پر پیشانی کے بال تراش لئے، یہ واپس ہو رہے تھے، کہ راستہ میں دو کلابی شخص ملے، ان دونوں کو آنحضرت ﷺ نے امان دے دی تھی، لیکن عمرو رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا، اس لئے دونوں کو قصاص میں قتل کر دیا، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا، اور دونوں کو دیت ادا کی۔ (۱)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی سفارت اور نجاشی کا اسلام: ۶ھ میں آنحضرت ﷺ نے ان کو نجاشی کے پاس دعوت اسلام کا خط لے جانے پر مامور کیا، اس خط میں دعوت اسلام کے علاوہ مہاجرین کی میزبانی کی سفارش اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا (جو اس وقت مہاجرین حبش کے ساتھ حبشہ میں موجود تھیں) کے ساتھ نکاح کا پیام بھی تھا، اس دعوت نامہ کے اثر سے نجاشی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا اور آنحضرت ﷺ کی طرف سے نکاح کا پیام دیا، اور خود آنحضرت ﷺ کی طرف سے وکیل بنا اور نکاح کے بعد آپ کی طرف سے چار سو دینار مہر معجل ادا کیا۔ (۲)

ایک سریہ: اس سفارت کے بعد ابوسفیان کی ایک شرارت کا بدلہ لینے کی خدمت سپرد ہوئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ابوسفیان قریش کے کچھ لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے قتل پر آمادہ کر رہا تھا، ایک اعرابی نے اس کا بیڑا اٹھایا اور ابوسفیان نے ضروری سامان مہیا کر دیا، وہ مدینہ پہنچا، آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے تھے، یہ بھی وہیں پہنچا، لیکن آنحضرت ﷺ اس کی نیت تاڑ گئے، فرمایا کہ یہ کوئی فریب کرنا چاہتا ہے، اعرابی حملہ کرنے ہی والا تھا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے جھپٹ کر دبوچ لیا، اعرابی کے ازار سے خنجر گرا، جرم کھلا ہوا تھا، کسی شاہد کی ضرورت نہ تھی، لیکن رحمۃ اللعالمین ﷺ نے معاف کر دیا، اس نے پورا پورا واقعہ سنایا، چونکہ اس جرم کا اصل بانی ابوسفیان تھا اور اس کے بدولت اہل مدینہ اور قریش کی دائمی جنگ کی سی حالت قائم تھی، اس لئے آنحضرت ﷺ نے عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہ کو اس غرض سے بھیجا کہ اگر موقع ملے تو اس فتنہ کے بانی کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے، یہ دونوں بزرگ مکہ پہنچے، لیکن معاویہ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ان کو دیکھ لیا اور قریش کو خبر کر دی، ان لوگوں نے کہا، ان کا آنا بے سبب نہیں ہے اور یہ کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کریں گے ان لوگوں نے جب دیکھا کہ راز فاش ہو گیا تو مکہ سے نکل گئے، راستہ میں عبیداللہ بن مالک اور بنو ہذیل کا ایک آدمی ملا، عمرو نے عبیداللہ کا اور سلمہ نے دوسرے شخص کا کام تمام کر دیا، اس کے بعد قریش کے دو جاسوس ملے جو انہیں تلاش میں پھر رہے تھے، ان دونوں بزرگوں نے ان میں سے بھی ایک کو قتل کر دیا، اور ایک کو پکڑ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ (۳)

۱۔ ابن سعد حصہ مغازی، ص ۳۶ ۲۔ طبری، ص ۱۵۶۹۔۱۵۷۰ ۳۔ ابن سعد جزء ۲، ق ۱، ص ۶۸

وفات: امیر معاویہ کے آخری عہد امارت ۶۰ھ کے قبل مدینہ میں وفات پائی۔(۱)

اولاد: جعفر، عبداللہ اور فضل تین لڑکے یادگار تھے۔(۲)

فضل وکمال: فضل وکمال میں گو کوئی ممتاز حیثیت نہ تھی، تاہم ان کی ۲۰ روایات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، تلامذہ میں ذیل کے نام ہیں، عبداللہ، جعفر، فضل، زبرقان، شعبی، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوقلابہ، جرمی اور ابوالمہاجر۔(۳)

عام حالات: شجاعت وشہامت اور جرأت ودلیری میں عرب کے ممتاز لوگوں میں تھے۔اس لئے آنحضرت ﷺ اہم امور کی تکمیل ان کے سپرد فرماتے تھے۔(۴)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ سولھویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، چوتھے راوی یمامی اور باقی مدنی ہیں۔

☆ شیخ عباس بن عبدالعظیم سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرنے میں متفق ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (یحییٰ، ابوسلمہ، جعفر) راوی ہیں، جنہوں نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔

☆ حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

☆ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی (صغریٰ) میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

۶۔لغات:

توضا: آپ ﷺ نے وضو کیا۔ مسح : آپ ﷺ نے مسح کیا

الخفین: دو موزے

۱۔ تہذیب الکمال، ص ۶۸۷ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۶

۳۔ تہذیب الکمال، ص ۲۸۷ ۴۔ اسد الغابہ، ج ۴، ص ۱۸۶

۱۲۰۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ إِبْرَاهِيمَ دُحَيْمٌ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ - وَاللَّفْظُ لَهُ - عَنِ ابْنِ نَافِعٍ عَنْ دَاوُدَ بْنِ قَيْسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِلَالٌ الْأَسْوَاقَ فَذَهَبَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ خَرَجَ قَالَ أُسَامَةُ فَسَأَلْتُ بِلَالًا مَا صَنَعَ فَقَالَ بِلَالٌ ذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ ثُمَّ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثُمَّ صَلَّى۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسواق (حرم مدینہ) میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، جب واپس تشریف لائے، تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ انور دھویا، دونوں ہاتھ دھوئے، سر کا مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔

۲۔اطراف:

حاکم، ج ا،ص ۱۵۱، ابن خزیمہ: ۱۸۵، ابن حبان (موارد): ۱۷۵، السنن الکبریٰ: ۱۲۷، تحفۃ الاشراف: ۲۰۳۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، باقی تین کے حالات درج ذیل ہیں۔

ا۔عبدالرحمٰن بن ابراھیم: راجع: ۵۶

۲۔سلیمان بن داؤد: راجع: ۲۹

۳۔عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: عبداللہ نام، ابومحمد کنیت اور والد کا اسم گرامی نافع، مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے، بنومخزوم سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مخزومی مشہور ہوئے، ممتاز آئمہ میں ان کی ہم نام ایسی شخصیتیں ملتی ہیں جن کے باپ کا نام بھی نافع تھا، اس لئے کہ اکثر اوقات علماء کو ثقاہت وعدالت اور علم و فضل کی تعیین میں خلط مبحث ہو گیا ہے، اس لئے امام عبداللہ بن نافع ''الصائغ'' کے لفظ سے ممتاز کیا گیا، مؤرخ ابن اثیر کی رائے کے مطابق الصائغ یا الصائغی کی نسبتیں رکھنے والے تمام آئمہ ''صباغۃ'' کی طرف منسوب ہیں۔(۱)

علم وفضل: علمی کمالات کے اعتبار سے وہ کبار تبع تابعین کے زمرے میں شامل ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ تھے، زمانہ دراز تک امام

ا۔ اللباب فی تھذیب الانساب، ج ۲،ص ۴۸

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دامن فیض سے وابستہ رہنے کی وجہ سے ان کے فقہی افکار و خیالات کا مخزن بن گئے تھے، علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

كان قد لزم مالك لزوماً شديداً و كان لا يقدم عليه احد۔(۱) ''انہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت کو شدت کے ساتھ پکڑا، حتیٰ کہ وہ ان پر کسی کو فوقیت نہیں دیتے تھے''۔

احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

كان اعلم الناس برای مالك۔(۲) ''وہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات کو لوگوں میں سب سے زیادہ جانتے تھے''۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كان عبدالله عالما بمالك و كان صاحب فقه۔(۳) ''عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے سب سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے''۔

فقہ: امام ابن نافع رحمۃ اللہ علیہ کو فقہ اور بالخصوص فقہ مالکی میں خاص مہارت حاصل تھی۔ اور اسی کمال تفقہ کے باعث وہ مدینہ میں افتاء کے مرجع تھے۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابن نافع رحمۃ اللہ علیہ کے پاس امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے چالیس ہزار مسائل تھے۔

حدیث: ان کی فقیہانہ حیثیت کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی کہ اس کے سامنے حدیث میں ان کا تفوق کا چراغ زیادہ روشن نہ ہوسکا، یہاں تک کہ بعض علماء سرے سے انہیں محدث ہی تسلیم نہیں کرتے۔ (۴) لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس فن پر بھی انہیں یکساں قدرت حاصل تھی۔ ان کی مرویات کے پایہ اسناد پر علماء متفق نہ ہوسکے، چنانچہ امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور ابوحاتم وغیرہ نے انہیں ضعیف الحافظہ قرار دیا ہے۔ (۵) لیکن اکابر علماء کی ایک بڑی جماعت نے جس میں ابن معین، امام نسائی اور ابوزرعہ وغیرہ شامل ہیں، انہیں ثقہ اور عدول بتایا ہے۔ (۶) ان کی عدالت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ امام مسلم کے علاوہ آئمہ اربعہ نے ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔ (۷) ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

كان صحيح الكتاب و اذا حدث كان حفظه بما اخطا (۸) ''وہ صحیح الکتاب تھے، اپنے حافظہ سے روایت کرتے تو اکثر غلطی کر جاتے تھے''۔

امام بخاری نے بایں ہمہ تبحر و جلالت علم ان سے دو تین حدیثیں روایت کی ہیں اور ان کے فضل و کمال کو سراہا ہے۔

شیوخ و تلامذہ: جن حفاظ سے انہوں نے سماع حاصل کیا ان میں سے کچھ یہ ہیں:

لیث بن سعد، عبداللہ بن نافع بن مولیٰ ابن عمر، سلیمان بن یزید الکعبی، داؤد بن قیس الفراء، اسامہ بن زید اللیثی، محمد بن عبداللہ، ابن ابی ذئب، ہشام بن سعد۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۴۳۴ ۲۔ تھذیب، ج ۶، ص ۵۲ ۳۔ العبر، ج ۱، ص ۳۴۹

۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۶، ص ۵۱ ۵۔ میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۸۲ ۶۔ خلاصہ تذہیب، ص ۲۱۶

۷۔ ایضاً ۸۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۳۴۹

خود ان سے روایت کرنے والوں میں قتیبہ، سلمہ بن شبیب، حسن بن علی الجلال، احمد بن صالح مصری، ابوالطاہر بن السرح، زبیر بن بکار، ابراہیم بن المنذر، احمد بن حسن الترمذی، محمد بن یحیٰ الذہلی، یونس بن عبدالاعلیٰ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔(۱)

وفات: ماہ رمضان ۲۰۶ھ میں بمقام مدینہ منورہ وفات پائی۔(۲)

۴۔داؤد بن قیس:

آپ کا نام ابوسلیمان داؤد بن قیس فراء(باغ قرشی مدنی (م:۱۶۰ات) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، فاضل، صالح الحدیث راوی ہیں، آئمہ جرح والتعدیل آپ کی ثقاھت وعدالت پر متفق ہیں، آپ سے تیس احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے تعلیقاً روایت ذکر کی ہے۔(۳)

۵۔زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: زید نام، ابواسامہ کنیت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے۔

فضل وکمال: زید اس بزرگ اور محترم ہستی کے غلام تھے جس کے ادنیٰ صحبت یافتہ علم وعمل کے پیکر بن گئے، زید تو خاص غلاموں میں تھے، انہوں نے آقا سے زیادہ آقازادہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سرچشمہ علم سے فیض حاصل کیا، ان کے فیض صحبت نے زید کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا، اور ان کا شمار علماء مدینہ میں ہونے لگا تھا۔حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:(۴)

تفسیر قرآن: زید کو قرآن، حدیث، فقہ، جملہ مذہبی علوم میں پورا درک حاصل تھا، وہ قرآن کی تفسیر کے بڑے عالم تھے، ابن حجر لکھتے ہیں:
"کان عالما بتفسیر القرآن" (۵)

حدیث: حدیث میں بھی ان کے علم کا دائرہ وسیع تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:"کان ثقۃ الحدیث"(۶) صحابہ میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، عائشہ صدیقہ، ربیعہ بن عبادہ وائلی، سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم اور تابعین میں ابوصالح السمان، عطاء بن یسار، حمران بن علی بن حسین، بسر بن سعید، اعرج، عبدالرحمٰن بن وعلہ، عبدالرحمٰن بن سعید، قعقاع بن حکیم، اور عیاض ابن عبداللہ بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ سے سماع کیا تھا۔(۷)

ان کے لڑکے عبداللہ، عبدالرحمٰن اور اسامہ، مالک بن انس، ابن عجلان، ابن جریج، سلیمان بن ہلال، حفص بن میسرہ، داؤد بن قیس الفراء، ایوب سختیانی، جریر بن حازم، عبیداللہ بن عمر، ابن اسحاق، محمد بن جعفر بن ابی کثیر رحمہم اللہ وغیرہ ان کے تلامذہ میں تھے۔(۸)

فقہ: فقہ میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ درک تھا، حافظ ذہبی، امام نووی، حافظ ابن حجر سب ان کو بالاتفاق فقیہ مدینہ لکھتے ہیں۔(۹)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۶ ص۵۲ — ۲۔ طبقات ابن سعد، ج۵ ص۳۲۴

۳۔ i۔العلل، ج۱ ص۴۰ — ii۔ تاریخ الدوری، ج۲ ص۱۵۳

۴۔ تھذیب التھذیب، ج۳ ص۳۹۶ — ۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً بحوالہ ابن سعد — ۷۔ تھذیب التھذیب، ج۳ ص۳۹۵

۸۔ تھذیب التھذیب، ج۳ ص۳۹۵ — ۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۱۱۸

حلقہ درس: مسجد نبوی ﷺ میں زید کا حلقہ درس تھا جس میں بڑے بڑے فقہاء اور اکابر مدینہ شریک ہوتے تھے، اعرج اس حلقہ کے ایک رکن تھے، زید بن اسلم کے حلقہ درس میں چالیس بڑے بڑے فقہاء شریک ہوتے تھے، ان میں باہم اتنی ہمدردی تھی کہ ہر شخص کا مال دوسرے کی ضرورت کے لئے وقف تھا، اس درس میں ایسی حدیثوں پر بحث ومباحثہ میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا تھا، جس میں کوئی افادیت کا پہلو نہ ہو۔(۱)

امام زین العابدین اپنے خاندانی حلقہ کو چھوڑ کر اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اپنی خاندانی مجلس کو چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے درس میں شریک ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا آدمی اسی مجلس میں شریک ہوتا ہے جس سے اس کے دین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو۔(۲)

وقار وہیبت: زید اگرچہ غلام تھے، لیکن ان کی علمی جلالت کی وجہ سے سب پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی، مالک بن عجلان بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر کسی کا اتنا رعب نہ تھا، جس قدر زید بن اسلم کا۔ ہیبت سے لوگوں کو سوال کرنے اور پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، جب ان کا دل چاہتا خود حدیثیں بیان کرتے، جب خاموش ہو جاتے تو پھر کسی کو سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی۔(۳)

محبوبیت: اس ہیبت کے ساتھ ان کو بڑی محبوبیت اور مقبولیت حاصل تھی، وہ لوگوں کے محبوب القلوب تھے، ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میرے والد کبھی کبھی مجھ کو اپنے کسی ہم جلیس کے پاس کام سے بھیج دیتے تھے، یہ میرا سر چومتے اور سہلا کر کہتے خدا کی قسم تمہارے والد میری اولاد اور میرے گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اگر خدا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اٹھانا چاہے اور ہم کو انتخاب کا اختیار دے تو ہم زید کی زندگی اور سلامتی کے مقابلہ میں اپنی اولاد اور اپنے اہل وعیال کا اٹھ جانا پسند کریں گے۔(۴) ابوحازم دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا مجھے زید کی موت کا دن نہ دکھانا، ان کے سوا میری ذات اور میرے مذہب کے لئے کوئی پسندیدہ اور نفع بخش باقی نہیں رہا ہے۔(۵)

اخلاق: علمی کمالات کے ساتھ زید اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ صالح تابعی تھے۔(۶)

ان کو ایک نظر دیکھ لینے سے عبادت کی قوت پیدا ہوتی تھی، ابوحازم کہتے تھے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں زید کو اس لئے دیکھتا ہوں کہ ان کو دیکھنے سے تیری عبادت کی طاقت آتی ہے، جب ان کی نظر کا یہ اثر ہے تو ان سے ملاقات اور گفتگو کا کیا اثر ہوگا۔(۷)

وفات: ۱۳۲ھ میں انتقال کیا۔(۸)

۶۔ عطاء بن یسار: راجع: ۸۰

۷۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ:

نام ونسب: اسامہ نام، ابومحمد کنیت، حب رسول اللہ ﷺ یعنی محبوب رسول لقب، والد کا نام زید تھا، اسامہ بن زید بن حارثہ بن شرحبیل بن کعب بن عبدالعزی بن زید امرؤالقیس بن عامر بن نعمان بن عامر بن عبدود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رفیدہ بن ثور بن کلب بن وبرہ کلبی۔

۱۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ق۱، ص۲۰۰ ۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۱۹ ۔ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۹۶

۴۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۹۶ ۔ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۱۸ ۔ ۶۔ تھذیب الاسماء، ق۱، ص۲۰۰

۷۔ ایضاً ۔ ۸۔ سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام، ص۹۴۔۹۶

پیدائش، اسلام اور ہجرت: ۷ ربعثت میں مکہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد زید رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام اور منہ بولے بیٹے تھے، اور ان کی ماں برکہ آنحضرت ﷺ کی کھلائی (دایہ۔آیا) تھیں، اس لئے ان کو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت کا شرف ورثہ میں ملا تھا، انہوں نے آنکھ کھولتے ہی اسلام کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی، اس لئے ان کی زندگی کا کوئی حصہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے ملوث نہ ہوا، ہجرت کا شرف آنحضرت ﷺ کے ساتھ حاصل کیا۔(۱)

غزوات: ہجرت عظمیٰ کے بعد مغازی اور سرایا کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا لیکن ابتدائی لڑائیوں میں کم سنی کے باعث شریک نہ ہوسکے، سریہ حرقہ سے میدان جنگ میں آنے کی ابتدا معلوم ہوتی ہے۔ صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں اس سریہ کا نام سریہ حرکات لکھا ہے اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ وہی سریہ ہے جس کے امیر غالب لیثی تھے، اور جو ۷ھ میں واقع ہوا تھا۔(۲) لیکن حاکم نے اکلیل میں لکھا ہے کہ یہ دوسرا سریہ تھا، جو ۸ھ میں ہوا، ان دونوں سریوں کے الگ الگ ہونے کی اس امر سے بھی شہادت ملتی ہے کہ سریہ غالب کے امیر حضرت غالب رضی اللہ عنہ تھے، اور اس سریہ حرقہ میں امارت و قیادت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں معلوم ہوتی ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے اشارۃً ظاہر ہوتا ہے اور حاکم نے اکیل میں اس کی تصریح کی ہے، یہ سریہ ۷ھ یا ۸ھ کا واقعہ ہے، اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۴، ۱۵ سال کی تھی، مگر ان کی فطری استعداد و صلاحیت نے آنحضرت ﷺ سے اس سریہ کی سرداری کا شرف حاصل کیا، مگر ناآزمودہ کار تھے، اس لئے بعض فاش غلطیاں ہوگئیں، جن کو وہ خود اپنی زبان سے بیان کرتے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے ہم لوگوں کو حرقہ کی طرف بھیجا تھا، صبح کو دشمنوں سے مقابلہ ہوا، دشمن ہزیمت کھا کر بھاگ گئے، میں نے اور ایک انصاری نے ایک شخص کا تعاقب کیا، جب وہ زد میں آگیا تو لا الہٰ الا اللہ پکارا ٹھا، اس کے اس اعلان پر انصاری نے ہاتھ روک لیا، مگر میں نے نیزوں سے کام تمام کردیا، واپسی کے بعد آنحضرت ﷺ کو واقعہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ اسامہ تم نے ایک شخص کو کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد بھی قتل کردیا، میں نے عرض کیا، اس نے اپنے بچاؤ کے لئے ایسا کیا تھا، آپ ﷺ نے یہ عذر ناقابل قبول سمجھا اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے، یہاں تک کہ مجھ کو اتنی ندامت ہوئی کہ دل میں کہنے لگا کاش آج کے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔(۳)

دوسری روایت کے لئے یہ الفاظ ہیں کہ "اے اسامہ! تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا" یعنی ظاہری اسلام کے لئے زبان کا اقرار کافی ہے، اس سریہ کے متعلق ایک یمانی کی روایت ہے کہ یہ اسامہ کے میدان جنگ میں قدم رکھنے کا پہلا موقع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اس کے قبل کسی غزوہ میں نہیں شریک ہوئے اور اس سے ان کی جنگ آزمائی کی ابتدا ہوئی۔

فتح مکہ: فتح مکہ اسلام کی فتح و شکست کا آخری معرکہ تھا، اسامہ رضی اللہ عنہ اس میں شریک تھے، اور فتح مکہ کے بعد بیت اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر آپ کے ساتھ سوار تھے، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ بن طلحہ جلو میں تھے، خانہ کعبہ کھلنے کے بعد چاروں آدمی ساتھ داخل ہوئے ان کے داخلہ کے بعد دروازہ بند کرلیا گیا۔(۴)

امارت سریہ: آنحضرت ﷺ نے ایک سے زائد سریے اسامہ رضی اللہ عنہ کی سرگردگی میں بھیجے، ان میں سب سے اہم وہ سریہ تھا، جس میں ان کو اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر شرف امارت عطا ہوا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سفیر حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ شاہ بصری کے دربار سے

۱۔ ابن سعد جز ۴، قسم ۱، ص ۴۳ ۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۸۸۔۲۸۹

۳۔ بخاری، ج ۲، کتاب المغازی ۴۔ مسلم کتاب الایمان

سفارت کی خدمت انجام دے کر واپس آ رہے تھے، کہ مقام موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کو شہید کر دیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے انتقام میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ایک سریہ روانہ کیا، لیکن یہ بھی شہید ہوئے، اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت پیا، آنحضرت ﷺ کو ان بزرگوں کی شہادت کا بڑا قلق ہوا، چنانچہ اپنی وفات کے کچھ دنوں پہلے ان شہدا کے انتقام کے لئے ایک اور سریہ روانہ کیا اور چونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، اس لئے اس سریہ کا امیر اسامہ رضی اللہ عنہ کو بنایا، اس میں ان کی دلدہی بھی مدنظر تھی، اور والد کی شہادت کی وجہ سے انتقام کا جو جذبہ ان میں ہوسکتا تھا وہ دوسرے میں ممکن نہ تھا۔(۱)

چنانچہ صفر ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے سریہ کی تیاری کا حکم دیا، اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کے متعلق ضروری ہدایات فرمائی، لیکن ابھی یہ سریہ روانہ نہ ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی بیماری کی علامات شروع ہوگئیں، مگر آپ پر حضرت زید رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اتنا اثر تھا، کہ اس کی روانگی ملتوی نہ فرمائی اور اسی بیماری کی حالت میں اپنے دست مبارک سے علم مرحمت فرمایا اور سریہ روانہ ہوگیا، پہلی منزل مقام جرف میں کی، اس سریہ میں حضرت عمر، ابوعبیدہ بن جراح، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید اور قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہم جیسے کبار صحابہ سب اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھے، بعض لوگوں کو یہ ناگوار ہوا اور انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر بنایا ہے، آپ کو اس کی خبر ہوئی تو اس سے بہت تکلیف پہنچی اور اسی بیماری کی حالت میں سر میں پٹی باندھے ہوئے نکلے اور منبر پر چڑھ کر ایک مختصر تقریر فرمائی کہ ''اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر بنانے میں بعض لوگوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں، اس کی اطلاع مجھ کو ملی، اسامہ کی امارت پر یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے، تم لوگ اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ افسری کا زیادہ حق دار تھا اور اس کے بعد اس کا لڑکا افسری کا حق دار ہے، وہ مجھ کو بہت محبوب تھا، اور یہ بھی ہر حسن ظن کے لائق ہے اس لئے تم لوگ اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آیا کیونکہ وہ تمہارے بہتر لوگوں میں ہے، اس تقریر کے بعد آپ کا شانہ اقدس میں تشریف لے گئے۔(۲)

اس سریہ کی پہلی منزل گاہ: حرف مدینہ کے قریب ہی تھی، اس لئے جانے والوں کا سلسلہ برابر جاری تھا، لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آتے اور رخصت ہوکر جاتے تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو بیمار چھوڑ کر گئے تھے، اس لئے وہ بھی دیکھنے آ جاتے تھے، اتوار کے دن آنحضرت ﷺ کا مرض زیادہ بڑھ گیا، اسامہ رضی اللہ عنہ منزل گاہ سے مزاج پرسی کے لئے آئے، اس وقت آپ پر بیماری کا غلبہ تھا، اسامہ رضی اللہ عنہ نے آکر بوسہ دیا، آپ بالکل خاموش تھے، تاہم اسامہ رضی اللہ عنہ کی دعا کے لئے دست مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے اور اسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھتے تھے، اسامہ رضی اللہ عنہ دیکھ کر واپس گئے اور دوسرے دن صبح کو پھر دیکھنے آئے، اس دن افاقہ تھا، آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا حکم دیا، چنانچہ انہوں نے فوج کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا لیکن قبل اس کے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ جرف سے روانہ ہوں، ان کی ماں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا آدمی ملا ''رسول اللہ ﷺ کا وقت آخر ہے، فوراً مدینہ چلے آؤ، چنانچہ اسامہ، عمر، اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم اسی وقت مدینہ پہنچے، اس وقت آنحضرت ﷺ اس دنیائے فانی کو چھوڑ رہے تھے، آپ کی وفات کے بعد پوری فوج جرف سے مدینہ آگئی اور یہ مہم اس وقت ملتوی ہوگئی اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آنحضرت ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوگئے اور جسم مبارک کو قبر انور میں اتارنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔(۳)

۱۔ کتاب المغازی باب فتح مکہ ۲۔ بخاری، ج ۲، کتاب المغازی

۳۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی، ص ۱۳۶، ۱۳۷

چونکہ آنحضرت ﷺ آخر وقت تک برابر اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کی تاکید فرماتے رہے تھے اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر قدم رکھتے ہی اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا اور بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ علم کو لے کر جرف پہنچ گئے، لیکن اسی درمیان میں ارتداد کا فتنہ کھڑا ہوا، لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فی الحال اس مہم کو روک دیجئے۔ خود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو سکون کی حالت میں بھیجا تھا مگر اب حالات دوسرے ہیں اس لئے فی الحال یہ مہم ملتوی کر دیجئے، لیکن آپ نے جواب دیا کہ خواہ مجھ کو پرندے درندے نوچ کر کھائیں، لیکن میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو پورا کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (۱) بہرحال آپ اس مہم کو روکنے پر آمادہ نہ ہوئے، اور فوج کی روانگی کا حکم دیا۔

پہلی مرتبہ گو آنحضرت ﷺ کی فہمائش سے لوگوں نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت منظور کر لی تھی، لیکن دل سے سب ناپسند کرتے تھے، اس لئے دوبارہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کا حکم دیا تو انصار کی جماعت نے آپ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی مسن تجربہ کار اور معمر شخص کو امارت کا عہدہ دیا جائے، یہ پیام سن کر آپ بہت برہم ہوئے اور فرمایا، ابن خطاب! جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے امیر بنایا ہے تم مجھ سے اس کے معزول کرنے کی خواہش کرتے ہو! اور بلا کسی قسم کی تبدیلی کے بعینہ وہی فوج روانہ کی اور تھوڑی دور خود پیادہ پا رخصت کرنے کے لئے گئے، اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا خلیفہ رسول! آپ سوار ہو کر چلیں، ورنہ ہم لوگ سواریوں سے اتر پڑیں گے، فرمایا نہ مجھ کو سوار ہونے کی ضرورت ہے، نہ تم کو اترنے کی، میرے پیروں کو خدا کی راہ میں غبار آلود ہونے دو۔ (۲) غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس شان سے جیش اسامہ کو رخصت کیا، اور اسامہ رضی اللہ عنہ نے منزل مقصود پر پہنچ کر دشمنوں کا نہایت کامیاب مقابلہ کیا اور اپنے والد بزرگوار کے قاتل کو واصل جہنم کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فتح کا مژدہ بھیجا، آپ اس فتح سے اس قدر مسرور ہوئے کہ اسامہ کی واپسی پر مہاجرین وانصار کو لے کر مدینہ سے باہر ان کے استقبال کو نکلے، اسامہ رضی اللہ عنہ نہایت شاندار طریقہ سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ آگے آگے بریدہ بن حصیب پرچم لہرا رہے تھے اور اس کے پیچھے اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے سبحہ نامی گھوڑے پر سوار تھے، مدینہ آتے ہی انہوں نے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر گھر گئے۔ (۳)

وفات: امیر معاویہ کے آخر زمانہ امارت ۵۴ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ (۴) اس وقت ساٹھ سال کی عمر تھی۔

اہل وعیال: اسامہ رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں کیں اور کثرت سے اولادیں ہوئیں، پہلی شادی ۱۴ سال کی عمر میں خود آنحضرت ﷺ نے زینب بنت حنظلہ کے ساتھ کر دی تھی، مگر اسامہ رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی، دوسری شادی نعیم بن عبداللہ النحام نے آنحضرت ﷺ کے ایما سے اپنے یہاں کر دی، ان کے بطن سے ابراہیم بن اسامہ تھے، اس کے علاوہ خود اسامہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، ان سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں:

۱۔ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۷۱ ۲۔ تاریخ الخلفاء، ص ۷۱

۳۔ ابن سعد حصہ مغازی، ص ۱۳۷ ۴۔ استیعاب، ج ۱، ص ۲۹

نام بیوی	نام اولاد
ہند بنت فاکہہ	--
درہ بنت عدی	محمد، ہندہ
فاطمہ بنت قیس	جبیر، زید، عائشہ
ام حکم بنت عتبہ	---
بنت ابی ہمدان سہمی	---
برزہ بنت ربعی	حسن، حسین

ذریعہ معاش: دربار خلافت سے ۳ ہزار وظیفہ ملتا تھا، اس کے علاوہ وادی القریٰ میں کچھ جائیداد تھی جس کے انتظام کے لئے اکثر جایا کرتے تھے۔

فضل وکمال: اس لحاظ سے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، آپ کو سراپا علم ہونا چاہیے تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ سال یا زیادہ سے زیادہ بیس سال کی تھی؛ اس لئے سن شعور کو پہنچنے کے بعد صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضیاب ہونے کا زیادہ موقع نہ ملا تاہم اس مدت میں جو کچھ بھی آپ نے حاصل کرلیا، اس کو کم نہیں کہا جاسکتا اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کافی ذخیرہ ان کے سینہ میں محفوظ تھا، بعض مرتبہ کبار صحابہ کو جس چیز کا علم نہ ہوتا، اس میں وہ ان کی طرف رجوع کرتے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو جب طاعون کے متعلق کوئی حکم نہ ملا تو آپ نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا، کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں کیا سنا ہے، انہوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ طاعون ایک قسم کا عذاب ہے، جو بنی اسرائیل کے ایک خاص طبقہ پر بھیجا گیا تھا، اس لئے جب تم سنو کہ فلاں جگہ طاعون پھیلا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور خود تمہارے یہاں یہ وبا پھیلے وہاں سے بھاگنے کی نیت سے نہ نکلو۔ (۱) آپ کے عمل سے دوسرے لوگ سند لاتے تھے، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ایک عزیز کا ازار بہت نیچا دیکھا تو اس کو ملامت کی، انہوں نے کہا میں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو نیچا ازار پہنے دیکھا ہے، میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، یہ ممکن ہے کہ ان کا پیٹ بھاری تھا، اس لئے اس پر نہ ٹھہرتا ہو اور نیچے کھسک جاتا ہو۔ (۲) آپ کی ذات سے حدیث کا معتدبہ حصہ اشاعت پذیر ہوا، ان کی مرویات کی تعداد ۱۲۸ ہے، جن میں سے ۱۵ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ مزید دو دو بخاری اور مسلم میں ہیں۔ (۳) حسن محمد ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کریب، ابو عثمان نہدی، عمرو بن عثمان بن عفان، ابو وائل، عامر بن سعد، حسن بصری رضوان اللہ علیہم وغیرہم نے آپ سے روایتیں کی ہیں۔

اخلاق وعادات: چونکہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی اس لئے ان پر قدرۃً تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصا اثر پڑا تھا۔ (۴)

۱۔ بخاری، ج ۱، ص ۴۹۴ ۲۔ ابن سعد جزو ۴، ق ۱، ص ۴۹

۳۔ تھذیب الکمال، ص ۲۶ ۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۱، ص ۲۰۸

خدمت رسول ﷺ: کاشانہ نبوی ﷺ میں کثرت سے آتے جاتے تھے، اور اکثر سفر میں بھی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تھا، اس لئے خدمت نبی ﷺ کا زیادہ موقع ملتا تھا، اکثر وضو وغیرہ کے وقت پانی ڈالنے کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔(۱) سنت کی پابندی شدت سے کرتے تھے، آخر عمر میں جبکہ قوی ریاضت جسمانی کے متحمل نہ تھے، اس وقت بھی مسنون روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے، ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا اب آپ کی عمر ضعیف وناتوانی کی ہے، آپ کیوں دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزے کا التزام کرتے ہیں، کہا آنحضرت ﷺ ان دنوں میں روزہ رکھا کرتے تھے۔(۲)

اطاعت والدین: والدین کی خوشنودی کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے، اور اس میں بڑی مالی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے، محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت ایک ہزار تک پہنچ گئی تھی، اس زمانہ میں اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک درخت کی پیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالا، لوگوں نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو؟ آج کل درختوں کی قیمت اس قدر بڑھی ہوئی ہے اور تم اس کو ضائع کرتے ہو، کہا میری ماں نے فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کی فرمائش کرتی ہے، اگر اس کا حصول میرے امکان میں ہوتا ہے تو اس کو میں ضرور پوری کرتا ہوں۔(۳)

۸۔بلال: راجع: ۱۰۴

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ سترہویں (۱۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی دمشقی، دوسرے مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ صحابی (اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما) کی دوسرے صحابی بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

☆ یہ تابعی (زید) کی دوسرے تابعی (عطاء بن یسار) سے روایت ہے۔

☆ سند میں ''واللفظ لہ'' سے مراد ہے کہ امام نسائی نے روایت دوشیوخ حضرت عبدالرحمٰن بن ابراھیم دحیم رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلیمان بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ سے سماعت کی ہے، جو کہ روایت بالمعنیٰ ہے، البتہ اس حدیث میں مذکور الفاظ حضرت سلیمان بن داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور قال ایک ایک دفعہ جبکہ عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الاسواق: حرم مدینہ، حرم کی وہ حد بندی جو حضور اکرم ﷺ نے خود فرمائی ہے۔

ذھب: آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ **ماصنع:** آپ ﷺ نے کیا کیا۔ **سالت:** میں نے پوچھا۔

۱۔بخاری، ج۱، کتاب الوضو ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج۵ ص۲۰۰ ۳۔ ابن سعد، جزو۴، ق۱ ص۴۹

۱۲۔ اَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ وَالْحَارِثُ بْنُ مِسْكِيْنٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ اَنَا اَسْمَعُ - وَاللَّفْظُ لَهُ - عَنِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ بْنِ اَبِي النَّضْرِ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے: رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح فرمایا۔

۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۱۔اطراف:

بخاری:۲۰۲، احمد ۱۴۵۸، ۱۶۱۷، السنن الکبریٰ:۱۲۸، تحفۃ الاشراف:۱۳۸۹۹

۲۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے چھ راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔سلیمان بن داؤد: راجع:۱۲۰ — ۲۔الحارث بن مسکین: راجع:۹

۳۔ابن وھب: ایضاً — ۴۔عمرو بن الحارث: راجع:۷۹

۵۔ابوالنصر:

آپ کا نام ابوالنصر سالم بن ابی امیہ مدنی (م:۱۲۹ھ) ہے، آپ حضرت عمر بن عبید تیمی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، صالح، کثیر الحدیث تابعی راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت وعدالت پر متفق ہیں، البتہ آپ مرسل روایات کرتے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن: راجع:۱ — ۷۔عبداللہ بن عمر: راجع:۱۲

۸۔سعد بن ابی وقاص: (۲)

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اٹھارویں (۱۸) حدیث مبارکہ ہے۔

۱۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۶ ص۲۲۳ ii۔تاریخ الثقات، ص۱۷۵ ۲۔سیر الصحابہ، ج۱، مہاجرین: اول، ص۹۱۔۱۰۶

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل اور آئمہ میں سے ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی مصری اور آخری چار مدنی ہیں۔

☆ ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ تابعین میں سے ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقہاء عبادلہ اربعہ صحابہ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار چھ سوتیس (۲۶۳۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، اور عشرہ مبشرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے ہیں۔

☆ یہ روایت تابعی (ابوالنصر) کی تابعی (ابوسلمہ) سے اور صحابی (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) کی دوسرے صحابی (حضرت سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ سات دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۲۲۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ - وَهُوَ ابْنُ جَعْفَرٍ - عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ اَبِى النَّضْرِ عَنْ اَبِى سَلَمَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِى وَقَّاصٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ اَنَّهُ لَا بَاْسَ بِهِ.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کے بارے میں فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۱۲۱

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں، ایک کے حالات درج ذیل ہیں:

ا۔ قتیبہ: راجع: ۱۰ ۲۔ اسماعیل بن جعفر: راجع: ۱۷

۳۔ موسیٰ بن عقبہ:

آپ کا نام موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش اسدی مدنی (م: ۱۴۱ھ) ہے۔ آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، فقیہ، کثیر الحدیث راوی ہیں، آپ آل زبیر کے غلام تھے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۴۔ ابوالنضر: راجع: ۱۲۱ ۵۔ ابوسلمۃ: ایضاً ۶۔ سعد بن ابی وقاص: ایضاً

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۸، ص ۱۵۴ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۴۴۴

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہیں۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ترپن (۵۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ یہ سند پچھلی سند سے عالی ہے، کیونکہ پچھلی سند سباعیات ہے، اور یہ سند سداسیات میں سے ہے۔
☆ سند سداسیات میں سے ہے۔
☆ اس سند میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوالنصر کے درمیان دو واسطے ہیں، جبکہ پچھلی سند میں تین واسطے ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ شیخ قتیبہ بغلانی کے علاوہ تمام راوی مدنی ہیں۔
☆ اس سند کے تمام راوی صحاح ستہ کے راوی ہیں۔
☆ سند میں تین تابعی (موسیٰ، ابوالنصر، ابوسلمہ) راوی ہیں۔
☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جو، حدثنا اسماعیل، وھوابن جعفر کہا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ شیخ نے صرف حدثنا اسماعیل کہا تھا، اور وھوابن جعفر کا اضافہ امام رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔ لغات:

لا بأس به : اس میں کوئی حرج نہیں

۱۲۳۔ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عِيسَى عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ فَلَمَّا رَجَعَ تَلَقَّيْتُهُ بِإِدَاوَةٍ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَغْسِلَ ذِرَاعَيْهِ فَضَاقَتْ بِهِ الْجُبَّةُ فَأَخْرَجَهُمَا مِنْ أَسْفَلِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَهُمَا وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ صَلَّى بِنَا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے، جب واپس تشریف لانے لگے، تو میں پانی کا برتن لے کر حاضر ہوا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء وضو پر پانی ڈالنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ دھوئے، پھر چہرہ انور دھویا، پھر دونوں بازو دھونے لگے، تو جبہ مبارک تنگ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ جبہ مبارک کے نیچے سے نکالے اور ان کو دھویا، پھر موزوں پر مسح کیا، اور ہمارے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے،
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

۲۔اطراف:

بخاری:۳۶۳،۳۸۸، مسلم:۲۷۴،ابن ماجہ:۳۸۹،احمد:۱۸۱۸۳،۱۸۲۱۴،تحفۃ الاشراف، ۱۱۵۲۸،جامع المسانید ابن جوزی:۶۴۵۲

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں،جن میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں،ایک کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

ا۔علی بن خشرم: راجع:۸ ۲۔عیسیٰ: ایضاً ۳۔اعمش: راجع:۱۸

۴۔مسلم:

آپ کا نام ابوالضحی مسلم بن صبیح عطار ھمدانی کوفی (م:۱۰۰ھ) ہے،آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ،فاضل،تابعی راوی ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔مسروق: راجع:۱۱۲ ۶۔المغیرۃ بن شعبۃ: راجع:۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چوّن (۵۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (اعمش،مسلم،مسروق) راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور حدثنا ایک ایک دفعہ جبکہ عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:وہ واپس آیا تلقیتہ:میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا باداوۃ:پانی کا برتن

صببت:میں نے انڈیلا ضاقت:تنگ ہوگیا اسفل:نیچے

ا۔ i۔تاریخ الدوری،ج۲،ص۵۶۲ ii۔تاریخ ابی زرعۃ،ص۶۵۴

۱۲۴۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَحْيَى عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ فَصَبَّ عَلَيْهِ حَتَّى فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، تو مغیرہ بھی پانی کا برتن ساتھ لے کر پیچھے پیچھے چل دیئے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے پانی انڈیلا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاجت سے فارغ ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔

۲۔اطراف:

راجع:۷۹،۱۲۳

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں، کچھ کے تفصیلی حالات دوبارہ لکھے جاتے ہیں:

۱۔قتیبۃ بن سعید: راجع:۱

۲۔اللیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ:

امام لیث بن سعد ان ممتاز تبع تابعین میں ہیں۔جن کی مجلس درس میں بڑے بڑے آئمہ نے زانوتلمذتہ کیا تھا۔امام شافعی نے ان کا زمانہ پایا تھا، مگر کسی وجہ سے اکتساب فیض نہ کر سکے، جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا، ان کے مجتہدات اور مسائل فقہ مدون کئے گئے ہوتے تو ان کا شمار آئمہ مجتہدین میں ہوتا، اسی بنا پر امام شافعی فرماتے تھے کہ ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا۔یعنی ان کے افادات کو انہوں نے مدون نہیں کیا کہ ان کی امامت وجلالت کا صحیح اندازہ بعد کے لوگوں کو ہو سکے۔علم وفضل تفقہ فی الدین، فیاضی وسیر چشمی اور تواضع ومدارات ان کے سوانح حیات کی جلی سرخیاں ہیں۔

خاندان: آبائی وطن اصفہان تھا۔مگر ان کا خانوادہ کسی جنگ میں قبلہ قیس کی ایک شاخ فہم کا غلام ہو گیا تھا۔(۱) غالباً اسی وجہ سے آبائی وطن چھوڑ کر ان کو مصر میں متوطن ہونا پڑا، ان کے خاندان کے بزرگوں نے ان کی پیدائش سے پہلے اصفہان کو چھوڑ دیا تھا، مگر لیث بن سعد کے دل میں اصفہان کی محبت ہمیشہ باقی رہی لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ اصفہان کے رہنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔(۲)

۱۔ الرحمۃ الغیثیہ، ص۳ ۲۔ ایضاً

نام ونسب: لیث نام، ابوالحرث کنیت تھی، والد کا نام سعد اور دادا کا نام عبدالرحمن تھا، ان کے والد اور دادا کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غلام خاندان قدیم اسلام تھا۔ مصر کے قریب ایک بستی قرقشندہ میں ان کا خانوادہ اس وقت آباد تھا۔ اور یہیں ان کی ولادت ہوئی یہ بستی مصر کے اس سرسبز وشاداب مقام پر واقع تھی، جس کو ریف مصر کہا جاتا ہے۔ (ریف عربی میں سرسبز وشاداب مقام کو کہتے ہیں، اس مقام کو ریف مصر اس وجہ سے کہتے تھے کہ یہ اپنی سرسبزی وشادابی میں پورے ملک میں ممتاز تھا) یاقوت نے لکھا ہے کہ اس بستی میں حضرت لیث کا ایک مکان تھا، جس کو ان کے چچازاد بھائی ابن رفاعہ نے دشمنی کی وجہ سے گرادیا تھا۔ مگر امام نے تیسری بار پھر اسے تعمیر کرایا۔ یہ ابن رفاعہ اس وقت مصر کا امیر تھا۔ ابن رفاعہ کو امام سے کیوں اس قدر عناد تھا کہ اس نے آپ کا مکان تک گرادیا اس کی وجہ ارباب تذکرہ نگاروں نے ذکر نہیں کیا۔ مگر قرائن سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے، ان کے بعض سوانح نگار لکھتے ہیں کہ غلہ کی پیداوار سے لیث بن سعد کو ۲۵ ہزار سے ۴۰، ۵۰ ہزار درہم سالانہ تک آمدنی ہوجایا کرتی تھی۔ (۱) اگر چہ اس کی تصریح نہیں ملتی کہ یہ جائیداد جس سے اتنی کثیر آمدنی ہوتی تھی۔ کہاں پر تھی، مگر غالب گمان یہ ہے کہ یہ قرقشندہ ہی میں ہوگی، اس لئے کہ مصر کی بہترین اور کثیر پیداوار یہیں ہوتی تھی، اس لئے ممکن ہے کہ اس لالچ کی وجہ سے ابن رفاعہ نے یہ کوشش کی ہو کہ اگر ان کی بودوباش یہاں نہ رہے گی تو اس جائیداد پر اس کو تصرف کا حق مل جائے گا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ منصور نے لیث بن سعد کے سامنے مصر کی امارت (گورنری) پیش کی تھی۔ مگر انہوں نے انکار کردیا ممکن ہے، ابن رفاعہ نے اسی وجہ سے ان کو پریشان کیا ہو کہ منصور کی ناراضگی کا اثر اس کے اقتدار پر نہ پڑے، اس آبائی مکان اور جائیداد کے علاوہ بھی لیث بن سعد نے ایک مکان اور مسجد مصر میں تعمیر کرائی تھی۔ یہ مکان ومسجد جس جگہ پر واقع تھے، اس کو ''زقاق لیث'' (کوچہ لیث) کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ (۲)

سن ولادت: لیث بن سعد کے سنہ ولادت میں تھوڑا سا اختلاف ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ ان کی ولادت ۹۴ھ میں ہوئی، خود فرماتے تھے کہ میرے خاندان کے بعض لوگوں کا بیان ہے کہ میں ۹۲ھ میں پیدا ہوا لیکن صحیح یہ ہے کہ میری ولادت ۹۴ھ میں ہوئی اس لئے کہ جس وقت عمر بن عبدالعزیز کا انتقال ہوا میں ۷ا برس کا تھا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۰۱ھ میں ہوا۔

تعلیم وتربیت: ان کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے بارے میں کچھ زیادہ تفصیلات نہیں ملتیں مگر ان کو نحو وادب اور شعر وسخن سے بھی دلچسپی تھی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے عام دستور کے مطابق ان کی ابتدائی تعلیم ان ہی علوم سے شروع ہوئی، مگر بعد میں ان پر فقہ وحدیث کا اتنا غلبہ ہوا کہ ان کے صحیفہ زندگی کے اصل عنوان یہی علوم بن گئے اور دوسرے علوم ان میں گم ہوگئے۔ سن شعور کو پہنچتے ہی انہوں نے حدیث وفقہ کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے اپنے وطن مصر کے مشائخ فقہ وحدیث سے استفادہ کیا، پھر اسلامی ممالک کے دوسرے مقامات کا سفر کرکے تمام معروف ومشہور اساتذہ سے مستفیض ہوئے، ان کے اساتذہ میں پچاس سے زیادہ کبار تابعین ہیں۔

مشہور تابعی نافع جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خاص تربیت یافتہ تھے، لیث بن سعد کے زمانہ میں مرجع خلائق تھے، یہ ان کی خدمت میں بھی پہنچے، حضرت نافع نے ان کا نام ونسب اور وطن پوچھا، جب یہ بتاچکے تو عمر دریافت کی کہا بیس برس۔ فرمایا مگر داڑھی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری عمر چالیس سال سے کم نہ ہوگی۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میں نے لیث بن سعد کا ایک مرتب کردہ حدیث کا ایک مجموعہ دیکھا تھا۔ جس میں

ا۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۱، صفوۃ الصفوۃ، ج ۴، ص ۲۷۵ ۲۔ معجم البلدان، ج ۷، ص ۵۸

انہوں نے سو کے قریب حدیثیں صرف نافع کی روایت سے جمع کی تھیں، نافع مولی ابن عمر رضوان اللہ علیہم کے علاوہ ان کے چند تابعی شیوخ کے نام یہ ہیں۔

امام زہری، سعید المقبری، عبداللہ بن ابی ملیکہ، یحییٰ الانصاری وغیرہ ان کے علاوہ بے شمار تبع تابعین سے بھی انہوں نے فیض حاصل کیا۔ امام نووی ان کے چند ممتاز شیوخ کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وخلائق لایحصون من الائمۃ۔ (۱)

''ان کے علاوہ اتنے آئمہ سے انہوں نے استفادہ کیا ہے کہ ان کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے''۔

امام زہری سے سماع: بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کو امام زہری سے بھی سماع حدیث حاصل ہے۔ (بغدادی نے لکھا ہے کہ ۱۱۳ھ میں حج کے لئے گئے تھے، اسی سال مکہ میں امام زہری سے انہوں نے سماع کیا تھا۔ حافظ ابن حجر نے بھی تہذیب میں یہی لکھا ہے مگر الرحمۃ الغیثۃ میں اس کے خلاف ایک روایت نقل کی ہے، (ابن خلکان نے روایت کے بجائے طلب کا لفظ لکھا ہے جس کا مفہوم بھی یہی ہے ابن خلکان نے ان سے استفادہ کا تو ذکر کیا ہے، مگر سماع کا نہیں) مگر یہ صحیح نہیں ہے، امام زہری کے علم وفضل سے انہوں نے فائدہ ضرور حاصل کیا تھا۔ لیکن یہ استفادہ بالواسطہ تھا۔ بالمشافہ نہیں تھا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ لیث امام زہری کی روایتیں کبھی ایک، کبھی دو اور تین اور اس سے زائد واسطوں سے روایت کرتے ہیں، خود لیث کا یہ قول متعدد تذکروں میں منقول ہے۔

کتبت من علم الزھری کثیراً (یعنی عن غیرہ) فاردت ان ارکب البرید الیہ الی الرصافۃ فخفت ان لایکون ذالک اللہ فترکت ذالک (یعنی فصاریروی عنہ بالواسطۃ) (۲)

''میں نے زہری کی روایتوں کی ایک کثیر مقدار لکھ لی تھی (یعنی غیروں کے واسطے سے) پھر میں نے ارادہ کیا کہ رصافہ جا کر ان سے بالمشافہ روایت کروں مگر اس خوف سے باز آیا کہ ممکن ہے کہ میرا یہ عمل اللہ کی رضا کے لئے نہ ہو (مقصد یہ ہے کہ پھر وہ بالواسطہ ہی روایت کرتے رہے)''۔

فضل وکمال: لیث بن سعد اپنی فطری صلاحیت اور غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے آغاز شباب میں تابعین اور تبع تابعین دونوں کے علوم کے جامع بن گئے اور ہر طرف ان کے علم وفضل کا چرچا شروع ہو گیا، خود ان کے شیوخ تک ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے تھے، شرحبیل بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے ممتاز اور معمر آئمہ حدیث کو دیکھا ہے کہ وہ لیث کے علم وفضل کا اعتراف کرتے تھے، اور ان کو آگے بڑھاتے تھے، حالانکہ ابھی بالکل نوجوان تھے، یحییٰ بن سعید ان کے شیوخ میں ہیں، انہوں نے کسی بات سے ان کو ٹوکا اور پھر فرمایا کہ امام وقت ہو جس کی طرف نظریں اٹھتی ہیں۔ (۳) امام شافعی نے ان کا زمانہ پایا تھا۔ مگر ان سے استفادہ نہ کر سکے تھے، جس کا ان کو زندگی بھر افسوس رہا، فرماتے تھے مجھے لیث بن سعد اور ابن ابی ذہب کے علاوہ کسی سے نہ ملنے کا افسوس نہیں ہے۔ (۴) مشہور محدث عبداللہ بن وہب فرماتے تھے کہ اگر لیث اور امام مالک نہ ہوتے تو میں گمراہ ہو جاتا۔ ابواسحاق شیرازی نے لکھا ہے کہ مصر میں تابعین کا علم لیث پر ختم ہو گیا، امام ابن حبان کا قول ہے کہ علم وفضل تفقہ اور قوت حافظہ میں اپنے زمانہ کے ممتاز لوگوں میں تھے۔ (۵) امام نووی نے لکھا ہے کہ ان کی امامت وجلالت شان اور حدیث وفقہ میں ان کی بلندی مرتبت پر سب کا

۱۔ تھذیب الاسماع، ج ۱، ص ۴۷ ۲۔ الرحمۃ الغیثیۃ، ص ۴ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۴۷، الرحمۃ ۲
۴۔ ایضاً ۵۔ تھذیب الاسماء، ج ۲، ص ۴۷

اتفاق ہے، وہ اپنے زمانہ میں مصر کے امام تھے۔ (تدلیس فن حدیث کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ راوی بیچ کے آدمی کا تذکرہ چھوڑ دے اور اوپر کے راوی کا نام لے اس سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ اس نے اوپر کے راوی سے براہ راست روایت کی ہے) یعقوب بن داؤد مہدی کا وزیر تھا اس کا بیان ہے کہ جب لیث بن سعد عراق آئے تو مہدی نے کہا کہ اس شیخ وقت کی صحبت اختیار کرو، اس وقت ان سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ میں نے اختلاف آئمہ پر نظر ڈالی بجز ایک مسئلہ کے لیث بن سعد کو کسی دوسرے مسئلہ میں صحابہ و تابعین سے الگ نہیں پایا، وہ مسئلہ جس میں وہ منفرد تھے، وہ یہ ہے کہ وہ مری ہوئی ٹڈی کھانا حلال نہیں سمجھتے، حالانکہ اس کی تحریم کا کوئی قائل نہیں ہے۔(۱)

حدیث: علم حدیث میں ان کی حیثیت مسلم ہے، حدیث کی کوئی متداول کتاب نہیں ملے گی جس میں لیث بن سعد کی مرویات نہ موجود ہوں، ان سے سماع حدیث کو بڑے بڑے آئمہ اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے، مگر اس کے باوجود وہ روایت حدیث میں حد درجہ محتاط تھے ابوالزبیر ان کے مشائخ حدیث میں تھے، مگر وہ جن روایتوں میں تدلیس کرتے تھے، ان روایتوں کی تحدیث کو لیث ترک کر دیتے تھے، اس وجہ سے محدثین نے لکھا ہے کہ ابوالزبیر کی وہ مرویات جو لیث سے مروی ہیں، بہت زیادہ قابل اعتماد ہیں، غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ کے باوجود وہ تحدیث روایت میں کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔

حتی کہ جو روایتیں ان کے یہاں لکھی ہوتی تھیں۔ انہیں بھی خود اپنی زبان سے روایت کرتے تھے۔(۲) بہت سے محدثین کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنی مرویات کی دوسروں کے ذریعہ تحدیث کراتے تھے، ان کے صاحبزادے شعیب کا بیان ہے کہ ایک بار تلامذہ نے ان سے پوچھا کہ آپ بسا اوقات ایسی روایتیں بھی کر دیتے ہیں جو آپ کے مرتب کردہ مجموعوں میں نہیں ہیں، فرمایا کہ جو کچھ میرے سینے میں محفوظ ہے وہ سب اگر سفینوں میں منتقل کر دیا جاتا تو ایک سواری کا بوجھ ہو جاتا۔(۳) حدیث کی روایت اور اس کی حفاظت میں جو درک ان کو حاصل تھا۔ اس کا اعتراف تمام ممتاز اہل علم اور آئمہ جرح و تعدیل نے کیا ہے۔ امام احمد ابن حنبل فرماتے تھے کہ لیث کثیر العلم اور صحیح الحدیث تھے، ابوداؤد کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے سنا ہے، وہ فرماتے تھے کہ مصر میں صحیح احادیث کی روایت اور ان کے حفظ و اتقان میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ اس مرتبہ میں عمرو بن حارث ان سے کچھ قریب تھے، کسی نے ان سے کہا فلاں نے ان کی تضعیف کی ہے، فرمایا کہ میں نہیں جانتا۔ جرح و تعدیل کے امام یحیٰی بن معین ان کو ثقہ کہتے تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ لیث اور ابن ابی وہب میں کس کو حدیث کا محافظ پاتے ہیں، فرمایا دونوں کو۔ پھر کہا کہ یزید بن حبیب کی مرویات میں ان کا درجہ محمد بن اسحاق سے بلند ہے، ایک شخص نے ابن معین سے پوچھا کہ حضرت نافع سے جو احادیث انہوں نے روایت کی ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ فرمایا نہایت ہی صالح اور قابل وثوق ہیں۔ ابن المدینی کا قول ہے کہ لیث ثقہ اور قابل اعتماد تھے، اسی طرح عجلی، نسائی، ابوزرعہ، یعقوب بن ابی شیبہ جیسے آئمہ حدیث نے ان کی توثیق کی ہے آئمہ جرح و تعدیل جب کسی محدث یا امام کی توثیق یا تجریح کرتے ہیں تو اس وقت عموماً ان کے پیش نظر نہ ان کی امامت و جلالت ہوتی ہے اور نہ کوئی اور جذبہ بلکہ ان کے سامنے روایت و درایت کے وہ اصول ہوتے ہیں، جن کو انہوں نے کتاب و سنت سے اخذ کر کے تحدیث و روایت کی اساس قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات بڑے بڑے آئمہ کی مرویات پر ان کو جرح کرنا اور ان کو رد کر دینا پڑتا ہے، اور بہت سے کم درجہ محدث کی روایتوں کو قبول کر لینا اور ان کی توثیق کرنی پڑتی ہے، اس لئے علم حدیث میں کسی امام و محدث کے درجہ کی تعیین کرنے میں ان کے اقوال و آراء سے بڑی مدد ملتی ہے، اور ان کی روشنی میں ان کے علم و فضل کے خدوخال بھی بخوبی

۱۔ الرحمۃ، ص ۹ ۲۔ الرحمۃ، ص ۴ ۳۔ تھذیب، ج ۸، ص ۴۶۳

نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے جن آئمہ نے حدیث کی تدوین وترتیب اور اس کی حفاظت میں حصہ لیا ہے ان کے سوانح حیات میں آئمہ جرح وتعدیل کے اقوال کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر یہ نقل کئے گئے ہیں۔

فقہ: علم فقہ اب ایک مخصوص فن بن گیا ہے، مگر دوسری صدی کے نصف تک یہ کوئی مرتب و مدون فن نہیں تھا۔ اور نہ تو مختلف حلقے اور مدارس فقہ قائم ہوئے تھے، بلکہ جن ارباب علم میں ملکہ اجتہاد تھا وہ ضرورت کے مطابق کتاب وسنت سے اجتہاد کرتے تھے، قریب قریب ہر اسلامی ملک میں دو چار ایسے آئمہ مجتہدین موجود تھے، جو حالات وضرورت کے مطابق پیش آمدہ مسائل کا جواب دیا کرتے تھے، جس شخص کو جس امام پر اعتماد تھا، وہ ان کے مجتہدات پر عمل کرتا تھا۔ لیث ابن سعد کے زمانہ میں ایک طرف عراق اور شام میں امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مجتہدات کا چرچا تھا تو دوسری طرف حجاز میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ واجتہاد کا غلغلہ تھا، ابھی مصر کی سرزمین میں کوئی ممتاز مجتہد نہیں پیدا ہوا تھا لیث بن سعد کے وجود سے یہ کمی پوری ہوگئی، ان میں پورا ملکہ اجتہاد موجود تھا، اور انہوں نے نہ جانے کتنے مسائل قرآن وسنت سے مستنبط بھی کئے، مگر افسوس ہے کہ دوسرے آئمہ کی طرح ان کے استنباطات اور مجتہدات مدون ومرتب نہیں ہو سکے جس کی وجہ سے نہ تو ان کو شہرت حاصل ہو سکی اور نہ ان کے فقہ واجتہاد کا عام چرچا ہی ہو سکا تفقہ واجتہاد میں ان کا جو مرتبہ تھا۔ اس کا اندازہ آئمہ محدثین کے اقوال سے بخوبی ہوتا ہے، امام شافعی فرماتے تھے کہ لیث بن سعد امام مالک سے زیادہ آثار واحادیث کے لئے (تفقہ کے اعتبار سے) نافع تھے، ان ہی کا قول ہے کہ:

اللیث افقه من مالك الا ان اصحاب ضیعه — ''لیث امام مالک سے زیادہ فقیہ تھے لیکن ان کے تلامذہ نے ان کو ضائع کر دیا''۔

اس جملہ کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

یعنی لم یدو نوفقهه کما دونوافقه مالك۔ (۱) — ''جس طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کی تدوین کی گئی، اس طرح لیث کے شاگردوں نے ان کی فقہ کو تدوین نہیں کیا''۔

یحییٰ بن بکیر کہا کرتے تھے کہ لیث امام مالک سے افقہ تھے (مگر شہرت وعظمت) ان کے حصہ میں آئی، مشہور محدث ابن وہب کا بیان ہے کہ لیث کے مستنبط مسائل ان کی مجلس میں پیش کئے گئے تو ایک دن ایک مسئلہ پر حاضرین نے بڑی تحسین کی اور کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیث امام مالک سے سن کر جواب دے دیتے ہیں، میں بخدا کہتا ہوں کہ میں نے لیث سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا۔

یہ ابن وہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خاص تلامذہ میں ہیں، اس لئے ان کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے، اسی تفقہ واجتہاد کی وجہ سے منصور خلیفہ عباسی ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔ مصر میں قضاہ کا تقرر بغیر ان کی مرضی کے نہیں ہوتا تھا۔ منصور نے بھی خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ مصر کی امارت قبول کر لیں مگر انہوں نے اس سے انکار کیا بعض تذکروں میں ہے کہ یہ مصر کے قاضی بنا دیئے گئے تھے، مگر بعض قرائن کی بنا پر یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا۔
کمال تفقہ کے باوجود جب ان کو کوئی مسئلہ نہیں معلوم ہوتا تھا وہ دوسرے اہل علم سے دریافت کرنے میں تکلف محسوس نہیں کرتے تھے، ایک بار آپ ایک مسجد سے نکلے تو یحییٰ بن ایوب ادھر سے گزر رہے تھے، ان کو روکا اور کسی مسئلہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا وہ جواب دے کر واپس چلے گئے، گھر پہنچ کر انہوں نے اس احسان کا بدلہ یہ چکایا کہ ایک ہزار دینار ان کو ہدیۃً بھیج دیئے۔ (۲)

۱۔ الرحمۃ الغیثیہ، ص۹ ۲۔ الرحمۃ الغیثیہ، ص۵

دوسرے علوم: حدیث وفقہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی انہیں دستگاہ تھی، یحییٰ بن بکیر کا قول ہے کہ میں نے لیث سے زیادہ جامع آدمی نہیں دیکھا وہ مجسم فقیہ تھے، ان کی زبان خالص عربی تھی، قرآن نہایت ہی اچھا پڑھتے تھے، نحو میں بھی درک تھا۔ اور اشعار عرب اور حدیث کے حافظ تھے، بات چیت بھی بہت عمدہ کرتے تھے۔(۱) یہی قول امام نووی نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے، ان کی یہ جامعیت صرف علم وفن ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ دوسرے اوصاف کے بھی وہ جامع تھے۔

اہل مصر کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تنقیص سے روکا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جہاں اور بہت سے فتنے پیدا ہوئے، وہاں ایک فتنہ بزرگوں پر طعن وتشنیع اور سب وشتم کا بھی تھا۔ جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامی تھے، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا ضروری سمجھتے تھے، اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مددگار تھے، وہ عثمان رضی اللہ عنہ پر چھینٹے ڈالنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ مصر کے باشندے عام طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی تھے، اس لئے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مذمت وتنقیص کیا کرتے تھے، مصر میں جب امام لیث بن سعد کا اثر ورسوخ بڑھا تو انہوں نے اس کے خلاف آواز اٹھائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل عام طور پر بیان کرنے شروع کردیئے۔ یہاں تک کہ تنقیص عثمان رضی اللہ عنہ کی ہر بدعت سیہء مصر سے ختم ہوگئی۔(۲)

وفات: اس مجسمہ حسن وخوبی اور مجموعہ فضل وکمال نے نصف شعبان بروز جمعہ ۱۷۵ھ کو وفات پائی اور جمعہ کی نماز کے بعد مصر کے ممتاز قبرستان قرافہ صغریٰ میں جس میں نہ جانے کتنے گنجہائے گراں مایہ مدفون تھے۔ سپرد خاک کئے گئے۔ موسیٰ بن عیسیٰ ہاشمی نے نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں بے شمار مجمع تھا، مگر پورا مجمع اس طرح پیکر غم بنا ہوا تھا کہ گویا یہ ہر شخص کے گھر کی میت ہے، خالد بن عبدالسلام صدقی کا بیان ہے کہ میں اپنے والد عبدالسلام کے ساتھ جنازہ میں شریک تھا، میں نے ایسا عظیم الشان جنازہ نہیں دیکھا، پورا مجمع پیکر غم بنا ہوا تھا، ہر ایک دوسرے سے اظہار تعزیت کررہا تھا، غم کا یہ عالم دیکھ کر میں نے اپنے والد سے کہا کہ مجمع کا ہر شخص ایسا غم زدہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ جنازہ اسی کے گھر کا ہے، والد نے کہا کہ بیٹا یہ ایسے جامع فضل وکمال عالم تھے، کہ شاید تمہاری آنکھیں پھر ایسا عالم نہ دیکھیں۔(۳)

اولاد: ان کے دو صاحبزادوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں، ایک شعیب دوسرے حرث، آپ کی کنیت ابوالحرث ان ہی صاحبزادہ کے نام پر تھی، ان صاحبزادگان کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے مگر جستہ جستہ جو واقعات ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب علم تھے، شعیب کے صاحب علم ہونے کا پتہ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام لیث بن سعد انہی کی اقتداء میں نماز پڑھا کرتے تھے۔(۴)

تصانیف: افسوس ہے کہ ان کی مرویات اور ان کے افتاوے ومجتہدات باقاعدہ مدون نہیں کئے گئے ورنہ ان کے علم وفضل کا ایک اچھا خاصہ ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہوتا، اب بھی اگر احادیث وفقہ کی کتابوں سے ان کی مرویات اور ان کے اقوال وفتاوے کو الگ کرلیا جائے تو حدیث وفقہ کا ایک اچھا خاصہ گلدستہ اس سے تیار کیا جاسکتا ہے، مگر اب اس طرح کام کون کرے اور اگر کر بھی لیا جائے تو اس کی قدر کون کرے، تذکروں میں ان کی جن تحریری یادگاروں کا ذکر ملتا ہے وہ یہ ہیں۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ کثیر تصانیف تھے۔(۵) لیکن انہوں نے ان کی کسی تصانیف کا ذکر نہیں کیا ہے، اور یہ عموماً تصانیف کا تذکرہ کم کرتے ہیں۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۲۰۴ ۔ ۲۔ تاریخ بغداد، ج۱۳ص۷ ۔ ۳۔ الرحمۃ الغیثیہ، ص۹
۴۔ تاریخ بغداد، ج۱۳ص۱۰ ۔ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۲۰۷

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں تو ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر الرحمۃ الغیثیہ میں لکھا ہے کہ میں نے ان کی مرویات، کا دو مجموعہ دیکھا ہے جو حضرت نافع کے واسطہ سے مروی ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں لیث بن سعد کی روایت کردہ چالیس ایسی احادیث بھی نقل کی ہیں، جو ان تک صرف آٹھ واسطوں سے پہنچی ہیں ایسی روایات جو کم راویوں کے ذریعہ مروی ہوں ان کو محدثین کی اصطلاح میں عوالی حدیث کہا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی تک ان کی مرویات کے بعض مجموعے متداول تھے، کسی شاگرد نے ان سے پوچھا کہ آپ بسا اوقات ایسی روایتیں کرتے ہیں جو آپ کی کتابوں میں نہیں ملتیں، بولے:

او کلھا فی صدری فی کتبی ؟(۱) کیا جو کچھ سینہ میں ہے وہ سب میری تمام کتابوں میں آ گیا ہے؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود لیث بن سعد نے اپنی مرویات اور ممکن ہیں کہ بعض فتاوے وغیرہ بھی مرتب کر لئے تھے، جو ان کے تلامذہ کی عدم توجہی کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ جیسا کہ امام شافعی نے فرمایا ہے، ''ضیعه اصحابه'' ان کے تلامذہ نے ان کو (یعنی ان کے علم و فضل کو) ضائع کر دیا۔

ابن ندیم نے ان کی دو کتابوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے، ایک کتاب التاریخ وغیرہ کتاب المسائل فی الفقہ۔ (۲)

۳۔ یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ:

نام و نسب: یحییٰ نام، ابوسعید کنیت، نسب نامہ یہ ہے یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو بن سہل ابن ثعلبہ بن حارث بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار انصاری مدنی۔

فضل و کمال: یحییٰ علمی اعتبار سے اپنے دور کے ممتاز ترین تابعین میں تھے۔ ان کی علمی جلالت پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور امامت پر سب کا اجماع ہے۔ (۳) حافظ ذہبی ان کو امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ (۴)

حدیث: اگر چہ یحییٰ بن سعید اس دور کے بزرگ ہیں، جب کہ عہد صحابہ کی آخری بہار آ چکی تھی۔ پھر بھی جو باقیات صالحات رہ گئے تھے یحییٰ نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ چنانچہ صحابہ اور کبار تابعین میں انہوں نے انس بن مالک، سائب بن یزید، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ، ابوامامہ ابن سہل بن حنیف، سعید بن مسیب، قاسم بن محمد بن عمرو بن سلمہ بن عبدالرحمن، عروہ بن زبیر، سلیمان ابن یسار رضوان اللہ علیہم وغیرہ سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا۔ (۵)

ان بزرگوں کے فیض نے یحییٰ کو بڑا حافظ حدیث بنا دیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقة کثیر الحدیث حجة ثبتا۔ (۶) ابن مبارک انہیں اکابر حفاظ حدیث میں شمار کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم انہیں امام زہری کے برابر سمجھتے تھے۔ مدینہ کے دو شخص ایسے تھے جن کی ذات سے مدینۃ الرسول کا علم محفوظ رہا، ایک زہری دوسرے یحییٰ بن سعید۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو بہت سے سنن ضائع ہو جاتے۔ کبار تابعین کے بعد مدینہ میں چار حاملین علم تھے۔ ان میں ایک یحییٰ بن سعید ہیں۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ اہل مدینہ انہیں زہری سے بھی زیادہ بلند مرتبہ سمجھتے تھے۔ یحییٰ القطان کہتے تھے کہ یحییٰ بن سعید کو اس حیثیت سے زہری پر تفوق حاصل ہے کہ زہری کے بارے میں لوگوں کا اختلاف موجود ہے۔ لیکن ان کے بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ انہوں نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں۔ (۷)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۴۶۲ ۲۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تبع تابعین، حصہ اول، ص ۲۵۷۔۲۶۸

۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۵۳ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۳۲

۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۱، ص ۱۵۴ ۶۔ تھذیب، ج ۱۱، ص ۲۲۲ ۷۔ ایضاً ص ۱۲۵

فقہ: فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے یحییٰ سے بڑا فقیہ مدینہ میں نہیں چھوڑا۔(۱) ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ مدینۃ الرسول کے جو مخزن فقہاء تھا، قاضی تھے۔(۲) مروان کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کی جاتی تھی کہ حجاج کو یحییٰ بن سعید کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے۔(۳)

عہدۂ قضا: ابتداء میں مدینہ کے قاضی تھے۔ پھر دولت عباسیہ کے قیام کے بعد ابو جعفر منصور عباسی نے انہیں بلا کر قاضی القضاۃ کے جلیل القدر منصب پر ممتاز کیا۔(۴) ایک روایت ہے کہ وہ ہاشمیہ میں اس عہدہ پر ممتاز ہوئے تھے۔ دوسری یہ کہ بغداد میں،(۵) مدینہ کے قیام کے زمانہ میں ان کی مالی حالت نہایت خراب ہوگئی تھی، بڑی عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بہت مقروض ہوگئے تھے۔ عین اسی زمانہ میں منصور نے عہدۂ قضا کے لئے طلب کیا، اس عہدہ پر تقرر کے دو مہینے کے اندر ان کی حالت درست ہوگئی اور کل قرض ادا ہو گیا۔(۶)

بعض زرین اصول: یحییٰ بن سعید بعض نہایت زریں اصول ارشاد فرماتے تھے۔ جو آج بھی مذہبی مسائل میں ادنیٰ اختلاف پر ایک دوسرے کو ہدف ملامت بنانے والوں کے لئے سبق کا کام دے سکتے ہیں۔ فرماتے تھے۔ کہ ''اہل علم میں وسعت ہے۔ مفتیوں میں مسائل میں ہمیشہ باہم اختلاف ہوتا چلا آیا ہے۔ ایک شخص ایک شے کو حرام کہتا ہے اور دوسرا حلال۔ لیکن اس اختلاف سے کوئی ایک دوسرے پر عیب نہیں لگاتا۔(۷)

وفات: ۱۴۳ھ میں ہاشمیہ میں وفات پائی۔(۸)

۴۔ سعد بن ابراھیم:

آپ کا نام سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف (م:۱۲۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، فاضل، کثیر الحدیث راوی ہیں، آپ نے بہتر سال کی عمر میں وفات پائی، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت وعدالت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ، آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۹)

۵۔ نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: نافع نام، ابو محمد کنیت، قریش کے مشہور سردار مطعم بن عدی کے جنہوں نے تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر طرف سے مشرکین کا نرغہ تھا، بڑی حمایت کی تھی، پوتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے، نافع بن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔ ماں کا نام ام قتال تھا۔ نانہالی شجرہ یہ ہے، ام قتال بنت نافع بن ضریب بن نوفل۔

فضل وکمال: علمی اعتبار سے نافع اکابر تابعین میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور فاضل تھے، ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن خراش کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور مشہور آئمہ میں سے تھے۔(۱۰)

حدیث: اگرچہ حدیث میں ان کا کوئی بلند پایہ نہ تھا۔ لیکن انہوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب مدینہ کی گلی گلی سمعت وحدثنا کے ترانوں سے گونج رہی

۱۔ ایضاً ۱۲۴ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۲۲ ۳۔ ایضاً، ص۱۲۴

۴۔ ایضاً ۱۲۲

۵۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ص۱۵۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۲۳ ۷۔ ایضاً، ۱۴۲

۸۔ سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام، ص۳۲۷۔۳۲۹

۹۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج۹، ص۱۷۹ ii۔ تاریخ الثقات، ص۱۷۸ ۱۰۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ق۲، ص۱۲۲

تھی، اور علم کے ساتھ ادنیٰ ذوق رکھنے والے بھی اس سے محروم نہ تھے۔ اس لئے نافع بن جبیر کا دامن بھی اس دولت سے خالی نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے والد جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ جیسے اکابر ملت سے فیض اٹھایا تھا۔ (۱) ان کے فیض سے نافع کا دامن علم اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ شائقین حدیث ان کے کمالات علمی سے استفادہ کرتے تھے۔ ان روایت کرنے والوں میں عمرو بن زبیر، سعید بن ابراہیم، امام زہری، حبیب بن ابی ثابت، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، عبداللہ بن فضل ہاشمی، موسیٰ بن عقبہ، عمرو بن دینار اور عتیبہ بن مسلم وغیرہ لائق ذکر ہیں۔ (۲)

فقہ: فقہ میں بھی انہیں درک تھا۔ وہ مدینہ کے صاحب افتاء علماء میں تھے، اور ان کے فتاویٰ معتبر سمجھے جاتے تھے۔ (۳)

فصاحت و بلاغت: قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے، یہ خاندانی وصف ان کے حصہ میں وافر آیا تھا۔ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور بڑی کڑک دار آواز سے بولتے تھے۔ (۴)

فضائل اخلاق: فضائل اخلاق و عمل کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے، ابن حبان کو ان خیار ناس میں لکھتے ہیں۔ (۵)

پاپیادہ حج: آرام کے وسائل رکھتے ہوئے راہ خدا میں تکلیف اٹھانا بڑی عبادت ہے۔ نافع محض حصول اجر کے لئے پاپیادہ حج کیا کرتے تھے، عمران بن موسیٰ کا بیان ہے کہ نافع پاپیادہ حج کرتے تھے۔ اور ان کی سواری ان کے پیچھے ہوتی تھی۔ (۶)

دبدبہ و شکوہ: ان کے خاندان میں پشتہا پشت سے سرداری چلی آتی تھی۔ اس لئے ان کے مزاج میں اس کی بو باقی تھی، نہایت بھاری اور بلند لہجہ میں باتیں کرتے تھے۔ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خود پرستی و تمکنت تھی۔ لیکن ان کی ظاہری شوکت سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے وہ خود اس کی تردید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ میں تکبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم میں گدھے پر سوار ہوا ہوں۔ شملہ پہنا ہے۔ بکریوں کا دودھ دوہا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کئے اس میں تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا پھر میں متکبر کیسے ہو سکتا ہوں۔ (۷)

اصلاح نفس: ان کے واقعات زندگی سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے وہ عمداً ایسے کام کیا کرتے تھے جو پندار کے خلاف ہوتے تھے۔ جعفر بن نجیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نافع بن جبیر علاء بن حرتی کے حلقہ درس میں جو حرقہ کے غلام تھے شریک ہوئے۔ علاء کے درس تمام کرنے کے بعد نافع نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ لوگ جانتے ہیں میں آپ لوگوں کے پاس کیوں آ کر بیٹھا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا درس سننے کے لئے۔ نافع نے کہا نہیں، بلکہ اس لئے کہ آپ کے پاس بیٹھنے سے خدا کے پاس تواضع کا اظہار ہو اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک بہت معمولی شخص کو امامت کے لئے بڑھایا۔ نماز ختم ہونے کے بعد اس سے پوچھا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں آگے بڑھایا تھا۔ اس نے کہا نماز پڑھانے کے لئے، کہا نہیں بلکہ اس لئے کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے خدا کے حضور میں تواضع ظاہر ہو۔ (۸)

وفات: سلیمان بن عبد الملک عہد خلافت کے آخر میں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ (۹)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۴۰۵　۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۴۰۵　۳۔ ایضاً
۴۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۳　۵۔ ایضاً　۶۔ ایضاً
۷۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۳　۸۔ ایضاً　۹۔ ایضاً

اولاد: وفات کے بعد محمد، عمر، ابوبکر اور علی کئی لڑکے یادگار چھوڑے۔

حلیہ ولباس: بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے۔ دانتوں میں سونے کے تار کسے ہوئے تھے لباس عموماً سفید اور قیمتی پہنتے تھے۔ خز جو ایک بیش قیمتی کپڑا ہے زیادہ استعمال کرتے تھے۔ (۱)

۶۔ عروۃ بن المغیرۃ: راجع: ۷۹ ۷۔ المغیرۃ: راجع: ۱۷

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ انیسویں (۱۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری، تیسرے، چوتھے اور پانچویں مدنی اور آخری دو راوی کوفی ہیں۔

☆ اس سند کے راوی چار مختلف شہروں سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے روایت لینے میں اصحاب اصول متفق ہیں۔

☆ سند میں چار تابعی (یحییٰ، سعد، نافع، عروہ) راوی ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے کی باپ سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظِ ادائے روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

خرج: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اتبعہ: وہ ان کے پیچھے چلے

ماء: پانی فرغ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے

۷۔ مسائل ونصائح:

موزوں پر مسح کی بحث کو ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے فقہاء کے تمام مسالک کو جامع و مانع انداز میں بیان کیا ہے، اس بحث کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ مسح علی الخفین (موزوں پر مسح) کے معنی اور اس کی مشروعیت...... مسح علی الخفین وضو میں پاؤں کے دھونے کے بدلے میں مشروع کیا گیا ہے۔ لغت میں اس کا مطلب ہے ہاتھ کا کسی چیز پر پھیرنا اور شرعاً اس کا مطلب ہے تر ہاتھ کو موزوں پر خاص حصے میں خاص وقت میں پھیرنا۔ اور

۱۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۳۱۷۔۳۱۹

خف (موزہ) شرعاوہ ہوتا ہے جو چمڑے کا ہو اور ٹخنوں کو ڈھانپ لے یا ان سے بھی اوپر ہو اور مخصوص جگہ کا مطلب ہے موزوں کے اوپر نہ کہ اندر اور مخصوص زمانے سے مراد ہے کہ ایک دن رات مقیم شخص کے لئے اور تین دن تین رات مسافر کے لئے (۱) مالکیہ نے مسح کی کوئی مدت متعین نہیں کی ہے جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا اسی طرح شیعہ امامیہ نے اس کو بقدر ضرورت جائز قرار دینے کے باوجود مسح کی مدت ایک یا تین دن متعین نہیں کی ہے۔ مسح بطور رخصت مشروع ہے یہ چاروں مذاہب میں سفر اور حضر میں مرد اور عورتوں کے لئے جائز ہے۔ (۲) مقصود اس سے لوگوں کو سہولت اور آسانی دینا ہے بالخصوص سردی اور ٹھنڈ کے زمانے میں سفر میں اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو مستقلاً کوئی کام انجام دیتے ہوں جیسے فوجی پولیس والے اور وہ طلبہ جو یونیورسٹیوں میں مستقلاً کوئی کام انجام دیتے ہیں اور ان کی طرح کے دوسرے لوگ۔

اسکی مشروعیت سنت نبویہ میں وارد بہت سی احادیث سے ثابت ہے جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ فرماتے ہیں کہ اگر دین کے معاملات صرف رائے پر چلتے تو موزوں کی نچلی طرف مسح کرنا اولیٰ ہوتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں کی اوپری طرف مسح کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن اور تین رات کی مدت مسافر کے لئے اور ایک دن رات مقیم شخص کے لئے معین فرمائے۔ (پہلی حدیث ابوداؤد اور دار قطنی نے حسن اسناد کے ساتھ نقل کی ہے علامہ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، دوسری حدیث امام مسلم ابوداؤد و ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے (۳)

۲۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ (یعنی سفر میں ساتھ تھے جیسا کہ بخاری میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کے سفر کا واقعہ ہے۔) آپ نے وضو فرمایا میں نے آپ کے موزے اتارنا چاہے تو آپ نے فرمایا ان کو رہنے دو میں نے انہیں باوضو حالت میں پہنا تھا، پھر آپ نے ان پر مسح فرمایا۔ (۴)

۳۔ حضرت صفوان بن عسال کی حدیث: وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں جب کہ ہم نے انہیں باوضو حالت میں پہنا ہو۔ حالت سفر میں تین دن اور جس وقت مقیم ہوں تو ایک دن رات کریں اور پاخانہ پیشاب کرنے کی صورت میں نہ اتاریں صرف جنابت کی صورت میں ان کو اتاریں۔ (بروایت امام احمد ابن خزیمہ نسائی اور ترمذی، امام ترمذی اور خزیمہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے امام شافعی ابن ماجہ ابن حبان دار قطنی اور بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ (۵)

۴۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث: انہوں نے وضو فرمایا موزوں پر مسح کیا، ان سے پوچھا آپ ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب اور قضائے حاجت فرمائی، پھر وضو کیا اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے (۶) اور یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت جریر سورۃ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد اسلام لائے تھے جس میں آیت وضو ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کو صحابہ کی اتنی تعداد نے نقل کیا ہے جو نا قابل شمار ہیں، حفاظ حدیث کے ایک گروہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسح علی الخفین کی حدیث متواتر ہے بعض نے اس کے راویوں کی تعداد کا ذکر کیا ہے جو اسی (۸۰) سے متجاوز ہے ان میں

۱۔ الدر المختار، ج ۱، ص ۲۴۰ ۲۔ i- بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۱۷ ii- القوانین الفقہیہ، ص ۳۷

۳۔ i- سبل السلام، ج ۱، ص ۵۸، ۶۰ ii- نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۸۴

۴۔ سبل السلام، ج ۱، ۵۷، ۵۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۸۱ ۶۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۷۶

سے دس تو عشرہ مبشرہ ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں صحابہ سے چالیس مرفوع حدیثیں منقول ہیں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے ستر صحابہ نے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے۔اور مسح کا قول حضرت علی سعد بن ابی وقاص حضرت بلال، حضرت حذیفہ، حضرت بریدۃ، حضرت خزیمہ بن ثابت، حضرت سلمان اور حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہم وغیرہ سب کا ہے۔

شیعہ امامیہ، زیدیہ، اباضیہ اور خوارج مسح علی الخفین کی مشروعیت کے قائل نہیں ہیں۔(۱) اور حقیقت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ امامیہ مسح علی الخفین کو اختیاری طور پر کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے، بوقت ضرورت خوف اور تقیہ کی صورت میں جائز قرار دیتے ہیں، خوارج کے ہاں تو ضرورت کے تحت بھی جائز نہیں ہے۔

ان لوگوں نے اپنی رائے میں جن دلیلوں سے استدلال کیا ہے وہ اعتراضات سے پاک نہیں بلکہ وہ بالکل بودی ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ یہ وضو کی آیت کے ذریعے منسوخ ہے یعنی سورہ مائدہ کی آیت وضو جس میں موزوں پر مسح کا کوئی ذکر نہیں ہے اس میں صرف اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (۲) تو اس آیت نے دونوں پاؤں پر پانی استعمال کرنیکا تعین کیا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے تھے کتاب اللہ موزوں کے مسح کے حکم پر فوقیت رکھتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المبارک کی آیت کے نزول کے بعد مسح نہیں فرمایا۔تاہم روایت یہ اس لئے قابل قبول نہیں کہ وضو بالاتفاق سورۃ مائدہ سے پہلے بھی ہوتا تھا۔ اور اگر موزوں پر مسح سورۃ المائدہ کے نزول سے قبل بھی ہوتا تھا تو سورہ مائدہ کا دونوں پاؤں کے دھونے یا شیعہ امامیہ کے مطابق دونوں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم بلا ذکر مسح علی الخفین اس کے حکم کے نسخ کو ثابت نہیں کرتا ہے اور اگر مسح آیت مائدہ کے نزول سے قبل ثابت نہ ہو تب تو بالکل بھی نسخ ہونا ممکن نہیں۔ پھر حدیث کے راوی حضرت جریر کا اسلام لانے کا واقعہ سورۃ المائدہ کے نازل ہونے کے بعد پیش آیا تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے خود دیکھا ہے اور نسخ کی شرط یہ ہے کہ نسخ بعد میں ہو خلاصہ کلام یہ ہے کہ وضو کی آیت غزوہ مریسیع میں نازل ہوئی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں موزوں پر مسح فرمایا تھا۔(غزوہ مریسیع یا غزوہ بنی المصطلق چھٹی ہجری میں شعبان کے مہینے میں ہوا تھا اور جھڑپ ایک پانی والے مقام پر ہوئی تھی جسے مریسیع کہا جاتا ہے جو کہ قدید سے ساحلی طرف جاتے ہوئے واقع ہے غزوہ تبوک یا غزوہ العسرۃ رجب کے مہینے میں نویں ہجری سال میں پیش آیا تھا۔) تو بعد میں آنے والا پہلے کی چیز کو کیسے منسوخ کردے گا۔ابن ابی شیبہ کا قول حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ وہ منقطع ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایت بھی منقطع ہے دوسری بات یہ کہ ان سے منقول یہ روایتیں ان سے نقل شدہ دیگر ان روایتوں کے بھی خلاف ہیں جو ان سے مسح کے جواز کو نقل کرتی ہیں اسی طرح ان کی ان روایتوں کے معارض حدیث زیادہ صحیح ہے ان کی روایتوں کے مقابلے میں یعنی حضرت جریر البجلی رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

۲۔ دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ مسح علی الخفین کے بارے میں وارد احادیث اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مطلقاً عام آیت ہے جس میں موزوں کے ہونے یا نہ ہونے سے قطع نظر حکم بیان کیا گیا ہے تو اس آیت کے ذریعے موزوں پر مسح کی آیت مخصوص یا مقید کرنے والی قرار دی جائے گی لہٰذا نسخ

ا۔ i- نیل الاوطار، ج ا، ص ۱۷۶۔۱۷۸ ii- کتاب الخلاف فی الفقہ للطوسی عند الامامیہ، ج ا، ص ۶۰۔۶۱

iii- شامل الاصل والفرع عند الاباضیہ از شیخ محمد بن یوسف لطفیش، ج ا، ص ۲۱۱ ۲۔ المائدہ:۶

نہیں ہوا اور یہ احادیث متواتر ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا تو ان کا مخصص (مخصوص کرنے والی) ہونا بالکل درست ہے یہ اس کی اہلیت رکھتی ہیں۔ یعنی آیت کے الفاظ وارجلکم عام ہیں ان کو ان احادیث نے مقید (مخصوص) کر دیا اس حالت کے ساتھ جب کہ پاؤں پر موزے نہ ہوں اسی طرح اس کا عام ہونا بھی ممکن ہے کہ یہ عام تھی اس کو احادیث نے خاص کر دیا۔

۳۔ تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ وضو کی احادیث میں مسح علی الخفین کا ذکر نہیں ملتا ہے ان میں صرف پاؤں کے دھونے کا ذکر ملتا ہے مسح کا نہیں ان احادیث میں پاؤں کے دھونے کے ذکر پر جب وضو کا عمل مکمل ہو جاتا ہے یہ الفاظ فرمائے گئے، اللہ اس کے بغیر نماز قبول نہیں فرماتا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کا ان لوگوں سے یہ کہنا جنہوں نے ایڑیاں دھوئی تھیں کچھ جگہ خشک رہ گئی تھی ان کے بارے میں فرمایا تھا ہلاکت ہو ایڑیوں پر آگ کی۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ وضو کی احادیث زیادہ سے زیادہ دھونے کا بتلاتی ہیں نہ کہ حصر کا اور نہ قصر کا (یعنی ان سے نہ تو سمجھ آتا ہے کہ یہی عمل کیا جا سکتا ہے دوسرا نہیں اور نہ ہی کسی ایسی کمی کا بیان ہے) جو اس دوسرے عمل کی مشروعیت کو کالعدم قرار دے اگر اس میں ایسے الفاظ ہوتے جو صرف دھونے پر دلالت کرتے تو بھی یہ آیت متواتر احادیث کے باعث مخصص (مخصوص شدہ) شمار کی جاتی۔ رہی بات ان الفاظ کی کہ اللہ اس کے بغیر قبول نہیں فرماتا ہے تو یہ الفاظ قابل اعتبار طریقے سے ثابت بھی نہیں ہیں۔ اور ایڑھیوں کے خشک رہ جانے پر ان کے بارے میں وارد حدیث تو یہ تو اس شخص کے بارے میں ہے جو صرف پاؤں پر مسح کر لے (جلدی جلدی چھوڑ چھاڑ کر دھوئے) اس کو دھوئے نہیں۔ یہ مسح علی الخفین کے بارے میں نہیں وارد ہے اور یہ مسح علی الخفین کو شامل ہو بھی نہیں سکتی کیونکہ مسح علی الخفین کی صورت میں انسان پورا پاؤں چھوڑ دیتا ہے نہ کہ صرف ایڑیاں۔ علاوہ ازیں مسح علی الخفین کی احادیث مسح کرنے والے کی اس وعید سے تخصیص بھی کر دیتی ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آیت وضو میں ارجلکم کے لام کے زیر والی قرأت جس میں ارجلکم کا عطف رؤوس پر ہے اور ان دونوں پر مسح ثابت کرتی ہے تو وہ قرأت مسح علی الخفین پر ہی محمول ہوگی جیسا کہ حدیث نے اس کو بیان کیا ہے۔ اور مسح کا ثبوت اس طرح کتاب اور سنت دونوں سے ہوگا۔ یہ سب سے بہترین توجیہ ہے جو زیر والی قرأت کے بارے میں بیان کی جاتی ہے۔(۱)

☆ فقہاء احناف کے مؤقف کو علامہ ابوبکر علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں:

موزوں پر مسح کا جواز:

اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکثر فقہائے کرام کے نزدیک موزوں پر مسح بلاشبہ جائز ہے، صرف محدودے چند فقہا نے اس کی مخالفت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے عدم جواز کا قول مروی ہے، مخالفت میں ایک مسلک روافض کا بھی ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موزوں پر مسح مسافر کے لئے جائز ہے، مگر مقیم کے لئے جائز نہیں ہے، منکرین مسح کا استدلال حسب ذیل قرآن مجید کی آیت سے ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۔(۲)

اس آیت میں نصب (زبر) والی قرأت کا تقاضا بلا کسی استثناء پاؤں کا دھونا ہے، وجہ یہ ہے کہ ارجلکم کا عطف وجہ (چہرے) پر ہے اور چونکہ ان دونوں کو مطلقاً دھویا جاتا ہے، لہٰذا پاؤں کو ہر حالت میں دھویا جانا چاہئے، جب کہ زبر والی قرأت کا تقاضا یہ ہے کہ خالی پیروں پر مسح کیا جائے‘

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ا، ص ۳۲۳۔۳۲۶ ۲۔ المائدہ:۶

نہ کہ موزوں پر، لہٰذا موزوں کا مسح کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا ''بخدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد پاؤں پر مسح نہیں فرمایا اور میرے لئے کسی بیابان میں اونٹ کے جسم پر ہاتھ پھیرنا موزوں پر مسح کرنے سے بہتر ہے''۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''میرے لئے کسی گدھے کے جسم پر ہاتھ پھیرنا موزوں پر مسح کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

ہمارا استدلال اس روایت سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یمسح المقیم یوماً ولیلۃ والمسافر ثلثہ ایام ولیالیھا — مقیم ایک دن رات اپنے موزوں پر مسح کرے اور مسافر تین راتیں اور تین دن مسح کرے۔

یہ حدیث مشہور ہے، جسے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں حضرت عمر، حضرت علی، خزیمہ بن ثابت، ابو سعید الخدری، صفوان بن عسال، عوف بن مالک، ابو عمارہ، ابن عباس اور حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں، جس کی بنا پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''موزوں پر مسح کرنے کی روایت اس پائے کی ہے کہ اس کے ذریعے قرآن مجید کا نسخ بھی جائز ہے''

انہیں سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''قرآن مجید کا نسخ کسی ایسی روایت سے جائز ہے، جو موزوں پر مسح کرنے کی حدیث کی طرح مشہور و متداول ہو''۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موزوں پر مسح کرنے پر قولی اور عملی دونوں طرح متفق تھے، چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''میں نے ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ موزوں پر جواز مسح کے قائل تھے''۔

اس لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے موزوں پر مسح کو اہل سنت و جماعت کے مسلمہ عقائد میں سے شمار کیا ہے، وہ عقائد اہلسنت و جماعت کی بحث میں فرماتے ہیں:

''اور یہ کہ تو شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو دوسروں پر فضیلت دے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں دامادوں (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھے۔ موزوں پر مسح کرنے کو جائز سمجھے اور نبیذ تمر کو حرام نہ سمجھے، یعنی مثلث (غیر نشہ آور) کو۔(۱)

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''میں اس وقت تک موزوں پر جواز مسح کا قائل نہیں ہوا، جب تک مجھے اس کے متعلق روشن دن جیسی واضح دلیل نہ مل گئی''۔

لہٰذا موزوں پر جواز مسح کا انکار درحقیقت کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کا رد اور ان کو غلطی پر ٹھہرانے کے مترادف ہے۔ اسی لئے الکرخی فرماتے ہیں:

''مجھے ان لوگوں کے متعلق کفر کا اندیشہ ہے جو موزوں پر مسح کرنے کے قائل نہیں''۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اسی بنا پر فرماتے ہیں:

''موزوں پر مسح کرنے کے متعلق اگر اختلاف ہوتا تو ہم کبھی مسح (کرنے کا قول) نہ کرتے۔

۱۔ الوصیۃ لامام ابی حنیفہ، بمع شرح ملا علی قاری، مطبوعہ قاہرہ

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف جس اختلاف کی نسبت کی جاتی ہیں وہ درست نہیں ہے، علاوہ ازیں امت اس بارے میں پوری طرح متفق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود موزوں پر مسح فرمایا البتہ اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المائدہ کے نزول سے قبل فرمایا یا بعد میں اور چونکہ ہمارے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل میں اسوہ حسنہ (عمل کا قابل تقلید نمونہ) موجود ہے اس لئے آپ کا یہ عمل جواز کی کافی دلیل ہے۔ اسی لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مجھ سے۔ ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ موزوں پر جواز مسح کے قائل تھے۔''

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح فرمایا:

اسی طرح حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ وضو کیا تو موزوں پر مسح کیا، جب ان سے موزوں پر جواز مسح کے متعلق استفسار کیا گیا۔ تو انہوں نے فرمایا:

''میں نے خود دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا' پوچھا گیا کہ آیا یہ واقعہ سورۃ المائدہ کے نزول سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ انہوں نے فرمایا کہ ''میں تو مسلمان ہی سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد ہوا ہوں''۔

اب رہا قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت مبارکہ سے استشہاد کا مسئلہ، تو اصل بات یہ ہے کہ اس آیت کو دو طرح پڑھا جاتا ہے، لہٰذا ہم اس کی ان دو قرأتوں پر دو مختلف حالتوں پر عمل کریں گے، وہ یوں کہ جب پاؤں ننگے ہوں، تو ہم ان کو دھوئیں گے اور مسح اس وقت کریں گے، جب وہ موزوں میں چھپے ہوئے ہوں گے، تا کہ حتی الامکان دونوں قرأتوں پر عمل ممکن ہو سکے اور لغوی طور پر موزوں پر مسح کرنے کو پاؤں پر مسح کرنا قرار دے سکتے ہیں۔ جس طرح اگر کسی کو موزوں کے اوپر سے پاؤں پر مارا جائے، تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پاؤں کو مارا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت مروی ہے، اس کی ان کی طرف نسبت درست نہیں ہے، جیسا کہ ہم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے اس کے متعلق بیان نقل کر چکے ہیں، مزید برآں اس روایت کا تمام تر مدار ''عکرمہ'' پر ہے بیان کیا جاتا ہے کہ جب عکرمہ کی یہ روایت عطاء تابعی کو پہنچی، تو انہوں نے فرمایا کہ عکرمہ نے جھوٹ بولا ہے''۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے دو شاگرد عطاء رحمۃ اللہ علیہ اور الضحاک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خود موزوں پر مسح فرمایا۔ یہ روایت اس بات کی غماز ہے کہ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اختلاف بیان کرنا سرے سے ہی درست نہیں عطاء تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شروع شروع میں لوگوں کو ''موزوں پر مسح'' کے مسئلے میں مخالفت کیا کرتے تھے، لیکن اپنی وفات کے وقت سے کچھ عرصہ قبل انہوں نے اس سے رجوع فرما لیا تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جو اختلاف مروی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مسح کی اجازت آسانی پیدا کرنے اور مشقت دور کرنے کے لئے دی گئی ہے، لہٰذا اس کا جواز فقط اسی جگہ تک محدود رہے گا، جہاں اس کی ضرورت، یعنی مشقت پائی جاتی ہے اور مشقت والی جگہ سفر ہے۔ ان کے بالمقابل ہمارا استدلال اس مشہور حدیث سے ہے جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں، یعنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک:

''مقیم اپنے موزوں پر ایک دن اور ایک رات اور مسافر تین دن اور تین راتیں مسح کرے''۔

اور وہ قیاس جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر پیش کیا ہے درست نہیں، اس لئے کہ ہر جگہ ہی آسانی اور دفع مشقت کی ضرورت رہتی

☆ موزوں پر مسح کے غیر منسوخ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد اسلام لائے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کے نزول کے وقت اپنے اصحاب سے یہ نہیں کہا کہ اس آیت نے موزوں پر مسح کو منسوخ کر دیا۔

☆ صحابہ میں سے کسی نے موزوں پر مسح کا انکار نہیں کیا، سوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے بھی موزوں پر مسح کی روایت ہے۔

☆ رہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو ان سے اس کے انکار کے خلاف بھی روایت ہے، جو باقی صحابہ کی موافقت میں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہا گیا کہ حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہم سے جو موزوں پر مسح کے انکار کی روایت ہے، آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے کہ مجھے پیروں کا دھونا پسند ہے، اگر کسی شخص کا ایسا قول ہو اور وہ موزوں پر مسح کا انکار نہ کرے تو ہم اس کی مذمت نہیں کریں گے اور اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ (۱)

☆ علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

صحابہ کا موزوں کے مسح پر قولاً و فعلاً اجماع ہے، تمام صحابہ موزوں پر مسح کو جائز کہتے تھے حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موزوں پر مسح کرنے کے جواز کا عقیدہ رکھنا، اہل سنت و جماعت کی شرائط میں سے ہے، انہوں نے کہا: اہل سنت کی علامت یہ ہے کہ تم شیخین (حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما) کو فضیلت دو، اور دو دامادوں (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھو، موزوں پر مسح کو جائز سمجھو اور چھواروں کے نبیذ کو حرام نہ قرار دو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ نے کہا: میں نے اس وقت تک موزوں پر مسح کو جائز نہیں کہا، جب تک کہ اس کا جواز مجھ پر روز روشن کی طرح واضح نہیں ہو گیا اور اس کا انکار کرنا صحابہ کرام پر رد کرنا ہے اور ان کو خطاء پر قرار دینا ہے، اس لئے علامہ کرخی نے کہا ہے: جو موزوں پر مسح کا انکار کرے، مجھے اس پر کفر کا خطرہ ہے۔

حضرت عائشہ اور حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد موزوں پر مسح کیا۔ (۲)

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، جب ان سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا، ان سے پوچھا گیا: سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد؟ تو انہوں نے کہا: میں سورۃ المائدہ کے نزول کے بعد ہی تو اسلام لایا ہوں۔ (۳)

۱۔ شرح ابن بطال، ج۱، ص۳۱۳۔۳۱۲ ۲۔ سنن دار قطنی، ج۱، ص۱۹۴

۳۔ i- بخاری: ۳۸۷، ii- مسلم: ۲۷۲، iv- سنن ابو داؤد: ۱۵۴

v- بدائع الصنائع، ج۱، ص۱۳۴۔۱۳۰ v- نعمۃ الباری، ج۱، ص۶۳۶۔۶۳۷

خلاصہ:

☆ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، البتہ بہتر و اولیٰ پاؤں دھونا ہے۔

☆ ان تمام احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

☆ موزوں پر مسح کے جواز کی احادیث متواتر کے قائم مقام ہیں۔

☆ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھ سے ستر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کیا۔

☆ چاروں آئمہ کرام کے نزدیک موزوں پر مسح جائز ہے، شیعہ امامیہ کے نزدیک خوف اور تقیہ کی وجہ سے جائز ہے، جبکہ خوارج کے نزدیک کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

☆ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موزوں پر مسح کرنا اہل سنت کے عقیدہ کی شرائط میں سے ہے۔

☆ وضو کے لئے دوسروں سے مدد لینا جائز ہے۔

☆ بڑوں کا چھوٹوں سے خدمت لینا جائز ہے۔

☆ استاد کا شاگردوں سے اور پیر کا مریدوں سے خدمت لینا جائز ہے۔

☆ افضل کا مفضول کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

☆ غیر ملکی کپڑا اور دیگر اشیاء کا استعمال جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا۔

☆ تنگ لباس پہننا جائز ہے، بشرطیکہ ستر ظاہر نہ ہو۔

☆ حدیث نمبر ۱۲۳: میں صلی بنا کا معنیٰ ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ نماز ادا فرمائی، یہاں پر باء مع کے معنیٰ میں ہے۔

باب ۹۷: الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فِي السَّفَرِ — سفر میں موزوں پر مسح کرنا

اس باب میں حالت سفر میں موزوں پر مسح کرنے کے جواز کا بیان ہے۔

پچھلے باب میں مطلقاً موزوں پر مسح کرنے کا بیان تھا، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۱۲۵۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ سَمِعْتُ اِسْمَاعِيلَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ سَمِعْتُ حَمْزَةَ بْنَ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَالَ "تَخَلَّفْ يَا مُغِيْرَةُ وَامْضُوْا اَيُّهَا النَّاسُ" فَتَخَلَّفْتُ وَمَعِيَ اِدَاوَةٌ مِّنْ مَاءٍ وَّمَضَى النَّاسُ فَذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهِ فَلَمَّا رَجَعَ ذَهَبْتُ اَصُبُّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ جُبَّةٌ رُوْمِيَّةٌ ضَيِّقَةُ الْكُمَّيْنِ فَاَرَادَ اَنْ يُخْرِجَ يَدَهُ مِنْهَا فَضَاقَتْ عَلَيْهِ فَاَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَاْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى خُفَّيْهِ۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مغیرہ! تم رک جاؤ اور باقی لوگ چلے جائیں۔ میں ٹھہر گیا، میرے پاس پانی کا برتن بھی تھا، جب باقی لوگ چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم (کے اعضاء وضو) پر پانی ڈالنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم رومی جبہ پہنے ہوئے تھے، جس کی آستینیں تنگ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بازو آستین سے نکالنا چاہا، مگر وہ تنگ تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آستین کے نیچے سے بازو نکالا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ انور دھویا، پھر دونوں ہاتھ دھوئے، پھر سر کا مسح کیا اور موزوں پر مسح کیا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے:

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک سفر کی حالت کا یہ واقعہ بیان کیا ہے، اور اس حدیث مبارکہ کے آخر جزء میں ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

۲۔اطراف:

راجع: ۱۰۸

۳۔تعارف رجال:

اس رویت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، جبکہ سفیان بن عینیہ کے تفصیلی حالات درج کئے جاتے ہیں:

ا۔محمد بن منصور: راجع: ۲

۲۔سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ:

سفیان بن عینیہ کے علم وفضل اور دیانت وتقویٰ کا ہر شخص معترف ومداح ہے، زمرۂ تبع تابعین میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تدوین وترتیب کا کام جن بزرگوں نے انجام دیا ان میں سفیان بن عینیہ کا نام سرفہرست ہے۔ ان کا ایک زریں کارنامہ یہ بھی ہے کہ کلام الٰہی کے وہ لفظی ومعنوی رموز ونکات جواب تک سینوں میں محفوظ چلے آرہے تھے ان کو وہ صفحۂ قرطاس پر لائے۔ گو اس خدمت میں ان کے دوسرے معاصر بزرگ مثلاً اسحاق بن راہویہ، سفیان ثوری وغیرہ بھی شریک ہیں۔ اور ان میں سے بعض بزرگوں کی تفسیریں تو آج تک موجود ہیں۔

سفیان بن عینیہ کی تفسیر کے اس وقت موجود ہونے کا تو ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ مگر بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی تک وہ اہل علم میں متداول رہی اور اس کا فیض ہندوستان تک پہنچا تھا، محمد بن ابراہیم دیبلی (سندھ) جو تیسری صدی کے ہندوستانی عالم ہیں ان کے ذکر میں یہ فقرہ ملتا ہے۔

یروی کتاب التفسیر لابن عینیہ ۔(۱) ''یہ ابن عینیہ کی تفسیر کی روایت کرتے ہیں''۔

خاندان: سفیان بن عینیہ غلام خاندان کے ایک فرد تھے، ان کے والد کا نام عینیہ اور دادا کا نام ابوعمران میمون تھا (بعض اہل تذکرہ نے ابوعمران ان کے دادا کا نام بتایا ہے۔(۲) اور بعض نے ابوعمران عینیہ کی کنیت بتائی ہے۔(۳)۔ ان کے والد والی کوفہ خالد بن عبداللہ القسری کے عمال میں تھے۔ (اس بارے میں اہل تذکرہ کے درمیان اختلاف ہے کہ ان کے عمال حکومت میں تھے یا والد، ابن سعد نے ان کے والد ہی کو لکھا ہے اور زیادہ قرین قیاس یہی ہے اس لئے ہم نے اس بیان کو ترجیح دی ہے۔) مگر ۱۲۰ھ میں ہشام نے خالد کو معزول کر دیا اور ان کے بجائے یوسف بن عمر ثقفی کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ یوسف کو خالد سے پرانی عداوت تھی اس لئے اس نے برسر اقتدار آتے ہی خالد کے عمال سے بدلہ لینا شروع کر دیا۔ سفیان

ا۔ نزھۃ الخواطر، ج ا، ص ۷۰ ۲۔ ابن خلکان ۳۔ تھذیب

کے والد عینیہ بھی عتاب میں آئے مگر وہ کسی طرح چھپ کر کوفہ سے مع اہل وعیال مکہ آ گئے اور جو بیت اللہ میں پناہ لی، اور بعد میں یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس وقت امام ابن عینیہ کی عمر ۱۳ سال تھی، ان کا خاندان اپنے علم وفضل کی وجہ سے ممتاز تھا۔ ان کے نو بھائی تھے جن میں پانچ صاحب علم وفضل تھے۔

ولادت اور تعلیم تربیت: سفیان بن عینیہ کی ولادت ہشام کے عہد خلافت میں ۱۰۷ھ میں کوفہ میں ہوئی، کوفہ اس وقت فقہاو محدثین کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں کی ہر مسجد مدرسہ تھی۔ اور ہر گھر سے قال اللہ اور قال الرسول کی آواز سنائی دیتی تھی۔ حتیٰ کہ ایوان حکومت کی تاجداری بھی اپنی تمام بے راہ رویوں کے باوجود اس آواز سے مانوس تھے۔ غرض اسی روح پرور ماحول میں امام کی نشو ونما ہوئی۔ اور یہیں ان کی تعلیم وتربیت کا آغاز ہوا۔

آئمہ میں بیشتر ایسے گزرے ہیں جن کے والدین غریب تھے یا ان کے سن شعور سے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے ان میں بہت کم ایسے بزرگ ہیں جن کی تعلیم وتربیت کسی خاص نظر وتربیت سے ہوئی ہو۔ مگر امام سفیان بن عینیہ ان خوش قسمت لوگوں میں تھے جن کے والدین زمانہ تعلیم وتربیت میں زندہ تھے اور مالی اعتبار سے مطمئن بھی تھے اس لئے ان کی تعلیم باقاعدہ ہوئی۔ ابھی چار برس کے تھے کہ حفظ قرآن کے لئے بٹھا دیا گیا، ۷ برس کی عمر میں اس سے فارغ ہو گئے۔ حفظ قرآن کے بعد حدیث کی کتابت شروع کرادی گئی۔ غالباً یہ اس لئے کیا گیا کہ کلام الٰہی کے ساتھ بچپن ہی میں ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ ذخیرہ بھی ان کے سینے میں محفوظ ہو جائے، یہ سلسلہ تقریباً ۱۵ برس کی عمر تک جاری رہا۔ اس عمر کو پہنچ جانے اور والدین کی پوری توجہ کے باوجود اب تک طبیعت میں حصول علم کا پورا شوق نہیں پیدا ہوا تھا۔ اس لئے ان کے والد ہمیشہ ان کو نصیحت کرتے اور احساس ذمہ داری دلاتے رہتے تھے۔ ان کی ایک نصیحت کے الفاظ تذکروں میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے ایک دن کہا:

''پیارے بیٹے! بچپن کا زمانہ ختم ہوا اور تم اب سن شعور کو پہنچے۔ پورے طور سے خیر کی طلب یعنی حصول علم دین میں لگ جاؤ۔

مگر اس راہ میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ اہل علم کی اطاعت وخدمت کی جائے۔ اگر تم ان کی اطاعت وخدمت کرو گے تو علم وفضل کی دولت سے بہرہ مند ہوں گے''۔(۱)

یہ نصیحت ان کے دل میں گھر کر گئی، خود کہتے ہیں کہ میں نے والد کی اس نصیحت کو زندگی بھر حرز جان بنائے رکھا اور کبھی اس سے سر مو تجاوز نہ کیا۔ اس کی تصریح تو نہیں ملتی کہ یہ نصیحت کہاں کی مکہ میں یا کوفہ میں، مگر قرین قیاس یہ ہے کہ نصیحت مکہ ہی میں کی گئی۔ اس لئے کہ ان کا خانوادہ مکہ سے کوفہ ۱۲۰ھ میں گیا۔ جب ان کی عمر ۱۴ یا ۱۵ سال کی تھی اور خود ان کا بیان ہے ۱۲۲ھ سے بالتزام مکہ کے آئمہ حدیث کی خدمت میں جانے لگے تھے۔ ظاہر ہے یہ التزام واحساس ذمہ داری ان میں پہلے نہیں تھا جب ہی تو ان کے والد نے یہ نصیحت کی تھی۔ اس لئے یہ نصیحت یقیناً مکہ میں کی گئی ہوگی۔ مکہ اس وقت آئمہ تابعین کا گہوارہ تھا۔ امام زہری، عمرو بن دینار، ابن جریج اور بہت سے سر آمد روزگار آئمہ قرآن وسنت کی مجالس یہاں برپا تھیں۔ والد کی نصیحت کے بموجب یہ آئمہ اور خصوصیت سے امام زہری اور عمرو بن دینار کی مجالس درس میں شریک ہونے لگے، اور جب تک مکہ میں رہے ان سے جدا نہیں ہوئے۔(۲) ۱۲۶ھ میں عمرو بن دینار کا انتقال ہو گیا۔ جس سے یہ چشمہ فیض تو بند ہو گیا مگر ابھی دوسرا چشمہ علم جاری تھا کہ نہ جانے کیا اسباب ہوئے کہ یہ مکہ سے پھر کوفہ چلے گئے۔(۳)

ذہانت اور شوق وجستجو: بچپن ہی سے نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ ان آئمہ کی خدمت میں ان کی ذہانت وذکاوت کو مزید جلا ہوئی اور ان میں ایسی

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۴۵ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۱۷۷ ۳۔ ایضاً ص ۱۸۳

دقت نظری اور قوت تحقیق پیدا ہوگئی کہ بڑے بڑے آئمہ ان کے معترف ہوئے۔ابن جریج جو ممتاز تبع تابعین میں ہیں۔مکہ میں ان کی مجلس درس عروج پر تھی،ایک دن سفیان ان کی خدمت میں گئے۔ابن جریج کوئی روایت بیان کر رہے تھے،جس میں انہوں نے صحابہ کے نیچے کے راوی کا نام نہیں لیا بلکہ یہ کہا کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فرماتے ہیں۔ابن عیینہ کو راوی کے نام نہ لینے کی وجہ سے خلش ہوئی اور انہوں نے اس کی تلاش کی۔معلوم ہوا کہ وہ راوی ابھی زندہ ہے۔تحقیق کے بعد وہ دوبارہ ابن جریج کے پاس پہنچے،اتفاق سے اس دن بھی وہ اسی روایت کو دہرا رہے تھے۔جب انہوں نے یہ کہا کہ ایک شخص نے مجھ سے یہ بیان کیا تو یہ بولے۔ابوالولید اس کے راوی تو عبیداللہ بن ابی یزید ہیں، مقصد یہ تھا کہ آپ تحقیق کر لیتے تو سلسلہ سند کا ابہام دور ہو جاتا۔ابن جریج یہ سن کر بولے:قد غصت علیہ یا غواص۔(۱)

قوت حافظہ: خدا نے قوت حافظہ بھی غیر معمولی عطا کی تھی۔اپنی قوت حافظہ کے بارے میں خود ہی فرماتے تھے کہ

ماکتبت شیئا قط الاشیا حفظتہ۔(۲) ''میں جس چیز کو قبضِ تحریر میں لایا وہ مجھے یاد ہوگئی''۔

سفیان بن عیینہ کے اساتذہ کی فہرست بڑی لمبی ہے،صرف تابعین میں اسی سے زائد بزرگوں سے انہوں نے کسب فیض کیا تھا۔(۳) چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:

امام زہری،امام شعبہ،مسعر بن کدام،عمر بن دینار،ابواسحاق السبیعی،محمد بن عقبہ،حمید الطویل،زیاد بن علاقہ،صالح بن کیسان وغیرہ۔

درس و تدریس:

مکہ میں ۵۔۶ برس رہنے کے بعد ۱۲۶ھ میں جب کہ ان کی عمر ابھی ۱۹۔۲۰ برس کی تھی۔مکہ سے اپنے آبائی وطن کوفہ میں چلے آئے۔ یہاں بھی آئمہ تابعین و تبع تابعین کی متعدد مجلسیں قائم تھیں۔اور ان سب سے انہوں نے استفادہ کیا تھا۔مگر خاص طور سے وہ مسعر بن کدام کی صحبت میں زیادہ رہے،گو یہ خود اس وقت مرجع خلائق تھے،مگر انہوں نے ابن عیینہ سے خواہش کی کہ وہ تحدیث روایت کا سلسلہ شروع کریں،سفیان بن عیینہ کے سینہ میں گو امام زہری اور عمرو بن دینار کی مرویات کے خزینے محفوظ تھے،مگر انہوں نے کم سنی کی معذرت کی،مسعر بن کدام نے کہا کہ آپ کے پاس امام زہری اور عمر بن دینار کا سرمایہ روایت موجود ہے تو پھر آپ کو کم سنی کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے،مقصد یہ تھا کہ اس راہ میں عمر کی نہیں بلکہ علم وفہم کی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے آپ بہرہ ور ہیں،غالباً انہی کے مشورے کے بعد انہوں نے اپنا سلسلہ درس شروع کیا۔کوفہ میں جس وقت پہنچے،اس وقت وہاں سب سے وسیع حلقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ان کو یہ فخر حاصل ہے کہ جب امام کو ان کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے تلامذہ اور عام اہل کوفہ سے کہا کہ تمہارے پاس عمرو بن دینار کی مرویات کا حافظ آ گیا ہے،چنانچہ لوگ ان کی مرویات سے اخذ واستفادہ کرنے کے لئے ان کے پاس آنے لگے۔وہ خود کہتے ہیں کہ مجھ کو جس نے سب سے پہلے محدث بنایا وہ امام ابوحنیفہ ہیں۔(۴)

کوفہ میں اس وقت امام اعمش اور امام شعبہ کے درس کا ہر طرف چرچا تھا۔مگر جب ابن عیینہ نے درس دینا شروع کیا تو ان آئمہ کے تلامذہ بھی ان کی مجلس درس میں شریک ہونے لگے۔عبداللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام اعمش کے درس میں شریک تھے کہ کسی نے آ کر یہ اطلاع دی کہ سفیان بن عیینہ نے بھی تحدیث شروع کر دی ہے۔چنانچہ ہم لوگ اعمش کی مجلس سے اٹھے تو ان کے درس میں شریک ہو گئے۔اہل تذکرہ ان کی جلالت علم کے ذکر میں اسی بات کا خاص طور سے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے امام اعمش کی زندگی ہی میں اپنی مجلس درس حدیث قائم کر دی تھی۔(۵)

۱۔ تاریخ بغداد،ج۹ص۱۸۲ ۲۔ ایضاً ص۱۷۹ ۳۔ ایضاً ص۱۷۹
۴۔ ابن خلکان،ج۱ص۳۷۶ ۵۔ بغدادی،ج۹ص۱۷۵

امام شعبہ اپنے تلامذہ سے کہا کرتے تھے کہ جس کو عمرو بن دینار کی مرویات مطلوب ہوں اس کو ابن عینیہ کے پاس جانا چاہیے۔(۱)

امام اعمش اور امام شعبہ ان کے شیوخ حدیث میں سے ہیں۔ مگر ان دونوں بزرگوں نے بھی ان سے سماع حدیث کیا تھا۔ بغدادی نے لکھا ہے کہ ایک بار ابن عینیہ امام اعمش کی مجلس درس میں گئے اور پچاس حدیثیں بیان کیں، اسی طرح امام شعبہ کے بارے میں لکھا ہے انہوں نے ان سے سو روایتیں سنی ہیں۔(۲)

سفیان بن عینیہ ہر سال زیارت حرمین کے لئے جاتے تھے، ان کے درس میں ویسے بھی طلباء کا ہجوم رہتا تھا مگر حج کے زمانہ میں جب کہ سارے ممالک اسلامیہ کی آبادی مکہ میں سمٹ آتی تھی، سماع حدیث کے لئے ان کے پاس ایک اژدحام ہوتا تھا۔ بلکہ بہت سے تشنگان چشمہ نبوت، تو اسی غرض کے لئے سفر حج کی مشکلیں برداشت کرتے تھے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں:

فقد کان خلق یحجون والباعث لقاء ابن عینیة فیزدحمون علیه فی ایام الحج۔(۳)

''ایک مخلوق حج کے لئے اسی لئے جاتی تھی کہ سماع حدیث کے لئے ابن عینیہ کی ملاقات نصیب ہو، چنانچہ حج کے زمانہ میں ان کے گرد ایک اژدھام ہوتا تھا''۔

معاصرین میں ان کا علمی مقام: امام زہری اور عمرو بن دینار کے تلامذہ سارے ممالک اسلامیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔(۴) مگر ان آئمہ کے جو تلامذہ سب سے زیادہ قابل وثوق اور معتمد سمجھے جاتے تھے ان میں سفیان بن عینیہ بھی تھے۔ بلکہ بعض حیثیتوں سے یہ سب میں ممتاز تھے، ابن المدینی کا بیان ہے کہ:

مافی اصحاب الزھری اتقن من ابن عینیة۔(۵)

زہری کے تلامذہ اور اصحاب میں سب سے قابل وثوق ابن عینیہ کی ذات تھی۔

ایک شخص نے ابن المدینی سے پوچھا کہ زہری کے تلامذہ میں مقدم کون ہے؟ بولے! تقدم تو مجھے حاصل ہے مگر ان کے اصحاب میں جن کے سماع میں شک نہیں کیا جا سکتا نہ ان پر کسی نے کلام کیا ہے اور نہ زبان طعن کھولی ہے، وہ سفیان بن عینیہ اور زیادہ بن سعد ہیں۔(۶)

ان ہی کا بیان ہے کہ میں نے سعید القطان سے پوچھا کہ امام زہری کے فیض یافتوں میں آپ معمر اور سفیان بن عینیہ میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہیں، بولے سفیان کو۔(۷)

اسی طرح عمرو بن دینار کی مرویات کے بھی یہ سب سے بڑے امین سمجھے جاتے تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ سفیان عمرو بن دینار کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ یحیٰ بن معین نے ایک دن کہا کہ سفیان عمرو بن دینار کی مرویات کے سب سے بڑے حافظ تھے۔ کسی نے پوچھا کہ حماد بن زید سے بھی زیادہ، بولے ہاں۔ پھر پوچھا کہ اگر عمرو بن دینار کی کسی روایت میں سفیان ثوری اور سفیان بن عینیہ کے درمیان اختلاف ہو جائے تو آپ کس کو ترجیح دیں گے۔ بولے ابن عینیہ کو، اوپر امام شعبہ کا قول گزر چکا ہے کہ جس کو عمرو بن دینار کی روایات مطلوب ہوں وہ ابن عینیہ کے پاس جائے۔(۸) حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ تمام حفاظ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ عمرو بن دینار کی مرویات کے سب سے زیادہ قابل وثوق راوی یہی ہیں۔(۹)

۱۔ ایضاً ص ۱۸۰ ۲۔ ایضاً، ج ۹ ص ۱۷۵ ۴۔ تذکرہ، ج ۱ ص ۲۳۹
۳۔ تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۱۷۵ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۳ ص ۱۱۹ ۶۔ تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۱۷۸
۷۔ تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۱۷۸ ۸۔ تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۱۷۸ ۹۔ تھذیب، ج ۴ ص ۱۱۶

فن حدیث میں ان کا مقام: اوپر جو اقوال نقل کئے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ تو ہو گیا ہو گا کہ مکہ میں حدیث نبوی کا جو ذخیرہ تھا، اپنے زمانہ میں اس کے یہ سب سے بڑے محافظ سمجھے جاتے تھے مگر یہ ان کے علم و فضل کا ایک گوشہ تھا۔ حدیث میں ان کے اصلی مقام کو سمجھنے کے لئے ہمعصر علماء کے چند اقوال پر نظر ڈالتے ہیں۔

جہاں تک روایتوں کی کثرت اور ان کے حفظ اور ضبط تحریر میں لانے کا تعلق ہے۔ اس میں ان کو کوئی انفرادی امتیاز حاصل نہیں تھا۔ ان کی مرویات کی کل تعداد ۷ ہزار بتائی جاتی ہے۔ انہوں نے اپنا کوئی مجموعہ بھی نہیں چھوڑا، اس کے برخلاف اتباع تبع تابعین میں بہت سے بزرگوں کے سینوں میں ان سے کہیں زیادہ روایتیں محفوظ تھیں اور ان میں سے بہتوں نے اپنے مجموعہ ہائے حدیث بھی یادگار چھوڑے تھے۔ تبع تابعین کے زمرہ میں جو چیز ان کو ممتاز کرتی ہے، وہ حدیث نبوی ﷺ کا فہم، تفیر، حدیث کا ملکہ اور وثوق واعتماد ہے، ان اوصاف میں کم لوگ ان کے ہمسر تھے، احمد بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ''ان کا شمار حکمائے حدیث میں ہوتا تھا ان کی روایتیں صرف سات ہزار تھیں اور انہوں نے کوئی حدیث کا مجموعہ بھی نہیں چھوڑا''۔(۱)

امام شافعی فرماتے تھے کہ میں نے ان کے جیسا حدیث کی بہتر تفسیر وتشریح کرنے والا نہیں دیکھا۔(۲) ان ہی کا قول ہے کہ علم میں جتنی پختگی اور وثوق واعتماد ان کو تھا۔ میں نے کسی دوسرے میں نہیں دیکھا۔(۳)

عبدالعزیز بن ابی داؤد کہتے ہیں کہ سفیان ثوری کی مجلس میں جب اصحاب حدیث نہیں ہوتے تھے تو وہ مرسل روایتوں کے بجائے مسند روایتیں بیان کرتے تھے۔ میں جب ان مسند روایتوں کو سن کر ان کی مجلس سے اٹھتا تو ابن عیینہ کے پاس جاتا اور ان روایتوں کو ان کے سامنے پیش کرتا۔ وہ کہتے کہ اس میں یہ غلطی اور اس میں یہ خامی ہے۔ پھر میں امام ثوری کے پاس آتا اور ان سے ابن عیینہ کی تنقید کا ذکر کرتا تو فرماتے بھائی ابن عیینہ نے جو کہا ہے وہ صحیح ہے۔(۴)

مشہور امام جرح وتعدیل عبدالرحمٰن بن مہدی سے کسی نے پوچھا کہ حدیث میں ابن عیینہ کا مقام کیا ہے، بولے، ان کو حدیث کی تفسیر اور حدیث کے متفرق الفاظ کے جمع کرنے میں مہارت حاصل تھی۔ وہ حدیث کی تشریح میں بے جا تاویل کو پسند نہیں کرتے تھے، خصوصیت سے زجر وتوبیخ کے سلسلہ میں ارشادات نبوی ﷺ کی ایسی تاویل وتفسیر جو بے خوفی پیدا کردے۔ غلط سمجھتے تھے، ایک بار فرمایا کہ اس حدیث:

من غش فلیس منا و حمل علینا فلیس منا۔(۵) جس نے فریب کیا وہ مسلمان نہیں ہے، جس نے مسلمانوں پر حملہ کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔

کی تفسیر جو لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایسا شخص ہمارے طریقہ اور حسن سیرت پر نہیں ہے، وہ غلطی پر ہیں۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ ایسی احادیث جن میں معاصی پر سخت تنقید کی گئی ہو ان کی تفسیر کر کے ان تنبیہات کو ہلکا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکہ لوگوں کے اندر گناہوں سے بچنے کا زیادہ سے زیادہ جذبہ پیدا ہو، وہ گناہ کر کے بے خوف نہ ہو جائیں۔(۶)

متقدمین میں تو اس طرح کی تاویل کا جذبہ کم تھا۔ مگر متاخرین میں بہت سے لوگوں نے زجر وتوبیخ کے سلسلہ میں بہت سے فرمودات نبوی ﷺ کو اپنی تاویل وموشگافی سے اتنا بے اثر بنا دیا ہے کہ ان کا وہ مقصد ہی فوت ہو گیا جس کے لئے وہ فرمائے گئے تھے۔

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۴۴ ۲۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۴۴ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۱۲۰
۴۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۱۸۱ ۵۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۱۸۲ ۶۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۲۵

ان کی روایتوں کا درجہ: تمام آئمہ حدیث نے ان کی مرویات کو قابل وثوق اور لائق اعتنا سمجھا ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ اہل حجاز کی روایتوں کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ ابوحاتم کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے ان کا علم حجت ہے، ابن قطان کا قول ہے کہ یہ چالیس برس سے حدیث کے امام ہیں عجلی کا بیان ہے کہ ان کی ذات قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔ (۱) ابن المدینی کا بیان اوپر آچکا ہے کہ ان کی روایتوں میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ان پر کسی نے کلام کیا ہے۔ (۲) ان سے کسی نے پوچھا کہ حدیث میں کون شخص سب سے بہتر ہے، بولے مجھے تو ابن عینیہ سے بہتر کوئی آدمی نہیں ملا۔ (۳)

جرح: اکثر اہل علم نے لکھا ہے کہ حدیث میں ان کی وثاقت اور اتفاق وتثبت اتنا مسلم ہے کہ توثیق وتعدیل سے ان کی ذات مستغنی ہے۔ مگر بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ آخری عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہوگیا تھا۔ اس لئے ان کی عمر کے آخری دو سالوں میں ان سے جن لوگوں نے سماع حدیث کیا تھا ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ (۴)

یحییٰ بن سعید القطان بیان کرتے ہیں کہ آخری عمر میں میں نے ان سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ وہی روایتیں جن کو ایک بار بیان کرچکے ہیں، اب بیان کرتے ہیں تو ان میں کچھ نہ کچھ زیادتی یا کمی ہوجاتی ہے۔ بولے پہلا ہی سماع ٹھیک ہے۔ اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں، اسی بنا پر یحییٰ بن سعید نے جو ان کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ اعلان کردیا تھا کہ ۱۹۷ھ کے بعد جن لوگوں نے ابن عینیہ سے سماع حدیث کیا ہے ان کی روایتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ آخری دو سالوں میں ضعیف حافظہ کی وجہ سے ابن عینیہ کی روایتوں میں اشتباہ پیدا ہوجاتا تھا۔ (۵)

تفسیر میں ان کا مقام: تابعین کے عہد تک علم تفسیر کوئی الگ فن نہیں بنا تھا۔ نہ اب تک مخصوص طور سے اس موضوع پر کسی نے کوئی تصنیف کی تھی۔ لیکن تبع تابعین کے عہد میں جب بہت سے دینی علوم کی داغ بیل پڑی، اور ان کی تدوین وترتیب شروع ہوئی تو علم تفسیر بھی حدیث سے ایک الگ فن قرار پایا اور اس پر بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ زمرۂ تبع تابعین میں جن بزرگوں کو اس فن میں کوئی خصوصیت حاصل تھی، اور انہوں نے اپنی تحریری یادگاریں چھوڑی ہیں، ان میں سفیان بن عینیہ بھی ہیں۔ ان کی قرآن فہمی کا صحیح اندازہ تو اس وقت لگایا جاسکتا تھا جب ان کی کتاب سامنے ہوتی مگر اس وقت اس کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے۔ ہمعصر علماء نے ان کی قرآن فہمی کے بارے میں جو رائے دی ہے وہ یہ ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اہل علم میں ان سے زیادہ قرآن کا جاننے والا میں نے نہیں دیکھا۔ (۶) ابن وہب کہتے ہیں کہ: مارایت اعلم بکتاب الله من ابن عینیه، ابن عینیہ سے بڑا کتاب اللہ کا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ (۷) عبدالرحمٰن بن مہدی سے کسی نے ان کے علم وفضل کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے بہت اوصاف کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ بھی کہا کہ:

معرفته بامن القرآن ۔ ''ان کو قرآن کی معرفت بھی حاصل تھی''۔ (۸)

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ قرآن کی معرفت میں وہ سفیان ثوری سے بڑھے ہوئے تھے۔ ابتداء میں ذکر آچکا ہے کہ ان کی تفسیر تیسری صدی تک اہل علم میں متداول تھی اور اس کا فیض ہندوستان تک پہنچا تھا۔

۱۔ تہذیب الاسماء، ج ۴، ص ۱۲۲، ص ۱۱۹ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۱۷۸ ۳۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۴۔ تہذیب، ج ۴، ص ۱۲۴ ۵۔ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۱۲۰ ۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۱۲۰

۶۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۲۴ ۷۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۱۸۲ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۳۹

تفقہ: یہ اجتہاد و تفقہ کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے، ان کے اجتہاد و تفقہ کے انداز کے لئے یہ بات کافی ہے کہ فقہ میں یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ امام احمد نے ان کو فقہا میں شمار کیا ہے، امام نووی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

وھو احد اجداد والشافعیۃ فی طریق الفقہ۔(۱) ''جن لوگوں نے شافعی طریقہ تفقہ کی بنیاد رکھی سفیان بن عیینہ ان کے اجداد میں ہیں''۔

مقصد یہ ہے کہ شافعی فقہ میں اجتہاد و استنباط مسائل کے ساتھ حدیث نبوی ﷺ کا جو حسین امتزاج ملتا ہے اس کے پیدا کرنے میں جن بزرگوں نے حصہ لیا ان میں سفیان بن عیینہ بھی تھے، ورنہ زمانہ کے لحاظ سے یہ امام شافعی سے مقدم تھے۔ بااین ہمہ علم و فضل فتویٰ دینے سے گریز کرتے تھے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ افتا کا جتنا مادہ ان میں موجود تھا میں نے کم لوگوں میں دیکھا مگر وہ اس سے اتنا ہی گریز بھی کرتے تھے۔(۲) امام شافعی فرماتے ہیں کہ فقہ کا کوئی مسئلہ جب ان کے سامنے آتا تھا، تو عموماً میری طرف اشارہ کر کے کہا کرتے تھے۔ ان سے پوچھو۔(۳)

اخلاق و کردار: ان کا معمول تھا کہ جب زیارت حرمین کے لئے جاتے تو خدا کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے کہ خدایا دوبارہ پھر تو اس سے بہرہ مند کرنا۔ مگر ۱۹۸ھ میں جب آخری بار زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے تو ان کا بیان ہے کہ خدا سے میں اتنی بار دعا مانگ چکا تھا کہ اس سال دعا مانگتے ہوئے مجھے شرم آئی، چنانچہ اسی سال ان کا انتقال ہوگیا۔(۴)

حکیمانہ اقوال: زہد و تقویٰ صبر اور موت کے انتظار کا نام ہے۔ جس کو عقل زیادہ ملتی ہے، عموماً اس کو روزی کم ملتی ہے۔(۵) کہ جو شخص صرف لوگوں کو دکھاوے کے لئے کوئی کام کرتا ہے، تو خدا ایسے شخص پر غضب آلود ہوتا ہے۔ ضروریات زندگی کی طلب دنیا کی محبت نہیں ہے۔ اگر میرا دن کم عقلوں کی طرح اور میری رات جاہلوں کی طرح غفلت میں گزرے، تو پھر میں نے جو علم حاصل کیا ہے۔ وہ بے فائدہ ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق جوڑنے کا واسطہ ہیں وہ خدا کے یہاں سب سے بلند مرتبہ ہیں یعنی انبیاء علیہم السلام اور ان کے بعد علماء۔ جو شخص یہ سمجھے کہ میں فلاں سے بہتر ہوں، تو اس نے غرور کیا اور ابلیس کو اس غرور ہی نے حضرت آدم کے سامنے سجدہ کرنے سے روکا تھا۔ جو شخص اپنی نفسانی خواہش کی بناء پر کوئی گناہ کرتا ہے، تو اس سے توبہ کی امید رکھو اور جو شخص جذبہ تکبر کے ساتھ کوئی معصیت کرتا ہے، تو اس پر لعنت ہے، اس لئے ابلیس نے جذبہ تکبر ہی سے نافرمانی کی تھی، اس لئے ملعون و مردود ہوا۔ جو شخص علم اس لئے حاصل کرتا ہے، کہ اس سے لوگوں کو نفع پہنچے اس کا درجہ خدا کے یہاں وہی ہے، جو کسی ایسے غلام کا آقا کے یہاں ہوتا ہے، جو وہی کام کرتا ہے، جس سے آقا خوش ہو۔ نماز کی توقیر یہ ہے کہ مسجد میں اقامت سے پہلے آؤ، کہ راہ حق پر چلو اور غلط روی نہ اختیار کرو، خواہ راہ حق کے چلنے والے کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں۔ ایام تین ہیں، کل گذشتہ یہ ہمارا صاحب حکمت اور معلوم ہے جو اپنی حکمت آموزی چھوڑ جاتا ہے آج یہ ایک بچھڑ جانے والا دوست جس کی جدائی بڑی طویل ہے، یہ تمہارے پاس آتا ہے۔ مگر تم اس کے پاس نہیں جاسکتے، کل آئندہ اس کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ تم اس کو پاسکو گے یا نہیں؟ قیامت کے دن تین آدمیوں کو بڑی شدید حسرت و ندامت ہوگی، ایک وہ آقا جس کے غلام کا حسن عمل قیامت کے دن اس سے زیادہ ہوگا، دوسرے وہ مالدار جس نے مال جمع کیا مگر اس میں سے ایک پھوٹی کوڑی کسی کو نہ دی، اس کے مال کو جب اس کے ورثا نے پالیا تو راہ خدا میں صدقہ کر دیا، تیسرے وہ عالم جس نے اپنے علم سے نہ خود کوئی فائدہ اٹھایا اور نہ دوسروں کو کوئی فائدہ پہنچایا۔ مگر اس سے دوسروں نے علم حاصل کیا اور انہوں نے خود بھی فائدہ اٹھایا اور دوسرے کو بھی فائدہ پہنچایا۔

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ا ص ۲۲۵ ۲۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ا ص ۳۷۶ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ا ص ۵۹

۴۔ تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۱۸۴ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۲۷۰

ایک مجلس میں کوئی رقت آمیز بات ہوتی اس پر یہ رو پڑتے، کسی نے پوچھا کہ دوسرے لوگ تو اس بات سے بے قرار نہیں ہوئے، آپ کیوں اس قدر بے خود ہو گئے۔ بولے جب آنسو گر جاتا ہے، تو قلب کو سکون ہو جاتا ہے۔ کسی نے رضائے خداوندی کے بارے میں سوال کیا۔ فرمایا کہ اللہ سے راضی وہ شخص ہے، جو جس حال میں ہے، اس کے علاوہ دوسری حالت کی خواہش نہ رکھے۔ احنف بن قیس فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قبل اس کے کہ تمہیں کوئی ذمہ داری سونپی جائے، دین کا فہم حاصل کرو۔ سفیان اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ جس آدمی کو دین کا فہم حاصل ہوگا، تو وہ عہدہ اور سرداری کی طلب نہیں کرے گا۔ (۱)

وفات: ۱۶۳ھ میں کوفہ سے مستقل طور پر مکہ مکرمہ آ گئے اور عمر کے بقیہ ۳۵ سال اس دیار پاک میں بسر کئے۔ ۱۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور حرم پاک کے مشہور قبرستان حجون میں سپرد خاک کئے گئے۔ (۲)

ابراہیم بن منذر نے ان کی وفات پر بڑا پر اثر و پر درد مرثیہ کہا۔ (۳)

۳۔ اسماعیل بن محمد بن سعد:

آپ کا نام ابو محمد اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص زھری مدنی (م: ۱۳۴ھ)، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، حجۃ، تابعی راوی ہیں، ابن ماجہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۴)

۴۔ حمزۃ بن المغیرۃ بن شعبۃ: راجع: ۱۰۷ **۵۔ المغیرۃ:** راجع: ۱۷

۴۔ حکمِ روایت:

یہ روایت صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ سنتالیسویں (۴۷) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے دو راوی مکی، تیسرے مدنی اور آخری دو کوفی ہیں۔
☆ یہ بیٹے (حمزہ) کی باپ (مغیرہ بن شعبہ) سے روایت ہے۔
☆ سند میں دو تابعی (اسماعیل۔ حمزہ) راویوں نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔
☆ حضرت مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے گورنر تھے۔
☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، حدثنا اور عنعنہ ایک ایک دفعہ، جبکہ سمعت دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔
☆ اس سند کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ پانچ میں سے چار راویوں نے اداء روایت کے لئے معتبر الفاظ استعمال کئے ہیں۔

۱۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ۲، ص ۱۳۱۔ ۱۳۵ ۲۔ ابن خلکان، تاریخ بغداد

۳۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تبع تابعین کرام، حصہ اول، ص ۱۷۹۔ ۱۸۸

۴۔ i۔ تاریخ ابن معین، ص ۴۱۱ ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۱، ص ۱۹۴

۶۔لغات:

تخلف: تو پیچھے رہ۔ مراد ہے رک جا۔ امضوا: چلے جاؤ۔

مضیٰ: وہ چلا گیا۔ مراد ہے صحابہ چلے گئے۔ ذھب: وہ گیا۔

جبۃ رومیۃ: رومی جبہ الکمین: دونوں آستینیں

تحت الجبۃ: جبہ کے نیچے۔ مراد ہے جبہ کی آستین کے نیچے سے

۷۔مسائل ونصائح:

راجع: ۱۲۴

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ حالت سفر میں موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔

☆ حدیث نمبر ۸۲ میں ہے کہ آپ ﷺ نے شامی جبہ زیب تن کیا ہوا تھا، جبکہ اس حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے رومی جبہ پہنا ہوا تھا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اس وقت شام سلطنت روم کا حصہ تھا، اس لئے جہاں پر شام کا ذکر ہے اس سے مراد شہر اور صوبہ ہے، اور جہاں پر روم کا ذکر ہے، اس سے مراد ملک ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں غیر ملکی اشیاء اور خاص طور پر غیر مسلم ممالک کی اشیاء کے استعمال کا جواز ہے۔

باب ۹۸: التَّوْقِيتِ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُسَافِرِ — مسافر کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی مدت

اس باب میں حالتِ سفر میں موزوں پر مسح کرنے کی مدت کا بیان ہے کہ مسافر کے لئے تین دن کی مدت کا تعین ہے۔ پچھلے باب میں حالتِ سفر میں موزوں پر مسح کرنے کی اجازت کا بیان تھا۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث سے استنباط کیا ہے۔

۱۲۶۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ رَخَّصَ لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا مُسَافِرِينَ أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: نبی کریم ﷺ نے ہمیں اجازت عطا فرمائی، کہ جب ہم مسافر ہوں، تو تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزے نہ اتاریں۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ اس میں مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن اور تین رات بیان کی گئی ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۱۲۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ترمذی: ۹۶، ۳۳۸۷، ۳۵۳۵، ۳۵۳۶، ابن ماجہ: ۴۷۸، ۴۰۷۰، احمد: ۱۸۱۱۷، السنن الکبریٰ: ۱۴۴، تحفۃ الاشراف: ۱۱۴۹۵

۳۔تعارف رجال:

اس سند کی روایت میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے دو کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی تین کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔قتیبہ: راجع:۱۲۴ ۲۔سفیان: راجع:۱۲۵

۳۔عاصم:

آپ کا نام ابوبکر عاصم بن ابی بخود کوفی مقری (م:۱۲۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، البتہ سوء حفظ اور وھم کا شکار ہوئے تھے، آپ فن قرأت کے امام ہیں، قراءت میں آپ حجت ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔زر:

آپ کا نام ابومریم زر بن حباشہ اسدی کوفی مخضرمی (م:۱۰۱،۱۰۲،۸۳ھ) ہے، آپ ثقہ، جلیل، کثیر الحدیث، مخضرم راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے ایک سو ستائیس سال (۱۲۷) کی طویل عمر پائی۔(۲)

۵۔صفوان بن عسال:

آپ کا نام صفوان بن عسال مرادی ربضی کوفی ہے، آپ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں، آپ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شرکت کی، اور جنگ جمل میں بھی شریک ہوئے۔امام ترمذی، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے، اور اس سند سے حسن ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ اڑتالیسویں (۴۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل دوسری حدیث مبارکہ خماسی ہے۔

☆ سند کے پہلے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ عاصم بن بمعدلہ صدوق وھمی ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی (صغریٰ) میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبر نا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رفص سنا: آپ ﷺ نے ہمیں اجازت دی۔ لا ننزع: ہم نہ اتاریں خفافنا: اپنے موزے

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۶، ص۳۴۰ ii۔العلل، ص۴۷ ۲۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۱۷۲ ii۔تاریخ الثقات، ص۱۶۵

۳۔ i۔تھذیب الکمال، ج۲، ص۲۳۷ ii۔الاصابۃ، ج۲، ص۴۰۸

۱۲۷۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرُّهَاوِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ وَمَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ وَزُهَيْرٌ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ وَسُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ قَالَ سَأَلْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا مُسَافِرِينَ أَنْ نَمْسَحَ عَلَى خِفَافِنَا وَلَا نَنْزِعَهَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ.

حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: میں نے حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں پوچھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سفر کی حالت میں موزوں پر مسح کرنے کا حکم فرماتے، اور یہ کہ ہم تین دن تک پیشاب، پاخانے یا نیند کی وجہ سے موزے نہ اتاریں، سوائے جنابت کی حالت کے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۱۲۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں دس راوی ہیں، جن میں سے آٹھ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں، جبکہ حضرت سفیان ثوری اور زہیر جعفی کے حالات دوبارہ لکھے جاتے ہیں:

۱۔احمد بن سلیمان: راجع:۴۲ ۲۔یحیٰ بن آدم: راجع:۱۱۴

۳۔امام سفیان الثوری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت اسفیان ثوری کے حالات حدیث نمبر ۱۱۱ کے ضمن میں گزر چکے ہیں، البتہ ان کے چند اقوال زریں یہاں نقل کیے جارہے ہیں

☆دعوت: اپنے بھائی کی دعوت قبول کر، جس کا کھانا کھانے کے بعد تمہارے دل میں صلاح پیدا ہونے کی امید ہو۔

☆رازق خدا ہے: ایک دن امراء نے کسی درباری کو نصیحت کی، اس نے کہا: کیا کروں، اپنے بال بچوں کی وجہ سے ایسا کرتا ہوں، لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: کہ ذرا اس شخص کو دیکھو اس کا گمان ہے کہ اگر وہ خدا کی نافرمانی کرے گا تو وہ اس کے اہل وعیال کو روزی دے گا، اور اگر اطاعت کرے گا تو وہ ان کو بے یارو مددگار چھوڑ دے گا۔ اہل وعیال والے بہت کم حرام اور مشتبہات سے بچتے ہیں، اس پر ان کا عذر یہ ہوتا ہے کہ ہم اہل وعیال رکھتے ہیں۔

☆دنیا کی محبت: اگر کوئی بندہ تمام مامورات کے ساتھ خدا کی عبادت کرے، مگر دنیا کی محبت میں بھی سرشار ہو، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ علی رؤس الاشہاد فرمائے گا کہ فلاں بن فلاں نے ایسی چیز سے محبت کی، جو اللہ کو ناپسند تھی، تو یہ سن کر اس پر شدید شرمندگی کی کیفیت طاری ہو جائے

گی۔(۱)

☆**دولت سے بچنے کے لئے مال:** میں دس ہزار درہم چھوڑ جاؤں اور اس پر میرا محاسبہ ہو، یہ چیز میرے لئے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں فقیر ہو کر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کروں، اس لئے کہ اس سے پہلے مال کو ناپسند کیا جاتا تھا، مگر اب یہ مؤمن کی ڈھال ہے، جو اس کو امراء و اہل دولت سے سوال کرنے کی ذلت سے محفوظ رکھتا ہے۔(۲)

☆**عطیہ:** آپ لوگوں کے عطیات واپس کر دیا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں جان جاؤں کہ مجھ کو دے کر لوگ اس پر فخر نہ محسوس کریں گے تو میں ضرور ان کے عطیات لے لوں۔ اسی وجہ سے وہ بھوکے رہ جاتے تھے، مگر کبھی قرض نہیں لیتے تھے، فرماتے کہ لوگ اس کو چھپا نہیں پاتے اور خوش ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ سفیان ثوری کل میرے یہاں قرض کے لئے آئے تھے۔

☆**کلمہ حق کا بلند کرنا سب سے افضل ہے:** خراسان میں اذان دینا، مکہ کی مجاورت سے زیادہ افضل ہے۔

☆**زہد کی حقیقت:** کہ زہد فی الدنیا خواہش وتمنا کو کم کرنے کا نام ہے، موٹا جھوٹا پہننے، روکھا سوکھا کھانے یا عبا پوشی کا نام زہد نہیں ہے، فرمایا کہ بہت لوگ مال رکھتے ہوئے بھی زاہد ہوتے ہیں، اور بعض خالی ہاتھ اس کی محبت میں پڑے رہتے ہیں یعنی وہ ظاہر تو کرتے ہیں کہ وہ زاہد ہیں مگر ان کا دل دنیا میں لپٹا ہوتا ہے۔

☆**اپنی حقیقت:** جب آدمی اپنے نفس کی حقیقت جان لے تو پھر اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

☆**سفر کی رفاقت:** تم اپنے سے زیادہ دولت مند آدمی اور بلند آدمی کے ساتھ سفر نہ کرو، کیونکہ اگر تم اس کے برابر خرچ کرو گے تو اس سے تم کو نقصان ہوگا، اور اگر وہ زیادہ خرچ کرے گا، تم کو اپنا غلام بنا لے گا۔

☆**اہل علم کا حال:** میں نے جب کسی اہل علم کی مخالفت کی تو جان کا خطرہ محسوس کیا، جب تم کو کسی اہل علم سے کوئی ضرورت ہو تو اس کا ذکر دوسرے اہل علم سے نہ کرو ورنہ وہ اس میں حارج ہوگا۔

پہلے علم کی طلب ہونی چاہئے، پھر اس پر عمل ہونا چاہئے، پھر خاموشی اختیار کرنی چاہئے، پھر اس میں غور وفکر کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ جو شخص اپنے علم وعمل کو اپنے دوسرے بھائی سے بہتر سمجھنے لگے، تو اس نے اپنے علم وعمل دونوں کا اجر ضائع کر دیا، کیا عجب ہے کہ اس کا بھائی اس سے زیادہ متورع اور متقی ہو۔

☆**دوستوں کی کثرت:** کہ دوستوں کی کثرت دین کی کمزوری کی علامت ہے۔

☆**گمنامی:** یہ وہ زمانہ ہے، جس میں گم نام آدمی بھی (برائی سے) مامون نہیں ہے، تو پھر مشہور آدمی کیسے مامون ہو سکتا ہے۔

☆**بدعت:** جب تم کسی بدعت کا ذکر وچرچا سنو تو اس کو نہ تو دوسرے سے بیان کرو اور نہ اپنے دل میں اس کو جگہ دو۔

۱۔ سیر الصحابۃ، ج۴، تبع تابعین، حصہ اول، ص ۲۷۷۔۲۹۸

۲۔ مشکوٰۃ

☆امراء کی صحبت: کسی نے کہا کہ آپ امراء اور والیوں سے کیوں نہ خلا ملا رکھیں، تا کہ آپ بھی محفوظ رہیں، اور ان کو نصیحت کر کے ان کی برائیوں پر ٹوکنے کا موقع بھی ہاتھ آ جائے، فرمایا کہ تم لوگ چاہتے ہو کہ دریا میں تیروں بھی اور میرے پیر بھی بھیگنے نہ پائیں، میں ان کے یہاں جانے سے اس لئے ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ میری آؤ بھگت کرنے لگے تو میں ان کی طرف مائل نہ ہو جاؤں، اور میرے سارے اعمال خیر ضائع ہو جائیں۔

☆ کہ اگر کسی سپاہی کو دیکھو کہ نماز کے وقت سو رہا ہے تو اس کو جھگاؤ نہیں، اس لئے کہ اٹھے گا تو خلق خدا کو تکلیف پہنچائے گا تو اس کا سونا ہی بہتر ہے، مقصد یہ تھا کہ خلق خدا کو ایذا پہنچانا ایک وقت کی نماز چھوڑنے سے بھی زیادہ برا کام ہے۔

☆بال بچوں کی پرورش کی ذمہ داری: کسی نے پوچھا کہ ایک شخص اپنے بال بچوں کے لئے محنت مزدوری کر کے کماتا ہے، اگر وہ نماز باجماعت کا انتظار کرتا ہے، تو اس سے اس میں رخنہ پیدا ہوتا ہے، تو وہ کیا کرے فرمایا کہ اپنے بال بچوں کی روزی حاصل کرے اور تنہا نماز پڑھ لے۔

۴۔مالک بن مغول:

آپ کا نام ابوعبداللہ مالک بن مغول بن عاصم بن غزید بن حارثہ بن عدی بجلی کوفی (م:۱۵۹ھ) ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ کبار سے ثقہ، ثابت، صالح، مامون، کثیر الحدیث، فاضل، متقن راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت وفقاہت، عدالت اور حفظ واتقان پر متفق ہیں۔(۱)

۵۔زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب: نام زہیر کنیت ابوخیثمہ تھی۔(۲) نسب نامہ یہ ہے، زہیر بن معاویہ بن خدیج بن الرحیل بن زہیر بن خیثمہ بن ابی حمران الحارث بن معاویہ بن الحارث بن مالک بن عوف بن سعد بن حریم بن جعفی بن سعد العشیر بن مذحج۔(۳)

ولادت اور وطن: زہیر کی پیدائش کوفہ میں ۱۰۰ھ میں ہوئی۔(۴) عمر کے بیشتر حصہ میں وہیں علم وعمل کی روشنی پھیلائی، لیکن پھر ایک زمانہ کے بعد ۱۶۴ھ میں جزیرہ منتقل ہو کر سکونت اختیار کر لی اور وہیں وفات پائی۔(۵)

فضل وکمال: علمی اعتبار سے وہ کوفہ اور جزیرہ کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے تھے، تثبت واتقان اور حفظ وثقاہت میں نہایت بلند مرتبہ تھے، علامہ خزرجی اور حافظ ذہبی انہیں کان احد الحفاظ الاعلام کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں،(۶)

سفیان بن عیینہ کا ارشاد ہے:

علیك بزهير بن معاوية فما بالكوفة مثله۔(۷) ''زہیر بن معاویہ کی صحبت اختیار کرو کوفہ میں ان کی مثال نہیں''۔

۱۔ i۔العلل، ص۱۰۰ ii۔تاریخ الثقات، ص۴۱۹

۲۔ کتاب الکنی والاسماء للدولابی، ج۱، ص۱۶۶

۳۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۶۲

۴۔ خلاصہ تہذیب تھذیب الکمال، ص۱۴۳

۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۱

۶۔ i۔العبر، ج۱، ص۲۶۳ ii۔خلاصہ تذہیب تھذیب الکمال، ص۱۲۳

۷۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۵۱

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

زهير من معادن العلم ۔(۱) ''زہیر علم کی کانوں میں سے ایک ہیں''۔

حدیث: علم حدیث ہی زہیر بن معاویہ کا اصلی جولا نگاہ تھا، وہ ان ممتاز حفاظ حدیث میں تھے جنہوں نے اپنی پوری حیات مستعار اسی دشت کی سیاحی میں گزار دی تھی، اسی بنا پر انہیں حدیث کی صحت وضعف اور رجال کی جانچ پڑتال پر کامل عبور حاصل تھا۔ انہیں جن مشاہیر محدثین اور نادرۂ روزگار علماء سے اکتساب علم کی سعادت نصیب ہوئی تھی، ان میں ابو اسحاق سبیعی، سلیمان التیمی، عاصم الاحول، اسود بن قیس، سلیمان الاعمش، سماک بن حرب، میمون بن مہران، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید الانصاری، زیاد بن علاقہ، عبدالکریم الجزری اور زید بن جبیر کے اسمائے گرامی لائق ذکر ہیں۔ اسی طرح ان سے مستفید ہونے والوں میں عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، ابوداؤد الطیالسی، یحییٰ بن آدمی، ابونعیم، احمد بن یونس، یحییٰ بن یحییٰ التیمی، عمرو بن خالد الطرافی، عمرو بن عثمان الرقی، ہثیم بن جمیل الانطاکی، ہاشم بن القاسم رحمہ اللہ علیہ جیسے علماء وائمہ شامل ہیں۔(۲)

تثبت واتقان: ان کے صحیفہ کمال کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کی اعلیٰ پایہ کی ثقاہت وعدالت اور تثبت واتقان ہے اور یہ ثمرہ تھا، حدیث میں ان کی طویل العمر ریاضت وجانکاہی کا، اس کمال میں ان کے ہم پلہ علماء کم ہی نظر آتے ہیں، معاذ بن معاذ حلفیہ کہا کرتے تھے۔

والله ما كان سفيان باثبت من زهير فاذاسمعت الحديث من زهير فلا ابالي ان لا اسمعه من سفيان ۔(۳) ''بخدا سفیان زہیر بن معاویہ سے زیادہ تثبت رکھتے تھے جب زہیر سے کوئی حدیث سنتا تو پھر مجھے اس کی قطعی پرواہ نہ ہوتی کہ میں اسے سفیان سے نہیں سن سکا''۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے علم وفضل کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

كان حافظاً متقناً وكان اهل العراق يقولون فى ايام الثورى اذامات الثورى ففى زهير خلف وكانوا يقدمونه فى الاتقان على غيره ۔(۴) ''وہ حافظ متقن تھے، اہل عراق سفیان ثوری کے زمانہ میں کہا کرتے تھے کہ اگر ثوری کا انتقال ہو گیا تو زہیر بن معاویہ کی شکل میں ہمیں ان کا جانشین مل گیا، اہل عراق انہیں دوسروں پر اتقان میں ترجیح دیتے تھے''۔

ابن سعد رقمطراز ہیں:

وكان ثقة تثبت كثير الحديث ۔(۵) ''وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے''۔

اسی طرح دوسرے بہت سے علماء اور ماہرین جرح وتعدیل نے بلند آواز کے ساتھ ان کی توثیق کی ہے، ابو حاتم کہتے ہیں کہ زہیر بن معاویہ میرے نزدیک اسرائیل بن یونس سے بھی ہر چیز میں فائق وبرتر ہیں سوائے ابو اسحاق سبیعی کی روایات کے، اس میں اسرائیل کا مرتبہ یقیناً بلند ہے، کیونکہ زہیر نے ابو اسحاق سبیعی سے سماع اس وقت کیا تھا، جب کبرسنی کی بنا پر سبیعی کا حافظ مختلط ہو گیا تھا۔ لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ اولاً تو نفس بات ہی صحیح نہیں ہے کہ ابو اسحاق سبیعی کا حافظہ آخر عمر میں کمزور ہو گیا تھا، ما اختلط ابو اسحاق ابدا، یہ ضرور ہے کہ اس زمانہ حیات کے سماع کا درجہ نسبتاً فروتر ہوتا ہے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۱ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۵۱ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۱
۴۔ تھذیب التھذیب، ج۳، ص۳۵۱ ۵۔ طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۶۲

وفات: ۱۷۲ھ میں زہیر فالج کا شکار ہوئے، اور اس کے ایک ہی سال بعد رجب ۱۷۳ھ میں ان کا رشتہ حیات منقطع ہوگیا، اس وقت خلیفہ ہارون الرشید، حکومت کے فرائض منجی فرمانروائی دے رہا تھا۔(۱)

۶۔ابوبکر بن عیاش:

آپ کا نام ابوبکر بن عیاش بن سالم حناط اسدی کوفی (م:۱۹۴ھ) ہے، آپ کنیت سے ہی مشہور ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ ابوبکر آپ کی کنیت نہیں، بلکہ نام ہے، آپ کے نام کے بارے میں دس اقوال ہیں، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ عابد خاطی راوی ہیں، آخری عمر میں حافظہ میں تغیر پیدا ہوگیا تھا، جب کتاب سے روایت بیان کریں تو صحیح ہے، آپ نے تقریباً سو سال کی طویل عمر پائی، امام بخاری کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ امام مسلم نے صحیح کے مقدمہ میں روایت کی ہے۔(۲)

۷۔سفیان بن عیینہ: راجع:۱۲۶ ۸۔عاصم: ایضاً

۹۔زر: ایضاً ۱۰۔صفوان: ایضاً

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے، اس سند سے حسن ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ پچپن ویں (۵۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ کی پہلی سند خماسی ہے، اس لئے وہ عالی ہے، اور یہ سند سداسی ہے، اس لئے یہ نازل ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ عاصم بن بھدلہ وھم اور ابوبکر بن عیاش آخری عمر میں سوء حفظ کا شکار ہو گئے تھے۔

☆ سند کے پہلے راوی رھاوی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ سند میں دس میں سے نو راوی کوفی ہیں۔

☆ حضرت صفوان بن عسال سے یہ دوسری مسلسل روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔لغات:

سالت: میں نے پوچھا — کان یا مرنا: آپ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے

غائط: پاخانہ — بول: پیشاب

نوم: نیند — جنابۃ: ناپاکی، مراد ہے غسل کا فرض ہونا

۱۔ سیر الصحابۃ، ج۳، تبع تابعین (دوم)، ص۱۱۰۔۱۱۲

۲۔ i۔ تقریب التھذیب، ج۲، ص۴۰۶ ii۔ الثقات، ج۷، ص۶۶۸

باب۹۹: التَّوْقِيتِ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ لِلْمُقِيمِ — مقیم کے لئے موزوں پر مسح کرنے کی مدت

اس باب میں حضر کی حالت والے شخص کے لئے مدت مسح کا بیان ہے، مقیم کے لئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے، اور اس کی ابتداء موزے پہننے کے بعد مدت حدیث لاحق ہونے کے وقت سے ہوگی۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں مسافر شخص کے لئے مسح کی مدت کا بیان تھا۔

۱۲۸۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ أَنْبَأَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ أَنْبَأَنَا الثَّوْرِيُّ عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ الْمُلَائِيِّ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ يَعْنِي فِي الْمَسْحِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں، جبکہ مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کی مدت مقرر فرمائی ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقیم کے لئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۱۲۹، مسلم: ۶:۲۷، ابن ماجہ: ۵۵۲، احمد: ۴۸، ۷۴۸، ۹۰۶، السنن الکبریٰ: ۱۳۱، تحفۃ الاشراف: ۱۰۱۲۶

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے چھ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، دو کے حالات درج کئے جاتے ہیں، اور امام اسحاق بن راھویہ اور عبدالرزاق صنعانی کے حالات دوبارہ تفصیل سے درج کئے جاتے ہیں:

ا۔ اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ:

تابعین کے فیض تربیت سے جو لوگ بہرہ ور ہوئے اور ان کے بعد علم دینیہ کی اشاعت و ترویج کی انہی میں امام المسلمین اسحاق بن راھویہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ ان کا شمار ان اساطین امت میں ہوتا ہے جنہوں نے دینی علوم خصوصاً تفسیر و حدیث کی بے بہا خدمات انجام دی ہیں۔ اور اپنی تحریری یادگاریں چھوڑی ہیں۔

نام ونسب: نام اسحاق اور ابو یعقوب کنیت تھی۔ والد کا نام ابراہیم تھا۔ مگر راھویہ (عبداللہ بن طاہر امیر خراساں نے ایک بار ان سے دریافت کیا کہ آپ ابن راھویہ کے نام سے کیوں مشہور ہیں؟ اس نام سے آپ کو مخاطب کیا جائے تو آپ برا نہیں مانیں گے؟ بولے کہ میرے والد کی ولادت راستہ میں ہوئی تھی جس کی وجہ سے اہل مروان کو راھوی کہنے لگے، یہی راھوی عربی میں آ کر راھویہ ہو گیا۔ میرے والد اس لفظ کو اپنے لئے پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن مجھے پسند ہے، (۱) کے نام سے مشہور تھے۔ عام طور پر ارباب رجال ان کا پورا سلسلہ نسب بیان نہیں کرتے، وہ لابی نے ان کا پورا سلسلہ نسب بیان کیا ہے۔ جن کو صاحب تہذیب نے نقل کیا ہے۔ (۲) ابن راھویہ کے حالات تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج۶ ص۳۷۵   ۲۔ ایضاً، ج۱ ص۲۱۸

ان کا اصلی وطن مرو (ایران) تھا۔ کسی وجہ سے قیام نشیاپور میں تھا۔(۱)

تعلیم وتربیت: ۱۶۱ھ یا ۱۶۳ھ میں ولادت ہوئی۔ (سنہ وفات میں اختلاف ہے اس اختلاف کی وجہ سے ان کی تاریخ ولادت میں بھی اختلاف ہوگیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ ۱۶۱ھ میں ولادت ہوئی اور ۲۳۸ھ میں وفات پائی)۔ ابتدائی تعلیم کے بعد حدیث کی طرف توجہ کی سب سے پہلے امام وقت عبداللہ بن مبارک کی خدمت میں گئے مگر اس کی کم سنی استفادہ میں مانع بنی، پھر دوسرے شیوخ حدیث کی مجالس درس میں شریک ہوئے، اور ان سے استفادہ کیا۔ اس وقت ممالک اسلامیہ میں دینی علوم کے جتنے مراکز تھے۔ وہ سب ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور تھے۔ مگر ابن راہویہ نے ان تمام مقامات کا سفر کیا اور وہاں کے تمام ممتاز محدثین وعلماء سے استفادہ کیا۔ خطیب بغدادی نے اس سلسلہ میں عراق، حجاز، یمن، مکہ اور شام وغیرہ کا نام لیا ہے۔ مگر ان مقامات کی حیثیت محض ایک شہر کی نہیں تھی بلکہ یہ ایک مملکت اسلام کے بڑے بڑے صوبے یا علاقے تھے، جن میں سینکڑوں علمی مراکز تھے اور بے شمار جگہوں پر فقہ وحدیث کی مجلسیں برپا تھیں، اس لئے ان مرکزی مقامات کی نہ جانے کتنی بستیوں کی خاک چھانی ہوگی، ان کے اساتذہ کے چند نام یہ ہیں:

> سفیان بن عیینہ مکہ، جریر بن عبدالحمید رامی، اسمٰعیل بن علیہ بصرہ، وکیع بن جراح، یحیٰ بن آدم، ابو معاویہ، ابو اسامہ کوفہ، عبدالرزاق بن ہمام، عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ علیہ خراسان، یہ ان کے چند مشاہیر اساتذہ کے نام دیئے گئے ہیں۔ ورنہ یہ تعداد اس سے بہت زیادہ ہے۔

تفسیر: ان کو ابتدا ہی سے علم حدیث سے شغف تھا اور اسی کے حصول میں انہوں نے سب سے زیادہ محنت وکوشش کی، مگر تفسیر وفقہ وغیرہ میں بھی ان کو دسترس تھی، خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ وہ حدیث وفقہ کے جامع تھے۔ جب وہ قرآن کی تفسیر بیان کرتے تھے تو اس میں بھی سند کا تذکرہ کرتے تھے۔ ابوحاتم اس بارے میں کہتے ہیں کہ حدیث کے سلسلہ روایت اور الفاظ کا یاد کرنا تفسیر کے مقابلہ میں آسان ہے۔ ابن راہویہ میں یہ کمال ہے کہ وہ تفسیر کے سلسلہ سند کو بھی یاد کر لیتے ہیں۔(۲)

قوت حافظہ اور حدیث سے شغف واعتماد: اس کدوکاوش کے ساتھ خدا نے قوت حافظہ بھی غیر معمولی دیا تھا۔ بے شمار احادیث زبانی یاد تھیں، کئی کئی ہزار احادیث تلامذہ کو وہ اپنی یاداشت سے لکھا دیا کرتے تھے اور کبھی کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ خود کہتے تھے، کہ میں جو کچھ سنتا ہوں اسے یاد کر لیتا ہوں اور جو کچھ یاد کر لیتا ہوں پھر نہیں بھولتا۔ فرماتے تھے ستر ہزار حدیثیں ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہتی ہیں۔ ابوذرعہ مشہور محدث کہتے تھے کہ ان کے جیسا قوت حفظ رکھنے والا نہیں دیکھا گیا۔(۳) ان سے ایک بار کہا گیا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کو ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں۔ فرمایا کہ میں ایک دو لاکھ کچھ نہیں جانتا مگر میں نے آج تک جتنی حدیثیں سنی ہیں وہ سب یاد ہیں۔ ابوداؤد خفاف جوان کے تلامذہ میں ہیں کہتے تھے کہ ایک بار گیارہ ہزار حدیثیں انہوں نے املا کرائیں۔ اور پھر ان کو دوبارہ دہرایا تو ایک حرف کا فرق نہیں تھا۔(۴)

حدیث سے شغف کا نتیجہ: خداداد استعداد وصلاحیت اور قوت حافظہ کے ساتھ حدیث سے ان کے شغف وانہماک نے جلد ہی ان کو تبع تابعین کے زمرہ میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک بنا دیا۔ بڑے بڑے آئمہ حدیث ان کے فضل وکمال کے معترف اور ان کے جلالت علم کے قائل ہوگئے۔

۱۔ تھذیب، ج ۲، ص ۲۱۶ ۲۔ تھذیب، ج ۱، ص ۲۱۸ ۳۔ تاریخ بغداد ۴۔ ایضاً

ابن خزیمہ کہتے تھے کہ اگر وہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو اپنے علم وفضل کی بناء پر اس زمرہ میں بھی ایک ممتاز حیثیت حاصل کرتے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب کوئی شخص ابن راہویہ کہتا تو ان کو برا معلوم ہوتا تھا (کہ اس مین ایک اہانت کا پہلو تھا)۔ وہ کہتے تھے کہ خراسان کے علاقہ میں ان کے زمانہ میں ان کے جیسا صاحب علم آدمی نہیں پیدا ہوا۔ گو ہمارے اور ان کے درمیان بہت سے مسائل میں اختلاف تھا۔ مگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اختلاف تو ہر زمانہ کے اہل علم مین ہوا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اختلاف کی بناء پر کسی کے فضل کا اعتراف نہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ یحیٰی بن یحیٰی ایک ممتاز محدث تھے۔ ان کے پاس جب ابن راہویہ آتے تھے تو وہ ان کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ان کے قریب کے لوگوں کو تعجب ہوتا تھا۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ وہ تو آپ سے عمر میں بھی چھوٹے ہیں۔ ان کی اتنی عزت افزائی کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ:

اسحاق اکثر علماً منی وانا اسن منه۔(۱) اسحاق علم میں مجھ سے بڑے ہیں اور میں عمر میں ان سے بڑا ہوں۔

انہی کا قول ہے کہ اسحاق کے پاس علم کا ایک خزانہ ہے۔ (تاریخ بغداد) محمد بن یحیٰی الذہلی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار ۱۹۹ھ میں اسحاق بن راہویہ کے ساتھ رصافہ گیا، یہاں پر تمام معاصر آئمہ حدیث مثلاً احمد بن حنبل یحیٰی ابن معین وغیرہ جمع تھے۔ مگر اس مجلس کے صدر نشین اسحاق بن راہویہ بنائے گئے۔

درس وتدریس: اس بارے میں اہل تذکرہ کچھ زیادہ معلومات نہیں فراہم کرتے۔ مگر جستہ جستہ واقعات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ تحصیل علم اور سماع حدیث کے بعد ان کا قیام زیادہ تر نیشاپور میں رہتا تھا۔ گو یہ جگہ اسلامی مملکت کے مرکزی مقامات سے بہت دور تھی، پھر اس زمانہ میں سفر کی دقتیں بھی وہاں تک پہنچنے میں مانع تھیں۔ مگر اس کے باوجود صدہا تشنگاں علم اس چشمہ علم سے سیراب ہوئے۔ خصوصیت سے خراسان کے علاقہ میں ان کا علم کافی پھیلا خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ ان کا علم خراسانیوں میں خوب پھیلا، وہب ابن جریر کا بیان ہے کہ مشرق میں جن لوگوں نے سنت کو زندہ کیا ان میں اسحاق بن راہویہ بھی ہیں۔ (۲) ان سے جن لوگوں نے اکتساب فیض کیا ان میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابوداؤد ونسائی اور امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین رحمہ اللہ علیہم وغیرہ کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ان تمام آئمہ نے اپنی اپنی کتابوں میں اسحاق ابن راہویہ کی مرویات نقل کی ہیں۔ امام ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کبار آئمہ کے علاوہ خلق کثیر نے ان سے روایت کی ہے۔ یحیٰی بن آدم ان کے شیوخ میں ہیں، مگر انہوں نے ان سے تقریباً دو ہزار روایتیں نقل کی تھیں۔

طریقہ درس: عام طور پر آئمہ حدیث کا طریقہ درس یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ انہیں املا کرانا ہوتا تھا اسے وہ پہلے سے لکھ کر لے جاتے تھے۔ مگر بہت سے آئمہ حدیث کو اپنے حفظ پر اتنا اعتماد ہوتا تھا کہ وہ زبانی املا کراتے تھے، ان ہی لوگوں میں اسحاق بن راہویہ بھی تھے، اوپر ذکر آچکا ہے کہ بسا اوقات وہ کئی کئی ہزار روایتیں ایک مجلس میں زبانی املا کرادیتے تھے۔

تنقید حدیث: کہتے تھے کہ (جو ذخیرۂ حدیث میرے پاس ہے ان میں) ایک لاکھ حدیثوں کے موقع ومحل سے اس طرح واقف ہوں کہ وہ گویا میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ان میں سے ستر ہزار تو مجھے مع معانی حفظ ہیں، اور چار ہزار مزورہ حدیثیں اور مجھے یاد ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ مزورہ حدیثوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ جھوٹی اور موضوع روایتیں جنہیں میں نے اس لئے یاد کرلیا ہے کہ جب وہ روایتیں

۱۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۲، ص ۳۳۰ ۲۔ ایضاً، ص ۳۷۶

صحیح احادیث کے ساتھ مختلط ہو کر میرے سامنے آئیں تو ان میں جتنا حصہ کذب اور وضع کا ہو اسے الگ کردوں اور صحیح حدیث کا جتنا حصہ ہے اس کو علیحدہ کردوں۔ ان کی اس خدمت کی اہمیت کا اندازہ پورے طور پر اسی وقت ہوسکتا ہے جب دوسری صدی کے اس فتنہ کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے، جس کے ذریعہ ہزاروں بے سروپا روایتیں احادیث نبوی ﷺ کے نام سے لوگوں میں رواج پاگئی تھیں۔ اور نہ جانے کتنی موضوع روایتیں زبان زد خاص وعام ہوگئی تھیں، اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے آئمہ حدیث نے جو کدوکاوش اور جدوجہد کی اور اس کے لئے دکھ سہے اس کا صحیح اندازہ تو یحیٰی بن معین، عبدالرحمٰن مہدی، ابن المدینی، احمد بن حنبل وغیرہ کے حالات سے ہوگا۔ مگر اس صدی کے دوسرے آئمہ کے سوانح حیات میں بھی اس قسم کی کوششوں کی کوئی نہ کوئی جھلک ملتی ہے۔ اسی طرح کی کوشش حضرت اسحٰق بن راہویہ نے بھی کی تھی۔

اہل علم سے مذاکرات: اجتہادی مسائل میں ارباب علم کے درمیان ہمیشہ مذاکرہ ومباحثہ ہوتا رہا ہے، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، یہ دونوں بزرگ اسحاق بن راہویہ کے معاصر تھے، اس لئے ان میں بھی بعض دینی مسائل میں مذاکرے ہوئے ہیں، ان میں سے اہل تذکرہ نے خصوصیت سے دو مسئلوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ مکہ کے اندر جو مکانات ہیں ان پر ان کے رہنے والوں کا حق ملکیت بھی ہے یا نہیں۔ اگر تو وہ ان کو کرایہ وغیرہ پر اٹھاسکتے ہیں یا نہیں اور اگر نہیں ہے تو پھر ان کو بیع کرنے یا کرایہ پر دینے کا اختیار ہے یا نہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ملکیت کے قائل تھے۔ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ مکہ کی سرزمین پر کسی کی ملکیت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اتفاق سے اس بار مکہ میں ان دونوں بزرگوں کا اجتماع ہوگیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ اس مسئلہ میں بہت سخت تھے اس لئے انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنے خیال کا اظہار کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا۔ اور اپنے اس اجتہاد پر قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا۔

(للفقرآء المهجرين الذين اخر جوامن ديارهم)　　''ان فقیر مہاجرین کے لئے جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا''۔

ان کا استدلال یہ تھا کہ اس آیت میں دیار کی نسبت ان کے مالکوں کی طرف کی گئی ہے، پھر حدیث سے انہوں نے حجت قائم کی۔ وہ یہ کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ مامون ہے۔ پھر فرمایا کہ ابوسفیان کے مکان میں داخل ہوجائے اس کو امن ہے پھر فرمایا کہ عقیل رضی اللہ عنہ نے تو ہمارے لئے کوئی مکان نہیں چھوڑا، (جس میں ہم ٹھہر سکیں)۔ (اسحاق بن راہویہ نے یہ دلائل سن کر فرمایا کہ مگر بعض تابعین میرے خیال کی تائید (حضرت عقیل رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے، جب آنحضرت ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ مکہ سے ہجرت کر گئے تو حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنا اور آنحضرت ﷺ کا مکان فروخت کرڈالا، یہ اسی طرف اشارہ ہے۔) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسوہ سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہوں نے جیل خانے کے لئے کچھ لوگوں سے ان کے مکانات خرید لئے تھے۔ کہتے ہیں اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو رسول اللہ ﷺ کا قول پیش کرتا ہوں۔ اور آپ تابعین کی رائے سے استدلال کرتے ہیں۔ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر قرآن کی اس آیت کو استدلال میں پیش کیا:

سوآء نالعاكف فيه والباد　　''اس میں مقیم ومسافر دونوں برابر ہیں''۔

اس کے جواب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ یہ تو مسجد حرام کے بارے میں ہے، مکہ کی عام زمین اس سے مراد نہیں ہے۔ اسی طرح ایک اور مسئلہ میں بھی مذاکرہ ہوا، وہ مسئلہ یہ تھا کہ مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پاکی کے قائل تھے، اور اسحاق بن راہویہ عدم جواز کے۔ (۱)

۱۔　طبقات الشافعیہ، ج۱، ص۲۳۶

عادات واخلاق: عادات واخلاق اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے بھی وہ ممتاز تھے، تمام اہل تذکرہ لکھتے ہیں وہ صدق وصفا ورع وتقویٰ میں ممتاز تھے، ان کے تقویٰ اور خشیت الٰہی کے بارے میں یہ آیت مثال کے طور پر پیش کی جاتی تھی۔

انما یخشی اللہ من عبادہ العلموا خدا کے بندوں میں اس سے اس کو جاننے والے ہی ڈرتے ہیں۔

ایک بار امیر خراسان علی بن طاہر کے پاس گئے، ہاتھ میں کچھ کھجوریں تھیں، وہ کھاتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھ گئے، اس نے ان کی اس بے نیازی اور سادگی کو دیکھ کر کہا اگر تم نے یہ کسی ریا کی وجہ سے نہیں کیا ہے تو دنیا میں تم سے زیادہ بے ریا میں نے نہیں دیکھا۔(۱) اس کی سادگی کے باوجود زندگی زیادہ تر عسرت ہی میں بسر ہوتی تھی، وہ ہمیشہ مقروض رہتے تھے، ایک بار تیس ہزار درہم ان پر قرض ہو گئے، یحییٰ نے جوان کے علم و فضل کے قائل تھے، علی بن طاہر امیر خراسان کو ایک رقعہ لکھا، کہ ان کا قرض ادا کر دیا جائے، چنانچہ اس نے ان کا قرض ادا کر دیا۔(۲) وہب بن جریر فرماتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ اسحٰق بن راہویہ صدقہ اور یعمر کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے مشرق میں سنت کو زندہ کیا۔"(۳) ابن حبان کہتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج کی۔ جھوٹی روایتوں کو احادیث نبوی سے الگ کیا۔ اور جن لوگوں نے سنت کی مخالفت کی ان کا پورا مقابلہ کیا۔

تصنیف: انہوں نے اپنی تحریری یادگاریں بھی چھوڑی ہیں۔ مگر اس وقت ان کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے۔ ابن حبان نے تو صرف اتنا لکھا ہے:

وصنف الکتب۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

مگر اس کی کوئی تفصیل نہیں بیان کی۔

ابن ندیم نے البتہ ان کی دو تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے: ۱۔ کتاب السنن فی الفقہ ۲۔ کتاب التفسیر

امام سیوطی نے لکھا ہے کہ تابعین کے بعد جن لوگوں نے فن تفسیر کو زندہ کیا ان میں اسحاق بھی ہیں۔(۴)

وفات: ۷۷ برس کی عمر میں ۲۳۸ھ میں وفات پائی ہے۔ ان کی قبر آج بھی زیارت گاہ خلائق ہے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کی قبر مشہور ہے۔ اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔(۵)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ فقہ میں ایک مسلک کے بانی تھے، جسے اسحاقیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں:

اسحق بن راھویہ قد کان اما ما متبعاً لہ طائفۃ یقلدونہ، ویجتھد واعلی مسلکۃ۔(۶) "اسحاق بن راہویہ امام وقت تھے، ایک گروہ ان کی تقلید کرتا تھا اور ان کے مسلک کے مطابق مسائل کا استنباط اور اجتہاد کرتا تھا"۔

اس بات کا علم نہیں ہو سکا کہ یہ مسلک کہاں پروان چڑھا، کتنے دنوں تک زندہ رہا اور کب فنا ہو گیا۔(۷)

۲۔ عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ:

تبع تابعین کے زمرہ میں جن علماء نے درس وافادہ کی مجلسیں گرم کرنے کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے

۱۔ ابن عساکر، ج۲، ص۴۱۴ ۲۔ طبقات الشافعیہ، ج۱، ص۲۳۴ ۳۔ ابن عساکر، ج۲، ص۴۱۴
۴۔ تہذیب، ج۱، ص۲۱۹ ۵۔ اختصار علوم الحدیث، ص۸۹ ۶۔ اختصار علوم الحدیث، ص۸۹
۷۔ سیر الصحابہ، ج۳، تبع تابعین، اول، ص۱۷۳۔۱۷۸

نمایاں انجام دیئے ان میں عبدالرزاق ابن ہمام کا اسم گرامی بہت ممتاز ہے، حدیث میں ان کی شہرآفاق ''مصنف'' نہایت بلند واعلیٰ مقام کی حامل ہے، قدامت واہلیت کے لحاظ سے اس کا پایہ ''مصنف ابن ابی شیبہ سے بھی اونچا ہے۔

نام ونسب: عبدالرزاق نام اور ابوبکر کنیت ہے، سلسلہ نسب یہ ہے:

عبدالرزاق ابن ہمام بن نافع، ان کے والد ہمام کا شمار ثقات تابعین میں ہوتا ہے۔(۱)

ولادت اور وطن: ۱۲۶ھ میں یمن کے دارالحکومت اور مشہور ترین شہر صنعا میں ان کی ولادت ہوئی۔(۲) اس مردم خیز سرزمین کو لاتعداد شیوخ وآئمہ کے مولد ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔(۳) ملک شام میں بھی دمشق کے قریب صنعا نام کا ایک گاؤں ہے اس کی طرف بھی علماء اعلام کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے جیسے ابوالاشعث شراحیل بن کلیب الصنعانی اور حنش بن عبداللہ الصنعانی وغیرہ لیکن اکثر وبیشتر صنعانی کی نسبت صنعاء یمن ہی کی طرف ہوتی ہے۔)

طلب علم: انہوں نے بے شعوری ہی سے اپنے والد اور دوسرے مقامی علماء سے تحصیل علم شروع کردی تھی، اور بیس سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ میں دسترس حاصل کر لی تھی، مشہور امام فن معمر بن راشد کی بارگاہ علم میں کامل سات سال گزرے تھے، اس خصوصی صحبت اور زریں موقعہ سے وہ پورے طور پر بہرہ یاب ہوئے تھے، چنانچہ ان کے عہد میں مرویات ابن راشد کا ان سے بڑا عالم وحافظ کوئی نہ تھا، یمن سے باہر ان کی رحلت علمی کا بصراحت ثبوت فراہم نہیں ہوتا، لیکن وہ اکثر بغرض تجارت شام وغیرہ ممالک کا سفر کیا کرتے تھے، یقیناً ان کا شغف علم انہیں وہاں کے مشاہیر شیوخ کی خدمت میں لے جاتا ہوگا، حافظ ذہبی رقمطراز ہیں:

رجل فی تجارة الی الشام والقی الکبار۔(۴) ''وہ تجارت کے سلسلہ میں شام کا سفر کرتے اور وہاں کے کبار علماء سے شرف نیاز حاصل کرتے تھے''۔

شیوخ: ان کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں والد بزرگوار ہمام اور عم محترم وہب کے علاوہ معمر بن راشد، عبیداللہ بن عمر، ایمن بن نابل، ابن جریج، اوزاعی، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، زکریا بن اسحاق، اسماعیل بن عیاش، ثور بن یزید، ہثیم بن بشیر، ابومعشر نجیح، عبدالعزیز بن زیادہ رحمہ اللہ علیہم کے نام لائق ذکر ہیں۔(۵)

خصوصی فیض معمر بن راشد سے حاصل کیا تھا، خود بیان کرتے ہیں کہ:

جالست معمرا سبع سنین۔(۶) ''میں نے سات سال تک معمر کی ہم نشینی کی ہے''۔

تلامذہ: ان کے فضل وکرم کا سن کر اقصائے عالم سے تشنگان علم کا ہجوم ایک سیل رواں بن کر ان کے پاس آنے لگا، آئمہ اسلام کی ایک بڑی جمعیت ان کے دامان فیض سے وابستہ رہی، لائق ذکر مشاہیر میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، محمود بن غیلان، ابوخثیمہ، احمد بن صالح، ابراہیم بن موسیٰ، عبدالرحمٰن بن بشر الحکم، عبد بن حمید، محمد بن رافع، محمد بن غیلان، محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہ اللہ علیہم کے نام خصوصیت سے نمایاں ہیں، ان کے علاوہ معاصرین میں امام وکیع، ابواسامہ، حماد بن سلمہ اور شیوخ میں سفیان بن عیینہ ومعتمر بن سلیمان نے بھی ان سے روایت کی ہے۔(۷)

۱۔ تاریخ ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۴۳ ۲۔ مراۃ الجنان، ج ۲، ص ۱۲۶ ۳۔ اللباب فی تھذیب الانساب، ج ۲، ص ۶۱

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۳۴ ۵۔ i- تھذیب التھذیب، ج ۶، ص ۳۱۱ ii- ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۴۳

۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۳۳ ۷۔ i- مراۃ الجنان، ج ۲، ص ۵۳ ii- تھذیب التھذیب، ج ۶، ص ۳۱۱

فضل وکمال: ابن ہمام چمنستان علم وفن کے گل تازہ تھے، تبحر علمی، مہارت فنی اور قوت حافظہ میں ان کا مقام نہایت بلند تھا، خیر الدین زرکلی انہیں: من حفاظ الحدیث الثقات''۔ علامہ یافعی''الحافظ العلامہ''اور حافظ ذہبی''احد الاعلام الثقات'' لکھتے ہیں، مزید برآں علامہ شمس الدین ذہبی رقمطراز ہیں کہ:''اگر ابن ہمام کے سوانح وکمالات کا کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔(۱) ہشام بن یوسف کہتے ہیں کہ عبدالرزاق ہم سب میں بڑے حافظ وعالم تھے''۔(۲)

قوت حافظہ: ان کے حفظ وضبط کی قوت نہایت حیرت انگیز تھی، ابراہیم بن عباد الدبری کا بیان ہے کہ ستر ہزار حدیثیں ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھیں۔(۳)

مرجعیت: اسی فضل وکمال کا نتیجہ تھا کہ دور دراز گوشوں سے طالبان علم اس شمع دین ودانش کی طرف پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور صنعا کا شہر قال اللہ و قال الرسول ﷺ کے نغموں سے معمور ہوگیا۔

ان کے شیخ معمر نے اپنے لائق شاگرد کے بارے پیشین گوئی کی تھی کہ اگر عبدالرزاق کی زندگی رہی تو لوگ دور دراز مقامات سے سفر کرکے اس کے گرد ہجوم کریں گے۔(۴) چنانچہ وقت نے ثابت کیا کہ یہ پیش بینی حرف بحرف حقیقت بن کر رہی۔

موٴرخین بالاتفاق اعتراف کرتے ہیں کہ عہد رسالت ﷺ کے بعد کوئی شخصیت اتنی زبردست مرجع خلائق اور پرکشش ثابت نہ ہوسکی، ممکن ہے اس رائے میں کسی حد تک مبالغہ ہو، لیکن یہ بہرحال ایک حقیقت ہے کہ آئمہ وعلماء جوق در جوق آ کر علم کے اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے، علامہ یافعی انہیں''المرتحل الیہ من الافاق'' لکھتے ہیں۔ موٴرخ ابن اثیر رقمطراز ہیں:

مارحل الناس الیٰ احد بعد رسول اللہ ﷺ مثل مارحلوا الیہ۔(۵) ''رسول اکرم ﷺ کے بعد کسی کے پاس اس قدر کثرت سے لوگ نہیں آئے جتنے امام ابن ہمام کے پاس آئے''۔

ثقاہت وعدالت: ماہرین فن ان کی صداقت وعدالت پر متفق ہیں، علامہ ذہبی کا بیان ہے کہ ابن ہمام کی ثقاہت پر علماء یک زبان ہیں، ان کے عدول وصدوق ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آئمہ صحاح نے ان کی روایتوں کی تخریج کی ہے۔(۶) امام احمد شہادت دیتے ہیں کہ معمر سے ابن ہمام کی روایت میرے نزدیک تمام بصری علماء سے زیادہ پسندیدہ اور قابل ترجیح ہے، انہی کا بیان ہے کہ ابن جریج کے تلامذہ میں عبدالرزاق ''اثبت'' ہیں۔ علاوہ ازیں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، یعقوب بن شیبہ، ابوداؤد الفریابی اور عجلی نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔ ذہلی اور بزار بیان کرتے ہیں:

کان عبدالرزاق ایقظھم فی الحدیث و کان یحفظ ،(۷) ''عبدالرزاق بن ہمام تمام محدثین میں سب سے زیادہ حاضر دماغ وبیدار مغز محدث اور بڑے حافظ تھے''۔

بعض شکوک وشبہات کا ازالہ: اس تمام تحسین وستائش کے باوصف بعض علما نے ان کو نقد وجرح کا نشانہ بھی بنایا ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جرح کی بنیاد تمام تر شک وشبہ اور سوء تفاہم پر قائم ہے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۳۳۳ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج۶ص۳۱۲ ۳۔ الاعلام، ج۲ص۵۱۹

۴۔ تھذیب التھذیب، ج۶ص۳۱۲ ۵۔ اللباب فی تھذیب الانساب، ج۲ص۶۱

۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ص۳۳۴ ۷۔ تھذیب التھذیب، ج۶ص۳۱۴

ابن ہمام پر پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ رفض وتشیع کی طرف مائل تھے، ابن عماد حنبلی، حافظ ذہبی اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن تحقیق کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اس نقد کی حقیقت پرکاہ سے زیادہ نہیں۔ امام احمد سے ایک بار ان کے صاحبزادے عبداللہ نے دریافت کیا کہ:

لم اسمع فی ھذا شیئاً ۔(۱) ''میں نے تو اس سلسلہ میں کچھ نہیں سنا''۔

اغلب ہے کہ رفض وشیعیت کا شبہ لوگوں کو اس لئے ہوا کہ ابن ہمام اہل بیت کو بہت محبوب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل کو مبغوض رکھتے تھے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ وہ شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل کے قائل تھے، لیکن لوگوں کو سوء تفاہم ہوا حالانکہ خود ابن ہمام نے نہایت دوٹوک الفاظ میں اس شبہ کا پردہ چاک کر دیا تھا کہ:

واللہ ماانشرح صدری قط ان افضل علیا علی ابی بکر وعمر رحم اللہ علی ابی بکر وعمر من لم یحبھم فما ھو مؤمن واوثق اعمالی حبی ایاھم ۔(۲)

''بخدا اس بات پر مجھے کبھی شرح صدر نہ ہوا کہ میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دوں، اللہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر رحمت نازل فرمائے جو شخص ان سے محبت نہ کرے وہ مؤمن کامل نہیں اور ان بزرگوں سے میری محبت حاصل اعمال ہے''۔

ایک بار کسی نے شیخ ابن ہمام سے دریافت کیا کہ ''آپ کے نزدیک کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نزاعی جنگوں میں جادۂ حق پر قائم تھے، فرمایا بخدا نہیں! بلکہ خود جناب امیر کا بھی خیال تھا کہ وہ ایک آزمائش میں مبتلا ہیں، اور میرا بھی یہی خیال ہے۔(۳) جب آل رسول کی بنیاد پر امام شافعی پر بھی جب تشیع کا الزام عائد کیا گیا تو امام صاحب نے برملا جواب دیا کہ اگر آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی نام شیعیت ہے تو میں جن وانس کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ میں یقیناً شیعہ ہوں۔ دوسرا شبہ ابن ہمام پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سوء حفظ اور فتور عقل میں مبتلا تھے، اور ضعیف ومنکر روایتیں بیان کیا کرتے تھے، یہ صحیح ہے کہ آخری عمر میں وہ ضعف بصر وغیرہ جیسے عوارض کا شکار ہو گئے تھے، جو جرح وتعدیل کے معیار میں خلل انداز ہوتے ہیں، لیکن اس سے ان کی پوری زندگی کی مرویات کو غیر معتبر قرار دینا درست نہیں ہے، ان کے عنفوان شباب کی حدیثوں پر کسی نے بھی نقد وجرح کی جرأت نہیں کی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حقیقت کو بصراحت بیان کیا ہے کہ ۲۰۰ھ تک ان کی بصارت بالکل درست تھی، اس کے بعد کے گیارہ سال کی روایات ضعیف ہیں۔ جن علماء نے اس سے قبل ان سے سماعت حدیث کی ہے وہ معتبر ومستند ہے۔

اتینا عبدالرزاق قبل المائتین وھو صحیح البصر ومن سمع منہ بعد ماذھب بصرہ فھو ضعیف السماع ۔(۴)

''عبدالرزاق آئے، تو ان کی بصارت قائم تھی۔ پس جس نے ان کی بینائی زائل ہونے کے بعد ان سے حدیثیں سنی ہیں اس کا سماع ضعیف ہے''۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ تمام حفاظ اور آئمہ حدیث نے ابن ہمام کی روایات کو حجت قرار دیا ہے۔ ان کے بعض اور بھی اعتراضات ابن ہمام پر وارد کئے گئے ہیں، لیکن علامہ ابن حجر اور حافظ ذہبی نے انہیں لچر، مہمل اور ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔

۱۔ میزان الاعتدال، ج۲ص۱۲۷ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج۶ص۳۱۲ ۳۔ ایضاً ص۳۱۴

۴۔ میزان الاعتدال، ج۲ص۱۲۷

وفات: ۱۵ شوال ۲۱۱ھ کو یمن میں وفات پائی۔(۱) اس وقت ۸۵ سال کی عمر تھی۔(۲)

تصنیف: انہوں نے متعدد تصانیف بھی یادگار چھوڑیں، لیکن اکثر معدوم ہیں۔

خیر الدین زرکلی اور ابن ندیم نے ان کی جن کتابوں کے نام دیئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ جامع یا سنن عبدالرزاق ۲۔ تفسیر میں ایک کتاب

۳۔ کتاب السنن فی الفقہ ۴۔ منصف عبدالرزاق

ان میں مؤخر الذکر کتاب ابن ہمام کی مشہور ترین تصنیف ہے، ابوبکر ابن ابی شیبہ کی مصنف کو مجموعی حیثیت سے اس سے زیادہ اہم اور وقیع ہے، لیکن قدامت کے اعتبار سے وہ بھی اس سے کم پایہ ہے۔ یہ کتاب فقہی ابواب کے مطابق مرتب کی گئی ہے، اس کی لائق ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس کی اکثر حدیثیں ثلاثی ہیں، بقول شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، یہ عجیب بات ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف کو شمائل پر ختم کیا ہے اور شمائل کو آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک کے ذکر پر تمام کیا ہے، چنانچہ اس کے آخر میں یہ حدیث ہے:

حدثنا معمر عن ثابت عن انس قال کان شعر النبی ﷺ الیٰ انصاف اذنیہ (۳)

''مجھ سے معمر نے عن ثابت عن انس بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے موئے مبارک آپ کے کانوں کے نصف حصہ تک تھے''۔

یہ مصنف تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوسکی، مختلف کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے پائے جاتے ہیں۔ (۴)

۳۔ **الثوری:** راجع: ۱۲۵

۴۔ **عمرو بن قیس الملائی:**

آپ کا نام ابوعبداللہ عمرو بن قیس ملائی کوفی (م:۱۴۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، متقن، عابد راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت واتقان پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے ادب المفرد میں راویت کی ہے۔(۵)

۵۔ **الحکم بن عتیبۃ:** راجع: ۱۰۴

۶۔ **القاسم بن مخیمرۃ:**

آپ کا نام ابوعروہ القاسم بن مخیمرہ ھمدانی کوفی شامی (م:۱۰۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، فاضل، صدوق، تابعی راوی ہیں۔ آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت وعدالت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے۔(۶)

۷۔ **شریح بن ھانی:** راجع: ۸ ۸۔ **علی:** راجع: ۹۱

۱۔ طبقات ابن سعد، ج۵ ص۳۹۸ ۲۔ i۔ ابن خلکان، ج۱ ص۵۴۳ ii۔ مرآۃ الجنان، ج۲ ص۵۲

۳۔ بستان المحدثین ص۴۸ ۴۔ ایضاً، حصہ دوم ص۱۳۵۔۱۴۰

۵۔ i۔ العلل، ج۱ ص۵۳ ii۔ تقریب التھذیب، ج۲ ص۸۲۔۸۳

۶۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج۶ ص۳۰۲ ii۔ تاریخ الدوری، ج۲ ص۴۸۳

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر متابعات کی بناء پر صحیح ہے، مذکورہ سند میں الحکم بن عتیبہ نے عنعنہ سے روایت کیا ہے، لیکن ابن ماجہ کی روایت میں عن الحکم قال سمعت القاسم بن مخیمرۃ کے الفاظ ہیں، اس طرح عنعنہ کا ضعف ابن ماجہ کی روایت سے نہیں ہے، پھر امام مسلم نے بھی روایت کیا۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ تیسری (۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے صنعانی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (حکم، قاسم، شریح) راوی ہیں۔

☆ حضرت شریح بن ھانی بجستان میں شہید ہوئے، اس وقت کے بجستان میں موجودہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے کچھ علاقے شامل تھے۔

☆ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم اور ہاشمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، انبانا دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

جعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آپ نے مقرر فرمایا

۱۲۹۔ اَخْبَرَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ اَبِيْ مُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْحَكَمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُخَيْمِرَةَ عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ - رضي الله عنها - عَنِ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ فَقَالَتِ ائْتِ عَلِيًّا فَاِنَّهُ اَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنِّي۔ فَاَتَيْتُ عَلِيًّا فَسَاَلْتُهُ عَنِ الْمَسْحِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْمُرُنَا اَنْ يَّمْسَحَ الْمُقِيْمُ يَوْمًا وَّلَيْلَةً وَّالْمُسَافِرُ ثَلَاثًا۔

حضرت شریح بن ھانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے موزوں پر مسح کے بارے میں پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ، بے شک وہ اس مسئلہ کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان سے (موزوں پر) مسح کے بارے میں پوچھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ارشاد فرماتے: مقیم ایک دن اور ایک رات، مسافر تین دن اور تین رات مسح کرے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقیم کے لئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات مقرر فرمائی ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۱۲۹

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات آٹھ راوی ہیں،ان سب کے حالات گذر چکے ہیں۔

۱۔ھناد بن السری: راجع:۲۵ ۲۔ابومعاویۃ: راجع:۳۰

۳۔الاعمش: راجع:۱۸ ۴۔الحکم: راجع:۱۲۸

۵۔القاسم بن مخیمرۃ: ایضاً ۶۔شریح بن ھانی: ایضاً

۷۔عائشۃ: راجع:۵ ۸۔علی: راجع:۹۱

۴۔حکمِ روایت:

راجع:۱۲۸

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ بیسویں (۲۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں،البتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ یہ سند اس باب میں عالی سند ہے،کیونکہ حدیث نمبر ۱۲۸ کی سند ثمانی ہے،جبکہ یہ سباعی ہے۔

☆ سند میں چار تابعی (اعمش،حکم،قاسم،شریح) راوی ہیں۔

☆ سند میں دو صحابی راوی ہیں،اور دونوں اجل صحابہ میں سے ہیں،حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم اور داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا امہات مؤمنین میں سے ہیں،اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ،قال دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

ائت علیا: تو حضرت علی کے پاس جا فانه اعلم بذلك منی: بے شک وہ اس بارے میں مجھ سے زیادہ علم رکھتے ہیں

۷۔مسائل ونصائح:

☆ موزوں پر مسح کرنے کی مدت کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء درج ذیل ہیں:

مسح کی مدت......مسح علی الخفین سے متعلق چوتھی بحث مسح کی مدت کی تحدید کے بارے میں فقہاء کی دو رائے ہیں،مالکیہ اس کی تحدید نہیں

کرتے ہیں، جب کہ جمہور علماء اس کی تحدید کرتے ہیں مالکیہ فرماتے ہیں۔(۱) کہ موزوں پرمسح بلاتحدید وقت درست ہے یعنی جب تک چاہے وہ مسح کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کو اتارے نہیں اور نہ اس کو جنابت لاحق ہو کہ ایسی صورت میں اس کو غسل کے لئے موزہ اتارنا ہی پڑتا ہے، اور اتارنے پر مسح ٹوٹ جاتا ہے اور پاؤں کا دھونا واجب ہوتا ہے، اور غسل واجب ہونے کی صورت میں مسح درست نہیں ہے، کیونکہ مسح وضو میں ہوتا ہے تاہم کسی مدت معینہ کے اندر موزہ اتاردینے کو واجب قرار نہ دینے کے باوجود یہ حضرات یہ مستحب قرار دیتے ہیں کہ ہر ہفتے ایک مرتبہ اسی دن موزہ اتار لینا مستحب ہے۔ جس دن اس نے پہنا تھا۔ ان حضرات کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ابی بن عمارہ رضی اللہ عنہ کی حدیث، فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں موزوں پر مسح کرلیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا ایک دن تک آپ نے فرمایا ہاں ایک دن تک میں نے عرض کیا دو دن تک؟ آپ نے فرمایا ہاں دو دن تک بھی میں نے عرض کیا تین دن تک؟ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو۔(۲) (۲۔ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور یہ قوی حدیث نہیں ہے۔ امام بخاری نے بھی یہی بات فرمائی ہے امام احمد فرماتے ہیں اس کے راوی غیر معروف ہیں، امام دارقطنی نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد ثابت نہیں ہے اور اس کی سند میں تین مجہول شخص ہیں امام ابن ماجہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے، حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی مضبوط سند نہیں ہے، علامہ جوزقانی نے مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے، (۲) علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ اس درجے کی حدیث سے ایسی فرضیت والے کام کے خلاف دلیل قائم نہیں ہوتی ہے جس کا معارض نہ موجود ہو۔)

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے موزوں پر مسح کے بارے میں عدم تعین وقت منقول ہے ان میں حضرت عمر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم شامل ہیں جن سے منقول روایت دارقطنی میں موجود ہے۔

۳۔ یہ طہارت کے دوران کیا جانے والا مسح ہے تو یہ بھی دیگر مسح جیسے سر کے اور پٹی پر کئے جانے والے مسح کی طرح بلاتعین وقت ہوگا کیونکہ وقت کی تعیین طہارت کے کالعدم کرنے میں مؤثر نہیں ہوسکتی ہے، نواقض (طہارت کو باطل اور کالعدم کرنے والے امور) تو پاخانہ پیشاب اور ان کی طرح کی دیگر نجاستیں ہیں۔ اور یہ قیاس چونکہ ان احادیث کا معارض ہے جو مدت مسح کی تحدید پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا اس پر حدیث ابن عمارہ کی وجہ سے عمل کیا جائے گا کہ وہ حدیث دیگر حدیثوں کی معارض ہے۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ مسح کی مدت مقیم شخص کے لئے ایک دن رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن رات (۳) اور احناف فرماتے ہیں کہ وہ مسافر جس کا سفر معصیت کے لئے ہو وہ بھی دیگر مسافروں کی طرح شمار ہوگا شوافع اور حنابلہ ایسے شخص کے لئے صرف مقیم والی مدت ہی کے قائل ہیں۔ ان حضرات کے دلائل وہ احادیث ہیں جو مشروعیت مسح کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ ہے۔ جو اوپر گزر چکی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات مسح کا حکم ہے۔(۴) ان میں سے ایک حدیث حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ہے کہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم شخص کے لئے ایک

۱۔ i-الشرح الصغیر، ج۱،ص۱۵۴، ۱۵۸ ii-الشرح الکبیر، ج۱،ص۱۴۲ iii-بدایۃ المجتھد، ج۱،ص۲۰

۲۔ نیل الاوطار، ج۱،ص۱۸۲

۳۔ i-فتح القدیر، ج۱،ص۱۰۲، ۱۰۷ ii- تبیین الحقائق، ج۱،ص۴۸ iii-البدائع، ج۱،ص۸ iv-مغنی المحتاج، ج۱،ص۶۴ v-المھذب، ج۱،ص۲۰ vi- کشاف القناع، ج۱،ص۱۲۸ vii-المغنی، ج۱،ص۲۸۲۔۲۸۷، ۲۹۱

۴۔ امام احمد مسلم، نسائی اور ابن ماجہ

دن اور رات (۱) ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے) ایک حدیث ان میں سے حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم موزوں پر مسح کریں اگر ہم نے ان کو حالت طہارت میں پہنا ہو تین دن مسح کریں جب ہم مسافر ہوں اور ایک دن رات مسح کریں جب ہم مقیم ہوں انہیں ہم پاخانہ، پیشاب اور سونے وغیرہ کے سبب نہ اتاریں اور ہم اس کو صرف اس وقت اتاریں جب جنابت لاحق ہو (۲) (۲۔ بروایت امام احمد اور ابن خزیمہ خطابی نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، ان میں سے ایک حدیث حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں موزوں پر مسح کا حکم دیا جب ہم مسافر ہوں تو تین دن رات کریں اور مقیم ہوں تو ایک دن رات مسح کریں ۔۔ بروایت امام احمد وہ فرماتے ہیں کہ یہ مسح علی الخفین کے بارے میں سب سے اچھی اور عمدہ حدیث ہے کیونکہ یہ غزوۂ تبوک کی ہے اور وہ آخری غزوہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور یہ آپ کا آخری فعل بھی تھا۔) وقت کی تعیین وتحدید کا قول حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم، سے، اسی طرح حضرت ابوزید، حضرت شریح، عطاء، ثوری اور امام اسحق رحمہ اللہ سے ثابت ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ مسح کی مدت کی تعیین کا قول ہی درست ہے، کیونکہ حضرت عمارہ والی حدیث ثابت نہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ان صحیح احادیث کی بناء پر منسوخ ہو، کیونکہ یہ احادیث بعد کی ہیں کیونکہ حضرت عوف کی حدیث غزوہ تبوک کے موقع کی ہے اور غزوہ تبوک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ عرصہ نہیں رہے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مالکیہ کا قیام تیمم کے معاملے سے ٹوٹ جاتا ہے (یعنی ان کا یہ کہنا کہ وقت ناقض وضو نہیں یعنی وقت کا ختم ہو جانا کسی چیز کو کالعدم نہیں کر سکتا تو یہ اصول تیمم سے ٹوٹ جاتا ہے کہ اس میں پانی مل جانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، باوجود اس کے کہ کوئی ناقض نہیں پایا جاتا ہے:

مدت کی ابتداء: مسح کی مدت جمہور کے نزدیک موزے پہن لینے کے بعد لاحق ہونے والے پہلے حدث کے وقت سے شروع ہو کر دوسرے دن اسی وقت ختم ہوتی ہے مقیم کے لئے اور مسافر کے لئے تیسرے دن ختم ہوتی ہے یعنی تیسرا دن ختم ہو کر جب چوتھا شروع ہو تو مدت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ مسح کا وقت اسی وقت شروع ہوتا ہے لہٰذا مدت مسح کو اسی سے شروع سمجھا گیا، جیسے نماز کا وقت اس کے فعل کے جواز کے ساتھ شروع ہوتا ہے (یعنی موزہ باوضو حالت میں پہننے کے بعد مسح تو جب کرنا ہوگا جب انسان بے وضو ہو جانے کے بعد دوبارہ باوضو ہو کر مسح کرنا چاہے لہٰذا اس کی مدت جب سے شمار کی جائے گی جب سے بے وضوی کی حالت اس پر آئے نہ کہ محض موزے پہن لینے سے ایک بات اور یہ ہے کہ حضرت صفوان کی گذری ہوئی حدیث کے الفاظ میں ہمیں حکم دیا کہ ہم اپنے موزے نہ اتاریں تین دن اور رات ماسوا جنابت ہو جانے کے اور پاخانہ، پیشاب اور سو جانے سے نہیں یہ دلالت کرتے ہیں کہ پاخانہ وغیرہ کرنے کی صورت میں تین دن گزرنے پر موزے اتارے جائیں گے، دوسری بات یہ کہ فقہی طور پر موزہ حدث کے پاؤں میں سرایت کر جانے سے مانع ہے لہٰذا مدت اسی وقت سے شمار ہوگی جب وہ حدث سے ممانعت کا کام انجام دے گا یعنی حدث کے طاری ہونے کے وقت سے ان اصولی مسائل کی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص نے طلوع فجر کے وقت وضو کیا اور موزے پہن لئے پھر طلوع شمس کے بعد وہ بے وضو ہو گیا اور زوال کے وقت وضو اور مسح کیا تو مقیم ہونے کی صورت میں وہ دوسرے دن وقت حدث تک مسح کر سکتا ہے یعنی طلوع شمس کے بعد تک اور مسافر ہونے کی صورت میں چوتھے دن طلوع شمس کے بعد اس کی مدت ختم ہوگی۔

اور اگر کسی نے اقامت پذیر ہونے کی حالت میں مسح کیا پھر سفر شروع کر دیا یا اس کے برعکس کیا تو شوافع اور حنابلہ کے ہاں وہ مقیم کی مدت یعنی ایک دن رات تک کی تکمیل کرے گا۔ کیونکہ سفر کے مقابلے میں حضر کو ترجیح ہوگی کیونکہ وہی اصل ہے لہٰذا دونوں حالتوں میں ایک دن اور

۱۔ بروایت امام احمد ابوداؤد اور ترمذی ۲۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۱۸۱۔۱۸۳

رات ہی مسح کرنا ہوگا احناف کے ہاں اگر کسی نے اقامت پذیر ہوتے ہوئے مسح کیا پھر ایک دن رات کی تکمیل سے قبل ہی سفر شروع کر دیا تو وہ تین دن رات مسح کرے گا، کیونکہ وہ مسافر بن گیا ہے، اور مسافر کی مدت مسح تین دن رات ہے، اور اگر مسافر اقامت پذیر ہو جائے تو اگر وہ مدت اقامت یعنی ایک دن رات مکمل کر چکا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ موزہ اتار دے، کیونکہ رخصت سفر بغیر حالت سفر کے برقرار نہیں رہے گا۔ اور اگر مدت اقامت مکمل نہ ہوئی ہو تو وہ مقیم ہونے کے سبب اس کو مکمل کرے گا۔ اور اگر اس کو شک ہو جائے کہ اس نے سفر میں مسح شروع کیا تھا یا حضر میں حنابلہ کے ہاں وہ یقینی چیز پر اعتماد کرے۔ (۱) اور وہ ہے مقیم شخص کا مسح کیونکہ مسح کے مباح ہونے یا نہ ہونے میں شک واقع ہونے کی صورت میں مسح جائز نہیں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں: (۲) کہ مدت کے باقی رہنے کے بارے میں شک میں پڑ جانے والے شخص کے لئے مسح جائز نہیں ہے، مدت باقی ہو یا ختم ہو چکی ہو اسی طرح اس مسافر کے لئے مسح جائز نہیں جسے شک ہو کہ کیا اس نے سفر میں مسح شروع کیا تھا یا حضر میں کیونکہ مسح ایسی رخصت ہے جو کچھ شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور ان شرائط میں سے مدت بھی ہے لہٰذا اگر مدت ہی میں شک ہو جائے تو اصل کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یعنی دھونا لازم ہوگا۔ (۳)

مدت مسح: اس مسئلے میں علما کا اختلاف ہے کہ آیا موزوں پر مسح کرنے کی کوئی مدت مقرر ہے یا نہیں۔ علما کی اکثریت کا خیال ہے کہ اس کی مدت مقرر ہے اور وہ مقیم کے لئے ایک رات دن (۲۴ گھنٹے) اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں (بہتر گھنٹے) کی طے شدہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ وہ جتنے دن چاہے مسح کرے۔ اصل میں یہ مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین بھی مختلف فیہ رہا ہے حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابوموسیٰ الاشعری اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہم بن شعبہ وغیرہ ہم سے روایت ہے کہ مسح کی مدت مقرر ہے اور حضرت ابوالدرداء، زید بن ثابت اور جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اس کی مدت مقرر نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس حدیث مبارکہ سے ہے۔ جو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن تک موزوں پر مسح فرمایا"۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عقبہ بن عامر سے، جب وہ شام سے مدینہ منورہ پہنچے، یہ پوچھا کہ ان کے مسح کی مدت کیا ہے، تو اس پر حضرت عقبہ نے جواب دیا کہ سات یوم۔ اس پر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ٹھیک سنت پر عمل کیا"۔ ہمارا استدلال اوپر بیان کردہ "حدیث مشہور" سے ہے۔ اور جو حدیث انہوں نے سات تک مسح کرنے کے متعلق نقل فرمائی ہے۔ وہ "حدیث غریب" ہے۔ (۱) (۱۔ حدیث غریب سے مراد حدیث کی وہ قسم ہے کہ جس میں عام توقع کے خلاف کوئی غرابت یعنی تعجب انگیز بات پائی جائے۔ (۴) لہٰذا اس کی بناپر "حدیث مشہور" (۲) (۲۔ حدیث مشہور سے مراد وہ حدیث ہے، جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے لے کر کم از کم تین یا اس سے زیادہ

۱۔ i- المغنی، ج ۱، ص ۲۹۲ ii- مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۶۷

۲۔ i- فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۰۵ ii- البدائع، ج ۱، ص ۱۲ iii- الدر المختار، ج ۱، ص ۲۵۴۔۲۵۶
iv- مراقی الفلاح، ص ۲۲ v- الشرح الصغیر، ج ۱، ص ۱۵۶۔۱۵۸ vi- الشرح الکبیر، ج ۱، ص ۱۴۵۔۱۴۷
vii- مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۶۸ viii- المہذب، ج ۱، ص ۲۲

۳۔ الفقہ الاسلامی الصنائع، ج ۱، ص ۳۳۴۔۳۳۶ ۴۔ ابن الصلاح: مقدمہ

افراد روایت کرتے آئے ہوں اور کسی دور میں بھی اس کے اس سے کم راوی نہ ملتے ہوں۔) پر عمل نہیں چھوڑا جاسکتا، مزید برآں متفق علیہ (۳)(۳۔ متفق علیہ سے وہ روایت مراد ہوتی ہے۔ جسے بخاری ومسلم دونوں روایت کرتے ہوں۔) حدیث میں حضور ﷺ کے مسح کی مدت تین دن اور تین راتیں مذکور ہیں اور پھر اس روایت میں ''صرف سبعا'' کا لفظ مذکور ہے جس سے سات مرتبہ مسح کرنا بھی مراد لیا جاسکتا ہے، کہ آپ کو مدت مسح میں سات مرتبہ مسح کرنے کی نوبت آئی ہو، الجعفی اور جہاں تک دوسری روایت کا تعلق ہے تو اس کے بالمقابل ہمیں ایک اور روایت ملتی ہے، جو حضرت جابر الجعفی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ''مسافر تین دن اور تین راتیں اور مقیم ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کرے''۔ یہ روایت چونکہ اوپر بیان کردہ ''حدیث مشہور'' کے مطابق بھی ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ علاوہ ازیں ان کے قول ''متی عہدک'' سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے، کہ انہوں نے کب سے موزے پہن رکھے ہیں، یعنی اس کی ابتداء کب فرمائی، گو کہ اس کے درمیان موزے اتارنے کی بھی نوبت آچکی ہو۔

پھر مسح کی مدت کے آغاز کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ آیا کب سے اس کا شمار شروع کیا جائے، علما کی اکثریت کا خیال ہے کہ موزے پہننے کے بعد جب پہلی مرتبہ وضو ٹوٹے گا، اس وقت سے اس کی مدت کا آغاز ہوگا، چنانچہ اس قول کے مطابق پہلی مرتبہ وضو ٹوٹنے سے شروع کر کے اگلے روز کے اسی وقت تک مسح کا سلسلہ جاری رہے گا، جب کہ بعض علماء کا قول ہے کہ موزے پہننے کے وقت سے اس کی مدت کا آغاز ہوگا اور اس دن کے پہننے کے وقت سے اگلے دن کے اسی وقت تک مسح کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا، چنانچہ اگر کسی نے صبح کی نماز وضو کر کے پڑھی اور موزے پہنے، پھر سورج نکل آنے پر اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ پھر اس نے سورج ڈھلنے پر نیا وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔ تو اکثر علماء کے قول کے مطابق مقیم ہونے کی صورت میں یہ شخص اپنے موزوں پر آج کے طلوع آفتاب سے لے کر اگلے دن طلوع آفتاب کے بعد تک مسح کرنے کا مجاز ہوگا۔ اور جنہوں نے پہننے کے وقت کا لحاظ کیا۔ ان کے خیال کے مطابق مقیم ہونے کی صورت میں نماز فجر طلوع صبح صادق سے لے اگلے دن صبح صادق تک اور مسافر ہونے کی صورت میں چوتھے کی صبح صادق تک وہ اپنے موزوں پر مسح کرتا رہے گا۔ ان دونوں میں سے صحیح قول یہ ہے کہ موزے پہننے کے بعد وضو ٹوٹنے سے مسح کی مدت کا شمار کیا جائے، کیونکہ موزہ حدث (بے وضو ہونے کی حالت) کو پاؤں تک پہنچنے میں رکاوٹ بنتا ہے اور رکاوٹ کا یہ مفہوم محض حالت حدث میں واضح ہوتا ہے، لہٰذا مدت کی ابتداء کا اسی اعتبار کیا جائے گا۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت نے یہ مدت اس لئے مقرر کی ہے تا کہ نمازی کے لئے وسعت پیدا کی جاسکے اور نمازی کو گھڑی گھڑی موزے اتارنے کی مشقت سے بچایا جاسکے اور اس توسیع اور آسانی کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے، جب اس کو حدث لاحق ہو جائے۔

اور اگر اس نے موزوں کو وضو کر کے حالت ''اقامت'' میں پہنا، پھر اس نے سفر شروع کر دیا، اگر تو اس نے مقیم کی مدت مسح پوری ہونے کے بعد سفر شروع کیا، تو اس صورت میں مدت میں تبدیلی واقع نہ ہوگی، کیونکہ جب مدت مسح پوری ہوگئی، تو اب اس کے قدموں تک حدث (بے وضو ہونے) کا اثر سرایت کر گیا۔ اگر ہم اس صورت میں مسح کی اجازت دیں تو موزے پاؤں میں حدث کو روکنے کے بجائے ''حالت حدث'' کو برقرار رکھنے کا باعث بن جائیں گے، لہٰذا اس صورت میں مدت مسح میں اضافہ نہیں ہوگا، لیکن (اگر اس نے مدت مسح پوری ہونے سے پہلے سفر شروع کر دیا، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ آیا اس نے وضو ٹوٹنے سے قبل سفر شروع کیا تھا، یا وضو خطا ہونے کے بعد، لیکن مسح کرنے سے پہلے مؤخر الذکر صورت ہو تو بالاتفاق مسح کرنے کی مدت میں تبدیلی واقع ہو جائے گی اور اگر اس نے مسح کرنے کے بعد سفر شروع کیا تو ہمارے نزدیک تب بھی مدت میں

تبدیلی ہو جائے گی لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس صورت میں مدت مسح تبدیل نہ ہوگی، لیکن اگر وہ ''اقامت'' کی مدت پوری کر کے موزے اتارے اور پھر اپنے پاؤں دھو کر دوبارہ موزے پہن لے، تو تب مسافر کی مدت مسح شروع ہو جائے گی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس حدیث سے ہے، جس میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مقیم ایک رات ایک دن تک مسح کرے''۔

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مقیم کے لئے ایک ہی حکم دیا ہے کسی کے لئے فرق نہیں کیا۔ جب کہ ہمارا استشہاد فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حصے سے ہے، کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ''مسافر تین راتیں اور تین دن مسح کرے'' کیونکہ وہ اب مسافر ہو گیا ہے لہٰذا وہ اسی حکم کے تحت آئے گا۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے ابتدائی حصے سے جو استدلال کیا ہے، وہ غلط ہے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا یہ حصہ فقط مقیم کے لئے ہے، جبکہ مذکورہ شخص مقیم کے بجائے اب مسافر بن چکا ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب کوئی پہلے مقیم ہو۔ پھر مسافر بن جائے، لیکن اگر کوئی شخص پہلے مسافر ہو پھر اقامت اختیار کر کے مقیم بن جائے۔ تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ اگر اس نے اس وقت اقامت اختیار کی۔ جب سفر کے مسح کی مدت مکمل ہو چکی تھی، تو جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، اس کے لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ وہ موزے اتارے اور اپنے پاؤں دھوئے اور اگر اس نے مدت سفر تو مکمل نہیں کی، لیکن اس نے ایک رات اور ایک دن تک مسح کی مدت کو مکمل کر لیا ہے، تو اس صورت میں بھی وہ اپنے موزے اتارے اور پاؤں دھو ڈالے کیونکہ اگر وہ مزید مسح کرے گا تو حالت اقامت میں ایک رات اور ایک دن سے زیادہ مسح کرنا لازم آئے گا، جو ناجائز ہے اور اگر اس نے ایک رات اور دن پورا ہونے سے قبل اقامت اختیار کر لی، تو وہ ایک رات اور دن کی مدت مکمل کر سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اب وہ اپنے اکثر معاملات میں مقیم ہو چکا ہے، لہٰذا وہ مقیم کی مدت ہی پوری کرے گا۔

پھر یہ جو ہم نے ''مدت مسح'' کے ضمن میں مقیم کے لئے ایک رات دن اور مسافر کے لئے تین راتیں اور تین دن کی مدت بیان کی ہے، یہ تندرست اور صحیح افراد کے لئے ہے، جب کہ معذور افراد، مثلاً کوئی ایسا شخص جس کے زخم سے خون بہہ رہا ہو یا استحاضہ (۱) (۱۔ استحاضہ سے مراد وہ خون ہے، جو عورت کے ''ایام'' کی مدت (دس دن) یا نفاس کی مدت (چالیس دن) سے زیادہ ہو جائے یا اول الذکر صورت میں تین دن اور تین راتوں سے کم ہو، اس حالت میں بدستور نمازیں ادا کرنے کا حکم ہے تفصیل آگے آتی ہے۔) والی عورت: امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا بھی حکم ہے، لیکن ہمارے تین آئمہ کے نزدیک فقط ایک صورت کے سوا ہر صورت کا حکم اس مذکورہ حکم سے مختلف ہے: تفصیل اس طرح ہے کہ اگر کوئی معذور فرد وضو کر کے موزے پہن لے، تو اس کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں: پہلی صورت یہ کہ وضو اور موزے پہننے کے وقت اس کے زخم یا جسم سے خون کا آنا بند ہو۔ اس صورت میں اس کا حکم دیگر صحت مند افراد کی طرح ہی ہے، اسی لئے کہ خون کا جاری ہونا موزے پہننے کے بعد وقوع پذیر ہوا ہے جس سے یہ ثابت ہوا کہ اس نے موزے کامل طہارت کی حالت میں زیب تن کئے تھے، اس لئے یہ موزے صحت مند افراد کی طرح بعد کے حدث (ناپاکی) کو پاؤں تک پہنچنے میں رکاوٹ بنیں گے، لہٰذا جب تک مدت باقی ہے وہ موزوں پر مسح کر سکیں گے۔ باقی تینوں صورتوں میں یعنی کہ دونوں موقعوں پر (وضو و موزے پہنتے وقت) یا ان میں سے کسی ایک موقع پر یعنی وضو یا موزے پہنتے وقت خون جاری ہو، تو اس صورت میں متعلقہ فرد فقط اسی نماز کے وقت تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے، نماز کا وقت گزرنے کے بعد اسے موزے اتار کر دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اس حالت میں بھی ''مدت مسح'' مکمل کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ معذور کی طہارت، اس کے عذر کے باوجود، ایک مکمل طہارت ہے اور اس کا مذکورہ

عذر کالعدم سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ حالت عذر میں نماز بھی ادا کرسکتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ اس نے موزے حالت طہارت میں پہنے تھے، لہٰذا اس کا حکم دیگر صحت مند افراد ہی کی طرح ہے، جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ خون کا جاری ہونا صرف متعلقہ نماز کے وقت ہی میں کالعدم ہوتا ہے، اس کے بعد نہیں۔ اس لئے کہ جب وہ وقت گذر جائے جس میں اس نے طہارت کی تھی، تو بالاجماع بغیر کسی حدث کے اس کا وضو خود بخود ٹوٹ جاتا ہے، تو یوں نماز کا وقت گذرتے ہی وہ خون بہنے کے وقت سے محدث (بے وضو) ہوجاتا ہے اور چونکہ خون کا یہ بہنا موزے سے مقدم، مگر اس سے متصل ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ موزے پہننے کا عمل اس نے حالت ''حدث'' میں ادا کیا تھا۔ بخلاف سابقہ صورت کے۔ اس لئے کہ مذکورہ صورت میں موزے پہننے کے وقت تک خون جاری نہیں ہوا تھا اور اس نے کامل طہارت کی حالت میں موزوں کو پہنا تھا، لہٰذا اس صورت میں تو مسح جائز ہوگا اور باقی تینوں صورتوں میں جائز نہ ہوگا۔ (۱)

☆ موزوں پر مسح کرنے کی شرائط کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء درج ذیل ہیں:

مذاہب میں بیان کردہ شرائط کا خلاصہ:

ا۔۔۔۔۔ احناف یہ فرماتے ہیں کہ موزوں کے مسح کے لئے چھ شرائط ہیں۔

الف: ۔۔۔۔۔ ان کو دونوں پاؤں دھونے کے بعد پہنا جائے خواہ وضو کے مکمل ہونے سے قبل ہی کیوں نہ بشرطیکہ وہ وضو کو ناقص وضو سے قبل ہی مکمل کرلے۔

ب: ۔۔۔۔۔ دونوں موزوں ٹخنوں کو چھپانے والے ہوں۔

ج: ۔۔۔۔۔ ان دونوں کو پہن کر چلنا ممکن ہو۔

د: ۔۔۔۔۔ دونوں میں اتنے سوراخ نہ ہوں جو کے پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر ہوں۔

ہ: ۔۔۔۔۔ پاؤں پر بغیر باندھے وہ رکے رہیں۔

و: ۔۔۔۔۔ پاؤں کے کٹے ہوئے ہونے کی صورت میں اس کا اگلا سرا ہاتھ کی تین انگلیوں کے بقدر باقی ہو۔

۲۔۔۔۔۔ مالکیہ مسح کے جواز کے لئے گیارہ شرائط عائد کرتے ہیں، چھ مسح کئے جانے والے موزوں کے بارے میں اور پانچ مسح کرنے والے کے بارے میں۔ مسح کرنے والے کی شرائط کا تذکرہ تو پہلی متفقہ شرط کے بیان میں پڑھ چکا ہوں اور مسح کئے جانے والے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ وہ موزے چمڑے کے ہوں۔ لہٰذا چمڑے کے علاوہ چیز پر مسح درست نہیں۔

۲۔ وہ موزے پاک ہوں، مقصود مردار کی کھال کے بنے ہوئے موزوں سے احتراز ہے خواہ وہ دباغت شدہ کھال کے ہوں۔

۳۔ وہ موزے گانٹھے گئے ہوں سلے ہوئے ہوں۔ کسی چپکانے والی چیز سے چپکائے ہوئے نہ ہوں۔

۴۔ موزوں کا کچھ حصہ پنڈلی نما بھی ہو تاکہ وہ پنڈلیوں کو ڈھانپ سکے۔ لہٰذا پنڈلیوں کو نہ ڈھانپنے والے موزوں پر مسح درست نہیں ہے۔

۵۔ اس میں عادتاً چلنا ممکن ہو۔ مقصود اس موزے سے احتراز ہے جو اتنا ڈھیلا ہو کہ چلتے وقت نکل جائے۔

۳۔ شوافع مسح کے جواز کے بارے میں دو شرائط عائد کرتے ہیں:

ا۔ بدائع الصنائع، ج ا، ص ۹۸۔۱۰۱

۱۔ یہ کہ وہ موزہ دونوں حدث و بے وضو اور جنابت سے مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد پہنے۔

۲۔ موزہ پاک ہو اور مضبوط ہو کہ بوقت ضرورت اس میں چلتے رہنا ممکن ہو۔(۱)(ا۔یعنی وہ حاجت جو پہننے کے دوران واقع ہو یعنی تین دن رات مسافر کے لئے اور ایک دن رات مقیم کے لئے، چنانچہ بالکل پتلا جو تھوڑا سا چلنے سے خراب ہو جائے اور اس پر مسح درست نہیں ہے) اور جو دھوئے جانے کی فرض مقدار کے برابر پاؤں کو ڈھانپنے والا بھی ہو یعنی پاؤں ٹخنے اور تمام اطراف اوپری حصہ نہیں۔(۲)(۲۔چنانچہ اگر قدم اوپر سے نظر آئے جیسے مثلاً اس کا سرا بڑا ہو تو ایسا ہونا مضر نہیں) اور سلائی اور پھٹنے کی جگہ کے علاوہ جگہ سے پانی کا مزاحم بھی ہو (کہ پانی اس میں سرایت نہ کر جاتا ہو) اور پاؤں کا پھٹا ہوا وہ حصہ جو کاج کے ذریعے باندھا جائے اس پر بھی مسح درست ہے بشرطیکہ چلنے میں فرض جگہ ظاہر نہ ہو۔

حنابلہ مسح علی الخفین کے لئے سات شرائط عائد کرتے ہیں:

۱۔ پانی سے مکمل طہارت حاصل کرنے کے بعد موزے پہنے جائیں۔

۲۔ وہ خود یا نعل کے ذریعے ٹھہرا ہے ایسے موزے پر مسح درست نہیں جو فقط باندھنے سے رکا ہوا ہو۔ایسے موزے پر مسح درست ہے جو خود رکا ہوا ہو لیکن اس کا کچھ حصہ نظر آ رہا ہو اور اس کو کاج بنا کر کڑے وغیرہ سے باندھا ہوا ہو۔جیسے زربول جس کی پنڈلی بنی ہوئی ہو۔تو ایک دوسرے میں ڈال کر ان کو باندھ دیئے جانے سے سوراخ چھپ جاتا ہے اور محل فرض پوشیدہ رہتا ہے۔

۳۔ اس کا مباح ہونا لہذا غصب شدہ اور ریشم کے موزے پر مسح درست نہیں خواہ اس کی ضرورت بھی درپیش ہو۔

۴۔ عرفاً اس میں چلنا ممکن ہو (یعنی جس مقدار کو عرف میں چلنا ممکن ہو) خواہ عادتاً جتنا چلا جاتا ہے۔

اتنا نہ چلا جا سکتا ہو۔لہذا چمڑے، اون لکڑی، شیشے اور لوہے وغیرہ جیسی چیز سے بنے ہوئے موزوں پر مسح درست ہے کیونکہ یہ موزہ ایسا ہوگا جو چھپانے والا ہوگا اور اس میں چلنا ممکن ہوگا۔

۵۔ وہ موزہ بذات خود پاک ہو، لہذا نجس پر مسح جائز نہیں ہوگا خواہ ضرورت کے تحت ہی کیوں نہ ہو۔اور ضرورت کے وقت دونوں پاؤں کی وجہ سے تیمم کر لے، کیونکہ ان دونوں کا دھونا ضروری ہے۔

۶۔ باریک ہونے کی وجہ سے پاؤں نہ جھلکیں جیسے پتلا شیشہ کیونکہ وہ فرض جگہ کا چھپانے کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا ہے۔لہذا ایسا موزہ جس میں سوراخ اور پھٹن ہو اور کچھ پاؤں کا حصہ ظاہر ہوتا ہو اس پر مسح درست نہیں ہے خواہ یہ سلائی کی جگہ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ فرض جگہ کو چھپانے والا نہیں ہوتا ہے اور اگر موزہ پہننے سے سوراخ مل کر بند ہو جائے تو اس پر مسح جائز ہے کیونکہ یہ فرض جگہ کو چھپانے والا نہیں ہوتا ہے اور اگر موزہ پہننے سے سوراخ مل کر بند ہو جائے تو اس پر مسح جائز ہے کیونکہ فرض جگہ کے چھپنے کی شرط حاصل ہو جاتی ہے۔

۷۔اتنا کشادہ نہ ہو کہ اس میں سے فرض جگہ نظر آ جائے۔(۱)

☆مسح کرنے کی شرائط:

مسح کرنے کی شرائط میں سے بعض شرائط:

۱۔ ماسح (مسح کنندہ) سے متعلق ہیں اور بعض

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱،ص۳۳۲۔۳۳۴

ب۔ ممسوح (مسح کی جانے والی شئی) سے

(ا) مسح کنندہ کی شرائط آگے کئی اقسام میں منقسم ہیں۔

ا۔ مسح کے لئے ضروری ہے کہ جب متعلقہ فرد کو حدث لاحق ہوا، تو اس وقت وہ کامل طہارت پر موزے پہنے ہوئے ہو، یہ شرط نہیں کہ موزے پہننے کے وقت وہ مکمل طہارت کر چکا ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ موزے پہننے کے وقت مکمل طور پر حالت طہارت میں ہو۔ یہ ہمارا مسلک ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ موزے پہننے کے وقت وہ مکمل طہارت کی حالت میں ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بے وضو شخص اگر شروع میں پاؤں دھو کر موزے پہن لے اور پھر وضو ٹوٹنے سے قبل وہ اپنا وضو مکمل کر لے تو پھر اگر اس کا وضو خطا ہو جائے۔ تو ہمارے نزدیک موزوں کا پہننا اور ان پر مسح کرنا جائز ہو گا اس لئے کہ ہمارے ہاں ''موزے دار'' کے لئے ضروری ہے کہ وہ وضو ٹوٹنے سے قبل پاؤں کی طہارت کے ساتھ اپنے موزے پہن چکا ہو اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صورت جائز نہ ہو گی۔ اس لئے کہ موزے پہنتے وقت اسے کامل طہارت حاصل نہ تھی۔ اور چونکہ اعضائے وضو میں ترتیب ملحوظ رکھنا ان کے نزدیک شرط ہے۔ لہٰذا قبل از وقت پاؤں کا دھونا اور ان کے نزدیک کالعدم ہو گا۔ تو ان کے ہاں موزے پہنتے وقت طہارت کی شرط نہ پائی گئی۔

اسی طرح اگر کسی نے وضو تو ترتیب سے کیا، لیکن ایک پاؤں دھو کر ایک موزہ پہن لیا اور دوسرا پاؤں دھو کر دوسرا موزہ پہنا، تو بقول بعض یہ صورت بھی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہو گی۔ وجہ یہ ہے کہ موزے پہننے کے وقت ''کامل طہارت'' کی شرط نہیں پائی گئی، ہاں البتہ اگر وہ پہلے پہنے ہوئے موزے کو اتار کر دوبارہ پہن لے۔ تو یہ جائز ہو گا۔ کیونکہ اس صورت میں موزے پہننے کا عمل کامل طہارت کی حالت میں ادا ہوا ہے، اس ضمن میں ہمارا استدلال یہ ہے کہ مسح کی اجازت ''ضرورت'' کے تحت دی گئی ہے اور یہ ضرورت اس وقت پڑتی ہے، جب موزے پہننے کے بعد وضو خطا ہو جائے اور اگر موزے پہننے سے قبل وضو ٹوٹ جائے، تو تب تو مسح کی ضرورت ہی نہیں، اس لئے کہ اس صورت میں پاؤں کا دھونا ممکن ہے، اسی طرح وضو خطا ہونے سے قبل انہیں پہن لینے کی صورت میں بھی ان کے اتارنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ پاؤں پاک ہے، بنابریں کمال طہارت، کی شرط موزوں کے پہننے کے وقت کی نہیں، بلکہ موزے پہننے کے بعد ''حدث'' کے وقت کی ہے۔ جو مذکورہ صورت میں موجود ہے۔

اور اگر کسی نے بے وضو ہونے کی حالت میں موزے پہن لئے۔ پھر وہ پانی میں گھس گیا، تا آنکہ پانی موزوں کے اندر داخل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اس کا وضو خطا ہو گیا۔ تو اس صورت میں بھی ہمارے نزدیک احناف مسح جائز ہو گا، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہ ہو گا۔ اس لئے کہ اس صورت میں موزے پہننے کے وقت کامل طہارت کی شرط نہیں پائی گئی۔

اور اگر اس نے بے وضو ہونے کی حالت میں موزے پہن لئے، پھر وضو مکمل ہونے سے قبل، اس کا وضو خطا ہو گیا۔ بعد ازاں وہ اپنے وضو کو مکمل کر لے۔ تو بالاجماع اس کا موزے پہننا درست نہ ہو گا۔ ہمارے نزدیک اس لئے کہ موزے پہننے کے بعد وضو خطا ہونے کے وقت وہ کامل طہارت کی حالت میں نہ تھا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس لئے کہ موزے پہننے کے وقت اس کی طہارت مکمل نہ تھی۔

اور اگر کسی باوضو شخص نے پیشاب کرنے سے قبل موزے پہن لئے، پھر اس نے پیشاب کیا، تو اس کے لئے موزوں پر مسح کرنا جائز ہو گا۔ کیونکہ وضو خطا ہونے کے وقت وہ حالت طہارت میں مکمل طور پر موزے پہن چکا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلے کی بابت پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا تو کوئی فقیہ ہی کر سکتا ہے۔

اور اگر کسی نے تیمم کرنے کے بعد موزے پہنے۔ پھر اسے پانی مل گیا یا پانی کے استعمال پر اسے قدرت حاصل ہوگئی۔ تو اسے اب موزے اتار کر وضو کرنا ہوگا، اس لئے کہ وہ اب تیمم کے وقت سے موجود ''حدث'' کی بناپر بے وضو ہو جائے گا۔ کیونکہ پانی کا حاصل ہونا کسی نئے ''حدث'' کا موجب نہیں بنتا، البتہ یہ اس کے حکم کو پانی ملنے کے وقت تک مؤثر ہونے سے مانع ہوتا ہے، لہٰذا ''حدث'' کا اس کے قدموں پر بھی اثر پہنچے گا اور وہ بغیر پاکی کے رہ جائیں گے۔ اگر ہم اس صورت میں ''مسح'' کو جائز قرار دیں تو اس صورت میں موزے ''حدث'' کو روکنے والے قرار پائیں گے، حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں، بلکہ ''حدث'' ان میں پہلے سے موجود ہے۔

اگر کسی نے پانی نہ ملنے کی بنا پر ''نبیذ تمر'' (۱) (۱۔ نبیذ تمر کی مفصل بحث آگے آئے گی۔) سے وضو کیا، پھر اس نے موزے پہن لئے، بعد ازاں اس کا وضو خطا ہو گیا، تو اس صورت میں اگر تو صاف پانی دستیاب نہ ہو۔ اور ''نبیذ تمر'' سے ہی اسے دوبارہ وضو کرنا پڑے تو وہ موزوں پر مسح کرنے کا حقدار رہے گا۔ اس لئے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''نبیذ تمر'' بھی مطلق طہارت کا موجب ہے اور اگر اسے صاف پانی مل جائے، تو پھر اسے موزے اتار کر دونوں پاؤں دھونے چاہئیں، کیونکہ ''نبیذ تمر'' پانی کی موجودگی میں ''طہور مطلق'' نہیں ہے۔

اور اسی طرح اس صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ اگر کسی نے گدھے کے جوٹھے پانی سے وضو کیا۔ پھر اوپر سے تیمم کر لیا اور موزے پہن لئے۔ اور پھر اس کا وضو خطا ہو جائے پھر اس نے گدھے کے جوٹھے پانی سے وضو کر کے موزے پہن لئے اور تیمم نہ کیا۔ تا آنکہ اس کا وضو خطا ہو گیا، تو اب اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ گدھے کے جوٹھے پانی سے وضو کرے، پھر اپنے موزوں پر مسح اور پھر تیمم کر کے نماز ادا کر لے۔ کیونکہ گدھے کے جوٹھے پانی کی طہارت مشکوک ہے، تو اگر اس کا پانی سے وضو درست ہوگا، تو تیمم ایک اضافی عمل ہوگا، اور اگر مذکورہ پانی سے وضو کرنا درست نہ ہوا، تو پاؤں کی پاکی تیمم پر مبنی ہوگی۔

اور اگر اس نے وضو کیا اور اپنے پاؤں کی جبائر (پٹیوں) (۱) (۱۔ جبائر جبیرہ کی جمع ہے مراد شکستہ ہڈی پر باندھنے کی لکڑی یا پٹی ہے۔ تفصیل آئے گی) پر مسح کیا، پھر اس نے موزے پہن لئے بعد ازاں وضو خطا ہو گیا، یا اس کے دونوں پاؤں میں سے ایک پاؤں ٹھیک اور دوسرا زخمی تھا اور اس نے زخمی پاؤں کے زخم ٹھیک نہیں ہے، تو وہ موزوں کے اوپر سے مسح کرنے کا مجاز ہوگا، اس لئے کہ زخمی پاؤں پر مسح کرنا، ان کے دھونے کے مترادف ہے اور چونکہ موزوں کا پہننا کامل طہارت کے بعد عمل میں آیا ہے، لہٰذا ان پر مسح کرنا جائز ہوگا اور یہ ایسے ہی سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے دونوں پاؤں دھو کر موزے پہنے ہیں، لیکن اگر ان کا زخم ٹھیک ہو جائے، تو وہ فوراً موزے اتار کر پاؤں کو دھولے اس لئے کہ اس صورت میں وہ سابقہ حدث کی بنا پر بے وضو ہو گیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نے موزے کامل طہارت کے بعد نہیں پہنے تھے۔ اسی اصول پر ''الزیادات'' (۲) (۲۔ الزیادات کتابوں کے ایک مجموعے کی طرف اشارہ ہے (دیکھئے مقدمہ) میں متعدد مسائل مستنبط کئے گئے ہیں۔

۲۔ ماسح کی شرائط میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ مسح، فقط ''حدث اصغر'' (وضو خطا ہونے) کی صورت میں جائز ہے، ''حدث اکبر'' (حالت جنابت) میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن عسال المرادی'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہ حکم دیا کرتے تھے کہ: ''جب ہم سفر میں ہوں، تو موزے حالت جنابت کے سوا کسی اور صورت، مثلاً بول و براز اور نیند وغیرہ کی بنا پر تین دن سے قبل نہ اتاریں''۔

علاوہ ازیں ''حدث اکبر'' میں موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دفع حرج کے لئے ہے اس لئے کہ یہ حالت اکثر اور بار بار پیش کرتی ہے، لہٰذا اس صورت میں موزے اتارنے کا حکم حرج اور تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے جبکہ حالت جنابت کبھی کبھار پیش آتی ہے، لہٰذا اس حالت میں

موزے اتارنے کے حکم سے کسی تکلیف یا حرج کا کوئی امکان نہیں۔

(ب) ممسوح (موزوں) کی شرائط:

موزوں کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ وہ موزے اتنے اونچے ہوں کہ اس سے پاؤں کی ایڑیاں چھپ جائیں، اس لئے کہ شریعت میں ''خفین'' پر مسح کرنے کا ذکر ہے، اور خف (تثنیہ خفین) اسے کہتے ہیں جو دونوں ایڑیوں کو چھپا لے، اسی طرح موزوں کے علاوہ چمڑے کی بنی ہوئی دوسری اشیاء جو اس معیار پر پورا اترتی ہیں۔ مثلاً المکعب الکبیر (بڑا موزہ) اور میثم (۱) (۱۔ میثم کا لفظ وثم وثماً سے ہے، جس کے معنی روندے کے ہیں، جس سے مراد کھروں والا موزہ ہے۔) (کھروں والا موزہ) بھی اسی حکم میں ہیں۔ اس لئے کہ وہ موزوں کے مفہوم پر پورا اترتے ہیں۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ مذکورہ بالا دو ابواب کے قائم کرنے سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال درج ذیل ہے:

۱۔ مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن اور تین رات ہے۔

۲۔ مقیم کے لئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم موزوں پر مسح کی مدت کی تحدید کے قائل ہیں، جبکہ حضرت ابودرداء اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم موزوں پر مسح کی مدت کی تحدید کے قائل نہیں۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سات دن کی تحدید کے قائل ہیں۔

☆ موزوں پر مسح کی مدت کے بارے میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ فقہاء مالکیہ کے نزدیک مدت کی تحدید نہیں ہے، بلکہ جب تک موزے نہ اتارے یا جنابت لاحق نہ ہو تو مسح ہو سکتا ہے۔

۲۔ امام اعظم، ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک موزوں پر مسح کی مدت مسافر کے لئے تین دن اور تین رات، جبکہ مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے۔

۳۔ فقہاء احناف کے نزدیک معصیت کے لئے سفر کرنے والے کے لئے بھی مدت تین دن اور تین رات ہے، جبکہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک ایک دن اور ایک رات ہے۔

☆ موزوں پر مسح کی مدت کی ابتداء موزے پہن لینے کے بعد لاحق ہونے والے حدث سے ہوگی۔

☆ موزوں پر مسح وضو میں ہوگا، غسل میں نہیں ہوگا۔

☆ باب مذکور کی آخری حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مسئلہ پوچھنے پر حضرت شریح بن ھانی کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، اس سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۱۰۱۔۱۰۴

۱۔ اگر کسی مسئلے میں خود تحقیق نہ ہو تو رسوخ فی العلم والے کی طرف بھیجنا چاہئے۔

۲۔ علماء اور ماہرین کو ایک دوسرے کے بارے میں کلمات تحسین کہنے چاہئے، جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے۔

باب ۱۰۰: صِفَةِ الْوُضُوءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ — وضو پر وضو کرنے کا بیان

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ اگر پہلا وضو نہ بھی ٹوٹے، تو تازہ وضو کرنا جائز ہے، یہ مستحب عمل ہے اور گناہوں سے کفارے کا سبب ہے۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، اس سے پہلے باب میں مقیم آدمی کے لئے موزوں پر مسح کی مدت کا بیان تھا، موزوں پر مسح کا تعلق بھی وضو سے ہے۔ دونوں باب وضو سے متعلق ہیں۔

۱۳۰۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ مَيْسَرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّزَّالَ بْنَ سَبْرَةَ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ قَعَدَ لِحَوَائِجِ النَّاسِ فَلَمَّا حَضَرَتِ الْعَصْرُ أُتِيَ بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ فَأَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فَمَسَحَ بِهِ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ وَرِجْلَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ فَضْلَهُ فَشَرِبَ قَائِمًا وَقَالَ إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُونَ هَذَا وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ وَهَذَا وُضُوءُ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ.

حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بیٹھ گئے، جب عصر کی نماز کا وقت ہوا، تو پانی کا ایک تھال لایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے پانی کا ایک چلو لیا اور اپنے چہرہ، بازوؤں، سر اور پاؤں پر مل لیا، پھر اس سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا اور فرمایا: لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں، حالانکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے، یہ اس شخص کا وضو ہے، جس کا وضو ٹوٹا نہ ہو۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:

یہ اس شخص کا وضو ہے، جس کا وضو ٹوٹا نہ ہو۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۶۱۶، ۵۶۱۶_۵۶۱۶، ترمذی: ۲۰۰، ابوداؤد: ۳۷۱۸، السنن الکبریٰ: ۱۳۳، احمد: ۱۰۴۶، ۱۳۴۹، تحفۃ الاشراف: ۱۰۲۹۳

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات گزر چکے ہیں، باقی تین کے درج کئے جاتے ہیں، امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ عمرو بن یزید:

آپ کا نام ابو برید عمرو بن یزید جرمی بصری ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے

روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔جھز بن اسد: راجع:۲۸

۳۔امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام شعبہ کا شمار تبع تابعین میں ہوتا ہے، مگر وہ اپنے علم وفضل، دیانت وتقویٰ اور بعض دوسری خصوصیات کی وجہ سے تابعین کے زمرہ میں شمار کئے جانے کے مستحق ہیں، انہوں نے دو صحابی حضرت انس بن مالک اور عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا تھا۔اگر ان کے تابعی ہونے کے لئے کوئی دوسری وجہ نہ بھی ہوتی تو تنہا روایت صحابہ کا فضل ہی ان کی تابعیت کے لئے کافی تھا، مگر ارباب تذکرہ ان کا ذکر تبع تابعین کے ساتھ کرتے ہیں۔غالباً ان کے نزدیک صرف روایت صحابہ تابعین کے لئے کافی نہیں، اس لئے ان کو اس فہرست میں لے لیا گیا ہے۔

نام ونسب اور ولادت: شعبہ نام اور ابو بسطام کنیت، والد کا نام حجاج تھا، ان کے والد قصبہ واسط کے قریب ایک دیہات تہلیمان (عام تذکرہ نگاران کی جائے پیدائش واسط کو بتاتے ہیں مگر سمعانی نے لکھا ہے کہ واسط نہیں بلکہ اس کے ایک قریہ میں ان کی ولادت ہوئی) کے رہنے والے تھے، ۸۲ھ میں یہیں ان کی ولادت ہوئی۔

تعلیم وتربیت: ان کی ولادت تو ایک گاؤں میں ہوئی مگر ان کے والد غالباً ترک سکونت کر کے شہر واسط چلے آئے، واسط کوفہ وبصرہ کے درمیان ایک مرکزی مقام ہے جہاں علم وادب کا کافی چرچا تھا، امام شعبہ کی نشو ونما یہیں کے علم پرور ماحول میں ہوئی۔ان کی علمی زندگی شعر وادب سے شروع ہوئی مگر بہت زیادہ دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ وہ علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے۔اور اس میں وہ کمال حاصل کیا کہ امام المحدثین بن گئے۔خود انہوں نے یہ واقعہ اپنی زبان سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں سوال کرتا رہتا تھا، مگر ایک دن کوفہ کے مشہور محدث حکم بن عتیبہ (امام شعبہ اور اعمش دونوں حکم بن عتیبہ کے شاگرد ہیں۔مگر احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ شعبہ حکم کے احادیث کے سب سے بڑے محافظ ہیں۔اگر وہ نہ ہوتے تو حکم کی مرویات ضائع ہو جاتیں۔تھذیب) کی مجلس درس سے گزرا تو وہ محدثانہ انداز سے ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کر رہے تھے۔حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز جب میرے کانوں میں پہنچی تو وہ دل تک اتر گئی۔میں نے اسی وقت دل میں سوچا شعر وشاعری جس کی طلب اب تک میں نے کی ہے اس کے مقابلہ میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب بدرجہا بہتر ہے، چنانچہ اس دن سے میں علم حدیث کے حصول میں لگ گیا۔افسوس (۲) کے ساتھ فرماتے تھے کہ میں اگر شعر وادب میں نہ لگ گیا ہوتا تو امام شعبی سے حدیث میں استفادہ کیا ہوتا۔(تاریخ بغداد انہوں نے حدیث کی طرف توجہ کی تو امام شعبی وفات پا چکے تھے، جس کا ان کو افسوس تھا)

شیوخ حدیث: امام شعبہ نے اس وقت کے تمام محدثین سے سماع حدیث کیا تھا۔عام ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ ان کے شیوخ حدیث میں تقریباً چار سو تابعین شامل ہیں۔حافظ ابن حجر نے ان کے شیوخ کی جو فہرست دی ہے اس میں تین سو سے اوپر نام ہیں۔انہوں نے لکھا ہے کہ کوفہ کے تین سو شیوخ سے حدیث روایت کی ہے۔

یہ شیوخ کسی ایک دو مقام پر نہیں بلکہ ممالک اسلامیہ کے لاکھوں مربع میل علاقہ میں پھیلے ہوئے تھے۔پھر راستہ کی دشواری اور اس زمانہ کے محدود حمل ونقل کے ذرائع پر غور کیجئے۔گدھے اونٹ یا کسی خوش قسمت کو گھوڑے میسر ہو جاتے تھے، ان کے ذریعہ یہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرنا

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۶ص۲۷۰ ii۔الثقات، ج۸ص۴۸۸

۲۔ تاریخ بغداد، ج۹ص۲۵۷

کتنا دشوار کام تھا، پھر ایسا بھی ہوتا تھا کہ بسا اوقات ایک ایک حدیث کے لئے ہزاروں میل کا سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ اور پھر امام شعبہ کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو چکا تھا۔ انہوں نے انتہائی عسرت کی حالت میں تعلیم حاصل کی۔ خود فرماتے تھے کہ عسرت کی وجہ سے میں نے سات دینار میں اپنی والدہ کا طشت فروخت کر ڈالا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کو یہ تمام سفر پیدل ہی طے کرنے پڑے ہوں گے۔ (۱)

قوت حافظہ: خدائے تعالیٰ نے قوت حافظہ بھی غیر معمولی دیا تھا۔ وہ حدیث نبوی بہت کم لکھتے تھے۔ مگر لمبی لمبی حدیثیں نوک زبان رہتی تھیں، ایک بار علی بن المدینی نے یحییٰ بن قطان سے پوچھا کہ سفیان ثوری اور اس شعبہ میں کون لمبی لمبی حدیثوں کو زیادہ اچھی طرح یاد رکھتا تھا، بولے شعبہ اس میں بہت آگے تھے۔ (۲) غیر معمولی قوت حافظہ اور اس کدوکاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلدی حدیث نبوی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ان کے سینے میں محفوظ ہو گیا۔ اور اب وہ مرجع خلائق بن گئے، اسلامی مملکت کے گوشہ گوشہ سے حدیث نبوی کے پروانے آ کر اس شمع علم کے گرد جمع ہونے لگے۔

بصرہ میں قیام اور حلقہ درس: تحصیل علم کے بعد انہوں نے واسطہ کے بجائے بصرہ میں جو اس وقت علم و فن کا گہوارہ تھا۔ قیام کیا اور وہیں اپنا حلقہ درس قائم کیا۔ بصرہ کی سرزمین ان کو ایسی پسند آئی کہ ساری عمر وہیں ختم کر دی، خلیفہ مہدی نے ان کو بصرہ میں کچھ زمین بھی عطا کر دی تھی مگر انہوں نے اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ (۳)

تلامذہ: اس سرچشمہ علم سے جن تشنگان علم نے فائدہ اٹھایا اور ان کی صحیح تعداد تو نہیں بتائی جا سکتی، حافظ ابن حجر نے ان کے ۴۲ ممتاز تلامذہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح دوسرے اہل تذکرہ نے بھی کچھ نام گنوائے۔ امام نووی چند آئمہ کے نام لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

وخلائق لا یحصون من کبار الائمة۔ (۴)　"ان کے ممتاز تلامذہ کا بھی شمار نہیں کیا جا سکتا"۔

سفیان ثوری، سفیان بن عینیہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، وکیع بن جراح ایوب سختیانی، اعمش، محمد بن اسحاق، ابوداؤد، عبداللہ بن مبارک، اسمٰعیل بن علیہ رحمہ اللہ علیہم وغیرہ۔

علم و فضل: اوپر ذکر آ چکا ہے کہ ان کی تعلیم شعر و ادب سے شروع ہوئی تھی، اور مشہور شاعر طرماح کے شاگرد تھے۔ خود اصمعی ان کے ادبی ذوق کا معترف تھا۔ اس کے بعد دینی علوم کی طرف توجہ کی تو اس میں بھی انہوں نے ممتاز حیثیت حاصل کی، خصوصیت سے حدیث میں ان کی امامت اور جلالت تو ضرب المثل بن گئی ہے حدیث کی کوئی قابل ذکر کتاب ایسی نہیں ہے۔ جس میں ان کی مرویات کثرت سے موجود نہ ہوں۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن المدینی کے واسطہ سے ان کی دو ہزار حدیثیں ہم تک پہنچی ہیں۔ ابوداؤد کہتے تھے کہ میں نے ان سے سات ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں سے ایک ہزار حدیثوں پر میں نے ان سے رد و قدح کیا اور ایک ہزار حدیثوں کے دلائل براہین سے خود انہوں نے مجھے واقف کیا۔ (۵)

علماء کا اعتراف: اس وقت کے تمام علماء محدثین کو ان کے علم و فضل کا اعتراف تھا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ علم حدیث میں امام شعبہ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام شافعی فرماتے تھے کہ اگر امام شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں علم حدیث اتنا زیادہ معروف نہ ہوتا۔ سفیان ثوری فرماتے تھے کہ شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث امام احمد بن حنبل فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کی بصیرت، حفظ و اتقان اور رجال کی تنقید میں وہ تنہا

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۷۴　۲۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۲۶۴　۳۔ تاریخ بغداد، ج ۹، ص ۳۵۶
۴۔ تھذیب الاسماء، ج ۵، ۲۴۵　۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۷۰

ایک امت کے برابر تھے۔(۱) مشہور محدث حماد بن زید فرماتے تھے کہ اگر کسی حدیث کی روایت میں امام شعبہ میری موافقت کرتے ہیں تو میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا، انہیں حماد کا بیان ہے کہ ایوب سختیانی نے ایک دن کہا کہ جلد ہی واسطہ سے ایک محض حدیث کا ماہر آنے والا ہے۔اس سے حدیثیں سیکھو، ان کا اشارہ امام شعبہ کی طرف تھا، ابوالولید نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ امام شعبہ سے زیادہ اچھا حدیث کا کوئی عالم آپ نے دیکھا ہے یا نہیں۔فرمایا نہیں، پوچھا آپ ان کی صحبت میں کتنے دن رہے بولے بیس برس۔(۲)

امام نووی نے لکھا ہے کہ ان کی امامت وجلالت پر سب کا اتفاق ہے، حاکم نے لکھا ہے کہ یہ معرفت حدیث میں امام الائمہ تھے۔امام ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے بھی قریب قریب یہی الفاظ لکھے ہیں۔

روایت حدیث میں احتیاط: اس علم وفضل کے باوجود حدیث کی روایت میں بڑی احتیاط کرتے تھے، جب تک وہ کسی حدیث کو کئی کئی بار سن نہ لیتے تھے۔اس کی روایت نہیں کرتے تھے۔بسا اوقات ایک ایک حدیث کا سماع وہ بیس بیس مرتبہ کرتے تھے، حماد بن زید کہتے تھے کہ کسی حدیث میں اگر شعبہ میرے موافق ہوں تو میں کسی دوسرے کی پرواہ نہیں کرتا۔اس لئے کہ وہ کسی حدیث کو سننے کے بعد فوراً مطمئن نہیں ہوتے تھے۔سفیان ثوری کا قول ہے کہ میں نے حدیث نبوی کی روایت میں شعبہ سے زیادہ کسی کو محتاط نہیں پایا۔(۳) ان کو صحیح حدیث میں بھی شک ہو جاتا تھا، تو ترک کردیتے تھے۔(۴) خود فرماتے تھے کہ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے جائیں یہ مجھے پسند ہیں مگر یہ پسند نہیں کرسکتا کہ میں نے کسی حدیث کو سنا نہ ہو اور یہ کہوں کہ سمعت میں نے سنا ہے۔(۵)

اس زمانہ میں حدیث میں بعض لوگ تدلیس کرتے تھے۔تدلیس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی راوی کسی وجہ سے اپنے اس شیخ کا نام نہ لے جس سے انہوں نے روایت سنی ہے بلکہ اوپر کے راوی کا نام لے۔یہ ایک طرح کی غلط بیانی ہے، اس لئے آئمہ نے اس کو بہت ناپسند کیا ہے، عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کے مقدمہ میں لکھا ہے۔

بالغ شعبة فی ذمه۔ ''امام شعبہ تدلیس کی بہت زیادہ مذمت کرتے تھے''۔

خود اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں یہ پسند کروں گا کہ میں آسمان سے گر پڑوں اور میرے جسم کے ٹکڑے ہو جائیں مگر یہ بات پسند نہیں کرسکتا کہ میں کسی حدیث کی روایت میں تدلیس کروں۔

وہ روایت حدیث میں خود ہی احتیاط نہیں کرتے تھے، بلکہ دوسروں کو بھی اس سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔جب کسی نا اہل آدمی کو حدیث کی روایت کرتے سنتے تھے تو اس کے پاس جاتے اور اس سے کہتے کہ تم حدیث نبوی ﷺ کی تحدیث چھوڑ دو ورنہ میں بادشاہ کے پاس تمہاری شکایت لے جاؤں گا۔

تنقید رجال کی ابتداء: اس وقت حدیث کی روایت میں جو بے اعتدالیاں شروع ہوگئی تھیں اور حدیث کا مبارک علم جس طرح آہستہ آہستہ نا اہل لوگوں کے ہاتھوں میں جارہا تھا۔اگر بروقت اس کی روک تھام نہ کی جاتی تو امت میں ایک نئے فتنے کا آغاز ہو جاتا۔خدا جزائے خیر دے امام شعبہ کو کہ وہ ہر وقت اس فتنے کے خلاف صف آرا ہو گئے۔انہوں نے رواۃ حدیث پر کلام کیا۔ان کے صفات بتائے۔ان کے لئے کچھ اصول مقرر کئے۔اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے اعتدالیاں کم ہونے لگیں اور ہر کس وناکس کو روایت حدیث کی جرأت نہیں ہوتی تھی، امام شعبہ نے جس کام کی

۱۔ ایضاً ۲۔ تاریخ بغداد ۳۔ تاریخ بغداد
۴۔ تاریخ بغداد ۵۔ تھذیب التھذیب

ابتدا کی تھی گو اس کی تکمیل دوسرے آئمہ یعنی امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے کی مگر بحر حال (اب یہ ایک مستقل فن اسماء الرجال کے نام سے بن گیا ہے، جس میں رواۃ حدیث کی سیرت و کردار پر پوری بحث ہوتی ہے۔) تقدم کا شرف امام شعبہ کو حاصل ہے۔امام نووی نے صالح بن محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

اول من تکلم فی الرجال شعبه ثم تبعه یحییٰ القطان ثم احمد بن حنبل و یحییٰ بن معین ۔ (۱)

راویوں پر سب سے پہلے تنقید امام شعبہ نے شروع کی، پھر امام یحییٰ القطان نے ان کے بعد امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔

حافظ ابن حجر نے بھی اپنی کتاب تھذیب میں ابو بکر منجویہ کا قول نقل کیا ہے کہ:

وھواول من فتش بالعراق عن امر المحدثین وجانب الضعفاء والمتروکین۔(۲)

''عراق میں سب سے پہلے امام شعبہ نے عام محدثین اور ضعیف اور متروک راویوں کے بارے میں چھان بین شروع کی''۔

تنقید الرجال کے بارے میں امام شعبہ کی حیثیت اتنی مسلم ہو چکی تھی کہ جن راویوں سے وہ روایت نہیں کرتے تھے، دوسرے محدثین بھی ان کی روایت سے گریز کرتے تھے۔ممتاز محدث ابن عون سے کسی نے پوچھا کہ آپ فلاں آدمی سے روایت نہیں کرتے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ بولے! شعبہ اس سے روایت کرتے تھے۔(۳)

حدیث میں ان کی امامت وجلالت مسلم تھی۔مگر اس کے باوجود وہ انسان تھے، اس لئے ان سے بھی روایت حدیث میں بعض لغزشیں ہوئی ہیں، جن کی طرف بعد کے علماء نے توجہ دلائی ہے۔

عجلی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث میں ثقہ اور قابل اعتماد ہیں مگر اسماء رجال میں ان سے کبھی کبھی غلطی ہو جاتی تھی، دار قطنی نے لکھا ہے کہ متن حدیث کے یاد کرنے میں اتنا زیادہ مشغول رہتے تھے کہ ان کی توجہ رواۃ کی طرف نہیں ہونے پاتی تھی۔اس وجہ سے رجال کے ناموں میں کبھی کبھی غلطی ہو جاتی تھی، مگر ان کی اس غلطی کا اثر روایت کی صحت اور عدم صحت پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ صرف اتنا ہوتا تھا کہ روایت کرتے وقت کبھی کسی راوی کا نام بھول گئے یا اس کا نام غلط لے لیا کرتے تھے چنانچہ سفیان ثوری سے کسی نے ان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ امام شعبہ اسماء الرجال میں غلطی کرتے ہیں مگر ان کی غلطی لایضره ویعاب علیه ۔ایسی نہیں ہے جس سے ان کی عظمت پر حرف آتا ہو یا ان کی وجہ سے ان کو مطعون کیا جائے۔

زہد وتقویٰ اور سیرت وکردار: امام شعبہ اس علم وفضل کے ساتھ اپنے سیرت وکردار اور زہد وتقویٰ میں بھی ممتاز تھے۔

نماز نہایت ہی حضور قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے تھے، رکوع وسجدہ میں اتنی تاخیر کرتے تھے کہ دیکھنے والوں کو شبہ ہوتا کہ وہ بھول گئے۔ابوقطن کا بیان ہے کہ شعبہ جب رکوع وسجدہ کرتے تھے تو مجھے گمان ہوتا تھا کہ شاید یہ بھول گئے ہیں اس لئے اتنی تاخیر ہو رہی ہے۔(۴)

نماز میں انہیں اس قدر لطف آتا تھا کہ جب بھی ان کو فرصت ملتی تو وہ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، روزہ سے بھی ان کو خاص شغف تھا۔سال کے اکثر ایام میں روزے سے ہوتے تھے، کثرت صوم وعبادت کی وجہ سے نہایت ہی کمزور اور نحیف ہو گئے تھے۔اور چہرہ کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا، مگر صوم وصلوٰۃ کی یہ کثرت حقوق عباد کی ادائیگی یا خدمت خلق میں سدراہ نہیں بنتی تھی بلکہ وہ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق عباد کی بھی پوری نگہداشت کرتے تھے غریبوں اور مسکینوں کے تو وہ ملجا وماویٰ تھے۔خود ان کی مالی حالت کچھ اچھی نہیں تھی۔مگر جب بھی ان کے ہاتھ میں کوئی رقم آجاتی تو وہ فوراً

۱۔ تھذیب الاسماء ۲۔ ج ۴، ص ۳۴۵

۳۔ تھذیب التھذیب ۴۔ تذکرۃ الحفاظ

فقراو مساکین میں تقسیم کر دیتے تھے ایک بار خلیفہ مہدی نے تین ہزار درہم ان کے پاس بھجوائے، انہوں نے پوری رقم اہل حاجت میں تقسیم کرادی۔ کسی مسکین کو دیکھ لیتے تو ان کا دل بھر آتا تھا، اور ان کے پاس جو کچھ ہوتا تھا، دے ڈالتے تھے۔

نصر بن شمیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ غریبوں پر رحم کرنے والا آدمی نہیں دیکھا، ان کی یہ کیفیت تھی کہ جب کوئی غریب آدمی ان کے پاس سے گزرتا تھا تو جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتا تھا۔ اس کی طرف نظر تر سے دیکھتے رہتے تھے۔ (۱)

ایک بار وہ گدھے پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، راستے میں مشہور محدث سلیمان بن مغیرہ ملے، انہوں نے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ امام شعبہ نے کہا کہ واللہ میرے پاس اس گدھے کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ نیچے اتر گئے اور گدھا سلیمان کے حوالے کر دیا۔ (سلیمان ابن مغیرہ ان کے استاد ہیں، ان کو امام شعبہ سید اہل بصرہ کہا کرتے تھے۔) ایک بار کسی پڑوسی نے ان سے کچھ مانگا۔ ان کے پاس کچھ موجود نہیں تھا۔ فرمایا ایسے وقت میں تم نے مجھ سے سوال کیا کہ کچھ موجود نہیں ہے اچھا یہ سواری کا گدھا لے لو، اس نے گدھا لینے سے انکار کیا۔ آپ نے پھر اصرار کیا تو اس نے لے لیا۔ (یہ تمام واقعات تاریخ بغداد سے لئے گئے ہیں) وہ گدھے کو لے کر کچھ آگے گیا تھا کہ ان کے بعض احباب نے دیکھا اور پہچانا کہ یہ تو امام کی سواری کا گدھا ہے۔ وہ چونکہ اس کی طبیعت سے واقف تھے، اس لئے صورت حال سمجھ گئے، انہوں نے سائل سے پانچ درہم میں گدھے کو خرید لیا اور پھر:

ویو ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ:　　''انصار کا حال یہ ہے کہ وہ خود تنگی میں ہوتے ہوئے بھی ایثار سے کام لیتے تھے''۔

اس صفت میں وہ اس قدر معروف و مشہور تھے کہ ان کو لوگ ابوالفقراء وام المساکین کے ماں باپ کہنے لگے تھے۔ اپنے تلامذہ سے کہا کرتے تھے کہ اگر (میرے درس میں) مساکین نہ ہوتے تو تم لوگوں کے لئے یہ مجلس نہ برپا کرتا۔ (تاریخ بغداد) مقصد یہ ہے کہ غریبوں کے پاس وہ اسباب وذرائع نہیں ہیں جن کی مدد سے وہ وطن سے باہر جا کر تحصیل علم کر سکیں۔ اس لئے میں درس دیتا ہوں کہ ان کی علمی تشنگی یہیں رفع ہو جائے اور ان کو باہر نہ جانے کا کوئی غم نہ ہو۔

سادگی:　امام شعبہ کی مالی حالت اچھی نہیں تھی مگر ان کے دو بھائی شاد اور حماد جو صرافہ کا کام کرتے تھے بہت مالدار تھے۔ یہ دونوں بھائی امام شعبہ کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے، ان کی اور ان کے اہل وعیال کی کفالت بھی انہی کے ذمہ تھی، پھر خلفاء کے یہاں بھی ان کی قدر ومنزلت تھی۔ اگر وہ چاہتے تو ان دونوں ذرائع سے کام لے کر بڑے آرام وسکون کی زندگی بسر کر سکتے تھے، مگر انہوں نے ہمیشہ نہایت ہی سادگی بلکہ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی۔ اپنی ضرورت سے زیادہ انہوں نے نہ تو اپنے بھائیوں سے لینا پسند کیا اور نہ اس کے لئے کبھی دربار خلافت کا رخ کیا اور اگر ضرورت سے زیادہ کوئی رقم ہدیۃ تحفۃ آ گئی تو فوراً اسے اہل حاجت میں تقسیم کر ڈالا۔

امام شعبہ کا لباس عموماً کرتا پائجامہ اور ایک چادر پر مشتمل ہوتا تھا۔ وہ بھی نہایت ہی کم قیمت۔ ان کے ایک شاگرد سلیمان کا بیان ہے کہ ان کا پورا لباس دس درہم (دو روپیہ) سے بھی کم قیمت کا ہوتا تھا۔ ایک بار وہ سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، احباب نے ان کی سواری اور لباس کی قیمت کا اندازہ لگانا شروع کیا تو ان کا تخمینہ ۱۸ درہم چار پانچ روپے سے زیادہ نہیں ہوا، ان کی سادگی اور کسر نفسی کا اندازہ اس سے لگایئے کہ وفات کے

۱۔　i- تاریخ بغداد　　ii- تذکرۃ الحفاظ

بعد جب گھر کا سامان جمع کیا گیا تو پورا اثاثہ ایک گدھا، اس کی زین اور لگام، اور بدن کا کپڑا موزہ اور ایک جوڑا جوتا تھا جس کی مجموعی قیمت ۶ درہم تھی، خود فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے گھر میں آٹا اور پانی پینے کا برتن موجود رہے تو مجھے اور کسی چیز کے نہ ہونے کا کوئی غم نہیں ہے۔ خود ہی سادہ زندگی بسر نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے۔ ابونوع بیان کرتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے مجھے قیمتی کپڑا پہنے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کتنے میں تیار ہوا؟ میں نے کہا آٹھ درہم میں، بولے بندہ خدا اللہ سے ڈرتے نہیں۔ آٹھ درہم کا صرف کرتا پہنتے ہو۔ کیا حرج تھا اگر چار درہم کا کرتا بنواتے اور چار درہم کسی مستحق کو دے دیتے۔ (۱)

خوف آخرت: آخرت کا خوف ہر وقت دامنگیر رہتا تھا۔ حدیث کی روایت میں وہ جس قدر احتیاط کرتے تھے اس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ مگر اس احتیاط کے باوجود آخرت کی باز پرس سے ہر وقت خائف رہتے تھے کہ کوئی غلطی ہوگئی ہو اور قیامت کے دن خدا کے حضور شرمندہ ہونا پڑے۔ فرماتے تھے کہ کاش میں ایک معمولی فرد ہوتا اور مجھے حدیث کی معرفت نہ حاصل ہوتی۔ بسا اوقات جب ان کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ چیخ اٹھتے تھے۔ ان کا یہ خوف اور ڈر ان ذمہ داریوں کے احساس کی وجہ سے تھا جو حدیث کے راوی کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتی تھیں ایک ذمہ داری روایت کی تھی، دوسرے اس کے عمل واتباع کی، ظاہر ہے کہ ایسی بہت سی احادیث خود انہوں نے روایت کی ہوں گی جن میں ان دونوں ذمہ داریوں کی طرف حضور انور ﷺ نے توجہ دلائی ہوگی تو ان کا یہ خوف لازمی تھا، اگر کسی کو خوف نہ ہو تو تعجب ہے۔ انہی اوصاف وکمالات اور اخلاقی خوبیوں کی بناء پر یحییٰ بن معین جو خود علم وتقویٰ میں آپ اپنی نظیر تھے امام شعبہ کو امام المتقین کہتے تھے۔ یحییٰ بن معین کے متعدد شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم نے یحییٰ بن معین کی زبان سے سنا ہے کہ:

شعبہ امام المتقین ''شعبہ متقیوں کے امام ہیں''

دربار خلافت سے تعلق: اموی اور عباسی دور کے متعدد خلفا کا زمانہ پایا۔ مگر اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے کبھی ان کے پاس نہیں گئے۔ خصوصیت سے مہدی ان کا بہت قدر دان تھا۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ ایک بار اس نے ان کو کچھ زمین دے دی اور تیس ہزار درہم نقد تحفۃً دیئے مگر انہوں نے نہ تو زمین سے فائدہ اٹھایا اور نہ اس رقم کو اپنے مصرف میں لائے۔ بلکہ یہ پوری رقم فقراء میں تقسیم کردی۔ اوپر ذکر آچکا ہے کہ امام شعبہ کے دو بھائی بڑے مالدار تھے۔ ایک بار انہوں نے خلیفہ مہدی سے کئی ہزار دینار کا غلہ خریدا، اتفاق سے اس میں ان کو گھاٹا ہوا۔ اور وہ غلہ کی رقم حسب وعدہ مہدی کو ادا نہ کرسکے۔ عدم ادائیگی کے جرم میں ایک بھائی کو سزا ہوگئی۔ امام شعبہ کو جب اطلاع ہوئی تو ان کو بہت رنج ہوا۔ اور ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اپنے بھائی کی رہائی کے لئے دربار خلافت میں گئے، وہ اس کے پاس پہنچے اور کچھ ایسے اشعار پڑھے جن میں اپنے مدعا کی طرف اشارہ تھا۔ مہدی سمجھ گیا۔ اور بولا کہ ابو بسطام اس بارے میں کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ جس مقصد کے لئے تشریف لائے ہیں اسے ابھی پورا کئے دیتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے فوراً حکم دیا کہ امام شعبہ کے بھائی کو ان کے ساتھ روانہ کردو۔ اور ان سے کوئی مطالبہ نہ کیا جائے۔

امام شعبہ دربار خلافت میں دنیا طلبی یا کسی وجاہت کے حصول کے لئے نہیں گئے تھے، مگر پھر بھی یہ واقعہ بالکل انوکھا تھا۔ اس لئے اس پر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، خاص طور سے اہل عزیمت علماء جو دربار سے کسی طرح کے تعلق کو پسند نہیں کرتے تھے، ان کے لئے یہ خبر بڑی افسوس ناک تھی، چنانچہ امام سفیان ثوری کو جب اطلاع ملی تو انہوں نے کہا کہ لیجئے یہ امام شعبہ بھی خلفاء کے پاس پہنچنے لگے، جب امام شعبہ کو اس بات کی

۱۔ صفوۃ الصفوۃ

اطلاع ہوئی تو بولے کہ ہاں سفیان کو کبھی بھائی کی گرفتاری کا صدمہ نہیں پیش آیا ہے، مقصد یہ تھا کہ انتہائی مجبوری کی بنا پر میں دربار خلافت میں گیا اگر ویسی مجبوری ان کو بھی پیش آجاتی تو وہ بھی جانے پر مجبور ہوتے۔

وفات: ۱۶۰ھ میں ۷۷ برس کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کی خبر سفیان ثوری کے پاس پہنچی تو بولے کہ مات الحدیث حدیث کا علم آج ختم ہو گیا۔

خاندان: خطیب بغدادی نے ان کے ایک لڑکے سعد اور دو بھائی حماد و شاد کا ذکر کیا ہے، ان کے خاندان میں علم و فضل کا چرچا انہی کی ذات سے شروع ہوا اور غالباً انہیں پر ختم بھی ہو گیا۔

زریں اقوال: ان کے دو چار زریں اقوال جو تذکروں میں ملتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے نا جانے کتنے ایسے مقولے ان کی زبان سے نکلے ہوں گے۔ فرماتے تھے کہ عقل کے اعتبار سے لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کی عقل ان کے ساتھ رہتی ہے، اور کچھ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کی عقل ہمیشہ ان سے دور رہتی ہے، اور بعض لوگ عقل سے بالکل کورے ہوتے ہیں، جن میں پہلے گروہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ بات کرنے ہی سے پہلے سوچ لیتے ہیں کہ ان کو کیا کہنا ہے۔

ان کے عہد میں حدیث کا چرچا اتنا ہو گیا تھا کہ لوگوں کی توجہ قرآن کی طرف سے قدرے کم ہو گئی تھی، ان کو جب اس کا احساس ہوا تو وہ لوگوں سے برابر کہا کرتے تھے کہ اگر تم حدیث سے بہت زیادہ شغف رکھو گے تو پھر قرآن کے علم میں پیچھے رہ جاؤ گے۔ مقصد یہ ہے کہ دونوں دین کے سرچشمے ہیں۔ اس لئے ان دونوں سے برابر فائدہ اٹھانا چاہئے۔

امام شعبہ کے اس جملہ سے دینی تاریخ کے ایک بہت بڑے حادثہ کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ دوسری صدی میں جتنا عام چرچا اور شغف حدیث سے رہا قرآن سے اس کا دسواں حصہ بھی نہیں تھا۔ خالص حدیث کی تحدیث و روایت کے لئے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں مجلسیں برپا تھیں۔ لیکن خاص طور پر سے قرآن کی تعلیم و تفسیر کے لئے مشکل سے دو چار مجالس درس قائم تھیں۔

تصنیف: یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علم دین قرآن کی ترویج کے لئے خود ایک تفسیر لکھی، صاحب کشف الظنون نے تفسیر شعبہ کے نام سے اس کتاب کا ذکر کیا ہے صاحب مفتاح السعادہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، اس وقت اس کے موجود ہونے کا کوئی علم نہیں ہے مگر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسری صدی کے ابتدائی زمانہ ہی سے علم تفسیر کی بھی تدوین شروع ہو گئی تھی، اور غالباً علم تفسیر پر پہلی کتاب تھی۔ (۱)

۴۔ عبدالملک بن میسرۃ:

آپ کا نام ابوزید عبدالملک بن میسرہ ہلالی عامری کوفی زراد (م: ۱۲۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آئمہ جرح و تعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ (۲)

۵۔ النزال بن سبرۃ:

آپ کا نام نزال بن سبرہ ھلالی عامری کوفی ہے، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہے، آپ کے صحابی ہونے میں اختلاف

۱۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تبع تابعین: اول، ص ۲۰۹۔۲۱۶

۲۔ i۔ تھذیب الکمال، ج ۶، ص ۴۷۳ ii۔ الکنی للدولابی، ج ۱، ص ۱۸۰

ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشمائل میں روایت کیا ہے۔(ا)

۶۔علی: راجع:۹۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چھپنویں (۵۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین کوفی ہیں۔

☆ حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کے قول کو مانا جائے، تو یہ صحابی (نزال) کی صحابی (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے اور اگر ان کو تابعی مانا جائے تو یہ تابعی (عبدالملک) کی تابعی (نزال) سے روایت ہے۔

☆ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم اور داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت میں اخبرنا، سمعت، رأیت اور عنعنہ ایک ایک دفعہ، اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رایت: میں نے دیکھا	صلی: اس نے نماز پڑھی	قعد: وہ بیٹھا
حوائج: ضرورتیں	الناس: لوگ	حضرت العصر: نماز عصر کا وقت ہو گیا
اتی: لایا گیا	تور: تھال۔برتن	کفا: چلو
اخذ: اس نے پکڑا	فضل: اضافی۔بچا ہوا	شرب: اس نے پیا
ناسا: لوگ	یکرھون: وہ ناپسند کرتے ہیں	لم یحدث: وہ بے وضو نہ ہوا

۷۔مسائل ونصائح:

☆ کھڑے ہو کر پینے کے جواز کے متعلق احادیث:

کھڑے ہو کر پینے کے جواز کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا۔ ان حدیثوں کی امام بخاری نے یہاں روایت کی ہے۔

ا۔ i۔الاستیعاب، ج۴، رقم:۱۵۲۴ ii۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج۸، رقم:۲۴۱۰

☆ امام ترمذی نے از نافع از ابن عمر روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چلتے تھے اور (پانی) پیتے تھے اور ہم کھڑے ہوئے ہوتے تھے، پھر امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور اس حدیث کی امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے بھی روایت کی ہے۔

☆ امام ترمذی نے شمائل میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پیتے تھے، اور اس کی سند حسن ہے۔

☆ امام نسائی نے از مسروق از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور بیٹھے (پانی) پیتے تھے۔

☆ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور ایک مشک لٹکی ہوئی تھی تو آپ نے مشک کے منہ سے پانی پیا اور اس وقت آپ کھڑے ہوئے تھے۔ الحدیث۔

☆ ہمارے شیخ زین الدین نے فوائد ابوبکر الشافعی کے دسویں جز میں یہ روایت ذکر کی ہے: از زیاد بن المنذر از بشیر بن غالب از حسین بن علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پی رہے تھے۔

☆ امام طبرانی نے المعجم الصغیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے زمزم کا پانی پی رہے تھے۔

☆ مسند احمد میں یہ حدیث ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور گھر میں ایک مشک لٹکی ہوئی تھی تو آپ نے کھڑے ہو کر اس سے (پانی) پیا۔

☆ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔

☆ امام ابوموسیٰ المدینی نے معرفۃ الصحابہ میں حضرت کلثم رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور لٹکی ہوئی مشک سے کھڑے ہو کر پانی پیا۔

☆ امام عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور بیٹھ کر پیا۔

☆ ابومحمد بن حاتم الرازی نے سند صحیح کے ساتھ عبداللہ بن سائب بن خباب از والد خود از جد خود روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مٹی کے برتن کی طرف کھڑے ہوئے اور اس میں پانی تھا، تو آپ نے کھڑے ہو کر (پانی) پیا۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کے متعلق احادیث:

☆ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ہرگز کوئی شخص کھڑے ہو کر پانی نہ پیئے، اور جو شخص بھول گیا وہ قے کر دے۔

☆ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے پر زجر و توبیخ (ڈانٹ ڈپٹ) کی۔

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے پر ڈانٹ ڈپٹ کی ہے۔ اور امام ترمذی نے حضرت جارود بن معلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے سے منع فرمایا ہے، امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات:

☆ اہل ظواہر نے ان احادیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے۔

☆ اس سے پہلے جو احادیث ذکر کی تھیں، ان میں کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کا ثبوت تھا اور ان احادیث کے اندر کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت ہے، تو علماء نے ان احادیث میں حسب ذیل طریقوں سے تطبیق دی ہے:

۱۔ جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، وہ ممانعت تنزیہہ پر محمول ہے نہ کہ تحریم پر اور جو علماء حدیث اور فقہ کے جامع ہیں، انہوں نے اسی طرح تطبیق دی ہے، مثلاً علامہ خطابی، ابو محمد البغوی، ابو عبداللہ المازری، قاضی عیاض، ابوالعباس القرطبی اور ابو زکریا النووی رحمہم اللہ۔

۲۔ جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، وہاں قائم سے مراد ہے ماشی یعنی کھڑے ہونے سے مراد ہے چلنے والا، تو خلاصہ یہ ہے کہ چلتے ہوئے پانی نہ پیا جائے، اور عرب کہتے ہیں "قم فی حاجتنا" یعنی ہماری حاجت میں کھڑے ہو، مراد یہ ہوتی ہے کہ ہماری ضرورت میں چلو، یہ ابن التین کی تقریر ہے۔

۳۔ علامہ ابوالولید الباجی اور علامہ المازری نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث اس صورت پر محمول ہیں کہ کوئی مرد اپنے اصحاب کے پاس کوئی مشروب لے کر آئے اور اپنے اصحاب کے پینے سے پہلے خود کھڑے ہو کر پینا شروع کر دے، اس سے منع فرمایا ہے۔

۴۔ ممانعت کی احادیث ضعیف ہیں، فقہاء مالکیہ کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے ممانعت کی احادیث ضعیف ہیں، ان علماء میں سے علامہ ابو عمر بن عبدالبر ہیں، اور یہ جواب ضعیف ہے۔

۵۔ ابو حفص بن شاہین اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہیں۔

۶۔ ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ ممانعت کی احادیث کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی احادیث کے لئے ناسخ ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے کی اجازت دی گئی تھی، وہ احادیث منسوخ ہو گئی ہیں۔

☆ علامہ نووی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث مکروہ تنزیہی پر محمول ہیں، اور رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا تو وہ بیان جواز کے لئے ہے، سو کوئی اشکال نہیں ہے اور نہ کوئی تعارض ہے۔ نیز علامہ نووی نے کہا: ہم نے جو محمل بیان کیا ہے اس کو اختیار کرنا متعین ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ ممانعت کی احادیث منسوخ ہو گئی ہیں یا ضعیف ہیں تو اس نے فاحش غلطی کی اور ان احادیث کو منسوخ کیسے قرار دیا جائے گا جب کہ ان میں تطبیق ممکن ہے۔

☆ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ: علامہ نووی نے شرح صحیح مسلم میں وثوق سے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے اور انہوں نے اپنی کتاب "روضۃ الطالبین" میں امام شافعی کی اتباع میں کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ نہیں ہے۔ (۱)

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص ۲۸۵۔۲۸۷

حدثنا آدم حدثنا شعبة حدثنا عبدالملك بن ميسرة سمعت النزال بن سبرة يحدث عن علی رضی اللہ عنہ انه صلى الظهر ثم قعد فی حوائج الناس فی رحبة الكوفة حتى حضرت صلاة العصر ثم اتی بماء فشرب وغسل وجهه ويديه وذكر رأسه و رجليه ثم قام فشرب فضله وهو قائم ثم قال ان ناسا يكرهون الشرب قياما وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صنع مثل ما صنعت۔(۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی ، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالملک بن میسرۃ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے نزال بن سبرۃ سے سنا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر وہ لوگوں کی ضروریات کو حل کرنے کے لئے کوفہ مسجد کے وسیع صحن میں بیٹھ گئے حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا، پھر ان کے پاس پانی لایا گیا؛ انہوں نے اس کو پیا اور اپنے چہرے کو دھویا اور ہاتھوں کو دھویا اور سر کا بھی ذکر کیا اور پیروں کو دھویا، پھر کھڑے ہوئے اور کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا، پھر کہا کہ لوگ کھڑے ہو کر پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی مثل کیا جس طرح میں نے کیا ہے۔

☆ علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی دوسری سند سے روایت ہے جس کی امام بخاری نے آدم بن ابی ایاس سے روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے معانی:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پانی لایا گیا اور اسماعیلی کی روایت میں ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی منگایا، اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک کوزے میں پانی لائے، اور اسی کی مثل سنن نسائی اور مسند ابوداؤد الطیالسی میں مذکور ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے "اور سر کا ذکر کیا" یعنی آدم بن ابی ایاس نے اپنی روایت میں سر کا اور پیروں کا ذکر کیا۔ اور بہز کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ میں پانی لیا، پس اپنے چہرہ پر ملا اور اپنی کلائیوں پر ملا اور اپنے سر پر ملا اور اپنے پیروں پر۔

☆ مسند طیالسی میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا چہرہ دھویا اور اپنے ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر پر اور پیروں پر مسح کیا۔ اور الاعمش کی روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھوں کو دھویا، اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنے چہرے پر اور کلائیوں پر اور سر پر مسح کیا۔

☆ اسماعیلی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چہرے پر مسح کیا اور اپنے سر پر اور اپنے پیروں پر۔ اور حدیث کے آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ اس کا وضو ہے جو بے وضو نہ ہو، اور یہ اضافہ سنن نسائی کی روایت میں ہے اور اسماعیلی کی روایت میں ہے۔ علامہ کرمانی نے کہا: اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر اور پیروں کو کیوں الگ ذکر کیا اور سب کو ایک طریقے سے ذکر کیوں نہیں کیا؟ تو میں کہوں گا کہ جب کہ سر دھویا نہیں جاتا بلکہ اس پر مسح کیا جاتا ہے تو اس کو الگ ذکر کیا اور پیروں کا بھی اس پر عطف کیا، اگر چہ پیر دھوئے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے:

۱۔ صحیح البخاری: ۵۶۱۶، سنن نسائی: ۱۳۰، سنن ابوداؤد: ۳۷۱۸، مسند احمد: ۱۳۵۳

وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ (۱) اور اپنے سروں پر مسح کرو اور اپنے پیروں کو دھوؤ۔

☆ جب وضو کرنے والے نے موزہ پہنا ہوا ہو، تو جب وہ سر کا مسح کرے گا تو پیروں پر بھی مسح کر لے۔ اور اس کی توجیہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ دوسرا راوی سر اور پیروں کے متعلق اس بات کو بھول گیا جس بات کو پہلے راوی نے ذکر کیا تھا۔

☆ اس حدیث میں مذکور ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثل کیا جس طرح میں نے کیا تھا"؛ یعنی آپ نے اسی طرح کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا، اس کی اسماعیلی نے اپنی روایت میں تصریح کی ہے، پس کہا: آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا جس طرح میں نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا تھا۔ (۲)

☆ **حدثنا ابو نعیم حدثنا سفیان عن عاصم الاحول عن الشعبی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال شرب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائما من زمزم۔**

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں ابو نعیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عاصم الاحول از الشعبی از حضرت ابن عباس، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمزم کھڑے (پانی) پیا۔ (۳)

☆ علامہ ابوحفص عمر بن علی احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

میری رائے یہ ہے کہ پہلے میں اس باب میں وارد احادیث کو ذکر کروں، پھر ان کے درمیان تطبیق دوں۔

کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار:

☆ امام ترمذی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور آپ نے ایک لٹکی ہوئی مشک کے منہ سے (پانی) پیا۔ (۴)

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چلتے ہوئے کھاتے تھے اور کھڑے ہوئے پیتے تھے۔ (۵)

☆ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے (پانی) پیتے تھے، اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ الضیاء نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے۔ (۶)

☆ حضرت عمرو بن شعیب از والد از جد خود، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر بھی (پانی) پیا اور بیٹھ کر بھی (پانی) پیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ (۷)

☆ امام ابن شاہین اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ام سلیم نے ان کو حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور آپ نے کھڑے ہوئے مشک سے (پانی) پیا۔ (۸)

☆ حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہماری انگوروں کی بیل لٹکی ہوئی تھی، آپ نے

۱۔ المائدہ: ۶ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۲۱ ص ۲۸۷۔ ۲۸۸

۳۔ صحیح البخاری: ۱۶۳۷، ۵۶۱۷، صحیح مسلم: ۲۰۲۷، سنن ترمذی: ۱۸۸۲، سنن نسائی: ۲۹۶۴، سنن ابن ماجہ: ۳۴۲۲، مسند احمد: ۲۶۰۳

۴۔ سنن ترمذی: ۱۸۹۲ ۵۔ سنن ترمذی: ۱۸۸۱ ۶۔ المختارہ، ج ۳ ص ۲۱۵ ۷۔ سنن ترمذی: ۱۸۸۳ ۸۔ الناسخ والمنسوخ: ۵۷۲

کھڑے ہو کر اس میں سے کھایا۔(۱)

☆ امام مالک روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب، حضرت عثمان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم، یہ سب کھڑے ہو کر پانی پیتے تھے، اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔(۲)

☆ ابن عجلان نے حدیث بیان کی کہ میں نے ابراہیم سے کھڑے ہو کر پانی پینے سے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم چاہو تو کھڑے ہو کر پانی پیو اور اگر تم چاہو تو بیٹھ کر پیو۔(۳)

کھڑے ہو کر پانی پینے کے عدم جواز کے متعلق احادیث اور آثار:

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے پر ڈانٹ ڈپٹ فرمائی۔(۴)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کھڑے ہو کر (پانی) نہ پیئے اور جو بھول گیا تو اس کو چاہیے کہ وہ قے کر دے۔(۵)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کھڑے ہو کر پانی پیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تمہارے ساتھ بلی پیئے، اس نے کہا: نہیں! آپ نے فرمایا: تمہارے ساتھ اس نے پانی پیا ہے جو بلی سے زیادہ برا ہے، وہ شیطان ہے۔(۶)

☆ حضرت الجارود بن المعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر (پانی) پینے سے منع فرمایا۔(۷)

☆ امام طبری نے از حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ انہوں نے کھڑے ہو کر پانی پیا اور حضرت علی، حضرت سعد اور حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی کی مثل روایت کی ہے اور از ابراہیم اور طاؤس اور سعید بن جبیر سے بھی اس کی مثل روایت کی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی کراہت منقول ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل کراہت منقول ہے، اور اس کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر کھانا مباح ہے اور ہر حال میں کھانا مباح ہے اسی طرح پینا بھی ہر حال میں مباح ہے۔(۸)

کھڑے ہو کر پینے کے جواز اور عدم جواز کی احادیث میں تطبیق:

☆ علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی بیان جواز کے لئے پیا اور اسی طرح الخطابی نے کہا ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت تادیب کے لئے ہے، کیونکہ بیٹھ کر پانی پینا زیادہ اچھا اور زیادہ مناسب ہے۔

☆ علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: علماء میں سے کسی کا مذہب یہ نہیں ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت تحریم کے لئے ہے، اگرچہ ظاہریہ نے اس کو تحریم پر محمول کیا ہے اور جمہور کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے۔ سلف صالحین میں سے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور فقہاء اس سے استدلال کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا، اور ان تمام کی رائے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر زمزم سے پانی پینا ممانعت کی احادیث سے متاخر ہے، کیونکہ آپ کا زمزم سے کھڑے ہو کر پانی پینا حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، اور جن صحابہ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی احادیث کی روایت کی ہے، ان صحابہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحبت متاخر ہے، لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز کی روایت کی ہے وہ ناسخ ہے، اور یہ اس سے مزید موکد ہو گیا کہ خلفاء اربعہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا ہے اور یہ بعید ہے

۱۔ سنن ابوداؤد: ۳۸۵۶ ۲۔ الموطا، ج ۱ ص ۵۷۶ ۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۵ ص ۱۰۰ ۴۔ صحیح مسلم: ۲۰۲۴

۵۔ صحیح مسلم: ۲۰۲۶ ۶۔ مسند احمد، ج ۲ ص ۳۰۱، سنن دارمی، ج ۲ ص ۱۳۵۱ ۷۔ سنن ترمذی: ۱۸۸۱ ۸۔ المفہم، ج ۵ ص ۲۸۶

کہ خلفاء اربعہ سے ممانعت کی احادیث مخفی رہی ہوں۔

☆ حافظ ابوعمر بن عبدالبرؒ نے امام مالک سے روایت کی ہے: جب ہم کو ناسخ اور منسوخ میں یہ جاننا مشکل ہو جائے کہ کون سی چیز ناسخ ہے اور کونسی چیز منسوخ ہے تو ہم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کو دیکھیں گے اور ان کے فعل کو آخرالامرین قرار دیں گے۔(۱)

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ان لوگوں کی اقتداء کرو جو میرے بعد ہیں، ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما)(۲)

☆ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا فعل اگرچہ ممانعت کی احادیث کے ناسخ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا لیکن وہ یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ ایک حدیث کو دوسری احادیث پر ترجیح دی جائے، لہٰذا جن احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوئے زمزم کا پانی پیا، اس حدیث کو ممانعت کی حدیث پر ترجیح دی جائے گی، کیونکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی کھڑے ہو کر (پانی) پیا ہے۔

نیز حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا۔(۳)

☆ شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۱۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے اور لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے مسجد میں بیٹھے اور اس کا بیٹھنا ظہر کی نماز کے بعد ہو یا کسی اور مناسب وقت میں ہو۔

۲۔ اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ امام کو چاہئے کہ وہ کام کرے جس کو لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ ناجائز ہے، پھر اس کام کی دلیل بتائے تا کہ لوگ مطمئن ہو جائیں۔ کیونکہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز نہیں ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر پانی پیا، پھر بعد میں اس کے جواز کی دلیل بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا تھا۔

۳۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے، لیکن حدیث میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، پس جب کسی فعل کی حدیث میں ممانعت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو کیا ہو، تو اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ ممانعت تحریم کے لئے نہیں تھی، تنزیہہ کے لئے تھی اور افضل یہ ہے کہ انسان بیٹھ کر پانی پیئے، اگر اس نے کھڑے ہو کر پانی پیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر زمزم کا پانی پیا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر پانی پیا۔

☆ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یوں کیوں نہیں ہو سکتا کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو تو قول کو فعل پر مقدم کیا جائے گا؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع بھی فرمایا ہے اور کھڑے ہو کر خود پیا بھی ہے، تو آپ کا قول یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پینا منع ہے اور فعل یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پیا ہے، تو قول پر مقدم کر دیا جائے اور فعل کو قول کے مقابلہ میں ترک کر دیا جائے، تو یہ کیوں جائز نہیں ہے؟

☆ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا اس وقت کیا جائے گا، جب دو حدیثوں میں ایسا تعارض ہو کہ ان میں تطبیق ممکن نہ ہو، اور یہاں پر تطبیق ممکن ہے۔ بایں طور کہ کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت بہ طور تنزیہہ ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑے ہو کر پینا بیان جواز کے لئے ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں ہمارے لئے عمدہ نمونہ ہے۔ تو یہ کہا جائے گا کہ یہ ممانعت تنزیہہ کے لئے ہے، تحریم کے لئے نہیں ہے۔ اور افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ بیٹھ کر پیا جائے۔(۴)

۱۔ التمہید، ج ۳، ص ۳۵۳۔۳۵۴
۲۔ سنن ترمذی: ۳۶۶۲، سنن ابن ماجہ: ۹۷، مسند احمد، ج ۵، ص ۴۰۲
۳۔ التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۷، ص ۱۹۱۔۲۰۰
۴۔ شرح صحیح، ج ۵، ص ۳۲۹

کھڑے ہو کر پانی پینے کے متعلق علامہ سعیدی کی تحقیق:

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جن مواضع میں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیا ہے، وہاں کھڑے ہو کر پینا افضل ہے اور ان کے علاوہ دوسرے مواضع میں بیٹھ کر پینا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پیا، تو زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے، اسی طرح آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا، تو وضو کا بچا ہوا پانی بھی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے، اور ان کے علاوہ باقی صورتوں میں بیٹھ کر پانی پینا افضل ہے۔ اور اگر ان صورتوں میں بھی کھڑے ہو کر پیا تو یہ مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہوگا۔ (سعیدی غفرلہ) (۱)

فوائد ومسائل:

جس شخص کا وضو قائم ہے، اسے نیا وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے مگر ثواب یا صفائی کی خاطر کوئی وضو پر وضو کرنا چاہے تو کر سکتا ہے کیونکہ وضو بذاتہ گناہوں کے کفارے کا سبب بنتا ہے اور اس سے انسان کی بخشش ہوتی ہے اور یہی درست رائے ہے۔ اس بارے میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں۔

جس شخص کا پہلا وضو قائم ہے، اسے مکمل وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہلکا سا وضو بھی کر لے تو کوئی حرج نہیں۔ دھونے اور پانی بہانے کی بجائے گیلا ہاتھ لگانا بھی کافی ہے اور ہر جگہ ہاتھ پہنچانا بھی ضروری نہیں۔

اس حدیث سے کھڑے ہو کر پانی پینے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اگرچہ افضل یہی ہے کہ بیٹھ کر پیا جائے۔ (۲)

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اگر بغیر حدث کے دوبارہ وضو کرنا ہو تو دھوئے جانے والے اعضاء پر صرف مسح کرنا ہی کافی ہے، اسی حدیث مبارکہ سے بعض صحابہ کرام وضو میں پاؤں پر مسح کرنے کے جواز کے قائل ہیں، جو کہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث مبارکہ بغیر حدث کے وضو کرنے والے کے ساتھ خاص ہے (۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وضو نہ ٹوٹنے کی صورت میں دوبارہ وضو کرنا چاہے، تو اس کے لئے اعضاء دھونے کی بجائے صرف مسح کرنا کافی ہے۔

☆ اس جگہ سے مراد جہاں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور لوگوں کے مسائل حل کیے، یہ جامع مسجد کوفہ کا صحن تھا۔ (۴)

☆ حاکم اور امام کو چاہئے کہ نماز کے بعد کچھ وقت کے لئے مسجد میں بیٹھے اور ان کے مسائل حل کرے، یہ نماز ظہر کے بعد کا وقت بھی ہو سکتا ہے، یا اس کے علاوہ بھی کسی نماز کے بعد کا وقت ہو سکتا ہے۔

☆ وضو پر وضو کرنا جائز ہے۔ یہ گناہوں سے کفارے کا سبب ہے اور بخشش کا ذریعہ ہے۔

☆ کھڑے ہو کر پانی پینا جائز ہے، جن علماء کے نزدیک کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے، اس سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔

☆ علماء کرام نے تطبیق اس طرح بیان کی ہے کہ آبِ زمزم اور وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا افضل ہے، اور اس کے علاوہ پانی بیٹھ کر پینا افضل ہے۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱۱، ص ۸۲۷۔۸۳۴ ۲۔ سنن نسائی (دار السلام)، ج ۱، ص ۱۸۰ ۳۔ حاشیہ سندھی، ص ۴۲ ۴۔ بخاری: ۵۶۱۶

باب ۱۰۱: الْوُضُوءُ لِكُلِّ صَلَاةٍ — ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا

اس باب کے قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا مستحب ہے، اگر چہ ایک ہی وضو سے کئی نمازیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، جن میں ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنے کا بھی ذکر ہے، اور ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کا بھی ذکر ہے، پچھلے باب میں وضو کے ہوتے ہوئے تازہ وضو کرنے کا ذکر تھا۔

۱۳۱۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ ذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيَ بِإِنَاءٍ صَغِيرٍ فَتَوَضَّأَ قُلْتُ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ قَالَ نَعَمْ۔ قَالَ فَأَنْتُمْ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الصَّلَوَاتِ مَا لَمْ نُحْدِثْ قَالَ وَقَدْ كُنَّا نُصَلِّي الصَّلَوَاتِ بِوُضُوءٍ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پانی کا چھوٹا برتن لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا (حضرت عمرو بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں) میں نے دریافت کیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے، حضرت انس رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ہاں! انہوں نے پوچھا: اور آپ رضی اللہ عنہ؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہم تو جب تک بے وضو نہ ہوتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، اور ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے تازہ وضو فرماتے تھے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۲۱۴، ابوداؤد: ۱۷۱، ترمذی: ۶۰، ابن ماجہ: ۵۰۹، احمد: ۱۳۷۳۶، مسند ابویعلیٰ: ۳۷۰۸، سنن دارمی: ۲۰۷، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۱۶۲، شرح السنۃ: ۲۳۰، تحفۃ الاشراف: ۱۱۱۰۔

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، ایک کے حالات درج کئے جاتے ہیں، البتہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ **محمد بن عبد الاعلیٰ:** راجع: ۵ ۲۔ **خالد:** راجع: ۴۷ ۳۔ **شعبۃ:** راجع: ۲۶

۴۔ عمرو بن عامر:

آپ کا نام عمرو بن عامر انصاری کوفی ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، صالح الحدیث تابعی راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۱۔ i۔ تھذیب الکمال، ج ۲۲، ص ۹۳ ii۔ الثقات، ج ۵، ص ۱۸۲

۵۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ :

نام ونسب اور ابتدائی حالات:

انس نام، ابوحمزہ کنیت، خادم رسول اللہ ﷺ لقب، قبیلہ نجار سے ہیں جو انصار مدینہ کا معزز ترین خاندان تھا، نسب نامہ یہ ہے، انس رضی اللہ عنہ بن مالک بن نضر ابن ضمضم بن زید بن حرام بن جنب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، والدہ ماجدہ کا نام حضرت ام سلیم سہلہ رضی اللہ عنہا بنت ملحان انصاریہ ہے، جن کا سلسلہ نسب تین واسطوں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے آبائی سلسلہ میں مل جاتا ہے اور رشتہ میں وہ آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوتی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی ﷺ سے دس سال پیشتر شہر یثرب میں پیدا ہوئے ۸،۹ سال کا سن تھا کہ ان کی ماں نے اسلام قبول کرلیا، ان کے والد بیوی سے ناراض ہوکر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، ماں نے دوسرا نکاح ابوطلحہ سے کرلیا جن کا شمار قبیلہ خزرج کے متمول اشخاص میں تھا، اور اپنے ساتھ حضرت انس کو ابوطلحہ کے گھر لے آئیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہی کے گھر میں پرورش پائی۔

قبل اسلام عربوں کی جہالت کا یہ نقشہ تھا کہ باپ (ابوطلحہ) کی صحبت میں جب بادہ وجام کا دور چلتا تو بیٹا (انس رضی اللہ عنہ) ساقی گری کرتا، وہ پہلے دوسروں کو پلاتے اور بعد میں خود پیتے تھے اور اس دس سالہ بچے کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔(۱)

حضرت انس کا نام ان کے چچا انس رضی اللہ عنہ بن نضر کے نام پر رکھا گیا تھا، لیکن کنیت نہ تھی وہ آنحضرت ﷺ نے تجویز فرمائی، انس ایک خاص قسم کی سبزی جس کا نام حمزہ تھا چنا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے اسی مناسبت سے ان کی کنیت ابوحمزہ پسند فرمائی۔

اسلام:

حضرت انس کا سن ۸،۹ سال کا تھا کہ مدینہ میں اسلام کی صدا بلند ہوئی، بنونجار نے قبول اسلام میں جو پیش دستی کی تھی اس کا اثر یہ تھا کہ اس قبیلہ کے اکثر افراد آنحضرت ﷺ کے یثرب تشریف لانے سے قبل توحید ورسالت کے علمبردار ہوچکے تھے حضرت انس کی والدہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا) نے بھی عقبہ ثانیہ سے پیشتر دین اسلام اختیار کرلیا تھا اور جیسا کہ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ ان کے والد بت پرست تھے وہ بیوی کے اسلام پر برہم ہوکر شام چلے گئے تھے ادھر ام سلیم نے ابوطلحہ سے اس شرط پر نکاح کرلیا کہ وہ بھی مذہب اسلام قبول کریں، چنانچہ وہ مسلمان ہوچکے تھے اور عقبہ ثانیہ میں آنحضرت ﷺ کے دست حق پرست پر مکہ جاکر بیعت کی تھی، اس طرح حضرت انس کا پورا گھر نور ایمان سے منور تھا، ان کی جنتی ماں (ام سلیم رضی اللہ عنہا) شمع اسلام کی پروانہ تھیں اور ان کے محترم باپ (حضرت ابوطلحہ) دین حنیف کے ایک پرجوش فدائی تھے بیٹے نے انہیں والدین کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور مسلمان ہوئے۔(۲)

خدمت رسول ﷺ:

۱۰ سال کی عمر ہوگی کہ وہ یوم مسعود آیا جس کے انتظار میں اہل یثرب نے مہینوں راتیں کاٹی تھیں، یعنی رسول اللہ ﷺ یثرب تشریف لائے اور شہر یثرب کو مدینۃ النبی ﷺ ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کو گو اس وقت صغیر السن تھے لیکن پرجوش تھے۔ جس ساعت سعید میں مدینہ طیبہ کا افق آفتاب نبوت کی نورانی شعاعوں سے منور ہورہا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور بہت کم سن لڑکے جاء رسول اللہ جاء رسول اللہ کا مژدہ جاں بخش اہل یثرب کو سنا رہے تھے، اور نہایت جوش میں خوشی خوشی شہر کا گشت لگا رہے تھے، جاء محمد ﷺ کی آواز کان میں آتی تو مڑ کر دیکھتے کہ شاید کاروان قدس منزل مقصود پر خیمہ زن ہوا ہے لیکن گرد کارواں کے سوا کچھ نظر نہ آتا۔ اتنے میں مٹی ہٹی اور نہایت ہی شان وشوکت سے کوکبۂ نبوت

۱۔مسند احمد، ج۳، ص۱۸۱ ۲۔مسند احمد، ج۳، ص۲۲۲

نمودار ہوا، حضرت انس کی عقیدت مند نگاہ رخ انور پر پڑی اور تصدیق قلبی اور اقرار لسانی نے صحابیت کا ممتاز شرف بارگاہ نبوت سے حاصل کیا۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں اقامت فرمائی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ انس رضی اللہ عنہ کو اپنی غلامی میں لے لیجئے آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ خادمان خاص میں داخل ہو گئے۔

حضرت انس نے آنحضرت ﷺ کی وفات تک اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، وہ کم وبیش دس برس حامل نبوت کی خدمت کرتے رہے اور ہمیشہ اس شرف پر ان کو ناز رہا، معمول تھا کہ فجر کی نماز سے پیشتر دراقدس پر حاضر ہو جاتے اور دوپہر کو اپنے گھر واپس آتے دوسرے وقت پھر حاضر ہوتے اور عصر تک رہتے، نماز عصر پڑھ کر اپنے گھر کا رخ کرتے۔ محلہ میں ایک مسجد تھی وہاں لوگ ان کا انتظار کرتے۔ جب یہ پہنچتے اس وقت وہاں نماز ہوتی تھی۔ (۱)

ان اوقات کے ماسوا بھی وہ آنحضرت ﷺ کے احکام کی تعمیل کے لئے حاضر رہتے تھے، ایک مرتبہ انس رضی اللہ عنہ آپ کے کاموں سے فارغ ہو کر گھر روانہ ہوئے دوپہر کا وقت تھا، لڑکے کھیل رہے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگے اتنے میں آنحضرت ﷺ تشریف لائے لڑکوں نے دور سے دیکھ کر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا رسول اللہ ﷺ آرہے ہیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت انس کا ہاتھ پکڑ کر کسی کام کے لئے بھیج دیا اور خود ایک دیوار کے سایہ تلے تشریف فرما رہے، حضرت انس کو دیر ہو گئی تھی۔ گھر گئے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے پوچھا آج دیر کہاں لگائی۔ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے ایک کام سے گیا تھا۔ وہ بہانہ سمجھیں اور پوچھا کام کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک پوشیدہ بات تھی، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا اس کو کسی سے نہ کہنا، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔

ایک مرتبہ حضرت ثابت سے جو ان کے تلامذۂ خاص میں سے تھے، فرمایا اگر میں کسی شخص کو اس راز سے آگاہ کرتا تو وہ تم تھے، لیکن میں بیان نہیں کروں گا۔ (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ سفر وحضر اور خلوت وجلوت کیا ان کے لئے کوئی تخصیص نہ تھی اور نزول حجاب سے پہلے وہ آنحضرت ﷺ کے گھر میں آزادی کے ساتھ آتے جاتے تھے۔

ایک دن نماز فجر سے قبل آنحضرت ﷺ نے فرمایا، آج روزہ کا ارادہ ہے مجھے کچھ کھلا دو، حضرت انس رضی اللہ عنہ جلدی سے اٹھے اور کچھ خرمے اور پانی لے کر حاضر ہوئے آنحضرت ﷺ نے سحری کھائی اور پھر نماز فجر کے لئے تیار ہوئے۔ (۳)

داخلہ خیبر کے وقت جب کہ نبوت کا جاہ وجلال فاتح کی شان وشوکت رکھتا تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قدم آنحضرت ﷺ کے قدم سے چھو گئے، جس سے ازار مبارک کھسک گیا اور آنحضرت ﷺ کے زانوئے مقدس کی سفیدی لوگوں کو نظر آ گئی حضور نے کچھ خیال نہ فرمایا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس خطا سے درگزر کی۔ (۴)

حضرت انس آنحضرت ﷺ کے تمام کام نہایت مستعدی اور تندہی سے بجا لاتے اور اپنی فرمانبرداری سے حضور کو خوش رکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس آنحضرت ﷺ کی خدمت کی، لیکن اس مدت میں آپ کبھی خفا نہ ہوئے اور نہ کبھی کسی کام کی نسبت یہ فرمایا کہ اب تک کیوں نہ ہوا، آنحضرت ﷺ کو ان سے خاص محبت ہو گئی تھی ان کو بیٹا اور کبھی کبھی پیار میں ''انیس'' کہہ کر مخاطب فرماتے تھے اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے، چھوہارے نوش فرماتے، کھانا موجود ہوتا تو کھانا تناول فرماتے، دوپہر کا وقت ہوتا تو آرام کرتے، نماز پڑھتے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے

۱۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۲۳۲ ۲۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۰۹، ۱۹۵ ۳۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۹۷ ۴۔ ایضاً، ص ۱۰۲

لئے دعا فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ماں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ میں خالہ لگتی تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتی تھیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کا حد درجہ خیال تھا۔ غزوۂ خیبر میں صفیہ رضی اللہ عنہا اسیر ہو کر آئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا خیال ظاہر فرمایا تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے شادی کا سامان کیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو دلہن بنا کر شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ اطہر میں پہنچایا۔(۱)

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عقد کیا تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، آپ نے صحابہ کو طلب فرمایا اور ایک مختصر سا جلسہ دعوت ترتیب دیا۔(۲)

غرض ان مختلف خصوصیتوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو خاندان نبوت کا ایک مہرہ بنا دیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی خوش طبعی میں ان سے مزاح فرماتے تھے، ابوحمزہ ان کی کنیت اسی مزاح کا نتیجہ تھی، ایک مرتبہ مزاح میں ارشاد فرمایا یاذالا ذنین یعنی اے دو کان والے۔

وفات:

عمر شریف اس وقت سو سے متجاوز ہو چکی تھی ۹۳ ہجری میں پیمانہ عمر لبریز ہو گیا، چند مہینوں تک بیمار رہے، شاگردوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا تھا، اور دور دور سے لوگ عیادت کو آتے تھے، جب وفات کا وقت قریب ہوا تو ثابت بنانی سے جو تلامذۂ خاص میں تھے، فرمایا کہ میری زبان کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک رکھ دو، ثابت نے تعمیل کی، اسی حالت میں روح مطہر نے داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وان الیہ راجعون۔

وفات کے وقت حضرت انس عمر کے ۱۰۳ مرحلے طے کر چکے تھے، بصرہ میں سوائے ان کے اور کوئی صحابی زندہ نہ تھا، اور عموماً عالم اسلامی (بجز ابوالطفیل) صحابہ کرام کے وجود سے خالی ہو چکا تھا، نماز جنازہ میں اہل وعیال، تلامذہ اور احباب خاص کی معتد بہ تعداد موجود تھی۔ قطن بن مدرک کلابی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے محل کے قریب موضع طف میں دفن کیے گئے۔

حضرت انس کی وفات سے لوگوں کو سخت صدمہ ہوا، اور واقعی رنج والم کا مقام تھا، تربیت یافتگان نبوت ایک ایک کر کے اٹھ گئے تھے صرف دو شخص باقی تھے جن کی آنکھیں شمع نبوت کے دیدار سے روشن ہوئی تھیں اب ان میں سے بھی ایک نے دنیائے فانی سے قطع تعلق کر لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مورخ بولے افسوس! آج نصف عالم جاتا رہا، لوگوں نے کہا یہ کیونکر؟ کہا میرے پاس ایک بدعتی آیا کرتا تھا، وہ جب حدیث کی مخالفت کرتا میں اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر کرتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حدیث سنا کر اس کی تشفی کرتے تھے اب کون صحابی ہے جس کے پاس جاؤں گا۔

فقہ:

علم حدیث کی طرح علم فقہ میں بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کمال حاصل تھا، فقہائے صحابہ رضی اللہ عنہم کے تین طبقے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا شمار دوسرے طبقہ میں ہے جن کے اجتہادات وفتاویٰ اگر ترتیب دیے جائیں تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ فقہ سکھانے کے لئے بصرہ روانہ کیا تھا، اس سے

۱۔ مسند احمد، ج ۳، مسند انس رضی اللہ عنہ بن مالک ۲۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۱۶۳

زیادہ ان کی فقہ دانی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

صحابہ کے زمانہ میں تعلیم کا طریقہ عموماً حلقہ درس تک محدود تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے اثنائے درس میں کوئی شخص سوال کرتا، اس کو جواب سے سرفراز فرماتے تھے اس قسم کے سوال وجواب کا ایک مجموعہ ہے جس کا استقصاء طوالت سے خالی نہیں، یہاں چند مسائل درج کئے جاتے ہیں، جن سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے طرز اجتہاد، جودت فہم دقت نظر اور اصابت رائے کا اندازہ ہوگا۔

باب الاشربہ، یہ مسئلہ کہ نبیذ مخصوص برتنوں میں بنانا مکروہ ہے صحابہ میں عموماً متفق علیہ تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو جس قدر وضاحت اور صفائی سے بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے اس میں انہوں نے ان وجوہ واسباب کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے سبب سے ان برتنوں میں نبیذ پینے کی مخالفت آئی ہے۔

قتادہ نے دریافت کیا کہ گھڑے میں نبیذ بنا سکتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کوئی رائے ظاہر نہیں فرمائی، تاہم میں مکروہ سمجھتا ہوں، یہ استدلال اس بنا پر ہے کہ جس چیز کی حلت وحرمت میں اشتباہ ہو، اس میں حرمت کا پہلو غالب ہوگا۔ ایک مرتبہ مختار بن فلفل نے پوچھا کن ظروف میں نبیذ نہ پینا چاہئے؟ فرمایا مرفتہ میں، کیونکہ ہر مسکر چیز حرام ہے، مختار نے کہا، شیشہ یا رانگے برتنوں میں پی سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں، پھر پوچھا لوگ تو مکروہ سمجھتے ہیں، فرمایا جس چیز میں شک ہوا سے چھوڑ دو، پھر استفسار کیا کہ نشہ لانے والی چیز تو حرام ہے، دیکھو! انگور، خرمے، گیہوں، جو وغیرہ سے شراب تیار ہوتی ہے، ان میں سے جس چیز میں نشہ پیدا ہو جائے وہ شراب ہو جاتی ہے۔

حضرت انس نے اس مسئلہ کو اگرچہ نہایت خوبی سے بیان کیا ہے لیکن اس کی مزید تشریح کی ضرورت ہے، شارع نے کتاب الاشربہ کے متعلق جو احکام ارشاد فرمائے ہیں، اور جو اس باب کے قواعد واصول کہے جا سکتے ہیں وہ یہ ہیں، (۱) کل شراب اسکر فھو حرام (صحیحین عن عائشہ) (۲) کل مسکر خمر و کل خمر حرام (صحیح مسلم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما) (۳) ما اسکر کثیرۃ فقلیلہ حرام (سنن ابن عمر رضی اللہ عنہما) اور ہر قسم کی شراب حرام ہے، جس کا نتیجہ یہ متفرع ہوتا ہے کہ ہر نشے والی چیز حرام ہے۔ تیسرے کلیہ کا یہ منشاء ہے کہ جو زیادہ پینے کی صورت میں نشہ پیدا کرے اس کا خفیف حصہ بھی پینا حرام ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انہی باتوں کا اپنے جواب میں ذکر کیا ہے یہ اور بات ہے کہ سوالات کی بے ترتیبی سے جواب غیر مرتب ہو گیا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ چند مخصوص برتنوں میں نبیذ پینے کی ممانعت کیوں آئی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ عرب میں شراب رکھنے کے بنانے کے لئے وہ نفیس اور خوبصورت شیشہ کے برتن جو آج یورپ نے ایجاد کئے ہیں موجود نہ تھے، وہاں عام طور پر کدو کی تنبی صراحی وسبو کا کام دیتی تھی یا اور اسی نوع کے چند برتن تھے جو قدرتی پھلوں کو خشک اور صاف کر کے بادہ نوشی کے لئے مخصوص کر لئے جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں میں شراب رکھنے سے اس کا اثر برتن میں پہنچتا ہوگا اور دھونے کے بعد بھی زائل نہ ہوتا ہوگا، یہی راز ہے کہ اوائل اسلام میں جب شراب حرام ہوئی تو ان برتنوں کا استعمال بھی ناجائز کر دیا گیا، اور گو بعد میں اس قسم کے برتنوں کا جن میں شراب نہ رکھی گئی ہو استعمال جائز قرار دیا جا سکتا تھا، لیکن پہلی صدی ہجری کا پر جوش مسلمان یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ان برتنوں کے استعمال سے شراب نوشی کی یاد کو عہد اسلام میں از سر نو تازہ کرے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن کر نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا ہاں، جوتا پہن کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(کتاب الصلوٰۃ)

یحییٰ بن یزید ہنائی نے دریافت کیا کہ نماز میں قصر کب کرنا چاہیے؟ فرمایا کہ جب میں کوفہ جاتا تھا، قصر کرتا تھا، اور آنحضرت ﷺ نے ۳ میل یا ۳ فرسخ کا راستہ طے کر کے قصر کیا تھا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ۳ میل سفر کرنے سے قصر واجب ہو جاتا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ کے ارادہ سے تشریف لے گئے تھے، راستہ میں جس مقام پر سب سے پہلے نزول اجلال ہوا وہ ذوالحلیفہ تھا جو صحیح روایت کی بنا پر مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اور چونکہ حدود سفر میں داخل تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے قصر نماز پڑھی۔

مختار بن فلفل نے پوچھا کہ مریض کس طرح نماز پڑھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا بیٹھ کر پڑھے، عبدالرحمٰن بن دردان رضی اللہ عنہ معہ دیگر اہالیان (مدینہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا نماز پڑھ چکے ہو۔ کہا جی ہاں، پھر لوگوں نے استفسار کیا کہ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے؟ فرمایا جس وقت آفتاب خوب روشن اور بلند رہتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی جنازہ مرد کا تھا، اس لئے میت کے سرہانے کھڑے ہوئے اس کے بعد دوسرا جنازہ عورت کا لایا گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کمر کی سیدھ پر کھڑے ہو کر اس کی نماز پڑھائی، علاء بن زیاد عدوی بھی نماز میں شریک تھے اس اختلاف قیام کا سبب پوچھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ایسا ہی کرتے تھے، علاء مجمع کی جانب مخاطب ہوئے اور کہا اس کو یاد رکھنا۔

ایک شخص نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکوع کرنے کے بعد قنوت پڑھا ہے؟ فرمایا ہاں اور خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھا ہے، (لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذاتی اجتہاد ہے، ورنہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتر میں رکوع کرنے کے قبل قنوت پڑھا کرتے تھے) امام شافعی اس مسئلہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پیرو ہیں اور انہوں نے اس کے ثبوت میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رکوع کے بعد قنوت پڑھتے تھے، لیکن حدیث قطع نظر اس کے کہ منقطع ہے، یعنی امام شافعی نے حکایتاً بیان کی ہے اور اپنی سند ہشیم تک چھوڑ دی ہے سنداً بھی ضعیف ہے، اس کے راویوں میں ہشیم اور عطاء کا نام بھی شامل ہے اور ان دونوں کی آئمہ فن حدیث نے تضعیف کی ہے۔

اس کے علاوہ ابن منذر نے الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت انس اور فلاں فلاں صحابہ سے مجھ کو جو روایتیں پہنچی ہیں، سب میں رکوع سے قبل قنوت پڑھنے کا تذکرہ ہے اور یہی صحیح بھی ہے، کیونکہ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو روایت آتی ہے، اس میں اس کی صاف تصریح ہے، عاصم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قنوت قبل رکوع پڑھنا چاہئے یا بعد رکوع انہوں نے کہا قبل رکوع، عاصم نے کہا لوگوں کو تو یہ خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ بعد رکوع پڑھتے تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ ایک وقتی واقعہ تھا چند قبائل نے مرتد ہو کر بہت سے صحابہ کو قتل کر دیا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایک مہینہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھ کر ان کے لئے بددعا کی تھی۔ (ان مسائل کے لئے دیکھئے مسند احمد، ج ۳، صفحات ۱۰۰، ۱۱۲، ۱۱۸، ۱۲۶، ۱۲۹، ۲۰۴، ۲۰۹، ۲۷ و عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ص ۴۱۹ و ۵۴۶، ج ۳ و جوہر النقی فی الرد علی البیہقی ص ۲۱۳، ج ۱)

آپ نے دیکھا ان مسائل میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کس قدر صائب الرائے ہیں، ان کے اجتہادی مسائل کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجتہاد کے موافق ہیں اور اس لئے قطعاً صحیح ہیں۔

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ انچاسویں (۴۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں، البتہ حضرت عمرو بن عامر کوفی ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ مکثرین رواہ صحابہ میں سے ہیں، آپ سے مروی روایات متفق علیہ ایک سو اٹھائیس، بخاری میں اسی اور مسلم میں ستر روایات ہیں، آپ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی تھے، غالباً اس وقت صرف حضرت ابوالفضل رضی اللہ عنہ صحابی رسول باقی تھے، اس طرح آپ رضی اللہ عنہ آخری سے پہلے صحابی ہیں، جو اس دنیا سے دار آخرت کی طرف منتقل ہوئے۔

۶۔لغات:

اتی بلایا گیا — اناء صغیر: چھوٹا برتن

کنا نصلی: ہم نماز پڑھتے تھے — الصلوات: نماز میں صلوۃ کی جمع

۱۳۲۔اَخْبَرَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوبَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ قَالَ حَدَّثَنَا اَيُّوبُ عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ اِلَيْهِ طَعَامٌ فَقَالُوْا اَلَا نَأْتِيْكَ بِوَضُوْءٍ فَقَالَ "اِنَّمَا اُمِرْتُ بِالْوُضُوْءِ اِذَا قُمْتُ اِلَى الصَّلَاةِ"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا پیش کیا گیا، صحابہ کرام نے عرض کیا: کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو کا پانی لائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے وضو کا حکم اسی صورت دیا گیا ہے، جب نماز کے لئے اٹھوں۔

۱۔مطابقت: اس حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم ذکر فرمایا ہے۔

۲۔اطراف: ابوداؤد: ۳۷۶۰، ترمذی: ۱۸۴۷، ابن خزیمہ: ۱۸۴۷، تحفۃ الاشراف: ۵۷۹۳

۳۔تعارف رجال: اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں، البتہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔زیاد بن ایوب: آپ کا نام ابوھاشم زیاد بن ایوب بن زیاد طوسی بغدادی (م: ۲۵۲) ہے، آپ کو دلویہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، لیکن آپ اسے سخت ناپسند فرماتے تھے۔ آپ شعبہ صغیر کے نام سے بھی مشہور تھے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، حافظ، صدوق، مامون راوی ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے چھیاسی سال کی طویل عمر پائی۔ (۱)

۲۔ابن علیۃ: راجع: ۱۹ **۳۔ایوب:** راجع: ۴۸

۴۔ابن ابی ملیکۃ: آپ کا نام ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ زھیر بن عبداللہ بن جدعان تیمی مکی (م: ۱۱۷ھ) ہے، آپ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قاضی اور موذن تھے، آپ طائف کے قاضی بھی رہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، فقیہ، تابعی راوی ہیں، آپ کی ثقاہت وفقاہت پر اہل علم متفق ہیں، آپ نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ امام ابن حبان کے مطابق: آپ اسی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت سے مشرف ہوئے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۱۔i۔الجرح والتعدیل، ج ۳، ص ۵۲۵ ii۔تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۲۶۰ ۲۔i۔تاریخ الثقات، ص ۲۶۸ ii۔تاریخ ابی زرعۃ، ص ۴۷۶

۵۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:

عبداللہ نام، ابوالعباس کنیت، والد کا نام عباس اور والدہ کا نام ام الفضل البابہ تھا، شجرہ نسب یہ ہے۔
عبداللہ بن العباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف القرشی الہاشمی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم اور ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے خواہرزادہ تھے، کیونکہ ان کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں۔

ولادت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین سال قبل مکہ کی اس گھاٹی میں تولد پذیر ہوئے جہاں مشرکین قریش نے تمام خاندان ہاشم کو محصور کر دیا تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کو بارگاہ نبوت میں لے کر آئے تو آپ نے منہ میں لعاب دہن ڈال کر دعا فرمائی۔(۱)

اسلام:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بظاہر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا نے ابتداہی میں داعی توحید کو لبیک کہا تھا، ابن سعد کی روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد عورتوں میں ان کا ایمان سب پر مقدم تھا، اس بنا پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یوم ولادت ہی سے توحید کی لوریوں میں پرورش پائی اور ہوش سنبھالنے کے ساتھ وہ قدرۃً ایک پر جوش مسلم ثابت ہوئے، امام بخاری ترجمۃ الباب میں فرماتے ہیں:(۲)

كان ابن عباس امه من المستضعفين ولم يكن مع ابيه على دين قومه وقال الاسلام يعلو ولا يعلى۔

''ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی ماں کے ساتھ ضعفائے اسلام میں تھے (جو اپنی مجبوریوں کے باعث مکہ میں رہ گئے تھے) وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے مذہب پر نہ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اسلام سربلند رہے گا مغلوب نہ ہوگا''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ آیت تلاوت فرماتے: (الا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان) تو فرماتے کہ میں بھی اپنی والدہ کے ساتھ ان لوگوں میں شامل تھا جن کو خدا نے معذور قرار دیا ہے۔(۳)

عہد طفولیت اور مصاحبت رسول:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گو فطرۃً ذہین، سلیم الطبع، متین اور سنجیدہ تھے، تاہم انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کا جو زمانہ پایا وہ درحقیقت ان کا عہد طفولیت تھا، جس میں انسان کو کھیل کود سے دل آویزی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ میں لڑکوں کے ساتھ گلیوں میں کھیلتا پھرتا تھا، ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے اپنے گھر کے دروازہ میں چھپ گیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر مجھے پکڑ لیا اور سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا: ''جاؤ معاویہ کو بلا لاؤ''۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، میں دوڑ کر ان کے پاس گیا اور کہا چلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یاد فرماتے ہیں، کوئی خاص ضرورت ہے۔(۴)

۱۔اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ۲۔بخاری، ج۱،ص۱۸۰ ۳۔بخاری، ج۲،ص۶۶۰ ۴۔مسند، ج۱،ص۲۹۱

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں اوران کونہایت عزیز رکھتی تھیں، اس لئے وہ اکثر ان کی خدمت میں حاضر رہتے، کبھی کبھی رات کے وقت بھی ان ہی کے گھر سورہتے تھے، اس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا بہترین موقع میسر تھا، فرماتے ہیں کہ''ایک مرتبہ میں رات کے وقت اپنی خالہ (حضرت) میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس سورہا تھا، آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور چار رکعت نماز پڑھ کر استراحت فرما ہوئے، پھر کچھ رات باقی تھی کہ بیدار ہوئے اور مشکیزہ کے پانی سے وضو کرکے نماز پڑھنے لگے میں بھی اٹھ کر بائیں طرف کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے میرا سر پکڑ کر مجھے داہنی طرف کرلیا''۔(۱)

اسی سلسلہ میں بارہا خدمت گذاری کا شرف بھی حاصل ہوا، ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے بیدار ہوئے، انہوں نے وضو کے لئے پانی لاکر رکھ دیا، آپ ﷺ نے وضو فرما کر پوچھا:''پانی کون لایا تھا؟''حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لیا، آنحضرت ﷺ نے خوش ہوکر دعائیں دیں اور فرمایا:''اللهم فقهه في الدين وعلمه التاويل''یعنی اے خدا! اس کو مذہب کا فقیہ بنا اور تاویل کا طریقہ سکھا۔(۲)

ایک دفعہ وہ نماز میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اپنے برابر کھڑا کرلیا، لیکن وہ حیص بیص میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے، آنحضرت ﷺ نے نماز سے فارغ ہوکر پوچھا:''تمہارا کیا حال ہے؟''عرض کی:''یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے برابر کھڑا ہونا کسی کے لئے مناسب ہے، حالانکہ آپ رسول خدا ہیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے ازدیاد علم وفہم کی دعا فرمائی۔(۳)

امارت حج:

چونکہ ۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، اس لئے اس سال وہ خود امارت حج کا فرض انجام نہ دے سکے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بلا کر فرمایا:''خالد بن عاص کو میں نے مکہ کا والی مقرر کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ امارت حج کے فرائض انجام دینے پر شاید ان کی مزاحمت کی جائے اور اس طرح خانہ خدا میں بھی فتنہ وفساد اٹھ کھڑا ہو، اس لئے میں تم کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجتا ہوں''۔(۴)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اس خدمت کو سرانجام دے کر واپس آئے تو مدینہ نہایت پرآشوب ہورہا تھا، خلیفہ ثالث شہید ہوچکے تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بار خلافت اٹھانے پر لوگ مجبور کررہے تھے، انہوں نے ان سے مشورہ طلب کیا۔

وفات:

۶۸ھ میں پیمانہ حیات لبریز ہوگیا، ایک روز سخت بیمار ہوئے، بستر علالت کے اردگرد احباب ومعتقدین کا ہجوم تھا، بولے:''میں ایک ایسی جماعت میں دم توڑوں گا جو روئے زمین پر خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب، مشرف ومقرب ہے، اس لئے اگر میں تم لوگوں میں مروں تو یقیناً تم ہی وہ بہتر جماعت ہو''۔ غرض ہفت روزہ علالت کے بعد طائر روح نے قفس عنصری چھوڑا، محمد بن حنفیہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور سپرد خاک کرکے کہا:''خدا کی قسم، آج دنیا سے حبر امت اٹھ گیا''۔ غیب سے ندا آئی:

۱۔ بخاری، ج۱، ص۹۷ ۲۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۲۸، ومستدرک، ج۳، ص۳۴ ۳۔ مسند احمد، ج۱، ص۳۳۰ ومستدرک، ج۳، ص۵۳۵
۴۔ طبری واقعات ۳۵ھ

(يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ O ارْجِعِيْ إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O)(۱) ''یعنی اے نفس مطمئن اپنے خدا کی طرف خوشی خوشی لوٹ آ''۔(۲)

علم وفضل:

فضل وکمال کے اعتبار سے ابن عباس رضی اللہ عنہما اس عہد مبارک کے ممتاز ترین علماء میں تھے ان کی ذات ایسی زندہ کتاب خانہ تھی، جس میں تمام علوم ومعارف بہ ترتیب جمع تھے، قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، شاعری، وغیرہ کوئی ایسا علم نہ تھا جس میں ان کو ید طولیٰ حاصل نہ رہا ہو۔

تفسیر: بالخصوص قرآن پاک کی تفسیر وتاویل میں جو مہارت اور آیات قرآنی کی شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کے علم میں وسعت ان کو حاصل تھی، وہ کم کسی کے حصہ میں آئی، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو علم وفضل میں ان کے ہمسر تھے فرماتے تھے کہ: ''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قرآن کے کتنے ہی اچھے ترجمان ہیں''۔ شقیق تابعی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حج کے موسم میں عبداللہ بن عباس نے خطبہ دیا اور اس میں سورہ نور کی تفسیر بیان کی، میں کیا بتاؤں وہ کیا تفسیر تھی، اس سے پہلے نہ میرے کانوں نے سنی تھی، نہ آنکھوں نے دیکھی تھی، اگر اس تفسیر کو فارس اور روم والے سن لیتے تو پھر اسلام سے ان کو کوئی چیز نہ روک سکتی''۔(۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی علمی مجلسوں میں یہ برابر کے شریک ہوتے تھے اور قرآن پاک کے فہم میں وہ اکثر بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بازی لے جاتے تھے، ایک دن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حلقہ مجلس میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مطلب پوچھا:

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (۴)

''کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرے گا کہ اس کا کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں رواں ہوں، اس کے لئے ہر قسم کے پھل اس میں موجود ہوں، اور اس شخص پر بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے ناتواں بچے ہوں، اس حالت میں اس باغ میں ایسا بگولا آیا جس میں آگ بھری تھی، اس نے باغ کو جلا دیا، اسی طریقہ سے اللہ تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے۔ شاید تم بچو''۔

لوگوں نے کہا واللہ اعلم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بے معنی جواب پر غصہ آ گیا، بولے اگر نہیں معلوم تو صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ نہیں معلوم، ابن عباس رضی اللہ عنہما جھجکتے ہوئے بولے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا تم اپنے کو چھوٹا نہ سمجھو جو دل میں ہو بیان کرو، کہا اس میں عمل کی مثال دی گئی ہے، جواب گو صحیح تھا، تاہم ناکافی تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسا عمل؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سے زیادہ نہ بتا سکے، تب خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ اس میں اس دولت مند کی تمثیل ہے جو خدا کی اطاعت بھی کرتا ہے، لیکن اس کو شیطانی وسوسہ گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے، اور اس کے تمام اچھے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔(۵)

۱۔ فجر: ۲۷۔۲۸ ۲۔ اصابہ، ج۳، ص۶۴ ۳۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۵۳۷ ۴۔ بقرہ: ۲۶۶

۵۔ بخاری، ج۱، کتاب التفسیر باب قولہ أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَن تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ ......الخ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے ان کو شیوخ بدر کے ساتھ مجلسوں میں شریک کرتے تھے، بعض صحابہ کو اس سے شکایت پیدا ہوئی، انہوں نے کہا کہ ان کو ہمارے ساتھ مجلسوں میں کیوں شریک کرتے ہو، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں، فرمایا: تم لوگ ان کا مرتبہ جانتے ہو، اس کے بعد، ان کی ذہانت کا مشاہدہ کرانے کے لئے ایک دن ان کو بلا بھیجا اور لوگوں سے پوچھا کہ (اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ)(۱)

''جب خدا کی نصرت اور فتح آ گئی تو اے پیغمبر تو آپ دیکھیں گے کہ لوگ فوج درفوج اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، تو بہ اور استغفار کرنا''۔

کے بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں، کسی نے جواب دیا کہ نصرت و فتح پر ہم کو خدا کی حمد و ثناء کا حکم دیا گیا ہے، کوئی خاموش رہا، پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) تمہارا بھی یہی خیال ہے، انہوں نے کہا نہیں، پوچھا پھر کیا ہے؟ عرض کی اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تم کہتے ہو یہی میرا بھی خیال ہے۔ (۲) درحقیقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی فہم تفسیر قرآن میں ایسی دقیقہ رس تھی کہ وہاں تک مشکل سے دوسروں کا خیال پہنچ سکتا تھا، چنانچہ اس سورہ کا مقصد خاص محرمان اسرار کے علاوہ عام لوگ کم سمجھ سکتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اکثر صحابہ میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ گئی کہ اس میں خدا نے فتح و نصرت اور اسلام کی مقبولیت کے ایفائے عہد پر حمد و ثناء کا حکم دیا ہے، لیکن مقرب بارگاہ رسالت، محرم اسرار نبوت، ثانی اثنین فی الغار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے جوئے اشک رواں ہوگئی، کہ اس کی صبح وصل کا نور چھنتا ہوا اور شام فراق کی تاریکی چھاتی ہوئی نظر آ گئی تھی۔ (۳)

بظاہر اس سورہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن اگر انسان کے مقصد حیات کو پیش نظر رکھ کر اس کی ترتیب اور اس کے معنی پر غور کیا جائے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے، دنیا میں انسان ایک نہ ایک مقصد لے کر آتا ہے، اور اس کے حصول کے بعد اس کے آنے کا مقصد پورا ہو جاتا ہے، پھر قیام کی ضرورت باقی نہیں رہتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین الٰہی کی تبلیغ کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، وہ پوری ہو چکی تو خدا نے فرمایا کہ جب خدا کی مدد اور اس کی فتح آ چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق در جوق خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب تم خدا کی تحمید و تقدیس کرو، اس سے مغفرت چاہو، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے، یعنی خدا کو جو کچھ کام تمہارے ذریعہ لینا تھا وہ لے چکا اب تم کو اس سے ملنے کی تیاری کرنی چاہئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر میں ہمیشہ عام، جامع اور قرین عقل شق کو اختیار کرتے تھے، سورۂ کوثر کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور متعدد اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ سے منقول ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر کے نزول کے وقت پوچھا: جانتے ہو کوثر کیا چیز ہے''۔ لوگوں نے عرض کی خدا اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، فرمایا: خدا نے مجھ سے ایک نہر کا وعدہ کیا ہے، جس میں بے شمار بھلائیاں ہیں، قیامت کے دن اس حوض پر میری امت آئے گی''۔ (۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور انس رضی اللہ عنہ کوثر سے مراد نہر لیتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''خیر کثیر''۔ (۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے عطیہ الٰہی کی وسعت اور عظمت بہت بڑھ جاتی ہے، اور دوسری تفسیریں بھی اس کے تحت میں آ جاتی ہیں، اور قرآن پاک کا سلسلہ کلام کا بھی یہی اقتضا ہے کہ کوثر سے مراد ''خیر کثیر'' لیا جائے، تا کہ اس کے بعد کفار سے براءت (قل یاایہا الکافرون) اور فتح و نصرت (فتح مکہ) کی بشارت اسی سلسلہ میں داخل ہو جائے:

۱۔ نصر: ۱ ۲۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۴۳، کتاب التفسیر باب قولہ فسبح بحمد ربک۔۔۔۔۔الخ ۳۔ صحیح بخاری ۴۔ مسلم

۵۔ بخاری کتاب التفسیر انا اعطینک الکوثر

(قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (۱)　　''کہہ دو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (تبلیغ رسالت کے عوض) میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا، صرف یہ کہ قرابت داری کی محبت ملحوظ رکھو''۔

عام مفسرین ''قربیٰ'' سے مراد خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت لیتے ہیں، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما قریش کے تمام قبائل کو اس میں شامل کرتے ہیں، ایک مرتبہ کسی نے ان سے مودۃ فی القربیٰ کی تفسیر پوچھی، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بولے اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت ہے، یعنی آپ کے اہل بیت کی قرابت''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا تم نے جلد بازی سے کام لیا، قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت نہ رہی ہو، اس آیت میں یہ سب شامل ہیں۔ (۲)

تفسیر قرآن اور فہم قرآن کی فطری ملکہ کے علاوہ شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کے بارہ میں اس قدر حاضر المعلومات تھے کہ بمشکل کوئی ایسی آیت نکل سکے گی جس کے تمام جزئیات اور مالہ وماعلیہ سے پوری ان کو واقفیت نہ ہو۔

لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِناً (۳)　　''اے مسلمانو! (اظہار اسلام کے لئے) جو تم کو سلام کرے، اس کو تم خواہ مخواہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے''۔

بظاہر یہ ایک عام حکم ہے اس کی تفسیر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ممنون احسان ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ میں ایک شخص کچھ مال غنیمت لئے ہوئے تھے، مسلمانوں کا سامنا ہوا تو اس نے سلام کیا، ان لوگوں نے (شبہ میں) مار ڈالا، اور مال غنیمت چھین لیا، اس پر یہ حکم نازل ہوا۔ (۴) اسی طریقہ سے اس آیت:

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ (۵)　　''ہم نے تم میں سے بعض ان لوگوں کو جو آگے بڑھ کر کھڑے ہوتے ہیں جان لیا ہے اور ان کو بھی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں''۔

کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ ایک خوبصورت عورت جماعت کی نماز میں شریک ہوتی تھی، بعض محتاط اشخاص اگلی صف میں چلے جاتے تھے کہ اس پر نظر نہ پڑے اور بعض دیکھنے کی نیت سے پیچھے رہتے تھے، اور رکوع میں بغل کے راستے سے نظر ڈال لیتے تھے، ان کی اس خیانت پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۶) قرآن مجید کا یہ حکم:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۷)　　''اور جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں، اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف چاہتے ہیں تو ایسے لوگوں کی نسبت ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے''۔

بظاہر انسانی فطرت کے کس قدر خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اپنے کئے پر خوش ہوتا ہے اور جو نہیں کرتا ہے اس پر بھی تعریف کا خواہاں رہتا ہے، اگر بہت بلند اخلاق کا شخص ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ دوسرا جذبہ اس میں نہ ہوگا، اس حکم کے مطابق تو ہم سب عذاب میں مبتلا ہوں گے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اس کو ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایک خاص موقعہ پر اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی تھی، پھر یہ آیت:

۱۔ شوریٰ: ۲۳　　۲۔ ایضاً باب قولہ تعالیٰ قل لا...... الخ　　۳۔ نساء: ۹۳

۴۔ بخاری باب قولہ تعالیٰ لا تقولوا، ومسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۲۹)　　۵۔ حجر: ۲۴　　۶۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۳۰۵　　۷۔ آل عمران: ۱۸۸

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ (۱) ’’جب خدا نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی ہے یہ وعدہ لیا کہ وہ اسے لوگوں کو کھول کھول کر سنائیں گے‘‘۔

تلاوت کر کے کہا کہ ان کو یہ حکم ملا تھا، مگر انہوں نے بالکل اس کے برعکس عمل کیا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان سے کسی بات کے متعلق استفسار فرمایا، انہوں نے اصل جواب جوان کی کتاب میں تھا چھپا ڈالا اور اپنے حسب منشاء دوسرا فرضی جواب دے کر آنحضرت ﷺ پر ظاہر کیا کہ انہوں نے اصل جواب دیا ہے، اور پھر اس فعل پر آنحضرت ﷺ سے خوشنودی کے طالب ہوئے اور اپنی اس چالاکی پر شاداں و فرحاں ہوئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں (جیسا کہ اہل کتاب اپنی چالاکی پر خوش ہوئے تھے) اور جو نہیں کیا ہے اس پر تعریف کے خواہاں ہوتے ہیں (جیسا کہ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کے خواہاں ہوئے تھے) تو ایسے لوگوں کے لئے عذاب سے چھٹکارا نہیں ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (۲)

روایتوں میں احتیاط:

عموماً کثیر الروایت راویوں کے متعلق یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ روایت کرنے میں محتاط نہیں ہوتے، اور رطب و یابس کا امتیاز نہیں رکھتے، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذات اس سے مستثنیٰ اور اس قسم کے شکوک وشبہات سے ارفع واعلیٰ تھی، وہ حدیث بیان کرتے وقت اس کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے کہ کوئی غلط روایت آنحضرت ﷺ کی جانب نہ منسوب ہونے پائے، جہاں اس قسم کا کوئی خفیف سا بھی خطرہ ہوتا، وہ بیان نہ کرتے تھے، چنانچہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک آنحضرت ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے، جب تک جھوٹ کا خطرہ نہ تھا، لیکن جب سے لوگوں نے ہر قسم کے رطب و یابس حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں، اس وقت سے ہم نے روایت ہی کرنا چھوڑ دیا۔ (۳) لوگوں سے کہتے کہ تم کو قال رسول اللہ ﷺ کہتے وقت یہ خوف نہیں معلوم ہوتا کہ تم پر عذاب نازل ہو جائے، یا زمین شق ہو جائے اور تم اس میں سما جاؤ۔ (۴) اسی احتیاط کی بنا پر فتویٰ دیتے تو آنحضرت ﷺ کا نام نہ لیتے تھے۔ (۵) کہ آپ کی طرف نسبت کرنے کا بار نہ اٹھانا پڑے۔

حلقہ درس:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، سینکڑوں طلب گار روزانہ ان کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کی زندگی کا ہر لمحہ درس و تدریس کے لئے وقف تھا کبھی کوئی شخص ان کے چشمہ فیض سے ناکام واپس نہ ہوا، اس عام فیض کے علاوہ بعض مجلسیں خصوصیت کے ساتھ درس و تدریس اور علمی مذاکروں کے لئے مخصوص تھیں، اور ان میں باقاعدہ ہر علم و فن کی جدا جدا تعلیم ہوتی تھی، ابو صالح تابعی بیان کرتے ہیں کہ ’’میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک ایسی علمی مجلس دیکھی کہ اگر سارا قریش اس پر فخر کرے تو بھی بجا ہوگا، اس مجلس کا یہ حال تھا کہ عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کے مکان کے سامنے آدمیوں کا اتنا اژدھام تھا کہ ان کی کثرت سے آمد و رفت مشکل تھی، میں نے جا کر اس اژدھام کی اطلاع دی تو مجھ سے پانی مانگا، میں پانی لایا، انہوں نے وضو کیا، وضو کر کے بیٹھ گئے، پھر مجھ سے کہا جاؤ قرآن کے جس شعبہ کے متعلق جو سائل ہوں ان کو اطلاع دو، میں نے اطلاع دی، دیکھتے دیکھتے سائلوں سے سارا گھر اور تمام حجرے بھر گئے۔ جس نے جو سوال کیا اس

۱۔ آل عمران: ۱۸۷ ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۹۸ ۳۔ مسند دارمی باب فی الحدیث عن الثقات
۴۔ ایضاً باب ما تقی من تفسیر حدیث النبی ۵۔ مسند احمد ابن حنبل، ج ۱، ص ۳۵۰

کے سوال سے زیادہ اس کو جواب دے کر رخصت کیا، پھر مجھ سے کہا جاؤ حرام وحلال اور فقہ کے سائلوں کو بلاؤ، میں نے ان لوگوں کو اطلاع دی، چنانچہ ان کا جم غفیر آیا اور جن کو جو سوالات کرنا تھے، پیش کئے، فرداً فرداً سب کو نہایت تسلی وتشفی بخش اور ان کے سوالات سے زیادہ جواب دے کر رخصت کیا، پھر فرمایا کہ اب تمہارے دوسرے بھائیوں کی باری ہے، اس کے بعد فرائض وغیرہ کے سائلوں کو بلایا، ان کی تعداد بھی اتنی بڑی تھی کہ پورا گھر بھر گیا، ان کے پیشروؤں کی طرح ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دے کر فارغ ہوئے تو مجھ سے کہا کہ عربی زبان، شعروشاعری اور ادب وانشاء سے سائلوں کو بلالاؤ، چنانچہ میں نے اطلاع دی، یہ لوگ آئے، ان کے ہجوم کا بھی وہی حال تھا، ان لوگوں نے جو سوالات کئے، ان کے سوالات سے زیادہ جوابات دیئے، اور صالح یہ واقعہ بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کی اتنی بڑی مجلس نہیں دیکھی۔ (۱)

درس کے ان مستقل حلقوں کے علاوہ کبھی کسی نماز کے بعد تقریر اور خطبہ کے ذریعہ سے تعلیم دیتے، عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عصر کے بعد ہم لوگوں کے سامنے تقریر کی، اور اتنی دیر تک کرتے رہے کہ آفتاب غروب ہو گیا، اور تارے نکل آئے، لوگوں نے نماز نماز کی آواز بلند کرنا شروع کی، ایک تمیمی نے مسلسل نماز کہنا شروع کیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما جھنجھلا کر بولے لاام لک، تو مجھ کو سنت کی تعلیم دیتا ہے، میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا ہے، آپ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے عبداللہ بن شقیق کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی، انہوں نے جا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں صحیح ہے۔ (۲)

حضر کے علاوہ سفر میں بھی ان کا یہ چشمہ فیض جاری رہتا تھا، چنانچہ جب چند دنوں کے لئے حج کی غرض سے مکہ معظمہ تشریف لے جاتے تھے، اس وقت بھی ان کی قیامگاہ طالبان علم کی درس گاہ بن جاتی۔ (۳)

ترجمان کا تقرر:

اسلامی فتوحات کے بعد جب اسلام عرب کے حدود سے نکل کر ایران ومصر وغیرہ میں پھیلا، تو وہ قومیں اسلام کے حلقہ اثر میں آئیں جن کی زبان عربوں سے جدا تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کی آسانی کے لئے مخصوص ترجمان رکھے کہ ان کو سوال میں زحمت نہ ہو۔ (۴)

فقہ وفرائض:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ فقہ کی سنگ بنیاد ہیں، اس کی تشریح کے لئے ایک دفتر چاہئے، اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، تاہم ان کی فقہ دانی کا سرسری اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابوبکر محمد بن موسیٰ خلیفہ مامون الرشید کے پڑپوتے نے جو اپنے زمانہ کے امام تھے، ان کے فتاویٰ ۲۰ جلدوں میں جمع کئے تھے۔ (۵)

مکہ میں فقہ کی بنیاد ان ہی نے رکھی، وہ تمام فقہاء جن کا سلسلہ مکہ کے شیوخ تک پہنچتا ہے، وہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے خوشہ چین تھے، ایک فقیہ ومجتہد کے لئے قیاس ناگزیر ہے، کیونکہ وقتاً فوقتاً بہت سے ایسے نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو حضرت حامل شریعت علیہ السلام کے عہد میں نہ تھے، اور ان کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے، ایسے وقت میں مجتہد کا یہ فرض ہے کہ وہ منصوصہ احکام اور ان میں علت مشترک نکال کر ان پر قیاس کر کے حکم صادر کرے، ورنہ فقہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۳۸ ۲۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر ۳۔ استیعاب، ج ۱، ص ۳۵۳
۴۔ مسلم، ج ۱ ۵۔ اعلام الموقعین

پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے جواب مل جاتا تو فبہا، ورنہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے، اگر اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوتی، تو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا فیصلہ دیکھتے، اگر اس سے بھی عقدہ حل نہ ہوتا تو، پھر اجتہاد کرتے۔(۱) مگر اسی کے ساتھ قیاس بالرائے کو برا سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس کی مذمت میں کہتے ہیں کہ ''جو شخص کسی مسئلہ میں ایسی رائے دیتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں نہیں ہے، تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب وہ خدا سے ملے گا تو اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا۔(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو زندہ جلا دیا، ابن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو کہا اگر ان کی جگہ میں ہوتا، تو جلانے کی بجائے قتل کی سزا دیتا، کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مذہب تبدیل کرے اس کو قتل کردو، پھر فرمایا کہ ''جو عذاب خدا کا مخصوص ہے، اس کو تم لوگ نہ دو''۔ یعنی آگ میں کسی کو نہ جلاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو فرمایا ابن عباس (رضی اللہ عنہما) پر افسوس ہے۔(۳)

فقہ کے ساتھ ساتھ فرائض میں بھی درک تھا، اگرچہ وہ اس فن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برابر نہ تھے، تاہم عام صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس فن میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حساب اور فرائض میں ابن عباس رضی اللہ عنہما ممتاز درجہ رکھتے تھے۔(۴)

دیگر علوم:

ان مذہبی علوم کے علاوہ ان تمام علوم میں جو اس زمانہ میں لازمہ شرافت سمجھے جاتے تھے، کافی دستگاہ اور ناقدانہ نظر رکھتے تھے، اوپر گذر چکا ہے کہ مذہبی علوم کے علاوہ ان کے حلقہ درس میں عربی شعر و شاعری اور ادب وانشاء کے طالبین بھی آتے تھے، عربوں میں شاعری لازمہ شرافت تھی، بالخصوص قریش کی آتش بیانی مشہور تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نہ صرف سخن سنج تھے، بلکہ خود بھی اشعار کہتے تھے، ابن رشیق نے ان کے یہ چند اشعار کتاب العمدہ میں نمونہ کے طور پر نقل کئے ہیں:

اذا طارقات الهم ضاجعت الفتى واعمل فكر الليل والليل عاكر

''جب رات کے آنے والے غم کسی جواں مرد کے ساتھ ہم خواب ہوتے ہیں اور شب کے آخر حصہ میں تفکرات اپنا عمل کرتے ہیں''۔

وباكرني في صاحبة لم يجدبها سراى ولا من نكبة الدهر ناصر

''اور وہ صبح کو میرے پاس اسی حالت میں اپنی حاجت لے کر آتا ہے کہ اس میں اور اس کی زمانہ کی بدبختیوں میں اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا''۔

فرجت بما لى حمه من مقامه وزائله هم طروق مسامر

''تو میں اپنے مال کے ذریعہ اس کا غم دور کرتا ہوں اور اس کے رات کے آنے والی تفکرات دور ہو جاتے ہیں''۔

وكاذ له فضل على بظنه بي اخيراني للذي ظن شاكر

''اور میں اسی کا ممنون ہوں کیونکہ وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے اور جو شخص میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے، اس کا میں مشکور ہوں''۔

شعر گوئی کے ساتھ ساتھ فصیح وبلیغ بھی تھے، اگرچہ خطیب کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت نہیں حاصل کی، تاہم ان کی روزانہ کی گفتگو بھی ادب

۱۔ اعلام الموقعین، ج۱، ص۱۳   ۲۔ اعلام الموقعین، ج۱، ص۱۳   ۳۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص۵۳۹   ۴۔ اسد الغابہ، ج۲، ص۱۹۳

کی چاشنی سے خالی نہ ہوتی تھی، مسروق کا بیان ہے کہ جب ابن عباس رضی اللہ عنہما گفتگو کرتے تھے، تو فصیح ترین آدمی معلوم ہوتے تھے۔(۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جامعیت:

اوپر کی تفصیلات سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوا ہوگا، عبید اللہ بن عبد اللہ کے اس تبصرہ سے اس کا پورا اندازہ ہوگا وہ کہا کرتے تھے کہ اس زمانہ کے علوم میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا، معاملہ فہمی اور اصابت رائے میں وہ سب پر فائق تھے، نسب دانی اور تاویل قرآن کے بڑے ماہر تھے، احادیث نبوی اور ابو بکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے فیصلوں کا ان سے زیادہ کوئی واقف کار نہ تھا، شعر و شاعری، ادب، تفسیر، حساب اور فرائض میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، اور ان سب میں ان کی رائے بے نظیر ہوتی تھی، ان کے علمی مذاکرے کے دن مقرر تھے، کسی دن فقہ کا درس دیتے تھے، کسی دن تاویل قرآن پر روشنی ڈالتے، کسی دن مغازی کے واقعات کا تذکرہ کرتے، کسی دن ایام عرب کی داستان سناتے، کسی دن شعر و شاعری کا چرچا ہوتا، غرض ان کا چشمہ معرفت ہر دن نئے رنگ سے ابلتا تھا، میں نے کسی بڑے سے بڑے عالم کو نہیں دیکھا جو تھوڑی دیر کے لئے ان کی صحبت میں بیٹھا ہو اور ان کے کمال عمل کے سامنے اس کی گردن نہ جھک گئی ہو، کسی علم کے متعلق کوئی سوال بھی کرتا اس کو اس کا جواب ضرور ملتا"۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی اور گرویدگی تھی، آپ کی وفات کے موقع کے ایک واقعہ کو یاد کرتے تو روتے روتے بے قرار ہو جاتے، سعید بن جبیر تابعی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "پنجشنبہ کا دن، کون پنجشنبہ" اتنا کہنے پائے تھے، ابھی مبتدا کی خبر نہ نکلی تھی کہ زار و قطار رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ سامنے پڑے ہوئے سنگ ریزے ان کے آنسوؤں سے تر ہو گئے، ہم لوگوں نے کہا ابو العباس! پنجشنبہ کے دن میں کیا خاص بات تھی، بولے اسی دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری نے شدت پکڑی تھی، آپ نے فرمایا: "لاؤ میں تم لوگوں کو ایک پرچہ لکھ دوں کہ گمراہی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاؤ، اس پر لوگ جھگڑنے لگے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جھگڑا مناسب نہیں ہے اور کہنے لگے کہ (بیماری کی تکلیف سے) ہذیان ہو گیا ہے، اور آپ سے بار بار پوچھتے تھے کہ یہ حکم آپ حواس کی حالت میں دے رہے ہیں، ہذیان ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس سے ہٹ جاؤ، میں جس حالت میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف مجھے لے جانا چاہتے ہو"۔(۳)

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت:

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ان کی خالہ تھیں، یہ ان کے پاس بہت رہا کرتے تھے، اکثر راتوں کو بھی رہ جاتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کا بھی انہیں موقعہ ملتا رہتا تھا، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کے لئے وضو کا پانی رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی "خدایا ان کو دین میں سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما"۔(۴)

۱۔ کتاب العمدہ، ص ۵ ۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۹۳۔۱۹۴ ۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۳۳۰

۴۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۳۴۔۵۳۵، بشرط شیخین

کبھی کبھی آپ خود بھی ان سے کام لیا کرتے تھے، ایک دفعہ یہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا، سمجھ گئے کہ میرے پاس آرہے ہیں، بچپن کا زمانہ تھا بھاگ کر ایک مکان کے دروازے کی آڑ میں چھپ رہے، آنحضرت ﷺ نے پشت سے آکر پکڑ لیا اور فرمایا جاؤ معاویہ رضی اللہ عنہ کو بلالاؤ، معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت آپ کے کاتب تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جا کر کہا کہ نبی ﷺ کو تمہاری ضرورت ہے، فوراً چلو۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کا احترام:

آنحضرت ﷺ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ نماز میں بھی آپ کے برابر کھڑا ہونا گستاخی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ آخر شب میں نماز کے لئے کھڑے ہوئے، ابن عباس رضی اللہ عنہما آکر پیچھے کھڑے ہو گئے، آنحضرت ﷺ نے ان کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے برابر کر لیا، اس وقت تو یہ ساتھ کھڑے ہو گئے، مگر جیسے ہی آپ نے نماز شروع کی، ابن عباس رضی اللہ عنہما ہٹ کر اپنی جگہ پر آ گئے، نماز ختم کرنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ ''میں نے تم کو اپنے ساتھ کھڑا کیا تھا تم پیچھے کیوں ہٹ گئے، عرض کی ''کسی کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔ آنحضرت ﷺ اس معقول عذر پر خوش ہوئے اور ان کے لئے فہم وفراست کی دعا فرمائی۔(۲)

امہات المؤمنین کا احترام:

آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس غیر معمولی عقیدت کا فطری اقتضا یہ تھا کہ وہ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ بھی اس عزت وتکریم سے پیش آتے تھے، جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا، اور لوگ مقام شرف میں جنازہ کی شرکت کے لئے جمع ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ''لوگو! آنحضرت ﷺ کی حرم محترمہ کا جنازہ ہے، نعش آہستہ اٹھاؤ ہلنے نہ پائے''۔(۳)

یہ احترام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ تمام امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ساتھ وہ اسی تعظیم سے پیش آتے تھے، البتہ خاندانی مناقشوں کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کچھ بدمزگی ہو گئی تھی، مگر ان کی وفات سے پہلے خود ان کے در دولت پر حاضر ہو کر صفائی کر لی۔

ذکوان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حاجب بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مرض الموت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آئے، اور حضوری کی اجازت چاہی، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر عرض کی، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے، عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بھی کہا کہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) اجازت چاہتے ہیں، بولیں ان کو آنے کی ضرورت نہیں، عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے کہا، اماں! ابن عباس (رضی اللہ عنہما) آپ کے سعادت مند بیٹے ہیں، وہ سلام کرتے ہیں، اور رخصت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں، ان کو اجازت دیجئے، فرمایا خیر اگر تم چاہتے ہو تو بلالو، چنانچہ ان کو باریابی کی اجازت مل گئی، بیٹھنے کے بعد عرض کی آپ کو بشارت ہو (یعنی آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتی ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں فرمایا: ''تم کو بھی بشارت ہو'' اس خوش آئندہ سلسلہ کلام کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کی کہ اب آپ کے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اعزہ واحباب سے ملنے میں صرف روح کو جسم کا ساتھ چھوڑنے کی دیر ہے، آپ آنحضرت ﷺ کی محبوب ترین بیوی تھیں، اور آنحضرت ﷺ ہمیشہ طیب ہی چیز کو محبوب رکھتے تھے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل بیان کیے۔(۴)

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۳۴، ۵۳۷، بشرط شیخین
۲۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۵۳۴، ۵۳۷، بشرط شیخین
۳۔ مسلم کتاب الرضاع باب جواز ھبتھا لفرتھا
۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۷۶۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، مہاجرین: اول، ص ۱۵۰۔ ۱۷۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار یہ پچاسویں (۵۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل دوسری حدیث مبارکہ خماسی ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، چوتھے مکی اور باقی بصری ہیں۔

☆ یہ تابعی (ایوب) کی دوسرے تابعی (ابن ابی ملیکہ) سے روایت ہے۔

☆ سند کے آخری راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، جو کہ مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار چھ سو ساٹھ (۱۲۶۶۰)

احادیث مبارکہ مروی ہیں، آپ فقہاء عبادلہ اربعہ صحابہ میں سے ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

لغات:

خرج: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے الخلآء: لیٹرین، جائے حاجت

قرب: قریب کیا گیا طعام: کھانا

امرت: مجھے حکم دیا گیا قمت: میں کھڑا ہوا

۱۳۳۔اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ لِكُلِّ صَلَاةٍ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ صَلَّى الصَّلَوَاتِ بِوُضُوْءٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ فَعَلْتَ شَيْئًا لَّمْ تَكُنْ تَفْعَلُهٗ قَالَ "عَمْدًا فَعَلْتُهٗ يَا عُمَرُ"

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ اسلمی کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ والے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کام کیا ہے، جو اس سے پہلے نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے عمر! میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔

۱۔مطابقت:

اس حدیث مبارکہ کے ابتدائی حصہ میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، یہی حدیث مبارکہ کی باب کے

عنوان سے مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۲۷۷،ابوداؤد:۱۷۲،ترمذی:۶۱،ابن ماجہ:۵۱۰،احمد:۲۳۰۲۷،السنن الکبریٰ:۱۳۴،تحفۃ الاشراف:۱۹۲۸

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں، باقی کے درج کئے جاتے ہیں، امام سعید قطان کے دوبارہ تفصیلی حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔عبیداللہ بن سعید: راجع:۱۵

۲۔یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت یحییٰ بن سعید بھی غلام خاندان سے تھے۔مگر علم وفضل کے لحاظ سے ان کا شمار ممتاز تبع تابعین میں ہوتا ہے۔بصرہ آبائی وطن تھا۔اور وہیں ۱۲۰ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔(۱)

تعلیم وتربیت:

شیخ ابن سعید نے جس زمانہ میں آنکھ کھولی۔اس وقت مملکت اسلام کا ہر قصبہ اور ہر قریہ قال اللہ وقال الرسول کی آواز سے گونج رہا تھا، خدا کو ان سے حدیث نبوی کی تدوین کا کام لینا تھا۔اس لئے اس نے ان بزرگوں کی خدمت میں جانے کی توفیق عطا کی جو اس فن کے امام تھے، ان کے شیوخ کے ناموں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے کے تمام ممتاز محدثین سے خواہ وہ کسی خطہ کے ہوں انہوں نے استفادہ کیا تھا۔ خصوصیت سے امام شعبہ جو اس وقت مرجع خلائق تھے۔ان کی خدمت میں یہ بیس برس متواتر سماع حدیث کرتے رہے۔جن محدثین سے انہوں نے استفادہ کیا تھا ان کی فہرست کافی طویل ہے۔چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

امام مالک، امام اوزاعی، امام شعبہ، سفیان ثوری، ابن ابی عروبہ، یحییٰ بن سعید الانصاری تابعی، ہشام بن عروہ، امام اعمش، مسعر بن کدام، سفیان بن عیینہ، اور سلیمان اعمش رضی اللہ عنہم وغیرہ۔امام نووی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سعید نے پچاس ایسے شیوخ حدیث سے سماع کیا تھا جو سفیان ثوری جیسے محدث روزگار کے اساتذہ میں تھے۔

وہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ میں زمانہ طالب علمی سے ممتاز تھے۔امام شعبہ اور سفیان ثوری جو خود ان اوصاف میں فائق تھے۔ وہ ان کی ذہانت اور قوت حافظہ پر حیرت کرتے تھے۔ان کے ان اوصاف کی شہرت ہوئی تو حدیث نبوی کے پیاسے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہونے لگے۔تذکروں میں ان کے حلقہ درس کے بارے میں بہت کم معلومات ملتی ہیں مگر بعض ممتاز آئمہ کا برسوں ان کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کرنا اس بات کی علامت ہے کہ ان کا باقاعدہ حلقہ درس تھا۔ان سے استفادہ کرنے والوں کے چند نام یہ ہیں۔

امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، سفیان بن عیینہ، ابوبکر بن شیبہ، علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہم، ان میں سے ہر ایک کا شمار کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے، ان کے علاوہ اور بھی بے شمار افراد نے ان سے استفادہ کیا تھا۔جن میں ان کے لڑکے محمد اور ان

۱۔ تھذیب الاسماء، ج۲، ص۱۵۴

کے پوتے احمد بھی ہیں۔(۱) ان کی جلالت علم کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد، ابن معین اور ابن المدینی جیسے آئمہ روزگار ان کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں کرتے تھے اور ان سے جو کچھ پوچھنا ہوتا تھا کھڑے کھڑے پوچھ لیتے تھے۔

علم وفضل:

اپنے فضل وکرم اور زہد واتقا کے لحاظ سے زمرۂ تبع تابعین کے گوہر شب چراغ تھے، تمام آئمہ حدیث وفقہ نے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ میری آنکھوں نے یحیٰ جیسا عالم نہیں دیکھا۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا کہ وکیع بن جراح اور یحیٰ بن سعید میں کون زیادہ صاحب علم ہے۔ فرمایا کہ میں نے یحیٰ جیسا صاحب علم نہیں دیکھا۔(۲) امام احمد بن حنبل سے اسی طرح کے اور بھی بے شمار جملے منقول ہیں۔ ان کا یہ اعتراف بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ وہ امام شافعی، امام محمد جیسے آئمہ فقہ وحدیث سے استفادہ کر چکے تھے۔

عبدالرحمٰن بن مہدی جن کی جلالت علم ہر کہ ودمہ کو مسلم تھی، انہوں نے بھی یحیٰ بن معین سے کہا کہ تمہاری آنکھیں ان کے جیسا صاحب فضل وکمال نہ دیکھیں گی۔ شیخ بندار جوان کی خدمت میں بیس برس رہے تھے۔ وہ انہیں امام زمانہ کہتے تھے۔ امام نووی نے لکھا ہے کہ ان کے علم و فضل، امامت وجلالت اور صلاح وتقویٰ پر سب کا اتفاق ہے ان کے علم وفضل کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب کسی مسئلہ میں آئمہ حدیث کے درمیان اختلاف ہوتا تھا تو یہ حکم مقرر ہوتے تھے۔ ایک بار ایک شعبہ کے سامنے کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا۔ اختلاف کرنے والوں نے ان سے کہا کہ آپ کسی کو حکم بنا دیجئے۔ امام شعبہ کی نظر انتخاب حضرت یحیٰ بن سعید پر پڑی۔ چنانچہ ان کے سامنے وہ مسئلہ رکھا گیا، انہوں نے امام شعبہ جیسے امام وقت اور استاد کے خلاف فیصلہ دیا مگر استاد کی حق پرستی بھی دیکھئے کہ شاگرد کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اے یحیٰ تمہاری غیر موجودگی کیسے برداشت کی جائے گی؟''(۳)

حدیث:

علم حدیث ان کا خاص فن تھا۔ اور اس میں ان کا مرتبہ امام کا تھا۔ ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ عراق میں علم حدیث کا عام رواج ان ہی کی ذات سے ہوا۔(۴) آئمہ حدیث کے یہاں ان کی مرویات کا جو مرتبہ تھا۔ اس کا صحیح اندازہ ان اقوال سے ہوسکتا ہے جو ان کے بارے میں انہوں نے ظاہر کی ہیں۔

مشہور محدث علی بن المدینی کہتے تھے کہ ہمارے معاصرین میں تین آدمی ایسے تھے جنہوں نے بدء شعور سے علم حدیث کی طرف توجہ کی اور اس سے زندگی بھر لپٹے رہے یہاں تک کہ وہ خود مسند تحدیث پر فائز ہوگئے۔ ان تین آدمیوں میں سب سے پہلا نام انہوں نے یحیٰ بن سعید کا لیا۔(۵) عبدالرحمٰن بن مہدی جوان کے معاصر اور علم وفضل میں ان سے کم تر نہ تھے۔ انہوں نے اپنے مجموعہ حدیث میں دو ہزار حدیثیں یحیٰ بن سعید کی سند سے داخل کر لی تھیں جنہیں وہ ان کی زندگی ہی میں روایت کرتے تھے۔(۶) ابن مہدی جیسے یگانہ روزگار کا ان کی زندگی ہی میں ان سے روایت کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے، امام نووی نے لکھا ہے کہ ابن مہدی نے ان کے واسطہ سے تیس ہزار روایتیں لکھیں، یعنی لکھی تو انہوں نے تیس ہزار تھیں، مگر روایت صرف دو ہزار کرتے تھے۔

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۲۱۶ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۱۳۹ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۲۲۰
۴۔ تھذیب، ج ۱۱، ص ۲۰۰ ۵۔ تاریخ بغداد، ج ۱۱، ص ۱۳۷ ۶۔ تاریخ بغداد، ج ۱۱، ص ۱۳۷

اگر کسی حدیث کے تذکرہ میں یہ ذکر ملے کہ ان کو کئی لاکھ حدیثیں یاد تھیں اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اتنے ارشادات نبوی یاد تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اتنی روایتیں یا سلسلہ بیان یاد تھا۔

آئمہ ان تمام سلسلہ سند کو اس لئے یاد کرتے تھے کہ سب کے سامنے رکھ کر کسی حدیث کے بارے میں صحیح فیصلہ کیا جا سکے۔ مثلاً ایک ہی حدیث کے متعدد راوی ہوتے ہیں۔ ان میں ایک ناقص روایت کرتا ہے دوسرا کامل، ایک مفصل روایت کرتا ہے اور دوسرا مجمل، اب دونوں کو سامنے رکھنے کے بعد فیصلہ آسان ہوتا ہے کہ کون سی روایت زیادہ صحیح اور قابل قبول ہے۔

روایتوں کی کثرت تعداد دیکھ کر بعض بے سوادوں کو احادیث نبوی ﷺ کے موجودہ ذخیرہ کے بارے میں شبہ ہونے لگتا ہے کہ آخر کار اتنا بڑا ذخیرہ حدیث کہاں سے آ گیا۔ مگر یہ ان کی کم علمی ہے کہ وہ روایت اور حدیث میں فرق نہیں کرتے۔ روایت اس سلسلہ بیان کو کہتے ہیں جو راوی حدیث کی سند کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچانے کے لئے بیان کرتا ہے اس لئے بسا اوقات ایک ہی حدیث کے لئے متعدد سلسلہ بیان ہوتے ہیں۔ اس لئے روایات کی کثرت کو حدیث کی کثرت پر قیاس کرنا غلطی ہے۔

یحییٰ بن سعید کو یہ شرف و اعزاز کچھ تو ان کی فطری ذہانت اور استعداد کی وجہ سے ملا تھا۔ لیکن اس کا بڑا سبب خود ان کی ذاتی جدوجہد ہے۔ حدیث نبوی ﷺ سے ان کو عشق تھا۔ اس کے حصول کے لئے انہوں نے جو محنت اور کوشش کی اس کی مثال کم ملے گی۔ اوپر ذکر آ چکا ہے کہ وہ صرف امام شعبہ کی خدمت میں بیس برس تک حدیث کا سماع کرتے رہے۔ وہ بھی کس اہتمام کے ساتھ، خود ان کی زبانی اس کی تفصیل سنئے فرماتے ہیں۔

''کامل بیس برس تک میں امام شعبہ کی خدمت میں حاضر رہا اور روزانہ زیادہ سے زیادہ تیرہ حدیثیں ان سے سماع کر کے لوٹتا تھا۔ غور کیجئے کہ ابن سعید جیسے ذہین و ذکی آدمی کا روزانہ صرف تیرہ حدیثوں کا سماع کرنا بلاوجہ نہیں تھا۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی تھی کہ وہ جو کچھ پڑھتے تھے، اس پر پورے طور پر غور و خوض کرتے اور اس سے معانی کا استنباط کرتے تھے محض حصول تبرک کے لئے وہ حدیثیں نہیں سنتے تھے۔ اسی بناء پر حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ تمام آئمہ حدیث روایت حدیث میں ان کو حجت سمجھتے تھے، آئمہ حدیث کا یہ مقولہ ضرب المثل ہے کہ جو شخص یحییٰ بن سعید کی روایات کو چھوڑ دے گا ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔ (۱)

تنقید رواۃ و روایت:

یحییٰ بن سعید صرف حافظ حدیث ہی نہیں تھے، بلکہ ان کا شمار آئمہ جرح و تعدیل میں بھی ہوتا ہے۔ حدیث کی روایت میں سلسلہ سند کا بڑا اہتمام ہوتا ہے یعنی اس بات کا بڑا لحاظ کیا جاتا ہے کہ حدیث نبوی کی روایت جو لوگ کر رہے ہیں، ان کی یادداشت کیسی ہے؟ ان کے شیوخ کون ہیں؟ ان کے اخلاق و عادات کا کیا حال ہے؟ غرض یہ کہ ایک روایت کے جتنے راوی ہوتے ہیں، ان کے بارے میں جب تک یہ باتیں نہ معلوم ہوں اس وقت تک کوئی روایت قابل اعتبار نہیں سمجھی جا سکتی۔ تبع تابعین کے زمانہ میں روایت و تحدیث کرنے والے بے شمار اہل علم تھے، مگر جو لوگ روایت و رواۃ کے بارے میں پوری تنقید و تفتیش کرتے تھے۔ ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یحییٰ بن سعید بھی ان ہی میں تھے۔ ابن منجویہ کا بیان ہے کہ:

ھو الذی مھد لاھل العراق رسم الحدیث ومعن فی البحث عن الثقاۃ وترک الضعفاء۔

''اہل عراق کے لئے حدیث کی بساط انہی نے بچھائی اور ثقہ راویوں کے قبول کرنے اور ضعیف راویوں کے ترک کر دینے میں انہوں نے کافی غور و خوض اور تلاش و تفتیش کی''۔

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ۲، ص ۵۵ ۲۔ تھذیب الاسماء، ج ۲، ص ۵۵

قوت حافظہ:

علم حدیث میں درک پیدا کرنے کے لئے ہزاروں حدیثوں کے الفاظ اور سینکڑوں راویوں کے حالات پر نظر رکھنی پڑتی ہے، اس لئے جب تک کوئی شخص غیر معمولی قوت حافظہ کا مالک نہ ہو، فن حدیث میں غیر معمولی حیثیت حاصل نہیں کر سکتا، یوں تو عام آئمہ حدیث کو خدا نے اس نعمت سے نوازا تھا مگر بعض آئمہ اس اعتبار سے ضرب المثل تھے۔ ان ہی میں یحیٰی بن سعید بھی ہیں۔

عموماً محدثین کا دستور تھا کہ جن احادیث کو درس میں طلبہ کے سامنے بیان کرنا ہوتا تھا وہ پہلے سے لکھ لیا کرتے تھے تاکہ غلطی نہ ہو مگر یحیٰی بن سعید کو اپنے حافظہ پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ بڑی سے بڑی حدیث زبانی سنا دیا کرتے تھے۔ ایک بار سلیمان بن اشعث نے امام احمد سے پوچھا کہ کیا یحیٰی آپ کو زبانی روایتیں سناتے تھے۔ فرمایا کہ ہاں! ہم نے ان کے پاس کبھی کتاب نہیں دیکھی۔ عام طور پر وہ اپنے حافظے سے روایت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ طویل طویل روایتیں جو ہم کتابوں میں لکھ لیا کرتے تھے، وہ ان کو بے تکلف سنا دیا کرتے تھے۔ (۱)

جرح وتعدیل:

آئمہ حدیث نے تدوین حدیث میں رواۃ کی جرح وتعدیل میں جس حزم واحتیاط سے کام لیا ہے، اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی مگر پھر بھی وہ انسان تھے اس لئے ان سے بھی بعض تسامحات ہوئے ہیں۔ اور ان پر ان کے دوسرے ہم عصر یا بعد کے محدثین نے گرفت کی ہے، چنانچہ بڑے بڑے آئمہ کے تذکرہ میں جہاں ان کے محاسن واوصاف کا تذکرہ ملے گا وہیں ان پر جرح وتنقید بھی ملے گی۔ یعنی اس بات کی تفصیل ملے گی کہ ان سے روایت حدیث میں کیا غلطیاں ہوئی ہیں۔ اسی جرح وتنقید ہی کا یہ فیض ہے کہ سنت نبوی ﷺ کا چشمہ صافی گدلا نہیں ہونے پایا، ورنہ دوسرے مذاہب کے پیشواؤں کی طرح حضور ﷺ کی سیرت بھی افسانوں میں گم ہو جاتی۔ اتنی احتیاط اور دیدہ ریزی کے بعد بھی اہل بدعت نے بہت سے افسانے گھڑ کر عوام میں پھیلا ہی دیئے۔

یحیٰی بن سعید کے تذکرہ میں ان کے محدثانہ محاسن کی تفصیل تو بہت ملتی ہے، مگر ان کی کسی مخصوص غلطی کا ذکر نہیں ملتا، صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ملتا ہے۔

امام احمد نے فرمایا کہ انہوں نے متعدد احادیث کے بیان کرنے میں غلطی کی ہے۔ مگر غلطی سے کون بچا ہے۔ (۲) اس کے ساتھ یہ فرمانا کہ غلطی سے کون بچا ہے بڑی اہمیت رکھتا ہے، مقصد یہ تھا کہ بڑے بڑے آئمہ سے روایت حدیث میں غلطی ہوتی ہے، اس لئے ان سے بھی غلطیاں ہوئی ہیں مگر امام احمد نے غلطیوں کی نشاندہی نہیں کی ہے۔

متانت وسنجیدگی اور سادگی وقناعت پسندی:

متانت وسنجیدگی اور سادگی وقناعت پسندی کے وہ پیکر تھے۔ (تاریخ بغداد) ان کے پوتے کا بیان ہے کہ میرے دادا نہ کبھی ہنسی ومذاق کرتے تھے اور نہ قہقہہ لگا کر ہنستے تھے، وہ کبھی حمام میں غسل کے لئے نہیں گئے اور نہ زیبائش وآرائش کے لئے تیل وسرمہ لگانے کے عادی تھے۔ (تاریخ بغداد) ان کی اس سنجیدگی سے لوگ ناجائز فائدہ بھی اٹھاتے تھے۔ ایک بار کسی پڑوسی سے کچھ بات چیت ہوگئی، پڑوسی نے ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ یحیٰی بن سعید اس بدزبانی کا جواب دے نہیں سکتے تھے اس لئے رونے لگے اور فرمایا کہ:

اس نے سچ کہا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ غالباً اس نے ان کے غلام ہونے پر کچھ تعریض کی ہوگی۔

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ۲، ص ۵۵

۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۱۱۰

اس وقت کے علماء اپنے لباس اور وضع وقطع میں عام لوگوں سے کچھ امتیاز برتتے تھے، مگر یحییٰ بن سعید اپنے غیر معمولی فضل وکمال کے باوجود صحابہ کرام کی طرح نہایت سادہ وضع میں رہتے تھے، سادگی کی وجہ سے عام آدمیوں کو ان کے فضل وکمال کا علم بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ ابن عماد کا بیان ہے کہ یحییٰ بن سعید بالکل معمولی آدمی معلوم ہوتے تھے۔ مگر جب حدیث نبوی کا درس دینے لگتے تھے تو بڑے بڑے فقہا کو زبان کھولنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ (۱)

سادگی لباس ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ کھانے پینے میں بھی طبیعت نہایت سادہ اور قناعت پسند واقع ہوئی تھی۔ جو کچھ مل جاتا صبر وشکر کے ساتھ خود کھاتے اور بال بچوں کو کھلاتے۔ ابن ابی صفوان کا بیان ہے کہ ان کا آذوقہ حیات صرف غلہ تھا، کبھی جو آ گیا تو جو کھالیا، گیہوں آ گیا تو شکر بھیج کر اس کو کھالیا۔ کھجوریں آ گئیں تو اس سے سد رمق کرلیا۔ (۲) غرض کھانے پینے اور لباس میں نہ تو عیش وتنعم سے کام لیتے تھے، اور نہ اس کے لئے بہت زیادہ جدوجہد اور پریشانی کو پسند کرتے تھے۔

ان کے نام کا ایک جز قطان ہے، اس کے بارے میں سمعانی نے لکھا ہے کہ یہ قطن (روئی) کی طرف نسبت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں روئی کا کاروبار ہوتا تھا۔

وفات:

اٹھہتر (۷۸) برس کی عمر میں ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔

اولاد:

ان کی نرینہ اولاد میں محمد بن یحییٰ کا نام تذکروں میں ملتا ہے۔ یہ بھی صاحب علم وفضل تھے، محمد کے ایک صاحبزادے احمد کا تذکرہ بھی رواۃ حدیث کے سلسلہ میں ملتا ہے۔ انہوں نے اپنے دادا سے بھی استفادہ کیا تھا۔ (۳)

۳۔ سفیان: راجع: ۳۷

۴۔ علقمۃ بن مرثد: آپ کا نام ابوالحارث علقمہ بن مرثد حضرمی کوفی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، ثابت، صالح الحدیث راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت فرماتے ہیں، آپ نے خالد قسری کے دور حکومت میں عراق میں وفات پائی۔ (۴)

۵۔ ابن بریدۃ: آپ کا نام سلیمان بن بریدہ بن حصیب اسلمی مروزی (م: ۱۰۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی، راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ نے نوے (۹۰) سال کی طویل عمر پائی۔ آپ قاضی بھی رہے، امام مسلم اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں (۵)

۶۔ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

بریدہ نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے کہ بریدہ بن حصیب بن عبداللہ بن حارث بن اعرج بن سعد بن زراح بن عدی بن سہم بن مازن بن حارث بن سلامان اسلم اسلمی۔

۱۔ ایضاً، ج ۱۱، ص ۱۷۰ ۲۔ ایضاً، ج ۱۴، ص ۱۴۰ ۳۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تبع تابعین اول، ص ۲۳۶۔۲۴۲)

۴۔ i۔ العلل (ابن حنبل)، ج ۱، ص ۲۵۵ ii۔ الثقات، ج ۷، ص ۲۹۰ ۵۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۲۰۰ ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۱۰۲

اسلام:

بریدہ رضی اللہ عنہ عین زمانہ ہجرت میں مشرف باسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب مرکز نبوت مکہ کے ستم کدہ سے مدینہ کے بیت الامن میں مدینہ میں منتقل ہونے لگا اور کوکبۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم غمیم پہنچا تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اسلام پیش کیا۔ بریدہ رضی اللہ عنہ نے بلاپس وپیش قبول کرلیا، ان کے ساتھ بنواسلم کے اسی خانوادے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، پھر کچھ دنوں قرآن کی تعلیم حاصل کر کے گھر لوٹ گئے۔ (۱)

ہجرت اور غزوات:

بدرواحد کے معرکے ان کے وطن کے قیام کے زمانہ میں ختم ہوچکے تھے، غالباً ۶ ھ یا اس سے کچھ پہلے ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ (۲) اور سب سے پہلے صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا۔ (۳) ۷ ھ میں غزوۂ خیبر پیش آیا، اس میں یہ پیش پیش تھے، چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خیبر کا محاصرہ کیا پہلے دن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علم لیا، لیکن فتح نہ کرسکے، دوسرے دن پھر یہی ہوا، لوگ بہت تھک چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا، جس کو خدا اور اس کا رسول محبوب رکھتا ہے اور وہ بھی خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے وہ فتح کر کے لوٹے گا، لوگ بہت خوش ہوئے کہ کل یہ مہم سر ہوگی، دوسرے دن صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھ کر علم منگوایا، لوگ اپنی اپنی صفوں میں تھے، پھر علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، ان کو آشوب چشم کی شکایت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن لگا کر علم مرحمت فرمایا اور ان ہی کے ہاتھوں خیبر فتح ہوا۔ (۴)

۸ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کی، اس میں بھی یہ ہمرکاب تھے، چنانچہ بیان کرتے تھے کہ فتح کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔ (۵)

فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں جو سریہ یمن بھیجا تھا، بریدہ بھی اس میں ساتھ تھے، بعد کو پھر اسی مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں مسلمانوں کی ایک اور جماعت بھیجی گئی اور پوری فوج کی امارت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوئی، جنگ کے بعد آپ نے مال غنیمت میں سے ایک لونڈی خمس میں اپنے لئے مخصوص کرلی، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پسند نہ آئی، انہوں نے لوٹ کر یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ نے سن کر فرمایا، بریدہ کیا تم کو علی سے کینہ ہے، انہوں نے صفائی سے اس کا اقرار کیا، فرمایا ان سے کینہ نہ رکھو، ان کو خمس میں سے اس سے زیادہ کا حق ہے۔ (۶) دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور فرمایا بریدہ! کیا مؤمنین پر میرا حق خود ان کی ذات سے مقدم نہیں ہے؟ عرض کی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا: جس کا میں مولیٰ ہوں علی (رضی اللہ عنہ) بھی اس کا مولیٰ ہے۔ (۷) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ لفظ سن کر میری ساری شکایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاتی رہی اور ان سے اتنی محبت ہوگئی جو کسی دوسرے سے نہیں تھی۔ (۸)

۱۔ ابن سعد جز ۴، ق ۱، ص ۷۸ واستیعاب، ج ۱، ص ۶۹ ۲۔ ابن سعد، جز ۴، ق ۱، ص ۷۸ واستیعاب، ج ۱، ص ۶۹

۳۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۷۵ وابن سعد حوالہ مذکور ۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۵۳ ۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۵۰

۶۔ صحیح بخاری، ج ۲، باب بعث علی الی الیمن ومسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۵۰ ۷۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۴۵ ۸۔ مسند احمد ابن حنبل، ج ۵، ص ۵۰

آنحضرت ﷺ کی زندگی میں جس قدر غزوات بھی ہوئے، بریدہ رضی اللہ عنہ تقریباً سب میں شریک تھے، ان کے غزوات کی مجموعی تعداد سولہ ہے۔ (بخاری کتاب المغازی باب کم غزا النبی ﷺ) آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض الموت میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی زیر سرکردگی جو سریہ شام بھیجا تھا، اس میں بھی یہ شریک اور سریہ کے علمبردار تھے۔ (۱)

آنحضرت ﷺ کی زندگی بھر دیار حبیب میں رہے، آپ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ میں بصرہ آباد ہوا تو دوسرے صحابہ کے ساتھ یہاں منتقل ہوگئے اور یہیں مستقل گھر بنالیا۔ (۲)

ان کی رگ رگ میں جہاد کا خون دوڑتا تھا، لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ زندگی کا مزہ گھوڑے کدانے میں ہے۔ (۳) اسی جذبہ و ولولہ کی بنا پر خلفاء کے زمانہ میں بھی مجاہدانہ شریک ہوتے تھے، حضرت عثمان کے عہد خلافت میں خراسان پر فوج کشی ہوئی، اس میں آپ کی تلوار نے اپنے جوہر دکھائے۔ (۴) مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی تلوار ہمیشہ نیام میں رہی، چنانچہ عہد شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد جس قدر خانہ جنگیاں ہوئیں ان میں سے کسی میں شریک نہیں ہوئے، بلکہ شدت احتیاط کی بنا پر ان لوگوں کے بارے میں جو اس میں شریک تھے کوئی رائے بھی نہ قائم کرتے تھے، ایک شخص نے حضرت علی، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے ان کے سامنے بزرگوں کا تذکرہ کیا، بریدہ فوراً قبلہ رو ہوکر دست بدعا ہوگئے کہ خدایا علی (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما، عثمان (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما اور زبیر (رضی اللہ عنہ) کی مغفرت فرما پھر اس شخص سے مخاطب ہوکر کہا تو مجھے میرا قاتل معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا حاشا میں قاتل کیوں ہونے لگا، اس استفسار سے میرا یہ مقصد تھا، فرمایا ان لوگوں کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے اگر وہ چاہے گا تو ان نیکیوں کے بدلہ میں بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو ان کی غلطیوں کی سزا میں عذاب دے گا۔ (۵)

وفات:

یزید کے عہد حکومت میں ۶۳ھ میں وفات پائی، دولڑکے یادگار چھوڑے، عبداللہ اور سلیمان۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے بھی عام صحابہ کی جماعت میں ممتاز ہیں، احادیث نبوی کی کافی تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، ان کی مرویات کا شمار ۱۶۴ حدیثوں تک پہنچتا ہے، اس میں ایک متفق علیہ ہے اور ۲ میں بخاری اور ۱۱ میں مسلم منفرد ہیں۔ (۶) ان کی مرویات تمام تر براہ راست زبان نبوت سے منقول ہیں، ان کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادہ عبداللہ اور سلیمان اور دوسرے لوگوں میں عبداللہ بن عوف خزاعی، شعبی اور ملیح بن اسامہ قابل ذکر ہیں۔ (۷)

عام حالات:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کو بارگاہ نبوی ﷺ میں پذیرائی حاصل تھی، حضور انور ﷺ ان سے بے تکلفانہ ملتے تھے، کبھی کبھی آنحضرت ﷺ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے نکلتے تھے، ایک مرتبہ یہ کسی ضرورت سے کہیں جارہے تھے، راستہ میں آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہوگئی آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور آگے بڑھے۔ (۸)

۱۔ طبقات ابن سعد حصہ مغازی، ص ۱۳۶ ۲۔ ابن سعد، ج ۴، ق ۱، تذکرہ بریدہ بن حصیب ۳۔ ابن سعد، ج ۴، ق ۱، تذکرہ بریدہ بن حصیب، ص ۱۷۹
۴۔ اصابہ، ج ۱، ص ۱۵۱ ۵۔ ابن سعد جزو ۴، ق ۱، ص ۱۷۶ ۶۔ تہذیب الکمال، ص ۴۷
۷۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۴۳۳ ۸۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۵۰

حق گوئی:

حق گوئی ان کا خاص وصف تھا، اور وہ بڑی سے بڑی شخصیت کے مقابلہ میں بھی کلمہ حق کے اظہار سے باز نہ رہتے تھے، ایک مرتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، ایک شخص بیٹھا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا، بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں بھی کچھ کہہ سکتا ہوں، معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھے یہ بھی پہلے شخص کی طرح مجھے سراہیں گے، کہا شوق سے، فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مجھ کو امید ہے کہ قیامت کے دن میں روئے زمین کے کنکر، پتھر اور درختوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کروں گا، معاویہ! کیا اس عام شفاعت کے تم مستحق ہو اور علی نہیں ہیں؟ (۱)۔ (غالباً پہلا شخص حضرت علی کی مذمت کر رہا تھا، اور معاویہ، بریدہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی یہی سننا چاہتے تھے)۔

فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک مرتبہ جو سن لیا، وہ حرز جان بن گیا، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، آپ نے فرمایا کہ میری امت کو ڈھال کی طرح چوڑے چوڑے اور چھوٹی آنکھ والی قوم تین مرتبہ ہنکائے گی یہاں تک کہ اس کو ہنکاتے ہنکاتے جزیرۃ العرب کے اندر محدود کر دے گی، اس کے پہلے ہلہ میں جو بھاگ جائیں گے، وہ بچ جائیں گے، دوسرے ہلہ میں بعض بچیں گے اور بعض ہلاک ہو جائیں گے، تیسرے ہلہ میں سب کے سب اس آگ میں پڑ جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا یا نبی اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا ترک، پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ اپنے گھوڑوں کو مسلمانوں کی مسجدوں کے ستونوں سے باندھیں گے، اس ہولناک پیشین گوئی کے بعد بریدہ ہمیشہ دو تین اونٹ زاد سفر اور پانی پینے کا برتن ساتھ رکھتے تھے کہ جیسے ہی یہ وقت آئے فوراً اس عذاب سے بھاگ نکلیں۔ (۲)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

- ☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
- ☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ستاون ویں (۵۷) حدیث مبارکہ ہے۔
- ☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
- ☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، دوسرے بصری، تیسرے اور چوتھے کوفی اور آخری دو مروزی ہیں۔
- ☆ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ مدنی، بصری، مروزی راوی ہیں۔
- ☆ یہ بیٹے (سلیمان) کی باپ حضرت (بریدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔
- ☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔
- ☆ سنن نسائی (صغریٰ) میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵ ص ۳۴۷ ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۳۴۹۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، مہاجرین دوم، ص ۱۳۶۔۱۳۹

۶۔لغات:

یوم الفتح: فتح مکہ کے دن — وضوء واحد: ایک وضو

فعلت: آپ ﷺ نے کیا — عمدا: جان بوجھ کر

۷۔مسائل ونصائح:

ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنے کے متعلق احادیث:

ایک وضوء سے متعدد نمازیں پڑھنے کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

سلیمان بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (پہلے) ہرنماز کے لئے علیحدہ وضو کرتے تھے اور جب فتح مکہ ہوئی تو آپ نے متعدد نمازیں ایک وضو سے پڑھیں۔(۱)

سلیمان بن بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھیں اور اپنے موزوں پر مسح کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آج آپ نے ایسا کیا ہے، جو آپ اس سے پہلے نہیں کرتے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! میں نے یہ عمداً کیا ہے۔(۲)

امام طحاوی نے کہا: بعض فقہاء نے ان احادیث کی بناء پر یہ کہا ہے کہ ہرنماز کے لئے وضو کرنا واجب ہے اور اکثر علماء نے اس کے برخلاف یہ کہا ہی کہ وضوصرف اسی وقت واجب ہے، جب وضوٹوٹ جائے (اور انسان اس عبادت کا ارادہ کرے جو بغیر وضو کے جائز نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)، اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت جابر بن عبداللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انصار کی ایک خاتون کے پاس گئے آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی تھے، اس خاتون نے آپ کے سامنے ایک بھنی ہوئی بکری رکھی، آپ نے (اس سے) کھایا اور ہم نے کھایا، پھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا، پس آپ نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر آپ باقی کھانے کی طرف لوٹے، پس کھایا، پھر عصر کا وقت آ گیا، پس آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔(۳)

ہرنماز کے لئے علیحدہ وضو کرنے کی فضیلت اور استحباب:

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ آپ نے ظہر اور عصر کی نمازیں اس وضو سے پڑھیں، جو آپ نے ظہر کے وقت کیا تھا، اور آپ نے ہر نماز کے لئے علیحدہ وضو کیا تھا، وہ بہ طور وجوب نہیں کیا تھا بلکہ بہ طور استحباب کیا تھا، اس پر حدیث دلیل ہے:

ابوغطیف الہذلی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز ظہر پڑھی، پھر وہ اپنے گھر کی مجلس میں چلے گئے، میں بھی آپ کے ساتھ آیا، حتیٰ کہ عصر کی اذان ہوگئی، انہوں نے پانی منگا کر وضو کیا، پھر گھر سے نکلے اور میں بھی ان کے ساتھ

۱۔سنن ترمذی: ۶۱، صحیح مسلم: ۲۷۷، الرقم المسلسل: ۶۳۰، سنن ابوداؤد: ۱۷۲، سنن ابن ماجہ: ۵۱۰، شرح معانی الآثار: ۲۱۲

۲۔صحیح مسلم: ۲۷۷۔۶۳۰، سنن ابوداؤد: ۱۷۲، سنن ترمذی: ۶۱، سنن نسائی: ۱۳۳، مسند احمد، ج ۵ ص ۳۵۸۔۳۵۱۔۳۵۰، شرح معانی الآثار: ۲۱۳

۳۔سنن ترمذی: ۸۰، شرح معانی الآثار: ۲۱۵)

نکلا، پھر وہ اپنی مجلس میں لوٹ آئے اور میں بھی آ گیا، حتیٰ کہ مغرب کی اذان ہوگئی، انہوں نے پھر پانی منگا کر وضو کیا، میں نے پوچھا: اے عبدالرحمان! یہ کیا وجہ ہے؟ کیا ہر نماز کے لئے وضو کرنا واجب ہے؟ انہوں نے کہا: تم نے میرے عمل سے یہ سمجھا ہے! یہ سنت نہیں ہے، اگرچہ میرے لئے یہ کافی تھا کہ میں صبح کے وضو سے تمام نمازیں پڑھوں، جب تک کہ میں وضو نہ توڑ دوں، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے وضو کے اوپر وضو کیا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہے، اس وجہ سے میں نے ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنے میں رغبت کی۔(۱)

امام طحاوی نے کہا: پس ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن بریدہ کی روایت کے مطابق نبی ﷺ ہر نماز کے لئے جو وضو کرتے تھے، وہ بھی وضو پر وضو کرنے کی فضیلت پانے کے لئے کرتے ہوں اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا یا صرف مسواک کرنا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی:

یحییٰ بن حبان، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا: آیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے، خواہ ان کا وضو ہو یا نہ ہو؟ انہوں نے کہا: مجھ سے اسماء بنت زید بن الخطاب نے بیان کیا کہ عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ نے ان کو حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم دیا گیا، خواہ وضو ہو یا نہ ہو، پھر جب آپ پر یہ امر دشوار ہوا تو پھر آپ کو ہر نماز کے لئے مسواک کرنے کا حکم دیا گیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے تھے کہ ان کو ہر نماز کے لئے وضو کرنے کی طاقت ہے، اس وجہ سے وہ ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے۔(۲)

امام طحاوی فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ پہلے ہر نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم تھا، پھر اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا اور اب جب تک انسان وضو نہ توڑے اس پر وضو کرنا واجب نہیں ہے۔

اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ پھر تم کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کو واجب کہنا چاہئے، حالانکہ تم مسواک کے وجوب کے قائل نہیں ہو، اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہو اور امت کے لئے یہ حکم نہ ہو اور اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔(۳)

اس طرح امام طحاوی نے تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا اب واجب نہیں ہے، پہلے رسول اللہ ﷺ پر یہ واجب تھا، اب آپ پر بھی واجب نہیں ہے، اب وضو پر وضو کرنا صرف مستحب اور باعث فضیلت ہے۔(۴)

☆ علامہ سندھی لکھتے ہیں:

۱۔ سنن ابوداؤد:۶۲، سنن ترمذی:۵۹، سنن ابن ماجہ:۵۱۲، شرح معانی الآثار:۲۱۶ ۲۔ سنن ابوداؤد:۴۸، شرح معانی الآثار:۲۱۸

۳۔ صحیح البخاری:۸۸۷، صحیح مسلم:۲۵۲، سنن ابوداؤد:۴۶، سنن ترمذی:۲۲، سنن نسائی:۵۳۰، سنن ابن ماجہ:۲۸۷، شرح معانی الآثار:۲۱۹، مسند احمد، ج۱، ص۱۲۰۔۸۰، ج۱، ص۴۳۳۔۴۲۹۔۴۰۰۔۳۹۹۔۲۸۷۔۲۵۹۔۲۵۰۔۲۴۵، ج۵، ص۴۱۰۔۱۹۳، ج۶، ص۴۲۹۔۳۲۵، سنن بیہقی، ج۱، ص۳۷، صحیح ابن خزیمہ، ج۱، ص۱۷۴

۴۔ شرح معانی الآثار، ج۱، ص۵۵۔۵۱، ملخصاً، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص۶۴۹۔۶۵۰

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے جواب میں دو احتمال ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرتے تھے، اگرچہ بعض اوقات ایک ہی وضو سے دو یا زیادہ نمازیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائیں۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ جواب لوگوں کو اس امر کی اطلاع دینے کے لئے دیا ہو، کہ ایک ہی وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے، اس کا احتمال زیادہ قوی ہے، کیونکہ یہ قضیہ جزئیہ ہے۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

ان تینوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا مستحب امر ہے، اگرچہ ایک وضو کے ساتھ متعدد نمازیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

☆ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا واجب نہیں ہے، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔

☆ امام طحاوی کے نزدیک ہر نماز کے لئے تازہ وضو کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے واجب تھا، بعد میں یہ منسوخ ہو گیا، اور اب صرف مستحب اور باعث فضیلت ہے۔

☆ ہر وقت باوضو رہنا باعث ثواب ہے۔

☆ کھانا کھانے کے لئے ہاتھ دھونا مستحب ہے۔

☆ وضو پر وضو کرنا مستحب ہے۔

☆ غزوہ خیبر کے لئے جاتے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صہباء کے مقام پر ایک ہی وضو سے عصر اور مغرب کی نمازیں ادا فرمائی تھیں۔(۲)

☆ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

☆ بے وضو کے لئے نماز ادا کرنے کے لئے وضو کرنا لازمی امر ہے۔

☆ وضو حدث کی صورت میں ہی واجب ہوتا ہے۔

☆ ہر فرض اور نفل نماز کے لئے وضو کی تجدید مستحب ہے، اسی طرح قرآن مجید کو چھونے اور سجدہ تلاوت کے لئے بھی مستحب ہے۔

☆ پیشاب اور پاخانہ نواقض وضو ہیں۔

☆ مفضول کا فاضل سے سوال کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

باب ۱۰۲: النَّضْحِ — پانی چھڑکنے کا بیان

اس باب میں وضو کرنے کے بعد شرمگاہ والے حصے پر پانی چھڑکنے کا بیان ہے، اس سے مراد ہے کہ سامنے والے کپڑے پر پانی چھڑکنا۔ پچھلے باب میں وضو پر وضو کرنے کا بیان تھا اور اس باب میں وضو مکمل کرنے کے بعد شرمگاہ والے حصے پر پانی چھڑکنے کا بیان ہے۔

۱۔ حاشیہ سندھی، ص ۴۳

۲۔ بخاری: ۲۰۹

۱۳۴۔ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِیلُ بْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا تَوَضَّاَ اَخَذَ حَفْنَةً مِّنْ مَاءٍ فَقَالَ بِهَا هٰكَذَا وَوَصَفَ شُعْبَةُ نَضَحَ بِهٖ فَرْجَهُ فَذَكَرْتُهُ لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَعْجَبَهُ قَالَ الشَّيْخُ ابْنُ السُّنِّيِّ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحَكَمُ هُوَ ابْنُ سُفْيَانَ الثَّقَفِيُّ رضی الله عنه۔

حضرت سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو پانی کا ایک چلو لیتے اور ایسے کرتے، امام شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس کا طریقہ بیان کیا: اس پانی کو اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیتے، راوی کہتے ہیں: میں نے یہ بات حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کو بتلائی، تو آپ نے اسے پسند فرمایا۔ شیخ ابن سنی علیہ الرحمۃ نے کہا: حکم سے مراد حکم بن سفیان ثقفی ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۱۸۵، ابوداؤد: ۱۶۶۔۱۶۷۔۱۶۸، ابن ماجہ: ۴۶۱، السنن الکبریٰ: ۱۳۵، احمد: ۱۷۶۳۲، مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۱۷۱، تحفۃ الاشراف: ۳۴۲۰

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی دو کے حالات درج کئے جاتے ہیں، جبکہ حضرت مجاہد کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ اسماعیل بن مسعود: راجع: ۴۷ ۲۔ خالد بن الحارث: ایضاً

۳۔ شعبۃ: راجع: ۲۶ ۴۔ منصور: راجع: ۲

۵۔ مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

مجاہد نام، ابوالحجاج کنیت، قیس بن مخزومی کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

اگرچہ مجاہد غلام تھے، لیکن اقلیم علم کے تاجدار تھے، علمی اعتبار سے وہ امام وقت تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان فقیھا عالما ثقة کثیر الحدیث'' حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم کا ظرف تھے۔ (۱) امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۲) ان کو تفسیر، حدیث اور فقہ جملہ علوم میں درجۂ امامت حاصل تھا۔

قراءت وتفسیر:

قراءت اور تفسیر کے اس عہد کے نہایت نامور عالم تھے، تفسیر انہوں نے حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حاصل کی تھی، اور پورے

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۰ ۲۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ق ۲، ص ۸۳

تیس مرتبہ ان سے قرآن کا دور کیا تھا۔(۱) اور اس محنت اور تحقیق کے ساتھ ہر ایک سورہ پر رک کر اس کے شان نزول اور اس جملہ کے متعلقات پوچھتے جاتے تھے۔(۲) اس محنت اور ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے مفسر قرآن کی تعلیم نے ان کو بہت بڑا مفسر بنادیا۔ خصیف کا بیان ہے کہ مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔(۳) قتادہ کہتے تھے کہ اس وقت کے باقیات صالحات میں مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ قرآن کے قاری بھی تھے۔(۴)

حدیث:

حدیث کے بھی وہ نہایت مشہور حافظ تھے، امام ذہبی ان کو مفسر اور حافظ حدیث ابن سعد کثیر الحدیث اور امام نووی امام حدیث لکھتے ہیں۔(۵) حبر الامۃ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کے حفظ کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش نافع کا حفظ بھی تمہاری طرح ہوتا۔(۶)

اکابر صحابہ میں انہوں نے حضرت علی، ابن عمر، ابن عباس، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، سعد بن ابی وقاص، رافع بن خدیج، عائشہ صدیقہ، جوریہ بنت حارث، ام ہانی رضی اللہ عنہم اور تابعین میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، طاؤس، عبداللہ بن سائب، عبداللہ بن سنجرہ، عبدالرحمٰن بن صفوان، عمر بن اسود، مورق العجلی، ابوعیاش الزرقی اور ابوعبیدہ ابن عبداللہ بن مسعود رحمہم اللہ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔(۷)

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا۔ ایوب سختیانی، عطاء عکرمہ بن عون، عمرو بن دینار، ابواسحاق سبیعی، ابوالزبیر مکی، قتادہ، حبیب بن ابی ثابت، حسن بن عمرو، سلمہ بن کہیل، سلیمان الاحول، سلیمان الاعمش، مسلم البطین، طلحہ بن مصرف اور عبداللہ بن کثیر قاری وغیرہ لائق ذکر ہیں۔(۸)

فقہ:

فقہ میں انہیں امامت واجتہاد کا درجہ حاصل تھا، (تھذیب الاسماء، ج۱، ق۲، ص۸۳) حافظ ذہبی، ابن حجر اور امام نووی سب ان کے تفقہ پر متفق البیان ہیں۔ ان کے فقہی کمال کے لئے یہ سند کافی ہے کہ مخزن علوم مکہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے۔(۹)

اخلاص فی العلم:

علم کا مقصد کسی نہ کسی دنیاوی منفعت سے کم خالی ہوتا ہے لیکن مجاہد کا دامن ان تمام آمیزشوں سے بالکل پاک تھا۔ مسلمہ بن کہیل کا بیان ہے کہ عطاء، طاؤس اور مجاہد کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں پایا، جس کا مقصد علم سے خالصۃً لوجہ اللہ رہا ہو۔(۱۰)

زہد وورع:

علم کے ساتھ ان میں زہد وورع بھی اسی درجہ کا تھا، ابن حبان لکھتے ہیں کہ مجاہد فقیہ متورع اور عابد وزاہد تھے۔(۱۱)

دنیا سے بے تعلقی:

وہ دنیا سے ہمیشہ بے تعلق اور بے گانہ رہے۔ اس سے ان کا دل اس قدر برداشتہ تھا کہ کسی دنیاوی چیز سے دلچسپی نہ لیتے تھے۔ ہمیشہ مغموم

۱۔ ابن سعد، ج۵، ص۳۴۳ — ۲۔ تھذیب التھذیب، ج۱۰، ص۴۳ — ۳۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ق۲، ص۸۳

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۸۰ — ۵۔ تھذیب التھذیب، ج۱۰، ص۴۴ — ۶۔ دیکھئے کتب مذکور حالات مجاہد

۷۔ شذرات الذھب، ج۱، ص۱۲۵ — ۸۔ تھذیب التھذیب، ج۱۰، ص۴۲ — ۹۔ اعلام الموقعین، ج۱، ص۲۶

۱۰۔ تھذیب التھذیب، ج۱۰، ص۴۳ — ۱۱۔ تھذیب التھذیب، ج۱۰، ص۴۴

رہا کرتے۔ اعمش کا بیان ہے کہ مجاہد کو جب ہم دیکھتے مغموم پاتے، ان سے کسی نے اس کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ عبداللہ دنیا میں اس طرح رہو کہ معلوم ہو کہ مسافر ہو یا راہ رو ہو۔(۱)

سادگی:

ظاہری زیب و زینت سے اتنے بے پرواہ تھے کہ ان میں اور ادنیٰ درجہ کے آدمیوں میں امتیاز مشکل تھا۔ اعمش کا بیان ہے کہ جب میں مجاہد کو دیکھتا تھا تو (ان کی ظاہر حالت سے) ان کو نہایت حقیر سمجھتا تھا، وہ اپنی ظاہری وضع سے سائیں معلوم ہوتے تھے جس کا گدھا گم ہو گیا ہو اور وہ حالت پریشانی میں اس کو تلاش کر رہا ہو۔(۲) لیکن اس سے ان کی علمی عزت میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ جب بولتے تھے تو منہ سے موتی ٹپکتے تھے۔(۳) بڑے بڑے صحابہ ان کی عزت و وقعت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ ان کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے۔(۴)

سیر و سیاحت:

مجاہد کو سیر و سیاحت اور عجائبات عالم دیکھنے کا بہت شوق تھا، انہوں نے آس پاس کے تمام عجائبات دیکھے تھے۔(۵)

وفات:

سنہ وفات کے بارے میں روایات مختلف ہیں، باختلاف روایت ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ عین سجدہ کی حالت میں سفر آخرت کیا، وفات کے وقت ستراسی سال کی عمر تھی۔(۶)

۶۔ الحکم:

آپ کا نام حکم بن سفیان بن عثمان بن عامر بن معتب بن مالک ثقفی (۷) ہے۔ بعض نے آپ کا نام سفیان بن حکم ذکر کیا ہے۔ آپ کا شمار بعض نے صحابہ میں کیا ہے۔(۸) علامہ مزی لکھتے ہیں: کہ اس سند کے بارے میں دس اقوال مروی ہیں، علامہ مزی کے ذکر کردہ اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ عن مجاهد عن الحكم عن ابيه

۲۔ عن مجاهد عن ابن الحكم عن ابيه

۳۔ عن مجاهد عن الحكم بن سفيان عن ابيه

۴۔ عن مجاهد عن الحكم

۵۔ عن مجاهد عن رجل من ثقيف عن ابيه

۶۔ عن مجاهد عن سفيان بن الحكم عن النبي صلى الله عليه وسلم

۷۔ عن مجاهد عن الحكم بن سفيان عن النبي صلى الله عليه وسلم

۱۔ شذرات الذہب، ج۱، ص۱۲۵
۲۔ شذرات الذہب، ج۱، ص۱۲۵
۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۸۰
۴۔ ایضاً
۵۔ ایضاً
۶۔ ایضاً۔ سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام، ص۲۵۵۔۲۵۷
۷۔ الاصابۃ، ج۱، ص۳۴۴
۸۔ تقریب التہذیب، ج۱، ص۱۹۸

۸۔عن مجاهد عن الحكم بن سفيان

۹۔عن مجاهد عن رجل من ثقيف يقال له :الحكم او ابو الحكم

۱۰۔عن مجاهد عن ابن الحكم اوابى الحكم بن سفيان

۱۱۔عن مجاهد عن الحكم بن سفيان اوابن ابى سفيان

۱۲۔عن مجاهد عن رجل من ثقيف عن النبی ﷺ(۱)

☆ حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک حضرت حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہیں، اوران کا نبی کریم ﷺ سے سماع ثابت ہے۔(۲)

☆ حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حکم بن سفیان ثقفی یا سفیان بن حکم ثقفی صحابی رسول ﷺ ہیں اوران سے حدیث مبارکہ مروی ہے، البتہ مجاہد کی سند میں اضطراب ہے(۳)

سند میں اضطراب کے رفع کی صورتیں: علامہ مزی اور دیگر آئمہ کی طرف سے سند کے حوالے سے ذکر کی گئی کل بارہ صورتیں بنتی ہیں، پھر ان میں باریک بینی سے غور کیا جائے، تو یہ سند کی تین صورتیں بنتی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔سند نمبر ایک، تین اور پانچ ایک ہی سند بنتی ہے:

عن مجاهد عن الحكم عن ابيه

اس سند کا اختتام عن ابیہ ہے

۲۔سند نمبر دو اور سند نمبر دس دوسری سند بنتی ہے۔

عن مجاهد عن ابن الحكم

البتہ سند نمبر دس میں اوابی الحکم بن سفیان ہے۔

۳۔سند نمبر چار، چھ، سات، آٹھ، نو، گیارہ اور بارہ ایک سند بنتی ہے۔

عن مجاهد عن الحكم بن سفيان اوسفيان بن الحكم عن النبی ﷺ

اس سند کا منتھی عن النبی ﷺ ہے۔

قول فیصل:

ہمارے نزدیک یہ آخری سند صحیح اور حکم بن سفیان اور سفیان بن حکم ایک ہی شخصیت ہیں، اور یہ صحابی رسول ﷺ ہیں۔اس کی تائید امام نسائی کی روایت کردہ اگلی حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔

۷۔ابیہ: حکم بن سفیان اور سفیان بن حکم غالباً ایک ہی شخصیت ہیں۔

۱۔ i۔تھذیب الکمال، ج۳،ص۴۱ ii۔الاستیعاب، ج۱،ص۳۱۸

۲۔ i۔الاصابۃ، ج۱،ص۳۴۴ ii۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۱۸۰

۳۔ الخلاصۃ، ج۱،ص۲۴۳

۴۔حکمِ روایت:

اس حدیث مبارکہ کو امام بخاری، ابوداؤد، احمد بن حنبل، ابن مدینی، ابوحاتم، امام بیہقی، امام حاکم، علامہ ذھبی، ناصر الدین البانی اور دیگر نے صحیح قرار دیا ہے، حافظ زبیر علی زئی نے حسن قرار دیا ہے، ہمارے نزدیک یہ حدیث مبارکہ دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے، البتہ اس سند سے ضعیف ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ سند سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اکیسویں (۲۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اختلاف ہے۔
☆ سند کے پہلے تین راوی بصری ہیں، چوتھے کوفی، پانچویں مکی اور حضرت حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ یمنی ہیں، اس طرح یہ سند چار شہروں کے راویوں کے درمیان ہے، جو کہ اسناد میں قلیل الوقوع ہے۔
☆ شیخ اسماعیل بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، جن سے اصحاب ستہ میں سے صرف آپ نے ہی روایت لی ہے۔
☆ حضرت خالد رضی اللہ عنہ، حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت منصور رضی اللہ عنہ اور حضرت مجاھد رحمۃ اللہ علیہ ایسے راوی ہیں، جن سے اصحاب صحاح ستہ بالاتفاق روایات لیتے ہیں۔
☆ حضرت حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ایک حدیث روایت کی ہے، اس کے علاوہ صحاح ستہ میں آپ سے کوئی روایت مروی نہیں ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اخذ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑلیا — حفنة: چلو
ھکذا: اس طرح — نفح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھڑکا
فرج: شرمگاہ، مراد اگلا حصہ — اعجب: اس نے پسند کیا

۱۳۵۔ اَخْبَرَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدُّوْرِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَحْوَصُ بْنُ جَوَّابٍ حَدَّثَنَا عَمَّارُ بْنُ رُزَيْقٍ عَنْ مَنْصُوْرٍ ح وَاَنْبَاَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا قَاسِمٌ - وَهُوَ ابْنُ يَزِيْدَ الْجَرْمِيُّ - قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ حَدَّثَنَا مَنْصُوْرٌ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ الْحَكَمِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّاَ وَنَضَحَ فَرْجَهُ قَالَ اَحْمَدُ فَنَضَحَ فَرْجَهُ

حضرت حکم بن سفیان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنی شرمگاہ پر چھینٹے مارے شیخ احمد بن حرب رحمۃ اللہ علیہ نے "نفح فرجه" کے بجائے "فنضح فرجه" کے الفاظ کہے ہیں۔

۱۔اطراف: راجع:۱۳۴

۲۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی پانچ کے حالات درج ذیل ہیں:

۱۔العباس بن محمد: آپ کا نام ابوالفضل عباس بن محمد بن حاتم بن واقد دوری بغدادی (م:۲۷۱ھ) ہے، آپ خوارزمی الاصل ہیں، دوری بغداد شہر کے ایک محلّہ کی دوری کی وجہ سے نسبت ہے، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ، حافظ، صدوق راوی ہیں، آپ نے اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں وفات پائی، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔الاحوص بن جواب: آپ کا نام ابوجواب الاحوص بن جواب ضبی کوفی (م:۲۱۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، البتہ وھم کا شکار ہوگئے تھے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔عمار بن ازیق: آپ کا نام ابوالاحوص عمار بن ازیق ضبی تمیمی کوفی (م:۱۵۹ھ) ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، امام یحییٰ بن معین، ابوزرعہ اور ابن مدینی نے آپ کو ثقہ، امام ابوحاتم نے لا بأس اور امام نسائی نے بھی لیس بہ بأس کے الفاظ استعمال کیے۔ امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے آپ سے روایت کی ہے۔(۳)

۴۔منصور: راجع:۲

۵۔احمد بن حرب: آپ کا نام احمد بن حرب بن محمد بن علی بن حیان بن مازن طائی موصلی (م:۲۶۳) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، آپ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔ آپ نے نوے سال کی طویل عمر پائی۔(۴)

۶۔قاسم بن یزید الجرمی: آپ کا نام ابویزید قاسم بن یزید جرمی موصلی (م:۱۹۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، عابد، صالح راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۵)

۷۔سفیان: راجع:۳۷ ۸۔مجاھد: راجع:۱۳۴

۹۔الحکم: ایضاً

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء صحیح ہے۔

۱۔i۔الجرح والتعدیل، ج۶،ص۲۱۶ ii۔الثقات، ج۸،ص۵۱۳ ۲۔i۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۶۳ ii۔الثقات، ج۶،ص۸۹

۳۔i۔الجرح والتعدیل، ج۶،ص۳۹۲ ii۔الثقات، ج۸،ص۵۱۸

۴۔i۔تاریخ البغداد، ج۴،ص۱۱۶ ii۔الجرح والتعدیل، ج۲،ص۴۹

۵۔i۔الثقات، ج۹،ص۱۶ ii۔تقریب التھذیب، ج۲،ص۱۲۸

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اٹھاونویں (۵۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ امام الاحوص صدوق راوی ہیں۔

☆ سند میں تحویل ہے اور حضرت منصور مدار تحویل ہیں، یہ سند کے قوی ہونے کی علامت ہے اور سند کے صحیح ہونے کی علامت ہے۔

☆ یہ روایت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دوشیوخ شیخ العباس بن محمد دوری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ احمد بن حرب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے، شیخ العباس رحمۃ اللہ علیہ سے آئمہ سنن اربعہ روایت کرتے ہیں، جبکہ شیخ احمد بن حرب رحمۃ اللہ علیہ سے اصحاب ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبأنا ایک ایک دفعہ، حدثنا چار دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے سند میں حدثنا قاسم۔ وھوابن یزید الجرمی سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف حدثنا قاسم کہا ہے، جبکہ راوی نے اس کی مزید وضاحت وھوابن یزید الجرمی کہہ کر کی ہے، اور یہ اضافہ شیخ کا نہیں بلکہ راوی کا ہے۔

۷۔لغات: راجع:۱۳۴

۸۔مسائل ونصائح:

علامہ ابوسلیمان احمد بن محمد خطابی بستی لکھتے ہیں:

☆ الانتضاح کا معنیٰ: پانی کے ساتھ صفائی حاصل کرنا مراد ہے، کیونکہ اکثر صحابہ کرام پتھر کے ساتھ استنجاء کرتے تھے اور پانی استعمال نہ کرتے تھے۔ اسی طرح الانتضاح کا معنیٰ استنجاء کرنے کے لیے شرمگاہ پر پانی چھڑکنا کے بھی ہیں، کیونکہ اس طرح کرنے سے شیطانی وسوسوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔(۱)

☆ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نضح کا ایک معنیٰ استنجا کرنا کیا گیا ہے، یہ معنیٰ اس وقت معتبر ہوتا ہے، جب وضو کرنے کا ارادہ ہو، اس کا دوسرا معنیٰ استنجاء کرنے کے بعد شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے مارنا ہے، جمہور علماء کے نزدیک یہاں پر یہ دوسرا معنیٰ ہی مراد ہے، یہ عمل شیطانی وسوسوں سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے، اور یہ وضو سے فراغت کے بعد ہوتا ہے۔(۲)

☆ وضو کے بعد شرمگاہ پر پانی کا چھڑکنا: پیشاب کے قطروں کو روکنے اور شیطانی وسوسوں کے توھم سے بچنے کے لئے ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل امت کی تعلیم کے لئے تھا، وگرنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ان امور سے پاک تھی (۳)

☆ الانتضاح سے مراد وضو سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑا پانی لے کر اپنی شرمگاہ والے حصہ پر چھڑکنا ہے، اور یہ شیطانی وسوسوں کو دور کرنے کے لئے ہے۔(۴)

۱۔معالم السنن، ج۱، ص۹۱ ۲۔حاشیہ سندھی، ص۴۳ ۳۔تقریرات الرافعۃ، ج۱، ص۴۳ ۴۔بزل المجھود فی حل ابی داود، ج۱، ص۳۴

☆ النضح کے معنی: پانی چھڑکنا اور دھونے کے لئے پانی کا استعمال کرنا دونوں ہیں، البتہ یہاں پر وضو کے بعد شرمگاہ پر پانی چھڑکنا ہی مراد ہے، جیسا کہ امام بیہقی اور دارقطنی کی روایات میں اس کا واضح ذکر ہے۔(۱)

☆ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک یہ وضو کے مستحبات میں سے ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد پانی کے چھینٹے شرمگاہ اور پاجامہ پر پھینکے جائیں اور وسوسوں کے وقت یہ عمل ضروری ہوتا ہے۔(۲)

☆ علامہ بدرالدین عینی حدیث ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت جبریل امین کے قول: اذا توضأت فانتضح کے متعدد معانی مراد ہو سکتے ہیں:

اول: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کریں، تو اعضاء وضو کو اچھی طرح دھوئیں اور صرف مسح پر اکتفا نہ کریں۔

دوم: استنجاء کے دوران زور لگا کر اور کھانسی کر کے پیشاب کے قطروں سے اطمینان حاصل کرنا۔

سوم: زیر جامہ پر پانی کے قطرے چھڑکنا تا کہ وسوسے دور ہو جائیں۔

چہارم: پہلے پتھر اور پھر پانی کے ساتھ استنجا کرنا۔(۳)

☆ مولانا محمد تقی عثمانی بیان کرتے ہیں:

اذا توضأت فانتضح: انتضاح سے مراد یہاں بعض لوگوں نے استنجاء بالماء لیا ہے، اس صورت میں ''اذا توضات'' سے مراد ''اذا أردت الوضوء'' ہوگا، اور بعض نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وضو کے بچے ہوئے پانی کو پیشانی پر بہا دیا جائے، جیسا کہ بعض روایات میں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے،(۴) لیکن اکثر علماء نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ وضو کے بعد زیر جامہ چھینٹے مار لئے جائیں، اور اس کی حکمت عموماً یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے خروج قطرات کے وسوسے سے(۵) نہیں آتے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی ایک اور لطیف حکمت بیان فرمائی ہے، وہ یہ کہ وضو سے اصل مقصود تو طہارت باطنی ہے، لیکن عملاً اس میں صرف ظاہری اعضاء کو دھویا جاتا ہے، جس سے طہارت ظاہری حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس سے فراغت کے بعد دو ایسے عمل مستحب قرار دیئے گئے ہیں جن سے طہارت باطنی کا استحضار پیدا کرنا مقصود ہے، ایک فضل وضو کو پینا، اور دوسرے ''نضح الفرج'' اس میں نکتہ یہ ہے کہ انسان کے تمام گناہوں کا منبع اس کے جسم میں دو ہی چیزیں ہیں، ایک فم اور دوسرے فرج، شہوت بطن کے اثرات زائل کرنے کے لئے فضل وضو پینے کو مشروع کیا گیا، اور شہوت فرج کے انسداد کی طرف متوجہ کرنے کے لئے نضح علی الازار کو، بہر حال یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے، بلکہ بیان فضیلت کے لئے ہے، اور اس معنی کی

۱۔ ایضاً، ص ۳۵ ۲۔ شرح سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۲۲۲

۳۔ ایضاً، ص ۲۲۳ ۴۔ انظر معارف السنن، ج ۱، ص ۲۰۰ باب اسباغ الوضوء ۱۲)

۵۔ واخرج البیھقی وابن ابی شیبة ومسدد ما یؤیدہ عن ابن عباس موقوفا "اذا توضأ أحدكم فلیأخذ حفنة من ماء فلینضح بها فرجه فان اصابه شیء فلیقل "ان ذلك منه" ،قال الحافظ رحمۃ اللہ علیہ صحیح موقوف (المطالب العالیة، ج ۱، ص ۳۶، رقم ۱۱۷)

تمام احادیث سنداً ضعیف ہیں، چنانچہ حدیث باب بھی حسن بن علی الہاشمی کی وجہ سے ضعیف قرار دی گئی ہے، لیکن تعدد طرق کی بناء پر مجموعہ (۱) کو قبول کیا گیا ہے، نیز مسئلہ فضائل کا ہے، اس لئے اتنا ضعف مضر نہیں۔ (۲)

فوائد و مسائل:

شرم گاہ پر چھینٹے مارنا وضو کا حصہ نہیں ہے، تاہم مسنون عمل ہے۔ ۲۔ اس عمل کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ کبھی انسان کو کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ پیشاب کا کوئی قطرہ نکلا ہے، ایسا انسان معذور ہے، لہٰذا اس عذر کے پیش نظر یا شبہ دور کرنے کے لئے یہ طریقہ تجویز کیا گیا کہ وضو کے بعد شرم گاہ پر چھینٹے مارے جائیں تو شبہ دور ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ ۳۔ جس آدمی کو مندرجہ بالا صورت حال پیش آئے وہ ایسا کرلے اور جسے یہ صورت پیش نہ آئے اس کے لئے بھی چلو بھر پانی سے چھینٹے مارنا مسنون ہے کیونکہ مذکورہ وجہ اور علت حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

۴۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ آدمی جو تندرست ہو اور سلس البول کا مریض بھی نہ ہو، اور پیشاب سے اچھی طرح فراغت کے بغیر ہی کھڑا ہو جاتا ہو، نیز اسے وضو کرنے کے بعد یا اثنائے نماز قطرہ گرنے کا یقین بھی ہو تو ایسے آدمی کو چھینٹے کفایت نہ کریں گے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیشاب سے آلودہ مقام دھوئے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھے کیونکہ پیشاب نجس ہے، خواہ وہ قطرہ ہو یا اس سے زیادہ۔ دلائل کے اعتبار سے یہ موقف مضبوط اور راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۵۔ توضا) کے معنی ہوں گے، جب وضو سے فارغ ہوتے۔ (۳)

☆ علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں:

حق یہ ہے کہ اس جگہ انتضاح سے مراد وضو کے بعد شرمگاہ پر پانی کے چھینٹے مارنا ہے، جیسا کہ اس باب کی اکثر احادیث میں اس کی وضاحت ہے (۴)

۸۔ خلاصہ:

☆ ان دو احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ وضو مکمل ہونے کے بعد زیر جامہ پانی چھڑکنا سنت مستحبہ ہے۔

☆ وضو مکمل کرنے کے بعد زیر جامہ پانی چھڑکنا شیطانی وسوسوں سے بچاؤ کے لئے اور پیشاب کے قطروں کے توھم سے بچنے کے لئے ہے۔

☆ تمام آئمہ کے نزدیک یہ عمل وضو کے مستحبات میں سے ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تعلیم امت کے لئے ہے، وگرنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ وسواس، توھمات اور ان جیسے امور سے مبرا تھی۔

☆ ان دونوں احادیث مبارکہ کی سند میں اضطراب موجود ہے، اس وجہ سے یہ سنداً ضعیف کے درجہ میں ہے، البتہ اس کے متابعات شواھد کثیر ہیں، جن سے ضعف واضع ہو جاتا ہے، اس لئے حدیث مبارکہ صحیح لغیرہ کے درجہ میں ہے۔

☆ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تلامذہ کو عملاً تعلیم دے کر سمجھایا، جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ وہ مسائل جن کو عملی طور پر کر کے دکھلایا جا سکتا ہے، اساتذہ کو چاہئے کہ وہ تعلیم بالعمل کو ہی ذریعہ بنائیں۔

۱۔ علی ان مارواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والحاکم واحمد عن الحکم بن سفیان: ''کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضاء اخذ کفا من ماء فنضح بہ فرجہ'' قد صححہ العزیزی فی السراج المنیر ج ۱ ص ۲۱

۲۔ درس ترمذی، ج ۱ ص ۲۶۸۔۲۶۹

۳۔ سنن نسائی (دارالسلام)، ج ۱ ص ۱۸۲۔۱۸۳

۴۔ تحفۃ الاحوذی، ج ۱ ص ۱۶۹

باب ۱۰۳: الاِنْتِفَاعِ بِفَضْلِ الْوُضُوْءِ — وضو کے بچے ہوئے پانی سے فائدہ اٹھانا

اس باب میں وضو کرتے ہوئے جو پانی بچ جاتا ہے، اسے استعمال کرنے کے جواز کا بیان ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں تین احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں وضو کے بعد زیر جامہ پانی چھڑکنے کا بیان تھا، اس باب میں وہ وضو کے بعد بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنے کا بیان ہے۔

۱۳۶۔ اَخْبَرَنَا اَبُوْ دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَيْفٍ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَتَّابٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ اَبِیْ حَيَّةَ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا - رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ - تَوَضَّاَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَامَ فَشَرِبَ فَضْلَ وَضُوْئِهٖ وَقَالَ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا صَنَعْتُ۔

حضرت ابوحیہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:
میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے تین تین دفعہ وضو کیا، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا اور فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا، جیسا میں نے کیا ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر وضو کا بچا ہوا پانی پیا۔

۲۔ اطراف: راجع: ۱۱۵

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ ابوداؤد سلیمان بن سیف: آپ کا نام ابوداؤد سلیمان بن سیف بن یحییٰ بن درھم طائی حرانی (م: ۲۷۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ، حافظ راوی ہیں۔ آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ ابوعتاب:

آپ کا نام ابوعتاب سھل بن حماد دلال مصری (م: ۲۰۸ھ) ہے، آپ رواۃ کی نویں طبقہ سے ثقہ، صدوق، صالح الحدیث راوی ہیں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (ادب المفرد) آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۳۔ شعبۃ:	راجع: ۲۶	۴۔ ابواسحاق:	راجع: ۱۱۵
۵۔ ابی حیۃ:	ایضاً	۶۔ علی:	ایضاً

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۱۲۲ ii۔ الثقات، ج ۸، ص ۲۸۱ ۲۔ i۔ تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۳۲۳ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۲۰۶

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ انسٹھویں (۵۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ ابوحید کو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقبول کیا ہے۔(۱)

☆ شیخ ابوداؤد سلیمان بن سیف رحمۃ اللہ علیہ سے آئمہ صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی روایت کیا ہے۔

☆ یہ تابعی (ابواسحاق) کی دوسرے تابعی (ابوحید) سے روایت ہے۔

☆ سند کے آخری راوی خلیفہ چہارم، داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، فاتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، آپ اہل بیت میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، رائت ایک ایک اور حدثنا، عنعنہ دو دفعہ استعمال ہے۔

۶۔لغات:

رایت علیا: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا — قام: آپ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے

شرب: آپ رضی اللہ عنہ نے نوش فرمایا — فضل وضوء: وضو کا بچا ہوا پانی

صنع: اس نے کیا۔ مراد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

۱۳۷۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَطْحَاءِ وَأَخْرَجَ بِلَالٌ فَضْلَ وَضُوئِهِ فَابْتَدَرَهُ النَّاسُ فَنِلْتُ مِنْهُ شَيْئًا وَرَكَزْتُ لَهُ الْعَنَزَةَ فَصَلَّى بِالنَّاسِ وَالْحُمُرُ وَالْكِلَابُ وَالْمَرْأَةُ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں مقام بطحا میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچا ہوا پانی لے کر نکلے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جلدی سے ان کی طرف لپکے، مجھے بھی اس میں کچھ پانی مل گیا، پھر آپ کے سامنے ایک نیزہ گاڑا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (سترہ کے آگے) سے گدھے، کتے اور عورتیں گذر رہی تھیں۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر نکلے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی طرف لپکے۔

اس جملہ میں واضح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پانی استعمال کرنے کے لئے اور حصول برکت کے لئے حاصل کر رہے تھے۔

۱۔تقریب التھذیب، ج۲، ص۴۱۸

۲۔اطراف:

صحیح مسلم :۵۰۳،الرقم المسلسل :۱۱۰۳،سنن نسائی :۴۶۶،مسند ابوداوٗد الطیالسی:۱۰۴۴،حلیۃ الاولیاء ،ج ۷،ص ۱۸۹۔۱۸۸،سنن دارمی:۱۴۰۹،مسند ابویعلیٰ:۸۹۱،المعجم الکبیر، ج ۲۲،ص ۳۲۰،مسند احمد ،ج ۴،ص ۳۰۷طبع قدیم ، مسند احمد:۱۸۷۴۴، ج ۳۱،ص ۴۱، مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)(نعمۃ الباری،ج ۱،ص ۶۱۸)

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں،جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں،باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن منصور: راجع:۲ **۲۔سفیان:** راجع:۱

۳۔مالک بن مغول: راجع:۱۲۷

۴۔عون بن ابی جحیفۃ:

آپ کا نام عون بن ابی جحیفہ وھب بن عبداللہ سوائی کوفی ہے،آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں،آپ نے خلیفہ خالد کے آخری دور میں عراق میں وفات پائی،آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔ابوجحیفۃ:

آپ کا نام ابوجحیفہ وھب بن عبداللہ سوائی (م:۷۴ھ) ہے،آپ معروف صحابی رسول ﷺ ہیں،حضرت علی کے خاص اصحاب میں آپ کا شمار ہوتا ہے،حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کا نام وھب الخفیر رکھا تھا،آپ نے بشر بن مروان کے دور حکومت میں وفات پائی۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

- ☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
- ☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ اکیانویں (۵۱) حدیث مبارکہ ہے۔
- ☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
- ☆ یہ بیٹے (عون) کی اپنے باپ (جحیفہ) سے روایت ہے۔
- ☆ سند کے پہلے راوی مکی اور باقی سارے کوفی ہیں،حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کوفی مکی راوی ہیں۔

۱۔i۔میزان الاعتدال،ج ۳،رقم:۶۵۳۰ ii۔تاریخ الاسلام،ج ۶،ص ۱۱۱ ۲۔i۔الاستیعاب،ج ۴،رقم ۱۵۶۱ ii۔اسد الغابۃ،ج ۵،ص ۹۵

☆ صحابی رسول ﷺ حضرت ابوجحیفہ وھب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی (صغریٰ) میں پہلی روایت ہے۔

☆ امام محمد بن منصور خزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت لینے میں منفرد ہیں، باقی رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت لینے میں متفق ہیں

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

شھدت: میں موجود تھا بطحا: مکہ کی وادی کا نام

اخرج: وہ نکلا ابتدر: وہ لپکا، وہ تیزی سے دوڑا

فلت: مجھے پہنچا رکزت: گاڑ دیا گیا، کھڑا کیا گیا۔ مراد ہے سترہ

لغنزۃ: ایسی لاٹھی جس کے نیچے پھل لگا ہوا ہو، مراد ہے جس لکڑی پر نیزہ ہو

الحمہ: گدھے، حمار کی جمع الکلاب: کتے۔ کلب کی جمع

یمرون: وہ سب گذر رہے تھے

۱۳۸۔اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ الْمُنْكَدِرِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُوْلُ مَرِضْتُ فَاَتَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ يَعُوْدَانِي فَوَجَدَانِي قَدْ أُغْمِيَ عَلَيَّ فَتَوَضَّاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَبَّ عَلَيَّ وَضُوْئَهُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں بیمار ہوا، تو حضور نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لئے تشریف لائے، تو مجھے بے ہوش پایا، رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا، اور اس کا پانی مجھ پر چھڑک دیا۔

۱۔مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
آپ ﷺ نے وضو کا پانی مجھ پر چھڑک دیا۔

۲۔اطراف: صحیح البخاری: ۱۹۴، ۴۵۷۷، صحیح مسلم: ۱۶۱۶، سنن ترمذی: ۲۰۹۶، سنن نسائی: ۱۳۸، سنن ابوداؤد: ۲۸۸۶، سنن ابن ماجہ: ۲۷۲۸، مسند احمد: ۳۷۷۴، سنن دارمی: ۷۳۳) (نعمۃ الباری، ج ۱۴، ص ۸۱۳)

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں، ایک کے حالات درج کیے جاتے ہیں، البتہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات دوبارہ ضبط تحریر میں لائے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن منصور: راجع: ۲ ۲۔سفیان: راجع: ۱

۳۔محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

محمد نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے محمد بن منکدر بن عبداللہ بن ہدیر بن عبدالعزیٰ ابن عامر بن حارث بن حارثہ بن سعد بن تیم بن مرہ تیمی قرشی مدنی۔

فضل وکمال:

محمد بن منکدر فضل وکمال اور زہد وتقوی میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی ثقاہت اور علمی وعملی برتری پر سب کا اتفاق ہے، اور ان کے نام کے ساتھ امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔(۱) حافظ ابن حجر آئمہ اعلام میں لکھتے ہیں۔(۲)

قراءت:

قرآن کے ممتاز قاری تھے۔امام مالک انہیں سید القراء کہتے تھے۔(۳)

حدیث:

حدیث کے بڑے نامور حافظ تھے، حافظ ذہبی امام وقت کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حدیث میں انہوں نے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا تھا۔صحابہ کرام میں ایوب انصاری، انس بن مالک، جابر، ابوامامہ بن سہیل، ربیعہ بن عبداللہ، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، ابوقتادہ، سفینہ رضی اللہ عنہم، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور تابعین میں سعید بن مسیب، عبیداللہ بن ابی رافع، عروہ بن زبیر، معاذ بن عبدالرحمٰن التیمی، سعید بن عبدالرحمٰن بن یربوع اور ابوبکر بن سلیمان رحمہم اللہ سے روایتیں کی ہیں۔(۴)

صحابہ میں بعض بزرگوں سے ان کی روایت مرسل ہیں۔لیکن علما کے نزدیک ان کی مرسلات دوسروں کی مرفوع روایت سے زیادہ لائق اعتماد ہیں، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ صدق کی کان تھے، صلحاء ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔میں نے ان کے سوا کسی کو اس کا اہل نہیں دیکھا۔کہ وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے اور بے چون وچرا مان لیا جائے۔(۵)

ابراہیم کہتے تھے کہ وہ حفظ، اتقان اور زہد کے انتہائی درجہ پر تھے اور حجۃ تھے۔(۶)

حج کا ذوق:

حج کا اتنا ذوق وشوق تھا کہ مقروض ہونے کی حالت میں بھی حج کرتے تھے کسی نے اعتراض کیا کہ آپ قرض کا بار ہوتے ہوئے بھی حج کرتے ہیں، فرمایا حج خود ہی قرض کی ادائیگی میں سب سے بڑا معین ومددگار ہے۔جب حج کو جاتے تھے تو تنہا نہ جاتے تھے بلکہ عورتوں اور بچوں سب کو ساتھ لے جاتے، کسی نے اس کے بارے میں کہا، فرمایا ان کو خدا کے سامنے پیش کرتا ہوں۔(۷)

ان کی زندگی کا اثر دوسروں پر:

ان کے دیکھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی تھی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ جب میں اپنے قلب میں قساوت محسوس کرتا تھا تو جا کر ابن منکدر کو دیکھتا تھا۔اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ چند دنوں تک نفس میری نگاہ میں مبغوض ہو جاتا تھا۔

بہترین عمل اور بہترین دنیا:

کسی نے ان سے پوچھا، آپ کے نزدیک سب سے افضل کون سی شے ہے، فرمایا مسلمانوں کو خوش کرنا، پوچھا سب سے پسندیدہ دنیا کون ہے۔ جواب دیا دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا۔(۸)

۱۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۱۳ ۲۔تہذیب، ج۹، ص۴۷۳ ۳۔تہذیب، ج۹، ص۴۴۳ ۴۔تہذیب التہذیب، ج۱۰، ص۴۷۴
۵۔تہذیب التہذیب، ج۱۰، ص۴۷۴ ۶۔تہذیب، ج۹، ص۴۷۵ ۷۔شذرات الذہب، ج۱، ص۱۷۸ ۸۔ایضاً

وفات:

۱۳۰ھ میں وفات پائی، عالم احتضار میں سخت رقت طاری ہوئی۔فرمایا مجھے اس آیت بدالهم من الله مالم يكونو ايحتسبون سے خوف ہے کہ مبادا میرے لئے بھی خدا کی جانب سے ایسی شے ظاہر ہو جو میرے وہم وگمان میں نہ ہو۔(۱)

۴۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ:

نام ونسب اور ابتدائی حالات:

جابر نام، ابوعبداللہ کنیت، قبیلہ خزرج سے ہیں نسب نامہ یہ ہے، جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ، والدہ کا نام نسیبہ تھا، جن کا سلسلہ نسب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے آبائی سلسلہ میں زید بن حرام سے مل جاتا ہے۔

سلمہ کی اولاد اگرچہ حرہ اور مسجد قبلتین تک پھیلی ہوئی ہے، لیکن خاص بنوحرام قبرستان اور ایک چھوٹی مسجد کے درمیان آباد تھے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے دادا (عمرو) اپنے خاندان کے رئیس تھے، عین الارزق (ایک چشمہ ہے) جس کو مروان بن حکم نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں درست کرایا تھا انہی کی ملکیت تھا، بنوسلمہ کے بعض حصے قلعے اور جابر بن عتیک کے قریب کے قلعے ان کے تحت وتصرف میں تھے۔

عمرو کے بعد یہ چیزیں عبداللہ کے قبضہ میں آئیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ انہی عبداللہ کے فرزند ہیں جو تقریباً ۶۰۴ء (مطابق ۳۴ عام الفیل) میں ہجرت سے ۲۰ سال قبل تولد ہوئے تھے۔

اسلام:

عقبہ ثانیہ میں اپنے والد کے ساتھ اسلام لائے اور ان کے والد کو یہ شرف حاصل ہوا کہ بنوحرام کے نقیب تجویز کئے گئے۔اس بیعت میں ان کا سن ۱۸۔۱۹ سال کا تھا۔

وفات:

یہ سنہ ان کی زندگی کا اخیر سال تھا، بالکل ضعف اور ناتواں ہو گئے تھے، آنکھوں نے جواب دے دیا تھا، عمر ۹۴ سال تک پہنچ چکی تھی، اس پر حکومت کا جبر وتشدد اور بھی وبال جان ہو رہا تھا۔عقبۂ کبیر کا نورانی منظر جن آنکھوں نے دیکھا تھا، ان میں صرف یہی ایک بزرگ باقی رہ گئے تھے، اس وقت صحابہ کرام کے طبقہ میں بھی بہت کم لوگ بقید حیات تھے۔اس بنا پر ان کا وجود عالم اسلامی میں باعث غنیمت تھا۔

حجاج کے ظلم وستم نے جس سال ان پر زور توڑا، طائر روح نے اسی سال قفس عنصری کی تیلیاں توڑیں، انتقال کے وقت وصیت کی تھی کہ حجاج جنازہ نہ پڑھائے، اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے امان نے نماز پڑھائی، اور بقیع میں دفن کیا۔تاریخ بخاری میں ہے کہ حجاج جنازہ میں آیا تھا اور تھذیب التھذیب میں لکھا ہے کہ نماز بھی پڑھائی تھی۔

اہل وعیال:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد ایک بیوہ عورت سے نکاح کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا، کسی کنواری سے کیا ہوتا کہ وہ تم سے کھیلتی، تم اس سے کھیلتے، عرض کیا کہ بہنیں خوردسال تھیں اس لئے ہوشیار عورت کی ضرورت تھی جو ان کی کنگھی کرتی، جوئیں دیکھتی، کپڑے

۱۔ایضاً۔سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۲۹۵۔۲۹۷

سی کر پہناتی، فرمایا، اصبت (۱) (تم نے ٹھیک کیا)

دوسری شادی، بنوسلمہ میں کی، اسلام میں عورت کو دیکھ کر شادی کرنے کی اجازت ہے اس لئے پیام کے بعد لڑکی کو چھپ کر دیکھ لیا، پھر شادی کی۔(۱) پہلی بیوی کا نام سہلہ بنت مسعود تھا، (۳) صحابیہ تھیں، اور انصار کے قبیلہ ظفر کی لڑکی تھیں، دوسری کا نام حارث تھا، وہ محمد بن مسلمہ بن سلمہ کی (جو قبیلہ اوس سے تھے اور معزز صحابی تھے)، بیٹی تھیں۔ (۴) اولاد کے نام یہ ہیں: عبدالرحمٰن (۵) عقیل، (۶) محمد، حمیدہ، میمونہ، ام حبیب (۷)

مکان:

مکان مسجد نبوی سے ایک میل دور تھا۔ اس لئے ایک مسجد بھی بنوائی تھی۔ (۸)

علم وفضل:

تحصیل علم کی ابتداء سرچشمہ وحی سے ہوئی، لیکن تربیت یافتگان نبوت میں جولوگ علوم وفنون کے مرکز تھے، ان کے حلقوں سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابوعبیدہ، حضرت طلحہ، حضرت معاذ بن جبل، عمار خالد بن ولید، حضرت ابو بردہ بن نیار، ابوقتادہ، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، ابوحمید ساعدی، عبداللہ بن انیس، ام شریک، ام مالک، ام مبشر، ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم (تابعیہ تھیں) سب کے سب ان کے اساتذہ میں داخل ہیں۔ (۹)

حدیث کا یہ شوق تھا کہ ایک ایک حدیث سننے کے لئے مہینوں کی مسافت کا سفر کرتے تھے، عبداللہ بن انیس کے پاس ایک حدیث تھی، وہ شام میں رہتے تھے، حضرت جابر کو معلوم ہوا تو ایک اونٹ خریدا، اور ان کے پاس جا کر کہا وہ حدیث بیان کیجئے، میں نے اس لئے عجلت کی کہ شاید میرا خاتمہ ہو جاتا اور حدیث سننے سے رہ جاتی۔ (۱۰)

اسی طریقہ سے مسلمہ بن مخلد امیر مصر سے حدیث سننے کے لئے مصر کا سفر کیا، اور حدیث کی اجازت لی، اس سفر کا تذکرہ طبرانی میں موجود ہے۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد مسند درس پر جلوہ فرما ہوئے۔ حلقہ درس مسجد نبوی میں قائم تھا، شائقین مقامات بعیدہ سے آتے تھے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، کوفہ، بصرہ، مصر میں ان کا دریائے فیض رواں تھا۔ (۱۱)

کمالات کے مظہر تفسیر وحدیث وفقہ کے فن تھے، تفسیر میں اگرچہ روایتیں زیادہ نہیں تاہم معتد بہ ہیں، لوگوں میں ورود کے معنی میں اختلاف تھا، بعض کہتے تھے کہ مسلمان جہنم میں داخل نہ ہوگا، بعض کا خیال تھا کہ سب جائیں گے، مگر مسلمان کو نجات مل جائے گی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا، فرمایا بروفاجر، نیک وبد سب جہنم میں داخل ہوں گے، لیکن اچھوں پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ پھر متقیوں کو نجات ملے گی اور ظالم اس میں رہ جائیں گے۔ (۱۲)

طلق بن حبیب کو شفاعت کا انکار تھا، انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مناظرہ کیا، اور خلود فی النار کے متعلق جتنی آیتیں قرآن میں ہیں، سب پڑھیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شاید تم اپنے کو مجھ سے زیادہ قرآن وحدیث کا عالم جانتے ہو انہوں نے کہا استغفر اللہ میرا خیال بھی نہیں ہوسکتا، ارشاد ہوا تو سنو! یہ آیتیں مشرکین کے متعلق ہیں جولوگ عذاب دینے کے بعد نکال لئے گئے ان کا اس میں ذکر نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ (۱۳)

۱۔ مسند، ج ۳، ص ۳۰۸، بخاری، ج ۲، ص ۵۸۰ ۲۔ مسند، ج ۲، ص ۲۲۴ ۳۔ فتح الباری، ج ۷ ۴۔ طبقات، ص ۲۰۲ ۵۔ مسند، ج ۳، ص ۳۳۱
۶۔ ایضاً، ج ۳، ص ۳۴۳ ۷۔ نزہتہ الابرار قلمی ۸۔ مسند، ص ۳۰۳ ۹۔ ادب المفرد بخاری
۱۰۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۱۵۹ ۱۱۔ اصابہ، ج ۱، ص ۲۳۰ ۱۲۔ مسند، ج، ص ۳۲۹ ۱۳۔ ایضاً، ص ۳۳۰

حدیث ان کی تمام کوششوں کا جولا نگاہ ہے، اشاعت حدیث ان کی زندگی کا اہم مقصد رہا، بایں ہمہ کہ کثیر الروایات تھے، اوران کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ تک پہنچتی ہیں، بیان حدیث میں نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے، ایک حدیث بیان کی سمعت کا لفظ بولنا چاہتے تھے کہ رک گئے اوراپنے اوپر موقوف کردی، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کوالفاظ پر اطمینان نہ ہوسکا۔(۱)

اخلاق وعادات:

اقامۃ حدوداللہ، جوش ایمان، اور جرأت اظہار حق، امر بالمعروف، مؤدت رسول، اتباع سنت ورفق بین المسلمین، اخلاق کی بیخ وبنیاد ہیں، اور قدرت نے جابر کونہایت فیاضی سے ان تمام چیزوں سے حصہ دیا تھا۔ اقامت حدوداللہ ہر مسلمان کا فرض ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کواس میں یگانہ وبیگانہ کا فرق وامتیاز روک نہ سکتا تھا، حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اسلمی جومدینہ کے باشندے اوراصحاب پاک میں داخل تھے ان کی حد رجم کے موقع پرخود جا کراپنے ہاتھوں سے ان کوپتھر مارے۔(۲) اظہار حق میں کسی کی وجاہت خلل انداز نہ ہوسکتی۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ انصاری قبیلہ اوس کے سرداراور بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''آج عرش اعظم جنبش میں آ گیا ہے'' حضرت براء بن عازب کو یہ حدیث معلوم تھی، لیکن وہ عرش رحمٰن کے بجائے صرف ''سریر'' کہتے تھے جس سے جنازہ کا ہلنا مراد ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے براء کا قول نقل کیا، فرمایا کہ حدیث تو یہی ہے جومیں نے بیان کی، باقی براء کا قول تو وہ باہمی بغض وعداوت وکینہ توزی کا نتیجہ اوراثر ہے، اوس اورخزرج میں اسلام سے پہلے سخت مخاصمت تھی۔(۳)

اس واقعہ کا یہ پہلوبھی یادرکھنے کے قابل ہے کہ حضرت جابر قبیلہ خزرج سے تھے اس بنا پران کوخزرجیوں کا ہم آہنگ وہمنوا ہونا چاہئے تھا۔ حجاج بن یوسف جب مدینہ کا امیر ہوکر آیا تواس نے اوقات نماز میں کچھ تقدیم وتاخیر کی، لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے، فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر کے بعد، عصر کی آفتاب کے صاف اور روشن ہونے تک، مغرب کی وقت غروب آفتاب، فجر کی تاریکی میں پڑھتے تھے، اورعشاء کے وقت لوگوں کا انتظار ہوتا تھا، اگرجلد مجمع ہوجاتا توجلد پڑھتے تھے ورنہ دیر میں۔(۴)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ نے تین برس کے لئے اپنی زمین کا پھل فروخت کردیا، ان کوخبر ہوئی تو کچھ لوگوں کو لے کرمسجد آئے اورسب کے سامنے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ جب تک پھل کھانے کے قابل نہ ہوجائیں، ان کا فروخت کرنا جائز نہیں۔ (۵) (پھر نکلنے سے قبل کیونکر جائز ہوسکتا ہے)

ایک مرتبہ ایک سرگروہ فتنہ وفساد مدینہ آیا، لوگوں نے حضرت جابر کو گھیرا کہ اس کوشر سے باز رکھئے، اس زمانہ میں وہ بینائی سے محروم ہوچکے تھے اپنے دو بیٹوں کوبلایا اوران کے کندھے پر ہاتھ رکھ کرنکلے اورکہا کہ خدااس کوہلاک کرے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوخوف میں ڈال رکھا ہے، بیٹوں نے عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہوچکے ہیں اب ان کوخوف کیسا؟ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے جس نے اہل مدینہ کوڈرایا، گویا خود مجھے ڈرایا۔(۶)

آپ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ولولہ میں ان امور میں بھی آپ کی اقتدا کرتے تھے جن میں آپ کی تقلید ضروری نہیں ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوایک مرتبہ ایک کپڑا اوڑھتے دیکھا تھا اس لئے خودبھی اسی طرح نماز پڑھی توشاگردوں نے کہا کہ آپ کے پاس چادر رکھی تھی اس کوکیوں نہ اوڑھ لیا کہ ازار اورچادر دوکپڑے ہوجاتے، فرمایا اس لئے کہ تم جیسے بے وقوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس رخصت کودیکھیں اوراعتراض کریں۔(۷)

۱۔اصابہ،ص۲۲۲ ۲۔مسند، ج۳،ص۳۸۱ ۳۔صحیح بخاری، ج۱،ص۵۳۶ ۴۔مسند۳۶۹، ج۳

۵۔ایضاً،ص۲۵۴ ۶۔ایضاً،ص۲۵۴ ۷۔مسند، ج۳،ص۲۲۰

آنحضرت ﷺ نے مسجد فتح میں تین روز (پیر، منگل، بدھ) دعا مانگی تھی، تیسرے دن نماز کے اندر قبول ہوئی تو چہرہ مبارک پر بشارت کی موجیں نور بن کر دوڑ گئیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ دیکھا تھا، چنانچہ جب کوئی مشکل آپڑتی تو اس خاص وقت میں وہاں جا کر دعا کرتے اور قبولیت واجابت کا مژدہ ساتھ لاتے تھے۔(۱)

غزوات نبوی ﷺ میں انہوں نے سرفروشی اور فدا کاری کا اعلانیہ ثبوت دیا، اور غزوہ حدیبیہ یا مشہد بیعت الرضوان میں جس قوت نے کام کیا تھا اس کا اقرار خود مصحف ناطق میں کیا گیا ہے۔ حب رسول ﷺ کے مناظر یہ ہیں:

غزوۂ خندق میں تمام لشکر بے آب ودانہ تھا اور سید کونین ﷺ ۳ دن فاقہ سے رہے اور پیٹ پر پتھر باندھ کر مہمات جنگ میں مصروف تھے، آقا ﷺ کو اس حالت میں دیکھا تو کام چھوڑ کر مکان پر گئے اور دعوت کا انتظام کیا۔(۲)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اعلیٰ قسم کے چھوہارے جن میں گٹھلی نہ تھی پیش کئے آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا تھا کہ میں گوشت سمجھا تھا، اسی وقت گھر جا کر بیوی سے کہا، انہوں نے بکری ذبح کر کے گوشت پکا دیا۔(۳)

ایک روز آنحضرت ﷺ ان کے مکان پر تشریف لے گئے آپ کی عادت شریف معلوم تھی، اٹھے اور ایک فربہ بکری کا بچہ ذبح کیا، وہ چلایا تو آپ فرمایا نسل اور دودھ کیوں قطع کرتے ہو؟ عرض کی ابھی بچہ ہے چھوہارے کھا کر اتنی موٹی ہوگئی ہے۔(۴)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرے یہ ڈھال میں چھوہارے لئے تھے شرکت کی دعوت دی، آپ نے قبول فرمائی۔(۵)

حدیبیہ سے آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلے، سقیا میں قیام ہوا، پانی موجود نہ تھا، حضرت معاذ بن جبل کی زبان سے نکلا کوئی پانی لاتا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ دانصار کو لے کر پانی کی تلاش میں روانہ ہوئے ۲۳ میل چل کر اثایہ میں پانی ملا وہاں سے مشکوں میں بھر کر لائے عشا کے بعد دیکھا تو ایک شخص اونٹ پر سوار حوض کی طرف جا رہا ہے، یہ آنحضرت ﷺ تھے، بڑھ کر مہار تھام لی اونٹ کو بٹھایا، آنحضرت ﷺ نے اتر کر نماز پڑھی خود بھی پہلو میں کھڑے ہو کر نماز میں شریک ہوئے۔(۶)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر پڑے تھے وہ عیادت کو آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو کبھی قرض کی ضرورت ہوتی تو ان سے لیتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ قرض لیا تھا۔(۷) اور ادائیگی کے وقت بطور اظہار خوشنودی کچھ زیادہ دیا۔(۸)

رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی، ایک خاص واقعہ میں ان کے لئے ۲۵ مرتبہ استغفار فرمایا تھا، (اصابہ، تذکرہ جابر رضی اللہ عنہ) ایک مرتبہ بیمار پڑے تو خود عیادت کے لئے تشریف لائے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بے ہوش تھے آپ ﷺ نے وضو کر کے پانی کے چھینٹے دیئے تو ہوش آیا اس وقت تک ان کے کوئی اولاد نہ تھی، باپ بھی فوت ہو چکے تھے شریعت میں ایسے شخص کے وارث کو کلالہ کہتے ہیں چونکہ زندگی سے ناامید ہو چکے تھے عرض کیا کہ میں مر گیا تو کلالہ وارث ہوگا۔ فرمایئے میراث کیونکر تقسیم کروں؟ کیا دو ثلث بہنوں کو دے دوں؟ فرمایا اچھا دے دو۔ عرض کیا خواہ نصف؟ فرمایا ہاں، یہ کہہ کر باہر تشریف لائے، پھر واپس ہوئے اور آ کر کہا جابر! تم اس مرض میں نہ مرو گے تمہارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ (۹) ''تم سے (اے پیغمبر ﷺ) لوگ کلالہ کے بارے میں استفسار کرتے ہیں کہو کہ خدا کا اس کے متعلق یہ فتویٰ ہے''۔

۱۔ مسند، ج ۳، ص ۳۷۷ ۲۔ ایضاً ص ۳۷۷ ۳۔ ایضاً ص ۳۳۴ ۴۔ مسند، ج، ص ۳۹۶ ۵۔ ایضاً ص ۳۹۷
۶۔ مسند، ج ۳، ص ۳۸۰ ۷۔ ایضاً ص ۳۰۰ ۸۔ ایضاً ص ۳۰۲ ۹۔ النساء: ۱۷۶

تم بہنوں کو دو ثلث دے سکتے ہو۔(۱)

بیعت الرضوان کی بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی لوگ اس جگہ کو متبرک سمجھ کر نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کٹوا دیا، میسب بن حزن کا بیان ہے کہ اس درخت کو ہم دوسرے ہی سال بھول گئے تھے، (۲) لیکن جابر رضی اللہ عنہ کو برسوں کے بعد بھی یاد تھا، اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، حدیبیہ کا قصہ بیان کیا تو فرمایا آج آنکھیں ہوتیں تو وہ موقع دکھلا دیتا۔(۳)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اور متفق علیہ ہے، آئمہ صحاح ستہ نے اس کو روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایات رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ نویں (۹) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ ترین سند ہے۔
☆ اسی طرح امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی اعلیٰ ترین سند رباعیات ہے۔
☆ رباعیات سے مراد یہ ہے کہ مصنف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چار واسطے ہیں۔
☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ ترین سند ثلاثیات ہے۔
☆ سند کا عالی ہونا محدثین کرام کے ہاں بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی مکی، دوسرے کوفی، تیسرے اور چوتھے مدنی ہیں۔
☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما خود بھی صحابی اور والد بھی صحابی تھے۔
☆ سند میں اخبرنا، عنعنہ ایک ایک دفعہ اور سمعت دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

مرضت: میں بیمار ہوا   فاتانی: وہ دونوں میرے پاس آئے
یعودانی: ان دونوں نے میری عیادت کی   وجدانی: ان دونوں نے مجھے پایا
قداغمی: تحقیق بے ہوشی طاری تھی   صب: اس نے چھڑکا، مراد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی چھڑکا

۷۔ مسائل ونصائح:

ان تینوں احادیث مبارکہ کی تشریح وتوضیح کے بارے میں علماء کرام کی آراء درج ذیل ہیں:

☆ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچے ہوئے پانی کی طہارت اور برکت:

۱۔ مسند، ج ۳، ص ۲۹۸، ۳۷۲   ۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۹۹   ۳۔ ایضاً ص ۵۹۸۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، انصار اول، ص ۱۶۹۔۱۷۷

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو لینے لگے، پھر اس پانی کو اپنے اوپر ملتے۔

☆ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے اور ان کے وضو، ان کے طعام، ان کے مشروب اور ان کے لباس کی بچی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنے کا ثبوت ہے۔(۱)

☆ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

گویا کہ آپ کے وضو سے جو پانی بچا تھا، اس کو صحابہ نے تقسیم کر لیا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء سے لگ کر جو وضو کا پانی گرا تھا، اس کو صحابہ نے حاصل کیا تھا اور اس حدیث میں وضو کے مستعمل پانی کے طاہر ہونے کی واضح دلیل ہے۔(۲)

☆ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں وضو کے مستعمل پانی کے طاہر ہونے پر واضح دلیل ہے، اور اس پانی سے مراد وہ پانی ہے، جو آپ کے اعضا سے لگ کر گرا تھا، اور اگر اس سے مراد وہ پانی ہو، جو آپ کے وضو کے بعد برتن میں بچ گیا تھا تو اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ اس پانی کو بہ طور تبرک لے رہے تھے، یہ پانی طاہر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ لگنے کی وجہ سے اس کی طہارت زیادہ ہو گئی تھی، نیز اس حدیث میں آثار صالحین سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے اور یہ سفر کا واقعہ ہے، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ سفر میں چار رکعت نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھا جاتا ہے اور جب صحراء میں نماز پڑھی جائے تو امام کے سامنے نیزے کو بہ طور سترہ گاڑ دینا چاہئے۔(۳)

☆ ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پانی سے مراد برتن میں بچا ہوا پانی بھی ہو سکتا ہے اور وہ پانی بھی مراد ہو سکتا ہے، جو آپ کے اعضا مبارکہ سے لگ کر گرا تھا، حضرت سائب بن یزید نے اس پانی کو پیا تھا۔(۴)

یہ زیادہ مناسب ہے، کیونکہ حضرت سائب نے اس پانی کو تبرک کے قصد سے پیا تھا اور اس صورت میں یہ حدیث مستعمل پانی کی طہارت پر دلیل ہوگی اور اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پانی انہوں نے دوا اور علاج کے طور پر پیا تھا، یعنی یہ مستعمل پانی نجس ہی تھا۔ (یہ جواب مردود ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے لگ کر گرنے والا پانی نجس نہیں ہو سکتا۔ سعیدی غفرلہ) یا مستعمل پانی کا پاک ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص میں سے ہے یا یہ ابتداء کا واقعہ ہے اور مستعمل پانی کا طاہر نہ ہونا بعد کا حکم ہے، اور امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق فتویٰ اس پر ہے کہ مستعمل پانی پاک ہے اور علامہ ابن حجر مکی نے اپنی شرح میں یہ کہا ہے کہ جو پانی آپ کے اعضا سے لگ کر بہا ہو، وہ نجس نہیں ہے، اسی وجہ سے ہمارے اکثر اصحاب کا مختار یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات بھی طاہر ہیں۔(۵)

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے بھی اس حدیث کی شرح میں بعینہ یہی تقریر کی ہے، نیز انہوں نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن سے لگنے کی وجہ سے وہ مستعمل پانی نجس نہیں ہوا، حالانکہ بعض علماء نے آپ کے فضلات کو بھی پاک کہا ہے کیونکہ آپ کا وجود سرتاپا ظاہر و باطن مزکی و مطہر ہے، یعنی پاک کرنے والا ہے۔(۶)

۱۔ صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۳، ص ۱۷۳۵ ۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۷۲۹ ۳۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۱۱۱

۴۔ صحیح البخاری: ۱۹۰، صحیح مسلم: ۲۳۴۵، سنن ترمذی: ۳۶۴۳ ۵۔ مرقاۃ: ۴۷۶، ج ۲، ص ۱۷۳

۶۔ اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۲۶۲۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۱۸۔۶۱۹

☆ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے غسالہ سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے، اس کی تائید بخاری شریف میں ہے:

ان عروۃ جعل یرمق اصحاب النبی ﷺ بعینیه قال فواللہ ماتنخم رسول اللہ ﷺ نخامة الا وقعت فی کف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده واذا امرهم ابتداردا امره وان ترضا کادوا ان یقتلون علی وضوله ۔(۱)

عروہ بیان کرتے ہیں کہ (صلح حدیبیہ کے موقعہ پر) میں نبی ﷺ کے صحابہ کو غور سے دیکھ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ جب بھی ناک صاف کرتے تو کوئی نہ کوئی صحابی ہاتھ آگے بڑھا کر اس رینٹ کو اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا۔ حضور ﷺ جب کوئی حکم دیتے تو سب اس کی تعمیل میں دوڑ پڑتے اور جب آپ وضو کرتے تو آپ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو حاصل کرنے کے لئے صحابہ اس طرح جھپٹ پڑتے گویا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کے جسم سے لگے ہوئے پانی یا آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو صحابہ کرام اپنے جسم سے ملنے کے لئے اس قدر بیتاب رہتے تھے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹ پڑتے، اس سے ایک طرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو رسول اللہ ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔ دوسری طرف یہ پتا چلتا ہے کہ بزرگوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ ان کو منع فرما دیتے۔

رسول اللہ ﷺ ناک بھی صاف کرتے تو اس رینٹ کو کوئی نہ کوئی صحابی اپنے ہاتھ میں لے لیتا اور اس کو اپنے چہرہ اور جسم پر ملتا۔

رینٹ طبعاً مکروہ اور گھناؤنی ہوتی ہے اگر رسول اللہ ﷺ بھی عام آدمیوں کی طرح ہوتے اور آپ کی رینٹ عام آدمیوں کی طرح ہوتی تو کیوں صحابہ اس کے حصول کے لئے اس قدر بے تاب ہوتے اور جب وہ رینٹ برف سے زیادہ شفاف ہو، مشک وعنبر سے بہتر خوشبودار ہو شہد سے زیادہ میٹھی تو کون بد بخت ہوگا جو اس کے حصول کی خواہش نہ رکھتا ہوگا۔

☆ رینٹ تو دور کی بات ہے رسول اللہ ﷺ کا پیشاب مبارک بھی طیب وطاہر تھا، صحابہ کرام اس کو پی لیتے، اگر کوئی شخص پچھنے لگا کر علاج کی خاطر آپ کی رگ کاٹتا تو آپ کا جو خون نکلتا اس کو پی لیتا۔

☆ امت کے حق میں آپ کے تمام فضلات کریمہ طاہر ہیں۔

علامہ سیوطی مسند ابویعلیٰ، حاتم، دارقطنی اور ابونعیم کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

عن ام ایمن قالت قام النبی ﷺ من اللیل الی فخاته فی جانب البیت فبال فیها فقمت من اللیل وانا عطشانة فشربت ما بینها فلما اصبح اخبرته فضحك وقال انك لن تشتكی بطنك بعد یومك هذا ابدًا۔(۲)

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کو اٹھ کر گھر کی ایک جانب رکھے مٹی کے برتن میں پیشاب کیا پھر میں رات کو اٹھی میں پیاسی تھی، میں نے اس پیشاب کو پی لیا۔ صبح میں نے حضور ﷺ کو بتلایا آپ ہنسے اور فرمایا آج کے بعد تمہیں کبھی پیٹ کی بیماری نہیں ہوگی۔

☆ علامہ شامی لکھتے ہیں:

فضلاته علیه الصلوٰۃ والسلام طاهرة کما جزم به البغوی وغیره وهو المعتمد لان ام ایمن برکة الحبشیة شربت بوله ﷺ فقال لن یبلغ النار بطنك صححه الدارقطنی وقال ابوجعفر الترمذی دم النبی ﷺ طاهر لان اباطیبة شربه وفعل مثل ذلك ابن الزبیر وهو غلام حسین اعطاه النبی ﷺ دم حجامته لیدفنه فشربه فقال النبی ﷺ من خالط دمه

۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۳۷۹

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ، خصائص کبریٰ، ج ۱، ص ۱۷۷، طبع مصر

دمی لم تمسه النار۔وهذاالاحاديث مذكورة فی كتب الحديث الصحيحة و ذكرها فقهاء نا وتبعهم الشافعية كالشربينی فی شرح الغاية و فقهاء مالكية والحنابلة فكانت كالمجمع عليه فحيث ثبت ان فضلاة عليه الصلوٰة والسلام تبخی من النار فكيف من ربی من دمها ولحمهاد ربی من بطنها دمن كان من اصل خلقته الشريفة يدخل النار۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کے فضلات طاہر ہیں، جس طرح بغوی اوران کے علاوہ علماء نے بیان کیا ہے اور یہی بات صحیح ہے، کیونکہ ام ایمن برکہ حبشیہ نے رسول اللہ ﷺ کا پیشاب پی لیا تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تمہارا پیٹ کبھی جہنم میں نہیں جائے گا، اس حدیث کو دارقطنی نے صحیح قرار دیا ہے اور ابو جعفر ترمذی نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کا خون پاک ہے کیونکہ ابوطیبہ نے اس کو پیا۔ اور جب حضور نے اپنی رگ سے نکلوایا ہوا خون ابن زبیر کو دفن کرنے کے لئے دیا تو انہوں نے اس کو پی لیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے خون کے ساتھ میرا خون مل جائے گا وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ یہ روایات احادیث کی کتب میں موجود ہیں اوران کو ہمارے فقہاء نے ذکر کیا ہے، اور شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء نے بھی اس کی موافقت کی ہے۔ اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فضلات سے جہنم سے نجات ملتی ہے تو (آپ کی والدہ) جن کے خون اور گوشت سے آپ کی پرورش ہوئی اور جن کے پیٹ میں آپ رہے اور آپ کے تمام آباؤ اجداد جو آپ کی خلقت کی اصل ہیں وہ کیسے جہنم میں جائیں گے؟

☆علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقد تكاثرت الادلة علی طهارة فضلاته وعدالائمة ذلك من خصائصه۔(۲)

رسول اللہ ﷺ کے فضلات کی طہارت پر بہ کثرت دلائل قائم ہیں اور آئمہ نے اس بات کو حضور ﷺ کی خصوصیت قرار دیا ہے۔

☆علامہ بدرالدین حنفی حضور ﷺ کے وضو والے پانی سے تبرک کی بحث میں فرماتے ہیں:

الماء الذی يتقاطرمن اعضائه الشريفة فابو حنيفة ينكر هذاويقول نجاسته ذٰلك فحاشامنه و كيف يقول ذلك وهو يقول بطهارة بوله وسائر فضلاته (۳)

(باوجوداس بات کے کہ امام ابوحنیفہ مستعمل پانی کی نجاست کے قائل ہیں) جو پانی حضور کے جسم سے لگ کر گرتا ہے اس کو وہ نجس نہیں کہتے وہ اس قول سے بالکل بری ہیں اور وہ اس پانی کی نجاست کا قول کیسے کر سکتے ہیں جب کہ وہ حضور ﷺ کے پیشاب اور تمام فضلات کو پاک قرار دیتے ہیں۔

☆ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومن ثم اختار كثيرون عن اصحابنا طهارة فضلاته عليه السلام ۔(۴)

۱۔علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، الفتاویٰ الحامدیہ، ج۲، ص۳۶۵

۲۔علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، فتح الباری، ج۱، ص۲۸۳، طبع مصر

۳۔علامہ بدرالدین حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، جز۳، ص۷۹

۴۔ملاعلی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، ج۲، ص۵۳

اور اس وجہ سے ہمارے کثیر علماء نے رسول اللہ ﷺ کے فضلات کی طہارت کا قول کیا ہے۔

ان عبارات سے ظاہر ہو گیا کہ تمام علماء اسلام کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی بشریت مبارکہ عام بشری غلاظتوں سے پاک، صاف، منزہ اور طیب وطاہر ہے، حضور ﷺ کے فضلات ایسے خوشبودار اور خوش ذائقہ ہوتے تھے کہ جس صحابی کو موقعہ ملتا وہ ان فضلات کو حاصل کر لیتا اور ان فضلات کی برکت سے دنیا اور آخرت کی فلاح حاصل کرتا، علامہ شامی نے جس طرح نبی علیہ السلام کے خون کی مس سے حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد کا جہنم سے نجات یافتہ ہونا ثابت کیا ہے اس پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قیامت تک رسول اللہ ﷺ کی نسل جو حضور ﷺ کے خون سے ہے ان شاء اللہ وہ بھی جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گی۔(۱)

☆ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے آثار سے حصول برکت کا عدم جواز:

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ نبی ﷺ کے آثار سے برکت حاصل ہوتی ہے کیونکہ نبی ﷺ نے جب وضو کیا اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما پر پانی ڈالا تو وہ ہوش میں آ گئے، لیکن کیا رسول اللہ ﷺ کے غیر کی طرف بھی برکت کا پہنچانا متعدی ہوتا ہے؟ اس کا جواب ہے کہ نہیں! پسینہ سے تبرک حاصل کرنا یا کپڑے سے تبرک حاصل کرنا یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے برکت حاصل کرنا یا اس کے مشابہ دیگر چیزوں سے برکت حاصل کرنا یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے اور کوئی دوسرا آپ کے ساتھ اس میں شریک نہیں۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے آپس میں ایک دوسرے کے آثار سے برکت حاصل نہیں کی، پس نہ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آثار سے برکت حاصل کی، نہ حضرت عمر، نہ حضرت عثمان اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہم کے آثار سے برکت حاصل کی، اور جب انہوں ان عظیم صحابہ سے برکت حاصل نہیں کی باوجود اس کے کہ سبب قائم تھا تو معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے غیر سے برکت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ شیخ ابن عثیمین کی عبارت پر علامہ سعیدی کا تبصرہ اور اولیاء اللہ کی برکتوں کا ثبوت:

میں کہتا ہوں: یہ درست ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے آثار میں اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے جو برکتیں رکھی ہیں غیر انبیاء کے آثار میں وہ برکتیں نہیں ہوتیں۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے غیر انبیاء علیہم السلام کو بھی خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۲)

اور اگر اللہ بعض لوگوں (کے شر) کو بعض (نیک) لوگوں کے سبب سے دور نہ فرماتا تو ضرور زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔

☆ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں:

امام ابن جریر اور امام ابن عدی نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ نیک مسلمانوں کے سبب سے اس کے پڑوس کے سو گھروں سے بلاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

☆ امام ابن جریر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ ایک نیک مسلمان کے سبب اس کی اولاد، اولاد در اولاد اور اس کے اہل خانہ اور اس کے پڑوس کی اصلاح فرما دیتا ہے اور جب تک وہ شخص ان میں رہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ ان کی حفاظت فرماتا ہے۔

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۳۲۶۔۱۳۲۹

۲۔ البقرہ: ۲۵۱

☆امام ابن ابی حاتم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نمازیوں کے سبب سے بے نمازیوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے اور حج کرنے والوں کے سبب سے حج نہ کرنے والوں سے عذاب کو دور کر دیتا ہے، زکوٰۃ دینے والوں کے سبب سے زکوٰۃ نہ دینے والوں کے عذاب کو دور کر دیتا ہے۔

☆امام احمد، حکیم ترمذی اور امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شام میں چالیس ابدال ہیں، جب بھی ان میں سے کوئی شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو اس کا بدل بنا دیتا ہے، ان کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے اور ان کے سبب سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے: ان کے سبب سے روئے زمین سے بلاء اور غرق کئے جانے کو دور کیا جاتا ہے۔

☆امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں تیس ابدال ہیں، انہی کے وسیلہ سے زمین قائم ہے، انہی کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے اور انہی کے وسیلہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ (۱)

☆نیز حافظ ابن کثیر شافعی دمشقی متوفی ۷۷۴ھ نے اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل آیت کو بھی ذکر کیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (۲)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور راہبوں کی عبادت گاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں گرادی جاتیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا بہ کثرت ذکر کیا جاتا ہے۔

☆حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ نے اس آیت کی تفسیر میں جو احادیث ذکر کی ہیں ان احادیث کو بھی حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے اور درج ذیل حدیث بھی ذکر کی ہے:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں ہمیشہ سات آدمی ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی، جن کی وجہ سے تم پر بارش ہوگی اور جن کے سبب سے تم کو رزق دیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم (قیامت) آجائے گا۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ (۴)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی نداء کرتے ہوئے سنا کہ (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔

صحیح البخاری: ۱۳۳۹، صحیح مسلم: ۲۳۷۲ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کو ابھی موت آجائے، اور اللہ تعالیٰ ان کو بیت المقدس سے اتنی دور کر دے جتنی دور ایک پتھر پھینکنے سے جاتا ہے۔ الحدیث

☆علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۱۔ الدر المنثور، ج۱، ص۳۲۰ ۲۔ الحج: ۴۰ ۳۔ تفسیر القرآن العظیم، ج۱، ص۳۴۶ ۴۔ آل عمران: ۱۹۳

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک مقامات پر صالحین کی قبروں کے پاس میت دفن کرنا مستحب ہے۔(۱)

☆ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ لکھتے ہیں:

حرمین طیبین، انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور اولیاء اور شہداء کی قبروں کے پاس دفن کرنا تا کہ ان کے جوار سے برکتیں حاصل ہوں اور ان پر جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کے بقیہ آثار ان پر نازل ہوں، یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کی وجہ سے مستحب ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اس لئے کی تھی کہ ان کو ان انبیاء علیہم السلام کا قرب مقصود تھا جو بیت المقدس میں مدفون ہیں، قاضی عیاض مالکی کی بھی یہی تحقیق ہے۔(۲)

☆ علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے جوار میں دفن ہونا اس لئے پسند کیا تھا تا کہ آپ کو اس جگہ کی برکتیں حاصل ہوں اور جو صالحین وہاں مدفون ہیں ان کے قرب کی وجہ سے آپ کو فضیلت حاصل ہو۔ اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مبارک جگہوں اور صالحین کی قبروں کے پاس دفن ہونے میں رغبت کرنی چاہئے۔(۳)

امام مسلم اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ زمین میں اللہ، اللہ نہ کہا جائے۔ اور دوسری روایت میں ہے: قیامت اس وقت تک کسی شخص پر قائم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اللہ، اللہ کہہ رہا ہوگا۔(۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روئے زمین صرف اللہ اللہ کرنے والوں کی برکت سے قائم ہے اور جب زمین پر اللہ اللہ کرنے والے نہیں رہیں گے تو قیامت آ جائے گی۔

نیز متعدد مستند کتب میں مذکور ہے: بعض صحابہ اور صلحاء کی قبروں پر جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرما لیتا ہے اور اگر بارش نہ ہوتی ہو اور ان کی قبروں کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے نزول کی دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ بارش نازل فرما دیتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی یہ کرامت مشہور ہے۔

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ (۵)

اور رہی وہ دیوار تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا، تو آپ کے رب نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے اپنا خزانہ نکال لیں۔

امام عبدالرحمن بن علی محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابوالدارداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: وہ خزانہ سونے اور چاندی کا تھا۔(۶)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (یعنی حضرت خضر نے کہا) ''اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا''۔

امام عبدالرحمن بن محمد ابن ابی حاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ لکھتے ہیں:

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۸، ص ۱۵۰ ۲۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۲۰۷ ۳۔ اکمال اکمال المعلم، ج ۸، ص ۱۳۲

۴۔ صحیح مسلم: ۱۴۸، سنن ترمذی: ۲۲۰۷، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۰۷ ۵۔ الکہف: ۸۲ ۶۔ سنن ترمذی: ۳۱۵۲، الکامل لابن عدی، ج ۷، ص ۲۸۔۲۳

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ ان کا باپ لوگوں کی امانتوں کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو ادا کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کے باپ کی نیکیوں کی برکت سے ان لڑکوں کے مال کی حفاظت کرائی، کیونکہ ان لڑکوں کی کوئی نیکی ذکر نہیں فرمائی۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ باپ کی نیکی کی برکت سے اس کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے کے ساتھ نیکی فرماتا ہے اور اس کی ذریت کی حفاظت فرماتا ہے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے ستر اور اس کی حفاظت میں رہتے ہیں۔ (۱)

☆ امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں:

جعفر بن محمد نے بیان کیا: ان لڑکوں کے درمیان اور اس نیک باپ کے درمیان سات آباء تھے، اور محمد بن المنکدر نے بیان کیا کہ اللہ عزوجل کسی ایک بندہ کی نیکی کی برکت سے اس کی اولاد، اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے محلے والوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ (۲)

☆ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

وہ مرد صالح ان کی پشت کے اعتبار سے ساتویں باپ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ دسویں باپ تھے، ان کے والد کا نام کاشح تھا، اور ان کی والدہ کا نام دنیا تھا۔ اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کسی نیک شخص کی حفاظت بھی فرماتا ہے اور اس کی اولاد کی بھی حفاظت فرماتا ہے خواہ وہ اس سے نسبت میں بعید ہو، اور یہ بھی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نیک آدمی کی اولاد کی سات پشتوں تک حفاظت فرماتا ہے اور اس پر قرآن مجید کی درج ذیل آیت دلالت کرتی ہے:

إِنَّ وَلِيِّـيَ اللّـٰهُ الَّـذِيْ نَـزَّلَ الْـكِتَـابَ وَهُـوَ يَتَـوَلَّـى الصَّالِحِيْنَ (۳) (آپ کہیے:) بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور وہ صالحین کا ولی ہے۔

ان ٹھوس دلائل اور مستند حوالہ جات سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں اور متقین اور ابرار کو برکتیں عطا فرماتا ہے اور ان کی برکتوں سے بعد کے لوگوں کو فیض پہنچاتا ہے، اس لئے اولیاء اللہ کی تعظیم اور تکریم کرنی چاہئے اور ان کے متعلق کسی ناگفتہ بہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء کرام اور متقین اور ابرار کے دامن سے وابستہ رکھے اور ان کے فیضان کو ہم پر سایا فگن رکھے۔ شیخ ابن عثیمین چونکہ نجدی افکار اور نظریات کے حامل ہیں اس لئے جہاں ان کو موقع ملتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کی تنقیص کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کے فیضان کی نفی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بدعقیدگیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (۴)

☆ سترہ کے بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ نے بڑی جامع و مانع بحث لکھی ہے۔ جو من و عن نقل کی جاتی ہے۔

مسجد میں سترہ کی بحث:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

۱۔ تفسیر امام ابن ابی حاتم، رقم الحدیث: ۱۲۸۸۳، ۱۲۸۸۲، جامع البیان، رقم: ۱۷۵۴۴

۲۔ الوسیط، ج ۳، ص ۱۶۳، معالم التنزیل، ج ۳، ص ۱۴۷، النکت والعیون، ج ۳، ص ۳۳۶، زاد المسیر، ج ۵، ص ۱۸۲، تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۱۰۰، تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۴۹۲، روح المعانی جز ۱۶، ص ۱۹۔۲۰

۳۔ الاعراف: ۱۹۶۔ الجامع لاحکام القرآن جز ۱۰، ص ۴۱۱ ۴۔ نعمۃ الباری، ج ۱۴، ص ۸۱۵۔۸۱۹

عن ابی صالح السمان قال رایت اباسعید الخدری فی یوم جمعة یصلی الی شیء یستره من الناس فار ادشاب من بنی ابی معیط ان یجتازبین یدیه فدفع ابو سعید فی صدره فنظر الشاب فلم یجدمساغاالابین یدیه نداد یجتاز فدفعه ابو سعید اشد من الاولیٰفنال من ابی سعید ثم دخل علی مروان فشکا الیه مالقی من ابی سعید و دخل ابو سعید خلفه علی مروان فقال مالك ولابن اخیك یااباسعید قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا صلی احد کم الی شئی یستره من الناس فاراد احدان یجتاز بین یدیه فلید فعه فان ابی فلیقاتله فانما هو شیطان ،(۱)

ابوصالح سمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا جمعہ کے دن حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ایک سترہ قائم کر کے نماز پڑھ رہے تھے، بنوابومعیط کے ایک جوان نے ان کے سامنے سے گذرنا چاہاتو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس کے سینہ پر مار کرروکا، اس جوان نے دیکھاتو اسے ان کے آگے سے گذرنے کی اور کوئی جگہ نظر نہیں آئی وہ دوبارہ گذرنے کے لئے لوٹا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کو پہلے کی بہ نسبت زیادہ زور سے دھکا دیا، اس جوان کو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ پر غصہ آیا اس نے مروان کے پاس جا کر حضرت ابوسعید کی شکایت کی، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے مروان کے پاس چلے گئے، مروان نے کہا: اے ابوسعید رضی اللہ عنہ آپ کے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان کیا مناقشہ ہوا، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب تم میں سے کوئی شخص سترہ قائم کر کے نماز پڑھے اور پھر کوئی اس کے آگے سے گذرنا چاہے تو وہ اس کو دفع کرے اور اگر وہ نہ مانے تو اس سے قتال کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔

عن ابی جهیم قال قال رسول الله ﷺ لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذاعلیه لکان ان یقف اربعین خیر اله من ان یمر بین یدیه قال ابو النضر لاادری اقال اربعین یوما اوشهوا اوسنة۔(۲)

حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر نمازی کے آگے سے گذرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس کو کتنا عذاب ہوگا تو اس کے لئے چالیس تک ٹھہرنا نمازی کے آگے سے گذرنے سے بہتر ہو، ابوالنضر نے کہا مجھے معلوم نہیں چالیس دن کہا یا چالیس ماہ یا چالیس سال۔

☆علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

نمازی کے آگے سترہ قائم کرنے کے متعلق تین قول ہیں۔(۱) امام احمد نے کہا سترہ قائم کرنا واجب ہے کیونکہ امام حاکم نے سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بغیر سترہ قائم کئے نماز نہ پڑھو، اور کسی کو اپنے سامنے سے گذرنے نہ دو۔(۲) امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک نے کہا سترہ قائم کرنا مستحب ہے۔(۳) امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ سترہ کو ترک کرنا مستحب ہے، ہمارے فقہا نے کہا ہے کہ اصل میں سترہ مستحب ہے اور اس میں چند مباحث ہیں:

سترہ کا حکم:

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک سترہ مستحب ہے اور امام احمد کے نزدیک واجب ہے۔

۲۔نمازی کے سامنے کتنی جگہ سے گذرنا مکروہ ہے؟ شمس الائمہ سرخسی، شیخ الاسلام اور قاضی خاں کا مختار یہ ہے کہ نمازی کے سجدہ کی جگہ سے گذرنا مکروہ

۱۔امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۷۳

۲۔امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری، ج ۱، ص ۷۳

ہے، ایک قول یہ ہے کہ دو یا تین صفوں کی مقدار سے گذرنا مکروہ ہے، ایک قول تین ذراع کا ہے (ایک ذراع تقریباً نصف میٹر کے برابر ہے) ایک قول پانچ ذراع کا ہے اور ایک قول چالیس ذراع کا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول تین ذراع کا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی حد معین نہیں کی لیکن اتنی جگہ ہو جس میں نمازی رکوع اور سجود کر رہا ہو اور وہ گذرنے والے کو دفع کرنے پر قادر ہو۔

۳۔ جو شخص صحرا میں نماز پڑھے اس کے لئے بھی سترہ قائم کرنا مستحب ہے، امام ابو داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھے اگر اسے کوئی چیز نہ ملے تو اپنی لاٹھی گاڑے اور اگر اس کے پاس لاٹھی نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے پھر اگر اس کے سامنے سے کوئی گذرے تو اس کو ضرر نہیں ہوگا۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ، سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ، اسماعیل بن امیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس میں ضعف اور اضطراب ہے، امام بیہقی نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

سترہ کی مقدار:

سترہ کی مقدار کم از کم ایک ذراع تقریباً نصف میٹر ہونی چاہئے کیونکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ سے سترہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا پالان کے پچھلے ڈنڈے کے برابر ہو۔

۵۔ موٹائی میں سترہ کم از کم ایک انگلی کے برابر ہوتا کہ دیکھنے والے کو دور سے نظر آ جائے۔

۶۔ نمازی سترہ کے قریب کھڑا ہو، امام بخاری نے حضرت سہل سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ اور نمازی کے درمیان ایک بکری کے گذرنے کی جگہ ہوتی تھی، علامہ قرطبی مالکی نے کہا ہے کہ بکری کے گذرنے کی جگہ کا اعتبار اس وقت ہے جب نمازی کھڑا ہو، اور حضرت بلال نے بیان کیا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں نماز پڑھی تھی تو رکوع اور سجود کے وقت آپ کے اور قبلہ کے درمیان تین ذراع کا فاصلہ تھا، اور امام مالک نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے لیکن سترہ اور نمازی میں اتنا فاصلہ ہو کہ نمازی رکوع اور سجود کر سکے اور اپنے سامنے سے گذرنے والے کو دفع کر سکے، امام شافعی، امام احمد اور عطاء نے کہا ہے کہ تین ذراع کا فاصلہ ہو، امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل اپنے اور سترہ کے درمیان چھ ذراع کا فاصلہ رکھتے تھے۔

(۷)۔ سترہ اپنی دائیں یا بائیں آنکھ کے سامنے رکھے، کیونکہ امام ابو داؤد نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی لکڑی، ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا مگر آپ اس کو اپنی دائیں یا بائیں بھوؤں کے سامنے کرتے اور اس کا قصد نہیں کرتے تھے۔

۸۔ امام کا سترہ قوم کا سترہ ہوتا ہے، امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ بلوغت کے قریب تھے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں بغیر کسی دیوار کے نماز پڑھا رہے تھے میں بعض صفوں کے آگے سے گدھی پر سوار ہو کر گذرا پھر میں نے گدھی کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا اور صف میں داخل ہو گیا اور کسی نے مجھ پر انکار نہیں کیا، اس پر تمام آئمہ کا اتفاق ہے کہ امام کا سترہ قوم کا سترہ ہوتا ہے۔

۹۔ ہمارے فقہاء نے یہ ذکر کیا ہے کہ سترہ کے نصب کرنے کا اعتبار ہے سترہ کو زمین پر ڈالنے اور خط کھینچنے کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ مقصود آڑ ہے وہ سترہ کو

ڈالنے اور خط کھینچنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ شیخ الاسلام نے مبسوط میں لکھا ہے کہ جب زمین نرم ہو تو سترہ کو نصب کر دیا جائے اور جب زمین سخت ہو اور سترہ کو نصب کرنا ممکن نہ ہو تو سترہ کو زمین پر رکھ دیا جائے کیونکہ جس طرح سترہ کو نصب کرنے کی روایت ہے اس کو رکھنے کی بھی روایت ہے لیکن اس کو طولاً رکھ دیا جائے۔ عرضاً نہ رکھا جائے اور خط نہ کھینچا جائے کیونکہ خط کھینچنا اور نہ کھینچنا برابر ہے کیونکہ وہ دیکھنے والے کو دور سے نظر نہیں آتا، امام شافعی نے کہا اگر نصب کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ملے تو طولاً خط کھینچ دے۔ بعض متاخرین نے اس قول پر عمل کیا ہے، محیط میں ہے یہ قول غلط ہے، قرافی نے ذخیرہ میں لکھا ہے کہ خط باطل ہے اور یہی جمہور کا قول ہے، علامہ اشہب (مالکی) نے اس کو جائز کہا ہے، سعید بن جبیر، امام اوزاعی اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے لیکن بعد میں امام شافعی نے خط سے منع کیا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں خط کھینچنے کا ذکر ہے اس کے متعلق عبدالحق نے کہا ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، ابن حزم نے محلی میں کہا خط کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کا قول کرنا صحیح نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر سترہ مغصوبہ ہو تو یہ ہمارے نزدیک معتبر ہے اور امام احمد کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص غصب شدہ کپڑوں کے ساتھ نماز پڑھے تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے۔

۱۱۔ نمازی کے لئے اپنے سامنے سے گذرنے والے کا کیا حکم ہے؟ علامہ نووی نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے "اس کو دفع کرے" یہ امر مستحب اور مؤکد ہے اور میرے علم میں کسی فقیہ نے اس کو واجب نہیں کہا، میں کہتا ہوں کہ اہل ظاہر (غیر مقلدین) نے اس کو واجب کہا ہے، علامہ نووی اس اختلاف پر مطلع نہیں ہوئے یا انہوں نے اختلاف کو شمار کے قابل نہیں سمجھا، علامہ ابن ابطال نے کہا ہے کہ جب نمازی سترہ قائم کر کے نماز پڑھے تو اس پر اتفاق ہے کہ وہ گذرنے والے کو دفع کرے لیکن جب وہ بغیر سترہ کے نماز پڑھے تو اب اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اب جس جگہ وہ نماز پڑھ رہا ہے وہاں دوسرے کے لئے چلنا اور تصرف کرنا مباح ہے، اس کے لئے منع کرنے کا حق صرف سترہ قائم کرنے کی صورت میں ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

۱۲۔ نمازی گذرنے والے کو دفع کرنے کے لئے چل کر نہ جائے بلکہ اپنی جگہ اس کو منع کرے، کیونکہ نماز میں چلنے کا ضرر منع نہ کرنے کے ضرر سے زیادہ ہے، اور جب گذرنے والا اس کی دسترس سے دور ہو تو اشارہ کر کے یا سبحان اللہ کہہ کر اس کو منع کرے، امام الحرمین نے کہا اس کے سینہ پر ملائمت سے مار کر اشارہ کرے، علامہ رویانی نے کہا اس کو شدت سے بہ اصرار روکے خواہ اس کو قتل کرنا پڑے، امام مالک اور احمد نے کہا اس کو اتنی شدت سے نہ روکے جس سے نماز ٹوٹ جائے، بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ اس کو ٹانگ سے روکے۔

۱۳۔ حدیث میں ہے اگر وہ روکنے سے نہ رکے تو اس سے قتال کرے، قاضی عیاض مالکی نے کہا اس پر اجماع ہے کہ نمازی پر ہتھیاروں سے قتال کرنا لازم نہیں ہے اور نہ اتنی شدت سے روکے جس سے گذرنے والا ہلاک ہو جائے۔ اور اگر اس کے روکنے سے بالفرض گذرنے والا ہلاک ہو گیا تو اس پر بالاتفاق قصاص نہیں ہے، اور اس کی دیت کے متعلق دو قول ہیں، حدیث میں ہے اس سے قتال کرے، جمہور کے نزدیک اس کا معنی ہے اس کو زبردستی روکے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو قتل کر دے اور اس حدیث سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نمازی کے آگے سے گذرنا بہت سخت مکروہ ہے۔ (۱)

اگر کوئی شخص کسی کھلی جگہ میں یا مسجد میں سترہ قائم کئے بغیر نماز پڑھ رہا ہو تو بظاہر احادیث میں اس کے سامنے سے گذرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن مسلمانوں کو مشقت سے بچانے اور ان کے لئے آسانی پیدا کرنے کی خاطر مذاہب اربعہ کے فقہاء نے بعض حدود و قیود کے ساتھ کچھ فاصلہ اس نمازی

۱۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۲۹۲-۲۹۱

کے آگے سے گذرنے کی اجازت دی ہے، اب ہم اس مسئلہ کے متعلق فقہاء اربعہ کی آراپیش کر رہے ہیں۔

☆بغیر سترہ کے نمازی کے آگے سے گذرنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ:

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:

ثم الارجح مالا بن العربی من ان امصلی سواء صلی لسترة ام لالایستحق زیادة وسجوده واثم ماربین یدیه فیما یسنخقه وله مندوحة۔(۱)

علامہ ابن العربی نے جو کہا ہے وہ زیادہ راجح ہے کہ نمازی سترہ قائم کرے یا نہ کرے، وہ اپنے قیام، رکوع اور سجود کی جگہ کی مقدار سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے اور اس کے سامنے سے گذرنے والا اس وقت گنہ گار ہوگا، جب وہ گنجائش کے باوجود اس جگہ سے گذرے گا۔

علامہ دسوقی مالکی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

اعلم انه اختلف فی حریم المصلی الذی یمنع المرورفیه قال ابن هلال کان ابن عرفة یقول هوما لا یشوس علیه المرور فیه ویحده بنحو عشرین ذراعاً ویؤ خذ ذلك من تحدید مالك حریم البئربما لا یضر تلك البئر بحضر بئر اخری ثم اختار مالا بن العربی من ان حریم المصلی مقدار مایحتاجه لقیا مه ورکوعه و سجوده وقیل انه رمیة الحجراو السهم او المضاربة بالسیف اقوال۔ (۲)

نمازی کا وہ حرم (حد) جس میں گذرنا منع ہے اس کی مقدار میں اختلاف ہے، علامہ ابن عرفہ نے کہا جتنی مقدار کے بعد سے گذرنے پر نمازی کو تشویش نہ ہو، اور اس کی حد بیس ذراع (دس گز) ہے اور اس کا ماخذ وہ مقدار ہے جو امام مالک نے ایک کنویں کے آگے دوسرا کنواں کھودنے کے لئے مقرر کی ہے تاکہ اس کنویں کو نقصان نہ پہنچے پھر مصنف نے علامہ ابن العربی کے قول کو اختیار کیا کہ نمازی کا حرم اتنی مقدار ہے جتنی جگہ کی اس کو اپنے قیام، رکوع اور سجود کے لئے ضرورت ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ اتنی جگہ ہے جتنی دور پتھر جاتا ہے یا تیر جاتا ہے یا جتنی جگہ تک تلوار جاتی ہے، کئی اقوال ہیں۔

☆بغیر سترہ کے نمازی کے آگے سے گذرنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ:

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

ولو لم یکن سترة او کانت وتباعد منها فلا صح:انه لیس له الدفع لتقصیره قلت ولایحرم حینئذ المروربین یدیه لکن الاولیٰ ترکه والله اعلم، قال امام الحرمین، والنهی عن المرودوالامربالدفع اذا وجدالمار سبیلا سواه فان لم یجد و ازدحم الناس فلانهی عن المرود، ولا یشرع الدفع وتابع الغزالی امام الحرمین علی هذاوهو مشکل ففی الحدیث الصحیح فی البخاری خلافه واکثر کتب الاصحاب ساکتة عن تقیید المنع بما اذا وجد سواه سبیلا۔(۳)

اور اگر نمازی نے سترہ قائم نہ کیا ہو، یا سترہ تو قائم کیا ہو لیکن وہ اس سے دور کھڑا ہو تو اب اس کے لئے گذرنے والے کو دفع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ

۱۔علامہ ابوالبرکات سیدی احمد دردیر مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ، الشرح الکبیر، ج۱ص ۲۴۶

۲۔علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، ج۱ص ۲۴۶

۳۔علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، روضۃ الطالبین، ج۱ص ۲۹۵

تقصیر اس کی جانب سے ہے، میں کہتا ہوں کہ اب اس نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے، لیکن پھر بھی نہ گذرنا اولیٰ ہے، واللہ اعلم، امام الحرمین نے کہا ہے کہ نمازی کے آگے سے گذرنے کی ممانعت اور گذرنے والے کو دفع کرنے کا حکم اس وقت ہے جب گذرنے والے کے لئے اس جگہ کے سوا اور کوئی گنجائش ہو، اور اگر گنجائش نہ ہو اور رش زیادہ ہو تو گذرنے کی ممانعت ہے نہ دفع کرنے کا حکم ہے، اس مسئلہ میں امام غزالی نے بھی امام الحرمین کی رائے کی موافقت کی ہے لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث (یہ حدیث ہم نے اس بحث میں سب سے پہلے ذکر کی ہے) اس کے خلاف ہے اور اکثر فقہاء نے ممانعت کے ساتھ اس قید کو لگانے سے سکوت کیا ہے، یعنی یہ نہیں کہا کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا اس وقت منع ہے جب گذرنے والے کے لئے نمازی کے سامنے سے گذرنے کے علاوہ کوئی راستہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء شافعیہ میں سے امام غزالی اور امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ جب رش ہو اور کوئی راستہ نہ ہو تو نمازی کے آگے سے گذرنا منع نہیں ہے اور علامہ نووی کے نزدیک بھی جب نمازی نے سترہ قائم نہ کیا ہو یا سترہ نمازی سے بہت دور ہو تو نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی نہیں ہے، اور اکثر فقہاء شافعیہ نے اگرچہ قید نہیں لگائی مگر اس کے خلاف بھی نہیں لکھا۔

علامہ شربینی شافعی لکھتے ہیں:

والتحریم مقید بما اذالم یقصر المصلی بصلوٰۃ فی المکان وان کان وقف بقارعة الطریق فلا حرمة بل ولا کراھة کما قاله فی الکفایة اخذامن کلامھم وبما اذالم یجدالمار فرجة امامه والافلاحرمة بل له خرق الصفوف والمرودبینھا یسدالفرجة کما قاله فی الروضة۔(۱)

نمازی کے آگے سے گذرنے کی تحریم اس وقت ہے جب نمازی نے نماز کی جگہ میں تقصیر نہ کی ہو اگر وہ عام راستہ پر نماز پڑھ رہا ہو، تو اس وقت اس کے آگے سے گذرنا مکروہ تحریمی تو کجا مکروہ تنزیہی بھی نہیں ہے، جیسا کہ کفایہ میں فقہاء کی عبارات سے مستنبط کر کے لکھا ہے اور جب گذرنے والے کے لئے اور کوئی گنجائش نہ ہو اور اس کے سامنے گذرنے کی جگہ نہ ہو، تب بھی ممانعت نہیں ہے بلکہ علامہ نووی نے کہا ہے کہ اگر پہلی صف میں خالی جگہ ہو تو وہ دوسری صف سے گذر کر پہلی صف میں جا سکتا ہے تاکہ خالی جگہ پر ہو۔

☆ **بغیر سترہ کے نمازی کے آگے سے گذرنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ:**

ڈاکٹر وہبہ زحیلی اس مسئلہ میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال الحنابلة وان لم یتخذ سترة حرم المرودفی مسافة بقدرثلاثة اذرع من قدمه۔(۲)

فقہاء حنابلہ نے کہا ہے کہ اگر نمازی سترہ قائم نہ کرے تو نمازی کے قدم سے لے کر تین ذراع (ڈیڑھ گز) تک گذرنا مکروہ ہے۔

ڈاکٹر زحیلی نے یہ عبارت مغنی، ج ۲، ص ۲۴۵۔۲۳۹ اور کشاف القناع ج ۱، ص ۴۳۹ کے حوالے سے نقل کی ہے، مگر مجھے مغنی ابن قدامہ اور کشاف القناع میں سترہ کی پوری بحث میں یہ عبارت نہیں ملی! واللہ اعلم۔

☆ **بغیر سترہ کے نمازی کے آگے سے گذرنے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ:**

۱۔ علامہ محمد شربینی الخطیب من قرن العاشر، مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۲۰۰

۲۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۶۲۷

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں: وحد المرور بین یدیه غیر منصوص فی الکتاب وقیل الی موضع سجوده وقیل بقدر الصفین واصح ماقیل فیه ان المصلی لو صلی بخشوع فالی الموضع الذی یقع بصره علی المار یکره المرور بین یدیه وفیما وراء ذلک لا یکره۔ (۱)

نمازی کے آگے سے گذرنے کی حد کتاب (کافی یعنی کتب ظاہر الروایۃ کا متن) میں منصوص نہیں ہے ایک قول یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ تک حد ہے، ایک قول یہ ہے کہ دوصفوں کی مقدار تک حد ہے اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اگر نمازی خشوع کے ساتھ نماز پڑھے تو جس جگہ تک گذرنے والے پر اس کی نظر پڑے اس جگہ تک گذرنا مکروہ ہے اور اس کے آگے سے گذرنا مکروہ نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے:

اگر کوئی شخص نمازی کی سجدہ گاہ کے آگے سے گذرا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور گذرنے والا گنہ گار ہوگا، نمازی کے آگے جس جگہ سے گذرنا مکروہ ہے اس کی حد میں اختلاف ہے، زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ جگہ نمازی کے قدم سے لے کر اس کی سجدہ گاہ تک ہے۔ (۲) ہمارے مشائخ نے یہ کہا ہے کہ جب کسی نمازی کی نظر سجدہ گاہ پر ہو اور اس کو گذرنے والا دکھائی نہ دے تو اتنے فاصلہ سے نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ نہیں ہے، اور یہی صحیح ہے، (۳) یہ زیادہ صحیح ہے (۴) یہ صحت اور صواب کے مشابہ ہے۔ (۵)۔ یہ صحرا کا حکم ہے اور اگر نمازی مسجد میں ہو اور نمازی اور گذرنے والے کے درمیان انسان یا ستون کی طرح کوئی حائل ہو تو گذرنا مکروہ نہیں ہے اور اگر نمازی اور گذرنے والے کے درمیان کوئی حائل نہ ہو اور مسجد چھوٹی ہو تو جس جگہ سے بھی گذرے گا مکروہ ہوگا، اور بڑی مسجد صحراء کی طرح ہے۔ (۶)

علامہ بدر الدین (۷)

علامہ جلال الدین (۸)

علامہ ابو سعود (۹)

ملا مسکین (۱۰)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی (۱۱)

علامہ شہاب الدین احمد شبلی، (۱۲)

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی (۱۳)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی (۱۴)

علامہ محمد خراسانی قہستانی (۱۵)

۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ، مبسوط، ج ۱، ص ۱۹۲ ۲۔ تبیین الحقائق ۳۔ خلاصہ ۴۔ بدائع صنائع

۵۔ نہایہ ۶۔ کافی۔ ملا نظام الدین حنفی متوفی ۱۱۶۱ھ، عالم گیری، ج ۱، ص ۱۰۴ ۷۔ البنایہ، ج ۱، ص ۷۸۸

۸۔ کفایہ مع فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۵۲ ۹۔ حاشیہ ابو سعود علی ملا مسکین، ج ۱، ص ۲۴۱ ۱۰۔ شرح الکنز، ج ۱، ص ۲۴۱

۱۱۔ حاشیۃ الدرر والغرر، ج ۱، ص ۱۰۶ ۱۲۔ حاشیۃ الشبلی علی تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۱۶۰ ۱۳۔ درمختار علی ہامش الرد، ج ۱، ص ۵۹۳

۱۴۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۹۳ ۱۵۔ جامع الرموز، ج ۱، ص ۹۰

سب نے یہ تصریح کی ہے کہ مسجد صغیر میں نمازی کے آگے سے مطلقاً گذرنا مکروہ ہے اور مسجد کبیر صحراء کی طرح ہے۔ یعنی جب نمازی کی نظر سجدہ گاہ پر ہو اور اس کو گذرنے والا دکھائی نہ دے تو مسجد کبیر میں اتنے فاصلہ سے نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ نہیں ہے۔

اب یہ بات تحقیق طلب ہے کہ مسجد صغیر اور مسجد کبیر کا مصداق کون سی مسجدیں ہیں، سو اس میں بھی اختلاف ہے، علامہ قہستانی لکھتے ہیں:

هو اقل من ستين ذراعا وقيل من اربعين وهو المختار كما اشار اليه في الجواهر۔ (۱)

مسجد صغیر ساٹھ ذراع۔ (تیس انگریزی گز) سے کم ہوتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چالیس ذراع (بیس انگریزی گز) کی ہوتی ہے، جیسا کہ جواہر میں اس طرف اشارہ ہے۔

ملا مسکین (۲) اور علامہ شامی (۳) نے بھی مسجد صغیر کی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے۔

اس کے برخلاف دوسرے فقہاء نے مسجد کبیر مسجد جامع کو اور مسجد صغیر اس مسجد کو قرار دیا ہے جس میں جمعہ نہ ہوتا ہو۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

وقال التمرتاشي والاصح ان كان بحال لو صلى صلوٰة خاشع بصره ولا يقع على المار لايكره وهذا اذا كان في الصحراء وفي الجامع الذي له حكم الصحراء امام في المسجد فالحد هو المسجد الاان يكون بينه وبين المار السطوانة وغيرها وقال فخر الاسلام في شرح الجامع الصغير وان مر عن بعد في المسجد الجامع فقد قيل بانه يكره والاصح انه لايكره۔ (۴)

علامہ تمرتاشی نے یہ کہا ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ جب نمازی خشوع سے نماز پڑھ رہا ہو (یعنی اس کی نظر سجدہ گاہ پر ہو) اور اس کی نظر گذرنے والے پر نہ پڑے تو اس جگہ سے گذرنا مکروہ نہیں ہے، یہ حکم اس وقت ہے جب نمازی صحراء میں یا جامع مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو جو صحراء کے حکم میں ہے، لیکن وہ عام مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو۔ تو پھر حد وہ مسجد ہے، الا یہ کہ نمازی اور گذرنے والے کے درمیان ستون وغیرہ ہو۔ فخر الاسلام نے جامع صغیر کی شرح میں لکھا ہے اگر کوئی شخص جامع مسجد میں دور سے گذرا تو ایک قول یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔

علامہ جلال الدین خوارزمی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (۵)

ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہی ہے کہ مسجد کبیر جامع مسجد کو قرار دیا جائے کیونکہ ہمارے عرف میں بڑی مسجد اسی کو قرار دیا جاتا ہے جس میں جمعہ ہوتا ہو اور جس مسجد میں صرف پانچ وقتوں کی نماز ہوتی ہے، اور جمعہ نہیں ہوتا اس کو ہمارے عرف میں مسجد صغیر قرار دیا جاتا ہے اس لحاظ سے جب جامع مسجد میں کوئی شخص نمازی کے سامنے سے دو صفوں کے فاصلہ سے گذرے تو اگر نمازی کی نظر سجدہ گاہ پر ہو تو اس کو گذرنے والا نظر نہیں آئے گا، اس لئے جامع مسجد میں دو صفوں کے فاصلہ کے بعد اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گذرے تو یہ مکروہ نہیں ہوگا اور بعض فقہاء نے دو صفوں کا فاصلہ بھی لکھا ہے۔

۱۔ جامع الرموز، ج ۱، ص ۹۰

۲۔ شرح الکنز، ج ۱، ص ۲۴۱

۳۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۹۳

۴۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ بنایہ، ج ۱، ص ۷۸۸

۵۔ علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۵۴

علامہ خوارزمی لکھتے ہیں:

واختلف فی الموضع الذی یکرہ المرور فیہ منھم من قدرہ بثلثہ اذرع ومنھم بخمسۃ ومنھم بار بعین ومنھم بموضع سجودہ ومنھم بمقدار الصفین اوھلاثۃ۔(۱)

نمازی کے سامنے جتنے فاصلہ سے گذرنا مکروہ ہے اس کی مقدار میں اختلاف ہے، بعض فقہاء نے کہا تین ذراع (ڈیڑھ گز) بعض نے پانچ ذراع کہا، بعض نے چالیس ذراع کہا بعض نے سجدہ کی جگہ کہا، بعض نے کہا دو صف اور بعض نے تین صف کی مقدار کہا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحراء اور مسجد کا فرق کئے بغیر نمازی کے آگے سے گذرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی، ہمارے فقہاء نے امت کی سہولت اور دین میں یسر کی خاطر اس مسئلہ میں اجتہاد کیا اور مسلمانوں کی آسانی کے لئے مذکور الصدر آراء تلاش کیں، ہم نے ان احادیث میں غور کیا تو ہم نے یہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے سے اس کی نماز میں خلل ہوگا اور اس کی توجہ ہٹے گی اس لئے فقہاء کرام نے یہ کہا کہ جب کوئی شخص اتنے فاصلہ سے نمازی کے آگے سے گذرے کہ اگر نمازی کی نظر سجدہ گاہ پر ہو تو اس کو گذرنے والا نظر نہ آئے تو اس کا گذرنا مکروہ نہیں ہے، اور اس مسئلہ میں صحراء مسجد کبیر یا مسجد صغیر کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے اس لئے ہر جگہ نمازی کے آگے سے گذرنے کا یہی حکم ہونا چاہئے لیکن چونکہ مسجد صغیر کی بہ نسبت مسجد کبیر اور صحراء یا میدان یا کسی بھی کھلی جگہ میں لوگوں کے زیادہ دشواری میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے اس لئے فقہاء کرام نے یسر کی اس رعایت کو وہاں لاگو کیا ہے جہاں یسر کی واقعی ضرورت ہے اور مسجد صغیر جہاں نمازیوں کا زیادہ رش نہیں ہوتا وہاں اس حکم کو اپنی اصل پر برقرار رکھا ہے۔

اور جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ فقہاء نے مسجد کبیر کی دو تعریفیں کی ہیں لیکن میرے نزدیک علامہ تمرتاشی اور فخر الاسلام علامہ بزدوی کی تعریف زیادہ واضح اور عرف کے مطابق ہے جس کا علامہ عینی اور علامہ خوارزمی نے ذکر کیا ہے کہ جس مسجد میں جامع مسجد میں دو صفوں کے بعد نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے تاہم دو صفوں کی مقدار حتمی اور قطعی حد نہیں ہے نمازیوں کی نظر کے جمنے کے اعتبار سے یہ مقدار کم و بیش بھی ہوسکتی ہے۔

☆ ہمارے فقہاء نے مسجد کبیر میں نمازی کے آگے سے بغیر سترہ کے گذرنے کی جو اجازت دی ہے اس کا منشاء یہ روایات ہیں:

علامہ ابن قدامہ بیان کرتے ہیں:

روی کثیر بن کثیر بن المطلب عن ابیہ عن جدہ المطلب قال، رایت رسول اللہ ﷺ یصلی حیال الحجر والناس یمرون بین یدیہ، رواہ الخلال باسنادہ، وروی الاثرم باسنادہ عن المطلب :قال رایت رسول اللہ ﷺ اذا فرغ من سعیہ جاء حتی یحاذی الرکس بینہ وبین السقیفۃ فصلی رکعتیہ فی حاشیۃ المطاف ولیس بینہ وبین الطواف احدوقال ابن ابی عمار : رایت ابن الزبیر جاء یصلی والطواف بینہ و بین القبلۃ تمر المراۃ بین یدیہ فینطرھا حتی تمر ثم یضع جبھتہ فی موضع قدمھا رواہ حنبل فی کتاب المناسک ۔(۲)

کثیر بن کثیر بن المطلب اپنے والد سے اور اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حجر اسود کے بالمقابل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا

۱۔ علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ مع فتح القدیر، ج۱، ص۳۵۴

۲۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ، المغنی، ج۲، ص۴۰

اور لوگ آپ کے سامنے سے گذر رہے تھے اس حدیث کو خلال نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اثرم نے بھی اپنی سند میں روایت کیا ہے کہ مطلب نے کہا میں نے دیکھا جب رسول اللہ ﷺ سعی سے فارغ ہوئے تو چبوترے اور رکن کے بالمقابل کھڑے ہو گئے اور آپ نے مطاف کے ایک کنارے پر دو رکعت نماز پڑھی، اور آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی چیز نہیں تھی، اور ابن ابی عمار نے کہا میں نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ان کے اور قبلہ کے درمیان لوگ طواف کر رہے تھے، عورت ان کے سامنے سے گذرتی وہ اس کا انتظار کرتے حتیٰ کہ وہ گذر جاتی، پھر وہ اپنی پیشانی اس کے پیروں کی جگہ رکھتے، اس کو حنبل نے کتاب المناسک میں روایت کیا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں فقہاء اسلام نے مسلمانوں کی دشواری اور مشکلات کے پیش نظر دین میں یسر اور آسانی پیدا کرنے کے لئے کھلی جگہ اور مسجد کبیر میں بعض حدود و قیود کے ساتھ بغیر سترہ کے نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گذرنے کی اجازت دی ہے۔ تاہم بڑی حیرت کی بات ہے کہ بعض علما نے اس رعایت کو صرف خوارزم کی مسجد اور جامع قدس کے ساتھ محدود کر دیا ہے۔ اور ان کے علاوہ دنیا کی تمام مساجد کو (بہ شمول مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ) کو مسجد صغیر قرار دیا ہے اور ان تمام مساجد میں نمازی کے آگے سے گذرنے کی اجازت نہیں دی اور تمام مسلمانوں کو عسر میں مبتلا کیا ہے لکھتے ہیں، ان دونوں مسئلوں میں مسجد کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی نہایت درجہ عظیم و وسیع مسجد جیسی جامع خوارزم کو سولہ ہزار ستون پر تھی یا جامع قدس شریف کو تین مسجدوں کا مجموعہ ہے باقی عام مساجد جس طرح عامہ بلاد میں ہوتی ہیں سب ان دونوں حکموں میں متحد ہیں اگر چہ طول و عرض میں سو سو گز ہوں۔

☆ یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہے کہ کسی زمانہ میں خوارزم میں کوئی مسجد سولہ ہزار ستونوں پر بنی ہوئی تھی، میں نے خوارزم کی تاریخ کو پڑھا اس میں ایسی عجوبہ روزگار مسجد کا ذکر نہیں ہے، خوارزم کی سب سے اہم عمارت محمد امین متوفی ۱۸۵۵ء کے دور کی یادگار ''نیلا مینار'' ہے جو ۱۶۰ فٹ سے زیادہ بلند ہے نیز سولہ ہزار ستونوں پر کسی عمارت کا بنا ویسے بھی عقلاً مستبعد اور عادتاً محال ہے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہی کہ اگر یہ بات مان لی جائے کہ مسجد خوارزم اور مسجد قدس، مسجد کبیر ہیں اور دنیا کی باقی تمام مساجد صغیر ہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ فقہاء نے اجتہاد کر کے نمازی کے آگے سے گذرنے کا جو حل پیش کیا ہے وہ صرف ان دو مسجدوں کے لئے ہے اور باقی دنیا کے مسلمان اس اجتہاد کے ثمرہ اور یسر سے محروم ہیں اور وہ بدستور مشکلات اور دشواری میں مبتلا رہیں گے۔ فیا للعجب!

☆ نمازی کے آگے سے گذرنے کے معاملہ میں چونکہ اکثر مسلمان تشویش میں مبتلا رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ کے فقہاء اور خصوصاً فقہاء احناف نے اس مسئلہ کا جو حل پیش کیا ہے، وہ اکثر اور بیشتر علماء کی دسترس سے باہر ہے، اس لئے میں نے عام مسلمانوں اور علماء کی سہولت کی خاطر اس مسئلہ کے حل کو تفصیل سے پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ (آمین) (۱)

۸۔ خلاصہ:

☆ ان تینوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ وضو کے بچے ہوئے پانی کو استعمال میں لانا جائز ہے۔

☆ وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے، اسی طرح آب زمزم کو بھی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ کے جسم اطہر سے ہر چھونے والی چیز متبرک ہے، اسی طرح آپ ﷺ کا غسالہ مبارک اور فضلات شریفہ بھی پاک و متبرک ہیں۔

☆ صحابہ کرام، اہل بیت عظام علماء کرام، اولیاء عظام اور صالحین کے متبرکات بھی باعث خیر و برکت ہیں۔

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۷، ص ۸۸۲۔۸۹۲

☆ حضور نبی کریم ﷺ اور دیگر صالحین کرام رحمہم اللہ کے تبرکات سے برکت حاصل کرنا جائز ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک سترہ مستحب ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سترہ واجب ہے۔

☆ سترہ کی موٹائی کم از کم ایک انگلی کے برابر اور لمبائی کم از کم نصف میٹر ہونی چاہیے۔

☆ سترہ اور نمازی کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیے کہ نمازی رکوع و سجدہ، آرام سے کر سکے۔

☆ سترہ اور نمازی کی دائیں یا بائیں آنکھ کے سامنے ہونا چاہیے، بالکل سامنے نہیں ہونا چاہیے۔

☆ سترہ اور نمازی کے درمیان سے گذرنے والے کو روکا جائے گا، اور نماز پڑھنے والا خود بھی روک سکتا ہے۔

☆ بغیر سترہ کے نمازی کے آگے سے مسجد صغیر میں گذرنا جائز نہیں، البتہ مسجد کبیر میں دو صفوں کے فاصلے سے گذرنا جائز ہے، یا جہاں سے نماز پڑھنے والے کی گذرنے والے پر نظر نہ پڑے۔

☆ جس مسجد میں با قاعدہ جمعہ ادا نہیں کیا جاتا، وہ مسجد صغیر ہے، اور جس مسجد میں جمعہ ادا ہوتا ہے، وہ مسجد کبیر ہے۔

☆ اگر سترہ کے آگے سے مرد و عورت یا جانور گذریں، تو اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆ مریض کی عیادت کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔

☆ امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہوتا ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ نے جب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما پر پانی چھڑکا، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بے ہوشی جاتی رہی اور آپ کو افاقہ نصیب ہوا۔(۱)

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے مس کردہ چیزوں کے حصول میں بہت حریص تھے، اور ان سے خیر و برکت حاصل کرنا سعادت سمجھتے تھے۔

باب ۱۰۴: فَرْضُ الْوُضُوْءِ — وضو کا فرض ہونا

اس باب کے قائم کرنے سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کرنا فرض ہے، فرض کی اصطلاحی تعریف درج ذیل ہے:

فرض:

۱۔ اس چیز کو کہتے ہیں جسے شریعت نے لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو۔ ایسی دلیل سے ثابت ہو جو قطعی ہو اور اس میں بالکل بھی شبہ نہ ہو جیسے اسلام کے پانچوں ارکان جو قرآن کریم سے ثابت ہیں اور سنت متواترہ یا سنت مشہورہ سے ثابت ہو جیسے نماز میں قرآن کی قراءت، اور اجماع سے ثابت ہو جیسے کھانے کی چار چیزوں گیہوں، جو، کھجور اور نمک کی ایک دوسرے کے ذریعے ادھار خرید و فروخت اجماع کے ذریعے ناجائز ہے۔

۲۔ فرض کا حکم یہ ہے کہ اس کی بجا آوری لازم ہوتی ہے اور اس کے انجام دینے والے کو ثواب ملتا ہے اور اس کے ترک کرنے والے کو سزا دی جاتی ہے اور اس کا منکر کافر ہوتا ہے۔(۲)

اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں وضو کے بچے ہوئے پانی کو استعمال میں لانے کا بیان تھا، اور اس باب میں وضو کے فرض ہونے کا بیان ہے۔

۱۔ بخاری: ۳۰۹۷
۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۶۸

۱۳۹۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَوَانَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَّلَا صَدَقَةً مِّنْ غُلُوْلٍ۔"

۱۳۹۔حضرت اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ وضو کے بغیر نماز اور حرام مال سے صدقہ قبول نہیں فرماتا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ جب بغیر وضو کے نماز قبول نہیں فرماتا، اس کا مطلب ہے کہ نماز کے لئے وضو فرض ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۲۵۲۳، ابوداؤد: ۵۹، ابن ماجہ: ۲۷۱، احمد: ۴۹۶۹، ۲۰۷۳۹، ۲۰۷۷۳، السنن الکبریٰ: ۲۱۷۱، ابن حبان: ۱۴۵

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو اور حضرت ابوعوانہ وحضرت قتادہ کے حالات دوبارہ تفصیلی لکھے جاتے ہیں:

۱۔قتیبۃ: راجع:۱

۲۔ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

وضاح نام، ابوعوانہ کنیت تھی، والد کا نام عبداللہ تھا۔(۱)

وطن اور پیدائش:

ان کا اصل وطن واسط تھا، پھر قبۃ الاسلام بصرہ منتقل ہو گئے تھے، جس کی خاک سے صلحاء اور اخیار امت کی پوری ایک نسل آسمان شہرت پر نیر تاباں بن کر ضو فشاں ہوئی، ابوعوانہ واسط کے مردم خیز خطہ میں پہلی صدی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں پیدا ہوئے۔(۲) ابن حبان نے کتاب الثقات میں ابوعوانہ کا سنہ ولادت ۱۲۲ھ قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابوعوانہ نے بالاتفاق ابن سیرین کے دیدار کا شرف حاصل کیا تھا، جن کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، علامہ ابن کثیر کے بیان کی روشنی میں، ابوعوانہ کم وبیش ۹۵ھ میں عالم وجود میں آئے، چنانچہ ۱۷۶ھ میں وفات ہوئی، کے واقعات میں قمطراز ہیں:

الوضاح بن عبدالله توفی هذه وقد جاوز الثمالين۔(۳)

"وضاح بن عبداللہ کا اسی سال انتقال ہوا، ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز ہو چکی تھی"۔

غلامی:

ابوعوانہ کو جرجان کی کسی جنگ میں گرفتار ہو کر قید غلامی کی زندگی بھی گذارنی پڑی، عطا بن یزید نے ان کو اپنے بیٹے یزید کے ساتھ رکھنے کے لئے خرید لیا تھا۔عطا کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک یزید بن عطا الیشکری الواسطی کے غلام رہے۔(۴) اسی نسبت ولاء کی بنا پر ابوعوانہ بھی یشکری اور واسطی کی

۱۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۳ ۲۔تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۱۱۸ ۳۔البدایہ والنھایہ، ج۱۰، ص۱۷۱ ۴۔تاریخ بغداد، ج۱۳، ص۴۶۱

نسبتوں سے مشہور ہیں۔

آزادی کا دلچسپ واقعہ:

قید غلامی سے ان کی رہائی کا واقعہ بہت دلچسپ ہے جس کے سرسری مطالعہ ہی سے صاف اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس سلسلہ میں دفعتاً جو کچھ پیش آیا یہ سب منجانب اللہ تھا۔

ابن عائشہ کا بیان ہے کہ ابوعوانہ واسط کے یزید بن عطا نامی ایک شخص کے غلام تھے، ان کے مالک نے پارچہ فروشی کا کام ان کے سپرد کیا تھا، ایک دن ان کے پاس ایک سائل آیا اور دست سوال دراز کیا، ابوعوانہ نے اس کو دو یا تین درہم مرحمت فرمائے۔ سائل نے اظہار تشکر کے بعد کہا: ''اے ابوعوانہ! بخدا میں تمہیں ضرور کوئی فائدہ پہنچاؤں گا''۔ چنانچہ کچھ عصر کے بعد عرفہ کے دن وہی سائل مجمع عام میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کرنے لگا کہ اے لوگو! یزید بن عطا کے لئے دعائے خیر کرو کیونکہ اس نے آج ابوعوانہ کو آزاد کر کے تقرب الٰہی حاصل کر لیا ہے۔

جب لوگ حج کی ادائیگی کے بعد واپس آئے اور یزید بن عطا کی فرودگاہ کے پاس سے گزرنے لگے تو جوق در جوق آ کر انہیں ابوعوانہ کی آزادی پر ہدیہ تشکر و تبریک پیش کرنے لگے۔ ابن عطاء حیران ہوئے کہ یہ کیا قصہ ہے، پھر جب مبارکباد کا یہ سلسلہ بہت بڑھا تو یزید نے عطا سے کہا:

من یقدر علیٰ ردھولاء وھو حرلوجه الله۔(۱)

''اتنے لوگوں کی بات رد کرنے کی کس میں مجال ہے وہ (ابوعوانہ) خدا کے لئے آزاد ہے''۔

اس واقعہ کے آغاز میں محققین کا بہت معمولی سا اختلاف ہے، یعنی بعض نے یوم عرفہ کو مزدلفہ میں ابوعوانہ کی آزادی کا ڈرامائی اعلان کرنے والا ایک سائل کو بتایا ہے اور بعض نے ابوعوانہ کے ایک مخلص دوست کو جس نے مکافات حسن سلوک کے طور پر اپنے محسن کی آزادی کے لئے یہ کارگر مؤثر تدبیر اختیار کی، لیکن اس کے علاوہ پورے واقعہ اور اس کے نتیجہ پر سب کا اتفاق ہے، سائل والی روایت زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

امیت:

ابوعوانہ لکھنے پڑھنے سے قطعی ناواقف تھے، یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ وہ لکھنے پڑھنے میں ایک شخص سے مدد حاصل کرتے تھے۔

کان ابوعوانه امیا یستعین بانسان یکعب له و کان یقرا الحدیث ۔(۲)

''ابوعوانہ امی تھے وہ ایک شخص سے مدد لیتے تھے، جو ان کے لئے لکھتا تھا اور وہ (ابوعوانہ) حدیث پڑھتے تھے''۔

لیکن ان کے شاگرد رشید عفان بن مسلم کا بیان ہے کہ ابوعوانہ پڑھنا جانتے تھے مگر لکھنے سے ناواقف تھے، اس لئے ہمیں حدیثیں املاء کرایا کرتے تھے۔(۳)

فضل وکمال:

اپنی امیت کے باوجود ابوعوانہ کا شمار وقت کے ممتاز حفاظ حدیث اور آئمہ اعلام میں کیا جاتا ہے، وہ علمی اعتبار سے زمرۂ تبع تابعین میں بلند مقام رکھتے تھے، علامہ یافعی ''احد الحفاظ الاعلام'' خیر الدین زرکلی ''من حفاظ الحدیث الثقات'' اور حافظ ذہبی ''الحافظ احد الثقات'' کے الفاظ سے ان کے علم و فضل کو سراہتے ہیں۔(۴) ابوحاتم کا بیان ہے کہ ابوعوانہ حماد بن سلمہ سے بھی بڑے حافظ حدیث تھے۔(۵) یحییٰ بن معین سے دریافت کیا گیا کہ اہل بصرہ میں زائدہ کا ہم پایہ کون تھا؟ فرمایا ابوعوانہ۔(۶)

۱۔ المعارف لابن قتیبہ، ص ۲۲۰ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۱، الاعلام، ج ۳، ص ۱۳۵ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۴۳

۴۔ مراۃ الجنان، ج ۱، ص ۳۶۹ والاعلام، ج ۳، ص ۱۳۵ و تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۱۳ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۱۸ ۶۔ تذکرۃ الذہبی، ج ۱، ص ۳۱۴

حدیث:

حدیث میں انہوں نے بکثرت آئمہ وشیوخ سے کمال حاصل کیا، جن میں معاویہ بن قرہ، اشعث بن ابی الشعثاء، زیادہ بن علاقہ، سلیمان الاعمش، منصور بن المعتمر، مغیرہ، منصور بن زازان، یعلی بن عطاء، ابی اسحاق الشیبانی، عبدالعزیز بن صہیب، طارق بن عبدالرحمٰن، زید بن جبیر، سعید بن مسروق، سماک بن حرب، سہیل بن ابی صالح، عمرو بن دینار، فراس بن یحییٰ، ابن المنکدر، قتادہ بیان بن بشر اور اسماعیل السدی رحمہ اللہ علیہ کے نام لائق ذکر ہیں۔

خود ان کے حلقہ درس سے جو کاملین فن فارغ ہو کر نکلے ان کی تعداد بھی بہت ہے، جن میں نمایاں نام یہ ملتے ہیں، شعبہ، اسماعیل بن علیہ، فضل بن مسادر، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوہشام المخزومی، یحییٰ بن حماد، سعید بن منصور، مسدد، قتیبہ بن سعید، یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری، محمد بن محبوب، ہشیم بن سہل التستری، ابوداؤد، وکیع، ابونعیم، ابوالولید، خالد بن خداش رحمہ اللہ علیہم وغیرہ ہم۔(۱)

جرح وتعدیل:

امی ہونے کی بنا پر ابوعوانہ علمائے جرح وتعدیل کا خصوصی نشانہ بنے، ان کی ثقاہت وعدالت کے بارے میں بڑی متضاد رائیں ملتی ہیں، لیکن اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ جو احادیث انہوں نے املا کر کے بین الدفتین محفوظ کرادی ہیں ان میں ابوعوانہ کا پایہ ثقاہت وعدالت نہایت بلند ہے، لیکن چونکہ ان کے حافظہ پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کتاب کے علاوہ جو روایتیں وہ بیان کریں وہ غیر مقبول قرار دی جائیں گی۔

ابوزرعہ کہتے ہیں:

ثقة اذا حدث من كتابه۔

''جب وہ کتاب سے روایت کریں تو ثقہ ہیں''۔

ابوحاتم کا بیان ہے:

كتبه صحيحة واذا حدث من حفظه غلط كثيراً وهو صدوق ثقة۔(۲)

''ان کی کتابیں صحیح ہیں اور جب وہ حافظہ سے روایت کریں تو بہت غلط ہوتا ہے اور وہ صدوق وثقہ تھے''۔

احمد کا قول ہے:

اذا حدث ابو عوانة من كتابه فهو اثبت واذا حدث من غير كتابه ربما وهم ۔

''جب ابوعوانہ اپنی کتاب سے روایت کریں تو وہ ثقہ ترین ہیں اور جب کتاب کے علاوہ روایت کریں تو اکثر وہم ہو جاتا ہے''۔

عفان، جنہیں ابوعوانہ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا، کہتے ہیں کہ ابوعوانہ حدیث کو اتنی شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے تھے کہ ہمارے نزدیک وہ ہشام بن عروہ کی احادیث سے زیادہ صحیح ہوتی تھیں، کیونکہ وہ احادیث کو بہت مختصر کر دیتے تھے۔(۳) ابن عبدالبر کا یہ بیان ابوعوانہ کی ثقاہت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ اصح ہے کہ:

اجمعوا على انه ثقة ثبت فيما حدث من كتابه واذا حدث من حفظه ربما غلط ۔(۴)

''جب ابوعوانہ کتاب سے روایت کریں تو بالاتفاق وہ ثقہ ترین ہیں اور جب حافظہ سے روایت بیان کریں تو اکثر غلط ہوتا ہے''۔

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۰، تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۱۷
۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۲، ص ۴۶۰، تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۱۸
۳۔ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۴۶۳
۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۱۲۰

وفات:

ماہ ربیع الاول ۱۷۶ھ میں بمقام بصرہ ابوعوانہ کا انتقال ہوا، (۱) ابن قتیبہ نے سن وفات ۱۷۵ھ بیان کیا ہے۔ (۲) وفات ۸۰ سال سے زائد عمر ہو چکی تھی۔ (۳)

۳۔ قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

قتادہ نام، ابوالخطاب کنیت، نسب نامہ یہ ہے، قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز بن عمرو بن ربیعہ بن عمرو بن حارث بن سدوس سدوسی۔
قتادہ علمی اعتبار سے اجلۂ تابعین میں تھے۔

پیدائش:

۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ (۴)

ذوق علم:

قتادہ کو علم کے ساتھ فطری مناسبت تھی، حصول علوم کا ذوق بچپن سے لے کر بڑھاپے تک یکساں رہا، مطر الوراق کا بیان ہے کہ قتادہ مرتے دم تک طالب العلم رہے۔ (۵)

قوت حافظہ:

اس ذوق وشوق کے ساتھ انہوں نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا، ایک مرتبہ جو چیز سن لیتے تھے، وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جاتی تھی، ایک مرتبہ حدیث سننے کے بعد کبھی کسی محدث سے دوبارہ سننے کی خواہش نہیں کی، (۶) ایک مرتبہ جو بات کانوں میں پڑ گئی وہ ہمیشہ کے لئے قلب کے خزانہ میں محفوظ ہو گئی، ان کے حافظہ کے نہایت حیرت انگیز واقعات کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں سے ایک واقعہ لائق ذکر ہے، عمران بن عبداللہ کا بیان ہے کہ قتادہ ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس آئے اور چند دن قیام کر کے ان سے دل کھول کر اچھی طرح حدیثیں پوچھتے، اور بکثرت سوالات کرتے رہے، ایک دن سعید بن مسیب نے ان سے پوچھا کہ تم نے جو باتیں مجھ سے پوچھی ہیں کیا وہ سب تم کو یاد ہیں، انہوں نے اثبات میں جواب دیا، اور پوچھے ہوئے مسائل کو دہرانا شروع کیا کہ میں نے آپ سے یہ پوچھا تھا، آپ نے یہ جواب دیا تھا۔ میں نے یہ سوال کیا تھا، آپ نے یہ بتایا تھا، اور حسن بصری نے یہ جواب دیا تھا۔ اس طریقہ سے انہوں نے ان حدیثوں کا بیشتر حصہ جو ان سے سنا تھا دہرا دیا۔ ابن مسیب کو اس وقت قوت حافظہ پر سخت حیرت ہوئی، فرمایا میں نہیں گمان کر سکتا تھا کہ خدا نے تمہارے جیسا شخص بھی پیدا کیا ہے۔ (۷)

فضل وکمال:

اس ذوق وشوق، تلاش وجستجو اور قوت حافظہ نے ان کو قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، زبان، لغت، ایام عرب، اور نسب وغیرہ اس عہد کے جملہ مذہبی اور غیر مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا۔ (۸) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان اور فضیلت علمی پر سب کا اتفاق ہے۔

۱۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۲۶۹، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۲۱۴ ۔ ۲۔ المعارف لابن قتیبہ، ص ۶۲۰

۳۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر، ج ۱۰، ص ۱۷۱۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تبع تابعین: دوم، ص ۲۳۴۔۲۳۷ ۔ ۴۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۵۰

۵۔ ایضاً، ص ۳۵۳ ۔ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۹ ۔ ۷۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۲ ۔ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۹

قرآن:

قرآن کے حافظ تھے، اور نہایت اچھا یاد تھا۔ بڑی بڑی سورتوں میں ایک لفظ کی غلطی نہ ہوتی تھی، معمر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قتادہ نے سعد بن ابی عروبہ کو قرآن دے کر سورہ بقرہ سنائی اور اس میں ایک حرف ایک غلطی نہیں کی سنانے کے بعد ان سے پوچھا کیوں میں نے ٹھیک یاد کیا، انہوں نے کہا، ہاں۔(۱)

تفسیر:

تفسیر قرآن کے وہ بہت بڑے عالم تھے۔ آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل میں ان کی نظر نہایت وسیع تھی۔ وہ خود کہتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے، جس کے متعلق میں نے کچھ نہ کچھ نہ سنا ہو، (۲) امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر کے بڑے عالم تھے۔ (۳) ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔ (۴) ابن ناصر الدین ان کو مفسر الکتاب لکھتے ہیں۔ (۵)

حدیث:

قتادہ کا اصل فن حدیث تھا، اس میں وہ نہایت بلند پایہ رکھتے تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حدیث میں وہ ثقہ، مامونؒ اور حجت تھے۔ (۶) حافظ ذہبی علامہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ (۷) عراق کے سب سے بڑے حافظ حدیث مانے جاتے، ابن مسیب کہتے تھے کہ ہمارے یہاں قتادہ سے بڑا عراق کا کوئی حافظ نہیں آیا، سفیان کہتے تھے کہ دنیا میں قتادہ کا مثل نہ تھا۔ بکر بن عبداللہ کہتے تھے کہ جو شخص سب سے بڑے حافظ اور ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو حدیث کو بعینہ اسی طرح جس طرح اس نے سنا ہے روایت کرتا ہو تو قتادہ کو دیکھنا چاہئے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے تھے کہ قتادہ حمید کے جیسے پچاس آدمیوں سے زیادہ بڑے حافظ ہیں۔ (۸) امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ باشندگان بصرہ میں سب سے بڑے حافظ تھے، جو چیز بھی سنتے تھے اس کو یاد کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے جابر کا صحیفہ پڑھا گیا، ایک ہی مرتبہ سن کر اس کو یاد کر لیا۔ (۹) ابن حبان ان کو ان کے عہد کا سب سے بڑا حافظ حدیث شمار کرتے ہیں۔ سلیمان تیمی اور ایوب سختیانی جیسے محدثین ان کی احادیث کے محتاج تھے، اور ان سے پوچھا کرتے تھے۔ (۱۰)

شیوخ:

قتادہ کے اصل شیخ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تھے، زیادہ تر انہی کے سرچشمہ فیض سے سیراب ہوئے تھے، بارہ سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں بارہ برس تک حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا اور تین برس تک نماز فجر ان کے ساتھ پڑھی، میرے جیسے شخص نے ان کے جیسے شخص سے علم حاصل کیا۔ (۱۱) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے ممتاز تلامذہ میں یہی تھے، ابو حاتم کہتے تھے کہ حسن کے سب سے بڑے اصحاب میں قتادہ تھے۔ (۱۲) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اس عہد کے تمام محدثین، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ، شعبی، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، مطرف بن عبداللہ بن سخیر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔ (۱۳)

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۹ ۳۔ ایضاً ۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۳۵۵

۵۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۵۳ ۶۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۹

۸۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ق ۲، ص ۵۷، ۵۸ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱ ۱۰۔ تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۳۵۵

۱۱۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱ ۱۲۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۵۸ ۱۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۳۵۱

ان کا یہ خاص کمال تھا کہ جس محدث کے پاس پہنچ جاتے تھے، چند ہی دنوں میں اس کا سارا علم پی لیتے تھے، ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس جا کر چند دنوں کے لئے قیام کیا اور ان سے اس قدر سوالات کئے کہ انہوں نے آٹھ ہی دن کے اندر گھبرا کر ان سے کہا کہ اب جاؤ تم نے میرا سارا علم خالی کر لیا۔(۱)

تلامذہ:

ان کے کمالات کی وجہ سے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی۔ سینکڑوں تشنگان علم ان کے حلقہ درس سے سیراب ہوئے۔ ان کی فہرست نہایت طویل ہے۔ بعض قابل ذکر نام یہ ہیں، ایوب سختیانی، سلیمان تیمی، جریر بن حازم، شعبہ، مسعر، ابو بلال راسبی، مطر الوراق، ہمام بن یحییٰ، عمر بن حارث المصری، شیبان نحوی، سلام بن ابی المطیع، سعید بن ابی عروبہ، ابان ابن یزید العطار، حصین بن ذکوان، حماد بن سلمہ، اوزاعی، عمرو بن ابراہیم عبدی اور عمران القطان وغیرہ۔(۲)

فقہ:

فقہ میں بھی امتیازی پایہ رکھتے تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ قرآن اور فقہ کے بڑے علماء میں تھے۔(۳) امام احمد بن حنبل ان کے تفسیر وحدیث کے کمال کے ساتھ ان کے فقہی کمال کے بھی معترف تھے۔(۴) بصرہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے۔(۵)

رائے سے احتراز:

ان کمالات کے باوجود فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے، جو مسئلہ نہ معلوم ہوتا نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے، اپنی رائے سے کبھی جواب نہ دیتے۔ ابو بلال کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ قتادہ سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا اپنی رائے بتا دیجئے جواب دیا کہ ''میں نے چالیس سال سے اپنی رائے سے کوئی جواب نہیں دیا ہے۔(۶)

جامعیت:

قتادہ جیسی جامعیت کم تابعین میں تھی، وہ تنہا مذہبی علوم کے عالم نہ تھے بلکہ اس عہد کے دوسرے مروجہ فنون مثلاً عربی، لغت، ایام عرب اور انسابی کے بھی بڑے ماہر تھے، ابو عمر کا بیان ہے کہ وہ بڑے انساب تھے،(۷) ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ بنی امیہ کے پاس سے روزانہ کوئی نہ کوئی آدمی قتادہ کے پاس خبر، نسب یا شعر کے متعلق کچھ نہ کچھ پوچھنے کے لئے آتا تھا۔(۸) ابن ناصر الدین ان الفاظ میں ان کی جامعیت پر تبصرہ کرتے تھے۔ ابو الخطاب الضریر الاکمہ، مفسر الکتاب لیۃ فی الحفظ اماما فی النسب راسا فی العربیۃ وایام العرب(۹)

وفات:

باختلاف روایت ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی۔(۱۰)

۴۔ **ابوالملیح:** آپ کا نام ابوالملیح عامر بن اسامہ بن عمیر ھذلی (م:۹۸ھ) ہے، بعض نے آپ کا نام زید یا زیاد بھی ذکر کیا ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱۱)

۱۔ ابن سعد، ج۷، ق۲، ص۲ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج۸، ص۳۵۲ ۳۔ ایضاً ص۳۵۵ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۰۹

۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۰۹ ۶۔ ابن سعد، ج۷، ق۲، ص۱ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۰۹ ۸۔ شذرات الذھب، ج۱، ص۱۹۳

۹۔ ایضاً ۱۰۔ ابن سعد، ج۷، ق۲، ص۳۔ سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام، ص۲۴۹۔۲۵۱ ۱۱۔ تقریب التھذیب، ج۲، ص۴۵۹

۵۔اسامہ بن عمیر: آپ کا نام اسامہ بن عمیر بن عامر بن اقیشر ھذلی بصری ہے، آپ صحابی رسول ﷺ ہیں، آپ سے صرف آپ کے صاحبزادے ابوالملیح نے ہی احادیث روایت کی ہیں، آپ سے سات احادیث مبارکہ مروی ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ باونویں (۵۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے واسطی اور باقی بصری ہیں۔

☆ یہ سند تینوں شہروں کے راویوں کے درمیان ہے۔

☆ یہ بیٹے (ابوالملیح) کی باپ (اسامہ بن عمیر) سے روایت ہے۔

☆ سند میں دو تابعین کرام (قتادہ، ابوالملیح) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی (صغریٰ) میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت اسامہ سے آئمہ متعلین رواۃ صحابہ میں سے ہیں، جن سے صرف سات احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لایقبل اللہ: اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا صلاۃ: نماز

بغیر طھور: وضو کے بغیر، پاکی کے بغیر صدقۃ: عطیہ

غلول: خفیہ خیانت، چوری کا مال، مال غنیمت سے چوری شدہ مال، یہاں پر ہر حرام مال مراد ہے

۷۔مسائل ونصائح:

☆ موجب طہارت کی تحقیق:

حدیث نمبر ۴۴۳ میں ہے: اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نماز کے لئے طہارت کے وجوب کی تصریح ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ نماز کی صحت کے لئے طہارت شرط ہے، قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز کے لئے طہارت کب فرض ہوئی؟ ابن الجہم کا یہ مذہب ہے کہ ابتداء اسلام میں وضو کرنا سنت تھا اور آیت

۱۔ i۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج ۱، ص ۲۱ ii۔تھذیب الکمال، ج ۱، ص ۳۵۲

تیمم میں وضو کی فرضیت نازل ہوئی، اور جمہور نے یہ کہا ہے کہ وضو اس سے پہلے فرض تھا اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ ہر نماز پڑھنے والے پر وضو فرض ہے یا بالخصوص بے وضو پر وضو کرنا فرض ہے، بعض متقدمین کا یہ نظریہ ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيْـنَ آمَـنُـوْا إِذَا قُـمْـتُـمْ إِلَـى الصَّـلَاةِ فَاغْـسِـلُـوْا وُجُـوهَـكُـمْ وَأَيْـدِيَـكُـمْ إِلَـى الْـمَـرَافِـقِ وَامْـسَـحُـوْا بِرُؤُوسِـكُـمْ وَأَرْجُـلَـكُـمْ إِلَـى الْـكَـعْـبَـيْـنِ (۱)

اے ایمان والو! جب تم نماز پڑھنے (کا ارادہ کرنے) لگو تو اپنے چہرے اور کہنیوں سمیت ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں دھولو۔

اور ایک قوم کا یہ نظریہ ہے کہ یہ حکم پہلے تھا، پھر منسوخ ہو گیا، اور ایک قول یہ ہے کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا مستحب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ نماز کے وقت وضو کرنے کا حکم اس شخص کے لئے ہے جو بے وضو ہو لیکن ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا مستحب ہے، اس کے بعد تمام اہل فتویٰ اسی قول پر متفق ہیں، اور اس میں ان کا اختلاف نہیں ہے اور ان کے نزدیک اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم بے وضو ہو اور نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔

ہمارے اصحاب کا اس میں اختلاف ہے کہ وضو کا موجب کیا چیز ہے اور اس میں تین قول ہیں۔ (۱) بے وضو ہونے کے بعد وضو کرنا واجب ہے لیکن اس میں وسعت ہے۔ (۲) وضو کرنا صرف اس وقت واجب ہے جب نماز پڑھنے کا ارادہ کیا جائے۔ (۳) ان دونوں چیزوں میں سے کسی ایک سے وضو واجب ہو جاتا ہے اور ہمارے اصحاب کے نزدیک یہی واجب ہے۔ (مصنف کے نزدیک وضو کرنا اس وقت واجب ہوتا ہے جب انسان بے وضو ہو اور ایسی عبادت کا ارادہ کرے جو بغیر وضو کے صحیح نہیں ہوتی مثلاً نماز پڑھنے، سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر کرنے، قرآن مجید کو چھونے یا طواف کعبہ کرنے کا ارادہ کرے۔)

☆ **فاقد الطہورین پر نماز کے وجوب میں فقہاء شافعیہ کے اقوال:**

امت کا اس پر اجماع ہے کہ بغیر طہارت کے نماز پڑھنا حرام ہے۔ خواہ وضو سے طہارت حاصل کی جائے یا تیمم سے خواہ فرض نماز پڑھنی ہو یا نفل، سجدۂ تلاوت ادا کرنا ہو یا سجدۂ شکر، یا نماز جنازہ پڑھنی ہو، البتہ امام شعبی اور امام محمد بن جریر الطبری نے یہ کہا ہے کہ نماز جنازہ بلا وضو پڑھنا جائز ہے اور یہ مذہب باطل ہے، تمام علماء کا اس کے باطل ہونے پر اجماع ہے، اگر کسی شخص نے عمداً بلا عذر بغیر وضو کے نماز پڑھی تو وہ گنہگار ہوگا، لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، ہمارا اور جمہور کا یہی مذہب ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ وہ نماز کے ساتھ لہو ولعب کر رہا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ کفر اعتقاد کی وجہ سے ہوتا ہے اور اس نمازی کا اعتقاد صحیح ہے اور یہ تمام بحث اس وقت ہے جب وہ بلا عذر بے وضو نماز پڑھے اور اگر وہ معذور ہو مثلاً اس کو طہارت کے لئے پانی یا مٹی حاصل نہ ہو، تو اس میں چار قول ہیں:

۱۔ فقہاء شافعیہ کے نزدیک اصح قول یہ ہے کہ اس شخص پر اس حال میں نماز پڑھنا واجب ہے اور جب اس کو طہارت پر قدرت حاصل ہو تو اس پر نماز کا اعادہ واجب ہے۔

۲۔ اس شخص پر بلا طہارت نماز پڑھنا حرام ہے اور اس پر قضاء واجب ہے۔

۳۔ اس کے لئے نماز پڑھنا مستحب ہے، اور قضاء کرنا واجب ہے۔

۴۔ اس پر نماز پڑھنا واجب ہے اور قضاء کرنا واجب نہیں ہے۔

امام مزنی کا یہی مختار ہے اور اسی قول کی دلیل قوی ہے، اس پر نماز پڑھنا اس لئے واجب ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب میں تم کو کسی چیز کا حکم

۱۔ مائدہ: ۶

دوں تو اس کو حسب استطاعت کرو اور اس پر اعادہ اس لئے واجب نہیں ہے کہ اس کے حق میں نیا امر نہیں پایا گیا اور ہر وہ نماز جس کو اس کے وقت میں کسی عذر کی بناء پر کسی خلل کے ساتھ پڑھا گیا اس کے متعلق امام مزنی کا یہی قول ہے۔(۱)

☆ فاقد الطہورین پر نماز کے وجوب میں فقہاء احناف کا نظریہ:

علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جو شخص کسی ایسی جگہ مقید ہو جہاں پانی دستیاب ہو نہ تیمم بایں طور کہ وہ کسی نجس مکان میں ہو جہاں اس کو تیمم کے لئے پاک مٹی دستیاب نہ ہو، یا اس کو ایسا مرض لاحق ہو جس کی وجہ سے وہ وضو یا تیمم نہ کر سکے، اس کو فاقد الطہورین کہتے ہیں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا شخص نماز کو مؤخر کر دے اور جب طہارت ممکن ہو تو نماز پڑھ لے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ نمازیوں کے ساتھ تشبہ کرے اگر خشک جگہ ہو تو وہاں رکوع اور سجود کرے ورنہ کھڑے ہو کر اشارہ سے نماز پڑھے اور قرأت نہ کرے اور جب طہارت میسر ہو تو نماز دہرائے، اسی قول پر فتویٰ ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسے قول کی طرف رجوع کر لیا ہے اور جس شخص کے ہاتھ اور پیر کٹے ہوئے ہوں اور چہرے پر زخم ہو وہ بغیر طہارت کے نماز پڑھے گا اور صحیح مذہب کے مطابق اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔(۲)

☆ بلا طہارت نماز پڑھنے والے کو کافر قرار دینے کی تحقیق:

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جو شخص بلا عذر عمداً بغیر طہارت کے نماز پڑھے نوادر میں اس کی تکفیر کی ہے اور ظاہر الروایہ میں ہے وہ کافر نہیں ہے، یہ اختلاف اس وقت ہے جب وہ بلا استخفاف بغیر طہارت کے نماز پڑھے اور اگر وہ طہارت کے حکم کو غیر ضروری جان کر یا اس کا مذاق اڑانے کے لئے بغیر طہارت کے نماز پڑھے تو وہ سب کے نزدیک کافر ہے اور اگر اس کی نیت استہزاء اور تحقیر کی نہ ہو اور اس نے یہ سمجھا ہو کہ اس میں اتنا حرج نہیں ہے بلکہ محض سستی یا حکم شرعی سے جہالت کی وجہ سے بلا وضو نماز پڑھی تو یہ کسی کے نزدیک کفر نہیں ہونا چاہئے اور جب کسی چیز کے کفر ہونے یا کفر نہ ہونے میں اختلاف ہو تو ظاہر مذہب عدم تکفیر ہے، بلکہ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر مومن کی تکفیر پر ستر روایات متفق ہوں اور ایک ضعیف روایت عدم تکفیر کی ہو تو مفتی اور قاضی پر لازم ہے کہ اس کی تکفیر نہ کرے۔(۳)

☆ فاسقوں کے لئے زجراً دعا نہ کی جائے:

اس حدیث میں ہے ابن عامر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا آپ میرے لئے دعا کریں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حدیث میں ہے بغیر طہارت کے نماز مقبول نہیں ہوتی اور مال حرام سے صدقہ قبول نہیں ہوتا اور تم بصرہ کے حاکم رہ چکے ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ تھا کہ حاکم بصرہ ہونے کی وجہ سے تمہارے ذمہ بہ کثرت حقوق اللہ اور حقوق العباد ہیں اور جن کے ذمہ اللہ کے اور بندوں کے حقوق ہوں، اس کو دعا سے فائدہ نہیں ہوتا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا منشاء زجر و توبیخ تھا اور اس کو توبہ کرنے اور حق تلفیوں کی تلافی کرنے اور آئندہ ظلم نہ کرنے پر برانگیختہ کرنا تھا، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اخیار تابعین ہمیشہ کفار کے لئے ہدایت کی اور فساق کے لئے توبہ کی دعا کرتے رہے ہیں۔

۱۔ شرح مسلم، ج ۱ ص ۱۱۹ ۲۔ درمختار علی ہامش ردالمحتار، ج ۱ ص ۱۸۵ ۳۔ ردالمحتار، ج ۱ ص ۶۰

☆مال حرام سے استبرار کا طریقہ:

جس شخص کے پاس سود، رشوت، چوری اور غصب وغیرہ سے مال حرام ہو اور اب وہ تائب ہونا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اتنا مال صاحب حق کو یا اس کے وارثوں کو واپس کر دے، اگر حکومت کا مال لیا ہے تو اتنا مال حکومت کے کسی فنڈ میں داخل کر دے اور اگر اس کے وارثوں کا پتا نہ چلے تو اتنے مال کو اس شخص کی طرف سے کسی فقیر پر صدقہ کر دے اور اس کا ثواب صاحب حق کو پہنچا دے۔(۱)

☆ علامہ سندھی لکھتے ہیں:

فرض الوضو میں اضافت بیانیہ ہے اور اگر مراد الوضو المفروض ہو تو اضافت صفاتیہ ہے... قبول نہ کرنے سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل پر راضی نہیں ہے اور نہ ہی اس پر ثواب ہوگا.... غلول سے مراد خفیہ خیانت ہے، البتہ یہاں پر مطلق خیانت اور حرام مال مراد ہے۔(۲)

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ نماز کے لئے وضو کرنا فرض ہے۔

☆ نماز جنازہ، سجدہ تلاوت، سجدہ شکر، قرآن مجید کو چھونے اور طواف کعبہ کے لئے بھی وضو کا ہونا فرض ہے۔

فرض کی تعریف اور اس کی قسمیں درج ذیل ہیں:

☆ بغیر وضو کے پڑھی گئی نماز کا ثواب نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کرنا جائز ہے۔

☆ اگر کسی نے بغیر وضو کے نماز پڑھی، اگر سستی یا جہالت کی وجہ سے ایسا کیا، تو گناہ گار ہے، اور اگر وضو کو غیر ضروری سمجھے یا مذاق اڑانے کے لئے ایسا کیا، تو کافر ہو جائے گا۔

☆فرض کی تعریف:

وہ کام جس کا کرنا ضروری ہو اور اس کا ترک بالکل لازماً منع ہو۔ اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور اس کے فعل کا لزوم بھی قطعی ہو اور اس کا انکار کفر ہو اور اس کو ترک کرنے والا عذاب کا مستحق ہو۔ چاہے ہمیشہ ترک کرنے والا ہو یا کبھی کبھی۔(۳)

☆فرض کی اقسام:

فرض کی دو اقسام ہیں (۱) فرض اعتقادی (۲) فرض عملی

فرض اعتقادی:

فرض اعتقادی وہ حکم شرعی جو دلیل قطعی سے ثابت ہو یعنی ایسی دلیل سے جس میں کوئی شبہ نہ ہو۔ اس کا انکار کرنے والا آئمہ حنفیہ کے نزدیک مطلقاً کافر ہے اور اگر اس کی فرضیت دین اسلام کا عام وخاص پر روشن واضح مسئلہ ہو جب تو اس کے منکر کے کفر پر اجماع قطعی ہے ایسا کہ جو اس منکر کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ بہر حال جو کسی فرض اعتقادی کو بلا عذر صحیح شرعی ایک بار بھی چھوڑے وہ فاسق، گناہ کبیرہ کا مرتکب اور عذاب جہنم کا مستحق ہے۔ جیسے نماز، رکوع، سجود کا منکر کافر ہے اور تارک مرتکب معصیت ہے۔

فرض عملی:

وہ حکم شرعی ہے جس کا ثبوت تو ایسا قطعی نہ ہو، مگر نظر مجتہد میں دلائل شرعیہ کے بموجب یقین ہے کہ جس کے کئے بغیر آدمی بری الذمہ نہ ہوگا۔ یہاں

۱۔شرح صحیح مسلم، ج۱، ص۸۶۴۔۸۶۶ ۲۔حاشیہ سندھی، ص۴۴ ۳۔ردالمحتار، ج۱، ص۱۸۶

تک کہ اگر وہ کسی عبادت کے اندر فرض ہے تو وہ عبادت بغیر اس کے باطل وکالعدم (معدوم) ہوگی، اس کا بلاوجہ انکار فسق وگمراہی ہے۔ ہاں اگر کوئی مجتہد دلیل شرعی سے اس کا انکار کرے تو کرسکتا ہے۔ جیسے آئمہ مجتہدین کے اختلافات ہیں کہ ایک امام کسی چیز کو فرض کہتے ہیں اور دوسرے نہیں مثلاً حنفیہ کے نزدیک ایک چوتھائی سر کا مسح وضو میں فرض ہے اور شافعیہ کے نزدیک ایک بال کا اور مالکیہ کے نزدیک پورے سر کا۔ مگر اس فرض عملی میں ہر شخص اسی امام کی پیروی کرے جس کا مقلد ہے اپنے امام کے خلاف بلاضرورت شرعی دوسرے کی پیروی جائز نہیں۔ (۱)

☆ چوری شدہ مال، خیانت شدہ مال، سود، رشوت، غصب اور دیگر حرام ذرائع سے حاصل کردہ مال سے صدقہ جائز نہیں اور نہ ہی اس پر ثواب ہے۔

باب ۱۰۵: الاِعْتِدَاءِ فِی الْوُضُوْءِ　　وضو میں زیادتی کرنا

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ وضو میں اعضاء کو دھونے کے لئے تین دفعہ کی مقدار سنت ہے، تین دفعہ سے زائد دھونا مکروہ اور اسراف ہے، اس لئے تین دفعہ سے زائد مرتبہ دھونا منع ہے۔ پچھلے باب میں وضو کے فرض ہونے کا بیان تھا، اور اس باب میں وضو کے اعضاء کو تین تین دفعہ دھونے کے سنت ہونے اور زیادہ مرتبہ دھونے کے منع ہونے کا بیان ہے۔

۱۴۰۔ اَخْبَرَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ قَالَ حَدَّثَنَا یَعْلَی قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ مُّوسَی بْنِ اَبِی عَائِشَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْاَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ الْوُضُوْءَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ "هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰی هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰی وَظَلَمَ۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک دیہاتی صحابی رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر وضو کے بارے مین پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تین تین بار وضو کر کے دکھلایا اور فرمایا: وضو اسی طرح ہے، جس نے اس پر زیادتی کی، اس نے برا کیا، حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے۔
جس نے اس پر زیادتی کی، اس نے برا کیا۔

۲۔ اطراف:

ابوداؤد: ۱۳۵، ابن ماجہ: ۴۲۲، السنن الکبریٰ: ۱۷۳، تحفۃ الاشراف: ۸۸۰۹

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے تین راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، باقی چار کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ محمود بن غیلان:　　راجع: ۳۷

۲۔ یعلی: آپ کا نام ابویوسف یعلی بن عبید بن ابی امیہ کوفی طنافسی (م: ۲۰۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے

۱۔ شرح ھدایہ، ج ۱، ص ۱۴۹۔ ۱۵۰

ہیں: آپ ثقہ ہیں، سوائے سفیان ثوری سے روایت کرنے میں، ان سے روایت میں لینے میں، علامہ ابن معین نے ضعیف، ابوحاتم نے صدوق جبکہ ابن حبان، ابن سعد اور دارقطنی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، آپ نے نوے سال کی طویل عمر پائی، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۳۔سفیان: راجع: ۳۷

۴۔موسیٰ بن ابی عائشۃ: آپ کا نام ابوالحسن موسیٰ بن ابی عائشہ ھمدانی کوفی ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، عابد راوی ہیں، البتہ مرسل روایات کرتے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔عمرو بن شعیب: آپ کا نام عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص (م:۱۱۸ھ) ہے، آپ کو ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق، امام عجلی، امام نسائی اور ابن معین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ہیں، امام بخاری (جزء القراءۃ) اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۶۔شعیب: آپ کا نام شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے صدوق، ثقہ راوی ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ کا اپنے دادا سے سماع ثابت ہے، امام بخاری (ادب المفرد، جزء القراءۃ) اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۷۔عبداللہ: راجع: ۱۱۱

۴۔حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ بائیسویں (۲۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عمرو بن شعیب اور ان کے والدین شعیب بن محمد پر بعض لوگوں نے کلام کیا ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی اگلے تین کوفی اور آخری تین مدنی راوی ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (عمرو) کی باپ (شعیب) سے اور پھر ان کی اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو) سے روایت ہے۔ اس طرح اس سند میں باپ، بیٹا، دادا اور پوتا راوی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سابقین مکثرین صحابہ میں سے ہیں، اس طرح آپ فقہاء عبادلہ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔i۔تقریب التھذیب، ج۲، ص۳۸۸　ii۔تاریخ الدارمی، ص۱۰۴
iii۔الجرح والتعدیل، ج۹، ص۳۰۴　iv۔الثقات، ج۷، ص۶۵۳　v۔طبقات ابن سعد، ج۶، ص۳۹۷　vi۔البرقانی، ص۱۷
۲۔i۔الثقات، ج۵، ص۴۰۴　ii۔الجرح والتعدیل، ج۸، ص۱۵۶
۳۔i۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۴۴۵　ii۔تھذیب الکمال، ج۲۷، ص۴۷
۴۔i۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۳۴۹　ii۔الثقات، ج۴، ص۳۵۷

۶۔لغات:

جآء:وہ آیا — اعرابی: دیہاتی۔مراد ہے دیہات کے رہنے والے صحابی

یسال:اس نے سوال کیا — خاراہ الوضوء: آپ ﷺ نے وضو کر کے اسے دکھلایا

ھکذا الوضوء:یہ وضو ہے — زاد:اس نے زیادتی کی

اساء :اس نے برا کیا — تعدی:وہ حد سے بڑھا

ظلم:اس نے ظلم کیا

۷۔مسائل ونصائح: راجع:۸۰۔۸۱

۸۔خلاصہ:

☆ امام نسائی کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ وضو میں اعضاء کو دھونے کی تحدید تین دفعہ سے ہے،لہٰذا اعضاء وضو کو تین دفعہ سے زائد مرتبہ دھونا غیر پسندیدہ ہے۔

☆ تین دفعہ کی تحدید ان اعضاء کے لئے ہے، جو دھوئے جاتے ہیں، مسح ان میں شامل نہیں ہے، کیونکہ مسح ایک ہی دفعہ مشروع ومسنون ہے،اسی طرح بعض روایات میں جو اونقص، کے الفاظ آئے ہیں، یہ راوی کا وھم ہے کیونکہ ایک ایک دفعہ یا دو دفعہ دھونا بھی جائز ہے۔(۱)

☆ ''اساء'' سے مراد ہے کہ یہ آداب شرع کے خلاف ہے۔

☆ ''تعدی'' سے مراد ہے کہ یہ حد سے تجاوز ہے۔

☆ ''ظلم'' سے مراد ہے کہ اس سے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔(۲)

☆ جس شخص کے پاس علم نہ ہو، وہ اس کے بارے میں علماء سے سوال کرے۔

☆ تعلیم بالقول کی بجائے تعلیم بالعمل زیادہ نافع ہے،اور ابلاغ کا زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔

☆ وضو کرنے والے کو چاہئے کہ اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھوئے اور سر کا مسح ایک دفعہ کرے،اور اس میں کمی وبیشی نہ کرے۔

☆ بغیر ضرورت کے تین دفعہ سے زائد مرتبہ اعضاء وضو کو دھونا پانی کا ضیاع اور اسراف ہے، جو کہ اسلام میں ممنوع ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا (بنی اسرائیل ۱۷:۲۶۔۲۷)

ترجمہ:اور قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی (دو) اور (اپنا مال) فضول خرچی سے مت اڑاؤ۔ بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں،اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

۱۔حاشیہ سندھی،ص ۴۵ — ۲۔ایضاً

باب۱۰۶:الْاَمْرِ بِاِسْبَاغِ الْوُضُوْءِ — وضو اچھی طرح کرنے کا حکم

اس باب میں وضو کامل، تمام اور احسن انداز سے کرنے کا حکم بیان ہوا ہے، اسباغ کا معنیٰ ہے: مبالغہ کرنا اور مکمل کرنا، اور یہاں پر مراد ہے کہ وضو کو اس کے فرائض، سنن اور مستحاب کا خیال رکھتے ہوئے، مکمل کرنا، پچھلے باب میں وضو کرتے ہوئے اسراف (زیادتی) سے بچنے کا بیان تھا، اور اس باب میں کامل واکمل وضو کرنے کا بیان ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۱۴۱۔اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيْبِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ جَهْضَمٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا خَصَّنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ دُوْنَ النَّاسِ اِلَّا بِثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ فَاِنَّهُ اَمَرَنَا اَنْ نُسْبِغَ الْوُضُوْءَ وَلَا نَاْكُلَ الصَّدَقَةَ وَلَا نُنْزِيَ الْحُمُرَ عَلَى الْخَيْلِ۔

حضرت عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کا بیان ہے، ہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات کی قسم! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کے علاوہ ہمیں (بنو ہاشم) لوگوں سے الگ کوئی خاص حکم نہیں دیا: (پہلی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وضو کامل کرنے کا، (دوسری) صدقہ نہ کھانے کا، (تیسری) گدھوں سے گھوڑیوں کی جفتی نہ کرانے کا حکم دیا۔

۱۔مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وضو اچھی طرح کرنے کا حکم دیا۔

۲۔اطراف: تقدم:۳۵۸۳،ابوداؤد:۸۰۸،ترمذی:۱۷۰۱،ابن ماجہ:۴۲۶،السنن الکبریٰ:۱۳۸،احمد:۱۹۷۷،۲۲۳۸،تحفۃ الاشراف:۵۷۹۱

۳۔تعارف رجال: اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، دو کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔یحییٰ بن حبیب بن عربی: راجع:۷۵ ۲۔حماد: راجع:۳

۳۔ابوجھضم: آپ کا نام ابوجھضم موسیٰ بن سالم مولیٰ آل عباس ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق، صالح الحدیث راوی ہیں، علامہ ابن حبان اور ابن عبدالبر لکھتے ہیں: آپ کے ثقہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم: آپ کا نام عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم ہاشمی قریشی مدنی ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: راجع:۳۱

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۱۔i۔الجرح والتعدیل، ج۸،ص۱۴۳ ii۔تاریخ الدارمی،ص۲۷۷

۲۔i۔الثقات، ج۵،ص۱۰۰ ii۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۴۰۶

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ترپنویں (۵۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری دو مدنی ہیں۔
☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فقہاء عبادلہ اربعہ اور مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں، آپ جبرالامتہ اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور ہیں، آپ سے ایک ہزار چھ سو چھیانوے (۱۶۹۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
☆ یہ بھتیجے (عبداللہ بن عبیداللہ) کی چچا (عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم) سے روایت ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کنا جلوسا: ہم بیٹھے تھے — ماخصنا: ہمیں خاص نہیں کہا
دون الناس: لوگوں کے علاوہ — امرنا: اس نے ہمیں حکم دیا۔ مراد ہے رسول اللہ ﷺ نے
نسبغ: ہم مکمل اور اچھی طرح کریں — لانا کل الصدقة: ہم زکوٰۃ نہ کھائیں، اس سے ہر صدقہ واجبہ مراد ہے
لاننزی: ہم جفتی نہ کرائیں۔ ملاپ نہ کرائیں — الحمر: گدھے
الخیل: گھوڑے۔ گھوڑیاں

۱۴۲۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ يِسَافٍ عَنْ أَبِي يَحْيَى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "أَسْبِغُوا الْوُضُوءَ"

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وضو اچھی طرح کرو۔

۱۔مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف: راجع:۱۱۱

۳۔تعارفِ رجال: اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔قتیبۃ: راجع:۱ ۲۔جریر: راجع:۲ ۳۔منصور: ایضاً
۴۔ھلال بن یساف: راجع:۴۳ ۵۔ابی یحییٰ: راجع:۱۱۱ ۶۔عبداللہ بن عمرو: ایضاً

۴۔حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے۔ اس سند میں ابو یحییٰ اعرج صدوق اور متکلم فیہ راوی ہیں۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ساٹھویں (۶۰) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ ابویحییٰ کو علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مقبول، صاحب خلاصہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، اگلے تین کوفی، ابویحییٰ انصاری اور آخری راوی مصری طائفی ہیں۔
☆ سند میں تین تابعین کرام (منصور۔ ھلال۔ ابویحییٰ) نے ایک دوسرے سے روایت کی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اسبغوا: تم اچھی طرح کرو۔ مکمل کرو۔　　الوضوء: وضو

باب ۱۰۷: اَلْفَضْلِ فِیْ ذٰلِكَ　　اچھی طرح وضو کرنے کی فضیلت

اس باب میں اچھی طرح وضو کرنے کی فضیلت اور ایسے شخص کے لئے درجات کی بلندی کا بیان ہے، یہ باب پچھلے باب کا تتمہ ہے، پچھلے باب میں اچھی طرح وضو کرنے کا حکم بیان ہوا ہے، اس طرح دونوں باب اچھی طرح وضو کرنے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۱۴۳۔اَخْبَرَنَا قُتَیْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَا یَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَایَا وَیَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ان چیزوں کے بارے میں نہ بتلاؤں، جن سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ گناہوں کو مٹاتا، اور درجات بلند فرماتا ہے۔ (۱) تکلیف کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا۔ (۲) مسجد کی طرف دور سے چل کر جانا۔ (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ یہی رباط ہے۔ یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔

۱۔مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

تکلیف کے باوجود وضو کرنے سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ گناہ مٹاتا اور درجات بلند فرماتا ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۲۴۹، احمد:۷۲۱۲، ۷۷۳۳، ۸۰۲۷، موطا:۶۷، تحفۃ الاشراف:۱۴۰۸۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں، البتہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے دوبارہ تفصیلی حالات درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔قتیبۃ: راجع:۱ ۲۔مالک: راجع:۷

۳۔العلاء بن عبدالرحمٰن:

آپ کا نام ابوشبلی العلاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب حرقی، مدنی (م:۱۳۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ہیں، آپ کو علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق ربما وھم، ابن معین نے لیس حدیثہ بحجہ، ابوزرعہ نے لیس ھو بالقوی، ابوحاتم نے صالح، امام نسائی نے لیس بہ بأس لکھا ہے، البتہ امام ابن حنبل، ابن حبان، ابن سعد اور امام ترمذی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے جزءالقراءۃ میں روایت کی ہے۔(۱)

۴۔عبدالرحمٰن: آپ کا نام عبدالرحمٰن بن یعقوب جھنی مدنی ہے، آپ حرقہ کے غلام تھے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے جزءالقراءۃ میں روایت کیا ہے۔(۲)

۵۔حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

عمیر نام، ابو ہریرہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمیر بن عامر بن عبد ذی الشریٰ بن طریف بن غیاث بن لھیعہ بن سعد بن ثعلبہ بن سلیم بن فہم بن غنم بن دوس۔(۳)

اصل خاندانی نام عبدشمس تھا، اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر رکھا، کنیت کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ''ہرہ'' بلی پالی تھی، شب میں اس کو ایک درخت میں رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا، لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کیا۔(۴) دوس کا قبیلہ یمن میں آباد تھا۔

قبل از اسلام:

بچپن میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، اس لئے فقر وافلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے، بسرہ بنت غزوان کے پاس محض روٹی کپڑے پر ملازم تھے اور خدمت یہ سپرد تھی کہ جب وہ کہیں جانے لگتی تو یہ پاپیادہ ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے اس کی سواری کے ساتھ چلتے اتفاق سے بعد میں یہی عورت ان کے نکاح میں آ گئی۔(۵)

۱۔i۔تقریب التھذیب، ج۲،ص۹۹ ii۔تاریخ الدوری، ج۲،ص۴۴۳ iii۔تھذیب العلل، ج۱،ص۱۶۲ iv۔تاریخ الدارمی،ص۶۲۳

v۔الجرح والتعدیل، ج۶،ص۳۵۷ vi۔الثقات، ج۵،ص۲۴۱

۲۔i۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج۵، رقم:۱۱۵۸ ii۔تھذیب التھذیب، ج۶،ص۳۰۱

۳۔ابن سعد جز۴، قسم۲،ص۵۲ ۴۔ترمذی مناقب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۵۔ابن سعد ترجمہ ابو ہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ

محبت آل رسول ﷺ:

ذات نبوی ﷺ کے ساتھ والہانہ تعلق کا فطری اقتضاء یہ تھا کہ آل اطہار کے ساتھ بھی یہی شیفتگی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کے سامنے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بلا کر گود میں بٹھایا اور ان کے منہ میں منہ ملا کر تین مرتبہ فرمایا کہ ''خدا میں اس کو محبوب رکھتا ہوں، اس لئے تو بھی محبوب رکھ اور اس کے محبوب رکھنے والے کو بھی محبوب رکھ'' اس کے بعد سے جب یہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تھے ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔(۱) عمیر بن اسحٰق راوی ہیں کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ملے تو کہا کہ ''اپنے شکم مبارک کا وہ حصہ کھولیے جو آنحضرت ﷺ کا بوسہ گاہ تھا، آپ نے کپڑا اٹھا دیا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسی مقام پر بوسہ عقیدت ثبت کر دیا۔(۲)

والدہ کی خدمت گزاری:

حق العباد میں ایک بڑا حق یہ ہے کہ انسان تابمقدور ان ضعیف اور سب سے بڑے محسن والدین کی خدمت گزاری کو باعث فخر اور ذریعہ نجات سمجھے، جنہوں نے اس کو بچہ سے جوان بنایا، اسلام نے خاص طور پر ان کے اعزاز و احترام اور خدمت گزاری کی تعلیم دی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس فریضہ کا یہاں تک لحاظ رکھا کہ ماں کی تنہائی کے خیال سے ان کی زندگی بھر حج نہیں کیا۔(۳)

مرتبہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، رمضان کا زمانہ تھا، ہم لوگوں کا معمول تھا کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، ان سب میں سب سے زیادہ ''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ'' دعوت کرتے تھے۔(۴)

گو مہمان نوازی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام وصف تھا، تاہم لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مہمان نواز کم صحابی تھے۔(۵)

۴۔ حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ حسن ہے، اس کے دیگر شواہد موجود ہیں۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چونویں (۵۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ العلآء بن عبدالرحمٰن متکلم فیہ راوی ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی مدنی ہیں، البتہ قتیبہ بن سعید بغلانی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (العلآء) کی باپ (عبدالرحمٰن) سے روایت ہے۔

☆ یہ تابعی (العلآء) کی تابعی (عبدالرحمٰن) سے روایت ہے۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اہل صفہ کے نقیب ہیں، آپ مکثرین سبعہ رواۃ کے رئیس ہیں۔ آپ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر روایات مروی ہیں۔

۶۔ لغات:

اخبرکم: میں تمہیں بتاؤں   بمحو الله: اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۵۳۲   ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۴۸۸

۳۔ مسلم ج ۲ باب ثواب العبد واجرہ از نصح لسیدہ واحسن وابن سعد تذکرہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۵۳۸   ۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۵۳۸۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، مہاجرین: دوم، ص ۳۶۔ ۴۸

الخطایا: گناہ　　یرفع: وہ بلند کرتا ہے

اسباغ: اچھی طرح۔کامل، مکمل　　المکار: مشکل۔تکلیف۔مشقت، سردی کی ٹھنڈ بھی مراد ہے

کثرۃ الخطا: زیادہ چلنا۔دور تک پیدل چلنا　　الرباط: کسی امر پر ہمیشگی اختیار کرنا۔دشمن کی سرحد کے قریب لشکر کا ہمیشہ پڑاؤ رکھنا

۷۔مسائل ونصائح:

لغت میں اسباغ کے معنی پورا کرنے اور تمام کرنے کے آتے ہیں۔وضو میں اسباغ یہ ہے کہ اعضاء وضو کے ہر حصہ کو مکمل طور پر دھویا جائے۔اس طرح کہ عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہے خواہ ایک ہی بار دھوئے لیکن اسباغ کے فضائل کی حدیث پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اسباغ وضو کا یہ مطلب ہونا چاہئے کہ ہر عضو کے ہر حصہ کو تین تین بار دھویا جائے۔(۱)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

رباط کا معنی ہے کسی چیز کو کسی جگہ محبوس کرنا، گویا اس شخص نے اپنے نفس کو اس طاعت پر محبوس کر دیا یہ بھی احتمال ہے کہ یہ افضل رباط ہے جیسے کہا جاتا ہے اصل جہاد، جہاد النفس ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ رباط متیسر ہے، یعنی یہ رباط کی اقسام سے ہے۔(۲)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق نے اپنی ''مصنف'' میں سند صحیح کے ساتھ موصولاً روایت کیا ہے اور یہ کسی چیز کی اس کے لازم کے ساتھ تفسیر کرنا ہے، کیونکہ جب مکمل اور تام وضو کیا جائے تو اس سے عادتاً اعضاء وضو صاف ہو جاتے ہیں اور امام ابن منذر نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وضو میں اپنے پیروں کو سات بار دھوتے تھے اور وہ پیروں کو دھونے میں اس لئے مبالغہ کرتے تھے کہ عموماً وہ لوگ ننگے پیر چلتے تھے اور اس سے پیر پر دھول اور مٹی لگ جاتی تھی۔(۳)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار سے زیادہ دھونے کو ظلم اور برائی فرمایا ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سات بار کیوں دھوتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلم اور برائی اس وقت ہے، جب طہارت کے لئے تین بار دھونے کو نا کافی قرار دے کر تین بار سے زیادہ دھویا جائے، لیکن اگر جسم سے میل کچیل اتارنے اور اعضا وضو کو صاف کرنے کے لئے تین بار سے زیادہ دھویا جائے تو پھر یہ جائز ہے، اور جو شخص تین بار دھونے کو وضو کے لئے کافی سمجھتا ہو تو پھر اس کا تین بار سے زیادہ دھونا نور علیٰ نور ہے۔(۴)

فوائد ومسائل:

ا۔صدقہ وزکوٰۃ کی حرمت کے علاوہ باقی چیزیں اہل بیت سے خاص نہیں، صرف صدقہ وزکوٰۃ نہ کھانے میں انہیں انفرادیت ہے۔باقی مذکورہ مسائل محض تاکید مزید کے معنی میں ہے۔(۲) گدھوں کی گھوڑیوں سے جفتی نہ کرائیں''۔کیونکہ گھوڑا نسل کے اعتبار سے اعلیٰ اور مبارک جانور ہے، اس لئے گھوڑی سے خچر حاصل کرنا اعلیٰ اور عمدہ پر ادنیٰ اور کم تر کو ترجیح دینا ہے، اس لئے پسندیدہ نہیں ہے، تاہم خچر خریدنا اور اس پر سواری کرنا ممنوع نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کو خچر کا تحفہ ملا تو آپ نے قبول فرمایا اور بار بار اس پر سواری بھی کی، نیز اللہ تعالیٰ نے سورۂ نحل آیت:۸ میں خچروں کی سواری اور ان کے باعث زینت ہونے کو اپنی نعمت شمار کیا ہے۔بعض علماء اس کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا اسے بطور سواری استعمال کرنا

ا۔فیوض الباری، ج ا، ص ۴۶۳　　۲۔شرح مسلم، ج ا، ص ۱۲۷۔شرح صحیح مسلم، ج ا، ص ۹۰۹

۳۔فتح الباری، ج ا، ص ۶۸۴　　۴۔نعمۃ الباری، ج ا، ص ۵۱۷۔۵۱۸

اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں ایک درجہ کراہت تو ہے مگر اس کی افزائش کا مروجہ طریقہ جائز ہے اور حدیث میں نہی حرمت کے لئے نہیں بلکہ تنزیہ کے لئے ہے، لیکن دلائل کی رو سے بہتر اور راجح موقف یہ ہے کہ اس طریقے سے اس کا حصول محل نظر ہے، البتہ خچر سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی اور رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے، نیز نبی اکرم ﷺ کے فرمان: (انما یفعل ذلك الذین لایعلمون ۔(۱) ''یہ کام بے علم لوگ کرتے ہیں''۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باشعور اور اچھے لوگ یہ کام نہیں کرتے۔ گویا اس میں ایک لحاظ سے سرزنش کا پہلو ہے۔ بنا بریں گدھے اور گھوڑی کی جفتی خود کرانا ممنوع ہے۔ ان میں یہ عمل از خود ہو جائے یا کوئی جاہل لوگ کریں تو ہمارے لئے ان سے پیدا ہونے والے خچر سے فائدہ اٹھانا بالکل جائز ہے۔ واللہ اعلم۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔(۲)

ان باتوں کی بنی ہاشم کو زیادہ تاکید فرمائی لیکن پہلی بات یعنی وضو کا پورا کرنا تو وہ سب مسلمانوں کے لئے ہے اور زکوٰۃ کا حرام ہونا بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب سے خاص ہے اور گدھوں کا گھوڑیوں پر کودانا عموماً مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے گھوڑے کی نسل کم ہوگی حالانکہ گھوڑے کی نسل بڑھانا چاہئے کیونکہ وہ آلۂ جہاد ہے۔(۳)

☆ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے لکھا ہے، یہاں پر محو بخشش کے معنیٰ میں ہے، اور محو سے مراد لوح محفوظ سے مٹانا بھی ہوسکتا ہے، اور دونوں معانی سے مقصود اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا گناہوں کو معاف فرمانا ہے، (یرفع بہ امر درجات) سے جنت کی اعلیٰ منزلیں مراد ہیں، اسباغ الوضوء سے مکمل وضو مراد ہے، (علی المکارہ) سے مراد ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، جس میں تکلیف کے باوجود اور مجبوری کی حالت میں دنیاوی کاموں کو چھوڑ کر محض اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وضو کرنا۔ ہے، (کثرۃ الخطا) سے مراد ہے کہ فاصلے پر موجود گھر ہونا اور پیدل چل کے آ کر نماز پڑھنا (انتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ) کے دو احتمال ہیں: (۱) ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار کے لئے مسجد میں ہی بیٹھے رہنا۔ (۲) دل کو مضبوطی سے دوسری نماز کے لئے تیار رکھنا، اور دوسری نماز کے لئے اہتمام کرنا۔ (فذا کم الرباط) یہ الفاظ آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمائے، یہ آپ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ بات کی وضاحت اور خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے بار بار دہراتے تھے، ربط سے مراد نفس اور جسم کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی اطاعت کا ہمیشہ کے لئے پابند بنانا ہے۔(۴)

☆ علامہ سندھی لکھتے ہیں:

رباط کی حقیقت یہ ہے کہ نفس اور جسم کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی اطاعت کا پابند بنانا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ افضل ہے، کیونکہ رباط سے مراد دشمن سے بچاؤ کے لئے مستقل پہرہ بٹھانا ہے، یہ اعمال جو حدیث مبارکہ میں بیان ہوئے ہیں، یہ شیطان کے راستوں کی رکاوٹ ہیں، نفس کو شہوات سے روکتے ہیں، یہ نفس اور شیطان کی مخالفت ہے، اس لئے یہ جہاد اکبر ہے کیونکہ اس میں شیطان سے بچنے کے طریقے ہیں۔(۵)

خلاصہ: حدیث نمبر ۱۴۱ اور حدیث نمبر ۱۴۲ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ وضو مکمل اور اچھی طرح کرنے کا حکم مشروع ہے۔ یہ سنت مبارکہ ہے۔

☆ یہاں پر امر وجوب کے لئے بھی ہوسکتا ہے، اور استحباب مؤکد کے لئے بھی، اور بلا تاکید استحباب کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ ملاپ نہ

۱۔ مسند احمد: ۹۸/۱، وسنن النسائی، الخیل، حدیث: ۳۶۰۱

۲۔ معالم السنن للخطابی: ۲۱/۲، وشرح معانی الآثار للطحاوی: ۲۷۳/۳، وذخیرۃ العقبیٰ شرح سنن النسائی: ۲۲۸/۳۔ ۲۲۵۔ سنن نسائی، (دار السلام)، ج ۱ ص ۱۸۷

۳۔ سنن نسائی (حاشیہ سلفی)، ج ۱ ص ۹۳ (اسلامی کتب خانہ) ۴۔ زہر الربیٰ، ج ۱ ص ۴۴ ۵۔ حاشیہ سندھی، ص ۴۵۔ ۴۶

کرانے سے دونوں امر مراد ہو سکتے ہیں، کہ یہ حکم اس وقت موجود صحابہ کے لئے مکروہ تحریمی کے معنیٰ میں ہے، لیکن دوسروں کے لئے مکروہ نہ ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں پر کراھت اس وجہ سے ہے کہ اس عمل سے گھوڑوں کی نسل نایاب ہوگی اور تبدیل بھی ہوگی۔ یہ بہتر کے بدلے میں کم تر لینا ہے، لیکن نبی کریم ﷺ نے خچر پر سواری کی ہے، اور اللہ تعالیٰ ﷻ نے خچر کا ذکر اپنے بندوں پر احسان کے طور پر کیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ: (النحل ۱۶:۸) (گھوڑے، خچر اور گدھے) آپ ﷺ کا سواری کرنا اور اللہ تعالیٰ ﷻ کا بطور احسان ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے، کہ یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی مثال تصویر جیسی ہے کہ اس کا بنانا حرام اور فرض کے لئے اس کا استعمال مباح ہے۔(۱) یہاں یہ تصویر سے مراد ذی روح کی تصویر ہے۔ (سندرانی عفی عنہ)

☆ حدیث نمبر ۱۴۱ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے ذکر کردہ تینوں چیزوں میں سے ایک صدقہ نہ کھانا (زکوۃ اور صدقات واجبہ) بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے لئے خاص ہے، باقی دو چیزوں کا حکم عام ہے۔ صرف ان کے لئے خاص نہیں ہے، یہاں پر صرف تاکید مزید کے طور پر مذکور ہیں۔

☆ گدھے سے گھوڑی کی جفتی کروانا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اس پر سواری کرنا اور خرید وفروخت کرنا، اور دوسرے منافع حاصل کرنا جائز ہے۔

☆ وضو اچھی طرح کرنے سے گناہ دھل جاتے ہیں، اور درجات بلند ہوتے ہیں۔

☆ وضو کرنے میں جتنی مشقت یا تکلیف ہوگی، ثواب اتنا بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ سردیوں میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، جسم میں تکلیف کے باوجود وضو کرنا، دنیاوی کاموں میں مشغول ہونے کے باوجود وضو مکمل اور اچھی طرح کرنا۔

☆ مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لئے نمازی جتنی دور سے چل کر آئے گا، ثواب اتنا ہی بڑھ جائے گا۔

☆ ایک نماز کی ادائیگی کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا چاہئے مسجد میں بیٹھ کر ہو، یا دوسرے کاموں میں مشغول ہونے کے باوجود اس کا اہتمام کرنا، گناہوں کے کفارے کا سبب ہے۔

☆ حدیث مبارکہ میں تینوں امور شیطانی راستے روکنے اور اللہ تعالیٰ ﷻ کی پناہ اور رحمت کا ذریعہ ہیں اسی لئے یہ جہاد اکبر ہے۔

باب۱۰۸: ثَوَابُ مَنْ تَوَضَّأَ كَمَا أُمِرَ — حکم کے مطابق وضو کرنے کا ثواب

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ وضو کرنے کا حکم جس طرح اللہ تعالیٰ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، اس کا ثواب واجر کیا ہے، اس سے مراد مسنون وضو ہے، پچھلے باب میں کامل وضو کرنے کی فضیلت کا بیان تھا، اس باب میں مسنون وضو پر ثواب کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے چار احادیث مبارکہ سے استنباط ہے۔

۱۴۴۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ عَاصِمِ بْنِ سُفْيَانَ الثَّقَفِيِّ أَنَّهُمْ غَزَوْا غَزْوَةَ السَّلَاسِلِ فَفَاتَهُمُ الْغَزْوُ فَرَابَطُوا ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى مُعَاوِيَةَ وَعِنْدَهُ أَبُو أَيُّوبَ وَعُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ فَقَالَ عَاصِمٌ يَا أَبَا أَيُّوبَ فَاتَنَا الْغَزْوُ الْعَامَ وَقَدْ أُخْبِرْنَا أَنَّهُ مَنْ

حضرت عاصم بن سفیان ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: ہم سلاسل (چشمے کی وجہ سے مقام کا نام) کی جانب جہاد کے لئے روانہ ہوئے، لیکن انہیں جہاد نہ ملا (کیونکہ آپ دیر سے پہنچے تھے)، وہ دشمن کی سرحد پر مورچہ زن ہو گئے۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر خدمت ہوئے، آپ کے پاس حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور

صَلّٰى فِي الْمَسَاجِدِ الْاَرْبَعَةِ غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ فَقَالَ يَا ابْنَ اَخِي اَدُلُّكَ عَلٰى اَيْسَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "مَنْ تَوَضَّاَ كَمَا اُمِرَ وَصَلّٰى كَمَا اُمِرَ غُفِرَ لَهٗ مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلٍ۔" اَكَذٰلِكَ يَا عُقْبَةُ قَالَ نَعَمْ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے، حضرت عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: اے ابوایوب رضی اللہ عنہ! اس سال ہم جہاد سے محروم رہ گئے ہیں، ہمیں بتلایا گیا ہے کہ جوشخص چار مسجدوں (مسجد الحرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ، مسجد قباء) میں نماز پڑھے، اس کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! کیا میں تجھے اس سے بھی آسان کام بتلاؤں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جوشخص حکم کے مطابق وضو کرے اور نماز پڑھے، اس کے پہلے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، اے عقبہ! کیا اسی طرح ہے، انہوں نے کہا: ہاں۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

جوشخص حکم کے مطابق وضو کرے اور نماز پڑھے، اس کے پہلے سارے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

۲۔اطراف:

ابن ماجہ: ۱۳۹۶، ابن حبان: ۱۶۶، احمد: ۲۳۶۵۶، السنن الکبریٰ: ۱۴۰، تحفۃ الاشراف: ۳۴۶۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت میں آٹھ شخصیات کا ذکر ہے، جن میں سے چار کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی کے حالات درج کئے جاتے ہیں، البتہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں:

۱۔قتیبہ: راجع: ۱ ۲۔اللیث: راجع: ۳۵

۳۔ابوالزبیر: ایضاً

۴۔سفیان بن عبدالرحمٰن: آپ کا نام سفیان بن عبدالرحمان یا سفیان بن عبداللہ بن عاصم بن سفیان بن عبداللہ ثقفی مکی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، مقبول راوی ہیں۔ امام نسائی اور ابن ماجہ نے یہی ایک حدیث مبارکہ آپ سے روایت کی ہے۔(۱)

۵۔عاصم بن سفیان: آپ کا نام عاصم بن سفیان بن عبداللہ بن ربیعہ ثقفی کوفی ہے، آپ رواۃ کے طبقہ اولیٰ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آپ عبداللہ بن سفیان اور عمرو بن سفیان کے بھائی اور بشر بن عاصم حجازی کے والد ہیں، امام بغوی نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور بشر بن عاصم عن ابیہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے۔(۲) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب التہذیب میں آپ کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے، اور صدوق لکھا ہے۔(۳) آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۱۔i۔التاریخ الکبیر، ج۴، ص۲۰۸ ii۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۳۰۲ ۲۔تھذیب التھذیب، ج۵، ص۴۱۔۴۲

۳۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۳۶۵ ۴۔i۔طبقات ابن سعد، ج۵، ص۵۱۹ ii۔اسد الغابۃ، ج۳، ص۷۵

۶۔ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ:

نام ونسب اور ابتدائی حالات:

خالد نام، ابوایوب کنیت، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تھے سلسلۂ نسب یہ ہے، خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف خزرجی خاندان نجار گو قبائل مدینہ میں خود بھی ممتاز تھا، تاہم اس شرف نے کہ حامل نبوت کی وہاں ننہالی قرابت تھی اس کو مدینہ کے اور قبائل سے ممتاز تر کر دیا تھا، ابوایوب رضی اللہ عنہ اس خاندان کے رئیس تھے۔

حامل نبوت کی میزبانی:

خدا نے اہل مدینہ کے قبول دعوت اسلام کو ایک امن عطا کر دیا اور مسلمان مہاجرین مکہ اور اطراف سے آ آ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے لیکن جو وجود مقدس قریش کی ستم گاریوں کا حقیقی نشانہ تھا وہ اب تک ستم گاروں کے حلقہ میں تھا، آخر ماہ ربیع الاول میں بعثت کے تیرہویں سال وہ بھی عازم مدینہ ہوا، اہل مدینہ بڑی بے تابی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کا انتظام کر رہے تھے، انصار کا ایک گروہ جس میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی تھے روزانہ حرہ تک مدینہ سے ۳۔۴ میل ہے صبح اٹھ کر جاتا تھا، اور دوپہر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر کے نامراد واپس لوٹ آتا تھا، اسی طرح یہ لوگ ایک روز بے نیل ومرام واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے دور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرینہ سے پہچان کر انصار کو تشریف آوری کا مژدہ سنایا، انصار جن میں بنونجار سب سے پیش پیش تھے ہتھیار سجا سجا کر خیر مقدم کے لئے آگے بڑھے۔

مدینہ سے متصل قباء نامی ایک آبادی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دنوں قبا میں رونق افروز رہے، اس کے بعد مدینہ کا عزم فرمایا، اللہ اکبر! مدینہ کی تاریخ میں یہ عجیب مبارک دن تھا، بنونجار اور تمام انصار ہتھیاروں سے آراستہ دورویہ صف بستہ تھے، روسا، اپنے اپنے محلوں میں قرینے سے ایستادہ تھے، پردہ نشین خواتین گھر سے باہر نکل آئی تھیں، مدینہ کے حبشی غلام جوش مسرت میں اپنے اپنے فوجی کرتب دکھا رہے تھے، اور خاندان نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر ''طلع البدر علینا'' کا ترانہ خیر مقدم گا رہی تھیں غرض اس شان وشکوہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر میں داخلہ ہوا کہ وداع کی گھاٹیاں مسرت کے ترانوں سے گونج اٹھیں اور مدینہ کے روز نہائے دیوار نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھا جو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

اب ہر شخص منتظر تھا کہ دیکھئے میزبان دوعالم کی مہمانی کا شرف کس کو حاصل ہو جدھر سے آپ کا گزر ہوتا لوگ اھلاً وسھلاً مرحبا کہتے ہوئے آگے بڑھتے اور عرض کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ گھر حاضر ہے، لیکن کارکنان قضا وقدر نے اس شرف کے لئے جس گھر کو منتخب کیا تھا وہ ابوایوب رضہ اللہ عنہ کا کاشانہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا ''خلو اسبیلھا فانھا مامورۃ'' یعنی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دو خدا کی جانب سے خود منزل تلاش کر لے گی، امام مالک کا قول ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی حالت طاری تھی اور آپ اپنے قیام گاہ کی تجویز میں حکم الٰہی کے منتظر تھے آ کر ندائے وحی نے تسکین کا سرمایہ بہم پہنچایا اور ناقہ قصوی نے خانہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کے سامنے سفر کی منزل ختم کی، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور درخواست کی کہ میرا گھر قریب ہے، اجازت دیجئے اسباب اتارلوں۔ امیدواروں کا ہجوم اب بھی باقی تھا اور لوگوں کا اصرار اجازت سے مانع تھا، آخر لوگوں نے قرعہ ڈالا، ابوایوب رضی اللہ عنہ کو اس فخر لازوال کے حصول سے جو مسرت ہوئی ہوگی، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر میں تقریباً ۶ مہینے تک فروکش رہے اس عرصہ میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے نہایت عقیدت مندانہ جوش کے ساتھ آپ کی میزبانی کی ان کے مکان کے اوپر نیچے دو حصے تھے انہوں نے اوپر کا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص کیا لیکن آپ نے

اپنی اورزائرین کی آسانی کی خاطر نیچے کا حصہ پسند فرمایا ایک دفعہ اتفاق سے کوٹھے پر پانی کا جو گھڑا تھا وہ ٹوٹ گیا، چھت معمولی تھی ڈر تھا کہ پانی نیچے ٹپکے اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہو، گھر میں میاں بیوی کے اوڑھنے کے لئے صرف ایک ہی لحاف تھا، دونوں نے لحاف پانی پر ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے بایں ہمہ تکلیف ان میزبانوں کے لئے کوئی بڑی زحمت نہ تھی کہ اسلام کی خاطر اس سے بڑی بڑی اور شدید تکلیفوں کے تحمل کا وہ عزم کر چکے تھے، تاہم یہ خیال کہ وہ اوپر اور خود حامل وحی نیچے ہے۔ ایسا سوہان روح تھا جس نے حضرت ابوایوب کو ایک دفعہ شب بھر بیدار رکھا، اور دونوں میاں بیوی نے سوء ادب کے خوف سے چھت کے کونوں میں بیٹھ کر رات بسر کی، صبح حضرت ابوایوب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ عرض کیا، اور درخواست کی کہ حضور ﷺ اوپر اقامت فرمائیں، جان نثار نیچے رہیں گے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے درخواست منظور فرمالی اور بالا خانہ پر تشریف لے گئے۔

آنحضرت ﷺ جب تک ان کے مکان میں تشریف فرما رہے عموماً انصار یا خود حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں روزانہ کھانا بھیجا کرتے تھے، کھانے سے جو کچھ بچ جاتا، آپ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیتے تھے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی انگلیوں کے نشانات دیکھتے اور جس طرح سے آنحضرت ﷺ نے نوش فرمایا ہوتا، وہیں انگلی رکھتے اور کھاتے، ایک دفعہ کھانا واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے تناول نہیں فرمایا، مضطربانہ خدمت اقدس میں پہنچے اور نہ کھانے کا سبب دریافت کیا، ارشاد ہوا کھانے میں لہسن تھا اور میں لہسن پسند نہیں کرتا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا انی اکرہ ما تکرہ جو آپ کو ناپسند ہو یا رسول اللہ ﷺ میں بھی اس کو ناپسند کروں گا۔ (۱)

مواخات:

ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کو باہم بھائی بھائی بنا دیا آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان میں مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور اتحاد مذاق رتبہ اور درجہ کے لحاظ سے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنایا اس موقع پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کو جس مہاجر کا بھائی قرار دیا وہ یثرب کے اولین داعی اسلام حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر قریشی تھے، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر وہ پرجوش صحابی ہیں جنہوں نے اسلام کی خاطر بہت بڑی بڑی سختیاں جھیلی تھیں، اور ہجرت نبوی سے پہلے اسلام کے سب سے اول داعی بنا کر آنحضرت ﷺ نے ان کو مدینہ بھیجا تھا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی ان سے مواخاۃ یہ معنی رکھتی ہے کہ یہ بھی اپنے اندر اسی قسم کا جوش اور ولولہ رکھتے ہیں، اور آخر ان کی زندگی کے واقعات نے اس کو سچ کر دیا۔

غزوات اور عام حالات:

حضرت ابوایوب آنحضرت ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں دیگر اکابر صحابہ کی طرح برابر کے شریک رہے اور اس التزام سے کہ ایک غزوہ کے شرف شرکت سے بھی محروم نہیں رہے، آنحضرت ﷺ کے مشہور غزوات میں پہلا غزوہ بدر ہے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اس میں بھی شریک تھے بدر کے بعد وہ احد، خندق، بیعت الرضوان وغیرہ اور تمام غزوات میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب رہے۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کی زندگی کا بیشتر حصہ جہاد میں صرف ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جو لڑائیاں پیش آئیں، ان میں سے جنگ خوارج میں وہ شریک تھے اور جناب امیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کریم کی معیت میں مدائن تشریف لے گئے۔ جناب امیر کو آپ کی

ا۔ صحیح مسلم، ص ۱۹۷، ج ۲

ذات پر جو اعتماد اور آپ کی قابلیت وحسن تدبیر کا جس قدر اعتراف تھا وہ اس سے ظاہر ہوگا کہ جب انہوں نے کوفہ کو دارالخلافہ قرار دیا تو مدینہ میں حضرت ابوایوب کو اپنا جانشین چھوڑ گئے اور وہ اس عہد میں امیر مدینہ رہے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی سابقہ حسن خدمت کی بنا پر بارگاہ خلافت سے حسب ترتیب ماہانہ وظائف ملتے تھے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا وظیفہ پہلے ۴ ہزار درہم تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس ہزار درہم کر دیا، پہلے ۸ غلام ان کی زمین کی کاشت کے لئے مقرر تھے۔ جناب امیر علی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ غلام مرحمت فرمائے۔

آل واولاد:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی زوجہ کا نام ام حسن بنت زید انصاریہ رضی اللہ عنہا ہے، وہ مشہور صحابیہ تھیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ ان کے بطن سے صرف ایک لڑکا عبدالرحمٰن تھا۔ اس حسن خدمت اور محبت کی یادگار میں جو آنحضرت ﷺ کی ذات سے تھی، تمام اصحاب اور اہل بیت آپ سے محبت و عظمت کے ساتھ پیش آتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے، اسی زمانہ میں آپ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ملاقات کو بصرہ تشریف لے گئے، ابن عباس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ جس طرح آپ نے آنحضرت ﷺ کی اقامت کے لئے اپنا گھر خالی کر دیا تھا، میں بھی آپ کے لئے اپنا گھر خالی کر دوں اور اپنے تمام اہل وعیال کو دوسرے مکان میں منتقل کر دیا اور مکان مع اس تمام سازوسامان کے جو گھر میں موجود تھا آپ کی نذر کر دیا۔

مصر کا سفر:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت کا زمانہ آیا، عقبہ بن رضی اللہ عنہ عامر جہنی ان کی طرف سے مصر کے گورنر تھے، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ سفر مصر کا اتفاق ہوا، پہلا سفر طلب حدیث کے لئے تھا، انہیں معلوم ہوا تھا کہ حضرت عقبہ رضی الہ عنہ کسی خاص حدیث کی روایت کرتے ہیں، صرف ایک حدیث کے لئے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عالم پیری میں سفر مصر کی زحمت گوارا کی، مصر پہنچ کر پہلے مسلمہ رضی اللہ عنہ بن مخلد کے مکان پر گئے۔ حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خبر پائی تو جلدی سے گھر سے باہر نکل آئے اور معانقہ کے بعد پوچھا کیسے تشریف لانا ہوا۔ حضرت ابوایوب نے فرمایا مجھ کو عقبہ کا مکان بتادیجئے۔ مسلمہ سے رخصت ہو کر عقبہ کے مکان پر پہنچے ان سے ستر المسلم کی حدیث دریافت فرمائی اور کہا کہ اس وقت آپ کے سوا اس حدیث کا جاننے والا کوئی نہیں، حدیث سن کر اونٹ پر سوار ہوئے اور سیدھے مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔ (۱)

غزوۂ روم کی شرکت:

دوسری بار غزوۂ روم کی شرکت کے ارادہ سے مصر تشریف لے گئے، فتح قسطنطنیہ کی آنحضرت ﷺ بشارت دے گئے تھے، امرائے اسلام منتظر تھے کہ دیکھئے پیشین گوئی کس جانباز کے ہاتھوں پوری ہوتی ہے، شام کے دارالحکومت ہونے کے سبب سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا، چنانچہ ۵۲ھ میں انہوں نے روم پر فوج کشی کی، یزید بن معاویہ جو عام کتابوں مس ہے اس وقت اس کی عمر ڈیڑھ یا دو سال تھی اس عمر میں وہ کیسے اسلامی فوج کی کمان کر سکتا ہے۔ قسطنطنیہ پر دو حملے ہوئے پہلا جو سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا تھا اس میں اکابر صحابہ کرام کثرت سے تھے اس کی بشارت کریم ﷺ نے فرمائی تھی۔۔ اس لشکر کا سپہ سالار تھا، دیگر اصحاب کبار کی طرح حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ

۱۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۱۵۳

بھی اس پر جوش فوج کے ایک سپاہی تھے، مصر وشام وغیرہ ممالک اسلام کے الگ الگ دستے تھے، مصری فوج کے سرعسکر گورنر مصر مشہور صحابی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ جہنی تھے، ایک دستہ فضالہ بن عبید کے ماتحت تھا، ایک جماعت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے زیر قیادت تھی رومی بڑے سروسامان سے لڑائی کے لئے تیار ہوئے اور ایک فوج گراں مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بھیجی، مسلمانوں نے بھی مقابلہ کی تیاریاں کیں، ان کی تعداد بھی دشمنوں سے کم نہ تھی، جوش کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مسلمان رومیوں کی پوری پوری صف سے معرکہ آرا تھا۔

ایک صاحب کے جوش کی یہ کیفیت تھی کہ رومیوں کی صفوں کو چیر کر تنہا اندر گھس گئے۔ اس میور کو دیکھ کر عام مسلمانوں نے بیک وقت یہ صریح آیت قرآنی: (ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ) (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کے خلاف ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری آگے بڑھے اور فوج کو مخاطب کر کے فرمایا: ''لوگو! تم نے اس آیہ شریفہ کے یہ معنی سمجھے؟ حالانکہ اس کا تعلق انصار کے ارادہ تجارت سے ہے، اسلام کے امن وفراخی کے بعد انصار نے یہ ارادہ کیا تھا کہ گزشتہ سالوں میں جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے ان کو جو نقصانات اٹھانے پڑے ہیں ان کی تلافی کی جائے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پس ہلاکت جہاد میں نہیں، بلکہ ترک جہاد اور فراہمی مال میں ہے۔

وفات:

اسی سفر جہاد میں عام وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد اس کی نذر ہوگئی، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی اس وبا میں بیمار ہوئے۔ یزید عبادت کے لئے گیا، اور پوچھا کہ کوئی وصیت کرنی ہو تو فرمایئے تعمیل کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا، تم دشمن کی سرزمین میں جہاں تک جاسکو میرا جنازہ لے جا کر دفن کرنا چنانچہ وفات کے بعد اس کی تعمیل کی گئی تمام فوج نے ہتھیار سجا کر رات کو لاش قسطنطنیہ کی دیواروں کے نیچے دفن کی۔ نماز میں جس قدر مسلمان فوجی شامل تھے۔ دفن کرنے کے بعد یزید نے مزار کے ساتھ کفار کی بے ادبی کے خوف سے اس زمین کو برابر کر دیا، صبح کو رومیوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ رات آپ لوگ کچھ مصروف نظر آتے تھے، بات کیا تھی، مسلمانوں نے کہا ہمارے پیغمبر کے ایک جلیل القدر دوست نے وفات پائی، ان کے دفن میں مشغول تھے لیکن جہاں ہم نے دفن کیا ہے تمہیں معلوم ہے، اگر مزار اقدس کے ساتھ کوئی گستاخی تمہاری طرف سے روا رکھی گئی تو یاد رکھو اسلام کی وسیع الحدود حکومت میں کہیں ناقوس نہ بج سکے گا۔ (۱)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مزار دیوار قسطنطنیہ کے قریب ہے اور اب تک زیارت گاہ خلائق ہے، رومی قحط کے زمانہ میں مزار اقدس پر جمع ہوتے تھے۔ اس کے وسیلہ سے باران رحمت مانگتے تھے اور خدا کے لطف وکرم کا تماشا دیکھتے تھے۔ (۲)

فضل وکرم:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا فضل وکمال اس قدر مسلم تھا کہ خود صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، براء بن عازب رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابوامامہ رضی اللہ عنہ، زید بن خالد رضی اللہ عنہ جہنی، مقدام بن معدی کرب، جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن یزید خطمی وغیرہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے فیض سے بے نیاز نہیں تھے۔ تابعین میں سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ، عطاء بن یسار، عطاء بن یزید لیثی، ابوسلمہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ عنہم بڑے پایہ کے لوگ ہیں، تاہم وہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے عام ارادت مندوں میں داخل تھے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو فضل وکمال میں مرجعیت عامہ حاصل تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کسی مسئلہ میں اختلاف کرتے تو ان کی طرف رجوع کرتے

۱۔ ابن سعد، ج ۳، ق ۱، ص ۵۰ واسد الغابہ تذکرہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ۲۔ ابن سعد، ج ۳، ق ۲، ص ۵۰

تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسور بن مخرمہ میں اختلاف ہوا کہ محرم حالت جنابت میں غسل کرتے وقت سر ہاتھ سے مل سکتا ہے یا نہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ سر دھو سکتا ہے، مگر مسور کہتے تھے کہ سر دھونا جائز نہیں، دونوں بزرگوں نے عبداللہ بن حسین کو حضرت ابوایوب کی خدمت میں بھیجا، حسن اتفاق سے وہ اس وقت غسل ہی کر رہے تھے۔ عبداللہ نے مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اپنا سر باہر نکال کر ملنا شروع کیا اور فرمایا کہ دیکھو آنحضرت ﷺ اسی طرح غسل کرتے تھے۔(۱)

عاصم بن سفیان ثقفی غزوۂ سلاسل میں شرکت کی غرض سے گھر سے نکلے تھے، ابھی منزل مقصود سے دور تھے کہ اختتام جنگ کی خبر آئی انہیں نہایت افسوس ہوا، اور وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں گئے، اس وقت حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور عقبہ بن عامر بھی موجود تھے ان کی موجودگی میں عاصم نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا، ان دونوں بزرگوں سے نہیں پوچھا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو یہ گوارا نہ ہوا، اس لئے انہوں نے مسئلہ کا جواب دے کر عقبہ سے تصدیق کرالی کہ ان کو کسی قسم کا خیال نہ پیدا ہو۔(۲)

ابن اسحاق (مولی بنی ہاشم) اور بعض دوسرے بزرگوں میں یہ بحث تھی کہ نبیذ کس کس برتن میں بنا سکتے ہیں؟ اور قرع مابہ النزاع تھا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کا ادھر سے گزر ہوا تو لوگوں نے ان کے پاس ایک آدمی کو تحقیق مسئلہ کے لئے روانہ کیا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مزفت میں نبیذ بنانے کی ممانعت کی ہے، اس شخص نے قرع کا لفظ دہرایا مگر حضرت ابوایوب نے پھر یہی جواب دیا۔(۳)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے حب علم اور نشر معارف کی انتہا یہ ہے کہ بستر مرگ پر بھی ان کی زبان اشاعت حدیث کا مقدس فریضہ ادا کر رہی تھی، وفات سے قبل انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دو حدیثیں روایت کی، جو پہلے کبھی انہوں نے بیان نہیں کی تھیں، ان کی رحلت کے بعد عام اعلان کے ذریعہ سے وہ لوگوں تک پہنچائی گئیں۔(۴)

اخلاق:

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ک مجموعہ اخلاق میں تین چیزیں سب سے زیادہ نمایاں تھیں، حب رسول ﷺ، جوش ایمان اور حق گوئی، آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو جو محبت تھی (۵) اور حضرت رسالت پناہ ﷺ کے ساتھ جو آداب وہ ملحوظ رکھتے تھے، میزبانی کے ذکر میں وہ واقعات گزر چکے ہیں۔

وفات نبوی ﷺ کے بعد جان نثاروں کے لئے روضہ اقدس کے سوا اور کیا شے مایہ تسلی ہو سکتی تھی؟ ایک دفعہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس تشریف رکھتے تھے، اور اپنا چہرہ ضریح اقدس سے مس کر رہے تھے، اس زمانہ میں مروان مدینہ کا گورنر تھا، وہ آ گیا، اس کو بظاہر یہ فعل خلاف سنت نظر آیا، لیکن حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے زیادہ مروان واقف رموز نہ تھا۔ اصل اعتراض کو سمجھ کر آپ نے فرمایا، میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اینٹ اور پتھر کے پاس نہیں آیا۔(۶)

جوش ایمان کا تماشا آپ اوپر دیکھ چکے ہیں، غزوات نبوی ﷺ میں سے کسی غزوہ کی شرکت سے وہ محروم نہ تھے اسی برس کی عمر میں بھی وہ مصر کی راہ سے بحر روم کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی دیواروں کے اعلائے کلمۃ اللہ میں مصروف تھے۔

حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ حکومت اور امارت کا دبدبہ و شان بھی اس سے باز نہیں رکھ سکتا تھا ایک دفعہ مصر کے گورنر عقبہ رضی اللہ عنہ بن عامر جہنی نے جو خود صحابی

۱۔ بخاری، ج ا، ص ۲۴۸ ۲۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۴۲۳، ونسائی، باب فضل الوضو ۳۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۴۱۴
۴۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۴۱۴ ۵۔ ایضاً، ص ۴۱۴، ۴۲۳ ۶۔ ایضاً، ص ۴۱۲

تھے کسی سبب سے مغرب کی نماز میں دیر کردی حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر پوچھا ماھذا الصلوۃ یا عقبہ؟ عقبہ یہ کیسی نماز ہے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایک کام کی وجہ سے دیر ہوگئی، آپ نے کہا تم صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، تمہارے اس فعل سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت نماز پڑھتے تھے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے وقت تعجیل کی تاکید فرمائی ہے۔(۱)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے کسی جنگ میں چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں باندھوا کر قتل کرادیا، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کو خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اس قسم کے وحشیانہ قتل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے اور میں تو اس طرح مرغی کا مارنا بھی پسند نہیں کرتا۔(۲)

غزوۂ روم کے زمانہ میں بہت سے قیدی افسر تقسیمات کی نگرانی میں تھے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے تو دیکھا قیدیوں میں ایک عورت بھی ہے جو زار وزار رو رہی ہے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے سبب پوچھا، لوگوں نے کہا اس کا بچہ اس سے چھین کر الگ کردیا گیا ہے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر عورت کے ہاتھ میں دے دیا، افسر نے امیر سے اس کی شکایت کی، امیر نے بازپرس کی تو بولے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طریقہ ستم کی مانعت کی ہے، اور بس۔(۳)

حضرت ابوایوب کی حریت ضمیر کا یہ فطری تقاضا تھا کہ جو بات اسلام کے خلاف دیکھیں اس پر لوگوں کو متنبہ کریں، چنانچہ جب وہ شام اور مصر تشریف لے گئے اور وہاں پاخانے قبلہ رخ بنے ہوئے دیکھے تو بار بار کہا، کیا کہوں؟ یہاں پاخانے قبلہ رخ بنے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔(۴)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی حیا کا یہ حال تھا کہ کنوئیں پر نہاتے تو چاروں طرف کپڑا تان لیتے تھے۔(۵)

۷۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

عقبہ نام، ابوعمرو کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عقبہ بن عامر بن عبس بن عمرو بن عدی بن عمرو بن رفاعہ بن مودوعہ بن عدی بن غنم بن ربیعہ بن رشدان بن قیس بن جہینہ جہنی۔(۶)

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے، اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ جب کوکبۂ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ منتقل ہوا تو عقبہ بکریاں چرا رہے تھے آپ کی تشریف آوری کی خبر سن کر بکریاں چھوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مجھ سے بیعت لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بیعت عربیہ کرنا چاہتے ہو یا بیعت ہجرت، کہا بیعت ہجرت، چنانچہ بیعت کرکے مدینہ میں مقیم ہوگئے۔(۷)

عہد خلفاء:

غزوات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا، عہد فاروقی میں شام کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے، دمشق کی فتح کا مژدہ حضرت عمر کے پاس یہی لائے تھے۔(۸) جنگ صفین میں امیر معاویہ کے طرفدار تھے اور ان ہی کی حمایت میں لڑے، مصر پر تسلط کے بعد انہوں نے ان کو وہاں کا امیر الخراج بنایا

۱۔ مسند احمد، ج۵، ص۴۱۷　۲۔ ایضاً، ص۴۲۲　۳۔ ایضاً، ص۴۱۳　۴۔ ایضاً، ص۴۱۳

۵۔ بخاری، ج۱، ص۲۴۸۔ سیر الصحابۃ، ج۱، انصار: اول، ص۷۳۔۷۹　۶۔ اسد الغابہ، ج۳، ص۴۲۳

۷۔ ابن سعد جزء۴، قسم۲، ص۶۶ واصابہ تذکرۂ ابن عامر رضی اللہ عنہ)　۸۔ اصابہ، ج۲، ص۴۸۹

اورنماز کی امامت کا منصب بھی عطا کیا۔(۱)

۴۷ھ میں امیر معاویہ کے ایما سے روڈس پر حملہ کیا، لیکن جنگ کے دوران میں معزول کردیئے گئے اور ان کی جگہ مسلمہ کا تقرر ہوا، معزولی کے بعد جنگ سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی۔(۲)

وفات:

زمانہ وفات کے بعد میں مختلف روایتیں ہیں، بہ روایت صحیح ۵۸ھ میں وفات پائی۔

فضل وکمال:

علم وفضل کے اعتبار سے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ ممتاز شخصیت رکھتے تھے، قرآن، حدیث، فقہ، فرائض اور شاعری سب میں امتیازی پایہ تھا، علامہ ذہبی لکھتے ہیں، عقبہ رضی اللہ عنہ فقیہ، کتاب اللہ کے قاری، فرائض کے ماہر، فصیح اللسان، شاعر اور بلند مرتبہ شخص تھے۔(۳)

قرآن کی تلاوت سے خاص ذوق تھا اور بڑے ذوق وشوق سے اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے، بعض بعض صورتیں خود زبانِ وحی والہام سے سیکھی تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے چمٹ گئے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو سورۂ ہود ویوسف پڑھایئے، اس ذوق وشوق نے ان کو قرآن کا قاری بنادیا تھا، ایک قرآن انہوں نے خود مرتب کیا تھا، اس کی ترتیب عثمانی مصحف سے مختلف تھی، یہ نسخہ نویں صدی ہجری تک مصر میں موجود تھا، اور اس کے اخیر میں عقبہ کے دست وقلم کی لکھی ہوئی یہ تحریر موجود تھی "یہ قرآن عقبہ بن عامر نے اپنے ہاتھوں سے لکھا"۔(۴)

احادیث:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تہی دامن نہ تھے، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۵ ہے ان میں سے ۷ متفق علیہ ہیں اور ایک میں بخاری اور ۷ میں مسلم منفرد ہیں۔(۵) گوان کے علم کے مقابلہ میں یہ تعداد بہت کم ہے، لیکن اکابر صحابہ تک بڑی بڑی مسافت طے کرکے ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے، حضرت ابوایوب صرف ایک حدیث سننے کے لئے خاص طور پر مدینہ سے مصر آئے اور سن کر فوراً واپس گئے۔(۶) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو حبر الامہ تھے، عقبہ رضی اللہ عنہ سے خوشہ چینی کرتے تھے، ان کے تلامذہ کی تعداد کافی تھی، ان میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ، قیس بن ابی حازم، جبیر بن نضر، بعجہ بن عبداللہ جہنی، دخین بن عامر، ربعی بن خراش، عبدالرحمٰن ابن شماسہ، علی بن رباح قابل ذکر ہیں۔(۷) فقہ میں بھی آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا۔

شاعری:

مذہبی علوم کے علاوہ عرب کے دوسرے مروجہ علوم خطابت وشاعری میں بھی دخل تھا، خود بھی خوش گوشاعر تھے۔(۸)

اخلاق:

عقبہ گو بلند پایہ صحابی تھے، لیکن مذہبی ذمہ داری سے بہت گھبراتے تھے، وہ اگرچہ ایک زمانہ میں مصر میں امامت کے عہد پر رہ چکے تھے، لیکن پھر اس میں احتیاط کرنے لگے تھے، ابوعلی ہمدانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں لوگوں نے درخواست کی کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، اس لئے آپ نماز پڑھایئے، فرمایا نہیں! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے امامت کی اور صحیح وقت پر پورے شرائط کے ساتھ نماز پڑھائی تو امام

۱۔ کتاب الولاۃ کندی، ص ۳۷　۲۔ ابن سعد جزو ۴، قسم ۲، تذکرہ ابن عامر رضی اللہ عنہ　۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص ۳۶

۴۔ تہذیب التہذیب، ج۷، ص ۲۴۳　۵۔ تہذیب الکمال، ص ۲۶۹　۶۔ مسند احمد بن حنبل، ج۴، ص ۱۵۹

۷۔ تہذیب الکمال، ص ۲۶۹　۸۔ مسند احمد بن حنبل، ج۴، ص ۱۴۵

اور مقتدی دونوں کے لئے باعث اجر ہے اور اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوئی تو امام ماخوذ ہوگا اور مقتدی بری الذمہ ہوں گے۔(۱)

حرمت رسول اللہ ﷺ

آقائے نامدار ﷺ کی خدمت گزاری ان کا خاص مشغلہ تھا چنانچہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی سواری کھینچنے کی خدمت ان ہی کے متعلق ہوئی تھی، کان صاحب بغلة رسول الله ﷺ الشهباء (۲)

اس خدمت ورفاقت کے طفیل میں ان کو بڑے قیمتی دینی فوائد حاصل ہوتے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں آنحضرت ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا میں سواری اقدس کھینچ رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا، عقبہ! میں تم کو دو بہترین سورتیں پڑھنے کے قابل بتاتا ہوں، میں نے عرض کی ارشاد ہو، فرمایا: قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔(۳)

احترام نبوی ﷺ

ذات نبوی ﷺ کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی سواری پر بیٹھنا بھی سوءادب سمجھتے تھے، ایک مرتبہ سفر میں مفوضہ خدمت انجام دے رہے تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے سواری بٹھادی اور خوداتر کر فرمایا! عقبہ اب تم سوار ہولو۔ عرض کی سبحان اللہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اور آپ کی سواری پر سوار ہوں، دوبارہ پھر آپ نے حکم دیا، انہوں نے وہی عرض کی، جب زیادہ اصرار بڑھا تو الامر فوق الادب کے خیال سے بیٹھ گئے اور سرکار دوعالم ﷺ ان کی جگہ سواری کھینچنے کی خدمت انجام دینے لگے۔(۴)

عیب پوشی:

عیب پوشی عقبہ رضی اللہ عنہ کا شیوہ تھا، کسی کی برائی کا اعلان کرنا بہت برا سمجھتے تھے، ایک مرتبہ غلام نے آکر عرض کی ہمارے ہمسائے شراب پیتے ہیں، فرمایا جانے دو، کسی پر ظاہر نہ کرنا، اس نے کہا میں محتسب کو خبر دوں گا، فرمایا بڑے افسوس کا مقام ہے، جانے بھی دو میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے کسی کی عیب پوشی کی، اس نے گویا مردہ کو زندہ کیا۔(۵)

سپاہیانہ فنون سے ذوق:

سپاہیانہ فنون سے بڑی دلچسپی تھی، تیراندازی سے بڑا ذوق تھا، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، ایک مرتبہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ حدیث سنائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک تیر کے بدلہ میں تین اشخاص کو جنت میں داخل کرتا ہے، اس کے بنانے والے کو، خدا کی راہ میں اس کے لے جانے والے کو اور چلانے والے کو، حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تمام کھیلوں میں صرف تین کھیل جائز ہیں، تیراندازی، گھوڑے کی تادیب اور اپنی بیوی سے ہنسی دل لگی کرنا، جس نے تیراندازی سیکھ کر بھلادی اس نے بڑی نعمت کھودی۔(۶)

اس دلچسپی کی بنا پر ان کے پاس اسلحہ کا بڑا ذخیرہ تھا، چنانچہ وفات کے وقت ان کے پاس ستر کمانیں تھیں، دوسرے لوازم اس کے علاوہ تھے، یہ سارا ذخیرہ خدا کی راہ میں وقف کر گئے۔(۷)

۱۔ کتاب الولاۃ کندی، ص ۴۷ ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۱۵۳ ۳۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۳، ص ۱۵۳ ۴۔ کتاب الولاۃ کندی، ص ۴۷

۵۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۱۵۸ ۶۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۱۵۸ ۷۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۱۵۸

سادگی:

عقبہ رضی اللہ عنہ گو فارغ البال تھے، غلام بھی پاس تھا، لیکن غایت سادگی کی بنا پر اپنا کام آپ کرتے تھے۔(۱)

۸۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ خَالَتِهِ أُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ قَالَتْ: نَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَرِيبًا مِنِّي، ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَتَبَسَّمُ فَقُلْتُ: مَا أَضْحَكَكَ؟ قَالَ: أُنَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ يَرْكَبُونَ هَذَا الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ، كَالْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ، قَالَتْ: فَادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَدَعَا لَهَا، ثُمَّ نَامَ الثَّانِيَةَ فَفَعَلَ مِثْلَهَا، فَقَالَتْ مِثْلَ قَوْلِهَا، فَأَجَابَهَا مِثْلَهَا، فَقَالَتْ: ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، فَقَالَ: أَنْتِ مِنَ الْأَوَّلِينَ؛ فَخَرَجَتْ مَعَ زَوْجِهَا عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ غَازِيًا أَوَّلَ مَا رَكِبَ الْمُسْلِمُونَ الْبَحْرَ مَعَ مُعَاوِيَةَ، فَلَمَّا انْصَرَفُوا مِنْ غَزْوِهِمْ قَافِلِينَ فَنَزَلُوا الشَّامَ، فَقُرِّبَتْ إِلَيْهَا دَابَّةٌ لِتَرْكَبَهَا، فَصَرَعَتْهَا، فَمَاتَتْ. رواه البخاري (2799)، ومسلم (1912).

عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ أَنَّ عُمَيْرَ بْنَ الْأَسْوَدِ الْعَنْسِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّهُ أَتَى عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، وَهُوَ نَازِلٌ فِي سَاحَةِ حِمْصَ، وَهُوَ فِي بِنَاءٍ لَهُ وَمَعَهُ، أُمُّ حَرَامٍ، قَالَ عُمَيْرٌ: فَحَدَّثَتْنَا أُمُّ حَرَامٍ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا فِيهِمْ، قَالَ أَنْتِ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: لَا. رواه البخاري (2924). قال الحافظ ابن حجر في "الفتح (6/120): قَالَ الْمُهَلَّبُ: فِي هَذَا الْحَدِيثِ مَنْقَبَةٌ لِمُعَاوِيَةَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا الْبَحْرَ وَمَنْقَبَةٌ لِوَلَدِهِ يَزِيدَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا مَدِينَةَ قَيْصَرَ.

قال الحافظ ابن حجر في "الفتح (6/120): قَالَ الْمُهَلَّبُ: فِي هَذَا الْحَدِيثِ مَنْقَبَةٌ لِمُعَاوِيَةَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا الْبَحْرَ وَمَنْقَبَةٌ لِوَلَدِهِ يَزِيدَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ غَزَا مَدِينَةَ قَيْصَرَ.

وروى مسلم في صحيحه (رقم 2501) من حديث ابن عباس: أن أبا سفيان قال: يا نبيَّ الله ثلاثٌ أعطِنيهنّ. قال: نعم. قال: عندي أحسنُ العربِ وأجملُه "أمُّ حبيبة بنت أبي سفيان"؛ أزوِّجُكها. قال: نعم. قال: ومعاوية تجعلُه كاتبا بين يديك. قال: نعم. قال: وتؤمِّرني حتى أقاتل الكفار كما كنتُ أقاتلُ المسلمين؟ قال: نعم.

و أخرج الإمام أحمد، عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: اللهم علّم معاوية الكتاب و قه العذاب. فضائل الصحابة (2/913) إسناده حسن.

آل ہاشم میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی

عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ: أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ، فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: دَعْهُ؛ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رواه البخاري (3764).

وَعَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ: هَلْ لَكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ؟ فَإِنَّهُ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ، قَالَ: أَصَابَ، إِنَّهُ فَقِيهٌ. رواه

۱۔سیر الصحابۃ، ج۱، مہاجرین: دوم، ص ۱۴۲۔۱۴۷

البخاري .(3765)

عَنْ هَمَّامِ بِنِ مُنَبِّهٍ، سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ :مَا رَأَيْتُ رَجُلًا كَانَ أَخْلَقَ لِلْمُلْكِ مِنْ مُعَاوِيَةَ، كَانَ النَّاسُ يَرِدُونَ مِنْهُ عَلَى أَرْجَاءِ وَادٍ رَحْبٍ، لَمْ يَكُنْ بِالضَّيِّقِ، الحَصِرِ، العُصْعُصِ، المُتَغَضِّبِ .رواه عبد الرزاق في "المصنف . (20985) "إسناده صحيح .

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش نصیب انسان ہیں جن کو جلیل القدر صحابی ہونے کے ساتھ ساتھ کاتب وحی اور پہلے اسلامی بحری بیڑے کے امیر ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کئی دفعہ دعائیں اور بشارتیں نکلیں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ام المومنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

آپ نے 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل یعنی آدھی دنیا پر حکومت کی، تاریخ اسلام کے روشن اوراق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کردار و کارناموں اور فضائل و مناقب سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح اٹھائیں گے کہ ان پر نور ایمان کی چادر ہوگی" کنز العمال "ایک موقعہ پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہدایت دینے والا، ہدایت پر قائم رہنے والا اور لوگوں کیلئے ذریعہ ہدایت بنا۔(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری امت میں سب سے زیادہ بردبار اور سخی ہیں۔(۲) حضرت امیر معاویہ رضی تعالیٰ عنہ سرو قد، لحیم وشحیم، رنگ گورا، چہرہ کتابی، آنکھیں موٹی گھنی داڑھی، وضع قطع، چال ڈھال میں بظاہر شان وشوکت اور تمکنت مگر مزاج اور طبیعت میں زہد و تواضع، فروتنی، حلم بردباری اور چہرہ سے ذہانت اور فطانت مترشح تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مبارکباد دی اور "مرحبا" فرمایا"(۳) "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سابقہ حالات زندگی اور ان کی صلاحیت و قابلیت سے آگاہ تھے اس لئے انہیں خاص قرب سے نوازا۔ فتح مکہ کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہے اور تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت و معیت میں بھر پور حصہ لیا۔

قرآن مجید کی حفاظت میں ایک اہم سبب" کتابت وحی "ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلیل القدر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر مشتمل ایک جماعت مقرر کر رکھی تھی جو کہ "کاتب وحی "تھے ان میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چھٹا نمبر تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کاتب وحی بنایا تھا۔۔۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی کو کاتب

۱۔ جامع ترمذی ۲۔ تطہیر الجنان

۳۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۱۷ ج ۸

وحی بناتے تھے جو ذی عدالت اور امانت دار ہوتا تھا۔(۱)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ خوش قسمت انسان ہیں جن کو کتابت وحی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط تحریر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے یہاں تک کہ سفر و حضر میں بھی خدمت کا موقع تلاش کرتے۔

چنانچہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں تشریف لے گئے تو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے پیچھے گئے۔ راستہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کی حاجت ہوئی پیچھے مڑے تو دیکھا، معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی لئے کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے متاثر ہوئے چنانچہ وضو کیلئے بیٹھے تو فرمانے لگے "معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم حکمران بنو تو نیک لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا اور برے لوگوں کے ساتھ درگزر کرنا"۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اسی وقت مجھے امید ہوگئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئی صادق آئے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی خدمت اور بے لوث محبت سے اتنا خوش تھے کہ بعض اہم خدمات آپ کے سپرد فرمادی تھیں۔ علامہ اکبر نجیب آبادی "تاریخ اسلام" میں رقمطراز ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر مدرات اور ان کے قیام وطعام کا انتظام واہتمام بھی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کردیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ اوّل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں آپ نے مانعین زکوۃ، منکرین ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جھوٹے مدعیان نبوت اور مرتدین کے فتنوں کے خلاف بھرپور حصہ لیا اور کئی کارنامے سرانجام دیئے۔

عرب نقاد رضوی لکھتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ کسی کا خون بہانا پسند نہیں کرتے تھے مگر آپ اسلامی ہدایات کے مطابق مرتدین کے قتل وقتال میں کسی کے پیچھے نہ ہوتے ایک روایت کے مطابق مسلیمہ کذاب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وار سے جہنم رسید ہوا۔

خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جو فتوحات ہوئیں اس میں حضرت امیر معاویہ کا نمایاں حصہ اور کردار ہے جنگ یرموک میں آپ بڑی بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑے اس جنگ میں غرضیکہ آپ کا پورا خاندان جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔

خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاد وفتوحات میں مصروف رہے اور آپ نے رومیوں کو شکست فاش دیتے ہوئے طرابلس، الشام، عموریہ، شمشاط، ملطیہ، انطاکیہ، طرطوس، ارواڑ، روڑس اور صقلیہ کو حدود نصرانیت سے نکال کر اسلامی سلطنت میں داخل کردیئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان علاقوں کی فتوحات کے بعد اب یہ چاہتے تھے کہ اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے اس کو اب سمندر پار یورپ میں داخل ہونا چاہئے "فتح قبرص" کی خواہش آپ کے دل میں مچل رہی تھی یورپ وافریقہ پر حملہ اور فتح کیلئے بحری بیڑے کی اشد ضرورت تھی۔

بحر روم میں رومی حکومت کا ایک بہت بڑا بحری مرکز تھا جو کہ شام کے ساحل کے قریب ہونے کے باعث شام کے مسلمانوں کیلئے بہت بڑا خطرہ تھا اسے فتح کیے بغیر شام ومصر کی حفاظت ممکن نہ تھی اس کے علاوہ سرحدی رومی اکثر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بحری بیڑے کو تیار کرنے کی اجازت ملنے کے بعد حضرت امیر معاویہ نے بڑے جوش خروش کے

۱۔ ازالۃ الخفا از شاہ ولی اللہ

ساتھ بحری بیڑے کی تیاری شروع کردی اور اپنی اس بحری مہم کا اعلان کردیا جس کے جواب میں جذبہ جہاد سے سرشار مجاہدین اسلام شام کا رخ کرنے لگے۔

28ہجری میں آپ پوری شان وشوکت تیاری وطاقت اور اسلامی تاریخ کے پہلے بحری بیڑے کے ساتھ بحر روم میں اترے لیکن وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کرلی لیکن بعد میں مسلمانوں کو تنگ کرنے اور بدعہدی کرنے پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پوری بحری طاقت اور عظیم الشان بحری بیڑے کے ساتھ جس میں تقریباً پانچ سو کے قریب بحری جہاز شامل تھے قبرص کی طرف روانہ ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے قبرص کو فتح کرلیا۔

اس لشکر کے امیر وقائد خود امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے آپ کی قیادت میں اس پہلی بحری لڑائی اور فتح قبرص کیلئے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن میں حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابودردا، حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس، سمیت دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شریک ہوئے۔

اس لڑائی میں رومیوں نے بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا، تجربہ کار رومی فوجوں اور بحری لڑائی کے ماہر ہونے کے باوجود اس لڑائی میں رومیوں کو بد ترین شکست ہوئی اور مسلمانوں کو تاریخی فتح حاصل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں دو اسلامی لشکروں کے بارے میں مغفرت اور جنت کی بشارت وخوشخبری فرمائی ان میں سے ایک وہ لشکر جو سب سے پہلے اسلامی بحری جنگ لڑے گا اور دوسرا وہ لشکر جو قیصر کے شہر میں جنگ کریگا۔

پہلی بشارت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں پوری ہوئی جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلی بحری لڑائی لڑتے ہوئے قبرص کو فتح کرکے رومیوں کو زبردست شکست دی تھی اور دوسری بشارت سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں اس وقت پوری ہوئی جب لشکر اسلام نے قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر حملہ کرکے اس کو فتح کیا۔

اس جنگ میں حصہ لینے کیلئے شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے سرشار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وتابعین دنیا کے گوشہ گوشہ سے دمشق پہنچے، ان میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سیدنا حسین بن علی، اور میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اور دیگر مدینہ منورہ سے تشریف لاکر اس لشکر میں شریک ہوئے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت وخوشخبری فرمائی تھی۔

سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور حکومت فتوحات اور غلبہ اسلام کے حوالہ سے شاندار دور حکومت ہے ایک طرف بحر اوقیانوس اور اور دوسری طرف سندھ اور افغانستان تک میں اسلام کی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اس کے ساتھ ساتھ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے راشدین کے ترقیاتی کاموں کو جاری رکھتے ہوئے اس مندرجہ ذیل نئے امور کی داغ بیل ڈال کر اس کو فروغ دیا۔

1۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلا اقامتی ہسپتال دمشق میں قائم کیا۔

2۔ سب سے پہلے اسلامی بحریہ قائم کیا، جہاز سازی کے کارخانے بنائے اور دنیا کی زبردست رومن بحریہ کو شکست دی۔

3۔ آبپاشی اور آبنوشی کیلئے دور اسلامی میں پہلی نہر کھدوائی۔

4۔ڈاکخانہ کی تنظیم نو کی اور ڈاک کا جدید اور مضبوط نظام قائم کیا۔

5۔احکام پر مہر لگانے اور حکم کی نقل دفتر میں محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔

6۔آپ سے پہلے خانہ کعبہ پر غلافوں کے اوپر ہی غلاف چڑھائے جاتے تھے آپ نے پرانے غلافوں کو اتار کر نیا غلاف چڑھانے کا حکم دیا۔

7۔خط دیوانی ایجاد کیا اور قوم کو الفاظ کی صورت میں لکھنے کا طریقہ پیدا کیا۔

8۔انتظامیہ کو بلند تر بنایا اور انتظامیہ کو عدلیہ میں مداخلت سے روک دیا۔

9۔آپ نے دین اخلاق اور قانون کی طرح طب اور علم الجراحت کی تعلیم کا انتظام بھی کیا۔

10۔آپ نے بیت المال سے تجارتی قرضے بغیر اشتراک نفع یا سود کے جاری کر کے تجارت وصنعت کو فروغ دیا اور بین الاقوامی معاہدے کیے۔

11۔سرحدوں کی حفاظت کیلئے قدیم قلعوں کی مرمت کر کے اور چند نئے قلعے تعمیر کرا کر اس میں مستقل فوجیں متعین کیں۔

12۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں ہی سب سے پہلے منجنیق کا استعمال کیا گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی 163 احادیث مروی ہیں۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آئینہ اخلاق میں اخلاص، علم وفضل، فقہ واجتہاد، تقریر وخطابت، غریب پروری، خدمت خلق، مہمان نوازی، مخالفین کے ساتھ حسن سلوک، فیاضی وسخاوت، اور خوف الٰہی کا عکس نمایاں نظر آتا ہے۔

ان وصیتوں کے بعد 22 رجب المرجب 60ھ میں کاتب وحی، جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فاتح شام وقبرص اور 19 سال تک 64 لاکھ مربع میل پر حکمرانی کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ 78 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق کے باب الصغیر میں دفن کیے گئے۔

۴۔حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اکسٹھویں (٦١) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ ابوزبیر صدوق راوی ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری، تیسرے اور چوتھے، پانچویں راوی کوفی اور آخری مدنی ہیں۔

☆ روایت میں تین صحابہ (ابوایوب رضی اللہ عنہ، عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ)، اگر عاصم کو بھی صحابہ میں شامل کیا جائے، تو چار صحابہ کرام مذکور ہیں۔اور تین تابعین کرام (ابوالزبیر، سفیان، عاصم) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ روایت پوتے (سفیان) کی اپنے دادا (عاصم) سے روایت ہے۔

☆ سند میں اخبرنا، حدثنا، قال ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

فاتنا الغزو العام: ہم غزوہ سے محروم رہ گئے صلی: اس نے نماز پڑھی
غفر: وہ بخش دیا گیا ذنب: گناہ
ابن اخی: میرے بھتیجے ادلك: میں تمہاری رہنمائی کروں
ایسر: آسان تر توضأ: اس نے وضو کیا
امر: حکم دیا گیا ماقدم: جو گذر چکا

۱۴۵۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ أَخْبَرَ أَبَا بُرْدَةَ فِي الْمَسْجِدِ أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ يُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "مَنْ أَتَمَّ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَالصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ۔"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
جو شخص اس طرح مکمل وضو کرے، جیسے اس کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حکم دیا ہے، تو اس کے لئے پانچوں نمازیں درمیان والے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے:
باب میں حکم کے مطابق وضو کرنے پر ثواب کا بیان ہے، اور حدیث مبارکہ میں اس کا اجر پانچوں نمازوں کے درمیان ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۲۳۱، ابن ماجہ:۴۵۹، احمد:۶:۴۰۶، تحفۃ الاشراف:۱۰۷۶۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، حضرت جامع بن شداد کے حالات درج کئے جاتے ہیں، البتہ حضرت خالد بن حارث کے حالات دوبارہ لکھے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع:۵

۲۔خالد بن الحارث ہجیمی رحمۃ اللہ علیہ:

حسب ونسب:

خالد نام، ابوعثمان کنیت اور نسب نامہ یہ ہے: خالد بن الحارث بن سلیمان بن عبید بن سفیان۔(۱)
ہجیم بصرہ کا ایک محلہ ہے جہاں قبیلہ تمیم کی ایک شاخ بنو ہجیم آ کر آباد ہوگئی تھی اور انہیں کے نام سے وہاں یہ مقام موسوم ہو گیا، خالد کا تعلق اسی خاندان

۱۔طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۴۶

سے ہے۔اسی لئے ہجیمی اور بصری کی نسبتوں سے مشہور ہوئے۔(۱)

ولادت اور وطن:

بصرہ کے رہنے والے تھے، وہیں باختلاف روایت ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔(۲)

علم وکمال:

علمی اعتبار سے وہ کافی بلند مرتبہ تھے، حفاظ حدیث میں ان کی نظیر کم از کم بصرہ میں مفقود تھی، یحیٰی بن سعید القطان کا بیان ہے کہ ''ما رایت خیراً منہ'' (۳) محمد بن المثنی کہتے ہیں:

مابالبصرة مثل خالد بن الحارث ومابالكوفة مثل عبدالله ابن ادريس۔(۴)

''بصرہ میں خالد بن الحارث اور کوفہ میں عبداللہ بن ادریس کی مثال مفقود تھی''۔

علامہ ذہبی ''الحافظ الحجۃ'' لکھتے ہیں:

شیوخ وتلامذہ:

جن چشموں سے انہوں نے اپنی علمی تشنگی فرو کی ان میں بکثرت جلیل القدر علماء کے نام شامل ہیں، چند لائق ذکر یہ ہیں، ابوایوب السختیانی، حمید الطویل، ہشام بن عمرو، سعید بن ابی عروبہ، عبدالملک بن ابی سلیمان، ہشام بن حسان۔

اور خود ان سے سماعت حدیث کی سعادت حاصل کرنے والوں میں امام احمد، اسحاق بن راہویہ، علی بن المدینی، حسن بن عرفہ، مسدد، عبیداللہ بن معاذ، یحیٰی بن حبیب، نصر بن علی الجہضمی، عارم، عبداللہ بن عبدالوہاب جیسے فضلاء روزگار شامل ہیں۔(۵)

پایہ ثقاہت:

علمائے جرح وتعدیل نے باتفاق رائے ان کی ثقاہت وعدالت اور تثبت واتقان کو مسلم قرار دیا ہے، ایسے محدثین کی تعداد کم ہے جن کی ذات نقد وجرح سے مامون ہو، امام احمد فرماتے ہیں کہ بصرہ میں تثبت فی الحدیث ان پر ختم ہے ''اليه المنتهى فى التثبت بالبصرة''۔ابوحاتم انہیں ''ثقہ امام''، ترمذی ''ثقہ مامون'' اور نسائی ''ثقہ ثبت'' کہتے ہیں۔(۶)

ابن ناصر الدین لکھتے ہیں:

كان من الحفاظ الثقات المامونين۔(۷)

''وہ ثقہ اور مامون حفاظ حدیث میں تھے۔''

معاویہ بن صالح کا بیان ہے:

قلت ليحيیٰ بن معين من اثبت شيوخ البصريين قال خالد بن الحارث مع جماعة مماهم۔

''میں نے یحیٰی بن معین سے شیخ بصرہ میں سب سے زیادہ تثبت رکھنے والے کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کچھ لوگوں کے ساتھ خالد بن الحارث کا نام بھی لیا''۔(۸)

۱۔اللباب فی تھذیب الانساب، ج۳،ص۲۸۵ ۲۔تھذیب التھذیب، ج۳،ص۸۲ ۳۔خلاصہ تذہیب،ص۱۰۰

۴۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۲۸۲ ۵۔تھذیب التھذیب، ج۳،ص۸۲ وتذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۲۸۲

۶۔خلاصہ تذہیب،ص۱۰۰، طبقات ابن سعد، ج۶،ص۴۷، تذکرہ، ج۱،ص۲۸۲ ۷۔شذرات الذھب، ج۱،ص۳۰۹ ۸۔تھذیب التھذیب، ج۳،ص۸۳

علاوہ ازیں ابوزرعہ، ابن حبان اور ابن شاہین وغیرہ نے بھی ان کا شمار ثقات محدثین میں کیا ہے۔

عقل وفرزانگی:

علامہ ابن حبان نے کتاب الثقات میں ان کے تثبت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اعلیٰ پایہ کے زیرک اور فہیم انسان تھے، کان من عقلاء الناس وذهانهم ۔(۱)

وفات:

ہارون الرشید کے ایام خلافت ۱۸۶ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔(۲)

۳۔شعبۃ: راجع:۲۶

۴۔جامع بن شداد: آپ کا نام ابوصخرہ جامع بن شداد محاربی کوفی (م:۱۲۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ، عالی، تابعی راوی ہیں، آپ کی ثقاہت واتقان پر اہل علم متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۵۔حمران بن ابان: راجع:۸۴ ۶۔عثمان: ایضاً

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ باسٹھویں (۶۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، چوتھے کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ سند کے تمام رواۃ آئمہ جماعت کے راوی ہیں، البتہ محمد بن عبدالاعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت نہیں کی۔

☆ سند میں دو تابعین کرام (جامع۔حمران) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ حدیث مبارکہ خلیفہ راشد، داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ اور سماع دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اتم :اس نے مکمل کیا امر :اس نے حکم دیا

الصلوات الخمس: پانچوں نمازیں کفارات :مٹانے والی۔ختم کرنے والی بینهن :ان سب کے درمیان

۱۔تهذیب التهذیب، ج۳،ص۸۳ ۲۔طبقات ابن سعد، ج۷،ص۴۶ وشذرات، ج۱،ص۳۰۹۔سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام: حصہ دوم،ص۹۵۔۹۶

۳۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲،ص۷۷ ii۔تاریخ الثقات،ص۹۴

۱۴۶۔ اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ حُمْرَانَ مَوْلٰى عُثْمَانَ اَنَّ عُثْمَانَ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "مَا مِنِ امْرِءٍ يَّتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْئَهٗ ثُمَّ يُصَلِّي الصَّلَاةَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ الْاُخْرٰى حَتّٰى يُصَلِّيَهَا"

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص اچھی طرح وضو کرے اور نماز پڑھے، اس کے لئے دونوں نمازوں کے درمیان ہونے والے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ (دوسری) نماز پڑھ لے، (مراد ہے نماز سے فارغ ہوجائے)

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ میں اچھی طرح وضو کرنے اور پھر اس کے ساتھ نماز پڑھنے کا اجر گناہوں کی بخشش بیان ہوا ہے، یہی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۱۶۰، مسلم: ۲۲۷، مؤطا مالک: ۶۳، احمد: ۴۰۰، السنن الکبریٰ: ۱۷۴، تحفۃ الاشراف: ۱۰۷۶۰

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں، البتہ حضرت ھشام بن عروہ اور حضرت عروہ بن زبیر کے حالات دوبارہ تفصیلی لکھے جاتے ہیں:

۱۔ قتیبۃ: راجع: ۱ ۲۔ مالک: راجع: ۷

۳۔ ھشام بن عروۃ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

ہشام نام، ابوعبداللہ کنیت۔ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے ان کے والد عروہ بھی بڑے جلیل القدر تابعی اور مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے ان کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

اکابر صحابہ میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے اور میرے بھائی محمد کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے گود میں بٹھا کر ہمارا بوسہ لیا۔ (۱) غالباً اسی یا کسی اور ملاقات میں ابن عمر نے ان کے سر پر دست شفقت پھیر کر انہیں دعا دی۔ (۲)

فضل وکمال:

ہشام ایک جلیل القدر تابعی کے لڑکے اور ایک جلیل القدر صحابی کے پوتے تھے اس لئے علم وعمل کی دولت گویا انہیں وراثۃ ملی تھی، ان کا شمار ان کے عہد کے علمائے تابعین میں تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق، جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۳)

حدیث:

حدیث کے ممتاز حافظ تھے، علامہ ابن سعد ان کو ثقہ ثبت کثیر الحدیث اور حجت لکھتے ہیں۔ (۴) آئمہ فن ان کی وسعت علم کے اتنے معترف تھے کہ

۱۔ تاریخ خطیب، ج ۱۴، ص ۳۸ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۴۸ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۳۸ ۴۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۶۷

ابوحاتم رازی ان کو امام حدیث، اور وہیب، حسن بصری اور ابن سیرین کا درجہ دیتے تھے۔(۱)

شیوخ:

صحابہ میں انہوں نے صرف اپنے چچا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء میں عبداللہ بن عروہ، عباد بن عبداللہ، عمرو بن خزیمہ، عوف بن حارث بن طفیل، ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن، ابن منکدر، وہب بن کیسان، صالح بن ابی صالح، عبداللہ بن ابی بکر، عبدالرحمٰن بن سعد اور محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ علیہم وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔(۲)

تلامذہ:

ان کے تلامذہ میں یحییٰ بن سعید انصاری، ایوب سختیانی، مالک بن انس، عبیداللہ بن عمر، ابن جریج، سفیان ثوری، لیث بن سعد، سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سعید القطان اور وکیع ابن جراح رحمہ اللہ علیہم لائق ذکر ہیں۔(۳)

فقہ:

ان کے والد عروہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے تھے۔ ان کے تفقہ سے ان کو وافر حصہ ملا تھا۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔(۴)

زہد وورع:

علم کے ساتھ عمل واخلاق سے بھی آراستہ تھے۔ ابن حبان ان کو فاضل اور ورع لکھتے ہیں۔(۵)

تھذیب لسان:

نہایت مہذب اور شائستہ تھے۔ ان کی زبان سے کبھی کوئی بے جا کلمہ نہ نکلتا تھا۔ منذر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے ہشام کی زبان سے ایک مرتبہ کے سوا کبھی کوئی برا کلمہ نہیں سنا۔(۶)

بغداد کا سفر:

اس کی ادائیگی کی فکر میں وہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے پاس بغداد گئے۔ اس نے بڑا خیر مقدم کیا۔ انہوں نے اپنی غرض پیش کی۔ اس نے پوچھا کتنا قرض ہے۔ فرمایا ایک لاکھ۔ منصور نے کہا آپ اس فضل وکمال کے باوجود اتنا بڑا قرض لے لیتے ہیں جس کی ادائیگی آپ کے امکان میں نہیں، انہوں نے کہا خاندان کے بہت سے لڑکے جوان ہوگئے تھے مجھے خوف تھا کہ اگر ان کی شادی نہ کردی گئی تو وہ بے خانماں ہوجائیں گے۔ اس لئے میں نے خدا اور امیر المؤمنین کے اعتماد پر ان کا گھر بسا کر ان کا ٹھکانہ کردیا اور ان کی جانب سے ولیمہ کیا، یہ سارا قرض اسی کا ہے۔
ابوجعفر منصور نے حیرت کے لہجہ میں دومرتبہ ایک لاکھ ایک لاکھ! کہا اور دس ہزار روپیہ انہیں دینے کا حکم دیا، انہوں نے کہا امیر المؤمنین جو کچھ دے رہے ہیں وہ خوش دلی سے دے رہے ہیں (یا جبر سے) میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جو شخص خوش دلی سے عطیہ دیتا ہے تو اس میں دینے والے اور لینے والے دونوں کو برکت ہوتی ہے، منصور نے کہا میں نے خوش دلی سے دیا ہے۔(۷)

وفات:

بغداد ہی میں ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔ اتفاق سے اسی دن عباسیوں کے ایک بڑے جلیل القدر اور نامور غلام کا بھی انتقال ہوگیا تھا، اس لئے دونوں

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۲۹ ۲۔ تھذیب، ج ۱۱، ص ۴۸ ۳۔ ایضاً ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۲۹
۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۹۱ ۶۔ تاریخ خطیب، ج ۱۴، ص ۱۳۸ ۷۔ تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۳۹

کے جنازے ایک ساتھ اٹھائے گئے۔ لیکن منصور نے ہشام کے رتبہ کی وجہ سے ان کے جنازہ کی نماز پہلے پڑھائی۔ ہارون کی ماں خیزران کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔(۱)

۴۔عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہما:

نام ونسب:

عروہ نام، ابوعبداللہ کنیت، مشہور صحابی حواری رسول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے، ان کی ماں اسماء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عروہ کی رگوں میں ایک جانب حواری رسول اور دوسری جانب صدیق رسول کا خون تھا۔

پیدائش:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ پہلی روایت زیادہ مرجح ہے۔(۲)

جنگ جمل وصفین:

جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکلنا چاہا، لیکن ان کی عمر اس وقت کل تیرہ سال کی تھی، اس لئے شریک نہیں کئے گئے۔(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں وہ کسی جانب نہ تھے۔

بھائی کی حمایت:

اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالملک کی معرکہ آرائیوں میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے۔ عبداللہ کے مقتول ہونے کے بعد حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوادی تھی اور تجہیز وتکفین کے لئے حوالہ نہ کرتا تھا، اس وقت عروہ ہی عبدالملک کے پاس شام گئے تھے وہ بڑی محبت اور عزت سے پیش آیا، عروہ کو گلے لگا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اس وقت تک اس کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے کی خبر نہ پہنچی تھی، عروہ ہی کی زبانی اسے معلوم ہوا۔ یہ خبر سن کر اس نے سجدہ شکر ادا کیا، اور عروہ کی درخواست پر فوراً حجاج کے نام لاش حوالہ کرنے کا حکم جاری کردیا اور اس کی اس حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔(۴)

عبدالملک کی بیعت:

ادھر مکہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حجاج عروہ کی تلاش میں تھا۔ جب ان کا پتہ نہ چلا تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ عروہ اپنے بھائی کے ساتھ تھے، ان کے قتل ہونے کے بعد خود ان کا مال لے کر بھاگ گئے، اس وقت عروہ شام میں موجود تھے، اس لئے عبدالملک نے جواب دیا کہ ''وہ بھاگے نہیں ہیں، بلکہ میری بیعت کرلی ہے، میں نے ان کی خطاؤں کو معاف کرکے انہیں امان دے دی ہے، وہ مکہ واپس جاتے ہیں وہاں ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی جائے، غرض وہ عبدالملک سے بیعت کرکے مکہ واپس آئے، ان کی واپسی کے بعد ان کے بھائی کی لاش دفن کی گئی۔(۵)

عقیق کا قیام:

اگرچہ عروہ نے عبدالملک کی بیعت کرلی تھی، اور دونوں میں کوئی ناخوشگواری باقی نہ رہ گئی تھی، مگر وہ امویوں کی بدعنوانیوں اور جابرانہ طریق حکومت کو

۱۔ایضاً، ۱۴۱ اوابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۶۷۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۳۲۵۔۳۲۷ ۲۔تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۱۸۳

۳۔ایضاً ۴۔ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۹۱ ۵۔ابن اثیر، ج ۴، ص ۲۹۱

سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن ان کا روکنا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اس لئے انہوں نے شہر کا قیام ترک کر کے مدینہ کے قریب عقیق کے دیہات میں سکونت اختیار کرلی۔(۱)

عبداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہ (زین العابدین) اور عروہ روزانہ بعد نماز عشاء مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک گوشے میں بیٹھتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھتا تھا ایک دن گفتگو میں بنی امیہ کے مظالم کا تذکرہ آیا اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ جب کسی میں ان مظالم کو روکنے کی طاقت نہیں ہے تو ان کے ساتھ رہنا کہاں تک مناسب ہے۔ خدا ان مظالم کی سزا میں ایک نہ ایک دن ان پر عذاب نازل کرے گا۔ عروہ نے علی بن حسین سے کہا جو شخص ظالموں سے علیحدہ رہے گا اور خدا کی بیزاری سے واقف ہوگا تو امید ہے کہ جب خدا ان کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے گا تو ظالموں سے علیحدہ رہنے والا شخص خواہ ان سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہو، اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔ اس گفتگو کے بعد عروہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔(۲)

لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ان کی مسجدیں لہو ولعب اور ان کے بازار لغویات کا گہوارہ ہیں اور ان کے راستوں میں بے حیائی کی گرم بازاری ہے۔(۳)

مصر کا قیام:

ابن یونس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ سات سال تک مصر میں بھی رہے۔(۴)

فضل وکمال:

عروہ ان اسلاف اور ان بزرگوں کی یادگار تھے جو علم وعمل کا مجمع البحرین تھے۔ ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ان کے نانا صدیق اور خلیل رسول تھے، ان کی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین تھیں، ان کی ماں اسماء رضی اللہ عنہا کو زبان رسالت سے ذات النطاقین کا خطاب ملا تھا۔ ان کے بڑے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے صاحب علم صحابی تھے غرض ان کا سارا گھرانہ علم وعمل اور مذہبی اور اخلاقی فضائل وکمالات کا پیکر تھا۔ عروہ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی میں پرورش پائی، اس لئے یہ دولت انہیں وراثۃً ملی تھی، اور ان کا دامن جملہ علمی اور اخلاقی فضائل سے معمور تھا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ ان کی جلالت، علو مرتبت اور وفور علم پر سب کا اتفاق ہے۔(۵) حافظ ذہبی انہیں امام اور عالم مدینہ لکھتے ہیں۔(۶) انہیں حدیث اور فقہ دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة کثیر الحدیث فقیها عالما مامونا ثبتا''۔(۷)

حدیث:

عروہ نے اپنے والد، بھائی، ماں، خالہ سب سے حدیث میں فیض اٹھایا تھا۔(۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خرمن کمال سے خصوصیت کے ساتھ خوشہ چینی کی تھی، قبیصہ کا بیان ہے کہ عروہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہم سب سے زیادہ آتے جاتے تھے، اور عائشہ رضی اللہ عنہا اعلم الناس تھیں۔ انہوں نے قریب قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پورا علمی ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کرلیا تھا، خود ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے چار پانچ سال پہلے ان کی کل حدیثیں محفوظ کرلیں تھی' اگر انتقال اسی وقت ہوگیا ہوتا، تو مجھے ان کی کسی حدیث کے باقی رہ جانے کا افسوس نہ ہوتا کیونکہ ان کی کل احادیث میرے سینہ میں محفوظ ہو چکی تھیں۔(۹)

۱۔ابن سعد، ج۵،ص۱۳۵ ۲۔ابن سعد، ج۵،ص۱۳۷ ۳۔مختصر صفوۃ الصفوۃ ص۳۲ ۴۔تھذیب التھذیب، ج۷،ص۱۸۵

۵۔تھذیب الاسماء، ج۱،ص۳۳۲ ۶۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۵۳ ۷۔ابن سعد، ج۵،ص۱۳۳ ۸۔تھذیب التھذیب، ج۷،ص۱۸۲

۹۔تھذیب التھذیب، ج۷،ص۱۸۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن عمرو بن العاص، اسامہ بن زید، ابوایوب انصاری، ابوہریرہ، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، حکیم بن حزام، ہشام بن حکی، جابر بن عبداللہ، مسور بن مخرمہ، حسن بن علی، نعمان بن بشیر، عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہم، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا وغیرہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت فیض یاب ہوئے تھے۔(۱)

ان بزرگوں کے فیض نے عروہ کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا، ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ عروہ حدیث کا بحر ذخار تھے۔(۲) عروہ کے صاحبزادے ہشام جو خود بڑے محدث تھے کہتے تھے کہ ہم نے والد کی احادیث کے دو ہزار حصوں میں ایک حصہ بھی حاصل نہ کیا۔(۳)

فقہ:

مگر ان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس فن کو بھی انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا تھا اور اس میں ان کو اتنا کمال تھا کہ مدینہ کے ساتھ مشہور فقہاء میں سے ایک فقیہ مانے جاتے تھے۔ فقیہ المدینۃ احد الفقہاء السبعۃ فقہا المدینۃ۔(۴)

فقہ میں تصانیف:

آپ نے فقہ میں کتابیں بھی تالیف کی تھیں، ان میں سے بعض حرہ کے ہنگامہ کے زمانہ میں جب یزیدی لشکر نے مدینۃ الرسول کو لوٹا تھا خود جلا دیں، مگر بعد میں ان کے جلانے کا افسوس ہوا۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ کتاب اللہ کی موجودگی میں دوسری کتاب نہیں لکھتے تھے۔ اس لئے میں نے اپنی کتابیں ضائع کر دیں لیکن اب خدا کی قسم میری یہ خواہش ہے کہ میری کتابیں میرے پاس موجود ہوتیں، اور خدا کی کتاب اپنی جگہ دائم و قائم رہتی۔(۵)

بعض اقوال:

فرماتے تھے کہ جس آدمی میں تم ایک اچھائی دیکھو تو اس سے محبت کرو اور یقین کرو کہ اس میں اور اچھائیاں بھی ہوں گی، اور اگر کوئی برائی دیکھو تو اس سے نفرت کرو اور یقین رکھو کہ اس میں ایسی اور برائیاں بھی ہوں گی۔(۶)

صحابہ رضی اللہ عنہم سے استفادہ:

ان کا فقہی کمال اس قدر مسلم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ رسول مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔(۷)

احتیاط:

لیکن اس کمال کے باوجود عروہ اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ محض رائے سے نہ بیان کرتے تھے۔(۸)

ترغیب علم:

یہ کہہ کر نوجوان کو تحصیل علم کی ترغیب دلاتے تھے کہ ہم لوگ بھی ایک زمانہ میں چھوٹے تھے، آج وہ دن آیا کہ ہمارا شمار بڑوں میں ہے، تم بھی گو آج کم سن ہو لیکن ایک زمانہ آئے گا جب بڑے ہو گئے، اس لئے علم حاصل کر کے سردار بن جاؤ کہ لوگوں کو تمہاری احتیاج ہو۔(۹)

۱۔ ایضاً ۲۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۳۳۲ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۵۲ ۴۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۳۳۱ ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۳۳
۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۱۸۳ ۷۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۱ ۸۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۱۸۳ ۹۔ ایضاً، ص ۱۸۲

فضائل اخلاق:

اس علم کے ساتھ عروہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے، وہ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے۔ عجلی کا بیان ہے کہ عروہ صالح آدمی تھے۔(۱) ابن شہاب کا قول ہے کہ وہ علماء خیر میں تھے۔(۲)

عبادت وریاضت:

بڑے عابد وزاہد تھے، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں علم، سیاست اور عبادت سب جمع تھیں۔(۳)
تہجد اس التزام کے ساتھ پڑھتے تھے کہ ایک شب کے سوا جب ایک مرض کے سلسلہ میں، ان کا پاؤں کاٹا گیا تھا، اور کبھی ناغہ نہ ہوئی، (۴) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے ممنوعہ ایام کے علاوہ بارہ مہینے روزہ رکھتے تھے، سفر کی حالت میں بھی نہ چھوٹتا تھا مرض الموت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آیا۔ چنانچہ انتقال کے دن بھی روزے سے تھے۔(۵) تلاوت قرآن محبوب ترین مشغلہ تھا، ایک چوتھائی قرآن دن میں ناظرہ پڑھتے تھے، باقی رات کو تہجد میں تمام کرتے تھے۔(۶)

صبرواستقامت:

صبر واستقامت کا مجسم پیکر تھے۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کے موقع پر زبان سے اف نہ نکلتی تھی، ایک مرتبہ عبد الملک کے پاس شام گئے ہوئے تھے، ان کے لڑکے محمد بھی ساتھ تھے، وہ شاہی اصطبل دیکھنے گئے، ایک جانور نے ان کو ٹپک دیا۔ اس کے صدمہ سے وہ اسی وقت جان بحق ہو گئے۔ اس کے بعد عروہ کے پاؤں میں ایک خراب قسم کا زہریلا زخم پیدا ہو گیا، اطباء نے پاؤں کاٹنے کا مشورہ دیا، اور نہ کاٹے جانے کی صورت میں تمام جسم میں زہر پھیل جانے کا اندیشہ ظاہر کیا، عروہ اگرچہ اس وقت ضعیف ہو چکے تھے لیکن انہوں نے جوانوں سے زیادہ ہمت واستقلال سے کام لیا۔ پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا تھوڑی سی شراب پی لیجئے تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو، فرمایا جس مرض میں مجھ کو صحت کی امید ہو، اس میں بھی حرام شے سے مدد نہ لوں گا، اس نے کہا تو پھر غافل کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجئے، فرمایا میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے اور میں اس کی تکلیف محسوس نہ کروں، آپریشن کے وقت چند آدمی سنبھالنے کے لئے آئے، عروہ نے پوچھا تمہارا کیا کام ہے، انہوں نے کہا زیادہ تکلیف کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، اس لئے آپ کو سنبھالنے کے لئے آئے ہیں فرمایا مجھ کو امید ہے کہ تمہاری امداد کی ضرورت نہ ہوگی، اور نہایت استقلال کے ساتھ پاؤں کٹوا دیا، جس وقت پاؤں ٹخنوں سے الگ کیا گیا، اس وقت زبان پر تسبیح وتہلیل تھی، جب خون بند کرنے کے لئے زخم کو داغا گیا، تو شدت تکلیف سے بے ہوش ہو گئے لیکن جلد ہی ہوش آ گیا، اور چہرہ کا پسینہ پونچھ کر کٹے ہوئے پاؤں کو منگوا کر دیکھا، اور اس کو الٹ پلٹ کر اس سے خطاب کر کے فرمایا، اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا، وہ خوب جانتا ہو کہ میں کسی حرام راستہ پر گامزن نہیں ہوا۔(۷)

صبروشکر:

ان حوادث اور مصائب کے باوجود زبان شکوہ وشکایت سے آلودہ نہ ہوئی اور ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہی چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ خدایا تیرا شکر ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی لیا، اور تین باقی رکھے، اور چار لڑکوں میں سے ایک ہی کو لیا اور تین باقی رکھے، اگر تو نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے، اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے۔(۸)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۱۸۲ ۲۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۵۴ ۳۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۱۰۳ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۵۴
۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۳۴ ۶۔ تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۱۸۳ ۷۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۱۶ ۸۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۱

دولت دنیا سے بے نیازی:

ان کی نگاہ میں دولت دنیا اور چندروزہ عیش وتنعم کی کوئی وقعت نہ تھی۔اس لئے انہوں نے خدا سے کبھی دنیا نہیں مانگی۔ایک مرتبہ امیر معاویہ کے زمانہ میں یہ ان کے بھائی عبداللہ اور مصعب بن زبیر اور عبدالملک چاروں مسجد حرام میں جمع تھے کسی نے تجویز پیش کی کہ ہم لوگ اس گھر میں خدا کے روبرو اپنی اپنی آرزوئیں پیش کریں۔سب نے اسے پسند کیا۔سب سے پہلے عروہ کے بھائی عبداللہ نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ میں حرم کا بادشاہ ہوجاؤں اور مجھے تخت خلافت ملے۔ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی مصعب نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ قریش کی دونوں حسین عورتیں سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ میرے عقد میں آجائیں۔ان کے بعد عبدالملک نے کہا میری آرزو ہے کہ میں کل روئے زمین کا بادشاہ ہوجاؤں اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جانشین بنوں۔سب سے اخیر میں عروہ نے کہا کہ مجھے تم لوگوں کی خواہشات میں سے کچھ نہ چاہئے، میں دنیا میں زہد اور آخرت میں کامیابی اور علم چاہتا ہوں۔(۱)

خدا نے چاروں کی دعا قبول کی۔ابن زبیر جو حرم کے سات برس تک خلیفہ رہے سکینہ اور عائشہ دونوں مصعب کے عقد میں آئیں۔عبدالملک سندھ سے لے کر اسپین تک کا فرمانروا ہوا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قائم کردہ سلطنت کا وارث بنا اور عروہ کو خاصان خدا کا مرتبہ ملا۔

تمول اور فارغ البالی:

اگرچہ عروہ دولت دنیا سے بے نیاز اور بے پرواہ تھے۔لیکن خدا نے ان کو اس سے وافر حصہ دیا تھا، وہ بڑے صاحب ثروت تھے، ان کے والد حضرت زبیر بن عوام عرب کے بڑے متمول لوگوں میں تھے۔حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی دولت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی چاروں بیویوں کو آٹھویں حصہ میں بارہ بارہ لاکھ ملا تھا۔(۲)

فیاضی وسیر چشمی:

خدا نے عروہ کو جس طرح دولت عطا فرمائی تھی ویسے ہی وہ فیاض بھی تھے۔ان کے کھجوروں کے باغات تھے۔کھجوروں کی فصل میں باغ کی دیوار تڑوا دیتے تھے اور ہر شخص کے لئے صلائے عام ہوتی تھی۔لوگ آکر کھاتے تھے اور باندھ باندھ کر ساتھ لے جاتے تھے۔(۳)

خوش لباسی اور نفاست:

عروہ اگرچہ بڑے عابد وزاہد تھے لیکن مزاج میں بڑی نفاست تھی روزانہ غسل کرتے تھے۔کپڑے نہایت بیش قیمت پہنتے تھے۔گرمیوں میں جسم پر سندس کی قبا ہوتی تھی جس میں حریر کا استر ہوتا تھا۔خز کی چادر اوڑھتے تھے۔(۴)

وفات:

۹۴ھ میں نواح مدینہ میں اپنے محاج میں انتقال کیا۔(۵)

۵۔حمران:　راجع: ۸۴　۶۔عثمان:　ایضاً

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور متفق علیہ ہے۔

۱۔ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۱۷　۲۔بخاری کتاب المغازی باب برکۃ المغازی فی مالہ　۳۔مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۱

۴۔ابن سعد، ج ۵، ص ۱۳۴　۵۔ایضاً ص ۱۳۵۔سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۱۷۷۔۱۸۲

۵۔ خصوصیتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ تریسٹھویں (۶۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل اور آئمہ کرام ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی مدنی ہیں، صرف پہلے راوی بغلانی ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی صحاح ستہ کے راوی ہیں۔
☆ یہ روایت بیٹے (ہشام رحمۃ اللہ علیہ) کی باپ (عروہ رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے۔
☆ سند میں چار آئمہ فقہاء (مالک رحمۃ اللہ علیہ، ھشام رحمۃ اللہ علیہ، عروۃ رحمۃ اللہ علیہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ) راوی ہیں۔
☆ سند میں تین تابعین کرام (ھشام رحمۃ اللہ علیہ، عروہ رحمۃ اللہ علیہ، حمران رحمۃ اللہ علیہ) راوی ہیں۔
☆ یہ روایت غلام (حمران رحمۃ اللہ علیہ) کی اپنے آقا (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔
☆ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں۔
☆ یہ روایت خلیفہ راشد سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔
☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

مامن امدیٰ: کوئی شخص ایسا نہیں	یتوضأ: وہ وضو کرتا ہے
یحسن: وہ اچھی طرح کرتا ہے	یصلی: وہ نماز پڑھتا ہے
الصلاۃ: نماز	غفر: بخش دیا جاتا ہے
الصلاۃ الاخرٰی: دوسری نماز	

۱۴۷۔ اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا اٰدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ - هُوَ ابْنُ سَعْدٍ - قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِیَةُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ یَحْیٰی سُلَیْمُ بْنُ عَامِرٍ وَّضَمْرَةُ بْنُ حَبِیْبٍ وَّاَبُوْ طَلْحَةَ نُعَیْمُ بْنُ زِیَادٍ قَالُوْا سَمِعْنَا اَبَا اُمَامَةَ الْبَاهِلِیَّ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ عَبَسَةَ یَقُوْلُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ الْوُضُوْءُ قَالَ "اَمَّا الْوُضُوْءُ فَاِنَّكَ اِذَا تَوَضَّاْتَ فَغَسَلْتَ كَفَّیْكَ فَاَنْقَیْتَهُمَا خَرَجَتْ خَطَایَاكَ مِنْ بَیْنِ

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہوں نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا۔
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: وضو کیا ہے؟ (مراد ہے کیسے کیا جائے یا اس کا ثواب کیا ہے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو یہ ہے کہ جب تو وضو کرتا ہے، اپنی ہتھیلیاں دھوتا اور انہیں اچھی طرح صاف کرتا ہے، تو تیری خطائیں تیرے ناخنوں اور پوروں سے نکل جاتی ہیں، پھر جب تو کلی کرتا، ناک صاف کرتا ہے، چہرہ دھوتا ہے، دونوں بازو کہنیوں سمیت

أَظْفَارِكَ وَأَنَامِلِكَ فَإِذَا مَضْمَضْتَ وَاسْتَنْشَقْتَ مَنْخِرَيْكَ وَغَسَلْتَ وَجْهَكَ وَيَدَيْكَ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ وَمَسَحْتَ رَأْسَكَ وَغَسَلْتَ رِجْلَيْكَ إِلَى الْكَعْبَيْنِ اغْتَسَلْتَ مِنْ عَامَّةِ خَطَايَاكَ فَإِنْ أَنْتَ وَضَعْتَ وَجْهَكَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ خَرَجْتَ مِنْ خَطَايَاكَ كَيَوْمَ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ " قَالَ أَبُو أُمَامَةَ فَقُلْتُ يَا عَمْرُو بْنَ عَبَسَةَ انْظُرْ مَا تَقُولُ أَكُلُّ هٰذَا يُعْطَى فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ فَقَالَ أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَبِرَتْ سِنِّي وَدَنَا أَجَلِي وَمَا بِي مِنْ فَقْرٍ فَأَكْذِبَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

دھوتا ہے، سر کا مسح کرتا ہے اور پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوتا ہے، تو تیرے اکثر گناہ دھل گئے، پھر اگر تو اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ ﷻ کے سامنے رکھا، تو تو اپنے گناہوں سے ایسے نکل آتا ہے، جیسے آج ہی تیری ماں نے تجھے جنا ہو۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے عمرو بن عبسہ! آپ غور فرمائیے! کیا کہہ رہے ہیں کیا یہ سب کچھ ایک ہی مجلس میں مل جاتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ﷻ کی عزت کی قسم! میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری موت کا وقت قریب ہے، میں محتاج بھی نہیں ہوں، کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھوں۔ تحقیق میرے کانوں نے حضور ﷺ سے سنا، اور میرے دل نے محفوظ کیا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ میں وضو کرنے اور اس پر اجر و ثواب کا بیان ہے، یہی باب کے عنوان سے مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم:۱۴۷، مسلم:۸۳۲، احمد:۱۷۰۱۶، السنن الکبریٰ:۱۷۷، دارقطنی، ج۱، ص۱۰۸، تحفۃ الاشراف:۱۰۷۶۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، جن میں سے دو کے حالات گذر چکے ہیں، باقی سات کے حالات درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔عمرو بن منصور: آپ کا نام ابوسعید عمرو بن منصور نسائی ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ، ثابت راوی ہیں، امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ:

نام و نسب:

نام آدم اور کنیت ابوالحسن تھی، جتنا نسب نامہ معلوم ہوسکا وہ یہ ہے آدم بن ابی ایاس عبدالرحمٰن بن محمد۔ (تھذیب التھذیب، ج۱، ص۱۹۶) لیکن خطیب بغدادی اور بعض دوسرے محققین نے ان کے باپ کا نام ناہیہ اور جد امجد کا شعیب بتایا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جنہیں ابن ابی ایاس سے تلمذ خاص کا شرف ہے، اول الذکر ہی کو اختیار کیا ہے۔ (تاریخ بغداد، ج۷، ص۲۷) یہ نسلاً تمیمی نہیں تھے، بلکہ آقا کے خاندان کی نسبت سے تمیمی کہلاتے ہیں۔

۱۔i۔المعجم المشتمل، ص۴۹۶ ii۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۸۵

ولادت اور وطن:

۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے، مرو (خراسان) کے رہنے والے تھے، لیکن نشو ونما بغداد میں پائی، پھر علم وفضل میں باکمال ہونے کے بعد عسقلان کو وطن ثانی بنا کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اسی بنا پر عسقلانی کہلاتے ہیں۔ (۱)

علمی سفر:

وہ تمام عمر فنافی العلم رہے، جہاں کہیں بھی انہیں کسی چشمہ علم کا پتہ چلا راہ کی تمام صعوبتیں برداشت کر کے وہاں پہنچے اور سیرابی حاصل کی، ابتداء میں انہوں نے شیوخ بغداد سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد تشنگی علم نے انہیں وقت کے دوسرے ممتاز علمی مراکز تک پہنچایا، جہاں انہوں نے کوفہ، بصرہ، حجاز اور شام کی راہ نوردی کر کے وہاں کے ماہر فن اساتذہ کے باغ علم سے خوشہ چینی کی، امام زمانہ شعبہ بن الحجاج سے تلمذ خاص کا شرف رکھتے تھے۔ (۲)

فضل وکمال:

وہ نہ صرف علمی حیثیت سے صاحب کمال تھے، بلکہ زہد وعبادت وضبط وحفظ اور ثقاہت وتثبت میں بھی جلیل المرتبت تھے۔ امام شعبہ کی مجلس درس میں جو سات علماء روایات کو ضبط تحریر میں لاتے تھے ان میں ابن ابی ایاس سب سے ممتاز تھے۔ (۳)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ انہیں "المحدث الامام الزاھد" لکھتے ہیں۔ (۴)

قرآن:

علوم قرآن کی کامل معرفت اور مختلف قراءتوں سے حصہ وافر رکھتے تھے، طلبہ کو اس کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ (۵)

حدیث:

حدیث میں انہیں جن شیوخ سے سماع اور اکتساب کا موقع ملا تھا، ان کی فہرست خاصی طویل ہے، کیوں کہ انہوں نے بغداد کے علاوہ دوسرے مقامات کے اساتذہ کے سامنے بھی زانوئے تلمذ کیا تھا، ممتاز اور لائق ذکر علماء میں امام شعبہ کے علاوہ ابن ابی ذائب، اسرائیل بن یونس، لیث بن سعد، اسماعیل بن عیاش، ربیع بن صبیح، حماد بن سلمہ، مبارک بن فضالہ، ابو معشر المدنی، عبداللہ بن مبارک، ابی خالد الاحمر اور بقیہ بن الولید رحمہ اللہ علیہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (٦)

اسی طرح خودان کے دبستان علم سے بھی ایک بڑی جماعت نے گل چینی کی ہے، جن میں امام بخاری، ابوزرعہ، ابوحاتم، ابراہیم بن ہانی النیشاپوری، امام دارمی، عبید بن آدم، اسحاق بن اسماعیل رحمہ اللہ علیہم جیسے آئمہ علام کے نام شامل ہیں۔ (۷)

ثقاہت:

اکثر علماء نے ان کی ثقاہت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے، ابوحاتم کا قول ہے "ثقہ مامون متعبد" (۸) سلیمان الاشعث، ابن معین اور عجلی نے بھی بصراحت ان کی توثیق کی ہے۔ علامہ ابن اثیر کان ثقۃ حافظا لکھتے ہیں۔ (۹)

عبادات اور اتباع سنت:

جلالت علم کے ساتھ صلاح وتقویٰ کے بھی پیکر مجسم تھے ابن عماد نے لکھا ہے کہ وہ صالح اور اللہ کے فرمانبردار تھے۔ (۱۰) خطیب بغدادی رقمطراز

۱۔ کتاب الانساب ورق ۳۹۰ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۷، ص ۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۷۵ ۴۔ ایضاً

۵۔ تاریخ بغداد، ج ۷، ص ۴۷ ٦۔ ایضاً، تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۳۷۵ ۷۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۳۸۰

۸۔ شذرات الذھب، ج ۲، ص ۴۷ ۹۔ اللباب فی الانساب، ج ۲، ص ۱۳٦ ۱۰۔ شذرات، ج ۱، ص ۴۷

ہیں ''کان احد عباداللہ الصالحین''(۱) عجلی کا قول ہے کہ وہ اللہ کے بہترین بندے تھے۔(۲)
علامہ ابن جوزی انہیں صاحب صلاح اور متبع سنت قرار دیتے ہیں۔(۳) ابن ابی ایاس اتباع سنت کا مثالی نمونہ تھے۔ان کا ہر عمل اسی سانچہ میں ڈھلا ہوتا تھا، خطیب رقمطراز ہیں:

کان آدم مشهود بالسنة شديد التمسك بها والحض علیٰ اعتقاد ها۔(۴)

''آدم بن ایاس اتباع سنت میں شدت کے لئے مشہور ہیں''۔

فتنہ خلق قرآن اوران کا موقف:

مامون اور معتصم کے عہد خلافت کا بدنام زمانہ خلق قرآن ابن ابی ایاس کی وفات سے دوسال قبل ہی شروع ہو چکا تھا۔مرکز خلافت سے بہت دور عسقلان میں گوشہ گیر ہونے کی وجہ سے وہ اس فتنہ کی آنچ سے محفوظ رہے، لیکن اس مسئلہ میں ان کا موقف بہت واضح تھا، بلکہ اپنے عقیدہ میں ان کا تشدد اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ وہ خلق قرآن کے قائلین کو سلام کرنا اور جواب دینا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔
ابو بکر اعین اسی قسم کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بغداد سے ابن ایاس کی خدمت میں عسقلان حاضر ہوا اور عرض کیا کہ لیث بن سعد کے کاتب عبداللہ بن صالح نے آپ کو ہدیہ سلام پیش کیا، فرمایا میری طرف سے سلام کا جواب نہ کہنا، عرض کیا'' کیوں ایسی کیا بات ہے''؟ فرمایا: ''اس لئے کہ وہ خلق قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں''۔ راوی کا بیان ہے کہ جب میں نے انہیں ابن صالح کی ندامت وشرمندگی، عذر خواہی اور رجوع کی خوش خبری سنائی تو ابن ابی ایاس نے فرمایا کہ ''اب میری جانب سے ان کو بہت بہت سلام کہنا''۔
اس کے بعد راوی مذکور بیان کرتے ہیں کہ میں عسقلان میں کچھ دنوں قیام کے بعد بغداد واپس ہونے لگا تو ابن ابی ایاس نے فرمایا: ''احمد بن حنبل سے سلام کہنا کہ آپ اس وقت جس سخت ابتلاء سے گزر رہے ہیں اسے آپ تقرب الی اللہ کا وسیلہ بنائیے، بلاشبہ اس وقت آپ جنت کے دروازے پر کھڑے ہیں، نیز ان سے میری طرف سے یہ حدیث بھی بیان کر دینا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

من ارادكم علی معصية الله فلا تطيعوه۔

''جوتم سے اللہ کی معصیت کا خواہاں ہو اس کی اطاعت نہ کرو''۔

چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ میں بغداد کے قید خانہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ملا اور ابن ابی ایاس کا پیغام اور حدیث ان تک پہنچا دی اسے سن کر امام موصوف تھوڑی دیر سر جھکائے رہے اور پھر فرمایا:

رحمة الله حيا و ميتا و لقد احسن النصيحة۔(۵)

''اللہ ان پر زندگی اور موت کے بعد رحم فرمائے انہوں نے بڑی اچھی نصیحت کی''۔

وفات:

جمادی الاخریٰ ۲۲۰ھ میں بمقام عسقلان رحلت فرمائی۔یہ معتصم باللہ عباسی کی خلافت کا زمانہ تھا۔انتقال کے وقت ان کی عمر ۸۸ سال تھی۔(۶)

۱۔تاریخ بغداد، ج ۷، ص ۲۷ ۲۔تذکرۃ الحفاظ الذہبی، ج ۱، ص ۳۷۵ ۳۔صفوۃ الصفوۃ، ج ۴، ص ۲۸۰
۴۔تاریخ بغداد، ج ۷، ص ۲۸ ۵۔تاریخ بغداد، ج ۷، ص ۲۸۔۲۹ ۶۔طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۷۶

ابوعلی المقدسی کہتے ہیں کہ جب امام موصوف کا وقت آخری نزدیک آ گیا تو انہوں نے قرآن پاک کا ایک دور ختم کیا اور موت سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں تو آج کے دن کا شدت سے منتظر تھا اور تمہاری راہ دیکھ رہا تھا۔ پھر ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔(۱)

۳۔اللیث: راجع:۳۵ ۴۔معاویۃ بن صالح: راجع:۶۲

۵۔ابویحییٰ سلیم بن عامر: آپ کا نام ابویحییٰ سلیم بن عامر کلاعی خبائری حمصی شامی (م:۱۳۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت وعدالت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کی ہی۔ بعض نے کہاہے: کہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے، یہ درست نہیں ہے۔(۲)

۶۔ضمرہ بن حبیب: آپ کا نام ابوعتبہ ضمرہ بن حبیب بن صہیب زبیدی حمصی (م:۱۳۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۷۔ابوطلحہ نعیم بن زیاد: آپ کا نام ابوطلحہ نعیم بن زیاد انماری شامی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۸۔حضرت ابوامامۃ الباھلی رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

صدی نام، ابوامامہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابوامامہ بن عجلان بن وہب بن عریب بن وہب بن رباح بن حارث بن وہب بن معن بن مالک بن اعصر بن سعد بن قیس عیلان بن مضر۔ باہلہ معن بن مالک کی بیوی تھیں، معن کی اولاد اپنی ماں کی نسبت سے باہلی مشہور ہوئی۔

اسلام اور بیعت:

ابوامامہ ان خوش قسمت بزرگوں میں ہیں جنہوں نے اسلام کی دعوت کا جواب اس وقت دیا، جب اس کا جواب نوک سنان اور تیر وخنجر سے ملتا تھا، اسلام کے بعد سب سے اول غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہوئے، اور بیعت رضوان کا شرف حاصل کیا، جب مسلمانوں کو رضوان الٰہی کی یہ:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (۵) ''اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب انہوں نے تمہارے ہاتھوں پر درخت کے نیچے بیعت کی''۔

سند ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں بھی ان لوگوں میں ہوں جو بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔(۶)

۱۔صفوۃ الصفوۃ، ج۴، ص۲۸۰۔ سیر الصحابۃ، ج۳، تبع تابعین، حصہ دوم، ص۱۱۔۱۳

۲۔i۔طبقات ابن سعد، ج۶، ص۲۰۲ ii۔الجرح والتعدیل، ج۴، ص۲۱۱

۳۔i۔الثقات، ج۴، ص۳۸۸ ii۔تاریخ الثقات، ص۲۳۲

۴۔i۔الجرح والتعدیل، ج۸، ص۴۶۱ ii۔تھذیب الکمال، ج۲۹، رقم ۴۸۵ ۵۔سورۃ الفتح:۱۸ ۶۔اصابہ، ج۳، ص۲۴۱

دعوت اسلام:

قبول اسلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا، جس وقت یہ پہنچے اس وقت اہل قبیلہ اونٹوں کو پانی پلانے کے بعد ان کا دودھ دوہ کر پی رہے تھے ابوامامہ کو دیکھا تو مرحبا بالصدی بن عجلان "صدی بن عجلان خوش آمدید" کہہ کر استقبال کیا، قبیلہ میں ان کے اسلام کی خبر ہو چکی تھی، چنانچہ استقبال کے بعد سب سے پہلا سوال یہ ہوا کہ ہم نے سنا ہے، کہ اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم کو ہمارے پاس بھیجا ہے تا کہ ہمارے سامنے اسلام اور اس کے قوانین بتائیں ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بعض اہل قبیلہ ایک بڑے کاسہ میں خون لائے، سب حاضرین بڑے ذوق وشوق سے کھانے لگے، اور ابوامامہ کو بھی شرکت کی دعوت دی، انہوں نے کہا تم لوگوں پر افسوس آتا ہے، میں اس شخص کے پاس سے آرہا ہوں، جس نے بحکم خدا اس چیز کو حرام قرار دیا ہے، لوگوں نے وہ حکم پوچھا، ابوامامہ نے یہ آیت **حرم علیکم المیتۃ والدم والحم الخنزیر الا ما ذکیتم** تک تلاوت کر کے سنائی، اور اسی سلسلہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، اس کا جواب انکار کی صورت میں ملا، ابوامامہ کو پیاس معلوم ہوئی، پانی مانگا، لیکن دعوت اسلام کے بعد ہی تمام اہل قبیلہ ان سے پھر گئے اور جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے مرحبا کہہ کر استقبال کیا تھا، ان ہی کی جانب سے یہ جواب ملا کہ تم تڑپ تڑپ کر مر جاؤ، مگر تم کو پانی کا ایک قطرہ نہیں مل سکتا، یہ خشک جواب سن کر ابوامامہ تپتی ہوئی ریت پر سو گئے خواب میں قدرت الٰہی نے سیراب کر دیا، سو کر اٹھے تو قبیلہ والے اپنی بدخلقی پر باتیں کر رہے تھے، کہ تمہارے سرداروں میں سے ایک شخص تمہارے پاس آیا اور تم نے دودھ اور خرمے تک سے اس کی تواضع نہ کی، اس احساس کے بعد اہل قبیلہ نے ان کے سامنے دودھ اور خرمہ پیش کیا، مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور کہا، خدا نے مجھ کو سیراب کر دیا ہے۔ (۱) حافظ ابن حجر کی روایت کے مطابق ان کا قبیلہ آخر میں ان کی کوششوں سے مشرف باسلام ہو گیا۔ (۲)

وفات:

جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، پھر شام میں اقامت اختیار کر لی، اور یہیں عبدالملک اموی کے عہد میں ۸۶ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ایک سو چھ برس کی عمر تھی، ابن سعد نے ۶۱ برس کی عمر لکھی ہے، لیکن یہ صریحاً غلط ہے، اس لئے کہ اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ابوامامہ کی پیدائش ماننا پڑے گی۔

فضل وکمال:

فضل وکمال میں امتیازی پایہ رکھتے تھے، حدیث کی تبلیغ واشاعت ان کا خاص مشغلہ تھا، جہاں دو چار آدمی ایک جگہ مل جاتے ان کے کانوں تک احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا دیتے، سلیم بن عامر راوی ہیں، کہ جب ہم لوگ ابوامامہ کے پاس بیٹھتے تو وہ ہم کو احادیث کی بہت اہم باتیں سناتے اور کہتے کہ ان کو سنو، اور جو سنتے ہو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ، (۳) لوگوں سے کہتے کہ ہماری یہ مجلسیں تم لوگوں کے لئے خدائی تبلیغ (گاہیں) ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جو احکام ہمارے لئے بھیجے گئے، ان کو آپ نے ہم تک پہنچایا اب تم لوگ ہم سے جو اچھی باتیں سنو ان کی تبلیغ کرو، اور دوسروں تک پہنچاؤ۔ (۴)

اس مشغلہ کی وجہ سے تشنگان علم اکثر اس سرچشمہ فیض کے گرد جمع رہتے اور شائقین حدیث ان سے حدیثیں سننے لے لیے حمص کی مسجد میں داخل ہوتے، مکحول اور ابن ابی زکریا بیٹھے ہوئے تھے، مکحول نے کہا کیا اچھا ہوتا اگر ہم لوگ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابوامامہ کے پاس چلتے، ان کا

۱۔ مستدرک حاکم، ج۳، ص ۶۴۲ ۲۔ اصابہ، ج۳، ص ۲۴۱ ۳۔ مسند دارمی باب البلاغ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعلیم السنن ۴۔ ابن سعد، ج۷، ق۲، ص ۱۳۲

حق ادا کرتے اوران سے حدیث سنتے، اس تجویز پر ہم لوگ اٹھ کر ابوامامہ کے پاس پہنچے، سلام وجواب کے بعد انہوں نے کہا تمہارا آنا تمہارے لئے رحمت اور تم پر حجت ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس امت کے لئے جھوٹ اور عصبیت سے زیادہ کسی چیز کے لئے خوف کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اس لئے خبردار! جھوٹ اور عصبیت سے ہمیشہ بچتے رہنا، آپ نے ہم کو یہ حکم دیا تھا، کہ آپ کا یہ فرمان تم لوگوں کے کانوں تک پہنچا دیا جائے، ہم اپنا فرض ادا کر چکے، اب اسے دوسروں کے کانوں تک پہنچانا تمہارا فرض ہے۔(۱)

ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۲۵۰ ہے، ان میں سے پانچ روایتیں بخاری میں اور تین مسلم میں ہیں، (۲) ان کے رواۃ اور تلامذہ میں، سلیمان بن حبیب محاربی، شداد بن عمار دمشقی، محمد بن زیاد الالہانی، ابوسلام الاسود، مکحول الشامی، شہر بن حوشب، قاسم بن عبدالرب، رجاء بن حیوۃ، سالم بن ابی الجعد، خالد بن سعدان، ابوغالب الراسبی، اور سلیم بن عامر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (۳)

۹۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

عمرو نام، ابونجیح کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے، عمرو بن عبسہ بن عامر بن خالد بن غاضرہ ابن عتاب بن امرؤ القیس، ماں کا نام رملہ بنت وقیعہ تھا، یہ خاتون قبیلہ بنی حزام سے تھیں، عمرو مشہور صحابی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ (۴)

اسلام:

عمرو ابتدا ہی سے سلیم الفطرت تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جب کہ سارا عرب بت پرستی میں مبتلا تھا، ان کو اس سے نفرت تھی اور بت پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے، بعثت نبوی ﷺ کی خبر پاکر مکہ آئے، اس وقت آنحضرت ﷺ مشرکین کے معاندانہ روش کے باعث علی الاعلان دعوت اسلام نہیں کرتے تھے، اس لئے عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے خفیہ طور پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا، آپ کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نبی ہوں، پوچھا نبی کیا چیز ہے؟ فرمایا مجھ کو خدا نے بھیجا ہے، پوچھا کن تعلیمات کے ساتھ؟ فرمایا صلہ رحمی، بت شکنی اور توحید کے ساتھ۔ پوچھا کسی اور نے بھی اس دعوت کو قبول کیا؟ فرمایا ہاں! ایک غلام اور ایک آزاد نے۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور سرخیل عشاق بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے، اس سوال وجواب کے بعد عرض کی، مجھ کو بھی خدا پرستوں کے زمرہ میں داخل کیجئے، میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا، فرمایا اسی حالت میں جب کہ ہر چہار جانب سے میری مخالفت کے طوفان اٹھ رہے ہیں، میرے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو اس وقت تم وطن واپس جاؤ، میرے ظہور کے بعد پھر چلے آنا۔

وطن کی واپسی:

غرض مشرف باسلام ہونے کے بعد حسب ارشاد نبوی وطن لوٹ گئے، اور آنے جانے والوں سے برابر حالات کا پتہ چلاتے رہے، اتفاق سے یثرب کے کچھ اشخاص آپ کے یہاں آگئے، ان سے پوچھا کہ جو شخص مدینہ آیا ہے، اس کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کہ لوگ جوق در جوق اس کی طرف ٹوٹ رہے ہیں، اس کی قوم نے تو اس کو قتل کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا، مگر قتل نہ کر سکے، اب وہ مدینہ آگیا ہے۔

۱۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۴ ۲۔ تھذیب الکمال، ص ۴۷۱، تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۴۲۰

۳۔ تھذیب الکمال، ص ۴۷۱، سیر الصحابۃ، ج ۲، صغار صحابہ: دوم، ص ۱۸۵۔۱۸۶ ۴۔ مستدرک حاکم ج ۳، ص ۶۱۶

ہجرت:

اس خبر کے بعد مدینہ روانہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا، میں نے تم کو پہچان لیا، تم مکہ میں مجھ سے ملے تھے، پھر کچھ صوم وصلوٰۃ کے مسائل وغیرہ دریافت کر کے وہیں مقیم ہو گئے۔(۱)

غزوات:

بدر، احد، حدیبیہ اور خیبر کے معرکے وطن کے زمانہ قیام میں ختم ہو چکے تھے، سب سے پہلا غزوہ جس میں ابو رہم شریک ہوئے فتح مکہ ہے۔(۲) طائف میں بھی شرکت کا ایک روایت سے پتہ چلتا ہے، ان کا بیان ہے کہ طائف کے محاصرہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص خدا کے راستہ میں ایک تیر چلائے گا، اس کے لئے جنت میں ایک دروازہ کھل جائے گا، یہ بشارت سن کر میں نے ۱۶ تیر چلائے۔(۳) طائف کے علاوہ اور کسی غزوہ کی شرکت کی تصریح نہیں ملی، لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی بعض غزوات میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

وفات:

زمانہ وفات صحت کے ساتھ نہیں بتایا جا سکتا، ارباب سیر قیاس آخر عہد عثمانی بتاتے ہیں، چنانچہ صاحب اصابہ نے محض اس قیاس پر کہ یہ عہد عثمانی کے فتنوں اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کہیں نظر نہیں آتے، ان کا زمانہ وفات آخر عہد عثمانی لکھا ہے۔(۴) لیکن مسند احمد بن حنبل میں سلیم بن عامر سے ایک روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا، جس کی رو سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک مدت معینہ تک ان پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ یہ اس حساب سے حملہ کی تیاریاں کر چلے کہ رومیوں کی سرحد تک پہنچتے پہنچتے میعاد ختم ہو جانے کے ساتھ ہی فوراً حملہ کر دیا جائے، اس وقت حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ پکارتے پھرتے تھے کہ وعدہ وفا کرو، دھوکہ نہ دو۔(۵) اس روایت سے احتمال ہوتا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ تک زندہ تھے، لیکن اگر صاحب اصابہ کا قیاس صحیح مانا جائے تو یہ واقعہ اس عہد کا ہوگا، جب معاویہ رضی اللہ عنہ عہد عثمانی میں شام کے گورنر تھے، کیوں کہ اس زمانہ میں بھی ان کے اور رومیوں کے درمیان نبرد آزمائیاں ہوتی رہتی تھیں۔

فضل وکمال:

عمرو بن عبسہ کو گو صحبت نبوی ﷺ سے زیادہ فیضیاب ہونے کا کم موقع ملا، تاہم جو لمحات بھی میسر آئے ان میں خوشہ چینی سے غافل نہ رہے، چنانچہ مدینہ آنے اور اپنا تعارف کرانے کے بعد سب سے پہلا سوال آنحضرت ﷺ سے یہی کیا کہ علمنی ما علمک اللہ آپ کو جو خدا نے سکھایا ہے، وہ تھوڑا مجھے بھی سکھایئے، اسی لئے اس قلیل مدت کے باوجود آپ کی ۴۸ روایتیں کتب حدیث میں موجود ہیں۔(۶) اور آپ کے رواۃ کے نام حسب ذیل ہیں، عبداللہ بن مسعود، سہیل بن سعد، ابوامامہ باہلی، معدان بن ابی طلحہ، ابوعبداللہ صنابحی، شرحبیل بن سخط رضی اللہ عنہم وغیرہ۔(۷)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے معنی روایت کیا ہے۔

۱۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۰۷، ۳۰۸ و مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۱۱۲ — ۲۔ اصابہ، ج ۵، ص ۵ — ۳۔ ایضاً، ص ۲

۴۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۱۱۳، یہ روایت ترمذی میں بھی ہے — ۵۔ اصابہ، ج ۵، ص ۲ — ۶۔ تھذیب الکمال، ص ۲۹۱

۷۔ تھذیب التھذیب، ج ۸، ص ۶۹۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، مہاجرین: حصہ دوم، ص ۱۶۲۔۱۶۳

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ تیئسویں (۲۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت معاویہ بن صالح صدوق ہیں۔
☆ سند میں شیخ عمرو بن منصور نسائی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو کہ مصنف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نسبت ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی نسائی، دوسرے مصری باقی سارے شامی ہیں۔
☆ یہ روایت صحابی (ابوامامہ رضی اللہ عنہ) کی دوسرے صحابی (عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔
☆ سند میں تین تابعین کرام (ابویحییٰ، ضمرہ، ابوطلحہ) راوی ہیں۔
☆ سند میں حدثنا اللیث ھوابن سعد، سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف اللیث کہا تھا، ھوابن سعد راوی کا اضافہ ہے۔
☆ سند میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے تین تابعین کرام (ابویحییٰ، ضمرہ، ابوطلحہ) نے روایت کی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبر، سمع سے صیغے دو دو دفعہ اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کیف الوضوء: وضو کیسے ہے، وضو کیسے کیا جائے، وضو کا ثواب کیا ہے، وضو کی اہمیت کیا ہے۔

توضات: جب تو نے وضو کیا — غسلت: تو نے دھویا
کفیك: اپنی دونوں ہتھیلیاں — انقیتھما: تو نے ان کو صاف ستھرا کیا
خرجت: نکل گئی — خطایا: میری غلطیاں
اظفار: ناخن — انامل: پورے
مضمضت: تو نے کلی کی — استنشقت: تو نے ناک میں پانی چڑھایا
منخری: دونوں نتھنے — وجھہ: چہرہ
یدی: دونوں ہاتھ — المرفق: کہنی
مسحت: تو نے مسح کیا — رائسك: تیرا سر
رجلیك: تیرے دونوں پاؤں — الکعبین: دونوں ٹخنے
عامۃ خطایا: بہت سارے گناہ — وصنعت: تو نے رکھا
ولدتك: تجھے پیدا کیا — املك: تیری ماں

۷۔مسائل ونصائح:

جب انسان اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ اس کی عبادت کو قبول فرماتا ہے اور اس کو بخش دیتا ہے۔

اس سے پہلی حدیث میں متبادر یہ تھا کہ جو شخص وضو کرنے کے بعد دو رکعت نفل نماز پڑھے گا، جس کو سنت وضو کہتے ہیں، اس کی مغفرت ہو جائے گی اور اس حدیث سے عموم مراد ہے، جو شخص بھی وضو کر کے نماز پڑھے گا، خواہ وہ کوئی بھی نماز ہو۔ (۱)

وضو اور نماز کے بعد مغفرت کا بیان:

اس حدیث میں ہے کہ اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح ہے (یہ حدیث اگلے باب میں ہے) حدیث کے الفاظ میں بہ ظاہر عموم ہے لیکن اس کی صغائر کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے، اور کبائر توبہ سے معاف ہوتے ہیں، اسی طرح حقوق العباد بھی بندوں سے معاف کرانے سے معاف ہوتے ہیں، البتہ کبائر میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ (۲)

مغفرت کے متعدد اسباب اور ان کے ثمرات:

اس حدیث میں ہے جو شخص بھی اچھی طرح وضو کرے، پھر اس کے بعد نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے وہ تمام (صغیرہ) گناہ معاف کر دیتا ہے جو اس نے اس نماز سے پیوستہ دوسری نماز کے درمیان کئے تھے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

دیگر احادیث میں ہے پانچ نمازیں ان کے درمیان ہونے والے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں، ایک جمعہ سے لے کر دوسرا جمعہ تک جمعہ کی نماز کفارہ ہے اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک رمضان کفارہ ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب وضو سے گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو نماز سے کس چیز کا کفارہ ہوگا۔ اور جب پانچ نمازوں سے کفارہ ہو گیا تو جمعہ کی نماز سے کس چیز کا کفارہ ہوگا؟ اور جب جمعہ سے کفارہ ہو گیا تو رمضان سے کس چیز کا کفارہ ہوگا؟ اسی طرح عرفہ کے دن روزہ بھی دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور عاشورہ کا روزہ ایک سال کا کفارہ ہے اور جب کسی شخص کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو جائے تو اس کے تمام پچھلے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اس سوال کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ تمام عبادات گناہوں کا کفارہ ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں اگر اس کے صغیرہ گناہ ہوں تو ان سے مغفرت ہو جاتی ہے، اور اگر اس کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ نہ ہوں تو اس کی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے درجات بلند کر دیئے جاتے ہیں، اور اگر صغائر نہ ہوں اور کبائر ہوں تو امید ہے اس کے کبائر میں تخفیف ہو جائے گی۔ (۳)

☆ **علامہ محمد بن عبدالهادی سندھی لکھتے ہیں:**

چار مسجدوں سے مراد مسجد الحرام (مکہ مکرمہ)، مسجد نبوی (مدینہ منورہ)، مسجد قباء (مدینہ منورہ) اور مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) مراد ہیں۔ یہاں پر حکم سے مراد ایجابی بھی ہو سکتا ہے، اور ندبی بھی، اگر ایجابی مراد ہو تو اس کا معنیٰ ہے کہ اگر کوئی وضو میں واجبات پر اکتفاء کرتا ہے، تو اسے مذکورہ ثواب حاصل ہوگا۔ اگر حکم ندبی مراد ہو تو مندرجات پر عمل کرنے سے ہی کامل ثواب ملے گا۔ اس صورت میں حقیقت کو مجاز کے ساتھ جمع کرنا لازم نہیں آئے گا، کیونکہ امر مطلق ایجاب اور ندب دونوں کے معانی کو شامل ہے۔

☆ حدیث نمبر ۱۴۶ میں حتیٰ یصلیھا سے مراد دوسری نماز ہے، اس صورت میں گناہوں کی بخشش ان کے ارتکاب سے پہلے مراد ہوگی، اور یہ معنیٰ تقدیری ہوگا کہ وہ ایسے عمل پر مواخذہ کرنے والا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۵۷۰ ۲۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۷۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۸۷۳

۳۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۸۷۸

☆ حدیث نمبر ۱۴۷ میں پاؤں کو ٹخنے تک دھونے کا ذکر فرما کر اس بات کی وضاحت فرمائی، کہ پاؤں میں اصل دھونا ہے، مسح مراد نہیں ہے، یہاں پر گناہوں کے دھونے سے مراد ہے کہ اعضا گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں، گناہ سے مراد علماء کے نزدیک صغیرہ گناہوں کی بخشش مراد ہے۔

☆ یہاں پر گناہوں کے خارج ہونے کی ولادت سے تشبیہ اس لئے دی ہے کہ گناہوں سے نکلنا یہ فرع ہے گناہوں کے داخل ہونے سے، تو ولادت کے وقت اس کا تصور محال ہے۔ اسی لئے اسی جگہ پر صغیرہ کے ساتھ ساتھ کبیرہ گناہوں کی بخشش کا بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ انسان ولادت کے دن صغیرہ اور کبیرہ دونوں سے پاک ہوتا ہے، لیکن علماء اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نکلنے پر دلالت کرتا ہے یعنی وہ صغیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، جیسا کہ تو اپنی ماں کے جننے کے دن تھا اور یہی صحیح ہے۔ (۱)

۸۔ خلاصہ:

ان تمام احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ سنت کے مطابق وضو کرنے سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ گناہوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۱۴۴ میں چار مساجد سے مراد مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد قباء اور مسجد بیت المقدس مراد ہے، ان چاروں مساجد کو باقی مساجد پر فضیلت حاصل ہے۔ یہاں نماز سے مراد فرض نماز بھی ہو سکتی ہے اور نفل نماز بھی ہو سکتی ہے۔

☆ وضو اور نماز گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہیں۔

☆ بعض عمل اگرچہ آسان ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ جل جلالہ ان پر اجر و ثواب زیادہ عطا فرماتا ہے۔

☆ محدث اور شیخ کو چاہئے کہ وہ اہل علم سے اپنی علمی تصدیقات کرتا رہے جیسا کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے تصدیق کی۔

☆ پانچ نمازیں پڑھنا گناہوں کا کفارہ ہے۔

☆ یہاں پر گناہوں کی بخشش سے مراد صغیرہ گناہوں کی بخشش ہے، کیونکہ کبیرہ گناہوں کے لئے توبہ لازم ہے، البتہ جس کے صغیرہ گناہ نہ ہوں، اس کے کبیرہ گناہوں کو صغیرہ میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، جس کے کبیرہ بھی نہ ہوں، اس کی نیکیوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

☆ علماء کرام سے مسائل پوچھنے چاہئے۔

☆ وضو میں پاؤں کا دھونا فرض ہے، مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ حدیث مبارکہ میں گناہوں کے اعضاء سے نکلنے سے مراد گناہوں سے پاک ہونا ہے۔

☆ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے استفسار پر حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے وضاحت کر دی کہ میں کسی لالچ کے بغیر حدیث بیان کر رہا ہوں اور تاکیداً بیان کیا کہ میرے کانوں نے یہ حدیث مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کیا ہے۔

باب ۱۰۹: اَلْقَوْلِ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنَ الْوُضُوْءِ وضو کرنے کے بعد (مسنون) ذکر

اس باب میں وضو سے فارغ ہونے کے بعد مسنون ذکر کرنے کا بیان ہے، بیان پر القول سے مراد اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا ذکر ہے، اس بات میں امام

۱۔ حاشیہ سندھی، ص ۴۶۔ ۴۷

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں مسنون وضو کرنے پر ثواب کا ذکر تھا، اس باب میں مسنون وضو کے بعد مسنون ذکر کا بیان ہے۔

۱۴۸۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حَرْبٍ الْمَرْوَزِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ عَنْ اَبِي اِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ وَاَبِي عُثْمَانَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ "مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فُتِّحَتْ لَهٗ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ"

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص اچھی طرح وضو کرے، پھر یہ پڑھے، اشهدان لااله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله، (میں گواہی دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں، بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)، اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے، وہ جس (دروازے) سے چاہے گا، داخل ہو جائے گا۔

۱۔ اطراف:

مسلم: ۲۳۴، ابن ماجہ: ۴۷۰، احمد: ۱۲۱، السنن الکبریٰ: ۱۴۱، تحفۃ الاشراف: ۱۰۶۰۹

۲۔ مطابقت

: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، تین کے حالات درج کئے جاتے ہیں، البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ محمد بن علی بن حرب المروزی:

آپ کا نام ابوعلی محمد بن علی بن حرب مروزی ہے، آپ ترک کے لقب سے مشہور ہیں، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ زید بن حباب: راجع: ۳۷ **۳۔ معاویۃ بن صالح:** راجع: ۶۲

۴۔ ربیعۃ بن یزید:

آپ کا نام ابوشعیب ربیعہ بن یزید دمشقی ایادی (م: ۱۲۱ھ) ہے، آپ القصیر کے لقب سے مشہور تھے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ عابد تابعی راوی ہیں، علامہ ابن حبان فرماتے ہیں: آپ اہل شام میں سب سے بلند پایہ محدث تھے، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت واتقان پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۱۔ i۔ المعجم المشتمل، ص ۹۱۵ ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۲۰۱ ۲۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۱۵۹ ii۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۴۶۵

۵۔ابوادریس الخولانی رحمۃ اللہ علیہ:

عائذ نام ابوادریس کنیت، کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں۔نسب نامہ یہ ہے عائذ ابن عبداللہ بن عمرو۔بعض روایات میں نام عبداللہ اور نسب نامہ اس طرح ہے۔عبداللہ بن ادریس بن عائذ بن عبداللہ بن غیلان خولانی۔

پیدائش:

غزوہ حنین کے سال ۸ھ یعنی عہد رسالت میں پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:

صاحب علم وعمل تابعین میں تھے۔شام کے ممتاز علماء میں شمار تھا۔حافظ ذہبی لکھتے ہیں:''ابوادریس خولانی عالم اھل الشام۔۔۔الفقیہ احد من جمیع بین العلم العمل''(۱) مشہور صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے بعد جو شام میں مقیم تھے ابوادریس ہی ان کے جانشین ہوئے تھے۔

حدیث:

حدیث میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ، ثوبان رضی اللہ عنہ، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، عوف بن مالک رضی اللہ عنہ، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں۔حافظ ذہبی نے اکابر صحابہ کے زمرہ میں ان کے حالات لکھے ہیں۔(۲)

ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری، ربیعہ بن یزید، بسر بن عبیداللہ بن ربیعہ بن یزید، قاسم بن محمد، ولید بن عبدالرحمٰن، یونس بن میسرہ، ابوعون انصاری، یونس بن سیف، مکحول، شہر بن حوشب اور سلمہ بن دینار رحمہ اللہ علیہم وغیرہ لائق ذکر ہیں۔(۳)

فقہ:

شام کے مشہور فقہاء میں تھے، امام زہری ان کو شام کے فقیہ علماء میں شمار کرتے تھے۔(۴) طبری نے ان کا ذکر شام کے ان علماء کے ساتھ کیا ہے جو فقیہ اور حلال وحرام کے عالم تھے۔(۵)

وعظ گوئی اور قضاءت:

ان کے فقہی کمال کی سند یہ ہے کہ عبدالملک کے زمانہ میں وہ دارالخلافہ دمشق کے قاضی تھے اور قضاءت کے ساتھ وعظ وپند کی خدمت بھی انجام دیتے تھے، پھر عبدالملک نے وعظ کی خدمت ان سے الگ کرلی۔ان کو قضاءت کے مقابلہ میں وعظ گوئی کا شغل زیادہ مرغوب تھا۔اس لئے اس سے علیحدگی کے بعد کہتے تھے۔''میری مرغوب چیز سے مجھے معزول کردیا گیا، اور جس چیز سے ڈرتا ہوں اسے رہنے دیا گیا۔(۶)

علماء کا اعتراف:

ان کے ہم عصر ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مکحول جو شام کے سب سے بڑے عالم تھے کہتے تھے کہ میں نے ادریس سے بڑا عالم نہیں دیکھا، ابوزرعہ دمشقی ان کو جبیر بن نفیر عالم شام پر ترجیح دیتے تھے۔(۷)

۱۔ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۲۴ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۴۸ ۳۔تھذیب التھذیب، ج ۵، ص ۸۵ ۴۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۴۹

۵۔تھذیب التھذیب، ج ۵، ص ۸۷ ۶۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ۴۹ ۷۔تھذیب التھذیب، ج ۵، ص ۸۵

وفات:

۸۰ھ میں وفات پائی۔(۱)

۶۔ابوعثمان:

آپ کی شخصیت کے بارے میں کافی اختلاف ہے، پہلے اختلاف کوذکر کیا جاتا ہے، آخر میں وضع اختلاف کی صورتوں کوذکر کیا جائے گا۔علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ابوعثمان ربیعہ بن یزید دمشقی کے استاد گرامی ہیں، ابوعثمان سے بعض نے سعید بن ھانی خولانی رحمۃ اللہ علیہ مرادلیا ہے، اور بعض نے حریز بن عثمان مرادلیا ہے، اگر یہ دونوں نہیں، پھر یہ مجہول شخصیت ہیں، ابوعثمان سے امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔(۲)

جن دوشخصیات کا ذکر علامہ ابن حجر عسقلانی نے کیا ہے، ان کا تعارف درج ذیل ہے۔

۱۔سعید بن ھانی الخولانی: آپ کا نام ابوعثمان سعید بن ھانی خولانی مصری شامی (م:۱۲۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، تابعی راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔(۳)

۲۔حریز بن عثمان: آپ کا نام ابوعثمان حریز بن عثمان بن جبر بن اصراجی حمصی مشرقی (م:۱۶۳ھ) ہے، آپ نے تراسی سال کی عمر میں وفات پائی، آپ کی ولادت ۸۰ھ کی ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام بخاری اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

سند میں اختلاف کے رفع کی صورتیں: سند میں ابوعثمان سے مرادکون سی شخصیت ہے اس کے لئے دوجہتی تجزیہ ضروری ہے، جوکہ درج ذیل ہے:

۱۔پہلی صورت: ابوعثمان سے مراد سعید بن ھانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اور وہ روایت حضرت عقبہ بن عمار رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کررہے ہیں، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ ہے، جبکہ حضرت سعید بن ھانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۲۷ھ ہے، اسی طرح حضرت سعید بن ھانی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت ربیعہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں، ان کی وفات ۱۲۱ھ/۱۲۳ھ ہے۔

تجزیہ: اس صورت میں حضرت ربیعہ کا حضرت سعید بن ھانی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کا امکان بالکل واضح ہے، کیونکہ وصال کا زمانہ قریب ہے اور شہروں اور علاقوں کا بھی بہت بعد نہیں ہے۔

۲۔اس صورت میں حضرت سعید بن ھانی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے سماع محل نظر ہے، کیونکہ حضرت عقبہ بن عامر کی وفات ۵۸ھ ہے، اس طرح دونوں کی وفات میں تقریباً ستر سال کا فرق ہے، لیکن آپ کے پیدائش کی بارے میں مؤرخین اور آئمہ جرح وتعدیل خاموش ہیں، اس لئے ہوسکتا ہے کہ آپ نے طویل عمر پائی ہو، اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے، جوعلامہ جمال الدین مزی نے لکھی ہے، آپ لکھتے ہیں:

حضرت سعید بن ھانی خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عرباض بن ساریہ سلمی رضی اللہ عنہ (م:۷۰ھ ت) (جواصحاب صفہ میں سے ہیں)، حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ (م:۶۰ھ)، حضرت عمرو بن الاسود رحمۃ اللہ علیہ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت (۴۰ھ۔۶۰ھ) کے دوران فوت ہوئے) اور حضرت ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ (جوکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے عازم سفر ہوئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے، اور یزید بن معاویہ (۶۰۔۶۴ھ) کے دورحکومت میں فوت ہوئے) سے روایات کی ہیں۔(۵)

۱۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۴۹۔سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام،ص۳۳۴۔۳۳۵ ۲۔تقریب التھذیب، ج۲،ص۴۴۰

۳۔i۔الثقات، ج۴،ص۲۸۲ ii۔تاریخ الثقات،ص۱۸۸

۴۔i۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج۳،ص۳۵۶ ii۔میزان الاعتدال، ج۱،ص۴۷۵۔۴۷۶ ۵۔تھذیب الکمال، ج۴،ص۲۲۴

اس لئے اس سند میں ابوعثمان سے مراد حضرت سعید بن ھانی خولانی رحمۃ اللہ علیہ مراد لیا جانا ہی قرین قیاس ہے۔

۲۔دوسری صورت:

اس سند میں ابوعثمان سے مراد اگر حریز بن عثمان (۸۰ھ۔۱۶۳ھ) ہو، تو حضرت ربیعہ بن یزید رحمۃ اللہ علیہ (م:۱۲۱ھ/۱۲۲ھ) کے سماع کا امکان موجود ہے، البتہ حضرت حریز بن عثمان کے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ (م:۵۸ھ) سے سماع کا امکان نہیں، کیونکہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ ہے، جبکہ حضرت حریز بن عثمان کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے۔

۳۔تیسری صورت:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری صورت مجہول راوی کی ذکر کی ہے، اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔

۴۔چوتھی صورت:

سند کی ایک صورت علامہ ابوالحجاج جمال الدین مزی نے ذکر کی ہے، آپ لکھتے ہیں: یہ سند ابوعثمان عن جبیر بن نضیر عن عقبۃ بن عامر بن الخطاب سے بھی مروی ہے۔ یعنی حضرت ابوعثمان اور حضرت عقبہ بن عامر کے درمیان حضرت جبیر بن نضیر (م:۷۵ھ) راوی ہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی دونوں سندیں اسی طرح لائے ہیں۔

خلاصہ بحث: مذکورہ بالا چار صورتوں میں سے پہلی اور چوتھی صورت دونوں صحیح ہیں، پہلی صورت پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتماد ہے، اور چوتھی صورت پر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا اعتماد ہے۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ابوعثمان سے مراد حضرت سعید بن ھانی خولانی رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔ واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم بالصواب۔

۷۔عقبۃ بن عامر الجھنی: راجع:۱۴۴

۸۔امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہ:

نام ونسب اور خاندان:

عمر نام، ابوحفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک، (۱) عدی کے دوسری بھائی مرہ تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا، آپ رضی اللہ عنہ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی تنازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آرہے تھے، ددھیال کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ کی والدہ حنتمہ، ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لئے جاتے تھے، تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے، ایام طفولیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں، شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے، یعنی نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت

۱۔اصابہ ج۲ ص۵۱۸ ۲۔عقد الفرید باب فضائل العرب

میں مہارت پیدا کی، خصوصاً شہ سواری میں کمال حاصل کیا، اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے ان میں سے ایک حضرت عمر بھی تھے۔(۱)

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے، عرب میں لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لئے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا، اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا، اس سے آپ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے، آپ کی خود مختاری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اسی کا نتیجہ تھی، اور ان ہی اوصاف کی بنا پر قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا، قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ رضی اللہ عنہ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔(۲)

حضرت عمر کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پر توفگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے یہ آواز نہایت نامانوس تھی اس لئے سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے، ان کے خاندان کی ایک کنیز بسینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے، بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا، ان تمام سختیوں سے ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے۔

اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ:

قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لئے اسلام کی دعا فرمائی: **اللهم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن هشام و اما عمر بن الخطاب**۔(۳) یعنی خدایا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر، مگر یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھ دی تھی ابوجہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن، اس کا سب سے بڑا جان نثار بن گیا، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔

ذلك فضل الله يوتيه من يشآء تاریخ وسیر کی کتابوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تفصیلات قبول اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں، یہ ہے: کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے، ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں" انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں" فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لئے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں، انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا، بولیں: عمر رضی اللہ عنہ! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔ ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر خاص اثر کیا

۱۔ استیعاب تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب ۲۔ فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۷۷ ۳۔ جامع ترمذی مناقب عمر رضی اللہ عنہ

بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، اسے دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ، فاطمہ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (۱) ''زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

آمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه (۲) ''خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔

تو بے اختیار پکار اٹھے: اشھدان لا الہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمد رسول اللّٰہ۔

یہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا، پناہ گزین تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا'' کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پُر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی:'' ایمان لانے کے لئے'' آنحضرت ﷺ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (۳)

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دار قطنی، ابو یعلی، حاکم اور بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورۂ حدید کی آیت:'' سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض '' ہے اور دوسری میں سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے۔

''اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ (۴) ''میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں تجھ کو پوجو اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو''۔

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی، لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں، چنانچہ دار قطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں۔ (۵) ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدلال میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی و منقطع ہے۔ (۶) میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے۔ (۷) کنز العمال میں بھی اس کی تضعیف کی گئی ہے۔ (۸) ان دونوں روایتوں میں مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب کے سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

ان روایتوں کے علاوہ مسند ابن حنبل میں ایک روایت خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو چھیڑنے نکلا آپ ﷺ بڑھ کر مسجد میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی، جس میں آپ ﷺ نے سورۂ فاتحہ تلاوت فرمائی میں کھڑا استنا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں، خدا کی قسم یہ شاعر

۱۔ الحدید: ۱ ۲۔ الحدید: ۷ ۳۔ سیرۃ النبی، ج ا، ص ۲۰۹۔۲۱۰ بحوالہ اسد الغابہ و ابن عساکر و کامل ابن اثیر ۴۔ سورۂ طٰہٰ: ۱۴

۵۔ دار قطنی باب الطہارۃ للقرآن ۶۔ مستدرک حاکم، ج ۴، ص ۵۹ ۷۔ میزان الاعتدال تذکرہ قاسم بن عثمان بصری

۸۔ کنز العمال، فضائل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

ہے، ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی:

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ (۱) "یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان رکھتے ہو"۔

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے، میرے دل کی بات جان گیا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۲) "یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے"۔

آپ ﷺ نے یہ سورۃ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ (۳)

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک بت خانہ میں سوتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی اے جلیج ایک فصیح البیان کہتا ہے، لا الہ الا اللہ اس آواز کو سننا تھا، کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ پھر وہی آواز آئی، اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ نبی ہیں۔ (۴) اس روایت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کیا اثر ہوا۔

پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس ندائے غیب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لبیک نہیں کہا اور اس کا تعلق آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت سے وہ نہ پیدا کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا، تاہم چونکہ توحید کا ذکر تھا اس لئے ادھر میلان ہوا ہوگا، لیکن چونکہ ان کو قرآن سننے کا موقع نہیں ملا اس لئے اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی، اس کے بعد جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو سورۃ الحاقہ جس میں قیامت اور حشر ونشر کا نہایت موثر بیان ہے، نماز میں پڑھتے سنی تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا، جیسا کہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے وقع الاسلام فی قلبی کل موقع یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لئے انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت موثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمہ توحید پکار اٹھے اور دراقدس ﷺ پر حاضری کی درخواست کی۔

اور اگر وہ پہلی روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس ندائے غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا لیکن چونکہ تین برس دعوت محدود اور مخفی رہی تھی اس لئے ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبوی میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا، پھر جب رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی گئیں تو ان کی شدت کم ہوتی گئی، بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان کو سورۃ الحاقہ سننے کا موقع ملا اور وہ لبیک کہتے ہوئے اسلام کے آستانہ پر حاضر ہو گئے۔

ہجرت:

مکہ میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، اسی قدر مشرکین قریش کے بغض وعناد میں بھی ترقی ہوتی گئی، اگر پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے، تو اب انہیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا، سچ یہ ہے کہ اگر بلاکشان اسلام میں غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو ایمان پر ثابت قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

۱۔ الحاقہ: ۴۰۔۴۱ ۲۔ الحاقہ: ۴۲۔۴۳ ۳۔ مسند ابن حنبل، ج ۱، ص ۱۷ ۴۔ باب بنیان الکعبہ باب اسلام عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ۶ نبوی میں اسلام لائے تھے اور ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی اس طرح گویا انہوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶، ۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے، جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب، ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس سفر کے لئے آمادہ ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گزرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے، نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کر لے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ (۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ کر قبا میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے، قبا کا دوسرا نام عوالی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۶۲۲ء میں خود آفتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضوافگن ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی، اس موقع پر انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو مال و اسباب میں نصف کا شریک، بنالیا، اس رشتہ کے قائم کرنے میں درجہ مراتب کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا، یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمر کے برادر اسلامی حضرت عتبہ بن مالک قرار پائے تھے، جو قبیلہ بن سالم کے معزز رئیس تھے۔

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا اور اس کا وقت آ گیا تھا کہ فرائض و ارکان محدود اور معین کئے جائیں، نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی، اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے، اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلان نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا، بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق وناقوس سے کام لیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لئے کیوں نہ مقرر کیا جائے، رسول اللہ کو یہ رائے پسند آئی اور اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا گیا، اس طرح اسلام کا ایک شعار اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے موافق قائم ہوا۔ (۲) جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔ (۳)

شہادت:

مغیرہ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابولؤلؤ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی، شکایت بے جا تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخم کے صدمے سے گر پڑے، اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ (۴)

یہ ایسا زخم کاری تھا کہ اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے، لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لئے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لئے منتخب کر لیا جائے، ان لوگوں کے نام یہ ہیں: علی، عثمان، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی۔ (۵)

۱۔ زرقانی، ج ۱، ص ۳۷۱ ۲۔ صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان ۳۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، خلفاء راشدین، ص ۱۰۲۔۱۰۹
۴۔ مستدرک، ج ۱، ص ۹۱ ۵۔ ایضاً، ص ۹۱، ۹۳

اس کے بعد مہاجرین انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو وصیت کی کہ مجھ پر جس قدر قرض ہوا گروہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو وہ ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۴ھ میں واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو رہا۔

علم و فضل:

اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہ تھا، چنانچہ جب آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی زمانہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا۔(۱) حضرت عمر کے فرامین، خطوط توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، ان سے ان کی قوت تحریر، برجستگی کلام اور زور تحریر کا اندازہ ہو سکتا ہے، بیعت خلافت کے بعد خطبہ دیا اس کے چند فقرے یہ ہیں:

اللهم انی غليظ فليني، اللهم انی ضعيف فقونی الا وان العرب جمل انف وقداعطيت خطامه الا وانی حامله علی المحجة۔

''اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر، میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے ہاں عرب والے سرکش اونٹ ہیں، جن کی مہار میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہے، لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا''۔

قوت تحریر کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام لکھا گیا تھا، اس کے چند فقرے یہ ہیں:

اما بعد فان القوة فی العمل ان لا توخروا عمل اليوم لغد فانكم اذا فعلتم ذلك قدار كت عليكم اعمالكم فلم تدروا ايها تاخذون فاضعتم۔

''امابعد! مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کل کا کام کل پر نہ اٹھا رکھو، ایسا کرو گے تو تمہارے بہت سے کام جمع ہو جائیں گے پھر پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو چھوڑ دیں، اس طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا''۔

شاعری کا خاص ذوق تھا اور شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، مشاہیر میں سے زہیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے۔(ابو علی الحسن ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں) لیکن اس کی طرف زیادہ توجہ نہ تھا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے جو آج بھی عربی ادب کی جان ہیں۔ علم الانساب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، یہ علم کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں چلا آتا تھا، ان کے والد خطاب مشہور نساب تھے۔ جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے، تو اپنے باپ کا حوالہ دیتے تھے۔(۲) اس سے قیاس ہوتا ہے کہ عبرانی زبان سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فطرۃً ذہین، طباع اور صائب الرائے تھے، اصابت رائے کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں، اذان کا طریقہ ان کی رائے کے موافق ہوا، اسیرین بدر کے متعلق جو رائے انہوں نے دی وحی الٰہی نے اسی کی تائید کی، شراب کی حرمت، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے پردہ اور مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نزول وحی سے پہلے رسول مقبول ﷺ کو رائے دی تھی۔(۳)

۱۔ بلاذری، ص ۴۷۷

۲۔ کتاب البیان والتبیین، ج ۱، ص ۱۱۷

۳۔ تاریخ الخلفاء، ص ۱۲، بخاری کے مختلف ابواب میں یہ واقعات مذکور ہیں

آپ کو بارگاہ نبوت میں جو خاص تقرب حاصل تھا، اس کے لحاظ سے قدرۃ ان کو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا، طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی اس لئے آئندہ نسلوں کے لئے اجتہاد اور استنباط مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کردی، وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی شرعی مسائل پر غور وفکر کیا کرتے تھے اور جب کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا، تو اس کو آپ سے دریافت کیا کرتے تھے، سفر میں قصر کا حکم دے دیا گیا تھا، لیکن جب راستے مامون ہوگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اب سفر میں یہ حکم کیوں باقی ہے؟۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ خدا کا انعام ہے"۔

مسائل دریافت کرنے میں مطلقا پس وپیش نہیں کرتے تھے اور جب تک تشفی نہ ہوجاتی ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے تھے، کلالہ کے مسئلہ کو جو نہایت دقیق اور مختلف فیہ مسئلہ ہے، بار بار آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ نساء کی آخری آیت تمہارے لئے کافی ہے"۔(۱)

نہایت غور وتوجہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، ہر ایک آیت پر مجتہدانہ حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے، ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں اس آیت کے معنی پوچھے ایو داحد کم ان تکون له جنة لوگوں نے کہا واللہ اعلم، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل ہے، چونکہ جواب ناتمام تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت ونعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے۔ لیکن اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کردیئے جائیں گے"۔(۲)

قرآن مجید سے استدلال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہاں کے باشندے ان کے غلام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی۔ وماافاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ۔

بالآخر سب نے اس کی تائید کی اور اسی پر فیصلہ ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایات کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث ہی سے ماخوذ ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا ہے، اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے میں نہایت محتاط تھے۔ جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے، اس وقت تک ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں نکالتے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کثرت روایت سے روکتے تھے، علامہ ذہبی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وقد کان عمر من دجله یخطی الصاحب علی رسول الله ﷺ یا مرهم ان یقلو الروایة عن نبیهم ۔(۳)

"اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ڈر سے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں ان کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے کم روایت کریں"۔

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق وتنقید اور جرح وتعدیل ہے، اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے میں ثبوت اور شہادت کا لحاظ رکھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میں بہت زیادہ غلو تھا، اور جب تک روایت ودرایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا، قبول نہ کرتے، اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۱۔ تفسیر ابن جریر، ج ۶، ص ۲۵ ۲۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۵۱ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، تذکرہ عمر رضی اللہ عنہ

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہی ساختہ پرداختہ ہے ان سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کئے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے، استنباط احکام اور تفریع مسائل کے لئے بھی انہوں نے ایک شاہراہ قائم کردی تھی، مختلف فیہ مسائل طے کرنے کے لئے اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم جس کثرت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا پھر نہیں ہوا۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع سنت:

تہذیب نفس اور اخلاق حمیدہ سے مزین ہونے کے لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل میں مبداء خلق عظیم یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص محبت اور اتباع سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے، خود دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہوسکتا، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں، ارشاد ہوا عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آپ جمال نبوت کے سچے شیدائی تھے، ان کو اس راہ میں جان ومال، اولاد اور عزیز واقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا، عاصی بن ہشام جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں تھا، معرکہ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا، اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ناراض ہوکر علیحدگی اختیار کرلی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا، جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا "خدا کی قسم! میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی سفارش کے لئے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیں تو اس کی گردن ماردوں۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محبت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حالت وارفتگی میں قسمیں کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا، اس کا سر توڑ دوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت طاری ہوجاتی اور روتے روتے، بے تاب ہوجاتے، ایک دفعہ سفر شام کے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوگئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔(۲)

یہ فطری امر ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے اس بنا پر جن لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایام خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا، چنانچہ جب آپ نے صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب غلام زید بن رضی اللہ عنہ حارثہ کے فرزند اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، عبداللہ نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔(۳) اسی طرح جب فتح مدائن کے بعد مال غنیمت آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو صرف پانچ سو دیئے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے، اس وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں، لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے مرتبہ ان کے احترام اور آرام وآسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے، چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ ہزار مقرر کیں۔(۴)

۲۳ھ میں جب امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی نہایت ادب واحترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سواریوں کے ساتھ کردیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے،

۱۔ فتح الباری، ج۹، ص۲۵۱ ۲۔ فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس ۳۔ مستدرک، ج۳، مناقب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۴۔ کتاب الخراج، ص۲۴

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہا منزل پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیام کرتی تھیں اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دستور عمل کا سب سے زریں صفحہ اتباع سنت تھا، وہ خورد ونوش لباس ووضع، نشست وبرخاست غرض ہر چیز میں اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ فقر وفاقہ سے زندگی بسر کی تھی، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روم وایران کی شہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر وفاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا، ایک دفعہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے، اس لئے آپ کو نرم لباس اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، جان پدر! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں، خدا کی قسم! میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو، اس کے بعد دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بے تاب ہو کر رونے لگیں۔(۲)

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے، معمولی کھانے کے بعد دسترخوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر رضی اللہ عنہ کی جان ہے، اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادۂ مستقیم سے منحرف کردے گا۔(۳)

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کو بوسہ دیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے زمانہ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ پتھر کو بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکہ ہو کہ اس میں بھی الٰہی شان ہے، حجر اسود کو بوسہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:

انی اعلم انک حجرو لاتضرو لاتنفع ولو لا انی رأیت رسول اللہ یقبلک ماقبلتک۔ ''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا''۔

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین عرب کے دلوں پر رعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا، اس لئے جب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے مگر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار کو ترک کرنے پر جرأت نہ ہوئی۔(۴)

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں، ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اس طرف سے گذرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے، ایک شخص نے پوچھا، یہ نماز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، یہ کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباع سنت کے جذبہ سے معمور ہو جائے۔

ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عین خطبہ کی حالت میں اس طرف دیکھا اور کہا ''آنے کا یہ کیا وقت ہے''؟ انہوں نے کہا کہ بازار سے آرہا تھا کہ اذان سنی، وضو کر کے فوراً حاضر ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''وضو پر کیوں اکتفاء کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جمعہ کو) غسل کا حکم دیا کرتے تھے''۔(۵)

۱۔ ابن سعد تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۲۔ کنز العمال، ج ۶ ص ۲۳۹ ۳۔ کنز العمال، ج ۶ ص ۳۴۵
۴۔ بخاری کتاب الحج ۵۔ بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یوم الجمعہ

رفاہ عام:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فریضہ خلافت کی حیثیت سے رفاہ عام اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے جو کام کئے اس کی تفصیل گذر چکی ہے ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لئے وقف تھا، ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لادیتے، مقام جنگ سے قاصد آتا تو اہل فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام حرار پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت پکار رہی ہے اور وہ تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، عورت نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، میں نے ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھادی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی وقت مدینہ آئے اور آٹا گھی، گوشت اور کھجوریں لے چلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم نے کہا میں لئے چلتا ہوں، فرمایا: ہاں قیامت میں تم میرا بار نہیں اٹھاؤ گے اور خود ہی سب سامان لے کر عورت کے پاس گئے، اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود چولہا پھونکا، کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے، حضرت عمر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔(۱)

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور کہا مجھ کو ان کے متعلق مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے، چلو ہم دونوں چل کر پہرہ دیں، چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے۔(۲)

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دردزہ میں مبتلا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر بدو کے خیمہ پر گئے، تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے پکار کر کہا اے امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے، بدو امیر المومنین کا لفظ سن کر چونک پڑا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔(۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی غیر معمولی مصروفیات میں سے بھی مجبور، بیکس اور اپاہج آدمیوں کی خدمت گذاری کے لئے وقت نکال لیتے تھے، مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت گذاری کے ممنون تھے، خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصبح امیر المومنین کو ایک جھونپڑے میں جاتے دیکھا، خیال ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کیا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہے اور وہ روزانہ اس کی خبر گیری کے لئے جایا کرتے ہیں۔

خدا کی راہ میں دینا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت زیادہ دولت مند نہ تھے تاہم انہوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں صرف کیا وہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا، ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہ نے ضروریات جنگ کے لئے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر اپنے مال واسباب میں سے آدھا لے کر پیش کیا۔(۴)

یہود بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا، اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین سیر حاصل قطعہ اراضی ملا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعہ زمین ملا ہے، جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے، آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے

۱۔ کنز العمال، ج ۶ ص ۳۵۲ ۲۔ طبری ص ۲۷۴۳ ۳۔ کنز العمال، ج ۶ ص ۳۴۳ ۴۔ ترمذی فضائل ابی عمر رضی اللہ عنہ

فرمایا وقف کردو چنانچہ حسب ارشاد نبوی ﷺ فقراء اعزہ، مسافر، غلام اور جہاد کے لئے وقف کر دیا۔(۱)

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دست سوال دراز کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متاثر ہو کر بہت روئے اور کرتہ اتار کر دے دیا۔

مساوات کا خیال:

عہد فاروقی میں شاہ گدا، امیر وغریب، مفلس و مال دار سب ایک حال میں نظر آتے تھے، عمال کو تاکیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز ونمود اختیار نہ کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی مساوات کو اپنا خاص شعار بنایا تھا، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی، تعظیم وتکریم کو دل سے ناپسند کرتے تھے، ایک دفعہ کسی نے کہا، آپ پر قربان! فرمایا ایسا نہ کہو، اس سے تمہارا نفس ذلیل ہو جائے گا، اسی طرح زید بن ثابت قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انہوں نے تعظیم کے لئے جگہ خالی کر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی ناانصافی کی" یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔(۲)

آپ کا مقولہ تھا کہ میں اگر عیش وتنعم کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت وافلاس میں رہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا، سفر شام میں نفیس ولذیذ کھانے پیش کئے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ الوان نعمت میسر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لئے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا تو پھر مجھے بھی اس کی حاجت نہیں۔

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے جاہ وجلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا لیکن مساوات کا یہ عالم تھا کہ قیصر وکسریٰ کے سفراء آتے تھے تو انہیں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے؟ درحقیقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود نمونہ بن کر مسلمانوں کو مساوات کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم ومحکوم اور آقا وغلام کے سارے امتیاز اٹھ گئے تھے۔

غیرت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالطبع غیور واقع ہوئے تھے، یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ ان کی غیرت کا پاس ولحاظ کرتے تھے، صحیح مسلم، ترمذی اور صحاح کی تقریباً سب کتابوں میں باختلاف الفاظ مروی ہیں کہ معراج کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے جنت میں ایک عالی شان طلائی قصر ملاحظہ فرمایا، جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لئے مخصوص تھا، اس کے اندر صرف اس وجہ سے تشریف نہیں لے گئے، کہ آپ کو ان کی غیرت کا حال معلوم تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کا ذکر فرمایا تو وہ رو کر کہنے لگے، بابی انت امی علیك اغار۔ (یعنی میرے ماں باپ فدا ہوں کیا میں حضور ﷺ کے مقابلہ میں غیرت کروں گا۔(۳)

آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا، یہاں تک کہ خود ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن پردہ نہیں کرتی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی، بار بار رسول اللہ ﷺ سے ملتجی ہوئے کہ آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو پردہ کا حکم دیں، اس خواہش کے بعد ہی آیت حجاب نازل ہوئی۔

آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمان عورتیں حماموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مذہب عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔

۱۔ ابوداؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف ۲۔ کنز العمال، ج ۳، ص ۱۷۴ ۳۔ بخاری مناقب عمر رضی اللہ عنہ

خانگی زندگی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اولاد ازواج سے محبت تھی مگر اس قدر نہیں کہ خالق ومخلوق کے تعلقات میں فتنہ ثابت ہو، اہل خاندان سے بھی بہت زیادہ شغف نہ تھا، البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے، نہایت الفت رکھتے تھے، جب وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تو نہایت قلق ہوا، فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے۔(۱) زید نے اسماء نامی ایک لڑکی چھوڑی تھی اس کو بہت پیار کرتے تھے۔

مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر عوالی میں رہتے تھے، لیکن خلافت کے بعد خاص مدینہ میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متصل سکونت اختیار کی، چونکہ وفات کے وقت وصیت کر دی تھی کہ مکان بیچ کر قرض ادا کیا جائے اس لئے یہ مکان فروخت کر دیا گیا اور عرصہ دراز تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔

حصول معاش کا اعلیٰ ذریعہ تجارت تھا، مدینہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کی تھی لیکن خلافت کے بار گراں نے انہیں ذاتی مشاغل سے روک دیا تو ان کی عسرت کو دیکھ کر صحابہ نے اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔

(یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ تمام بدری صحابیوں کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا، دیکھو فتوح البلدان ذکر العطائی خلافۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

غذا نہایت سادہ تھی یعنی صرف روٹی اور روغن زیتون پر گذارہ تھا۔ کبھی کبھی گوشت دودھ، ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا، لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا، پیشتر صرف قمیص پہنتے تھے، اکثر عمامہ باندھتے تھے، جوتی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی۔

حلیہ یہ تھا، رنگ گندم گوں، سر چندلا، رخسار کم گوشت، داڑھی گھنی اور مونچھیں بڑی بڑی، قد نہایت طویل، یہاں تک کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سربلند نظر آئیں۔(۲)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔ امام مسلم اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چوبیسویں (۲۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سُنن نسائی (صغریٰ) میں یہ مسلسل دوسری حدیث مبارکہ سباعیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حباب اور معاویہ بن صالح رضی اللہ عنہ صدوق ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے کوفی، اگلے تین شامی، حضرت عقبہ مصری اور آخری مدنی ہیں۔

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۳، تذکرہ زید رضی اللہ عنہ بن خطاب ۲۔ ایضاً، ج ۱، خلفاء راشدین، ص ۱۳۶۔۱۵۰

☆ سند میں تین تابعی (ربیعہ، ابوادریس، ابوعثمان) راوی ہیں۔

☆ یہ صحابی (حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ) کی دوسرے صحابی خلیفہ راشد (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

توضأ: اس نے وضو کیا

احسن: اچھا انداز۔ مراد ہے سنن و مستحبات کے ساتھ

اشھد: میں گواہی دیتا ہوں

فتحت: کھول دیئے جاتے ہیں، کھول دیئے جائیں گے

ثمانیة: آٹھ عدد

ابواب: دروازے۔ باب کی جمع

یدخل: وہ داخل ہوگا

شاء: وہ چاہے

۷۔مسائل ونصائح:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

علامہ امام ابن سید الناس نے کہا ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ دعا کی وجہ سے جنت کے دروازوں کا کھلنا پڑھنے والے کی عزت افزائی کے لئے ہے، اس میں اشارہ یہ ہے کہ یہ دونوں گواہیاں (**اشھد ان لا الہ الااللہ واشھد ان محمداعبدہ ورسولہ**) اس باب میں سردار ہیں، اس سے اس بات کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ جنت کے دروازے داخل ہونے والے کے لئے عمل کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور ایسا شخص جس دروازے سے چاہے گا، جنت میں داخل ہوگا۔(۱)

☆ علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالھادی رحمۃ اللہ علیہ سندھی لکھتے ہیں:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس دعا میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے:

اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین

اے اللہ تعالیٰ جل جلالہ مجھے زیادہ توبہ کرنے والوں اور زیادہ پاکی حاصل کرنے والوں میں سے بنادے۔

جنت کے دروازے اس عمل کی عزت وتوقیر کی وجہ سے کھولے جائیں گے، اگر جنت میں داخلہ اسی عمل والے دروازے سے ہوگا، جس عمل کا غلبہ ہوگا، کیونکہ جنت کے دروازے اہل عمل کے لئے اعمال کے لحاظ سے مخصوص ہیں، جیسا کہ باب ریان روزہ داروں کے لئے ہے۔(۲)

☆ علامہ شیخ محمد بن علی الشبولی لولوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے اچھی طرح وضو کرنے کی فضیلت واضح ہوتی ہے، اسی طرح وضو کرنے کے بعد شہادتین پڑھنے کا استحباب بھی ثابت ہوتا ہے، اس سے جنت کا ثبوت اور اس کے آٹھ دروازوں کا ثبوت بھی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کی تعظیم کے لئے سارے دروازے کھولے جائیں گے، اگرچہ وہ داخل ایک ہی دروازے سے ہوگا۔(۳)

۱۔زھر الربی، ج۱،ص۴۵ ۲۔حاشیہ علی النسائی،ص۴۷ ۳۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج۳،ص۳۹۴

☆ فضیلۃ الشیخ حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فوائد ومسائل:

بعض احادیث میں کلمہ شہادت کے بعد یہ کلمات پڑھنے کا ذکر بھی ملتا ہے: اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین (۱) ''یا اللہ! مجھے بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں سے بنا دے''۔ لہٰذا کلمہ شہادت کے ساتھ ان الفاظ کو بھی پڑھنا جائز ہے، لیکن وضو کے بعد دعا پڑھتے ہوئے آسمان کی طرف منہ کرنا اور انگلی سے اشارہ کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، لہٰذا اس عمل سے اجتناب کرنا چاہئے۔ ''جس دروازے سے چاہے داخل ہو''۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے وعدے مشروط ہیں، یعنی بشرطیکہ اس سے کوئی ایسا کام صادر نہ ہوا ہو جو عدم مغفرت یا دخول جہنم کا لازمی سبب ہو۔ واللہ اعلم۔ (۲)

وضاحت:

حافظ محمد امین صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ آسمان کی طرف منہ کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث مبارکہ نقل کی ہے، اس کے الفاظ درج ذیل ہیں: (۳)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو وضو کرے اور اچھی طرح کرے، پھر وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پڑھے''اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ'' اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے، وہ جس دروازے سے چاہے گا، جنت میں داخل ہوگا۔

☆ مذکورہ بالا حدیث مبارکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف ''عمل الیوم واللیلہ''، میں بھی روایت کیا ہے۔ (۴)

☆ امام نسائی نے مذکورہ کتاب میں وضو کے بعد درج ذیل دعا پڑھنے کی بھی روایت کی ہے:

سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الہ الاانت استغفرك واتوب الیك (۵)

☆ فقہاء کرام نے ہر عضو کے دھونے پر بھی مستحب دعائیں پڑھنے کا لکھا ہے، جیسا کہ علامہ علاؤ الدین حصکفی، علامہ ابن عابدین شامی، ملا نظام الدین اور دیگر فقہاء کرام نے ان دعاؤں کا ذکر کیا ہے، وہ دعائیں درج ذیل ہیں:

کلی کے وقت '' اللھم اعنی علیٰ تلاوۃ القرآن وذکرك وشکرك وحسن عبادتك

اے اللہ جل جلالہ تو میری مدد کر کہ قرآن کی تلاوت اور تیرا ذکر و شکر کروں اور تیری اچھی عبادت کروں۔

ناک میں پانی ڈالتے ''وقت اللھم ارحنی رائحۃ الجنۃ ولا ترحنی رائحۃ النار

اے اللہ جل جلالہ تو مجھ کو جنت کی خوشبو سونگھا اور جہنم کی بو سے بچا۔

مونھ دھوتے وقت ''اللھم بیض وجھی یوم تبیض وجوہ وتسود وجوۃ

اے اللہ جل جلالہ تو میرے چہرے کو اجالا کر جس دن کہ کچھ مونھ سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ۔

۱۔ جامع الترمذی، الطہارۃ، حدیث: ۵۵ ۲۔ سنن نسائی (دار اسلام)، ج۱، ص۱۹۲ ۳۔ مسند احمد، ج۱، ص۲۰، ۱۲۱:

۴۔ عمل الیوم واللیلۃ: ۵۹ ۵۔ عمل الیوم واللیلۃ: ۵۸

داہنا ہاتھ دھوتے وقت ''اللھم اعطینی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا۔''

اے اللہ ﷻ میرا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دے اور مجھ سے آسان حساب کرنا۔

بایاں ہاتھ دھوتے وقت ''اللھم لا تعطنی کتابی بشمالی و لا من ورآء ظھری''

اے اللہ ﷻ میرا نامۂ اعمال نہ بائیں ہاتھ میں دے اور نہ پیٹھ کے پیچھے سے۔

سر کا مسح کرتے وقت ''اللھم اظلنی تحت عرشك یوم لا ظل الا ظل عرشك''

اے اللہ ﷻ تو مجھے اپنے عرش کے سایہ میں رکھ جس دن تیرے عرش کے سایہ کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا۔

کانوں کا مسح کرتے وقت ''اللھم اجعلنی من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ''

اے اللہ مجھے ان میں کردے جو بات سنتے ہیں اور اچھی بات پر عمل کرتے ہیں۔

گردن کا مسح کرتے وقت ''اللھم اعتق رقبتی من النار''

اے اللہ ﷻ میری گردن آگ سے آزاد کردے۔

داہنا پاؤں دھوتے وقت ''اللھم ثبت قدمی علی الصراط یوم تزل الاقدام''

اے اللہ ﷻ میرا قدم پل صراط پر ثابت قدم رکھ جس دن کہ اس پر قدم لغزش کریں گے۔

بائیں پاؤں دھوتے وقت ''اللھم اجعل ذنبی مغفور اومشکورا وتجارتی لن تبور'' پڑھے یا سب جگہ درود شریف ہی پڑھے اور یہی افضل ہے۔

اے اللہ ﷻ میرے گناہ بخش دے اور میری کوشش بارآور کردے اور میری تجارت ہلاک نہ ہو۔

وضو سے فارغ ہوتے ہی یہ پڑھے ''اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین''

الٰہی تو مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک لوگوں میں کردے۔

بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر تھوڑا پی لے کہ شفائے امراض ہے۔

آسمان کی طرف مونھ کرکے ''سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الہ الا انت استغفرك و اتوب الیك'' اور کلمہ شہادت اور سورۂ انا انزلنا'' پڑھے۔(۱)

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استنباط یہ ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد دعا کرنا مسنون ہے، جو دعا اس باب میں روایت کی ہے، اس سے مراد حصر نہیں ہے، کیونکہ امام نسائی نے خود بھی، امام ترمذی اور دیگر محدثین نے اور دعائیں بھی روایت کی ہیں، جبکہ فقہاء کرام نے ہر عضو کے علیحدہ علیحدہ مستحب دعاؤں کا بھی ذکر کیا ہے۔

۱۔ غنیۃ المتملی شرح منیۃ المصلی' آداب الوضوء، ص ۲۸۔۲۷، و''الدر المختار'' و''ردالمحتار''، کتاب الطھارۃ، ج۱، ص ۲۶۶۔۲۸۰، ''الفتاوی الھندیۃ''، کتاب الطھارۃ، الباب الاول فی الوضوء، الفصل الثالث، ج۱، ص ۸۔ بہار شریعت، ج۱، ص ۲۹۹۔۳۰۰

☆ وضو کے بعد آسمان کی طرف چہرہ کر کے درج ذیل دعائیں پڑھنا مسنون ہیں۔
☆ دوران وضو درج ذیل دعائیں پڑھنا مستحب ہے:
☆ احسن وضوء سے مراد ہے کہ وضو کے فرائض، سنن اور مستحبات کا خیال رکھا جائے۔
☆ مذکورہ حدیث مبارکہ میں جو دعا مذکور ہے، اس میں دو گواہیاں ہیں، جو کہ ایک مسلمان کے لئے سب سے افضل و اعلیٰ گواہیاں ہیں:
۱۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے معبود برحق ہونے اور اس کی وحدانیت کی گواہی۔
۲۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے برگزیدہ بندے ہونے کی گواہی۔
☆ جنت کے آٹھوں دروازوں کا کھلنا مسلمان کی عزت وتوقیر کے لئے ہوگا، وگرنہ وہ داخل ایک ہی دروازے سے ہوگا۔
☆ آٹھوں دروازوں سے مراد غالباً وضو والوں کے مراد ہیں، وگرنہ ہر عمل والے کے لئے علیحدہ علیحدہ دروازہ ہے، جیسا کہ روزہ داروں کے لئے ''ریان'' دروازہ ہے۔
☆ جنت میں دخول قیامت کے دن ہوگا۔

باب ۱۱۰: حِلْيَةُ الْوُضُوْءِ — وضو کا زیور

اس باب میں وضو کرنے والے شخص پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ قیامت کے دن جو انعام کرے گا، اس کا ذکر ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جل جلالہ اہل ایمان کے وضو والے اعضاء کو نور کا زیور پہنائے گا، اور اعضاء وضو نور سے چمکیں گے، یہ قیامت میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نشانی ہوگی، اس باب میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں وضو سے فارغ ہونے پر مسنون ذکر کا بیان تھا، اور اس کا صلہ جنت تھا، اس باب میں وضو کے دوسرے صلہ نور کا ذکر ہے۔

۱۴۹۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ خَلَفٍ - وَهُوَ ابْنُ خَلِيفَةَ - عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ وَكَانَ يَغْسِلُ يَدَيْهِ حَتَّى يَبْلُغَ إِبْطَيْهِ فَقُلْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا هٰذَا الْوُضُوْءُ فَقَالَ لِي يَا بَنِي فَرُّوخَ أَنْتُمْ هَا هُنَا لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكُمْ هَا هُنَا مَا تَوَضَّأْتُ هٰذَا الْوُضُوْءَ سَمِعْتُ خَلِيلِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "تَبْلُغُ حِلْيَةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ"

حضرت ابو حازم کا بیان ہے:
میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھا، آپ رضی اللہ عنہ نماز کے لئے وضو کر رہے تھے، آپ نے دونوں بازو بغلوں تک دھوئے، میں نے عرض کیا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! یہ کیسا وضو ہے؟ آپ نے مجھے جواباً فرمایا: اے فروخ کے بیٹے! تم یہاں ہو! اگر مجھے پتہ ہوتا تم یہاں ہو، تو میں یہ وضو نہ کرتا، میں نے اپنے خلیل (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا: مومن کا زیور وہاں تک ہوگا، جہاں تک وضو ہوگا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
مومن کا زیور وہاں تک ہوگا، جہاں تک وضو ہوگا۔

۲۔اطراف:

مسلم:۴۷۴،احمد:۸۸۴۹،ابن خزیمہ:۷،ابن حبان:۱۰۴۲،السنن الکبریٰ:۱۴۲،تحفۃ الاشراف:۱۳۳۹۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں،جن میں سے دو کے حالات پہلے گذر چکے ہیں،باقی تین کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔قتیبۃ: راجع:۱

۲۔خلف بن خلیفۃ:

آپ کا نام ابواحمد خلف بن خلیفہ بن صاعد اشجعی کوفی واسطی بغدادی (م:۱۸۱ھ) ہے،آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ،صدوق راوی ہیں،آپ کو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوحاتم نے صدوق جبکہ ابن سعد اور امام عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے،علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہوگئے تھے،آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر بن حریث رضی اللہ عنہ کا دیدار مبارک کیا تھا،لیکن امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کا انکار کرتے ہیں،آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں ،البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں روایت کیا ہے۔(۱)

۳۔ابومالک الاشجعی: آپ کا نام ابومالک سعد بن طارق اشجعی کوفی (م:۱۴۰ھ) ہے،آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں،آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں،آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں،البتہ امام بخاری نے تعلیقاً روایت کی ہے۔(۲)

۴۔ابوحازم:

آپ کا نام ابوحازم سلمان اشجعی کوفی (م:۱۰۰ھ) ہے،آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں،آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت واتقان پر متفق ہیں،آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۵۔ابوھریرہ: راجع:۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر متابعات کی بناء پر صحیح ہے،امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ پچپن ویں (۵۵) حدیث مبارکہ ہے۔

۱۔i۔تاریخ الدوری،ج۲،ص۱۴۹ ii۔الکامل،ج۳،ص۶۲ ۲۔i۔تھذیب الکمال،ج۱۰،رقم ص۲۷۰ ii۔العلل (ابن حنبل)،ج۱،ص۱۷

۳۔i۔الجرح والتعدیل،ج۴،ص۲۹۷ ii۔طبقات ابن سعد،ج۶،ص۲۹۴

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ البتہ خلف بن خلیفہ کو علامہ ابن حجر عسقلانی اور امام ابوحاتم نے صدوق، جبکہ ابن سعد اور امام عجلی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، آخری مدنی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ سند میں تین راوی (خلف، ابومالک، ابوحازم) قبیلہ اشجع سے تعلق رکھتے ہیں۔

☆ سند میں تین راویوں (ابومالک، ابوحازم، ابوھریرہ) کے نام کے بجائے کنیتوں سے ذکر ہے۔

☆ یہ تابعی (ابومالک) کی دوسرے تابعی (ابوحازم) سے روایت ہے، سند کے آخری صحابی راوی حضرت ابوھریرہ، مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں، بلکہ ان کے بھی سردار ہیں، آپ سے پانچ ہزار تین سو چوھتر (۵۳۷۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں عن خلف۔ وھو ابن خلیفہ سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف عن خلف کہا تھا، راوی نے نام کی وضاحت کے لئے وھو ابن خلیفۃ۔ کا اضافہ کیا ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

خلف: پیچھے
کان یغسل: وہ دھورہے تھے

یبلغ: وہ پہنچا
ابطیہ: اپنی بغلوں

ماھذاالوضوء: یہ کیسا وضو ہے؟
یابنی فروخ: اے فروخ کی اولاد، حضرت ابراہیم کے صاحبزادے کا نام جن کی نسل سے عجمی لوگ ہیں

انتم ھھنا: تم یہاں ہو۔
لو علمت: اگر مجھے علم ہوتا، اگر میں جانتا

ماتوضأت: میں وضو نہ کرتا
سمعت: میں نے سنا

خلیلی: اپنے دوست۔ مراد نبی کریم ﷺ ہیں
تبلغ: پہنچے گا

حلیۃ: زیور
المؤمن: ایمان والا۔ مسلمان

۱۵۰۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَى الْمَقْبُرَةِ فَقَالَ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ وَدِدْتُ اَنِّيْ قَدْ رَاَيْتُ اِخْوَانَنَا" قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَسْنَا اِخْوَانَكَ قَالَ "بَلْ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَاِخْوَانِي الَّذِيْنَ لَمْ يَاْتُوْا بَعْدُ وَاَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ" قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ مَنْ يَّاْتِيْ بَعْدَكَ

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور فرمایا:
اے مسلمانو کے گھر (کے باسیو) تم پر سلامتی ہو، اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے چاہا تو ہم جلد ہی تمہیں ملنے والے ہیں، میری خواہش تھی کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہو۔ میرے بھائی وہ ہیں، جو ابھی دنیا میں نہیں آئے، اور میں حوض

مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ "أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لِرَجُلٍ خَيْلٌ غُرٌّ مُحَجَّلَةٌ فِي خَيْلٍ بُهْمٍ دُهْمٍ أَلَا يَعْرِفُ خَيْلَهُ" قَالُوا بَلَى. قَالَ "فَإِنَّهُمْ يَأْتُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنَ الْوُضُوءِ وَأَنَا فَرَطُهُمْ عَلَى الْحَوْضِ."

(کوثر) پر ان کا پیش رو ہوگا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے ان لوگوں کو کیسے پہچانیں گے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آئیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غور وفکر کرو! اگر کسی شخص کے سفید چہرے اور سفید پاؤں والے گھوڑے خالص سیاہ رنگ کے گھوڑوں میں مل جائیں، تو کیا وہ اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواباً عرض کیا: کیوں نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح وہ (میرے بھائی) قیامت کے دن وضو کی وجہ سے روشن چہروں اور چمکتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے، اور میں حوض (کوثر) پر ان کا پیش رو ہوں گا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے۔

قیامت کے دن وضو کی وجہ سے روشن چہروں اور چمکتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ آئیں گے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۲۴۹، ابوداود:۳۲۳۷، موطا:۶۲، احمد:۹۲۰۶، ۹۰۰۹، ۱۷۷۰۹، السنن الکبری:۱۴۳، تحفۃ الاشراف:۱۴۰۸۶، ابن السنی:۱۸۹، ارواء الغلیل، ج۱، ص۲۳۵

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں۔

۱۔قتیبۃ:	راجع:۱	۲۔مالک:	راجع:۷
۳۔العلاء:	راجع:۱۴۳	۴۔عبدالرحمٰن:	ایضاً
۵۔ابوھریرۃ:	راجع:۱		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چھپنویں (۵۶) حدیث مبارکہ ہے، سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، العلاء بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ ابن

حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (العلاء) کی باپ (عبدالرحمٰن) سے روایت ہے، دونوں باپ بیٹا تابعی راوی ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت العلاء بن عبدالرحمٰن اور آپ کے والد سے امام بخاری نے جزء القراءۃ میں روایت بیان کی ہے۔

☆ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ صحابہ کے سردار ہیں۔

۶۔لغات:

السلام علیکم: تم پر سلامتی ہو

دار: گھر۔ مراد قبرستان۔ جنت البقیع

قوم مؤمنین: مسلمانوں کی قوم

ان شاء الله: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

لاحقون: سب ملنے والے

وددت: میں نے چاہا

قدرأیت: تحقیق میں نے دیکھا

اخواننا: ہمارے بھائی

لم یاتوا: وہ نہیں آئے

فرط: قائد، پیش رو۔ قافلے کے آگے چلنے والا، جو پہلے پہنچ کر انتظام وانصرام کرے۔ جو قافلے کے لئے پانی کا انتظام کرے۔

الحوض: تلاب

تعرف: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہچانیں گے

رجل: آدمی کے لئے

خیل: گھوڑا

غد: سفید ماتھا، سفید چہرہ

محجلة: ہاتھ پاؤں کی سفیدی، وہ گھوڑا جس کے تین پاؤں سفید ہوں

بھم: سیاہ رنگت

دھم: ایک رنگت والا ہونا

۷۔مسائل ونصائح:

اس باب کی دیگر احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں، جو کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہیں: (۱)

ترجمہ: نعیم بن عبداللہ مجمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اپنا چہرہ دھویا، پھر دایاں ہاتھ بازو تک دھویا پھر بایاں ہاتھ بازو تک دھویا، پھر سر کا مسح کیا، پھر دایاں پیر پنڈلیوں تک دھویا، پھر بایاں پیر پنڈلیوں تک دھویا، پھر کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضوء کرتے ہوئے دیکھا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تم اس حال میں اٹھو گے کہ تمہارا چہرہ اور ہاتھ پیر وضو مکمل کرنے کی وجہ سے سفید اور چمک رہے ہوں گے، لہٰذا جو شخص تم میں سے طاقت رکھتا ہو وہ اپنے ہاتھوں، پیروں اور چہرہ کی سفیدی اور چمک کو اور لمبا اور زیادہ کرے۔ (۲)

۱۔ مسلم: ۵۷۹۔۵۸۵ (باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء

۲۔ ترجمہ: شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۸۹۶۔۸۹۹

غرہ اور تحجیل کے طول میں فقہا شافعیہ کا نظریہ:

اس باب کی احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غرہ اور تحجیل (چہرے ہاتھوں اور پیروں کی سفیدی) کی زیادتی کے حصول کے لئے اعضاء وضو مقررہ حدود سے زیادہ دھونا مستحب ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

غرہ کی تطویل کا مطلب یہ ہے کہ سر کے مقدم حصہ میں سے کچھ اجزاء کو دھونا اور جو حصہ چہرہ سے متجاوز ہو اس کو دھونا اور تحجیل میں زیادتی کا یہ مطلب ہے کہ کہنیوں اور ٹخنوں سے زیادہ مقدار کو دھونا، ہمارے اصحاب (شافعیہ) کے نزدیک یہ بالاتفاق مستحب ہے، البتہ مستحب کی مقدار میں حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ بغیر کسی تعیین کے کہنیوں اور ٹخنوں کی زیادہ مقدار کو دھونا مستحب ہے۔

۲۔ نصف کلائی اور نصف پنڈلی تک دھونا مستحب ہے۔

۳۔ کندھوں اور گھٹنوں تک دھونا مستحب ہے۔

اس باب کی احادیث میں ان تمام اقوال کی گنجائش ہے، علامہ ابوالحسن بن بطال مالکی اور قاضی عیاض مالکی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کہنی اور ٹخنے سے زیادہ کو دھونا مستحب نہیں ہے۔ یہ دعویٰ قطعاً باطل ہے، یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہنی اور ٹخنے سے زیادہ دھونا ثابت ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور اس میں ہمارے اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اگر کوئی شخص اس میں اختلاف کرے گا تو ان احادیث سے اس کا رد کر دیا جائے گا۔ (۱)

غرہ اور تحجیل کے طول میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ:

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

تمام اعضاء وضو میں مبالغہ کرنا مستحب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پورا پورا وضو کرو'' کلی کرنے میں مبالغہ یہ ہے کہ پانی کو منہ کی تمام گہرائیوں میں اچھی طرح پھیرایا جائے، اور حلق تک پانی کو لایا جائے اور اس کو نگلنا بھی جائز ہے، اور باقی اعضا میں مبالغہ یہ ہے کہ انگلیوں میں خلال کیا جائے اور اعضاء کو خوب مل مل کر دھویا جائے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب ہاتھ دھوتے تو کندھوں تک دھوتے اور جب پیر دھوتے تو پنڈلیوں تک دھوتے پھر انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: میری امت قیامت کے دن آئے گی درآں حالیکہ وہ وضو کے اثر سے غرہ محجل ہو گی، سو تم میں سے جو شخص اپنے غرہ (سفیدی) کو لمبا کرنا چاہتا ہو وہ کرے، اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (۲)

غرہ اور تحجیل کے طول میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ:

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بغل اور پنڈلی تک وضوء کرتے تھے اور کہتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جہاں تک مومن کا وضو پہنچتا ہے وہاں تک مومن کا زیور پہنچے گا، قاضی عیاض (مالکی) نے کہا کہ لوگوں کا اس کے خلاف پر اجماع ہے ورنہ وضو کی حدود سے تجاوز ہوگا اور نبی ﷺ نے

۱۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۶ ۲۔ المغنی مع الشرح الکبیر، ج ۱، ص ۱۱۶

فرمایا ہے جس نے وضو میں زیادتی کی اس نے تعدی اور ظلم کیا، دوسرے علماء نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو مذہب بنالیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل ان کی انفرادیت ہے، انہوں نے اس فعل کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل نہیں کیا، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے مستنبط کیا ہے: انتم الغرا المحجلون ''تم سفید منہ اور سفید ہاتھ پیر والے ہو''(۱)

فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ وضو کی حدود مقررہ سے زائد دھونا مستحب نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے کیونکہ یہ دین میں غلو ہے، مستحب یہ ہے کہ انسان دائم الوضوء کی تجدید کرتا رہے اور اسی کا نام اطالۃ الغرۃ (سفیدی کو لمبا کرنا) ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک اطالۃ الغرۃ کے دو معنی ہیں ایک مقررہ حد سے زیادہ دھونا یہ ان کے نزدیک مکروہ ہے دوسرا دائم الوضور ہنا، یہ ان کے نزدیک مطلوب ہے۔(۲)

غرہ اور تحجیل کے طول میں فقہاء احناف کا نظریہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وضو میں غرہ اور تحجیل کی زیادتی کے لئے اعضاء وضو کو حد سے آگے تک دھونا مستحب ہے۔

علامہ ابن بطال اور علامہ قاضی عیاض کے اوہام سے یہ ہے کہ انہوں نے بغلوں تک وضو کرنے کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا رد کیا ہے، اور اس نظریہ میں کسی نے ان کی موافقت نہیں کی، اور امام ابن شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی گرمیوں میں بغلوں تک ہاتھ دھوتے تھے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ علامہ ابن بطال اور ان کے موافقین نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

من زاد علی هذا او نقص فقد اساء و ظلم : جس نے وضوء میں اس پر زیادتی یا کمی کی اس نے برا کام کیا اور ظلم کیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ اس حدیث میں تعداد کی زیادتی یا کمی مراد ہے مثلاً جس نے تین دفعہ سے زیادہ دھویا یا کم دھویا یعنی یہ سمجھا کہ تین دفعہ دھونا تطہیر کے لئے کافی نہیں یا تین دفعہ سے کم دھونے کو واجب سمجھا، اسی طرح علامہ ابن بطال کی یہ تاویل بھی باطل ہے کہ غرہ اور تحجیل کے طول سے اس کا دوام مراد ہے، کیونکہ طول کا معنی دوام کرنا بداہۃً باطل اور فاسد ہے۔(۳)

علامہ شامی حنفی لکھتے ہیں:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں غرہ اور محجل میں طول کو طلب کرنے کا بیان ہے اور البحرالرائق میں مذکور ہے کہ غرہ کو لمبا کرنا مقررہ حد سے زیادہ دھونے سے حاصل ہوگا اور حلیہ میں مذکور ہے محجل ہاتھوں اور پیروں میں ہوتی ہے اور ہمارے فقہاء نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔(۴)

''غرمحجل'' کا معنی:

اس حدیث میں ''غرمحجل'' کا لفظ ہے۔ ''غرۃ'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں، جس کا ماتھا سفید ہو اور ''محجل'' اس گھوڑے کو کہتے ہیں، جس کے تین پیر سفید ہوں، قیامت کے دن وضو کرنے والے مسلمانوں کے آثار وضو سے ان کے چہرے اور ان کے ہاتھ پیر سفید ہوں گے۔

۱۔ الجامع لاحکام القرآن، ج ۴، ص ۸۷۔۸۶ ۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۲۵۴

۳۔ عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۲۵۰۔۲۴۹ ۴۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۹۶۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۰۰۔۹۰۲

امت دعوت اور امت اجابت:

اس میں آپ نے فرمایا ہے: میری امت غرمحجل ہوگی، آپ کی امت کی دو قسمیں ہیں: امت دعوت اور امت اجابت، امت اجابت وہ لوگ ہیں، جو آپ پر ایمان لائے اور امت دعوت وہ لوگ جن کو آپ نے اسلام کی دعوت دی اور وہ آپ پر ایمان نہیں لائے، یہاں امت اجابت کی فضیلت مراد ہے۔

آثار وضو سے چہرے، ہاتھوں اور پاؤں کا سفید ہونا، اس امت کی خصوصیت ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

ابومحمد اصیلی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ وضو کرنا آپ کی امت کی خصوصیت ہے، دوسری امتیں وضو نہیں کرتی تھیں۔(۱)

مصنف کے نزدیک آپ کی امت کی خصوصیت آثار وضو سے غرمحجل ہونا ہے، وضو کرنا آپ کی امت کی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ پہلی امتیں بھی وضو کرتی تھیں۔

حضرت سارہ کو جب ایک کافر بادشاہ نے گرفتار کرالیا اور وہ بری نیت سے ان کی طرف کھڑا ہوا تو انہوں نے کھڑے ہو کر وضو کیا اور نماز پڑھی اور یہ دعا کی: اے اللہ! بے شک میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لاتی ہوں اور میں نے اپنے شوہر کے علاوہ اپنی عصمت کی حفاظت کی ہے، سو تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ کر، پھر اس کافر کا پیر زمین میں دھنس گیا۔(۲)

بنی اسرائیل کا ایک عابد تھا جریج، اس کو اس کی ماں نے نماز میں آواز دی، وہ سوچنے لگا: ایک طرف ماں بلا رہی ہے، دوسری طرف نماز ہے، وہ نماز میں مشغول رہا۔ ماں نے تین دفعہ آواز دی، وہ نہیں گیا ماں نے اس کو بددعا دی: اے اللہ! یہ اس وقت تک نہ مرے جب تک کہ فاحشہ عورت کے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے، ایک چرواہے کو اس عورت نے دعوت گناہ دی، اس نے انکار کیا، اس نے کسی چرواہے سے اپنی خواہش پوری کر لی اور اس کے ہاں ناجائز بچہ پیدا ہو گیا اور اس نے جریج پر اس کا الزام لگا دیا، لوگوں نے جریج کو مارا اور اس کا گرجا منہدم کر دیا، جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر اس نوزائیدہ بچے سے کہا: اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے؟ اس نومولود بچے نے کہا: میرا باپ چرواہا ہے۔(۳)

ہاتھوں کو کہنیوں سے اوپر اور پیروں کو ٹخنوں سے اوپر دھونے کی ممانعت پر علامہ ابن بطال......اور قاضی عیاض کے دلائل:

اس حدیث میں ہے: پس تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی کو طول دینا چاہیے، وہ ایسا کرے۔

علامہ ابن بطال مالکی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث کے اس جملہ کی یہ تاویل کی ہے کہ وضو کی حد سے زیادہ وضو کرنا چاہیے، پس وہ آدھی پنڈلیوں تک وضو کرتے تھے اور آدھے بازو تک وضو کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری سفیدی طویل ہو جائے اور اس فعل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی کسی نے موافقت نہیں کی اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وضو میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معین کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فضیلت کے حصول میں تمام لوگوں پر سبقت کرنے والے تھے اور سب سے زیادہ رغبت کرنے والے تھے اور جہاں تک

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۱ ص ۲۱۶　۲۔ صحیح البخاری: ۲۲۱۷، صحیح مسلم: ۲۳۷۱، مسند احمد، ج ۲ ص ۴۰۳

۳۔ صحیح البخاری: ۲۴۸۲، صحیح مسلم: ۲۵۵۰

ہمیں معلوم ہے، آپ نے کبھی وضو کی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔
اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اس آیت میں دلیل ہے:

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (۱) اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے، اپنے دادا سے یہ روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو کے متعلق سوال کیا تو آپ نے پانی کا برتن منگایا اور تین تین مرتبہ وضو کیا اور فرمایا: اسی طرح وضو کرنا چاہئے جس نے اس سے زیادہ وضو کیا، اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ (۲)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: تم میں سے جو شخص طاقت رکھتا ہو وہ اپنی سفیدی کو لمبا کرے، اس کا محمل یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص ہر نماز کے لئے دائما وضو کرسکتا ہو تو وہ ایسا کرے کیونکہ اس سے غرہ لمبا ہوتا ہے یعنی اس کا نور قوی ہوتا ہے اور اس کی رونق دگنی چوگنی ہوتی ہے، پس غرہ قیامت کے دن چہرے کے نور سے کنایہ ہے اور طول اور دوام کا معنی متقارب ہے۔ (۳)

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی اندلسی متوفی ۵۴۴ھ نے بھی وضو کو لمبا کرنے کی ممانعت پر یہی دلائل دیئے ہیں۔ (۴)

علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض کے دلائل پر علامہ نووی شافعی اور علامہ عینی کا تبصرہ:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی اور قاضی عیاض مالکی نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ کہنیوں اور ٹخنوں سے اوپر دھونا مستحب نہیں ہے، سو ان کا یہ دعویٰ باطل ہے اور ان کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اگر کوئی مخالف اس کی مخالفت کرے تو اس کو ان دلائل سے رد کر دیا جائے گا، اور علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ''جس نے تین دفعہ سے زیادہ دھویا یا کم دھویا تو اس نے برا کام کیا اور ظلم کیا'' ان کا یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس سے مراد عدد میں زیادتی اور کمی ہے، یعنی تین بار سے زیادہ دھوئے یا تین بار سے کم دھوئے۔ (۵)

علامہ بدر الدین عینی حنفی علامہ ابن بطال پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ فعل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے، جس کو آپ نے نہیں دیکھا؟ فرمایا: وہ وضو کے آثار سے غر محجل ہوں گے۔ (۶)

پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ وضو کو کتنی مقدار تک لمبا کرنا مستحب ہے، پس کہا گیا ہے کہ ہاتھوں کو کندھوں تک دھوئے اور پیروں کو گھٹنوں تک دھوئے، ایک قول ہے: نصف بازو اور نصف پنڈلی تک دھوئے اور ایک قول اس سے اوپر تک ہے۔ اسی طرح علامہ ابن بطال کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ سفیدی کو لمبا کرنے کا معنی اس پر دوام کرنا ہے۔ (۷)

علامہ ابن بطال اور قاضی عیاض کے دلائل پر علامہ غلام رسول سعیدی کا تبصرہ:

علامہ نووی اور علامہ عینی نے ابن بطال کی اس دلیل کا جواب نہیں دیا کہ قرآن مجید میں ہے:

۱۔ الطلاق: ۱ ۲۔ سنن ابو داؤد: ۱۳۵، سنن نسائی: ۱۴۰، سنن ابن ماجہ: ۴۲۲، مسند احمد، ج ۲، ص ۱۸۰ ۳۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۲۱۶
۴۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج ۲، ص ۴۴ ۵۔ شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۱۸۷
۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۴۰ ۷۔ عمدۃ القاری، ج ۲، ص ۳۷۹۔

وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (۱) اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

یعنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے ضروری ہے کہ اسے اس طہر میں طلاق دے، جس میں جماع نہ کیا ہو اور دوران عدت اس کو گھر سے نہ نکالے، اگر اس نے بیوی کو زمانہ حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی، جس میں جماع کر چکا تھا، یا دوران عدت اس کو گھر سے نکال دیا تو اس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اور اپنے اوپر ظلم کیا یا اس نے تین طلاقیں دینے کے بعد بھی بیوی کو اپنے اوپر حلال سمجھا، پھر بھی اس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اور اپنی جان پر ظلم کیا۔

سورۂ طلاق کی یہ آیت کہنیوں اور ٹخنوں سے اوپر ہاتھوں اور پیروں کے دھونے پر صادق نہیں آتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ ہاتھوں کو دھونے کے لئے کہنیاں حد ہیں، اس کے اوپر نہ دھونا، اور پیروں کو دھونے کے لئے ٹخنے حد ہیں، ان کے اوپر نہ دھونا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے کہنیوں اور ٹخنوں کے اوپر دھونے کی ترغیب دی ہے کہ ''پس تم میں سے جو شخص اپنی سفیدی کو طول دینا چاہئے، وہ ایسا کرے۔

نیز علامہ ابن بطال نے زیر بحث حدیث کا یہ محمل بتایا ہے کہ ''تم میں سے جو شخص ہر نماز کے لئے دائماً وضو کر سکتا ہو تو وہ ایسا کرے'' ظاہر ہے، یہ مستحب حکم ہے اور اس محمل کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جو شخص ہر نماز کے لئے وضو کر سکتا ہو تو افضل ہے، ورنہ اس کے بغیر بھی درست ہے، حالانکہ وضو کے بغیر تو نماز جائز ہی نہیں ہے۔ (۲)

امت محمد یہ قیامت کے دن میزان پر بلائی جائے گی اور ان کے اعضاء وضو نورانی ہوں گے اور عرصات محشر میں اعضاء وضو کی نورانیت ان کو دیگر انبیاء علیہم السلام کی امتوں سے ممتاز کر دے گی۔

حدیث ہذا میں حضور ﷺ کے الفاظ ''من اثار الوضوء'' تک ہیں ''فمن استطاع '' یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا کلام ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں خود نعیم رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ جملہ حضور ﷺ کا فرمودہ ہے یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس کے علاوہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر کسی میں یہ آخری جملہ نہیں ہے۔ ان یطیل غرتہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے اعضائے وضو کی نورانیت کو زیادہ کرنا چاہئے تو وہ ان اعضاء کو جس حد تک ان کا دھونا ضروری ہے۔ اس سے زیادہ دھوئے، مثلاً ہاتھ کہنیوں تک دھوئے جاتے ہیں تو ہاتھ کو کندھوں تک دھوئے۔ اس طرح دوسرے اعضاء کو دھوئے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا مسلک ہے جو مقبول نہیں ہوا لیکن ان یطیل غرتہ، کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا جائے تو جیسے ایک چیز کو ایک بار دھونے کے بعد دوسری بار دھونے سے نظافت و پاکیزگی میں اضافہ ہوتا ہے ایسے ہی وضو پر وضو کرنے سے آخرت میں اعضائے وضو کی نورانیت میں اضافہ ہوگا۔

علماء کرام نے فرمایا کہ قیامت کے دن حضور سرور عالم ﷺ کی امت کے وضو کرنے والوں کے اعضاء نورانی ہوں گے اور یہ حضور ﷺ کی امت کے خصائص سے ہے کسی دوسرے نبی کی امت میں یہ بات نہ ہوگی۔

حدیث ہذا سے وضو کرنے والوں کی فضیلت معلوم ہوئی اور یہ کہ قیامت حق ہے۔ علامہ عینی نے لکھا کہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ:

''مااطلع اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم من المغیبات المستقبلۃ التی لم یطلع علیھا نبیا غیرہ من امور الآخرۃ وصفات مافیھا'' (کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مغیبات مستقبلہ واخرویہ کی ان احوالات وصفات اور حالات پر مطلع فرمایا، جن پر کسی اور نبی کو مطلع نہیں کیا گیا) (۳)

۱۔ الطلاق: ۱ ۲۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۵۰۹۔ ۵۱۲ ۳۔ فیوض الباری، ج ۱، ص ۴۵۶۔ ۴۵۷

تشریح: قیامت کے دن امت محمدیہ کے مؤمن بندوں کو نورانی چہرے اور روشن سفید چمکتے ہوئے ہاتھ پاؤں والے کہہ کر بلایا جائے گا، یا ان کا نام ہی غرمحجلین رکھ کر پکارا جائے گا، حافظ عینی نے دونوں احتمال ذکر کئے ہیں، کیونکہ غر، اغر کی جمع ہے، جس کی پیشانی پر سفید ٹکارا ہو، ابتداً غرہ کا استعمال گھوڑے کے ماتھے کے سفید ٹکارے کے لئے ہوتا تھا، پھر چہرہ کی خوبصورتی جمال اور نیک شہرت کے لئے بھی ہونے لگا، یہاں مراد وہ نور ہے جو امت محمدیہ کے چہروں پر قیامت کے دن سب امتوں سے الگ اور ممتاز طریقہ پر ہوگا، کہ وہ الگ سے پہچان لئے جائیں گے، تحجیل کے معنی گھوڑے کے پیروں کی سفیدی کے تھے، اور چونکہ مسلمان مردوں، عورتوں کے بھی وضو کی برکت سے ہاتھ پاؤں قیامت کے دن روشن ہوں گے اسی لئے وہ بھی محجل کہلائے جائیں گے۔

حافظ عینی نے لکھا کہ ''اس نام سے ان کو حساب کے میدان میں بلالیا جائے گا یا میزان حشر کی طرف، یا دوسرے مقامات کی طرف، سب احتمال ممکن ہیں'' پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ گناہ گار مومنوں کے اعضاء وضو پر جہنم کی آگ اثر بھی نہ کرے گی، وہاں بھی وہ جھلنے سے محفوظ اور چمکتے دمکتے رہیں گے۔

یہ وضو کے اثرات وانوار ہیں تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، وغیرہ عبادتوں کے کیا کچھ ہوں گے ظاہر ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو وہاں کی عزت اور سرخروئی سے نوازے، آمین۔

بحث ونظر:

یہاں یہ اشکال پیش آیا ہے کہ نماز وضو کا ثبوت تو پہلی امتوں میں بھی ہے، پھر یہ غرا وتحجیل کی فضیلت وامتیاز صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کیوں حاصل ہوگا؟ نسائی شریف میں ہے کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض تھیں اور صحیح بخاری میں حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کا قصہ مذکور ہے کہ ''جب بادشاہ نے ان کے ساتھ برا ارادہ کیا تو وہ کھڑی ہوگئیں اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگیں'' تو اس سے معلوم ہوا کہ وضو تو اس امت کے خواص میں سے ہی نہیں ہے۔ بلکہ پہلی امتوں کا بھی شیوہ وطریقہ رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا: کہ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ان پر دو نمازیں تھیں، دو وضو تھے، ہم پر پانچ نمازیں اور پانچ وضو ہوئے، اس لئے ہمارے وضو زیادہ ہوئے، جن کی وجہ سے یہ غرہ تحجیل کا فضل وامتیاز حاصل ہوا اور شاید اسی کثرت امتیاز کے سبب امت محمدیہ کی صفات میں وضو اطراف کا ذکر ہوتا رہا ہے، چنانچہ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم میں اس کا ذکر موجود ہے، اور تورات میں بھی اس طرح ہے، ''اے رب! میں الواح میں ایک امت کے حالات وصفات دیکھ رہا ہوں کہ وہ تیری حمد وثنا کرے گی۔ اور وضو کرے گی، اس کو میری امت بنادے، اور دارمی میں کعب سے منقول ہے ''ہم نے (اپنی کتابوں میں) لکھا دیکھا کہ محمد خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے، جو نہ بدخلق ہوں گے، نہ سخت کلام، نہ بازاروں میں شور وشغب کرنے والے، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیں گے، بلکہ عفو ودرگزر کے خوگر ہوں گے، ان کے امتی خدا کی بکثرت حمد کرنے والے اور اس کی عظمت وبڑائی ظاہر کرنے والے ہوں گے، تہہ باندھیں گے، وضو اطراف کریں گے ان کے موذنوں کی صدائیں فضائے آسمانی میں گونجیں گی، ان کی صفیں میدان جہاد اور نماز کی یکساں ہوں گی، راتوں میں ان کی ذکر الٰہی کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے مشابہ ہوں گی، اس پیغمبر کی ولادت باسعادت مکہ معظمہ میں، ہجرت مدینہ طیبہ کو، اور حکومت شام تک ہوگی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ان تصریحات سے میں یہ سمجھا کہ اس امت کے ایسے خواص وامتیازات ہیں جو پہلی امتوں کے نہ تھے، اور

اس لئے ہمارا وضو بھی وصف مشہور بن گیا، پھر میرا یہ بھی خیال ہے کہ پہلی امتوں کو صرف احداث کے وقت وضو کا حکم تھا، اور اس امت کو سب نمازوں کے وقت بھی مشروع ہوا ہے، اور میرے نزدیک آیت اذا قمتم الی الصلوٰۃ کا بھی یہی مطلب ہے۔ یعنی مطالبہ ہر نماز کے وقت وضو کا ہے اگر چہ وجوب کے درجے کا نہ ہو کہ وہ صرف احداث کے وقت ہے، اسی لئے "وانتم محدثون" کی تقدیر کو پسند نہیں کرتا، کیونکہ اس سے رضاء شارع پوشیدہ ہو جاتی ہے، ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لئے وضو کا حکم فرماتے تھے، خواہ نماز پڑھنے والا طاہر ہو یا غیر طاہر، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اندر قوت و طاقت دیکھتے تھے تو ہر نماز کے لئے وضو فرماتے تھے، چنانچہ ہمارے فقہاء نے بھی اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

غرض یہ کہ کثرت وضو کے سبب غرہ تجحیل اس امت محمدیہ کے خواص میں سے ہو گیا، اور اس سے یہ امت دوسری امتوں سے میدان حشر میں ممتاز ہوگی، البتہ جو لوگ دنیا میں نماز وضو کی نعمت سے محروم ہوں گے، وہ اس فضیلت و امتیاز سے بھی محروم رہیں گے، اور شاید وہ حوض کوثر کی نعمتوں سے بھی محروم رہیں گے۔

احکام شرعیہ کی حکمتیں:

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ مندرجہ بالا تشریحات سے وضو کی حکمت واضح ہوتی ہے، اور علماء نے وضو کے ہر ہر رکن کی بھی حکمتیں لکھیں ہیں، مثلاً مسح راس کی یہ کہ اس کی برکت سے قیامت کے ہولناک مناظر و مصائب کا اس پر کچھ اثر نہ ہوگا، اور اس کا دماغ پرسکون رہے گا، دوسرے لوگوں کے سر چکرائیں گے، دماغ متوحش ہوں گے اور سر کردہ پریشان ہوں گے، پھر فرمایا کہ علماء نے حکمتوں کے بیان کے لئے مستقل تصانیف بھی لکھی ہیں، جیسے شیخ عزالدین شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی "القاعد الکبریٰ" اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" وغیرہ۔

اطالہ غرہ کی صورتیں:

حدیث الباب کے آخر میں یہ بھی ہے کہ "جو چاہے اپنے غرہ کو بڑھائے" حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: غرہ بڑھانے کی صورت ماثورہ بجز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کے ہمارے سامنے نہیں ہے کہ وہ وضو سے فارغ ہو کر کچھ پانی لے کر اپنی پیشانی پر ڈالتے تھے۔ جو ڈھلک کر داڑھی اور سینہ تک آ جاتا تھا۔ محدثین کو اس کی شرح میں اشکال ہوا ہے کیونکہ یہ بظاہر امر مشروع پر زیادتی ہے جو ممنوع ہے اسی لئے کسی نے کہا کہ ایسا تبرید کے لئے کیا کسی نے کچھ اور تاویل کی مگر میں اس کو اطالہ غرہ کی صورت سمجھتا ہوں۔ واللہ اعلم۔ باقی اطالہ تجحیل کی صورتیں فقہاء نے نصف بازو اور نصف پنڈلی تک لکھی ہیں۔

مقام احتیاط:

اطالہ غرہ و تجحیل کی ترغیب چونکہ حدیث سے ثابت ہے۔ اس لئے یا تو اس کا محمل اسباغ کو قرار دیا جائے یعنی وضو میں ہر عضو کو پوری احتیاط سے پورا پورا دھونا۔ تاکہ شریعت کی مقررہ حدود سے تجاوز کی صورت نہ ہو۔ یا مذکورہ بالا صورتیں وہ لوگ اختیار کریں جو فرض و غیر فرض کے مراتب کی رعایت عقیدۃً و عملاً کر سکیں اور غالباً اسی لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ عام لوگوں کے سامنے ایسا نہیں کرتے تھے۔

پس اس کی نوعیت مستحب خواص ہی کی ہے اور خواص بھی عوام کے سامنے نہ کریں تاکہ وہ غلطی میں نہ پڑیں۔ یہ تحقیق حضرت مخدوم و محترم مولانا محمد بدر عالم صاحب عم فیضہم نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فیض الباری کے حاشیہ میں نقل فرمائی ہے۔(۱)

۱۔ ج ۱ ص ۲۳۹

تحجیل کا ذکر حدیث میں:

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حدیث الباب میں اگرچہ صرف غرہ کا ذکر ہی ہے مگر مسلم شریف کی روایت میں غرہ و تحجیل دونوں کا ہی ذکر ہے۔ فلیطل غرتہ وتحجیلہ اور جن روایات میں ذکر غرہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ وہ غالباً اسی لئے کہ غرہ کا تعلق اشرف اعضاء وضو چہرہ سے ہے اور اول نظر اسی پر پڑتی ہے ابن بطال نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے غرہ سے مراد تحجیل ہی لی ہے کیونکہ چہرہ کے دھونے میں زیادتی کی کوئی صورت نہیں حافظ نے اس قول پر نقد کیا ہے کہ یہ بات خلاف لغت ہے اور اطالہ غرہ کی صورت میں کچھ گردن کا حصہ دھونے کی ہوسکتی ہے۔ پھر بظاہر یہ آخری جملہ بھی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں۔ (۱)

حافظ عینی نے اس موقع پر اس آخری جملہ کے مدارج اور قول ابی ہریرہ ہونے پر زور دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ حدیث دس صحابہ سے مروی ہے اور کسی کی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں ہے وغیرہ۔ (۲)

فوائد و مسائل:

یہاں زیور سے مراد حقیقی زیور ہی ہے، بعض کا قول ہے کہ یہاں زیور سے مراد نور ہے جو قیامت کے دن اس امت کے افراد کو امتیاز کے طور پر عطا کیا جائے گا، یعنی ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں نور سے چمکتے ہوں گے۔ اسی سے ان کی پہچان ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بازوؤں کو بغلوں تک دھونا ان کا اجتہاد ہے، انہوں نے اپنے اس اجتہاد کی وجہ بھی ذکر کردی کیونکہ اگر یہ عمل مسنون ہوتا تو یقیناً ان کی اس خفگی کی کوئی وجہ نہ ہوتی، اس لئے انہوں نے فرمایا: اگر مجھے علم ہوتا کہ تم یہاں ہوتو میں ہرگز یہ وضو نہ کرتا"۔ لہٰذا افضل وضو ہی ہے جو عملاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف احادیث میں منقول ہے اور اسی پر اکتفا کرنا مستحب ہے۔

فروخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جن کی اکثر نسل عجمی ہے۔ گویا کہ بنی فروخ سے مراد عجمی ہیں۔

فوائد و مسائل:

"پیش رو" سے مراد وہ شخص ہے جو قافلے سے پہلے آگے جا کر ان کے پڑاؤ اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا مرتبہ آپ کے بھائیوں سے بلند ہے کیونکہ بھائی تو سب امتی ہیں اور صحابہ صرف آپ کے فیض یافتہ صحابہ اور امتی ہیں۔

یہ حدیث مسنون طریقے سے قبروں کی زیارت کرنے کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل قبور کو سلام کہنا اور ان کے لئے دعا کرنا مسنون عمل ہے۔

نیک لوگوں سے ملاقات کی خواہش کرنا اور ان کی خوبیاں بیان کرنا درست ہے۔

اس حدیث سے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی فضیلت بھی واضح ہوتی ہے اور حوض کوثر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیش رو ہوں گے۔ سبحان اللہ! اس امت کو یہ شرف و فضل مبارک ہو جن کے پیش رو امام کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ (۳)

۸۔ خلاصہ:

اس باب کے قائم کرنے اور ان احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ جس طرح کسی بھی چیز کے نکھار اور خوبصورتی میں اضافہ

۱۔ فتح الباری، ۱/۱۶۷ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۱ ص ۶۷۰۔ انوار الباری، ج ۶ ص ۳۲۰۔۳۲۲ ۳۔ سنن نسائی (دار السلام)، ج ۱ ص ۱۹۳۔۱۹۴

کے لئے زیور استعمال کیا جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ جل جلالہ قیامت کے دن امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء وضو کو واضح اور شان عطا فرمانے کے لئے نور عطا فرمائے گا، جس سے اعضاء وضو مخصوص نور سے روشن ہوں گے اور جگمگائیں گے، اس لئے اس نور کو حاصل کرنے کے لئے اعضاء وضو کو اچھی طرح دھونا چاہئے اور وضو کرتے ہوئے اعضاء کو کچھ زیادہ دھونا چاہئے، تاکہ زیور زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔

☆ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا بازوؤں کو بغلوں تک دھونا بطور استحباب تھا، فقہاء شوافع، حنابلہ اور احناف بھی اسی کے قائل ہیں کہ اعضاء وضو کو کچھ زیادہ دھونا مستحب ہے، البتہ فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ مکروہ ہے، البتہ ان کے نزدیک دائم الوضو رہنا مستحب ہے۔

☆ بنی فرخ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت فرخ علیہ السلام ہیں، جن کی اکثر اولاد عجمی النسل ہے۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: عجمی کے بچے! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تم یہاں کھڑے ہو تو میں اس قسم کا وضو نہ کرتا۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مقتداء اور پیشوا کو جاہلوں اور عام لوگوں کے سامنے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جو کسی ضرورت یا مصلحت کی وجہ سے شریعت میں مباح ہوتا کہ عام لوگوں کو اس سے وسوسہ نہ ہو اور وہ کسی ضرورت کے بغیر اس رخصت پر عمل کرنا نہ شروع کر دیں یا وہ اس رخصت کے ساتھ فرض کا معاملہ نہ کرنے لگیں۔ (۱)

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ قیامت کے دن اہل ایمان کو یہ عزت اور تکریم عطا فرمائے گا، کہ ان کے چہرے ہاتھ اور پاؤں سفید اور روشن ہوں گے۔

☆ چہرے، ہاتھوں اور پاؤں کے نور کو زیادہ کرنے کے لئے چہرے کو پیشانی سے اوپر اور ٹھوڑی سے نیچے تک دھونا، دونوں بازوؤں کو بغلوں تک دھونا اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں سے اوپر تک دھونا مستحب ہے۔

☆ وضو کرنا صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ نہیں، بلکہ پہلے نبی اور امتیں بھی وضو کرتی تھیں، البتہ قیامت کے دن اعضاء وضو کو نور عطا ہونا امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے بعض خصوصیات صرف امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں، جو کسی اور کو عطا نہیں فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا اس امت پر خاص کرم ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخرت کے امور کا علم عطا فرمایا ہے جو کہ مغیبات میں سے ہے

☆ فرط سے مراد وہ شخص ہوتا ہے، جو قافلے سے پہلے آگے جا کر قافلے کے لئے انتظام و انصرام کرتا ہے۔ یہاں پر مراد ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن امت کی بھلائی کے لئے پہلے ہی حوض کوثر پر موجود ہوں گے۔

☆ حدیث مبارکہ میں مقبرہ سے مراد مدینہ منورہ میں قبرستان جنت البقیع مراد ہے۔

☆ صحابی کا درجہ امت میں سب سے بلند ہے۔

☆ قبروں کی زیارت کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت مبارکہ ہے۔

۱۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۷۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۹۰۸

☆ اہل قبور کو سلام کرنا اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرنا سنت مصطفوی ﷺ ہے۔

☆ اپنی قبر اور آخرت کو یاد رکھنا سنت مصطفوی ﷺ ہے۔

☆ نیک لوگوں کی صحبت میں جانا، ان سے ملاقات کی خواہش رکھنا اور ان کی خوبیوں کو بیان کرنا مستحب عمل ہے۔

☆ قیامت کے دن حضور نبی کریم ﷺ اپنے امتیوں کو نور سے پہچانیں گے۔

☆ حوض کوثر برحق ہے اور قیامت کا قائم اور میزان کا قائم ہونا برحق ہے۔

باب ۱۱۱: ثَوَابُ مَنْ أَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ

اچھی طرح وضو کر کے دو رکعتیں پڑھنے والے کا اجر

اس باب میں دو کاموں کا اجر جنت بتلایا گیا، پہلا کام: اچھی طرح وضو کرنا، یعنی وضو کو مستحبات، سنن اور فرائض کے مطابق کرنا، جس طرح حضور نبی کریم ﷺ نے وضو کیا۔ دوسرا کام: وضو کے بعد دو رکعت نفل ادا کرنا۔ ان دونوں کا اجر اللہ تعالیٰ جنت کی صورت میں عطا فرمائے گا۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں وضو کے زیور کا بیان تھا، جو کہ قیامت میں اعضاء وضو کو نور کی صورت میں عطا ہوگا، یہ بھی وضو کا اجر و ثواب ہے، اور اس باب میں اچھی طرح وضو کرنے اور دو رکعتیں پڑھنے کا اجر جنت کی صورت میں بروز قیامت عطا ہونے کا ذکر ہے۔

۱۵۱- أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْمَسْرُوْقِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ قَالَ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَبِيعَةُ بْنُ يَزِيدَ الدِّمَشْقِيُّ عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ وَأَبِي عُثْمَانَ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ يُقْبِلُ عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهِ وَوَجْهِهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ"

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اچھی طرح وضو کر کے، دو رکعتیں، پورے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھے، اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔

۱- مطابقت:

حدیث مبارکہ میں اچھی طرح وضو کرنے اور دو رکعتیں پڑھنے کا اجر و ثواب جنت کا واجب ہونا بیان ہوا ہے، یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲- اطراف:

مسلم: ۲۳۴، ابوداؤد: ۱۶۹، ۹۰۶، احمد: ۱۷۳۱۶، السنن الکبریٰ: ۱۷۸، تحفۃ الاشراف: ۱۴۰۸۶

۳۔ تعارفِ رجال: اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے سات کے حالات گذر چکے ہیں، حضرت جبیر بن نفیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ موسیٰ بن عبدالرحمٰن: راجع:۹۱ ۲۔ زید بن حباب: راجع:۱۴۸ ۳۔ معاویۃ بن صالح: ایضاً

۴۔ ربیعۃ بن یزید: ایضاً ۵۔ ابوادریس الخولانی: ایضاً ۶۔ ابوعثمان: ایضاً

۷۔ جبیر بن نفیر الحضرمی:

آپ کا نام جبیر بن نفیر بن مالک بن عامر حضرمی حمصی شامی (م:۸۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ کے والد گرامی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تابعین کرام میں سب سے بہتر روایت تین لوگوں کی ہے: حضرت قیس بن ابی حازم رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوعثمان مھدی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جبیر بن نفیر رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، لیکن زیارت نصیب نہ ہوئی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مشرف بہ اسلام ہوئے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ پایا اور ان سے روایات بیان کی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کی ہے۔(۱)

۸۔ عقبۃ بن عامر الجھنی: راجع:۱۴۸

۴۔ حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ پچیسویں (۲۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت زید اور معاویہ صدوق ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی کوفی، اگلے پانچ شامی اور آخری صحابی راوی مصری ہیں۔

☆ سند میں چار تابعی (ربیعہ، ابوادریس، ابوعثمان، جبیر بن نفیر) راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ تین تین دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔ لغات:

توضأ: اس نے وضو کیا — احسن: اچھی طرح — صلی رکعتین: اس نے دو رکعتیں پڑھی

یقبل: وہ متوجہ ہوا — بقلبہ: اپنے دل کے ساتھ — وجھہ: اپنے منہ کے ساتھ

وجبت: واجب ہوگئی — الجنۃ: باغ۔ جنت

۷۔ مسائل ونصائح: راجع:۱۱۶

۱۔i۔ الجرح والتعدیل، ج۲، ص۵۱۲ ii۔ تقریب التھذیب، ج۱، ص۱۳۱

۸۔خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے، کہ جو شخص فرائض، سنن اور مستحبات کا خیال رکھتے ہوئے وضو کرے، اور دو رکعت نماز نفل پڑھے، اس کا اجر جنت ہے۔

☆ اچھی طرح وضو کرنے سے مراد وضو کے فرائض، سنن اور مستحباب کا ادا کرنا ہے۔

☆ دو رکعتوں سے مراد نفل ہیں، اور تحیۃ الوضو یا تحیہ المسجد مراد ہیں۔

☆ اپنے دل اور چہرے کی توجہ سے مراد خشوع وخضوع ہے، یا پھر اس سے مراد سنن و مستحبات کا خیال رکھنا ہے۔

☆ جنت کے واجب ہونے سے مراد جنت کا دخول ہے، اس سے ایمان کی سلامتی بھی مترشح ہوتی ہے، اس سے مراد پہلے پہلے جنت میں داخل ہونا بھی ہے، اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی بخشش ہو جاتی ہے، بلکہ بعد میں ہونے والے گناہ بھی بخش دیئے جاتے ہیں۔(۱)

☆ ہر مسلمان کو یہ عمل اختیار کرنا چاہئے، تاکہ ایمان پر خاتمہ ہو سکے، اور جنت میں داخلہ ہو سکے۔

☆ دوران نماز شیطانی خیالات اور وسوسوں سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں دو رکعات نفل پڑھنے کا اجر جنت ہے، جبکہ فرائض کی پابندی اور ادائیگی پر اجر وثواب نفل سے زیادہ ہوتا ہے، اس لئے ہمیں فرض نمازوں کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نفل بھی زیادہ سے زیادہ پڑھنے چاہئے۔

☆ یہ حدیث مبارکہ وضو اور نماز کی ترغیب کے لئے بہت عمدہ ہے۔

باب ۱۱۲: مَا يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ وَمَا لَا يَنْقُضُ الْوُضُوْءَ مِنَ الْمَذْيِ

کن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے اور کن سے نہیں مذی سے وضو کرنے کا بیان

پچھلے ابواب میں صفات وضو کا بیان تھا، اس باب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نواقض وضو کا بیان شروع کر رہے ہے، سب سے پہلے مذی سے وضو کرنے کا بیان ہے، یعنی مذی وضو کو توڑ دیتی ہے، اس کی وجہ سے تازہ وضو کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مذی وہ لیس دار پانی ہوتا ہے، جو شہوت کی ابتداء میں نکلتا ہے، اور اس سے شہوت ہو جاتی ہے۔

۱۵۲۔اَخْبَرَنَا هَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ اَبِيْ حَصِيْنٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ قَالَ عَلِيٌّ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً وَكَانَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتِيْ فَاسْتَحْيَيْتُ اَنْ اَسْاَلَهُ فَقُلْتُ لِرَجُلٍ جَالِسٍ اِلٰى جَنْبِيْ سَلْهُ فَسَاَلَهُ فَقَالَ "فِيْهِ الْوُضُوْءُ"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
مجھے مذی بہت آیا کرتی تھی، جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لئے مجھے یہ مسئلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے ہوئے شرم محسوس ہوئی، میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: تم پوچھو، انہوں نے پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں وضو ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے۔

اس میں وضو ہے

۲۔اطراف:

بخاری:۱۳۲، ۱۷۸، ۲۶۹، احمد:۱۶۸، ۸۱۱، السنن الکبریٰ:۱۴۷، تحفۃ الاشراف:۱۰۱۷۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ھناد بن السری: راجع:۱۰۶ ۲۔ابوبکر بن عیاش: راجع:۱۴۷

۳۔ابوحصین:

آپ کا نام ابوحصین عثمان بن عاصم بن حصین اسدی کوفی (م:۱۲۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، بعض اوقات تدلیس کرتے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، حضرت عاصم بن جھدلہ آپ سے عمر میں ایک سال بڑے تھے۔(۱)

۴۔ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ علیہ:

عبداللہ نام، ابوعبدالرحمٰن کنیت، کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، والد کا نام حبیب تھا۔ نسباً سلمی تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوفہ کے قراء اور علماء میں ان کا شمار تھا۔(۲)

قرآن:

ان کا خاص موضوع کتاب اللہ تھا، اس کے قاری بھی تھے اور عالم بھی، قراءت کا فن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔ (۳) تفسیر قرآن کی تعلیم ان علماء سے حاصل کی تھی جنہوں نے اس محنت سے قرآن پڑھا تھا کہ دس آیات پڑھنے کے بعد جب تک اس کے متعلق تمام باتیں نہ معلوم کر لیتے تھے، آگے نہ بڑھتے تھے۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اس پر عمل بھی کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے ہم لوگ قرآن کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی سیکھتے ہیں۔ ہمارے بعد ایسے لوگ قرآن کے وارث ہوں گے جو قرآن کو پانی کی طرح پئیں گے اور ان کے زخرہ کے نیچے نہ اترے گا۔(۴) حافظ ذہبی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔(۵)

۱۔i۔تاریخ الدوری، ج۲، ص۳۹۳ ii۔تاریخ الثقات، ص۳۲۸ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۵۰

۳۔ابن سعد، ج۶، ص۱۱۹۔۱۲۰ ۴۔ایضاً، ص۱۱۹ ۵۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۵۰

درس قرآن:

قرآن کا درس بھی دیتے تھے۔لیکن اس کا کوئی معاوضہ پسند نہ کرتے تھے عمرو بن حریث کے لڑکے کو انہوں نے قرآن کی تعلیم دی تھی۔عمرو نے ان کے پاس سواری کا اونٹ اور اس کی جھول بھیجی۔انہوں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ کتاب اللہ پر کوئی اجرت نہیں لیتے۔(۱) کامل چالیس سال تک مسجد میں قرآن کا درس دیا تھا۔(۲)

حدیث:

حدیث کے بھی حافظ تھے۔علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقة کثیر الحدیث" (۳) صحابہ میں انہوں نے حضرت عمر، عثمان، علی، سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ، ابوموسیٰ اشعری، ابوداؤد، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایتیں کی ہیں۔ان سے استفادہ کرنے والوں میں ابراہیم نخعی، علقمہ بن مرثد، سعد بن عبید، ابواسحاق سبیعی، سعید بن جبیر، ابوالحصین اسدی، عطاء بن ثابت رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۴)

وفات:

عبدالملک کے عہد خلافت ۷۳ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔مسجد ان کا اوڑھنا بچھونا تھی، مرض الموت میں بھی مسجد ہی میں تھے، عطا بن سائب نے جا کر عرض کیا خدا آپ پر رحم کرے آپ اپنے بستر پر منتقل ہو جاتے تو اچھا تھا۔فرمایا میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز ہی کی حالت میں رہتا ہے اور ملائکہ اس کے لئے دعا رحمت کرتے رہتے ہیں۔اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مسجد ہی میں مروں۔(۵)

۵۔علی: راجع:۹۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے، امام بخاری نے اسے تین مختلف سندوں (۱۳۲،۱۷۸،۲۶۹) سے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ستاونویں (۵۷) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی کوفی ہیں۔
☆ راویوں میں ابو حصین دو راوی ہیں، عثمان بن عاصم بڑے ہیں، ان سے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہی ایک روایت مروی ہے، دوسرے ابو حصین صغیر ہیں۔
☆ یہ تابعی (ابوحصین) کی دوسرے تابعی (ابوعبدالرحمٰن) سے روایت ہے۔
☆ سند کے تمام راوی آئمہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، حضرت ھناد بن السری رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "خلق افعال العباد"

۱۔ابن سعد، ج ۶ ص ۱۲۰ ۲۔تھذیب التھذیب، ج ۵ ص ۱۸۴ ۳۔ابن سعد، ج ۶ ص ۱۲۱
۴۔تھذیب التھذیب، ج ۵ ص ۱۸۴ ۵۔ابن سعد، ج ۶، ص ۱۲۱۔سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۳۴۹۔۳۵۰)

میں روایت کیا ہے۔

☆ سند کے آخری راوی خلیفہ راشد چہارم سیدنا علی المرتضیٰ وجہہ الکریم ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور قال ایک ایک دفعہ، جبکہ عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

کنت رجلا مذاء : مجھے مذی بہت آتی تھی، مذی کثرت سے آتی تھی۔

ابنة النبی: نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا مراد ہیں

تحتی : میرے تحت۔ مراد ہے میرے نکاح میں۔

فاستحییت: میں نے شرم محسوس کی

اساله: میں آپ ﷺ سے پوچھتا

جالس الی جنبی: میرے پہلو میں بیٹھنے والا

فیه الوضوء: اس میں وضو ہے

۱۵۳۔اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ قُلْتُ لِلْمِقْدَادِ اِذَا بَنَى الرَّجُلُ بِاَهْلِهٖ فَاَمْذَى وَلَمْ يُجَامِعْ فَسَلِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَاِنِّي اَسْتَحِي اَنْ اَسْاَلَهٗ عَنْ ذٰلِكَ وَابْنَتُهٗ تَحْتِي۔ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ "يَغْسِلُ مَذَاكِيْرَهٗ وَيَتَوَضَّاُ وُضُوْئَهٗ لِلصَّلَاةِ"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا: جب کوئی شخص اپنی بیوی سے دل لگی کرے اور اس کی جماع کے بغیر مذی نکل آئے۔ آپ رضی اللہ عنہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھیں، مجھے یہ پوچھتے ہوئے شرم آتی ہے، کیونکہ آپ ﷺ کی صاحبزادی میرے نکاح میں ہے، حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:
وہ شخص شرمگاہ دھوئے اور نماز کی طرح وضو کرے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد:۲۰۸،۲۰۹،احمد:۱۰۰۹،۱۸۰،۱۸۲،۱۱۸۲،السنن الکبریٰ:۱۴۸،تحفۃ الاشراف:۱۰۲۴۱

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔اسحاق بن ابراھیم: راجع:۲ ۲۔جریر: ایضاً

۳۔ھشام: راجع:۴۹ ۴۔عروۃ: ایضاً

۵۔علی: راجع:۹۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ترپنویں (۵۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے اصحاب صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے کوفی، تیسرے اور چوتھے مدنی اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم مدنی کوفی ہیں۔

☆ سند کے آخری راوی خلیفہ راشد چہارم اور داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

بنی الرجل باھلہ: آدمی اپنے گھر والوں کے قریب بیٹھے۔مراد ہے اپنی بیوی سے دل لگی کرے۔

امذی: اسے مذی آئے۔یعنی لیس دار مادہ نکلے۔

لم یجامع: اس نے مباشرت نہیں کی۔

سل: تو پوچھ۔تو سوال کر۔

استحیی: مجھے شرم آتی ہے۔

مذاکیر: یہ ذکر کی غیر قیاسی جمع ہے۔شرمگاہ،عضو تناسل۔

۱۵۴۔اَخْبَرَنَا قُتَیْبَۃُ بْنُ سَعِیْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا سُفْیَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ عَلِیًّا قَالَ کُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَاَمَرْتُ عَمَّارَ بْنَ یَاسِرٍ یَسْاَلُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَجْلِ ابْنَتِہٖ عِنْدِیْ فَقَالَ "یَکْفِیْ مِنْ ذٰلِکَ الْوُضُوْءُ"

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں: مجھے مذی بہت آتی تھی، میں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ اس بارے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں (یعنی اس وجہ سے مجھے پوچھتے ہوئے شرم محسوس ہوئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سے وضو کافی ہے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ میں مذی کے متعلق سوال ہے،اس پر آپ ﷺ نے وضو کرنے کا حکم بیان فرمایا ہے۔

۲۔اطراف:

احمد، ج ۴،ص ۳۲۰،مسند حمیدی: ۳۹،السنن الکبریٰ: ۱۵۰،تحفۃ الاشراف: ۱۰۱۵۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں،جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں،باقی چار راویوں کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

ا۔قتیبۃ بن سعید: راجع: ۱۱۰ ۲۔سفیان: راجع: ۲۰

۳۔عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

عمرو نام،ابو محمد کنیت،باذان عجمی کے غلام تھے۔

پیدائش:

۴۶ھ میں پیدا ہوئے۔(۱)

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے مکہ کے علماء میں تھے،حافظ ذہبی انہیں حافظ،امام اور عالم حرم لکھتے ہیں۔(۲) امام نووی کا بیان ہے کہ ان کی جلالت،امامت اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے،وہ آئمہ تابعین میں تھے۔(۳)

حدیث:

حدیث کے بڑے حافظ تھے،علامہ ابن سعد لکھتے ہیں"کان عمرو ثقة ثبتا کثیر الحدیث"صحابہ میں انہوں نے ابن عمر،ابن عباس،ابن زبیر، ابن عمرو بن العاص،ابو ہریرہ،جابر بن عبداللہ،ابو الطفیل،سائب بن یزید رضی اللہ عنہم وغیرہ اور تابعین میں سعید بن مسیب،سعید بن جبیر،سالم بن عبداللہ، طاؤس،عطاء،محمد بن علی،مجاہد،ابن ابی ملیکہ،سلیمان بن یسار،وہب بن عتبہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا۔(۴)

وسعت علم:

حدیث میں ان کا علم نہایت وسیع تھا،اس عہد کے تمام علماء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا،طاؤس اپنے لڑکے کو ہدایت کرتے تھے کہ جب مکہ جانا تو ابن دینار کے پاس ضرور جانا،ان کی کان علماء کا خریطہ تھے۔(۵)

مرویات کا پایہ:

ان کی روایات کا پایہ ارباب فن کے نزدیک نہایت بلند تھا،امام زہری کہتے تھے کہ میں نے اعلیٰ درجہ کی حدیثوں میں اس شیخ سے زیادہ انص نہیں

ا۔تذکرۃ الحفاظ، ج ا،ص ۱۰۰ ۲۔ایضاً ۳۔تھذیب الاسماء، ج ا، ق ۲،ص ۲۷ ۴۔ابن سعد، ج ۵،ص ۲۵ ۵۔تھذیب التھذیب، ج ۸،ص ۲۹

دیکھا، سفیان نے ایک مرتبہ سعد سے سوال کیا کہ تم نے حدیثوں میں سب سے زیادہ متقن کسی کو دیکھا انہوں نے کہا کہ عمرو بن دینار اور قاسم بن عبدالرحمٰن کو، ابن عتبہ اور عمرو بن جریر انہیں ثقہ ثبت صدوق اور کثیر الحدیث کہتے تھے۔(۱)

روایت بالمعنی:

روایت میں احتیاط کے باوجود احادیث کے الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور بالمعنی حدیثیں روایت کرتے تھے۔(۲)

محدثین کا مرجوعہ:

حدیث میں ان کے وسعت علم کی بناء پر ان کی ذات شائقین حدیث کا مرجع بن گئی تھی۔ لوگ دوسروں سے پوچھ پوچھ کر ان کی مرویات لکھتے تھے، سفیان کا بیان ہے کہ ایوب مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ عمرو بن دینار نے فلاں شخص سے کون سی حدیث بیان کی ہے میں ان کو بتا کر پوچھتا کیا آپ لکھنا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہاں۔(۳)

تلامذہ:

ان کے فیض عام نے ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع کر دیا تھا، اکابر علماء میں جعفر صادق، ابوقتادہ، مسعر، ابن ابی نجیح، حماد اور سفیان وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں، ان کے علاوہ، عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔

فقہ:

فقہ میں بھی ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی، تفریع واستنباط مسائل میں انہیں درجہ امامت واجتہاد حاصل تھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ اصحاب مذاہب کے مجتہدوں میں تھے۔(۴) مرکز علم کے ممتاز مفتی تھے،(۵) بعض علماء انہیں طاؤس، عطا اور مجاہد جیسے اکابر علماء پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی دینار ان کو تینوں سے بڑا فقیہ مانتے تھے۔(۶) ابن عیینہ کہتے تھے کہ ہم لوگوں کے نزدیک عمرو بن دینار سے بڑا فقیہ، ان سے بڑا عالم اور حافظ حدیث کوئی نہ تھا۔(۷)

احتیاط:

احتیاط کی بنا پر حدیث اور فقہی مسائل کی کتابت پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ لوگ ہم سے سوالات کرتے ہیں، جب ہم انہیں بتاتے ہیں، تو وہ اس کو لکھ کر پتھر پر نقش بنالیتے ہیں، ممکن ہے کل کو ہم ان سے رجوع کرلیں، (اس وقت وہ غلط نقوش باقی رہ جائیں گے) ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ سفیان آپ سے جو کچھ سنتے ہیں، اس کو لکھ لیتے ہیں، یہ سن کر آپ رونے لگے اور کہا جو شخص مجھ سے لکھتا ہے وہ مجھ پر بڑی زیادتی کرتا ہے۔(۸)

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا، آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سائل نے کہا اس کے بارے میں میرے دل میں بعض شکوک ہیں۔ اس لئے جواب مرحمت ہو۔ آپ نے کہا خدا کی قسم تمہارے دل میں جبل ابوقبیس (پہاڑ) کے برابر شک ہونا مجھے اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے کہ میرے دل میں بال برابر بھی شک ہو۔(۹) (یعنی اس کے جواب میں)

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۵۳ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۰ ۳۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۵۳ ۴۔ تہذیب، ج ۸، ص ۳۰
۵۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۷ ۶۔ ایضاً، ج ۱، ق ۱، ص ۲۷ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۰ ۸۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۵۴
۹۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۵۴

عبادت وریاضت:

بڑے عبادت گزار تھے، رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا، ایک تہائی شب سوتے تھے، ایک تہائی میں حدیثیں پڑھتے تھے اور ایک تہائی نماز میں بسر ہوتی تھی۔(۱)

جماعت کا اہتمام:

جماعت کی پابندی میں اتنا اہتمام تھا کہ عالم پیری میں بھی جب چلنے پھرنے کی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی مسجد ہی میں جوان کے گھر سے کافی فاصلہ پر تھی نماز پڑھتے تھے، سفیان کا بیان ہے کہ عمرو نے کسی زمانہ میں مسجد کا آنا نہیں چھوڑا۔

پیری کے زمانہ میں بھی جب وہ اٹھا کر سواری پر بٹھائے جاتے تھے میں نے ان کو ہمیشہ مسجد جانے کے انتظار ہی میں بیٹھا ہوا پایا ہے۔ میں صغرسنی میں انہیں اٹھا کر سواری پر بٹھانے کے قابل نہ تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس قابل ہو گیا کہ اس کو اٹھا کر سواری پر سوار کرا سکوں، ان کا گھر مسجد سے دور تھا۔)(۲)

مذہبی خدمات کا معاوضہ نہ لیتے تھے:

مذہبی خدمات کا معاوضہ لینا اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اور انہیں حبۃ اللہ انجام دیتے تھے، ہشام بن عبدالملک نے آپ سے خواہش کی کہ میں آپ کا وظیفہ مقرر کیے دیتا ہوں، آپ اطمینان سے بیٹھ کر افتاء کی خدمت انجام دیجئے آپ نے منظور نہ کیا، اور یوں ہی بلا معاوضہ جس طرح انجام دیتے چلے آرہے تھے انجام دیتے رہے۔(۳)

وفات:

۱۱۶ھ میں وفات پائی۔(۴)

۴۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

عطاء نام والد کا نام اسلم اور ابورباح کنیت تھی، عطاء کی کنیت ابو محمد تھی، یمن کے مردم خیز قصبہ جند میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت میں پیدا ہوئے اور مکہ میں نشوونما پائی۔ آل میسرہ بن ابی خثیم فہری کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

فضل وکمال اور زہد وورع کے لحاظ سے عطا بڑے جلیل القدر تابعی تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عطاء فقہ، علم وورع اور فضل وکمال کے لحاظ سے سادات تابعین میں تھے، حجت امام اور کبیر الشان تھے۔(۵) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مکہ کے مفتی اور مشہور آئمہ میں تھے، بڑے بڑے آئمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ علم کا خزانہ خدا اسی کو دیتا ہے جسے محبوب رکھتا ہے اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عالی نسب اس کے زیادہ حق دار تھے، لیکن عطاء حبشی غلام تھے، یزید بن حبیب نوبی تھے، حسن بصری اور ابن سیرین غلام تھے۔(۶)

امام اوزاعی کہتے تھے کہ عطاء نے جس وقت انتقال کیا اس وقت وہ لوگوں میں روئے زمین کے سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی تھے۔(۷)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۰ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۵۳ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۱۸۸۔۱۹۰

۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۲۰۳ ۶۔ تھذیب الاسماء نووی ج ۱، ص ۳۳۳ ۷۔ مختصر صفوۃ الصلوۃ، ص ۱۵۸

قرآن:

ان کو قرآن، حدیث، فقہ جملہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی: "کان ثقۃ فقیھا عالما کثیر الحدیث کان یعلم القران" (۱) قرآن کا مستقل درس دیتے تھے۔

حدیث:

حدیث کے مشہور حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی ان کے حالات طبقہ اول کے حفاظ میں لکھتے ہیں۔ علامہ ابن سعد کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے صحابہ میں عبداللہ بن عباس، ابن عمر، ابن عمرو بن العاص، ابن زبیر، معاویہ، اسامہ بن زید، جابر بن عبداللہ، زید بن ارقم، عبداللہ بن سائب مخزومی، عقیل بن ابی طالب، عمر بن ابی سلمہ، رافع بن خدیج، ابودرداء، ابوسعید خدری، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کی تھی۔

عام علماء میں ابوصالح السمان، سالم بن شوال، صفوان بن یعلی بن امیہ، عبید بن عمر، عروہ بن زبیر، ابن ابی ملیکہ، عماد بن ابی عمار، ابوالزبیر، موسیٰ بن انس، حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔ (۲)

تلامذہ:

حدیث میں ان سے فائدہ اٹھانے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں، ابواسحاق سبیعی، زہری، مجاہد، ایوب سختیانی، اعمش، اوزاعی، ابن جریج، ابوالزبیر، حکم بن عتبہ ابوحنیفہ وغیرہ۔ (۳)

آداب سماع حدیث:

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام تھا کہ تذکرۂ حدیث کے درمیان میں بولنا سخت ناپسند کرتے تھے، اور اس پر برہم ہوتے تھے، معاذ بن سعید الاعور کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ عطاء کے پاس تھے، ایک شخص نے حدیث بیان کی، ایک دوسرا شخص درمیان میں کچھ بولا، عطا سخت برہم ہوئے اور کہا یہ کون سا اخلاق اور کون سی طبیعت ہے، خدا کی قسم آدمی اس لئے حدیث بیان کرتا ہے کہ اس سے ہم کو علم حاصل ہو، (۴) اگر کوئی حدیث سناتا ہے تو خواہ وہ حدیث مجھی سے سنی ہوئی ہو میں اس کو خاموشی سے سنتا ہوں کہ بیان کرنے والے کو معلوم ہو کہ میں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔ عمرو بن عاصم کہتے ہیں کہ میں نے عطاء کی یہ باتیں عبداللہ بن مبارک سے نقل کیں تو انہوں نے سن کر کہا میں اس وقت تک جوتا نہ اتاروں گا جب تک خود جا کر اس مہدی سے نہ سنوں گا۔ (۵)

ان کی روایات کے بارے میں آئمہ کی رائے:

امام باقر لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے عطاء سے حدیث لیا کرو۔ (۶)

فقہ:

آپ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا آپ کے تفقہ پر تمام فقہا محدثین اور آئمہ فن کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ فقہ میں سادات تابعین میں تھے، (۷) ربیعہ جو خود بہت بڑے فقیہ تھے کہتے تھے کہ عطاء فتاویٰ میں تمام اہل مکہ پر فائق تھے، محمد بن عبداللہ الدیباج رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۶ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۴۴ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۱۹۹ ۴۔ ایضاً

۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۴۵ ۶۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۳۳۴ ۷۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۲۰۳

کہتے تھے کہ میں نے عطاء سے بہتر مفتی نہیں دیکھا، امام الفقہاء حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا۔(۱) اکابر صحابہ تک ان کے تفقہ کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ تشریف لاتے اور سائلین ان کی خدمت میں پہنچتے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان سے کہتے کہ عطاء تمہارے یہاں موجود ہیں، اور تم لوگ میرے پاس آتے ہو۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے کہ تم میں ابن ابی رباح موجود ہیں اور تم لوگ مجھ سے پوچھنے کے لئے مسائل اٹھا رکھتے ہو۔(۳)

ان کے زمانہ میں صرف وہ شخص مکہ کی مسند افتاء کی زینت تھے، ایک یہ اور دوسرے مجاہد لیکن ان دونوں میں امتیاز انہی کو حاصل تھا۔(۴)

احتیاط فی الفتویٰ:

لیکن اس کمال کے باوجود اتنے محتاط تھے کہ مسائل میں کبھی اپنی رائے نہ دیتے تھے۔ اگر اس کے متعلق کوئی سند نہ ہوتی تو صاف کہہ دیتے کہ مجھے نہیں معلوم، عبدالعزیز ابن رفیع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عطاء سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا، انہوں نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم لوگوں نے کہا اپنی رائے سے جواب کیوں نہیں دیتے، فرمایا مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کی زمین میں میری رائے کی اطاعت کی جائے۔(۵)

لیکن ایک فقیہ اور مفتی کے لئے رائے سے کام لینا ناگزیر ہے، اس لئے عطاء جب کبھی رائے سے کام لیتے تھے تو اس کو ظاہر کر دیتے تھے، ابن جریج کا بیان ہے کہ عطاء جب کوئی بات بیان کرتے تھے، تو میں ان سے پوچھتا تھا کہ یہ علم ہے یا رائے اگر انہوں نے اثر کی سند پر کہا ہوتا تو کہہ دیتے اثر ہے اور اگر رائے ہوتی تو کہہ دیتے رائے ہے۔(۶)

مناسک حج:

مناسک حج کے بڑے عالم تھے، امام باقر فرماتے تھے کہ عطاء سے زیادہ مناسک حج کا جاننے والا کوئی باقی نہیں ہے، (ایضاً اموی فرمان روا ان سے مناسک حج کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اسے مناسک حج بتائے۔(۷) امویوں کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کر دی جاتی تھی کہ حج کے مسائل میں عطاء کے علاوہ دوسرا شخص فتویٰ نہ دے۔(۸)

معمولی معمولی درجہ کے لوگ جنہیں حج کے ایام میں انہیں دیکھنے کا، ان کے ساتھ رہنے کا یا ان کی خدمت کرنے کا موقع ملتا تھا مسائل حج کے واقف کار بن جاتے تھے، اس سلسلہ میں یہ حکایت مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ حج کے موقعہ پر ایک حجام نے جس نے عطاء کو دیکھا تھا، مجھے پانچ موقعوں پر حج کی تعلیم دی۔ بال ترشوانے سے پہلے میں نے اس سے حجامت کی بنوائی طے کرنی چاہی، اس نے کہا عبادت میں شرط نہیں کی جاتی۔ بیٹھ جاؤ حجامت بن جائے گی، میں قبلہ رخ سے ذرا ہٹ کر بیٹھا تھا۔ اس نے قبلہ رخ بیٹھنے کا اشارہ کیا، میں نے بائیں جانب سے سر منڈانا چاہا، اس نے کہا داہنی سمت پھیرو میں نے پھیر دیا تو وہ سر مونڈنے لگا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ اس نے کہا تکبیر کہتے جاؤ، میں نے کہا اپنے قیام گاہ پر، اس نے کہا پہلے دو رکعتیں پڑھ لو اس کے بعد جاؤ۔ میں نے خیال کیا کہ حجام خود اس قسم کے مسائل نہیں جان سکتا جب تک اس نے کسی سے معلوم نہ کیا ہو۔ میں نے اس سے پوچھا تم نے جن باتوں کی مجھے تعلیم دی ہے، وہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ اس نے کہا عطاء بن ابی رباح کو ایسے کرتے دیکھا

۱۔ ایضاً، ص ۲۰۱ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۶ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۲۰۱ ۴۔ تہذیب الاسماء نووی، ج ۱، ص ۳۳۴

۵۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۲۰۳ ۶۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۴۵ ۷۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۵۹ ۸۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۳۳۴

تھا۔(۱)

علم میں للّٰہیت:

عطاء اپنے علم سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل نہ کرتے تھے، بلکہ ان کا علم خالصۃً لوجہ اللہ تھا، سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے عطاء، طاؤس اور مجاہد کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا، جس کا مقصد علم سے خالص لوجہ اللہ ہو۔(۲)

زہد وتقویٰ:

علم کے ساتھ ان میں اسی درجہ کا عمل بھی تھا، زہد وورع کے لحاظ سے وہ جماعت تابعین میں ممتاز تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ علم اور ورع میں سادات تابعین میں تھے۔(۳) حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عطاء کے علم، زہد اور خدا پرستی کے مناقب بہت ہیں۔(۴)

قوت ایمانی:

عطاء ایمان کے جس درجہ پر تھے اس کے متعلق عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ سارے اہل مکہ کا ایمان مل کر بھی عطاء کے ایمان کے برابر نہ تھا۔(۵)

عبادت وریاضت:

عبادت کا یہ حال تھا کہ کامل بیس سال تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا،(۶) تہجد میں روزانہ دوسو یا اس سے زیادہ آیتیں پڑھتے تھے،(۷) کثرت عبادت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا۔(۸) ان کا کوئی وقت ذکر الٰہی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے بہتر مفتی نہیں دیکھا، ان کی مجلس میں ہر وقت خدا کا ذکر ہوتا رہتا تھا اور لوگ علمی مباحثہ کرتے تھے۔ عطاء جب کچھ بولتے، یا جب کوئی سوال کیا جاتا تو نہایت خوبی سے اس کا جواب دیتے۔(۹)

حج:

آپ کا قیام مکہ ہی میں تھا۔ اس لئے کسی سال حج سے ناغہ نہ ہوتا تھا چنانچہ آپ نے ستر حج کئے۔(۱۰)

اتباع حدیث:

اتباع حدیث میں بڑا اہتمام تھا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ تابعین میں عطاء سے زیادہ کوئی متبع حدیث نہ تھا"۔(۱۱)

عزلت گزینی:

طبیعت میں عزلت پسندی تھی۔ لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہ تھا۔ دروازہ بند کئے گھر میں بیٹھے رہتے تھے، جب کوئی اندر آنے کی اجازت چاہتا تو پوچھتے کس نیت سے آئے ہو۔ اگر آنے والا کہتا کہ آپ کی زیارت کے لئے تو جواب دیتے کہ میرے جیسے شخص کی زیارت نہیں کی جاتی، پھر فرماتے وہ زمانہ کیسا خبیث ہے، جس میں میرے جیسے شخص کی زیارت کی جائے۔(۱۲)

لیکن اچھی مجلسوں کو جن میں خدا کا ذکر ہوتا پسند کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جو شخص اس مجلس میں بیٹھتا ہے جس میں خدا کا ذکر ہوتا ہے تو خدا اس مجلس کو

۱۔ ابن خلکان، ج۱، ص۳۱۹ ۲۔ ابن سعد، ج۵، ص۳۴۵ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج۷، ص۲۰۳ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۸۶
۵۔ تھذیب التھذیب، ج۷، ص۲۰۳ ۶۔ تھذیب التھذیب، ج۷، ص۲۰۳ ۷۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ج۷، ص۱۵۸ ۸۔ ابن سعد، ص۳۴۶
۹۔ ایضاً، ص۳۴۵، مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص۱۵۸ ۱۰۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ص۳۳۳ ۱۱۔ ایضاً ۱۲۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص۱۵۸

دس باطل مجلسوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔(۱)

خاموشی:

جب مجمع میں بیٹھنے کا بھی اتفاق ہوتا تو زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ اسماعیل بن امیہ کا بیان ہے کہ عطاء عموماً خاموش رہتے تھے، جب کچھ بولتے تھے تو ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر الہام ہو رہا ہے۔(۲)

وفات:

بروایت صحیح ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔(۳)

۵۔ عائش بن انس:

آپ کا نام عائش بن انس بکری کوفی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے مقبول ثقہ راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۶۔ علی: راجع:۹۱

۷۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما:

اس حدیث مبارکہ میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے، اس لئے آپ کے حالات بھی درج کئے جاتے ہیں۔

نام ونسب:

عمار نام، ابوالیقظان کنیت، والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے:

عمار بن یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن الحصین بن الودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر الاکبر بن یام بن عنس بن مالک العنسی القحطانی۔(۵)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ قحطانی النسل تھے، یمن ان کا اصلی وطن تھا، اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں دوسرے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ مکہ پہنچے، وہ دونوں واپس لوٹ گئے، لیکن انہوں نے یہیں اقامت ڈال دی، اور بنومخزوم سے حلیفانہ تعلق پیدا کر کے ابوحذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی ایک لونڈی سمیہ نام سے شادی کر لی جس سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، ابوحذیفہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان کے بچپن ہی میں آزاد کر کے تاحیات دونوں باپ بیٹے کو لطف ومحبت سے اپنے ساتھ رکھا۔(۶)

اسلام:

ابوحذیفہ کی وفات کے بعد ہی اسلام کا غلغلہ بلند ہوا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب ابن سنان رضی اللہ عنہ ایک ساتھ ایمان لائے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے صہیب کو ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر دیکھ کر پوچھا "تم کس ارادہ سے آئے ہو؟" بولے: "پہلے تم اپنا ارادہ بیان کرو"۔ میں نے کہا: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر ان کی کچھ باتیں سننا چاہتا ہوں"۔ بولے: میرا بھی مقصد یہی ہے"۔ غرض دونوں ایک ساتھ داخل ہوئے، اور ساقی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ہی جام نے دونوں کو نشۂ توحید سے مخمور کر دیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ یا کچھ آگے پیچھے ان کے والدین بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔(۷)

۱۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۸۵ — ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۶ — ۳۔ ایضاً۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۱۸۲۔۱۸۶

۴۔ i۔ الثقات، ج ۵، ص ۲۸۵ — ii۔ تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۳۷۲ — ۵۔ اسد الغابہ تذکرۂ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث ص ۱۷۷ — ۷۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۷۷

صحیح بخاری کی ایک روایت ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جس وقت ایمان لائے، تو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ صرف پانچ غلام اور دو عورتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔(۱) یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کر دیا تھا، ورنہ صحیح روایت کی بنا پر اس وقت تک تیس اصحاب سے زیادہ اس دائرہ میں داخل ہو چکے تھے، جنہوں نے مشرکین کے خوف سے اعلان نہیں کیا تھا۔(۲)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ گوایک بے یار و مددگار غریب الوطن تھے، دنیاوی وجاہت وطاقت بھی حاصل نہ تھی، اور سب سے زیادہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اس وقت تک بنی مخزوم کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئی تھی، تاہم جوش ایمان نے ایک دن سے زیادہ مخفی ہو کر رہنے نہ دیا، مشرکین نے ان کو اور ان کے خاندان کو لاچار و مجبور دیکھ کر سب سے زیادہ مشق ستم بنالیا، طرح طرح کی اذیتیں دیں، ٹھیک دوپہر کے وقت تپتی ہوئی ریت میں لٹایا۔ دہکتے ہوئے انگاروں سے جلایا، اور گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے لیکن جلوۂ توحید نے کچھ ایسا وارفتہ کر دیا تھا کہ ان تمام سختیوں کے باوجود ان کو اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے۔(۳)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو ابوجہل نے نہایت وحشیانہ طریقے پر اپنے نیزہ سے شہید کیا، چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ پہلی عبرتناک شہادت تھی جو استقلال واستقامت کے ساتھ راہ خدا میں واقع ہوئی، ان کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور بھائی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اسی گرداب اذیت میں جان بحق ہوئے۔(۴)

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹادیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف سے گذرے تو ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا: ''اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمار (رضی اللہ عنہ) پر ٹھنڈی ہو جا'' اسی طرح جب ان کے گھر کی طرف سے گذرتے اور خاندان یاسر کو مبتلائے مصیبت دیکھتے تو فرماتے ''اے آل عمار تمہیں بشارت ہو جنت تمہاری منتظر ہے''۔(۵)

ایک دفعہ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گردش زمانہ کی شکایت کی، ارشاد ہوا ''صبر کرو! صبر کرو'' پھر دعا فرمائی ''اے خدا! آل یاسر کو بخش دے''۔(۶)

ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ بالکل بدحواس ہو گئے، یہاں تک کہ اسی حالت میں ان جفا کاروں نے جو کچھ چاہا ان کی زبان سے اقرار کرالیا، اس کے بعد گو اس مصیبت سے گلوخلاصی ہوگئی، تاہم غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا، دربار نبوت میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''عمار! کیا خبر ہے؟'' عرض کی: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہایت ہی بری خبر ہے۔ آج مجھے اس وقت تک خلاصی نہ ملی جب تک میں نے آپ کی شان میں برے الفاظ اور ان کے معبودوں کے حق میں کلمات خیر استعمال نہ کئے''۔ ارشاد ہوا: ''تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟'' عرض کی ''میرا دل ایمان سے مطمئن ہے'' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے پونچھے، فرمایا: ''کچھ مضائقہ نہیں اگر یہ پھر ایسا ہی کرو'' اس کے بعد ہی قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی: (۷)

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّ بِالۡاِيۡمَانِ (۸) ''جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)''

۱۔ بخاری باب فضائل الصدیق رضی اللہ عنہ ۲۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۱۷ و اسد الغابہ، ج ۴، ص ۴۴ ۳۔ ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۷۷
۴۔ اصابہ تذکرہ سمیہ ام عمار رضی اللہ عنہا ۵۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۸۸ ۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۷
۷۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۷۸ ۸۔ نحل: ۱۰۶

ایک مرتبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ''کیا قریش مسلمانوں کو اس قدر اذیت پہنچاتے تھے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دینے پر مجبور ہو جائیں؟'' بولے ''خدا کی قسم ہاں! وہ ان کو مارتے تھے، بھوکا اور پیاسا رکھتے تھے، یہاں تک کہ ضعف اور کمزوری سے وہ اٹھنے بیٹھنے سے بھی مجبور ہو جاتے تھے، اسی حالت میں وہ جو کچھ چاہتے تھے ضمیر کے خلاف ان سے اقرار کرا لیتے تھے''۔(۱) غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی انہیں گرفتاران مصائب میں تھے، جنہوں نے راہ خدا میں صبر و استقامت کے ساتھ گوناگوں مصائب اور مظالم برداشت کئے، لیکن آئینہ دل سے توحید کا عکس زائل نہ ہوا، ضعیفی کے عالم میں جن لوگوں نے ان کی پیٹھ ننگی دیکھی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت تک کثرت کے ساتھ سیاہ لکیریں تپتی ہوئی ریت اور دہکتے ہوئے انگاروں کے داغ ان کی پیٹھ پر موجود تھے۔(۲)

ہجرت:

ان کے حبشہ کی ہجرت کے متعلق ارباب سیر میں اختلاف ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ دوسری ہجرت میں شریک تھے، مدینہ کی ہجرت کا عام حکم ہوا تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے بھی اس سرزمین امن کی راہ لی، اور حضرت مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے مہمان ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں حضرت حذیفہ بن الیمان انصاری رضی اللہ عنہ سے بھائی چارہ کرادیا اور مستقل سکونت کے لئے ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا۔(۳)

تعمیر مسجد:

مدینہ کی ہجرت کے چھ سات مہینوں کے بعد مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد ڈالی گئی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جوش دلانے کے لئے خود کام میں حصہ لیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اینٹ گارا لا لا کر دیتے تھے اور زبان پر رجز جاری تھا:

نحن المسلمون نبتنی المساجدا۔(۴) ''ہم مسلمان ہیں، ہم مسجد بناتے ہیں''۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار دو دو اینٹ اٹھاتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گذرے تو آپ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سر سے غبار صاف کر کے فرمایا افسوس عمار (رضی اللہ عنہ)! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔(۵) تم اسے خدا کی طرف دعوت دو گے اور وہ تمہیں جہنم کی طرف بلائے گا۔(۶)

ایک دفعہ کسی نے ان کے سر پر اس قدر بوجھ لا دیا کہ لوگ چلا اٹھے ''آج عمار مر جائیں گے'' ''آج عمار مر جائیں گے''۔ وہ اس سے پہلے بھی تکلیف ملا یطاق کی شکایت کر چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو کچھ اینٹیں اتار کر پھینک دیں اور فرمایا اور افسوس! ابن سمیہ تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا''۔(۷)

غزوات:

غزوۂ بدر سے تبوک تک جس قدر اہم معرکے پیش آئے، سب میں وہ جانبازی و شجاعت کے ساتھ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، عہد صدیقی کی اکثر خونریز جنگوں میں بھی خوب داد شجاعت دی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یمامہ کی جنگ میں ان کا ایک

۱۔ اسد الغابہ تذکرہ عمار رضی اللہ عنہ ۲۔ ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۷۷ ۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۷۹

۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۷۹ ۵۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۸۷

۶۔ بخاری شریف، ج ۱ ۷۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۱

کان شہید ہوگیا، جو سامنے ہی زمین پر پھڑک رہا تھا، لیکن وہ بے پرواہی کے ساتھ حملے پر حملے کر رہے تھے اور جس طرف رخ کرتے تھے صفیں کی صفیں تہ و بالا کردیتے تھے، ایک دفعہ مسلمانوں کے پاؤں پیچھے پڑنے لگے، انہوں نے ایک بلند چٹان پر کھڑے ہوکر للکارا "اے گروہ مسلمانان! کیا جنت سے بھاگ رہے ہو؟ میں عمار بن یاسر ہوں رضی اللہ عنہما، آؤ میرے پاس آؤ"۔(۱) اس صدا نے سحر کا کام کیا، اور جنت کے شیدائی یکا یک سنبھل کر ٹوٹ پڑے۔

کوفہ کی حکومت:

خلیفہ دوم نے ۲۰ھ میں ان کو کوفہ کا والی بنایا، اور اہل کوفہ کے نام حسب ذیل فرمان جاری فرمایا:

امابعد فانی بعثت الیکم عمار بن یاسر رضی الله عنهما امیر اوابن مسعود رضی اللہ عنہ معلما وزیرا، وقد جعلت ابن مسعود رضی اللہ عنہ علی بیت مالکم وانهم لمن النجباء من اصحب محمد من اهل بدر فاسمعوالهما واطیعوا واقتدوابهما وقداشرتکم بابن ام عبدعلی نفسی وبعث عثمان بن حنیف علی السود ورزقتهم کل یوم شاةفاجعل شطرهاوبطتهالعمار والشطر الباقی بین هؤلاء الثلاثة (۲)

"امابعد! میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو امیر اور ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کو معلم اور وزیر مقرر کرکے بھیجتا ہوں، خزانہ کا اہتمام وانصرام بھی ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے متعلق کیا ہے، یہ دونوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان شریف اصحاب میں سے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک تھے، اس لئے ان دونوں کی فرمانبرداری اطاعت اور پیروی کرو، میں نے ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو اپنے سے الگ کرکے تمہارے پاس بھیج کر تم کو اپنے اوپر ترجیح دی ہے، عثمان بن حنیف کو عراق (کی پیمائش) پر مامور کرکے بھیجتا ہوں اور ان کے رسد کے لئے روزانہ ایک بکری مقرر کرتا ہوں جس کا ایک حصہ اور شکم عمار کے لئے مخصوص رہے گا، اور باقی حصے ان تینوں میں منقسم ہوں گے"۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ایک سال ۹ ماہ تک نہایت خوش اسلوبی اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی انجام دیئے لیکن اسی اثناء میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کی باہمی منافست اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی غیر جانبداری نے کوفہ کے رئیسوں کو ان سے ناراض کردیا، واقعہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے۔

بصرہ کی کثرت آبادی کے لحاظ سے اس صوبہ کا رقبہ نہایت مختصر تھا، اس بنا پر عمرو بن سراقہ نے بصرہ والوں کی طرف سے دربار خلافت میں درخواست کی کہ کوفہ کے وسیع علاقہ سے ماہ یا ماسبندان کا پرگنہ بصرہ میں شامل کردیا جائے، کوفہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما والی کوفہ سے خواستگار ہوئے، کہ وہ اس کی مخالفت کریں اور رامہرمز وایذج کے اضلاع پر بھی اپنا دعویٰ پیش کریں، کیونکہ ان دونوں کو اہل بصرہ کی اعانت وامداد کے بغیر ہم لوگوں نے فتح کیا تھا، لیکن حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے سرد مہری کے ساتھ اس کو ٹال دیا، اور فرمایا: "مجھے ان جھگڑوں کی کیا ضرورت ہے؟" اس پر ایک کوفی رئیس عطارد نے غضبناک ہوکر کہا "اے کن کٹے! پھر تو ہم سے خراج کس بنا پر طلب کرتا ہے؟" حضرت عمار رضی اللہ عنہ صرف یہ کہہ کر خاموش ہو رہے "افسوس! تم نے میرے سب سے زیادہ بہتر اور محبوب کان کو گالی دی۔" (۳)

غرض حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں بالکل غیر جانبداری اختیار کرلی، اور کوفہ والوں کے احتجاج کے باوجود رامہرمز، ایذج اور ماہ کا علاقہ بصرہ میں شامل کردیا گیا، یہ نقصان ایسا نہ تھا جو والی کی طرف سے اہل کوفہ کے دلوں میں ناراضی کی گرہ نہ ڈالتا، اس کے بعد ہی شکوہ شکایت اور سازش کا سلسلہ شروع ہوا، اور امیر المؤمنین کو باور کرایا گیا کہ وہ اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتے، انجام کار دارالخلافہ بلاکر اس عہدہ سے معزول کئے

۱۔طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۱ ۲۔طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۲ ۳۔تاریخ طبری، ص ۲۶۷۶

گئے۔(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزولی کے بعد دوسرے روز بلا کر پوچھا کہ "تم میرے اس طریق عمل سے کچھ ناراض تو نہ ہوئے؟" بولے "جب آپ پوچھتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ میں نہ تو پہلے اپنی تقرری سے خوش ہوا تھا اور نہ اب اپنی معزولی سے ناراض ہوں"۔(۲)

تحقیقات پر مامور ہونا:

خلیفہ ثالث کے عہد حکومت میں تمام ملک شورش وفتنہ پردازی کی آماجگاہ ہوگیا، ۳۵ھ میں خلیفہ وقت نے اس شورش کے اصلی اسباب کی تحقیق وتفتیش کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مرتب کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی اس کے ایک رکن قرار پائے اور فتنہ پردازی کے اصل مرکز صوبہ مصر کی طرف روانہ کئے گئے۔

خلیفہ ثالث سے اختلاف:

تحقیقاتی کمیشن کے تمام ارکان نے بہت جلد اپنے متعلقہ مقامات سے واپس آ کر قابل اطمینان رپورٹ پیش کردی، لیکن حضرت عمار کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی، اور دارالخلافہ میں ان کی نسبت طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے، یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ والی مصر کے ایک خط نے توقف کی اصلی وجہ ظاہر کردی اس خط کے فقرے یہ ہیں:

ان عمار اقد استماله قوم بمصر وقد انقطعواالیه منهم عبدالله بن السوداء وخالد بن ملجم وسودان بن حمران وکنانة بن بشر۔

"عمار کو مصر کی ایک قوم نے اپنا طرفدار بنالیا ہے اور ان میں سے عبداللہ بن السودا اور خالد بن ملجم سودان بن حمران اور کنانہ بن بشر ان کی طرف جا ملے ہیں"۔

غرض وہ مصر سے واپس آئے تو انقلاب پسند جماعت کا اثر ان کے خیالات میں نمایاں تھا۔(۳) عام مجمعوں میں علانیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت اور اعمال کی بے اعتدالیوں پر نکتہ چینی کرتے تھے، یہاں تک کہ اسی حالت میں کبھی کبھی طرف داران خلافت سے جھڑپ بھی ہوگئی، ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں نے ان کو اس قدر مارا کہ تمام جسم ورم کر گیا، شکم میں خراش آ گئی، اور پسلی کی ایک ہڈی کو سخت صدمہ پہنچا، بنی مخزوم نے جن سے جاہلیت میں حلف وموالات کا تعلق تھا یہ سن کر کاشانہ خلافت کو گھیر لیا اور دھمکی دی کہ اگر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اس صدمہ سے جانبر نہ ہوں گے تو ہم ضرور انتقام لیں گے۔(۴) اس قسم کی واقعات سے اختلاف کی خلیج روز بروز زیادہ وسیع ہوتی گئی، یہاں تک کہ جب مصری مفسدین مدینہ پہنچے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معرفت کہلا بھیجا کہ وہ اپنے اثر سے ان کو واپس کردیں تو انہوں نے صاف انکار کردیا۔(طبری) بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محاصرہ کی کارروائی میں شریک تھے۔

سفارت کوفہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کا بارگراں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر ڈالا گیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو ان سے جو خاص انس وخلوص تھا اس کے لحاظ سے تمام مہمات امور میں وہ ان کے دست وباز وثابت ہوئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

۱۔تاریخ طبری، ص ۲۶۷۷ ۲۔ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۳

۳۔تاریخ طبری، ص ۲۹۴۳ ۴۔استیعاب، ج۲، ص ۴۳۴

وغیرہ نے جب شہید خلیفہ کے قصاص کا مطالبہ کر کے جنگی تیاریوں کے لئے بصرہ کا رخ کیا تو خلیفہ چہارم کے حکم سے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے کہ اہل کوفہ کو خلافت کے تحفظ وحمایت پر آمادہ کریں۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے غیر جانبداری کا وعظ بیان فرما رہے تھے، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: ''تم ابھی ہماری مسجد سے نکل جاؤ'' اور منبر پر کھڑے ہو کر ایک نہایت پر جوش تقریر کی''۔(۱) حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ منبر پر چڑھ گئے اور تقریر کرتے ہوئے فرمایا: ''صاحبو! بیشک میں جانتا ہوں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا اور آخرت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں، لیکن اس وقت خدا تمہاری آزمائش کر رہا ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری کرتے ہو یا عائشہ رضی اللہ عنہا کا ساتھ دیتے ہو۔(۲) حجر بن عدی نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی تائید کی، اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانباز سپاہیوں کی ایک فوج گراں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئی۔(۳)

جنگ جمل:

ماہ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں دونوں طرف کی فوجیں مقام ذی قار میں مجتمع ہوئیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہیں تو انہیں نظر آنے لگا کہ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حق عمار (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہے اور باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اس کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی بات یاد دلائی کہ وہ اسی وقت اس خانہ جنگی سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمعرات کے روز جنگ ہوئی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ میسرہ پر متعین تھے، چونکہ انہیں یقین تھا کہ وہ حق کا ساتھ دے رہے ہیں، اس لئے غیر معمولی جوش سے لڑے، یہاں تک کہ حامیان خلافت کی فتح پر اس افسوس ناک جنگ کا خاتمہ ہوا۔(۴)

جنگ صفین:

جنگ جمل کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صفین کا معرکہ پیش آیا، حضرت عمار رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھے، اس وقت ۹۱ برس کا ان کا سن تھا، لیکن حمایت حق کے جوش نے اکانوے برس کے بوڑھے کو شجاعت وجانبازی کا مجسم پتلا بنا دیا تھا، رعد کی طرح گرجتے ہوئے جس طرف گھس جاتے تھے صفیں کی صفیں درہم برہم کر دیتے تھے، ایک دفعہ اثنائے جنگ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے علم بردار حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی تو بولے ''میں اسی علمبردار سے تین دفعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں لڑ چکا ہوں، اب یہ چوتھی مرتبہ ہے، خدا کی قسم اگر وہ ہم کو شکست دیتے ہوئے مقام ہجر تک بھی پسپا کر دیں جب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ ہم لوگ حق پر ہیں، اور وہ غلطی پر''۔(۵)

شہادت:

ایک روز شام کے وقت جب آفتاب غروب ہو رہا تھا، اور جنگ پورے زور کے ساتھ جاری تھی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ دودھ کے چند گھونٹ حلق سے فرو کر کے بولے ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ دودھ کا یہ گھونٹ تیرے لئے دنیا کا آخری توشہ ہے''۔ اور کہتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے کہ ''آج میں اپنے دوستوں سے ملوں گا، آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے گروہ سے ملوں گا''۔(۶) کچھ ایسے عزم واستقلال سے

۱۔اخبار الطوال، ص ۱۴۶ ۲۔مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۶۵ ۳۔اخبار الطوال، ص ۱۴۷
۴۔اخبار الطوال، ص ۱۴۹ ۵۔طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۵ ۶۔طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۵

حملہ آور ہوئے تھے کہ جس طرف نکل گئے پرے کا پرصاف ہو گیا، اور جس پر وار کیا ڈھیر ہو کر رہ گیا، واقف کار مسلمان ان پر ہاتھ اٹھانے سے پہلو بچاتے تھے، لیکن اسی حالت میں ابن الغادیہ کے نیزہ نے ان کو مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، اور ایک دوسرے شامی نے بڑھ کر سرتن سے جدا کر دیا۔ یہ دونوں قاتل جھگڑتے ہوئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے، کیونکہ ان میں ہر ایک اس کارنامہ کو اپنی طرف منسوب کرتا تھا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حاضر دربار تھے، انہوں نے کہا: ''خدا کی قسم یہ دونوں جہنم کے لئے جھگڑ رہے ہیں'' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے برہم ہو کر کہا: ''عمرو! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ جو لوگ ہمارے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں، ان کو ایسا کہتے ہو''۔ بولے: ''خدا کی قسم ایسا ہی ہے، کاش آج سے بیس برس پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی''۔(۱)

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے سخت پریشانی لاحق ہوئی اور اس جنگ سے کنارہ کش ہونے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ عمار (رضی اللہ عنہ) کے قاتل ہم نہیں ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو ان کو میدان جنگ میں لائی۔(۲)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے درحقیقت حق و ناحق کا فیصلہ ہو گیا، حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ جنگ جمل اور معرکہ صفین میں شریک تھے، لیکن اس وقت تک کسی طرف سے اپنی تلوار بے نیام نہیں کی تھی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت نے ثابت کر دیا کہ انہیں حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا چاہئے چنانچہ اس کے بعد تلوار کھینچ کر شامی فوج پر ٹوٹ پڑے اور شدید کشت و خون کے بعد شہادت حاصل کی۔(۳) اسی طرح تمام دوسرے محتاط صحابہ بھی جو پس و پیش کر رہے تھے، اس صریح فیصلہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرفدار ہو گئے۔

تجہیز و تکفین:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے مونس و جانثار کی شہادت کی خبر سنی تو آہ سرد کھینچ کر فرمایا: ''خدا نے عمار رضی اللہ عنہ پر رحم کیا، جس دن اسلام لائے، خدا نے رحم کیا، جس دن شہید ہوئے، اور خدا ان پر رحم کرے گا، جس دن زندہ اٹھائے جائیں گے میں نے ان کو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا تھا جب کہ صرف چار یا پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اعلان ایمان کی توفیق عطا ہوئی تھی، قدیم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ان کی مغفرت میں شک نہیں کر سکتا، عمار رضی اللہ عنہ اور حق لازم و ملزوم تھے، اس لئے ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہوگا'' اس کے بعد تجہیز و تکفین کا حکم دیا، خود جنازہ کی نماز پڑھائی اور خود آلود پیراہن کے ساتھ ۹۱ برس کی عمر میں اسی حامی حق کو زیر زمین نہاں کر دیا۔(۴) انا للہ وانا الیہ راجعون، کوفہ کی زمین کو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن میں لینے کا یہ پہلا موقع تھا۔(۵)

اخلاق:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا معدن اخلاق گراں مایہ جواہر سے لبریز تھا۔ جفاکشی، استقامت استقلال اور حقانیت کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں، ورع و تقویٰ کے باعث سکوت و کم سخنی ان کا خاص شعار تھا، فتنہ و فساد سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے، لیکن خدا نے سب سے بڑے فتنہ میں ان کا امتحان لیا اور کامیابی کے ساتھ حق کا طرف دار بنا دیا۔(۶)

سادگی، تواضع اور خاکساری کا یہ حال تھا کہ فرش خاک ان کے لئے سب سے زیادہ راحت بخش بستر تھا، غزوۂ ذات العشیرہ کے موقع پر بنی مدلج کے چند آدمی ایک نخلستان سے نہر نکال رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا ''ابو الیقظان چلو دیکھیں یہ لوگ کیا کر رہے ہیں، غرض وہاں پہنچ کر گھنٹوں تماشا دیکھتے رہے، یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہوا، اور دونوں اسی جگہ ایک درخت کے نیچے فرش خاک پر بے تکلفی کے ساتھ سو رہے۔(۷)

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۵ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۰ و مستدرک وحاکم، ج ۳، ص ۳۸۷
۳۔ طبقات ابن سعد قسم اول، جزء ثالث، ص ۱۸۷ ۴۔ طبقات ابن سعد قسم اول، جزء ثالث، ص ۱۸۷ ۵۔ مستدرک، ج ۳، ص ۳۸۲
۶۔ طبقات ابن سعد قسم اول، جزء ثالث، ص ۱۸۳ ۷۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۶۳

عہد فاروقی میں کوفہ کے والی تھے، لیکن ایک گورنر کی سادگی و بے تکلفی یہ تھی کہ خود بازار جا کر سودا سلف خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے تھے، اسی طرح اپنا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا، اثنائے گفتگو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آیا تو ایک شخص نے جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیراہن میں پیوند ٹانک رہا تھا، برہم ہو کر کہا "اے فاسق کیا تو امیر المؤمنین کی مذمت کر رہا ہے؟" میرے دوست نے عفو خواہی کر کے کہا "ابوالیقظان! جانے دو یہ میرے مہمان ہیں" اس وقت میں نے پہچانا کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما یہی ہیں۔(۱)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ہر ایک قدم صرف خدائے پاک کی خوشنودی و رضامندی کی راہ میں اٹھتا تھا، جنگ جمل اور غزوۂ صفین میں بھی درحقیقت اسی مطمح نظر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیر علم لا کر کھڑا کیا، صفین کی فوج کشی میں ساحل فرات کی راہ سے میدان جنگ کی طرف بڑھ رہے تھے، اور بار بار کہتے جاتے تھے "اے خدا! اگر میں جانتا کہ پہاڑ سے کود کر، آگ میں جل کر یا پانی میں ڈوب کر جان دینا تیری خوشنودی کا باعث ہوگا تو ضرور تجھے خوش کرتا، میں لڑنے جاتا ہوں، لیکن اس میں بھی تیری رضا جوئی مقصود ہے، امید ہے کہ اس مقصد میں تو مجھے ناکام نہ رکھے گا"۔(۲) آپ کی عظمت اور قوت ایمانی کا ضامن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ "عمار کے رگ و پے میں ایمان سرایت کئے ہوئے ہے" اور شیطان سے مامون رہنے کی دعا ہے۔(۳)

مذہبی زندگی:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو خدائے واحد کی عبادت و پرستش میں خالص لطف حاصل ہوتا تھا۔ رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت:

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَقَائِماً يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ (۴)

"کیا وہ شخص جو رات کو بندگی کرتا ہے سجدہ کر کے اور کھڑا ہو کر آخرت سے خوف کھاتا ہے اور اپنے خدا کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے (کہیں نافرمان بندوں کے برابر ہو سکتا ہے)"۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہی کی نسبت نازل ہوئی ہے۔(۵) خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ کو نماز کی اصل روح سمجھتے تھے، ایک دفعہ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو جلدی جلدی دوگانہ ادا کر کے بیٹھ رہے، لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس قدر عجلت کیوں کی؟ بولے "اس وقت مجھے شیطان سے مسابقت کرنا پڑی"۔(۶) معذوری کی حالت میں بھی نماز قضا نہیں ہوتی تھی، ایک مرتبہ سفر کے موقع پر غسل کی حاجت پیش آئی اور باوجود سعی و کوشش پانی دستیاب نہ ہوا چونکہ جانتے تھے کہ مٹی پانی کا نعم البدل ہے، اس لئے تمام جسم پر خاک مل کر نماز پڑھ لی، جب سفر سے واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو ارشاد ہوا "ایسی حالت میں بھی صرف تیمم کافی ہے"۔(۷)

جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر پر بیٹھ کر عموماً سورہ یٰسین تلاوت فرماتے تھے۔(۸) خطبہ نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا اور اس میں ایجاز واختصار خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، ایک دفعہ کسی نے اس اختصار پر اعتراض کیا تو بولے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ نماز کو طول دینا اور خطبہ مختصر کرنا انسان کی سمجھ کی علامت ہے"۔(۹)

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۲ ۲۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۴ ۳۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۹۳
۴۔ زمر: ۹ ۵۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۸۷ ۶۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۶۳ ۷۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۶۳
۸۔ طبقات ابن سعد قسم جزء ثالث، ص ۱۸۲ ۹۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۲۶۳

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد بلند و بالا، نرگسی آنکھیں، سینہ چوڑا اور بدن خوب بھرا ہوا، شہادت کے وقت گوان کی عمر نوے اکانوے برس کی تھی۔ تاہم بظاہر پیری کے آثار بہت کم طاری ہوئے تھے۔(۱)

۴۔ حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ حسن صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چونسٹھویں (۶۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عائش بن انس رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقبول اور علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

☆ حضرت عائش بن انس رحمۃ اللہ علیہ سے آئمہ صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، سند کے باقی راوی آئمہ صحاح ستہ کے متفق علیہ راوی ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، اگلے تین مکی اور آخری دو کوفی راوی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (عمرو، عطاء، عائش) راوی ہیں۔

☆ سند کے صحابی راوی حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجھہ الکریم اہل بیت اطہار کے سرخیل، خلیفہ راشد چہارم اور دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت، حدثنا، قال ایک ایک دفعہ، جبکہ عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

امدت: میں نے حکم دیا۔ میں نے کہا	یسال: وہ سوال کرے۔ وہ پوچھے	یکفی: وہ کافی ہے

۱۵۵۔ أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ أَنْبَأَنَا أُمَيَّةُ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ أَنَّ رَوْحَ بْنَ الْقَاسِمِ حَدَّثَهُ عَنِ ابْنِ أَبِي نُجَيْحٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ إِيَاسِ بْنِ خَلِيفَةَ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَ عَمَّارًا أَنْ يَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ فَقَالَ "يَغْسِلُ مَذَاكِيرَهُ وَيَتَوَضَّأُ"

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے پوچھنے کو کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ شرمگاہ کو دھوئے اور وضو کرے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۱۔ طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث، ص ۱۸۹۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، مہاجرین اول، ص ۲۱۴۔۲۲۲

۲۔اطراف:

السنن الکبریٰ:۱۵۵،تحفۃ الاشراف:۳۳۵۰

تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں دس راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی چھ کے درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔عثمان بن عبداللہ: آپ کا نام ابوعمرو عثمان بن عبداللہ بن محمد بن خرزاد بصری انطا کی (م:۲۸۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ صغار سے ثقہ، حافظ، صدوق راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔امیۃ: آپ کا نام ابوبکر امیہ بن بسطام عیشی بصری (م:۲۳۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے صدوق راوی ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔یزید بن زریع: راجع:۱۰۸

۴۔روح بن القاسم: آپ کا نام ابوغیاث روح بن قاسم تمیمی عنبری بصری (م:۱۴۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، حافظ، متقن راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاھت واتقان پر متفق ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۵۔ابن ابی نجیح: آپ کا نام ابویسار عبداللہ بن ابی نجیح یسار ثقفی، مکی (م:۱۳۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صالح الحدیث راوی ہیں، البتہ قدریہ عقائد کی طرف مائل اور مدلس راویوں میں سے ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۶۔عطاء: راجع:۱۵۴

۷۔ایاس بن خلیفۃ: آپ کا نام ایاس بن خلیفہ بکری مکی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے صدوق، قلیل الحدیث راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۵)

۸۔حضرت رافع رضی اللہ عنہ بن خدیج:

نام ونسب:

رافع نام، ابوعبداللہ کنیت، قبیلہ اوس سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، رافع ابن خدیج بن رافع بن عدی بن زید بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس، والدہ کا نام حلیمہ بنت عروہ بن مسعود بن سنان بن عامر بن عدی بن امیہ بن بیاضہ ہے۔

۱۔i۔تقریب التھذیب، ج۲،ص۱۴ ii۔تھذیب الکمال، ج۷،ص۴۲

۲۔i۔الجرح والتعدیل، ج۲،ص۳۴۷ ii۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۹۳

۳۔i۔تاریخ الدوری، ج۲،ص۱۶۹ ii۔العلل (ابن حنبل)، ج۱،ص۴۰۶

۴۔i۔طبقات ابن سعد، ج۵،ص۴۸۳ ii۔تاریخ الثقات، ص۲۸۱

۵۔i۔الثقات، ج۴،ص۳۴ ii۔طبقات ابن سعد، ج۵،ص۳۵۱

قبیلہ اوس میں عبدالاشہل اور حارثہ دو برابر کی طاقتیں تھیں، ان میں جنگ وجدل کا بازار گرم رہتا تھا، اسید بن حضیر کے دادا سماک بن رافع کو انہی لوگوں نے ایک معرکہ میں قتل کیا تھا، اور ان کے خاندان کو شہر بدر کر دیا تھا، حضیر بن سماک نے بنو حارثہ کا محاصرہ کر کے اپنے باپ کا انتقام لیا، اور ان کو شکست دے کر خیبر میں جلاوطن کر دیا، بنو حارثہ ایک سال تک خیبر میں سکونت پذیر رہے، اس کے بعد حضیر کو رحم آیا، اور مدینہ میں بود و باش کرنے کی اجازت دی۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے آباؤ اجداد بنو حارثہ کے رئیس اور سردار تھے، باپ اور چچا کے بعد یہ مسند حضرت رافع رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی اور وہ تمام عمر اس پر متمکن رہے۔

اسلام:

ہجرت کے وقت صغیر السن تھے، تاہم اسلام کا نغمہ دل میں گھر کر چکا تھا، اس کے علاوہ ان کے دو چچا ظہیر اور مظہر بھی شرف ایمان حاصل کر چکے تھے۔

غزوات:

غزوۂ بدر میں ۱۴ سال کا سن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑائی میں شریک ہونے کے ارادہ سے حاضر ہوئے، آپ نے کمسن خیال کر کے واپس کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انصار کے لڑکے ہر سال پیش ہوتے تھے، (۱) چنانچہ دوسرے سال رافع بھی پیش ہوئے۔ اس وقت وہ پندرہ سالہ تھے، اس لئے شرکت کی اجازت مل گئی تو ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔

ایک صحابی سمرہ بن جندب بھی لڑکوں کی جماعت میں تھے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صغرسنی کی وجہ سے شامل نہیں فرمایا تھا، بولے کہ آپ نے رافع کو اجازت دے دی اور مجھ کو چھوڑ دیا، حالانکہ میں کشتی میں ان کو پچھاڑ دوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقابلہ کرایا۔ سمرہ دیکھنے میں چھوٹے تھے، لیکن طاقتور تھے، رافع کو پچھاڑ دیا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی میدان کی اجازت دے دی۔ (۲)

ہم نے یہ روایت طبری سے لی ہے، اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ موجود ہے، لیکن ان میں رافع کے نام کی تصریح نہیں۔ (۳) اس غزوہ میں ان کے سینہ پر تیر لگا جو ہڈیوں کو توڑ کر اندر گھس گیا، لوگوں نے کھینچا تو نوک اندر رہ گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہاری نسبت قیامت میں شہادت دوں گا۔ غزوۂ خندق اور اکثر معرکوں میں شامل رہے۔

معرکہ صفین میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

وفات:

تیر کی نوک جو اندر رہ گئی تھی ایک عرصہ کے بعد اس نے زخم پیدا کر دیا، اور اسی صدمہ سے جان بحق تسلیم ہوئے، نہلاتے میں عصر کا وقت آ گیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مغرب سے پیشتر نماز جنازہ پڑھ لینی چاہئے۔ جنازہ کفنا کر باہر لایا گیا، اور اس پر سرخ چادر ڈالی گئی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، (۴) جنازہ کے ساتھ آدمیوں کی بڑی کثرت تھی۔ عورتیں بین کرتی اور چیختی ہوئی نکلیں تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا خدا کے لئے ان کے حال پر رحم کرو، یہ پیر مرد عذاب الٰہی برداشت نہ کر سکیں گے۔

وفات کے وقت ۸۶ برس کا سن تھا، سنہ وفات میں اختلاف ہے امام بخاری نے تاریخ اوسط میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں انتقال کیا، باقی

۱۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۳۵۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ طبری، ج ۳، ص ۱۳۹۲ ۴۔ مسند ابن حنبل، ج ۴، ص ۱۴۱

مؤرخین کی رائے ہے کہ ۷۴ھ کی ابتداء تھی اور عبدالملک بن مروان سریر خلافت پر تھا۔ ترکہ میں حسب ذیل چیزیں چھوڑیں: لونڈی، غلام، اونٹ، زمین۔(۱)

حلیہ:

مفصل حالات معلوم نہیں اتنا علم ہے کہ مونچھ باریک رکھتے تھے، اور خضاب لگاتے تھے۔

اہل وعیال:

حسب ذیل اولاد چھوڑی، عبداللہ، رفاعہ، عبدالرحمٰن، عبیداللہ، سہل، عبیدان میں اول الذکر اپنی مسجد کے امام تھے، عبیدام ولد سے تولد ہوئے تھے، باقی لڑکے دو بیویوں سے پیدا ہوئے، جن کے نام یہ ہیں، لبنیٰ بنت قرۃ بن علقمہ بن علاثہ بن اسماء بنت زیادہ بن طرفہ بن معاذ بن حارث بن مالک بن نمر بن قاسط بن ربیعہ۔ ان لوگوں کی اولاد مدینہ اور بغداد میں سکونت پذیر تھی۔

فضل وکمال:

حدیث کی کتابوں میں ان کے سلسلہ سے ۷۸ روایتیں منقول ہیں، راویوں میں صحابہ اور تابعین دونوں گروہ کے لوگ شامل ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں، ابن عمر، محمود بن لبید، سائب بن یزید، اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہم، مجاہد، عطا، شعبی، عبایہ بن رفاعہ، عمرہ بنت عبدالرحمٰن، سعید بن مسیب، نافع بن جبیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، ابوالنجاشی، سلیمان ابن یسار، عیسیٰ، عثمان بن سہل، ہریر بن عبدالرحمٰن، یحییٰ بن اسحاق، ثابت بن انس بن ظہیر، حنظلہ بن قیس، نافع، واسع بن حبان، محمد بن یحییٰ، عبیداللہ بن عمرو بن عثمان رحمہ اللہ علیہم۔

اخلاق:

امر بالمعروف اور اطاعت رسول، معدن اخلاق کے تابناک جواہر پارے ہیں۔

ایک مرتبہ نعمان انصاری کے غلام نے چھوہارے کا ایک چھوٹا سا درخت کسی کے باغ سے اکھیڑ دیا، مروان کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، اس نے چوری کا جرم عائد کر کے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر لیا تو رافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھل میں قطع ید نہیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اپنی زمین کرایہ پر اٹھاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت تک اسی پر ان کا عمل رہا، بعد میں خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے اور رافع کے پاس اس کی حدیث ہے، چنانچہ رافع کو لے کر حضرت رافع کے پاس گئے اور حدیث سنی، اس کے بعد کرایہ لینا چھوڑ دیا، یہ مسلم کی روایت ہے۔ مسند میں ہے کہ خود ابورافع نے ان کو یہ حدیث سنائی تھی۔(۲)

مروان نے ایک مرتبہ خطبہ دیا، جس میں کہا کہ مکہ حرم ہے، رافع موجود تھے پکار کر کہا اگر مکہ حرم ہے تو مدینہ بھی حرم ہے اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے، میرے پاس اس کی حدیث لکھی ہوئی ہے، اگر چاہو تو دکھا سکتا ہوں، مروان نے جواب دیا ہاں وہ حدیث میں نے سنی ہے۔(۳)

اطاعت رسول کے لئے واقعات ذیل کافی ہیں:

ایک مرتبہ ان کے چچا ظہیر نے آ کر بیان کیا کہ آج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کی ممانعت فرمائی ہے، حالانکہ ہم لوگوں کو اس سے کچھ آسانی تھی،

۱۔ مسند ابن حنبل، ج ۴، ص ۱۴۱　۲۔ صحیح مسلم، ج ا، ص ۶۱۵، مسند، ج ۳، ص ۴۶۳　۳۔ مسند، ج ۴، ص ۱۴۱

رافع نے جواب دیا،عم محترم جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہی حق ہے۔(۱)

ایک روز بیوی سے ہم بستر تھے،عین اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ نے آواز دی،فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور غسل کر کے باہر نکل آئے۔(۲)

۹۔علی: راجع:۹۱ ۱۰۔عمار: راجع:۱۵۴

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے،اس کے متابعات متعدد ہیں۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے سنن نسائی صغریٰ کی یہ چوتھی (۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں،البتہ حضرت ایاس بن خلیفہ صدوق راوی ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری،اگلے تین مکی ہیں،آخری تین راوی صحابی ہیں۔

☆ اس سند میں تین صحابی راوی (رافع رضی اللہ عنہ،علی رضی اللہ عنہ،عمار رضی اللہ عنہ) ہیں۔

☆ اس میں دو تابعی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ نے زندگی میں شہادت اور جنت کی خوشخبری دی تھی۔

☆ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل دوسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا،انبانا،قال ایک ایک دفعہ،حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یغسل: وہ دھوئے مذاکیر: مرد کی شرمگاہ،آلہ تناسل

۱۵۶۔أَخْبَرَنَا عُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَرْوَزِيُّ عَنْ مَالِكٍ - وَهُوَ ابْنُ أَنَسٍ - عَنْ أَبِي النَّضْرِ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَلِيًّا أَمَرَهُ أَنْ يَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ إِذَا دَنَا مِنْ أَهْلِهِ فَخَرَجَ مِنْهُ الْمَذْيُ مَاذَا عَلَيْهِ فَإِنَّ عِنْدِي ابْنَتَهُ وَأَنَا أَسْتَحِي أَنْ أَسْأَلَهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ "إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ ذٰلِكَ فَلْيَنْضَحْ فَرْجَهُ وَيَتَوَضَّأْ وُضُوءَهُ لِلصَّلَاةِ"

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کہ اس آدمی کے بارے میں،جو اپنی زوجہ کے قریب ہوتا ہے اور مذی نکلتی ہے،وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھیں،اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیونکہ میرے نکاح میں آپ ﷺ کی صاحبزادی ہیں،اس لئے مجھے پوچھتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ (حضرت مقداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے نبی کریم ﷺ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو ایسی صورت حال پیش آئے،تو وہ اپنی شرمگاہ دھوئے،اور نماز جیسا وضو کرے۔

۱۔مسلم،ج ا،ص ۶۱۶ ۲۔مسند،ج ۴،ص ۱۴۳۔سیر الصحابۃ،ج ا،حصہ انصار،ص ۲۰۸۔۲۱۱

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۲۳۷، مسلم: ۳۰۳، ابوداؤد: ۲۰۷، ابن ماجہ: ۵۰۵، احمد: ۱۰۰۹، موطا، ج۱، ص۴۰، ابن خزیمہ: ۲۱، ابن حبان: ۱۱۰۱، ۱۱۰۶، الفتح الربانی، ج۱، ص۹، السنن الکبریٰ: ۱۴۸

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں، ایک کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔عقبۃ بن عبداللہ: راجع: ۹۸ ۲۔مالک: راجع: ۱۹

۳۔ابوالنضر: راجع: ۱۲۱

۴۔سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

سلیمان نام، ابوتراب کنیت، ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی غلامی کا شرف رکھتے تھے، پھرانہوں نے ان کو مکاتب بنادیا تھا، اس غلام نے سلیمان کو علم وعمل کی دولت سے مالامال کردیا تھا۔

حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آمدورفت:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے توسل سے سلیمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی خدمت میں آتے جاتے تھے، اوران کی غلامی کے زمانہ تک ان سے پردہ نہ کرتی تھیں۔ خود سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوکر باریابی کی اجازت چاہی، آپ نے آواز پہچان کرفرمایا، تم نے آزادی کے متعلق جو طے کیا تھا، اسے پورا کیا، میں نے عرض کیا، ہاں لیکن ابھی تھوڑا ساباقی ہے، فرمایا تو اندر چلے آؤ، تم اس وقت تک غلام ہو جب تک تمہارا ذمہ کچھ بھی باقی ہے۔(۱)

فضل وکمال:

سلیمان اولاً خود ذاتی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے نہایت ذہین اور سمجھدار تھے۔(۲) پھر انہیں امیر المؤمنین کی غلامی کے تعلق سے مدینہ میں رہنے والے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا تھا، اس لئے وہ مدینہ کے ممتاز ترین علماء میں ہوگئے،(۳) امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور علمی کمال پر سب کا اتفاق ہے۔(۴)

قرآن:

ان کو قرآن مجید، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فقہ، جملہ علوم میں درک تھا، قرآن کے ممتاز قاریوں میں تھے۔(۵)

۱۔ابن سعد، ج۵، ص۱۳۰ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۷۹ ۳۔تہذیب الاسماء، ج۱، ق اول، ص۲۳۴
۴۔ایضاً، ص۳۵ ۵۔تہذیب التہذیب، ج۴، ص۲۲۹

حدیث:

جس گھر کے وہ ملازم تھے، وہ حدیث نبوی ﷺ کا سرچشمہ تھا، اس لئے قدرتاً احادیث نبوی ﷺ کا معتد بہ ذخیرہ ان کے حصہ میں آیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ عالی مرتبہ، رفیع المنزلت فقیہ، اور کثیر الحدیث تھے۔(۱)

انہوں نے حدیث میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور میمونہ رضی اللہ عنہا کے خرمن کمال سے زیادہ خوشہ چینی کی تھی ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، فضل ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، مقداد بن اسود، عبداللہ بن حذافہ سہمی اور عام محدثین میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہم، عبداللہ بن حارث بن نوفل، عبدالرحمٰن بن جابر، عراک بن مالک، مالک بن ابی عامر اصبحی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے فیض یاب ہوئے تھے۔(۲)

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعض کے نام یہ ہیں، عمرو بن دینار، عبداللہ بن دینار، عبداللہ بن فضل ہاشمی، ابوالزناد، بکیر بن الاشج جعفر بن عبداللہ، ابن حکم، سالم، ابوالنصر، صالح بن کیسان، عمرو بن میمون، محمد بن ابی حرملہ، زہری، مکحول، نافع، یحییٰ بن سعید انصاری، یعلی بن حکیم اور یونس بن سیف رحمہ اللہ علیہم وغیرہ۔(۳)

فقہ:

مگران کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ علم اور آئمہ اجتہاد میں تھے،(۴) وہ مدینہ کے ان سات مشہور فقہاء میں تھے، جو اس عہد کے امام فقہ مانے جاتے تھے،(۵) مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے، قتادہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ یہاں طلاق کے مسائل کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے سلیمان بن یسار کا نام بتایا۔(۶) بعض علماء فقہ میں انہیں ان آئمہ پر جن کی علمی عظمت مسلم تھی، ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے حسن انہیں سعید بن مسیب سے زیادہ فہیم سمجھتے تھے، خود ابن مسیب کے اتنے معترف تھے کہ جب ان کے پاس کوئی مستفتی آتا تھا، تو اسے سلیمان کے پاس بھیج دیتے تھے۔(۷) اور فرماتے تھے موجودہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم وہی ہیں۔(۸)

زہد وورع:

زہد وعبادت کے اعتبار سے بھی ممتاز شخصیت رکھتے تھے، ابوزرعہ کا بیان ہے کہ سلیمان بن یسار مدنی فاضل اور عبادت گزار تھے۔(۹) عجلی ان کے فضائل علمی کے ساتھ ان کی عبادت وریاضت کی بھی شہادت دیتے تھے۔(۱۰)

عفت:

بڑے عفیف وپاک دامن تھے، اگرچہ تابعین کی مقدس جماعت کے لئے عفت وپاک دامنی کوئی بڑا وصف نہیں ہے، لیکن ترغیبات اور آزمائش وامتحان کے موقع پر پورا اترنا ہر شخص کے لئے کمال ہے، سلیمان نہایت حسین وجمیل شخص تھے، ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کے گھر کے

۱۔ابن سعد، ج۵،ص۱۳۰ ۲۔تھذیب التھذیب، ج۴،ص۲۲۸ ۳۔ایضاً ۴۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۷۹

۵۔تھذیب الاسماء وتذکرۃ الحفاظ حوالہ مذکور ۶۔ابن خلکان، ج۱،ص۲۱۳ ۷۔ابن خلکان، ج۱،ص۲۱۳

۸۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۷۹ ۹۔شذرات الذھب، ج۱،ص۱۲۴ ۱۰۔تھذیب الاسماء، ج۱، ق۱،ص۲۳۵

اندر دام ڈالنا چاہا، آپ گھر سے نکل کر بھاگ گئے۔(۱)

وفات:

آپ کے زمانہ کے بارے میں کئی روایتیں ہیں، ان سب میں زیادہ معتبر یہ ہے کہ ۱۰۷ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت ۷۳ سال کی عمر تھی۔(۲)

۵۔المقداد بن الاسود: راجع: ٦١۵٣۔علی: ۹۱

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ انسٹھویں (۵۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عتبہ بن عبداللہ صدوق ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی مدنی ہیں، البتہ حضرت عتبہ مروزی ہیں۔

☆ حضرت عتبہ کے علاوہ باقی تمام راوۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں دو تابعی (ابونفر، سلیمان) اور دو صحابی (حضرت مقداد رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ) ہیں۔

☆ سند میں عن مالک۔وھوابن انس۔سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف عن انس کہا تھا، اور راوی نے وضاحت کے لئے، وھوابن انس، کے الفاظ اپنی طرف سے استعمال کئے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہے۔

٦۔لغات:

دنا: وہ قریب ہوا استحی: مجھے شرم محسوس ہوتی ہے

وجد: وہ پائے فلینفح: وہ دھوئے

فرجه: اپنی شرمگاہ

۱۵۷۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ أَخْبَرَنِي سُلَيْمَانُ قَالَ سَمِعْتُ مُنْذِرًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اسْتَحْيَيْتُ أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذْيِ مِنْ أَجْلِ فَاطِمَةَ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْأَسْوَدِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ "فِيهِ الْوُضُوءُ"

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں پوچھتے ہوئے شرم محسوس ہوتی تھی، کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے نکاح میں تھیں، میں نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا، ان کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس میں وضو ہے۔

۱۔تھذیب التھذیب، ج۴، ص۲۳۰ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۷۰۔سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام، ص۱۲۸۔۱۳۰

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے، کیونکہ مذی کے بارے میں سوال و جواب ہے

۲۔اطراف:

تقدم:۴۳۶، بخاری:۱۳۲، ۱۷۸، مسلم:۳۰۳، احمد:۱۰۱۰، مسند بزار:۶۵۰۔۶۵۹، السنن الکبریٰ:۱۴۹، تحفۃ الاشراف:۱۰۲۶۴

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کیے جاتے ہیں:

ا۔محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع:۵ ۲۔خالد: راجع:۴۷

۳۔شعبۃ: راجع:۲۶ ۴۔سلیمان: راجع:۱۸

۵۔منذر: آپ کا نام ابویعلیٰ منذر بن یعلیٰ ثوری کوفی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

محمد نام، ابوالقاسم کنیت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند اور حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کے سوتیلے بھائی تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد کئی شادیاں کیں، ان بیویوں میں ایک خاتون خولہ المعروف بہ حنفیہ تھیں، خولہ کے نسب کے بارے میں مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں، بعض انہیں جنگ یمامہ کے قیدیوں میں لکھتے ہیں، بعض سندھی النسل بتاتے ہیں، بعض بنی حنفیہ کی لونڈی بتاتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بنی حنفیہ کی معزز خاتون تھیں، محمد انہی کے بطن سے پیدا ہوئے، خولہ کا نسب نامہ یہ ہے:

خولہ بنت قیس بن سلمہ بن ثعلبہ ابن یربوع بن ثعلبہ بن الاول بن حنفیہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل، محمد بن حنفیہ علم وتقویٰ کے اعتبار سے کبار تابعین میں تھے۔

پیدائش:

عہد فاروقی کے اختتام کے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔(۲) اس لحاظ سے ان کی پیدائش ۲۱ھ کے آخر یا ۲۲ھ کے شروع میں ہوئی ہوگی۔

جنگ جمل:

ان کے بچپن کے حالات پردۂ خفا میں ہیں۔ جنگ جمل سے ان کا پتہ چلتا ہے۔ شجاعت و بہادری پدر بزرگوار سے وراثۃً ملی تھی، اس لئے وہ بچپن ہی سے نہایت جری بہادر اور شجاع تھے، جنگ جمل میں جب کہ ان کی عمر مشکل سے پندرہ سولہ سال کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو فوج

ا۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۸، ص۲۴۲ ii۔تاریخ الثقات، ۴۴۰

۲۔ ابن خلکان، ج۱، ص۴۵۰

کا نشان مرحمت فرمایا تھا۔(۱)

جنگ کے ابتدائی انتظامات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور بے محابا علم لے کر آگے بڑھے۔ اہل بصرہ نیزے اور تلواریں سنبھال کر ان کی طرف لپکے، ابھی وہ بالکل کمسن تھے، اس لئے زیادہ بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھوں سے علم لے کر خود حملہ کیا۔ دوسرے سرفروشوں نے بھی آپ کا ساتھ دیا، اور جنگ شروع ہوگئی۔ آغاز جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر محمد بن حنفیہ کو علم دے دیا۔(۲)

یہ واقعہ خود محمد بن حنفیہ کی زبانی بھی منقول ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جنگ جمل میں ہماری فوجیں صف آرا ہوئیں تو والد نے علم مجھے مرحمت فرمایا، پھر جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں اور ایک دوسرے کی طرف بڑھیں اور والد نے مجھ میں پسپائی کے آثار دیکھے تو علم میرے ہاتھ سے لے کر جنگ شروع کر دی۔ میں نے بڑھ کر ایک بصری پر حملہ کیا۔ جب وہ زد پر آ گیا تو پکارا کہ میں علی بن ابی طالب کے مذہب پر ہوں۔ یہ سن کر میں رک گیا۔ ان لوگوں کے شکست کھانے کے بعد والد نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص زخمیوں کو پامال نہ کرے، میدان چھوڑ دینے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ اختتام جنگ کے بعد وہ گھوڑے اور اسلحہ جو دشمنوں نے جنگ میں استعمال کئے تھے والد نے بطور غنیمت کے تقسیم کر دیئے۔(۳)

جنگ صفین:

جنگ جمل کے بعد ہی جنگ صفین کے مقدمات شروع ہو گئے تھے، محمد بن حنفیہ اس جنگ میں شروع سے آخر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے، چنانچہ صفین کے ابتدائی حالات ان سے اس طرح منقول ہیں کہ میرے والد، معاویہ اور اہل شام سے جنگ کا ارادہ کرتے تھے، اور جنگی علم تیار کر کے قسم کھاتے، کہ جب تک یہ میدان جنگ میں نہ آئے گا اس وقت تک اس کو نہ کھولوں گا۔ لیکن ان کے آدمی ان کی مخالفت کرتے تھے، ان کی راہیں مختلف تھیں، اور وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگتے، ان کی مخالفت دیکھ کر والد علم کو کھول دیتے اور قسم کا کفارہ ادا کرتے، اس طریقہ سے انہوں نے چار مرتبہ علم تیار کیا، اور چار مرتبہ کھولا۔ مجھے یہ بات پسند نہ آئی۔ میں نے مسور بن مخرمہ سے کہا کہ آپ والد سے کہتے نہیں کہ ان حالات میں وہ کہاں کا قصد کر رہے ہیں، خدا کی قسم مجھے ان لوگوں سے کسی فائدہ کی امید نظر نہیں آتی، مسور نے کہا انہوں نے جس کام کا ارادہ کر لیا ہے وہ یقینی، اور طے شدہ ہے میں نے ان سے گفتگو کی تھی۔ وہ جانے کا تہیہ کر چکے ہیں۔(۴)

بہر حال جب جنگ کسی طرح نہ ٹلی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لئے صفین روانہ ہوئے تو محمد بھی ان کے ہم رکاب تھے۔ اور حضرت علی نے جنگ جمل کی طرح صفین میں بھی انہیں علم مرحمت فرمایا۔(۵)

جنگ صفین کا سلسلہ مدتوں قائم رہا تھا۔ ابتداء میں تو عرصہ تک متحدہ اور فیصلہ کن جنگ کی بجائے فریقین کے ایک ایک دو دو دستے میدان میں اترتے تھے۔ ایک دن محمد بن حنفیہ ایک دستے کو لے کر نکلے، شامی فوج سے عبید اللہ بن عمران کے مقابلہ میں آئے اور محمد بن حنفیہ کو للکارا، انہوں نے کہا گھوڑے سے اترو، اس للکار پر دونوں گھوڑے سے اتر پڑے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو گھوڑا بڑھا کر ابن حنفیہ کے پاس پہنچے اور گھوڑا انہیں دے کر خود عبید اللہ کے مقابلہ کے لئے بڑھے، وہ انہیں دیکھ کر ہٹ گئے، اور کہا میں آپ سے نہیں بلکہ آپ کے لڑکے سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔

عبید اللہ کے چلے جانے کے بعد ابن حنفیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ نے مجھے مقابلہ کرنے دیا ہوتا تو مجھے امید تھی کہ میں ان کو قتل کر دیتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا امید تو مجھے بھی یہی تھی لیکن خطرہ سے خالی نہ تھا۔ مجھے خوف تھا کہ تمہاری جان کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے۔ اس کے

۱۔ اخبار الطوال، ص ۱۵۶ ۲۔ اخبار الطوال، ص ۱۵۸ ۳۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۶۴

۴۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۶۷ ۵۔ ایضاً ص ۶۸

بعد فریقین کے سوار دو پہر تک لڑتے رہے لیکن کوئی ایک دوسرے کو مغلوب نہ کر سکا۔(۱)

ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو شامیوں کی ایک دستہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ ان کے سینوں میں نیزے پیوست کرنے کے بعد ہاتھ روک لینا اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرنا، انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک اور دستہ ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ اس نے ابن حنفیہ کی قیادت میں شامی دستے کو مار کر اس کی جگہ سے ہٹا دیا۔(۲)

جنگ صفین میں بہت سے نازک مواقع پر ابن حنفیہ اپنے والد بزرگوار کی حفاظت میں اپنے برادران محترم (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کے دوش بدوش سینہ سپر ہوئے، چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور تیر آپ کے کانوں اور شانے کے پاس سے اڑتے ہوئے گزر جاتے تھے، محمد بن حنفیہ اور حسنین رضی اللہ عنہم ان تیروں کو اپنے جسم سے روکتے تھے۔(۳)

ابن حنفیہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت:

جنگ صفین کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آ گیا، دم آخر آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کو وصیتیں فرمائیں تو محمد بن حنفیہ سے ارشاد ہوا کہ میں نے تمہارے بھائیوں کو جو وصیتیں کی ہیں وہی تمہارے لئے بھی ہیں، میرے بعد تم دونوں بھائیوں کی جن کا تم پر بڑا حق ہے، پوری عظمت و توقیر کرنا۔ ان کے کاموں کو سنوارنا، ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ پھر حسنین رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان کے (محمد بن حنفیہ) بارے میں میری یہ وصیت ہے کہ وہ تمہارے حقیقی بھائی کے برابر اور تمہارے باپ کے لڑکے ہیں، اس کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہارے باپ ان سے محبت کرتے تھے۔(۴)

حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کی وصیت:

حضرات حسنین رضی اللہ عنہم نے اس وصیت کو پورے طور پر ملحوظ رکھا اور کسی موقع پر بھی ابن حنفیہ کو نظر انداز نہ ہونے دیا، چنانچہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وقت آخر ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کو تمہارے بھائی محمد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔ وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں۔ پھر محمد بن حنفیہ سے فرمایا کہ تم کو بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت حسین (رضی اللہ عنہ) کے گرد جمع ہو کر ان کی مدد کرنا۔(۵)

یزید کے مطالبۂ بیعت پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مشورہ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد محمد بن حنفیہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے رہے، اور ان کی مشکلات میں ایک وفادار بھائی کی حیثیت سے ان کے مخلص و غمگسار رہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد، جب یزید کے حکم پر ولید حاکم مدینہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ اور اس کے رد و قبول کے بارے میں کشمکش میں مبتلا ہوئے۔ اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مدینہ چھوڑ دینا چاہا تو اس وقت محمد بن حنفیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بھائی آپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کا میں آپ سے زیادہ خیر خواہ ہوں، میرا مشورہ ہے کہ اس موقع پر جہاں تک آپ سے ہو سکے یزید کی بیعت اور کسی خاص شہر میں جانے کے ارادہ سے بالکل الگ رہے اور اپنے دعاۃ بھیج کر لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیجئے۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو ہمارے لئے موجب شکر ہوگا اور اگر آپ کے علاوہ کسی اور شخص پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے تو اس سے آپ کے مذہب اور آپ کی عقل میں کوئی کمی نہ آئے گی، اور آپ کے فضائل پر اس کا کوئی اثر

۱۔ ایضاً ۲۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۲۶۲ ۳۔ اخبار الطوال، ص ۱۹۴
۴۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۳۲۹ ۵۔ اخبار الطوال، ص ۲۳۵

نہ پڑے گا، اور اگر آپ کسی متعین شہر اور متعین مقام پر جائیں گے تو مجھے ڈر ہے کہ وہاں کے لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا۔ ان میں ایک جماعت تو آپ کا ساتھ دے گی لیکن ایک جماعت آپ کے خلاف ہو جائے گی، پھر یہ دونوں جماعتیں باہم لڑیں گی۔ اور درمیان میں آپ کی ذات ان کے نیزوں کا نشانہ بنے گی۔ اگر یہ صورت حال پیدا ہوگئی تو نسب اور ذاتی اوصاف کے اعتبار سے اس امت کا معزز اور بلند ترین شخص سب سے زیادہ ذلیل اور پست ہو جائے گا۔ اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہوگا، یہ مشورہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر کہا جاؤں۔ ابن حنفیہ نے کہا مکہ جایئے، اگر وہاں آپ کو اطمینان سے بیٹھنے کا موقع مل جائے تو خود ہی کوئی سبیل نکل آئے گی، اور اگر حالات خلاف ہوئے تو ریگستان اور پہاڑی علاقوں میں نکل جایئے گا، اور جب تک ملک کوئی فیصلہ نہ کرلے (یعنی خلافت کا فیصلہ) اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہیئے اس دوران میں آپ کی کوئی نہ کوئی رائے قائم ہو جائے گی، اور آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ کیونکہ جب حالات کا سامنا ہو جاتا ہے، اس وقت آپ کی رائے نہایت صائب اور آپ کا عمل نہایت محتاط ہو جاتا ہے۔ یہ باتیں سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے بہت محبت آمیز نصیحت کی، مجھ کو امید ہے تمہاری رائے صائب ہوگی۔ (۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک حد تک ان کے مشورہ پر عمل بھی کیا۔ چنانچہ مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ پھر کوفیوں کی پیہم دعوت پر چند دنوں کے بعد کوفہ روانہ ہوگئے۔ لیکن تقدیر الٰہی کچھ اور ہی تھی۔ اس لئے آپ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آ گیا۔ محمد بن حنفیہ اس حادثہ میں آپ کے ساتھ نہ تھے۔

وفات:

محمد بن حنفیہ کے سنہ وفات اور جائے وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ لیکن صحیح تر روایت یہ ہے کہ ۸۱ھ میں انہوں نے مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

فضل وکمال:

ابن حنفیہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے مجمع العلم باپ کے فرزند تھے، اس لئے علم کی دولت ان کو ورثہ میں ملی تھی۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑے صاحب علم تھے۔ (۲) ابن حبان ان کو ان کے خاندان کے فاضل ترین افراد میں شمار کرتے ہیں۔ (۳) لیکن اس کی تفصیلات کتابوں میں مذکور نہیں۔

حدیث: حدیث میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مستند ترین روایات انہی سے مروی ہیں۔ (۴)

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع تھا، آپ کے صاحبزادے، ابراہیم، حسن، عبداللہ اور عون، بھتیجے محمد بن عمر بن علی۔ بھائی کے پوتے محمد بن علی بن حسن، بھانجے عبداللہ بن محمد بن عقیل اور بیرونی اشخاص میں عطاء بن ابی رباح، منہال بن عمرو، محمد بن قیس بن مخرمہ، منذر بن یعلی، محمد بن بشیر ہمدانی، سالم بن ابی الجعد اور عمرو بن دینار رحمہ اللہ عنہم آپ کے فیض یافتگان میں تھے۔ (۵)

کلمات طیبات:

آپ کے مختصر کلمات نہایت پر حقیقت اور سبق آموز ہیں۔ فرماتے تھے: "جس کا نفس اس کی نگاہ میں معزز ہوا، اس کی نگاہ میں دنیا کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ جو شخص ان لوگوں کے ساتھ ہوا جن کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے، نہیں نبا سکتا وہ عقلمند نہیں ہے خدا نے جنت کو تمہارے نفس

۱۔ ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۲ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۶۷ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۳۵۵

۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۳۵۴ ۵۔ ایضاً

کی قیمت قرار دیا ہے، اس لئے اس کو دوسری چیز کے بدلہ میں فروخت نہ کرو'' ۔ جو چیز لوجہ اللہ نہیں کی جاتی وہ فنا ہو جاتی ہے۔(۱)

عبادت وریاضت:

علم کے ساتھ وہ بڑے عابد وزاہد تھے۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی درجہ پر تھے۔(۲)

ماں کی خدمت:

ماں کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اپنے ہاتھوں سے ان کے بالوں میں خضاب لگاتے تھے۔ کنگھی کرتے تھے، چوٹی گوندھتے تھے، ایک مرتبہ گھر سے نکلے، ہاتھوں میں مہندی کا اثر تھا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا، فرمایا ماں کے بالوں میں خضاب لگا رہا تھا۔(۳)

قوت وشجاعت:

اسد اللہ الغالب کے خلف الصدق تھے، اس لئے علم کے ساتھ قوت وشجاعت بھی ورثہ میں ملی تھی، اتنے قوی اور طاقت ور تھے کہ زرہ کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر چیر ڈالتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک زرہ آپ کے جسم سے زیادہ لمبی تھی، آپ نے بقدر زیادتی نشان لگا کر ان کو دیا کہ اس کو نشان سے کم کر دو، انہوں نے ایک ہاتھ زرہ کا دامن پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے بڑھا ہوا حصہ کھینچ کر دو ٹکڑے کر دیئے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما جسمانی طاقت میں ان کے حریف تھے۔ ان کے سامنے جب اس واقعہ کا تذکرہ کیا جاتا تھا تو وہ غصہ سے کانپنے لگتے۔

ایک مرتبہ قیصر روم نے اپنے یہاں کے دو پہلوان امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس قوت آزمائی کے لئے بھیجے، ان میں سے ایک کو قیس نے زیر کیا، دوسرے کے مقابلہ کے لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن حنفیہ کو بلایا۔ انہوں نے مقابلہ کی یہ صورت پیش کی کہ رومی پہلوان بیٹھ کر اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ میں دے۔ دونوں زور کریں یا وہ کھینچ کر انہیں بیٹھا دے یا یہ بیٹھ کر زور کریں۔ رومی پہلوان نے پہلی صورت پسند کی، چنانچہ دونوں میں مقابلہ ہوا، رومی نے ہر چند زور لگایا لیکن ان کو نہ بٹھا سکا اور انہوں نے کھینچ کر اس کو کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد یہ خود بیٹھے، رومی نے کھڑا کرنے کی ہر چند کوشش کی مگر ناکام رہا۔ مگر انہوں نے اس کو کھینچ کر بٹھا دیا۔(۴)

اس طاقت کی وجہ سے وہ ہمیشہ والد بزرگوار کے دست راست اور پشت پناہ رہے۔ ہر میدان میں ان کے دوش بدوش داد شجاعت دیتے تھے۔ جمل اور صفین کے معرکوں میں علوی علم انہی کے ہاتھ میں تھا، ایک مرتبہ کسی نے ان سے سوال کیا کیا بات ہے کہ تمہارے والد خطرات کے موقع پر تم ہی کو آگے بڑھاتے تھے اور حسن وحسین کو علیحدہ رکھتے تھے۔ جواب دیا وہ دونوں ان کی آنکھ کے بجائے تھے اور میں ان کا دست وبازو تھا۔ اس لئے وہ ہاتھ سے آنکھوں کی حفاظت کرتے تھے۔(۵)

حلیہ ولباس:

میانہ قد تھا، آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے۔ بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ خز کا لباس پہنتے تھے۔ سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔ ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

۱۔ مختصر صفوۃ الصفوہ، ص ۱۳۲ ۲۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۸۹ ۳۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۸۸

۴۔ یہ تمام واقعات ابن خلکان ج ۱، ص ۴۴۹ سے ماخوذ ہیں ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۸۵۔۸۵

اولادوازواج:

آپ نے متعدد شادیاں کیں اوران سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ان کی تفصیل یہ ہے۔ابوہاشم،عبداللہ،حمزہ،علی،جعفراکبر یہ چاروں ایک ام ولد کے بطن سے تھے،حسن جنہوں نے سب سے پہلے رجاء کا عقیدہ ایجاد کیا۔یہ عبدالملک کی پوتی جمال کے بطن سے تھے۔ابراہیم یہ مسرعہ بنت عباد کے بطن سے تھے۔قاسم،عبدالرحمٰن یہ دونوں برہ بنت عبدالرحمٰن بن حارث مطلبی کے بطن سے تھے۔جعفر،اصغر۔عون،عبداللہ الاصغر یہ تینوں جعفر بن ابی طالب کی پوتی ام کلثوم کے بطن سے تھے۔عبداللہ اور رقیہ،یہ دونوں ام ولد سے تھے۔(۱)

۷۔علی:　　راجع:۹۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چھبیسویں (۲۶) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی بصری،حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ مدنی اور باقی کوفی راوی ہیں۔
☆ یہ روایت تابعی (اعمش) کی غیر تابعی (منذر) سے ہے۔
☆ یہ بیٹے (محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ) کی اپنے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔
☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی صغریٰ میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ باپ کی بجائے ماں کے نسب سے زیادہ مشہور ہیں۔
☆ علامہ ابن سعد کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سب سے فائق ہیں۔
☆ سند میں الفاظ اداء روایت حدثنا،سمعت ایک ایک دفعہ،اخبر دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

استحییت: میں نے شرم محسوس کی　ان اسال: کہ میں پوچھتا
امدت: میں نے کہا　فسالہ: اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

۱۔سیر الصحابۃ،ج۳،تابعین کرام،ص ۲۶۱-۲۶۴-۲۷۳،۲۷۷

۷۔مسائل ونصائح:

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں مذی کا حکم بیان ہوا ہے، مذی کے ساتھ ساتھ ہی ودی اور منی کے احکامات بھی ہیں، ان تینوں کی تعریفات اوراحکام درج ذیل ہیں:

☆ علامہ ابوالحسن علی بن ابوبکر فرغانی مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال (ولیس فی المذی والودی غسل وفیھما الوضوء) لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام (کل فحل بمذی وفیہ الوضوء) والودی :الغلیظ من البول یتعقب الرقیق منہ خروجاً فیکون معتبرابہ، والمعنی خاثرابیض ینکسرمنہ الذکر، والمذی: رقیق یضرب الی البیاض یخرج عند ملا عبۃ الرجل اھلہ والتفسیر ماثور عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا۔

ترجمہ:

مذی اورودی میں غسل نہیں جبکہ ان دونوں میں وضو ہے۔کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرمرد کومذی آتی ہے اوراس میں وضو ہے۔

اورودی وہ پتلا پانی جو پیشاب کے بعد خارج ہو۔پس وہ اسی پر قیاس کیا جائے گا اور منی وہ گاڑھی سفید ہے جس کے خروج کے بعد ذکر سست ہوکر بیٹھ جاتا ہے۔اور مذی وہ ہے جو پتلی زرد اور سفیدی کی طرح ہو اور یہ مرد کے اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنے کودنے کی وجہ سے خارج ہوتی ہے اور یہی تفسیر حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

☆ عن سھل بن حنیف قال کنت القی من المذی شدہ فکنت اکثر الغسل منہ فذکرت ذلک النبی علیہ السلام وسالتہ عنہ فقال انما یجزئک من ذلک الوضوء قال قلت فکیف بما یصیب ثوبی منہ قال خذ کفا من ماء فانضحہ حیث تری انہ اصابہ۔ اسنادہ صحیح (۱)

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے مذی شدت سے خارج ہوتی اور میں اکثر اسی کی وجہ سے غسل کرتا ہوں پس جب میں نے اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اس میں تیرے لئے وضو ہی کافی ہے۔عرض کیا جب وہ میرے کپڑوں کولگ جائے تو کیا کروں؟ فرمایا: ہتھیلی میں پانی لے اوراسے صاف کرحتیٰ کہ تو اسے صاف دیکھے۔اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔(۲)

علامہ علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مذی اورودی میں غسل نہیں ودی میں غسل اس لئے نہیں ہے کیونکہ وہ پیشاب کا بقیہ ہے اور مذی کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایسا مرد ہوں جسے مذی آتی ہے اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حیاء آتی ہے کیونکہ ان کی بیٹی میرے نکاح میں ہے تو انہوں نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرمرد کو مذی آتی ہے اوراس میں وضو ہے۔یہ حدیث مذی پر وضو کے لزوم پر نص ہے۔اوراس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ غسل کی نفی کو بیان کرنے والی ہے کیونکہ مذی کثیرالوقوع ہے اوراس کی علت اس حکم سے بھی واضح ہے ''کل فحل یمذی '' ہے۔(۳)

۱۔سنن دارمی، ج۱، کتاب الوضو ۲۔ابوداؤد، طبرانی، مسنداحمد ۳۔بدائع الصنائع، ج۱، ص۳۷، بیروت

مذی میں عدم وجوب غسل کے معیار کا بیان:

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شریعت میں محض "حشفہ" کے دخول کی وجہ سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ اس کو فوراً ہی نکال لیا ہو خواہ اس پر فرج کی تری کے علاوہ اور کوئی تری نہ دیکھی ہو اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دخول کی صورت میں منی کے نکلنے کا گمان ہوتا ہے، اور کبھی اتنا کم ہوتا ہے کہ محسوس تک نہیں ہوتا ہے، اس میں یہ لحاظ تک نہیں رکھا گیا ہے کہ منی کا خروج شہوت کے ساتھ جس کو بیدار ہونے والا محسوس کر سکتا ہو، کیونکہ منی اچھل کر نکلتی ہے، جس سے عضو میں حرکت ہوتی ہے بلکہ خروج کے وقت احساس ہوتا ہے اور اس کو نظر انداز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام آثار کمال انزال کے ہیں۔

صرف ایک قطرہ شہوت کے ساتھ نکلنے کے نہیں ہیں، کیونکہ ایک آدھ قطرہ کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ مذی کی صورت اور اس کے اسباب و آثار میں سے کوئی چیز منی کے وجود کے لئے مانع نہیں ہے، پھر نیند اسباب احتلام سے ہے کیونکہ نیند میں شہوت، انتشار اور طبیعت کا رجحان فضلات کے اخراج کی طرف ہوتا ہے، اور ایسی تری کا پایا جانا جو شہوت سے نکلتی ہو (یعنی منی یا مذی) اس امر کی علامت ہے کہ انتشار و شہوت انتہا درجہ کے ہیں یہاں تک کہ ان کے نتیجہ میں یہ فضلات خارج ہو رہے ہیں کیونکہ یہ فضلات ہر انتشار و شہوت سے خارج نہیں ہوتے ہیں، تاوقتیکہ اس میں امتداد اور قوت و شدت کا عنصر شامل نہ ہو جائے۔

اب اگر یہ تمام احتمالات یکجا ہو جائیں تو منی کا احتمال کمزور نہ ہوگا، بلکہ دلیل قوی سے ہوگا اور دل اس کی طرف مائل ہوگا، اور ایسی صورت میں بطور احتیاط عمل کا موجب ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ بیدار ہونے والے کو مذی کی صورت کا علم نہ تو اس کی حقیقت کا علم ہے اور نہ فقہی علم ہے، اور منی کے وجود کے احتمال صحیح سے خالی نہیں ہے، ایسی صورت میں غسل واجب ہوگا (۱)

حالت نماز میں انزال سالم نہ ہوا تو حکم:

فتح القدیر کی اس فرع کا کیا ہوگا کہ اگر کسی شخص کو نماز میں احتلام ہوا مگر انزال نہ ہوا یہاں تک کہ اس نے نماز پوری کر لی تو انزال ہوا وہ نماز کا تو اعادہ نہ کرے گا مگر غسل کرے گا ہاں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ حرکت تدریجی ہے اس کے لئے زمانہ کا ہونا ضروری ہے، تو غالباً اس کی صورت یہ ہوگی کہ اگر وہ قعدۂ اخیرہ میں ہو اور احتلام ہو جائے اور پیٹھ سے منی اچھل کر نکلے، تو ذکر تک آنے میں اور نکلنے سے پہلے اس نے سلام پھیر دیا تو نماز کے اندر انزال سے سالم رہا۔ (۲)

غسل خروج منی سے ہے نہ کہ خروج مذی میں:

احتلام منی کے ہونے پر قوی ترین دلیل ہے اور اس وقت مذی کی صورت منی کے احتمال سے خالی نہیں ہے خواہ وہ اس کے سامنے ہی کیوں نہ نکلی ہو اور اس پر بدن کی حرارت اور ہوا نے کوئی اثر نہ کیا ہو کیونکہ ممکن ہے کہ غذا کے باعث اندر ہی سے متغیر ہو کر آئی ہو۔ امام نجم الدین نسفی نے فرمایا منی میں تغیر اندر نہیں پیدا ہوتا ہے، یہ بات جواہر الفتاوی کے حوالہ سے نسفی سے ہم نقل کر آئے ہیں، اس صورت میں، اور ایک شخص جاگا اور اس نے تری پائی تو غسل واجب ہوگا، فرق ہے کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ مرور زمانہ کے باعث منی پتلی ہو گئی ہو، اور اس صورت میں تو اس نے خود مذی کو دیکھا ہے تو وضو واجب ہوگا غسل نہیں، اور اس میں، اور اس صورت میں کہ جب وہ ٹھہرا اور منی خارج ہوئی، فرق یہ ہے کہ غسل منی کی وجہ سے واجب ہوا ہے اور یہاں مذی اس کے سامنے جدا ہوئی ہے تو غسل واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ مذی ہے۔ (۳)

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۱، ص ۶۷۶ ۲۔ فتح القدیر، موجبات الغسل نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۵۴

۳۔ تبیین الحقائق موجبات الغسل، مطبوعہ بولاق مصر، ۱/ ۱۶۔ شرح ھدایۃ، ج ۱، ص ۲۲۲۔ ۲۲۴

☆ ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

منی کا نکلنا...... یعنی منی کا مرد یا عورت کی اگلی شرمگاہ سے عام عادی لذت کے ساتھ، بحالت نیند یا جاگتے میں دیکھنے، یا ہم بستری کا سوچنے یا عملاً کام کرنے سے اچھل کر باہر نکلنا خواہ زندہ انسان کی ہو یا مردہ انسان کی یا جانور کی تاہم احناف مردہ جانور اور نا قابل شہوت چھوٹی بچی سے جنسی فعل کرنے کو موجب غسل نہیں قرار دیتے ہیں۔ اور منی وہ گاڑھا سا اچھل کر نکلنے والا پانی ہے جو شدت شہوت کے وقت نکلتا ہے۔ عورت کی منی پتلی اور پیلے رنگ کی ہوتی ہے۔ مذی اور ودی کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے۔ مذی وہ رقیق سا سفید مادہ ہے جو آدمی کے اپنی بیوی سے بوس و کنار کے وقت نکلتا ہے۔ اور ودی پیشاب کے بعد آنے والا گاڑھے پن کی طرف مائل مادہ ہوتا ہے۔

شوافع کے بیان کے مطابق منی کی پہچان یہ ہے کہ وہ اچھل اچھل کر نکلتی ہے یا لذت کے ساتھ نکلتی ہے اور اس کے نکلنے کے ساتھ عضو تناسل بھی ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور شہوت کم ہو جاتی ہے خواہ وہ قلیل ہونے کی وجہ سے اچھل کر نہ بھی نکلے یا وہ خون کے رنگ کی نکلے۔ اسی طرح اس کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اس کی بو تر ہونے کی صورت میں، گندم کے گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوتی ہے اور خشک ہونے کی صورت میں مرغی وغیرہ کے انڈے کی سفیدی کی بو کی طرح اس کی مہک ہوتی ہے۔ اور اگر وہ شخص اس سے لذت نہ اٹھائے اور وہ منی اچھل کر نہ نکلے جیسے مثلاً نہانے کے بعد بقیہ منی نکل آئے تو اس شخص پر دوبارہ غسل کرنا لازم ہوگا۔ (۱)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث کے مسائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ مذی نجس ہے، لیکن اس سے غسل واجب نہیں ہوتا، صرف وضو واجب ہوتا ہے۔

۲۔ پتھر کے ساتھ صرف بول براز میں استنجاء کیا جا سکتا ہے، باقی خون، منی اور مذی وغیرہ کی نجاست کو پانی سے دھونا ضروری ہے۔

۳۔ فتویٰ حاصل کرنے کے لئے کسی کو نائب بنانا جائز ہے، اور جب یقینی اور قطعی خبر کو حاصل کرنا ممکن ہو تب بھی ظنی خبر پر اعتماد کرنا جائز ہے، کیونکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود سوال کرتے تو ان کو قطعی خبر حاصل ہوتی اس کے باوجود انہوں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے معلوم کرایا۔

۴۔ سسرال والوں کے ساتھ حسن ادب کے ساتھ رہنا چاہئے اور ان کے سامنے بیوی سے استمتاع کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ (۲)

☆ علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

خروج مذی پر وضو کا وجوب اور بیوی کے والد کا احترام:

اس حدیث میں آپ نے بتایا کہ مذی میں وضو ہے، یعنی مذی کے خروج سے غسل واجب نہیں ہوتا، بلکہ وضو واجب ہوتا ہے، کیونکہ یہ نجس ہے، اسی لئے اس کے خروج کے بعد آلہ تناسل کو دھونا واجب ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد سے کہا: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ معلوم کرو، اس سے معلوم ہوا کہ استفتاء میں نیابت جائز ہے، نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کے والد کا احترام کرنا چاہئے اور ان کے سامنے ایسی بات کا ذکر نہیں کرنا چاہئے، جو ان کی بیٹی کے ساتھ جماع یا بوس و کنار کے ساتھ متعلق ہو، کیونکہ مذی کا خروج بیوی کے ساتھ بوس و کنار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (۳)

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۳۴۹ ۲۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۱۴۳۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۰۰۱۔۱۰۰۲ ۳۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۴۹۲

☆ حافظ محمد امین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فوائد و مسائل:

مذی وہ لیس دار پتلا سا پانی ہے جو شہوت کے وقت جوش کے بغیر شرم گاہ سے نکلتا ہے۔ بسا اوقات اس کے نکلنے کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اس کے نکلنے سے شہوت ختم ہوتی ہے نہ اس کے نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔

پہلو میں بیٹھے ہوئے شخص حضرت مقداد رضی اللہ عنہ تھے۔ دیکھئے: صحیح البخاری، العلم، حدیث: ۱۳۲، وصحیح مسلم، الحیض، حدیث: ۳۰۳) سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو کہا کہ وہ پوچھیں۔ دیکھئے: (سنن النسائی، الطہارۃ، حدیث: ۱۵۴) لیکن شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے اس مسئلے کے متعلق پوچھنے والی روایت منکر ہے۔ محفوظ روایت وہی ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کا کہا ہے۔ دیکھئے: (ضعیف سنن النسائی، رقم: ۱۵۴، ۱۵۵) جبکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مسئلہ خود پوچھا۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ ان کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو کہا ہوگا اور بعد میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو کہہ دیا اور پھر خود بھی پوچھ لیا ہوگا۔ لیکن جن روایات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خود پوچھنے کا ذکر ہے، وہ ان کے اپنے قول کے خلاف ہے جو صحیح روایات میں منقول ہے کہ میں نے خود پوچھنے میں شرم محسوس کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے حبالۂ عقد میں تھیں، لہٰذا جن راویوں نے سوال کی نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کی ہے، وہ اس لئے کہ اصل مسئلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو درپیش تھا اور وہ اس موقع پر حاضر تھے جیسا کہ امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے عائش بن انس کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ نے آپس میں مذی کا ذکر کیا تو علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے بہت زیادہ مذی آتی ہے، تم دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کرو تو ان دونوں میں سے ایک نے پوچھا۔ اس بنا پر سوال کی نسبت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی طرف مجازی ہے، درحقیقت حضرت مقداد ہی نے مسئلہ دریافت کیا تھا جیسا کہ صحیحین کی روایت سے ثابت ہے۔ مزید دیکھئے: (فتح الباری: ۱/۴۹۳، تحت حدیث: ۲۶۹)(۱)

۸۔ خلاصہ: مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ مذی نکلنے سے وضو لازم ہوتا ہے، اور جس جگہ مذی لگی ہے، اس کا دھونا بھی ضروری ہے۔

☆ مذی، ودی اور منی کی تعریفات درج ذیل ہیں:

مذی کی تعریف:

وہ لیسدار مادہ شہوت کے وقت بغیر جوش کے شرمگاہ سے نکلتا ہے۔

ودی کی تعریف:

وہ تری جو پیشاب کے بعد شرمگاہ سے نکلے۔

منی کی تعریف:

وہ گاڑھا مادہ جو شدت شہوت کے وقت شرمگاہ سے اچھل کر نکلے۔

۱۔ سنن نسائی (دارالاسلام)، ج ۱، ص ۱۹۵۔۱۹۶

☆ مذی اور ودی سے وضو واجب ہوتا ہے، جبکہ منی سے غسل واجب ہوتا ہے، البتہ ان تینوں قسم کے مادوں کو جسم اور کپڑے سے دھو کر یا خرچ کر دور کرنا واجب ہوتا ہے۔

☆ مذی، ودی اور منی تینوں قسم کے مادے ناپاک ہیں۔

☆ ان احادیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فتویٰ پوچھنے کے لئے نہایت جائز ہے۔

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے عمل سے ثابت ہوا کہ میاں بیوی کے باہمی معاملات کو سسرالیوں کے سامنے ذکر نہ کرنا چاہئے۔

باب ۱۱۳: الْوُضُوْءِ مِنَ الْغَائِطِ وَالْبَوْلِ — پاخانہ اور پیشاب کی وجہ سے وضو کرنا

اس باب میں پاخانہ اور پیشاب کی وجہ سے وضو کے ٹوٹ جانے کا بیان ہے، پچھلے باب میں مذی اور پیشاب کی وجہ سے وضو کے ٹوٹ جانے کا بیان تھا، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۱۵۸۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ زِرَّ بْنَ حُبَیْشٍ یُحَدِّثُ قَالَ اَتَیْتُ رَجُلًا یُدْعٰی صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ فَقَعَدْتُ عَلٰی بَابِهٖ فَخَرَجَ فَقَالَ مَا شَاْنُكَ قُلْتُ اَطْلُبُ الْعِلْمَ. قَالَ اِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَضَعُ اَجْنِحَتَهَا لِطَالِبِ الْعِلْمِ رِضًا بِمَا یَطْلُبُ. فَقَالَ عَنْ اَیِّ شَیْءٍ تَسْاَلُ قُلْتُ عَنِ الْخُفَّیْنِ. قَالَ كُنَّا اِذَا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ اَمَرَنَا اَنْ لَا نَنْزِعَهٗ ثَلَاثًا اِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَّلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَّبَوْلٍ وَّنَوْمٍ.

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے ملنے گیا، اور آپ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھ گیا، آپ باہر تشریف لائے اور پوچھا: تم کیسے آئے ہو؟ میں نے عرض کی: علم حاصل کرنے کے لئے۔ آپ نے فرمایا: بے شک فرشتے طالب علم کے لئے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پر بچھاتے ہیں، اور کہا: تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: موزوں کے بارے میں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں ہوتے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم تین دن تک پیشاب، پاخانہ یا نیند کی وجہ سے موزے نہ اتاریں، البتہ جنابت کی وجہ سے اتاریں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے: ہم پیشاب، پاخانہ اور نیند کی وجہ سے تین دن تک موزے نہ اتاریں۔
وجہ مطابقت یہ ہے کہ پیشاب، پاخانہ اور نیند کی وجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، البتہ اس میں موزے اتارنے کی ضرورت نہیں، صرف موزوں پر مسح کر لیا جائے گا۔

۲۔ اطراف: راجع: ۱۲۶

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع:۵ ۲۔خالد: راجع:۴۷

۳۔شعبۃ: راجع:۲۶ ۴۔عاصم: راجع:۱۲۶

۵۔زر بن حبیش: ایضاً ۶۔صفوان بن عسال: ایضاً

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور دیگر شواہد کی بناء صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ پینسٹھویں (۶۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔البتہ حضرت عاصم بن بھدلہ صدوق ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین کوفی ہیں۔

☆ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی صغریٰ میں یہ تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا اور عنعنہ ایک دفعہ،کلمہ تحدیث تین دفعہ اور قال ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اتیت : میں آیا — یدعی: وہ پکارا جاتا تھا

قعدت: میں بیٹھ گیا — بابہ: اس کا دروازہ

خرج : وہ نکلا — ماشانك: تیرا کیا حال ہے؟

اطلب: میں طلب کرتا ہوں — الملائکۃ: فرشتے

تصع : وہ جھکاتا ہے — اجنحت: پر۔بازو۔

تسال : تو سوال کرتا ہے — الخفین: دو موزے

امرنا : آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیتے — ان لا ننزع: ہم نہ اتاریں

جنابۃ: ناپاکی — غائط: پاخانہ

بول: پیشاب — نوم : نیند

۷۔مسائل ونصائح: راجع:۱۲۶

۸۔خلاصہ:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کرنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے،اوران کے بعد وضو کرنا واجب ہے

☆ موزوں پر مسح کرنا جائز ہے، اور حالت سفر میں موزے پہننے کی مدت تین دن اور تین راتیں ہے۔

☆ فرشتوں کے پر پھیلانے سے مراد ہے کہ طالب علم کو چلنے میں آسانی پیدا ہو، یہ حقیقتاً بھی ہوسکتا ہے اور مجازاً بھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد طالب علم کی عزت وتوقیر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجالس علم میں فرشتوں کا نزول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد مجالس علم میں فرشتوں کا نزول ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کا طالبوں پر سایہ کرنا ہے، ان تمام صورتوں میں بالفصل وقوع کا مشاہدہ نہیں ہے، البتہ بہت ساری احادیث ایسی ہیں، جو مشاہدے کا فائدہ دیتی ہیں، پس اس کا اصل مقصد علم کی تعظیم ہے۔ اس میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے فرشتے اللہ تعالیٰ ﷻ کا قرب حاصل کرتے ہوں، اور لوگوں کے سامنے اس سے علم کی تعظیم کا اظہار ہے۔ (۱) واللہ تعالیٰ ﷻ اعلم بالصواب۔

☆ علم دین کے حاصل کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ ﷻ کے ہاں خاص شان ومرتبہ ہے۔

☆ علم حاصل کرنے کے لئے آداب علم کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

☆ علم حاصل کرنے کی لئے طالب علم کو چاہئے کہ وہ اساتذہ کا انتظار کریں، اور بے وقت سوال وجواب نہ کریں۔

☆ اساتذہ کرام کو چاہئے کہ وہ طلباء کی حوصلہ افزائی کریں، جیسا کہ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ نے حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ کی حوصلہ افزائی کی۔

☆ طالب علم کو چاہیے کہ وہ استاد کو آواز نہ دے اور نہ ہی دروازہ کھٹکھٹائے، بلکہ استاد کے نکلنے کا انتظار کرے۔

☆ نیند سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

باب ۱۱۴: الْوُضُوْءِ مِنَ الْغَائِطِ — پاخانہ کی وجہ سے وضو کا ٹوٹنا

اس باب میں اس بات کا بیان ہے کہ پاخانہ سے وضوٹوٹ جاتا ہے، پچھلے باب میں پاخانہ اور پیشاب دونوں سے وضوٹوٹ جانے کا بیان تھا، امام نسائی نے پاخانہ سے وضوٹوٹ جانے کا دوبارہ باب قائم کیا ہے، اور ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۱۵۹۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ زِرٍّ قَالَ قَالَ صَفْوَانُ بْنُ عَسَّالٍ كُنَّا إِذَا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ أَمَرَنَا أَنْ لَا نَنْزِعَهُ ثَلَاثًا إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَّلٰكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَّبَوْلٍ وَّنَوْمٍ۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں ہوتے، تو آپ ﷺ ہمیں حکم دیتے کہ: ہم تین دن تک پیشاب، پاخانہ اور نیند کی وجہ سے موزے نہ اتاریں، البتہ جنابت کی وجہ سے اتاریں۔

۱۔ مطابقت: راجع: ۱۵۸

۲۔ اطراف: ایضاً

۱۔ حاشیہ سندھی، ص ۵۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔عمرو بن علی:	راجع:۴	۲۔اسماعیل بن مسعود:	راجع:۴۷
۳۔یزید بن زریع:	راجع:۱۰۸	۴۔شعبۃ:	راجع:۲۶
۵۔عاصم:	راجع:۱۲۶	۶۔زر:	ایضاً

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور دیگر شواھد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چھیاسٹھویں (٦٦) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ عاصم بن جھدلہ صدوق ہیں۔

☆ امام نسائی نے یہ حدیث مبارکہ دو اساتذہ کرام (حضرت عمرو بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اسماعیل بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ) سے براہ راست سنی ہے۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری اور آخری تین کوفی ہیں۔

☆ حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے یہ چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات: راجع:۱۵۸

۷۔مسائل ونصائح: راجع:۱۲۶

۸۔خلاصہ: اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ پاخانہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ پاخانہ، پیشاب، نیند اور جنابت نواقض وضو ہے۔

☆ سفر میں موزے پہننے کی مدت تین دن اور تین راتیں ہے۔

باب ۱۱۵: اَلْوُضُوْءِ مِنَ الرِّيحِ

ہوا (خارج ہونے) کی وجہ سے وضو کا ٹوٹنا

اس باب میں دبر سے ہوا خارج ہونے کی صورت میں وضو ٹوٹنے کا بیان ہے، البتہ وضو ٹوٹنے کی صورت یہ ہوگی کہ ہوا خارج ہونے کا یقین ہو، صرف شک کی بناء پر وضو نہیں ٹوٹے گا، پچھلے باب میں پاخانہ کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا بیان تھا، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۱۶۰۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الزُّهْرِيِّ ح وَأَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنِي سَعِيدٌ - يَعْنِي ابْنَ الْمُسَيَّبِ - وَعَبَّادُ بْنُ تَمِيمٍ عَنْ عَمِّهِ - وَهُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ - قَالَ شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ "لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَجِدَ رِيحًا أَوْ يَسْمَعَ صَوْتًا"

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جسے دوران نماز کسی چیز کا وھم ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ (نماز سے) نہ نکلے، جب تک اس کی بدبو سونگھے یا اس کی آواز نہ سنے۔

۱۔ مطابقت: حدیث مبارکہ میں سوال وجواب ہوا کے خارج ہونے کے بارے میں ہے۔

۲۔ اطراف:

فقہاء کی اصطلاح میں شک اس کو کہتے ہیں کہ علم اور جہل کی دونوں جانبیں برابر ہوں اور آدمی کو کسی چیز پر حکم لگانے میں تر دداور توقف ہوا اور اس کا کسی طرف میلان نہ ہو، تو پھر یہ شک ہے اور اگر ایک جانب راجح اور دوسری جانب مرجوح ہو تو راجح جانب ظن ہے اور مرجوح جانب وہم ہے، اور جب شک اور وہم دونوں زائل ہو جائیں تو پھر وہ یقین ہے۔ (۱)
اس کا مفاد یہ ہے کہ ہوا کے خارج ہونے کا اگر یقین ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۳۔ تعارفِ رجال: اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں، البتہ حضرت سعید بن میسب کے دوبارہ تفصیلی حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ قتیبہ: راجع:۱ **۲۔ سفیان:** ایضاً
۳۔ الزھری: ایضاً **۴۔ محمد بن منصور:** راجع:۲۱
۵۔ سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

سعید نام، ابومحمد کنیت، نسب نامہ یہ ہے، سعید بن میسب بن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب قرشی مخزومی۔ ان کی ماں قبیلہ اسلم سے تھیں، نانہالی شجرہ یہ ہے، ام سعید بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص اسلمی۔
ابن میسب بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں تھے، جو اپنے علم وعمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدی مانے جاتے تھے، ان کے والد میسب اور دادا حزن دونوں صحابی تھے، فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ناموں کو جن کے معنی میں

ا۔ صحیح مسلم: ۳۶۱، الرقم المسلسل: ۷۸۲، سنن ابوداؤد: ۱۷۶، ۱۷۷، سنن نسائی: ۱۶۰، سنن ابن ماجہ: ۵۱۳، سنن ترمذی: ۷۵، سنن دارمی: ۷۲۱، صحیح ابن خزیمہ: ۲۴۔۲۸، سنن بیہقی، ج۱، ص ۱۶۱۔۱۷۷، مسند احمد، ج۲، ص ۴۱۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۹۳۵۵، ج ۱۵، ص ۲۰۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ نعمۃ الباری، ج۱، ص ۵۱۳

برائی کا پہلو نکلتا ہو پسند نہ فرماتے تھے، اس لئے حزن کا نام جس کے معنی غم کے ہیں بدل کر سہیل رکھنا چاہا، لیکن حزن نے جن میں اس وقت تک قدامت پرستی کا جذبہ باقی تھا یہ عذر کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ نام والدین کا رکھا ہوا ہے، اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں۔ اس لئے اس کو نہ بدلیے ان کے عذر پر آنحضرت ﷺ نے رہنے دیا، لیکن اس نام کی نحوست کا یہ اثر تھا کہ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غمگینی چھائی رہی۔(۱)

پیدائش:

باختلاف روایت ۲ یا ۴ جلوس عمری میں سعید بن مسیب پیدا ہوئے ایک بیان یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے دو سال پہلے تولد ہوئے، لیکن پہلی روایت زیادہ معتبر ہے۔(۲)

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ:

ابن مسیب خلافت راشدہ کے آخری دور میں بالکل کم سن تھے، اس لئے اس عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے، امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی وہ عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں آتے، بعض روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر مسند علم وافتا کی زینت بن چکے تھے۔(۳)

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت سے اختلاف:

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانہ سے ان کے حالات کا پورا پتہ چلتا ہے اور اس کا آغاز ان کی حق گوئی سے ہوتا ہے۔ وہ ایسے حق گو اور حق پرست تھے کہ خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں بھی ان کی زبان خاموش نہ رہتی تھی، چنانچہ ان کی تاریخ کا آغاز ہی خلفاء کے ساتھ اختلاف سے ہوتا ہے، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جب خلافت کا دعویٰ کیا اور جابر بن اسود اہل مدینہ سے ان کی بیعت لینے کے لئے آیا تو ابن مسیب نے اختلاف کیا، اور کہا جب تک مسلمانوں کا کسی شخص پر اتفاق نہ ہو جائے، اس وقت تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنی چاہئے۔(۳)

اعلان حق:

ابن مسیب مدینہ کے ممتاز ترین بزرگ تھے، ان کی مخالفت کے معنی یہ تھے کہ مدینہ سے ایک ہاتھ بھی بیعت کے لئے نہ بڑھتا، اس لئے جابر نے حکومت کے گھمنڈ میں آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، لیکن آپ کی حق گو زبان جبر وتشدد سے رکنے والی نہ تھی، چنانچہ وہ عین سزا کی حالت میں بھی اعلان حق کرتی رہی، جابر کے چار بیویاں تھیں۔ ایک کو اس نے طلاق دے کر عدت گزارنے سے پہلے پانچویں شادی کر لی تھی جو صریحاً جرم ہے چنانچہ ٹھیک اس وقت جب ان پر کوڑے برس رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ کتاب اللہ کا حکم سنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی، خدا فرماتا ہے: ''فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربع'' اور تو نے بھی چوتھی عدت ختم ہونے سے قبل پانچویں عورت سے شادی کر لی۔ جو تیرے دل میں آئے کر گزر، عنقریب تجھ پر برا وقت آنے والا ہے، اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما قتل ہو گئے۔(۴) ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو اپنے مقتول ہونے سے پہلے ابن مسیب کے ساتھ جابر کی اس گستاخی کا علم ہو چکا تھا، وہ ان کے مرتبہ شناس تھے، اس لئے انہوں نے جابر کو خط لکھ کر سخت تنبیہ کی اور لکھا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔(۵)

۱۔ ابن سعد ج ۵ ص ۸۸ ۲۔ ابن سعد، ج ۵ ص ۸۸ ۳۔ ابن سعد، ج ۵ ص ۹۰

۴۔ ایضاً ۵۔ ابن سعد، ج ۵ ص ۹۱ ۵۔ ابن سعد، ج ۵ ص ۹۰

عبدالملک سے اختلاف:

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوئے، اس کے ساتھ بھی ابن مسیب کا اختلاف قائم رہا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اموی حکومت کا بانی اور مجدد مروان بن حکم اپنے بعد علی الترتیب عبدالملک اور اس کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ مروان کے بعد عبدالملک کی نیت میں فتور پیدا ہوا، اس نے عبدالعزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنانا چاہا، لیکن پھر قبیصہ بن ذویب کے سمجھانے سے کہ اس میں آپ کی بڑی بدنامی ہے، رک گیا، عبدالملک کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں کے بعد عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔ (۱)

عبدالعزیز کے انتقال کے بعد عبدالملک کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا، اور اس نے ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر ان کی بیعت کے لئے صوبہ داروں کے نام فرمان جاری کر دیئے چنانچہ ہشام بن اسماعیل والی مدینہ سے بیعت لے کر سعید بن مسیب کو بلایا۔ انہوں نے کہا میں بغیر سوچے سمجھے بیعت نہیں کر سکتا، ایک بیان یہ ہے کہ انہوں نے جواب یہ دیا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں دوسری بیعت نہیں کر سکتا۔ (۲)

کوڑوں کی مار اور قید کی سزا:

ان کے اس جواب پر ہشام نے انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور تشہیر کراتے ہوئے راس الثنیہ تک جہاں مجرموں کو سولی دی جاتی تھی، بھیجا، سعید بن مسیب سولی کے لئے تیار ہو گئے تھے، چنانچہ سولی کے وقت ستر کھل جانے کے خیال سے جانگیا پہن لیا تھا، لیکن راس الثنیہ لے جانے کا منشاء غالباً محض تخویف تھا، اس لئے وہاں لے جا کر واپس لے آئے ابن مسیب نے پوچھا، اب کہاں لئے جاتے ہو، جواب ملا قید خانہ۔ چنانچہ واپس لا کر قید کر دیئے گئے، اور ہشام نے اپنی اس کارگزاری کی اطلاع بارگاہ خلافت بھجوادی۔ (۳)

استقلال:

قید خانہ میں انہیں سمجھا تھا کہ رام کرنے کی کوشش کی گئی، چنانچہ ابوبکر بن عبدالرحمن نے ان سے مل کر کہا سعید تم بالکل سٹھیا گئے ہو، انہوں نے جواب دیا ابوبکر خدا سے ڈرو اور اس کو سب قوتوں سے بڑھ کر سمجھو، ابوبکر برابر یہی کہتے رہے کہ تم تو اور زیادہ سٹھیا گئے ہو کسی طرح نرم ہی نہیں پڑتے، آخر میں ابن مسیب نے جواب دیا خدا کی قسم تمہارے دل اور آنکھ دونوں کی روشنی جاتی رہی ہے، یہ جواب سن کر ابوبکر واپس چلے گئے، ہشام نے پچھوا بھیجا کہ سعید مار کے بعد کچھ نرم پڑے، ابوبکر نے جواب دیا تمہارے اس سلوک کے بعد سے خدا کی قسم وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ اب اپنا ہاتھ روک لو۔ (۴)

رہائی:

قبیصہ بن ذویب عبدالملک کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ تمام شاہی ڈاک پہلے ان کے پاس آتی تھی، یہ پڑھنے کے بعد اس کو عبدالملک کے سامنے پیش کرتے تھے، چنانچہ ہشام کا خط بھی جس میں اس نے عبدالملک کو اپنی کارگزاریوں کی اطلاع دی تھی پہلے قبیصہ کے ہاتھ میں پڑا، یہ بڑے عاقبت اندیش، مصلحت شناس، اور سعید بن مسیب کے مرتبہ شناس تھے اس لئے ہشام کی کارگزاری پڑھ کر بہت برہم ہوئے اور اسی وقت عبدالملک کے پاس خط لے جا کر کہا امیر المومنین! ہشام خود رائی سے جو چاہتا ہے، کرتا ہے، ابن مسیب کو اس طرح مارتا اور ان کی تشہیر کرتا ہے، خدا کی قسم وہ اس تشدد اور مار سے زیادہ سخت ہو جائیں گے، اگر وہ بیعت نہ کریں، تب بھی ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے، وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جن

۱۔ ابن اثیر، ج ۴، ص ۴۰۹ ۲۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۹۲ ۳۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۳ ۴۔ ایضاً، ص ۹۴

سے رخنہ اندازی یا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا خطرہ ہو، وہ اہل سنت والجماعۃ میں ہیں۔ آپ خود سعید کو اس کی معذرت لکھئے، عبدالملک نے کہا تم ہی اپنی طرف سے لکھ دو اور یہ ظاہر کر دو کہ ہشام نے میرے منشاء کے خلاف یہ کارروائی خود کی ہے، چنانچہ قبیصہ نے اسی وقت ابن مسیب کو خط لکھ دیا۔ انہوں نے اسے پڑھ کر کہا جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس کے اور میرے درمیان خدا ہے۔(۱)

ولید کا زمانہ:

ولید کے ساتھ ابن مسیب کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی، لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ انہوں نے کبھی اس کے سامنے سر بھی نہیں جھکایا۔

حجاج کا طرز عمل:

یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ اموی خلیفہ کے مقابلہ میں اس بے نیازی اور خودداری کے باوجود حجاج نے اس شخص کا جو امویوں کا نافرمان و مطیع نہ ہو سخت دشمن تھا، ابن مسیب کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی، لوگوں کو اس پر سخت حیرت تھی، چنانچہ بعض آدمیوں نے ابن مسیب سے پوچھا بھی یہ کیا بات ہے کہ حجاج نہ آپ کے پاس کسی کو بھیجتا ہے، نہ آپ کو اپنی جگہ سے ہٹاتا ہے نہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے خود اس کا سبب نہیں معلوم، ایک واقعہ البتہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ وہ اپنے باپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور رکوع اور سجدہ ٹھیک نہیں کرتا تھا۔ میں نے تنبیہ کے لئے ایک مٹھی کنکریاں اس پر ماری تھیں، لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد سے اس کی نماز درست ہوگئی۔(۲)

وفات:

ولید ہی کے عہد ۹۴ھ میں سعید بن مسیب مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ دم آخر اپنے صاحبزادے محمد کو بلا کر تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلق وصیت کی کہ جنازہ پر سرخ چادر نہ اڑھائی جائے، جنازہ کے پیچھے آگ نہ لی جائے۔ ایسے بین کرنے والے ساتھ نہ ہوں جو وہ اوصاف بیان کریں جو مجھ میں نہیں ہیں، کسی کو جنازہ اٹھنے کی اطلاع نہ دی جائے، صرف چار آدمی اٹھانے کے لئے کافی ہیں۔ قبر پر خیمہ نہ لگایا جائے۔

احتضار کی حالت میں نافع بن جبیر نے محمد سے کہا کہ بستر کو قبلہ رخ کر دو، ابن مسیب نے سن کر کہا اس کی ضرورت نہیں، میں اسی (قبلہ) پر پیدا ہوا ہوں، اسی پر مروں گا، اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں اسی پر اٹھوں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد غشی طاری ہوگئی، اس وقت نافع نے بستر کو قبلہ رخ کر دیا، ابن مسیب کو ہوش آیا، تو پوچھا بستر کو کس نے پھیرا، کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن ہوش کی حالت میں نافع کو کہتے سن چکے تھے، اس لئے خود ہی جواب دیا کہ نافع نے کیا ہوگا، پھر فرمایا اگر میں مسلمان ہوں تو خواہ کسی سمت مردوں، قبلہ ہی کی جناب رخ رہے گا، اور اگر ملت اسلام پر نہیں ہوں اور دل قبلہ کی جانب نہیں ہے تو پھر رخ کو قبلہ کی طرف پھیرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں مسلمان ہوں۔ جس سمت میں بھی رخ ہو قبلہ ہی کی طرف ہوگا۔ **اینما تولوا فثم معه الله۔**

اسی مرض میں ۹۴ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت پچھتر سال کا سن شریف تھا، یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس سال بہت بڑے بڑے فقہاء کا انتقال ہوا، اسی لئے اس سنہ کو سنۃ الفقہاء کہا جاتا تھا۔(۳)

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۳ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۵ ۳۔ ابن سعد، ج ۵ ص ۱۰۵۔۱۰۶

فضل وکمال:

سعید بن میسب کوایسے زمانہ میں پیدا ہوئے، جب رسالت کا مقدس دور ختم ہو چکا تھا۔لیکن ابھی اس بہار کوگزرے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا، مدینہ کی گلی گلی عہد رسالت کے پھولوں سے بھری ہوئی تھی، دوچار کے سوا اکثر اکابر صحابہ جوعلوم نبوی ﷺ کے وارث تھے، مدینۃ العلم کے زیب مسند تھے، ابن میسب کوعلم کا فطری ذوق تھا، اس لئے ان بزرگوں کے فیض نے انہیں علم وعمل کا مجمع البحرین بنادیا، وہ بالاتفاق اپنے زمانہ میں علم وعمل اور جملہ علمی اوراخلاقی فضائل وکمالات میں یگانہ ویکتا تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی امامت وجلالت، علمی فضیلت اور جملہ اعمال خیر میں ان کے معاصرین پران کے تفوق اور برتری پرتمام علماء کا اتفاق ہے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اہل مدینہ کے سردار تھے۔ (۱) حافظ ذہبی ان کوامام، شیخ الاسلام اوراجلہ تابعین میں لکھتے ہیں۔ (۲) ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں حدیث، فقہ، زہدوورع اور عبادت جملہ علمی اور عملی کمالات جمع تھے۔ (۳)

تفسیر قرآن:

جیسا کہ ابن عماد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر قرآن میں بھی ان کو پورا کمال حاصل تھا، لیکن قرآن میں شدت احتیاط کی وجہ سے انہوں نے بحثیت مفسر کوئی شہرت نہیں حاصل کی، قرآن کی تفسیر میں وہ اتنے محتاط اور متشدد تھے کہ آیات قرآنی کی تفسیر وتاویل میں کبھی لب وکشائی نہ کرتے تھے، جب ان سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب دیتے کہ میں قرآن کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا۔ (۴) اسی احتیاط کی وجہ سے ان کی قرآنی مہارت ظاہر نہ ہوسکی۔

حدیث:

حدیث رسول ﷺ کا انہیں خاص ذوق تھا۔ایک ایک حدیث کے لئے وہ کئی کئی رات اور کئی کئی دن کا سفر کرتے تھے۔ (۵) ایک طرف ان کا یہ ذوق وشوق تھا، دوسری طرف ان کا مولدہ منشا یعنی مدینۃ الرسول اکابر صحابہ سے جوعلم حدیث کے اساطین تھے معمور تھا، اور حضرت عثمان، علی، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، ابن عمر، ابن عباس، ابن عمرو بن العاص، زید بن ثابت، حسان ابن ثابت، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ، ابودردا انصاری، ابوذرغفاری، ابوقتادہ انصاری، حکیم بن حزام، جبیر بن مطعم، عبداللہ بن زبیر، صفوان بن امیہ، مسور بن مخرمہ، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، معاویہ بن ابی سفیان، معمر بن عبداللہ، عبداللہ بن زید حارثی، عتاب بن اسید، عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت موجود تھی، ابن میسب نے ان تمام ذخیرہ بحور سے خوشہ چینی کی، مشہور حافظ حدیث صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے خسر تھے، اس تعلق سے ان سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ فیض یاب ہوئے تھے، چنانچہ ان کی مرویات کا بڑا حصہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث پر مشتمل ہے۔ (۶) حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جوبات کانوں میں پڑجاتی تھی، وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجاتی تھی۔ (۷) اس حافظہ اور ذوق وشوق نے حدیث میں سعید بن میسب کا دامن علم نہایت وسیع کردیا تھا۔

علماء کا اعتراف:

ان کے عہد کے تمام علماء ان کے کمال حفظ حدیث کے معترف تھے۔مکحول جوخود بڑے امام اور محدث تھے، کہتے تھے کہ میں نے علم کی تلاش میں

۱۔تھذیب الاسماء، ج۱، ق اول، ص۲۲۰ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۴۶ ۳۔شذرات الذھب، ج۱، ص۱۰۳

۴۔ابن سعد، ج۵، ص۱۰۱ ۵۔ایضاً، ص۸۹ ۶۔تھذیب التھذیب، ج۴، ص۸۴ وتھذیب الاسماء، ج۱، ق۱، ص۲۲۰ ۷۔ابن سعد، ج۵، ص۹۰

ساری دنیا کا سفر کیا، لیکن سعید بن میب جیسا عالم کوئی نہیں ملا۔(۱) امام زین العابدین فرماتے تھے کہ سعید بن مسیب گزشتہ آثار کے سب سے بڑے واقف کار تھے۔(۲) علی بن مدائنی کہتے ہیں کہ میں تابعین کی جماعت میں سعید بن مسیب سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہیں جانتا۔(۳)

مرویات کا پایہ:

محدثین اور ارباب فن کے نزدیک ان کی مرویات کا پایہ اتنا بلند تھا کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کی مرسلات کو بھی صحاح کا درجہ دیتے تھے۔(۴) امام شافعی فرماتے تھے سعید کی مرسلات ہمارے نزدیک حسن ہیں۔(۵) اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سعید کا سماع ثابت نہیں ہے، لیکن امام احمد ان سے بھی ان کی روایت کو حجت سمجھتے تھے۔(۶) یحییٰ بن معین ان کی مرسلات کو حسن بصری کی مرسلات پر ترجیح دیتے تھے۔(۷) علی بن مدائنی کہتے تھے کہ کسی مسئلہ میں سعید بن مسیب کا صرف یہ کہہ دینا کہ اس بارے میں سنت موجود ہے کافی ہے۔(۸)

فقہ:

سعید بن مسیب کا خاص فن فقہ تھا، وہ اس عہد کے مدینہ کے ان سات مشہور فقہاء میں سے تھے جو اس فن کے امام مانے جاتے تھے۔(۹) اور ان میں بھی بلکہ پوری جماعت تابعین میں ابن مسیب کا پایہ سب سے بلند تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار اور فتویٰ میں ان سب پر فائق تھے، ان کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا۔ قتادہ کہتے تھے کہ میں نے ابن مسیب سے زیادہ حلال وحرام کا جاننے والا نہیں دیکھا، سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب افقہ التابعین تھے۔(۱۰) باہر کے جو طالبین فقہ مدینہ آتے تھے، انہیں سیدھے ان کا گھر بتا دیا جاتا تھا۔ میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ گیا اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کو پوچھا، تو لوگوں نے سعید بن مسیب کے گھر پہنچا دیا۔(۱۱) عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے بعد دنیائے اسلام میں فقہ کی مسند موالی کے قبضہ میں آ گئی تھی، مکہ کے فقیہ عطاء تھے یمن کے طاؤس یمامہ کے یحییٰ بن ابی کثیر، بصرہ کے حسن بصری، کوفہ کے ابراہیم نخعی، شام کے مکحول اور خراسان کے عطاء خراسانی، صرف مدینہ کی مسند ایک قرشی یعنی سعید بن مسیب کے حصہ میں رہی۔(۱۲)

شیخین کے فیصلوں سے واقفیت:

اگرچہ سعید بن مسیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، عہد فاروقی رضی اللہ عنہ میں بہت صغیر السن تھے، لیکن تلاش وجستجو سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے سب سے بڑے واقف کار بن گئے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اب مجھ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کا جاننے والا کوئی نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ واقفیت رکھتے تھے، اسی لئے وہ ''راویہ عمر'' کہلاتے تھے۔(۱۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احکام اور فیصلوں کے بارے میں ان کا علم اتنا وسیع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ تک جو خود حبر الامۃ تھے اپنے والد بزرگوار کے بعض حالات کے متعلق ان سے معلومات حاصل کرتے تھے۔(۱۴)

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۲۲۰ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۰ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۲۲۰ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۴۷
۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۸۶ ۶۔ ایضاً ص ۸۵ ۷۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۸۶ ۸۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۲۲۰
۹۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۲۵ ۱۰۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۲۲۰ ۱۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۰
۱۲۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۱۰۳ ۱۳۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۸۹ ۱۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۸۶

فقہ میں حضرت عمر مرتبہ محتاج بیان نہیں، آپ کے زمانہ میں صد ہائے مسائل پیدا ہوئے۔ آپ نے ان جدید مسائل کے متعلق قوانین بتائے اور فیصلے دیئے، یہ سارا ذخیرہ معلومات ابن مسیب کے حصہ میں آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے بھی واقفیت تھی۔ (۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعتراف:

یہ خصوصیت وجامعیت تابعی کیا صحابی میں بھی مشکل سے نکل سکتی تھی اسی لئے وہ عہد صحابہ میں ہی صاحب افتا ہو گئے تھے، (۲) اور بڑے بڑے صحابہ ان کی اس اہلیت کو تسلیم کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے واللہ وہ مفتیوں میں سے ایک ہیں۔ (۳) کبھی کبھی سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس سے کہا سعید بن مسیب کے پاس جاؤ اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے بھی آ کر بتانا، اس نے اس حکم کی تعمیل کی، ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب سن کر فرمایا میں تم لوگوں سے کہتا نہ تھا کہ وہ علماء میں ہیں۔ (۴)

اکابر علماء اور تابعین کا اعتراف واستفادہ:

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور اکابر تابعین ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مشکل میں وہ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور دوسروں کو ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت کرتے تھے، حسن بصری جیسے بزرگ کو جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا، تو وہ ان کے پاس لکھ بھیجتے تھے۔ (۵)

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ عبداللہ بن ثعلبہ نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس شیخ (سعید بن مسیب) کا دامن پکڑو۔ (۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز بغیر ان سے پوچھے ہوئے کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے، اور ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ انہیں اپنے پاس بلانے کی زحمت نہ دیتے تھے، بلکہ آدمی کے ذریعے پچھوا بھیجتے تھے، فرماتے تھے کہ مدینہ میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جو اپنے علم کو لے کر خود میرے پاس نہ آیا ہو، لیکن ابن مسیب کا علم میرے پاس لایا جاتا تھا۔ (۷)

ایک مرتبہ ایک شخص کو ابن مسیب کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے بھیجا، وہ پوچھنے کے بجائے انہیں بلا لے گیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے انہیں دیکھ کر فرمایا، اس نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی میں نے تو صرف پوچھنے کے لئے بھیجا تھا۔ (۸)

تلامذہ:

ابن مسیب کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا، بعض مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں: سالم بن عبداللہ بن عمر، زہری، قتادہ، شریک بن ابی نمیر، ابوالزناد، سعد بن ابراہیم، عمرو بن مرہ، یحییٰ بن سعید انصاری، داؤد بن ابی ہند، طارق بن عبدالرحمٰن، عبدالحمید بن جبیر، شعبہ، عبدالخالق بن سلمہ، عبدالمجید بن سہیل، عمرو بن مسلم، امام باقر، ابن منکدر، ہاشم بن ہاشم بن عتبہ اور یونس بن یوسف رحمہ اللہ علیہم وغیرہ۔ (۹)

ذوق وسخن:

سعید بن مسیب اگرچہ خالص مذہبی بزرگ تھے، اس کے باوجود ان کو شعر وسخن کا بھی مذاق تھا، وہ اسے خلاف تقویٰ نہیں سمجھتے تھے، کسی

۱۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۸۷ ۔ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۸۹ ۔ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۸۴

۴۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۶ ۔ ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۹۷ ۔ ۶۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۸۴

۷۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۰ ۔ ۸۔ ایضاً ۔ ۹۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۸۵

نے ان سے کہا کہ عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شعر وشاعری کو برا سمجھتے ہیں، فرمایا ان لوگوں نے عجمی تقشف اختیار کر لیا ہے۔(۱) آپ خود تو شعر نہیں کہتے تھے، لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے۔

تعبیر خواب:

آپ کے صحیفہ کمال کا ایک نمایاں باب تعبیر خواب بھی ہے، آپ کو اس سے فطری مناسبت تھی، اس فن کو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اسماء رضی اللہ عنہا سے سیکھا تھا۔ جنہوں نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔(۲)

آپ کی تعبیروں کی بڑی شہرت تھی، اور بکثرت لوگ آپ کے پاس تعبیر لینے کے لئے آتے تھے، جب کوئی شخص آتا اور تعبیر کے لئے خواب بیان کرتا، تو آپ تفاولاً پہلے فرماتے کہ تم نے اچھی بات دیکھی، (ایضاً ص ۹۲) اس موقع پر ہم یہاں چند خواب اور ان کی تعبیریں نقل کرتے ہیں:

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ عبدالملک کو میں نے چت لٹا کر پھر منہ کے بل کر کے اس کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں۔ یہ خواب سن کر انہوں نے اس شخص سے کہا تم نے خود یہ خواب نہیں دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں میں نے ہی دیکھا ہے، سعید نے کہا اگر تم صحیح نہیں بیان کرتے تو میں خود بتائے دیتا ہوں، ان کی اس کہنے پر اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے نہیں بلکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے دیکھا ہے، اور مجھے آپ کے پاس تعبیر کے لئے بھیجا ہے، فرمایا اگر تم نے خواب صحیح بیان کیا ہے تو عبدالملک، ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو قتل کر دے گا اور اس کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے۔

ایک شخص نے خواب دیکھا کہ عبدالملک نے چار مرتبہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیشاب کیا ہے۔ سعید بن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ عبدالملک کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے۔

ان دونوں خوابوں کی تعبیر بالکل صحیح نکلی ابن زبیر رضی اللہ عنہما عبدالملک کے مقابلہ میں مقتول ہوئے اور عبدالملک کے چار لڑکے خلیفہ ہوئے۔ ولید، سلیمان، یزید اور ہشام۔

شریک بن ابی نمیر نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میرے دانت میرے ہاتھوں میں گر گئے ہیں اور میں نے انہیں دفن کر دیا، ابن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم اپنے خاندان کے ہم سنوں کو دفن کرو گے۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب دیکھا کہ اپنے ہاتھ پر پیشاب کر رہا ہوں، سعید نے تعبیر دی کہ تمہاری بیوی تمہاری محرم ہے، تحقیقات کی تو واقعی اس کی بیوی اس کے رضائی محرمات میں نکلی۔

مسلم الخیاط کا بیان ہے کہ ایک شخص نے یہ خواب سن کر بیان کیا کہ ایک کبوتر مسجد کے منارہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے یہ تعبیر دی کہ حجاج، جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پوتی سے شادی کرے گا۔

ایک اور شخص نے خواب بیان کیا، کہ ایک بکرا ثنیۃ الوداع سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا مجھے ذبح کرو، مجھے ذبح کرو، میں نے ذبح کر دیا، ابن مسیب نے تعبیر دی کہ ابن صلاء مر جائیں گے، ابن صلاء مدینہ کے موالی میں تھے، اور لوگوں کے ساتھ سعی کیا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن سائب کا بیان ہے کہ قبیلہ فہر کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آگ میں گھس رہا ہے۔ ابن مسیب نے تعبیر دی کہ تم اپنی موت سے پہلے بحری سفر کرو گے اور تمہاری موت قتل کے ذریعہ ہوگی۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ واقعی اس شخص نے سمندر کا سفر کیا

۱۔ کتاب العمدہ ابن رشیق، ص ۱۱ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۶۸

اور دوران سفر میں ہلاک ہوتے ہوتے بچا، پھر قدید کے معرکہ میں مقتول ہوا۔

حصین بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میری خواہش کے باوجود میرے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی، میں نے خواب میں دیکھا کہ میری گود میں کسی نے ایک انڈا پھینک دیا ہے۔ میں نے ابن مسیب سے بیان کیا، انہوں نے کہا وہ انڈا عجمی مرغی کا ہے۔ تم عجم میں رشتہ پیدا کرو چنانچہ میں نے ایک عجمی لونڈی کو بیوی بنالیا، اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں۔ پھر اٹھ کر دھوپ میں چلا گیا، ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤ گے، یہ سن کر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی کہ مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا۔ لیکن پھر میں موقع پاکے نکل آیا، اس وقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترمیم کردی کہ تم کفر پر مجبور کئے جاؤ گے، یہ تعبیر بالکل صحیح نکلی یہ شخص عبدالملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہوکر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا، لیکن پھر چھوٹ کر مدینہ واپس آیا یہ واقعہ خود یہ شخص بیان کرتا تھا۔ (۱)

کلمات طیبات:

سعید بن مسیب کے کلمات طیبات اور حکیمانہ اقوال بڑے سبق آموز ہیں:

فرماتے تھے کہ شیطان جب کسی کام میں انسان سے مایوس ہو جاتا ہے تو اس کو عورتوں کے ذریعہ سے پورا کرتا ہے۔ (۲) میں اپنے نفس کے بارے میں سب سے زیادہ عورتوں سے خوف کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کیا ابو محمد آپ جیسے ضعیف العمر آدمی کو تو عورتوں کی خواہش باقی نہیں رہ جاتی، اور نہ خود عورتیں ایسے شخص کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ (پھر کیا خطرہ) فرمایا لیکن جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں وہ واقعہ ہے۔ (۳)

فرماتے تھے کہ خدا کی اطاعت کرنا بندوں کے لئے اپنے نفس کی سب سے بڑی عزت کرنا ہے اور اس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہے۔

دنیا ایک فرومایہ شے ہے اور ہر اس فرومایہ کی طرف مائل ہوتا ہے جو بغیر حق کے اسے حاصل کرتا ہے، بے جا وسیلوں سے طلب کرتا ہے، اور بے محل صرف کرتا ہے۔

اس دولت دنیا میں کوئی خیر نہیں ہے، جس کو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلہ رحم کرے۔

ظلم کے اعوان وانصار کو جب بھی دیکھو تو دل سے ان کے مظالم سے نفرت کرو تا کہ تمہارے اچھے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔

تمام انسان خدا کی پناہ ونگرانی میں اعمال کرتے ہیں، جب خدا انہیں رسوا کرنا چاہتا ہے تو ان کو اپنی نگرانی سے نکال دیتا ہے۔ اس وقت لوگوں میں اس کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔

کوئی شریف کوئی عالم اور کوئی باکمال ایسا نہیں ہے، جس میں کوئی عیب نہ ہو، لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے عیوب بیان نہ کرنا چاہئیں، اور یہ وہ ہیں جن کی بھلائیاں ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں، ان کی خامیوں سے ان کی بھلائیوں کی وجہ سے درگزر کرنا چاہئے۔ (۴)

۱۔ یہ تمام خواب اور اس کی تعبیریں ابن سعد نے نقل کی ہیں، دیکھئے، ج ۵، ص ۹۱۔۹۳

۲۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۰ ۳۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۰۰

۴۔ یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوہ، ص ۱۳۰۔۱۳۱، سے ماخوذ ہیں

آپ کے غلام برو نے ایک مرتبہ آپ سے بعض آدمیوں کی کثرت عبادت کا تذکرہ کیا کہ وہ لوگ ظہر سے عصر تک برابر عبادت کرتے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا برو خدا کی قسم یہ عبادت نہیں ہے، تم جانتے بھی ہو عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت کہتے ہیں امور الٰہی میں غور و فکر کرنے اور اس کے محارم سے بچنے کو۔(۱)

فضائل اخلاق:

عملی کمالات کے ساتھ سعید بن مسیب فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے، اور اقلیم علم و عمل دونوں پر اس کی فرمانروائی یکساں تھی۔

زہد و ورع:

وہ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، ابن حبان لکھتے ہیں کہ ابن مسیب، فقہ، دین داری، زہد و ورع، عبادت و ریاضت جملہ فضائل میں سادات تابعین میں تھے۔(۲) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کی علمی جلالت و امامت اور ان کی دینی عظمت و بزرگی پر سلف و خلف کے اقوال متفق ہیں۔(۳)

جماعت کا اہتمام:

نماز باجماعت میں اتنا اہتمام تھا کہ چالیس سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال تک ایک وقت بھی نماز باجماعت ناغہ نہ ہوئی۔(۴) کبھی ایسے وقت مسجد آنے کا اتفاق نہیں ہوا، جب لوگ نماز تمام کر کے واپس جا رہے ہوں۔(۵)

ان پر آشوب زمانوں میں بھی جب مدینہ میں گھر سے باہر قدم نکالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا، ابن مسیب سے مسجد نہ چھوٹی، مدینہ کی تاریخ میں حرہ کا واقعہ نہایت مشہور واقعہ ہے۔ یہ واقعہ یزید اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے اختلاف کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ اہل مدینہ نے جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حمایت میں عبداللہ بن حنظلہ کو سردار بنا کر یزید کی بیعت توڑ دی تھی اس وقت یزید کی فوجیں تین دن تک برابر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قتل عام کرتی اور اس کو لوٹتی رہیں۔ اس پر آشوب زمانہ میں کوئی شخص گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ مسجدوں میں بالکل سناٹا رہتا تھا، ایسے نازک وقت میں بھی سعید بن مسیب مسجد ہی میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔ بنی امیہ انہیں دیکھ کر کہتے ذرا اس بوڑھے مجنوں کو دیکھو۔(۶) (کہ اس حالت میں بھی مسجد نہیں چھوڑتا)

نماز باجماعت کے خیال سے علاج اور صحت کے لئے بھی ایسے مقامات پر نہ جاتے تھے جہاں نماز باجماعت کا انتظام نہ ہو سکتا ہو، آپ کی آنکھ میں شکایت پیدا ہو گئی تھی، لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ سے باہر عقیق چلے جاؤ، وہاں کے سبزہ زار سے آپ کی آنکھوں کو فائدہ پہنچے گا، فرمایا رات اور صبح کی نماز کی حاضری کو کیا کروں۔(۷)

ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن مسیب سے دیہات کی خوبیوں اور اس کی پر لطف زندگی کا تذکرہ کر کے ان سے کہا کیا اچھا ہوتا آپ کچھ دنوں کے لئے دیہات چلے جاتے، تو فرمایا رات کی نماز کی حاضری کس طرح ہوگی۔(۸)

عبادت شب اور محاسبۂ نفس:

آپ کی عبادت کا اصل وقت تاریکی شب میں تھا، اس وقت وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے، (۹) روزانہ رات گئے اپنے نفس سے خطاب کرتے کہ "برائیوں اور بدیوں کا سرچشمہ اٹھ میں تجھ کو اونٹ کی طرح خستہ کر کے چھوڑوں گا جو خستگی اور ماندگی سے چلنے میں لڑکھڑاتا ہے"

۱۔ابن سعد، ج۵، ص۱۰۰ ۲۔تہذیب التہذیب، ج۴، ص۸۷ ۳۔تہذیب الاسماء، ج۱، ق۱ ۴۔ابن سعد، ج۵، ص۹۷

۵۔ایضاً، ص۹۰ ۶۔ابن سعد، ج۵، ص۹۷ ۷۔ایضاً، ص۱۹۷ ۸۔ابن سعد، ج۵، ص۱۹۷ ۹۔صفوۃ الصفوہ، ص۱۳۰

(ایضاً یہ کہہ کر تہجد میں مشغول ہو جاتے تھے، اور صبح تک پڑھتے رہتے، رات بھر کھڑے کھڑے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے، صبح کو پھر نفس سے مخاطب ہو کر فرماتے: ''تجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور تو اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے''۔(۱)

روزے:

ممنوعہ دنوں کے علاوہ ہمیشہ روزے رکھتے تھے، مغرب کے وقت افطار کے لئے گھر سے پینے کی کوئی چیز آ جاتی تھی اسی سے مسجد میں افطار کرتے تھے۔(۲)

حج:

قریب قریب ہر سال حج کرتے تھے، بعض روایتوں کے مطابق آپ کے حجوں کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔ بنی امیہ نے مخاصمت کی وجہ سے درمیان میں کچھ دنوں کے لئے ان کو حج سے روک دیا تھا۔ علی بن زید نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ کو حج سے اس لئے روکا گیا ہے کہ آپ نے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ جب کعبہ دیکھیں گے تو آل مروان کے لئے بددعا کریں گے، فرمایا یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن میں ہر نماز میں ان کے لئے بددعا کرتا ہوں، ساری عمر میں صرف ایک حج یا عمرہ فرض ہے، اور میں بیس حج سے زیادہ کر چکا ہوں، تمہاری قوم میں بہتیرے ایسے آدمی ہیں جنہیں دینداری کا دعویٰ ہے، اور وہ حج اور عمرہ کر کے مر جاتے ہیں، لیکن ان کا حج نہیں ہوتا، میں تو نفل کے حج اور عمرہ سے جمعہ کی نماز کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں۔(۳)

تلاوت قرآن:

قرآن کی تلاوت میں کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا۔ سفر کی حالت میں سواری پر تلاوت کرتے تھے۔(۴)

محرمات الٰہی کا احترام:

آپ تمام محترم چیزوں کی بڑی عظمت کرتے تھے، انبیاء ورسل کا اتنا احترام تھا کہ ان کے نام پر اپنے لڑکوں کے نام رکھنا پسند نہ کرتے تھے، قرآن اور مسجد کی اتنی عظمت کرتے تھے کہ اس کی تصغیر بھی گوارا نہ تھی۔ ابن حرملہ کا بیان ہے کہ سعید بن میسب کہتے تھے کہ مصحیف اور مسجد یعنی چھوٹا قرآن اور چھوٹی مسجد نہ کہا کرو۔ خدا نے جس چیز کو بڑائی بخشی ہے اس کی عظمت کیا کرو، خدا نے جس کو برائی دی ہے وہ بڑی اور اچھی ہے(۵) بیماری کی حالت میں بھی حدیث سناتے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے، ایک مرتبہ کسی شخص نے بیماری کی حالت میں آپ سے ایک حدیث پوچھی، آپ لیٹے ہوئے تھے، فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے، سائل نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ زحمت نہ اٹھاتے، آپ نے فرمایا میں لیٹے لیٹے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنا برا سمجھتا ہوں۔(۶)

اخلاق وآداب:

عادات وخصائل میں سعید بن میسب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھے۔ بڑے بڑے صحابہ ان کے اخلاقی کمالات کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اگر رسول ﷺ ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے۔(۷)

نرمی وصلح پسندی:

طبعاً بڑے نرم اور صلح پسند تھے، اختلاف اور جنگ وجدال کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ عمران بن عبداللہ خزاعی کا بیان ہے کہ سعید بن میسب کسی سے

۱۔ابن سعد، ج ۵، ص ۹۸ ۲۔صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۴۰ ۳۔ابن سعد، ج ۵، ص ۸۹ ۴۔ایضاً، ج ۵، ص ۸۹
۵۔ابن سعد، ج ۵، ص ۱۰۱ ۶۔مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳ ۷۔ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۶

جھگڑتے نہ تھے اگر کوئی شخص ان کی چادر چھیننا چاہتا تو وہ اس کو خود اس کی طرف پھینک دیتے۔(۱)

شدت احتیاط:

منہیات کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ بچوں کے کھیل تک میں اس کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنی لڑکی کو ہاتھی کے دانت کی گڑیا سے کھیلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔(۲)

جرأت وحق گوئی:

لیکن اعلان حق میں یہ نرمی اور سختی بدل جاتی تھی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ سعید بن مسیب بڑے حق گو تھے۔(۳) حق کے مقابلہ میں وہ کبھی خاموش نہ رہتے تھے اس سلسلہ میں انہوں نے جو سختیاں جھیلیں ان کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ بنی امیہ کے مقابلہ میں ان کی تیغ زبان ہمیشہ بے نیام رہتی تھی۔ کسی موقعہ پر بھی ان کی عیب چینی سے باز نہ رہتے تھے۔ مطلب بن سائب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابن مسیّب کے ساتھ بازار میں بیٹھا ہوا تھا کہ بنی مروان کا ہرکارہ ادھر سے گزرا۔ سعید نے اس سے پوچھا تم بنی مروان کے ہرکارے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا، اس نے کہا اچھے حال میں، ابن مسیب نے کہا وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں، یہ سن کر ہرکارہ سخت غضب ناک ہوا۔ میں نے سمجھا بجھا کر کسی طرح اسے واپس کیا اور سعید سے کہا کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، تم کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو انہوں نے کہا احمق چپ رہ، خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا رہوں گا اس وقت تک وہ مجھے ان کے قبضہ میں نہ دے گا۔(۴)

خلفاء اور سلاطین سے بے نیازی:

خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں سعید بن مسیّب کی بے نیازی بے اعتنائی کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، انہوں نے متعدد اموی خلفاء کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی کے سامنے سرخم نہیں کیا بلکہ ان کو قابل التفات بھی نہ سمجھا، عبدالملک کے ساتھ ان کے کئی واقعات اس قسم کے پیش آئے، جن سے ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اگر عبدالملک کبھی ان سے ملنے کی خواہش بھی کرتا تھا تو وہ انکار کر دیتے تھے، ایک مرتبہ وہ مدینہ گیا اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھڑے ہو کر انہیں ملنے کے لئے بلا بھیجا، عبدالملک کے آدمی نے ان کے پاس جا کر کہا امیر المؤمنین دروازہ پر کھڑے ہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا نہ امیر المؤمنین کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے، اور نہ مجھے ان سے۔ اگر امیر المؤمنین کی کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں ہو سکتی، آدمی نے جا کر عبدالملک کو یہ جواب سنا دیا، اس نے پھر اس کو واپس کیا کہ دوبارہ جا کر کہو لیکن اگر وہ نہ آئیں تو زبردستی نہ کرنا۔ آدمی نے دوبارہ جا کر پھر وہی کہا پھر وہی جواب ملا، عبدالملک کے آدمی نے یہ خشک جواب سن کر کہا، امیر المؤمنین نے ہدایت نہ کر دی ہوتی تو میں تمہارا سر لے جاتا، امیر المؤمنین تم کو بار بار بلا بھیجتے ہیں اور تم اس قسم کے جواب دیتے ہو، ابن مسیب نے کہا اگر وہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو وہ میں تمہیں بخشتا ہوں، اور اگر اس کا کچھ اور ارادہ ہے تو میں اس وقت تک حبوہ (نشست کا ایک خاص طریقہ ہے جس میں کپڑا باندھ کر بیٹھتے ہیں) نہ کھولوں گا جب تک وہ جو کچھ چاہتا ہے، اسے کر نہ گزرے۔ عبدالملک کے آدمی نے پھر واپس جا کر یہ جواب سنایا، اس نے سن کر کہا خدا ابو محمد پر رحم کرے، ان پر سختی بڑھتی ہی جاتی ہے۔(۵)

ایک مرتبہ اور عبدالملک مدینہ آیا تھا، ایک رات اسے نیند نہیں آئی، اس نے حاجب کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر دیکھو اگر مدینہ کا کوئی قصہ خوان مل جائے

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۹۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۹۴ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۴۷ ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۵

تو لے آ ؤ حاجب مسجد گیا مگر ایسے ناوقت یہاں کون ملتا، سعید بن مسیب ذکر وشغل میں مشغول تھے۔ حاجب انہیں پہچانتا نہ تھا، ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا، اور اشارہ سے ان کو بلایا، یہ اپنی جگہ بیٹھے رہے، حاجب نے یہ خیال کر کے کہ یہ شخص عمداً متوجہ نہیں ہو رہا ہے قریب جا کر اشارہ کیا اور کہا میں نے اشارہ کیا تھا، تم نے دیکھا نہیں، ابن مسیب نے کہا اپنی ضروریات بیان کرو، حاجب نے کہا امیر المؤمنین کی آنکھ کھل گئی ہے، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی باتیں کرنے والے کو لے آؤں، اس لئے تم چلو، ابن مسیب نے پوچھا کیا مجھ کو بلایا ہے؟ حاجب نے کہا نہیں، انہوں نے کہا تھا کہ جا کر دیکھو اگر اہل شہر میں کوئی قصہ خوان ہو تو لے آ ؤ۔ میں نے تم سے زیادہ مستعد کسی کو نہیں پایا، یہ سن کر ابن مسیب نے کہا امیر المؤمنین سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خوان نہیں ہوں۔ یہ جواب سن کر حاجب سمجھا کہ یہ کوئی دیوانہ آدمی ہے، اس لئے لوٹ گیا اور عبد الملک سے کہا کہ مسجد میں صرف ایک بوڑھا شخص نظر آیا، میں نے اسے اشارہ کیا، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ پھر میں نے اس کے پاس جا کر کہا امیر المؤمنین نے مجھے کسی باتیں کرنے والے کو بلانے کے لئے بھیجا ہے، اس شخص نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خوان نہیں ہوں۔ عبد الملک ان کے مزاج سے خوب واقف تھا اس لئے یہ واقعہ سن کر اس نے کہا وہ سعید بن مسیب ہیں انہیں چھوڑ دو۔ (۱)

عبد الملک کو ایسے ایسے تلخ جواب دیتے تھے کہ معمولی آدمیوں کو بھی نہیں دیئے جا سکتے۔ ایک مرتبہ اس نے ان سے کہا ابو محمد اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں تو اس کی کوئی خوشی نہیں ہوتی، برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج نہیں ہوتا۔ فرمایا اب تمہارا قلب پوری طرح سے مر گیا ہے۔ (۲)

عبد الملک کے بعد ولید کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہا، مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع کرانے کے بعد جب ولید اس کے معائنہ کے لئے آیا تو مسجد میں جس قدر آدمی تھے سب ہٹا دیئے گئے ابن مسیب بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھے انہیں اٹھانے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ ایک شخص نے صرف اتنا کہا کہ اس وقت آپ ہٹ جاتے تو اچھا ہوتا، آپ نے جواب دیا، میرے اٹھنے کا جو وقت ہے، اس سے پہلے نہ اٹھوں گا۔ عرض کیا گیا اچھا نہ اٹھیے، لیکن کم از کم اتنا کیجئے کہ جب امیر المؤمنین ادھر سے گزریں تو سلام کے لئے کھڑے ہو جایئے فرمایا خدا کی قسم میں اس کے لئے نہیں کھڑا ہو سکتا، حضرت عمر بن عبد العزیز ولید کو مسجد کا معائنہ کرا رہے تھے، یہ ابن مسیب کے مرتبہ شناس اور ان کی طبیعت سے واقف تھے۔ اس لئے ولید کی نظر بچانے کے لئے اس کو دوسری سمتوں میں ادھر ادھر پھراتے رہے لیکن جب وہ قبلہ کی طرف بڑھا، تو اس کی نظر ابن مسیب پر پڑ گئی، اس نے پوچھا یہ شیخ کون ہیں؟ سعید تو نہیں ہیں، عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا ہاں اور ان کی جانب سے معذرت کے طور پر ان کی مجبوریاں بیان کرنے لگے، کہ اب وہ ضعیف ہو گئے ہیں، آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے، اگر وہ آپ کو پہچانتے تو سلام کے لئے ضرور اٹھتے۔ ولید نے کہا ہاں میں ان کی حالت سے واقف ہوں، میں خود ان کے پاس چلتا ہوں، چنانچہ گھومتا پھرتا سعید کے پاس پہنچا اور پوچھا شیخ کیسا مزاج ہے؟ شیخ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے جواب دیا، الحمد للہ، اچھا ہوں، لیکن اتنا اخلاق برتا کہ جواب میں ولید کا مزاج پوچھ لیا۔ اس مختصر گفتگو کے بعد ولید یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ یہ پرانی یادگار ہیں۔ (۳)

پردہ پوشی:

اگرچہ سعید احکام خداوندی کے باب میں متشدد تھے، لیکن کسی کے گناہ کی پردہ دری پسند نہ کرتے تھے اور دوسروں کو پردہ پوشی کی تلقین کرتے تھے، ابن حرملہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں صبح کو باہر نکلا تو ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس کو زبردستی اپنے گھر گھسیٹ لایا، اس کے بعد

۱۔ ایضاً، ص ۹۶ ۲۔ ابن اثیر، ج ۴، ص ۴۱۵ ۳۔ ابن اثیر، ج ۴، ص ۴۳۸

سعید سے ملاقات ہوئی، ان سے میں نے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا، اس صورت میں وہ کیا کرے اس کو حاکم کے سپرد کر کے اس پر حد جاری کرائے؟ ابن مسیب نے جواب دیا، اگر تم اس کو اپنے کپڑے سے چھپا سکو تو چھپالو، یہ سن کر میں گھر واپس آیا، اس وقت وہ شخص ہوش میں آچکا تھا، مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرہ پر شرمندگی طاری ہوگئی، میں نے اس سے کہا کہ کیا شرم نہیں آتی، اگر تم صبح اس حالت میں پکڑ لئے جاتے اور تم پر حد جاری کی جاتی تو لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری کیا آبرو رہ جاتی۔ تم زندگی ہی میں مردہ ہو جاتے، تمہاری شہادت قبول تک نہ کی جاتی، یہ نصیحت سن کر اس شخص نے کہا خدا کی قسم آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا، اس پردہ پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لئے تائب ہوگیا۔ (۱)

ایک سبق آموز واقعہ:

ابن مسیب کی لڑکی کی شادی کا واقعہ، ایثار ہمدردی، غربت پسندی اور سادگی مختلف حیثیتوں سے نہایت سبق آموز ہے، ان کی لڑکی بڑی حسین وجمیل اور تعلیم یافتہ تھی، عبدالملک اس کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا، اس نے اپنے ولی عہد کے ساتھ اس کی نسبت کا پیغام بھیجا، ابن مسیب نے انکار کر دیا۔ عبدالملک نے بہت دباؤ ڈالا اور مختلف قسم کی سختیاں کی، ابن مسیب برابر انکار پر قائم رہے اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی اور غریب آدمی ابو وداعہ کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔

اس واقعہ کے بارے میں خود ابو وداعہ کا یہ بیان ہے کہ میں سعید بن مسیب کے پاس پابندی سے جا کر بیٹھتا تھا، ایک مرتبہ چند دن غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا، ابن مسیب نے پوچھا، اتنے دن تک کہاں غائب رہے۔ میں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اس لئے حاضر نہ ہوسکا، فرمایا مجھے کیوں خبر نہ دی۔ میں بھی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا، تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھنے لگا تو انہوں نے کہا تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کیا؟ میں نے جواب دیا میں غریب نادار دو چار پیسے کی حیثیت کا آدمی ہوں'' میرے ساتھ کون شادی کرے گا فرمایا میں کروں گا، تم تیار ہو، میں نے کہا بہت خوب، سعید نے اسی وقت دو یا تین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔ میں وہاں سے اٹھا تو فرط مسرت میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ گھر پہنچ کر رخصتی کے لئے قرض کی فکر میں پڑ گیا۔

شام کے وقت سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا، پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی اور دو رکعت لڑکی سے پڑھوائی، اس کے بعد اس کو لئے ہوئے میرے گھر پہنچے۔ میں مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے جا رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا سعید، میں سوچنے لگا سعید بن مسیب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے جاتے نہیں، یہ سعید کون ہیں۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا سعید بن مسیب تھے، انہیں دیکھ کر میں نے کہا آپ نے کیوں زحمت گوارا کی، مجھے بلا بھیجا ہوتا فرمایا نہیں مجھے تمہارے پاس آنا چاہئے تھا، میں نے عرض کیا فرمایئے کیا ارشاد ہے، فرمایا تم تنہا آدمی تھے اور تمہاری بیوی موجود تھی میں نے خیال کیا کہ تنہا کیوں رات بسر کرو، اس لئے تمہاری بیوی کو لے کر آیا ہوں وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کو دروازے کے اندر کر کے باہر سے دروازہ بند کر لیا، میری بیوی شرم سے گر پڑی۔ میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں میں اعلان کیا کہ آج سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا، اور اسے میرے گھر پہنچا گئے، میری ماں نے تین دن تک دستور کے مطابق اس کو بنایا سنوارا، بننے سنورنے کے بعد میں نے اس کو دیکھا تو وہ نہایت حسین، کتاب اللہ کی حافظہ، سنت رسول اللہ ﷺ کی عالمہ، اور حقوق شوہر کی واقف کار عورت تھی۔ (۲)

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۰۱ ۔ ۲۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۰۷، یہ واقعہ مختصراً ابن سعد میں بھی لکھا ہے

ذریعہ معاش:

اگر چہ ابن مسیب بڑے عابد وزاہد اور دنیا سے کنارہ کش بزرگ تھے، اس قدر ترک دنیا ناپسند کرتے تھے، جس سے انسان اپنی عزت نہ قائم رکھ سکے، اور دوسروں کے ساتھ سلوک نہ کر سکے۔(۱) اس لئے کسب معاش کے لئے تجارت کا پاک شغل اختیار کیا تھا روغن زیتون وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۔(۲)

ایک زمانہ میں حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا، لیکن پھر اسے لینا بند کر دیا تھا، ان کے وظیفہ کی تیس ہزار سے زیادہ رقم بیت المال میں جمع تھی، کئی مرتبہ انہیں اس کے لینے کے لئے بلایا گیا، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا مجھے اس وقت تک اس کی حاجت نہیں ہے جب تک میرا خدا میرے اور بنی مروان کے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔(۳)

حلیہ ولباس:

آخر عمر میں سر اور داڑھی دونوں کے بال سفید ہو گئے تھے، جو کبھی یوں ہی رہتے تھے، اور کبھی داڑھی میں خضاب کرتے تھے۔ مونچھیں کبھی بہت باریک اور کبھی ذرا موٹی کترواتے تھے، لباس میں کوئی خاص اہتمام نہ تھا، لیکن بالعموم اچھا لباس پہنتے تھے۔ کبھی کبھی کلاہ بھی استعمال کرتے تھے طیلسانی کپڑا زیادہ مرغوب تھا، اس میں کتان کی گھنڈی ہوتی تھی، کبھی باریک ابریشم کی چادر استعمال کرتے تھے، کپڑے پورے پہنتے تھے، ازار، قمیص، لہنا کرتا، موزہ اور عمامہ، کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے تھے۔(۴)

۶۔عباد بن تمیم: راجع:۴۷ ۷۔عبداللہ بن زید: راجع:۹۷

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ سڑسٹھویں (۶۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی آئمہ صحاح ستہ کے متفق علیہ راوی ہیں، البتہ حضرت محمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ اور محمد بن منصور رحمۃ اللہ علیہ مکی اور باقی سارے مدنی راوی ہیں۔

☆ حضرت عباد بن تمیم رحمۃ اللہ علیہ کو بعض نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور اکثر نے تابعین کرام میں شامل کیا ہے، اس طرح پہلے قول پر سند میں دو صحابی ہیں، اور دوسرے قول پر تین تابعین کرام (امام زھری رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ، عباد بن تمیم رحمۃ اللہ علیہ) ہیں۔

☆ سند میں تحویل ہے جو کہ سند کی تقویت کا باعث ہے۔

☆ سند میں ''اخبرنی سعید یعنی ابن المسیب اور عن عمہ۔ وھو عبداللہ بن زید'' میں اس قاعدہ کی رعایت کی گئی ہے کہ شیخ نے صرف سعید

۱۔مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۰ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۴۷ ۳۔ایضاً، ص ۹۵

۴۔ایضاً، ص ۱۰۲۔۱۰۳۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۱۰۹۔۱۲۴

اور عمہ ذکر کیا تھا، جبکہ راوی نے وضاحت کے لئے ابن المسیب اور وھو عبداللہ بن زید کا اضافہ کیا ہے۔

☆ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ تابعین کرام میں سے فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ وہ خوش قسمت صحابی ہیں، جنہوں نے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر مسیلمہ کذاب کو واصل جہنم کیا تھا۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت حدثنا ایک دفعہ، اخبر تین دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

شکی :شکایت کی گئی، مسئلہ پوچھا گیا	یجد: وہ پائے
لاینصرف: نہ پھرے۔نہ نکلے	ریحا: بدبو
یسمع: وہ سنے	صوتا: آواز

۷۔مسائل ونصائح:

باب مذکور کی حدیث کی مؤید دیگر احادیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے اور اس کو یہ اشکال ہو کہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے نہ نکلے حتیٰ کہ وہ آواز سنے یا بدبو محسوس کرے۔(۱)

سہیل بن ابی صالح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ نے فرمایا: وضو صرف آواز سے واجب ہوتا ہے یا بدبو سے۔(۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی شخص کے پاس شیطان آئے اور کہے: تمہارا وضو ٹوٹ گیا تو تم (دل میں) کہو: تو نے جھوٹ بولا، سوا اس کے کہ اس کو ناک میں بدبو آئے یا وہ اپنے کان سے آواز سنے۔(۳)

اگر وضو میں شک ہو جائے تو وضو کرنے یا نہ کرنے میں مذاہب آئمہ:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ شک یقین کو زائل نہیں کرتا اور یقین کے بعد اگر شک ہو جائے تو اس کو لغو قرار دیا جائے گا، اور اس میں اختلاف بھی ہے، ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جس کو طہارت کے یقین کے بعد وضو ٹوٹنے کا شک ہو جائے، اس پر وضو کرنا واجب ہے اور ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس کے لئے وضو کرنا مستحب ہے اور ابن نافع نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ اس پر وضو نہیں ہے۔

ثوری، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام شافعی نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے یقین پر بنا کرے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا وضو ہے، اسی طرح وہ بے وضو ہونے اور باوضو ہونے میں یقین پر بنا کرے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نماز سے نہ مڑے حتیٰ کہ آواز سن لے یا بدبو

۱۔صحیح مسلم: ۳۶۲:۹۲، الرقم المسلسل: ۷۸۳، سنن ابوداؤد: ۱۷۷ ۲۔سنن ترمذی: ۷۴، سنن ابن ماجہ: ۵۱۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۴۱۰

۳۔المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۴، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۲، ص ۵۴۔۵۱۔۵۰

محسوس کرے، اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ اس کو پہلی بار یہ معاملہ پیش آیا ہو یا وہ اس کا عادی ہو، انہوں نے کہا ہے کہ اصول یقین پر مبنی ہوتے ہیں، اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار رکعات پڑھی ہیں تو وہ اپنے شک کو چھوڑ دے اور ان رکعات پر بنا کرے، جو یقینی ہیں، پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سہو سجدے کرے۔ (الحدیث)(۱)

اسی طرح اگر اس کو شک ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں؟ تو اس کو طلاق دینا لازم نہیں ہے کیونکہ اس کو اپنے نکاح کا یقین ہے، اسی طرح اگر اس کو شک ہو گیا کہ اس کے کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہے یا نہیں؟ تو چونکہ اس کو پہلے طہارت کا یقین تھا، وہ اس طہارت پر بناء کرے۔

مصنف کے نزدیک لانڈری اور ڈرائی کلینرز میں دیئے ہوئے کپڑوں کا بھی یہی حکم ہے، اگر وہ ناپاک کپڑے دیئے تھے تو وہ دھل کر آنے کے بعد بھی ناپاک ہیں کیونکہ لانڈری میں سب کپڑے ملے جلے دھوئے جاتے ہیں، الگ الگ ہر کپڑے کو نہیں دھویا جاتا، لہٰذا جیسے کپڑے دیئے تھے، وہ دھل کر آنے کے بعد بھی ویسے ہی ہیں، اگر پاک کپڑے دیئے تھے تو پہلے ان کے پاک ہونے کا یقین تھا، اب ان کے ناپاک ہونے کا شک ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا، اور اگر ناپاک کپڑے دیئے تھے تو پہلے ان کے ناپاک ہونے کا یقین تھا اور اب ان کے پاک ہونے کا شک ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں: بعض اہل علم نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ جس کو اپنے وضو میں شک ہو جائے، وہ نماز سے نہ مڑے، حتیٰ کہ وہ آواز سن لے یا بدبو محسوس کرے، یہ حدیث اس حدیث کے معارض ہے کہ جس کو اپنی نماز میں شک ہو جائے کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ ایک رکعت اور پڑھ لے، اور کم رکعات پر بنا کرے، پہلی حدیث میں آپ نے یقین پر عمل کرنے اور شک کو لغو قرار دینے کا حکم دیا اور دوسری حدیث میں یقین کو لغو قرار دیا اور اس کو ایک رکعت پڑھنے کا حکم دیا۔

لیکن یہ بات اس طرح نہیں ہے، جس طرح ان علماء نے گمان کیا ہے، بلکہ یہ دونوں حدیثیں شک کو لغو قرار دینے میں اور یقین پر عمل کرنے میں متفق ہیں اور جس حدیث کو انہوں نے اس باب کی حدیث کے معارض سمجھا ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ جس کو اپنی نماز میں شک ہو اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار پڑھی ہیں، اس کو تین رکعات پر تو یقین ہے اور چوتھی رکعت میں شک ہے تو وہ اس شک کو لغو قرار دے اور تین رکعت جو یقینی ہیں، اس پر عمل کرے اور ایک رکعت اور پڑھ لے۔ والحمد للہ۔ (۲)

حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور فوائد:

۱۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ جس شخص کو نماز میں خیال آتا تھا کہ شاید اس کی ہوا خارج ہو گئی ہے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو جو عوارض پیش آئیں، ان کے متعلق علماء سے سوال کرنا چاہئے۔

۲۔ کسی مسئلہ کا حل معلوم کرنے کے لئے حیاء نہیں کرنی چاہئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہر چیز کی تعلیم دیتے تھے اور جب وضو نہ ٹوٹے، ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھنے کی تعلیم دیتے تھے۔

۱۔ صحیح مسلم: ۵۷۱، الرقم المسلسل: ۱۲۴۹، سنن ابوداؤد: ۱۰۲۴۔۱۰۲۶۔۱۰۲۷، سنن نسائی: ۱۲۳۸، سنن ابن ماجہ: ۱۲۱۰

۲۔ شرح ابن بطال، ج ۱، ص ۲۱۸۔۲۱۷

۳۔ صحابہ کرام اپنے ہر حال کی نبی ﷺ کو خبر دیتے تھے۔(۱)

☆ علامہ محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مطلب حدیث یہ ہے کہ جب تک حدیث کا یقین نہ ہو جائے تب تک نماز نہ چھوڑے اور وضو کے لئے نہ جائے۔ یعنی اگر نماز میں شک ہوا کہ ہوا نکلی ہے تو محض شک کی وجہ سے وضو نہ جائے گا۔ ہاں اگر یقین ہو جائے کہ ہوا خارج ہوئی ہے خواہ آواز ہو یا نہ ہو۔ بدبو محسوس ہو یا نہ ہو مگر یہ یقین ہو کہ نکلی ہے تو اس صورت میں وضو جاتا رہے گا اور یہ حکم صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے یعنی اگر خارج نماز ہوا نکلنے کا شبہ ہو تو جب تک یقین نہ ہو وضو نہیں ٹوٹے گا البتہ شک کی صورت میں دوبارہ وضو کرنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ وسوسہ کے مرض میں مبتلا نہ ہو۔

چنانچہ علامہ عینی نے حدیث ہذا کے اس ٹکڑے ''حتیٰ یسمع او یجد ریحا'' کے تحت لکھا ہے جو شخص بہرا ہو وہ آواز نہیں سن سکتا اور جس کی قوت شامہ ختم ہو گئی ہو اس کو بدبو نہیں آ سکتی۔ اس کے علاوہ بعض اوقات ہوا نکلنے کا احساس ہوتا ہے اور یقین ہوتا ہے کہ ہوا نکلی ہے مگر اس میں آواز اور بو نہیں ہوتی تو اس سے واضح ہوا کہ یہ حکم بو اور بو کی آواز کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مطلب حدیث یہ ہے کہ جب ہوا نکلنے کا یقین ہو تو وضو جاتا رہتا ہے، خواہ آواز ہو یا بو ہو یا نہ ہو۔ علماء وفقہاء نے فرمایا کہ حدیث ہذا سے ایک کلیہ قاعدہ نکلتا ہے کہ کوئی یقینی کام شک کی وجہ سے زائل نہ ہوگا۔ یعنی ہر شے اپنے اصل حکم پر باقی رہے گی تاوقتیکہ اس کے خلاف پر یقین نہ آ جائے اور محض شک سے اس شے کا اصل حکم باطل نہ ہوگا مثلاً ہر کپڑا، ہر فرش یا ہر جگہ پاک ہے تو اگر شک ہو کہ یہ نجس ہوگا تو وہ پاک ہی سمجھا جائے گا۔ محض شک کی وجہ سے اسے نجس نہ کہیں گے جب تک یقینی طور پر نجاست معلوم نہ ہو جائے۔ اسی طرح باوضو ہونے پر یقین ہے تو محض اس شبہ کی بناء پر کہ ممکن ہے وضو ٹوٹ گیا ہو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ یا مثلاً وضو کے بعد شک ہوتا ہے کہ کسی عضو کو نہیں دھویا ہے یا اعضاء وضو میں سے کوئی جگہ سوکھی رہ گئی ہوگی۔ تو اس صورت میں محض شک وضو کی صحت میں خلل انداز نہ ہوگا۔ یونہی کسی کے منہ سے شراب کی بدبو آ رہی ہے مگر وہ نہ تو اقراری ہے اور نہ ہی اس پر کوئی گواہ ہے، تو ایسی صورت میں حد جاری نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ حدیث ہذا میں وہمیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ وہم میں مبتلا نہ ہوں، وہم پر کسی چیز کی بنیاد نہ رکھیں۔ اسی سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ محض شک وشبہ کی بناء پر کسی مسلمان سے بدگمان نہ ہونا چاہئے۔(۲)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اسلام کے اصول اور قواعد میں سے ایک عظیم اصل اور قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اشیاء کو ان کی اصل پر باقی رکھنے کا حکم کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے خلاف یقین حاصل ہو جائے اور اس کی اصلی حالت کے خلاف شک پیدا ہو تو وہ شک اس میں کوئی ضرر نہیں دے گا، جمہور صحابہ، تابعین اور فقہاء کا یہی مسلک ہے، البتہ امام مالک کا یہ قول ہے کہ اگر اس کو خارج از نماز شک واقع ہوا تو وضو کرے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر ہر حال میں وضو لازم ہے۔(۳)

☆ وضو میں شک ہونے کے بارے میں ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مالکیہ مشہور مذہب کے مطابق فرماتے ہیں کہ جس شخص کو طہارت کا یقین ہو یا اس کا گمان ہو پھر اس کو حدث کے بارے میں شک ہو جائے تو اس پر وضو لازم ہے اور اگر حدث یقینی ہو اور طہارت میں شک ہو تو اس پر وضو لازم ہے کیونکہ ذمہ بدستور لازم ہے تو وہ یقین کے حصول کے بغیر ذمہ سے

ا۔ نعمۃ الباری، ج ا، ص ۵۱۴۔۵۱۶ ۲۔ فیوض الباری، ج ا، ص ۴۵۸ ۳۔ شرح مسلم، ج ا، ص ۱۵۸۔ شرح صحیح مسلم، ج ا، ص ۱۰۴۳

بری نہیں ہوگا۔ مالکیہ کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ وضو شک سے نہیں ٹوٹتا ہے، تو جس کو طہارت کا یقین ہو اور حدث میں شک ہو یا حدث کا یقین ہو اور طہارت کا شک ہو تو وہ یقینی صورت حال پر عمل کرے پہلی صورت میں طہارت اور دوسری صورت میں حدث یقینی ہے دلیل اس کی حضرت عبداللہ بن زید کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کا قضیہ پیش کیا گیا کہ اس کو نماز میں خیالات آتے ہیں کہ اس کا کچھ نکل گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت تک نہ ہٹے جب تک آواز یا بو نہ سونگھ لے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب اس کو شک ہوا تو دونوں امور قابل سقوط ہو گئے جیسے جب دو عمارتیں ٹکراتی ہیں تو گر جاتی ہیں (تو اس صورت میں بھی دونوں متعارض ہوئے تو دونوں کالعدم شمار ہوئے) اور یقین پر عمل در آمد نہیں ہو گیا اور اسی بناء پر فقہاء نے یہ عام اور اصولی قاعدہ وضع فرمایا ہے کہ:

الیقین لا یزول بالشک :یقین شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔ (۱)

۸۔خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ دبر سے ہوا کا خروج ناقص وضو ہے، البتہ ہوا کے نکلنے کا یقین ہونا ضروری ہے، صرف وہم یا شک کی بناء پر وضو نہ ٹوٹے گا۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ محض وہم یا شک کی بناء پر وضو نہ ٹوٹے گا۔

☆ اسی حدیث مبارکہ سے فقہ کا یہ اصول مستنبط ہے: **الیقین لا یزول بالشک** ۔یعنی یقین شک کی وجہ سے زائل نہ ہوتا۔

☆ امام مالک کے نزدیک اگر وضو میں شک خارج عن الصلوٰۃ ہو تو وضو کرنا واجب ہے۔

☆ انسان کو چاہئے کہ پیش آمدہ عوارض کے بارے میں علماء سے دریافت کریں، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں صحابی رسول ﷺ نے آقا کریم ﷺ سے پوچھا۔

☆ صحابہ کرام اپنے حالات وعوارض سے رسول اللہ ﷺ کو باخبر رکھتے تھے، اسی طرح طلباء کو چاہئے کہ اپنے حالات وعوارض سے اپنے اساتذہ کرام کو باخبر رکھیں، اولاد کو چاہئے والدین کو باخبر رکھیں، مریدین کو چاہئے اپنے پیرومرشد کو باخبر رکھیں، اصاغر کو چاہئے کہ وہ اکابر کو باخبر رکھیں۔

☆ ہمارے نزدیک عموم بلوی، مصالح مرسلہ اور استحسان کی بناء پر ڈرائی کلینرز، لانڈری اور دیگر برقی آلات سے دھلنے والے کپڑے پاک ہوتے ہیں کیونکہ یہ تمام آلات و مشینیں کپڑوں سے ہر قسم کی میل کچیل، داغ دھبے اور ناپاکی دور کر دیتی ہیں۔

☆ شرعی، دینی اور علمی سوالات پوچھنے میں شرم وحیا مانع نہیں ہونی چاہئے۔

☆ اسلام میں خبر واحد حجت ہے، کیونکہ یہ حدیث مبارکہ خبر واحد ہے اور فقہاء کے ہاں حجت ہے۔

☆ نماز کی تین یا چار رکعت پڑھنے میں شک ہو تو نمازی تین پر بناء کرے گا، کیونکہ تین کا پڑھا جانا یقینی ہے۔

☆ کپڑے کے ناپاک ہونے میں شک ہو جائے تو پاکی یقینی ہوگی۔

☆ کپڑے کے پاک ہونے میں شک ہو تو ناپاکی یقینی ہوگی۔

☆ پاک پانی میں نجاست گرنے کا شک ہو تو پانی پاک ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

باب ۱۱۶: الْوُضُوْءِ مِنَ النَّوْمِ — نیند سے وضو کا ٹوٹ جانا

اس باب میں نیند سے وضو کا ٹوٹ جانے کا بیان ہے۔ نیند سے حواس کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں، جس سے اشیاء کی معرفت مفقود ہو جاتی ہے، نیند کی حالت میں ہوا کے خروج اور دیگر نواقض وضو کے وقوع کا امکان قوی ہوتا ہے، اس لئے نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، پچھلے باب میں ہوا کے خروج سے وضو ٹوٹنے کا بیان تھا، اور اس باب میں نیند سے وضو ٹوٹنے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۱۶۱۔ اَخْبَرَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَّحُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ مَنَامِهٖ فَلَا يُدْخِلْ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ حَتّٰى يُفْرِغَ عَلَيْهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَاِنَّهٗ لَا يَدْرِي اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهٗ"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو، تو وہ اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اسے تین دفعہ دھولے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گذاری۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیند سے بیدار ہونے پر اپنا ہاتھ پانی کے برتن میں نہ ڈالے، جب تک اسے تین دفعہ دھو نہ لے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ ناپاک ہے، جب نیند کی وجہ سے ہاتھ ناپاک ہے، جو وضو کے نہ ہونے پر دال ہے۔ لہٰذا نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۔ اطراف: راجع: ۱

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں، البتہ حضرت معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابو سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ تفصیل سے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ اسماعیل بن مسعود: راجع: ۴۷ ۲۔ حمید بن مسعدۃ: راجع: ۵، ۱۰۸ ۳۔ یزید بن زریع: ایضاً

۴۔ معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ:

نام و نسب:

نام معمر، کنیت ابو عروہ اور والد کا اسم گرامی راشد تھا، (۱) بصرہ کے ایک شخص عبد السلام بن عبد القدوس کے غلام تھے، جنہیں خود قبیلہ ازد کی حدان نامی ایک شاخ سے نسبت ولاء حاصل تھی، اسی بالواسطہ نسبت کی وجہ سے ابو عروہ ازدی اور حدانی مشہور ہوئے، بنو حدان بصرہ میں آ کر جس مقام پر آباد ہوئے تھے، وہ بھی محلہ حدان کہا جانے لگا تھا۔ (۲)

۱۔ شذرات الذھب، ج۱، ص ۲۳۵ ۲۔ اللباب فی الانساب، ج۱، ص

وطن اور ولادت:

۹۵ھ میں پیدا ہوئے، بصرہ کے رہنے والے تھے، لیکن پھر حالات سے مجبور ہو کر یمن میں مستقل بود و باش اختیار کر لی تھی۔ (۱) اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ یمن کے اکابر شیوخ سے اکتساب فیض کرنے کے لئے وہاں گئے، پھر جب فارغ ہونے کے بعد وطن مالوف واپسی کا عزم کیا، تو اہل صنعا جوان کے علم و فضل اور حسن اخلاق سے بے حد متاثر تھے، انہیں چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اور ایک شخص نے انہیں مستقل طور پر یمن میں روکنے کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ ان کا عقد وہیں کر دیا، چنانچہ پھر یمن ہی ان کا وطن ثانی بن گیا۔ (۲)

طلب علم:

ابن راشد غلام ہونے کے باوجود تحصیل علم کی فطری استعداد اور بہت ذوق و شوق رکھتے تھے، بقول امام احمد معمر اپنے عہد کے علماء میں سب سے زیادہ علم حاصل کرنے والے اور اس کے جویاں رہتے تھے۔

چنانچہ اسی لگن اور اخلاص کا ثمرہ تھا کہ یمن کا سفر کر کے اس کے مرکز علم سے مستفید ہونے والوں میں انہیں اولیت کا فخر حاصل ہے، یمن میں اس وقت مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے آغوش تربیت کے پروردہ ہمام بن منبہ کا فیض جاری تھا، معمر ان سے پوری طرح مستفید ہوئے، (۳) اس کے علاوہ بصرہ میں قتادہ، اور رصافہ میں امام زہری کی خدمت میں حاضر ہو کر خصوصی تلمذ کا شرف حاصل کیا تھا، حضرت قتادہ سے سماع حدیث کے وقت معمر کی عمر ۱۴ سال کی تھی، اس کم سنی میں انہوں نے شیخ مذکور سے جو کچھ حاصل کیا تھا وہ آخر عمر تک مستحضر رہا جیسا کہ خود ان ہی کا بیان ہے۔

سمعت من قتادہ ولی اربع، عشرۃ سنۃ فما سمعتہ اذک کانہ مکتوب فی صدری۔ (۴)

''میں نے قتادہ سے چودہ سال کی عمر میں سماع حاصل کیا تھا، اور ان سے میں نے اس وقت جو کچھ سنا تھا وہ گویا میرے قلب پر نقش ہو گیا تھا''۔

فضل و کمال:

طلب علم اس جانکاہ محنت و لگن کے نتیجہ میں وہ فضل و کمال کے آسمان خورشید تاباں بن کر چمکے اور زبان خلق نے انہیں عالم الیمن کے لقب سے سرفراز کیا۔ ابن جریج جیسے منتخب روزگار امام بھی معمر کی توصیف میں رطب اللسان ہیں، چنانچہ وہ اپنے تلامذہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے۔

علیکم بعمر فانہ لم یبق فی زمانہ اعلم منہ۔ (۵)

''معمر کے فیض صحبت سے مستفید ہو، اس لئے کہ اپنے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں رہا''۔

امام احمد کا بیان ہے کہ ہم جب بھی معمر کا دوسرے اہل علم سے موازنہ کرتے تو ہمیشہ معمر کو فوقیت حاصل ہوتی۔ (۶) ابن عماد حنبلی ان کو ''عالم الیمن ثقہ ورع'' اور حافظ ذھبی ''احد الاعلام الثقات الامام الحجۃ'' لکھتے ہیں۔ (۷)

۱۔ الاعلام، ج ۳، ص ۱۰۵۸ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۲۴۴ ۳۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۲۲۱ ومرأۃ الجنان، ج ۱، ص ۳۰۳

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۷۱ و میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۱۸۸ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۲۴۵

۶۔ العبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۲۲۰ ۷۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۲۳۵ و میزان الاعتدال، ج ۳

حدیث:

علم حدیث اور اس کے متعلقات میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، ہزاروں حدیثیں ان کے خزانہ دماغ میں محفوظ تھیں، عبدالرزاق بن ہمام بیان کرتے ہیں کہ:

کتبت مع معمر عشرة الاف حدیث ۔(۱)

''میں نے معمر سے دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں''۔

ان کے شیوخ حدیث کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں اکابر تابعین اور ممتاز تبع تابعین کی کافی تعداد شامل ہے، امام زہری، ہشام بن عروہ، قتادہ، عمرو بن دینار، یحییٰ بن کثیر، ہمام بن منبہ، ثابت البنانی، عاصم الاحوال، ابواسحاق السبیعی، ایوب السختیانی، زید بن اسلم، صالح بن کیسان، عبداللہ بن طاؤس، سماک بن الفضل، اسماعیل بن علیہ، محمد بن المنکدر، کے نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، اور خود معمر کے فیضان صحبت سے شاد کام ہونے والوں میں سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، غندر، عبدالرزاق بن ہمام، سفیان بن عیینہ، ہشام بن یوسف، اسماعیل بن علیہ، یزید بن زریع، سعید بن ابی عروبہ، ابن جریج، امام شعبہ، عیسیٰ بن یونس، معتمر بن سلیمان، محمد بن ثور اور عبداللہ بن معاذ کے نام نمایاں ہیں، علاوہ ازیں معمر کے شیوخ میں سے یحییٰ بن کثیر، ابواسحاق سختیانی اور عمرو بن دینار نے بھی باایں ہمہ تبحر علم وفن ان سے روایت کی ہے، جو معمر کے علوم مرتبت اور بلندی شان کی بین دلیل ہے۔(۲)

ثقاہت:

اکثر علمائے جرح وتعدیل نے ان کی توثیق کی ہے، بالخصوص امام زہری سے ان کی مرویات کا پایہ نہایت بلند ہے، ابن معین کا بیان ہے کہ:معمر اثبت الناس فی الزهری''(۳) عجلی کا قول ہے:

بصری سکن الیمن ثقة رجل صالح ۔(۴)

''وہ بصرے کے رہنے والے تھے، یمن میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ثقہ اور نیک انسان تھے''۔

امام نسائی کہتے ہیں ''ھو ثقة مامون'' (ایضاً) علی بن مدینی اور ابوحاتم معمر کا شماران علمائے کبار میں کرتے تھے، جن پر مشیخت اسناد ختم تھی۔(۵)

مناقب وفضائل:

ان گوناگوں علمی کمالات کے علاوہ ابن راشد اور بھی بہت سی انسانی خوبیوں کے حامل تھے، نیک طینتی، تقویٰ، صالحیت اور بلند ظرفی ان کے خاص جوہر تھے، حافظ ذھبی اور علامہ شافعی خامہ ریز ہیں، ''کان صالحاً خیر اً''۔(۶)

ابن سعد لکھتے ہیں: کان معمر جلالہ قدر ونبل فی نفسہ۔(۷) اہل یمن ان ہی محاسن واوصاف حمیدہ کی بنا پر ان کے دلدادہ وشیفتہ ہوگئے تھے، استغنا اور اخفائے عمل خیر کا یہ عالم تھا کہ ایک بار حاکم یمن، معن بن زائدہ نے انہیں کچھ سونا ہدیۃً بھیجا، معمر نے اسے نہ صرف واپس کردیا بلکہ اپنی شریکہ حیات کو سختی سے تنبیہ کردی کہ اگر تم نے کسی کو یہ بات بتائی، تو میں سخت اقدام کروں گا۔(۸)

۱۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۱۷۱

۲۔تھذیب التھذیب، ج۱۰،ص۲۴۴ ومراۃ الجنان، ج۱،ص۳۲۳

۳۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۱۷۱ ومیزان الاعتدال، ج۳،ص۱۸۸

۴۔خلاصہ تذھیب وتھذیب الکمال، ص۳۸۴

۵۔تھذیب التھذیب، ج۱۰،ص۲۴۴

۶۔العبر فی خبر من غبر، ج۱،ص۲۲۱، ومراۃ الجنان، ج۱،ص۳۲۳

۷۔طبقات ابن سعد، ج۵،ص۳۹۷

۸۔میزان الاعتدال، ج۳،ص۱۸۸

وفات:

رمضان ۱۵۳ھ میں ان کا آفتاب حیات غروب ہوگیا۔(۱) وفات کے وقت ۵۸ سال کی عمر تھی۔(۲)

۵۔الزھری: راجع:۱

۶۔ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

عبداللہ نام، ابو سلمہ کنیت نے اتنی شہرت حاصل کی کہ نام کی جگہ لے لی۔ چنانچہ بعضوں کے نزدیک ان کا نام ہی ابو سلمہ تھا۔ مشہور صحابی حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ ماں کا نام تماضر تھا۔ نانہالی شجرہ یہ ہے:

تماضر بنت اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حارث بن حصین بن ضمضم بن عدی بن خباب بن ہبل کلبی۔

فضل وکمال:

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا درجہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں تھے۔ ابو سلمہ نے انہی کے آغوش علم وعمل میں پرورش پائی تھی۔ باپ کے فیض تربیت سے وہ یگانہ عصر بن گئے تھے۔ بعض علماء ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے ہیں، لیکن یہ رائے مختلف فیہ ہے مگر اس سلسلہ میں ان کا نام لیا جانا ہی ان کے کمال کی سب سے بڑی سند ہے۔ ان کی علمی جلالت اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ابو سلمہ کی امامت ان کے مرتبہ کی بلندی اور ان کی رفیع المنزلی پر سب کا اتفاق ہے۔(۳)

حدیث:

حدیث میں انہوں نے اپنے والد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے علاوہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت عثمان، طلحہ، عبادہ بن صامت، ابو قتادہ، ابو درداء، اسامہ بن زید، حسان بن ثابت، رافع بن خدیج، ثوبان، نافع بن حارث، عبداللہ بن سلام، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن عباس، ابن عمر، ابو سعید خدری، انس بن مالک، جابر، معاویہ رضی اللہ عنہم، ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ اور بہت سے اکابر تابعین رحمہم اللہ سے استفادہ کیا تھا۔(۴)

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام حدیث بنا دیا تھا۔ حافظ ذھبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے آئمہ تابعین میں، کثیر العلم، ثقہ اور عالم تھے۔(۵) علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقۃ فقیھا کثیر الحدیث''(۶) تمام اکابر علماء ان کے کثرت حفظ کے معترف تھے۔ زہری کا بیان ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ مجھ سے کہتے تھے کہ تمہاری قوم میں وہ دو آدمیوں سے بڑا عالم حدیث میں میں نے نہیں دیکھا۔ ایک عروہ بن زبیر۔ دوسرے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہم۔(۸) امام زہری کہتے تھے کہ میں نے چار آدمیوں کو علم کا دریا پایا، ان چار میں ایک ابو سلمہ کا نام ہے۔(۹)

تلامذہ:

امام شعبی، عبد الرحمٰن الاعرج، عراک بن مالک، عمر بن دینار، ابو حازم، ابو سلمہ بن دینار، زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، اور یحییٰ بن ابی کثیر

۱۔العبر، ج۱،ص۲۲۰ و مرآۃ الجنان، ج۱،ص۳۲۳ ۲۔تھذیب التھذیب، ج۱۰،ص۲۴۵۔ سیر الصحابۃ، ج۳، تبع تابعین (دوم)،ص۲۲۰۔۲۲۲
۳۔تھذیب الاسماء، ج۱،ق۲،ص۲۴۱ ۴۔تھذیب التھذیب، ج۱۲،ص۱۱۵ ۵۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۵۴
۶۔ابن سعد، ج۵،ص۱۱۶ ۸۔تھذیب التھذیب، ج۱۲،ص۱۱۶ ۹۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۵۴

وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔(۱)

فقہ:

فقہ میں ابوسلمہ کا پایا اتنا بلند تھا کہ بعض علماء ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے تھے۔(۲) علامہ ابن سعد ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔(۳) فقہ میں انہوں نے فقیہ الامت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا تھا۔ بعض اوقات فقہی مسائل میں استاد کو ان کی رائے پلٹا دیتے حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابوسلمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفقہ حاصل کرتے تھے، اور مسائل پر ان سے بحث ومناظرہ کرکے ان کو ان کی رائے سے پلٹا دیتے تھے۔(۴)

عہدۂ قضا:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں سعید بن العاص رضی اللہ عنہ حاکم مدینہ نے ان کو مدینۃ الرسول کے عہدۂ قضا پر ممتاز کیا۔ لیکن پھر بعد کے تغیرات میں وہ اس عہدہ پر نہ رہ سکے اور سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی معزولی کے بعد اس کے جانشین مروان نے ابوسلمہ کو ہٹا دیا۔(۵)

وفات:

ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت ۹۴ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ ہے ۱۰۴ھ میں۔ انتقال کے وقت بہتر سال کی عمر تھی۔(۶)

حلیہ:

ابوسلمہ نہایت حسین وجمیل تھے۔ عبداللہ بن ابی یعقوب کا بیان ہے کہ ابوسلمہ بڑے صبیح تھے۔ ان کا چہرہ تابانی میں ہرقلی دینار معلوم ہوتا تھا۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ ان میں کبھی حنا اور کبھی وسمہ کا خضاب لگاتے تھے۔(۷)

۷۔ابوہریرہ: راجع: ۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اڑسٹھویں (۶۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ سداسی ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت حمید بن مسعدہ رحمۃ اللہ علیہ کو امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق اور علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔

۱۔تھذیب الاسماء، ج۱، ق۲، ص۲۴۱ ۲۔ایضاً ص۲۴۰ ۳۔ابن سعد، ج۵، ص۱۱۶ ۴۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۵۴

۵۔ابن سعد، ج۵، ص۱۱۵ ۶۔ابن سعد، ج۵، ص۱۱۶ ۷۔ایضاً ص۱۱۵، ۱۱۶۔سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام، ص۳۴۴۔۳۴۵

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام عبداللہ ہے، البتہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔

☆ اکثر علماء کے نزدیک حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں۔

☆ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات: راجع:۱

۷۔ مسائل ونصائح:

نیند کے ناقص وضو یا عدم ناقص وضو ہونے کی تفصیلی بحث علامہ علاؤ الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پہلو کے بل لیٹ کر سونا: (۱) (ا۔ یہاں لفظ اضطجاع استعمال ہوا ہے، جس کے معنی پہلو کے بل لیٹنے کے ہیں، لیکن یہ حکم فقط پہلو کے بل لیٹنے ہی کا نہیں، بلکہ ہر طرح لیٹنے کا ہے اضطجاع کا ترجمہ (Lying Down) سے کیا جا سکتا ہے۔

لیٹ کر سونا خواہ نماز کے دوران میں ہو، یا نماز سے باہر ہو۔ بہر حال ذریعۂ حدث ہے اور اس کے متعلق فقہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ النظام) (المعتزلی) سے منقول ہے کہ وہ ذریعۂ حدث نہیں ہے، لیکن اجماع کے مقابلے میں اس کی رائے کی بھلا کیا حیثیت ہے اور وہ خود بھی کوئی مجتہد نہ تھا۔ جمہور کا استدلال ایک روایت سے ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ نماز کے دوران سو گئے، حتیٰ کہ ہلکے خراٹوں کی آواز آنے لگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ تو فرمایا کہ اس شخص پر کوئی وضو نہیں جو قیام، رکوع یا قعدے کی حالت میں سو جائے۔ وضو تو اس شخص پر ہے جو پہلو کے بل لیٹ کر سوئے اس لئے کہ جب کوئی شخص لیٹ کر سوتا ہے، تو اس کے اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے ہیں''۔

یہ روایت اس مضمون پر نص صریح ہے، اس روایت میں حکم کی وجہ عضلات کا ڈھیلا پڑنا قرار دیا گیا ہے، اسی لئے سرین کے بل سونے کا بھی یہی حکم ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے دونوں کولہوں میں سے کسی ایک پر وزن ڈال کر سو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کی سرین زمین سے فاصلے پر ہوگی، لہٰذا اعضلات کے ڈھیلے ہو جانے اور شعور کی گرفت کمزور ہو جانے کے باعث یہ صورت بھی پہلو کے بل لیٹنے کے مانند ہوگی۔

اور جہاں تک ان دو حالتوں کے علاوہ کسی اور حالت میں سونے کا تعلق ہے۔ یا تو وہ سونا نماز کے دوران میں ہوگا۔ یا نماز سے باہر اگر نماز کے دوران میں ہو۔ تو وہ بہر صورت حدث نہ ہوگا۔ خواہ اس پر نیند کا غلبہ ہو جائے یا وہ دانستہ سو جائے، ظاہر روایت میں یہی مسلک بیان ہوا ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز میں سونے کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے وضو باطل نہیں ہوتا، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے دانستہ سونے اور نیند کے غلبہ پانے کا بھی ان سے پوچھا تھا یا نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اگر کوئی دانستہ سو جائے۔ تو اس سے اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک نیند جس حالت میں بھی آئے، وہ ذریعۂ حدث ہے۔ البتہ اگر نیند اس حالت میں آئے۔ کہ انسان زمین پر جما ہوا بیٹھا ہو تو اس بارے میں ان کے دو اقوال مروی ہیں۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو حضرت صفوان بن عسال

المرادی سے منقول ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم "حالت سفر میں تین دن اور تین راتیں اپنے پاؤں سے موزے نہ اتاریں۔ ہاں البتہ اگر جنابت کی حالت پیش آجائے تو الگ بات ہے لیکن سونے یا بول و براز کی وجہ سے اتارنے کی ضرورت نہیں"۔ تو آپ نے اس روایت میں نیند کا علی الاطلاق ذکر کر کے، اسے بھی من جملہ احداث کے شمار فرمایا ہے۔ نیز آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

العینان وکاء الاست فاذانامت العینان استطلق الوکاء۔ دونوں آنکھیں سرین کا سہارا ہیں۔ جب دونوں آنکھیں سوجاتی ہیں تو یہ سہارہ ختم ہوجاتا ہے۔

اس روایت میں بھی آپ ﷺ نے نیند کو سہارا ختم ہونے کا ذریعہ ٹھہرا کر مطلق طور پر ذریعہ حدث قرار دیا ہے۔ ہمارا استدلال حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے ہے جس میں آپ ﷺ نے چت لیٹ کر سونے کے سوا دوسری تمام حالتوں میں سونے سے وضو کی نفی کی ہے اور اس حدیث میں آپ ﷺ نے عضلات کے ڈھیلے پڑنے اور شعور کی گرفت کے ختم ہوجانے کو اس کی وجہ قرار دیا۔ اور زیر بحث صورت میں یہ کیفیت پیدا نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ یہاں ابھی عضلاتی گرفت باقی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ نیچے نہیں گرا آنحضرت ﷺ سے ایک مشہور روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

اذا نام العبدفی سجود یباھی اللہ تعالیٰ بہ ملائکتہ فیقول انظروا الیٰ عبدی روحہ عندی وجسدہ فی طاعتی۔

جب کوئی بندہ سجدے میں جا کر سوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق اپنے فرشتوں کے سامنے اظہار تفاخر فرماتے ہیں کہ دیکھو میرے بندے کی طرف کہ اس کی روح میرے پاس ہے اور اس کا جسم میری اطاعت میں ہے۔

اور اگر نیند کی حالت میں سونا حدث کا ذریعہ ہوتا۔ تو اس کا جسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت (بندگی) میں شمار نہ کیا جاتا۔ جو روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہے، اس میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں ہے، اس لئے کہ جہاں بھی مطلق نیند کا ذکر آئے تو اس سے معروف ومتداول نیند مراد ہوتی ہے اور معروف ومتداول نیند لیٹ کر کی جانے والی نیند ہے۔ علاوہ ازیں عضلات کی بندش کا ڈھیلا پڑنا بھی فقط اسی صورت میں وقوع پذیر ہوتا ہے سونے کے باقی طریقوں میں نہیں۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر نیند حالت قیام یا رکوع یا سجدے میں پیش آئے تو اس کے بارے میں قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ وہ ذریعہ حدث ہوگی، کیونکہ ذریعہ حدث پایا گیا ہے لیکن ہم نے نیند کے غالب آجانے کی صورت میں تہجد کی ضرورت بنا پر قیاس کو چھوڑ دیا ہے تاکہ اس سے تہجد گزاروں کو تکلیف نہ ہو، جب کہ دانستہ سونے کی صورت میں ایسی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارا استدلال ان دو احادیث سے ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں کہ ان میں ان دونوں حالتوں کے بارے میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، علاوہ ازیں سب حالتوں میں عضلات پر انسان کی شعوری گرفت برقرار رہتی ہے۔

اور اگر نیند نماز سے باہر ہو، تو اگر وہ شخص زمین پر ٹکا ہوا تو ہو، مگر اس نے کسی شی پر ٹیک لگائی ہوئی نہ ہو۔ تو ایسی نیند ذریعۂ حدث نہیں ہوتی، اس لئے اکثر اوقات اس قسم کی نیند کسی حدث کا ذریعہ نہیں ہوتی۔ اور اگر وہ شخص کسی شی پر ٹیک لگائے بغیر کھڑا ہوا، یا رکوع یا سجدے کی ہیئت میں سوجائے، تو اس کے متعلق مشائخ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر مشائخ کا مسلک یہ ہے کہ وہ ذریعۂ حدث نہیں ہے کیونکہ جو روایات ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔ ان میں سے نماز اور نماز سے خارج کا کوئی فرق نہیں بیان کیا گیا، علاوہ ازیں یہاں عضلات پر شعوری گرفت ابھی برقرار ہوتی ہے۔ تاہم ان

تمام آراء میں سے قرین صحت وہ رائے ہے، جس کا ذکر اقمی نے کیا ہے کہ اس حالت کے متعلق کوئی صریح نص نہیں ملتی اس لئے اس کے متعلق یہ دیکھنا چاہئے کہ اگر تو وہ ''مسنون سجدہ'' کی حالت میں ہو کہ اس کا پیٹ اس کی رانوں سے علیحدہ ہو اور اس کے بازو اس کے پہلوؤں سے الگ ہوں تو وہ نیند ذریعہ حدث نہ ہوگی اور اگر اس نے سجدہ مسنون وضع پر نہ کیا ہو، کہ مثال کے طور پر اس کا پیٹ اس کی رانوں سے ملا ہوا ہو اور اس نے اپنے بازو زمین پر رکھے ہوئے ہوں، تو وہ نیند، ذریعہ حدث قرار پائے گی اس لئے کہ پہلی صورت میں عضلات پر گرفت برقرار ہوتی ہے اور اعضاو عضلات کا ڈھیلا پن مفقود ہوتا ہے۔ جب کہ دوسری صورت میں معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، لیکن حالت نماز میں ہم نے مذکورہ نص کی بنا پر قیاس پر عمل چھوڑ دیا تھا اور اگر وہ کسی دیوار یا ستون یا آدمی سے ٹیک لگا کر یا اپنے ہاتھ پر وزن ڈال کر سو جائے تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر تو اس کی حالت ایسی ہو کہ اگر اس کا سہارہ گرادیا جائے تو وہ گر پڑے، تو ایسی نیند سے وضو ٹوٹ جائے گا، ورنہ نہیں۔ اسی قول کو ہمارے زیادہ تر مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ اور خلف بن ایوب (خلف بن ایوب البلخی (م ۲۱۵ھ) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ وامام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مشہور ومعروف فقیہ تھے، الترمذی نے ان سے روایت نقل کی ہے، ذاتی آراء کے علاوہ انہوں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ دونوں کی فقہی روایات بھی نقل کی ہیں (۱)، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا کہ جو کسی شی سے ٹیک لگا کر سو جائے۔ یا کوئی آدمی اس طرح سو جائے کہ اگر اس کی ٹیک گرادی جائے تو وہ آدمی گر پڑے، تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک اس کی سرین زمین پر ٹکی رہے اس پر وضو کرنا لازم نہیں۔ اسی روایت کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے اور یہی بات زیادہ قرین صواب بھی ہے کیونکہ ہم نے اوپر جو حدیث روایت کی ہے اور جو اس کا مفہوم ذکر کیا ہے یہ اس کے عین مطابق ہے۔

اگر کوئی شخص زمین پر بیٹھ کر سو جائے، پھر وہ نیچے گر پڑے تو اگر وہ نیند کی حالت میں اپنا پہلو زمین کے ساتھ لگنے کے بعد اٹھائے تو بالا جماع اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ لیٹنے کی حالت میں نیند، گو وہ کم ہی ہے، پائی گئی ہے اور اگر وہ زمین کے ساتھ اپنا پہلو لگنے سے پہلے ہی جاگ جائے، تو اس کا وضو نہ ٹوٹے گا، کیونکہ نیند کی وجہ سے اس کی اپنے عضلات پر گرفت نرم پڑ چکی ہے۔ جس کی بنا پر وہ زمین پر گرا ہے۔ جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اپنی سرین کے زمین سے اٹھنے سے قبل بیدار ہو جائے تو اس کا وضو نہ ٹوٹے گا اور اگر وہ اس کے بعد بیدار ہوا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔ (۲)

علامہ محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مسئلہ ۳۲:

سو جانے سے وضو جاتا رہتا ہے بشرطیکہ دونوں سرین خوب نہ جمے ہوں اور نہ ایسی ہیأت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع ہو مثلاً اکڑوں بیٹھ کر سویا یا چت یا پٹ یا کروٹ پر لیٹ کر یا ایک کہنی پر تکیہ لگا کر یا بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا کہ ایک یا دونوں سرین اٹھے ہوئے ہیں یا ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور جانور ڈھال (پستی) میں اتر رہا ہے یا دو زانو بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا کہ دونوں سرین جمے نہ رہے یا چار زانو ہے اور سر رانوں پر یا پنڈلیوں پر ہے یا جس طرح عورتیں سجدہ کرتی ہیں اسی ہیأت پر سو گیا ان سب صورتوں میں وضو جاتا رہا اور اگر نماز میں ان صورتوں میں سے کسی صورت پر قصداً سویا تو وضو بھی گیا، نماز بھی گئی وضو کر کے نئے سرے سے نیت باندھے اور بلا قصد سویا تو وضو جاتا رہا نماز نہیں گئی۔ وضو کر کے جس رکن میں سویا تھا وہاں سے ادا کرے اور از سر نو پڑھنا بہتر ہے۔ (۳)

۱۔ حدائق، ص ۱۶۷۔۱۶۸ ۲۔ بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۱۶۱۔۱۶۴ ۳۔ الفتاوی الرضویۃ، ج ۱، ص ۳۶۵۔۳۶۷ وغیرہ

مسئلہ ۳۳:

دونوں سرین زمین یا کرسی یا بنچ پر ہیں اور دونوں پاؤں ایک طرف پھیلے ہوئے یا دونوں سرین پر بیٹھا ہے اور گھٹنے کھڑے ہیں اور ہاتھ پنڈلیوں پر محیط ہوں خواہ زمین پر ہوں، دوزانو سیدھا بیٹھا ہو یا چارزانو پالتی مارے یا زین پر سوار ہو یا ننگی پیٹھ پر سوار ہے مگر جانور چڑھائی پر چڑھ رہا ہے یا راستہ ہموار ہے یا کھڑے کھڑے سوگیا یا رکوع کی صورت پر یا مردوں کے سجدہ مسنونہ کی شکل پر تو ان سب صورتوں میں وضونہیں جائے گا اور نماز میں اگر یہ صورتیں پیش آئیں تو نہ وضو جائے نہ نماز، ہاں اگر پورا رکن سوتے ہی میں ادا کیا تو اس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر جاگتے میں شروع کیا پھر سوگیا تو اگر جاگتے میں بقدر کفایت ادا کر چکا ہے تو وہی کافی ہے ورنہ پورا کرلے۔(۱)

مسئلہ ۳۴:

اگر اس شکل پر سویا جس میں وضونہیں جاتا اور نیند کے اندر وہ ہیأت پیدا ہوگئی جس سے وضو جاتا رہتا ہے تو اگر فوراً بلا وقفہ جاگ اٹھا وضو نہ گیا ورنہ جاتا رہا۔(۲)

مسئلہ ۳۵:

گرم تنور کے کنارے پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سوگیا تو وضو کرلینا مناسب ہے۔(۳)

مسئلہ ۳۶:

بیمار لیٹ کر نماز پڑھتا تھا نیند آگئی، وضو جاتا رہا۔(۴)

مسئلہ ۳۷:

اونگھنے یا بیٹھے بیٹھے جھونکے لینے سے وضونہیں جاتا۔(۵)

مسئلہ ۳۸:

جھوم کر گر پڑا اور فوراً آنکھ کھل گئی وضو نہ گیا۔(۶)

مسئلہ ۳۹:

نماز وغیرہ کے انتظار میں بعض مرتبہ نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ دفع کرنا چاہتا ہے تو بعض وقت ایسا غافل ہو جاتا ہے کہ اس وقت جو باتیں ہوئیں ان کی اسے بالکل خبر نہیں بلکہ دو تین آواز میں آنکھ کھلی اور اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ سویا نہ تھا اس کے اس خیال کا اعتبار نہیں اگر معتبر شخص کہے کہ تو غافل تھا، پکارا جواب نہ دیا یا باتیں پوچھی جائیں اور وہ نہ بتا سکے تو اس پر وضو لازم ہے۔(۷)

فائدہ: انبیاء علیہم السلام کا سونا ناقض وضونہیں ان کی آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتے ہیں۔ علاوہ نیند کے اور نواقض سے انبیاء علیہم السلام کا وضو جاتا ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ جاتا رہتا ہے بوجہ ان کی عظمت شان کے، نہ بسبب نجاست کے، کہ ان کے فضلات شریفہ طیب وطاہر ہیں جن کا کھانا پینا ہمیں حلال اور باعث برکت۔(۸)

۱۔ المرجع السابق　　۲۔ الفتاوی الرضویۃ، ج۱، ص۳۶۷　　۳۔ المرجع السابق، ص۴۲۵

۴۔ الفتاوی الھندیۃ، کتاب الطھارۃ، الباب الاول فی الوضو، الفصل الخامس، ج۱، ص۱۲

۵۔ الفتاوی الرضویۃ، ج۱، ص۳۶۷　　۶۔ المرجع السابق　　۷۔ المرجع السابق

۸۔ الدر المختار، ورد المحتار، کتاب الطھارۃ، مطلب: نوم الانبیاء غیر ناقض، ج۱، ص۲۹۸۔۲۷۴۔ بہار شریعت، ج۱، ص۳۰۷۔۳۰۸

علامہ محمد لیاقت علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ نیند کی بحث میں لکھتے ہیں:

نیند کے ناقض وضو ہونے کا بیان:

ترجمہ: اور وہ نیند جو کروٹ پر ہو یا کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر ہو کہ اگر وہ چیز ہٹادی جائے تو یہ شخص گر پڑے کیونکہ کسی پہلو پر لیٹنا جوڑوں کے ڈھیلے ہو جانے کا سبب ہے پس عادت کسی چیز کے نکلنے سے خالی نہ ہوگی اور جو چیز عادتہ ثابت ہو وہ ایسی ہے جیسے اس کا یقین ہو اور تکیہ لگانا زمین سے مقعد زائل ہونے کی وجہ سے بیداری کی رکاوٹ زائل کرتا ہے اور ڈھیلا پن نیند میں اس قسم کی استناد سے اپنی انتہا کو پہنچ جائے گا مگر ٹیک اس کو گرنے سے روکتی ہے برخلاف قیام، قعود رکوع اور سجدہ کی حالت کے نماز میں یا غیر نماز میں یہی صحیح ہے اس لئے کہ کچھ استمساک باقی ہے کیونکہ اگر استمساک بالکل زائل ہو جاتا تو گر پڑتا پس استرخاء پورا نہ ہوا اور اصل اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو شخص حالت قیام یا قعود، رکوع، یا سجدہ کی حالت میں سویا اس پر وضو نہیں۔ وضو تو اس پر جو کروٹ پر سویا کیونکہ جب وہ کروٹ پر سویا اس کے جوڑ کھل گئے ہیں۔

نیند حکمی ناقض وضو ہے:

مصنف نے حقیقی نواقض وضو بیان کرنے کے بعد حکمی نواقض کا بیان شروع کیا ہے اور ان حکمی نواقض میں سے پہلا ناقض نیند ہے۔

علامہ علاؤ الدین کاسانی لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص کروٹ پر سو جائے تو اس کے مفاصل کھل گئے۔ اس حکم پر نص ہے اور اس حکم کی علت مفاصل کا کھلنا ہے اور اس حکم کی اصل یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں نیند آئی حتیٰ کہ اونگھ کی حالت طاری ہوئی پس پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قیام میں، رکوع میں، بیٹھ کر اور سجدے میں سو گیا اس پر وضو نہیں بے شک جو شخص کروٹ کے بل سویا اس پر وضو ہے۔(۱)

علامہ کاسانی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نیند ناقض وضو ہے اور یاد رہے حدیث میں جو حالت قیام و رکوع وغیرہ کا ذکر ہوا ہے وہ استثناء ہے اور جو نیند اس استثناء کے سوا ہے وہ ناقض وضو ہے۔ اور علت اس طرح بھی واضح ہے کہ جو نیند حالت قیام میں آئے وہ مفاصل کو کھولنے والی نہیں ہے لہٰذا اس میں علت استرخاء مفاصل معدوم ہوئی۔ جس کی وجہ یہ نیند ناقض وضو نہ ہوئی۔ اور نیند کی وہ حالتیں جن میں استرخاء مفاصل متحقق ہو وہ تمام نیند کی حالتیں ناقض وضو ہیں۔

بیٹھنے والے کی نیند وضو نہیں توڑتی:

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) نماز کے لئے اقامت کہی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی سے سرگوشی فرما رہے تھے۔ عبدالوارث کی حدیث کے الفاظ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی سے سرگوشی کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے نہیں ہوئے حتیٰ کہ قوم (بیٹھی بیٹھی) سو گئی۔ اور شعبہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرگوشی میں مصروف رہے یہاں تک کہ صحابہ (بیٹھے بیٹھے) سو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور انہیں نماز پڑھائی (نیا وضو بنانے کا حکم نہیں دیا)۔(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ نیند جس میں مقعد استقرار میں رہے وہ ناقض وضو نہیں۔ اور احناف نے جو نیند میں کروٹ یا تکیہ لگانے کی شرط لگائی اس کی وجہ یہی ہے اس نیند میں مقعد کا استقرار نہیں اور اس سے کسی چیز کا خروج یا عدم خروج مجہول ہو جائے گا۔

۱۔ بدائع الصنائع، ج ۱ ص ۱۳۱، العربی بیروت، ابوداؤد، ترمذی، بیہقی، ابن ماجہ، دارقطنی، ابن ابی شیبہ، مسند احمد، طبرانی، بخاری ۲۔ رقم الحدیث، ۱۲۵، صحیح مسلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آنکھیں مقعد کا بند ہیں پس جو شخص سو جائے تو وضو کرے۔(۱)

سجدہ میں نیند ناقض وضو نہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو سجدہ میں سو گیا اس پر وضو نہیں جب تک کہ لیٹ نہ جائے۔ کیونکہ جب لیٹے گا تو جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے۔(۲)

حضور کی نیند ناقض وضو نہیں:

حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں ہوتا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نیند (۱) دو شرطوں سے ناقض وضو ہوتی ہے: اول یہ کہ دونوں سرین اس وقت خوب جمے نہ ہوں دوسرے یہ کہ ایسی ہیئات پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔ جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں گی تو سونے سے وضو جائے گا اور ایک بھی کم ہے تو نہیں، مثلاً:

(۱) دونوں (۲) سرین زمین پر ہیں اور دونوں پاؤں ایک طرف پھیلے ہوئے کرسی کی نشست اور ریل کی تپائی بھی اس میں داخل ہے۔

اقول مگر (۳) یورپین ساخت کی کرسی جس کے وسط میں ایک بڑا سوراخ اسی مہمل غرض سے رکھا جاتا ہے اس سے مستثنیٰ ہے اس کی نشست مانع حدث نہیں ہو سکتی۔

۲۔ دونوں سرین پر بیٹھا ہے اور گھٹنے کھڑے ہیں اور ہاتھ ساقوں پر محیط ہیں جسے عربی میں احتبا کہتے ہیں خواہ ہاتھ زمین وغیرہ پر ہوں اگر چہ سر گھٹنوں پر رکھا ہو۔ (۳) دو زانو سیدھا بیٹھا ہو۔ (۴) چار زانو پالتی مارے یہ صورتیں خواہ زمین پر ہوں یا تخت یا چار پائی پر یا کشتی یا شقدف یا شبری یا گاڑی کے کھٹولے میں۔ (۵) گھوڑے (۴) یا خچر وغیرہ پر زین رکھ کر سوار ہے۔ (۶و۷) ننگی پیٹھ پر (۱) سوار ہے مگر جانور چڑھائی پر چڑھ رہا یا راستہ ہموار ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب صورتوں میں دونوں سرین جمے رہیں گے لہٰذا وضو نہ جائے گا اگر چہ کتنا ہی غافل ہو جائے اگر چہ سر بھی قدرے جھک گیا ہو نہ اتنا کہ سرین نہ جمے رہیں اگر چہ (۲) دیوار وغیرہ کسی چیز پر ایسا تکیہ لگائے ہو کہ وہ شے ہٹالی جائے تو یہ گر پڑے یہی ہمارے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومفتی بہ وصحیح ومعتمد ہے اگر چہ ہدایہ وشرح وقایہ میں حالت تکیہ کو ناقض وضو لکھا۔ (۸) کھڑے کھڑے سو گیا۔ (۹) رکوع کی صورت پر۔

(۱۰) سجدۂ مسنونہ مردان کی شکل پر کہ پیٹ رانوں اور رانیں ساقوں اور کلائیاں زمین سے جدا ہوں اگر چہ یہ قیام وہیات رکوع وسجود غیر نماز میں ہو اگر چہ سجدہ کی اصلانیت بھی نہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں صورتیں غافل ہو کر سونے کی مانع ہیں تو ان میں بھی وضو نہ جائے گا۔ (۱۱) اکڑوں (۴) بیٹھے سویا۔ (۱۲، ۱۳، ۱۴) چت یا پٹ یا کروٹ پر لیٹ کر۔ (۱۵) ایک کہنی پر تکیہ لگا کر۔ (۱۶) بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا کہ ایک یا دونوں سرین اٹھے ہوئے ہیں۔ (۱۷) ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور جانور ڈھال میں اتر رہا ہے۔

اقول فقیر گمان کرتا ہے (۵) کہ کاٹھی بھی ننگی پیٹھ کے مثل ہے اور وہ یورپین وضع کی کاٹھیاں جن کے وسط میں اس لئے خلا رکھتے ہیں مانع حدث نہیں

۱۔ سنن ابوداؤد، ج ۱، کتاب طہارت ۲۔ المسند لاحمد بن حنبل، ج ۱، ص ۲۵۲/ المصنف لابن ابی شیبۃ، ج ۱، ص ۱۳۲

ہوسکتیں اگر چہ راہ ہموار ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۸) دوزانو بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا ہے کہ دونوں سرین جمے نہ رہے ہوں۔ (۱۹) اسی طرح اگر چارزانو ہے اور سر رانوں یا ساقوں پر ہے۔ (۲۰) سجدۂ غیر (٦) مسنونہ کی طور پر جس طرح عورتیں گھڑی بن کر سجدہ کرتی ہیں اگر چہ خود نماز یا اور کسی سجدہ مشروعہ یعنی سجدۂ تلاوت یا سجدۂ شکر میں ہوان دس صورتوں میں دونوں شرطیں جمع ہونے کے سبب وضو جاتا رہے گا اور جب اصل مناط بتا دیا گیا تو زیادہ تفصیل صور کی حاجت نہیں ان دونوں شرطوں کو غور کرلیں جہاں مجتمع ہیں وضو نہ رہے گا ورنہ ہے البتہ فتاویٰ امام قاضی خان میں فرمایا کہ تنور (۷) کے کنارے اس میں پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سونے سے بھی وضو جاتا رہتا ہے کہ اس کی گرمی سے مفاصل ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ (۱)

عادت سے ثابت ہونے والی چیز یقین کی طرح ہے۔ قاعدہ فقہیہ:

والثابت عادةً كالمتيقن به (۲)

جو چیز عادت کے طور پر ثابت ہو وہ اس چیز کی طرح ہے جو یقین سے ثابت ہو۔ اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح حالت نیند میں وضو کا مسئلہ ہے۔ یعنی مفاصل کا ڈھیلا ہو جانا یہ عادت سے ثابت ہے اور مفاصل جب ڈھیلے ہو جائیں تو اس وقت سونے والے کو پتہ نہیں چلتا کہ ہوا خارج ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر ہوا خارج ہو بھی جائے تو وہ تب بھی نہیں جانتا۔ لہٰذا اس جہل کی بناء پر اسے ناقض وضو قرار دیا گیا تا کہ جہل ختم کر دیا جائے اور یہ یقین کرلیا جائے کہ اس حالت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قاعدہ فقہیہ:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹنے کے لئے قابل اعتماد قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ استرخاء مفاصل اپنی انتہاء کو پہنچ جائے اور مقعد بھی زمین پر ٹکی ہوئی نہ ہو، اختلاف واشتباہ کی صورت میں ایسا ہی طرز عمل اختیار کرنا چاہئے مگر فقہاء نے اس قاعدہ کلیہ سے نماز میں غیر مسنون طور پر سجدہ کی حالت میں نیند کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ (۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ نیند سے بیدار ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کو پانی والے برتن میں ڈالنے سے منع کیا ہے، جو کہ ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے، جس سے وضو کا ختم ہونا معلوم ہوا۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال اور حدیث مبارکہ سے مراد ایسی نیند ہے، جو لیٹ کر ہو۔ یہ نیند بالاتفاق فقہاء کرام نواقض وضو میں سے ہے۔

☆ نماز کی حالت میں مسنون طریقہ پر رکوع، سجدہ یا قعدہ کی صورت میں نیند آنا ناقض وضو نہیں ہے۔

☆ اگر کوئی جان بوجھ کر نماز میں سوتا ہے، تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

☆ نماز کے علاوہ بغیر کسی سہارا کے زمین پر ٹکا ہوا ہونے کی صورت میں نیند، ناقض وضو نہیں ہے۔

☆ کسی دیوار، ستون، آدمی، اپنے ہاتھ یا دیگر اشیاء کے ساتھ ٹیک لگا کر سونے سے جب تک سیرین (پیٹھ) زمین پر ٹکی ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا، اگر سرین زمین سے اٹھ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر سہارا کے ہٹانے سے وہ شخص گر جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اگر نہ گرے تو وضو نہ ٹوٹے گا۔

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج۱، ص ۲۔ ھدایہ ۳۔ شرح ھدایہ، ج۱، ص۱۹۶۔۱۹۹

☆ نیند دو شرطوں کے ساتھ ناقض وضو ہے۔

۱۔ دونوں سرین زمین پر جمے ہوئے نہ ہوں۔

۲۔ ایسی پشت پر سوئے کہ غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔

☆ ہوائی جہاز، بحری جہاز، ریل گاڑی، بسیں، کوسٹرز، کاریں اور دیگر ذرائع آمد ورفت میں سیٹوں پر بیٹھ کر سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ البتہ محض اونگھ آنے پر وضو نہیں ٹوٹے گا۔

☆ انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہے۔

باب ۱۱۷: النُّعَاس — اونگھ سے وضو کا نہ ٹوٹنا

اونگھ سے مراد یہ ہے کہ انسان کے حواس برقرار ہوں، وہ کلام سن رہا ہو، لیکن اس کا معنٰی نہ سمجھ رہا ہو، ایسی حالت اگر نماز میں پیش آجائے، تو نماز کو مختصر کر کے آرام کرنا چاہئے، البتہ نماز میں اونگھ آنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا، پچھلے باب میں نیند کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا بیان تھا، اور اس باب میں اونگھ کی وجہ سے وضو نہ ٹوٹنے کا بیان ہے، دونوں باب وضو اور نیند سے متعلق ہیں، کیونکہ اونگھ بھی نیند کی ابتدائی حالت ہے۔

۱۶۲۔ اَخْبَرَنَا بِشْرُ بْنُ هِلَالٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ اَيُّوبَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِذَا نَعَسَ الرَّجُلُ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنْصَرِفْ لَعَلَّهُ يَدْعُو عَلٰى نَفْسِهِ وَهُوَ لَا يَدْرِيْ"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آئے، تو وہ پلٹ جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ انجانے میں اپنے لئے بددعا کرنے لگے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ میں اونگھ آنے کی صورت میں نماز سے پلٹنے کا بیان ہے، لیکن وضو کے ٹوٹنے کا بیان ہے، جس سے پتہ چلا کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرنے کا حکم فرماتے، یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۲۱۲، صحیح مسلم: ۷۸۶، الرقم المسلسل: ۱۸۰۴، سنن ابوداؤد: ۱۳۱۰، سنن ترمذی: ۳۵۵، سنن نسائی: ۱۶۲، سنن ابن ماجہ: ۱۳۷۰، مسند ابوعوانہ، ج ۲، ص ۲۹۷، مشکل الآثار: ۳۴۳۵، صحیح ابن حبان: ۲۵۸۳، سنن بیہقی، ج ۳، ص ۱۶، معرفۃ السنن والآثار: ۵۴۲۹، شرح السنۃ: ۹۴۰، مسند الحمیدی: ۱۸۵، مسند اسحاق بن راھویہ: ۶۱۷، المعجم الاوسط: ۸۱۳۴، مسند احمد، ج ۶، ص ۵۶، طبع قدیم، مسند احمد: ۲۴۲۸۷، ج ۴۰، ص ۳۳۱) (نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۴۷)

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، حضرت بشر بن ہلال رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

درج کئے جاتے ہیں، اور حضرت ایوب بن ابی تمیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ تفصیلی درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ **بشر بن ھلال:** آپ کا نام ابو محمد بشر بن ھلال صواف نمیری، بصری (م: ۲۴۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام بخاری کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ **عبدالوارث:** راجع: ٦

۳۔ **ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی رحمۃ اللہ علیہ:**

نام ونسب:

ایوب نام، ابوبکر کنیت اور والد کا نام کیسان تھا، لیکن وہ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں، ایوب قبیلہ عنزہ کی غلامی میں تھے۔

فضل وکمال:

ایوب اگرچہ غلام تھے، لیکن اقلیم علم وعمل کے تاجدار تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: کان ثقة ثبتا فی الحدیث جامعا عدلا ورعا کثیر العلم حجة" (۲) امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، ان کی امامت، ان کے حفظ، ان کی توثیق، ان کے وفور علم، ان کی فہم اور ان کی سربلندی پر سب کا اتفاق ہے۔ (۳) ابن عماد حنبلی کو ان علمائے علام میں لکھتے ہیں۔ (۴)

اکابر علماء کا اعتراف:

ان کے عہد کے تمام اکابر علماء ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے معترف اور ان کی جلالت شان پر متفق ہیں، شعبہ ان کو سید العلماء کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ ابن عیینہ کہتے تھے کہ میں چھیاسی تابعین سے ملا، مگر ان میں سے کسی کو ایوب کے مثل نہ پایا۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ انہیں جن جن محدثین اور علماء کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا، ایوب ان سب سے افضل اور پابند سنت تھے، ایوب جہبذ العلماء کہلاتے تھے، ھشام بن عروہ کہتے تھے کہ بصرہ میں ایوب کا مثل نہ تھا۔ حضرت حسن بصری ان کو نوجوانان بصرہ کا سردار کہتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ ابن سیرین کی موت کے بعد ہم لوگوں کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ اب کون باقی رہ گیا؟ لیکن پھر خود ہی جواب مل گیا کہ ایوب موجود ہیں۔ (۵)

حدیث:

بصرہ کے ممتاز ترین حفاظ حدیث میں تھے، امام ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حافظ اور اعلام تھے۔ (٦)

حدیث میں انہوں نے بڑے بڑے تابعین سے فیض پایا تھا، عمر بن سلمہ جرمی، ابورجاء عطاردی، ابوعثمان نہدی، ابوالشعثاء، جابر بن زید، حسن بصری، ابن سیرین، سالم بن عبداللہ، نافع ابن ابی ملیکہ، ابن منکدر، حمید بن ہلال، ابوقلابہ جرمی، قاسم بن محمد، عبدالرحمٰن بن قاسم، عکرمہ اور عطاء رحمہ اللہ عنہما وغیرہ جیسے اکابر علماء سے سماع حدیث کیا تھا، حدیث میں ان کی وسعت علم کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد آٹھ سو اور بعض روایات کے مطابق دو ہزار تک پہنچتی ہے۔ (۷)

۱۔i۔ الجرح والتعدیل، ج۲، ص۳٦۹ ii۔ تقریب التھذیب، ج۱، ص۱۱۰ ۲۔ ابن سعد، ج۷، ق۲، ص۱۴

۳۔ تھذیب الاسماء، ج اول، ق اول، ص۱۳۱ ۴۔ شذرات الذھب، ج۱، ص۱۸۰

۵۔ تھذیب الاسماء، ج اول، ق اول، ص۱۳۲ و تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۱ ٦۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۱

۷۔ تھذیب التھذیب، ج۱، ص۳۹۷، ۳۹۸، تھذیب الاسماء، ج۱، ق۱، ص۱۳۲

امام مالک، سفیان ثوری، ابن عینیہ، ابن ابی عروبہ، معمر، اعمش، قتادہ اور شعبہ وغیرہ جیسے اکابر آئمہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے۔

ارباب فن میں آپ کی مرویات کا پایہ:

کیفیت کے اعتبار سے ان کی روایات کا جو پایہ تھا، اس کا اندازہ ذیل کی آرا سے ہوگا۔ ابو حاتم کا ان کی روایات کے متعلق خیال تھا کہ ان کے جیسے شخص کے متعلق پوچھنے گوچھنے کی ضرورت نہیں۔ ابن سیرین ان کو مثبت کہتے تھے۔ مسلم بن اکیس کا بیان ہے کہ میں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ آپ سے فلاں فلاں حدیث کس نے بیان کی، انہوں نے جواب دیا ثبت ثبت ایوب نے۔(۱) ابن مدائنی، نسائی اور ابن خیثمہ وغیرہ سب ان کی روایات کو اعلیٰ درجہ کی سمجھتے تھے، (۲) شعبہ ان کی ان روایت کو جن میں انہیں خود کچھ شک ہوتا، دوسروں کی یقینی اور غیر مشتبہ روایات پر ترجیح دیتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے ان سے ایک حدیث پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا مجھے اس میں شک ہے، شعبہ نے کہا آپ کا شک مجھے دوسروں کے یقین سے زیادہ پسند ہے۔(۳)

فقہ:

فقہ میں بھی پورا کمال حاصل تھا، شعبہ انہیں سید الفقہاء کہتے تھے، لیکن انتہائی احتیاط کی وجہ سے ان کے کمالات فقہی ظاہر نہ ہو سکے۔(۴)

احتیاط:

ان محدثانہ اور فقہی کمالات کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے اور فقہی مسائل بتانے میں بڑے محتاط تھے، حماد بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایوب اور یونس سے زیادہ میں نے سوالات کے جوابات میں لاعلمی ظاہر کرنے والا نہیں دیکھا، جواب بھی دیتے تھے تو جواب دینے سے پہلے سائل کے حافظہ کا امتحان کر لیتے تھے، کہ وہ ان کے جواب کو غلط نقل نہ کرے، حماد بن یزید بیان کرتے ہیں، کہ جب کوئی شخص ایوب سے کسی چیز کے متعلق پوچھتا تھا، تو پہلے اس کا سوال دہراتے تھے، اگر وہ بعینہٖ پہلی مرتبہ کی طرح دہرا دیتا تو جواب دیتے اور اگر ذرا بھی تغیر وتبدل اور خلط ملط کرتا تو جواب نہ دیتے اور جواب میں اپنی رائے کو دخل نہ دیتے تھے، بلکہ صرف احادیث وسنن کا حکم بتا دیتے اور اگر کوئی سند نہ ہوتی تو لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی چیز کے متعلق سوال کیا، جواب دیا مجھے کوئی علم نہیں، سائل نے کہا اپنی رائے سے بتائیے، فرمایا میری رائے بھی کوئی نہیں ہے۔(۵) رائے کو وہ ایک باطل شے سمجھتے تھے، کسی نے ان سے کہا، آپ مسائل میں رائے کیوں نہیں دیتے، آپ نے یہ تمثیلی جواب دیا کہ کسی نے گدھے سے کہا تم جگالی کیوں نہیں کرتے، اس نے کہا باطل شے کا چبانا پسند نہیں کرتا۔(۶)

پندار علم کا خوف اور اس سے احتراز:

انسان کسی مرتبہ اور درجہ پر پہنچ کر مشکل ہی سے عجب وغرور سے بچ سکتا ہے۔ اس لئے ایوب ہمیشہ اس سے خائف رہتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ کون انسان اس سے محفوظ رہ سکتا ہے کہ ایک شخص حدیث بیان کرتا ہے اور اس کی بنا پر قوم کے دل میں وہ ایک مقام حاصل کر لیتا ہے، اس وقت اس کے دل میں بعض چیزوں (عجب وغرور وغیرہ) کی آمیزش ہو جاتی ہے۔(۷) لیکن ان کا دامن اس سے محفوظ تھا، علم کا ایک پندار بھی ہے کہ صاحب علم اپنی لاعلمی دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بہتیرے سائلوں کو صاف جواب دیتے تھے

۱۔ تہذیب التہذیب، حوالہ مذکور ۲۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۱۳۱۔۱۳۲ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۳۹۸
۴۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۳۱ ۵۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱۴ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۷ ۷۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱۴

کہ مجھے نہیں معلوم۔ بعض سائلوں سے کہہ دیتے کہ کسی دوسرے صاحب علم سے پوچھ لو۔(۱)

اہل عزت:

اہل علم کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے۔ خواہ کیسے ہی معمولی حالت میں کیوں نہ ہو، اس کی وقعت میں فرق نہ آتا تھا، ربیع بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایوب سختیانی کا ہم سفر تھا، اثنائے سفر میں ایک لحیم شحیم شخص سے جس کے جسم پر نہایت موٹا لباس تھا ملاقات ہوئی، وہ ایوب کو پوچھ رہا تھا، میں نے ان کو اطلاع دی کہ ایک شخص آپ کو تلاش کر رہا ہے۔ جیسے ہی ایوب نے اس شخص کو دیکھا دوڑ کر گلے لپٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ معلوم ہوا سالم بن عبداللہ ہیں۔(۲)

زہد و عبادت:

ایوب میں جس درجہ کا علم تھا، اس سے کچھ بڑھ کر زہد و تقویٰ تھا۔ امام مالک کا بیان ہے کہ وہ علمائے باعمل صاحب خشوع بڑے عبادت گزار اور اخیار لوگوں میں تھے۔(۳) چالیس مرتبہ حج کے شرف سے مشرف ہوئے۔(۴)

عبادت کا اخفا:

لیکن ہمیشہ عبادت و ریاضت کو چھپاتے تھے، فرماتے تھے کہ آدمی کے لئے اپنے زہد کا چھپانا ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔(۵) ساری ساری رات عبادت کرتے تھے، لیکن لوگوں سے چھپانے کے لئے صبح کو اس طرح آواز بلند کرتے کہ سننے والوں کو معلوم ہو کہ ابھی سو کر اٹھے ہیں۔(٦)

ذات نبوی ﷺ سے عقیدت و محبت:

ذات نبوی ﷺ کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سن کر ایسا زار و قطار روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آ جاتا،(۷) امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے اجلال کو دیکھ کر ان سے حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔(۸)

اتباع رسول ﷺ:

اس عقیدت و محبت کا ایک نتیجہ اتباع سنت میں اہتمام تھا۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جن جن لوگوں کے پاس میں بیٹھا ان سب میں زیادہ افضل اور متبع سنت ایوب کو پایا۔(۹)

شہرت سے نفرت اور اہل دنیا سے اجتناب:

ان اوصاف اور کمالات کی وجہ سے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی لیکن دنیا، اہل دنیا اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے تھے، عام مجمعوں اور لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے راستہ چلنے میں عام مالوف راستوں کو چھوڑ کر نامانوس اور دور دراز راستہ اختیار کرتے، حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ راہ چلنے میں ایوب مجھے دور کے راستوں سے لے جاتے۔ میں ان کو قریب کا راستہ بتاتا تو کہتے میں ان مجالس سے بچنا چاہتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں حماد بیان کرتے ہیں کہ ایوب مجھے ایسے راستوں سے لے جاتے کہ ان کی تلاش پر تعجب ہوتا اور محض لوگوں کی نگاہ

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱۴ ۲۔ ایضاً ص ۱۵ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۳۹۸ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۷
۵۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱٦ ٦۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۷ ۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۲۷
۸۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۳۹۷ ۹۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۱۳۲

سے بچنے کے لئے لیکن جب کسی کا سامنا ہو جاتا، تو خود سلام میں پیش قدمی کرتے، ان کی شخصیت کی وجہ سے لوگ ان کے سلام کے جواب میں بہت کچھ اضافہ کرتے، ان کو یہ امتیاز بھی گوارا نہ تھا۔ چنانچہ ان کے جوابات سن کر فرماتے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے۔

لوگوں سے نظر بچانے کے لئے اکثر دوسرے کو ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے، شعبہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات میں اپنی ضرورت سے ان کے ساتھ جانا چاہتا تو وہ مجھے اجازت نہ دیتے اور گھر سے نکل کر مختلف گلیوں میں ادھر ادھر نکل جاتے تاکہ لوگ انہیں جاننے نہ پائیں۔ (۱)

اس غرض کے لئے اپنے طبقہ کی مالوف وضع چھوڑ دی تھی کہ لوگوں کی نظر نہ پڑنے پائے۔ اس زمانہ کے عابدوں اور زاہدوں کے پیراہن کا دامن چڑھا رہتا تھا، اور یہ ان کا امتیازی نشان تھا اس لئے وہ اپنے پیراہن کا دامن لٹکاتے تھے، معبد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایوب کی قمیص کا دامن لٹکتا ہوا دیکھ کر ان پر اعتراض کیا، انہوں نے کہا، ابو عروہ اگلے زمانہ میں دامن لٹکا کر چلنے سے شہرت تھی، اور اب سمیٹ کر چلنے میں ہے۔ (۲)

ارباب دولت وثروت سے گریز:

ارباب دولت سے ملنے میں بہت گریز کرتے تھے، اور اپنے گھر میں خلفاء وسلاطین کے آنے کے روادار نہ تھے، فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بکر دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے مجھ کو اسے دفن کر دینا پسند ہے، لیکن خلفاء کا پاس آنا پسند نہیں۔

خوش خلقی:

اس سے یہ نہ قیاس کرنا چاہئے کہ وہ مردم بیزار اور کج خلق تھے، وہ صرف اپنے کو چھپانے کے لئے لوگوں کے میل جول سے بچتے تھے ورنہ طبعاً نہایت خوش خلق تھے۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ میں نے ایوب سے زیادہ کسی کو لوگوں سے تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے نہیں دیکھا۔ جب کوئی بیمار ہوتا، یا کسی کے یہاں موت ہو جاتی تو وہ عیادت اور تعزیت کے لئے ضرور جاتے اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ شخص ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ معزز اور محترم ہے ایسے موقعوں پر وہ معمولی معمولی درجہ کے آدمیوں کے یہاں بھی ضرور حاضری دیتے تھے، یعلی بن حکم نامی ایک غلام ان کا ہم محلہ تھا۔ وہ مر گیا، اس کی صرف ایک ماں تھی، ایوب اس کے یہاں تین دن تک برابر گئے اور اس کے دروازے پر بیٹھتے تھے۔ (۳)

وفات:

۱۳۱ھ میں بصرہ میں طاعون کے مرض میں وفات پائی، ۶۳ سال کی عمر تھی۔ ایک سرخ چادر انہوں نے عرصہ سے کفن کے لئے مخصوص کر دی تھی اور ان کو وہ احرام کی حالت میں رمضان کی تیسویں شب کو اوڑھتے تھے لیکن یہ چادر مرنے سے پہلے چوری ہو گئی تھی۔ (۴)

حلیہ:

سر پر پٹے تھے جو سال میں ایک مرتبہ (غالباً حج کے موقع پر) منڈوایا کرتے تھے، سر اور داڑھی دونوں کے بال سفید ہو گئے تھے ان میں کبھی کبھی سرخ خضاب کرتے تھے۔ (۴)

۴۔ ھشام بن عروہ: راجع: ۶۱ ۵۔ عروۃ: ایضاً

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱۵، ۱۶ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۱۵ ۳۔ ایضاً ص ۱۶ ۴۔ ایضاً

۴۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، ص ۴۵۔ ۴۹ (تابعین کرام)

۶۔عائشۃ: راجع:۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ انہترویں (۶۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے اصحاب ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت بشر بن ہلال رحمۃ اللہ علیہ سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (ھشام) کی اپنے والد (عروہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ تابعین کرام کے طبقہ سے فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

۶۔لغات:

نعس: اس کو اونگھ آئے الرجل: آدمی

فلینصرف: پس چاہئے کہ وہ پلٹ جائے یدعو علی نفسه: وہ اپنے لئے بددعا کر بیٹھے

لایدری: وہ جانتا نہ ہو۔اسے معلوم نہ ہو

۷۔مسائل ونصائح: اونگھ کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ روایت کی ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

۱۔بخاری:۲۱۲

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو نماز کی حالت میں اونگھ آجائے تو وہ سو جائے، حتیٰ کہ اس کی نیند چلی جائے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص اونگھنے کی حالت میں نماز پڑھ رہا ہو تو اس کو پتا نہیں چلتا، شاید کہ وہ (اپنے نزدیک) دعا استغفار کرے اور وہ (حقیقت میں) خود کو برا کہہ رہا ہو۔

۲۔ایضاً:۲۱۳

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ از نبیا کرم صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک کو نماز میں اونگھ آجائے تو وہ سو جائے، حتیٰ کہ وہ جان لے کہ وہ کیا

پڑھ رہا ہے۔(۱)

امام ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہاں پر "فلیضر ف" سے مراد ہے کہ نماز کو جلدی مکمل کرے، نماز توڑ دینا مراد نہیں ہے، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دعا کرنے کی بجائے ایسے کلمات ادا کرے، جس کا مفہوم بددعا کا ہو، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ اونگھ ناقض وضو نہیں ہے، اگر اونگھ وضو کو توڑنے والی ہوتی، تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرما دیتے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کے خوف کی وجہ سے نماز کو جلدی مکمل کرنے کا حکم فرمایا ہے۔(۲)

☆ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر پہلو پر لیٹا ہوا تھا اونگھ جائے تو اگر زور کی اونگھ ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر خفیف ہو تو نہیں ٹوٹے گا اور زور کی اونگھ اور خفیف اونگھ میں فرق یہ ہے جو اپنے قریب کی باتیں سنتا ہے تو خفیف اونگھ ہے اور جو قریب اس کو اکثر باتوں کی اس کی خبر نہیں تو زور کی اونگھ ہے محیط میں لکھا ہے اور یہی فتویٰ منقول ہے شمس الائمہ سے یہ ذخیرہ میں لکھا ہے۔(۳)

☆ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نیند سے وضو ٹوٹنے میں مذاہب:

نیند سے وضو ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے متعلق حسب ذیل اقوال ہیں:

۱۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور سعید بن المسیب نے کہا: نیند سے کسی حال میں وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۔ الحسن البصری اور المزنی نے کہا: نیند سے ہر حال میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۳۔ الزہری رحمۃ اللہ علیہ، الاوزاعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کثیر نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور قلیل نیند سے کسی حال میں بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔

۴۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے: جب کوئی شخص نماز کی کسی حالت میں سو جائے، مثلاً رکوع، سجدہ، قیام اور قعود میں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ نماز میں ہو یا نہ ہو، اور اگر وہ کروٹ کے بل یا چت لیٹ کر سو جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۵۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ صرف رکوع کی حالت میں سونے سے وضو ٹوٹتا ہے۔

۶۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ صرف سجدہ کی حالت میں سونے سے وضو ٹوٹتا ہے۔

۷۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ نماز میں نیند سے وضو نہیں ٹوٹتا اور خارج نماز میں نیند سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۸۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی شخص زمین پر جم کر بیٹھ کر سو جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور خواہ وہ تھوڑی دیر سوئے، خواہ زیادہ دیر۔

۹۔ ابن المبارک کا قول ہے کہ جو شخص اپنے مصلّی پر سجدہ میں سو جائے، اس کا وضو نہیں ٹوٹتا اور اگر غیر نماز میں سجدہ میں سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر عمداً نماز میں سو جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۴۷۔۶۴۸ ۲۔ حاشیہ سندھی، ج ۱، ص ۴۸ ۳۔ فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۲۰۱

۱۰۔ علامہ ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: احادیث سے ثابت ہے کہ گیارہ حالتوں میں ہمارے سونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔(۱) چلتے ہوئے۔(۲) کھڑے ہوئے۔(۳) ٹیک لگا کر(۴) رکوع میں (۵) قیام میں (٦) چارزانو بیٹھے (۷) اکڑوں بیٹھے ہو، گھٹنوں کو ہاتھوں کے حلقہ میں لے کر (۸) سجدے میں (۹) سواری کی حالت میں (۱۰) کروٹ کے بل لیٹ کر (۱۱) چت لیٹ کر، اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ کسی حالت میں سونے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا۔(۱)

☆ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

المہلب نے کہا ہے کہ اس نماز سے مراد تہجد کی نماز ہے کیونکہ فرض نماز نیند کے اوقات میں نہیں ہوتی اور نہ اس میں اتنی دیر لگتی ہے کہ انسان کو نیند آجائے، لیکن حدیث کے الفاظ میں عموم ہے، اس لئے اس کو تہجد کی نماز کے ساتھ مختص کرنا صحیح نہیں ہے۔(۲)

نماز میں غلبہ نیند کے وقت دوبارہ نماز پڑھنے کے فوائد اور اگر نیند کا غلبہ نہ ہو تو وضو کا نہ ٹوٹنا:

۱۔ اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب نماز میں نیند غالب ہو تو انسان نماز کو منقطع کردے اور اس وقت اس کا وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

۲۔ جب نماز میں نیند غالب نہ ہو، صرف اونگھ ہو یا نیند کا جھونکا ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

۳۔ نماز میں دعا مانگنی چاہئے اور اس میں کوئی تعیین نہیں ہے، تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں حسب ذیل دعا مانگنے کے لئے فرمایا ہے: ''اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً، لایغفر الذنوب الاانت فاغفرلی مغفرةً من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم ''۔(۳)

۴۔ عبادات میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ہوسکتا تھا کہ انسان نیند کے غلبہ میں اپنے لئے دعا کے بجائے بددعا کرے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ وہ ایسی حالت میں نماز منقطع کردے اور سوجائے اور جب نیند دور ہوجائے تو پھر نماز پڑھے۔

۵۔ نماز میں حضور قلب اور خضوع اور خشوع کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ نیند کے غلبہ میں ذہن حاضر نہیں رہتا، اس لئے خضوع اور خشوع نہیں ہوسکتا۔(۴)

یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نماز میں اونگھے تو اسے چاہئے کہ سوجائے۔ پھر نیند پوری کرنے کے بعد نماز پڑھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وقت میں گنجائش ہو تو ایسا کرے تاکہ نماز خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھی جائے۔ اونگھ کی حالت میں حضور قلب نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے اس ہدایت کو رات کے نوافل کے ساتھ خاص کیا لیکن حدیث میں صلوٰۃ کا لفظ عام ہے تمام نمازوں کو شامل ہے۔ ۲۔ اسی سے اس امر کی وضاحت بھی ہوگئی کہ اونگھ ناقض وضو نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم فرماتے اور حدیث دوم کو نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے طہارۃ میں ذکر کیا ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اونگھ ناقض وضو نہیں ہے۔(۵)

☆ ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۱۶۳۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۴۶ ۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۳۶۹۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۴۸

۳۔ صحیح البخاری: ۸۳۴، صحیح مسلم: ۲۷۰۵، سنن ترمذی: ۳۵۳۱، سنن نسائی: ۱۲۹۸، سنن ابن ماجہ: ۳۸۳۵، مسند احمد، ج ۱، ص ۳ طبع قدیم، مسند احمد: ۸

۴۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۶۴۷ ۵۔ فیوض الباری، ج ۱، ص ۶۰۰

فقہا کا اختلاف نیند کے ناقض وضو ہونے کے بارے میں ہوا ہے ان کی مختلف آراء ہیں ان کو علامہ نووی نے شرح مسلم (۱) میں ذکر کیا ہے۔ ان آراء میں سے میں صرف وہ آراء بیان کروں گا جو باہم قریب ہیں، ان میں باہم اختلاف صرف نیند کے گہرے ہونے کی حد بیان کرنے میں ہے، کہ کتنی گہری نیند کو ریح نکل جانے کا سبب سمجھا جائے گا، ان دونوں آرا کا بیان مندرجہ ذیل ہے۔

ا۔ پہلی رائے احناف اور شوافع کی ہے، یہ حضرات فرماتے ہیں وہ نیند جو ناقض وضو ہے وہ ہوتی ہے جس میں انسان کا مقعد زمین پر نہ ہو یا پہلو کے بل یا ٹیک لگانا، اوندھے منہ لیٹنا کیونکہ لیٹنا وغیرہ جوڑوں کے ڈھیلے پڑ جانے کا سبب ہوتا ہے، اور اگر کوئی ایسے سوئے کہ اس کا مقعد زمین پر لگا ہوا ہو جیسے زمین پر یا چلتے ہوئے جانور کی پیٹھ پر بیٹھ کر سونا تو ایسے شخص کا وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر وہ کسی چیز پر ایسے ٹیک لگا کر سو رہا ہو کہ جس کے ہٹا دینے سے یہ شخص گر جائے اور اس کا مقعد بھی زمین پر نہ ہو تو اس کا وضو اس طرح سونے سے ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اس طرح سونے سے اعضاء کا ڈھیلا پن نہایت درجے کا ہو جاتا ہے، شوافع کے ہاں وضو اس صورت میں نہیں ٹوٹے گا اگر اس کا مقعد زمین پر لگا ہوا ہو، کیونکہ ایسی صورت کسی چیز کے نکلنے کا امکان نہیں ہوتا ہے، اس طرح دونوں مذاہب کا حکم ایک سا ہی ہے۔ احناف کے ہاں قیام کی رکوع کی اور سجدے کی حالت میں نماز میں یا اس کے علاوہ حالت میں، وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ اس حالت میں مکمل ڈھیلا پن نہیں ہوتا تھوڑی بہت گرفت باقی رہتی ہے، کیونکہ اگر یہ گرفت نہ ہو تو وہ شخص گر پڑے تو ان صورتوں میں ڈھیلا پن مکمل نہ ہوا۔ ان حضرات کی دلیل چند احادیث ہیں جن میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ سجدے کی حالت میں سونے والے پر وضو نہیں ہے جب تک وہ لیٹا ہوا نہ ہو، کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ (۲) اور دوسرے الفاظ میں ہے اس شخص پر وضو نہیں جو بیٹھے ہوئے سو جائے، وضو تو اس پر ہے جو لیٹ کر سوئے کیونکہ جو لیٹ کر سوتا ہے اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ (۳)

اور بیہقی کی ایک روایت میں ہے، وضو اس پر لازم نہیں جو بیٹھ کر، کھڑے ہوئے یا سجدے کی حالت میں سوئے یہاں تک کہ وہ پہلو کے بل نہ سو جائے۔

ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ والی بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عشاء کا انتظار کرتے رہتے تھے وہ بیٹھے بیٹھے سو جاتے تھے پھر نماز ادا کرتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ (۴)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ معمولی سی نیند وضو کے لئے ناقض نہیں ہے۔ ایک حدیث حضرت عمرو بن شعیب کی اپنے دادا سے بروایت اپنے والد روایت کردہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بیٹھ کر سوئے تو اس پر وضو نہیں ہے، اور جو اپنا پہلو ٹیک دے اس پر وضو لازم ہے۔ (۵)

امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیٹھے بیٹھے سوتے تھے اور بغیر وضو کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں سوتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ کو خراٹے آنے لگے پھر آپ اٹھے اور نماز شروع کر دی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سو گئے تھے آپ نے فرمایا وضو صرف اس پر لازم ہے جو لیٹ کر سوئے کیونکہ جب وہ لیٹ جاتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ (۶) محقق علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں اور اگر تم غور کرو ان میں جو حدیثیں ہم نے پیش کی ہیں تو حدیث تمہاری نظر میں حسن کے درجے سے کم نہ ہوگی۔ (۷)

ا۔ ج ا، ص ۴۷ ۔ ۲۔ بروایت احمد یہ حدیث ضعیف ہے نیل الاوطار، ج ا، ص ۱۹۳

۳۔ بروایت ابوداؤد، ترمذی اور دارقطنی یہ حدیث بھی ضعیف ہے۔ حوالہ بالا۔ ۴۔ بروایت امام شافعی، ابوداؤد، مسلم، اور ترمذی، یہ حدیث صحیح ہے حوالہ گزشتہ

۵۔ بروایت ابن عدی نصب الرایہ، ج ا، ص ۱۴۵ اس طرح کی حدیث بیہقی نے بھی حضرت حذیفہ سے روایت کی ہے۔

۶۔ نصب الرایہ، ج ا، ص ۴۴ ۷۔ فتح القدیر، ج ا، ص ۳۳

۲۔دوسری رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہلکی نیندیا خفیف نیند ناقض وضونہیں، گہری نیند ناقض وضو ہے مالکیہ کی عبارت یہ ہے گہری نیندخواہ تھوڑی دیر کے لئے ہونا ناقض وضو ہے ہلکی نیند کا عرصہ خواہ طویل ہو وہ ناقض وضونہیں ہے گہری نیند وہ شمار ہوگی کہ سوئے ہوئے شخص کو آوازوں کا یا اپنے ہاتھ سے گرنے والی چیز کا یا اپنے تھوک وغیرہ کے بہنے کا علم نہ ہو اور اگر اس کو ان چیزوں کا ادراک ہو تو وہ نیند ہلکی کہلائے گی۔ان حضرات کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے جو پہلے گذری کہ عشاء کا انتظار کرتے کرتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے سر ڈھلک جایا کرتے تھے پھر وہ نماز شروع کر دیا کرتے تھے اور وضونہیں کرتے تھے۔دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات قیام کیا، رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہوئے میں بھی آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف کر دیا میں جب بھی اونگھنے لگتا آپ میرے کان کی لو پکڑ کر بیدار کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے گیارہ رکعات ادا فرمائیں ان دونوں حدیثوں میں واضح دلیل ہے کہ ہلکی نیند ناقض وضونہیں ہے۔

حنابلہ فرماتے ہیں کہ نیند بہر صورت ناقض وضو ہے ماسوا بیٹھے یا کھڑے ہوئے شخص کی اس نیند کے جو عرفاً ہلکی اور کم سمجھی جائے دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ دونوں حدیثیں ہیں جو ابھی گذریں۔اور صحیح بات یہ ہے کہ قلیل نیند کی کوئی حد نہیں، اس کے بارے میں اعتبار اس کا ہے جو عادت لوگوں میں قائم ہو جائے تو ٹیک لگا کر سونے والے وغیرہ کا گر جانا وضو کے لئے ناقض ہے، اور اگر ایک شخص سو جائے اور اس کو شک ہو کہ اس کی نیند کثیر تھی یا کم تھی تو وہ شخص باوضو سمجھا جائے گا کیونکہ یہ کیفیت اس کی یقینی تھی وضو کے ٹوٹنے میں اسے شک ہے۔اور اگر کسی نے نیند میں خواب دیکھا تو یہ کثیر نیند کہلائے گی رکوع اور سجدے کی حالت میں موجود شخص کی ٹیک لگائے ہوئے شخص کی پہلو کو ٹیکے ہوئے شخص کی اور گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے شخص کی ہلکی اور کم نیند ناقض وضو ہوگی جیسے پہلو کے بل لیٹے ہوئے شخص کی نیند ناقض ہوتی ہے۔سوتے ہوئے جس شخص کی عقل مغلوب نہ ہوئی ہو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ نیند مغلوبیت عقل کا نام ہے اور عقل کا مغلوب ہونا ہی دراصل ناقض وضو ہے اور جب تک عقل مغلوب نہیں ہوئی ہے اور اس شخص کی حس قائم ہے مثلاً وہ شخص جو نیند کی اس کیفیت میں ہو کہ اپنے پاس کی جانے والا بات کو سن اور سمجھ رہا ہو تو اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا خلاصہ کلام یہ ہے کہ لیٹ کر پہلو کے بل سونا، نماز میں یا خارج نماز اس حالت میں کہ مقعد زمین پر نہ ہو بلا اختلاف فقہاء ناقض وضو ہے اور عقل کا مغلوب اور زائل ہونا کسی بھی سبب سے ہو خواہ بے ہوشی سے ہو جنون سے ہو یا نشے سے ہو، وضو کے لئے ناقض ہے نیند پر قیاس کرتے ہوئے۔اور حق بھی یہی ہے۔(۱)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ اونگھ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

☆ احادیث مبارکہ میں نیند کی تین حالتوں کے لئے تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جن کا مفہوم حسب ذیل ہے:

۱۔النعسة: اونگھ: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے حواس قائم ہوں، وہ اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کی بات سن رہا ہو، لیکن اس کا مفہوم نہ سمجھ رہا ہو۔

۲۔الخفقة: نیند کا جھونکا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اونگھ والی صورت حال بھی ہو، مزید اس کا سر نیچے کی طرف ہل رہا ہو، اور تھوڑی سینے پر لگ رہی ہو۔

۳۔النوم: نیند: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے حواس برقرار نہ رہیں، اس کو ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کی آواز سنائی نہ دے، اس کی علامت خواب دیکھنا ہے، حالت خواب چاہے بڑا ہو یا چھوٹا۔

۱۔الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۲۹۴۔۲۹۶

☆ مذکورہ میں سے علماء کے نزدیک پہلی حالت میں بالاتفاق وضونہیں ٹوٹتا۔

☆ دوسری حالت اگر زمین پر مقعدر کھے ہوئی پیش آئی تو بھی بالاتفاق وضو نہ ٹوٹے گا۔

☆ تیسری حالت یعنی نوم کی صورت میں احناف اور شوافع کے نزدیک اگر مقعد زمین پر نہ ہو، یا پہلو کے بل سونے، ٹیک لگا کر سونے، اور اوندھے منہ سونے کی صورت میں نماز ٹوٹ جائے گی۔

☆ احناف کے ہاں نیند کی مذکورہ بالا صورت اگر دوران نماز پیش آ جائے، تو وضو نہ ٹوٹے گا۔

☆ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہلکی نیند ناقض وضو نہیں اور گہری نیند ناقض وضو ہے۔ ان کے نزدیک گہری نیند تھوڑی بھی ناقض وضو ہے، اور ہلکی نیند طویل بھی ناقض وضو نہیں ہے۔

☆ گہری نیند سے مراد ایسی حالت جس میں سوئے ہوئے شخص کو آوازوں یا اپنے ہاتھ سے گرنے والی چیزوں، یا اپنے ناک وغیرہ کے بہنے کا ادراک نہ ہو۔ اگر ان کا ادراک ہو پھر وہ ہلکی نیند ہے۔

☆ اگر نماز میں اونگھ آ جائے تو نماز کو مختصر کر دینا چاہئے، حدیث مبارکہ سے یہی مراد ہے، اور نماز توڑ دینا مراد نہیں ہے۔

☆ اونگھ سے وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی نماز ٹوٹتی ہے۔

☆ اونگھ آنے کی صورت میں اگر نماز کے وقت میں وسعت ہے، تو پھر بہتر یہی ہے کہ نماز ختم کر کے پہلے کچھ دیر کے لئے آرام کیا جائے، پھر نماز پڑھی جائے۔

☆ نماز حضور قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنی چاہئے۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں فلیصرف کا حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے۔

☆ حدیث مبارکہ میں "فلیصرف" کی علت لعلہ یدعو علی نفسہ ہے، اس وضاحت سے وضو کا نہ ٹوٹنا ثابت ہوا۔

باب ۱۱۸: اَلْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ — عضو تناسل کو چھونے سے وضو کا ٹوٹنا

اس باب میں مرد کے آلۂ تناسل کو چھونے سے وضو کے ٹوٹنے کا بیان ہے، اس کے بعد والے باب میں وضو کے نہ ٹوٹنے کا بیان ہے، اس طرح اس باب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ان مسائل کا ذکر کر رہے ہیں، جن میں عام طور پر فقہاء کرام کے ہاں اختلاف ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ دونوں قسم کی روایات کو بیان کرتے ہیں، پچھلے باب میں اونگھ آنے سے وضو کے نہ ٹوٹنے کا بیان تھا، اس باب میں آلہ تناسل کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کا بیان ہے۔

۱۶۳۔ اَخْبَرَنَا هَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ حَدَّثَنَا مَعْنٌ اَنْبَاَنَا مَالِكٌ ح وَالْحَارِثُ بْنُ مِسْكِيْنٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَاَنَا اَسْمَعُ عَنِ ابْنِ الْقَاسِمِ قَالَ اَنْبَاَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ دَخَلْتُ عَلٰى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ فَذَكَرْنَا مَا يَكُوْنُ مِنْهُ الْوُضُوْءُ فَقَالَ مَرْوَانُ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ الْوُضُوْءُ فَقَالَ عُرْوَةُ مَا عَلِمْتُ ذٰلِكَ فَقَالَ مَرْوَانُ اَخْبَرَتْنِيْ بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "اِذَا مَسَّ اَحَدُكُمْ ذَكَرَهٗ فَلْيَتَوَضَّاْ"

حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:
میں مروان بن حکم کے پاس گیا، تو ہم نے ان چیزوں کا ذکر کیا، جن سے وضو کرنا لازم آتا ہے، مروان نے کہا: عضو تناسل کو چھونے سے بھی وضو واجب ہوتا ہے۔ میں نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں ہے، مروان نے کہا: مجھے حضرت بسرہ بنت صفوان نے بتایا، کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: جب تم میں سے کوئی اپنے عضو تناسل کو چھوئے، تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے۔

۱۔ مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:

جب تم میں سے کوئی اپنے عضو تناسل کو چھوئے، تو اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے۔

۲۔ اطراف: تقدم: ۱۶۴، ۴۴۱، ابوداؤد: ۱۸۱، ترمذی: ۸۲، ۸۴، ابن ماجہ: ۴۷۹، موطا: ۹۳، السنن الکبریٰ: ۱۵۹، احمد: ۲۷۳۶۲، سنن الدارمی، ج ۲، ص ۵۸، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۱۲۸

۳۔ تعارف رجال: اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، جن میں سے چھ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی تین کے درج کئے جاتے ہیں، البتہ حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ تفصیل سے درج کئے جا رہے ہیں:

۱۔ ھارون بن عبداللہ: راجع: ۶۲ **۲۔ معن:** ایضاً

۳۔ مالک: راجع: ۷ **۴۔ الحارث بن مسکین:** راجع: ۹

۵۔ عبدالرحمٰن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام، ابوعبداللہ کنیت اور نسب نامہ یہ ہے:

عبدالرحمٰن بن القاسم خالد بن جنادہ (۱)، زبید بن الحارث العتقی کے غلام تھے، اس لئے عتقی کی نسبت سے مشہور ہیں۔ (۲)

ولادت اور وطن:

مصر کے رہنے والے تھے، ان کے سال پیدائش کے سلسلہ میں علماء کا بہت اختلاف ہے، ۱۲۹ھ، ۱۳۱ھ اور ۱۳۲ھ تینوں منقول ہیں لیکن امام ابن القاسم کے تلمیذ رشید سحنون کے بیان کو اس بارے میں معتبر ترین قرار دیا جائے گا، کیونکہ وہ "**صاحب البیت ادری بمافیہ**" کے پورے مصداق تھے، اس کے مطابق ۱۲۸ھ میں شیخ کی ولادت ہوئی۔ (۳)

طالب علم:

انہیں طلب علم کا بے انتہا شوق تھا، جس کا اندازہ صرف اس سے کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس راہ میں جسمانی صعوبتوں کو انگیز کرنے کے علاوہ خطیر مال و دولت کو بھی قربان کیا، چنانچہ ابن عماد لکھتے ہیں:

انفق مالاً کثیراً فی طلب العلم۔ (۴)

"انہوں نے تحصیل علم میں بکثرت مال خرچ کیا"۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے منبع علم سے خصوصی استفادہ کیا، خود بیان کرتے ہیں کہ ایک شب عالم رویا میں مجھے خبر دی گئی کہ تمہیں علم سے اس قدر شغف وانہماک ہے تو "عالم آفاق" کی صحبت اختیار کرو، میں نے پوچھا وہ عالم آفاق کون ہے؟ بتلا گیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ چنانچہ اس غیبی اشارہ کے بعد وہ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کامل بیس سال تک اپنے سینہ کو مالکی علوم کا گنجینہ بنانے میں مصروف رہے، امام صاحب سے انہوں نے

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۶، ص ۲۵۲ ۲۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۹۳ ۳۔ الدیباج المذھب، ص ۱۴۷ ۴۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۳۲۹

۲۰ کتابوں کا سماع حاصل کیا تھا۔(۱)

تبحر و جامعیت:

فضل و کمال کے اعتبار سے وہ یگانہ روزگار فقیہ اور حافظ حدیث تھے، تبع تابعین کی جماعت میں ایسی جامع الکمالات شخصیتیں بہت کم ملتی ہیں، خصوصاً فقہ مالکی کی مہارت میں تو ان کا ثانی ملنا مشکل ہے میدان علم کے شہسوار ہونے کے ساتھ زہد و اتقا اور شجاعت و سماحت میں بھی ممتاز تھے، روم، بربر اور زنج کے جہاد میں عمر کا چوتھائی حصہ صرف کیا تھا۔(۲)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

کان حبراً فاضلا تفقه علی مذهب مالك وفرع علی اصوله ۔(۳)

''علم وفضل میں بلند پایہ تھے، فقہ مالکی کے متبع اور اس کے اصول سے فروع کا استنباط کرنے والے تھے''۔

علامہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''الامام فقيه الديار المصريه''۔(۴)

شیوخ وتلامذہ:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی تلمذ کے علاوہ جن ممتاز علماء کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے، ان میں کچھ نام یہ ہیں، عبدالرحمٰن بن شریح، بکر بن مضر، نافع بن ابی نعیم، یزید بن عبدالملک اور سفیان بن عینیہ، اسی طرح خود ان کے تلامذہ میں سعید بن عیسیٰ، محمد بن مسلمہ، حارث بن مسکین، سحنون بن سعید، عبدالرحمٰن بن النعمر محمد بن عبداللہ اور عیسیٰ بن حماد کے اسماء لائق ذکر ہیں۔(۵)

فقہ:

فقہ میں غیر معمولی مہارت ان کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طویل ترین ہم نشینی نے انہیں فقہ مالکی کا منبع بنا دیا تھا، مالکی مذہب کی پہلی تدوین ان ہی سے شروع ہوتی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ومسائل کی تقریباً تین سو جلدیں ان کے پاس تھیں۔(۶)

ایک بار امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ اور ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا ابن وہب عالم ہیں اور ابن قاسم فقیہ۔(۷)

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

کان حبراً فاضلا ممن تفقه علی مالك وفرع علی اصوله وذب عنها ونصر من انتحلها ۔(۸)

''وہ بڑے عالم وفاضل تھے اور ان علماء میں سے تھے جو فقہ مالکی کے پیرو تھے اور جنہوں نے اس مذہب کے فروغ متعین کئے اور اس کی طرف ہمیشہ دفاع اور اس کے متبعین کی حمایت کرتے رہے''۔

ان کے ہم پایہ معاصر عبداللہ بن وھب کا قول ہے۔ ''اگر فقہ مالکی میں مہارت پیدا کرنا چاہو تو ابن القاسم کی صحبت اختیار کرو کیونکہ وہ اس میں منفرد اور یکتا ہیں''۔(۹)

مؤطا کی روایت:

مؤطا امام مالک کے رواۃ کی تعداد بہت زیادہ ہے، مختلف زمانوں میں علماء نے امام صاحب سے اس کی تحصیل کی ہے، اس اختلاف

۱۔ابن خلکان، ج۱،ص۴۹۴ ۲۔الدیباج المذھب، ص۱۴۷ ۳۔شذرات الذھب، ج۱،ص۳۲۹ ۴۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۳۲۶

۵۔تھذیب التھذیب، ج۶ ص۲۵۳ ۶۔تھذیب التھذیب، ج۶،ص۲۵۳ ۷۔الدیباج المذھب، ص۱۴۷

۸۔تھذیب التھذیب، ج۲،ص۲۵۳ ۹۔الدیباج المذھب، ص۱۴۷

زمانی کے نتیجہ میں موطا تیس مختلف طریقوں سے مروی ہے جن میں صرف ۱۶ روایتیں مشہور و معتبر ہیں، انہیں خوش بختوں میں ابن القاسم بھی ہیں، نسائی کا بیان ہے:

لم یرو احد لمؤطا عن مالك اثبت من ابن القاسم ولیس احد من اصحاب مالك عندی مثله۔(۱)

''عبدالرحمٰن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ ثبت کسی شخص نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے موطا کی روایت کی نہیں کی، اور نہ اصحاب مالک میں ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ کا کوئی تھا''۔

خلیلی کہتے ہیں کہ:

ھواول من حمل المؤطا الی المصر ۔(۲)

''وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے موطا مصر میں پہنچائی''۔

مدونہ کی تالیف:

فقہ مالکی کی مشہور ترین ضخیم کتاب ''المدونۃ الکبری'' انہیں کی تالیف ہے، جوان کے لائق شاگرد سحنون کے واسطہ سے مروی ہے، اس کتاب کے متعلق زرکلی کا بیان ہے۔

ھو من اجل المالکیۃ۔(۳)

''یہ مذہب مالک کی عظیم ترین کتابوں میں ہے''۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ خود ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آکر اپنے شیخ کے مجتہدات وفقیہات کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا، یحیٰی مصمودی، مدونہ کا سماع حاصل کرنے ابن القاسم کی خدمت میں مصر سے حاضر ہوئے تھے، لیکن اس وقت وہ بستر علالت پر تھے، یہ کتاب مصر کے طبع بولاق سے طبع ہوکر ہر جگہ دستیاب ہے۔

ثقاہت:

علماء ان کی ثقاہت پر متفق ہیں ''نسائی'': ''ثقہ مامون'' ابوزرعہ: ''ثقہ رجل صالح'' اور حاکم ''ثقہ مامون'' کہتے ہیں، علاوہ ازیں خطیب ابن حبان اور یحیٰی بن معین نے بھی ان کی توثیق کردی ہے امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں ان کی روایت کی تخریج کی ہے۔(۴)

زہدوورع:

ان کمالات کے ساتھ ساتھ وہ نہایت بلند مرتبہ زاہد ومتقی بھی تھے، حرث بن مسکین بیان کرتے ہیں کہ اس صفت میں وہ عجیب وغریب حیثیت رکھتے تھے، فرط تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ سلاطین وقت کے نذر وتحائف کو کبھی قبول نہیں کرتے تھے۔

اقوال زریں:

ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اکثر دعا فرمایا کرتے:

۱۔الدیباج، الذھب، ص ۱۴۷ — ۲۔تھذیب التھذیب، ج ۶ ص ۲۵۴

۳۔الاعلام، ج ۲، ص ۵۰۴ — ۴۔الدیباج، المذھب، ص ۱۴۶

''اے اللہ! تو دنیا کو مجھ سے اور مجھے دنیا دور رکھ''۔

فرمایا:''حکمرانوں سے تقرب اختیار کرنے میں کوئی بھلائی نہیں''۔

فرمایا:''زیادہ دوست بنانے سے بچو کیونکہ یہ آزاد لوگوں کو غلام بنانے کے مانند ہے۔(۱)

وفات:

۷صفر شب جمعہ کو بمقام مصر انتقال فرمایا، باب القرافۃ الصغری کے باہر ان کا مزار ہے۔وفات کے وقت حسب اختلاف روایت ۵۸،۶۰اور۶۳ سال کی عمر تھی۔(۲)

۶۔عبداللہ بن ابی بکر: آپ کا نام قاضی عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری مدنی (م:۱۳۵ھ) ہے،آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، کثیر الحدیث، تابعی راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آئمہ جرح و تعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ نے ستر (۷۰) سال کی عمر میں وفات پائی۔(۳)

۷۔عروۃ بن الزبیر: راجع:۴۴

۸۔مروان بن الحکم:

آپ کا نام ابو عبدالملک مروان بن حکم بن ابی العاص اموی مدنی مصری (م:۶۵ھ) ہے،آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، اکثر علماء رجال کے نزدیک ان کی صحابیت ثابت نہیں، البتہ بعض کے نزدیک یہ صحابی ہیں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے اکسٹھ (۶۱) سال کی عمر میں وفات پائی۔علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ مروان بن حکم رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت، جو اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں خروج سے پہلے بیان کی ہیں، ان روایات کو مجروح کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے اس لئے قبل از خروج والی روایات قابل قبول ہیں۔ (۴)

۹۔بسرۃ بنت صفوان:

آپ کا نام حضرت بسرہ بنت صفوان بن نوفل بن اسد بن عبدالعزی بن قصی قریشی اسدی ہے، آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وفات پائی، آپ صحابیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سابقات و مہاجرات میں سے ہیں، آپ حضرت ورقہ بن نوفل کی بھتیجی، حضرت عقبہ بن ابی محیط کی ماں شریکی بہن، حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے کی بیٹی، حضرت ورقہ بن نوفل کی بھتیجی، حضرت معاویہ بن مغیرہ کی والدہ، حضرت عائشہ بنت معاویہ کی دادی اور یہی عائشہ عبدالملک بن مروان کی ماں ہیں۔ایک قول کے مطابق آپ مروان بن حکم کی خالہ ہیں۔آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۵)

۱۔الدیباج المذہب، ص۱۴۷

۲۔ابن خلکان، ج۱،ص۴۹۴۔سیر الصحابۃ، ج۳، تبع تابعین (دوم) ص۱۳۲۔۱۳۵

۳۔i۔طبقات ابن سعد، ج۹ ص۲۰۶ ii۔الجرح والتعدیل، ج۵،ص۱۷

۴۔i۔تقریب التھذیب، ج۲،ص۲۴۵ ii۔ھدی الساری، ص۴۶۶

۵۔i۔تھذیب الکمال، ج۱۱ص۶۹۸ ii۔تقریب التھذیب، ج۲،ص۵۲۰

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ حسن صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ ستائیسویں (۲۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، حضرت حارث رحمۃ اللہ علیہ اور ابن القاسم رحمۃ اللہ علیہ مصری باقی سارے مدنی راوی ہیں۔

☆ سند میں تحویل ہے، جو کہ سند کی تقویت کا باعث ہے، اور بعض کے نزدیک تحویل سند کے ضعف کی علامت ہے۔

☆ سند میں قول والحارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ قراۃ علیہ، وانا اسمع، اس قاعدے کی رعایت ہے کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ حدیث سماعت کی، اس وقت وہ حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں ایسی جگہ موجود تھے، جہاں سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ پڑھی جانے والی حدیث کی سماعت کر رہے تھے، لیکن حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ کی نظروں سے اوجھل تھے، کیونکہ حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ناچاقی واقع ہو چکی تھی، اس لئے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ شیخ کے سامنے نہ بیٹھتے تھے۔

☆ سند میں الحارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ میں واؤ عاطفہ ہے اور اس کا عطف ھارون بن عبداللہ پر ہے۔

☆ سند میں تین تابعین کرام رحمہم اللہ (عبداللہ، عروہ، مروان رحمہم اللہ) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ مروان بن حکم سے سنن صغریٰ میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ مروان بن حکم نے مصر میں خلافت کا اعلان بھی کیا تھا، اور چھ ماہ کے بعد فوت ہو گئے تھے۔

☆ آئمہ رجال نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مروان بن حکم کی قبل از خروج والی روایات قابل قبول ہیں، حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی یہ بحث قبل از خروج ہے، البتہ یہ مختلف فیہ راوی ہیں۔

☆ حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا صحابیہ، سابقہ اور مہاجرہ ہیں۔

☆ آپ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے کی بیٹی ہیں۔

☆ حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا سے سنن صغریٰ میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ آپ سے کل چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت الاخبار، التحدیث، اسماع اور عنعنہ دو دو دفعہ، جبکہ انبانا ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

دخلت: میں داخل ہوا ذکرنا: ہم نے ذکر کیا۔ مذاکرہ کیا

من مس: چھونے سے الذکر: عضو تناسل۔ آلہ تناسل

ماعلمت : میں نہیں جانتا　　مس: اس نے چھوا

احد کم: تم میں سے کوئی　　فلیتوضا: پس اسے چاہئے کہ وہ وضو کرے

۱۶۴۔ اَخْبَرَنَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ سَعِيدٍ عَنْ شُعَيْبٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ اَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ ذَكَرَ مَرْوَانُ فِي اِمَارَتِهِ عَلَى الْمَدِينَةِ اَنَّهُ يُتَوَضَّأُ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ اِذَا اَفْضَى اِلَيْهِ الرَّجُلُ بِيَدِهِ فَاَنْكَرْتُ ذٰلِكَ وَقُلْتُ لَا وُضُوْءَ عَلَى مَنْ مَسَّهُ فَقَالَ مَرْوَانُ اَخْبَرَتْنِي بُسْرَةُ بِنْتُ صَفْوَانَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَ مَا يُتَوَضَّأُ مِنْهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَيُتَوَضَّأُ مِنْ مَسِّ الذَّكَرِ" قَالَ عُرْوَةُ فَلَمْ اَزَلْ اُمَارِيْ مَرْوَانَ حَتّٰى دَعَا رَجُلًا مِّنْ حَرَسِهِ فَاَرْسَلَهُ اِلٰى بُسْرَةَ فَسَاَلَهَا عَمَّا حَدَّثَتْ مَرْوَانَ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ بُسْرَةُ بِمِثْلِ الَّذِي حَدَّثَنِي عَنْهَا مَرْوَانُ۔

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مروان جب مدینہ منورہ کا گورنر تھا، اس نے بیان کیا: کہ جب آدمی اپنے ہاتھ سے عضو تناسل کو چھوئے، تو اس پر وضو (لازم) ہے، میں نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا: عضو تناسل کو چھوئے، اس پر وضو نہیں ہے۔ مروان نے کہا: مجھے حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چیزوں کے بارے میں سنا، جن سے وضو (لازم) آتا ہے، پس آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عضو تناسل کو چھونے سے بھی وضو کرے۔ میں مروان سے مسلسل بحث کرتا رہا، یہاں تک کہ مروان نے اپنے محافظوں میں سے ایک کو بلایا، اور اسے حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، اس نے حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا سے مروان والی روایت کے بارے میں پوچھا، حضرت بسرہ نے اسے وہی روایت سنا کر بھیجا، جو مروان نے مجھے ان کے نام سے بیان کی تھی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:　راجع: ۱۶۴

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے سات کے حالات گذر چکے ہیں، حضرت عثمان بن سعید کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ احمد بن محمد بن المغیرۃ:　راجع: ۸۵

۲۔ عثمان بن سعید: آپ کا نام ابو عمرو عثمان بن سعید بن دینار قریشی حمصی (م: ۲۰۹ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، عابد راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت واتقان پر متفق ہیں، علامہ عبدالوھاب بن نجدہ کہتے ہیں، آپ اہل شام کے ابدال میں سے ہیں اور ہمارے نزدیک آپ اہل شام کے پھول ہیں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۱۔ i۔ العلل (ابن حنبل)، ج ۱، ص ۴۰۷　ii۔ تاریخ الدارمی، ص ۵۳۷

۳۔شعیب: راجع:۸۵ ۴۔الزھری: راجع:۱

۵۔عبداللہ بن ابی بکر: راجع:۱۶۳ ۶۔عروہ بن زبیر: راجع:۴۴

۷۔مروان بن الحکم: راجع:۱۶۳ ۸۔بسرۃ بنت صفوان: ایضاً

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ پانچویں (۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی حمصی اور باقی پانچ مدنی ہیں۔

☆ شیخ احمد بن محمد بن المغیرہ سے آئمہ صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

☆ مروان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں گورنر مدینہ منورہ تھا۔

☆ مروان اور حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے یہ دوسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت کے لئے صیغہ اخبار تین دفعہ، صیغہ تحدیث دو دفعہ، عنعنہ دو دفعہ اور صیغہ سماعت ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

ذکر: اس نے بیان کیا — امارته علی المدینة: اس کی مدینہ منورہ کی گورنری

افضٰی: اس نے ملایا۔یعنی اس نے چھوا — انکرت: میں نے انکار کیا

اخبرتنی: اس ایک عورت نے مجھے بتلایا — سمعت: میں نے سنا

فلم ازل اماری: میں مسلسل بحث کرتا رہا — دعا: اس نے بلایا

حرس: محافظ دستہ — ارسله: اس نے اس کو بھیجا

نوٹ: اگلا باب عضو تناسل کو چھونے سے وضو نہ کرنے کا بیان ہے، اس لئے دونوں ابواب کے مسائل ونصائح اور خلاصہ اگلے باب کے بعد آئے گا۔

باب۱۱۹: تَرْكِ الْوُضُوْءِ مِنْ ذٰلِكَ — عضو تناسل کو چھونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا

اس باب میں عضو تناسل یا مرد وعورت کا اپنی شرمگاہوں کو چھونے سے وضو کے نہ ٹوٹنے کا بیان ہے۔علماء احناف کا مستدل بھی یہی حدیث مبارکہ ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے عضو تناسل کے چھونے سے وضو کے ٹوٹنے پر دلالت کرنے والی احادیث کو ذکر کیا ہے، اور اب اس عمل سے وضو کے نہ ٹوٹنے والی حدیث مبارکہ کو روایت کیا ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۱۶۵۔ أَخْبَرَنَا هَنَّادٌ عَنْ مُلَازِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ بَدْرٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا حَتّٰى قَدِمْنَا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ جَاءَ رَجُلٌ كَأَنَّهُ بَدَوِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا تَرٰى فِي رَجُلٍ مَسَّ ذَكَرَهُ فِي الصَّلَاةِ قَالَ "وَهَلْ هُوَ إِلَّا مُضْغَةٌ مِّنْكَ أَوْ بَضْعَةٌ مِّنْكَ"

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
ہم وفد کی صورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے، تو ایک دیہات کے رہنے والے صحابی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اورانہوں نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے، جو نماز میں اپنے عضو تناسل کو چھوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بھی تیرے جسم کا ایک ٹکرا ہی تو ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عضو تناسل کو چھونے کی صورت میں اسے جسم کا حصہ قرار دیا، یعنی جس طرح باقی جسم کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اسی طرح عضو تناسل یا شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۔ اطراف:

ابوداؤد: ۱۸۲، ۱۸۳، ترمذی: ۸۵، ابن ماجہ: ۴۸۳، ابن حبان: ۱۱۱۹، احمد: ۱۶۲۸۶، السنن الکبریٰ: ۱۶۰، ابن ابی شیبۃ، ج۱، ص۱۶۵، ابن نجارد: ۲۱، شرح معانی الآثار، ج۱، ص۷۵۔۷۶، السنن الکبریٰ (بیہقی)، ج۱، ص۱۳۴، مسند شافعی: ۱۲۔۱۳، دارقطنی: ۶

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان میں سے حضرت ھناد بن السری کے حالات گذر چکے ہیں، باقی چار کے درج کئے جاتے ہیں:

ا۔ ھناد: راجع: ۲۵

۲۔ ملازم: آپ کا نام ابوعمرو ملازم بن عمرو بن عبداللہ بن بدر یمامی ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، آپ بہت فصیح اللسان تھے، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۳۔ عبداللہ بن بدر:

آپ کا نام عبداللہ بن بدر بن عمیرہ بن حارث بن شمر حنفی سحیمی یمانی ہیں۔ آپ اشراف میں سے ہیں، آپ حضرت ملازم بن عمرو کے دادا ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۱۔ i۔ تقریب التھذیب، ج۱، ص۳۸۵ — ii۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج۳، ص۵۳۲۔۵۳۳

۲۔ i۔ التاریخ الکبیر (بخاری)، ج۵، ص۱۰۷ — ii۔ تھذیب التھذیب، ج۵، ص۱۵۴

۴۔قیس بن طلق بن علی:

آپ کا نام قیس بن طلق بن علی بن المنذر حنفی یمامی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، صدوق تابعی راوی ہیں، آپ کو امام دارمی، امام عجلی اور ابن حبان نے ثقہ، علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق اور امام ابن معین نے نا قابل حجت لکھا ہے، آپ کے باپ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آئمہ اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔طلق بن علی:

آپ کا نام طلق بن علی بن المنذر بن قیس بن عمرو بن عبداللہ بن عمرو بن عبدالعزّٰی بن سحیم حنفی سحیمی یمامی ہے، بعض نے آپ کا نام طلق بن ثمامہ بھی ذکر کیا ہے، آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ اپنے قبیلہ کے وفد کے ہمراہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر میں حصہ لیا، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)۔

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ حسن صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ساٹھویں (۶۰) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی کوفی اور باقی سارے یمامی ہیں۔
☆ سند میں دو تابعی (عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ، قیس رحمۃ اللہ علیہ) راوی ہیں۔
☆ یہ بیٹے (قیس رحمۃ اللہ علیہ) کی باپ (طلق) سے روایت ہے۔
☆ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی صغرٰی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر میں شرکت کی تھی۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

خرجنا: ہم نکلے۔ہم چلے — قدمنا: ہم حاضر ہوئے
فبایعناہ: پس ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی — صلینامعہ: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی

۱۔i۔میزان الاعتدال، ج ۳، رقم ۶۹۱۶ — ii۔تاریخ الاسلام، ج ۵، ص ۱۲۳
۲۔i۔اسد الغابۃ، ج ۳، ص ۶۳ — ii۔الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۷۶

فلما قضی الصلوۃ: پس آپ ﷺ نے نماز مکمل فرمائی بدوی: دیہات کے رہنے والے صحابی
ماتری: آپ ﷺ کیا حکم فرماتے ہیں مس: اس نے چھوا
ذکرہ: اپنا عضو تناسل مضغۃ: جسم کا ٹکڑا
بضعۃ: گوشت کا ٹکڑا

۷۔مسائل ونصائح:

شرمگاہ کو چھونے سے وضو کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کا مسئلہ فقہاء کرام کے ہاں معرکۃ الآراء ہے، ڈاکٹر وھبہ زحیلی ان تمام آراء کا خلاصہ لکھتے ہیں:

شرمگاہ کا چھونا، یعنی اگلی اور پچھلی شرمگاہ ...... احناف کے ہاں شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جمہور کے ہاں اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان دونوں مذاہب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

احناف فرماتے ہیں کہ شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ دلیل اس کی حضرت طلق بن علی کی روایت کردہ حدیث ہے آدمی اپنے عضو کو چھوتا ہے کیا اس پر وضو ہوگا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تمہارے بدن کا ایک ٹکڑا ہے۔(۱)

اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت عمران بن حصین، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ یہ حضرات عضو تناسل کو چھونے کو ناقض وضو نہیں سمجھتے تھے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اس کو چھوؤں یا ناک کی نوک کو چھوؤں۔

مالکیہ فرماتے ہیں وضو عضو تناسل کو چھونے سے ٹوٹ جاتا ہے مقعد کو چھونے سے نہیں اور عضو تناسل کا چھونا اس وقت ناقص شمار ہوگا جب وہ جسم سے لگا ہوا ہو کٹا ہوا عضو نہیں۔ اس عضو کو خواہ کسی بھی حصے سے چھوا ہو اس سے لذت ہو یا نہ ہو، بھول کر یا جان بوجھ کر بلا حائل ہتھیلی سے یا ہاتھ کے دائیں بائیں جانب سے (اطراف سے) یا انگلیوں کے اندرونی حصے سے یا ان کے اطراف سے چھوئے ان کی اوپر کی طرف سے نہیں۔ اور خواہ وہ انگلی زائد ہو بشرطیکہ اس میں حس ہو اور اس سے وہ تصرف کرتا ہو جیسے دوسری انگلیوں سے کرتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب وہ بالغ ہو بچے کا اپنے عضو کو چھونا ناقض وضو نہیں یعنی مس ذکر اس وقت ناقض ہے جب بالغ شخص اپنی انگلیوں اور ہاتھ کی اندر کی جانب سے مس کرے۔

مقعد کے حلقے یا کپورے چھونے سے یا عورت کے اپنی شرمگاہ چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ وہ لذت کے حصول کے لئے ایسا کرے یعنی اپنی ایک یا زائد انگلیوں کو اپنی شرمگاہ میں داخل کر دے، اس طرح بچے کا اپنے عضو کو چھونا یا بڑے کا دوسرے کے عضو کو چھونا ناقض وضو نہیں۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے جو اپنے عضو کو چھوئے تو وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک وضو نہ کرلے۔(۲) اور یہ حدیث جو اپنے ہاتھ کو عضو تک

۱۔ یہ حدیث امام ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی امام احمد اور دارقطنی نے مرفوعا روایت کی ہے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث اس باب میں سب سے احسن روایت ہے نصب الرایہ، ج ۱ ص ۶۰ اور بعد کے صفحات۔ نیل الاوطار، ج ۱ ص ۱۹۸

۲۔ یہ حدیث پانچوں حضرات (یعنی اصحاب سنن اور امام احمد) نے روایت کی ہے ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس کو امام مالک شافعی ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ابن جارود نے روایت کیا ہے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس بات کی اصح ترین حدیث یہی ہے نیل الاوطار، ج ۱ ص ۱۹۷ نصب الرایہ، ج ۱ ص ۵۴)

لے جائے اس طرح کہ دونوں کے درمیان حائل نہ ہو تو اس پر وضو لازم ہوگا۔(۱)

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ انسان کی شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، عضو تناسل ہو یا مقعد ہو یا عورت کی اگلی شرمگاہ ہو اپنا عضو ہو یا دوسرے کا، بچے کا یا بڑے کا زندہ کا یا مردہ کا۔ مقعد کو عضو تناسل پر قیاس کرنا امام شافعی کا مذہب جدید ہے، شرط یہ ہے کہ ہاتھ کے اندرونی طرف سے ہو یعنی ہتھیلی اور انگلیوں کے اندرونی طرف سے یہ مس ہو ہتھیلی کے باہر کی طرف سے اطراف سے اور انگلیوں کے سرے یا ان کے بیچ سے جو معمولی سے دباؤ کے بعد جو بچتا ہو وہ حصہ یعنی ناقض وضو وہ مس ہے جو دو ہتھیلیوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر معمولی سا دبانے سے ایک دوسرے سے ملتا ہوا اس حصے سے کیا جائے۔ انگوٹھوں میں ایک کا اندرونی حصہ دوسرے کے اندرونی حصے پر رکھا جائے۔ اور اگر تحامل (دباؤ) زیادہ ہو تو غیر ناقض زیادہ ہوگا اور ناقض کم ہوگا۔ اس مسئلے میں شوافع مالکیہ کے ساتھ متفق ہیں کیونکہ ہاتھ کی پشت چھونے کا آلہ نہیں تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے اپنی ران سے چھونا۔

حنابلہ کے ہاں ہتھیلی کا اندر کا حصہ اور پشت حکم میں ایک ہے دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو پہلے گذری جس میں ہاتھ پہنچانے کا بیان ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک لے جائے اور دونوں کے درمیان حائل نہ ہو تو وہ شخص وضو کرے اور ہاتھ کی پشت بھی ہاتھ میں داخل ہے، اور افضاء کا مطلب ہے ہاتھ بلا حائل لگانا۔

شوافع اور حنابلہ کی دلیل گذشتہ دونوں حدیثوں کا مجموعہ ہے حدیث بسرہ بنت صفوان اور حدیث ام حبیبہ کہ جو شخص اپنے عضو کو چھوئے وہ وضو کرے اور دوسرے الفاظ میں ہے جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور حضرت ابو ہریرۃ والی حدیث جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ عضو تک لے جائے تو اس پر وضو واجب ہے اور دوسرے الفاظ یہ منقول ہیں جب تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک لے جائے ......اور شرمگاہ (فرج) اگلی اور پچھلی شرمگاہ دونوں کو شامل ہے، اور مقعد بھی دو شرمگاہ میں سے ایک ہے، تو وہ عضو کے مشابہ ہوگا۔

عورت کو چھونے سے وضو کا مطلقاً ٹوٹنا حدیث بسرۃ اور ام حبیبہ کی وجہ سے ہے، کہ جو اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے اور حضرت عمرو بن شعیب کی اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد روایت کردہ حدیث ہے کہ جو شخص اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وہ وضو کرے، جو عورت اپنی شرمگاہ کو چھوئے وہ وضو کرے۔(۲) میرے نزدیک راجح احناف کے علاوہ جمہور فقہاء کا مذہب ہے کیونکہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ضعیف یا منسوخ ہے، اس کو امام شافعی، ابو حاتم ابو زرعہ، دار قطنی بیہقی اور ابن جوزی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان، طبرانی، ابن عربی حازمی رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے اس کے نسخ کا دعویٰ کیا ہے۔(۳)

☆ علامہ ابو بکر علاؤ الدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فقہاء احناف کا مؤقف لکھتے ہیں:

اگر کسی نے اپنے عضو (آلہ تناسل) کو اپنا ہاتھ بغیر کسی رکاوٹ کے لگایا تو ہمارے نزدیک اس سے وضو ساقط نہیں ہوتا، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک

۱۔ امام احمد اور ابن حبان نے اسے روایت کیا ہے ابن حبان نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح السند ہے اور اس کے راوی سب عدول ہیں نیل الاوطار، ج۱، ص۱۹۹، اس کو امام شافعی نے اپنی مسند میں ان الفاظ سے روایت کیا ہے اذا افضی احدکم الی ذکرہ فقد وجب علیہ ء نصب الرایة، ج۱، ص۵۴ اور بعد کے صفحات۔

۲۔ بروایت احمد و بیہقی نصب الرایہ، ج۱، ص۵۸

۳۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص۲۹۸۔۲۹۹

اس سے وضو باطل ہو جاتا ہے۔ وہ اس ضمن میں بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مس ذکرہ فلیتوضا۔ جس نے اپنے ذکر کو ہاتھ لگایا وہ وضو کرے۔

اس کے مقابلے میں ہماری دلیل حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت، عمران بن حصین، حذیفہ الیمان، ابوالدرداء اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں کہ یہ سب حضرات عضو سے ہاتھ لگانے کو ذریعۂ حدث نہیں خیال کرتے تھے۔ حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک عضو کو ہاتھ لگانے اور ناک کو ہاتھ لگانے میں کوئی فرق نہیں۔ ان میں سے بعض نے مذکورہ بالا روایت کے راوی سے کہا کہ اگر وہ ناپاک ہے تو اسے کاٹ دو، علاوہ ازیں اس کو ہاتھ لگانا نہ تو خود حدث ہے اور نہ ہی اکثر اوقات حدث کا ذریعہ ہے۔ بنابریں وہ تو ناک کو ہاتھ لگانے کی مانند ہے۔ مزید براں انسان اپنے عضو کو اکثر ہاتھ لگا تا رہتا ہے تو اگر اسے حدث قرار دیا ہے، تو اسے لوگوں کی دشواری پیش آئے گی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ کئی وجوہ سے ثابت نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ وہ اجماع صحابہ کے یکسر خلاف ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا، ثانیاً اس لئے کہ اس خاتون نے یہ روایت مروان بن الحکم کے زمانے میں پہلی مرتبہ بیان کی، جس پر موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہم مشورہ کیا اور کہا کہ "ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کو محض ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے۔ جس کے متعلق ہمیں معلوم نہیں کہ آیا اس نے سچ کہا ہے۔ یا جھوٹ"۔ اور ثالثاً اس لئے کہ یہ روایت "ابتلائے عام" سے متعلق ہونے کے باوجود، خبر واحد ہے ورنہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو ابتلائے عام کے باعث اسے درجہ شہرت حاصل ہو جاتا۔ لہٰذا یہ روایت زیادہ سے زیادہ ہاتھ دھونے پر محمول ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھروں کے ساتھ استنجا کیا کرتے تھے، پانی میسر نہ ہوتا تھا، تو جب وہ عضو کو ہاتھ لگاتے۔ تو ان کا ہاتھ، خاص طور پر گرمی کے ایام میں کچھ نہ کچھ آلودہ ہو جایا کرتا تھا، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھوں کے دھونے کا حکم دیا۔ واللہ اعلم۔ (۱)

☆ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ اثر نقل کیا ہے، فرماتے ہیں میں نہیں پروا کرتا کہ میں نے اپنی ناک کو چھوا ہے یا کان کو یا ذکر کو اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھے پروا نہیں ہے کہ میں اپنی نماز میں ذکر کو چھولوں یا کان کو یا ناک کو اور بہت سارے صحابہ کرام سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کو مس ذکر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ان کان شی منک نجسا فاقطعہ ولا باس بہ کہ اگر یہ تجھ میں سے نجس ہے تو اس کو کاٹ ڈالو اس چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مس ذکر کو ناپسند فرماتے تھے۔ پس اگر کوئی کر لے تو اس پر وضو کے قائل نہ تھے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ دونوں حدیثیں درجہ حسن سے کم نہیں ہیں لیکن یہاں پر طلق کی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ حدیث الرجال وہ اقوی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ علم کے زیادہ یاد کرنے والے اور محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے دو عورتوں کی گواہی کو ایک آدمی کی گواہی کے برابر رکھا گیا ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث بسرہ کو ضعیف قرار دینے میں لمبا کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (۲)

☆ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی نے بھی اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے:

۱۔ بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۱۶۰۔۱۶۱

۲۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۲، ص ۷۶

فقہاء ومحدثین کے درمیان یہ مسئلہ معرکۃ الآراء رہا ہے، کہ مس ذکر موجب وضو ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر مس ذکر بباطن الکف بلا حائل ہوتو ناقض وضو ہے، علامہ ابواسحاق شیرازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''المہذب'' میں لکھا ہے کہ مس فرج امرأۃ کا بھی یہی حکم ہے، اورامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الام'' میں تصریح کی ہے کہ مس دبر بھی ناقض وضو ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مس ذکر وفرج ودبر کسی سے وضو واجب نہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی ہے کما صرح بہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ، البتہ ان دوحضرات کی دوسری روایت شافعیہ کے مطابق ہے۔

شافعیہ کی دلیل حضرت بسرۃ بنت صفوان کی مندرجہ ذیل روایت باب ہے، ''ان النبی ﷺ قال من مس ذکرہ فلا یصل حتی یتوضا'' اس میں انہوں نے باطن کف بلا حائل کی قید حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے ثابت کی ہے جو مسند بزار، مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی معجم صغیر اور اوسط میں مروی ہے:

''ان النبی ﷺ قال من افضی بیدہ الی ذکرہ لیس دونہ ستر فقد وجب علیہ الوضوء ''(۱)

حضرت بسرۃ کی روایت کے بعض طرق میں مس فرج کا بھی ذکر آیا ہے، چنانچہ دارقطنی، ج۱، ص۱۴۷ میں اسماعیل بن عیاش کے طریق سے یہ الفاظ مروی ہیں۔ ''واذا مست المرأۃ قبلھا فلتتوضا'' اسی طرح مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ''قال قال رسول اللہ ﷺ من مس فرجہ فلیتوضا و ایما امرأۃ مست فرجھا فلتتوضا'' (۲) اس سے امام شافعی نے مس فرج امراۃ سے وجوب وضو کا حکم مستنبط کیا ہے، البتہ مس دبر کے ناقض وضو ہونے پر کوئی مرفوع روایت احقر کی نظر سے نہیں گذری، صرف مصنف (۳) عبدالرزاق میں ابن جریج سے مروی ہے ''قال قلت لعطاء مس الرجل مقعدتہ سبیل الخلاء ولم یضع یدہ ھناک افیتوضا قال نعم اذا کنت متوضأ من مس الذکر توضات من مسھا'' لیکن یہ حضرت عطاء کا قیاس ہے۔

حنفیہ کی دلیل اگلے باب میں حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ''عن النبی ﷺ قال ھل ھو الا مضغۃ منہ او بضعۃ منہ '' دوسری کتب حدیث میں یہ حدیث قدرے تفصیل کے ساتھ آئی ہے ''عن طلق بن علی رضی اللہ عنہ عنہ قال قال رجل مسست ذکری (اوقال) الرجل یمس ذکرہ فی الصلوٰۃ اعلیہ وضوء ؟فقال النبی ﷺ لا انما ھو بضعۃ منک '' (اخرجہ الخمسۃ) (۴)

دراصل اس باب میں اختلاف کی وجہ احادیث کا تعارض ہے، اس باب میں دوحدیثیں اصل کی حیثیت رکھتی ہیں، ایک حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت جس سے شافعیہ استدلال کرتے ہیں، دوسری حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت جس سے احناف استدلال کرتے ہیں، اب مسئلہ یہ ہے کہ ان میں سے کونسی حدیث کو اختیار کیا جائے؟

انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں اپنی اپنی جگہ قابل استدلال ہیں، اگرچہ تھوڑا تھوڑا کلام دونوں کی سندوں پر ہوا ہے۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت پر دواعتراض کئے گئے ہیں:

۱۔ وفیہ یزید بن عبدالملک النوفلی وقد ضعفہ اکثر الناس ووثقہ یحییٰ بن معین فی روایۃ، (مجمع الزوائد، ج۱، ص۲۴۵)

۲۔ رواہ احمد وفیہ بقیۃ بن الولید وقد عنعنہ وھو مدلس (مجمع الزوائد، ج۱، ص۲۴۵)

۳۔ ج۱، ص۱۲۲، باب مس المقعدۃ

۴۔ اعلاء السنن، ج۱، ص۱۹۰، باب ان مس الذکر غیر ناقض

ایک یہ کہ یہ روایت ایوب بن عتبہ اور محمد بن جابر سے مروی ہے، اور یہ دونوں ضعیف ہیں، لیکن یہ اعتراض بالکل غلط ہے، اس لئے کہ یہ روایت ان دونوں کے علاوہ ملازم بن عمرو اور عبداللہ بن بدر سے بھی منقول ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے انہی کی سند سے اسے روایت کر کے اس کی تصحیح کی ہے، نیز احقر کو یہ حدیث صحیح ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ میں حسین بن الولید عن عکرمہ بن عمار عن قیس بن طلق کے طریق سے بھی ملی ہے، کمافی موارد الظمآن (۱) اس سے واضح ہے کہ ایوب بن عتبہ اور محمد بن جابر کے کئی متابعات موجود ہیں، اور ان کی موجودگی میں ایوب بن عتبہ اور محمد بن جابر کے ضعف کا اعتراض روایت کے لئے مضر نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس حدیث کا مدار قیس بن طلق پر ہے، اور وہ ضعیف ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ قیس بن طلق ایک مختلف فیہ راوی ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ، ابوحاتم اور ایک روایت میں یحییٰ بن معین نے ان کی اگرچہ تضعیف کی ہے، لیکن دوسری طرف امام عجلی، علی بن المدینی نے اور یحییٰ بن معین نے دوسری روایت میں ان کی توثیق کی ہے، ابن القطان نے قول فیصل یہ بیان کیا "یقتضی ان یکون خبرہ حسنا لا صحیحا"

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے "میزان الاعتدال" (۲) میں یہ تمام مباحث نقل کرنے کے بعد ابن القطان کا مذکورہ قول نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی ان کی احادیث درجہ حسن سے کم نہیں۔

حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر یہ کلام ہوا ہے کہ اس کا پورا واقعہ سنن نسائی (۳) اور طحاوی وغیرہ میں مروی ہے، اور ہوا یہ کہ ایک مرتبہ حضرت عروہ بن الزبیر، مروان بن حکم کے پاس موجود تھے، نواقض وضو کا ذکر چلا، مروان نے مس ذکر کو بھی نواقض میں شمار کیا، حضرت عروہ نے اس سے انکار کیا تو اس نے حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت سنائی، پھر تصدیق کے لئے اپنے ایک شرطی کو حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، شرطی نے بھی آ کر یہی حدیث سنائی۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث براہ راست حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنی، بلکہ بیچ میں یا شرطی کا واسطہ ہے یا مروان کا، اگر شرطی کا واسطہ ہو تو وہ مجہول ہے، اور اگر مروان کا واسطہ ہو تو وہ مختلف فیہ راوی ہے۔ (قال الحافظ ابن حجر یقال لہ روایۃ فان ثبت فلا یعرج علی من تکلم فیہ وقد قال عروۃ بن الزبیر کان مروان لا یتہم فی الحدیث وقدروی عنہ سہل بن سعد الساعدی الصحابی اعتماداً علی صدقہ وانما نقموا علیہ انہ رمیٰ طلحۃ یوم الجمل بسہم فقتلہ ، ثم شہر السیف فی طلب الخلافۃ حتی جری ماجری فاما قتل لطحۃ فکان متاولا فیہ کما قررہ الا سماعیلی وغیرہ اما ما بعد ذلک فانما حمل عنہ سہل بن سعد وعروۃ وعلی بن الحسین وابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث واخرج البخاری حدیثہم عنہ فی صحیحہ لما کان امیراً عندہم فی المدینۃ قبل ان یبدومنہ فی الخلاف علی ابن الزبیر مابدا۔ واللہ اعلم، وقد اعتمد مالک علی حدیثہ وروی عنہ والباقون سویٰ مسلم (ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری، الفصل التاسع ،خطبۃ بمکتبتنا)

بعض نے اس کی تضعیف کی ہے اور بعض نے توثیق، اگرچہ امام بخاری نے اس سے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، لیکن بعض حضرات نے یہ محاکمہ کیا ہے کہ اس کے حاکم بننے سے پہلے کی روایات مقبول اور بعد کی مردود ہیں۔

۱۔ ج ۱، ص ۷۷، حدیث: ۲۰۸ ۲۔ ج ۳، ص ۳۹۷ ۳۔ ج ۱، ص ۳، باب الوضوء من مس الذکر

بہر حال ان کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے ان کے مناقشات سے پہلے پہلے کی ان کی روایات مقبول ہیں اور بعد کی مردود، امام بخاری نے ان سے مناقشات سے پہلے کی روایات نقل کی ہیں، بعد کی نہیں، اور مذکورہ روایت چونکہ بعد کی ہے، اس لئے یہ روایت قبول نہیں ہونی چاہئے۔

بعض شوافع نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ: حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بعد براہ راست حضرت بسرہ سے اس حدیث کی تصدیق کر لی تھی، چنانچہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں اس واقعہ کے بعد یہ زیادتی بھی مروی ہے کہ عروہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے بعد میں براہ راست حضرت بسرہ سے سوال کیا تو انہوں نے مروان کی تصدیق کی، اس سے معلوم ہوا کہ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت بسرہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس کے جواب میں بعض حنفیہ نے فرمایا کہ یہ زیادتی صحیح نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ زیادتی صحیح ہوتی تو امام بخاری اس حدیث کو اپنی صحیح میں ضرور ذکر کرتے، حالانکہ امام بیہقی کے قول کے مطابق امام بخاری نے یہ روایت اس لئے نقل نہیں کی کہ بسرہ سے عروہ کا سماع مشکوک تھا، اس کے علاوہ (۱) میں رجاء بن مرجی کے طریق سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مسجد خیف میں حضرت یحیٰی بن معین نے فرمایا کہ مس ذکر سے وضو واجب ہے جبکہ علی بن المدینی کا کہنا یہ تھا کہ وضو واجب نہیں، ابن معین نے وجوب وضو پر بسرہ بنت صفوان کی حدیث سے استدلال کیا، اس پر علی بن المدینی نے اعتراض کیا کہ حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث براہ راست حضرت بسرہ سے نہیں سنی، چنانچہ فرمایا ''کیف تتقلد اسناد بسرة؟ ومروان ارسل شرطیا حتی ردجوابھاالیہ''

اور خود علی بن المدینی نے طلق بن علی کی حدیث پیش کی، جس پر یحیٰی بن معین نے اعتراض کیا کہ وہ قیس بن طلق سے مروی ہے، ''وقد اکثر الناس فی قیس بن طلق ولا یحتج بحدیثہ'' امام احمد نے دونوں کے اعتراضات کی توثیق کی اور فرمایا ''کلا الا مرین علی ما قلتما'' اس پر یحیٰی ابن معین نے فرمایا ''مالك عن نافع عن ابن عمر انہ من مس الذکر'' اس پر علی بن المدینی نے فرمایا ''کان ابن مسعود یقول لا یتوضا منہ وانما ھو بضعة من جسدك'' اس پر یحیٰی بن معین نے اس کی سند دریافت کی تو علی بن المدینی نے فرمایا ''سفیان عن ابی قیس عن ھزیل عن عبداللہ'' اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ''واذا اجتمع ابن مسعود وابن عمر واکتلفافابن مسعود اولی ان یتبع'' امام احمد نے یہ سن کر فرمایا ''نعم ولکن ابو قیس لا یحتج بحدیثہ'' (۲) اس پر علی بن المدینی نے فرمایا: ''حدثنی ابو نعیم نا مسعر عن عمیر بن سعید عن عمار بن یاسر قال ما ابالی مسستہ او انفی'' اس پر امام احمد نے فرمایا '۔عمار وابن عمر استویا فمن شاء اخذ بھذا ومن شاء اخذ بھذا''

اس مناظرہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یحیٰی بن معین، علی بن المدینی اور امام احمد جیسے جلیل القدر محدثین حتی کہ امام بخاری تک حضرت عروہ بن الزبیر کی حدیث میں ''فسالت بسرة بعد ذلك فصدقتہ'' کی زیادتی سے بے خبر تھے، اگر یہ زیادتی صحیح ہوتی تو یہ حضرات اس سے ناواقف نہ رہتے، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ حدیث کی صحت کا مدار اس کی سند پر ہونا چاہئے، اگر اس کی سند صحیح ہو تو اسے تسلیم کر لینا چاہئے، نیز عدم علم

۱۔ مستدرک حاکم، ج۱،ص۱۳۹؛ اور دار قطنی، ج۱،ص۵۵؛ اور سنن کبریٰ للبیہقی، ج۱،ص۱۳۶

۲۔ قال الماردینی و ابو قیس ھذاوثقہ ابن معین وقال العجلی "ثقة" ثبت، واحتج بہ البخاری واخرج لہ ابن حبان فی صحیحہ، والحاکم فی المستدرك (معارف السنن، ج۲،ص۲۹۹)

علم عدم کو مستلزم نہیں ہوتا، لہٰذا محض ان حضرات کے ناواقف رہنے سے اس زیادتی کو رد نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص جبکہ دوسرے محدثین نے اس زیادتی کو صحیح قرار دیا ہو۔(قلت ثم رایت انه قداخرجه ابن حبان هذه الزيادة من طريق محمد بن اسحق بن خزيمة ثنا محمد بن رافع نا ابن ابی فديك انبی ربيعة بن عثمان عن هشام بن عروة عن ابيه عن مروان عن بسرة فذكر الحديث ثم قال قال عروة"فسالت بسرة فصدقته، (۱)واخرجه الدار قطنی ايضاً من طريق عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا الحكم بن موسیٰ ناشعيب بن اسحق انبی هشام بن عروة عن ابيه ان مروان حدثه ، فذكرالحديث ثم قال فانكر ذلك عروة"فسال بسرة فصدقته بما قال، قال الدارقطنی هذا صحيح تابعه ربعية بن عثمان والمنذربن عبدالله الحرامی وعنبسة بن عبدالواحد و حميد بن الاسود فرووه عن هشام هكذا عن ابيه عن مروان عن بسره قال عروة" فسالت بسرةبعد ذلك فصدقته (۲)فالظاهران هذه الزيادة صحيحة ومن ثم قال ابن خزيمة وبقول الشافعی اقول لان عروة قد سمع خبر بسرة منها لا كما تو هم بعض علمائناان الخبرواه لطعنه فی مروان (۳)

چنانچہ امام دارقطنی نے اسے متعدد طریق سے نقل کیا ہے اور صراحۃً اس کی تصحیح کی ہے، اسی طرح امام ابن خزیمہ نے بھی اس کی صحت کی تصریح فرمائی ہے، علاوہ ازیں علی بن المدینی اور یحییٰ بن معین کا مناظرہ مستدرک حاکم میں بھی ذکر کیا گیا ہے، اس میں جہاں علی بن المدینی نے حضرت بسرہ کی روایت پر انقطاع کا اعتراض کیا ہے، وہاں یحییٰ بن معین کا جواب بھی ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔"ثم لم يقنع ذلك عروة حتی اتی بسرة فسالها فشافهته بالحديث "اس پر علی بن المدینی کی طرف سے کوئی اعتراض بھی ذکر نہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادتی بھی کم از کم یحییٰ بن معین کے نزدیک درست تھی، اسی بناء پر ہم نے شروع میں کہا تھا کہ سند کے اعتبار سے تھوڑے کلام کے باوجود حضرت طلق اور حضرت بسرہ دونوں کی حدیثیں قابل استدلال ہیں، سند کے اعتبار سے ان میں سے کسی کو ترجیح دینا مشکل ہے، اعتراضات دونوں پر ہیں جوابات بھی دونوں کے دیئے گئے ہیں، لیکن کسی کے جواب کو بھی قطعی اور شافی قرار دے کر دوسرے کو مرجوع نہیں کہا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ قوی اور اقویٰ کا فرق کیا جاسکتا ہے، اسی لئے امام بخاری اور امام مسلم نے دونوں میں سے کوئی حدیث بھی اپنی صحیح میں نقل نہیں کی، نیز مناظرہ کے واقعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد کے نزدیک دونوں میں سے کوئی حدیث کلام سے خالی نہیں۔

رفع تعارض کے لئے ایک راستہ نسخ کا ہے، چنانچہ نسخ کے دعوے بھی دونوں طرف سے کئے گئے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ نسخ کی دلیل کافی کسی کے پاس موجود نہیں، اور قرائن دونوں طرف ہیں۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے منسوخ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ اھ میں تعمیر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مدینہ طیبہ آئے تھے، پھر واپس چلے گئے تھے، دوسری طرف حدیث وضو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو ۷ھ میں اسلام لائے، لہٰذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت متاخر مان کر ناسخ قرار دی جائے اور حضرت طلق رضی اللہ عنہ کی منسوخ، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ نسخ کی دلیل کافی نہیں، اول تو اس لئے کہ بعض روایات سے حضرت طلق رضی اللہ عنہ کا ۹ھ میں دوبارہ مدینہ طیبہ تشریف لانا ثابت ہوتا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث انہوں نے اس وقت سنی ہو، اس کے علاوہ راوی کا متاخر الاسلام ہونا مروی کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں، کما مر، لہٰذا یہ بات نسخ کے لئے کافی نہیں۔(۴)"باب فيمن مس فرجه

۱۔ موارد الظمآن، ص ۷۸، حدیث ۲۱۱
۲۔ سنن الدار قطنی، ج ۱، ص ۱۴۶
۳۔ صحیح ابن خزیمۃ، ج ۱، ص ۲۳، حدیث ۳۴
۴۔ وفی مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۴۵

" وعن طلق بن علی و كان فی الوفد الذين وفدوا الى رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ قال من مس فرجه فليتوضا "رواه الطبرانی فی الكبير وقال لم يروهذا الحديث عن ايوب بن عتبة الا حماد بن محمدوقدروى الحديث الآخر حماد بن محمد و هما عندی صحيحان ويشبه ان يكون سمع الحديث الاول من النبی ﷺ قبل هذا ثم سمع هذا بعد فوافق حديث بسرة وام حبيبة وابی هريرة وزيد بن خالد و غيرهم ممن روى عن النبی ﷺ الامر بالوضو من مس الذكر فسمع الناسخ والمنسوخ اظن انه لم يتعرض عن هذا الاعتراض احد الا الشيخ العلام مولانا ظفراحمد العثمانی فی اعلاء السنن (ج ا ص ۱۹۰۔۱۹۱) تحت "باب ان مس الذكر غير ناقض " اجاب مدللاومبرهنا فقال "قلت اما دعوىٰ النسخ فمشكل وغير محتاج اليه فاما قولی "فمشكل " وجهه انه يحتاج الی لفظ يدل علی النسخ ولم يثبت ، ومعرفة تاريخ الحديثين المتعارضين ان عرف لا يكفی للنسخ فكيف اذا لم يعرف ؟لانه يحتمل ان يكون المتقدم للندب و المتاخر لبيان الجواز بالعكس والاحتمال مخل بالاستدلال واما قولی "غير محتاج اليه" فانه يمكن التطبيق بينهمابان الامر للاستحباب تنظيفاً ، والنفی لنفی الوجب فلا حاجةالی النسخ والصحيح عندی ان الامر للاستحباب كما قال فی الدرالمختار "لكن يندب للخروج من الخلاف " لا سيما للا مام الخ (۱)

اور حضرت بسرہ کی حدیث کے منسوخ ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ اسلام میں ایسی نظیریں تو موجود ہیں جن میں کسی عمل سے وضو کا ثابت ہونا بعد میں منسوخ کر دیا گیا ہو، کالوضوء مما غیرت النار، لیکن ایسی کوئی نظیر نہیں جس میں پہلے ترک وضو کا صراحۃً حکم آیا ہو اور اس کے بعد وجوب وضو کا حکم کیا گیا ہو، لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات بھی محض ایک قرینہ کی حیثیت رکھتی ہے، نسخ کی دلیل کافی نہیں۔

درحقیقت اس مسئلہ میں ادلہ متعارض ہیں، اور ایسے ہی مواقع پر کسی مجتہد کا دامن تھامنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، امام شافعی نے حضرت بسرہ کی حدیث کو اس لئے اختیار کیا کہ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن خالد جہنی، حضرت ام حبیبہ، حضرت اروی بن انیس، حضرت جابر، اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہم کی روایتوں سے بھی ہوتی ہے۔ (۲)

ان میں سے اکثر کی اسانید اگر چہ ضعیف اور مختلف فیہ ہیں، لیکن ان کے موید ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، دوسری طرف حضرت طلق بن علی کی حدیث کی موید صرف حضرت ابوامامہ، حضرت عائشہ، حضرت عصمہ بن مالک خطمی، اور حضرت جری کی روایات ہیں، ان میں سے جری کی روایت پر کلام ہوا ہے، اور بقیہ روایات کے ضعف پر اتفاق ہے، لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر حضرت طلق کی روایت کو ترجیح دی ہے:۔

۱۔ اگر حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو اختیار کیا جائے تو حضرت طلق کی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا پڑتا ہے، حالانکہ سنداوہ بھی قابل استدلال ہے، اس

۱۔ درمختار، ج ا، ص ۱۵۲، مع ردالمحتار، مرتب عفی عنہ

۲۔ وكزلك عن عائشة اخرجه ابن ابی حاتم من طريق حسن الحلوانی عن عبدالصمدبن عبدالوارث عن ابيه عن حسين المعلم عن يحيیٰ ابن ابی كثير عن المهاجر بن عكرمة عن الزهری عن عروة عن عائشة عن النبی ﷺ قال من مس ذكره فليتوضا، ثم قال قال ابی هذا حديث ضعيف لم يسمعه يحيیٰ من الزهری وادخل بينهم رجلا ليس بالمشهور ولا اعلم احدا روى عنه الا يحيیٰ ، الخ (علل الحديث، ج ا، ۳۶)

کے برخلاف اگر حضرت طلق کی روایت کو اختیار کیا جائے تو حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ترک لازم نہیں آتا، اس لئے کہ اسے استحباب پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ کوئی تاویل بعید نہیں، کیونکہ خود امام شافعی نے بھی وضو مما مست النار اور وضو من لحوم لابل کے مسائل میں یہی توجیہ کی ہے، نیز خود حضرت بسرہ کی روایت کے بعض طریق ایسے ہیں جنہیں خود امام شافعی بھی استحباب پر محمول کرتے ہیں، چنانچہ امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں ایک روایت اس طرح نقل کی ہے "عن بسرة بنت صفوان قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول من مس ذكره او انثييه او رفغيه (اى اصول فخذيه) فليتو ضا وضوئه للصلوٰة" قال الهيثمى فى مجمع الوائد(۱) بعد ذكر هذا الحديث "رجاله رجال الصحيح" اس میں "انثیین" اور "رفغین" کے مس سے وضو کا حکم باتفاق استحبابی ہے، چنانچہ امام شافعی نے کتاب الام میں صراحت فرمائی ہے، کہ مس الانثیین سے وضو نہیں ٹوٹتا، فما هو جوابكم فى مس الانثيين والرفغين فهو جوابنا فى مس الذكر۔

بعض حضرات نے اس پر اشکال کیا ہے کہ امام دارقطنی نے مس الانثیین والی روایت کو نقل کر کے اسے ضعیف اور موقوف علی عروہ بن الزبیر قرار دیا ہے، اس کا جواب ظاہر ہے کہ امام طبرانی نے اس کو مضبوط سند سے ذکر کیا ہے، اسی وجہ سے علامہ ہیثمی نے فرمایا "رجالہ رجال الصحیح" علاوہ ازیں خود امام دارقطنی نے اس روایت کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے اور تعدد طرق سے اس کے ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے۔

۲۔ حضرت طلق بن علی کی روایت واضح ہے اس کے برخلاف حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مبہم ہے، اس میں یہ واضح نہیں کہ وضو کا حکم مس بلا شہوت کی صورت میں ہے یا بالشہوت کی صورت مین، اور مس بلا حائل ہوگا یا بحائل، بحائل کی قید امام شافعی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے اخذ کی ہے وہ یزید بن عبدالملک نوفلی سے مروی ہے، جو ضعیف ہے، کما صرح بہ الہیثمی فی مجمع الزوائد، نیز اس میں بھی ابہام ہے کہ مس ذکر نفسہ ناقض ہے یا مس ذکر غیر بھی، یہی وجہ ہے کہ ان تفصیلات میں قائلین وجوب وضو کا شدید اختلاف ہوا ہے، اور قاضی ابوبکر بن عربی نے اس سلسلہ میں تقریباً چالیس اقوال نقل کیے ہیں۔

۳۔ یہ عجیب بات ہے کہ امام شافعی مس انثیین والی روایت کو ناقض نہیں کہتے حالانکہ اس کی سند بھی صحیح ہے، اور مس دبر کو ناقض مانتے ہیں جس کی تصریح کتاب الام میں موجود ہے، حالانکہ اس کے متعلق مصنف عبدالرزاق میں سوائے حضرت عطاء کے قول کے کوئی ضعیف سی روایت بھی موجود نہیں ہے، بلکہ اس کے مقابل مصنف عبدالرزاق (۲) ہی میں حضرت قتادہ کا ایک اثر ہے، جس سے مس دبر کا غیر ناقض ہونا معلوم ہوتا ہے، نیز امام شافعی عورت کے لئے مس فرج کو بھی ناقض کہتے ہیں، حالانکہ جتنی روایتوں میں مس فرج کا ذکر آیا ہے وہ سب ضعیف ہیں، جیسا کہ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

۴۔ تعارض احادیث کے وقت ایک فیصلہ کن چیز صحابہ کرام کا تعامل اور ان کے آثار ہوتے ہیں، اس لحاظ سے بھی حضرت طلق کی حدیث راجح ہے کیونکہ صحابہ کرام کی اکثریت نے اسی کے مطابق عمل کیا ہے، امام طحاوی نے تو یہ فرمایا ہے کہ وجوب وضو کا قول سوائے حضرت ابن عمر کے کسی اور سے ثابت نہیں، بعض حضرات نے حضرت ابوہریرہ کا مسلک بھی اسی کے مطابق تسلیم کیا ہے، بہرحال اجلہ صحابہ کرام میں سے حضرت ابن مسعود، حضرت علی، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمار بن یاسر، حضرت حذیفہ، حضرت انس، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہم وغیرہم سے اس سلسلہ میں ترک وضو ثابت ہے، ان حضرات کے آثار واقوال موطا امام محمد، مصنف ابن ابی شیبہ اور اعلاء السنن وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں

۱۔ ج ۱، ص ۲۴۵ ۲۔ ج ۱، ص ۱۲۲، باب مس المقعدۃ

اس کے برخلاف امام شافعی کی تائید میں صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے، اور اسے بھی استحباب پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ تعارض حدیث کے وقت قیاس کی طرف بھی رجوع کیا جاتا ہے، اور قیاس سے بھی حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ بول و براز وغیرہ جو نجس العین ہیں ان کا مس کسی کے نزدیک بھی ناقض نہیں، لہٰذا اعضاء مخصوصہ جن کا طاہر ہونا متفق علیہ ہے ان کا مس بطریق اولیٰ ناقض نہ ہونا چاہئے، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (۱)

☆ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی جیسے ناک انگلی وغیرہ جسم کے اعضاء ہیں کہ ان کے چھونے سے وضو نہیں جاتا۔ ایسے ہی یہ بھی ایک عضو ہے کہ اس کا چھونا وضو نہیں توڑے گا۔ یہ حدیث ہمارے امام اعظم کی قوی دلیل ہے کہ اس عضو کے چھونے سے وضو نہیں جاتا۔ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابن عباس، عمار ابن یاسر حذیفہ، سعد، عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم بہت صحابہ کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ناک کان چھوؤں یا یہ عضو برابر ہی ہے حضرت سعد سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر نجس ہے تو اسے کاٹ ڈالو، اس کی پوری بحث طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ میں دیکھو۔

۲۔ چونکہ صاحب مصابیح محی السنہ اور صاحب مشکوۃ ولی الدین شافعی ہیں اور یہ حدیث ان کے خلاف ہے اس لئے جواب پر مجبور ہوئے اور نسخ کے سوا اور کوئی جواب نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حدیث مطابق قیاس کے ہے اور پچھلی حدیث خلاف قیاس لہٰذا ترجیح اس ہی حدیث کو ہوگی جو مطابق قیاس ہے۔ اس لئے حضرت محی السنہ نے نسخ کا دعویٰ فرمایا مگر نسخ کی روایت کوئی نہ ملی صرف اندازے سے منسوخ کہہ دیا۔ یعنی چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسلام پیچھے ہے اور طلق کی حاضری پہلے لہٰذا طلق نے نہ ٹوٹنے کی حدیث پہلے سنی ہوگی اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وضو توڑنے والی حدیث بعد میں سنی ہوگی اس لئے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ناسخ ہے اور حدیث طلق منسوخ ظاہر ہے کہ یہ بات کتنی کمزور ہے اولاً تو اس لئے کہ ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں دونوں جمع ہوسکتی ہیں جیسا کہ ہم عرض کرچکے پھر بلا وجہ ایک کو منسوخ کیوں مانا جائے دوسرے اس لئے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بعد حضرت طلق رضی اللہ عنہ نہ تو وفات پاگئے اور نہ بالکل غائب ہی ہوگئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے رہے۔ تو ہوسکتا ہے کہ آپ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بہت عرصہ بعد سنی ہو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت پہلے سن لی ہو حدیث طلق ناسخ ہو ابوہریرہ منسوخ بہرحال یہ دعویٰ نسخ بلا دلیل ہے خیال رہے کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ ہجرت کے سال مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ خیبر کے سال اسلام لائے نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث طلق کی تشریف آوری سے بہت پہلے کسی اور صحابی نے سنی ہو، انہوں نے حضرت ابوہریرہ سے بیان کی ہو جیسا کہ مرسل صحابہ میں ہوتا ہے۔ (۲)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا رجحان اس طرف ہے کہ شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، آپ نے مذکورہ بالا دو احادیث (۱۶۳۔۱۶۴) کے علاوہ کتاب الغسل والتیمم میں بھی یہ باب (الوضوء من مس الذکر) دوبارہ قائم کیا ہے، اور اس کے تحت چار احادیث (۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶) ذکر کی ہیں، جس سے آپ کے اس مؤقف کو سمجھنے میں تقویت ملتی ہے۔

☆ شرمگاہ (اگلی یا پچھلی۔ مرد وعورت) کو چھونے سے وضو کے ٹوٹنے یا نہ ٹوٹنے کے بارے میں فقہاء کرام کے نقطہ ہائے نظر درج ذیل ہیں:

۱۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۳۱۵۔۳۲۳ ۲۔ مراۃ المناجیح، ج ۱، ص ۲۳۵۔۲۳۶

۱۔احناف کے نزدیک شرمگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۔مالکیہ کے نزدیک بالغ شخص کا اپنی ہتھیلی یا انگلیوں کے اندرونی حصہ سے عضو تناسل کو بلا حائل چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا، البتہ مقعد (پچھلی شرمگاہ) کو چھونے سے وضو نہ ٹوٹے گا، اسی طرح بچے کا اپنے عضو تناسل یا بڑے کا دوسرے کے عضو تناسل کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے، اسی طرح عورت کا اپنی شرمگاہ کو چھونا بھی ناقض وضو نہیں ہے۔

۳۔شافعیہ اور حنبلیہ فقہاء کے نزدیک شرمگاہ کو چھونا ناقض وضو ہے، وہ عضو تناسل ہو یا مقعد، مرد کی ہو یا عورت کی، اپنا عضو ہو یا دوسرے کا، بچے کا ہو یا بڑے کا، زندہ کا ہو یا مردہ کا۔تمام صورتوں میں وضو ٹوٹ جائے گا۔البتہ شافعیہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ مس ہاتھ کے اندرونی حصہ سے ہو، جب کہ حنبلیہ کے نزدیک ہاتھ کے اندرونی حصہ اور پشت دونوں سے وضو ٹوٹ جائے گا۔اسی طرح بلا حائل چھونا ناقض وضو ہے۔

☆ ہمارے نزدیک فقہاء احناف کا مؤقف سترہ وجوہ سے راجح ہے:

۱۔اکابر صحابہ کرام کا عمل احناف کے مؤقف کے مطابق ہے، ان میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت زید بن ثابت، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابودرداء، حضرت ابوھریرہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت انس بن مالک، حضرت حسن رضی اللہ عنہم اور دیگر اجل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

۲۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

مابالی امسته ام انفی (۱)

میں عضو تناسل کو چھوؤں یا ناک کو چھوؤں، دونوں ناقض وضو نہیں ہیں۔

۳۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

ان کان شئی منك نجسا فاقطعه و لاباس به (۲)

اگر عضو تناسل ناپاک ہے، تو اسے کاٹ کیوں نہیں دیتے، اس کے چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح کے اقوال مروی ہیں۔(۳)

۵۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان بن حکم کو ۴۱ھ میں مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ اور مروان کا مکالمہ ۴۱ھ سے ۶۰ھ کے درمیان کا ہے، حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین اور فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں، وہ اس روایت سے بے خبر تھے، اس کا مطلب ہے یہ روایت عام نہ تھی، بلکہ مکالمہ کے بعد پوچھنے کی نوبت آئی حتیٰ کہ حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اس کی تائید اور صحابہ نے نہ کی، جبکہ یہ ابتلائے عام والا مسئلہ ہے۔اس کی مؤید احادیث کثیر ہونی چاہیے تھیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ والی روایت کے شواہد تقریباً سترہ (۱۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔غالباً کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔بعض نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔

۶۔حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت واضح اور حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت مبہم ہے کیونکہ اس میں یہ وضاحت نہیں کہ یہ حکم بلاشہوت ہے یا

۱۔طحاوی ۲۔طحاوی ۳۔اشعۃ اللمعات

بالشہوت ہے، بلا حائل ہے یا بحائل ہے۔ یہ بھی واضح نہیں کہ مس ذکر بنفسہ ناقض ہے یا غیرہ ہے۔

۷۔ یہ روایت حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا نے مروان کے زمانے میں پہلی دفعہ بیان کی اور اس وقت موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے قبول نہیں کیا۔

۸۔ یہ روایت ابتلائے عام ہونے کے باوجود خبر واحد ہے، جب کہ اسے درجۂ شہرت پر ہونا چاہئے تھا جب کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ والی روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مشہور و معروف اور معمول بہ تھی۔

۹۔ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت کے راوی قوی ہیں، جب کہ حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا کی روایت کے راوی اس درجہ کے نہیں ہیں۔

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بعد میں اسلام لانا نسخ کی دلیل نہیں، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث مبارکہ براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کی وضاحت نہیں کی، ہوسکتا ہے آپ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے صحابی سے سنی ہو، پھر حضرت طلق رضی اللہ عنہ کے آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے فوت ہونے یا دوبارہ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر نہ ہونے کی صراحت نہیں ہے۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ کا سماع حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد بھی ہو، اس لئے راوی کا متاخر الاسلام ہونا مروی کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مراسل صحابہ میں سے ہوگی۔

۱۱۔ احناف کے طریقہ پر دونوں احادیث میں تطبیق ممکن ہے، یعنی حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا والی روایت استحباب پر محمول ہو، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ممکن ہے، اور کوئی بھی دوسرے کے لئے ناسخ نہ ہوگی۔

۱۲۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا سے براہ راست سماع متکلم فیہ ہے، اور مروان کے ساتھ بحث میں درمیان میں شرطی یا مروان راوی ہے، اگر شرطی راوی ہے تو وہ مجہول ہے، اور مروان مختلف فیہ ہے۔

۱۳۔ مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹنے کے قائل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں، اور اس کے ناقض ہونے کے قائل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں، آئمہ رجال کے نزدیک ان دونوں میں اختلاف کے وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

۱۴۔ حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت منسوخ ہونے کا ایک قرینہ یہ ہے کہ اسلام میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں، جن میں کسی عمل سے وضو کا ثابت ہونا بعد میں منسوخ کردیا گیا ہو، جیسے آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو کا حکم منسوخ ہوچکا ہے، لیکن اسلام میں ایسی کوئی نظیر نہیں کہ پہلے ترک وضو کا حکم ہو اور بعد میں وجوب وضو کا حکم ہو۔

۱۵۔ حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر عمل کرنے کی صورت میں حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ والی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا پڑتا ہے، جبکہ حضرت طلق رضی اللہ عنہ والی روایت پر عمل کرنے کی صورت میں حضرت بسرہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا والی روایت پر بطور استحباب عمل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح دونوں روایات پر عمل ہوجائے گا۔

۱۶۔ قیاس سے حضرات حنفیہ کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ دونوں شرمگاہوں سے نکلنے والے بول و براز بالاتفاق ناپاک ہیں، لیکن ان کا چھونا بالاتفاق ناقض وضو نہیں، بلکہ اعضاء مخصوصہ بالاتفاق پاک ہیں، اس لئے ان کا چھونا بدرجہ اولیٰ ناقض وضو نہیں ہونا چاہئے۔

۱۷۔ مس ذکر کے ناقض وضو نہ ہونے میں امت مسلمہ کے لئے آسانی ہے، اور اسلام کا مزاج آسانی والا ہے، اس لئے بطور استحسان بھی مس ذکر

ناقض وضو نہ ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم بالصواب۔

☆ حدیث نمبر ۱۶۳، ۱۶۴ سے ثابت ہوا کہ علم وتحقیق کے لئے بحث ومباحثہ اہل علم کا شیوہ ہے، اس سے علم وتحقیق کے دروازے کھلتے ہیں، جیسا کہ اس بحث سے حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا کی روایت منظر عام پر آئی۔

☆ حدیث نمبر ۱۶۵ سے مستنبط ہوا کہ جس مسئلہ کا علم نہ ہو، اس کے بارے میں اہل علم سے پوچھنا چاہئے، یہ بھی ثابت ہوا کہ شرعی مسائل کے لئے عقلی دلائل بھی بیان کرنے چاہئے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عضو تناسل کو جسم کا حصہ قرار دیا ہے۔

باب ۱۲۰: تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِنْ مَسِّ الرَّجُلِ امْرَاَتَهُ مِنْ غَيْرِ شَهْوَةٍ

مرد اپنی بیوی کو بغیر شہوت کے چھوئے تو وضو نہیں ٹوٹتا

اس باب میں ایسی احادیث کو ذکر کیا گیا ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ آدمی اگر اپنی بیوی کو بغیر شہوت کے چھوئے تو اس کا وضو قائم رہتا ہے، اور اس عمل سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے چار احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔ پچھلے باب میں عضو تناسل کو چھونے سے وضو کے واجب نہ ہونے کا بیان تھا، اور اس باب میں اپنی بیوی کو بغیر شہوت کے چھونے سے وضو کے واجب نہ ہونے کا بیان ہے، اس طرح دونوں ابواب کا تعلق چھونے اور وضو کے نہ ٹوٹنے سے ہے۔

۱۶۶- اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْحَكَمِ عَنْ شُعَيْبٍ عَنِ اللَّيْثِ قَالَ اَنْبَاَنَا ابْنُ الْهَادِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي وَاِنِّي لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ اعْتِرَاضَ الْجَنَازَةِ حَتّٰى اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّوْتِرَ مَسَّنِي بِرِجْلِهٖ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنازہ کی مثل لیٹی ہوتی تھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے، تو مجھے اپنے پاؤں مبارک سے چھوتے تھے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے دوران حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو چھوتے تھے، اگر یہ ناقض وضو ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کرتے یا دوبارہ وضو کرتے۔

۲۔ اطراف:

احمد: ۲۴۱۴۳، ۲۵۰۰۱، ۲۶۲۹۴، ۲۶۴۱۷، تحفۃ الاشراف: ۱۷۵۳۲

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی تین کے درج کئے جاتے ہیں:

ا۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم: آپ کا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم بن المین مصری (م: ۲۶۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ، فقیہ، مفتی راوی ہیں، آپ اہل مصر کے مفتی تھے، آپ فقہاء مصر میں سے ہیں، امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ

کے بعد میں نے فقہاء اسلام میں ان جیسا کسی اور کو نہیں پایا۔ آپ فقہاء مالکیہ میں سے تھے، آپ کی ولادت ۱۸۲ھ ہے، آپ نے چھیاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اصحاب ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔شعیب:

آپ کا نام ابو عبدالملک شعیب بن اللیث بن سعد فھمی مصری (۱۳۵ھ۔۱۹۹ھ) ہے، آپ مشہور فقیہہ مصر امام لیث بن سعد کے صاحبزادے ہیں۔ آپ رواۃ کے دسویں طبقہ کبار سے ثقہ، نبیل، فقیہہ، مفتی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت وفقاھت اور اتقان پر متفق ہیں۔ علامہ ابن وھب فرماتے ہیں: میں نے ان سے بڑا صاحب علم کوئی نہیں دیکھا۔ علامہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا: آپ کو حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ زیادہ محبوب ہیں یا عبداللہ بن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ؟ انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک شعیب حدیث میں پسندیدہ ہیں، آپ نے چونسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔الیث: راجع: ۳۵ ۴۔ابن الھاد: راجع: ۹۰

۵۔عبدالرحمٰن بن القاسم: راجع: ۱۶۳

۶۔القاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

قاسم نام، ابو محمد کنیت، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر کے فرزند ہیں، ان کی ماں سودہ ام ولد تھیں، قاسم اپنے علمی اور اخلاقی لحاظ سے مدینہ کے ممتاز ترین بزرگوں میں تھے۔

یتیمی اور پھوپھی کی آغوش میں پرورش:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور شہادت کے سلسلہ میں محمد بن ابی بکر کا نام تاریخ اسلام میں بڑی شہرت رکھتا ہے، وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شدید ترین مخالفین میں تھے، بلکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ان کا نام لیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے تھے، اور ان کی خدمات کے صلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کا والی بنا دیا، جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن العاص نے مصر پر فوج کشی کی، اس وقت محمد بن ابی بکر کام آ گئے، قاسم اس وقت کم سن تھے۔ اس لئے ان کی پھوپھی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنی آغوش شفقت میں لے لیا، اور بڑے لاڈ پیار سے پالا۔(۳)

قاسم اس زمانہ کے بعض واقعات جوان کے حافظہ میں رہ گئے تھے بیان کیا کرتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ ہماری پھوپھی عائشہ رضی اللہ عنہا عرفہ کی شب کو ہم لوگوں کے سر منڈاتی تھیں، اور ہمیں ٹوپی پہنا کر مسجد بھیجتی تھیں اور دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی طرف سے قربانی کرتی تھیں۔(۴)

فضل وکمال:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ مخدومہ علم تھیں جن کے ادنیٰ ترین خدام مسند علم وعمل کے وارث ہوئے، قاسم تو گویا محبوب فرزند تھے، ان کی

۱۔i۔المعجم المشتمل، ص۱۴۸ ii۔تھذیب التھذیب، ج۹، ص۲۶۱ ۲۔i۔تاریخ بغداد، ج۸، ص۳۱۵ ii۔الثقات، ج۸، ص۳۰۹

۳۔ابن سعد، ج۶، ص۶۲ ۴۔ایضاً، ج۵، ص۱۳۹

تربیت نے ان کو علم و عمل کا مجمع البحرین بنا دیا تھا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت وعالی مرتبت فقیہ، امام اور بڑے حافظ حدیث اور متورع تھے۔(۱) امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں، ان کی جلالت توثیق اور امامت پر سب کا اتفاق ہے۔(۲)

تفسیر:

انہیں جملہ علوم میں پورا درک تھا۔ لیکن کلام الٰہی کی تفسیر میں بڑے محتاط تھے اس لئے انہوں نے بحیثیت مفسر کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی، وہ غایت احتیاط میں تفسیر ہی نہ بیان کرتے تھے۔(۳)

حدیث:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات سرچشمہ حدیث تھی، قاسم زیادہ تر اسی سرچشمہ سے سیراب ہوئے تھے، ان کے علاوہ انہوں نے دوسرے سامعین حدیث میں ابن عباس، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی پورا استفادہ کیا تھا، ان کا خود بیان ہے کہ میں بحر ابن عباس کے پاس بیٹھتا تھا۔ ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے پاس بیٹھتا تھا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا، ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا علم وورع تھا، اور ایسی نادر معلومات تھیں جو اور کہیں نہیں حاصل ہو سکتی تھیں۔(۴)

ان بزرگوں کے علاوہ، ابن عمرو بن العاص، عبداللہ بن جعفر، معاویہ، عبداللہ بن خباب، رافع بن خدیج، اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ عنہم، وغیرہ سے بھی سماع حدیث کیا تھا، (۵) ان بزرگوں کے فیض نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے۔(۶) حافظ ذہبی انہیں حفاظ حدیث میں امام اور قدوۃ لکھتے ہیں۔(۷) ابو الزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے زیادہ سنت کا عالم نہیں دیکھا۔(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے تین بڑے واقف کار تھے، قاسم، عروہ اور عمرہ۔(۹)

ان کی روایات کا درجہ:

محدثین اور ارباب فن کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی روایات طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں۔ ابن معین کا بیان ہے کہ: عبید اللہ بن عمر عن قاسم عن عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلسلہ روایت طلائے خالص ہے۔(۱۰)

مذاکرۂ حدیث:

روزانہ شب کو بعد عشاء وہ اور ان کے ساتھی مل کر حدیث خوانی کرتے تھے۔(۱۱)

روایت حدیث میں احتیاط:

روایت حدیث کے باب میں اتنے محتاط تھے کہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے، اسی احتیاط کی بنا پر وہ حدیثوں کو قلمبند کرنا پسند نہ کرتے تھے۔(۱۲)

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز آئمہ تھے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ عبدالرحمٰن بن قاسم، امام شعبی، سالم بن

۱۔ابن سعد، ج ۵، ص ۱۳۹ ۲۔تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۵۵ ۳۔ابن سعد، ج ۵، ص ۱۳۹ ۴۔تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۵۵
۵۔تھذیب، ج ۸، ص ۳۳۳ ۶۔ابن سعد، ج ۵، ص ۱۳۹ ۷۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۴ ۸۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۴
۹۔تھذیب، ج ۸، ص ۳۴۲ ۱۰۔تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۵۵ ۱۱۔ابن سعد، ج ۵، ص ۱۴۰ ۱۲۔ایضاً، ص ۱۴۰

عبداللہ بن عمر، سعید انصاری کے لڑکے یحیٰ سعید بن ابی ملیکہ، نافع مولی ابن عمر، امام زہری، عبیداللہ بن عمر، ایوب ابن جون اور مالک بن دینار وغیرہ۔(۱)

فقہ:

قاسم کا خاص فن فقہ تھا۔ اس میں ان کو درجہ امامت واجتہاد حاصل تھا، ان کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور ممتاز فقہاء میں سے ایک تھے۔(۲) فقہ بھی انہوں نے اپنی پھوپھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حاصل کی تھی، فرماتے تھے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مستقل فتویٰ دیتی تھیں، اور میں ان کے ساتھ رہتا تھا۔(۳) اس عہد کے تمام علماء ان کے تفقہ کے معترف تھے، ابی الزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، امام مالک فرماتے تھے کہ قاسم اس امت کے فقہاء میں تھے۔(۴)

فتاویٰ میں احتیاط:

اس فقہی کمال کے باوجود وہ حدیث کی طرح فقہ میں بڑے محتاط تھے اور بغیر علم کے کوئی بات کہنا یا کسی کا جواب دینا نہایت برا سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ خدا کے فرض احکام جان لینے کے بعد انسان کا جاہل رہنا، اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات کہے، جو مسئلہ ان کے علم میں نہ ہوتا، اس کے جواب میں بلا تکلف لاعلمی ظاہر کر دیتے، ایک مرتبہ ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا، انہوں نے جواب دیا مجھے اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے، صرف عیاں اور کھلے ہوئے مسائل کا جواب دیتے تھے۔ جن مسائل کا اپنی رائے سے جواب دیتے تھے اس میں یہ صراحت کر دیتے کہ یہ میری رائے ہے یہ نہیں کہتا کہ "یہ حق ہے"۔(۵)

حلقہ درس:

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قاسم کا حلقہ درس تھا، ان کی اور سالم بن عبداللہ بن عمر کی مجلس ایک ہی تھی،(۶) ان کے بعد ان کے لڑکے عبدالرحمٰن، سالم کے بھائی عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس مجلس میں بیٹھتے تھے، پھر ان دونوں کے بعد اس مقام پر امام مالک کی مسند درس بچھی، یہ جگہ روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خوخہ عمر کے سامنے تھی۔(۷) قاسم صبح سویرے درس وافتا کے لئے مسجد میں آجاتے تھے، اور دو رکعتیں پڑھ کر مجلس میں بیٹھتے تھے، اس وقت لوگوں کو جو کچھ پوچھنا ہوتا پیش کرتے۔(۸)

معاصرین کا اعتراف کمال:

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال قاسم کے کمالات علمی کے معترف تھے، یحیٰ بن سعید انصاری کہتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کو قاسم پر فضیلت دی جاسکے، ابو الزناد کہتے تھے کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے افضل آدمی نہیں دیکھا۔(۹)

علمی انکسار اور معاصرین کا احترام:

اس علمی علوئے مرتبت کے باوجود انہیں اپنی برتری کا مطلق احساس نہ تھا، وہ اپنے سے کم پایہ معاصرین کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ کسی موقع

۱۔ تھذیب التھذیب، ج۸، ص۳۳۳ ۔ ۲۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ق۲، ص۵۵ ۔ ۳۔ تھذیب اسماء، ج۱، ص۵۵
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۸۵ ۔ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج۸، ص۳۳۴ ۔ ۶۔ ابن سعد، ج۵، ص۱۳۹
۷۔ ابن سعد، ج۵، ص۱۴۰ ۔ ۸۔ ایضاً، ج۵، ص۱۴۱ ۔ ۹۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۸۵

پر بھی ان کی زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پاتا جس سے ان کے کسی معاصر کی خفیف سی سبکی کا بھی احتمال ہوسکتا ہو، اس احتیاط کی وجہ سے وہ بعض مواقع پر عجیب نازک صورت حال میں پھنس جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے ان سے سوال کیا آپ بڑے عالم ہیں سالم اس سوال کے جواب دینے میں بڑی کشمکش پیش آئی، اگر اظہار واقعہ کرتے تو اپنی زبان سے تعریف ہوتی تھی اور اگر سالم کو کہتے تھے تو جھوٹ ہوتا تھا، اس لئے پہلے تو انہوں نے سبحان اللہ کہہ کر ٹالا، لیکن جب اعرابی نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے کہا سالم موجود ہیں ان سے جا کر پوچھ لو۔(۱)

فضائل اخلاق:

قاسم میں جس پایہ کا علم تھا، اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ ان کی ذات جملہ فضائل اخلاق کی جامع تھی۔ وہ اپنے جد گزرگوار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مثنیٰ تھے، زبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں میں نے اس نوجوان (قاسم) سے زیادہ ان سے مشابہ کسی کو نہیں پایا۔(۲)

عمر بن عبدالعزیز ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کاش خلافت قاسم کے لئے ہوتی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر خلافت کا فیصلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ بنادیتا، (۳) عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے دوستانہ اور بے تکلفانہ تھا، قاسم بہت کم گو، کم سخن اور خاموش طبیعت تھے، جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اہل مدینہ نے کہا اب کنواری (قاسم) بولے گی۔(۴)

زہد وورع:

زہد وورع کے اعتبار سے بھی ممتاز تابعین میں تھے، علامہ ابن سعد ان کو ورع عجلی خیار تابعین اور رجل صالح لکھتے ہیں، ابن حبان ان کو سادات تابعین میں اور افضل زمانہ شمار کرتے ہیں۔(۵)

عالم پیری میں بھی رمی جمار کے لئے پاپیادہ جاتے تھے، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ قاسم جب زیادہ ضعیف ہوگئے تھے، اس وقت وہ اپنی اقامت گاہ سے منیٰ تک سواری پر آتے، پھر یہاں سے جمار تک پاپیادہ جاتے تھے، رمی کرنے کے بعد مسجد تک پیدل واپس آتے تھے، پھر یہاں سے سوار ہو کر گھر واپس جاتے۔(۶)

دولت سے بے نیازی:

دولت دنیا سے وہ اتنے بے نیاز تھے کہ اس کے لئے کسی عزیز کا احسان بھی لینا گوارا نہ کرتے تھے، سلیمان بن قتیبہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبیداللہ نے عبداللہ بن عمر اور قاسم بن محمد کے پاس میرے ہاتھ ایک ہزار دینار بھیجے۔(۷) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے لے لئے اور شکریہ ادا کیا کہ عمر بن عبید نے صلہ رحم سے کام لیا، اس وقت مجھ کو اس کی ضرورت تھی لیکن قاسم نے قبول کرنے سے انکار کردیا، ان کی بیوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا عمر بن عبیداللہ کے ساتھ ہم دونوں کا رشتہ برابر ہے، اگر قاسم ان کے چچیرے بھائی ہیں تو میں ان کی پھوپھیری بہن ہوں، ان کے اس کہنے پر میں نے ان کو روپیہ دے دیا۔(۸)

۱۔تھذیب، ج۸،ص۳۳۴　۲۔تھذیب، ج۸،ص۳۳۴　۳۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۸۵

۴۔تھذیب التھذیب، ج۸،ص۳۳۵　۵۔تھذیب التھذیب، ج۸،ص۳۳۵　۶۔ابن سعد، ج۵،ص۱۴۱

۷۔تھذیب، ج۸،ص۳۳۵ وتھذیب الاسماء، ج۱،ص۵۵　۸۔ابن سعد، ج۵،ص۱۴۱

اعتراف حق:

حق پرست ایسے تھے کہ اپنے باپ کی غلطی کو بھی غلطی سمجھتے تھے، اوران کی مغفرت کے لئے خدا سے دعا کرتے تھے۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے والد محمد بن ابی بکر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شدید ترین مخالفین میں تھے اور باغیوں کے ساتھ کاشانہ خلافت میں گھس گئے تھے، قاسم ان کی اس غلطی کو مانتے تھے، اوران کے لئے سجدہ میں بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے تھے کہ خدایا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں میرے والد کے گناہ بخش دے۔ (۱)

وفات:

باختلاف روایت ۱۰۷ھ یا ۱۰۸ھ میں انتقال کیا، مرض الموت میں کاتب کو بلا کر وصیت لکھنے کو کہا۔ اس نے بغیر بتائے ہوئے لکھ دیا کہ ''قاسم بن محمد وصیت کرتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں'' قاسم نے سنا تو کہا اگر آج کے دن سے پہلے ہم نے اس کی شہادت نہیں دی تو کتنے بدقسمت ہیں، کفن کے متعلق وصیت کی کہ میں جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہوں، اسی میں کفنایا جاؤں اس میں قمیص، ازاراور چادر وغیرہ کفن کے تمام کپڑے ہیں، آپ کے صاحبزادے نے کہا کیا آپ اور دو نئے کپڑے پسند نہیں کرتے۔ فرمایا، ابوبکر بھی تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے، مردوں کے مقابلہ میں زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے، ان وصایا کے بعد قدید میں انتقال کیا اوراس سے تین میل کے فاصلے پر مقام مشلل میں سپرد خاک کیے گئے۔ انتقال کے وقت ستر یا بہتر سال کی عمر تھی۔ (۲)

ترکہ:

وفات کے وقت ایک لاکھ نقد چھوڑا، جس میں ناجائز آمدنی کا ایک حبہ بھی نہ تھا۔ (۳)

حلیہ ولباس:

آخر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، سر اور داڑھی میں حنا کا خضاب کرتے تھے، چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے، جس پر ان کا نام کندہ تھا، لباس نفیس اور خوش رنگ استعمال کرتے تھے جبہ، عمامہ اور رداء وغیرہ سارے کپڑے عموماً خز کے ہوتے تھے، خز کے علاوہ اور قیمتی کپڑے بھی استعمال کرتے تھے، چادر بوٹے دار اور رنگین ہوتی تھی، عمامہ سفید ہوتا تھا، زعفرانی رنگ زیادہ پسند خاطر تھا۔ کبھی کبھی سبز بھی استعمال کرتے تھے۔ (۴)

۷۔ عائشۃ: راجع: ۵

۴۔ حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اٹھائیسویں (۲۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے سارے راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ اس سند کے پانچ راوی اپنے وقت کے فقیہہ، مجتہد ہیں۔

۱۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۱۸ — ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۴۳

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۸۵ — ۴۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۲۴۳۔۲۴۷

☆ سند کے پہلے تین راوی مصری اور باقی مدنی ہیں۔

☆ سند میں دو جگہ پر بیٹوں نے باپ سے روایت کی ہے، ایک حضرت شعیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے، دوسرے حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی حضرت القاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔

☆ سنن صغریٰ کی اسناد میں یہ پہلا اتفاق ہے کہ ایک سند میں دو بیٹے اپنے باپوں سے روایت کر رہے ہیں۔

☆ حضرت القاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے، اور آپ نے ہی ان کی پرورش کی تھی۔

☆ حضرت القاسم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے، اور علم و فضل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہت مشابہہ تھے۔

☆ سند کی آخری راویہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم رحمۃ اللہ علیہ سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اصحاب ستہ میں سے روایت کرتے ہیں، حضرت شعیب بن لیث رحمۃ اللہ علیہ سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں، جب کہ باقی رواۃ سے سارے اصحاب اصول روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لیصلی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے لمعترضة: نیند والی، سونے والی

بین یدیه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے — اعتراض الجنازة: جنازے کی طرح

اذا راد: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ کرتے — یوتر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے

مسنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوتے تھے — برجله: اپنے پاؤں کے ساتھ

۱۶۷۔ اَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ يُحَدِّثُ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ رَأَيْتُمُونِي مُعْتَرِضَةً بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّسْجُدَ غَمَزَ رِجْلِي فَضَمَمْتُهَا إِلَيَّ ثُمَّ يَسْجُدُ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: تم جانتے ہو کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرنے کا ارادہ فرماتے، تو میرا پاؤں دباتے، میں پاؤں سمیٹ لیتی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرماتے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حالت نماز میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہاتھ سے چھوتے اور نماز جاری رکھتے، جس سے واضح ہوا کہ اپنی بیوی کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۔اطراف:

بخاری:۵۱۹،ابوداؤد:۷۱۲،السنن الکبریٰ:۱۵۷،تحفۃ الاشراف:۱۷۵۳۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔یعقوب بن ابراہیم: راجع:۲۲ ۲۔یحییٰ: راجع:۴

۳۔عبیداللہ: راجع:۱۱۹ ۴۔القاسم بن محمد: راجع:۱۶۶

۵۔عائشہ: راجع:۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ سترویں (۷۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، دوسرے بصری اور باقی مدنی ہیں۔

☆ سند کے تیسرے راوی خلیفہ راشد ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لکڑ پوتے ہیں۔

☆ سند کے چوتھے راوی خلیفہ راشد اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

☆ اس سند میں دو خلفاء راشدین کی اولاد میں سے راوی موجود ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ اصول ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت یعقوب بن ابراہیم دورقی ایسے شیخ الشیوخ اساتذہ میں سے ہیں، جن سے اصحاب اصول ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں، یعنی یہ آئمہ صحاح ستہ کے شیخ ہیں۔

☆ سند میں دو تابعی (عبیداللہ، القاسم) راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، عنعنہ، سمعت، یحدث ایک ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لقد رایتمونی :ای لقد علمتمونی ۔یعنی تم جانتے ہو میرے حال کو

معترضة: نیند کی حالت میں لیٹنے والی

اذاارادہ :جب آپ ﷺ ارادہ فرمائے

یسجد : آپ ﷺ سجدہ فرماتے

غمز: آپ ﷺ چھوتے۔آپ ﷺ دباتے۔

رجلی: میرا پاؤں ففمتهما: پس میں پاؤں سکیڑ لیتی

۱۶۸۔اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ اَبِي النَّضْرِ عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ فَاِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ فَاِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے سوئی ہوتی تھی، میرے پاؤں آپ ﷺ کے سامنے قبلہ کی طرف ہوتے تھے، جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے، میرے پاؤں دبا دیتے، میں پاؤں سمیٹ لیتی تھی، جب آپ ﷺ قیام فرماتے، میں پاؤں پھیلا لیتی تھی، ان دنوں گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے،

۲۔اطراف:

اطراف الحدیث :۳۸۳۔۳۸۴۔۵۰۸۔۵۱۱۔۵۱۲۔۵۱۳۔۵۱۴۔۵۱۵۔۵۱۹۔۹۹۷۔۱۲۰۹۔۶۲۷۶،صحیح مسلم :۵۱۲،الرقم المسلسل: ۱۱۲۵،سنن ابوداؤد :۷۱۳،سنن نسائی :۱۶۶،سنن ابن ماجہ :۹۵۶،مسند الحمیدی:۱۷۱،صحیح ابن خزیمہ :۸۲۲،صحیح ابن حبان :۲۳۴۳،مسند احمد، ج۶، ص۴۴،طبع قدیم،مسند احمد :۲۴۱۶۹،ج۴۰،ص۱۹۹) (نعمۃ الباری، ج۲،ص۱۲۲)

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں۔

۱۔قتیبۃ: راجع:۱ ۲۔مالک: راجع:۷،۲۰

۳۔ابوالنضر: راجع:۱۵۶ ۴۔ابوسلمہ: راجع:۱

۵۔عائشۃ: راجع:۵

۴۔حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ اکہترویں (۷۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی چاروں مدنی ہیں۔
☆ حضرت قتیبہ بن سعید بغلانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ ہیں، جن سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع حدیث کی ابتداء کی تھی، اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی دونوں کتابیں السنن الکبرٰی اور السنن الصغرٰی کی ابتداء انہی کی روایت سے کی ہے۔
☆ سند میں امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ، امام دارالھجرۃ کی لقب سے مشہور، فقہ مالکی کے بانی اور مؤطا کے مصنف ہیں، صحاح ستہ کی تصنیف سے پہلے مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح از کتاب بعد کتاب اللہ کا درجہ حاصل تھا، بعد میں یہ درجہ صحیح بخاری کو حاصل ہوا۔
☆ حضرت ابوسلمہ کا نام عبداللہ ہے، لیکن انہوں نے نام کی بجائے کنیت سے شہرت حاصل کی، آپ رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں، آپ عشرہ مبشرہ میں شامل صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمان بن عوف کے صاحبزادے ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور راویان حدیث صحابہ میں مکثرین سبعہ میں سے ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

کنت انام: میں سو رہی ہوتی تھی۔ میں سوئی ہوئی ہوتی تھی۔
بین یدی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
رجلی فی قبلته: میرے دونوں پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ میں ہوتے تھے۔
غمزنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاؤں دباتے۔
قبضت: میں سکیڑ لیتی۔ میں لپیٹ لیتی۔
اذا قام: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیام فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے
بسطتهما: میں دونوں پاؤں پھیلا دیتی
البیوت: گھروں۔ بہت کی جمع۔ واحد گھر
یومئذ: اس دن۔ اس وقت
مصابیح: چراغوں۔ واحد مصباح۔ چراغ

۱۶۹۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ وَنُصَيْرُ بْنُ الْفَرَجِ - وَاللَّفْظُ لَهُ - قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ - رضي الله عنها - قَالَتْ فَقَدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَجَعَلْتُ أَطْلُبُهُ بِيَدِي فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى قَدَمَيْهِ وَهُمَا مَنْصُوبَتَانِ وَهُوَ سَاجِدٌ يَقُولُ "أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
ایک رات میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو نہ پایا، تو اپنے ہاتھ سے ٹٹولنے لگی، تا کہ آپ ﷺ کو تلاش کروں، میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کو لگا، دونوں پاؤں کھڑے تھے اور آقا کریم ﷺ سجدہ کی حالت میں (یہ) دعا فرما رہے تھے: اے اللہ تعالیٰ جل جلالہ! میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی اور تیری سزا سے تیری عافیت کی پناہ مانگتا ہوں، میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، کہ میں تیری پوری تعریف نہیں کر سکتا، تو ایسا ہی ہے، جیسا کہ تو نے خود اپنی تعریف بیان کی ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کو حالت سجدہ میں چھوا، لیکن آقا کریم ﷺ نے دوبارہ وضو نہ کیا، اور نہ ہی وضو ٹوٹنے کی وضاحت فرمائی۔ اگرچہ باب کا عنوان مرد کا اپنی بیوی کو بغیر شہوت کے چھونے سے وضو کا نہ ٹوٹنا ہے، اس حدیث مبارکہ میں عورت کا اپنے شوہر کو چھونے سے وضو کے نہ ٹوٹنے کا بیان ہے، باب کے عنوان کی وضاحت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی تینوں احادیث مبارکہ خاوند کا اپنی زوجہ کو چھونے کے حوالے سے روایت کی ہیں، البتہ یہ چوتھی حدیث مبارکہ بیوی کا اپنے خاوند کو چھونے کے حوالے سے ہے۔ اس لئے اس باب کا عنوان صرف مرد کی بجائے دومیاں بیوی یا زوجین کے ایک دوسرے کو چھونے سے وضو کے واجب نہ ہونے کا بیان، ہونا چاہئے تھا۔ چونکہ چار میں سے تین احادیث مبارکہ خاوند کے چھونے سے متعلق ہیں، غالباً اس لئے "للاکثر حکم الکل" کے تحت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ باب قائم فرمایا ہے۔ واللہ تعالیٰ جل جلالہ، اعلم بالصواب۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۱۰۹۹، مسلم: ۴۸۶، ابوداؤد: ۸۷۹، ابن ماجہ: ۳۸۴۱، احمد: ۲۴۳۶۶، السنن الکبریٰ: ۱۵۸، تحفۃ الاشراف: ۱۷۸۰۷

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے سات کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، حضرت نصیر بن الفرج کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ محمد بن عبداللہ بن مبارک: راجع: ۵۰

۲۔ نصیر بن الفرج: آپ کا نام ابوحمزہ نصیر بن الفرج اسلمی ثغری (م: ۲۴۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آپ ابومعاویہ رحمۃ اللہ علیہ کے خادم تھے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۱۔ i۔ المعجم المشتمل، رقم: ۱۰۷۸ ii۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۰، ص ۴۳۴

۳۔ابواسامہ: راجع:۵۲ ۴۔عبید اللہ بن عمر: راجع:۱۱۹

۵۔محمد بن یحییٰ بن حبان: راجع:۲۳ ۶۔الاعرج: راجع:۶۳

۷۔ابوھریرۃ: راجع:۱ ۸۔عائشۃ: راجع:۵

۴۔حکم روایت:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ انتیسویں (۲۹) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، دوسرے اسلی، تیسرے کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ یہ سند چار شہروں کے راویوں کے درمیان ہے۔
☆ سند میں تین تابعی راوی (عبید اللہ، محمد بن یحییٰ، الاعرج) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔
☆ سند میں صحابی (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) صحابیہ وام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔
☆ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں مکثرین میں سے ہیں۔
☆ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ کے بھی سرخیل ہیں، آپ سے پانچ ھزار چار سو چوھتر (۵۳۷۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دوھزار دوسودس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ دوشیوخ حضرت محمد بن عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نصیر بن فرج رحمۃ اللہ علیہ سے سماعت کی ہے۔
☆ واللفظ لہ سے اس امر کی وضاحت ہے کہ حدیث مبارکہ کے الفاظ محمد بن عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

فقدت: میں نے گم پایا۔ میں نے نہ پایا — لیلة: ایک رات
جعلت: میں نے بنایا۔ مراد ہے میں نے ٹٹولنا شروع کیا — اطلبه: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا
بیدی: اپنے ہاتھ کے ساتھ — وقعت: میں پہنچی۔ مراد ہے میرا ہاتھ لگا
قدمیه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک — ملضوبتان: دونوں کھڑے ہونے کی حالت میں تھے
ساجد: سجدہ کرنے والے — اعوذ: میں پناہ مانگتا ہوں۔ میں پناہ میں آتا ہوں
برضاك: تیری رضامندی کے ساتھ — سخبطلك: تیرا غصہ۔ تیری ناراضگی
بمعافاتلك: تیری عافیت کے ساتھ۔ تجھ سے معافی مانگنے کے ساتھ — عقوبتلك: تیری سزا۔ تیری پکڑ
لااحصي ثناء: میں تعریف کا حق ادا نہیں کرتا — اثنیت: تو نے تعریف کی — نفسك: خود اپنی

نوٹ: باب مذکورہ کی احادیث کے مسائل ونصائح اور خلاصہ اگلے باب کے بعد آ رہے ہیں۔

باب ۱۲۱: تَرْكُ الْوُضُوْءِ مِنَ الْقُبْلَةِ — بیوی کو بوسہ دینے سے وضو کا نہ ٹوٹنا

اس باب میں اپنی زوجہ کو بوسہ دینے کے بعد وضو نہ کرنے کا بیان ہے، بوسہ دیتے وقت عمومی طور پر شہوت موجود ہوتی ہے، خود بوسہ بھی شہوت کی علامت ہوتی ہے، اس لئے اس باب کے قائم کرنے سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ بھی ہے کہ بیوی کو اگر شہوت کے ساتھ چھوا جائے یا بوسہ دیا جائے، تو اس صورت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پچھلا باب جو قائم کیا ہے، اس میں شہوت کے نہ ہونے کی شرط کو بیان کیا ہے، اس باب میں مطلقاً بوسہ کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد ہے کہ شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کو چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ دونوں ابواب میں بیوی کو چھونے سے وضو کے نہ ٹوٹنے کا بیان ہے۔

۱۷۰۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ سُفْيَانَ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبُوْ رَوْقٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ التَّيْمِيِّ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُ بَعْضَ اَزْوَاجِهٖ ثُمَّ يُصَلِّي وَلَا يَتَوَضَّأُ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَيْسَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ حَدِيْثٌ اَحْسَنُ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ وَاِنْ كَانَ مُرْسَلًا وَقَدْ رَوَى هٰذَا الْحَدِيْثَ الْاَعْمَشُ عَنْ حَبِيْبِ بْنِ اَبِيْ ثَابِتٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ يَحْيَى الْقَطَّانُ حَدِيْثُ حَبِيْبٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ هٰذَا وَحَدِيْثُ حَبِيْبٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ تُصَلِّي وَاِنْ قَطَرَ الدَّمُ عَلَى الْحَصِيْرِ لَا شَيْءَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض بیویوں کو بوسہ دیتے، پھر نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے تھے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، لیکن اس مسئلہ میں اس سے بہتر کوئی اور روایت نہیں ہے۔ امام اعمش نے اس حدیث مبارکہ کو از حبیب بن ابی ثابت از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کیا ہے۔

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: از حبیب بن ابی ثابت از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے یہ روایت اور اسی سند سے ایک دوسری روایت جو (استحاضہ والی عورت) نماز پڑھتی رہے، اگرچہ خون بوریا پر ٹپکتا رہے، دونوں غیر معتبر ہیں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

ابوداؤد: ۱۷۸-۱۸۰، ترمذی: ۸۶، ابن ماجہ: ۵۰۲، احمد: ۲۴۲۰۰، السنن الکبریٰ: ۱۵۵، دارقطنی: ، ج ۱، ص ۲۷، تحفۃ الاشراف: ۱۷۳۷۱

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو حضرات حضرت ابوروق رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابراھیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن المثنٰی: راجع:۸۰ ۲۔یحیٰی بن سعید: راجع:۴

۳۔سفیان: راجع:۱۱۱ ۴۔ابوروق:

آپ کا نام ابوروق عطیہ بن حارث ھمدانی کوفی ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے صالح، ثقہ صدوق راوی ہیں، علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ، ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کوفہ نے ثقات میں ذکر کیا ہے، آپ نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔ابراھیم التیمی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

ابراہیم نام، ابواسماء کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابراہیم بن یزید بن شریک بن تیم الرباب تیمی، ابراہیم کوفہ کے عابد وزاہد تابعین میں تھے۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم کوفہ کے علمائے باعمل میں شمار تھا۔(۲)

حدیث:

حفاظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ انہیں حفاظ میں شمار کرتے ہیں، حدیث میں انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حارث بن سوید، عمرو بن میمون اور اپنے والد یزید سے استفادہ کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی روایت کی ہے۔ لیکن یہ روایت مرسل ہیں، بیان بن بشیر، حکم بن عتبہ، زبید بن حارث، مسلم بن البطین اور یونس بن عبید وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔(۳)

زہد وعبادت:

ان کا امتیازی وصف زہد وتقویٰ ہے، ان کے والد یزید بن شریک بڑے عابد وزاہد تابعی تھے، انہوں نے بڑی دولت پیدا کی، لیکن دنیا سے کبھی آلودہ نہ ہوئے، ان کے لباس تک پر ان کی ثروت کا اثر ظاہر نہ تھا، ایک مرتبہ ابراہیم نے ان کے جسم پر روئی کا معمولی کرتہ جس کی آستینیں ہتھیلیوں تک لٹکتی تھیں دیکھ کر کہا، ابا کوئی قرینہ کا لباس کیوں نہیں پہن لیتے، جواب دیا بیٹا جب میں بصرہ میں آیا، اس وقت ہزاروں پیدا کئے لیکن اس سے میری خوشی اور مسرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، اور نہ اسے دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی میں یہ چاہتا ہوں کہ جو پاک لقمہ میں کھاتا ہوں وہ اس شخص کے منہ میں جائے جو مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو، کیونکہ میں نے ابودرداء سے سنا ہے کہ قیامت میں ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہوگا۔(۴)

ایسے زاہد باپ کی تعلیم وتربیت نے ابراہیم کو ابتداء ہی سے دنیا سے بے نیاز اور زہد وعبادت کی جانب مائل کردیا تھا، چنانچہ آگے چل کر وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین عباد میں ہوئے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد وزاہد تھے، اور فاقہ کشی پر ان کو بڑی قدرت تھی۔(۵)

۱۔أ۔التاریخ الکبیر (بخاری)، ج۷، ص۵۹ أأ۔تاریخ الاسلام، ج۶، ص۱۰۰ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج۲، ص۳۳

۳۔تھذیب التھذیب، ج۱، ص۱۷۶ ۴۔ابن سعد، ج۶، ص۲۰۰ ۵۔تھذیب التھذیب، ج۱، ص۱۷۶

عبادت میں اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوتی تھی، اور اس سے غفلت کرنے والے کو گیا گذرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ جسے تکبیر اولیٰ میں تساہل کرتے دیکھو اس سے ہاتھ ڈالو۔(۱)

نماز میں کیف واستغراق کا یہ عالم تھا کہ سجدہ کی حالت میں چڑیاں پیٹھ پر اڑا کر بیٹھتی تھیں، اور چونچیں مارتی تھیں۔(۲) دو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے تھے۔(ایضاً) اور محض ایک انگور روزانہ پورا چلہ گزار دیتے تھے۔(۳)

لیکن اس زہد وعبادت پر بھی اپنے اعمال کو قابل اعتنا نہ سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب اپنے قول وعمل میں موازنہ کرتا ہوں تو جھوٹا بننے سے خوف معلوم ہوتا ہے۔(۴)

ایثار کا بے مثل نمونہ اور شہادت، ایثار اور قربانی کا مجسم وپیکر تھے، اس کی آخری حد یہ ہے کہ دوسروں کے لئے جان تک دینے میں دریغ نہ کیا، انہوں نے ایثار، قربانی کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں، حجاج ثقفی ابراہیم نخعی کا جو بڑے ممتاز عالم تابعی ہیں سخت دشمن تھا اور ان کے درپے آزار رہا کرتا تھا، لیکن دسترس حاصل نہ ہوسکی، اس کے آدمی ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتے تھے، ایک مرتبہ وہ ابراہیم نخعی کو تلاش کر رہے تھے۔ ابراہیم تیمی کو دونوں کی مخالفت کا علم تھا اس علم کے باوجود انہوں نے ان کے بچانے کے لئے کہہ دیا کہ ابراہیم میں ہوں۔ تلاش کرنے والے آدمی ابراہیم نخعی کو پہچانتے نہ تھے۔ اس لئے ان کے اقرار پر انہی کو پکڑ کر لے گئے، حجاج نے زنجیروں میں جکڑوا کے دیماس کے قید خانہ میں جس کو اس نے سنگین مجرموں کے لئے خاص بنوایا تھا ڈلوا دیا۔ یہ قید خانہ کیا تھا موت کا گھر تھا، اس میں سردی اور گرمی، پانی اور دھوپ سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، اس پرمحن قید نے چند ہی دنوں میں ابراہیم کا رنگ وروپ ایسا بدل دیا کہ ان کی ماں تک ان کو پہچان نہ سکیں لیکن وہ نہایت صبر واستقلال کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے اور ان کو جھیلتے جھیلتے بالآخر انتقال کر گئے۔ ان کی شب وفات کو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ آج شہر میں ایک اجنبی مر گیا ہے۔ صبح کو اس نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانہ میں انتقال کیا، یہ سن کر اس جفاشعار نے کہا خواب شیطانی وسوسہ معلوم ہوتا ہے اور ابراہیم کی لاش گھور پر پھینکوا دی۔(۵)

بعض اقوال:

ابراہیم کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں، فرماتے تھے کہ ''انسان کے لئے علم کے نتائج میں سے خشیت الٰہی اور جہل کے نتائج میں سے اپنے عمل پر غرور کافی ہے، اور طمعیں انسان کو بدکرداریوں پر آمادہ کرتی ہیں۔(۶)

۶۔عائشۃ: راجع:۵

۴۔**حکم روایت:** یہ حدیث مبارکہ اس سند سے مرسل ہے، البتہ اس کے متابعات اور شواھد کثیر ہیں، اس لئے یہ حدیث مبارکہ صحیح لغیرہ ہے۔

۱۔**مرسل روایت کی فنی حیثیت:** مذکورہ روایت پر امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی نے مرسل ہونے کا حکم لگایا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرسل روایت کی ابحاث کو بیان کیا جائے۔ اب اختصار کے ساتھ مرسل کا لغوی واصطلاحی مفہوم، محدثین کے ہاں مرسل کی تعریف، فقہاء کرام کے نزدیک مرسل کا مفہوم، مرسل روایت کے قابل حجت ہونے کے دلائل وشرائط اور فقہاء احناف، فقہاء مالکیہ، فقہاء حنابلہ اور فقہاء شوافع کا نقطہ نظر بیان کیا جاتا ہے۔ چونکہ محدثین کے ہاں اصل اہمیت ومدار اتصال سند ہے، اس لئے زیادہ تر محدثین کا رجحان اس طرف ہے کہ مرسل روایت

۱۔طبقات کبریٰ شعرانی، ص ۳۶ ۲۔ایضاً ۳۔ایضاً ۴۔طبقات کبریٰ، ص ۳۶

۵۔ابن سعد، ج ۶، ص ۱۹۹ ۶۔طبقات کبریٰ شعرانی، ص ۳۶۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۱۳۔۱۴

ضعیف ہے اور نا قابل حجت ہے، البتہ اکثر محدثین مراسیل صحابہ کو قابل حجت سمجھتے ہیں جبکہ فقہاء کرام واصولیین کے ہاں احادیث میں اصل مدار اور اہمیت استنباط احکام کی ہے، اس لئے فقہاء کرام مراسیل کو قابل حجت سمجھتے ہیں، البتہ کچھ مراسیل مطلقاً قابل حجت ہیں، اور کچھ کے لئے چند شرائط وقیود کا پایا جانا ضروری ہے، عصر حاضر میں اصل مدار اور اہمیت استنباط مسائل ہے، اس لئے طوالت سے بچتے ہوئے صرف فقہاء کرام کے نقطہ نظر کو بیان کیا جاتا ہے۔

تمام کی تفصیل درج ذیل ہے:

لغوی معنی:

مرسل جس کی جمع مراسیل ہے ارسال سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی اطلاق کے ہیں یعنی چھوڑ دینا۔ جیسے ارسلت کذا اذا اطلقتہ ولم تمنعہ (۱) قرآن پاک میں ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا (۲) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔

سو مرسل وہ ہے جس کی سند پر کوئی قید نہیں یا جیسے کہا جاتا ہے ناقۃ مرسال: ای سھلۃ المیر۔ وابن مراسیل (۳) یعنی تیز رفتار اونٹنی یا اونٹ۔ کعب بن زہیر کے قصیدے میں ہے:

مست، اصحت سعاد بارض، لا یبلغھا الا العتاق النجیبات المراسیل (۴)

سعاد شام کو یا دن کے پہلے پہر اس جگہ پہنچی ہے جہاں تیز رفتار اور اعلیٰ نسل کی اونٹنیوں کے سوا اسے کوئی نہیں پہنچا سکتا۔

مراسل اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر اس سے جدا ہو گیا ہو۔ ابن منظور کہتے ہیں:

ھی التی فارقھا زوجھا بای وجہ کان۔ مات او طلقھا۔ وقیل المراسیل التی قد اسنت وفیھا بقیۃ شباب (۵)

اسی طرح حدیث میں ہے:

الا من اعطی نجد تھا ورسلھا: ای الشدۃ والرخاء (۶)

۱۔ المعجم الوسیط، ا، ۳۴۴: لسان، ۱۱/۲۸۵ ۲۔ سورۂ مریم: ۱۹: ۸۳ ۳۔ لسان العرب، ۱۱/۲۸۳

۴۔ ایضاً: المستدرک، ۳/۵۸۰: جامع التحصیل، ۱۵: بانت سعاد الکعب بن زہیر، (۳)

۵۔ ایضاً، ۱۱/۲۸۵: ابن منظور رس لی کے مادہ کے متعلق تفصیلات دیتے ہوئے کئی معانی لکھتے ہیں۔ مثلاً رسل بمعنی دودھ، یقال: کثر الرسل العام ای کثر اللبن۔ (ایضاً، ۱۱/۲۸۲) والرسل ذوات اللبن۔ ابو سعید خدری کی روایت میں ہے: انہ قال: رایت فی عام کثر فیہ الرسل البیاض اکثر من السواد ثم رایت بعد ذلک فی عام کثر فیہ التمر السواد اکثر من البیاض اکثر من السواد ثم رایت بعد ذلک فی عام کثر فی التمر السود اکثر من البیاض۔ (لسان العرب، ۱۱/۲۸۵) وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال دیکھا کہ سفیدی سیاہی سے بڑھ گئی ہے، یعنی دودھ میں اضافہ ہو گیا اور پھر ایک سال دیکھا کہ سیاہی بڑھ گئی ہے یعنی کھجور کی پیداوار بڑھ گئی اور دودھ گھٹ گیا۔ اہل بناوت کہتے ہیں: انا کثر البیاض قل السواد واذا کثر السواد قل البیاض۔ (ایضاً) اسی مادہ سے رسول، رسالہ اور مرسل بمعنی پیغامبر اور پیغام کے ہیں۔

۶۔ النھایہ، ۲/۲۲۵

اصطلاحی مفہوم:

محدثین کی اصطلاح میں مرسل وہ روایت ہے جس کی سند میں صحابی کا واسطہ موجود نہ ہو اور صحابی کے سقوط کی صورت میں تابعی براہ راست رسول اکرم ﷺ سے روایت کرے۔ گویا ایک تابعی بھی جب قول رسول یا فعل رسول کو کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر بیان کرے تو وہ روایت مرسل ہوگی جیسے سعید بن المسیب کی مندرجہ ذیل روایتیں:

۱۔مالك عن یحییٰ بن سعید (۱) عن سعید بن المسیب (۲) انه قال :بلغنی ان رسو ل الله ﷺ قال لرجل من اسلم یقال له هزال، یا هزال لو سترته بردائك لكان خیر الك (۳)

مالک یحییٰ بن سعید سے اور وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسلم کے شخص کو جسے ھزال کہتے تھے، کہا، اے ھزال: اگر تو نے اسے اپنی چادر سے ڈھانپ لیا ہوتا تو تمہارے لئے بہتر ہوتا۔

۲۔عن مالک عن ابن شھاب (۴) عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ ﷺ قضی فی الجنین یقتل فی بطن امہ بغرۃ عبداو ولیدۃ، فقال الذی (۵) قضی علیہ کیف اغرم مالاشرب ولا اکل ولا نطق ولا استھل، ومثل ذلک یطل (۱۴) (۱۴۔بعض نسخوں میں ''بطل'' آیا ہے، جس کا مفہوم بھی وہی ہے۔ سیوطی نے اس کی تشریح میں لکھا ہے: ای یھدر۔ (۶)

مالک ابن شھاب سے اور وہ سعید بن المسیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پیٹ کے بچے سے متعلق جو اپنی ماں کے پیٹ میں قتل کر دیا جائے، عمدہ غلام یا لونڈی دینے کا حکم دیا، جس شخص پر حکم لگایا تھا اس نے کہا کہ میں اس کے بارے میں کس طرح تاوان ادا کروں جس نے نہ پیا نہ کھایا نہ بولا نہ چلایا۔ اس جیسے تو رایگاں جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو کاہنوں کا بھائی ہی لگتا ہے۔

پہلی روایت میں سعید بن المسیب رسول اللہ ﷺ کے ایک قول کا ذکر کر رہے ہیں اور دوسری میں آپ ﷺ کے ایک فیصلے کا جو فعل رسول ﷺ ہے۔ دونوں میں براہ راست روایت ہے، کسی صحابی کا واسطہ نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ روایت کی اساس کوئی صحابی ہوگا۔ اس کے بغیر تو اس طرح کا بیان بے فائدہ ہو جاتا ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ محدثین نے مرسل کی تعریف میں مختلف انداز بیان اختیار کیا ہے۔ حافظ سخاوی نے تمام اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو تین تعریفوں میں منحصر کیا ہے۔ (۷) قبل ازیں کہ حافظ سخاوی کا تبصرہ نقل کیا جائے مناسب ہے کہ ان تعریفات کا جائزہ لے لیا جائے جو محدثین نے بیان کی ہیں۔

امام حاکم مرسل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فان مشائخ الحدیث لم یختلفوا فی ان الحدیث المرسل هو الذی یرویه المحدث باسانید متصلة الی التابعی فیقول التابعی :قال رسول الله ﷺ (۸)

۱۔دیکھئے صفحہ: ۲۳۱

۲۔سعید بن المسیب بن حزن ابو محمد القرشی المخزومی (م: ۹۴ھ) اجل تابعین میں سے تھے۔ مدینہ کے علماء میں سے تھے آپ کے قضایا کے ماہر تھے۔ تعبیر رویا پر بھی دسترس تھی۔ زہد و رع کے پیکر تھے۔ الجرح، ۲/۱/۵۹: تذکرہ۔ ۱/۵۱، شذرات، ۱/۱۰۲: وفیات، ۲/۳۷۵)

۳۔تنویر الحوالک، کتاب الحدود، باب فی الرجم، ۲/۱۷۰

۴۔دیکھئے صفحہ، ۱۸

۵۔جس شخص پر حکم لگایا تھا اس کا نام حمل بن مالک بن النابغۃ الھذلی تھا۔ تنویر الحوالک، ۲/۱۸۴

۶۔تنویر الحوالک، ۲/۱۸۴

۷۔فتح المغیث، ۱/۱۶۱

۸۔معرفۃ علوم الحدیث، ۲۵

اس بارے میں مشائخ حدیث میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرسل حدیث وہ ہے جسے محدث، سند متصل تابعی سے بیان کرے اور تابعی کہے: قال رسول اللہ ﷺ۔

حافظ ابن عبدالبر مرسل حدیث کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

فاما المرسل :فان هذا الاسم اوقعوه باجماع علی حدیث التابعی الکبیر عن النبی مثل ان یقول عبیدالله بن عدی بن الخیار (۱)او ابو امامه بن سهل بن حنیف (۲)اوعبدالله بن عامر بن ربیعه (۳)ومن کان مثلهم :قال رسول الله ﷺ وکذلك من دون هولاء مثل سعید بن المسیب (۴)وسالم بن عبدالله (۵)وابی سلمه بن عبدالرحمن (۶)والقاسم بن محمد (۷)وکذلك علقمه بن قیس (۸)ومسروق بن الاجدع (۹) والحسن (۱۰)وابن سیرین (۱۱) والشعبی (۱۲) وسعید بن جبیر ،(۱۳)ومن کان مثلهم من سائر التابعین الذین صح لهم ثقاء جماعة من الصحابة ومجالستهم فهذا هو المرسل عند اهل العلم (۱۴)

جہاں تک مرسل کا تعلق ہے تو اس پر محدثین کا اجماع ہے کہ یہ نام اس حدیث کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں تابعی براہ راست رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتا ہے۔ جیسے ابوامامہ بن سہل بن حنیف، عبیداللہ بن عدی بن الخیار، عبداللہ بن عامر بن ربیعہ یا ان کی سطح کا کوئی اور شخص کہے: قال رسول اللہ ﷺ اس طرح ان کی بعد آنے والے لوگوں میں سے کوئی راوی مثلاً سعید بن المسیب، سالم بن عبداللہ بن عمر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد یا ان جیسے اشخاص میں کوئی راوی اگر کہے: قال رسول اللہ ﷺ کذا۔ اور اسی طرح علقمہ، مسروق حسن، شعبی، سعید بن جبیر اور ان جیسے تابعین جنہیں جماعت صحابہ سے ملاقات حاصل ہوئی ہو اور ان کے ساتھ بیٹھنے کا شرف حاصل ہو، جب کہے: قال رسول اللہ۔ تو ایسی روایت اہل علم [illegible] ہوگی۔

مرسل کی بس تعریف کو متاخرین نے [illegible] انہوں نے کہا:

۱۔ عبیداللہ عدی بن الخیار القرشی النوفلی عبدالملک کے دور میں وفات پائی، علماء وفقہاء قریش میں [illegible] مث تھے۔ التاریخ الکبیر، ۳۹۱/۵، البدایۃ، ۵۱/۹، تھذیب، ۳۶/۷

۲۔ ابوامامہ بن سہل حنیف الانصاری المدنی (م۱۰۰ھ) صحابہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فقہ پر دسترس حاصل تھی۔ العبر، ۱۱۸/۱: تھذیب، ۲۶۳/۱: شذرات، ۱۱۸/۱

۳۔ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ ابو محمد العنزی (م۸۵ھ) بنوعدی کے حلیف تھے والد مہاجرین اور بدریین میں سے تھے۔ التاریخ الکبیر، ۱۱/۵: الجرح، ۱۲۲/۵: تھذیب، ۲۷۰/۵) ۴۔ دیکھئے صفحہ، ۱۷ ۵۔ دیکھئے صفحہ، ۱۴۳ ۶۔ دیکھئے صفحہ، ۲۶۱ ۷۔ دیکھئے صفحہ، ۲۵۸ ۸۔ دیکھئے صفحہ، ۱۴۴

۹۔ مسروق بن الاجدع ابو عائشہ الوادعی الھمد انی الکوفی (م۶۳ھ) طلب علم کے لئے افاق میں گئے۔ فتوی میں مہارت رکھتے تھے۔ ثقہ تھے۔ ان سے مروی احادیث پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ التاریخ الکبیر، ۳۵/۸: تاریخ بغداد، ۲۳۲/۱۳: تذکرہ، ۴۶/۱: تھذیب، ۱۰۹/۱۰: شذرات، ۷۱/۱)

۱۰۔ دیکھئے صفحہ، ۱۹۲ ۱۱۔ دیکھئے صفحہ، ۱۴۳ ۱۲۔ دیکھئے صفحہ، ۱۸۴

۱۳۔ سعید بن جبیر ابو محمد الوالبی الکوفی (م۹۵ھ) کبار علماء اور نقادوں میں سے تھے۔ حلال وحرام اور طلاق کے مسائل پر دسترس رکھتے تھے۔ تاریخ البخاری، ۴۶۱/۳: وفیات، ۳۷۱/۲: تذکرہ، ۷۱/۱: تھذیب، ۱۱/۴) ۱۴۔ التمہید، ۱۹/۱۔۲۰

وصورته التی لا خلاف فیها حدیث التابعی الکبیر الذی لقی جماعة من الصحابة وجالسهم کعبید الله بن عدی بن الخیار ،(۱) ثم سعید بن المسیب ،(۲) و امثالهما، اذا قال :قال رسول الله ﷺ والمشهور التسویة بین التابعین اجمعین فی ذلك رضی الله عنهم (۳)

مرسل کی صورت جس کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں اس تابعی کبیر کی حدیث اور صحابہ کی جماعت سے ملا اوران کے پاس بیٹھا ہو جیسے عبیداللہ بن عدی بن اخیار اور پھر سعید بن المسیب اوران جیسے تابعین میں سے کوئی یہ کہے: قال رسول اللہ ﷺ اور مرسل روایت کے سلسلے میں مشہور قول یہ ہے کہ تمام تابعین کی حیثیت برابر ہے۔

خطیب بغدادی نے مرسل کی تعریف کرتے ہوئے تفصیل سے کام لیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

لاخلاف بین اهل العلم ان ارسال الحدیث الذی لیس بمدلس هو روایة الراوی عمن لم یعاصره اولم یلقه نحو روایة سعید المسیب وابی سلمه بن عبدالرحمن وعروه بن زبیر (۴) ومحمد بن المنکدر (۵) والحسن البصری ومحمد بن سیرین وقتاده (۶) وغیرهم من التابعین عن رسول الله ﷺ وبمثابته فی غیر التابعین نحو روایة ابن جریج (۷) عن عبیدالله بن عبدالله بن عتبة (۸) و روایة مالك بن انس عن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق وروایة حماد بن ابی سلیمان (۹) عن علقمه (۱۰) وکذلك روایة الراوی عمن عاصره ولم یلقه فمثاله روایة الحجاج بن ارطاة وسفیان

۱۔ دیکھئے صفحہ، ۳۱۹ ۲۔ دیکھئے صفحہ، ۳۱۷

۳۔ ابن الصلاح ۵۱: امام نووی نے ابن الصلاح کے تتبع میں مرسل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: اتفق اهل العلم من المحدثین وغیرهم ان قول التابعی الکبیر الذی لقی کثیرین من الصحابة:قال رسول الله ﷺ کذا اوفعل کذا یسمی مرسلا۔ (الارشاد، ۷۹): ابن کثیر نے ابن الصلاح ہی کے الفاظ نقل کیے ہیں، (الباعث الحثیث، ۳۹): بدر بن جماعہ کے الفاظ میں: هوقول التابعی الکبیر:قال رسول الله ﷺ کذا، فهذا مرسل باتفاق ۔(المنهل، ۴۲) حافظ ابن حجر نے ''التابعی الکبیر'' کی قید کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے یہ قید صریحاً کسی کے ہاں منقول نہیں دیکھی ۔ہاں امام شافعی نے مرسل مقبول کے لئے ''انا اعتضد'' کی قید لگائی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسے تابعی صغیر روایت کرے اسے مرسل نہیں کہا جائے گا۔ بلکہ امام شافعی نے کبار تابعین سے کم درجہ راویوں کی روایت کو مرسل کہا ہے۔ ومن نظر فی العلم بخبرة وقلة استوحش من مرسل کل من دون کبار التابعین بدلائل ظاهرة، (الرسالہ، ۴۶۷: النکت، ۲/ ۵۴۳)

۴۔ عروہ بن الزبیر بن العوام ابوعبدالله القرشی المدنی (م:۹۳ھ) مدینہ کے سات فقہاء میں سے تھے۔اپنی خالہ عائشہ صدیقہ سے بکثرت روایت کیا۔صائم الدھر تھے۔وفیات، ۳/ ۲۵۵: تذکرہ، ۱/ ۵۸، تھذیب، ۷/ ۱۸۰: شذرات، ۱/ ۱۰۳)

۵۔ دیکھئے صفحہ، ۲۴۸ ۶۔ دیکھئے صفحہ، ۱۸۵ ۷۔ دیکھئے صفحہ ۱۵۱

۸۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ ابوعبداللہ الھذلی (م:۹۸ھ) مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے تھے۔ عالم فقیہ، کثیر الحدیث تھے ادب سے بھی لگاؤ تھا۔تاریخ البخاری، ۵/ ۳۸۵: وفیات، ۳/ ۱۱۵: تذکرہ، ۱/ ۷۴: شذرات، ۱/ ۱۱۴

۹۔ حماد بن ابی سلیمان ابواسماعیل الکوفی (م:۱۲۰ھ) اپنے وقت کے اجل علماء میں سے تھے۔اصحاب ابراہیم النخعی میں سب سے زیادہ فقہ پر دسترس تھی۔ صاحب ثروت تھے اور اہل حدیث پر مال خرچ کرتے تھے۔الجرح، ۳/ ۲۴۶: تھذیب، ۳/ ۱۶: العبر، ۱/ ۱۵۱: سیر، ۲۳۱)

۱۰۔ دیکھئے صفحہ، ۱۴۴

الثوری وشعبہ عن الزھری وما کان نحو ذلک مما لم نذکرہ فالحکم فی الجمیع عندزراواحد وکذلک الحکم فیمن ارسل حدیثا عن شیخ لقیہ الا لم یسمع ذلک الحدیث منہ وسمع علماء میں اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ ارسال حدیث جو مدلس نہیں ہے وہ روایت ہے جس کا راوی ایسے شخص سے روایت کررہا ہو جس سے اس کی ملاقات نہ ہوئی ہو اور نہ اس کا ہمعصر ہو جیسے سعید بن المسیب، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، عروہ بن زبیر، محمد بن المنکدر، حسن بصری، محمد بن سیرین اور قتادہ یا اور کوئی تابعی رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت کرے۔ اسی طرح تابعین کے علاوہ مثلاً ابن جریج عبیداللہ بن عبیداللہ بن عتبہ سے روایت کریں۔ مالک بن انس قاسم ابن محمد ابن ابی بکر سے روایت کریں۔ حماد بن ابی سلیمان براہ راست علقمہ سے روایت کریں، یہ سب اس طرح کی روایات ہیں جن کو ہم نے بیان کیا، جو ان لوگوں سے ہیں جن کی معاصرت ثابت نہیں ایسی بھی روایت ہے جس کا راوی مروی عنہ کا معاصر ہے، لیکن اس سے ملا نہیں جیسے حجاج بن ارطاۃ، سفیان ثوری اور شعبہ زہری سے روایت کریں۔ ایسے اور بھی راوی ہیں جن کا ذکر ہم نہیں کررہے۔ اس قسم کی تمام روایات کی حیثیت ہمارے نزدیک ایک ہے۔ یہی حکم اس روایت کا ہے جس میں راوی اپنے ایسے شیخ سے روایت کرتا ہے جس سے اس کی ملاقات ہوئی لیکن اس نے یہ حدیث اس سے نہیں بلکہ کسی اور سے سنی ہو۔

خطیب نے مرسل کی تعریف کرتے ہوئے اسے عام کردیا ہے اور تبع تابعین کی روایت کو بھی مرسل میں شامل کردیا ہے۔ اس طرح انہوں نے ارسال اور انقطاع کو ایک قسم قرار دیا ہے جو عام محدثین کے ہاں یکساں نہیں۔ ابن الصلاح نے انقطاع قبل التابعی کو عام محدثین اور امام حاکم کے حوالے سے مرسل نہیں شمار کیا(۱) البتہ فقہاء واصولیوں کے موقف میں اسے مرسل قرار دیا گیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

والمعروف فی الفقہ واصولہ ان کن ذلک یسمی مرسلا والیہ ذھب من اھل الحدیث ابوبکر الخطیب وقطع بہ(۲)

علماء فقہ واصول فقہ کے ہاں معروف یہ ہے کہ ان تمام اقسام کو مرسل کہا جائے گا اور محدثین میں سے ابوبکر الخطیب نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

واما المرسل :فھو عند الفقہاء واصحاب الاصول والخطیب الحافظ ابی بکر البغدادی وجماعۃ من المحدثین ما انقطع اسنادہ علی ای وجہ کان انقطاعہ ھو عندھم بمعنی المنقطع (۳)

جہاں تک مرسل کا تعلق ہے تو فقہاء اصحاب اصول خطیب حافظ ابوبکر البغدادی اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک وہ روایت ہے جس کی سند منقطع ہو اور یہ انقطاع کسی نوعیت کا بھی ہو تو ایسی روایت ان کے نزدیک منقطع کے معنوں کی استعمال ہوتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری رائے بھی بیان کی ہے لیکن اسے موخر رکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا رجحان پہلی تعریف کی جانب ہے۔ اس کی وضاحت ان کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انہوں نے شرح المہذب میں نقل کیا ہے:

ومرادنا بالمرسل ھنا ماانقطع اسنادہ فسقط من رواتہ واحد فاکثر، وخالفنا اکثر المحدثین فقالوا:ھو روایۃ التابعی عن النبی

یہاں مرسل سے ہماری مرادوہ روایت ہے جس کی سند میں انقطاع واقع ہو سو اس کے راویوں میں سے ایک سے زیادہ ساقط ہوں اور اکثر محدثین

۱۔ ابن الصلاح، ۵۲ ۔ ۲۔ ایضاً ۔ ۳۔ مقدمہ شرح مسلم، ۱/۵۴

اس میں ہمارے مخالف ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ: مرسل سے مراد تابعی کی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے۔
مرسل کے بارے میں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے کہ جن فقہاء ومحدثین کے ہاں مرسل قابل حجت ہے وہ اس کی تعریف میں وسعت پیدا کرتے ہیں اور اسے منقطع کی سطح پر رکھتے ہیں۔امام ابن حزم نے مرسل کی جو تعریف کی اس میں انقطاع شامل ہے، وہ لکھتے ہیں:

المرسل من الحديث هو الذى سقط بين احد رواته وبين النبى ﷺ ناقل واحد فصا عدا، وهو المنقطع ايضا (۱)

مرسل حدیث کی وہ قسم ہے جس کی سند میں ایک راوی اور نبی ﷺ کے درمیان ایک ناقل یا زیادہ ساقط ہوں ایسی روایت منقطع بھی کہلاتی ہے۔
ابوالحسن بصری معتزلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح کی تعمیم کے قائل ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

الخبر المرسل هو ان يسمع الرجل الحديث من زيد عن عمرو فاذا رواه قال :"قال عمرو" واضرب عن ذكرزيد(۲)

خبر مرسل یہ ہی کہ ایک شخص زید سے بذریعہ عمرو حدیث سنے اور جب اس کی روایت کرے تو کہے: ''قال عمرو'' اور زید کا ذکر حذف کردے۔
حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس تعمیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وممن اطلق المرسل على المنقطع من ائمتنا ابوزرعه وابو حاتم ثم الدارقطنى ثم البيهقى بل صرح البخارى فى حديث لا براهيم ابن يزيد النخص عن ابى سعيد الخدرى بانه مرسل لكون ابراهيم لم يسمع من ابى سعيد(۳)

ہمارے آئمہ میں جن لوگوں نے منقطع پر مرسل کا اطلاق کیا ہے ان میں ابوزرعہ، ابوحاتم، دارقطنی اور بیہقی ہیں بلکہ بخاری نے تو ابراھیم بن یزید النخعی عن ابی سعید الخدری کی روایت کے بارے میں تصریح کی ہے کہ یہ مرسل ہے کیونکہ ابراھیم نے ابوسعید سے کچھ نہیں سنا۔
استاذ ابومنصور (۴) نے مرسل کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

المرسل :ماسقط من اسناده واحد فان سقط اكثر من واحد فهو معضل (۵)

مرسل وہ ہے جس کی سند سے ایک راوی ساقط ہو اور اگر ایک سے زیادہ ساقط ہوں تو وہ معضل ہوگی۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تمام تعریفات کو ایک ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

☆ تابعی کبیر حضور ﷺ کی طرف کوئی شئے منسوب کرے۔

☆ کوئی تابعی نبی ﷺ کی طرف کچھ منسوب کرے۔

☆ جس کی سند میں کوئی راوی ساقط ہو۔

مرسل ومنقطع ایک قسم ہیں۔اکثر اصولیوں کا یہی مذہب ہے۔
ابوالحسین بن القطان (۶) کا قول ہے:

۱۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ۲/۲　۲۔ کتاب المعتمد، ۲/ ۶۲۸　۳۔ فتح المغیث، ۱/ ۱۵۹
۴۔ دیکھئے صفحہ، ۱۰۷　۵۔ النکت، ۲/ ۵۴۳: جامع التحصیل، ۱۸
۶۔ احمد بن محمد بن القطان البغدادی الشافعی (م:۳۵۹ھ) فقیہ اصولی، بغداد میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔کئی علماء نے ان سے کسب فیض کیا۔تاریخ بغداد، ۴/ ۳۶۵: وفیات الاعیان، ۱/ ۷۰: معجم الموالفین، ۲/ ۷۵

المرسل :ان یروی بعض التابعین عن النبی ﷺ خبرااویروی رجل عمن لم یره(۱)

مرسل یہ ہے کہ کوئی تابعی نبی ﷺ سے کوئی خبر روایت کرے یا کوئی راوی اس شخص سے روایت کرے جسے اس نے دیکھا نہ ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس رائے کو ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مراسیل (۲) میں اختیار کیا اور خطیب رحمۃ اللہ علیہ (۳) نے بھی یہی کہا ہے اور محدثین کی ایک جماعت بھی اسے مانتی ہے۔

☆ غیر صحابی کہے: قال رسول اللہ ﷺ۔ ابن کثیر کہتے ہیں۔

قال ابو عمرو بن الحاجب فی مختصره فی اصول الفقه :المرسل :قول غیر الصحابی :"قال رسول الله ﷺ"(۴)

ابوعمرو بن الحاجب نے مختصر فی اصول الفقہ میں کہا: مرسل غیر صحابی کا قول ہے جب وہ کہے: قال رسول اللہ ﷺ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس تعریف سے ابن لحاجب رحمۃ اللہ علیہ نے اور اس سے پہلے آمدی رحمۃ اللہ علیہ (۵۷) (۵۷۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ۱۲۳/۲) اور شیخ موافق (۵) نے مرسل کو مطلق بنا دیا ہے۔ اس عموم کے تحت ہر وہ شخص داخل ہے جس کی صحبت رسول ﷺ سے ثابت نہیں گو اس کا عہد کتنا موخر ہو (٦) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

وصورةالمرسل ان یقول ، قال رسول الله ﷺ، من لم یاعاصره (۷)

اور مرسل روایت کی صورت یہ ہے کہ جس شخص کو حضور اکرم ﷺ کی معاصرت حاصل نہیں کہے: قال رسول اللہ ﷺ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ تعریف قدرے خاص ہے کیونکہ اس کے تحت وہ شخص نہیں آتا جس نے حالت کفر میں نبی کریم ﷺ سے کچھ سنا اور حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں کافر رہا اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام لایا (۸)۔ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ علائی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"اطلاق ابن الحاجب وغیره یظهرعند التامل فی اثناء استدلالهم انهم لا یریدونه، بل انما مراد:هم ماسقط منه التابعی مع الصحابی اوما سقط منه اثنان بعد الصحابی ونحوذلك، ویدل علیه قول امام الحرمین فی "البرهان" :مثاله :ان یقول الشافعی :قال رسول الله كذا(۹)

ابن حاجب وغیرہ کے استدلال پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اطلاق ان کی مراد نہیں بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ صحابی کے ساتھ تابعی بھی ساقط ہو یا

۱۔ النکت، ۵۴۴/۲: جامع التحصیل، ۱۰

۲۔ ابوداؤد نے مرسل کی تعریف بیان نہیں کی۔ غالباً حافظ ابن حجر نے ان کے بیان سے اخذ کیا ہے۔

۳۔ الکفایہ، ۲۱: خطیب نے مرسل کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھا: "واما المرسل فهو ما انقطع اسناده بان یکون فی رواته من لم یسمعه ممن فوقه الا ان اكثر ما یوصف الا رسال من حیث الاستعمال مارواه التابعی عن النبی ، اما ماروا ه تبع التابعی عن النبی فیسمونه المعضل "۔

۴۔ الباعث الحثیث، ۴۰ ۔ ۵۔ الروضہ فی الاصول ۱۴۰ ۔ ٦۔ النکت، ۵۴۴/۲

۷۔ ایضاً: جامع التحصیل، ۲۳ ۔ ۸۔ النکت، ۵۴۴/۲ ۔ ۹۔ ایضاً: جامع التحصیل، ۱۹

صحابی کے بعد دو ساقط ہوں۔ اور اسی پر امام الحرمین کا قول جو ''البرھان'' میں ہے دلالت کرتا ہے کہ اس کی مثال ایسے ہے۔ جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہیں: ''قال رسول اللہ کذا''

حافظ علائی مزید کہتے ہیں کہ میرے علم میں یہ بات نہیں کہ بعض غالی متاخرین احناف کے سوا کسی نے اس اطلاق کی تصریح کی ہو (۱) یہ ایک ناپسندیدہ توسیع ہے کیونکہ اس سے اسناد کا بطلان لازم آتا ہے جو اس امت کے خصائص میں سے ہے اور راویوں کے حالات میں غور و تدبر بے کار ہو جاتا ہے۔ نیز ہر زمانے کا اجماع اس کے خلاف ہے۔ (۲)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کی تائید استاذ ابو اسحاق لاسفرائینی کے اس قول سے بھی ہوتی ہی جو ''الاصول'' میں ہے۔

جو ''الاصول'' میں ہے۔

المرسل رواية التابعی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اوتابع التابعی عن الصحابی ، فاما اذا قال تابع التابعی او واحد منا قال :قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فلا يعدشيئا، و لا يقع به الترجيح فضلا عن الاحتجاج به(۳)

مرسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تابعی کی روایت کا نام ہے یا تابع تابعی صحابی سے روایت کرے۔ لیکن اگر تابع تابعی یا ہم میں سے کوئی کہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس سے ترجیح بھی واقع نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس سے استدلال کیا جائے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن برھان کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ (۴) ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو جن علماء نے مقید کرنے کی کوشش کی ان میں استاذ ابو بکر ابن فورک بھی ہیں۔ انہوں نے کہا:

والمرسل: قول التابعی: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا (۵) اور مرسل تابعی کا قول ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کے حوالے سے اس اعتراض کا ذکر کرتے ہیں جو جمہور کی تعریف پر وارد ہوتی ہے کہ تابعی کوئی شئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے۔ مثلاً ایک شخص جس نے حالت کفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات سنی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسلام لایا اور پھر روایت کی۔ اس طرح گویا اس کی حیثیت تابعی کی ہے اور اس کا سماع صحیح اور متصل اور مرسل کی تعریف میں داخل ہے۔ (۶)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ اعتراض صحیح ہے اور اس کا صرف ایک حل ہے کہ تعریف میں کچھ اضافہ کر دیا جائے چنانچہ وہ اس اعتراض کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی تعریف پیش کرتے ہیں جس کے یہ الفاظ ہیں:

المرسل مااضافه التابعی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مما سمعه من غيره (۷)

مرسل وہ قول ہے جسے تابعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے حالانکہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور سے سنا ہو۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تعریف ان کے اس بیان کی تکمیل ہے جو انہوں نے نذھۃ النظر میں لکھا ہے:

وهو ما سقط من آخره من بعد التابعی هو المرسل ۔ وصورته ان يقول التابعی ۔ سواء كان كبيرا اوصغيرا۔ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم كذا، اوفعل كذا اوفعل بحضرته كذا اونحو ذلك(۸)

۱۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اصول السرخسی، ۱/۳۶۳: جامع التحصیل، ۲۲، ۲۴، ۲۷ ۲۔ ایضاً ۳۔ النکت، ۲/۵۴۵
۴۔ ایضاً ۵۔ النکت، ۲/۵۴۶: جامع التحصیل، ۱۸ ۶۔ النکت، ۲/۵۴۶ ۷۔ ایضاً ۸۔ نذھۃ النظر، ۷۹

وہ خبر جس کے آخر میں تابعی کے بعد کا راوی ساقط ہو، مرسل کہلائے گی۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی، خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، کہے: رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا، یا ایسے کہا یا آپ کی موجودگی میں ایسا ہوا۔

مذکورہ بالا تمام تعریفات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان سب میں کم از کم مشترک بات یہ ہے کہ ایسا تابعی جسے صحابہ کرام سے شرف صحبت وملاقات حاصل ہو جب کوئی قول یا فعل آنحضور ﷺ کی طرف منسوب کرے تو وہ حدیث مرسل ہوگی۔

مرسل کی تعریف۔ فقہاء کی نظر میں:

مرسل کی تعریف میں ہم نے محدثین کے مختلف اقوال کا ذکر کیا ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک تابعی کا حضور اکرم ﷺ کی طرف کسی شئی کو منسوب کرنا ارسال ہے جبکہ ابوبکر خطیب رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کا دائرہ وسیع کیا ہے۔ چونکہ مرسل کی حجیت کا زیادہ تر انحصار اس بات پر ہے کہ مرسل کی تعبیر کیا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ علماء فقہ واصول فقہ کا نقطہ نظر سامنے رہے۔ استنباط احکام میں مرسل حدیث ہمیشہ زیر بحث رہی ہے اس لئے بھی علماء اصول کی رائے ضروری ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعبیر کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کردیا ہے:

اما المرسل فهو عند الفقهاء واصحاب الاصول والخطيب وجماعة من المحدثين ما انقطع اسناده على اى وجه كان انقطاعه ، فهو عندهم بمعنى المنقطع (۱)

جہاں تک مرسل کا تعلق ہے تو فقہاء، اصحاب اصول، خطیب اور محدثین کی ایک جماعت کے ہاں وہ روایت ہے، جس کی سند میں کسی بھی وجہ سے انقطاع آ گیا ہو۔ اس اعتبار سے ان کے نزدیک مرسل بمعنی منقطع ہے۔

علماء اصول نے خواہ ان کا تعلق حنفی مسلک سے ہے یا مالکی وشافعی مذہب سے، اس مسئلے پر اظہار خیال کیا ہے اور عجیب بات ہے کہ ان کے ہاں پیرایہ اظہار میں تھوڑے اختلاف کے باوجود بنیادی تصور میں ایک قسم کی یگانگت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ابوالعباس قرطبی رحمۃ اللہ علیہ مالکی (۲) کہتے ہیں:

المرسل عند الاصوليين والفقهاء عبارة عن الخبر الذى يكون فى سنده انقطاع بان يحدث واحد منهم عمن لم يلقه ولا اخذ عنه (۳)

علماء اصول وفقہاء کے نزدیک مرسل عبارت ہے اس خبر سے جس کی سند میں انقطاع ہو بایں طور کہ ان میں سے ایک راوی دوسرے ایسے راوی سے روایت بیان کرے جس سے نہ تو وہ ملا ہو اور نہ اس سے حدیث اخذ کی ہو۔

اس تعریف کو ذہن میں رکھیے اور علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ (۴) کے الفاظ پر غور کیجئے جو انہوں نے مرسل کی تعریف کے لئے استعمال کئے ہیں:

اختلفوا فى قبول الخبر المرسل ، وصورته ما اذا قال من لم يلق النبى ﷺ وكان عدلا قال رسول الله ﷺ كذا (۵)

مرسل کے قابل قبول ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ راوی جو نبی ﷺ سے نہ ملا ہو لیکن عادل ہو، کہے: قال رسول اللہ ﷺ

اس کے ساتھ ہی حنفی اصولی صدر الشریعہ (۶) کی تعریف ملاحظہ کیجئے:

۱۔ مقدمہ شرح مسلم، ۱۷ ۲۔ دیکھئے صفحہ، ۱۵۹ ۳۔ جامع التحصیل، ۱۵ ۴۔ دیکھئے صفحہ، ۹۸

۵۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ۲/ ۱۷۷

۶۔ صدر الشریعہ الاصغر، عبداللہ بن مسعود البخاری الحنفی (م: ۷۴۷) حکمت، طبیعات اصول فقہ اور دین کے علماء میں سے تھے۔ صاحب تصنیف تھے۔ مفتاح السعادہ ۲/ ۶۰: الاعلام ۴/ ۳۵۴

الارسال وھو ان یقول الراوی قال رسول اللہ ﷺ من غیر ان یذکر الاسناد، والا سناد ان یقول حدثنافلان عن رسول اللہ ﷺ۔ والمرسل منقطع عن رسول اللہ ﷺ من حیث الظاھر لعدم الاسناد یحصل بہ الاتصال لا من حیث الباطن (۱)

ارسال کے معنی عدم اسناد کے ہیں۔اس کی صورت یہ ہے کہ راوی اسناد کا ذکر کئے بغیر کہے: قال رسول اللہ ﷺ اور اسناد یہ ہے کہ راوی کہے حدثنا فلاں عن رسول اللہ ﷺ اور مرسل وہ روایت ہے جس کی سند میں ظاہری طور پر رسول اللہ ﷺ سے انقطاع ہو اور اس کی وجہ اس اسناد کا غیر موجود ہونا ہے جس سے اتصال حاصل ہوتا ہے گو باطنی پہلو سے روایت منقطع نہ ہو۔

حنفی اصولیوں کے ہاں مرسل کی تعریف کا ایک اور اسلوب ہے جس میں زیادہ زور راوی کی عدالت پر ہے مثلاً علامہ محب اللہ بہاری (۲) نے مسلم الثبوت میں مرسل کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

المرسل قول العدل :قال علیہ السلام کذا (۳) حدیث مرسل عادل راوی کا کہنا ہے کہ:قال علیہ السلام کذا ۔

علامہ عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

ھذااصطلاح الاصول والاولی ان یقال :ماروا ہ العدل من غیر اسناد متصل لیشمل المنقطع (۴)

یہ علم الاصول کی اصطلاح ہے۔بہتر ہے کہ یوں کہا جائے: مرسل وہ روایت ہے جسے متصل اسناد کے بغیر عادل راوی نے روایت کیا ہو تا کہ منقطع کو بھی شامل ہو۔

ان تمام تعریفوں میں انقطاع اور عدل کی شرائط بیان ہوئی ہیں۔انقطاع میں عمومیت ہے اور اسے تابعی کے ساتھ مختص نہیں کیا گیا۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۵) نے اس عمومیت کو واضح انداز سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

وصورتہ ان یقول :قال رسول اللہ ﷺ من لم یعاصرہ اوقال من لم یعاصر اباھریرہ :قال ابوھریرہ (۶) مرسل شوکانی رحمۃ اللہ علیہ (۷)

اما جمھور اھل الاصول فقالوا :المرسل قول من لم یلق النبی ﷺ سواء کان من التابعین اومن تابعی التابعین اوممن بعدھم (۸) جہاں تک جمہور علماء اصول کا تعلق ہے تو انہوں نے کہا ہے کہ مرسل وہ قول ہے جس کا راوی نبی ﷺ سے نہ ملا ہو لیکن حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے کہے: قال رسول اللہ ﷺ۔ یہ راوی تابعین، تبع تابعین میں سے ہو یا ان کے بعد والے کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

محدثین اور فقہاء کی تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کے سامنے اہمیت کے مختلف دائرے ہیں۔محدثین کے ہاں اصل

۱۔ التوضیح،۲/ ۴۲۸

۲۔ محب اللہ بن عبد الشکور البہاری الھندی (م:۱۱۱۹ھ) اپنے وقت کے چیدہ علماء میں سے تھے۔لکھنؤ اور حیدر آباد کے قاضی رہے۔مفید کتب تالیف کیں۔ابجد العلوم،۹۰۵:اعلام،۶/ ۱۶۹ ۳۔فواتح الرحموت،۲/ ۱۷۴ ۴۔فواتح الرحموت،۲/ ۱۷۴

۵۔ دیکھیے صفحہ،۹۴ ۶۔المستصفی،۱/ ۱۶۹

۷۔ الشوکانی محمد بن علی (م:۱۲۵۰ھ) یمن کے کبار علماء میں سے تھے۔یمن میں قضاء کے منصب پر فائز ہوئے۔مفید کتب کے مولف تھے۔البدر الطالع، ۲/ ۲۱۴:الاعلام،۷/ ۱۹۰ ۸۔ارشاد الفحول،۶۱

اہمیت اتصال سند کی ہے۔صحت وضعف کے پیمانوں سے ناپتے ہوئے محدثین نے حضور اکرم ﷺ کی صحیح احادیث کا ذخیرہ مرتب کیا ہے اور جو روایات اس معیار پر پوری نہیں اترتیں ان کی حیثیت متعین کر کے آنے والی نسلوں کے لئے حدیث سے استفادہ کی راہیں متعین کی ہیں۔جبکہ فقہاء واہل اصول کے سامنے استنباط احکام جیسا اہم قانونی ومعاشرتی مسئلہ تھا لہٰذا انہوں نے عدالت کی شرط پر اس روایت کو قبول کرنے کی راہ اختیار کی جس میں انقطاع واقع ہو قرون ثلاثہ گو مشہور بالخیر ہیں ان کی بات کا وزن تو مسلم ہے لیکن بعد کے اصحاب حدیث بھی عدالت کی شرط کے ساتھ قابل قبول ہوسکتے ہیں۔اہمیت کے اسی فرق نے اصطلاحوں کے معانی کا اختلاف بھی پیدا کیا ہے۔(۱)

مرسل قابل حجت ہے:

اب ہم اختصار کے ساتھ ان آراء کا جائزہ لیں گے جن کے مطابق مرسل قابل حجت ہے۔مرسل کی بحث میں یہ امر تو طے شدہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے اور علماء کا کوئی متفقہ موقف سامنے نہیں آیا۔امام حاکم مراسیل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاما مشائخ اهل الكوفة فكل من ارسل الحديث عن التابعين واتباع ومن بعدهم من العلماء فانه عندهم مرسل محتج به وليس كذلك عندنا (۲)

جہاں تک مشائخ کوفہ کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک تابعین اور تبع تابعین علماء میں سے جس نے بھی براہ راست روایت کی تو وہ ان کے نزدیک مرسل اور قابل حجت ہے جبکہ ہمارے نزدیک ایسا نہیں۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مرسل کی حجیت کے سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے۔

اختلف العلماء في وجوب العمل بما هذه حاله فقال بعضهم انه مقبول ويجب العمل به اذا كان المرسل ثقة عدلا، وهذا قول مالك واهل المدينة وابى حنيفة واهل العراق وغيرهم (۳)

جس روایت کا یہ حال ہو اس پر عمل کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض نے کہا اگر ارسال کرنے والا راوی ثقہ اور عادل ہو تو یہ مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔یہ قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اہل مدینہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اہل عراق وغیرہ کا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مالکیہ اور احناف کی طرف مطلق قبول کرنے کی رائے منسوب کی ہے۔وہ لکھتے ہیں:

وثانيهما وهو قول المالكيين والكوفيين يقبل مطلقا (۴)

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ مرسل کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحتج الامام مالك هو ابن انس في المشهود عنه وكذا الامام ابوحنيفه النعمان بن ثابت و تابعو هما المقلدون لهما۔ والمراد الجمهور من الطائفتين، بل وجماعة من المحدثين، والامام احمد فى رواية حكاهاالنووى (۵) وابن القيم (۶) و ابن كثير (۷) وغير هم به اى بالمرسل ودانوا بمضمونه، اى جعل كل واحد منهم ماهو عنده مرسل دينا يدين به

۱۔اصول الحدیث، ج ۱، ص ۳۱۵-۳۳۲ ۲۔معرفۃ علوم الحدیث، ۲۶ ۳۔الکفایہ، ۳۸۴ ۴۔نزھۃ النظر، ۸۰

۵۔المجموع، ۱/۳-۱: شرح مسلم، ۱/۵۴ ۶۔اعلام الموقعین، ۱/۳۱

۷۔الباعث الحثیث، ۴۰: حافظ العلائی نے جامع التحصیل (صفحہ، ۲۷) میں اور امام حاکم نے (المدخل صفحہ، ۱۲) میں امام احمد کا قول نقول کیا ہے۔)

فی الاحکام وغیرھا ۔ وحکاہ النووی فی شرح المھذب (۱) عن کثیر من الفقھاء او اکثرھم ، قال و نقلہ الغزالی (۲) عن الجماھیر ۔ وقال ابو دائود فی رسالتہ :(۳) واما المرسل فقد کان اکثر العلماء یحتجون بہ فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالک وتابعہ علیہ احمد وغیرہ (۴) مشہور قول کے مطابق امام مالک ابن انس رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے مرسل کو قابل حجت مانا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں کے جمہور علماء بلکہ محدثین کی ایک جماعت اور ایک روایت کے مطابق جسے امام نووی، ابن قیم اور ابن کثیر وغیرہ نے بیان کیا ہے، امام احمد کی رائے ہے کہ مرسل قابل استدلال ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک نے اپنی بیان کردہ مرسل کے مطابق احکام میں مذہب اختیار کیا ہے۔ امام نووی نے شرح المھذب میں فقہاء کی اکثریت سے یہی رائے نقل کی ہے اور کہتے ہیں کہ امام غزالی نے اسے علماء کی اکثریت کا مسلک نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے اپنے رسالہ میں کہا ہے: جہاں تک مرسل کا تعلق ہے تو سفیان ثوری اور مالک جیسے علماء سلف کی اکثریت نے اسے قابل استدلال قرار دیا ہے اور امام احمد وغیرہ نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کی تعریف کے سلسلے میں محققین حنفیہ کی رائے نقل کی ہے کہ وہ اسے "قرون فاضلہ" (۵) کے ساتھ مختص مانتے ہیں کیونکہ حضور اکرم سے صحیح حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (۶) قال الراوی اذکر بعد قرنہ قرنین او ثلاثہ وفی روایۃ جزم فیھا بثلاثۃ (۷) وفی روایۃ ثم ذکر قوما یشھدون ولا یستشھدون، ویخونون ولا یؤتمنون وینذرون ولا یوفون (۸)

بہترین لوگوں کا دور میرا زمانہ ہے پھر جو اس کے ساتھ ملحق ہے پھر جو اس کے ساتھ۔ راوی کہتا ہے میں نہیں جانتا کہ آپ نے اپنے زمانے کے بعد دو قرنوں کا ذکر کیا یا تین کا۔ اور ایک روایت میں بلاشبہ اپنے زمانے کے بعد تین زمانوں کا تاکید کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے پھر آپ نے ان لوگوں کا ذکر کیا جو بغیر طلب کے گواہی دیں گے، خیانت کے مرتکب ہوں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور نذر مانیں گے اور پوری نہیں کریں گے۔

گویا ارسال کو قبول کرنے کی بنیاد وہ اخلاقی معیار ہے جو قرون فاضلہ کے ساتھ مختص ہے۔ بعد کے لوگ چونکہ مشہور بالخیر نہیں ہیں لہٰذا ان کی قبولیت مشکوک ہے۔ حجیت مرسل کے بارے میں جو حضرات قبولیت کی رائے رکھتے ہیں ان کے کئی گروہ ہیں۔ ابھی ان اصحاب کا ذکر ہوا ہے جو اسے قرون ثلاثہ تک محدود کرتے ہیں۔ حافظ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے النکت میں جن مختلف مسالک کا ذکر کیا ہے ان میں سے چوتھے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رابعھا :قبول مراسیل الصحابۃ و کبار التابعین ۔ ویقال :انہ مذھب اکثر المتقدمین۔ وھو مذھب الشافعی لکن شرط فی مرسل کبار التابعین ان یعتضد باحد الاوجہ المشھورۃ (۹)

۱۔ المجموع، ۱/۱۰۳ ۲۔ المستصفی، ۱/۱۶۹۔۱۷۰

۳۔ ایضاً، ۱/۲۴ ۴۔ فتح المغیث، ۱/۱۶۲

۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے جامع التحصیل

۶۔ بخاری، کتاب الشھادات، باب لایشھد علی شھادۃ جور، ۳/۱۵۱: نسائی، کتاب الایمان، باب الوفاء بالنذور، ۷/۱۷، ۱۸: ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب کراھیۃ الشھادہ، ۲/۷۹۱: ترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء فی القرن الثالث، ۴/۵۰۰: ابوداؤد کتاب السنۃ، باب فی فضل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۵/۴۴)

۷۔ فتح المغیث، ۱/۱۶۱ ۸۔ ایضاً ۹۔ الرسالہ، ۴۶۲۔۴۶۴

خامسها: کالرابع، لکن من غیر قید بالکبار، وهو قول مالك واصحابه واحدی الروایتین عن احمد(۱)

چوتھا مسلک ہے مراسیل صحابہ و کبار تابعین کو قبول کرنا۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ اکثر متقدین کا مذہب ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے لیکن انہوں نے کبار تابعین کی مرسل کے لئے یہ شرط لگائی کہ مشہور وجوہ میں سے کسی ایک سے اس کی تقویت ہو۔

پانچواں مسلک بھی چوتھے کی طرح ہے البتہ اس میں کبار تابعین کی مرسل کے لئے کوئی قید نہیں اور یہ مسلک امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مزید مسالک کا بھی ذکر کیا ہے لیکن چونکہ ان میں شرائط کا ذکر ہے اس لئے ہم ان کا ذکر بعد میں کریں گے۔

علامہ سیف الدین آمدی شافعی مرسل کے قابل استناد ہونے کے بارے میں بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اختلفوا فی قبول الخبر المرسل، وصورته ما اذا قال من لم یلق النبی وکان عدلا: قال رسول اللہ ﷺ کذا فقبله ابوحنیفه ومالک واحمد بن حنبل فی اشهر الروایتین عنه وجماهیر المعتزلة وفصل عیسی ابن ابان(۲) من الحنفیة فقبل میر اسیل الصحابة والتابعین وتابعی التابعین ومن هو من آئمة النقل مطلقادون من عدا هؤلاء (۳) مرسل کے قابل قبول ہونے میں اختلاف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب عادل شخص جو رسول اللہ ﷺ سے نہ ملا ہو کہے: ''قال رسول اللہ ﷺ کذا''۔ اسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (مشہور قول کے مطابق) اور جمہور معتزلہ قبول کرتے ہیں۔ حنفیہ میں سے عیسیٰ بن ابان صرف ان مراسیل کو قبول کرتے ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مشہور آئمہ کی طرف سے ہوں۔ ان کے علاوہ عام رواۃ کی مراسیل قبول نہیں کرتے۔

مشہور حنفی اصولی علامہ عبدالعزیز بخاری نے تقریباً وہی بات کہی ہے جو اوپر علامہ آمدی کے حوالے سے نقل کی جا چکی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

القسم الاول وهو مرسل الصحابة مقبول بالاجماع فانه حکی عن الشافعی انه خص مراسیل الصحابة بالقبول ۔ وما ارسال القرن الثانی والثالث فحجة عندنا وهو مذهب مالك واحدی الروایتین عن احمد بن حنبل واکثر المتکلمین (۴) مرسل کی پہلی قسم وہ ہے جو صحابی سے مرسلا مروی ہو۔ ایسی روایت بالاتفاق مقبول ہے۔ امام شافعی سے منقول ہے کہ انہوں نے قبولیت کو صرف مراسیل صحابہ سے مختص کیا ہے۔ جہاں تک دوسری اور تیسری صدی کے رواۃ کی مراسیل کا تعلق ہے تو یہ ہمارے نزدیک حجت ہیں۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ متکلمین کی اکثریت کی بھی یہی رائے ہے۔

قرن ثالث کے بعد کی مراسیل کے سلسلے میں علامہ عبدالعزیز بخاری لکھتے ہیں:

۱۔ جامع التحصیل، ۳۶: جامع التحصیل کے محقق کی رائے میں اصولیوں کی ایک جماعت امام الحرمین اور ابن الحاجب وغیرہما کی بھی رائے ہے۔ (جامع التحصیل، ۶۶: النکت، ۲/۵۵۱)

۲۔ عیسیٰ بن ابان (م: ۲۲۱ھ) محمد بن الحسن الشیبانی کے شاگرد تھے۔ اپنے وقت کے فقیہ عراق اور بصرہ کے قاضی تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ ذہانت اور جود و سخا میں حظ وافر پایا تھا۔ اسماعیل بن جعفر، ھشیم اور یحییٰ بن ابن زائدہ سے احادیث بیان کیں اور ان سے حسن بن سلام السواق وغیرہ نے روایت کی۔ تاریخ بغداد، ۱۱/۱۵۷۔۱۶۰: الجواھر المضیہ، ۱/۴۰۱: الفوائد البھیہ، ۱۵۱: سیر اعلام النبلاء، ۱۰/۴۴۰: میزان الاعتدال، ۳/۳۱۰)

۳۔ الاحکام، ۲/۱۷۷

۴۔ کشف الاسرار، ۳/۲۲۷

و اما ارسال من دون هؤلاء ای دون القرون الثلاثة فقد اختلف فيه، قال الشيخ ابوالحسن الكرخی :(۱)يقبل ارسال كل عدل فی كل عصر، لان العلة التی توجب قبول مراسيل القرون الثلاثة وهی العدالة والضبط تشمل سائر القرون (۲) وقال ابوبكر الرازی :(۳)لا يقبل ارسال من بعد القرون الثلاثة الا اذا اشتهر بانه لا يروی الاعمن هو عدل ثقة لشهادة النبی ﷺ علی من بعد القرون الثلاثة بالكذب بقوله :ثم يفشو الكذب۔ فلايثبت عدالة من كان فی زمن شهد النبی ﷺ علی اهله بالكذب الا برواية من كان معلوم العدالة بعلم انه لا يروی الا عن عدل (۴) كذا ذكر شمس الائمة (۵)

جہاں تک قرون ثلاثہ کے بعد کی مراسیل کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ شیخ ابوالحسن کرخی کہتے ہیں کہ ہر عادل راوی کی مرسل روایت ہر دور میں قابل قبول ہے اس لئے قرون ثلاثہ کے رواۃ کی مراسیل جس وجہ سے قبول کی جاتی ہے وہ ہر دور کے رواۃ میں پائی جاسکتی ہے اور وہ ہے عدالت وضبط۔ ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ قرون ثلاثہ کے بعد کا ارسال قابل قبول نہیں الا یہ کہ ارسال کرنے والے راوی کے بارے میں مشہور ہو کہ وہ عادل اور ثقہ کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتا۔ اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کی شہادت ہے جو آپ ﷺ نے قرون ثلاثہ کے بعد کے زمانے کے لئے دی ہے۔ آپ ﷺ کا قول ہے: پھر جھوٹ پھیلے گا'' سو اس شخص کی عدالت ثابت نہیں ہو سکتی جو اس زمانے میں رہ رہا ہے جس کے جھوٹ کی حضور ﷺ نے گواہی دی ہے۔ ہاں اس شخص کی روایت درست ہو سکتی ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ عادل رواۃ کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتا۔ شمس الائمہ نے بھی اسی طرح کی رائے کا اظہار ذکر کیا ہے۔

ان دونوں آراء میں زیادہ فرق نہیں کیونکہ عدالت وضبط کی شرط نے قرون ثلاثہ کے بعد کی مراسیل کے لئے گنجائش پیدا کی ہے البتہ عیسیٰ بن ابان کی بات ذرا مختلف ہے کہ اس نے ''آئمۃ النقل'' کی تصریح کی ہے جو کبار محدثین وفقہاء ہی ہو سکتے ہیں۔

ابوالحسن بصری معتزلی نے ذرا مختلف انداز سے بات کی ہے وہ لکھتے ہیں:

ومنها قولهم :لو وجب العمل بالمراسيل للزمنا فی عصرنا هذا ان نعمل علی قول الانسان :قال رسول الله ﷺ كذا وكذا'' وان لم يذكر الرواة:الجواب :ان ذكر الخبران كان معروفا فی جملة الاحاديث ، فقد عرفت رواته وان لم يكن معروفا لم يقبل ، لا لانه مرسل بن لان الاحاديث قد ضبطت وجمعت، فما لا يعرفه اصحاب الحديث منها فی وقتنا، هو كذب، فان كان العصر ارسل فيه الراوی عصرا لم يضبط فيه السنن قبل مرسله (۶)

۱۔ ابوالحسن الکرخی، عبیداللہ بن الحسین بن دلال البغدادی (م: ۳۴۰ھ) اپنے وقت کے اجل علماء میں سے تھے۔ زہد وتقویٰ کا بہترین نمونہ تھے۔ اعتزال کا رنگ غالب تھا۔ تاریخ ۱۰/۳۵۳: العبر ۲/۲۵۵: میزان ۴/۹۸: سیر ۱۵/۴۲۶

۲۔ کشف الاسرار ۳/۷۲۷ ۳۔ دیکھئے صفحہ ۳۵۰

۴۔ کشف الاسرار ۳/۷۲۷

(۵۔ شمس الائمہ، ابوبکر محمد بن ابی سہل (م: ۴۸۳ھ) مشہور شمس الائمہ حلوانی اور دیگر علماء سے اکتساب فیض کیا اور بہت جلد علوم وفنون میں بلند مقام حاصل کر لیا اور اپنے استاد کے لقب سے ان کے جانشین بنے۔ بعض نامعلوم وجوہ کی بنیاد پر قید کر دیئے گئے تو دوران قید اپنی مشہور کتب املاء کرائیں۔ المبسوط اور اصول السرخسی مشہور اور متداول کتابیں ہیں۔ الجواہر المضیۃ ۲/۲۸: مقدمہ اصول السرخسی: الفوائد البہیۃ ۱۵۸)

۶۔ کتاب المعتمد ۲/۶۲۷۔ نیز دیکھئے: کشف الاسرار ۳/۷۲۷

ان کا قول ہے: اگر مراسیل پر عمل کرنا واجب ہوتا تو ہمارے زمانے میں بھی کسی انسان کے اس قول پر "قال رسول الله ﷺ كذا و كذا" عمل کرنا لازم ہوتا گو اس نے راویوں کا ذکر نہ کیا ہو۔ جواب یہ ہے کہ اگر اس خبر کا ذکر تمام احادیث میں معروف ہو تو اس کے راوی معروف ہوں گے لہٰذا قبول ہوگی اور اگر معروف نہ ہوں تو غیر مقبول ہوگی اس لئے نہیں کہ مرسل ہے بلکہ اس لئے کہ احادیث منضبط ہو چکی ہیں اور جمع کر دی گئی ہیں سو جسے ہمارے دور کے محدثین نہیں جانتے وہ جھوٹ ہے۔ اگر ارسال کرنے والا راوی اس دور میں ہو جس میں سنن کو منضبط نہیں کیا گیا تو اس کی مرسل قبول کی جائے گی۔

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ مالکیہ کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واصل مذهب مالك والذى عليه جماعة اصحابنا المالكين: ان مرسل الثقة تجب به الحجة ويلزم به العمل، كما يجب بالمسند سواء (۱)

امام مالک کے مذہب کی بنیاد جسے ہمارے مالکی اصحاب کی جماعت نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ ثقہ کی مرسل قابل حجت ہے اور اس پر عمل اس طرح لازم ہے جس طرح مسند روایت پر عمل واجب ہے۔ دونوں کی حیثیت برابر ہے۔

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

وقالت طائفة من اصحابنا: مراسيل الثقات اولى من المسندات، واعدوا بان من اسندلك فقد احالك على البحث عن احوال من سماه لك، ومن ارسل من الائمة حديثا مع علمه ودينه وثقته، فقد قطع لك على صحته (۲)

ہمارے اصحاب کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ثقہ راویوں کی مراسیل مسندات سے بہتر ہیں۔ وہ اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے سند بیان کی اس نے تجھے راویوں کے حالات کی تحقیق کا ذمہ دار بنا دیا اور آئمہ میں سے جو شخص حدیث کا ارسال کرتا ہے وہ اپنے علم، دین اور ثقاہت کی بنیاد پر اس کی صحت کا یقین دلاتا ہے۔

اس رائے کو نقل کرنے کے بعد ابن عبد البر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مالکی علماء کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ قابل ترجیح رائے یہ ہے کہ وجوب عمل کے لحاظ سے مرسل اور مسند دونوں برابر ہیں۔

گو حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسند کو بہر حال مرسل پر ترجیح ہے۔ اور انہوں نے وضاحت سے کہا ہے کہ جب میں نے غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ جب مناظرے کی صورت ہوتی ہے تو پھر اتصال سند ہی کی بات ہوتی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ مرسل قابل استناد ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

الاصل الرابع: الاخذ بالمرسل والحديث الضعيف ازا لم يكن فى الباب شىء يدفعه۔ وهو الذى رجحه على القياس (۳)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی چوتھی بنیاد یہ ہے کہ مرسل اور ضعیف حدیث کو مدار استدلال بنایا جائے اگر اس باب میں کوئی اور شی نہ ملے اور انہوں نے مرسل وضعیف کو قیاس پر ترجیح دی ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام مثالیں جمع کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حنفی، مالکی، حنبلی اور دیگر فقہاء مرسل کو قیاس پر ترجیح دیتے

۱۔ التمہید، ۲/۱ ۲۔ ایضاً، ۳/۱ ۳۔ اعلام الموقعین، ۱/۱۶

ہیں۔(۱)

حافظ علائی نے مرسل کی قبولیت کے بارے میں جو بحث کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ گو اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں تاہم اس کی قبولیت کے بارے میں سب متفق ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

اما القائلون له المحتجون ، فهم مالك وابو حنفيه ، وجمهور اصحابهما واكثر المعتزلة وهو احد الروايتين عن احمد بن حنبل وهؤلاء لهم فى قبوله اقوال:(۲)

جہاں تک مرسل کو حجت ماننے والوں کا تعلق ہے تو وہ امام مالک، امام ابوحنفیہ اور ان کے جملہ اصحاب، معتزلہ کی اکثریت اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کی بھی یہی رائے ہے۔ مرسل کو قبول کرنے کے سلسلے میں ان کے اقوال مختلف ہیں۔

حافظ علائی نے چار اقوال نقل کئے ہیں۔

۱۔ تابعین کے بعد کے دور کی مراسیل بھی قابل قبول ہیں۔

۲۔ تابعین اور تبع تابعین کی مراسیل مطلقاً قابل قبول ہیں بشرطیکہ وہ غیر ثقات سے ارسال نہ کریں اس کے بعد ائمۃ النقل کی مراسیل قابل قبول ہیں۔

۳۔ مرسل تابعین کے ساتھ مخصوص ہے اور تابعین کی مراسیل اختلاف طبقات کے ساتھ قابل اخذ وعمل ہیں یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور بعض محدثین کی رائے ہیں۔

۴۔ کبار تابعین کی مراسیل ہی قابل قبول ہیں۔ کیونکہ انہوں نے صحابہ کرام سے اخذ وسماع کیا ہے۔(۳)

فقہاء ومحدثین کی آراء سے واضح ہوتا ہے کہ گو قبولیت کے مختلف مدارج ہیں لیکن اصولی طور پر مرسل کے قابل قبول ہونے پر اتفاق ہے۔ ہمیں مرسل کے قابل استناد ہونے پر جو دلائل ملتے ہیں ان کی نوعیت بھی قبولیت کے مدارج سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

حجیت مرسل کے دلائل:

پچھلے صفحات میں ہم ان لوگوں کے دلائل کا جائزہ لے آئے ہیں جو مرسل کو قابل استناد نہیں سمجھتے ان دلائل کا اسلوب قائلین حجیت کا رد تھا اور ان کا بڑا مواد تردیدی تھا اس لئے ہمیں قائلین کے دلائل کو سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ ذیل میں ہم ترتیب سے ان دلائل کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

اجماع صحابہ وتابعین:

مرسل کے قابل حجت ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اسے صحابہ وتابعین نے قابل حجت سمجھا اور صحابہ وتابعین مرسل پر عمل کرتے تھے علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ مرسل کی حجیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المختار قبول مراسيل العدل مطلقاً و دليله الاجماع والمعقول۔ اما الاجماع فهو ان الصحابة والتابعين اجمعوا على قبول المراسيل من العدل اما الصحابة فانهم قبلوا اخبار عبدالله بن عباس مع كثرة روايته وقد قيل انه لم يسمع من رسول الله ﷺ سوى اربعة احاديث لصغرسنه (۴) و ايضا ماروى عن البراء بن عازب انه قال :ماكل مانحدثكم به

۱۔ ایضاً — ۲۔ جامع التحصیل، ۱۷

۳۔ ایضاً، ۱۸ — ۴۔ الاحکام، ۲/۱۷۸

سمعناه من رسول الله ﷺ ولكنا سمعنا بعضه وحدثنا اصحابنا بعضه ......واما التابعون فقد كان من عادتهم ارسال الاخبار ويدل على ذلك ماروى عن الاعمش انه قال :قلت لا براهيم النخعي :اذا حدثتني فاسند، فقال :اذا قلت لك حدثني فلان عن عبدالله فهو الذى حدثني ، واذا قلت لك حدثني عبدالله حدثني جماعة عنه اويدل على ذلك ما اشتهر من ارسال ابن المسيب والشعبي وغير هما، ولم يزل ذلك مشهورا فيما بين الصحابة والتابعين من غير نكير فكان اجماعا (۱)

میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ ثقہ راوی کی مراسیل مطلقاً قابل قبول ہیں اور اس کی دلیل اجماع اور عقل دونوں ہیں۔ جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو صحابہ وتابعین عادل کی مراسیل کو قبول کرنے پر متفق تھے۔ صحابہ کرام نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایات قبول کیں باوجودیکہ وہ کثیر الروایہ تھے اور اپنی کم عمری کے باعث حضور اکرم ﷺ سے صرف چار احادیث سنیں۔ اسی طرح براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں وہ سب کا سب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہوتا ہے اور کچھ ہمیں ہمارے دیگر ساتھی صحابہ نے بتایا ہوتا ہے...... رہے تابعین تو ان کا معمول روایات میں ارسال تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اعمش نے ایک بار ابراہیم نخعی سے کہا کہ آپ جب میرے سامنے حدیث بیان کریں تو پوری سند کے ساتھ بیان کریں۔ ابراہیم نخعی نے جواب دیا کہ جب میں حدثنی فلان عن عبداللہ کہوں تو ایسی روایت مجھے اس ایک شخص سے ملی ہوتی ہے، اور جب حدثنی عبداللہ کہوں تو ایسی روایت میں نے ایک جماعت سے اخذ کی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں شعبی اور ابن المسیب کا ارسال تو محدثین کے ہاں مشہور ہے۔ اسی طرح دیگر حضرات کا ارسال بھی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کے ہاں معروف تھا اور انہوں نے کبھی بھی اسے ناپسند نہیں کیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قبولیت ارسال کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا اجماع تھا۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی یہ رائے دیگر ذرائع سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ سب صحابہ بروقت حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں رہا کرتے تھے بلکہ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے اور غیر حاضری کے دوران ہونے والے اہم واقعات وارشادات نبوی کے متعلق اپنے حاضر ساتھیوں سے آگاہی حاصل کرتے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جب کثرت روایت کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے کہا:

انكم لتقولون :اكثر ابوهريره رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ والله الموعد ، وتقولون ماللمهاجرين لايحدثون عن رسول الله ﷺ هذا الا حاديث وان اصحابي من المهاجرين كانت تشغلهم ارضهم والقيام عليها واني كنت امراء مسكينا الزم رسول الله ﷺ على مل بطني (۲) وكنت اكثر مجالسة الرسول الله ﷺ احضر اذا غاهوا واحفظ اذا سوا (۳) تم کہتے ہو کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے، اور (مجھے) اللہ سے ملنا ہے، اور کہتے ہو کہ مہاجرین کو کیا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ لوگ تو احادیث نہیں بیان کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے مہاجر ساتھیوں کو زمین اور اس کا انتظام مشغول رکھتا اور میں ایک مسکین آدمی تھا، رسول اللہ ﷺ سے پیٹ بھرنے پر ساتھ لگا رہتا اور میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں اکثر ہوتا۔ میں حاضر ہوتا جب وہ غائب ہوتے۔ میں یاد کرتا جب وہ بھول جاتے۔

۱۔ ایضاً،۲/۱۷۹

۲۔ اس عبارت کو امام احمد نے مسند میں زہری کی روایت سے ذکر کیا ہے (مسند احمد،۱۲/ ۲۶۸: حدیث:۷۲۸۳)؛ بخاری نے اسے روایت کو الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (بخاری ، البیوع،۳/۲،۳:کتاب العلم ،۱/۳۸،کتاب الاعتصام ، باب الحجۃ، ۸/۱۵۸؛مسلم، کتاب الفضائل،۷/۱۶۶)

۳۔ ابن سعد،۴/ii/۵۶

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا:

كنت انا و جارلي من الانصار في بني امية بن زيد وهي من عوالي المدينة وكنا نتناوب على رسول الله ﷺ فينزل يوما وانزل يوما فاذا نزلت جئت بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره واذانزل فعل مثل ذلك (۱)

میں نے اور مدینہ کے نواحی علاقے بنی امیہ بن زید کے انصاری پڑوسی نے معاملہ کر رکھا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس رہنے کی باری مقرر کر رکھی تھی ایک دن وہ رہتے تھے اور دوسرے دن میں۔ جب میری باری ہوتی تو میں اس دن کی وحی یا دوسرے معاملات سے آگاہ کرتا اور جب وہ آپ کے ہاں حاضر ہوتے تو اسی طرح کرتے۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ مرسل کی حجیت کے قائل نہیں وہ اسے بعض صحابہ کا اجتہاد مانتے ہیں اجماع نہیں مانتے۔ امام غزالی کا استدلال پہلے گذر چکا ہے (۲) علامہ آمدی نے صحابہ کے اجماع کی دلیل پر اعتراض نقل کیا ہے (۲۱۱) (۲۱۱۔ الاحکام، ۲/۱۸۰) اور پھر اس پر تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

قولكم: لم ينكر ذلك منكر لا نسلم ذلك ولهذا باحثوا ابن عباس رضی اللہ عنہ و ابن عمر رضی اللہ عنہ و ابا هريره رضی اللہ عنہ في ذلك، حتى اسند كل واحد ما اخبربه وقال ابن سيرين: "لانا خذ بمراسيل الحسن وابي العاليه وان سلمنا عدم النكير، فغايته انهم سكتوا، والسكوت لايدل على الموافقة، لما سبق تقريره في مسائل الاجماع سلمنا الموافقة، غيران الارسال المحتج بوقوعه۔ انماوقع من الصحابة والتابعين، ونحن نقول بذلك، لان الصحابي والتابعي انما يروى عن الصحابي، والصحابة عدول على ما سبق تحقيقة (۳)

ہم تمہاری اس بات کو تسلیم کرتے کہ کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اس لئے تو محدثین نے ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کی تحقیق کی حتی کہ ہر خبر کا سلسلہ نبی ﷺ تک پہنچایا گیا۔ اور ابن سیرین نے کہا: ہم حسن اور ابو العالیہ کی مراسیل کو قبول نہیں کرتے۔ اگر ہم تسلیم کریں کہ انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے خاموشی اختیار کی اور جیسا کہ مسائل اجماع میں بیان کیا گیا ہے سکوت موافقت کی دلیل نہیں ہے ہم نے موافقت کو تسلیم کر لیا، حالانکہ ارسال وقوع پذیر ہونے کے لحاظ سے حجت ہے، بلاشبہ وہ صحابہ و تابعین سے وقوع پذیر ہوا ہے، اور ہم یہی کہتے ہیں کیونکہ صحابی اور تابعی صحابی سے روایت کرتے ہیں اور صحابہ، گذشتہ تحقیق کے مطابق، عادل ہیں۔

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ اس پر مزید لکھتے ہیں:

قولهم انهم باحثوا ابن عباس رضی اللہ عنہ وابن عمر رضی اللہ عنہ واباهريره رضی اللہ عنہ قلنا: المراجعة في ذلك لاتدل على انكار الارسال، بل غايته طلب زيادة علم لم تكن حاصلة بالارسال، وقول ابن سيرين ليس انكارا للا رسال مطلقا، بل ارسال الحسن وابي العالية لا غير لظنه انهما لم يلتزما في ذلك تعديل المروى عنه، و لهذا قال: فانهما لايباليان عمن اخذا الحديث منه، لاعلى الارسال (۴)

۱۔ بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم، ۱/۳۱: مسلم، کتاب الطلاق، باب الایلاء، ۴/۱۹۳: ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ التحریم، ۵/۴۲۱

۲۔ دیکھئے صفحہ، ۳۶۰ ۳۔ ایضاً، ۲/۱۸۰۔۱۸۱ ۴۔ ایضاً، ۲/۱۸۴

مرسل کو حجت نہ ماننے والوں کا کہنا کہ ابن عباس، ابن عمر اور ابو ہریرہ کی روایات میں تحقیق کی کیا ضرورت تھی؟ ہم کہتے ہیں کہ روایات کی تحقیق ارسال کے انکار پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس کا مقصود اضافہ علم ہے جو ارسال کی صورت میں حاصل نہ تھا۔ اور جہاں تک ابن سیرین کے قول کا تعلق ہے تو اس سے مراد مطلق ارسال کا انکار نہیں بلکہ اس کا تعلق صرف حسن اور ابو العالیہ سے ہے کیونکہ ان کے خیال میں یہ حضرات مروی عنہ کی تعدیل کا التزام نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے تو کہا: یہ حضرات اس کی پروا نہیں کرتے کہ کس سے حدیث اخذ کر رہے ہیں، صرف ارسال پیش نظر نہیں تھا۔

عقلی دلیل۔ ثقہ راوی کا ارسال تعدیل ہے:

مرسل کی حجیت پر دوسری دلیل عقلی ہے۔ عقل کا تقاضا ہے کہ اگر ایک ثقہ راوی پوری ذمہ داری کے ساتھ ایک روایت بیان کرتا ہے تو اسے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہونا چاہئے۔ علامہ آمدی اس دلیل کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

واما المعقول فهو ان العدل الثقة اذا قال :قال رسول الله ﷺ كذا مظهرا لجزم بذلك، فالظاهر من حاله انه لا يمستجيز ذلك الا وهو عالم اوظان ان النبي ﷺ قال ذلك ، فانه لو كان ظانا ان النبي ﷺ لميقله، او كان شاكافيه، لما استجاز في دينه النقل الجازم عنه، لما فيه من الكذب والتدليس على المستمعين، وذلك يستلزم تعديل من روى عنه، والا لماكان عالما ولا ظانا بصدقه في خبره(۱)

اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جب عادل اور ثقہ یقین کے ساتھ کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تو اس کی روایت قابل قبول ہے۔ اس لئے کہ اس کی حیثیت سے واضح ہے کہ وہ علم یقین کے بغیر یہ کہنے کی جرأت نہیں کرے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے فرمایا ہے۔ اگر اسے گمان ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات نہیں کہی یا اسے اس بارے میں کسی قسم کا شک ہو، اس کی دینداری ایسی یقینی روایت کی اجازت کبھی نہ دے کیونکہ ایسا کرنے میں جھوٹ اور تدلیس شامل ہے۔ ایسی صورت میں یہ لازم ہے کہ جس سے اس نے روایت کی ہے اسے عادل سمجھا جائے۔ اگر ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوں تو یہ لازم آئے گا کہ اسے خبر کی صداقت کا علم اور یقین نہیں تھا۔

اس دلیل کی اساس صفت عدالت ہے جو ارسال کرنے والے میں پائی جاتی ہے۔ اگر عادل وثقہ مروی عنہ کی عدالت وثقاہت کی بات کرے تو پھر شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر عادل راوی مروی عنہ کے بارے میں سکوت اختیار کرے تو بھی قابل قبول ہے کیونکہ اس کا روایت کرنا ایک طرح کی تعدیل ہے۔ ہم ایک عادل وثقہ راوی سے توقع نہیں کرتے کہ وہ بغیر تصدیق کے روایت کرے گا۔ ابو الحسین بصری رحمۃ اللہ علیہ مرسل کی حجیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ارسال المرسل مع عدالته يجرى مجرى ذكره من ارسل عنه، وقوله :هو عدل عندى فى الدلالة على انه قد عدله ولو قال :ذلك ، لقبل حديثه ، فكذلك اذا ارسل، وانما قلنا :ان ارساله يجرى مجرى ذكره وتعديله ، لانه مع عدالته لا يستجيز ان يخبر عن النبى ﷺ الا ولاه الا خبار عنه، ولا يكون له الاخبار بذلك لا وهو عالم اوظان ـ لان الخبر بما يجوز كونه ونفيه على سواء قبيح ولا نه ليس له الزام الناس عبادة او اطراح عبادة عنهم من غير ان يعلم ان

۱۔ ایضاً، ۲/۱۸۰

النبی ﷺ اوجب ذلك، اویظنه ، فبان ان عدالته تقتض ما ذکرنا ۔ واما ان الراوی اذا ذکر من روی عنه وقال :هوثقة عندی، لزم قبول خبره وان لم یذکر اسباب ثقته۔ فهو متفق علیه بین اصحاب ابی حنفیة والشافعی ۔ وانما اختلفوافی الجرح، فعند اصحاب ابی حنفیة لایجب ان یذکرالانسان سبب الجرح ۔وقال الشافعی :لا یصیرالمجروح مجروحا الا یزکون الرجل من غیران یزکروا اسباب عدالته ۔ ولان الانسان انما یکون ثقه، زکیا، اذا اجتنب الکبائر ولم یخل بالواجبات(۱)

ارسال کرنے والے عادل شخص کا ارسال گویا اس شخص کا تذکرہ ہے جس سے ارسال کیا جارہا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ وہ میرے نزدیک عادل ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اس کی تعدیل کی ہے اور اس صورت میں اس کی حدیث قبول کی جائے گی اور اس کا ارسال کرنا بھی ایسا ہی ہے۔ ہم نے صرف یہ کہا ہے کہ راوی کا ارسال گویا مرسل عنہ کا تذکرہ اور اس کی تعدیل ہے اس لئے کہ ایک عادل راوی کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ نبی ﷺ سے حدیث حاصل کئے بغیر ان سے روایت کرے اور خبر کا علم اور یقین حاصل کئے بغیر روایت نہیں کرے گا۔ اس لئے بھی کہ ایسی صورت میں روایت کرنا اچھا نہیں ہے خواہ حدیث موجود ہے یا غیر موجود۔ اور اس لئے بھی کہ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا یقینی علم حاصل کئے بغیر لوگوں پر کسی عبادت کو لازم کرے یا ان کو اس سے روک دے۔ اس سے واضح ہوا کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کی عدالت اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اگر راوی مروی عنہ کے بارے میں کہہ دے کہ وہ میرے نزدیک ثقہ ہے اور پھر وہ اس کی ثقاہت کے اسباب کو بیان نہ کرے تب بھی اس کی روایت کو قبول کرنا لازم ہوگا۔ اسی اصول پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا اتفاق ہے۔ ان کا اختلاف صرف اصول جرح پر ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کسی راوی کو مجروح قرار دینے کے لئے اسباب کا تذکرہ ضروری نہیں سمجھتے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مجروح راوی اس وقت تک مجروح نہیں قرار دیا جاسکتا جب تک اسباب جرح نہ بیان کئے جائیں۔ البتہ تزکیہ کا معاملہ ظاہر ہے علماء حدیث کسی راوی کو اسباب عدالت بیان کئے بغیر بھی عادل قرار دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اس وقت تک ثقہ و عادل ہے جب تک وہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے اور واجبات کو پورا کرتا ہے۔

اس دلیل کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ارسال کرنے والا اگر عادل و ثقہ ہے تو اس کا ارسال قابل قبول ہے۔ اس لئے کہ اس کی عدالت و ثقاہت پر اعتماد ہے اگر ارسال کرنے والا صحت کی شرائط پر پورا نہیں اترتا تو پھر اس کی روایت مردود ہے۔ لیکن روایت کا ناقابل قبول ہونا ارسال کی وجہ سے نہیں بلکہ راوی کے غیر ثقہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

بعض علماء نے اس بنیاد پر مرسل کو مسند پر ترجیح دی ہے کیونکہ مرسل میں ماخذ کی ثقاہت کا ذمہ دار ارسال کرنے والا ہے جبکہ مسند میں راوی کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ مرسل کے حجت ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان العادة جاریة بان الامر اذا کان واضحاللناقلجزم بنقله من غیر اسناد،واذا لم یکن واضحانسبه الیالغیر لیحمل الناقل ذلك الغیرالشیء الذی حمله هوای الناقل۔ فالمرسل یدل علی انه واضح للناقل بخلاف المسند (۲)

۱۔ المعتمد، القول فی المراسیل، ۲/ ۶۲۹۔۶۳۰

۲۔ التلویح، ۲/ ۴۲۹

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

الایری انه اذا قال اخبرنی ثقة یقبل کانه یشیرانی ان الشافعی کثیرا مایقول اخبر نی ثقة وحدثنی مالا اتهم الا ان مراده بالثقة ابراهیم بن اسماعیل ویمن لا یتهم یحییٰ بن حسان وذلك مشهور معلوم(۱)

تم دیکھتے نہیں کہ جب وہ کہے اخبرنی ثقہ تو ایسی روایت قبول کی جاتی ہے۔ گویا ان (صدر الشریعہ) کا اشارہ امام شافعی کی طرف ہے جو اکثر کہتے ہیں ''اخبرنی ثقة'' یا ''حدثنی مالا اتهم'' یہ الگ بات کہ ثقہ سے ان کی مراد ابراہیم بن اسماعیل ہیں اور ''من لا اتهم'' سے مراد یحییٰ بن حسان ہیں اور یہ بات مشہور و معروف ہے۔

علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

حجة الجوازان سکوته عنه مع عدالة الساکت وعلمه ان روایته یترتب علیهاشرع عام، فیقتض ذلك انه ماسکت عنه، الا وقد جزم بعدالته فسکوته کا خباره بعدالته وهو لوزکاه عندنا، قبلنا تزکیته وقبلنا روایته، فکذلك سکوته عنه(۲)

مرسل کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ ارسال کرنے والا جب عادل ہوتے ہوئے سکوت اختیار کرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس کی روایت پر شریعت کے عمومی احکام مرتب ہوتے ہیں تو اس کا سکوت اسی امر کا متقاضی ہے کہ جس کے بارے میں وہ خاموش رہا ہے اس کی عدالت یقینی ہے۔ اس طرح اس کا سکوت گویا مروی عنہ کی عدالت کی خبر دینا ہے۔ اگر وہ اس کی ثقاہت کی خبر دیتا تو ہم اس کی اس رائے کو قبول کرتے اسی طرح اس کا سکوت بھی قبولیت ثقاہت کے سلسلے میں قبول کیا جائے گا۔

اس استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ ثقہ و عادل کا بیان اگر قابل قبول ہے تو اس کا سکوت بھی قابل قبول ہونا چاہئے کیونکہ اصل ذمہ داری تو راوی کی ہے اگر اس کی شخصیت ثقاہت و عدالت کی وجہ سے مقبول ہے تو اس کا بیان اور سکوت دونوں قابل قبول ہونے چاہئیں امام شافعی کے معمول ''اخبرنی ثقة'' سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ ثقہ راوی اسباب عدالت کا تذکرہ کئے بغیر راوی کی تعدیل کر سکتا ہے۔ اگر ثقہ راوی کی ایسی تعدیل قابل قبول ہے تو پھر اس کا ارسال بھی قابل قبول ہونا چاہئے۔ البتہ مرسل کے بارے میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ قابل قبول عمل ہونے کے لحاظ سے وہی مرسل اعلیٰ درجے پر فائز ہوگی جس میں صرف صحابی کا واسطہ رہ گیا ہو۔ اگر درمیان میں کئی راوی چھوٹ گئے ہوں تو اس روایت کی حیثیت کمزور ہوگی لیکن مردود نہیں ہوگی بشرطیکہ ارسال کرنے والا عادلانہ حیثیت کا حامل ہے۔

مراسیل صحابہ حجت ہیں:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عبدالجبار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مراسیل صحابہ مطلقاً قبول ہیں جب کہ غیر صحابی کی مراسیل مردود ہیں(۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وهوالذی علیه عمل ائمة الحدیث واحتجوابان العلماء قداجمعواعلی طلب عدالة المخبر(۴)

۱۔ ایضاً ۲۔ شرح التنقیح ۱۶۴ (المطبعۃ الخیریۃ القاہرہ، ۱۳۰۶ھ)

۳۔ النکت، ۲/۵۴۸ ۴۔ ایضاً، ۲/۵۴۸۔۵۴۹

یہی وہ مسلک ہے جس پر آئمہ حدیث کا عمل ہے۔ اور انہوں نے استدلال کیا ہے کہ خبر دینے والے کی عدالت کے بارے میں معلوم کرنے پر علماء کا اجماع ہے۔

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کو قابل حجت ماننے والوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

وقال اخرون مراسيل الصحابة كلهم مقبولة لكون جهيعهم عدولا مرضيين وان الظاهر فيما ارسله الصحابى ولم يبين السماع فيه انه سمعه من رسول الله ﷺ اومن صحابى سمعه عن النبى ﷺ واما من روى منهم عن غير الصحابة فقد بين فى روايته ممن سمعه وهو ايضا قليل نادر فلا اعتبار وهذا هو الا شبه بالصواب عندنا(۱)

دوسری جماعت کا مسلک یہ ہے کہ صحابہ کی مراسیل قابل قبول ہیں اس لئے کہ تمام صحابہ عادل اور اللہ کے پسندیدہ ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحابی جب ارسال کرتا ہے اور یہ واضح نہیں کرتا کہ اس نے یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے یا صحابی سے، جس نے نبی ﷺ سے روایت سنی ہے۔ جہاں تک ایسے صحابہ کا تعلق ہے جنہوں نے غیر صحابہ سے روایت کی ہے تو انہوں نے اس کی وضاحت کی ہے ان کی تعداد قلیل ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات زیادہ قرین صحت ہے کہ صحابی کی مرسل حجت ہے۔

خطیب نے اس رائے کی تائید میں دو روایتیں پیش کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرتے تھے:

عن ابى اسحاق قال سمعت البراء بن عاز ب يقول :ليس كلنا سمع حديث رسول الله ﷺ كانت لنا صنيعة واشفال وكان الناس لم يكونوا يكذبون يومئذ فيحدث الشاهد الغائب(۲)

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ انہوں نے براء بن عازب کو کہتے سنا کہ ہم سب نے رسول اللہ ﷺ سے حدیث کا سماع نہیں کیا ہم تو اپنے زرعی اور دیگر معاملات میں مصروف ہوتے۔ ہاں لوگ اس دور میں جھوٹ نہیں بولتے تھے اس لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر شخص غیر موجود کے سامنے سنی ہوئی احادیث بیان کر دیتا۔

عن الحسن عن انس بن مالك انه قال :ليس كل مانحدثكم عن رسول الله ﷺسمعنامنه، ولكن حدثنا اصحابنا ونحن قوم لا يكذب بعضهم(۳)

حسن رحمۃ اللہ علیہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم جو کچھ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں وہ سب کچھ انہی سے نہیں سنا ہوتا بلکہ ہمارے ساتھی بھی ہم سے بیان کرتے۔ البتہ ہم لوگ ایک دوسرے کو جھوٹا نہیں سمجھتے تھے (اس لئے اعتماد ہوتا تھا)۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ بھی اس روایت کو قبول کرتے تھے جو ان کے ساتھی ان سے بیان کرتے تھے حالانکہ انہیں شرف صحبت حاصل تھا اور وہ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے سماع بھی کرتے تھے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

امامرسل الصحابى وهو روايته مالم يدركه اويحضره كقول عائشة:اول مابدى به رسول الله ﷺ من الوحى الرؤياالصالحة فمذهب الشافعى والجماهيرانه يحتج به(۴)

جہاں تک صحابی کی مرسل روایت کا تعلق ہے تو یہ سب کے نزدیک حجت ہے اور یہ اس کی روایت کی وہ صورت ہے کہ اس نے خود حضور ﷺ سے

۱۔ الکفایہ، ۳۸۵ ۲۔ ایضاً، ۳۸۶ ۳۔ ایضاً ۴۔ مقدمہ شرح مسلم، ۱/۵۴

اخذ نہ کی ہو مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ''اول مابدی......'' اس نوعیت کی روایت ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور علماء کے مطابق یہ روایت قابل حجت و قابل عمل ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریب میں مرسل کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا:

ھذا کلہ فی غیر مرسل لصحابی ، امام مرسلہ فمحکوم بصحتہ علی المذھب الصحیح (۱)

مرسل کے بارے میں جو اختلاف ہے اس سے مراد وہ مرسل ہے جو صحابی کی نہ ہو۔ جہاں تک صحابی کی مرسل روایت کا تعلق ہے تو صحیح مذہب کے مطابق اس کی حیثیت صحیح کی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کا خبارہ عن شیء فعلہ رسول اللہ ﷺ اور نحوہ مما یعلم انہ لم یحضر لصغرسنہ اوتاخر اسلامہ ......الذی قطع بہ الجمھور من اصحابنا وغیر ھم (۲)

جیسے صحابی کی وہ روایت جس میں اس نے حضور ﷺ کے کسی فعل وغیرہ کو نقل کیا ہو اور یہ معلوم ہو کہ کم سنی یا حلقہ اسلام میں دیر سے آنے کی بناء پر اس نے براہ راست حضور ﷺ سے وہ روایت نہ سنی ہو تو صحیح قول کے مطابق وہ حجت ہے۔ یہی وہ رائے ہے جسے ہمارے اصحاب وغیرہم نے اختیار کیا ہے۔

حافظ عراقی الفیہ میں کہتے ہیں:

اما الذی ارسلہ الصحابی ، فحکمہ الوصل علی الصواب (۳)

یعنی وہ روایت جس میں صحابی نے ارسال کیا ہو اس کا حکم موصول روایت کا ہے یہی بات صحیح ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما الخبر (الذی ارسلہ الصحابی) الصغیر عن النبی ﷺ کا بن عباس وابن الزبیر ونحوھما ممن لم یحفظ عن النبی ﷺ الا لیمیر، وکزا الصحابی الکبیر فیما ثبت عنہ انہ لم یسمعہ الا بواسطۃ (فحکمہ الوصل) المقتض للا حتجاج بہ، لان غالب روایۃ الصغار منھم عن الصحابۃ وروایتھم عن غیرھم (۴) کماقال النووی فی شرح المھذب زیادۃ فاذا رووھا بینوھاوحیث اطلقوافالظاھر انھم عنوا الصحابۃ (۵)

مرسل وہ خبر ہے جس کا ارسال صحابی کرے یعنی صحابی صغیر نبی ﷺ سے روایت کرے جیسے ابن عباس، ابن الزبیر وغیرہ جن کے پاس نبی ﷺ سے بہت کم محفوظ تھا۔ اسی طرح صحابی کبیر جس کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ اس نے حضور ﷺ سے بلا واسطہ کچھ نہیں سنا تو اس کی حیثیت متصل کی ہوگی جو قابل حجت ہے اس لئے کہ صغار صحابہ کی روایت کی اکثریت صحابہ سے ہے۔ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جو غیر صحابہ سے مروی ہیں تو ان کی حیثیت جیسا کہ امام نووی نے شرح المھذب میں کہا ہے، زائد بیان کی ہے۔ جب وہ صحابہ سے روایت کرتے ہیں تو وضاحت کر دیتے ہیں کہ

۱۔ التقریب، ۷ ۲۔ تدریب الراوی، ۱/۱۷۱ ۳۔ فتح المغیث، ۱/۱۵۵

۴۔ ایضاً، ۱/۱۷۸ ۵۔ ایضاً، ۱/۱۷۹

غیر صحابہ سے ہے لیکن مطلق روایت کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ سے روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابن اصلاح مرسل صحابی کو انواع مرسل ہی میں شمار نہیں کرتے بلکہ وہ اسے الموصول المسند کی حیثیت دیتے ہیں۔فرماتے ہیں:

ثم انا لانعدفی انواع المرسل ونحوہ ما یسمیٰ فی اصول الفقہ مرسل الصحابی ، مثل مایرویہ ابن عباس وغیرہ من احداث الصحابة عن رسول اللہ ﷺ ولم یسمعوہ منہ، لان ذلك فی حکم الموصول المسند لان روایتھم عن الصحابة والجھالة بالصحابی غیر قادحة، لان الصحابة کلھم عدول(۱)

اصول فقہ میں جسے مرسل الصحابی کا نام دیا جاتا ہے اسے ہم مرسل کی انواع میں شمار نہیں کرتے جیسے ابن عباس وغیرہ کی طرح کم سن صحابہ حضور اکرم ﷺ سے روایت کریں جبکہ ان کا سماع ثابت نہ ہو۔اس لئے کہ ایسی روایات موصول مسند کے حکم میں ہیں۔ان کی روایات صحابہ سے ہیں اور صحابی کی ناواقفیت مضر نہیں کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن برھان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے امام شافعی کا مسلک نقل کیا ہے:

ان المراسیل لایجوز الا حتجاج بھا الا مراسیل الصحابة ومراسیل سعید بن المسیب وانعقد الا جماع علی العمل بہ(۲)

مراسیل سے استدلال جائز نہیں البتہ مراسیل صحابہ، مراسیل سعید المسیب اور وہ جن پر عمل کے سلسلے میں اجماع واقع ہوا ہے قابل حجت ہیں۔

جمہور محدثین وفقہاء کا یہ مسلک ہے کہ صحابی کی مرسل متفقہ طور پر قابل حجت ہے، اور مدار استدلال یہ ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اس لئے اگر کوئی صحابی رسول اکرم ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کرتا ہے تو اس میں جھوٹ کا احتمال نہیں ہے۔

روایت اور شہادت کا فرق:

مرسل روایت کے نا قابل حجت ہونے پر ایک دلیل یہ دی گئی کہ روایت کی حیثیت شہادت کی ہے اور چونکہ شہادت میں ارسال جائز نہیں اس طرح روایت میں بھی ارسال قابل قبول نہیں۔یہ ایک منطقی دلیل ہے جسے امام غزالی نے مرتب انداز میں بیان کیا ہے(۳) ابوالحسین بصری نے اس مشابہت کو رد کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ روایت وشہادت میں فرق ہے اور پھر ایک امر کا شہادت میں جائز ہونا اس بات کا متقاضی نہیں ہے کہ روایت میں بھی قابل قبول ہو۔وہ لکھتے ہیں:

فان قیل :فیلز مکم ان لا تحکموا بالخبر المرسل، وان (کان) غالب علی ظنکم من اخبر عنہ المخبر ، کما لم تحکموا بشھادة شھود فی الضرع ، وان غلب علی ظنکم عدالة شھود الاصیل ۔ والعلة الجامعة بینھما ان کل واحد من الشھود والمخبرین مسندون الی غیرھم مایلزمون بہ حکما للغیر فلم یلزم الحکم لا بذکر من یمسندون الیہ۔ قیل لمسنا نعلم ان العلة ما ذکرتم ، ولیس یجوز ان یتوصل الی العلم بعلة غیر معلومة، ولا یمتنع ان یکون قداتبر فی الشھادة ضرب من الاحتیاط، فلم یقنع (بمسمع) فیھا الا بذکر شھود الاصل ، کما اعتبر فیھا الحریة والعدد(۴)

۱۔ابن الصلاح،۵۶ ۲۔النکت،۲/۵۴۷

۳۔المصطفیٰ،۱/۱۶۹ ۴۔کتاب المعتمد،۲/۲۳۶

اگر کہا جائے کہ مذکورہ اصول کے تحت تمہیں مرسل روایت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرنا چاہئے، اگر چہ تمہیں خبر دینے والے کی عدالت کے بارے میں ظن غالب حاصل ہو۔ جس طرح اصل گواہوں کی عدالت کے بارے میں ظن غالب کے باوجود تم فرع کے گواہوں کی شہادت پر فیصلہ نہیں کرتے اسی طرح اصل راوی کی عدالت کے بارے میں ظن غالب کے باوجود فرع کے راوی کی روایت سے تمہیں استدلال نہیں کرنا چاہئے اگر چہ محذوف راوی کے بارے میں تمہارا غالب گمان یہ ہو کہ وہ عادل ہے۔ یہاں شھود اور رواۃ میں جو مشترک علت ہے وہ یہ ہے کہ دونوں اپنی بات دوسرے کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے حکم لازم آتا ہے اس لئے اس وقت تک فیصلہ لازم نہیں ہوتا جب تک ان کا ذکر نہ ہو جن کی طرف یہ حضرات اپنی بات منسوب کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ جس علت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ہمیں معلوم نہیں اور جب علت معلوم نہ ہو تو معاملے کا ادراک کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اور اس میں کوئی مانع نہیں کہ شہادت میں خاص قسم کی احتیاط کا اعتبار ہو جو خبر میں ضروری نہ ہو۔ اس لئے کہ شہادت میں اصل گواہوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی پیش نظر رہے کہ شہادت میں حریت اور تعداد کا اعتبار کیا جاتا ہے جبکہ خبر میں ایسا ضروری نہیں۔

علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس دلیل کا جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واما ارسال الشهادة فلا يلزم من عدم قبولها عدم قبول الارسال في الرواية، لان الشهادة قد اعتبر فيها من الا حتياط مالم يعتبر في الرواية(۱)

شہادت میں ارسال قبول نہ کرنے کی وجہ سے روایت میں ارسال کا قابل قبول نہ ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے شہادت میں جس احتیاط کا اعتبار کیا جاتا ہے، روایت میں اس قسم کی احتیاط مدنظر نہیں رکھی جاتی۔

ابوالحسین بصری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت اور شہادت کے فرق پر مفصل بحث کی ہے جو محقق کے لئے مزید تشفی کا باعث ہوسکتی ہے۔ (۲) خطیب رحمۃ اللہ علیہ (۳) نے بھی خبر اور شہادت کے فرق پر گفتگو کی ہے۔ استدلال کے اسلوب اور الفاظ کے استعمال میں گہری مماثلت ہے۔ دونوں ہمعصر ہیں لیکن دونوں کے کلامی رجحانات میں بڑا فرق ہے۔

تواتر کا اعتراض:

جن لوگوں کے ہاں مرسل روایت حجت نہیں انہوں نے تواتر کی اصطلاح سے بھی استدلال کیا ہے۔ اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مروی عنہم کا ذکر کئے بغیر یہ کہے کہ مجھے یہ روایت بے شمار رواۃ سے ملی ہے تو اسے متواتر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح ہم راوی کی اس بات پر فیصلہ نہیں کرسکتے اسی طرح اس کے ارسال کو بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ استدلال اور اس کا روان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ان الخبر خبران :تواتر و آحاد، ولو قال الراوی :"اخبرنی من لا احصیهم عدتا " لا یقبل قوله فی التواتر ، فکذلك فی الآحاد (۴) خبر کی دو قسمیں ہیں: ایک متواتر اور دوسری خبر واحد، اگر ایک راوی کہے کہ میں نے یہ روایت بیشمار راویوں سے اخذ کی ہے تو اس کا یہ قول تواتر میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ جب اس کا قول تواتر میں قابل قبول نہیں تو خبر واحد میں بھی قابل قبول نہیں۔

۱۔ الاحکام، ۲/۱۸۵ ۲۔ کتاب المعتمد، ۲/۶۳۵ ۳۔ الکفایہ، ۳۸۹ ۴۔ الاحکام، ۲/۱۸۳

اس کے جواب میں علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فانما لم یصر الخبر بقول الواحد متواترا لان المتواتر یشترط فیه استواء طرفیه ووسطه، والواحد لیس کذلك، فلا یحصل بخبره التواتر (۱)

ایک راوی کے قول سے خبر واحد متواتر نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ متواتر کے لئے شروع سے لے کر آخر تک ہر طبقہ میں رواۃ کی کثرت لازمی ہے۔ ایک راوی کے کہنے سے ایسا نہیں ہوسکتا اس لئے اس کے کہنے سے تواتر حاصل نہیں ہوتا۔

اس استدلال میں مغالطہ ہے کیونکہ ایک آدمی کے بیشمار رواۃ کے حوالے سے روایت کی بات کرنا غیر اہم ہے کیونکہ متواتر میں شروع سے لے کر آخر تک ہر طبقہ میں رواۃ کی کثرت لازمی ہے۔ ایک راوی کے اعتماد اور عدم اعتماد کی بات ہی نہیں لہٰذا اس پر ارسال کو قیاس کرنا نادرست اور نا قابل قبول ہے۔

ان دلائل کی بنیاد پر مراسیل صحابہ کو قابل حجت قرار دیا گیا ہے۔

مرسل کی مشروط حجیت:

آغاز میں بیان ہو چکا ہے کہ مرسل نا قابل حجت ہے، قابل حجت ہے اور بشرائط قابل حجت ہے۔ پہلے دو کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے ذیل میں اس رائے کی تفصیلات ذکر کی جائیں گی جن کا تعلق مشروط حجیت کے ساتھ ہے۔

آئمہ حدیث وفقہ کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل ہے کہ مرسل کو چند شرائط کے ساتھ قبول کیا جانا چاہئے۔ امام ابوداؤد لکھتے ہیں:

المراسیل: فقد کان یحتج بها العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری ومالك بن انس والاوزاعی حقی جاء الشافعی فتکم فیها، وتابعه علی ذلك احمد بن حنبل وغیره وهذا احدی الروایتین عن احمد فاذا لم "یکن مسند غیر مراسیل، ولم یوجد المسند، فالمرسل یحتج به، ولیس هو مثل المتصل فی القوة (۲)

جہاں تک مرسل روایات کا تعلق ہے تو متقدمین علماء ان سے استدلال کرتے تھے جیسے سفیان الثوری، امام مالک اور امام اوزاعی، لیکن امام شافعی آئے تو انہوں نے مراسیل کی حجت پر بحث کی اور امام احمد وغیرہ نے ان کی پیروی کی۔ اور یہ رائے امام احمد سے مروی دو روایتوں میں سے ایک ہے۔ جب کسی باب میں مسند روایت نہ ملے اور مرسل موجود ہو تو ایسی صورت میں مرسل قابل استدلال ہے لیکن قوت کے لحاظ سے مرسل مسند سے کم درجہ کی حامل ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے کے علماء مرسل کو حجت کہتے تھے۔ امام شافعی نے اس مسئلے پر بحث کی اور اس کی قبولیت کو مشروط کیا۔ مراسیل صحابہ کی بات کی، کبار تابعین اور صغار تابعین کا فرق واضح کیا اور ابن المسیب کی مراسیل کو قبول کرتے ہوئے مراسیل کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ مغلطای کے حوالے سے ابن جریر الطبری کا قول نقل کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی سے پہلے کے علماء کا اس بات پر اجماع تھا کہ مرسل قابل حجت ہے:

۱۔ ایضاً، ۲/۱۸۶ ۲۔ المراسیل لابی داؤد، ۲۵

ان التابعین اجمعوا باسرھم علی قبول المرسل ولم یات عنھم انکارہ ولا عن احد من الائمة بعدھم الی راس المائتین (۱)قال ابن عبدالبر :یشیر ابوجعفر بذلك الی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ(۲)

مرسل کے قابل عمل ہونے پر تابعین کا اجماع تھا۔اس سلسلے میں ان کا انکار ثابت نہیں ہے۔اسی طرح پہلی دوصدیوں کے آئمہ کرام کا بھی اس کے قابل استدلال ہونے پر اتفاق تھا۔ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابوجعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے۔

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ پہلے شخص نہیں جنہوں نے مرسل کے قابل حجت ہونے میں تحفظات کا اظہار کیا ہے ان سے پہلے ایسے علماء کا ذکر ملتا ہے جو احتیاط کا رویہ اپنائے ہوئے تھے۔وہ لکھتے ہیں:

ثم ان ما اشعر به کلام ابی داود فی کون الشافعی اول من ترك الاحتجاج به لیس علی ظاھرہ، بل ھو قول ابن مھدی ویحییٰ القطان وغیر واحد ممن قبل الشافعی ، ویمکن ان اختصاص الشافعی لمزید التحقیق فیه(۳)

امام ابوداؤد کی گفتگو سے محسوس ہوتا ہے کہ امام شافعی نے سب سے پہلے مرسل کو نا قابل حجت قرار دیا۔اس بات کو ظاہر پر محمول نہیں کرنا چاہئے اس لئے کہ آپ سے پہلے ابن مہدی اور یحییٰ القطان وغیرہ بھی مرسل کو نا قابل حجت مانتے تھے۔ممکن ہے امام شافعی کا خصوصی ذکر اس لئے کیا ہو کہ انہوں نے اس بارے میں مزید تحقیق کی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کے بارے میں جو تحقیقی رویہ اختیار کیا اس کا اندازہ ان بیانات سے ہوسکتا ہے جو ان کی طرف منسوب ہیں، وہ الرسالہ میں لکھتے ہیں:

ان کان المرسل من مراسیل الصحابة اومرسل قد اسندہ غیر مرسله او ارسله راو آخر یروی عن غیر شیوخ الاول اوعضدہ قول صحابی او قول اکثر اھل العلم، او ان یکون المرسل قد عرف من حاله انه لایرسل عمن فیه علة من جھالة اوغیرھا کمراسیل ابن المسیب فھو مقبول والا فلا (۴)

اگر مرسل روایت مراسیل صحابہ میں سے ہو،اسے کسی دوسرے راوی نے مسندا بیان کیا ہو،کسی دوسرے راوی نے اس کا ارسال دیگر شیوخ سے کیا ہو، اسے کسی صحابی یا دیگر اہل علم کے قول سے تقویت حاصل ہوئی ہو، یا ارسال کرنے والے کے حالات سے واضح ہو کہ وہ کسی ایسے شخص سے ارسال نہیں کرتا جس میں جہالت وغیرہ کی علت پائی جاتی ہے، جیسے ابن المسیب کی مراسیل،تو وہ قابل قبول ہوگی ورنہ نہیں۔

ابن ابی حاتم اپنے والد سے بواسطہ یونس بن عبدالاعلی (۵) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں جس سے ان کے نقطہ نظر کا پتہ چلتا ہے:

الاصل قرآن اوسنة، فان لم یکن فقیاس علیھما، واذا اتصل الحدیث عن رسول الله ، وصح الاسناد به فھو سنة، ولیمن المنقطع بشئی ما عدا منقطع سعید بن المسیب (۶)

۱۔النکت ،۲/ ۵۶۷

۲۔التمہید ،۱/۴:ابن عبدالبر نے امام ابن جریر کا قول نقل کیا ہے اور اس کے بعد تبصرہ کیا ہے۔ابن عبدالبر کے الفاظ ہیں: ان الشافعی اول من ابی من قبول المرسل)

۳۔فتح المغیث ،۱/ ۱۶۶

۴۔الرسالہ،۴۶۱۔۴۶۴ میں تفصیلی بحث ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۵۔دیکھئے صفحہ ۲۳۸

۶۔کتاب المراسیل،۶

دین کی بنیاد قرآن یا سنت ہے اگر ان دونوں میں سے دلیل نہ ملے تو پھر ان پر مبنی قیاس ہے جب رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث ثابت ہو جائے اور جس کی سند بھی متصل ہو تو وہ سنت ہے۔ اور سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی منقطع کے علاوہ کسی منقطع کی کوئی حیثیت نہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے:

المنقطع مختلف، فمن شاهد اصحاب رسول الله ﷺ من التابعين فحدث حديثامنقطعا عن النبى ﷺ اعتبر عليه با مور۔ (۱)

منقطع مختلف ہے۔ تابعین میں سے جس نے کسی صحابی کو دیکھا اور پھر رسول اللہ ﷺ سے مرسل حدیث بیان کی تو اس کا اعتبار کئی امور سے متعلق ہوگا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

نقبل مراسيل كبار التابعين اذا انضم اليهاما يؤ كدها فان لم ينضم لم نقبلها سواء كان مرسل ابن المسيب اوغيرہ (۲)

ہم کبار تابعین کی مراسیل اس وقت قبول کرتے ہیں جب ان کی تائید کے لئے روایات موجود ہوں اگر تائیدی روایات نہ ہوں، تو ہم قبول نہیں کرتے۔ اس معاملے میں ابن المسیب اور دوسروں کی مراسیل کی حیثیت ایک جیسی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کو قبول کرنے کے لئے جو شرائط عائد کی ہیں انہیں علامہ تفتازانی اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

ومرسل القرن الثانى لا يقبل عند الشافعى الاباحد الامور الخمسة: ان يمسند غيره اويرسله آخر، وعلم ان شيوخها مختلفه او ان يعضده قول صحابى او ان يعضده قول اكثر اهل العلم. وان يعلم من حاله انه لايرسل الا بروايته عن عدل (۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرن ثانی کی مرسل روایات قابل قبول نہیں۔ لیکن اگر اس میں ان پانچ شرائط میں سے کوئی شرط پائی جائے تو پھر قابل قبول ہے۔

☆ اسے کسی اور راوی نے مسندا بیان کیا ہو۔
☆ کسی دوسرے راوی نے اسے بطور مرسل روایت کیا ہو لیکن اس کے شیوخ مختلف ہوں۔
☆ اس کی تائید قول صحابی سے ہو۔
☆ اہل علم کی اکثریت نے اس کی تائید کی ہو۔
☆ راوی کے حالات سے واضح ہو کہ وہ صرف ثقہ اور عادل راویوں سے ارسال کرتا ہے۔

عبدالعزیز بخاری بھی امام شافعی کی بات کو اپنے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

قال الشافعى :لايقبل الا اذا اقترن به مايتقوى به فحينئذ يقبل۔ وذلك بان يتايد بآية اوسنة مشهورة او موافقة او غيرها

۱۔ ایضاً: الرسالہ، ۴۶۱: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ امور بیان کئے ہیں جن پر اس اعتبار کا دارومدار ہے

۲۔ قواعد التحدیث، ۴۰ ۳۔ التلویح، ۲/ ۴۲۸

قیاس او قول صحابی اوتلقته الا مة بالقبول اوعرف من حال المرسل انه لایروی عمن فیه علة من جهالة اوغیرها او اشترك فی ارساله عدلان ثقبتان بشرط ان یکون شیوخهما مختلفة اوثبت اتصاله بوجه آخر ، بان اسنده غیر مرسله او اسنده مرسله مرة اخری(۱)

امام شافعی کہتے ہیں کہ مرسل روایت قابل قبول نہیں الا یہ کہ کوئی ایسا قرینہ ہو جس سے اس کی تقویت ہو ایسی صورت ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔ تقویت دینے والے اسباب جیسے اس کی تائید قرآنی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی مشہور سنت سے ہو یا یہ ان کے مطابق ہو، اس کی تائید قیاس سے ہو یا صحابی کے قول سے اس کی تائید ہو یا امت نے اسے قبولیت عامہ بخشی ہو۔ یا ارسال کرنے کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ ایسے شخص سے روایت نہیں کرتا جس میں جہالت وغیرہ ایسی کوئی علت موجود ہے یا اس کے ارسال میں دو ثقہ راوی جمع ہوں اور ان دونوں کے شیوخ مختلف ہوں۔ یا دوسری سند کے ذریعے اس کا اتصال ثابت ہو۔ وہ یوں کہ ارسال کرنے والے کے علاوہ کسی اور راوی نے اسے متصل سند سے روایت کیا ہو۔ یا ارسال کرنے والے نے دوسری مرتبہ اسے متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہو۔

مشروط حجیت کی رائے کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور انہوں نے ہی اسے واضح صورت میں پیش کیا ہے۔ عام طور پر امام شافعی کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ مرسل کو ناقابل عمل گردانتے ہیں جیسا کہ خطیب کے اس بیان سے واضح ہے:

وقال محمد بن ادریس الشافعی وغیره من اهل العلم لایجب العمل به وعلی زلك اکثر الائمة من حفاظ الحدیث ونقاد الاثر (۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اہل علم نے کہا ہے کہ مرسل واجب العمل نہیں۔ حفاظ حدیث اور نقاد روایت میں سے اکثر آئمہ کی یہی رائے ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قابل رد ہے۔ (۳)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

المرسل لایحتج به عندنا وعند جمهور المحدثین وجماعة من الفقهاء و جماهیر اصحاب الاصول والنظر (۴)

ہمارے نزدیک مرسل قابل حجت نہیں۔ اسی طرح جمہور محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت اور جمہور اصحاب اصول کے نزدیک بھی حجت نہیں۔

لیکن علوم الحدیث کے اکثر مؤلفین نے لکھا ہے کہ وہ مرسل کو بشرائط قابل عمل مانتے ہیں۔ ان کی اپنی رائے اور اس کی وضاحت کا ذکر ہو چکا ہے، علوم الحدیث کے مؤلفین میں سے بعض کی رائے سے بات مزید واضح ہو جائے گی۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں:

ثم اعلم ان حکم المرسل حکم الحدیث الضعیف ، الا ان یصح مخرجه بمجیئه من وجه آخر، کما سبق بیانه فی نوع الحسن ، ولهذا احتج الشافعی عنه بمراسلات سعید بن المسیب فانها وجدت مسانید من وجوه آخر ، ولا یختص ذلك کا عنده بارسال ابن المسیب کما سبق (۵)

پھر جاننا چاہیے کہ مرسل روایت کا حکم وہی ہے جو ضعیف کا ہے ہاں اگر اس کی تخریج دوسری سند سے ثابت ہو جائے جیسا کہ حسن کی اقسام میں بیان

۱۔ کشف الاسرار، ۸۲۲/۳ ۲۔ الکفایہ، ۳۸۴ ۳۔ المستصفی، ۲۶۹/۱
۴۔ شرح المھذب، ۱۰۳/۱؛ فتح المغیث، ۱۶۵/۱۔۱۶۶ ۵۔ ابن الصلاح، ۵۳، ۵۴

ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعی نے سعید بن المسیب کی مراسیل کو قابل حجت قرار دیا ہے کیونکہ سعید کی مراسیل دوسری مسندوں کے لحاظ سے مسند روایات بنتی ہیں امام شافعی کے نزدیک سعید کی مراسیل سعید کی روایات ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں بلکہ ان کی قبولیت مسند روایات سے تائید کی وجہ سے ہے:

حافظ سخاوی نے شرح الوسیط کے حوالے سے امام نووی کا قول نقل کیا ہے جس میں امام شافعی کی اس رائے کو نقل کیا ہے جسے ہم مشروط حجیت کہتے ہیں:

واماالحدیث المرسل فلیس بحجة عندنا الا ان الشافعی کان یری الاحتجاج بمرسل الکبار من التابعین بشرط ان یعتضد باحد امور اربعة و ذکرها (۱)

جہاں تک مرسل حدیث کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے الا یہ کہ امام شافعی کبار تابعین کی مرسل کو قابل حجت سمجھتے تھے بشرطیکہ بیان کردہ چار شرائط میں سے کوئی ایک اس کی تائید کرتی ہو۔

امام شافعی نے الرسالہ میں ان شرائط پر مفصل بحث کی ہے (۲) ان شرائط کا اجمالی ذکر گذر چکا ہے۔ انہوں نے کبار تابعین کی شرط بھی لگائی ہے اور وہ اس سے نیچے کی مراسیل کے بارے میں تحفظات کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

ومن نظر فی العلم بخبرة وقلة غفلة استوحش من مرسل کل من دون کبار التابعین بدلائل ظاهرة فیها۔ قال :فلم فرقت بین التابعین المتقدمین الذین شاهدوا اصحاب رسول الله ﷺ وبین من شاهد بعضهم دون بعض ؟ فقلت :لبعد احالةمن لم یشاهد اکثرهم قال :فلم لاتقبل المرسل منهم ومن کل فقیه دونهم ؟ قلت :لما وصفت (۳)

جو شخص علمی بصیرت اور قلت غفلت کے ساتھ غور کرے گا وہ کبار تابعین کے بعد والے رواۃ کی مرسل کو قبول کرتے ہوئے وحشت محسوس کرے گا کہ اس کے دلائل واضح ہیں۔ سوال کرنے والے نے کہا: آپ نے کبار تابعین جنہیں صحابہ کی صحبت حاصل رہی اور صغار تابعین جنہوں نے بعض صحابہ کو دیکھا کہ حیثیت میں کیوں امتیاز برتا؟ میں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اکثر صحابہ کو نہیں دیکھا لہٰذا ان سے روایت کا امکان بعید ہے اس نے کہا: آپ ان جیسے حضرات اور دیگر فقہاء جو ان سے کم درجہ کے ہوں، ان کی روایات کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ میں اس کی وجہ بیان کر چکا ہوں۔

امام شافعی نے کڑی شرائط کی وجہ سے ثقہ کے ارسال کو بھی قبول نہیں کیا جیسا کہ الرسالہ میں منقول ہے:

قال :وهل تجد حدیثاتبلغ به رسول الله ﷺ مرسلا عن ثقة لم یقل احد من اهل الفقه به ؟ قلت :نعم، اخبرنا سفیان عن محمد بن المنکر:ان رجلا جاء الی النبی ﷺ فقال:یا رسول الله ﷺ ان لی مالا وعیال ، وان لا بی مالا وعیالا ، وانه یرید ان یا خذمالی فیطعمه عیاله فقال رسول الله ﷺ :انت ومالك لابیك (۴)فقال :اما نحن فلا ناخذبهذا ولکن من اصحابك من یا خذبه ؟فقلت :لا لان من اخذ بهذا جعل للاب الموسران یاخذ مال ابنه (۵)

اس نے کہا: کیا آپ کو کسی ثقہ راوی کی کوئی مرسل حدیث، معلوم ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہو اور اہل فقہ میں سے کسی نے اسے

۱۔ فتح المغیث، ۱/۱۶۹ ۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، الرسالہ، ۴۶۱۔۴۷۱ ۳۔ الرسالہ، ۴۶۷

۴۔ ابن ماجہ، کتاب التجارات، ۲/۷۶۹، کتاب البیوع، ۳/۸۰۱ ۵۔ الرسالہ، ۴۶۵۔۴۶۶

قبول نہ کیا ہو؟ میں نے کہا ہاں! ہمیں سفیان نے محمد بن المنکدر کے واسطے سے بتایا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے پاس مال وعیال ہیں اور میرے والد کے پاس بھی لیکن وہ چاہتے ہیں کہ میرا مال بھی حاصل کریں اور اپنے عیال کی پرورش کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اور تمہارا مال دونوں تمہارے والد کی چیزیں ہیں: اس نے کہا کہ ہم اس حدیث کو اختیار نہیں کرتے لیکن آپ کے اصحاب اس پر عامل ہیں؟ میں نے کہا: نہیں اس لئے کہ جس نے اسے بنیاد بنایا اس نے مالدار باپ کو اجازت دی کہ وہ بیٹے کا مال لے سکتا ہے۔

امام شافعی کی پوری بحث کا خلاصہ مشروط حجیت ہے انہوں نے جو شرائط بیان کی ہیں اگر وہ پوری ہوں تو مرسل قابل حجت ہے ورنہ نہیں۔ (۱)

حدیث مذکورہ کی سند پر اعتراضات اور رفع کی صورتیں:

اس حدیث مبارکہ کے تین طرق ہیں:

۱۔ابوروق عن ابراھیم ایتمی عن عائشة رضی اللہ عنہا:

۲۔عن ابی روق الھمدانی عن ابراھیم بن یزید عن حفصة رضی اللہ عنہا:

۳۔عن حبیب بن ابی ثابت عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا:

۱۔سند نمبر ۱ اور ۲ پر اعتراض: اس سند پر اعتراض یہ ہے کہ ابراھیم تیمی کا سماع حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صراحت کی ہے؟

حدیث مذکور کی سند متصل: امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کی ایک اور سند ذکر کی ہے، وہ درج ذیل ہے:

معاویة بن ھشام ، عن الثوری ، عن ابی روق ، عن ابراھیم التیمی ، عن ابیه، عن عائشة۔ (۲)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث مبارکہ اس سند سے متصل ہے، البتہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے، حضرت عثمان بن ابی شیبہ کی روایت کے الفاظ ذیل ہیں:

ان النبی ﷺ کان یقبل وھو صائم

البتہ حضرت عثمان بن ابی شیبہ کے علاوہ تمام راویوں کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ان النبی ﷺ کان یقبل ولا یتوضأ (۳)

نوٹ: سند میں حضرت معاویہ بن ھشام ایسے راوی ہیں، جن سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے۔ (۴)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ سند میں حضرت تیمی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان "عن ابیه" کا اضافہ ہے، اس طرح اس حدیث مبارکہ سے ارسال کا حکم رفع ہو جاتا ہے اور یہ حدیث مبارکہ متصل ہے، اسی طرح حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں بھی اگر ابراھیم التیمی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد "عن ابیه" کا حذف تسلیم کر لیا جائے، تو یہاں پر بھی سند متصل ہو جائے گی، اور اس سند سے بھی ارسال کا حکم اٹھ جائے گا۔

۱۔اصول الحدیث، ج۱، ص۳۶۳-۳۹۴ ۲۔سنن الدارقطنی، ج۱، ص۹۶ ۳۔ایضاً ۴۔شرح سنن ابی داؤد عینی، ج۱، ص۴۳۷

۲۔سند نمبر ۳ پر اعتراض:

اور دیگر دو اعتراض ہیں:

ا۔سند میں مذکور حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نہیں، بلکہ عروہ مذنی ہیں، اور یہ مجہول راوی ہیں، اس لئے سند ضعیف ہے، یہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

۲۔اگر مراد حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہوں، تو ان سے حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا سماع ثابت نہیں ہے۔ یہ قول امام بخاری کا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی یہی لکھا ہے۔

ا۔سند میں مذکور راوی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں: سند میں مذکور راوی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں، نہ کہ عروہ مذنی رحمۃ اللہ علیہ، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

ا۔امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کی درج ذیل سند بیان کی ہے:

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة، وعلی بن محمد، قالا: ثنا وکیع، ثنا الاعمش، عن حبیب بن ابی ثابت، عن عروة بن الزبیر، عن عائشة: (ا)

۲۔امام عبدالرزاق بن ھمام نے اسی مفہوم کی حدیث مبارکہ درج ذیل سند سے بیان کی ہے:

عبدالرزاق، عن ابراھیم بن محمد، عن معبد بن بنانه، عن محمد بن عمرو، عن عروة بن الزبیر، عن عائشة (۲)

۳۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ درج ذیل سند سے روایت کی ہے۔

حدثنا عبدالله، حدثنی ابی، حدثنا وکیع، حدثنا الاعمش، عن حبیب بن ابی ثابت، عن عروة بن الزبیر، عن عائشة: (۳)

۴۔امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو تین درج ذیل سندوں سے ذکر کیا ہے:

حدثنا ابوبکر النیشابودی، ناحاجب بن سلیمان، ناوکیع، عن ھشام بن عروة، عن ابیه، عن عائشة۔ (۴)

۵۔حدثنا الحسین بن اسماعیل، ناعلی بن عبدالعزیز الوراق، ناعاصم بن علی، ناابو اویس، حدثنی ھشام بن عروة، عن ابیه، عن عائشة۔ (۵)

۶۔حدثنا ابوبکر النیشابودی، ثنا العباس بن الولید بن مزید، اخبرنی محمد بن شعیب، ناشیبان بن عبدالرحمن، عن الحسن بن دینار، عن ھشام بن عروة، عن ابیه، عروة ابن الزبیر۔ عن عائشة۔

نقد و تعدیل: ان تمام سندوں میں یہ صراحت موجود ہے، کہ اس روایت کے راوی حضرت عروہ بن زبیر ہیں، اور اس سند میں عروہ مزنی مراد نہیں ہیں۔

۷۔اس روایت کی اکثر سندوں میں مطلقاً عن عروہ ہے۔ جب کہ امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ، امام عبدالرزاق بن ھمام رحمۃ اللہ علیہ، امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد

ا۔ابن ماجہ:۵۰۲ ۲۔المصنف:۵۱۰ ۳۔احمد:۲۵۸۲۰
۴۔السنن:۴۸۲ ۵۔سنن:۴۸۳

بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عن عروہ بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت کی ہے، حتیٰ کہ امام ابوداؤد نے بھی اس حدیث کی ایک سند (۱) میں مطلقاً عن عروہ ہی روایت کیا ہے۔ اور دوسری سند (۲) میں عروۃ المزنی کی صراحت کی۔ محدثین کا عرف اور اسلوب یہ ہے کہ جب وہ مطلقاً عن عروہ کا ذکر کریں، تو اس سے حضرت عروہ بن الزبیر رحمۃ اللہ علیہ ہی مراد ہوتے ہیں۔

۸۔ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

فقلت لها :من هي الاانت ، فضحكت (۳)

میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا: (جس زوجہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ لیا) وہ تو آپ رضی اللہ عنہا خود ہی ہوں گی؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسکرانے لگیں۔

یہ ایسے کلمات ہیں، جو حضرت عروہ بن زبیر ہی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خالہ ہیں، حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے ہاں آنا جانا رہتا تھا۔ کسی اجنبی شخص سے ایسے بے تکلفانہ کلمات کی توقع نہیں کی جا سکتی، وہ بھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، اور حضرت عروہ مدنی ظاہر ہے، اجنبی ہیں۔ ان کلمات کا قرینہ بھی اس پر دال ہے کہ اس سند میں مذکور راوی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی سند کا ضعف: امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے جس سند میں عروہ المزنی راوی کا ذکر کیا ہے، وہ سند دو وجہ سے ضعیف ہے۔

۹۔ اس سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن مغراء دوسی ہیں، ان کو امام یحییٰ بن معین، امام ابوجعفر، علی بن عبداللہ، ابن عدی، علی بن مدینی، امام حاکم ابواحمد نے ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **كان يروى عن الاعمش ستمائة حديث تر كناه۔ (۴)**

یعنی عبدالرحمٰن بن مغرہ نے امام اعمش سے چھ سو احادیث مبارکہ روایت کی ہیں، میں نے ان تمام کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن بن مغراء نے جو احادیث امام اعمش سے روایت کی ہیں، ثقہ راوی ان کی متابعت نہیں کرتے۔ (۵)

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ان کی جو روایات امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں، وہ متکلم فیہ ہیں۔ (۶)

وضاحت:

مذکورہ حدیث مبارکہ حضرت عبدالرحمٰن بن مغراء رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے ہی روایت کی ہے، اس لئے باتفاق آئمہ رجال یہ متروک ہے۔

۱۰۔ حدثنا الاعمش ، قال حدثنا اصحاب لنا :

امام اعمش کے الفاظ حدثنا اصحاب لنا مجہول شخصیات پر دال ہیں، جن کی صراحت یہاں پر نہ ہے، جو ضعف کی علامت ہے۔

خلاصہ کلام: مذکورہ بالا دس وجوہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس روایت کی سند میں عن عروہ سے مراد حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲۔ حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کی بحث:

باب مذکور کی حدیث مبارکہ کی سند پر امام یحییٰ بن سعید قطان، امام سفیان ثوری اور امام بخاری نے ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان

۱۔ رقم: ۱۷۹ ۲۔ رقم: ۱۸۰ ۳۔ ابوداؤد: ۱۷۹

۴۔ تہذیب الکمال، ج ۶ ص ۲۷۶ ۵۔ ایضاً ۶۔ تقریب التہذیب، ج ۱ ص ۴۶۳

کی ہے، کہ حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ (۱)، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (۲)، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (۳) اور دیگر محدثین نے مذکورہ آئمہ کرام کے اعتراضی اقوال کو نقل کیا ہے۔

اب ان آئمہ کرام کے اعتراضات کا تنقیدی جائزہ لیا جاتا ہے۔ پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، پھر امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور آخر میں امام یحییٰ بن سعید قطان کے اعتراضات اور ان کے جوابات ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی اتصال سند کے لئے شرط:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے عدم سماع کا حکم لگایا ہے، اس کی ایک بنیادی وجہ اتصال سند کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کڑی شرائط ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتصال سند کے لئے ثبوت لقاء ضروری ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: (۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتصال سند کے لئے جو کڑی شرائط ہیں، وہ پانچویں وجہ امتیاز ہے، اس لئے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں اتصال سند کے لئے جو شرط بیان کی ہے، اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر تنقید کی ہے، وہ یہ ہے کہ معنعن راوی کی سند اتصال کے حکم کے لئے معنعن اور عنعن عنہ کی معاصرت کا ہونا کافی ہے، اگرچہ دونوں کی ملاقات ثابت نہ ہو، البتہ اگر ایسا راوی مدلس ہے، تو پھر ثبوت لقاء ضروری ہے۔ جب کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر حال میں ملاقات کا ثابت ہونا ضروری ہے، اگرچہ ایک دفعہ ہی ہو۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مذہب کو اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے، اور صحیح بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اسی معیار پر ترتیب دیا ہے، اسی لئے امام بخاری ایسے راوی جو عنعنہ سے روایت کرنے والا ہو، اس کے سماع کی وضاحت کرتے ہیں۔ عنقریب اپنے اپنے مقامات پر ان امور کی وضاحت آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ جل جلالہ۔ یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پر ترجیح کی واضح دلیل ہے کہ حکم اتصال میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط بہ نسبت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے سخت ہے، واللہ تعالیٰ جل جلالہ۔ اعلم بالصواب۔

خلاصہ: چونکہ امام بخاری کے نزدیک سند کے متصل ہونے کے لئے ثبوت لقاء ضروری ہے، اس لئے امام نے حضرت حبیب بن ابی ثابت کا حضرت عروہ بن زبیر سے عدم سماع کا حکم لگایا ہے، اور یہ ان کے اپنے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہے۔

۲۔امام مسلم کی اتصال سند کے لئے شرط:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تصریح سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ امام مسلم کے نزدیک اتصال سند اوائل خلافت عمر میں ہوئی کے لئے معاصرت کا ہونا کافی ہے، اس صورت میں امکان سماع موجود ہے، اور یہ قیمت حدیث کے لئے کافی ہے۔ حضرت عروہ ابن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سال وفات ۹۴ھ (۵) ہے، اور حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا سن وفات ۱۱۹ھ (۶) ہے۔ اس طرح راوی اور مروی عنہ کی معاصرت ایک ہے۔

۳۔مذکورہ سند کا حکم:

اس صورت میں امام مسلم کی شرط کے مطابق حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کی معاصرت ایک ہے، اور اس صورت میں امکان سماع موجود ہے، اس لئے یہ سند متصل اور حدیث صحیح کے حکم میں ہے، واللہ تعالیٰ جل جلالہ۔ اعلم بالصواب۔

۱۔ابو داؤد، ص ۴۶ ۲۔ترمذی، ص ۵۳ ۳۔نسائی، ص ۵۹

۴۔مقدمہ، فتح الباری، ج ۱، ص ۹ ۵۔تاریخ الثقات، ص ۳۳۱ ۶۔تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۹۶

۲۔امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض اوراس کا جواب: امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وروی عن الثوری قال: ماحدثنا حبیب الاعن عروۃ المزنی ۔ یعنی ۔ لم یحد ثھم عن عروۃ بن الزبیر بشیء (۱)

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول مروی ہے: حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ صرف حضرت عروہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی روایت کرتے ہیں۔یعنی حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول چھ وجوہ سے نا قابل ترجیح ہے:

۱۔امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ والی جو سند ذکر کی ہے، اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن مغراء رحمۃ اللہ علیہ متکلم فیہ راوی ہیں، اور یہ سند ضعیف ہے۔

۲۔مذکورہ سند میں حدثنا الاعمش اخبرنا اصحاب لنا، کے الفاظ ہیں، اوراس میں ''اصحاب لنا'' مجہول ہیں، اس سند میں یہ دوسرا ضعف ہے۔

۳۔امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بغیر سند کے ذکر کیا ہے، بغیر سند کے قول کرنا بذات خود ضعف ہے۔

۴۔اس باب کے آخر میں امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:

قال ابوداؤد: وقدروی حمزۃ الزیات عن حبیب، عن عروۃ بن الزبیر، عن عائشۃ حدیثا صحیحا (۲)

ایک دوسری حدیث مبارکہ حمزۃ الزیات، عن حبیب، عن عروۃ بن الزبیر، عن عائشۃ، کے طریق سے صحیح حدیث مروی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے قائل ہیں، اسی لئے تو حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے۔

۵۔سند میں عروہ سے مراد حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں، اس کی مکمل بحث پچھلے صفحات میں گذر چکی ہے، وہاں ایسی دس وجوہ بیان کی گئی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سند میں عروہ سے مراد حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۶۔امام ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ میں ذیل حدیث مبارکہ روایت کی ہے: (۳)

خلاصہ:

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول اول تو ثابت نہیں ہے، اگر ثابت بھی ہو تو مذکورہ بالا وجوہ سے نا قابل ترجیح ہے

اس حدیث مبارکہ پر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ضعف ہونے کا حکم لگایا ہے، اور ضعف کی دو علتیں بیان کی ہیں:

۱۔پہلی علت یہ بیان کی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

۲۔دوسری علت یہ بیان کی ہے کہ یہ روایت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مخالف ہے۔

تبصرہ: اگر امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت نہ ہوتا، تو انہیں تیسری علت عدم سماع بیان کرنی چاہئے تھی لیکن انہوں نے عدم سماع بطور علت بیان نہیں کی۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت

۱۔ابوداؤد، ص ۴۶ ۔ ۲۔ایضاً ۔ ۳۔ابوداؤد: ۲۹۸

حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ثابت ہے۔

۳۔حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض اور اس کا جواب: امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے حدیث اسباب اور مستحاضہ والی عورت کے نماز پڑھنے والی حدیث کے بارے میں حضرت سعید بن قطان رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے، وہ قول درج ذیل ہے:

قال یحییٰ القطان ، حدیث حبیب، عن عروۃ، عن عائشۃ ھذا ، وحدیث حبیب، عن عزوۃ، عن عائشۃ: تصلی وان قطر الدم علی الحصیر لاشیء۔ (نسائی، ص۵۹)

حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: از حبیب از عروہ از عائشہ کی سند سے مروی یہ حدیث مبارکہ اور ایک دوسری روایت: وہ عورت نماز پڑھتی رہے، اگرچہ خون چٹائی پر گرتا رہے، ان دونوں حدیثوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ قول کے احتمالات:

حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا قول کے دو احتمال ہیں:

۱۔حضرت حبیب بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

۲۔سند میں مذکور راوی حضرت عروہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۱۔پہلے احتمال کا جواب: پہلے احتمال کا قرینہ یہ بھی ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی حضرت حبیب رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ اتصال سند کے لئے ثبوت لقاء مفقود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے مطابق معاصرت پائی گئی ہے، اس لئے اتصال سند کے لئے امکان سماع ہے۔ حضرت سعید بن قطان رحمۃ اللہ علیہ شرائط حدیث کے اعتبار سے دوسرے طبقہ سے متشدد اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ چوتھے طبقہ سے معتدل نقاد ہیں۔ طبقات کی تفصیل حافظ ابن حجر عسقلانی بیان کرتے ہیں۔

فانہ ارادبذلک اجماعا خاصا، و ذلک ان کل طبقۃ من نقاد الرجال لاتخلومن متشدد و متسوط۔

فمن الاولیٰ شعبۃ و سفیان الثوری و شعبۃ اشدمنہ۔

و من الثانیۃ یحییٰ القطان و عبدالرحمٰن بن مھدی و یحییٰ اشدمن عبدالرحمٰن۔

و من الثالثۃ یحییٰ بن معین و احمد بن حنبل و یحییٰ اشد من احمد۔

و من الرابعۃ ابوحاتم و البخاری و ابوحاتم اشد من البخاری۔

فقال النسائی: لایترک الرجل عندی حتی یجتمع الجمیع علی ترکہ، فما اذا وثقہ ابن مھدی و ضعفہ یحییٰ القطان مثلاً، فانہ لایترک، لما عرف من تشدیدیحییٰ و من ھو مثلہ

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ترک اجماع سے خاص اجماع مراد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آئمہ نقد و رجال کے ہر طبقہ میں متشدد اور معتدل لوگ ہیں۔ یہ چار طبقات ہیں:

۱۔پہلا طبقہ: اس طبقہ میں حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ متشدد ہیں اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ معتدل ہیں۔

۲۔دوسرا طبقہ: اس طبقہ میں حضرت یحییٰ قطان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت یحییٰ قطان رحمۃ اللہ علیہ متشدد ہیں اور حضرت عبدالرحمٰن بن یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ معتدل ہیں۔

۳۔تیسرا طبقہ: اس طبقہ میں حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ متشدد اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ معتدل ہیں۔

فی النقل۔(۱)

۴۔چوتھا طبقہ: اس طبقہ میں حضرت ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ متشدد اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ معتدل ہیں۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی راوی کو اسی وقت ترک کرتا ہوں، جب اس کے ترک پر تمام کا اجماع ہو۔ جب کسی راوی کی توثیق ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کریں اور حضرت یحییٰ قطان رحمۃ اللہ علیہ اسے ضعیف قرار دیں، تو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اسے ترک نہیں کرتے، کیونکہ حضرت یحییٰ قطان رحمۃ اللہ علیہ متشدد ہیں۔

اسی وجہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ پر مرسل کا حکم لگایا ہے۔
لہٰذا یہ حدیث مبارکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔

۲۔دوسرے احتمال کا جواب: شیخ محمد بن علامہ علی بن آدم اشیوبی لولوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا دو احادیث مبارکہ جو تصنیف کی ہے، اس کی وجہ سے ان دونوں سندوں میں راوی حضرت عروہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہونا ہے، جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے، بلکہ راوی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس لئے یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، شیخ اشیوبی کی عبارت حسب ذیل ہے۔

وانما صنعف القطان هذين الحديثين لان فى سندهما عروه المزنى وهو مجهول وقد عرفت ان الصحيح انه عروة بن الزبير ، وانما قال عروة المزنى هو عبدالرحمن بن مفراء وهو متكلم فيه (۲)

از حضرت حبیب بن ابی ثابت از عروہ از عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں:

اس طریق سند سے حدیث اسباب کے علاوہ بھی تین احادیث مبارکہ مروی ہیں، جن کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے اسی طریق سے روایت کیا ہے، اس طرح اس طریق سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں، یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔حدیث اسباب:

۲۔ابوداؤد: ۲۹۸

۳۔ترمذی: ۹۳۶

۴۔ترمذی: ۳۴۸۰

۱۔فیوض الزاہی فی شرح سنن النسائی، ج۱، ص۶۹۔

۲۔ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۴، ص۳۲

حدیث عائشة رضی اللہ عنہا کے بارہ طرق اور اکتیس اسناد:

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا متعدد طرق اور مختلف اسناد کثیرہ سے مروی ہے، اس کے طرق کی تعداد بارہ اور اسناد کی اکتیس ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔پہلا طریق:

سند نمبر۱۔أخبرنا محمد بن المثنى، عن يحى بن سعيد عن سفيان قال:أخبرني أبو روق عن إبراهيم التيمي، عن عائشة رضى الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم: كان يقبل بعض أزواجه ثم يصلي ولا يتوضأ (۱)

سند نمبر۲۔حدثنا محمد بن بشار حدثنا يحى و عبد الرحمن قالا :حدثنا سفيان عن أبى روق عن إبراهيم التيمى عن عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم:قبلها، ولم تتوضا(۲)

سند نمبر۳۔حدثنا الحسين بن إسماعيل حدثنا أبو هشام الرفاعي حدثنا وكيع و حدثنا الحسين بن إسماعيل حدثنا يعقوب بن إبراهيم الدورقي حدثنا عبد الرحمن بن مهدى و حدثنا الحسين بن إسماعيل عن زيد بن أخرم حدثنا أبو عاصم كلهم عن سفيان الثورى و حدثنا الحسين بن إسماعيل و عمر بن أحمد بن على القطان قالا :حدثنا محمد بن الوليد البسرى حدثنا محمد بن جعفر (غندر)حدثنا سفيان الثورى عن أبى روق عن إبراهيم التيمى عن عائشة رضى الله عنها قالت :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم:يتوضأ، ثم يقبل بعدما توضأ، ثم يصلى و لا يتوضأ هذا حديث غندر، و قال وكيع :أن النبى صلى الله عليه وسلم:قبل بعض نسائه ثم صلى و لم يتوضأ و قال بن مهدى :أن النبى صلى الله عليه وسلم:قبلها ولم يتوضأ، و قال أبو عاصم :كان النبى صلى الله عليه وسلم:يقبل ثم يصلى و لا يتوضأ (۳)

سند نمبر۴۔حدثنا أبو بكر النيشابورى حدثنا أبو بكر الجرجانى حدثنا عبد الرزاق عن الثورى عن أبى روق عن إبراهيم التيمى عن عائشة (رضى الله عنها) أن النبى صلى الله عليه وسلم : كان يقبل بعد الوضوء ثم لا يعيد الوضوء أو قالت يصلى (۴)

سند نمبر۵۔حدثنا جعفر بن أحمد المؤذن حدثنا السرى بن يحى حدثنا قبيصة حدثنا سفيان، بإسناده أن النبى صلى الله عليه وسلم : كان يقبل بعد الوضوء ثم يصلى مثله (۵)

سند نمبر۶۔فحدثنا محمد بن مخلد حدثنا محمد بن الجارود القطان حدثنا يحى بن نصر بن حاجب عن أبى حنيفة عن أبى روق الهمدانى عن إبراهيم ابن أبى يزيد عن حفصة زوج النبى صلى الله عليه وسلم (رضى الله عنها)عن رسول الله صلى الله عليه وسلم:أنه كان يتوضأ للصلاة ثم يقبل و لا يحدث وضوءا(۶)

سند نمبر۷۔قال الدارقطني:و قد روى هذا الحديث معاوية بن هشام عن الثورى عن أبى روق عن إبراهيم التيمى عن أبيه عن عائشة فوصل إسناده ,و اختلف عنه فى لفظه ,فقال عثمان بن أبى شيبة عنه بهذا الإسناد :أن النبى صلى الله عليه و سلم كان يقبل و هو صائم ,و قال عنه غير عثمان :أن النبى صلى الله عليه و سلم كان يقبل و لا يتوضأ(۷)

وضو والی حدیث مبارکہ کے دیگر طرق والفاظ حسب ذیل ہیں:

۱۔عن أبى روق الهمداني عن إبراهيم التيمي عن عائشة رضي الله عنها أن النبى صلى الله عليه و سلم قبل ثم صلى و لم يتوضأ.

۱۔نسائی:۱۷۰ ۲۔ابوداؤد:۱۷۸ ۳۔دارقطنی:۴۹۳ ۴۔دارقطنی:۴۹۴
۵۔دارقطنی:۴۹۵ ۶۔دارقطنی:۴۹۶ ۷۔دارقطنی:۴۹۳

۲ـ عن حبیب ابن أبی ثابت عن عروۃ بن الزبیر عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه و سلم قبل بعض نساء ہ ثم خرج إلی الصلاۃ و لم یتوضأ ..قلت لها من هی إلا أنت ؟ فضحکت.

۳ـثنا عمرو بن شعیب عن زینب أنها سألت عائشة رضی الله عنها عن الرجل یقبل امرأته و یلمسها أ یجب علیه الوضوء ؟ فقالت لربما توضأ النبی صلی الله علیه و سلم فقبلنی ثم یمضی فیصلی و لا یتوضأ .

۴ـ عن عبد الکریم الجزری عن عطاء عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علی و سلم کان یقبل ثم یصلی و لا یتوضأ۔

۵ـعن هشام بن عروۃ عن أبیه عن عائشة رضی الله عنها قلت :قبل رسول الله صلی الله علیه و سلم بعض نساء ہ ثم صلی و لم یتوضأ.

۶ـ و من طریق هشام بن عروۃ أیضا عن أبیه عن عائشة رضی الله عنها أنها بلغها قول ابن عمر "فی القبلة الوضوء" فقالت : کان رسول الله صلی الله علیه و سلم یقبل و هو صائم ثم لا یتوضأ .

۷ـو من طریقه أیضاء عن أبیه عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه و سلم قال :لیس فی القبلة وضوء .

۸ـو من طریقه أیضاء عن أبیه ...أن رجلا قال :سألت عائشة رضی الله عنها عن الرجل یقبل امرأته بعد الوضوء فقالت :کان رسول الله صلی الله علیه و سلم یقبل بعض نساء ہ و لا یعید الوضوء۔

۹ـعن ابن أخی الزهری (عن الزهری) عن عروۃ عن عائشة رضی الله عنها قالت :لا تعاد الصلاۃ من القبلة ,کان رسول الله صلی الله علیه و سلم یقبل بعض نساء ہ و یصلی و لا یتوضأ۔

۱۰ـ عن الزهری أیضا عن أبی سلمة عن عائشة رضی الله عنها قالت :لقد کان نبی الله صلی الله علیه و سلم یقبلنی إذا خرج إلی الصلاۃ و ما یتوضأ .

۲ـدوسرا طریق:

سند نمبر۸ـحدثنا وکیع حدثنا الأعمش عن حبیب بن أبی ثابت عن عروۃ بن الزبیر عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه و سلم:قبل بعض نسائه ثم خرج إلی الصلاۃ لم یتوضأ قال عروۃ :قلت لها :من هی إلا أنت ؟ فضحکت .(۱)

سند نمبر۹ـحدثنا محمد بن موسی بن سهل البربهاری حدثنا محمد بن معاویة بن مالج حدثنا علی بن هشام عن الأعمش ح/ وحدثنا الحسین بن إسماعیل حدثنا أبو هشام الرفاعی ح/ وحدثنا أبو بکر النیشابوری حدثنا حاجب بن سلیمان ح/ و حدثنا سعید بن محمد الحناط حدثنا یوسف بن موسی قالوا :حدثنا وکیع بن الجراح عن الأعمش عن حبیب بن أبی ثابت عن عروۃ عن عائشة رضی الله عنها أن رسول الله صلی الله علیه وسلم: قبل بعض نسائه ثم خرج و لم یتوضأ قال :عروۃ :فقلت لها :هی أنت ؟ فضحکت .

۱ـ احمد:۲۵۸۲۰

قال ابن مالج :يقبل بعض أزواجه ثم يصلي ولا يتوضأ قلت من هي إلا أنت ؟ فضحكت . (۱)

سندنمبر۱۰۔حدثنا أبو بكر النيشابوری حدثنا على بن حرب و أحمد بن منصور و محمد أشكاب و عباس بن محمد قالوا حدثنا أبو يحی الحمانی حدثنا الأعمش عن حبيب بن أبی ثا بت عن عروة عن عائشة رضی الله عنها قالت : كان رسول الله يصبح صائما ، ثم يتوضأ للصلاة فتلقاه المرأة من نسائه فيقبلها ثم يصلی قال عروة :قلت لها :من ترينه غيرك ؟ فضحكت.(۲)

سندنمبر۱۱۔حدثنا عثمان بن جعفر بن أحمد بن اللبان حدثنا محمد بن الحجاج حدثنا أبو بكر بن عياش ح و حدثنا الحسين بن أحمد بن صالح حدثنا على بن إسماعيل بن أبی النجم بالرافقة حدثنا إسماعيل بن موسى حدثنا أبو بكر بن عياش عن الأعمش عن حبيب عن عروة عن عائشة رضی الله عنها قالت : كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ ثم يقبل ثم يصلی ولا يتوضألفظها واحد۔طريق آخر يخالف ما قبله۔ (۳)

سندنمبر۱۲۔حدثنا إبراهيم بن مخلد الطالقانی حدثنا عبد الرحمن بن مغراء حدثنا الأعمش أخبرنا أصحاب لنا عن عروة المزنی عن عائشة رضی الله عنها بهذا الحديث . (۴)

۳۔تیسرا طریق:

سندنمبر۱۳۔حدثنا أبو بكر النيشابوری حدثنا حاجب بن سليمان حدثنا وكيع عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضی الله عنها قالت:قبل رسول اله صلى الله عليه و سلم بعض نسائه ثم صلى و لم يتوضأ ثم ضحكت۔(۵)

۴۔چوتھا طریق:

سندنمبر۱۴۔حدثنا الحسين بن إسماعيل حدثنا على بن عبد العزيز الوراق حدثنا عاصم بن على حدثنا أبو أويس حدثنا هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضی الله عنها أنها بلغها قول ابن عمر "فی القبلة الوضوء "فقالت: كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يقبل و هو صائم ثم لا يتوضأ (۶)

۵۔پانچواں طریق:

سندنمبر۱۵۔و ذكره ابن أبی داود قال حدثنا ابن المصفى حدثنا بقيةعن عبد الملك بن محمد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلى الله عليه و سلم قال ليس فی القبلة وضوء۔ (۷)

سندنمبر۱۶۔أخبرنا بقية بن الوليد ' حدثنا عبد الملك بن محمد ' عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضی الله عنها ؛ أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قبلها و هو صائم ' و قال : إن القبلة لا تنقض الوضوء و لا تفطر الصائم وقال يا حميراء إن فی ديننا لسعة قال أبو إسحاق أخشی أن يكون غلطا۔(۸)

۶۔چھٹا طریق:

سندنمبر۱۷۔حدثنا أبو بكر النيشابوری حدثنا العباس بن الوليدابن مزيد أخبرنی محمد بن شعيب حدثنا شيبان بن عبد الرحمن

۱۔دارقطنی :۴۸۸ ۲۔دارقطنی :۴۸۹ ۳۔دارقطنی :۴۹۰ ۴۔ابوداؤد:۱۸۰ ۵۔دارقطنی :۴۸۲

۶۔دارقطنی :۴۸۳ ۷۔دارقطنی :۴۸۳ ۸۔مسند اسحاق بن راھویہ، ج۳،ص۷۷،نصب الرایہ،ج۱،ص۷۳،سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ:۹۹۹

عن الحسن بن دينار عن هشام بن عروة عن أبيه عروة بن الزبير أن رجلا قال :سألت عائشة رضي الله عنها عن الرجل يقبل امرأته بعد الوضوء ؟ فقالت: كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يقبل بعض نساءه و لا يعيد الوضوء فقلت لها :لئن كان ذلك ,ما كان إلا منك ؟ فسكتت۔ (۱)

۷۔ساتواں طریق:

سندنمبر۱۸۔و ذكره ابن أبي داود قال :حدثنا جعفر بن محمد بن المرزبان حدثنا هشام بن عبيد الله حدثنا محمد بن جابر عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها عن النبي صلى الله عليه و سلم بهذا. (۲)

۸۔آٹھواں طریق:

سندنمبر۱۹۔حدثنا عثمان بن أحمد الدقاق حدثنا محمد بن الحسين الحنيني حدثنا جندل بن والق حدثنا عبيد الله بن عمرو عن غالب عن عطاء عن عائشة رضي الله عنها قالت: ربما قبلني رسول الله صلى الله عليه و سلم ثم يصلي ,و لا يتوضأ۔ (۳)

قال الدارقطني " :غالب هو ابن عبيد الله :متروك . "

سندنمبر۲۰۔حدثنا أبو احمد الدقاق حدثنا محمد بن غالب حدثنا الوليد بن صالح حدثنا عبيد الله بن عمرو عن عبد الكريم الجزري عن عطاء عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم: كان يقبل ثم يصلي و لا يتوضأ . (۴)

سندنمبر۲۱۔حدثنا ابن مبشر حدثنا أحمد بن سنان حدثنا عبد الرحمن حدثنا سفيان عن عبد الكريم الجزى عن عطاء قال: ليس في القبلة وضوء۔ (۵)

سندنمبر۲۲۔-حدثنا إسماعيل بن يعقوب بن صبيح حدثنا محمد بن موسى ابن أعين حدثنا أبي عن عبد لكريم الجزري عن عطاء عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم : كان يقبل بعض نسائه، ثم يصلي ولا يتوضأ. (۶)

سندنمبر۲۳۔حدثنا أبو بكر النيشابوري و أبو بكر بن مجاهد المقرء قال :حدثنا سعدان بن نصر حدثنا أبو بدر عن أبي سلمة الجهني عن عبد الله بن غالب عن عطاء عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم:كان يقبل بعض نسائه ثم لا يحدث وضوءا . (۷)

قال الدارقطني : قوله :عبد الله بن غالب، وهم، و إنما أراد غالب ابن عبيد الله، وهو متروك و أبو سلمة الجهني :هو خالد بن سلمة، ضعيف، و ليس بالذي يروى عنه زكريا بن زائدة۔

۹۔نواں طریق:

سندنمبر۲۴۔حدثنا عبد الباقي بن قانع حدثنا إسماعيل بن الفضل حدثنا محمد بن عيسى بن يزيد الطرطوسي حدثنا سليمان بن عمر بن يسار مديني حدثنا أبي عن ابن أخي الزهري عن الزهري عن عروة عن عائشة رضي الله عنها قالت :لا تعاد الصلاة من القبلة، كان النبي صلى الله عليه وسلم يقبل بعض نسائه و يصلي ولا يتوضأ (۸)

۱۔دارقطنی:۴۸۴ ۲۔دارقطنی:۴۸۴ ۳۔دارقطنی:۴۸۵ ۴۔دارقطنی:۴۸۶
۵۔دارقطنی:۴۸۷ ۶۔دارقطنی:۴۸۶ ۷۔دارقطنی:۵۰۱ ۸۔دارقطنی:۴۷۸

۱۰۔دسواں طریق:

سندنمبر۲۵۔حدثنا أبو بكر النيشابوری حدثنا العباس بن الوليد بن مزيد أخبرنی محمد بن شعيب حدثنا سعيد بن بشير ، و حدثنا الحسين بن إسماعيل حدثنا الحسن بن عبد العزيز الجروی حدثنا أبو حفص التنيسی حدثنا سعيد بن بشير حدثنی منصور عن الزهری عن أبی سلمة عن عائشة رضی الله عنها قالت:لقد كان نبی الله صلى الله عليه وسلم يقبلنی إذا خرج إلى الصلاة، و ما يتوضأ۔(۱)

سندنمبر۲۶۔حدثنی أبو بكر النيسابوری و الحسين بن إسماعيل و علی بن سلم ابن مهراقالوا :حدثنا إبراهيم بن هانء حدثنا محمد بن بكار حدثنا سعيد بن بشير عن منصور بن زاذان عن الزهری بهذا الإسناد، نحوه۔(۲)

۱۱۔گیارہواں طریق:

سندنمبر۲۷۔حدثنا أحمد بن شعيب بن صالح البخاری حدثنا حامد بن سهل البخاری حدثنا إسماعيل بن موسى حدثنا عيسى بن يونس عن معمر عن الزهری عن أبی سلمة عن عروة عن عائشة قالت:كان النبی صلى الله عليه وسلم يقبل وهو صائم ، ثم يصلی ولا يتوضأ . (۳)

۱۲۔بارہواں طریق:

سندنمبر۲۸۔حدثنا محمد بن فضيل حدثنا الحجاج عن عمرو ابن شعيب عن زينب السهمية عن عائشة رضی الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ ثم يقبل و يصلی و لا يتوضأ۔(۴)

سندنمبر۲۹۔حدثنی الحسين بن إسماعيل حدثنا أبو بكر الجوهری حدثنا معلی بن منصور حدثنا عباد بن العوام عن حجاج عن عمرو بن شعيب عن زينب السهمية عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلى الله عليه وسلم :كان يقبلها ثم يصلی ولا يتوضأ قال : و كان عطاء لا يرى فی القبلة وضوء۔(۵)

سندنمبر۳۰۔حدثنا الحسين بن إسماعيل حدثنا أبو طاهر الدمشقی أحمد بن بشير بن عبد الوهاب حدثنا هشام حدثنا عبد الحميد حدثنا الأوزاعی حدثنا عمرو بن شعيب عن زينب أنها سألت عائشة رضی الله عنها :عن الرجل يقبل امرأته و يلمسها أيجب عليه الوضوء ؟ فقالت:لربما توضأ النبی صلى الله عليه وسلم فقبلنی ثم يمضی فيصلی و لا يتوضأ (۶)

سندنمبر۳۱۔عن الأوزاعی قال :أخبرنی عمرو بن شعيب عن امرأة سماها أنها سمعت عائشة رضی الله عنها تقول: كان رسول الله صلى اله عليه وسلم يتوضأ و كان يخرج إلى الصلاة فيقبلنی ثم يصلی فما يحدث وضوء۔(۷)

حدیث مذکورہ کا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شرائط کے مطابق قابل حجت ہونا:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مرسل کے قبول ہونے کی جو شرائط بیان کی ہیں، ان کے مطابق بھی یہ حدیث مبارکہ قابل حجت واستدلال ہے۔
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرسل کو قبول کرنے کے لئے جو شرائط عائد کی ہیں انہیں علامہ تفتازانی اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

۱۔دار قطنی:۴۸۰ ۲۔دار قطنی:۴۸۰ ۳۔دار قطنی:۵۰۳ ۴۔ابن ماجہ:۵۰۳
۵۔دار قطنی:۴۹۹ ۶۔دار قطنی:۴۹۸ ۷۔المصنف عبدالرزاق:۵۰۹

ومرسل القرن الثانی لا یقبل عند الشافعی الاباحد الامور الخمسة: ان یمسند غیره اویرسله آخر، وعلم ان شیوخها مختلفه او ان یعضده قول صحابی او ان یعضده قول اکثر اهل القلم وان یعلم من حاله انه لایرسل الا بروایته عن عدل(۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرن ثانی کی مرسل روایات قابل قبول نہیں۔لیکن اگر اس میں ان پانچ شرائط میں سے کوئی شرط پائی جائے تو پھر قابل قبول ہے۔

☆ اسے کسی اور راوی نے مسندا بیان کیا ہو۔

☆ کسی دوسرے راوی نے اسے بطور مرسل روایت کیا ہولیکن اس کے شیوخ مختلف ہوں۔

☆ اس کی تائید قول صحابی سے ہو۔

☆ اہل علم کی اکثریت نے اس کی تائید کی ہو۔

☆ راوی کے حالات سے واضح ہو کہ وہ صرف ثقہ اور عادل راویوں سے ارسال کرتا ہے۔(۲)

مذکورہ بالا پانچوں شرائط کے مطابق یہ حدیث مبارکہ قابل قبول اور حجت واستدلال ہے۔

خلاصہ بحث: مذکورہ حدیث مبارکہ کی سند پر پوری شرح وبسط کے ساتھ نقد وجرح کی گئی ہے اور تعدیل ثابت ہوتی ہے جس سے واضح ہوا کہ اس حدیث مبارکہ کی سند متصل اور متابعات وشواہد کثیر ہیں، اور یہ حدیث مبارکہ صحیح کے حکم میں ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ بہترھویں (۷۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔سند کے پہلے دو راوی بصری، اگلے تین کوفی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مدنیہ ہیں۔

☆ حضرت ابوروق اور حضرت ابراھیم سے سنن المجتبیٰ میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، اور آپ رضی اللہ عنہا سے دوہزار دو صد دس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبر دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے

۶۔لغات:

کان یقبل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے تھے — بعض ازواجه: اپنی بعض بیویوں کا

یصلی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے — لایتوضا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو نہ کرتے تھے

۱۔ التلویح،۲/۴۲۸

۲۔اصول الحدیث،ص ۳۸۹۔۳۹۰

۷۔ مسائل ونصائح:

عورت کو چھونا یا اپنی بیوی کا بوسہ لینا باعث نقض وضو ہے یا کہ نہیں، اس بارے میں فقہاء کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

☆ ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عورت کا چھونا:

احناف کے ہاں عورت کو چھونے سے اس وقت وضو ٹوٹے گا جب یہ لمس مباشرت فاحشہ کے ذریعے ہو، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں مرد یا عورت کی کھال ملنے سے اس وقت ٹوٹے گا جب وہ دونوں لذت محسوس کریں یا ان پر شہوت طاری ہو جائے۔ شوافع کے ہاں محض بدن کی کھال چھو جانے سے دونوں، چھونے والے اور چھوئے جانے والے کا وضو ٹوٹ جائے گا خواہ یہ لمس شہوت کے بغیر ہی ہو۔

ان مذاہب کی آراء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

احناف فرماتے ہیں کہ وضو مباشرت فاحشہ سے ٹوٹتا ہے اور مباشرت فاحشہ کہتے ہیں مرد اور عورت کی اگلی شرمگاہوں کا بلا کسی ایسے حائل کے ملنا جو جسم کی حرارت کو مانع ہو اس میں یہ بھی شرط ہے کہ عضو تناسل میں انتشار بھی ہو۔ یا یوں کہہ لیا جائے کہ مرد عورت سے ملے شہوت کے ساتھ اور اس کے عضو تناسل میں انتشار بھی پیدا ہو جائے اور ان کے مابین کوئی کپڑا وغیرہ بھی نہ ہو اور کوئی نمی یا تری بھی محسوس نہ ہو۔

مالکیہ فرماتے ہیں وضو کئے ہوئے بالغ شخص کا وضو دوسرے کسی شخص کو شہوت کے ساتھ چھونے سے ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ وہ شخص ایسا ہو کہ عادتاً اس سے شہوت کا حصول کیا جاتا ہو مرد ہو یا عورت، خواہ نابالغ ہو، اور خواہ اپنی بیوی کو چھوئے یا اجنبی کو چھوئے یا محرم عورت کو چھوئے، یا لمس ناخن پر ہو یا پاؤں پر یا کسی حائل کے اوپر سے ہو جیسے کپڑا وغیرہ اور خواہ وہ حائل اتنا باریک ہو کہ چھونے والا بدن کی نرمی اور حرارت کو محسوس کرے یا وہ حائل موٹا ہو۔ اور یہ لمس خواہ مردوں کے درمیان ہو یا عورتوں کے بہر حال وہ ناقض وضو ہوگا۔

لہٰذا شہوت کے ساتھ چھونا ناقض ہے اسی طرح منہ پر چومنا مطلقاً وضو کے لئے ناقض ہے خواہ بلا لذت ہو کیونکہ وہ لذت کا جائے گمان ہے اور منہ کے علاوہ کہیں اور چومنا چنانچہ اگر دونوں بالغ ہوں تو چومنے والے اور چومے جانے والے دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا اگر وہ دونوں بالغ ہوں یا ان میں سے کوئی ایک بالغ ہو اور وہ دوسرے خواہ نابالغ کو چھوئے جس کو شہوت سے چھوا جاتا ہو اگر چھوئے جانے کے وقت شہوت پائی جائے خواہ بالجبر ایسا ہو یا غفلت سے ہو۔ تو لمس سے وضو ٹوٹنا تین شرطوں کے ساتھ ناقض ہے۔

۱۔ چھونے والا بالغ ہو۔

۲۔ چھوا جانے والا شخص ایسا ہو کہ عادتاً اس سے شہوت حاصل کی جاسکتی ہو۔

۳۔ چھونے والا بالقصد لذت حاصل کرے یا شہوت پائے خواہ بلا قصد صرف سوچنے اور غور کرنے سے حاصل ہونے والی لذت سے وضو نہیں ٹوٹے گا خواہ عضو تناسل میں انتشار پیدا ہو جائے جب تک کہ وہ بالفعل لذت حاصل نہ کرے (یعنی ہاتھ وغیرہ سے) اسی طرح بہت چھوٹی بچی جس سے شہوت حاصل نہ کی جاتی ہو یا جانور یا داڑھی والے مرد کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ داڑھی والے مرد سے عموماً شہوت نہیں حاصل کی جاتی ہے جب اس کی داڑھی نکل آئے۔

حنابلہ مشہور قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ عورتوں کی کھال کو بلا حائل چھو لینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اگر چھوا جانے والا شخص عادتاً شہوت کے قابل

ہو بچہ یا بچی نہ ہو خواہ وہ چھوا جانے والا میت ہو، بوڑھی عورت ہو محرم ہو یا قابل شہوت بچی ہو اور یہ وہ بچی ہوتی ہے جو سات سال یا زائد عمر کی ہو چنانچہ اجنبی اور محرم، بڑی اور چھوٹی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بال ناخن اور دانت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے اور نہ ہی کٹے ہوئے عضو کے چھونے سے کیونکہ اس کی حرمت ختم ہو چکی ہوتی ہے اور نہ ہی امرد (بے ریش لڑکے) کو چھونے سے وضو ٹوٹے گا خواہ شہوت سے چھوا جائے اور نہ ہی خنثی مشکل (وہ ہیجڑہ جس میں مردانہ اور زنانہ دونوں اوصاف برابر پائے جائیں) مرد کے مرد کو چھونے اور عورت کے عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا خواہ شہوت کے ساتھ یہ عمل ہوا اور اگر کسی کا وضو عورت کے چھونے سے نہ ٹوٹتا ہو (یعنی کوئی شرط نہ پائی جانے کے سبب) تو وضو کر لینا پھر بھی مستحب ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تین مذاہب (حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ) کے ہاں وضو اس عام چھونے اور لمس کرنے سے نہیں ٹوٹتا جو عام اور عادتاً ہوا کرتا ہے۔

دلائل......ان حضرات کی دلیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔فرمان خداوندی ''اولـمستـم الـنسـاء'' (یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو۔سورۃ النساء، آیت نمبر ۶) اور لمس کہتے ہیں کھال کے ملنے کو احناف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جنہیں ترجمان القرآن کہا جاتا ہے سے منقول قول کو اختیار کیا ہے کہ لمس سے مراد جماع ہے اور ابن السکیت سے منقول قول کو بھی ان حضرات نے لیا ہے کہ لمس جب عورتوں کے بارے میں بولا جائے تو اس سے مراد ہم بستری ہوتی ہے، عرب کہا کرتے ہیں ''لـمست الـمـراۃ'' مراد ہوتی ہے میں نے عورت سے ہم بستری کی۔تو اس آیت میں لمس کے مجازی معنی مراد لینا ضروری ہیں اور وہ یہ کہ لمس سے مراد ہم بستری ہو، اور اس کا قرینہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو آگے آ رہی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ جنہوں نے لمس کو اس صورت میں ناقض وضو مانا ہے کہ جب وہ شہوت کے ساتھ ہو، تو یہ حضرات آیت اور احادیث کو مجموعی طور پر اختیار کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ سے منقول ہیں۔

۲۔دوسری دلیل ان حضرات کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کو بوسہ دیتے اور اس کے بعد بلا وضو نماز ادا کر لیا کرتے۔(۱)

۳۔تیسری دلیل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کر رہے ہوتے تھے اور میں آپ کے سامنے ایسے لیٹی ہوتی تھی جیسے جنازہ رکھا ہوتا ہے آپ جب وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے اپنے پاؤں سے ہلا دیتے۔(۲) اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا چھونا ناقض وضو نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاؤں سے چھونا بلا حائل ہوتا ہوگا۔

۴۔چوتھی دلیل بھی حضرت عائشہ والی حدیث ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا میں نے آپ کو ٹٹولا تو میرے ہاتھ آپ کے تلووں پر لگے اور آپ سجدہ میں تھے دونوں پاؤں کھڑے تھے اور آپ فرما رہے تھے: اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتجك واعوذبك منك لا احصی ثناء علیك انت كما اثنیت علیٰ نفسك (۳) یہ بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ چھونا ناقض وضو نہیں۔

۱۔نیل الاوطار، ج۱، ص۱۹۵ ۲۔نیل الاوطار، ج۱، ص۱۹۶

۳۔نصب الرایہ، ج۱، ص۷۰۔۷۵

شوافع فرماتے ہیں اجنبی نامحرم عورت کو چھو لینے سے مرد کا وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ مردہ ہی کیوں نہ ہو اگر ان کے درمیان کوئی حائل نہ ہو، وضو چھونے والے اور چھوئے جانے والے دونوں کا ٹوٹ جائے گا خواہ وہ بوڑھی کھوسٹ عورت ہو یا بڈھا کھوسٹ مرد ہو اور خواہ بلا قصد چھوا ہو بالوں ناخن اور دانتوں کو چھونا یا کسی حائل کے درمیان میں ہونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے مرد اور عورت سے مراد ہے وہ مرد اور عورت جو عرف اور عادت کے لحاظ سے حد شہوت تک پہنچ چکے ہوں یعنی سلیم الطبع افراد کے ہاں وہ قابل شہوت شمار ہوں۔ اور محرم سے مراد ہے وہ جس کا نکاح نسب رضاعت یا سسرالی رشتہ داری کے سبب حرام ہو۔ اس تفصیل کے مطابق اتنے چھوٹے بچوں اور بچیوں کا چھونا جن میں سے کوئی ایک عرفاً اہل سلیم الطبع کے ہاں قابل شہوت نہ ہو ناقض وضو نہیں سات سال وغیرہ کے ذریعے تحدید نہیں کی جائے گی، کیونکہ چھوٹے بچوں اور بچیوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں بھی اختلاف اور کمی بیشی ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ شہوت کے ہونے کا گمان اس صورت میں نہیں ہوتا ہے۔ اور محرم خواہ نسب کے ذریعے ہو یا رضاعت یا سسرالی رشتے کے ذریعے اس کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ وہاں احتمال شہوت نہیں ہوتا جیسے ساس۔

وضو کے ٹوٹنے کا سبب یہ ہے کہ چھونا تلذذ کا احتمال رکھتا ہے جو کہ شہوت کو بھڑکانے والا کام ہوتا ہے اور ایسا عمل پاکی حاصل کرنے والے کی حالت کے منافی ہے۔

ان حضرات کی دلیل ملامست کے حقیقی لغوی معنی پر عمل در آمد ہے جو اس آیت میں ہے اولمستم (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶) اور اس کے معنی ہیں ہاتھ سے چھونا یا کھال کو ملانا یا ہاتھ سے چھونا دلیل اس کی یہ ہے کہ اس کی ایک قرأت ''اولمستم'' بھی ہے جو کہ واضح طور پر محض چھونے کے معنی بتاتی ہے نہ کہ جماع کے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جس میں بوسے کا ذکر ہے تو وہ ضعیف اور مرسل ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث جو پاؤں کے چھونے کے بارے میں ہے تو اس کی تاویل یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ لمس حائل کے ساتھ ہوا ہو یا یہ کہ یہ عمل خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ لیکن اس تاویل میں تکلیف اور مخالفت ظاہر ہے۔

میری رائے کے مطابق وہ لمس جو عارضی ہو یا اچانک ہو گیا ہو یا جس میں لذت اور شہوت کا عنصر نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں ہے وہ لمس جس کے ساتھ شہوت کا عنصر پایا جائے تو ایسا لمس ناقض وضو ہو گا۔ میرے خیال میں یہ راجح ترین رائے ہے۔ (۱)

☆ **ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:**

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ اثر نقل کیا ہے، فرماتے ہیں میں نہیں پروا کرتا کہ میں نے اپنی ناک کو چھوا ہے یا کان کو یا ذکر کو اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مجھے پروا نہیں ہے کہ میں اپنی نماز میں ذکر کو چھولوں یا کان کو یا ناک کو اور بہت سارے صحابہ کرام سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کو مس ذکر کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ان کان شیٔ منک نجسا فاقطعہ ولا باس بہ کہ اگر یہ تجھ میں سے نجس ہے تو اس کو کاٹ ڈالو اس کو چھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مس ذکر کو ناپسند فرماتے تھے۔ پس اگر کوئی کر لے تو اس پر وضو کے قائل نہ تھے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ دونوں حدیثیں درجہ حسن سے کم نہیں ہیں لیکن یہاں پر طلق کی حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ حدیث الرجال وہ اقوی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ علم کے زیادہ یاد کرنے والے اور محفوظ کرنے والے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے دو عورتوں کی گواہی کو ایک آدمی کی گواہی کے برابر رکھا گیا ہے اور امام طحاوی نے حدیث بسرہ کو ضعیف قرار دینے میں لمبا کلام کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۲۹۶۔۲۹۸

ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بزار نے سند حسن سے اس کو روایت کیا ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث وہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ جو ملامست جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے یعنی: (اولمستم النساء) میں اس کا معنی جماع سے کرتے ہیں نہ کہ تمام بدن کے چھونے کے ساتھ مگر ابوداؤد نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اس لئے کہ ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ سے سماع ثابت نہیں ہے اور مرسل کی کئی اقسام ہیں مرسل مطلق وہ ہوتی کہ جس میں تابعی یوں کہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور اسی کی ایک قسم کا نام منقطع بھی رکھا جاتا ہے اور وہ پہلے کے علاوہ ہوتی ہے اور اس کی ایک قسم معضل بھی ہے اور معضل وہ ہوتی ہے کہ ارسال کرنے والے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک سے زیادہ آدمی ہوں اور مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مس المرءۃ اس حدیث کی وجہ سے وضو کو باطل نہیں کرتا ہے اور شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اجنبیات عورتوں کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مس بالشہوت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ورنہ نہیں۔(۱)

☆ شیخ شاہ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا **قالت کان النبی** صلی اللہ علیہ وسلم **یقبل بعض ازواجہ** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی بعض بیویوں کو چوم لیتے تھے۔ ترمذی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ازواج کے لفظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی ذات مراد لیتی تھیں۔ **ثم یصلی ولا یتوضاء** پھر آپ نماز پڑھتے تھے اور وضو نہ کرتے تھے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ یہ مسئلہ بھی احناف اور دوسرے آئمہ دین میں مختلف فیہ ہے۔ کہ ہاتھ سے عورت کے جسم کو چھونا وضو کو توڑتا ہے یا نہیں آئمہ ثلاثہ (امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل) فرماتے ہیں اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے چاہے شہوت کے ساتھ مس کرے یا بلاشہوت، اپنی عورت کو چھوئے یا اجنبی کو۔ اس تفصیل کے مطابق جوان آئمہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔ البتہ امام شافعی کے نزدیک اجنبی عورت کو چھونے میں وضو ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ دونوں مرد و عورت بالغ ہوں نابالغ نہ ہوں اور حنفیہ کے نزدیک عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ان آئمہ ثلاثہ کی دلیل قرآن حکیم کی یہ آیت ہے اولامستم النساء (یا تم عورتوں کو چھو لو) لیکن ہمارے نزدیک لمس سے مراد جماع ہے جیسا کہ کتب تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے۔ نیز ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جو صحیحین میں مذکور ہے کہ رات کی نماز (تہجد) کے وقت جب آپ بستر سے بیدار ہوتے، میں اس وقت سوئی ہوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ پر ہوتے تھے جب آپ سجدہ میں جاتے تھے تو میرے پاؤں ہٹاتے تھے اور میں بھی اپنے پاؤں کھینچ لیتی تھی۔ اور جب آپ سجدہ سے اٹھتے تو میں پھر اپنے پاؤں آپ کے سجدہ کی جگہ میں پھیلا لیتی تھی۔ آپ پھر ہٹاتے تھے۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ پاؤں پیچھے ہٹانے میں ان سے ہاتھ چھوتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ عورت کو مس کرنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث جو یہاں مذکور ہے اسے حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ شافعی حضرات کو اس حدیث میں کلام (اعتراض) ہے۔ جیسا کہ مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے کہا ہے **وقال الترمذی لایصح عند اصحابنا بحال اسناد عروۃ عن عائشۃ** رضی اللہ عنہا۔ یعنی اس حدیث کا اسناد جسے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں حبیب بن ثابت کی روایت ہے اور حبیب بن ثابت کا سماع حضرت عروہ سے ثابت نہیں۔ مؤلف کی عبارت سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہیں۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عروہ کا سماع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مشہور و ثابت اور متحقق ہے۔ اور یہ معنی ترمذی کی جامع میں نظر کرنے سے بالکل ظاہر ہے جیسا کہ ہم نے شرح میں نقل کیا ہے۔

۱۔ مرقاۃ المفاتیح، ج۲، ص۷۶۔۷۸

اوراس حدیث کوابراہیم تیمی نے جوزاہد عالم اور تابعین میں ثقہ لوگوں سے ہوئے ہیں، نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔مگر ترمذی نے اس پر بھی اعتراض کیا ہے۔جیسا کہ فرمایا ایضاً اسناد ابراھیم التیمی عنھا یعنی یونہی ابراہیم تیمی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنا بھی درست اور صحیح نہیں وقال ابو داؤد ھذا مرسل وابراھیم التیمی لم یسمع عن عائشۃ رضی اللہ عنہا یعنی ابوداؤد نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اس بنا پر کہ اسے ابراہیم التیمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔اوراس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں۔اس کلام و اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مرسل حدیث بھی ہمارے ہاں مقبول ومعتبر ہے۔لہٰذااس پراعتراض ٹھیک نہیں۔(۱)

☆ فتاویٰ عالمگیری رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

وضوتوڑنے والوں میں سے ہے کھلی ہوئی مباشرت جب کھلی ہوئی مباشرت کرلے عورت کے ساتھ اس طرح ننگا ہواور شہوت سے ایستادگی ہواور دونوں کی شرمگاہیں مل جائیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استحسانا وضوٹوٹ جائے گا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا اور یہی قیاس ہے یہ محیط میں لکھا ہے اور لصاب میں لکھا ہے کہ یہی صحیح ہے اور ینابیع میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے یہ تاتارخانیہ میں لکھا ہے اگر دونوں کی شرمگاہیں مل جائیں۔تو عورت کا وضوٹوٹنے کے لئے مرد کو شہوت ہونا ضروری نہیں یہ قنیہ میں لکھا ہے۔مرد کے عورت کو مساس کرنے سے یا عورت کے مرد کو مساس کرنے سے وضونہیں ٹوٹتا یہ محیط میں لکھا ہے اپنے ذکر کو چھوئے یا دوسرے کے ذکر کو چھوئے تو ہمارے نزدیک وضونہیں ٹوٹتا یہ محیط میں لکھا ہے کھلی ہوئی مباشرت دوعورتوں میں ہو مرداور امرد لڑکے میں ہوتو بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ قنیہ میں لکھا ہے اور یہی حکم ہے اگرایسی مباشرت دومردوں میں ہوتو یہ معراج الدرایہ میں لکھا ہے۔(۲)

☆ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قوی دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضونہیں ٹوٹتا اس کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جو مسلم نسائی وغیرہ میں ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد پڑھنے میں مشغول ہوتے تھے جب وہ سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ لگا دیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کر لیتے سجدہ کے بعد میں پاؤں پھیلا لیتی۔(۳) نیز فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا میں ٹٹولنے لگی میرا ہاتھ آپ کے قدم شریف سے لگا جو کھڑا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے(۴) نیز فرماتی ہیں کہ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لمبا سجدہ فرمایا میں سمجھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔میں نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا(۵) ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا چھونا وضونہیں توڑتا، کیونکہ اس اسناد میں حبیب ابن ثابت حضرت عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں عروہ کی سماعت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے بلکہ وہ ان کے شاگرد ہیں مگر حبیب کی سماعت عروہ سے صحیح نہیں لہٰذا حدیث مرسل ہے ترمذی نے اصحابنا اس واسطے فرمایا کہ مرسل حدیث شوافع کے مذہب میں دلیل نہیں۔مگر احناف کے نزدیک دلیل ہے۔۳۔خلاصہ اعتراض یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دواسنادوں سے مروی ہے عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابراہیم التیمی عن عائشہ اور دونوں مرسل کیونکہ ابراہیم تیمی نے بھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ سنا مگر یہ اعتراض امام صاحب پر نہیں پڑسکتا کیونکہ ان کے ہاں حدیث مرسل قابل حجت ہے شوافع اپنے اصول سے ہم پر اعتراضات کیسے کرسکتے ہیں۔(۶)

۱۔اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۵۶۴۔۵۶۵ ۲۔فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۲۰۱۔۲۰۲ ۳۔مسلم بخاری

۴۔نسائی ۵۔بیہقی ۶۔مراۃ المناجیح، ج ۱، ص ۲۳۶۔حاشیہ ۲۹۷

☆ علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

عورت، کتے اور گدھے کے نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز کے ٹوٹ جانے کی حدیث کی تحقیق:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوتی تھی۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد کا اپنی بیوی کے سامنے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا جائز ہے اور عورت کے سامنے ہونے سے مرد کی نماز نہیں ٹوٹتی، بعض فقہاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر کے لئے اس کو مکروہ کہا ہے کیونکہ وہ اس کی طرف دیکھے گا اور دل اس میں مشغول رہے گا اور اس میں فتنہ کا خوف ہے، اور رہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ ان تمام چیزوں سے منزہ ہیں، علاوہ ازیں یہ رات کا وقت تھا اور گھر میں چراغ نہیں تھا۔

جو شخص عورت کے سامنے نماز پڑھے، اس کی نماز باطل نہیں ہوتی اور نہ اس کی جس کے سامنے سے عورت گزرے، یہ متقدمین اور متاخرین جمہور فقہاء کا مؤقف ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ ان میں شامل ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ عورت کا نمازی کے سامنے لیٹے ہوئے ہونا، اس کے سامنے گزرنے سے زیادہ شدید ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورت، گدھے اور کتے کے سامنے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔(۱)

امام احمد نے کہا ہے کہ سیاہ کتا نماز توڑ دیتا ہے اور میرے دل میں گدھے اور کتے کے متعلق بھی کچھ ہے، اور جس حدیث میں ہے کہ ان کے گزرنے سے نماز منقطع ہو جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے گزرنے سے نماز ناقص ہو جاتی ہے کیونکہ دل ان چیزوں کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے اور اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ ان کے گزرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، کیونکہ عورت کو دیکھنے سے وسوسے آتے ہیں اور گدھا مکروہ آواز نکالتا ہے اور کتا فتنہ میں ڈالتا ہے اور مضطرب کرتا ہے اور چونکہ یہ چیزیں نماز منقطع کرنے کا سبب بنتی ہیں، اس لئے ان پر نماز قطع کرنے کا اطلاق کر دیا گیا۔

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مذکور ذیل حدیث سے منسوخ ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی (اور نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو) تم اپنی پوری طاقت سے دفع کرو، وہ شیطان ہے۔(۲)

اور شارع علیہ السلام کے اور قبلہ کے درمیان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، نیز حدیث میں ہے کہ گدھی نمازیوں کے آگے چر رہی تھی اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا۔(۳)

حضرت ابن عباس اور عطاء نے یہ کہا ہے کہ جو عورت نماز منقطع کرتی ہے، اس سے مراد حائض عورت ہے۔(۴) علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں یہ تصریح ہے کہ شعبہ نے کہا: میرا گمان ہے کہ جس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے لیٹی ہوئی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اس وقت حائض تھی، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض احادیث میں ہے کہ کتا، خنزیر، یہودی اور نصرانی نماز کو منقطع کر دیتا ہے۔(۵) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔(۶)

۱۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۲۹۹، مسند احمد: ۷۹۸۳، ج ۱۳، ص ۳۶۱، سنن ابن ماجہ: ۹۵۰، المعجم الکبیر: ۳۱۶۱ ۲۔ سنن ابوداؤد: ۷۱۹

۳۔ صحیح البخاری: ۴۹۳، صحیح مسلم: ۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۷۱۵، سنن ترمذی: ۳۳۷، سنن نسائی: ۷۵۱، سنن ابن ماجہ: ۷۵۳

۴۔ صحیح ابن خزیمہ: ۸۳۲، صحیح ابن حبان: ۴۱۲ ۵۔ مصنف عبدالرزاق: ۲۳۵۳۔۲۳۵۲ ۶۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۱۷۰۔۱۶۹

سوئے ہوئے شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز کی تحقیق:

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص سویا ہوا ہو، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے اور بعض علماء نے اس کو مکروہ کہا ہے اور ان کا استدلال حسب ذیل حدیث سے ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سویا ہوا ہو یا باتیں کر رہا ہو، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔ (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث محمد بن کعب سے مروی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

باب مذکور کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں عمل قلیل کرنا جائز ہے۔

عورت کے جسم کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس پر فقہاء احناف کا استدلال اور اس پر حافظ ابن حجر کا رد کرنا:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ سے اشارہ کرتے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ عورت کے جسم کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز ٹوٹتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیروں کو لگایا تھا، لیکن یہ استدلال اس لئے مردود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیروں پر کپڑا ہو یا یہ آپ کی خصوصیت ہو، سو یہ ثابت نہ ہوا کہ عورت کے جسم کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۲)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر کے جواب کو رد کرنا:

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس جواب کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ اصل یہ ہے کہ پیر کے اوپر عرفاً کوئی کپڑا نہیں ہوتا نہ ہاتھ کے اوپر ہوتا ہے اور یہ بہت بعید ہے کہ آپ نے ان کے کپڑے کے اوپر سے ان کو ہاتھ لگا کر اشارہ کیا تھا، جیسا کہ امام شافعی کا قول ہے۔ (۳)

حافظ ابن حجر نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو، یہ جواب اس لئے صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام پر مقام تشریع میں تھے، یہ آپ کی خصوصیت کا مقام نہیں تھا، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام اقوال اور افعال کو معصوم رکھا ہے اور بغیر دلیل کے خصوصیت کا دعویٰ باطل ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ ہمارے لئے کسی حدیث میں یہ دلیل قائم کرتے کہ آپ کے حق میں عورت کے جسم کو چھونا وضو ٹوٹنے کا سبب نہیں ہے، جیسا کہ آپ نے نیند کے متعلق فرمادیا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا رہتا ہے اور نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا اور اس کا انکار کرنا عناد اور مکابرہ ہے۔ (۴)

علماء غیر مقلدین کا نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کو اپنے گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر قرار دینا:

اس حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کردیا ہے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جملہ اس موقع پر کہا تھا، جب بعض لوگوں نے یہ حدیث بیان کی: نمازی کے سامنے سے کتا، گدھا اور عورت گزر جائے تو اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، حضرت عائشہ کو ان کی یہ حدیث اس لئے ناگوار گزری کہ اس ایک جملہ میں عورت کو کتے اور گدھے کے ساتھ ذکر کیا ہے اور چونکہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بھی عورت

۱۔ سنن ابوداؤد: ۶۹۵، سنن ابن ماجہ: ۹۵۹ ۲۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۵۵

۳۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۵۱ ۴۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۱۰۷۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۱۲۳۔۱۲۴

ہیں، اس لئے آپ نے فرمایا: کیا تم نے ہمیں کتے اور گدھے کے برابر کر دیا ہے، جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس سے ایذا پہنچی کہ آپ کا ذکر کتے اور گدھے کے ساتھ کیا گیا تو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر گدھے اور بیل کے ساتھ کیا جائے تو اس سے آپ کو کتنی ایذا پہنچے گی۔

غیر مقلدین کے مشہور عالم شیخ اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۴۶ھ لکھتے ہیں:

زنا کے خیال سے (نماز میں) اپنی بیوی سے جماع کا خیال بہتر ہے اور شیخ اور ان جیسے منتظمین خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف اپنی توجہ کو لگا دینا، اپنے بیل اور گدھے کے تصور میں استغراق سے کہیں زیادہ برا ہے۔ (۱)

اس عبارت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی صرف یہی وجہ نہیں ہے کہ گدھے اور بیل کے تصور کے ساتھ آپ کی طرف توجہ لگا دینے کا ذکر ہے بلکہ آپ کی طرف توجہ لگا دینے کو گدھے اور بیل کے تصور میں استغراق سے زیادہ برا قرار دیا گیا ہے، سوچئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عبارت سے کس قدر ایذا پہنچی ہوگی! قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۲) — بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء پہنچاتے ہیں، اللہ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت فرماتا ہے۔

عبارت مذکورہ کی توجیہ کا رد:

اس عبارت کی توجیہ میں شیخ اسماعیل دہلوی نے یہ لکھا ہے کہ:

بیل اور گدھے کا خیال دل میں اس قدر تعظیم کے ساتھ نہیں آتا، جس قدر تعظیم اور اجلال کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور آئے گا اور نماز میں غیر اللہ کا تعظیم کے ساتھ تصور شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے۔ (۳)

یہ توجیہ قطعاً باطل اور مردود ہے کیونکہ نماز میں غیر اللہ کی تعظیم مطلقاً شرک نہیں ہے بلکہ تعظیم بہ طریقہ عبادت شرک ہے اور نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم معمول اور مشروع ہے۔ دیکھئے: سلام تعظیم کے لئے کیا جاتا ہے اور نماز کے تشہد میں "السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته" پڑھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بالفعل تعظیم کی ہے، حدیث میں ہے:

عین حالت نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے متعلق احادیث:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو عمرو بن عوف کی آپس میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے، نماز کا وقت آ گیا تو مؤذن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہوں؟ حضرت ابوبکر نے کہا: ہاں، پھر حضرت ابوبکر نماز پڑھانے لگے، (اسی اثناء میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفوں سے گزرتے ہوئے پہلی صف میں پہنچ گئے، پس لوگوں نے تالیاں بجائیں، اور حضرت ابوبکر نماز میں ادھر ادھر توجہ نہیں کرتے تھے، پھر جب لوگوں نے بہت زیادہ تالیاں بجائیں تو حضرت ابوبکر نے توجہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ قائم رہو، پھر حضرت ابوبکر نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھاتے رہنے کا حکم دیا ہے، پھر حضرت ابوبکر پیچھے صف کے برابر کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! تمہیں (نماز پڑھانے سے) کس چیز نے روکا جب میں نے تمہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا؟ حضرت ابوبکر نے کہا: ابو قحافہ کے بیٹے کے لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا

۱۔ صراط مستقیم، ص ۸۶ ۲۔ الاحزاب: ۵۷ ۳۔ صراط مستقیم، ص ۸۶

ہو کر نماز پڑھائے! پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم لوگوں کو نماز میں اتنی زیادہ تالیاں بجاتے ہوئے کیوں دیکھا، جس شخص کو نماز میں کوئی تشویش ناک بات پیش آ جائے تو وہ سبحان اللہ کہے، کیونکہ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو امام اس کی طرف متوجہ ہوگا، تالیاں بجا کر امام کو متوجہ کرنا صرف خواتین کے لئے مشروع ہے۔(۱)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز کے دوران آ گئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت چھوڑ کر پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے استفسار پر اپنے پیچھے ہٹنے کی یہ وجہ بیان کی: ابو قحافہ کے بیٹے کے لئے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے، اور اس میں کیا شک ہے کہ حضرت ابو بکر کا نماز میں پیچھے ہٹنا رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لئے تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعظیم نماز میں کی تھی، اسی طرح تمام صحابہ رسول اللہ ﷺ کے آنے پر جو تالیاں بجا رہے تھے، وہ بھی اس لئے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تالیوں کی آواز سن کر توجہ کریں اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر امامت چھوڑ کر پیچھے آ جائیں اور ان تمام صحابہ نے نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی تھی۔

اس کے بعد دوسری بار بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عین حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری کے ایام میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، سو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھاتے تھے، عروہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں تخفیف محسوس کی، آپ حجرے سے باہر آئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو وہ پیچھے ہو گئے، آپ نے ان کو اشارہ کیا کہ تم اسی طرح نماز پڑھاتے رہو، پھر رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتداء کر رہے تھے۔(۲)

اس حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اشارہ بھی کیا کہ نماز پڑھاتے رہو، لیکن رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہو گئے اور یہ عین حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رات کے آخری حصہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے کھینچا، آپ نے مجھے اپنے آگے کیا، جب رسول اللہ ﷺ اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوئے تو میں پھر پیچھے ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی، پھر نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے فرمایا: یہ کیا بات ہے؟ میں تمہیں اپنے آگے کرتا تھا اور تم پیچھے ہٹ جاتے تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا کسی شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ آپ کے آگے نماز پڑھے حالانکہ آپ اللہ کے رسول ہیں، جس نے آپ کو (بلند رتبہ) عطا کیا ہے، رسول اللہ ﷺ یہ بات سن کر خوش ہوئے، پھر آپ نے اللہ سے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ میرے علم اور میرے فہم کو زیادہ کرے۔

۱۔ صحیح البخاری: ۶۸۴۔۱۲۱۸۔۱۲۳۴، صحیح مسلم: ۴۲۱، الرقم المسلسل: ۹۲۴، سنن ابو داؤد: ۹۴۰، سنن نسائی: ۷۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۰۳۵، صحیح ابن حبان: ۲۲۶۰، المعجم الکبیر: ۵۷۷۱، سنن بیہقی، ج ۲، ص ۲۴۶۔۲۴۵، صحیح ابن خزیمہ: ۱۲۶۳، شرح السنۃ: ۷۴۹، مسند الامام الطحاوی: ۲۶۷۱، مسند احمد، ج ۵، ص ۳۳۷، مسند احمد: ۲۲۸۵۲، ج ۳۷، ص ۵۰۰، جامع المسانید لابن الجوزی: ۲۴۱۵

۲۔ صحیح البخاری: ۴۱۳، صحیح مسلم: ۴۱۸، الرقم المسلسل: ۹۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۵۔۱۲۳۴۔۱۲۳۳، موطأ امام مالک، کتاب صلوٰۃ الجماعۃ، تنویر الحوالک ص ۱۵۶، دلائل النبوۃ، ج ۷، ص ۲۲۷۔۲۲۶، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۵۷۔۳۵۶، مسند احمد: ۳۳۵۵، ج ۵، ص ۳۵۸۔۳۵۷

نوٹ: رسول اللہ ﷺ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بائیں جانب سے دائیں جانب کرنے کے لئے انہیں اپنے آگے سے دائیں جانب لا رہے تھے۔(۱)

شعیب الارنؤوط نے لکھا ہے کہ شیخین کی شرط کے مطابق اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(۲)

اس حدیث میں بھی تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عین حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی اس حدیث سے استدلال کر کے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب سے خوش ہو کر رسول اللہ ﷺ نے ان کو دعا دی۔(۳)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی عین حالت نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کی:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، میں (آپ کے ساتھ) مسلسل کھڑا رہا حتی کہ میں نے ایک برے کام کا ارادہ کیا، ہم نے پوچھا: آپ نے کیا ارادہ کیا؟ انہوں نے بتایا کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ میں بیٹھ جاؤں اور نبی ﷺ کو قیام میں چھوڑ دوں۔(۴)

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیٹھ کر نماز پڑھنے کو برا کام کیوں جانا، صرف اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تھے، اور آپ کھڑے ہوں اور حضرت ابن مسعود بیٹھ جائیں، اس کو انہوں نے آپ کی تعظیم کے خلاف جانا، اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے جتنی دیر نماز میں قیام کیا، وہ قیام صرف رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے لئے تھا۔

جب نمازی حضور ذہن اور غور و فکر کے ساتھ پڑھے گا تو یہ ممکن نہیں کہ وہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کا تصور نہ کرے:

شیخ اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کا تصور اپنے گدھے اور بیل کے تصور سے زیادہ برا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ جب نمازی نماز میں "یاایھاالنبی، یا ایھا الرسول، یا ایھا المزمل، یاایھاالمدثر، اور محمد رسول اللہ"، پر مشتمل آیات پڑھے گا تو کیا ذہن میں رسول اللہ ﷺ کا تصور نہیں آئے گا اور جب "السلام علیک ایھاالنبی" پڑھے گا تو آپ کا تصور نہیں آئے گا اور جب "اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد" اور "اللھم بارك علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد" پڑھے گا تو آپ کا تصور نہیں آئے گا، نماز میں شروع سے آخر تک آپ کا ذکر آتا ہے۔ شیخ اسماعیل دہلوی نمازی کو کہاں کہاں رسول اللہ ﷺ کے تصور سے روکیں گے، جب بھی نمازی نماز میں پڑھے جانے والے الفاظ پر غور و فکر کرتے ہوئے نماز پڑھے گا اور حضور ذہن کے ساتھ نماز پڑھے گا تو یہ ممکن نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا ذکر کرے اور اس کے ذہن میں آپ کا تصور نہ آئے۔

امام غزالی متوفی ۵۰۵ھ نے کہا ہے کہ جب نمازی نماز میں "السلام علیک ایھا النبی" کہے تو ذہن میں آپ کے شخص کریم کو حاضر کر کے کہے:

"السلام علیك ایھاالنبی ورحمة الله وبرکاته" (۵)

امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ نے کہا ہے کہ نماز کا موضوع اصالۃً اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے مناجات ہے لیکن جب رسول اللہ ﷺ تمام احکام شرعیہ میں ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ عظمیٰ ہیں تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو نبی ﷺ پر صلوٰۃ (درود

۱۔ مسند احمد، ج ۱ ص ۳۳۰ طبع قدیم، مسند احمد: ۳۰۶۰، ج ۵ ص ۱۷۸　۲۔ حاشیہ مسند احمد: ۳۰۶۰　۳۔ فتح الباری، ج ۱ ص ۶۲۵

۴۔ صحیح البخاری: ۱۱۳۵، صحیح مسلم: ۷۷۳، سنن ابن ماجہ: ۱۴۱۸، صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۵۴، مسند احمد، ج ۱ ص ۴۴۰ طبع قدیم، مسند احمد: ۴۱۹۹، ج ۷ ص ۲۵۴

۵۔ احیاء علوم الدین، ج ۱ ص ۱۶۱

شریف) پڑھنا نہ بھولیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے دربار سے کبھی جدا نہیں ہوتے (الیٰ قولہ) اور نماز میں تشہد اس لئے مشروع کیا گیا ہے کہ جو نمازی غفلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو اس پر متنبہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دربار میں تشریف فرمائیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے دربار سے کبھی جدا نہیں ہوتے، اس لئے نمازی آپ کو نماز میں بالمشافہ خطاب کر کے آپ کو سلام پیش کرے۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ جب نمازی غور وفکر اور استحضار ذہن کے ساتھ نماز پڑھے گا تو نماز میں شروع سے آخر تک کسی نہ کسی رکن میں آپ کا تصور ضرور کرے گا اور ظاہر ہے کہ وہ تعظیم اور تکریم کے ساتھ آپ کا تصور کرے گا، شیخ اسماعیل دہلوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض کی وجہ سے نماز میں آپ کے تصور کو اپنے گدھے اور بیل کے تصور سے برا کہہ کر اور آپ کے تصور سے منع کر کے کہیں، یہ تلقین تو نہیں کر رہے کہ نمازی غفلت کے ساتھ بغیر غور وفکر کے اور بغیر حضور ذہن کے نماز پڑھے۔(نعوذ باللہ من ذالک)(۲)

☆ شیخ محمد اتیوبی لولوی نجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

☆ شیخ حافظ محمد امین نجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فوائد ومسائل: ''مرسل (منقطع) ہے۔'' امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے، مگر دار قطنی وغیرہ میں یہ روایت متصل سند سے بھی مروی ہے، لہٰذا یہ حدیث حجت ہے۔

''دونوں غیر معتبر ہیں''۔ کیونکہ حبیب کا عروہ سے سماع ثابت نہیں۔ امام ترمذی اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی خیال ہے۔ لیکن امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے، نیز اس حدیث کے شواہد بھی موجود ہیں، اس لئے یہ حدیث قابل استدلال ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت کے ساتھ چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ مذی نہ نکلے۔

بعض بیویوں سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ دیکھئے: (سنن الدار قطنی: ۱/۱۳۷) (سنن نسائی (فوائد)، ج ۱، ص ۲۰۹)

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اس سے یہ ثابت ہوا کہ لمس عورت ناقض وضو نہیں ہے، اس حدیث مبارکہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی جھلک نظر آتی ہے، اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ نہایت لطیف وکرم سے پیش آتے تھے اور ازواج کے ساتھ نیکی و بھلائی والا سلوک فرماتے تھے۔(۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے لمس عورت کے حوالے سے چار احادیث مبارکہ اور بوسہ لینے کے حوالے سے ایک حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔

☆ تمام احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ عورت کو چھونے یا اپنی عورت کا بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ پر مرسل ہونے کا حکم لگایا ہے، یہ حدیث مبارکہ مرسل منقطع ہے، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابراھیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان راوی ساقط ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ کی سند امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل بیان کی ہے:

۱۔ المیزان الکبریٰ الشعرانیہ، ج ۱، ص ۱۹۸۔۱۹۷ ۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۳۲۷۔۳۳۱

۳۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۳، ص ۳۲۔۳۳

معاوية بن هشام ، عن الثورى ، عن ابى رزق ، عن ابراهيم التيمى ، عن ابيه ، عن عائشة،

اس سند میں ''عن ابیہ'' کا اضافہ ہے، جس سے یہ سند متصل ہو جاتی ہے اور سند کا ضعف ختم ہو کر حدیث صحیح کے درجہ میں ہے۔

☆ حدیث مذکور حضرت ابراھیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے، اور اس کے بارہ طرق اور اکتیس مختلف اسناد ہیں۔

☆ حدیث مذکورہ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

☆ شیخ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محمد اتیوبی نجدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، البتہ حافظ زبیر علی زئی نے ضعیف لکھا ہے۔

☆ ان حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ لمس عورت اور اپنی زوجہ کا بوسہ ناقض وضو نہیں ہے۔

☆ یہ پانچوں احادیث مبارکہ احناف کی متدل ہیں، احناف کے نزدیک ثقات کی مرسل روایات قابل حجت ہیں۔

☆ لمس عورت اور اپنی زوجہ کا بوسہ لینے سے وضو کے حکم میں فقہاء کی آراء کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔احناف: صرف چھونا، بوسہ ناقض وضو نہیں البتہ مباشرت فاحشہ ناقض وضو ہے۔

۲۔شوافع: صرف چھونے سے دونوں کا وضو ٹوٹ جائے گا۔

۳۔حنابلہ: عورتوں کی کھال کو بلا حائل چھونے سے وضو ٹوٹ جائے گا، بشرطیکہ چھوا جانے والا شہوت کے قابل ہو، بال، ناخن، دانت، کٹے ہوئے عضو، بے ریش لڑکے، خنثیٰ شکل، مرد کا مرد کو چھونا اور عورت کا عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۴۔مالکیہ: شہوت کے ساتھ چھونے سے وضو ٹوٹے گا، وگرنہ نہیں، منہ کا بوسہ بھی ناقض وضو ہے۔

۵۔ظاہریہ: یہ علماء اہل حدیث اور ظاہریہ کے نزدیک عورت کو چھونا ناقض وضو نہیں ہے۔

☆ ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ انتہائی لطف و کرم والا معاملہ فرماتے تھے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنی ازواج مطہرات سے لمس فرماتے تھے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال اگر نماز میں آ جائے، تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

☆ جو شخص سویا ہوا ہو، اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے پناہ مانگتے رہنا چاہئے، اس کی ناراضگی اور غصہ سے بچنے کی ہر وقت دعا کرنی چاہئے۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی تعریف و توصیف مسلسل کرنی چاہئے، اور اس کی رحمت کی دعا مانگتے رہنا چاہئے۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے اس کی تعریف کرنے سے عاجزی کا اظہار کرتے رہنا چاہئے۔

باب ۱۲۲: الْوُضُوْءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو کرنا

اس باب میں آگ پر پکی ہوئی چیزیں کھا کر وضو کرنے کا بیان ہے، پچھلے باب میں اپنی زوجہ کا بوسہ لینے پر وضو نہ کرنے کا بیان تھا، دونوں ابواب وضو سے متعلق ہیں، دونوں ابواب کا تعلق منہ سے ہے، پچھلے باب میں منہ سے بوسہ لینے کا بیان تھا، اور اس باب میں منہ سے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرنے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے گیارہ احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۱۷۱۔ اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ اَنْبَاَنَا اِسْمَاعِيلُ وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَا حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَارِظٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرو۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم :۲،۱۷۲،۱۷۳،مسلم ۳۵۲،احمد :۷۶۰۹،۷۶۷۹،۷۶۷۶،ترمذی :۷۹، ابن ماجہ :۴۸۵،ابوداؤد :۱۹۵،ابن حبان :۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸،المصنف عبدالرزاق:۶۶۵ ـ ۶۷۴،مصنف ابن ابی شیبۃ :ج ا،ص ۶۸ ،۶۹،السنن الکبرٰی:۱۸۰،تحفۃ الاشراف:۱۲۱۸۲،۱۳۵۵۳

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، ان میں سے چھ راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں، البتہ حضرت اسماعیل بن علیہ کے حالات دوبارہ تفصیل سے لکھے جارہے ہیں:

۱۔ اسحاق بن ابراھیم: راجع:۲

۲۔ اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

اسماعیل نام، ابوبشر کنیت تھی، والد کا نام ابراھیم بن مقسم اور والدہ کا نام علیہ تھا۔ علیہ قبیلہ بنوشیبان کی لونڈی تھیں، لیکن بڑی صاحب علم تھیں۔ انہیں کی نسبت سے اسماعیل بن علیہ کہلاتے ہیں۔

ان کی والدہ کے بارے میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:

امراۃ نبیلۃ عاقلۃ۔ (۱) ''وہ بڑی سمجھدار اور عقل مند خاتون تھیں''۔

خطیب بغدادی ان کے علم وفضل کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کانت امراۃ نبیلۃ عاقلۃ برزۃ لھا دار بالعوقۃ تعرف بھا وصالح المری وغیرہ من وجوہ البصرۃ وفقھانھایدخلون علیھا فتبرزلھم وتحادثھم وتسائلھم۔

''وہ بڑی شریف اور عقل مند خاتون تھیں، ان کا مکان عوقہ میں تھا جوان کے نام سے مشہور تھا، وہاں صالح مری اور بصرہ کے دوسرے ممتاز لوگ اور فقہاء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے، وہ برآمد ہوکر ان سے بات چیت اور سوال وجواب کرتی تھیں''۔ (۲)

ولادت:

ان کے والد ابراہیم بھی غلام تھے اور کپڑے کے تاجر تھے۔ اس سلسلہ میں وہ برابر بصرہ آیا جایا کرتے تھے، وہاں آمدورفت کے دوران انہوں نے

۱۔ تھذیب الاسماء واللغات، ج ا،ص ۱۲۰ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۶،ص ۳۲

علیہ بنت حسان سے شادی کرلی اور بصرہ ہی میں مستقل طور پر بود و باش اختیار کرلی، اور یہیں ۱۱۰ھ میں اسماعیل بن علیہ پیدا ہوئے، ان کی والدہ اپنے فضل وکمال کے باوجود چونکہ باندی تھیں، اس لئے وہ ان کی طرف نسبت پسند نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ فرماتے تھے:

من قال ابن علیه فقد اغتابنی ۔(۱)

''جوکوئی مجھ کوابن علیہ کہتا ہے وہ گویا میری غیبت کرتا ہے''۔

غالبًا اسی وجہ سے انہوں نے خود اپنی کنیت ابوالبشر رکھی، مگر ابن علیہ کے مقابلہ میں یہ کنیت مشہور نہ ہوسکی۔

تعلیم وتربیت:

تاریخوں میں تفصیل تو نہیں ملتی مگر قرائن بتاتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم ان کی والدہ نے خود ہی دی ہوگی، اس کے بعد جب کچھ ہوشیار ہوئے تو ان کی والدہ بصرہ کے ایک مشہور محدث عبدالوارث التیمی کے پاس چلی گئیں اور کہا کہ اپنے بچہ اسماعیل کو لے کر آئی ہوں۔ اور پھر اسماعیل کو محدث مذکور کے حوالے کردیا، علیہ نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ اس میں آپ جیسی صلاحیت پیدا ہوجائے۔

عبدالوارث کا بیان ہے کہ میں اسماعیل کو اپنے ساتھ لے کر جاتا اور جہاں کہیں مجلس دیکھتا ان کو آگے بڑھا دیتا اور خود بعد میں شیخ مجلس کے پاس پہنچتا اس طرح عبدالوارث نے گویا ان کو مختلف شیوخ سے روشناس کرایا۔ ابراہیم خولی جو اس روایت کو نقل کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ابن علیہ جب بصرہ سے جانے لگے تو لوگ ان کو عبدالوارث سے زیادہ ثقہ فی الحدیث سمجھنے لگے۔

فضل وکمال:

یوں تو اسماعیل کو ہر فن پر عبور تھا لیکن علم حدیث میں خصوصی کمال اور امتیازی مہارت رکھتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں اتقان وتثبت ابن علیہ پر ختم ہے۔(۲)

مشہور شیخ حدیث غندر بیان کرتے ہیں کہ میری نشوونما علم حدیث کی فضا میں ہوئی ہے، اس علم میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا جسے ابن علیہ پر فضیلت حاصل ہو۔(۳)

امام ابوداؤد الطیالسی کا قول ہے ''کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے خطا نہ کی ہو، البتہ ابن علیہ اور بشر بن المفضل اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں''۔(۴)

علی بن مدینی نے بھی اسماعیل کے تثبت فی الحدیث کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ چار کے علاوہ اکثر محدثین سے تصحیف وغلطی ہوئی ہے، وہ چار یہ ہیں: ۱۔ یزید بن زریع ۲۔ ابن علیہ ۳۔ بشر بن المفضل ۴۔ عبدالوارث بن سعید۔(۵)

ہیثم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرہ کے چند حفاظ حدیث جمع ہوئے تو ان سے کوفہ کے محدثین نے کہا کہ تم اسماعیل بن علیہ کے علاوہ جس کو چاہو سامنے لاؤ ہم کو ان سے علم وفضل میں کم نہ پاؤ گے، مگر ابن علیہ کے علم وفضل کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔(۶)

امام شعبہ انہیں سید المحدثین کہتے تھے اور ابن ناصر الدین قابل اعتماد ومتقن قرار دیتے تھے۔ ابن علیہ کی روایات میں کوئی خطا نہیں پائی گئی۔ یزید بن ہارون کہا کرتے تھے کہ میں بصرہ گیا تو مجھ کو وہاں کوئی شخص بھی نہیں ملا جس کو فن حدیث میں ابن علیہ سے افضل سمجھا جاتا ہو۔ قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ عام طور پر حفاظ حدیث چار شمار کیے جاتے تھے، اسماعیل بن علیہ، عبدالوارث، یزید بن زریع اور وہیب۔(۷)

۱۔ تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۲۳۶ ۲۔ شذرات الذہب، ج ۱ ص ۳۳۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۲۹۵

۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۱ ص ۲۷۶ ۵۔ تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۲۳۴ ۶۔ ایضاً ص ۲۳۰ ۷۔ تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۲۳۰

جرح وتعدیل کے شہرہ آفاق امام یحیٰ بن معین کا قول ہے کہ:

كان ابن علية ثقة مامونا صدوقا مسلما ورعا وثقا۔ (۱)

''ابن علیہ ثقہ، سچے اور متقی اور قابل اعتماد تھے''۔

جلالت علمی:

ابن علیہ کی عظمت وجلالت اور شان کا یہ عالم تھا کہ کبار محدثین روایت حدیث میں ان کی مخالفت کرتے ڈرتے تھے۔ عفان بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ حماد بن سلمہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے کوئی حدیث پڑھی اور اس میں ان سے ایک خطا ہوگئی۔ کسی شخص نے ان سے کہا کہ اس حدیث میں تو آپ کی مخالفت کی ہے، دریافت فرمایا کس نے مخالفت کی ہے۔ جواب ملا حماد بن زید نے۔ ابن سلمہ یہ سن کر خاموش ہوگئے اور کوئی توجہ نہیں کی۔ اس کے بعد حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا ''ابن علیہ بھی تو اس حدیث میں آپ کے مخالف ہیں۔ یہ سنتے ہی حماد بن سلمہ کھڑے ہوگئے اور گھر میں تشریف لے گئے۔ پھر باہر آ کر فرمایا ''تو بس اس حدیث میں ابن علیہ ہی کا قول معتبر ہے۔ (۲) (معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے اندر روایت کی تحقیق کی غرض سے گئے تھے)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب امام مالک رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے سفیان بن عیینہ کو ان کی جگہ عنایت کردیا۔ پھر جب حضرت حماد بن زید کا انتقال ہوا تو خدا نے ان کا قائم مقام میرے لئے ابن علیہ کو بنادیا۔ (۳) یعنی ابن علیہ امام احمد کے خاص اساتذہ میں ہیں۔

ایک مرتبہ یزید بن ہارون نے اپنے حلقہ درس میں ایک حدیث نقل کی اور سلسلہ اسناد نقل کرنے کے بعد کہا اس روایت کی تخریج حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ ابن علیہ تو اس کو مجاہد سے مروی مانتے ہیں۔ یزید بن ہارون نے یہ سن کر کچھ التفات نہیں کیا اور پھر خرجہ علی کا اعادہ فرمایا، اصل میں وہ غلط فہمی سے ابن علیہ کو ابن عیینہ سمجھے۔ اس لئے شخص مذکور نے پھر زوردار انداز میں ابن علیہ کا نام لیا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب یزید بن ہارون کے کانوں میں ابن علیہ کا نام آیا تو سخت پریشان ہوگے اور دو مرتبہ ابن علیہ ابن علیہ کہہ کر خاموش ہوگئے۔ (۴)

مذکورہ بالا واقعات سے ابن علیہ کی جلالت علمی، بلند شان اور علو مرتبت کا پورا پورا اندازہ ہوجاتا ہے۔

قوت حافظہ اور فہم حدیث:

ابن علیہ زمانہ طالب علمی سے ہی اپنے درسوں میں فہم حدیث کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ حاتم بن وردان کا بیان ہے کہ یحیٰ، اسماعیل وہیب اور عبدالوہاب، یہ چاروں ایک ساتھ حضرت ایوب کی مجلس درس میں شریک ہوتے تھے۔ درس سے فارغ ہوکر جب یہ اٹھتے تو سب اسماعیل بن علیہ کے گرد جمع ہوجاتے اور شیخ کی روایتوں کے بارے میں ان سے سوال کرتے، کہ یہ روایت کس طرح کی ہے، اس بارے میں کیا کہا اور اس سے شیخ کی کیا مراد تھی۔ اسماعیل ان سب کو جواب دیتے تھے۔ (۵)

ابن علیہ اپنا سارا ذخیرہ روایت سفینوں کی بجائے سینہ میں محفوظ رکھتے تھے۔ محدث وہیب کا قول ہے کہ اسماعیل بن ابراہیم کا حفظ اور عبدالوہاب کی کتاب دونوں برابر ہیں، زید بن ایوب کہتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ کے پاس کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی لیکن اس کے باوجود تثبت واتقان کا یہ عالم

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۱ ص ۲۷۶ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۱ ص ۲۷۶ ۳۔ تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۲۲۱، وتھذیب، ج ۱ ص ۲۷۶

۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۱ ص ۲۷۶ ۵۔ تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۲۳۲

تھا کہ ان سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوتی تھی۔ علی بن المدینی کا قول اوپر گذر چکا ہے کہ ''محدثین سے تصحیف بھی ہوئی اور خطائیں بھی لیکن چار محدثین ایسے ہیں جن سے کوئی خطایا تصحیف نہیں ہوئی''۔

جرح:

ابن علیہ کی تحدیث وروایت کی توصیف وتعریف کرتے ہوئے امام دارمی نے اتنی جرح کی ہے کہ ابن علیہ کی کوئی غلطی اس کے علاوہ نہیں معلوم ہوسکی کہ حضرت جابر سے انہوں نے تدبیر غلام کی جو روایت کی ہے اس میں غلام کے نام کو مولیٰ کا نام دے دیا اور مولیٰ کے نام کو غلام کا۔(۱)

شیوخ واساتذہ:

ابن علیہ نے بکثرت علمی سرچشموں سے اکتساب فیض کیا جس میں اکابر تابعین کرام شامل ہیں۔ مشاہیر اساتذہ کے نام یہ ہیں۔ ایوب السختیانی، علی بن جدعان، محمد بن المنکدر، عبداللہ بن ابی نجیح، عطا بن السائب، حمید الطویل (۲) عبدالعزیز بن صہیب، ابن عون، سلیمان التیمی، داؤد بن ابی ہند، سہیل بن صالح، لیث بن ابی سلیم (۳) یزید بن حمید، عبداللہ بن عوف، (۴) عاصم الاحول، ابی ریحانہ، جریری، معمر، یونس بن عبید۔(۵)

تلامذہ:

اسی طرح ابن علیہ کے منبع علم سے بھی بکثرت تشنگان علم سیراب ہوئے۔ ان کے حلقہ تلامذہ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس میں آسمان علم وفضل کے کیسے کیسے درخشاں ستارے شامل ہیں، ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں:

ابراہیم بن طہمان، حماد بن یزید، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معینؒ، علی بن المدینی، زہیر بن حرب، داؤد بن رشید، احمد بن منیع، بندار بن بشار، محمد بن المثنیٰ، یعقوب الدورقی، حسن بن عرفہ، (۶) موسیٰ بن سہل، اسحاق بن راہویہ، (۷) بقیہ، ابن وہب، ابومعمر، ابوخیثمہ، ابن ابی شیبہ، علی بن حجر، ابن المنیر۔(۸)

اس کے علاوہ ابن جریج اور امام شعبہ جیسے اکابر تبع تابعین نے بھی ابن علیہ سے روایت حدیث کی ہے۔ درآنحالیکہ یہ دونوں ان کے شیوخ سے شمار کئے جاتے ہیں۔ امام ذہبی اور حافظ ابن حجر نے موسیٰ بن سہیل بن کثیر الوشا کو ابن علیہ کا آخری شاگرد بتلایا ہے۔(۹)

فقہ:

حدیث کی طرح ابن علیہ کو فقہ میں بھی تبحر اور کمال حاصل تھا۔ امام شعبہ انہیں ''ریحانۃ الفقہاء'' کہا کرتے تھے۔(۱۰)

سوال سے گھبراتے نہیں تھے:

بہت سے اساتذہ طلبہ کے سوالات سے گھبرا جاتے ہیں۔ مگر ابن علیہ کبھی بھی گھبراتے نہیں تھے بلکہ سوالات کو پسند کرتے تھے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ زید بن حباب نے ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ مجھے ابن علیہ سے استفادہ کا موقع دیجئے۔ میں نے ابن علیہ کی روایات کے مجموعے ان کی

۱۔ تاریخ بغداد، ج۶ ص۲۳۲ ۲۔ تاریخ بغداد، ج۶ ص۲۳۳ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۲۹۵
۴۔ تاریخ بغداد، ج۶ ص۲۲۹ ۵۔ تھذیب الاسماء، ج۱ ص۱۲۰ ۶۔ تاریخ بغداد، ج۶ ص۲۲۹
۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۲۹۵ ۸۔ تھذیب التھذیب، ج۱ ص۲۷۵
۹۔ ایضاً وتذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۲۹۵ ۱۰۔ تھذیب الاسماء للنووی، ج۱ ص۱۲۰

سامنے لاکر پیش کردیے۔ابن حبان ان میں سے لوگوں کی رایوں کی چھوٹی چھوٹی باتیں نوٹ کرنے لگے، جیسے ابن عون عن محمد یا خالد عن ابی قلابۃ وغیرہ، اس کے بعد پھر وہ ابن علیہ کے پاس گئے اور ان احادیث کے بارے میں سوال کرنے لگے۔ابن علیہ ان سے بہت خوش ہوئے اس لئے کہ:

كان يحب اذا سئل ان يسئل عن الاحاديث المسندة والا سناد ۔(۱)

''وہ اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ان سے احادیث مسندۃ اور ان کی اسناد کے بارے میں سوال کیا جائے''۔

عہدۂ قضا:

فقہی مہارت اور تبحر علمی کی وجہ سے متعدد عہدوں پر فائز ہوئے چنانچہ ان کو سب سے پہلے بصرہ کے صدقات کا انتظام سپرد کیا گیا۔ پھر بغداد کے محکمہ فوجداری کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔اور آخر میں بغداد کے منصب قضا سے سرفراز ہوئے۔لیکن زیادہ عرصہ تک اس منصب پر قائم نہیں رہے۔عبداللہ بن مبارک کی ناخوشی کا علم ہوتے ہی اس عہدہ سے مستعفی ہو گئے۔

واقعہ کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ عبداللہ بن مبارک تجارت کرتے تھے اور اس میں انہیں کافی نفع بھی تھا، لیکن یہ پیشہ جلب زر و منفعت کے لئے نہیں تھا بلکہ علماء اور طلبہ کی خدمت اور ان کی دنیوی ضروریات پوری کرنے کے لئے تھا۔ چنانچہ ابن مبارک خود ہی فرماتے ہیں کہ اگر سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، فضیل، ابن السماک اور ابن علیہ، یہ پانچ حضرات نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔

ابن علیہ کے قاضی ہونے کے بعد جب ابن مبارک بغداد آئے اور انہیں اس کا علم ہوا تو نہایت آزردہ خاطر ہوئے اور جو تحفے وہ ابن علیہ کے پاس معمولاً بھیجا کرتے تھے انہیں موقوف کر دیا اور جب ابن علیہ ابن مبارک کی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے کوئی التفات نہیں کیا۔ابن علیہ تھوڑی دیر بیٹھ کر گھر واپس چلے گئے اور دوسرے دن اس مضمون کا ایک خط لکھا:

''میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے لطف و کرم کا منتظر تھا، لیکن آپ نے مجھ سے کلام ہی نہیں کیا، معلوم نہیں جناب کو میری کون سی حرکت ایسی ناگوار ہوئی؟''

یہ خط پڑھ کر حضرت ابن مبارک نے فرمایا یہ شخص بغیر سختی کے نہیں مان سکتا اور پھر جواب میں تیز و تند اشعار لکھ کر بھیج دیئے۔

يا جاعل الدين له بازيا يصطاد اموال المساكين

''اے دین کے ذریعہ غیروں کے اموال کا شکار کرنے والا باز''

احتلتَ للدنيا والذتها بحيلة تذهب بالدين

''تو نے دنیا اور اس کی لذتوں کو حاصل کرنے کے لئے ایک ایسا حیلہ اختیار کر لیا ہے جو دین کو تباہ کر کے رہے گا''

فصرت مجنونا بها بعد ما كنت دواء للمجانين

''پہلے تم دنیا کے مجنونوں کا علاج کرتے تھے اب خود تم اس کے مجنون ہو گئے ہو''

اين رواياتك فی سردها لترك ابواب السلاطين

''اب بادشاہوں کے دروازے سے بے پرواہ ہو کر تمہارا روایت حدیث کرنا کہاں گیا''

ان قلت اكرهت فذاباطل ذل حمار العلم فی الطين

''اگر تم یہ کہو کہ مجھے عہدہ قضا کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا تو یہ عذر سراسر باطل ہے اب تو یہ کہنا زیادہ موزوں ہے کہ حماد کیچڑ میں گر گیا''

۱۔تاریخ بغداد، ج ۶ ص ۲۳۴

ابن علیہ کے پاس جب عبداللہ بن مبارک کا یہ خط پہنچا تو آپ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ اسے پڑھتے جاتے اور روتے جاتے تھے۔ پورا خط پڑھنے کے بعد آپ فوراً مجلس قضا سے اٹھے اور ہارون الرشید کے پاس جا کر اپنا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے فرمایا ''خدا کے لئے آپ میرے بڑھاپے پر رحم فرمائیے، کیونکہ اب میں اس عہدہ پر باقی نہیں رہ سکتا''۔

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس مجنون (ابن مبارک) نے آپ کو بہکا دیا ہے۔ ابن علیہ نے فرمایا بہکا نہیں بلکہ انہوں نے فی الحقیقت ایک مصیبت سے مجھے نجات دلا دی ہے۔ اور میں تو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اس سے رستگاری عطا فرمائے۔ ہارون الرشید نے آپ کا استعفیٰ منظور کر کے آپ کو خدمت قضا سے سبکدوش کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور حسب سابق رقم کی ایک تھیلی ابن علیہ کو بھیج دی۔ (۱)

امام نووی کی رائے ہے کہ پہلے یہ بصرہ کے صدقات وزکوٰۃ کے والی بنائے گئے پھر ہارون الرشید کے آخری دور میں بغداد کے قاضی بنائے گئے۔ (۲)

عبادت اور خوف خدا:

ابن علیہ کو قرآن مجید کی تلاوت اور عبادت سے بے حد شغف بلکہ عشق تھا۔ ابن مدینی نے ایک رات ان کے ساتھ بسر کی تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت ابن علیہ نے اسی شب میں تہائی قرآن مجید کی تلاوت کی۔

عفان کا بیان ہے کہ ابن علیہ کا شماران کے عہد شباب سے ہی بصرہ کے عبادت گزاروں میں ہوتا تھا۔ زہد واتقاء اور احساس آخرت اس دور کی ایک عام خصوصیت تھی۔ ابن علیہ بھی ان صفات میں زمرۂ تابعین میں نمایاں تھے۔ حضرت ابن مبارک کا ان کی طرف میلان اور پھر ان کی مدد کرنا خود اس بات کا واضح ثبوت ہے، پھر ابن مبارک کی تنبیہ پر ان کا استعفیٰ دے دینا غایت تقویٰ کی دلیل ہے۔ ابن علیہ بلاشبہ ''فلیضحکو قلیلاً والی بکوا کثیراً'' کی مجسم تصویر تھے۔ ان کی خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ برسوں وہ ہنسے نہیں۔ انہیں کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا''۔

خلق قرآن کا فتنہ اور ابن علیہ:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن علیہ خلق قرآن کے قائل تھے، اگرچہ ان کے کسی قول سے اس کی صراحت نہیں ملتی، تاہم ان کے بعض ملفوظات اس خیال کی تائید ضرور کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن ابن علیہ ہارون الرشید کے بیٹے محمد امین کے پاس گئے تو امین نے آپ کو برا بھلا کہا اور پھر پوچھا: ''کیا آپ خلق قرآن کے قائل ہیں؟'' ابن علیہ نے اس پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''میں آپ پر قربان جاؤں یہ ایک عالم کی لغزش ہے''۔ اس واقعہ کی شہرت نے ابن علیہ کے بعض متقدمین کے دل میں بھی ان کی طرف سے تکدر پیدا کر دیا تھا۔

لیکن خطیب بغدادی اس واقعہ کی تردید میں لکھتے ہیں کہ ابن علیہ سے خلق قرآن کے عقیدہ کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ عبدالصمد یزید مردویہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن علیہ سے خود سنا ہے کہ: ''القران کلام الله غیر مخلوق'' حافظ ذہبی کا رجحان بھی ادھر ہی معلوم ہوتا ہے۔

وفات:

جمعرات کے دن ۲۵ یا ۲۴ ذی قعدہ ۱۹۳ھ کو علم وعمل کی یہ شمع فروزاں گل ہوگئی۔ (۳) جنازہ کی نماز ان کے صاحبزادے ابراہیم نے

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۱ ص ۲۷۸ وتاریخ بغداد، ج ۶ ص ۲۳۵۔۲۳۶　　۲۔ تہذیب الاسماء واللغات، ج ۱ ص ۱۲۰　　۳۔ شذرات الذہب، ج ۱ ص ۲۳۳

پڑھائی، (۱) اور بغداد کے قبرستان میں ابن مالک میں تدفین عمل میں آئی۔ (۲)

۳۔عبدالرزاق: راجع: ۷۷ ۴۔معمر: راجع: ۱۰

۵۔الزھری: راجع: ۱

۶۔عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ:

نام ونسب:

عمر نام، ابو حفص کنیت، نسبت نامہ یہ ہے، عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن العاص بن امیہ بن عبدشمس اموی، ماں کا نام ام عاصم تھا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عاصم کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عمر بن عبدالعزیز کی رگوں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خون بھی شامل ہو گیا تھا، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مروان جیسے بدنام شخص کی نسل سے عمر بن عبدالعزیز جیسا مجدد ملت پیدا ہوا جو صدق میں ابوبکر رضی اللہ عنہ، عدل میں عمر رضی اللہ عنہ، حیا میں عثمان رضی اللہ عنہ اور زہد میں علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا مثیل تھا۔ جس نے اپنے مجددانہ کارناموں سے ملت اسلامیہ کی روح کو جو امویوں نے مردہ کر دی تھی دوبارہ زندہ کر دیا۔

عمر کے والد عبدالعزیز مروان کے چھوٹے لڑکے تھے، مروان نے عبدالملک کے بعد انہیں ولی عہد نامزد کیا تھا، لیکن وہ عبدالملک کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ (۳)

عبدالعزیز اپنے خاندانی اوصاف وکمالات کے پورے حامل تھے۔ اور اپنے والد کی مہمات میں ان کے دست راست رہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مروان نے جب مصر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو عبدالعزیز کو ایلہ پر متعین کیا۔ (۴)

مصر پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد مروان دو مہینہ یہاں مقیم رہا، دو مہینہ کے بعد عبدالعزیز کو یہاں کا گورنر بنا کر شام واپس ہوا۔ (۵)

مروان کے بعد عبدالملک نے عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر برقرار رکھا، اور انہوں نے یہاں کامل اکیس سال حکومت کرنے کے بعد ۸۶ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ اسلام میں اتنی طویل مدت کم کسی والی کو نصیب ہوئی ہوگی۔

عبدالعزیز نے مصر اور حلوان میں اپنی حکومت کی بہت سی یادگاریں چھوڑیں۔ ایک زرنگار محل تعمیر کروایا۔ حلوان میں متعدد محلات اور مسجدیں بنوائیں، مصر کی جامع مسجد منہدم کرا کے اس کو از سر نو تعمیر کرایا، خلیج مصر پر پل بنوائے۔ انگور اور خرمے کے باغات لگوائے۔ (۶)

علماء اور ارباب کمال کا بڑا قدردان تھا، قاضی عبدالرحمن بن حجیرہ خولانی کا ایک ہزار اشرفی سالانہ وظیفہ مقرر کیا، (۷) شعراء کے ساتھ اتنی داد ودہش کرتا تھا کہ بعض شعراء نے اس کے بعد شاعری چھوڑ دی، کثیر سے کسی نے پوچھا، اب شعر کیوں نہیں کہتے؟ جواب دیا، عبدالعزیز کے بعد صلہ کی توقع کس سے کی جائے۔ (۸)

پیدائش:

اس نامور شخص کے گھر میں عمر پیدا ہوئے۔ ان کے سنہ پیدائش کے بارے میں بیانات مختلف ہیں، بروایت صحیح یزید کے عہد میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔ (۹)

۱۔تھذیب الاسماء للنووی، ج ۱، ص ۱۲۰ ۲۔تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۲۳۵۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، حصہ تبع تابعین: دوم، ص ۵۹۔۶۵

۳۔کتاب الولاۃ کندی، ص ۵۴۔۵۸ ۴۔ایضاً، ص ۲ ۵۔ایضاً، ص ۴۷ ۶۔کتاب الولاۃ کندی، ص ۵۵ و حسن المحاضرہ سیوطی، ج ۲، ص ۲۰۴

۷۔ایضاً، ج ۱، ص ۱۱۸ ۸۔ایضاً، ص ۲۴۰ ۹۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۵

تعلیم وتربیت:

عمر بن عبدالعزیز کا بچپن والد کے ساتھ مصر میں گزرا، (ایضا) اور غالباً ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، جب ہوش سنبھالا تو عبدالعزیز نے ان کو اعلیٰ تعلیم کے لئے مدینہ جو علم وعلماء کا مرکز تھا بھیج دیا، یہاں محدث صالح بن کیسان کی نگرانی میں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی۔

صالح بن کیسان اس اہتمام کے ساتھ ان کی مذہبی اور اخلاقی نگرانی کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے نماز میں دیر کردی، صالح نے باز پرس کی، عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا بال سنوارنے میں دیر ہوگئی، صالح نے کہا، اب بالوں کی آرائش میں اتنا شغف ہوگیا ہے کہ اس کو نماز پر ترجیح دی جاتی ہے، اور عبدالعزیز کو یہ واقعہ لکھ بھیجا، انہوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا، جس نے پہلے عمر کے بال مونڈے، اس کے بعد کسی سے بات چیت کی۔(۱)

اس اہتمام سے ان کی تعلیم وتربیت ہوئی، انہیں خود تحصیل علم کا ذوق تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ کے عام لڑکوں کی طرح ایک لڑکا تھا۔ پھر عربی اور شعر کا شوق پیدا ہوا۔(۲) چنانچہ انہوں نے بڑے ذوق شوق سے تحصیل علم کی۔

ان کی تعلیم کا یہ دور ابتدائی تھا، وہ دور جس نے ان کو امام وقت بنایا مدینہ کی گورنری کا عہد تھا، جس میں اکابر علماء سے ان کی صحبتیں اور علمی بحث و مباحثے رہتے تھے، ان کا خود بیان ہے کہ جب مدینہ سے نکلا ہوں اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہ تھا۔(۳) ان کے علمی کمالات کے حالات آخر میں آئیں گے۔

شادی:

ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے چچا عبدالملک نے اپنی لڑکی فاطمہ کے ساتھ ان کی شادی کردی۔(۴)

خناظرہ کی حکومت:

عمر بن عبدالعزیز درحقیقت مسند درس کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ لیکن شاہی خاندان کی رکنیت نے ان کو ایوان حکومت میں پہنچا دیا۔ چنانچہ سب سے اول وہ خناظرہ کے والی مقرر ہوئے۔(۵)

مدینہ کی گورنری:

عبدالملک کے بعد ولید نے ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا انہیں اس کے قبول کرنے میں تامل ہوا۔ ولید نے حاجب سے پوچھا عمر جاتے کیوں نہیں۔ اس نے کہا وہ کچھ شرائط کے ساتھ جانا چاہتے ہیں، ولید نے بلا کر پوچھا، انہوں نے کہا مجھے پہلے والیوں کی طرح ظلم پر مجبور نہ کیا جائے، ولید نے منظور کرلیا، اور کہا تم حق پر عمل کرنا خواہ ایک درہم بھی خزانہ میں داخل نہ ہو۔ اس شرط کے ساتھ وہ مدینہ روانہ ہوئے، اس وقت کے عمر بن عبدالعزیز درویش عمر بن عبدالعزیز نہ تھے، بلکہ شاہی خاندان کے رکن اور شان وشکوہ والے عمر بن عبدالعزیز تھے، چنانچہ تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی ساز وسامان بار تھا۔(۶)

علمائے مدینہ سے مشورہ:

لیکن فطرت سلیم تھی، اس لئے مدینہ پہنچنے کے بعد یہاں کے دس بڑے فضلاء کو بلا کر ان کے سامنے مختصر تقریر کی کہ "میں نے آپ کو ایک ایسے کام کے لئے بلایا ہے جس میں آپ کو ثواب ملے گا اور آپ حامی حق قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا، اس

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی، ص ۹ ۲۔ ایضاً ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۶ ۴۔ تاریخ الخلفاء، ص ۲۳۰
۵۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۳۲۔۳۳ ۶۔ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۴۹

لئے جب آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو میرے کسی عامل کے ظلم کی اطلاع ہو تو آپ خدا کی قسم مجھ کو ضرور اس کی خبر کیجئے''۔ یہ تقریر سننے کے بعد فقہا ان کو دعائے خیر دیتے ہوئے واپس گئے۔(۱)

تعمیر مسجد نبوی ﷺ:

مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز نے یہاں بہت سی اصلاحیں اور مفید کام کئے، ان کا ناقابل فراموش کارنامہ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر اور اس کی تزئین و آرائش ہے۔

ولید کے پیشتر و خلفاء نے وقتاً فوقتاً مسجد نبوی ﷺ میں ترمیمیں کرائی تھیں۔ لیکن ولید نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو نہایت عظیم الشان پیمانہ پر تعمیر کرانے کا ارادہ کیا، اور ۸۸ھ میں عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ مسجد نئے سرے سے تعمیر کی جائے۔ اس سے متصل ازواج کے حجرے اور دوسرے جو مکانات ہیں ان کا معاوضہ دے کر ان کو مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ جو لوگ قیمت لینے سے انکار کریں ان کے مکانات زبردستی گرائے جائیں، اور ان کی قیمت فقیروں کو خیرات دی جائے۔(۲)

قیصر روم کو خط لکھ کر بہت سے رومی کاریگر، مزدور، مینا کار اور پچہ کاری کا سامان کئی ہزار مثقال سونا منگوایا، (خلاصۃ الوفا، ص۱۳۹) اور مختلف مقامات سے مختلف قسم کے تعمیری سامان جمع کئے اور فقہائے مدینہ کی موجودگی میں مسجد کی پرانی عمارت گروا کر ان بزرگوں کے متبرک ہاتھوں سے عمارت کی بنیاد ڈالی۔(۳)

عمر بن عبدالعزیز کو اس عمارت سے ذاتی دلچسپی تھی، اس لئے بڑے انہماک اور حسن مذاق سے اس کو تعمیر کرایا، ساری عمارت نفیس پتھروں کی تھی، دیواریں اور چھتیں منقش مطلا اور مینا کار تھیں، جھاڑ کے ایک نقش پر کاریگروں کو ۳۰ درہم انعام دیتے تھے۔(۴)

اس اہتمام سے تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی، ۹۱ھ میں ولید نے مدینہ جا کر اس کا معائنہ کیا اور عمر بن عبدالعزیز کی کارگزاری پر خوشنودی ظاہر کی۔

اطراف مدینہ کی مساجد کی تعمیر:

مسجد نبوی ﷺ کے علاوہ اپنے عہد گورنری میں اطراف مدینہ میں اور بہت سی مسجدیں بنوائیں، آنحضرت ﷺ نے اطراف مدینہ میں جہاں جہاں نمازیں پڑھی تھیں مسلمانوں نے یادگار کے طور پر وہاں معمولی مسجدیں بنالی تھیں، عمر بن عبدالعزیز نے اس قسم کی تمام مسجدوں کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا۔(۵)

کنوؤں اور راستوں کی تعمیر:

رفاہ عام کے سلسلہ میں ولید کے حکم سے مدینہ میں بہت سے کنویں کھدوائے اور دشوار گزار پہاڑی راستے درست کرائے۔(۶)

معزولی:

اگرچہ عمر بن عبدالعزیز نے تقرر کے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ وہ گزشتہ والیوں کی طرح ظلم نہ کریں گے، لیکن بنی امیہ کا نظام کچھ ایسا تھا کہ یہ شرط قائم نہیں رہ سکتی تھی اس لئے ایک روایت یہ ہی کہ حجاج کی شکایت پر معزول کر دیئے گئے۔(۷) دوسرا بیان یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے خبیب کو جو بنی امیہ کے مخالفین میں تھے، ولید کے حکم سے مجبور ہو کر سزا دی جس کے صدمہ سے وہ مر گئے، اس کی ندامت میں خود مستعفی ہو گئے۔

۱۔ ابن سعد، ج۶، ص۲۴۶ ۲۔ خلاصۃ الوفا، ص۱۳۷ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ فتح الباری، ج۱، ص۴۷۲ ۶۔ طبری، ص۱۱۹۶ ۷۔ طبری، ص۱۲۵۴

سلیمان کے مزاج میں رسوخ:

عمر بن عبدالعزیز اپنے اوصاف اور حسن خلق کی بناپر خاندان بھر میں محبوب تھے، خصوصاً سلیمان بن عبدالملک ان کو بہت مانتا تھا، انہیں اپنا وزیر ومشیر بنایا تھا، اور امور خیر میں ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا، (۱) اس لئے سلیمان کے عہد کی اصلاحات درحقیقت عمر بن عبدالعزیز ہی کے فیض کا نتیجہ تھیں۔

سلیمان کی وفات اور خلافت:

۹۹ھ میں سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوا اور اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا، رجاء بن حیوۃ نے جو سلیمان کے ندیم خاص تھے، اس سے اختلاف کیا، اور کہا: ''امیر المؤمنین خلیفہ ایسے صالح آدمی کو بنایئے جس سے آپ قبر میں محفوظ رہیں''۔ سلیمان نے کہا: ''یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں ہے، میں اس پر غور کروں گا، اور خدا سے استخارہ کروں گا'' چنانچہ دو دن غور کرنے کے بعد وصیت نامہ چاک کر ڈالا، اور رجاء بن حیوۃ سے پوچھا کہ میرے لڑکے داؤد کے بارے میں کیا رائے ہے؟ رجاء نے کہا وہ اس وقت قسطنطنیہ میں ہیں، اور معلوم نہیں زندہ ہیں یا نہیں سلیمان نے کہا پھر کیا رائے دیتے ہو، رجاء نے کہا اصل رائے تو آپ کی ہے۔ آپ نام لیجئے میں غور کروں گا، (ایک روایت یہ ہے کہ رجاء ہی نے عمر بن عبدالعزیز کا نام پیش کیا) سلیمان نے کہا عمر بن عبدالعزیز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے رجاء نے کہا میرے نزدیک وہ فاضل اور برگزیدہ مسلمان ہیں، سلیمان نے کہا خدا کی قسم وہ ایسے ہیں، لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو بالکل نظر انداز کر کے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنادوں تو ایک فتنہ بپا ہو جائے گا۔ جب تک ان کے بعد عبدالملک کی کسی اولاد کا نام نہ رکھوں گا، اس وقت وہ لوگ ان کی خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے اس لئے میں یزید کے بعد خلیفہ بنائے دیتا ہوں، اس لئے وہ لوگ ٹھنڈے ہو جائیں گے اور راضی رہیں گے، رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا، اس کے بعد سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ تحریر خدا کے بندے سلیمان امیر المؤمنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز کے لئے ہے، میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا، اور تمہارے بعد یزید بن عبدالملک کو، مسلمانو! ان کا کہنا سنو اور ان کی اطاعت کرو، خدا سے ڈرو، اختلاف نہ پیدا کرو کہ دوسرے تم پر حرص وطمع کی نگاہ ڈالیں''۔

اور اس پر مہر کر کے اپنے خاندان والوں کو بلا کر رجاء کو حکم دیا، کہ اس وصیت نامہ کو لے جا کر خاندان والوں سے کہو کہ میں نے اس میں جس کو خلیفہ بنایا ہے، وہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ رجاء نے اس کی تعمیل کی۔ سب نے بالاتفاق سمعنا واطعنا کہا پھر ان کی خواہش پر سلیمان نے وصیت نامہ کی طرف جو رجاء کے ہاتھ میں تھا، اشارہ کر کے ان لوگوں سے کہا: ''اس میں میں نے جس کو خلیفہ بنایا ہے اس کی بیعت کرو، اس کے مطیع رہو'' سلیمان کے کہنے پر دوبارہ سب نے فرداً فرداً بیعت کی۔

عمر بن عبدالعزیز کو ظن غالب تھا کہ سلیمان نے ان کو خلافت کے لئے نامزد کیا ہے وہ اس بار عظیم کو اٹھانا نہ چاہتے تھے، اس لئے رجاء سے جا کر کہا: ''میرے اوپر سلیمان کی جو شفقتیں اور مہربانیاں ہیں، ان سے مجھے اندیشہ ہے کہ انہوں نے خلافت کے لئے مجھے نامزد کیا ہو۔ اگر ایسا ہو تو مجھے بتا دیجئے تاکہ قبل اس کے کہ میں مجبور ہو جاؤں ابھی اس سے استعفیٰ دے دوں''۔ لیکن رجاء نے بتانے سے انکار کیا۔

۱۔ تاریخ الخلفاء، ص ۳۶۶

نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد سلیمان کا انتقال ہوگیا، رجاء نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ موت کی خبر مخفی رکھی اور شاہی خاندان کے ارکان کو جمع کر کے دوبارہ ان سے بیعت لی۔ بیعت کو موکد کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا، اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا، عمر بن عبدالعزیز کا نام سن کر عبدالملک کے لڑکے ہشام نے کہا ہم کبھی ان کی بیعت نہیں کر سکتے، رجاء نے کہا اٹھ کر خاموشی کے ساتھ بیعت کرو، ورنہ ابھی سر قلم کر دوں گا''۔ اور عمر بن عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا، انہوں نے اس بار عظیم کی ذمہ داری پر اور ہشام نے اپنی محرومی قسمت پر اناللہ پڑھا، اس کے بعد سلیمان کی تجہیز و تکفین ہوئی، اور عمر بن عبدالعزیز نے نماز جنازہ پڑھائی۔

خلفائے راشدین کا پہلا اسوہ:

تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی عمر بن عبدالعزیز بالکل بدل گئے اور اب ناز پروردہ عمر نے ابوذر غفاری اور ابو ہریرہ کا قالب اختیار کر لیا، سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول عمر بن عبدالعزیز کے سامنے شاہی سواریاں پیش کی گئیں، انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا، شاہی سواریاں فرمایا، میرے لئے میرا خچر کافی ہے اور کل سواریاں واپس کر دیں۔(۱)

ابھی سلیمان کے اہل و عیال قصر خلافت میں تھے، اس لئے اپنے خیمہ میں فروکش ہوے۔ گھر آئے تو اس بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا۔ لونڈی نے پوچھا آپ شاید کچھ متفکر ہیں۔(۲) فرمایا اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو، اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔(۳)

خلافت سے دستبرداری کا اعلان اور مسلمانوں کا اصرار:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کی ذمہ داریوں کے بار گراں کا پورا احساس تھا، اگر نامزدگی کے وقت ان کو اس کا علم ہوگیا ہوتا تو وہ اسی وقت اپنا نام واپس لے لیتے، لیکن اب یہ بار پڑ چکا تھا، تاہم انہوں نے ایک مرتبہ اس سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی اور لوگوں کو جمع کر کے تقریر کی۔

''لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لئے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے، اس لئے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے میں خود اس کو اتارے دیتا ہوں، تم جس کو چاہو اپنا خلیفہ منتخب کر لو''۔

یہ خطبہ سن کر مجمع سے شور اٹھا: ''ہم نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا ہے، اور آپ کی خلافت سے راضی ہیں، آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے''۔

پہلا خطبہ:

جب اس کا یقین ہوگیا کہ آپ کی خلافت سے کسی کو اختلاف نہیں ہے تو آپ نے ایک تقریر کی جس میں لوگوں کو تقویٰ فکر آخرت اور ذکر موت کی طرف توجہ دلائی آخر میں با آواز بلند فرمایا:

''لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت فرض ہے اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت واجب نہیں، جب تک میں خدا کی اطاعت کروں اس وقت تک تم میری اطاعت کرو، اور جب میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں''۔(۴)

طبقات ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں:

''امابعد تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ خدا نے جو چیز حلال کر دی وہ

۱۔ ابن سعد، ج۵، ص ۲۴۷ تا ۲۴۹ ۲۔ ابن سعد، ج۵، ص ۲۴۵ ۳۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۵۲ ۴۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۵۳۔۵۴

قیامت تک کے لئے حلال ہے اور جو حرام کردی وہ قیامت تک کے لئے حرام رہے گی، میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف (احکام الٰہی کو) نافذ کرنے والا ہوں، میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں صرف پیرو ہوں، کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے میں تمہاری جماعت کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں۔ بلکہ ایک معمولی فرد ہوں، البتہ خدا نے مجھ کو تم سے زیادہ گراں بار کردیا ہے۔(۱)

مذہبی خدمات:

گویا تمام اصلاحات درحقیقت مذہب پرستی ہی کا نتیجہ تھیں، ایک حیثیت سے وہ سب مذہبی خدمات کے دائرہ میں داخل ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے بہت سی خالص مذہبی خدمات بھی انجام دیں اور شریعت اسلامی میں جو اموی خلفاء کی غفلت شعاری سے بالکل مردہ ہو چکی تھی، دوبارہ جان ڈالی، امویوں کے زمانہ میں کوئی شے جادۂ شریعت پر نہ رہ گئی تھی، عمر بن عبدالعزیز نے سب کو پھر صراط مستقیم پر لگایا، عمال کے نام جو فرامین جاتے تھے، ان سب میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی۔(۲)

عدی بن ارطاۃ کو ایک فرمان لکھا کہ ''ایمان چند فرائض، چند احکام اور چند سنن کا نام ہے، جس نے ان اجزاء کی تکمیل کرلی، اس نے ایمان کو مکمل کردیا، اور جس نے اس کی تکمیل نہیں کی، اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا، اگر میں زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے واضح کردوں گا تاکہ تم لوگ اس پر عمل کرو، اور اگر مرگیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے۔(۳)

آپ نے جس طرح ان اجزاء کا تحفظ کیا، اور ان کی تبلیغ و اشاعت میں جیسی جدوجہد کی اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس کی تفصیلات نہایت طویل ہیں، مختصر یہ کہ مذہبی روح آپ کے عہد کی امتیازی خصوصیت بن گئی تھی، طبری کا بیان ہے کہ:

ولید عمارتوں کا بانی تھا، اس لئے اس کے زمانہ میں یہی عام مذاق ہو گیا تھا اور لوگ آپس میں صرف عمارتوں کا تذکرہ کرتے تھے، سلیمان کو عورتوں اور نکاح کا شوق تھا، اس لئے اس کے زمانہ میں لوگ لونڈیوں اور شادیوں کا چرچا کرتے تھے، لیکن جب عمر بن عبدالعزیز نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو لوگوں کا موضوع بدل کر مذہب و عبادت کی تفصیلات ہو گئیں۔(۴)

مذہبی تعلیم کا اشاعت:

احیائے شریعت کے لئے عمر بن عبدالعزیز نے مذہبی تعلیم کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا، قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہیئے کہ عام علم (علم شریعت) کی اشاعت کریں، تعلیم کے لئے حلقۂ درس میں بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں۔''

ایک اور عامل کو لکھا کہ لوگوں کو حکم دو کہ وہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں کیونکہ سنت مردہ ہو چکی ہے۔(۵)

جو علماء اس مقدس کام میں مصروف تھے، ان کو فکر معاش سے مطمئن کردیا، حمص کے گورنر کو لکھا: ''جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لئے وقف کردیا ہے بیت المال سے سو سو دینار ان کا وظیفہ مقرر کرو، تاکہ وہ اس حالت کو قائم رکھ سکیں۔(۶)

دورافتادہ ممالک میں تعلیم کی اشاعت کے لئے علماء بھیجے، حضرت عبداللہ بن عمر کے غلام نافع کو جو بڑے نامور عالم تھے، تعلیم حدیث کے لئے مصر بھیجا۔(۷) قاری جعثل بن عاهان کو قراءت کی تعلیم دینے کے لئے مصر و مغرب بھیجا، (۸) یزید بن ابی مالک کو دمشق اور حارث بن یمجد الاشعری کو بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا۔(۹) یہ صرف چند نام ہیں ورنہ جن جن مقامات پر ضرورت تھی، سب جگہ علماء بھیجے۔

۱۔ابن سعد، ج۵، ص۲۵۰، ۲۵۱۔سیر الصحابۃ، ج۳، تابعین کرام، ص۲۱۰۔۲۱۵ ۲۔ابن سعد، ج۵، ص۲۵۲
۳۔بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس ۴۔طبری، ص۱۲۷۲، ۱۲۷۳ ۵۔سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۴
۶۔سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۹۵ ۷۔حسن المحاضرہ سیوطی، ج۱، ص۱۱۹ ۸۔ایضاً ۹۔سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۴۷

اشاعت اسلام:

سلطنت میں توسیع کے بجائے اسلام کی توسیع واشاعت کو اپنا مقصد قرار دیا اور اس کے لئے ہر قسم کے مادی اور اخلاقی ذرائع اختیار کیے۔ امرائے فوج کو خاص طور سے ہدایت تھی کہ ''رومیوں کے کسی حلقہ اور ان کی کسی جماعت سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک اسلام کی دعوت نہ دے لو''۔(۱)

تمام عمال کو حکم دیا کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دی جائے، جو ذمی اسلام قبول کرلیں ان کا جزیہ معاف کردیا جائے، اس طریقہ سے اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تنہا جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان کے ہاتھوں پر چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے۔(۲)

اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر والی مغرب کی تبلیغ سے سارے مغرب میں اسلام پھیل گیا۔ (فتوح البلدان، ص ۲۵۷) اور مختلف ملکوں میں اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ متعدد والیوں نے خراج کی آمدنی گھٹ جانے کی شکایت کی، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مطلق اس کی پرواہ نہ کی، بعضوں کو جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔(۳) بعضوں کو لکھا کہ: ''میں یہ پسند کرتا ہوں کہ سارے ذمی مسلمان ہو جائیں اور ہماری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھوں سے کمائیں کھائیں۔(۴) بعض عمال نے تجویز پیش کی کہ ذمی جزیہ کے خوف سے مسلمان ہوتے ہیں، اس لئے ختنہ کر کے ان کا امتحان لیا جائے، آپ نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی اور رہنما تھے، خاتن نہ تھے۔(۵) آپ کے محاسن اخلاق کی شہرت اور تبلیغ سے اسلام سے آپ کا شغف سن کر بعض ممالک نے خود اپنے یہاں مبلغ اسلام بھیجنے کی درخواست کی، چنانچہ تبت کے وفود کی درخواست پر آپ نے سلیط بن عبداللہ حنفی کو تبت روانہ کیا۔(۶) اس طرح آپ کے زمانہ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی۔(۷)

خصوصیات حکومت پر اجمالی تبصرہ:

اوپر کے حالات سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی خصوصیات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے، اس لئے اس کی بنیادی خصوصیات پر اجمالی تبصرہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی خلافت کی بنیاد کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور خدا کی اطاعت پر تھی، ان بنیادی اصولوں اور اپنی حیثیت کو پہلی تقریر میں ان الفاظ میں واضح فرمایا:

''امابعد لوگو! تمہارے نبی ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہے، اور ان پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے، خدا نے جو چیز حلال کردی وہ قیامت تک حلال رہے گی، اور جو چیز حرام کردی وہ قیامت تک حرام رہے گی، میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض (احکام الٰہی کو) نافذ کرنے والا ہوں۔ میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تم میں کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں، البتہ خدا نے مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زیادہ گراں بار کیا ہے۔(۸)

امور خلافت میں خلافت فاروقی کو اپنے لئے نمونہ عمل بنایا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم بن عبداللہ بن عمر کو لکھا: ''میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا کو

۱۔ ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیز
۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۸۵
۳۔ مقریزی، ج ۱، ص ۱۲۵
۴۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص ۹۹
۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۸۵
۶۔ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۶۲
۷۔ ایضاً ص ۲۲۴۔۲۲۵
۸۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۵۰، ۲۵۱

منظور ہو اور مجھ میں اس کی استطاعت ہو تو رعایا کے معاملہ میں عمر بن خطاب کی روش اختیار کروں۔اس لئے تم میرے پاس عمر کی تحریریں،اور ان کے فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کئے،بھیجو،اگر خدا کو منظور ہو گا تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا"۔

لیکن اب زمانہ بدل چکا تھا،عہد رسالت پر مدت گزر چکی تھی،صحابہ اٹھ چکے تھے،بنی امیہ کی حکومت نے اسلامی حکومت کے بارے میں عام مسلمانوں کا نقطہ نظر بدل دیا تھا۔اس لئے اس زمانہ میں عہد فاروقی کو زندہ کرنا بہت مشکل تھا،سالم نے بھی ان دشواریوں کو محسوس کیا اور آپ کو لکھا کہ "عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا وہ دوسرے زمانہ میں اور دوسرے آدمیوں کے ذریعہ کیا،اگر تم نے اس زمانہ میں اور ان آدمیوں کے ذریعہ کیا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے۔(۱)

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس تغیر حالات اور ہر طرح کے موانع و مشکلات کے باوجود ایک مرتبہ پھر فاروقی خلافت کا نمونہ دنیا کو دکھا دیا،اسی لئے بعض محدثین آپ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں۔(۲)

علالت:

لیکن افسوس مسلمانوں کو ڈھائی سال سے زیادہ اس سراپا خیر و برکت ہستی سے مستفیض ہونے کا موقع نہ ملا،اور رجب ۱۰۱ھ میں مجدد خلافت نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

آپ کے سبب وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں،ایک یہ کہ آپ کی موت طبعی تھی،دوسرا بیان یہ ہے کہ بنی امیہ نے جب محسوس کیا کہ اگر آپ کی خلافت کا زمانہ زیادہ بڑھا تو اموی خاندان کی قوت ہمیشہ کے لئے توڑ دیں گے،تو انہوں نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار اشرفی دے کر خفیہ زہر دلوایا،آپ کو اس کا علم ہو گیا،لیکن غلام پر کوئی سختی نہیں کی،بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔(۳)

طبیب نے بھی زہر تجویز کیا مگر آپ نے علاج کرنے سے انکار کر دیا،اور فرمایا:"اگر مجھے یہ بھی یقین ہو جاتا کہ میرے کان کی لو کے پاس میری شفا ہے تو بھی میں ہاتھ نہ بڑھاتا"۔(۴)

یزید بن عبدالملک کو وصیت نامہ:

زندگی سے مایوسی کے بعد اپنے ہونے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کو یہ وصیت نامہ لکھا:

میں تم کو یہ وصیت نامہ اس حالت میں لکھ رہا ہوں کہ مرض سے لاغر ہو گیا ہوں۔تم کو معلوم ہے کہ امور خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے گا اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا،اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہیں چھپا سکوں گا،خدا خود فرماتا ہے:

فلنقص علیھم بعلم و ما کنا غائبین

"ہم ان کو علم سے قصہ سناتے ہیں،اور ہم غیر حاضر نہ تھے"۔

اگر خدا مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا،اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی،اور اگر مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر،میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں،دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے دوزخ سے نجات دے اور اپنی رضامندی سے نجات عطا کرے،تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے،اور رعایا کا خیال رکھنا چاہئے،کیونکہ میرے بعد تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے،تم کو اس سے بچنا چاہئے کہ تم سے غفلت

۱۔سیرت عمر بن عبدالعزیز،ص ۱۳۱۔۱۳۲،ملخصا و ابن سعد،ج ۵،ص ۲۹۲ ۲۔ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی التفضیل

۳۔تاریخ الخلفاء،ص ۲۴۷ ۴۔سیرت عمر بن عبدالعزیز،ص ۲۷۶

میں ایسی لغزش سرزد ہو جائے جس کی تلافی نہ کرسکو سلیمان بن عبد الملک خدا کا ایک بندہ تھا، خدا نے اسے وفات دی، اور اس نے مجھ کو خلیفہ بنایا، اور میرے بعد تم کو ولی عہد مقرر کیا، میں جس حالت میں تھا، اگر وہ اس لئے ہوتی کہ میں بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں، تو خدا نے مجھ کو اس سے بہتر سامان دیئے تھے جو کسی بندہ کو دے سکتا تھا، لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں، بجز اس کے کہ خدا میری دستگیری فرمائے۔

اپنی اولاد کے متعلق ارشاد:

آپ کے اہل و عیال کے متعلق مسلمہ نے آپ سے کہا:

''امیر المؤمنین آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ اس مال و دولت سے خشک رکھا اور ان کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ کاش آپ ان کے متعلق مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیت کرتے جاتے'' یہ سن کر فرمایا: ''مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو'' پھر فرمایا تمہارا یہ کہنا اس مال سے میں نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا، تو خدا کی قسم میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا البتہ جس میں ان کا حق نہیں تھا وہ ان کو نہیں دیا، تمہارا یہ کہنا کہ تم کو یا کسی اور اہل خاندان کو وصیت کرتا جاؤں، تو اس معاملہ میں میرا اوصی اور ولی صرف خدا ہے۔ جو صلحاء کا ولی ہوتا ہے، میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لئے کوئی سبیل نکال دے گا۔ اس کے بعد لڑکوں کو بلا کر ان سے باچشم پرنم فرمایا: (۱)

''میری جان تم پر قربان جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے، لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا، میرے بچو تم کسی ایسے عرب اور ذمی سے نہ ملو گے جس کا تم پر حق ہو، میرے بچو دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی۔ ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے، دوسرے یہ کہ تم محتاج رہو، اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو، ان دونوں میں اس کو یہ زیادہ پسند تھا کہ تم محتاج رہو، اور وہ جنت میں جائے۔ اچھا اب جاؤ، خدا تم کو حفظ و امان میں رکھے۔ (۲)

آخری وصیتیں اور وفات:

بعض لوگوں نے عرض کیا، آپ مدینہ منتقل ہو جاتے، اور روضہ نبوی ﷺ میں جو چوتھی جگہ خالی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہوتے، یہ سن کر فرمایا: ''خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خدا مجھے ہر قسم کا عذاب دے تو میں اسے بخوشی منظور کر لوں گا۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ خدا کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں۔ (۳)

اس کے بعد ایک ذمی سے قبر کے لئے زمین خریدی، اس نے قیمت لینے میں عذر کیا، اور کہا یہ میرے لئے خیر و برکت کا باعث ہے، کہ آپ میری مملوکہ زمین میں دفن ہوں، لیکن آپ نے یہ منظور نہ کیا اور بہ اصرار قیمت حوالہ کی۔ (۴)

پھر کفن اور دفن کے متعلق ضروری وصیتیں کیں، اور آنحضرت ﷺ کے ناخن اور موئے مبارک منگوا کر انہیں کفن میں رکھنے کی ہدایت کی۔ (۵)

دم آخر زبان پر یہ آیت تھی:

۱۔ سیرت عمر بن عبد العزیز، ص ۲۸۰ ۔ ۲۔ سیرت عمر بن عبد العزیز، ص ۵۳ ۔ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۲۸۳

۴۔ سیرت عمر بن عبد العزیز، ص ۲۳۶ ۔ ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۷۸

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (۱) ''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے بناتے ہیں جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں، اور نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت پرہیز گاروں کے لئے ہے''۔

یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے، (۲) یہ رجب کا مہینہ اور ۱۰۱ھ تھا، تاریخوں میں اختلاف ہے، وفات کے وقت انتالیس یا چالیس سال کی عمر تھی دیر سمعان میں دفن کیے گئے۔

ازدواج واولاد:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی چار بیویاں تھیں'' اوران سب سے اولادیں ہوئیں۔لمیس بنت علی، ان سے تین لڑکے تھے، عبداللہ، بکراورام عمار، ام عثمان بنت شعیب ان سے ایک لڑکا ابراہیم تھا، فاطمہ بنت عبدالملک، ان سے تین لڑکے تھے، اسحاق، یعقوب اور موسیٰ، ام ولید سے نو اولادیں تھیں، عبدالملک، ولید، عاصم، یزید، عبداللہ، عبدالعزیز، زبانا، امۃ اور ام عبداللہ۔

حلیہ:

صورۃ شکیل تھے۔رنگ گورا اور چہرہ نازک تھا، خلافت سے پہلے عیش وتنعم کی زندگی کی وجہ سے جسم نہایت تروتازہ تھا، ازار بند پیٹ کے پٹوں میں غائب ہوجاتا تھا، لیکن خلافت کے بعد زاہدانہ زندگی نے رنگ وروپ بالکل بدل دیا تھا، سوکھ کر لاغر ہوگئے تھے، پسلیاں بغیر چھوئے ہوئے گنی جاسکتی تھیں۔(۳)

فضل وکمال:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اگر سیاسی حالات تخت خلافت پر نہ بٹھاتے تو وہ مسند درس کی زینت ہوتے۔علمی اعتبار سے وہ آئمہ کبار میں تھے، تمام علماء ومصنفین کا ان کی جلالت علمی پر اتفاق ہے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان فقیھا مجتھدا عارفا بالسنن وکبیر الشان ثبتا۔ حجۃ حافظا قانتا اللہ اوھا نیا'' (۴) عمر بن عبدالعزیز امام، فقیہ، مجتہد عالم سنت، کبیر الشان، ثبت، حجت، حافظ (حدیث) خدا کے فرماں بردار، نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، فضیلت، وفور علم، صلاح، زہد وورع، عدل، شفقت علی المسلمین، حسن سیرت، خدا کی راہ میں ان تھک کوشش، سنت نبوی اور آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور خلفاء راشدین کی اقتداء میں سب کا اتفاق ہے۔(۵)

معاصر علماء میں درجہ:

اس عہد کے اکابر علماء ان کے علمی کمالات کے مقابلہ میں طفل دبستان تھے، میمون بن مہران کہتے تھے کہ علماء عمر بن عبدالعزیز کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے، (۶) ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ وہ علماء کے معلم تھے، چنانچہ جو علماء انہیں تعلیم دینے کے خیال سے ان کے پاس آتے تھے، وہ خود ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، مجاہد کا جو بڑے جلیل القدر تابعی عالم تھے بیان ہے کہ ہم لوگ ان کے پاس تعلیم دینے کے لئے گئے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔(۷)

۱۔ القصص: ۸۳ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۷۱ ۳۔ تاریخ الخلفاء، ص ۲۳۴ ۴۔ تھذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۷
۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۰۶ ۶۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۷۱ ۷۔ تذکرہ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۶

تفسیر:

تفسیر قرآن میں نہایت وسیع نظر تھی، بڑے بڑے علماء قرآنی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، ایک مرتبہ حجاز اور شام کے کچھ علماء نے آپ کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ اپنے والد سے قرآن کی اس آیت:

وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِن مَّکَانٍ بَعِیْدٍ (۱) ''وہ دور سے کیونکر پاسکتے ہیں''۔

کے متعلق پوچھو کہ اس سے کیا مراد ہے انہوں نے پوچھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ اس سے مراد تو یہ ہے، جس کی خواہش اس وقت کی جائے جس وقت انسان اس پر قادر نہ ہو۔(۲)

حدیث:

حدیث کے اجلہ حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی ان کو امام، عارف سنت، حجت اور حافظ لکھتے ہیں۔ امام مالک اور ابن عیینہ آپ کو امام وقت کہتے تھے۔(۳) جتنی مرفوع حدیثیں ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں، اتنی کسی تابعی کے علم میں نہ تھیں، ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں جن لوگوں سے ملا، ان میں سے کسی کو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا نہیں دیکھا۔(۴)

احادیث نبوی ﷺ کا تحفظ:

حدیث نبوی ﷺ کی انہوں نے بڑی خدمت کی، ہر ممکن طریقہ سے اس کی اشاعت کی اور اس کو محفوظ کیا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ احادیث نبوی کی تدوین اور اس کا تحفظ ہے، اگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوتی تو احادیث نبوی ﷺ کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا۔

آپ کے زمانہ میں مرور زمانہ کے ساتھ اکابر علماء اور حفاظ حدیث اٹھتے جاتے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ بہار آخر ہو رہی ہے، اگر احادیث کی حفاظت نہ کی گئی تو اس کا بڑا حصہ علماء کے ساتھ دفن ہو جائے گا، تو قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی ﷺ کی تلاش و جستجو کر کے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خوف ہے، لیکن صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث قبول کی جائیں۔(۵)

حافظ ابن حجر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صوبوں کے گورنروں کے نام اسی مضمون کا فرمان بھیجا۔(۶)

اس حکم کی تعمیل ہوئی اور جمع شدہ احادیث کے مجموعے تیار کرا کے تمام ممالک محروسہ میں بھیجے گئے، سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے حدیث جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کی دفتر حدیثیں لکھیں اور انہوں نے ایک ایک مجموعہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا۔(۷)

فقہ:

فقہ میں امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان امام فقیھا مجتھدا''(۸) انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان تمام فقہی فیصلوں جو انہوں نے رعایا کے متعلق کئے تھے، جمع کرایا تھا۔

شاعری:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اگرچہ مروجہ رسمی شاعری سے ذوق نہ تھا، لیکن اخلاقی اشعار پسند کرتے تھے، اور کبھی کبھی خود بھی اس رنگ کے اشعار کہتے

۱۔ سبا:۵۲ ۲۔ سیرۃ عمر بن عبدالعزیز، ص ۲۸ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۵

۴۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۸ ۵۔ بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم ۶۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۱۷۴

۷۔ جامع بیان العلم، ص ۳۸ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۰۵

تھے، ابن جوزی نے سیرت میں ان کے اشعار نقل کئے ہیں۔(۱) ایک راگ بھی جو مدینہ میں بہت مقبول تھا آپ کی جانب منسوب تھا، ممکن ہے، مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں جب کہ آپ کی طبیعت عیش وتنعم کی طرف راغب تھی یہ راگ ایجاد کیا ہو۔

خطابت:

اگر چہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بحیثیت خطیب کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی، لیکن آپ کے خطبات نہایت مؤثر اور دل پذیر ہوتے تھے، ابن جوزی نے آپ کے متعدد خطبات لکھے ہیں۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں جو بلیغ خطبات کا بہترین مجموعہ ہے، آپ کے ایک دو خطبے بطور نمونہ نقل کئے ہیں۔(۲)

علماء کی قدردانی:

گزشتہ خلفاء کی بزم طرب کی زینت شعراء خطباء اور ادیبوں سے تھی۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز کا ذوق ان سے مختلف تھا،(۳) اس لئے ان کے زمانہ میں شعراء کا ہجوم چھٹ گیا اور اس کی جگہ علمائے دین نے لے لی۔

ان کی تخت نشینی کے بعد حسب معمول حجاز اور عراق کے مشہور شعراء میں نصیب جریر، فرزدق، احوص، کثیر اور اخطل، قصیدے لے لے کر پہنچے، اور عرصہ تک ٹھہرے رہے۔ لیکن کسی کو باریابی کی اجازت نہیں ملی، ان کے بجائے علماء وفقہاء کو بلاتے تھے اور ان کی قدردانی کرتے تھے، شعراء کی یہ کس میرسی دیکھ کر ایک دن جریر نے عون بن عبداللہ کے ذریعے جو ایک ممتاز فقیہ تھے یہ اشعار کہہ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجے:

يايها القارى المرخى عمامته هذا زمانك انى قدمضى زمنى

''اے وہ قاری جس کے عمامہ کا شملہ لٹک رہا ہے یہ تیرا زمانہ ہے، میرا زمانہ گزر گیا''

ابلغ خليفتنا ان كنت لا قيه انى لدى الباب كالمصفور فى قرن

''اگر ہمارے خلیفہ سے ملاقات ہو تو میرا یہ پیغام پہنچادے کہ میں دروازہ پر بیڑیوں میں جکڑا ہوں''

عون بن عبداللہ نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ جریر سے میری آبرو بچایئے، آپ نے جریر کو باریابی کی اجازت دی، اس نے قصیدہ سنایا، جس میں اہل مدینہ کے مصائب ومشکلات کا حال تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کے لئے کپڑا، غلہ اور نقدروپیہ بھیجا اور جریر سے پوچھا ''بتاؤ تم کس جماعت میں سے ہو، مہاجرین میں، انصار میں، ان کے اعزہ میں، مجاہدین میں'' ۔اس نے کہا کسی میں نہیں، فرمایا پھر مسلمانوں کے مال میں تمہارا کیا حق ہے، اس نے کہا خدا نے میرا حق مقرر کیا ہے، بشرطیکہ آپ اس کو نہ روکیں میں ابن سبیل (مسافر) ہوں، دور دراز کا سفر کر کے آپ کے آستانہ پر ٹھہرا ہوں۔(۴)

آپ نے فرمایا، خیر اگر تم میرے پاس آئے ہو تو میں اپنی جیب سے تم کو بیس روپیہ دیتا ہوں، اس حقیر رقم پر خواہ میری تعریف کرو یا مذمت، جریر نے اسے بھی غنیمت سمجھا اور اسے لے کر باہر آیا، دوسرے شعراء نے لپک کر پوچھا، کہو ابوحرزہ کیا معاملہ رہا، اس نے جواب دیا، اپنا اپنا راستہ لو۔ یہ شخص شاعروں کو نہیں بلکہ گداگروں کو دیتا ہے۔

مگر علماء فقہاء اور قراء کی بڑی قدردانی تھی، ان کو دور دور سے بلا کر خواص میں داخل کرتے تھے۔(۵)

زمام خلافت ہاتھوں میں لینے کے بعد سالم بن عبداللہ بن عمر، محمد بن کعب قرظی اور رجاء بن حیوۃ، ریاح بن عبیدہ سے امور خلافت میں مشورہ لینے

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۲۲۵ ۲۔ ایضاً، ص۲۳۸ ۳۔ کتاب البیان والتبیین، ج۱، ص۱۹۴

۴۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۱۶۷ تا ۱۶۸ ۵۔ ایضاً، ص۱۶۶

تھے۔(۱) میمون بن مہران، رجاء بن حیوۃ، ریاح ابن عبیدہ آپ کے ندیم خاص تھے۔ان کے علاوہ اور متعدد علماء آپ کے ہم جلیس تھے۔(۲)

فضائل اخلاق:

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مجددانہ کارناموں کے بعد ان کے فضائل اخلاق لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس گلستان سے اس بہار کا پورا اندازہ ہوجاتا ہے۔تاہم اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

خلافت سے پہلے آپ فطرۃً صالح اور سعید تھے،اس لئے زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن اخلاق داغدار نہ تھا،لیکن خلافت سے پہلے آپ کی زندگی بڑے عیش وتنعم اور شان وشکوہ کی تھی۔

ان کا خود بیان ہے کہ مجھے لباس، عیش پرستی اور عطریات کا جب شوق ہوا،تو میں نے اسے اس قدر پورا کیا کہ میرے علم میں میرے خاندان بلکہ دوسرے خاندانوں میں بھی ایسی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہوگی،(۳) ان کے شوق اور نفاست مزاج کا یہ حال تھا کہ جب ان کے کپڑوں پر ایک مرتبہ دوسروں کی نظر پڑجاتی تھی تو پھر انہیں وہ پرانا سمجھتے تھے۔(۴) ولید کے زمانہ میں ان کو چار چار سو روپیہ کی قیمت کا کپڑا سخت وکرخت معلوم ہوتا تھا،لیکن پھر چودہ درہم کا کپڑا بھی نرم وملیح معلوم ہونے لگا تھا۔(۵) خوشبو کے لئے داڑھی پر عنبر چھڑکتے تھے،(۶) رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سب سے زیادہ خوش لباس،سب سے زیادہ معطر اور سب سے زیادہ تبختر کی چال چلنے والے تھے۔(۷)

لیکن تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد زندگی یکسر بدل گئی،عیش وتنعم کے سارے سامان چھوٹ گئے اور عیش پروردہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور حسن بصری کا قالب اختیار کرلیا۔

انہوں نے جس طرح دنیا سے دامن جھاڑا،اس کے کچھ حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ساری املاک بیت المال کو واپس کردی،لونڈی غلام،فرش وفروش،لباس وعطریات عیش وتجمل کے جملہ سامانوں کو بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کردی۔(۸) بیت المال سے گزارہ کے لئے چار سو دینار سالانہ لیتے تھے،اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے۔(۹) لباس بقدر ستر پوشی اور غذا بقدر لا یموت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔

لباس:

لباس میں عموماً صرف ایک جوڑا رہتا تھا،اسی کو دھودھو پہنتے تھے۔(۱۰) مرض الموت میں ایک قمیص کے علاوہ دوسری قمیص نہ تھی۔آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا قمیص میلی ہوگئی ہے،لوگ عیادت کے لئے آتے ہیں،اس لئے دوسری بدلوادو،وہ خاموش رہیں، مسلمہ نے دوبارہ کہا،فاطمہ نے جواب دیا،خدا کی قسم اس کے علاوہ دوسرا کپڑا نہیں ہے،(۱۱) پھر ایک جوڑا بھی سالم نہ ہوتا تھا بلکہ اس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔(۱۲)

بچے بھی اسی تنگی سے بسر کرتے تھے،ایک مرتبہ آپ کی بچی کے پاس کپڑا نہ تھا آپ نے حکم دیا کہ فرش پھاڑ کر کرتہ بنادیا جائے،آپ کی بہن کو خبر ہوئی تو انہوں نے ایک تھان بھجوادیا،اور منع کردیا کہ عمر سے نہ مانگنا۔(۱۳)

۱۔سیرت عمر بن عبدالعزیز،ص ۱۶۶ ۲۔ابن سعد،ج ۵،ص ۲۹۲ ۳۔سیرت عمر بن عبدالعزیز،ص ۵۶۶ ۴۔ایضاً،ص ۱۴۶

۵۔تھذیب الاسماء،ج ۱،ص ۲۰ ۶۔سیرت عمر بن عبدالعزیز،ص ۱۵۱ ۷۔سیرت عمر بن عبدالعزیز،ص ۱۵۱ ۸۔تھذیب الاسماء،ج ۱،ص ۲۱

۹۔ابن سعد،ص ۲۹۶ ۱۰۔ایضاً،ص ۱۹۷ ۱۱۔سیرت عمر بن عبدالعزیز،ص ۸۰ ۱۲۔ایضاً،ص ۲۷۵ ۱۳۔ایضاً ص ۳۹۸

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے نے کپڑے مانگے، آپ نے فرمایا میرے کپڑے خیار بن ریاح کے پاس رکھے ہیں، ان سے جاکر لے لو، وہ ان کے پاس گئے، انہوں نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر دیئے، عبیداللہ نے کہا یہ تو ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں۔ خیار نے کہا میرے پاس تو امیر المؤمنین کے یہی کپڑے ہیں، عبیداللہ نے واپس جاکر حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی وہی عذر کیا، آپ نے فرمایا میرے پاس تو یہی کپڑے ہیں، یہ جواب سن کر وہ لوٹنے لگے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے واپس بلا کر کہا اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو، تو لے سکتے ہو، چنانچہ سو درہم دلوا دیئے، اور وظیفہ تقسیم ہونے کے وقت کاٹ لئے گئے۔(۱)

غذا:

غذا نہایت معمولی اور سادہ ہوتی تھی، روٹی اور روغن زیتون یا دال روٹی کھاتے تھے آپ کے غلاموں کو بھی یہی ملتا تھا، ایک مرتبہ ایک غلام نے شکایت کی کہ روز دال روٹی ملتی ہے، (۲) آپ کی بیوی نے جواب دیا، امیر المؤمنین کی یہی غذا ہے۔ (۳) اور یہ غذا بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے، آپ کے غلام کا بیان ہے کہ جب سے آپ خلیفہ ہوئے اس وقت سے وفات تک کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ (۴)

اگر کبھی کوئی اچھی چیز کھانے کی خواہش بھی ہوتی تھی تو اس کی مقدرت نہ تھی ایک مرتبہ انگور کھانے کو دل چاہا، بیوی سے پوچھا: ''تمہارے پاس ایک درہم ہے میں انگور کھانا چاہتا ہوں'' انہوں نے جھلا کر جواب دیا ''امیر المؤمنین ہو کر تم کو ایک درہم کی استطاعت نہیں'' فرمایا: ''یہ جہنم کی ہتھکڑیوں سے میرے لئے زیادہ آسان ہے''۔ (۵)

ان کی زندگی دیکھ کر ان کی بیوی فاطمہ نے (جنہوں نے امارت کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی) بھی اسی رنگ میں اپنے کو رنگ لیا تھا اور بناؤ سنگار کو بالکل ترک کر دیا تھا، ایک مرتبہ ایک دولت مند گھرانے کی خاتون نے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے کہا میرے شوہر کی یہی پسند ہے۔ (۶)

ذمہ داری کا احساس اور خشیت الٰہی:

حکومت اور سلطنت دلوں کو سخت اور مواخذہ سے بے خوف بنا دیتی ہے، لیکن عمر بن عبدالعزیز کے دل کو اس نے خشیت الٰہی سے لبریز کر دیا تھا، وہ خلافت کی ذمہ داریوں کے احساس سے لرزہ براندام رہتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد تنہائی میں مسجد میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے، اور اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی تھی، آنکھ کھلتی تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا، اسی طرح روتے، دعائیں کرتے اور جاگتے سوتے ساری رات گزر جاتی تھی۔

یہ مشغلہ کبھی گھر میں تنہائی میں ہوتا تھا، ایک دن بیوی نے دیکھ لیا، اس نے وجہ پوچھی آپ نے ٹالنا چاہا مگر بیوی نے اصرار کیا اور کہا میں بھی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اب وقت آپ نے بتایا کہ میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ وسپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں، اس لئے جب میں بے کس، غریب محتاج، فقیر، گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے، اور خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا، اور رسول اللہ ﷺ ان کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے اگر میں خدا کے سامنے ان کا کوئی عذر اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی دلیل نہ پیش کر سکا تو مجھے خوف خدا پیدا ہو جاتا ہے اور

۱۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۲۷۳ ۲۔ ابن سعد، ج۵، ص۲۷۴ ۳۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۲۵۲
۴۔ ایضاً، ص۲۵۴ ۵۔ تاریخ الخلفاء، ص۲۳۵ ۶۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص۱۵۴

میرے آنسو نکل آتے ہیں، اور جس قدر میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں، اسی قدر میرا دل خوفزدہ ہوتا ہے۔(۱)
بعض لوگ آپ کے گریہ وبکا پر ملامت کرتے، آپ جواب دیتے تم لوگ مجھے رونے پر ملامت کرتے ہو، حالانکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو عمر اس کے بدلہ میں پکڑا جائے گا۔(۲)
ایک مرتبہ آپ نے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو لکھا:
''خدا کی تعظیم وخشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے، جس کو اس نے اس آزمائش میں ڈالا جس میں میں ہوں، خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا، اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں ہے۔ میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں، مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جانے والے ہو تو برادر مؤمن جب تم میدان جہاد میں پہنچ جاؤ تو خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے اس لئے کہ میری حالت نہایت سخت اور میرا خطرہ بہت بڑا ہے۔(۳)

موت اور قیامت کا خوف:

سلاطین کی بزم طرب میں موت اور قیامت کے ذکر اور خوف کا گزر بھی نہیں ہوتا، لیکن عمر بن عبدالعزیز کی مجلس بزم عزا ہوتی تھی، رات کو علماء جمع ہو کر موت اور قیامت کا ذکر کر کے اس طرح روتے تھے کہ جیسے ان کے سامنے جنازہ رکھا ہے۔(۴)
رات رات بھر جاگ کر موت پر غور وفکر کیا کرتے تھے، اور قبر کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے ایک ہم جلیس سے فرمایا میں رات بھر غور وفکر میں جاگتا رہا، اس نے پوچھا کس چیز کے متعلق، فرمایا قبر اور اہل قبر کے متعلق، اگر تم مردے کو تین دن کے بعد قبر میں دیکھو تو انس ومحبت کے باوجود اس کے پاس جاتے ہوئے خوف زدہ ہو گے، تم ایسا گھر دیکھو گے جس میں خوش لباس اور خوشبو کی بجائے کیڑے رینگ رہے ہوں گے، پیپ بہہ رہی ہوگی، اور اس میں کیڑے تیر رہے ہوں گے، بدبو پھیلی ہوگی، کفن بوسیدہ ہو چکا ہوگا، یہ کہہ کر ہچکی بندھ گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، ان کی بیوی پانی چھڑک کر ہوش میں لائیں۔(۵)
یزید بن حوشب کا بیان ہے کہ ''میں نے حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا، معلوم ہوتا تھا، گویا دوزخ ان ہی کے لئے بنائی گئی ہے۔(۶)

آیات قرآنی سے تاثر:

قرآن مجید کی موعظت والی آیات پڑھ کر بے حال ہو جاتے۔ ایک شب کو یہ آیت:(۷)
۷۔ ابراھیم بن عبداللہ بن قارظ: بعض نے آپ کا نام عبداللہ بن ابراھیم بن قارظ کنانی لکھا ہے، بعض نے خیال کیا ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ شخصیات ہیں، لیکن یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ ایک ہی شخصیت ہے۔ آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ ابن ماجہ روایت نہیں کرتے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں روایت کی ہے۔(۸)

۱۔ ایضاً ص ۱۸۸۔۱۸۹ و تاریخ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبدالعزیز ۲۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۲۹۱۔۲۹۲ ۳۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۹۲
۴۔ تاریخ الخلفاء، ص ۲۳۷ ۵۔ سیرت عمر بن عبدالعزیز، ص ۱۸۷ ۶۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۹۴
۷۔ ایضاً ص ۲۲۷۔۲۳۸ ۸۔ i۔ الجرح التعدیل، ج ۲، ص ۱۰۹ ii۔ میزان الاعتدال، ج ۷، ص ۴۴۵

۸۔ابوھریرہ: راجع:۱

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ تیسویں (۳۰) حدیث مبارکہ ہے۔☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت ابراھیم بن قارظ رحمہ اللہ سے امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کی ہے، جبکہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے آپ سے روایت نہیں کی۔☆ سند کے پہلے راوی منطلی، دوسرے اور چوتھے بصری، تیسرے صنعانی، حضرت ابراہیم کنانی حجازی اور باقی مدنی ہیں۔☆ سند میں تین تابعین (زھری، عمر، ابراھیم) راوی ہیں۔☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ راشد پنجم شمار کیے جاتے ہیں، آپ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نواسے ہیں۔☆ سنن النسائی المجتبیٰ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔☆ حضرت ابوھریرہ مکثرین سہ صحابہ میں بھی سب سے زیادہ روایات بیان کرنے والے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

توضئوا: تم وضو کرو، مست: چھونے والی النار: آگ۔

۱۷۲۔اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ - يَعْنِي ابْنَ حَرْبٍ - قَالَ حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ اَخْبَرَهُ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ قَارِظٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرو۔

۱۔مطابقت:

راجع:۱۷۱

۲۔اطراف: ایضاً

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گزر چکے ہیں، باقی دو کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ھشام بن عبدالملک: آپ کا نام ابوتقی ھشام بن عبدالملک بن عمران یزنی حمصی (م:۲۵۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، آپ کو امام ابوحاتم نے متقنانی الحدیث، امام نسائی اور ابن حبان نے ثقہ، امام ابوداؤد نے شیخ ضعیف اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صدوق ربما وھم لکھا

ہے۔امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔محمد بن حرب: آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن حرب الابرش خولانی حمصی (ص:۱۹۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آپ کی ثقاہت پر آئمہ جرح وتعدیل متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔الزبیدی: راجع:۵۶ ۴۔الزہری: راجع:۱

۵۔عمر بن عبدالعزیز: راجع:۱۷۱ ۶۔عبداللہ بن قارظ: ایضاً

۷:ابوھریرہ: راجع:۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اکتسویں (۳۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت ھشام اور عبداللہ بن قارظ رحمہم اللہ پر بعض نے صدوق ہونے کا حکم لگایا ہے۔

☆ سند میں محمد۔یعنی ابن حرب، سے اس قاعدہ کی رعایت کی گئی ہے، کہ ابن حرب کا ذکر شیخ نے نہیں کیا تھا، بلکہ راوی نے اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبر تین دفعہ، حدث دو دفعہ، عن اور سمعت ایک ایک دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔لغات: راجع:۱۷۱

۱۷۳۔أَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ بَكْرٍ - وَهُوَ ابْنُ مُضَرَ - قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ قَارِظٍ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَتَوَضَّأُ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ أَكَلْتُ أَثْوَارَ أَقِطٍ فَتَوَضَّأْتُ مِنْهَا إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِالْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

حضرت عبداللہ بن ابراھیم بن قارظ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: میں نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کو مسجد کی چھت پر وضو کرتے دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے پنیر کے چند ٹکڑے کھائے تھے، اس لئے وضو کر رہا ہوں، کیونکہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے پر، وضو کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔

۱۔i۔الجرح التعدیل، ج۹،ص۶۶ ii۔تھذیب الکمال، ج۳۰،ص۲۲۶

۲۔i۔تاریخ الدارمی، ص۱۹۱ ii تاریخ الثقات، ص۴۰۲

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کا آخری حصہ باب کے عنوان سے مطابقت رکھتا ہے۔

۲۔ اطراف:

راجع :۷۱!

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی پانچ کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ **الربیع بن سلیمان:** آپ کا نام ابو محمد الربیع بن سلیمان داؤد اعرج جیزی ازدی مرادی مصری ہے، آپ کی پیدائش تقریباً ۱۸۰ھ ہے، اور وفات ۲۸ ذی الحج بروز اتوار ۲۵۶ھ ہے۔ آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ، فقیہہ راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ امام ابوداؤد، نسائی، ابن ابی داؤد، امام طحاوی، ابوبکر باغندی اور دوسرے محدثین آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔ **اسحاق بن بکر:** آپ کا نام ابو یعقوب اسحاق بن بکر بن مضر بن محمد بن حکیم بن سلمان مصری (۱۴۲ھ تا ۲۱۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، فقیہہ، صدوق راوی ہیں، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ فقیہہ مفتی ہیں، امام لیث کے شاگردوں میں سے تھے اور انہی کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ امام ابو حاتم رازی، فرماتے ہیں: آپ کو اپنے والد کی طرف سے ایک صندوق ورثہ میں ملا ہوا تھا، جس میں بہت ساری کتب موجود تھیں، (۲)

۳۔ **بکر بن مضر:** آپ کا نام ابو محمد بکر بن مضر بن محمد بن حکیم بن سلمان مصری (۱۰۲ھ تا ۱۷۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، ثابت راوی ہیں۔ آئمہ جرح تعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ امام ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔(۳)

۴۔ **جعفر بن ربیعہ:** آپ کا نام ابو شرحبیل جعفر بن ربیعہ بن شرحبیل بن حسنہ کندی مصری (م:۱۳۶ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، صدوق، تابعی راوی ہیں، آپ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۴)

۵۔ **بکر بن سوادۃ:** آپ کا نام ابو تمامہ بکر بن سوادہ بن ثمامہ جزامی مصری (م:۱۲۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، فقیہہ، تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ افریقہ کو فقہ سیکھنے کے لئے آپ کے پاس بھیجتے تھے۔ امام ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق: آپ نے افریقہ میں وفات پائی، بعض نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات اندلس کے درمیان میں ڈوبنے سے واقع ہوئی۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔(۵)

۱۔i۔ تھذیب التھذیب، ج۲،ص ۲۸۳ تا ۲۸۴۔ ii۔ تاریخ بغداد، ج۸،ص ۲۳۳

۲۔i۔ التاریخ الکبیر، ج۱،ص ۳۸۳ ii۔ تھذیب التھذیب، ج۱،ص ۲۲۸ تا ۲۲۹

۳۔i۔ الجرح التعدیل، ج۲،ص ۳۹۲ ii۔ تاریخ الثقات، ص۸۵

۴۔i۔ العبر، ج۱،ص ۱۸۳ ii۔ الکاشف، ج۱،ص ۱۸۴ iii۔ تھذیب التھذیب، ج۱،ص ۵۹۴

۵۔i۔ طبقات ابن سعد، ج۷،ص ۵۱۴ ii۔ تقریب التھذیب، ج۱،ص ۱۱۳

۶۔محمد بن مسلم: راجع:۱ ۷:عمر بن عبدالعزیز: راجع:۱۷۱

۸۔عبداللہ بن ابراھیم: ایضاً ۹۔ابوھریرۃ: راجع:۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت تساعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔☆ تساعیات کے اعتبار سے یہ پہلی حدیث مبارکہ ہے۔☆سنن النسائی المجتبیٰ میں بھی یہ پہلی حدیث مبارکہ تساعیات ہے۔☆اب تک ذکر کی گئی احادیث میں یہ سب سے طویل سند والی روایت ہے۔☆اس باب کی پہلی دو احادیث مبارکہ سباعیات سے ہیں اور یہ تساعیات میں سے ہے۔☆تساعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے انزل واطول سند ہے۔☆سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔☆سند کے پہلے پانچ راوی مصری اور باقی مدنی ہیں، البتہ حضرت عبداللہ بن قارظ، حجازی ہیں۔☆سند میں پانچ تابعین کرام (جعفر، بکر، زھری، عمر بن عبدالعزیز، عبداللہ قارظ) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔☆بہت کم اسناد ایسی ہوتی ہیں، جن میں بیک وقت اتنے تابعین کرام موجود ہوں۔☆سند میں حدثنا اسحاق بن بکر، وھوابن مضر، سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف اسحاق بن بکر روایت کیا ہے اور راوی نے۔وھوابن مضر۔کا اضافہ کیا ہے۔☆سند میں الفاظ روایت اخبرنا، رایت، سمعت ایک ایک دفعہ، حدث دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رایت: میں نے دیکھا | یتوضاء: آپ ﷺ وضو کر رہے تھے
علی ظھر المسجد: مسجد کی چھت پر | اکلت: میں نے کھایا
اثوار: ثور کی جمع، پنیر | اقط: ٹکڑا۔ بڑا ٹکڑا
سمعت: میں نے سنا | یامر: آپ ﷺ حکم دیتے تھے۔

۱۷۴۔اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ عَبْدِ الْوَارِثِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبِي عَنْ حُسَيْنٍ الْمُعَلِّمِ قَالَ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ اَبِي كَثِيرٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَمْرٍو الْاَوْزَاعِيِّ اَنَّهٗ سَمِعَ الْمُطَّلِبَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَنْطَبٍ يَقُوْلُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَتَوَضَّاُ مِنْ طَعَامٍ اَجِدُهٗ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَلَالًا لِاَنَّ النَّارَ مَسَّتْهُ فَجَمَعَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ حَصًى فَقَالَ اَشْهَدُ عَدَدَ هٰذَا الْحَصٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: کیا میں اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے حلال کردہ کھانے کی وجہ سے صرف اس لئے وضو کروں: کہ اسے آگ نے پکایا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنکریاں جمع کیں اور کہا: میں ان کنکریوں کے برابر گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگ سے پکی ہوئی چیز (کھانے) پر وضو کرو۔

۱۔مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرو۔

۲۔اطراف:

ترمذی:۷۹،ابن ماجہ:۴۸۵،احمد:۱۰۸۵۰،تحفۃ الاشراف:۱۴۶۱۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات پہلے گذر چکے ہیں، باقی تین کے حالات درج کئے جاتے ہیں، البتہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات دوبارہ قدرے تفصیل سے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ابراھیم بن یعقوب: آپ کا نام ابواسحاق ابراھیم بن یعقوب بن اسحاق سعدی جوز جانی (م:۲۵۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ حافظ، مصنف راوی ہیں، آپ دمشق میں رہائش پذیر ہوگئے تھے، بعض نے ناصبی ہونے کی نسبت کی ہے، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۲۔عبدالصمد بن عبدالوارث: آپ کا نام ابوسھل عبدالصمد بن عبدالوارث بن سعید بن ذکوان عنبری تنوری بصری (م:۲۰۶ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، صدوق، راوی ہیں، امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے میں ثابت ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۳۔عبدالوارث: راجع:۶

۴۔حسین المعلم: آپ کا نام حسین بن ذکوان معلم مکتب عوذی بصری (م:۱۴۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، البتہ علامہ عقیلی نے ضعیف کا قول کیا ہے۔امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: حضرت یحیٰی بن کثیر کے شاگردوں میں زیادہ ثقہ راوی کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: حضرت ھشام دستوائی، پھر امام اوزاعی، پھر حسین معلم رحمۃ اللہ علیہ، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۳)

۵۔یحیٰی بن کثیر: راجع:۲۴

۶۔عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی:

امام اوزاعی ان ائمہ تبع تابعین میں سے ہیں، جن کا شمار دوسری صدی کے ممتاز مجتہدین مثلاً امام ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم کے زمرہ میں ہوتا ہے۔ان کی عظمت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں فقہ وحدیث کے جو مکاتب فکر پیدا ہوئے۔ان میں ایک کے بانی یہ امام اوزاعی بھی ہیں۔انہوں نے تقریباً پوری زندگی شام میں بسر کی، اس لئے زیادہ تر یہیں ان کے مسلک وفتاوٰی کی ترویج واشاعت ہوئی اور یہیں سے یہ مسلک اندلس پہنچا۔

۱۔i۔العقد الثمین، ج ۳ ص ۲۷۴ ii۔طبقات الحفاظ، ج ۱ ص ۲۴۸

۲۔i۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۳۴۴ ii۔التاریخ الکبیر، ج ۶ ص ۱۰۵

۳۔i۔لسان المیزان، ج ۷ ص ۱۹۷ ii۔المغنی، ج ۱ ص ۱۷۱ iii۔تھذیب التھذیب، ج ۲ ص ۱۹۳

شام بنوامیہ کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔اس لئے اموی حکومت پر بھی ان کے علم وفضل اور فقہ وفتاویٰ کا اثر پڑا تھا، غالباً اسی وجہ سے حکومت نے ان کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا۔مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دی۔

۱۳۲ھ میں جب مشرق سے بنوامیہ کا سیاسی اقتدار ختم ہوا تو اس خاندان کے بعض حوصلہ مند افراد مغرب اقصیٰ پہنچے اور اندلس کی حکومت میں ایک نئی جان ڈالی، ان کے ذریعہ امام اوزاعی کا مسلک اندلس آیا، اور ایک مدت تک اس پر اہل اندلس کا عمل رہا۔شام میں تقریباً دوصدی تک اور اندلس میں تقریباً ایک صدی یعنی حاکم بن ہشام متوفی ۲۵۶ھ کے عہد تک یہ مسلک زندہ رہا۔اس کے بعد مشرق میں حنفی وشافعی اور مغرب میں مالکی وحنبلی مسلکوں نے اس کی جگہ لے لی، اور بالآخر آہستہ آہستہ اس مسلک پر تعامل ختم ہو گیا، فقہ وحدیث کی کتابوں میں اب بھی ان کے مجتہدات کا ذکر ملتا ہے۔

ابتدائی حالات:

امام اوزاعی کا نسبی تعلق یمن کے قبیلہ بنو ہمدان یا بنو حمیر سے تھا، مگر ان کا خاندان وہاں سے ترک وطن کر کے شام چلا آیا، اور یہاں دمشق کے قریب ایک بستی اوزاع میں بود وباش اختیار کر لی، اسی نسبت سے ان کو اوزاعی کہا جاتا ہے۔(بعض ارباب تذکرہ نے لکھا ہے کہ الوزاع یمن کے قبیلہ ذوالکلاع کی ایک شاخ کا نام ہے، یمن سے ترک وطن کر کے جب یہ لوگ شام آئے، تو جہاں یہ آباد ہوئے، اسی مقام کا نام اوزاع پڑ گیا، مگر حافظ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: کہ اصلہ من سبی السند، ان کا خاندانی تعلق سندھ سے تھا اور اس اعتبار سے ان کو ہندوستانی کہنا چاہیے۔(۱)

بچپن کا نام عبدالعزیز تھا، بعد میں انہوں نے اسے تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھا، اور اسی نام سے وہ مشہور ہیں، ان کی کنیت ابو عمرو اور والد کا نام عمرو تھا۔(دمشق کے پاس ایک گاؤں تھا، اس نام کے دوسرے مقامات بھی ہیں)(ابن خلکان ج ا ص ۴۹۲، ابن حجر نے لکھا ہے کہ انہوں نے آخری عمر بیروت میں سکونت اختیار کر لی تھی، شام کے مشہور شہر بعلبک میں ۸۵ھ میں ان کی ولادت ہوئی، ابھی بچے ہی تھے کہ سر سے والد کا سایہ اٹھ گیا اور یتیم ہو گئے، ماں نے نہ جانے کن کن مصیبتوں اور تکلیفوں کے ساتھ ان کی پرورش کی، حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ان کی نشوونما کسی ایک جگہ نہیں ہوئی، بلکہ ان کی والدہ (غالباً معاشی پریشانیوں کی وجہ سے) ان کو شہر بہ شہر لئے پھرتی تھی، بہت دنوں تک ادھر ادھر کی خاک چھاننے کے بعد، خدا نے نہ جانے کیا صورت پیدا کر دی کہ بیروت میں قیام پذیر ہو گئیں۔

درس وافتاء:

بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ تیرہ برس کی عمر میں مسند درس وافتا پر بیٹھ گئے تھے۔مگر اس روایت میں یا تو مبالغہ ہے کہ ۱۱۳ھ سے جب ان کی عمر پچیس برس کی تھی، انہوں نے فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا۔

یہ تو پتہ نہیں چلتا کہ انہوں نے باقاعدہ اپنی کوئی مجلس درس قائم کی تھی، مگر تمام ارباب تذکرہ لکھتے ہیں کہ دینی مسائل میں اہل شام ان ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، ہقل بن زیادہ جو ان کے خاص شاگرد ہیں، ان کا بیان ہے کہ

افتی الاوزاعی فی سبعین الف مسئلۃ بحدثنا و اخبرنا۔(۲)

۱۔ابن خلکان ج ا ص ۴۹۲ اسمعانی لفظ اوزاعی ۲۔البدایہ ج ۱۰ ص ۱۱۶

''انہوں نے ستر ہزار مسئلوں کا جواب حدیث کی روشنی میں دیا''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی خاص مجلس درس تو قائم نہیں تھی، مگر دوسرے طریقوں سے اہل علم ان سے استفادہ وروایت کرتے تھے، محاسن المسائی میں ہے کہ وہ نماز فجر کے بعد خاص ضرورت کے علاوہ کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے بلکہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، تلامذہ انتظار میں رہتے تھے، جب سورج نکل آتا تھا تو استاذ وتلامذہ فقہ وحدیث کے مذاکرہ میں لگ جاتے تھے، ثم یقومون فیتذاکرون فی الفقہ والحدیث۔(۱)

فضل وکمال:

ان کے فضل وکمال کا اعتراف تمام اکابر آئمہ فقہ وحدیث نے کیا ہے، حضرت یحیٰی بن معین، فرماتے تھے، آئمہ تو چار ہیں، امام ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری اور امام اوزاعی۔(۲) ابھی تک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مسلکوں کی شہرت نہیں ہوئی تھی، بلکہ اسلامی مملکت کی بیشتر آبادی ان ہی آئمہ کے فقہ وفتاویٰ پر عامل تھی) عبدالرحمٰن مہدی کا قول ہے: کہ اس وقت حدیث میں چار امام ہیں، امام اوزاعی، امام مالک، سفیان ثوری اور حماد بن زید۔(۳) ان ہی کا قول ہے کہ شام میں امام اوزاعی سے زیادہ سنت نبوی ﷺ کا جاننے والا کوئی دوسرا نہیں ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے، کہ میں نے حدیث میں ان سے زیادہ سمجھدار اور فقیہ آدمی نہیں دیکھا۔(۴) حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ اپنے زمانہ کے امام ہیں، حضرت ابواسحاق فرازی، کا قول ہے: کہ میں نے امام اوزاعی، اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جیسا صاحب علم وفضل نہیں دیکھا۔(۵)

ابوزرعہ رازی فرماتے تھے: امام اوزاعی اپنے علم وفضل اور کثرت روایت کی بنا پر اہل شام کے مرجع بن گئے تھے، اور اہل شام ان ہی سے فتاویٰ لیتے تھے۔ انہوں نے تقریباً ستر ہزار مسائل کا جواب حدیث وآثار کی روشنی میں دیا تھا، حضرت امیہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ (مشہور تابعی ہیں) کے مقابلہ میں اوزاعی کا کیا درجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ اوزاعی کا رتبہ ہمارے نزدیک مکحول سے زیادہ ہے، پوچھا: کہ مکحول رحمۃ اللہ علیہ نے تو صحابہ کرام کو دیکھا تھا، فرمایا: کہ ہاں روایت صحابہ کا فضل انہیں ضرور حاصل تھا، مگر یہ فضل اضافی ہے، امام اوزاعی میں جو فضل وکمال ہے وہ ان کا ذاتی ہے۔(۶) دوسری روایت میں ہے کہ ان میں علم وعبادت اور اظہار حق ہر چیز جمع تھی۔

امام مالک فرماتے تھے کہ امام اوزاعی ان آئمہ میں ہیں جن کی اقتدا کی جاسکتی ہے۔(۷)

امام نووی ان کے فضل وکمال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد اجمع العلماء علی امامة الاوزاعی و جلالته وعلو مرتبة و کمال فضله

''امام اوزاعی کی امامت، جلالت، شان، علو مرتبت اور فضل وکمال پر سب کا اتفاق ہے''۔

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ ان کے علم وفضل، زہد وتقویٰ اور اظہار حق میں ان کی جرأت وہمت کے بارے میں سلف کے اقوال مشہور ومعروف ہیں۔(۸)

حافظ ابن کثیر نے ان کے علم وفضل کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے:

۱۔التہذیب ج۶ص۲۳۹ ۲۔البدایہ ج۱۰ص۱۱۶ ۳۔تہذیب التہذیب ج۶ص۱۲۳۹ ۴۔ایضاً ص۲۴۲

۵۔ایضاً ص۲۴۲ ۶۔تہذیب السماء ج اص۹۹۹، ۳۰۰ ۷۔البدایہ، ج۱۰ص۱۱۶ ۸۔تہذیب الاسماء، ج اص۲۹۹، ۳۰۰

خلفاء، وزراء اور تجار وغیرہ کے کسی طبقہ میں بھی ان سے زیادہ صاحب علم وفضل اور فصیح وبلیغ متقی وپرہیز گار آدمی نہیں دیکھا، فقہ وحدیث، سیرت و مغازی اور دوسرے اسلامی علوم میں، نہ صرف اپنے اہل وطن پر، بلکہ تمام ممالک اسلامیہ پر ان کی سیادت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا، زبان وادب کا ذوق بھی ان میں فطری تھا، ان کی تحریر وتقریر دونوں نہایت فصیح وبلیغ ہوتی تھیں، ان کی زبان سے جو بات بھی نکلتی تو لوگ حسن بیان اور فصاحت کی وجہ سے اس کو لکھ لیتے تھے، اور وہ تحریر بطور نمونہ اپنے پاس رکھتے تھے، دربار خلافت میں بھی ان کی تحریریں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں، خصوصیت سے عباسی خلیفہ منصور کو ان کی تحریر بہت پسند تھی، ایک بار اس نے اپنے خاص کاتب سے کہا: کہ حکومت کی طرف سے جو خطوط وفرامین ملک کے دوسرے حصوں میں بھیجے جاتے ہیں، ان میں تمہیں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر سے مدد لینی چاہیے، تاکہ ان خصوط کی زبان فصیح وبلیغ سمجھی جائے۔ کاتب نے کہا: کہ امیر المومنین! پوری مملکت میں اس وقت ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے، جو ان کی تحریر کا چربہ اتار سکے یا اس کی تقلید کر سکے۔(۱)

عقائد میں ان کا مسلک:

اس زمانہ میں جبر وقدر کے مسائل عام طور پر رائج ہو گئے تھے، خاص طور پر ایمان کے بسیط ومرکب ہونے کی بحثیں عام طور پر اہل علم کا موضوع بحث تھیں، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں عام محدثین اور سلف کا مسلک رکھتے تھے، فرماتے ہیں: کہ ہمارے اسلاف ایمان وعمل میں تفریق نہیں کرتے تھے، عمل ایمان سے ہے اور ایمان عمل سے، ایمان ایک جامع لفظ ہے، تو جو اپنی زبان سے ایمان کا اقرار کرے، قلب میں اس کی معرفت رکھے، اور عمل سے اس کا ثبوت دے، اس نے ایک کڑا تھام لیا، جو ٹوٹ نہیں سکتا، فقد استمسک بالعروۃ الوثقی، لا انفصام لھا۔ اور جو شخص زبان سے تو ایمان کا اظہار کرے، مگر نہ تو اس کا قلب اس کی معرفت کا لذت شناس ہوا، اور نہ وہ عمل سے اس کا ثبوت دے تو ایسے شخص کا ایمان خدا کے ہاں مقبول نہیں، آخرت میں وہ ناکامیاب ہوگا۔

بیش قیمت اقوال:

☆ جب تم کو کوئی حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح طریقے سے مل جائے، تو پھر اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے تھے، وہ اللہ کے مبلغ کی حیثیت سے کہتے تھے۔ (یعنی اس کو اللہ ہی کا پیغام سمجھنا چاہیے۔)

☆ سلف صالحین یعنی صحابہؓ وتابعین رحمہم اللہ کے اقوال واعمال کو اپنے اوپر لازم کرلو، اگرچہ لوگ اس میں تمہارا ساتھ نہ دیں، اس کے مقابلہ میں اور کسی شخص کی رائے کو، خواہ وہ کتنے ہی اچھے اور دلفریب پیرائے میں کیوں نہ پیش کی گئی ہو، کوئی اہمیت نہ دو۔ اور اس کے قبول کرنے سے پرہیز کرو، اس سے دین بھی واضح اور روشن رہے گا، اور تم بھی راہ راست پر قائم رہو گے۔

☆ **العلم ماجاء عن اصحاب محمد و مالم یجی عنھم فلیس بعلم**

حقیقی علم وہ ہے جو صحابہ کرام سے ثابت اور منقول ہے، اور جو ان سے ثابت نہ ہو، وہ علم نہیں ہے۔

☆ ولید کا بیان ہے کہ میں نے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے خود سنا ہے، وہ کہتے تھے کہ "دنیا میں انسان عمر کی جتنی گھڑیاں گزار رہا ہے، وہ سب اس کے سامنے ترتیب سے پیش کی جائیں گی، تو زندگی کی جو ساعت اللہ کی یاد سے غفلت میں گزری ہے، اس پر نفس کو سخت افسوس ہوگا۔

آپ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے بعد کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی شخص کوئی بات پوچھتا تھا: تو اس کا جواب ضرور دیتے تھے۔

۱۔ البدایہ، ج ۱۰، ص ۱۱۷

☆ ایک عیسائی نے ایک مٹکا شہد ہدیہ دیا، اور کہا: کہ آپ ایک خط شہر بعلبک کے والی کو (مالی مدد کے لئے) لکھ دیجئے، آپ نے اس سے کہا: کہ اگر خط لکھوانا چاہتے ہو، تو اس کی شرط یہ ہے کہ شہد لے لو، ورنہ میں شہد تو قبول کرلوں گا، مگر خط نہیں لکھ سکتا، وہ راضی ہو گیا۔ آپ نے شہد واپس کر دیا، اور اس کی امداد کے لئے خط لکھ دیا اور اس کی مدد ہوگئی۔

☆ سلامتی اور عافیت کے دس اجزاء ہیں، جن میں ۹ کے برابر تو خاموشی ہے، اور اسی کا ایک جز لوگوں سے بے نیازی ہے۔

☆ ایک بار اپنے ایک شاگرد سے فرمایا: کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اس کو ہر معاملہ میں آسانی میسر آتی ہے، اور جو شخص یہ جان لے کہ گفتگو بھی ایک عمل ہے (جس کی باز پرس ہوگی) تو وہ بات چیت کم کرے گا۔

☆ ایک شاگرد کا بیان ہے کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے کہ ''ایک زمانہ ایسا آئے گا، جس میں سب سے زیادہ کمی مونس وغمخوار بھائی کی، حلال پیسے اور اتباع سنت کی ہوگی''۔

☆ سلف صالحین کا حال یہ تھا کہ صبح صادق کے وقت یا اس سے کچھ پہلے ہی سے وہ ذکر وعبادت میں مشغول ہو جاتے تھے، جب طلوع آفتاب کا وقت ہوتا تھا، تو سب لوگ جمع ہو کر پہلے قیامت اور اس کی ہولنا کی کے بارے میں بات چیت کرتے تھے، پھر تعلیم دین کا چرچا ہوتا تھا۔

☆ پانچ باتیں تمام صحابہ رحمۃ اللہ علیہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم میں مشترک تھیں:

(۱) اجتماعیت (۲) اتباع سنت (۳) تعمیر مساجد (۴) تلاوت قرآن پاک (۵) جہاد (۱)

☆ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ذلیل کرنا چاہتا ہے، تو اس میں بحث ومباحثہ اور جدال ومناظرہ کا دروازہ کھول دیتا ہے، اور علم وعمل کے دروازے ان کے لئے بند کر دیتا ہے۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دونوں کی محبت ایک مومن ہی کے قلب میں جمع ہو سکتی ہے، جو شخص علماء کے شاذ ونادر اقوال پر عمل کرے گا، وہ ایک دن اسلام کے دائرہ سے نکل جائے گا۔ فرمایا: کہ برا ہو غیر عابد فقہا اور حرام چیزوں کو شبہ کی بنا پر حلال کر دینے والوں کا، جس شخص نے دین میں کوئی بدعت ایجاد کی، اس کا ورع وتقویٰ سلب ہوا۔

☆ جو واعظ خدا کی رضا کے لئے وعظ نہیں کہتا، اس کی باتیں دل سے اس طرح نکل جاتی ہیں، جس طرح پتھر کے اوپر سے پانی، فرمایا: مومن بات کم کرتا ہے اور عمل زیادہ، اور منافق عمل کم کرتا ہے، اور بات زیادہ۔

☆ سنت نبوی پر جم جاؤ اور اہل سنت کا جو موقف ہے، وہی تم اختیار کرو، جس چیز سے وہ رکے تم بھی رکو، سلف صالح کے راستے پر چلو، ایمان بغیر زبان کی شہادت کے استوار اور درست نہیں ہوتا، اور ایمان وقول بغیر عمل کے درست نہیں ہوتا، اور یہ تینوں چیزیں حسب سنت نبوی ﷺ نیت کے بغیر درست نہیں ہوتیں۔

☆ کسی نے پوچھا: کہ اس حدیث: اکثر امتی دخولا فی الجنة اهل البله میں اهل البله سے کون لوگ مراد ہیں؟ فرمایا:
الذین یعرفون الخیر ولا یعرفون الشر.
''جو صرف بھلائی ہی جانتے ہیں برائی اور شر سے واقف ہی نہیں''۔

۱۔ حسن التقاضی، ص ۱۳۸

تصنیف:

ابن ندیم نے ان کی دو کتابوں کا نام لیا ہے۔(۱) کتاب السنن فی الفقہ۔(۲) کتاب المسائل فی الفقہ، ان کے علاوہ انہوں نے ایک کتاب جس کا ذکر تذکروں میں نہیں ملتا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ''مسائل سیر ومغازی'' کے رد میں لکھی تھی، جس کے جواب میں امام ابو یوسف نے ایک کتاب الرد علی السیر الاوزاعی لکھی، اور امام محمد نے السیر الکبیر میں جا بجا اس کے جوابات دیئے ہیں۔

یہ علم نہیں ہوسکا کہ امام اوزائی کی کتاب دنیا کے کسی کتب خانہ میں موجود ہے یا نہیں، مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پوری کتاب اپنی کتاب الام جلد سادس میں نقل کردی ہے۔ اور امام ابو یوسف کی کتاب جو بختہ المعارف النعمانیہ کی طرف سے چھپ کر منصۂ شہود پر آگئی ہے، اس سے بھی امام اوزاعی کی کتاب کی حیثیت اور سیر ومغازی میں ان کے علم ونظر کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

☆ سیر ومغازی کے جو مسائل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے درس میں املا کراتے تھے، تلامذہ ان مسائل کو مرتب کرلیا کرتے تھے، خصوصیت سے امام محمد ان مسائل کا جو مجموعہ السیر الصغیر کے نام سے مرتب کیا تھا۔ وہ بہت مقبول ہوا، یہ مجموعہ جب امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا تو انہوں نے پوچھا: یہ کتاب کس کی تصنیف ہے؟ بتایا گیا کہ امام محمد عراقی کی، بولے اہل عراق نے سیر ومغازی کے موضوع پر تصنیف کیوں شروع کردی؟ اس لئے کہ ان کو سیر ومغازی کا کوئی علم نہیں ہے، (یہ علم صحابہ کے ذریعہ پہنچا ہے) اور صحابہ تو شام کے ایک حصہ اور حجاز میں پہنچے تھے، عراق تو بہت بعد میں فتح ہوا ہے۔(۱)

چنانچہ امام اوزاعی نے ان مسائل کی تردید میں ایک کتاب لکھی، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ان تمام مسائل میں امام صاحب کی پوری وکالت کی ہے۔ اوران کے اقوال کی ترجیح کے لئے عقلی ونقلی دلائل کا انبار لگا دیا ہے، مگر پھر بھی بعض مسائل میں انہوں نے اپنے امام اور استاذ کے مقابلہ میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے، یا اس کی طرف رجوع کرلیا ہے۔

وفات:

امام اوزاعی کی وفات بڑے دردناک طریقہ سے ہوئی، یہ بیروت میں تھے، ایک دن حمام میں غسل کے لئے گئے، صاحب حمام لاعلمی میں باہر سے دروازہ بند کر کے کہیں چلا گیا، اندر آگ جل رہی تھی، اور باہر سے ہوا جانے کا کوئی راستہ نہ تھا، اس لئے اسی حالت میں وہ جاں بحق ہوگئے، جب صاحب حمام واپس آیا اور اس نے دروازہ کھولا! تو دیکھا کہ آپ کا داہنا ہاتھ سر کے نیچے ہے اور قبلہ رو فرش زمین پر مردہ پڑے ہیں۔ (بعض تذکروں میں ہے کہ آپ کی اہلیہ نے لاعلمی میں دروازہ بند کردیا تھا)، یہ حادثہ عظمیٰ صفر یا ربیع الاول ۱۵۷ھ میں پیش آیا۔

آپ کی وفات تو بیروت شہر میں ہوئی مگر تدفین بیروت کے باہر ایک موضع خنتوس میں ہوئی، اس بستی کے بارے میں ابن خلکان نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ اس بستی (۲) کے تمام باشندے مسلمان ہیں اور بستی کے خواص تو امام اوزاعی سے واقف ہیں، مگر عوام صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہاں ایک بزرگ کی قبر ہے، ان کی موت پر بعض شعراء نے مرثیے بھی کہے، مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے۔

عرضت له الدنيا فاعرض مقلعا ○ عنها بزهده ايما اقلاع

دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی مگر انہوں نے زہد وقناعت کی وجہ سے اس سے ہمیشہ گریز کیا، ان کے زہد وقناعت کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے، کہ

۱۔السیر الکبیر، ص ۴ ۲۔ابن خلکان ج ۱ ص ۴۹۳

جب انتقال ہوا تو پورا اثاثہ بیت چند درہم سے زیادہ کا نہیں تھا۔

حلیہ:

ابن خلکان نے ان کا حلیہ یہ بتایا ہے، میانہ قد، گندمی رنگ، ہلکی داڑھی، جس میں مہدی کا خضاب لگا ہوتا تھا۔(۱)

۷۔المطلب بن عبداللہ بن حنطب: راجع:۸۱

۸۔ابو ہریرہ: راجع:۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ چھٹی حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ مطلب بن عبداللہ صدوق کثیر التدلیس والا رسال ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت ابراھیم بن یعقوب رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمتہ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں، اور حضرت مطلب بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے آئمہ سنن اربعہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں تین تابعین کرام (یحیٰی، عبدالرحمٰن، مطلب) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت ابوہریرہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمع ایک ایک دفعہ، قال اور عنعنہ دو دو دفعہ اور حدث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اتوضا: کیا میں وضو کروں طعام: کھانا اجدہ: میں نے اسے پایا النار: آگ
مستہ: اس کو چھوا جمع: اس نے جمع کیا
حصی: حصاۃ کی جمع کنکریاں اشھد: میں گواہی دیتا ہوں

۱۷۵۔اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِیْنَارٍ عَنْ یَحْیَی بْنِ جَعْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرو۔

۱۔سیر الصحابہ، ج۳، تبع تابعین، حصہ اول، ص۱۴۲۔۱۶۲

ا۔ مطابقت:

راجع: ۱۷۱

۲۔ اطراف: ایضاً

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی تین کے درج کئے جاتے ہیں:

ا۔ محمد بن بشار: راجع: ۲۷

۲۔ ابن ابی عدی: آپ کا نام ابوعمرو محمد بن ابراھیم بن ابی عدی سلمی قسلمی بصری (م: ۱۹۴ھ) ہے، حضرت ابراھیم کی کنیت ابوعدی تھی۔ آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاھت وعدالت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۳۔ شعبۃ: راجع: ۲۶

۴۔ عمرو بن دینار: راجع: ۱۵۴

۵۔ یحیٰی بن جعدۃ: آپ کا نام یحیٰی بن جعدہ بن ھبیرہ بن ابی وھب قریشی مخزومی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرسل (منقطع) روایت کرتے ہیں۔ آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ امام ترمذی نے کتاب الشمائل میں روایت کیا ہے۔ (۲)

۶۔ عبداللہ بن عمرو: آپ کا نام عبداللہ بن عمرو بن عبد قاری ہے، آپ حضرت عبداللہ بن عبد اور عبدالرحمٰن بن عبد کے بھتیجے ہیں، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، مقبول، متقن راوی ہیں۔ امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۳)

۷۔ ابوھریرۃ: راجع: ۱

۴۔ حکمِ روایت:

یہ روایت دیگر شواھد ومتابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ بتیسویں (۳۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۱۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۲۹۲　ii۔ الثقات، ج ۷، ص ۴۴۰

۲۔ i۔ التاریخ الکبیر، ج ۸، ص ۲۶۵　ii۔ تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۵۲۹

۳۔ i۔ تھذیب التھذیب، ج ۴، ص ۱۰۴　ii۔ تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۴۱۱

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، اگلے دو مکی اور آخری دو مدنی ہیں۔البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو کنیت کے اعتبار سے غیر معروف ہیں۔

☆ سند کے تمام رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت یحییٰ بن جعدہ رحمۃ اللہ علیہ سے آئمہ سنن اربعہ اور عبداللہ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں تین تابعین کرام (عمرو، یحییٰ، عبداللہ) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبر، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات: راجع:۱۷۱

۱۷۶۔اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَّمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالاَ اَنْبَاَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِيٍّ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ جَعْدَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مُحَمَّدٌ الْقَارِيُّ عَنْ اَبِیْ اَيُّوبَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "تَوَضَّئُوا مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ"

حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرو۔

۱۔مطابقت: راجع:۱۷۱

۲۔اطراف: ایضاً

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔عمرو بن علی:	راجع:۴	۲۔محمد بن بشار:	راجع:۲۷
۳۔ابن ابی عدی:	راجع:۱۷۵	۴۔شعبۃ:	راجع:۲۶
۵۔عمرو بن دینار:	راجع:۱۵۴	۶۔یحییٰ بن جعدہ:	راجع:۱۷۵
۷۔عبداللہ بن عمرو:	ایضاً	۸۔ابوایوب:	راجع:۲۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ تینتسویں (۳۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری، اگلے دو مکی اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مدنی ہیں۔

☆ سند میں حضرت عبداللہ بن عمرو قاری کی نسبت غیر معلوم ہے۔

☆ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وہ عظیم اور خوش قسمت صحابی ہیں، جن کے ہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد قیام فرمایا۔

☆ سند میں عن عبداللہ بن عمرو، قال محمد القاری سے مراد ہے کہ حضرت محمد بن بشار نے جب سند ذکر کی، تو انہوں نے عن عبداللہ بن عمرو القاری کہا، یعنی عبداللہ بن عمرو کے بعد القاری کا اضافہ فرمایا۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

غیرت: وہ ایک چیز بدلی۔ مراد ہے آگ سے پکی۔

۱۷۷۔اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ وَّهَارُوْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَا حَدَّثَنَا حَرَمِيٌّ وَهُوَ ابْنُ عُمَارَةَ بْنِ اَبِيْ حَفْصَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ يَحْيٰى بْنَ جَعْدَةَ يُحَدِّثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو الْقَارِيِّ عَنْ اَبِيْ طَلْحَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "تَوَضَّئُوْا مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ سے پکی ہوئی چیز (کھانے) سے وضو کرو۔

۱۔مطابقت:

راجع: ۱۷۱

۲۔اطراف:

احمد: ۱۶۳۴۹، السنن الکبریٰ: ۱۸۱، تحفۃ الاشراف: ۳۷۸۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے چھ راویوں کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔عبیداللہ بن سعید: راجع: ۱۵ ۲۔ھارون بن عبداللہ: راجع: ۶۲

۳۔حرمی بن عمارۃ بن ابی حفصۃ: آپ کا نام ابوروح حرمی بن عمارہ بن ابی حفصہ بن ثابت عتکی بصری (م: ۲۱۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے صدوق راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام ترمذی روایت نہیں کرتے۔(۱)

۴۔شعبۃ: راجع: ۲۶ ۵۔عمرو بن دینار: راجع: ۱۵۴

۶۔یحییٰ بن جعدہ: راجع: ۱۷۳ ۷۔عبداللہ بن عمرو القاری: راجع: ۱۷۵

۸۔حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ:

زید نام، ابوطلحہ کنیت، خاندان نجار کی شاخ عمرو بن مالک سے ہیں، جن کے افراد شہر یثرب میں معزز حیثیت رکھتے تھے، نسب نامہ یہ ہے: زید بن سہل ابن اسود بن حرام بن عمرو بن زید مناۃ بن عدی بن مالک بن النجار، والدہ کا نام عبادہ ہے اور وہ مالک بن عدی بن زید بن مناۃ کی

۱۔i۔تاریخ الدارمی، ص ۱۰۷ ii۔تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۱۶۱

بیٹی تھیں، جو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جدی رشتے میں تھے، قبیلہ عمرو بن مالک مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے غربی جانب باب الرحمہ کی طرف سکونت پذیر تھا، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں اس قبیلہ کے رئیس تھے۔ قبل از اسلام ابوطلحہ رضی اللہ عنہ عام اہل عرب کی طرح بت پرست تھے، اور بڑے اہتمام سے شراب پیتے تھے اور اس کے لئے ان کے ندیموں کی ایک مجلس تھی۔ (۱)

اسلام:

ابھی زمانہ شباب کا آغاز تھا، بہ مشکل بیس سال کی عمر ہوگی، کہ آفتاب نبوت طلوع ہوا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا (حضرت انس کی والدہ ماجدہ) کو نکاح کا پیغام دیا اور انہوں نے اسلام کی شرط کے ساتھ نکاح کو وابستہ کر دیا، جس کا آخری اثر یہ مرتب ہوا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دین حنیف قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے، یہ وہ وقت تھا، جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام کے پر جوش شیدائی شہر یثرب میں دین اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے، مدینہ منورہ کا جو مختصر قافلہ بیعت کے لئے روانہ ہوا تھا، اس میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

اس بیعت میں حضرت ابوطلحہ کو یہ شرف مزید حاصل ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انصار کا نقیب مقرر فرمایا۔

مواخاۃ:

بیعت کے چند مہینے کے بعد خود حامل وحی نے مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا، اور یہاں پر مہاجرین وانصار میں اسلامی برادری قائم کی، مہاجرین میں سے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا جس کو بھائی بنایا گیا، وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح قرشی رضی اللہ عنہ تھے، جن کو ایمان کی پختگی کی بدولت، دربار رسالت سے امین الامۃ خطاب عطا ہوا تھا، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی تھی۔

غزوات:

غزوۂ بدر اسلام کی تاریخ میں پہلا غزوہ ہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس میں جانثارانہ حصہ لیا تھا، بدر کے بعد غزوہ احد واقع ہوا، وہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی جانبازی کی خاص یادگار ہے۔ معرکہ اس شدت کا تھا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے تھے، لیکن حضرت ابوطلحہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے ڈھال آڑ کئے، سینہ تانے کھڑے تھے کہ، آپ کی طرف جو تیر آئے اس کا آماجگاہ خود بنیں (بخاری ج ۲، ص ۲۷۹) اور نہایت جوش میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

نفسی لنفسك الفداء ووجهی بوجهك الوفاء

''میری جان آپ پر قربان! اور میرا چہرہ آپ کے چہرے کی سپر ہو''

تیردان میں سے تیر نکال کر ایسا جوڑ کر مارتے کہ مشرکوں کے جسم میں پیوست ہو جاتا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھنے کے لئے سر اٹھاتے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حفاظت کے لئے سامنے آجاتے اور کہتے: نحری دون نحرک آپ کے گلے سے پہلے میری گردن کٹے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جان نثاری اور سرفروشی سے خوش ہو کر فرماتے فوج میں ابوطلحہ کی آواز سو آدمیوں سے بہتر ہے۔ (۲)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے احد میں نہایت پامردی سے مشرکین کا مقابلہ کیا، وہ بڑے تیرانداز تھے، اس دن میں دو تین کمانیں ان کے ہاتھ سے ٹوٹیں، اس وقت ان کے سامنے دو قسم کے خطرے تھے، ایک مسلمانوں کی شکست کا خیال، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا مسئلہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

۱۔ بخاری، ج ۲، ص ۶۶۴ ۲۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۶

حفاظت کے دوران جس ہاتھ سے بچاؤ کرتے تھے، وہ شل ہو گیا تھا، مگر انہوں نے اف نہ کی۔
غزوہ خیبر میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کے بالکل برابر تھا، اس غزوہ میں بھی وہ اس حیثیت سے نمایاں ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گدھے کے گوشت کی ممانعت کرنا چاہی، تو منادی کرنے کے لیے ان کو ہی مخصوص فرمایا۔(۱)
غزوہ حنین میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے شجاعت کے خوب جوہر دکھائے، ۲۰۔۲۱ کافروں کو قتل کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جس آدمی کو مارے اس کے سارے اسباب کا مالک سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس اکیس آدمیوں کا سامان حصہ حاصل کیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں یہ اخیر غزوہ تھا، اور ۸ ہجری میں واقع ہوا تھا۔

عام حالات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں تھے، ادھر سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ میں گفتگو ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کون تیار کرے، مدینہ میں بغلی اور مکہ میں صندوقی قبروں کا رواج تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغلی قبر پسند فرماتے تھے، مسلمانوں میں دو شخص قبریں کھودتے تھے، مہاجرین میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور انصار میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ صندوقی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بغلی قبر بناتے تھے۔ اس لئے دونوں کے پاس آدمی بھیجا گیا۔ اور یہ رائے قرار پائی کہ جو پیشتر پہنچے، اس شرف کو حاصل کرے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی بغلی کی تھی، اس لئے بہت سے مسلمان دست دعا تھے کہ مہاجرین کے آنے میں دیر ہو، اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جلد آ جائیں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور اپنے ہاتھ سے بغلی قبر کھودی۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے مدینہ کی سکونت ترک کر دی تھی اور شام چلے گئے تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھی ان ہی غم زدوں میں داخل تھے لیکن جب زیادہ پریشانی بڑھتی تو آستانہ نبوت کا رخ کرتے، اور مہینوں کا سفر طے کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور پر حاضر ہوتے اور تسلی کا سرمایہ حاصل کرتے۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے شام میں گزارا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کا بیشتر حصہ بھی وہیں بسر ہوا البتہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے قریب وہ مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کی ذات پر جو اعتماد اور ان کی منزلت کا جو خیال تھا، وہ اس سے ظاہر ہے کہ جب انہوں نے چھ آدمیوں کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: کہ آپ لوگوں کے سبب سے خدا نے اسلام کو عزت دی، آپ انصار کے ۵۰ آدمی لے کر ان لوگوں پر متعین رہیے، اگر چار آدمی ایک طرف ہوں اور دو مخالفت کریں تو دو کی گردن مار دیجئے، اور اگر پلہ برابر ہو تو اس فریق کو قتل کیجئے جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نہ ہوں، اور اگر تین دن گزر جائیں اور کوئی فیصلہ نہ ہو تو سب کے سر اڑا دیجئے۔
غرض حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ان چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ قائم ہوئی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ دروازہ پر حفاظت کے لئے کھڑے ہوئے، بنوہاشم شروع سے اس مشورہ کے خلاف تھے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چاہتے تھے، اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے آہستہ سے کہا: کہ آپ اپنا معاملہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نہ دیجئے، اپنا خود فیصلہ کیجئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا کچھ جواب دیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پاس کھڑے یہ باتیں سن رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی تو کچھ خیال پیدا ہوا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: لم ترع ابا الحسن

۱۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۹۱۲۱

اے ابوالحسن خوف نہ کیجئے۔

اسی طرح ایک دن مشورہ کے وقت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بھی پہنچے اور دروازہ پر بیٹھ گئے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کچھ نہ کہا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دلیر آدمی تھے، ان سے نہ رہا گیا، کنکری مار کر بولے، یہ لوگ اس لئے آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں مشہور کریں گے کہ ہم بھی اصحاب شوریٰ میں تھے، کنکری مارنے پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی برہم ہوئے اور بات بڑھنے لگی، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ''مجھے خوف ہے کہ آپ لوگ ان جھگڑوں میں الجھ کر اصل مسئلہ کو چھوڑ بیٹھیں! اس ذات کی قسم جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وفات دی، میں تین دن سے زیادہ کبھی مہلت نہ دوں گا، پھر گھر میں بیٹھ کر دیکھوں گا کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں''؟

اس کے بعد حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے خانگی حالات میں دو چیزیں بہت نمایاں ہیں، نکاح اور اولاد، ان کا نکاح حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ مالک بن نضر (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد) ہجرت سے قبل اپنی بیوی ام سلیم رضی اللہ عنہا سے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراض ہو کر شام چلے گئے تھے، وہاں انہوں نے انتقال کیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو پیام دیا: انہوں نے کہا: کہ میں تمہارا پیام رد نہیں کرتی، لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمان، میرا نکاح تمہارے ساتھ جائز نہیں، اگر تم اسلام قبول کر لو تو مجھے نکاح میں عذر نہ ہوگا اور وہی میرا مہر ہوگا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے اور اسلام مہر قرار پایا، ثابت کہتے ہیں: کہ میں نے کسی عورت کا مہر ام سلیم رضی اللہ عنہا سے افضل نہیں سنا۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی کئی اولادیں ہوئیں، لیکن سوائے عبداللہ کے کوئی زندہ نہ رہا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام ابوعمیر تھا۔ اس نے بچپن میں ایک لال پالا تھا، اتفاق سے لال مر گیا، اس کو نہایت غم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو اس کو غمگین پا کر لوگوں سے پوچھا: آج یہ سست کیوں ہے؟ لوگوں نے واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ہنسانے کے لئے فرمایا: یا اباعمیر مافعل النغیر؟ یعنی اے عمیر لال کہاں گیا؟

ایک اور لڑکا تھا جو کچھ دنوں بیمار رہ کر مر گیا، اس کی وفات کا واقعہ نہایت پر اثر ہے، ایک دن اس کی بیماری کے زمانہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور ادھر وہ فوت ہو گیا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کو دفن کر دیا، اور گھر والوں کو تاکید کی کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا، حضرت ابوطلحہ مسجد سے آئے تو کچھ صحابہ ساتھ تھے، پوچھا لڑکا کیسا ہے؟ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے: کہا پہلے سے اچھا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ صحابہ سے باتیں کرتے رہے کہ کھانا آیا سب نے کھایا، جب صحابہ چلے گئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اندر آئے، اور رات کو میاں بیوی نے ایک بستر پر آرام کیا، صبح کو میں ام سلیم رضی اللہ عنہا نے لڑکے کی وفات کا ذکر کیا اور کہا: کہ خدا کی امانت تھی، اس نے لے لی، اس میں کسی کا کیا اجارہ ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اناللہ پڑھا اور صبر کیا (یہ واقعہ بخاری اور مسلم میں مؤثر اور مختلف طور پر مذکور ہے)

اس لڑکے کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھٹی دی، یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ ان ہی سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی نسل چلی ان کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق اور عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق کے صاحبزادے یحییٰ تھے، اور یہ سب اپنے عہد میں مرجع انام اور علم حدیث کے امام تھے۔

حلیہ:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارک یہ تھا: رنگ گندم گوں، قد متوسط، سر اور داڑھی سفید خضاب نہیں کرتے تھے، چہرہ نورانی۔

وفات:

عمر ۷۰ سال کی ہوئی تو پیغام اجل آیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا قصہ بھی عجیب ہے، ایک دن سورۂ برأت کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت: (انفروا خفافاً وثقالاً) پر پہنچے تو ولولہ جہاد تازہ ہوا، گھر والوں سے کہا: کہ خدا نے بوڑھے اور جوان سب پر جہاد فرض کیا ہے، میں جہاد کو جانا چاہتا ہوں، سفر کا انتظام کردو، (دو مرتبہ کہا) بڑھاپے کے علاوہ روزے رکھتے تھے، نہایت نحیف اور لاغر ہو گئے تھے، گھر والوں نے کہا: خدا آپ پر رحم کرے! عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کل غزوات میں شریک ہو چکے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت وعمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں برابر جہاد کیا، اب بھی جہاد کی حرص باقی ہے، آپ گھر میں بیٹھیں، ہم لوگ آپ کی طرف سے غزوہ میں جائیں گے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھلا کب رک سکتے تھے، شہادت کا شوق ان کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا، بولے جو میں کہتا ہوں، اس کی تعمیل کرو، گھر والوں نے چاروناچار سامان سفر درست کیا، اور یہ ستر برس کا بوڑھا مجاہد خدا کا نام لے کر چل پڑا، غزوہ بحری تھا اور اسلامی بیڑہ روانہ ہونے والا تھا۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جہاز پر سوار ہوئے، اور غزوہ کے منتظر تھے، کہ ساعت مقررآ پہنچی اور ان کی روح عالم قدس کو پرواز کرگئی۔

بحری سفر تھا، زمین کہیں نظر نہ آتی تھی، ہوا کے جھونکے جہاد کو غیر معلوم سمت میں لئے جارہے تھے، اس مجاہد فی سبیل اللہ کی لاش غربت کی حالت میں جہاز کے تختہ پر بے گوروکفن پڑی رہی، آخر ساتویں روز جہاز خشکی پر پہنچا، اس وقت لوگوں نے لاش کو ایک جزیرہ میں اتر کر دفن کیا۔ لاش بعینہ صحیح و سالم تھی۔

سنہ وفات میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ۳۱ھ اور بعض کے قول کے مطابق ۳۲ھ سال وفات ہے، لیکن اس میں زیادہ صحیح روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے، اس کی رو سے ۵۱ھ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا۔

فضل وکمال:

فضل وکمال میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو خاص رتبہ حاصل ہے، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بڑے پایہ کے محدث تھے، اصابہ میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے فضل وکمال کی طرف اس طرح اشارہ کیا ہے، کہ وہ فضلائے صحابہ میں تھے۔

روایت میں نہایت احتیاط کرتے تھے ان کی احادیث مرویہ میں مسائل یا غزوات کا ذکر ہے، فضائل اعمال کا بیان نہیں، باوجودیہ کہ وہ مدت دراز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے ممتاز رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک عرصہ تک زندہ رہے، لیکن روایتوں کی مجموعی تعداد ۹۲ سے زیادہ نہ ہو سکی، اس کا اصلی باعث حدیث میں احتیاط تھی۔

حسب ذیل روایات ان کے علمی پایہ کو نمایاں کرتی ہیں:

حدیث شریف میں وارد ہے لاتدخل الملئکۃ بیتاً فیہ صور یعنی جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی بیماری میں عقیدت مندوں کا ایک گروہ عیادت کو آیا، تو دیکھا کہ دروازہ پر ایک پردہ پڑا ہے، جس میں تصویر بنی ہوئی ہے، آپس میں گفتگو شروع ہوئی، حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بولے کل تو تصویر کی ممانعت پر حدیث بیان کی تھی، حضرت عبیداللہ خولانی رضی اللہ عنہ سے کہا ہاں! لیکن یہ بھی تو کہا تھا: کہ کپڑے پر جو تصویر ہو وہ اس میں داخل نہیں۔(۱)

۱۔ص ۲۸، مسند احمد، ج ۴

ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھانا نوش فرما رہے تھے، دستر خوان پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: شاید گوشت کھانے کی وجہ سے وضو کا خیال پیدا ہوا ہے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں: اس پر فرمایا: کہ تم طیبات کھا کر وضو کی ضرورت سمجھتے ہو، حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کی حاجت نہیں سمجھتے تھے۔(۱)

ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے نفلی روزہ رکھا تھا، اتفاق سے اسی دن برف پڑی، وہ اٹھے اور اولے چن کر کھانے لگے۔ لوگوں نے کہا: روزے میں آپ اولے کھا رہے ہیں، انہوں نے جواب دیا: کہ یہ برکت ہے، جس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔(۲)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، میدان جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو رجز پڑھتے سنا، یہ شعر انہی کا ہے:

انا ابو طلحة و اسمي زيد و كل يوم في سلاحي صيد

اخلاق:

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اخلاقی جوہر حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ایسی حالت میں کہ تمام مسلمان جنگ کی شدت سے مجبور ہو کر میدان میں منتشر ہو گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معدودے چند صحابہ باقی رہ گئے تھے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا اپنے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے کے لئے بڑھنا، اور آپ کے سامنے کھڑے ہو کر کفار کے وار سہنا، حامل نبوت پر جو تیر آئے، ان کو اپنے سینے پر روکنا، اور آخر اسی حالت میں اپنا ہاتھ بیکار کر دینا، حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ لازوال نشان ہے جو ابد تک نہیں مٹ سکتا۔

اسی محبت کا اثر تھا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص خصوصیت تھی، وہ عموماً تمام معرکوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، اور ان کا اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کے برابر چلتا تھا۔ غزوہ خیبر سے واپسی کے وقت، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پر سوار تھیں، مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر ناقہ ٹھوکر لے کر گری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صفیہ زمین پر آ رہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سواری سے فوراً کود پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر پوچھا: یارسول اللہ جعلنی اللہ فداک چوٹ تو نہیں آئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں عورت کی خبر لو، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ منہ پر رومال ڈال کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور ان کا کجاوہ درست کر کے اونٹ پر بٹھایا۔(۳)

اسی طرح ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں دشمنوں کا کچھ خوف معلوم ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا، جس کا نام مندوب تھا مستعار لیا، اور سوار ہو کر جس طرف اندیشہ تھا، روانہ ہوئے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے چلے، لیکن ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، راستہ میں ملاقات ہوئی، فرمایا: وہاں کچھ نہیں اور تمہارا گھوڑا تیز رفتار ہے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت تھی اس کا اثر ہر چیز میں ظاہر ہوتا تھا۔ جب ان کے گھر میں کوئی چیز آتی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک خرگوش پکڑ لائے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو ذبح کیا اور ایک ران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیر لیکن پرخلوص نذر قبول کر لی، اسی طرح حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ایک طباق میں خرمے بھیجے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر ازواج مطہرات اور صحابہ میں تقسیم کیے۔(۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس محبت کی نہایت قدر کرتے تھے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے گئے اور منیٰ میں حلق کرایا، تو سر مبارک کے داہنے طرف کے بال اور لوگوں میں تقسیم ہو گئے اور بائیں طرف کے کل موئے مبارک حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمائے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ

۱۔ایضاً ۲۔ایضاً، ج۳، ص۲۷۹ ۳۔مسند احمد بن حنبل، ج۳، ص۱۸ ۴۔مسند احمد، ج۳، ص۱۷۱

اس قدر خوش ہوئے کہ گویا دونوں جہان کا خزانہ ہاتھ آ گیا۔

اسی طرح جب حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چھوہارے چبا کر اس لڑکے کو گھٹی دی۔ لڑکے نے مزے سے اس آب حیات کی گھٹی لی اور چھوہارے کو مسوڑھے سے دابنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دیکھو انصار کو چھوہاروں سے فطری محبت ہے۔ اس لڑکے کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک کا یہ اثر تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تمام نوجوانان انصار پر فوقیت رکھتے تھے۔ (۱)

جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ شراب حرام ہونے سے قبل ایک روز فضیح، جو چھوہارے کی بنتی ہے پی رہے تھے، کہ اسی حالت میں ایک شخص نے آ کر خبر دی کہ: شراب حرام ہوگئی، یہ سن کر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا: کہ تم اس گھڑے کو توڑ دو، انہوں نے توڑ دیا، جب یہ آیت نازل ہوئی:

لَن تَنَالُواْ الْبِرَّ حَتَّى تُنفِقُواْ مِمَّا تُحِبُّونَ (۲) ''جب تک اس میں سے خرچ نہ کرو، جو تم کو محبوب ہے، نیکی نہیں پا سکتے''۔

تو امرائے انصار نے کیسوں کی مہریں توڑ دیں اور جس کے پاس جو قیمتی چیزیں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیں، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بیرحا کو خدا کی راہ میں وقف کیا۔

بیرحا ان کی قیمتی جائیداد تھی، اس میں ایک کنواں تھا، اس کا پانی نہایت شیریں اور خوشبودار تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت شوق سے اس کو پیتے تھے، یہ اراضی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے محلہ میں اور مسجد نبوی کے سامنے واقع تھی۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس وقف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت محظوظ ہوئے اور فرمایا بخ بخ! ذالك مال رائح اور حکم دیا کہ اپنے اعزہ میں اس کو تقسیم کردو، چنانچہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائیوں اور اقارب میں، جن میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے، تقسیم کردیا۔ (۳)

ایک مرتبہ ایک شخص آیا، اس کے قیام کا کوئی سامان نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو جو اپنے ہاں مہمان رکھے، اس پر خدا رحم کرے گا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا: میں لئے جاتا ہوں، گھر میں کھانے کو نہ تھا، صرف بچوں کے لئے کھانا پکا تھا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے بیوی سے کہا: بچوں کو سلا دو اور مہمان کے پاس بیٹھ کر چراغ گل کردو۔ اس طور پر وہ کھانا کھالے گا اور ہم بھی فرضی طور پر منہ چلاتے رہیں گے، غرض اس طرح اس کو کھلا کر تمام گھر فاقہ سے پڑا رہا۔ صبح کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں یہ آیت پڑھی، جو اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (۴) ''اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے کہا رات تمہارے کام سے خدا کو بہت تعجب ہوا۔ (۵)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک خاص وصف خلوص تھا، وہ شہرت پسندی، ریا اور نمود و نمائش سے دور رہتے تھے، بیرحا کو وقف کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قسم کر کہا: کہ یہ بات اگر چھپ سکتی تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا۔ (۶)

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ۴۰ سال زندگی پائی، یہ تمام عمر روزوں میں بسر کی، عید اور بقر عید کے سوا ۳۶۵ دنوں میں کوئی دن ایسا نہ تھا

۱۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۲۵۷ ۲۔ آل عمران ۳: ۸۱ ۳۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۴۱

۴۔ الحشر ۵۹: ۹ ۵۔ مسلم، ج ۲، ص ۱۹۸ ۶۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۱۱۵

(بجز بیماری کے ایام کے) جس میں وہ صائم نہ رہے ہوں۔(۱)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے،اس کے شواھد کثیر ہیں۔

۵۔خصوصیات سند:

- ☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
- ☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چونتیسویں (۳۴) حدیث مبارکہ ہے۔
- ☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حرمی بن عمارہ صدوق ہیں، اور متکلم فیہ ہیں۔
- ☆ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے صحاح ستہ میں یہی باب الحدیث مروی ہے۔
- ☆ امام نسائی کے علاوہ آئمہ صحاح نے روایت نہیں کی۔
- ☆ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس بن مالک کی والدہ ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے والد کا نام اسحاق تھا۔
- ☆ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے بانوے احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
- ☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، دوسرے بغدادی، تیسرے اور چوتھے بصری، پانچویں اور چھٹے مکی اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدنی راوی ہیں۔
- ☆ سند میں حرمی، وھوابن عمارۃ ابن ابی حفصۃ ۔ سے مراد ہے کہ شیخ نے صرف حرمی کہا تھا، اور راوی نے وھوابن عمارۃ ابن ابی حفصۃ ۔ کا اضافہ خود کیا ہے۔
- ☆ سند میں حرمی شہر یا ملک کی نسبت نہیں، بلکہ یہ خاندانی نسبت ہے۔
- ☆ سند میں الفاظِ اداءِ روایت اخبرنا، سمعت ایک ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات: راجع:۱۷۷

۱۷۸۔أَخْبَرَنَا هَارُونُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ حَفْصٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنِ ابْنِ أَبِي طَلْحَةَ عَنْ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "تَوَضَّئُوا مِمَّا أَنْضَجَتِ النَّارُ"

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ سے پکی ہوئی چیز (کھانے) سے وضو کرو۔

۱۔مطابقت: راجع:۱۷۱

۲۔اطراف: احمد:۶۲-۱۶۳۶۲، تحفۃ الاشراف:۳۷۷۸

۱۔سیر الصحابۃ، ج ا،ص ۱۰۸-۱۱۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ھارون بن عبداللہ: راجع:۶۲ ۲۔حرمی بن عمارۃ: راجع:۱۷۷

۳۔شعبۃ بن الحجاج: راجع:۲۶ ۴۔ابوبکر بن حفص:

آپ کا نام ابوبکر عبداللہ بن حفص بن عمر بن سعد بن ابی وقاص زھری مدنی ہے، آپ نام کے بجائے کنیت سے مشہور ہیں۔آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آپ کی ثقاہت وعلم پر آئمہ جرح وتعدیل متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔ابن شھاب: راجع:۱

۶۔ابن ابی طلحۃ: آپ کا نام عبداللہ بن ابوطلحہ زید بن سھل انصاری نجاری مدنی ہے۔آپ عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہوئے، حضور نبی کریم ﷺ نے آپ رضی اللہ عنہ کو گھٹی دی، آپ کی ولادت بھی نبی کریم ﷺ کی خصوصی دعا سے ہوئی، کیونکہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا ایک کم سن بیٹا تھا، ایک دن حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر گئے ہوئے تھے کہ وہ بیٹا فوت ہوگیا۔حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کو دفنا دیا، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ شام کو گھر واپس آئے، اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے بیٹے کا حال دریافت کیا، تو آپ نے کہا: وہ سکون میں ہے، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھانا وغیرہ کھا کر سو گئے، رات کو زوجین نے حقوق ادا کیے، صبح کو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے بیٹے کے فوت ہونے کی اطلاع دی، تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آکر حضور اکرم ﷺ کو ماجرہ سنایا۔آپ ﷺ نے اولاد کی دعا کی، اس دعا کے اثر سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔آپ قلیل الحدیث راویوں میں سے ہیں۔آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی ہیں، آپ نے ۸۴ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۷۔ابوطلحۃ: راجع:۱۷۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ پینتیسویں (۳۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ سباعیات میں سے ہے۔سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت حرمی بن عمارہ صدوق اور متکلم فیہ ہیں۔

☆ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے یہ دوسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

۱۔i۔تاریخ الثقات، ص۲۵۳ ii۔الثقات، ج۵، ص۱۲

۲۔i۔سیر اعلام النبلاء، ج۳، ص۴۸۲ ii۔اسد الغابۃ، ج۳، ص۱۸۸

☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، دوسرے اور تیسرے بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (عبداللہ) کی اپنے باپ (ابوطلحہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے سنن النسائی المجتبیٰ میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں حضرت شعبہ اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہما اپنے اپنے وقت کے امام الحدیث ہوئے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات: انفجت: اس نے پھل یا گوشت پکایا، مراد ہے آگ سے پکی ہوئی کوئی بھی چیز۔

۱۷۹۔اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّبَيْدِيُّ قَالَ اَخْبَرَنِي الزُّهْرِيُّ اَنَّ عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ اَبِي بَكْرٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ خَارِجَةَ بْنَ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:
آگ سے پکی ہوئی چیز (کھانے) پر وضو کرو۔

۱۔مطابقت: راجع: ۱۷۱

۲۔اطراف: ایضاً

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، باقی تین کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ھشام بن عبدالملک: راجع: ۱۷۲ **۲۔محمد:** ایضاً

۳۔الزبیدی: راجع: ۵۶ **۴۔الزھری:** راجع: ۱

۵۔عبدالملک بن ابی بکر: آپ کا نام عبدالملک بن ابی بکر بن عبدالرحمٰن مخزومی ہے، آپ نے ھشام بن عبدالملک کے دور خلافت میں وفات پائی۔ آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔خارجہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ:

نام و نسب:

خارجہ نام، ابوزید کنیت، مشہور صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، نسب نامہ یہ ہے: خارجہ بن زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد مناف بن مالک بن نجار، ماں کا نام جمیلہ تھا، ننہالی شجرہ یہ ہے، جمیلہ بنت سعد بن الربیع بن عمرو بن مالک بن امراء القیس بن مالک بن ثعلبہ خزرجی۔

۱۔i۔الجرح والتعدیل، ج۵، ص۳۴۴ ii۔الثقات، ج۷، ص۹۳

فضل وکمال:

خارجہ کے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ علمائے صحابہ میں تھے، خصوصاً حفظ قرآن میں جماعت صحابہ میں ممتاز تھے، کلام اللہ انہی کی زیرنگرانی مدون ہوا تھا، خارجہ نے اسی آغوش علم میں پرورش پائی تھی، باپ کے فیض تعلیم سے ان کا شماران کے عہد کے کبار علماء میں ہو گیا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ کبار علماء میں سے تھے، (۱) امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ علم میں امام بارع تھے، اوران کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۲)

حدیث:

حدیث میں انہوں نے اپنے والد حضرت زید، اپنے چچا یزید، اسامہ بن زید، سہل بن سعد، عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ رضوان اللہ اجمعین سے سماع حدیث کیا تھا، خود ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے حضرت سلیمان، بھتیجے حضرت سعد قیس بن سعد اور عام لوگوں میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عثمان مطلب بن عبداللہ اور یزید ابن قسیط وغیرہ لائق ذکر ہیں۔ (۳)

فقہ:

فقہ ان کا امتیازی فن تھا، اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے، چنانچہ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں ایک ان کا نام بھی تھا۔ (۴)

فرائض:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرائض کے بہت بڑے عالم تھے، اس لئے خارجہ کو یہ دولت گویا وراثتاً ملی تھی، چنانچہ علمائے مدینہ میں وہ اور حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ علیہ میراث تقسیم کرتے تھے، تقسیم کے وثیقے لکھتے تھے' اوراس میں ان کا قول سند مانا جاتا تھا۔ (۵)

وفات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے عہد خلافت ۱۰۰ھ میں وفات پائی، وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب دیکھا: کہ ستر سیڑھیاں بنائی ہیں، انہیں بنانے کے بعد گر پڑے، اسی سال انتقال ہو گیا، وفات کے وقت پورے ستر سال کی عمر تھی، حضرت ابوبکر بن محمد والی مدینہ منورہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (۶)

حلیہ اور لباس:

خارجہ کا جسم نہایت سڈول اور خوبصورت تھا' خز کی چادر اوڑھتے تھے۔ سفید عمامہ باندھتے تھے اور بائیں' ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ (۷)

اولاد:

وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں، لڑکوں میں حضرت زید، عمر، عبداللہ، محمد اور لڑکیوں میں حضرت حبیبہ، حمیدہ، یحییٰ اور ام سلیمان رحمہ اللہ علیہم تھیں، اور یہ سب اولادیں ام عمرو بنت حزم کے بطن سے تھیں۔ (۸)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۸۰۔ ۸۱ ۲۔ تھذیب الاسماء نووی، ج ۱، ص ۱۷۲ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۷۵
۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۳، ص ۷۵ ۵۔ ایضاً ۶۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۹۴ ۷۔ ایضاً
۸۔ ایضاً۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۷۶۔ ۷۷

۷۔حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ:

نام ونسب اور ابتدائی حالات:

زید نام،ابوسعید،ابوخارجہ،ابوعبدالرحمٰن کنیت،مقری،فرضی،کاتب الوحی،حبر الامت القاب،قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے ہیں،نسب نامہ یہ ہے: زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد بن عوف بن غنم بن مالک بن نجار،والدہ کا نام نوار بنت مالک بن معاویہ بن عدی تھا،جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے خاندان سے تھیں۔

انصار میں اسلام سے پہلے جولڑائیاں ہوئی تھیں،ان میں یوم بعاث سب سے زیادہ مشہور ہے،حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد اسی لڑائی میں قتل ہوئے،یہ واقعہ ہجرت سے ۵ سال قبل کا ہے اس وقت ان کی عمر ۶ برس کی تھی۔حضرت زید والدہ کے ظل عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔۱۱ برس کے ہوئے تو اسلام کی آواز کان میں پڑی۔

اسلام:

اس زمانہ میں اسلام مدینہ میں مسافر کی حیثیت سے مقیم تھا،حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مبلغ اسلام،توحید رسالت کی عظمت کا وعظ کہہ رہے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسی صغر سنی میں اسلام قبول کیا،کسی انسان کا اگر بلوغ سے قبل ایمان لانا باعث فخر ومباہات ہوسکتا ہے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے گیارہ سال کی عمر میں یہ فخر حاصل کیا،اور ابتداء ہی سے ان کا دامن شرک کے داغ سے پاک رہا۔

غزوات اور عام حالات:

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہوتے ہی قرآن پڑھنا شروع کیا،اس بناء پر لوگ ان کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے،جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے،لوگ ان کو آپ کی خدمت میں لے گئے اور کہا کہ یہ بنی نجار سے ہیں،اور ۱۷ سورتیں پڑھ چکے ہیں،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن کر بہت خوش ہوئے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے قرآن سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا تعجب ہوا۔

ابھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سن ۱۳ سال کا تھا کہ غزوۂ بدر پیش آیا،انصار ومہاجرین کا مجمع جب میدان جنگ کو روانہ ہوا تو ۱۳ برس کے اس بچہ نے بھی لڑائی کا عزم بالجزم کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بچوں کی ایک جماعت کے ساتھ پیش ہوئے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کم سنی پر نظر فرما کر واپس کر دیا۔

غزوۂ احد کی شرکت کے متعلق بھی اختلاف ہے۔بعض کا خیال ہے کہ غزوۂ خندق جو ۵ ہجری میں واقع ہوا تھا حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پہلا غزوہ تھا۔اس وقت ان کا سن ۱۶ سال تھا اور وہ شرکت جہاد کی عمر کے مطابق ہو چکے تھے۔

غزوۂ خندق میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ معرکہ کارزار میں موجود تھے اور خندق کھودنے والی جماعت میں شامل تھے اور مٹی نکال کر باہر لاتے تھے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو فرمایا کیسا اچھا لڑکا ہے؟اتفاق سے ان کو نیند آگئی،عمارہ ابن حزم نے دیکھا تو مذاق سے ان کے ہتھیار اتار لئے، زید کو خبر نہ ہوئی،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس تھے مزاحاً فرمایا،یا ابا رقاد یعنی اے نیند کے باپ اٹھ،اور لوگوں کو منع فرمایا کہ اس قسم کا مذاق نہ کیا کریں۔

غزوہ تبوک میں ان کے قبیلہ مالک بن نجار کا علم عمارہ بن حزم کے ہاتھ میں تھا،بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے کر حضرت زید کو عطا فرمایا، عمارہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے کون سی خطا ہوئی،فرمایا کچھ نہیں،مجھے قرآن کا لحاظ مدنظر ہے،حضرت زید تم سے زیادہ قرآن پڑھ چکے ہیں۔

جنگ یمامہ میں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں مسیلمہ کذاب سے ہوئی تھی،حضرت زید رضی اللہ عنہ شامل تھے،اس میں ان کو ایک تیر لگا،لیکن جسم

کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا۔(۱)

خانگی حالات اور اہل و عیال:

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی خانگی زندگی نہایت پر لطف تھی، ان کی بیوی کا نام جمیلہ اور کنیت ام سعد اور ام العلا تھی سعد بن ربیع انصاری مشہور صحابی کی بیٹی تھیں اور خود بھی صحابیہ تھیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اولاد میں خارجہ جو سب سے زیادہ مشہور اور فقہائے سبعہ میں تھے جمیلہ کے بطن ہی سے تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دوسرے بیٹے اور پوتے بھی اپنے زمانہ میں مشہور اور علم حدیث میں مرجع انام رہے تھے ان کا مختصر شجرہ یہ ہے۔

زید بن حارث رضی اللہ عنہ

زید	خارجہ	یحییٰ	سلیمان	عمارہ	سعد	اسماعیل	اسمٰعیل	عبدالرحمٰن	عبداللہ
	سلیمان			سعید	قیس		یعقوب		
							اسمٰعیل		
							زکریا		

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام جن کو موالی کہا جاتا ہے بہت سے تھے، لیکن ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں، ثابت بن عبید، وہیب۔

وفات:

پچپن، چھپن سال کا سن مبارک تھا کہ پیام اجل آ گیا اور ۴۵ھ میں وفات پائی اس وقت تخت حکومت پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ متمکن تھے اور مروان بن حکم مدینہ منورہ کا امیر تھا، وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ چنانچہ اسی نے نماز جنازہ پڑھائی تمام لوگ سخت غمگین تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے موت کی خبر سن کر کہا آج حبر الامۃ اٹھ گیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بھی جنازہ میں شریک تھے، قبر میں لاش اتاری گئی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نہایت حسرت سے کہا دیکھو علم اس طرح جاتا ہے آج علم کا بڑا حصہ دفن ہو گیا، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما نے مرثیہ میں یہ شعر لکھا:

فمن للقوافی بعد حسان وابنہ ومن للمعالی بعد زید بن ثابت

''حسان اور اس کے بیٹے کے بعد اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد معنی فہمی کا خاتمہ ہے''

علم و فضل:

قراءت، فرائض، قضا اور فتویٰ میں وہ نہایت ممتاز تھے قرآن مجید میں علماء کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ راسخین فی العلم ہوں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ راسخ فی العلم تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو صحابہ میں دریائے علم کہلاتے تھے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو راسخین فی العلم شمار کرتے تھے۔

قراءت:

اسلام نے جن علوم و فنون کی بنیاد قائم کی، ان میں قراءت ایک ممتاز علم ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس فن میں جس قدر دخل تھا اس کا اعتراف صحابہ کرام

۱۔ سیر الصحابۃ، ج ۱، انصار (اول)، ص ۲۱۵۔۲۱۶

اور تابعین کے ہر فرد کو تھا۔ امام شعبی جو علامۃ التابعین تھے کہا کرتے تھے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہما فرائض کی طرح قراءت میں بھی صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے فوقیت لے گئے۔

قرآن مجید کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جو شغف تھا اس کا ظہور ان کے قبول اسلام کے وقت ہو چکا تھا، صرف ۱۱ برس کے سن میں وہ ۱۷ سورتوں کے حافظ ہو چکے تھے باقی زندگی کتابت وحی میں گزری تھی، مبلغ وحی پر قرآن کا جتنا حصہ اترتا ان کو معلوم ہو جاتا تھا، اور وہ اس کو یاد کر لیتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں ان کو پورا قرآن حفظ ہو گیا تھا۔

اس بنا پر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن لکھوایا تو اس خدمت کے لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کو منتخب فرمایا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں جب اس کی نقلیں کرائیں تو اس میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی شرکت بھی ضروری سمجھی۔

حضرت عمر ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مقابلہ جو قاریوں کے سردار تھے حضرت زید رضی اللہ عنہما کی قراءت کو ترجیح دیتے تھے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا سلسلہ قراءت دور دور تک پھیلا ہوا تھا اور چونکہ قراءت قریش کے مطابق پڑھتے تھے، اس لئے لوگوں کا رجحان انہی کی قراءت کی طرف تھا حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی زندگی تک اگرچہ وہ مرجع انام نہ ہو سکے، لیکن ان کی وفات کے بعد تمام عالم اسلامی ان ہی کی طرف رجوع کرتا تھا، مدینہ منورہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس تمام اکناف واطراف کی قبلہ حاجات بنی ہوئی تھی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے جو قراءت قائم ہوئی تھی، وہ ۱۳۰۰ سو برس گزرنے پر بھی باقی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابوعبدالرحمٰن سلمی، ابوالعالیہ ریاحی، ابوجعفر، یہ سب ان کے شاگرد تھے، اور آج تک روئے زمین کی ۴۰ کروڑ مسلم آبادی معنوی طور سے ان کے آستانہ پر زانوے تلمذ ہی تہہ کرتی ہے۔

قرآن کے بعد حدیث نبوی ﷺ کا درجہ ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ اگرچہ اور بزرگوں کی طرح کثیر الروایہ نہ تھے تاہم فن حدیث میں ان کا امتیاز یہ ہے کہ درایت سے کام لیتے تھے، حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھیت کرایہ پر اٹھانے کی ممانعت کی ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سنا تو کہا خدا رافع کی مغفرت کرے مجھ کو ان سے زیادہ روایت کی حقیقت معلوم ہے واقعہ یہ تھا کہ دو شخص آپس میں جھگڑ رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہی حالت ہے تو کھیتوں کو کرایہ پر نہ اٹھانا چاہئے۔ (۱) رافع نے صرف اخیر کا ٹکڑا سن لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے یہاں عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی تھی ان لوگوں نے انہیں سنت سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیا، حضرت زید رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو فرمایا خدا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت کرے، ہم کو ان سے زیادہ حدیث کا علم ہے، عصر کے بعد نماز پڑھنے کا سبب یہ تھا کہ دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ سے ملنے کچھ اعراب آ گئے تھے وہ سوال کرتے تھے آپ جواب دیتے تھے، یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا آنحضرت ﷺ نے ظہر پڑھی اور صرف فرض پڑھ کر مسائل بتانے کو ان کے پاس بیٹھ گئے جب عصر کا وقت آیا تو ان سے فارغ ہوئے اور مکان پر جا کر یاد آیا کہ ظہر کے فرض کے بعد سنت نہیں پڑھی، اس لئے ان کو عصر کے بعد تمام کیا۔ خدا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت کرے مجھے ان سے زیادہ معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ (۲)

جو احادیث صحیح ہوتیں اگر ان کی نسبت کوئی سوال کرتا تو تصدیق فرماتے تھے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے مروان کے سامنے فضیلت صحابہ پر حدیث پڑھی مروان نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو، حضرت زید رضی اللہ عنہ اور رافع بن خدیج مروان کے برابر تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ

۱۔ مسند، ج ۵، ص ۱۸۲　　۲۔ مسند، ج ۵، ص ۱۸۵

نے کہا تم ان سے پوچھ سکتے ہو، مروان کو برا معلوم ہوا ان کو مارنے کے لئے درہ اٹھایا دونوں بزرگوں نے ابوسعید کی تصدیق کی۔ (۱)
حضرت زید رضی اللہ عنہ کی زیادہ روایات آنحضرت ﷺ سے ہیں، آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے۔

ان کے رواۃ میں حدیث اور تلامذہ کا بڑا گروہ ہے جن میں مخصوص حضرات کے نام نامی یہ ہیں: حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سہل بن حنیف، حضرت ابن عمر، حضرت سہل بن سعد، حضرت عبداللہ بن یزید خطمی رضی اللہ عنہم (یہ لوگ صحابہ ہیں) سعید بن میتب، قاسم بن محمد بن ابی بکر، ابان بن عثمان، خارجہ بن زید (حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے) سہل بن ابی حثمہ، ابوعمرو، مروان بن حکم، عبید بن سباق، عطاء بن یسار، بسر بن سعید، حجر مدری، طاؤس، عروہ، سلمان بن زید، ثابت بن عبید، ام سعد (زوجہ تھیں)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی احادیث مرویہ کی تعداد نہایت قلیل ہے، یعنی صرف ۹۲ جن میں ۵ متفق علیہ ہیں، اور یہ روایت میں سخت احتیاط کا سبب ہے۔ ورنہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے آپ سے ہزاروں حدیثیں سنی ہوں گی، سینکڑوں قسم کے واقعات کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہوگا، اس قلت روایت کا سبب ایک حدیث نبوی تھی جو حضرت زید رضی اللہ عنہ جیسے ثقہ راویان حدیث کو روایت کے وقت محتاط کر دیتی تھی۔

فرائض:

اگرچہ فقہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ کمال حاصل تھا، اور خود رسول اللہ ﷺ کے عہد مقدس میں وہ منصب افتاء پر سرفراز تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی وہ دارالخلافت کے مفتی رہے لیکن فقہ کے تمام ابواب میں فرائض کا باب حضرت زید رضی اللہ عنہ کا خاص فن تھا، رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے افرض امتی زید بن ثابت یعنی میری امت کے سب سے بڑے فرائض داں زید بن ثابت ہیں، حامل نبوت کی زبان سے یہ فقرہ حضرت زید کی فرائض دانی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے عالم فرائض ہونے کا تمام صحابہ کو اعتراف تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ جابیہ میں ہزاروں آدمیوں کے سامنے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام اس حیثیت سے پیش کیا تھا کہ:

من كان يريد ان يسال من الفرائض فلياتِ زيد ابن ثابت

"یعنی جس کو فرائض کے سوالات کرنا ہوں، زید بن ثابت کے پاس جائے"۔

ان کے کمالات کا اعتراف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی علمی قابلیت کا اس درجہ پاس تھا کہ مدینہ سے باہر ان کو کہیں نہ جانے دیتے تھے۔ مختلف مقاموں میں بڑے بڑے عہدے خالی ہوتے، امور مہمہ کی انجام دہی کی ضرورت ہوتی اور ان کے لئے لوگوں کے نام پیش کئے جاتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان میں سے کسی کو انتخاب فرما دیتے مگر جب زید کا نام پیش ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ زید رضی اللہ عنہ میری نظروں سے گر نہیں گئے، لیکن کیا کروں شہر والے ان کے محتاج ہیں، کیونکہ جو چیز ان کے پاس ہے کسی کے پاس نہیں۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ زید رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی کے عالم اور حبر تھے، تمام لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہروں اور ملکوں میں پھیلا دیا تھا، اور فتویٰ یا رائے دینے سے منع کر دیا تھا لیکن زید مدینہ میں بیٹھ کر اہل مدینہ اور تمام آنے جانے والوں کو فتویٰ دیتے تھے۔ (۳)

۱۔ مسند، ج ۵، ص ۱۸۵ ۲۔ طبقات، ص ۱۱۶، ج ۲، قسم ثانی ۳۔ طبقات، ج ۲، ص ۱۱۷، ق ۲

سعید بن مسیب مجتہد ہونے کے باوجود فتویٰ اور فیصلوں میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کے پیرو تھے جب کوئی مشکل مسئلہ آجاتا اور لوگ دوسرے صحابہ کے اجتہادات بیان کرتے تو سعید ان سے پوچھتے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کیا کہا؟ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فیصلوں کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور جن مسائل کے متعلق حدیث وارد نہیں ہے ان کے بتاتے وقت زیادہ بصیرت رکھنے والے تھے ان کا کوئی قول ہو تو پیش کرو۔(۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانہ میں دارالہجرۃ مدینہ کے امام تھے اور آج بھی فقہ وحدیث میں لاکھوں آدمیوں کے لئے امام مطلق ہیں، کہا کرتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے امام تھے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرائض کے تمام مسائل میں حضرت زید رضی اللہ عنہ کی تقلید کی ہے۔

علم فرائض کی تدوین:

فرائض کا فن نہایت مشکل ہے، قرآن مجید میں اگرچہ مجملاً فرائض کے تمام مہمات مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن ان کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال وصحابہ کے قضا اور فتاویٰ سے ہوتی ہے، قرآن مجید میں میراث ووصیت کے متعلق جو کچھ مذکور ہے وہ نہایت مختصر ہے، میراث زوج، میراث زوجہ، اولاد ذکور، اولاد اناث، ماں، باپ، بھائی بہن کلالہ اور دیگر چند قسم کے ورثاء کا تذکرہ آیا ہے اور ان کے حصول کی مقدار کی تعیین کر کے کہہ دیا گیا ہے کہ جو شخص خدا کے ان حدود سے متجاوز ہوگا اپنے نفس پر ظلم کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیصلوں میں اس اجمال کی تفصیل کی، آپ کے بعد حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ آگے چل کر اس پر کتابیں لکھی گئیں اور فرائض ایک مستقل فن بن گیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرائض میں جلیل القدر صحابہ فتویٰ پوچھتے تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جن کا فضل وکمال تمام صحابہ کو تسلیم تھا، حضرت زید رضی اللہ عنہ سے استفتاء کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے وفات پائی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا کہ متروکہ میں حضرت عمر کی لڑکیاں بھی حصہ پائیں گی؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے نزدیک تو نہ دینا چاہئے لیکن تم چاہو تو دے سکتے ہو، ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر یہاں تک عمل کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جتنے غلام مرے کسی کے مال میں لڑکیوں کا حصہ نہیں لگایا۔(۲)

اہل یمامہ کے قتل میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زید رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے متعلق فیصلہ کیا تھا، یعنی جو لوگ زندہ بچ گئے تھے ان کو مردوں کا وارث ٹھہرایا تھا یہ نہیں کیا کہ مردوں کو باہم وارث بنا دیتے، (۳) طاعون عمواس میں جب خاندان کے خاندان صاف ہو گئے اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اسی رائے پر فیصلہ کیا تھا، (۴) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو صحابہ میں حبر اور بحر کہلاتے تھے، حضرت زید رضی اللہ عنہ کے جوابات سے تسکین پاتے تھے۔

ایک روز اپنے شاگرد عکرمہ کو بھیجا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھو کہ ایک شخص مر گیا ہے اور زوجہ اور والدین چھوڑے ان میں ورثہ کیونکر تقسیم ہوگا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا بیوی کو نصف باقی نصف میں ماں کو ثلث اور باپ کو بقیہ، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خیال اس کے خلاف تھا وہ ماں کو کل مال کا ثلث دلاتے تھے چنانچہ کہلا بھیجا یہ قرآن میں ہے یا آپ کی رائے ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میری ذاتی رائے یعنی استنباط ہے میں ماں کو باپ پر فضیلت نہیں دے سکتا۔(۵)

۱۔ ایضاً ص ۱۱۶ ۲۔ المدونۃ الکبریٰ امام مالک، ج ۳ ۳۔ کنز العمال، ج ۶ ص ۶ ۴۔ ایضاً ص ۷ ۵۔ ایضاً ص ۱۱۱

دور دراز ممالک سے فتویٰ آتے تھے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ ان کا جواب لکھ کر بھیجتے تھے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک خط کے ذریعے سے دادا کے متعلق استفتاء کیا تھا حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا:

بسم الله الرحمن الرحيم ، لعبدالله معاوية امير المؤمنين من زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ انی رأيت من نحو قسم امير المؤمنين عمر بين الجدوالا خوه واحده قسم لها الثلث فان كان كانتا اختين مع الجد قسم لها الشطر ، فان كان للجد اخوات فانه يقسم للجد الثلث ، فان كانوا اكثر من ذالك فانى لم اره حسبت ينقض الجد من الثلث شياء، ثم ما خلص للا خواة من ميراث اخيهم بعد الجد فان بنى الاب والام هم اولىٰ بعضهم من بعض بما فرض الله لهم دون نبى العلة فلذلك حسبت نحوامن الذى كان امير المؤمنين عمر يقسم بين الجد والاخوة من الاب ولم يكن يورث الاخوة من الا ما لذى ليس من الاب من الجد شياء ثم حسب امير المؤمنين عثمان بن عفان كان يقسم بين الجد والا خوة نحو الذى كتيت به اليك فى هذاه الصحيفة(۱)

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرائض کے مسائل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین ترتیب دیئے،(۲) اور متعدد مسائل کا استنباط کیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کی فہم وعقل نے نئے نئے حالات پیدا کئے، جو علم الفرائض کا جزو بن گئے میراث موالی، میراث ولد الابن، میراث ولد ملاعنہ، میراث الولد من ابیہ وامہ، میراث الجد من لا میراث لہ، مانعین وراثت، اور اس قبیل کے دوسرے مسائل حضرت زید رضی اللہ عنہ کی فکر رسا اور دماغ نکتہ سنج کی پیداکردہ ہیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دادا کی میراث کی نسبت جو فیصلہ کیا تھا، صحابہ میں اس کے بہت سے مخالف موجود تھے، لیکن صحت اور اتفاق عام کا دامن حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ میں تھا۔

دادا کی میراث، علم فرائض کا نہایت معرکہ آراء مسئلہ ہے اور خود حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس کی نسبت مختلف خیالات ظاہر کیے ہیں۔(۳) مگر جس رائے پر وہ اخیر وقت تک قائم تھے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی کو قابل عمل تصور کیا۔

اسلام میں دادا کا حصہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لیا، ان کا ایک پوتا فوت ہوا تو کل جائیداد کا اپنے کو مستحق سمجھتے تھے لوگوں نے اس کے خلاف رائے دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اس وقت وہ کنگھی کر رہے تھے اور کنیز بال درست کرتی جاتی تھی، پوچھا آپ نے کیوں تکلیف کی مجھ کو بلا لیا ہوتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وحی نہیں تھی کہ جس میں گھٹنے بڑھنے کا احتمال ہوتا ایک مسئلہ کے متعلق مشورہ کرنے آیا ہوں اگر تمہاری رائے میرے موافق ہوگی تو عمل کروں گا ورنہ تم پر کوئی الزام نہیں، زید رضی اللہ عنہ نے ایسی صورت میں رائے دینے سے انکار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آزردہ چلے آئے۔

ایک روز پھر گئے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس کو لکھ کر پیش کروں گا، چنانچہ اس کو شجرہ کی شکل میں مرتب کر کے دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں خطبہ دیا اور کہا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ لکھ کر میرے پاس بھیجا ہے میں اس کو نافذ کرتا ہوں۔(۴)

اگر چہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے علم فرائض کی تدوین کی، اس کے مختلف جزئیات کا استخراج کیا، متعدد نئے مسائل پیدا کئے، لیکن ان کے لئے ان میں

۱۔ کنز العمال، ج۶ ص۱۰ ۲۔ اصل عبارت یہ ہے فلما وضع زید بن ثابت الفرائض کنز العمال، ص۱۵، ج۶
۳۔ بخاری، ص۹۹۸، ج۲ ۴۔ کنز العمال، ج۶ ص۱۶

سب سے اہم اور اشرف مسئلہ عول کی ایجاد ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عول کے موجد حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں جو روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے، اول تو اس واقعہ کی کوئی سند نہیں، اور ہم نے جو واقعہ بیان کیا ہے وہ سند صحیح سے مروی ہے، یعنی عبدالرحمٰن ابی زناد نے خارجہ سے روایت کیا جو خود حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو فرائض اور حساب میں دخل نہ تھا۔ اس لئے اس قسم کی ایجادیں ان کی طرف منسوب کرنا بداہت عقل کے خلاف ہے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے علم فرائض کی جو کچھ خدمت کی وہ مذکورہ بالا واقعات سے واضح ہوگئی اور حامل نبوت کا یہ ارشاد کہ "میری امت کے سب سے بڑے فرائض داں زید ہیں"۔ حرف بحرف پورا اترا، حضرت حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس غیر معمولی ذہانت وذکاوت، جودت فکر اور دماغ ودل پر اس دور کے علماء کو تعجب ہوتا ہے۔

فقہ:

فرائض کی طرح وہ فقہ میں بھی مجتہدین صحابہ میں تھے، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فتویٰ دیتے تھے۔ (۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتوں میں بھی وہ مدینہ منورہ کے مفتی اعظم تھے۔ فقہائے صحابہ کے تین طبقے ہیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پہلے طبقے میں شمار ہوتا تھا، انہوں نے اپنی زندگی میں جس قدر فتویٰ دیئے ان کی تعداد نہایت کثیر ہے، اگر سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔ (۲)

حضرت زید کی فقہ انہی کے زمانہ میں قبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی، حضرت سعید ابن مسیب کہا کرتے تھے کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کوئی قول ایسا نہیں جس پر لوگوں نے بالاجماع عمل نہ کیا ہو، صحابہ میں سینکڑوں ایسے تھے، جن کے قول پر کسی نے عمل نہیں کیا لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فتووں پر ان کی زندگی ہی میں مشرق ومغرب عمل پیرا تھے۔ (۳)

لوگوں کا خیال ہے کہ علم فقہ کی شہرت ووسعت کا باعث صحابہ کرام میں چار بزرگوں کی ذات تھی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، چنانچہ انہی کے تلامذہ سے آفاق عالم و دین کی اشاعت ہوئی۔

لیکن مدینہ منورہ جو اسلام کا سرچشمہ اصل اور نبوت کا دارالقرار تھا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے اصحاب کی بدولت علوم وفنون کا مرکز تھا۔

فقہائے صحابہ کی دو مجلسیں تھیں ایک کے رئیس حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری کے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں شریک تھے، یہاں مسائل علمیہ پر بحث ہوتی تھی اور اہم اور مشکل مسائل طے کئے جاتے تھے۔ (۴)

یوں تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کا فیض ہر وقت جاری رہتا تھا تاہم اس کے لئے ایک وقت بھی مخصوص تھا، اور مسجد نبوی میں جو زیارت گاہ عام تھی، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مکان سے ملحق تھی فتویٰ دینے کے لئے بیٹھتے تھے۔ (۵)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مسائل، فقہ کے اکثر ابواب پر حاوی تھے، ان کی تفصیل کے لئے ایک الگ مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ یہاں نمونہ کے طور پر ہم چند مسائل پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ص ۱۱۰ ۲۔ اعلام الموقعین، ج ۲، ق ۲، ص ۳، ابن قیم جوزی ۳۔ طبقات ابن سعد، ص ۱۱۶

۴۔ طبقات ابن سعد ۵۔ مسند، ج ۵، ص ۸۶

کتاب الصلوٰۃ:

فرض نماز کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔(۱)

ایک شخص نے پوچھا کہ ظہر وعصر میں قراءت ہے؟ فرمایا ہاں، رسول اللہ ﷺ دیر تک قیام فرماتے تھے، اور آپ کے لب ہلتے تھے۔(۲) اس کا یہ مطلب نہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت کرنا چاہئے سوال کا تعلق امام سے ہے جماعت سے نہیں، سائل کا منشا یہ تھا کہ ظہر وعصر میں کچھ پڑھا جاتا ہے؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسی کا جواب دیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ جماعت میں امام کا پڑھنا، تمام مقتدیوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے صحیح بخاری میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے جو روایتیں مذکور ہیں کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ آنحضرت ﷺ کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔

کتاب الذبائح:

ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر دانت مارا۔ لوگوں نے اس کو فوراً ذبح کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے کھانے کی اجازت دے دی۔(۳) (ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا گلا کاٹ دیا جائے، قرآن مجید میں ہے "الا ما ذکیتم" چنانچہ جب یہ شرط (ذبح) پائی گئی آنحضرت ﷺ نے اس کا کھانا حلال کر دیا)۔

کتاب الھبہ:

ایک شخص نے اپنا مکان اپنی زندگی تک کسی کو رہنے کے لئے دیا، تو اس کی وفات پر اس کی اولاد مالک سمجھی جائے گی، حضرت زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اسی کا بیان ہے کہ العمری للوارث (۴) عمری کی اجازت کے ساتھ رقبی کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ رقبی کی یہ صورت ہے ایک شخص اپنی کوئی چیز دوسرے آدمی کو اس شرط پر دے کہ اگر میں پہلے فوت ہوں تو تم مالک ہو اور تم پہلے مرو تو میری ملکیت پھر عود کر آئے گی، چونکہ ہبہ کے لئے تملیک ضروری ہے اور یہاں وہ شرط فاسد کے ساتھ وابستہ ہے اس بنا پر ہبہ ناجائز قرار دیا گیا۔

کتاب المزارعہ:

نصف، ثلث اور ربع منافع پر کسی سے زراعت کرانا منع ہے۔(۵) جب تک باغ میں پھل اچھی طرح نہ آئے ہوں، یا درخت پر رطب چھوہارے ہوں تو ان کو انکل سے بیچنے کی ممانعت ہے۔(۶) (مدینہ میں اسلام سے قبل پھل تیار ہونے سے پہلے فروخت کر دیا جاتا تھا، اور نقصان ہونے کی صورت میں فریقین میں جھگڑنے تک کی نوبت آ جاتی تھی، جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے اور یہ حالت ملاحظہ فرمائی تو اس کو منع کر دیا، البتہ عربہ والوں کو جو مسکین تھے، اور صرف صدقات کے چھوہاروں پر ان کی گزر اوقات تھی، ناپ کر فروخت کرنے کی اجازت دے دی تھی)۔

ان مسائل کے بعد علوم شرعیہ کا حصہ ہم ختم کرتے ہیں، حضرت زید نے دنیا کے دوسرے علوم میں جو ترقی کی تھی، اس کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

فارسی، رومی، عبرانی، سریانی، قبطی، حبشی زبانیں:

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق عبرانی اور سریانی زبانیں سیکھیں تھیں، ذہانت کا یہ حال تھا کہ پندرہ روز کی کوشش میں بلا تکلف خط لکھنے لگے تھے، بعد میں اس کو اور بھی ترقی دی، یہاں تک کہ توراۃ وانجیل کی زبانوں کے عالم بن گئے۔ یہ عام روایت ہے، لیکن مسعودی نے لکھا ہے کہ ان کو فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانیں بھی آتی تھیں، جن کو انہوں نے مدینہ میں ان زبانوں کے جاننے والوں سے سیکھا تھا۔(۷)

۱۔ ایضاً ۸۶ ۲۔ مسند، ج ۵، ص ۸۶ ۳۔ مسند، ج ۵، ص ۱۸۴ ۴۔ ایضاً ص ۱۸۲

۵۔ ایضاً ص ۱۸۷ ۶۔ مسند ج ۵، ص ۱۹۲ ۷۔ کتاب التنبیہ والاشراف، ص ۲۸۳

حساب:

عرب میں حساب کا مطلق رواج نہ تھا، اس لئے اسلام کے ابتدائی زمانہ میں خراج کا حساب رومی یا ایرانی کرتے تھے۔ عربوں کو ہزار سے اوپر گنتی بھی معلوم نہ تھی، عربی میں ہزار سے اوپر کے عدد کے لئے کوئی لفظ نہیں ہے، (الف ہے) لیکن زید کو حساب میں اس قدر دخل تھا کہ فرائض کے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اس کے ذریعہ حل کر لیتے تھے، اس کے ماسوا مال کی تقسیم بھی کر سکتے تھے۔ چنانچہ غزوہ حنین میں جو ۸ ہجری میں ہوا تھا، اور جس میں تقریباً ۱۲ ہزار آدمی شریک تھے انہی کی مردم شماری اور لگائے ہوئے حصول کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تقسیم فرمایا تھا، انہوں نے پہلے لوگوں کی تعداد معلوم کی پھر مال غنیمت کو اس عدد پر پھیلا دیا، چند سرداروں کو مستثنیٰ کر کے جن کو بڑی رقمیں دی گئیں تھیں فی کس ۴ اونٹ اور چالیس بکری حصہ میں پڑیں، سواروں کو اس کا تگنا، یعنی ۱۲ اونٹ اور ۱۲۰ بکریاں عطا کی گئیں۔ (۱) جنگ یرموک کا مال غنیمت بھی جب مدینہ آیا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ ہی نے تقسیم کیا تھا۔

خط و کتابت:

عرب میں اسلام سے قبل تحریر کا رواج کم تھا، قدیم سے قدیم روایتیں قوت حافظہ کی بناء پر مشہور ہوئی تھیں، حضرت زید رضی اللہ عنہ لکھنا جانتے تھے اور اپنے زمانہ کے مشہور خطاط تھے، فرامین، عہد نامے اور خطوط کے سوا نقشے عمدہ بناتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں عرب کا مشہور قحط عام الرمادہ رونما ہوا تو اس کے انتظام کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ گورنر مصر کو فرمان لکھا کہ وہ مصر سے غلہ روانہ کریں، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ۲۵ جہاز غلہ سے بھرے ہوئے دار الخلافت روانہ کئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو جہازوں کی آمد کا سخت انتظار تھا، خود چند صحابہ کو لے کر جن میں حضرت زید رضہ اللہ عنہما بھی تھے ''جار'' نامی ایک بندرگاہ پر جو مدینہ سے قریب واقع تھی، تشریف لے گئے، غلہ آیا تو جار میں گودام بنوا کر اس میں غلہ بھروا دیا اور زید بن ثابت کو ہدایت کی کہ ایک نقشہ قحط زدوں کا تیار کریں جس میں ان کا نام اور غلہ کی مقدار لکھی ہو، اس حکم پر حضرت زید۔نے رجسٹر بنا کر ہر شخص کو کاغذ کی چکیں تقسیم کیں جن کے نیچے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مہر ثبت تھی، اسلام میں چک اور اس میں مہر لگانے کا یہ پہلا واقعہ تھا، جو حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بدولت وقوع پذیر ہوا۔ (۲)

۴۔ حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چھتیسویں (۳۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ سباعیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ ھشام کو بعض نے صدوق لکھا ہے۔

☆ سند کے تمام رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت ھشام رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ص ۱۱۰، ق اول بخاری ۲۔ ایضاً، ص ۲۲۱۔ ۲۲۸

☆ سند کے پہلے تین راوی حمصی اور باقی سارے مدنی ہیں، اس طرح یہ سند دو شہروں کے راویوں کے درمیان ہے۔
☆ یہ تابعی (عبدالملک) کی دوسرے تابعی (خارجہ) سے روایت ہے۔
☆ یہ روایت بیٹے (خارجہ) کی اپنے باپ (زید) سے ہے۔ حضرت خارجہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ فقہا سبعہ مدینہ تابعین میں سے ہیں۔
☆ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابہ میں علم الفرائض اور علم قرآن میں ممتاز تھے۔
☆ آپ رضی اللہ عنہ سے بانوے احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
☆ سنن نسائی مجتبیٰ میں یہ پہلی حدیث مبارکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبر چار دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور سمعت ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔
☆ یہ ایسی سند ہے جس میں روایت کے لئے اداء لفظ سارے ہی صریح ہیں۔

۶۔لغات: راجع:۱۷۱

۱۸۰۔أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ حَرْبٍ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِي سُفْيَانَ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْأَخْنَسِ بْنِ شَرِيقٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ خَالَتُهُ فَسَقَتْهُ سَوِيقًا ثُمَّ قَالَتْ لَهُ تَوَضَّأْ يَا ابْنَ أُخْتِي فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "تَوَضَّئُوا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"

حضرت ابوسفیان بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:
وہ اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ستو پلائے، پھر فرمایا: اے بھانجے! وضو کرو، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ہر اس چیز کے کھانے سے وضو کرو، جسے آگ نے پکایا ہو۔

۱۔مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے۔
ہر اس چیز کے کھانے سے وضو کرو، جسے آگ نے پکایا ہو۔

۲۔اطراف: تقدم:۱۸۱، ابوداؤد:۱۹۵، احمد:۲۶۸۴۰، السنن الکبریٰ:۱۸۶

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ھشام بن عبدالملک: راجع:۱۷۲ **۲۔ابن حرب:** ایضاً
۳۔الزبیدی: راجع:۵۶ **۴۔الزھری:** راجع:۱
۵۔ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن: ایضاً
۶۔ابوسفیان بن سعید: آپ کا نام ابوسفیان بن سعید بن مغیرہ بن اخنس بن شریق ثقفی مدنی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے مقبول تابعی راوی

ہیں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۷۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب:

رملہ نام، ام حبیبہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے:

رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس، والدہ کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔(۲)

نکاح:

عبیداللہ بن جحش سے ہوا جو حرب بن امیہ کے حلیف تھے، نکاح ہوا۔(۳)

اسلام:

اور ان ہی کے ساتھ مسلمان ہوئیں اور حبشہ کو ہجرت کی، حبشہ میں جا کر عبیداللہ نے عیسائی مذہب اختیار کیا، ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی کہا، لیکن وہ اسلام پر قائم رہیں، اب وہ وقت آ گیا تھا کہ ان کو اسلام اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المؤمنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو۔ عبیداللہ نے عیسائی ہو کر بالکل آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، مے نوشی کی عادت ہوگئی، آخر ان کا انتقال ہوگیا۔(۴)

نکاح ثانی:

عدت کے دن ختم ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی خدمت میں بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنی لونڈی ابرہہ کے ذریعہ پیغام دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو تمہارے نکاح کے لئے لکھا ہے، انہوں نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا اور اس مژدہ کے صلہ میں ابرہہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیاں دیں، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر ابن ابی طالب اور وہاں کے مسلمانوں کو جمع کر کے خود نکاح پڑھایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا، نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ یہ ۶ھ یا ۷ھ کا واقعہ ہے۔(۵) اس وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۶، ۳۷ سال کی تھی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق مختلف روایتیں ہیں، ہم نے جو روایت لی ہے وہ مسند کی ہے اور مشہور روایتوں کے مطابق ہے، البتہ مہر کی تعداد میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے، عام روایت یہ ہے اور مسند میں بھی ہے کہ ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کا مہر چار سو درہم تھا، اس بنا پر چار سو دینار راوی کا سہو ہے۔ اس موقع پر ہم کو صحیح مسلم کی ایک روایت کی تنقید کرنا ہے۔

صحیح مسلم ہے کہ لوگ ابوسفیان کو نظر اٹھا کر دیکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا ناپسند کرتے تھے۔ اس بنا پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کی درخواست کی جن میں ایک یہ بھی تھی کہ ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کر لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرمائی، (۶) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان کے مسلمان ہونے کے وقت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔

۱۔ i۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۴۲۷ ii۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۲، ص ۱۲ ۲۔ اصابہ، ج ۸، ص ۸۴

۳۔ ایضاً ۴۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۷۶ ۵۔ مسند، ج ۶، ص ۴۲۷ و تاریخ طبری واقعات ۶ھ ۶۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۱

لیکن یہ راوی کا وہم ہے چنانچہ ابن سعد، ابن حزم، ابن جوزی، ابن اثیر، بیہقی اور عبدالعظیم منذری نے اس کے خلاف روایتیں کی ہیں، اور ابن سعد کے سوا سب نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

وفات:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۴۴ھ میں انتقال کیا اور مدینہ میں دفن ہوئیں، اس وقت ۷۳ برس کی تھیں۔ قبر کے متعلق اس قدر معلوم ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان میں تھی (حضرت علی رضی اللہ عنہ بن حسین) سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مکان کا ایک گوشہ کھدوایا تو ایک کتبہ برآمد ہوا کہ "یہ رملہ بنت صخر کی قبر ہے" چنانچہ اس کو میں نے اسی جگہ رکھ دیا۔(۱)

وفات کے قریب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ سوکنوں میں باہم جو کچھ ہوتا ہے وہ ہم لوگوں میں بھی ہو جایا کرتا تھا، اس لئے مجھ کو معاف کر دو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے معاف کر دیا اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی تو بولیں، تم نے مجھ کو خوش کیا خدا تم کو خوش کرے۔(۲)

اولاد:

پہلے شوہر سے دولڑکے پیدا ہوئے، عبداللہ اور حبیبہ، حبیبہ نے آغوش نبوت میں تربیت پائی، اور داؤد بن عروہ بن مسعود سے منسوب ہوئیں، جو قبیلہ ثقیف کے رئیس اعظم تھے۔

حلیہ:

خوبصورت تھیں، صحیح مسلم میں خود ابوسفیان کی زبانی منقول ہے:(۳)

عندی احسن العرب واجملہ ام حبیبۃ

"میرے ہاں عرب کی حسین تر اور جمیل تر عورت موجود ہے"۔(۴)

فضل وکمال:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حدیث کی کتابوں میں (۶۵) روایتیں منقول ہیں، راویوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے، بعض کے نام یہ ہیں، حبیبہ (دختر) معاویہ اور عتبہ پسران ابوسفیان، عبداللہ بن عتبہ، ابوسفیان بن سعید ثقفی (خواہرزادہ) سالم بن سوار (مولیٰ) ابوالجراح، صفیہ بنت شیبہ، زینب بنت ابوسلمہ، عروہ بن زبیر، ابوصالح السمان، شہر بن حوشب۔

اخلاق:

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے جوش ایمان کا یہ منظر قابل دید ہے کہ فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ (ابوسفیان) کفر کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے اور ان کے گھر گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہتے تھے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھ کر بچھونا الٹ دیا، ابوسفیان سخت برہم ہوئے کہ بچھونا اس قدر عزیز ہے۔ بولیں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش ہے اور آپ مشرک ہیں اور مشرک ناپاک ہوتا ہے، ابوسفیان نے کہا تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔(۵)

حدیث پر بہت شدت سے عمل کرتی تھیں اور دوسروں کو بھی تاکید کرتی تھیں۔ ان کے بھانجے ابوسفیان بن سعید بن المغیرہ آئے اور انہوں نے ستو

۱۔ استیعاب، ج ۲، ص ۷۵۰ ۲۔ اصابہ، ج ۸، ص ۵۸ ۳۔ ابن سعد جزء نساء، ص ۷۱

۴۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۶۱ ۵۔ اصابہ، ج ۸، ص ۸۵، بحوالہ ابن سعد

کھا کر کلی کی تو بولیں تم کو وضو کرنا چاہئے، کیونکہ جس چیز کو آگ پکائے اس کے استعمال سے وضو لازم آتا ہے، (مسند، ج۲، ص ۳۲۶) یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے۔

(یہ حکم منسوخ ہے، یعنی پہلے تھا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو باقی نہیں رکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگ پر پکی ہوئی چیز کھاتے تھے (اور اگر پہلے سے وضو ہوتا) تو دوبارہ وضو نہیں کرتے تھے۔ بلکہ پہلے ہی وضو سے نماز پڑھ لیا کرتے تھے اس قسم کی ایک حدیث حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں آئندہ ملے گی۔)

ابوسفیان کا انتقال ہوا تو خوشبو لگا کر رخساروں پر ملی اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ کسی پر تین دن سے زیادہ غم نہ کیا جائے البتہ شوہر کے لئے ۴ مہینہ ۱۰ دن سوگ کرنا چاہئے۔(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ سنا تھا کہ جو شخص بارہ رکعت روزانہ نفل پڑھے گا، اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا، فرماتی ہیں: ''فما برحت اصلیھن بعد!'' میں ان کو ہمیشہ پڑھتی ہوں، اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے شاگرد اور بھائی عتبہ اور عتبہ کے شاگرد عمرو ابن ادریس اور عمرو کے شاگرد نعمان بن سالم اپنے اپنے زمانہ میں برابر نمازیں پڑھتے تھے۔(۲)

فطرۃً نیک مزاج تھیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میری بہن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کر لیجئے فرمایا: کیا تمہیں پسند ہے''۔ بولیں: ''ہاں میں ہی آپ کی تنہا بیوی نہیں ہوں'' اس لئے میں یہ پسند کرتی ہوں کہ آپ کے نکاح کی سعادت میں میرے ساتھ میری بہن بھی شریک ہو''۔(۳)

۴۔ حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ سینتیسویں (۳۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ سباعیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں، البتہ حضرت ابوسفیان رحمۃ اللہ علیہ مقبول ہیں۔

☆ حضرت ابوسفیان رحمۃ اللہ علیہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، اس طرح یہ روایت بھانجے کی خالہ سے روایت ہے۔

☆ سند کے پہلے تین راوی حمصی اور آخری چار مدنی ہیں۔

☆ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے کل چھپن (۵۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سنن النسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ آپ سے مروی ہے۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت نقل کرتے ہیں، البتہ حضرت ھشام سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ جبکہ حضرت ابوسفیان رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری، ج۲، ص ۸۰۳ ۲۔ مسند، ج۶، ص ۳۲۷

۳۔ صحیح بخاری، ج۲، ص ۷۶۴ باب و امھاتکم اللاتی ارضعنکم ویحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب۔ سیر الصحابہ، ج۲، (سیر الصحابیات: اول) ص ۴۹۔۵۲

☆ حضرت ابو سلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبر تین دفعہ، حدثنا دو دفعہ، عنعنہ دو دفعہ اور سمعت ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

دخل: وہ داخل ہوا	خالتہ: وہ آپ کی خالہ تھیں
سقتہ: اس نے آپ کو پلایا	سویقا: ستو
قالت: اس ایک عورت نے کہا	توضا: تو وضو کر
ابن اختی: میرے بھانجے	

۱۸۱۔اَخْبَرَنَا الرَّبِيْعُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ بَكْرِ بْنِ مُضَرَ قَالَ حَدَّثَنِي بَكْرُ بْنُ مُضَرَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيْعَةَ عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ اَبِيْ سُفْيَانَ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْاَخْنَسِ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَهٗ وَشَرِبَ سَوِيْقًا يَا ابْنَ اُخْتِيْ تَوَضَّأْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ "تَوَضَّئُوْا مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ"

حضرت ابو سفیان بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: میں نے ستو پیئے، تو مجھے ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے بھانجے! وضو کر، کیونکہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرو۔

۱۔مطابقت: راجع: ۱۸۰

۲۔اطراف: ایضاً

۳۔تعارفِ رجال: اس روایت کی سند میں نو راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔الربیع بن سلیمان:	راجع: ۱۷۳	۲۔اسحاق بن بکر:	ایضاً		
۳۔بکر بن مضر:	ایضاً	۴۔جعفر بن ربیعۃ:	ایضاً		
۵۔بکر بن سوادۃ:	ایضاً	۶۔محمد بن مسلم:	راجع: ۱		
۷۔ابو سلمۃ:	ایضاً	۸۔ابو سفیان بن سعید:	راجع: ۱۸۰	۹۔ام حبیبۃ:	ایضاً

۴۔حکمِ روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت تساعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ تساعیات کے اعتبار سے یہ دوسری (۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ اسی باب میں یہ دوسری حدیث مبارکہ تساعیات میں سے ہے۔
☆ یہ پہلا باب ہے، جس میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تساعیات روایت کی ہیں۔
☆ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے یہ دوسری حدیث مبارکہ مروی ہے، پچھلی حدیث مبارکہ سباعیات میں سے تھی اور یہ تساعیات میں سے ہے۔
☆ تساعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل ترین سند ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت حدثنا، سمعت ایک ایک دفعہ، حدث دو دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

وضاحت: مذکورہ باب کی تمام احادیث سے متعلق مسائل ونصائح اور خلاصہ اگلے باب کے بعد ذکر کیے جائیں گے۔

باب ۱۲۳: تَرْكِ الْوُضُوْءِ مِمَّا غَيَّرَتِ النَّارُ

آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھا کر وضو نہ کرنا

اس باب میں آگ سے پکی ہوئی چیزیں کھانے سے وضو کے لازم نہ ہونے کا بیان ہے، پچھلے باب میں اس کے برعکس صورت حال کا بیان تھا۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے چار احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

۱۸۲۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفًا فَجَآءَهُ بِلَالٌ فَخَرَجَ اِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَمَسَّ مَآءً۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دستی کا گوشت تناول فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لے گئے اور پانی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پکا ہوا گوشت کھایا، اور اسی وضو سے نماز کے لئے تشریف لے گئے، اور تازہ وضو نہیں فرمایا۔

۲۔ اطراف:

ابن ماجہ: ۴۹۱، احمد: ۲۶۵۶۴، السنن الکبریٰ: ۱۸۷، تحفۃ الاشراف: ۱۸۲۶۹

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے دو کے حالات گزر چکے ہیں، باقی پانچ کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ محمد بن المثنی: راجع: ۸۰ ۲۔ یحییٰ: راجع: ۴

۳۔ حضرت جعفر بن محمد الملقب بہ صادق رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

جعفر نام، ابوعبداللہ کنیت، صادق لقب، آپ امام الملقب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں، نسب نامہ یہ ہے:

جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب، (صحیح نسب نامہ یوں ہے: جعفر بن محمد علی بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب، خورشید) آپ کی ماں ام فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پر پوتی تھیں۔ نانہالی شجرہ یہ ہے ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر، اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا۔

پیدائش:

۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے۔(۱)

فضل وکمال:

آپ اس خانوادۂ علم کے چشم و چراغ تھے، جس کے ادنیٰ ادنیٰ خدام مسند علم کے وارث ہوئے۔ آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ النعمان جیسے اکابر امت ان کے شاگرد تھے اس لئے جعفر صادق کو علم گویا وراثتاً ملا تھا، فضل وکمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے۔ حافظ ذہبی آپ کو امام اور ''احد السادة الاعلام'' لکھتے ہیں، اہل بیت کرام میں علم میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، ابن حبان کا بیان ہے کہ فقہ، علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے۔(۲) امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے۔(۳)

حدیث:

حدیث آپ کے جد امجد کے اقوال ہیں، اس لئے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا۔ چنانچہ آپ مشہور حفاظ حدیث میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں ''کان کثیر الحدیث''(۴) حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں۔(۵) حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام باقر، محمد بن منکدر، عبیداللہ بن ابی رافع، عطا، عروہ، قاسم بن محمد، نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا، شعبہ، دونوں سفیان، ابن جریج، ابوعاصم، امام مالک، امام ابوحنیفہ وغیرہ آئمہ آپ کے تلامذہ میں تھے۔(۶)

احترام حدیث:

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے۔(۷)

فقہ:

فقہ میں اتنا کمال حاصل تھا کہ فقہ الفقہاء امام زمن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔(۸)

اقوال:

آپ کے اقوال وکلمات طیبات تہذیب واخلاق علم وحکمت اور پند وموعظت کا دفتر ہیں۔ سفیان ثوری سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا، سفیان جب خدا تم کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم اس کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ: ''تم شکر ادا کرو گے میں تم کو زیادہ دوں گا''۔ جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو تو، استغفار زیادہ کرو۔ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۰ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۱۰۴ ۳۔ تہذیب الاسماء ص ۱۵۰ ۴۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۱۰۴ بحوالہ ابن سعد ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۰ ۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۱۰۳ ۷۔ ایضاً ص ۱۰۵ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۰

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّاراً ٥ يُرْسِلِ السَّمَاء عَلَيْكُم مِّدْرَاراً ٥وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَاراً(۱)

''اپنے رب سے مغفرت چاہو، وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا، اور آخرت میں تمہارے لئے جنت اور نہریں بنائے گا۔''

جب تمہارے پاس سلطان وقت یا اور کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو وہ کشادگی کی کنجی ہے، جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے فیصلہ پر متہم کرتا ہے، جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ دری کر دیتا ہے، جو بغاوت کے لئے تلوار کھینچتا ہے، وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے، جو اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے، وہ خود اس میں گرتا ہے۔ جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے، وہ حقیر ہو جاتا ہے، جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے۔ جو برے مقامات پر جاتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے ہمیشہ حق بات کہو خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف۔ آدمی کی اصل اس کی عقل ہے، اس کا حسب اس کا دین ہے، اس کا کرم اس کا تقویٰ ہے۔ تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں، سلامتی بہت نادر چیز ہے، یہاں تک کہ اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے، اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشہ گمنامی میں ملے، اگر تم اس کو گوشہ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے، تو ممکن ہے تنہا نشینی میں ملے، گوشہ تنہائی گوشہ گمنامی سے مختلف ہے، اگر گوشہ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی۔

استغفار:

فرماتے تھے کہ جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو، انسان کی تخلیق کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے، گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے۔

دنیا:

فرماتے تھے خدا نے دنیا کی طرف وحی کی ہے کہ جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے، اسے تھکا دے۔

اچھے کاموں کی شرائط:

فرماتے تھے کہ بغیر تین باتوں کے عمل صالح مکمل نہیں ہوتا۔ جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اس کو چھوٹا سمجھو گے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہوگی اور جب تم اس میں جلدی کرو گے تو خوشگواری محسوس کرو گے۔

حسن ظن:

فرماتے تھے کہ جب تمہارے بھائی کی جانب سے تمہارے لئے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو تو اس کے جواز کے لئے ایک سے ستر تک تاویلیں تلاش کرو، اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہوگی، جس کا تم کو علم نہیں۔

اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اس کو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو جب وہ محمول نہ ہو سکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو۔

۱۔ نوح: ۱۰۔۱۲

تہذیب واخلاق:

فرماتے تھے کہ چار چیزوں کے شرف کو عار نہ کرنا چاہئے، اپنے باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اس کی سواری کی دیکھ بھال کرنے میں خواہ گھر میں سو غلام کیوں نہ ہوں، اور اپنے استاد کی خدمت کرتے رہو۔

ایک نکتہ:

جب دنیا کسی کے موافق ہوتی ہے تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دے دیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اس کی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

فضائل اخلاق:

آپ کی ذات فضائل اخلاق کا زندہ پیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لئے کافی تھا، عمرو بن المقدام کا بیان ہے کہ جب میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں۔(۱)

عبادت وریاضت:

عبادت آپ کے شبانہ یوم کا مشغلہ تھی آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا۔ امام مالک کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ یا نماز پڑھتے پایا یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے۔(۲)

انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی وسر چشمی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک وصف رہا ہے، جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی، ہیاج بن بسطام روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور خود ان کے اہل عیال کے لئے کچھ باقی نہ رہ جاتا تھا۔(۳)

لباس امارت میں خرقہ فقر:

آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے، لیکن اندر لباس فقر مخفی ہوتا تھا، سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے جسم پر خز کا جبہ اور دخانی خز کی چادر تھی، میں نے کہا یہ آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے، اور اس زمانے میں دولت بہہ رہی ہے، یہ کہہ کر انہوں نے اوپر کپڑا اٹھا کر دکھایا تو خز کے جبہ کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا اور فرمایا ثوری یہ ہم نے خدا کے لئے پہنا ہے، اور وہ تم لوگوں کے لئے جو خدا کے لئے پہنا تھا اس کو پوشیدہ رکھا ہے اور جو تم لوگوں کے لئے تھا، اس کو اوپر چڑھا رکھا ہے۔

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت:

مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے، تم لوگ خصومت فی الدین سے بچو، اس لئے کہ وہ قلب کو مشغول کر دیتی ہے اور نفاق پیدا کرتی ہے۔(۴)

جرأت:

نہایت جری، نڈر اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جابر کے سامنے ان کی بے باکی قائم رہتی تھی، ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی آ کر بیٹھی۔ وہ بار بار ہنکاتا تھا اور مکھی بار بار آ کر بیٹھتی تھی، منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آ گیا، مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں جعفر پہنچ گئے۔ منصور نے ان سے کہا

۱۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۵۰ ۲۔ تھذیب، ج ۲، ص ۱۰۴ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۰۔ ایضاً ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۰

ابوعبداللہ مکھی کس لئے پیدا کی گئی ہے، فرمایا جابرہ کو ذلیل کرنے کے لئے۔(۱)

حضرت ابوبکر کے متعلق عقیدہ:

گو تمام حق پرست اہل بیت کرام کو خلفائے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی لیکن جعفر کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لئے آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور وہ اپنے جدامجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ مجھے علی رضی اللہ عنہ سے جس قدر شفاعت کی امید ہے اتنی ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہے۔(۲)

۴۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ بن علی رحمۃ اللہ علیہ بن حسین رضی اللہ عنہ الملقب بہ باقر:

نام ونسب:

محمد نام، ابوجعفر کنیت، باقر لقب، حضرت امام زین العابدین کے فرزند ارجمند تھے، ان کی ماں ام محمد حضرت امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ اس لئے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دوآتشہ عطر تھی۔

پیدائش:

صفر ۵۷ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی۔(۳)

فضل وکمال:

باقر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے، جس کے فیض سے ساری دنیا میں علم وعمل کی روشنی پھیلی، پھر حضرت امام زین العابدین جیسے مجمع البحرین باپ کی آغوش میں پرورش پائی تھی، ان موروثی اثرات کے علاوہ خود آپ میں فطرۃً تحصیل علم کا ذوق تھا۔ ان اسباب نے مل کر آپ کو اس عہد کا ممتاز ترین عالم بنادیا تھا۔ وہ اپنے وفور علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہوگئے تھے "بقر" کے معنی عربی میں پھاڑنے کے ہیں اسی سے البقر العلم ہے، یعنی وہ علم کو پھاڑ کر اس طرح جڑ اور اندرونی اسرار سے واقف ہوگئے تھے۔(۴)

بعض علماء ان کا علم ان کے والد بزرگوار سے بھی زیادہ وسیع سمجھتے تھے۔ محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا، جسے علی ابن حسین پر ترجیح دی جاسکتی۔ یہاں تک کہ ان کے صاحبزادے محمد کو دیکھا۔(۵) وہ اپنے عہد میں اپنے خاندان بھر کے سردار تھے، علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "کان سید بنی ھاشم فی زمانہ" (۶) امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع تھے، ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے ان کا شمار مدینہ کے فقہاء اور آئمہ میں تھا۔(۷)

حدیث:

حدیث ان کے گھر کی دولت تھی، اس لئے وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقة كثير الحديث والعلم" (۸)
اس گنج گراں مایہ کو انہوں نے اپنے والد محترم امام زین العابدین، اپنے نانا امام حسن رضی اللہ عنہ، اپنے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ اپنے چچیرے دادا محمد بن حنفیہ

۱۔ صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۴۱ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج ۲، ص ۱۰۴۔ سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۵۶۔ ۶۰ ۳۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۵۰
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۱، تھذیب الاسماء نووی، ج ۱، ق ۱، ص ۱۸۷ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۳۵۰
۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱ ۷۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ق ۱، ص ۸۷ ۸۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۳۸

اور اپنے جدامجد کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس رضوان اللہ اجمعین، اپنی دادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کے مخزن سے بالواسطہ حاصل کیا تھا، یعنی ان بزرگوں سے ان کی روایات مرسل ہیں۔ اپنے گھر کے باہر۔ انس بن مالک۔ سعید بن مسیب۔ عبداللہ بن ابی رافع۔ حرملہ، عطاء بن یسار، یزید بن ہرمز اور ابومرہ وغیرہ سے مستفید ہوئے تھے۔ (۱)

تلامذہ

اس عہد کے بڑے بڑے آئمہ امام اوزاعی، اعمش، ابن جریج، امام زہری، عمرو بن دینار اور ابواسحاق سبیعی وغیرہ اکابر تابعین اور تبع تابعین کی بڑی جماعت آپ کے خرمن کمال کی خوشہ چین تھی۔ (۲)

فقہ:

فقہ میں آپ کو خاص دستگاہ حاصل تھی۔ ابن برقی آپ کو فقیہ و فاضل کہتے ہیں۔ امام نسائی فقہائے تابعین میں۔ (۳) اور امام نووی مدینہ کے فقہاء اور آئمہ میں شمار کرتے ہیں۔

زہد و عبادت:

آپ نے ان بزرگوں کے دامن میں پرورش پائی تھی جن کا مشغلہ ہی عبادت تھا۔ اور اپنے ماحول میں آپ کی نشو و نما ہوئی تھی جو ہر وقت خدا کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید سے گونجا کرتا تھا۔ اس لئے عبادت کی وہی روح آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ شبانہ یوم میں ڈیڑھ سو رکعتیں نماز پڑھتے۔ (۴) سجدوں کی کثرت سے آپ کی پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا۔ لیکن زیادہ گہرا نہ تھا۔ (۵)

شیخین کے ساتھ عقیدت:

آئمہ کرام اور بزرگان عظام کی طرح شیخین کے ساتھ قلبی عقیدت رکھتے تھے جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن علی سے پوچھا کہ آپ کے اہل بیت میں کوئی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں بھی دیتا تھا، فرمایا نہیں میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہوں۔ (۶) سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا، انہوں نے فرمایا سالم میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے تبرا کرتا ہوں۔ یہ دونوں امام ہدی تھے میں نے اپنے اہل البیت میں سے ہر شخص کو ان کے ساتھ تولا ہی کرتے پایا۔ (۷)

صحت عقیدہ:

بعض جماعتوں نے بہت سے ایسے غلط عقائد ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا۔ وہ امور دین میں خالص اور بے آمیز اسلامی عقائد کے علاوہ کوئی جدید عقیدہ نہ رکھتے تھے۔ جائز روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی سے پوچھا کیا اہل بیت کرام میں سے کسی کا یہ خیال تھا کہ کوئی گناہ شرک ہے۔ فرمایا نہیں میں نے دوسرا سوال کیا۔ ان میں کوئی رجعت کا قائل تھا فرمایا نہیں۔ (۸)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۹، ص ۳۵۰ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۱ ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۳۶

۶۔ ایضاً ص ۲۳۶ ۷۔ تھذیب التھذیب ج ۹، ص ۳۵۱ ۸۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۳۶

وفات:

مقام حمیہ میں انتقال فرمایا۔لاش مدینہ لاکر جنت البقیع میں دفن کی گئی۔(۱) سنہ وفات کے بارے میں بیانات مختلف ہیں۔بعض ۱۱۴ھ بعض ۱۱۷ھ بتاتے ہیں۔(۲)

عمر کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ایک یہ کہ وہ اٹھاون سال کے تھے۔دوسری یہ کہ وہ ۷۳ سال کے تھے۔لیکن دوسری روایت قطعاً غلط ہے،پہلی اقرب الصحت ہے۔اس لئے کہ ان کی پیدائش بالاتفاق ۵۷ھ میں ہوئی،اس حساب سے آپ کی عمر پہلے سنہ وفات کے مطابق اکسٹھ سال سے زیادہ ہوگی۔

اولاد:

امام باقر کی کئی اولادیں تھیں،جعفر،عبداللہ۔یہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ام فروابنت قاسم بن محمد بن ابوبکر پڑپوتی کے بطن سے تھے۔علی اور زینب یہ دونوں ام ولد سے تھے۔ام سلمہ یہ بھی ام ولد سے تھیں۔ان میں جعفر الملقب بہ صادق سب میں نامور ہیں اور آپ کے جانشین تھے۔(۳)

لباس:

امام باقر نہایت خوش لباس تھے۔خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے اور سادہ اور رنگین دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے۔ابریشم کے بوٹے دار کپڑے بھی پہنتے تھے اور وسمہ اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔(۴)

۵۔علی بن الحسین رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

علی نام،ابوالحسن،زین العابدین لقب،حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند اصغر اور ریاض نبوت کے گل تر تھے،کربلا کے میدان میں اہل بیت نبوی کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا،جس سے دنیا میں شمیم سیادت پھیلی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام باقی رہا۔

دودھیالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے۔نانہالی شجرہ بہت مختلف فیہ ہے۔مشہور عام روایت یہ ہے کہ آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسہ تھے۔

اس کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یزدگرد کو شکست ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ اس کی تین لڑکیاں بھی گرفتار ہوئیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسرے قیدیوں کی طرح انہیں بھی بیچنے کا حکم دیا،لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا کہ شہزادیوں کے ساتھ عام لڑکیوں کا سا سلوک نہ کرنا چاہئے،اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قیمت لگوائی جائے۔جو قیمت لگے گی جو شخص لے گا اسے اتنی قیمت ادا کرنا ہوگی،چنانچہ قیمت لگوا کر تینوں لڑکیوں کو خود خرید لیا اور ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ کو دے دی،اور دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی اور تیسری اپنے صاحبزادے حضرت حسین کو ان تینوں کے بطن سے حضرت قاسم بن محمد،حضرت سالم بن عبداللہ،اور حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔

۱۔ابن خلکان،ج ۱،ص ۴۵۰ ۲۔ابن سعد،ج ۵،ص ۲۳۸ ۳۔ابن سعد،ج ۵،ص ۲۳۵

۴۔ایضاً،ص ۲۳۶۔سیر الصحابۃ،ج ۳،تابعین کرام،ص ۲۸۶۔۲۸۹

قدیم مؤرخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے معارف (۱) میں لکھا ہے کہ زین العابدین کی ماں سندھ کی تھیں اور ان کا نام سلافہ یا غزالہ تھا، ابن سعد نے غزالہ اختیار کیا ہے، لیکن سلسلہ نسب نہیں دیا ہے اور نہ یزدگرد کے شاہی نسب کی طرف اشارہ کیا ہے، پہلی روایت مختلف حیثیوں سے غیر معتبر ہے، علامہ شبلی نے الفاروق میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہے، جس سے اس کی بے اعتباری واضح ہو جاتی ہے مگر ان روایات سے اتنا بہر حال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر قوم کی خاتون تھیں۔

ولادت:

حضرت زین العابدین ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ (۲)

واقعہ کربلا:

اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بچہ تھے، اس لئے عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعہ پیش آیا، اس سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ مگر علالت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کرا دینا چاہا، لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا۔ اس نے کہا سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نوجوان کو جس نے جنگ میں کوئی حصہ بھی نہیں لیا قتل نہیں کر سکتے۔ عمرو بن سعد بھی پہنچ گیا، اس نے شامیوں کو روک دیا کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے۔ (۳)

قید:

اہل بیت کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر مہربان ہو گیا تھا۔ اس نے آپ کو چھپا لیا، وہ آپ کی بڑی خدمت کرتا تھا، اس درجہ کو آپ کے ساتھ تعلق خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا اور روتا ہوا واپس جاتا تھا۔ اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ لیکن عام شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی۔ ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لئے تین سو اشرفی کا انعام مقرر کیا تھا، اس کی طمع میں شامی نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالے کر دیا۔ (۴)

ابن زیاد سے مکالمہ:

گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے، اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علی، نام سن کر اس نے کہا کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کر دیا، آپ خاموش رہے۔ ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے، فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا، ان کو لوگوں نے قتل کر دیا، ابن زیاد بولا نہیں بلکہ خدا نے قتل کیا، حضرت امام خاموش رہے، ابن زیاد نے پھر پوچھا آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں:

الله هو يتوفى الا نفس حين مو تها و ما كان لنفس ان تموت الا باذن الله (۵) ''اللہ ہی نفوس کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے کا اختیار نہیں ہے''۔

یہ جواب سن کر ابن زیاد نے کہا تم بھی انہی لوگوں میں ہو، اور آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ حکم سن کر حضرت زین العابدین نے فرمایا، ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے۔ آپ کی پھوپھی حضرت زینب یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ گئیں اور حضرت زین العابدین سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے کہا اگر تو

۱۔ معارف ابن قتیبہ ص ۹۴ ۲۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۲۱ ۳۔ ابن سعد ج ۵، ص ۱۵۷ ۴۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۷ ۵۔ آل عمران: ۱۵

انہیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے، تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے، مگر حضرت امام زین العابدین پر مطلق خوف وہراس طاری نہ ہوا آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو کم از کم کسی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو جو انہیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچا دے، ان کا یہ استقلال دیکھ کر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا، چنانچہ اس نے عورتوں کے ساتھ رہنے کے لئے آپ کو چھوڑ دیا۔(۱)

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ:

اس کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کرام کو یزید کے پاس شام بھجوا دیا، شام پہنچنے کے بعد یہ لوگ یزید کے سامنے پیش کیے گئے، اس نے حضرت امام حسین کا سر دیکھ کر حضرت زین العابدین سے کہا، علی، جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ اس کا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے مجھ سے قطع رحم کیا، میرے حق سے غفلت کی، اور حکومت میں جھگڑا کیا۔ امام ممدوح نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

مااصاب من مصیبة فی الارض ولافی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا) ''تم کو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں، ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے''۔

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ تم اس کا جواب دو، مگر وہ جواب نہ دے سکا تو یزید نے کہا تم یہ آیت پڑھو۔(۲)

ومااصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر (۳) ''اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ بہتوں سے معاف کر دیتا ہے''۔

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا کہ یہ قیدی ہمارے لئے حلال ہیں۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے فرمایا تو جھوٹ بکتا ہے اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لئے یہ جائز نہیں، جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے۔ (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے قیدی عورت جائز نہیں ہے) یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھا دیا۔(۴)

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے ان کو شاہی حرم سرا میں ٹھہرا دیا یہ سب عورتیں عزیز ہی تھیں، اس لئے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم بپا رہا، جب تک یہ لوگ مقیم رہے یزید ان کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا۔ زین العابدین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر کھلاتا تھا۔(۵)

مدینہ کی واپسی اور یزید کے وعدے:

چند دنوں تک قیام کے بعد اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے زین العابدین سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہیں رہو، میں صلہ رحمی سے پیش آؤں گا اور تمہارا پورا حق ادا کروں گا، اور اگر واپس جانا چاہو تو واپس جا سکتے ہو، میں تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں، زین العابدین نے واپس جانے کی خواہش کی۔(۶)

ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انہیں بحفاظت واپس کر دیا اور رخصت کرتے وقت زین العابدین سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو حسین جو کہتے اسے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا، خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آ جاتی۔ بہر حال اب تو

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۷ و ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۷۰۔۱۷۱ ۲۔ طبری، ج ۷، ص ۳۷۶ ۳۔ شوریٰ: ۴

۴۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۷ ۵۔ طبری، ج ۷، ص ۳۷۸ ۶۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۷

قضائے الٰہی پوری ہو چکی آئندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو فوراً لکھنا۔(۱)

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی:

اعزہ کی شہادت، گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدین کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انہوں نے عزلت نشینی اختیار کر لی اور آئندہ کسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا، اور ہر فتنہ انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے، یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا۔

زین العابدین کی کنارہ کشی:

حضرت امام حسین ﷺ کی شہادت کے بعد ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، اہل حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے اپنے یہاں سے اموی عمال کو نکال دیا، یزید نے ان کی تنبیہ کے لئے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا، اور امیر عسکر کو ہدایت کر دی کہ زین العابدین کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے، اہل مدینہ مقابلہ میں آئے، لیکن فاش شکست کھائی، ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی رہی، اس جنگ میں زین العابدین اور ان کے اعزہ نے کوئی حصہ نہیں لیا اور مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔ مدینہ کو ویران کرنے کے بعد مسلم عقیق گیا اور زین العابدین کو پوچھا، معلوم ہوا موجود ہیں، زین العابدین کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے آئے اور اپنے ساتھ اپنے چچازاد بھائیوں، ابو ہاشم، عبداللہ اور حسن بن محمد بن حنفیہ کو بھی لیتے آئے۔

مسلم بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ان سے ملا، انہیں اپنے تخت پر بٹھا کر اور مزاج پرسی کے بعد کہا امیر المؤمنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی، آپ نے فرمایا خدا ان کو اس کا صلہ دے، مسلم نے دونوں لڑکوں کے متعلق پوچھا زین العابدین نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں، یہ سن کر مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی، اس خوش آئند ملاقات کے بعد زین العابدین واپس گئے۔(۲)

مختار کا خروج اور زین العابدین کی علیحدگی:

اسی زمانہ میں ایک حوصلہ مند ملحد مختار بن ابی عبید ثقفی حصول حکومت کے لئے محبت اہل بیت کے نام پر خون حسین کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا، ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے، اس نے مقصد برآری کے لئے زین العابدین کے پاس ایک گرانقدر رقم نذر بھیج کر درخواست کی کہ آپ ہمارے امام ہیں، ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمایئے، لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے، اس لئے اس کی درخواست ٹھکرا دی، اور مسجد نبوی ﷺ میں جا کر اس کے فسق و فجور اور کفر و الحاد کا پردہ فاش کر کے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے اہل بیت کو آڑ بنایا ہے۔ اس کے فریب میں نہ آنا چاہئے، ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا، یہ اس کے دام میں آ گئے، زین العابدین نے انہیں بھی روکا اور ان سے کہا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہے، وہ محض محبان اہل بیت کو مائل کرنے کے لئے محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے، حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ اس لئے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہئے، ابن حنفیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن حضرت امام حسین ﷺ کی دردناک شہادت سے تمام محبان اہل بیت خصوصاً بنی ہاشم کے دل زخمی ہو رہے تھے۔ اس لئے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنفیہ کو زین العابدین کا کہنا ماننے سے روکا۔(۳)

۱۔ طبری، ج ۳، ص ۳۷۹ ۲۔ اخبار الطوال، ص ۲۷۵۔۲۷۶ و ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۹ ۳۔ مروج الذہب مسعودی، ج ۲، ص ۹۷ و ص ۴۸۰

اس کے بعد بنی امیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مختار کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن حضرت امام زین العابدین بالکل کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہو جانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ علی بن حسین باب کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے، ایک شخص نے کہا خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت میں مارا گیا، فرمایا وہ کذاب تھا اور خدا اور رسول پر بہتان باندھتا تھا۔(۱)

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس عزلت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتداء میں عبد الملک کو آپ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کو مدینہ سے شام بجز بلوالیا تھا، لیکن پھر امام زہری نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی اور کہا زین العابدین کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے، انہیں دن رات اپنی اور خدا کی عبادت سے کام ہے، وہ کسی جھگڑے میں نہیں پڑیں گے۔ زہری کی اس سفارش پر اس نے رہا کر دیا۔(۲)

وفات:

۹۳ھ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں اپنے بابا حسن اور حضرت عباس کے روضہ میں دفن کئے گئے۔(۳)

فضل وکمال:

آپ جس خانوادہ علم کے چشم و چراغ تھے، وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا۔ آپ کے جد امجد علم وعمل کے مجمع البحرین تھے، اس لے علم آپ کے گھر کی دولت تھی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا نے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شے سے دل ایسا اچاٹ کر دیا تھا کہ علم وفن کی کتاب بھی آپ نے تہہ کر دی تھی، اس لئے آپ کے علمی کمالات ظاہر نہ ہو سکے۔ لیکن آپ کا علمی پایہ مسلم تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے مدینہ میں ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا۔(۴) امام نووی لکھتے ہیں کہ ہر شے میں ان کی جلالت وعظمت پر سب کا اتفاق ہے۔(۵)

حدیث:

اگرچہ آپ کا شمار حفاظ حدیث میں نہیں ہوتا تاہم حفظ حدیث میں امتیازی درجہ رکھتے تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

كان ثقة مامونا كثير الحديث عالية رفيعاً۔(۶)

حدیث میں اپنے والد بزرگوار امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ، اپنے بابا حسن رضی اللہ عنہ، اپنے چچیرے دادا ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی دادی عائشہ رضی اللہ عنہا، ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اور صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنے خاندانی غلام ابو رافع (مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے لڑکے عبید اللہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے غلام ذکوان اور دوسرے بزرگوں میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مسور بن مخرمہ اور سعید بن مسیب سے استفادہ کیا تھا۔(۷)

روایت میں آپ کے والد اور جد امجد کا سلسلہ سلسلۃ الذہب سمجھا جاتا ہے، ابوبکر بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ زہری کی وہ روایات جو علی بن حسین، ان کے والد اور ان کے داد کے سلسلہ سے مروی ہیں وہ اصح الاسانید ہیں۔(۸)

تلامذہ:

خود آپ سے فیض اٹھانے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا۔ آپ کے صاحبزادوں میں محمد، زید، عبد اللہ اور عمرو عام رواۃ میں ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن،

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۸ ۲۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۵ ۳۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۳۲۱ ۴۔ تہذیب الاسماء نووی، ج ۱، ص ۳۴۳

۵۔ ایضاً ۶۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۱۶۴ ۷۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۰۴ ۸۔ ایضاً، ص ۳۰۵

طاؤس بن کیسان، امام زہری، ابوالزناد، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبید اللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، حکم بن عتبہ، حبیب بن ابی ثابت، ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن، مسلم البطین، یحیٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، علی بن زید بن جدعان وغیرہ لائق ذکر ہیں۔(۱)

فقہ:

آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے علی بن حسین سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔(۲) آپ کے فقہی کمال کی بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور سات فقہا کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا۔(۳)

حکیمانہ اقوال:

آپ کے اقوال آپ کے علمی کمالات کا آئینہ اور پند وموعظت کے سبق ہیں۔

فرماتے تھے مجھے اس مغرور اور فخر کرنے والے پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل مردار ہو جائے گا اور اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو خدا کی ہستی میں شک کرتا ہے، حالانکہ خود اس کی پیدائش اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے جو قیامت کے دن دوبارہ پیدائش کا انکار کرتا ہے، جب کہ پہلی تخلیق اس کے سامنے ہے۔ اور اس شخص پر تعجب آتا ہے، جو ایک فانی مقام کے لئے عمل کرتا ہے۔ اور دار بقا کو چھوڑ دیتا ہے، احباب کا کھودینا مسافرت ہے، خدایا میں تجھ سے اس امر سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو لوگوں کی نگاہ میں میرے ظاہر کو تو اچھا دکھا لیکن میری اندرونی حالت کو خراب کردے، خدایا میں نے جب کوئی برائی کی تو تو نے میرے ساتھ بھلائی کی، آئندہ جب میں ایسا کروں تو تو بھی ایسا ہی کر، کچھ لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے۔ کچھ (جنت کی) طمع میں عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے کچھ آپ کے صاحبزادے خالص شکر الٰہی میں عبادت کرتے ہیں۔ یہی آزادوں کی عبادت ہے۔(۴)

آپ کے صاحبزادے محمد روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا، میں نے عرض کیا کون۔ فرمایا، فاسق کے ساتھ، وہ تم کو ایک لقمہ بلکہ اس سے کم میں بیچ دے گا۔ میں نے پوچھا اس سے کم کیا چیز ہوسکتی ہے، فرمایا ایک لقمہ کی طمع کی جائے اور وہ بھی نہ ملے، میں نے پوچھا دوسرا کون، فرمایا بخیل وہ اس چیز کو جس کی تم کو زیادہ ضرورت ہوگی تم سے علیحدہ کردے گا، میں نے پوچھا تیسرا کون، فرمایا کذاب، وہ سراب کی طرح تم کو قریب سے دور اور دور کو قریب کردے گا، میں نے عرض کیا چوتھا کون، فرمایا احمق وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا، مگر الٹے نقصان پہنچائے گا میں نے کہا پانچواں کون، فرمایا قاطع رحم، میں نے اس کو کتاب اللہ میں تین مقام پر ملعون پایا۔(۵)

فرماتے تھے کہ وہ شخص کس طرح تمہارا دوست ہوسکتا ہے کہ جب تم اس کی تھیلی سے اپنی ضرورت لے لینا چاہو تو اس کو خوشی نہ ہو۔(۶)

فضائل اخلاق:

آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کی ایسی نورانی شمع تھی جس سے دوسرے مستنیر ہوتے تھے، آپ خلق نبوی ﷺ کی مجسم تصویر تھے، خاندان بنی ہاشم میں آپ سے افضل کوئی نہ تھا۔(۷)

خشیت الٰہی:

آپ کا دل خشیت سے لبریز رہتا تھا، اور اکثر وہ اس خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ علی بن حسین حج کو گئے، احرام باندھنے کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے لبیک تک نہ نکل سکا۔ لوگوں نے کہا

۱۔ تھذیب التھذیب، ص ۳۰۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۶۵ ۳۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۲۶ ۴۔ مختصر صفوۃ الصلوٰۃ، ص ۳۱۳

۵۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۵ ۶۔ ایضاً ۷۔ تھذیب الاسماء ج ۱، ص ۳۴۳

آپ لبیک کیوں نہیں کہتے فرمایا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور ادھر سے جواب ملے ''لا لبیک'' تیری حاضری قبول نہیں، لوگوں نے کہا مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے، لوگوں کے اصرار سے کہا، مگر جیسے زبان سے نکلا، بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے۔(۱) اسی طرح جب زور سے ہوا چلتی تھی اور آندھی آتی تھی تو عذاب الٰہی کے خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے۔(۲)

عبادت و ریاضت:

آپ کی رگوں میں ان بزرگوں کا خون تھا، جن کی عبادت زیر شمشیر جفا بھی نہ چھوٹی اس لئے آپ بھی زہد و عبادت کا پیکر تھے، سعید بن مسیب جو خود بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے، فرماتے تھے کہ علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے زیادہ ورع میری نظر میں نہیں گزرا۔ عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی، اوقات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا، شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے اور آخر دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا، اس عبادت کی وجہ سے زین العابدین لقب ہو گیا تھا۔(۳) قیام اللیل سفر و حضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا۔(۴)

اخلاص فی العبادت کا یہ حال تھا کہ حضوری کے وقت سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ عبداللہ بن سلمان کا بیان ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا، لوگوں نے پوچھا، آپ کو یہ کیا ہو جاتا ہے، فرمایا تم لوگ کیا جانو میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں۔(۵)

محویت کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں کسی چیز کی خبر نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سجدہ میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگی۔ لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ تا آنکہ آگ بجھ بھی گئی۔ لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ آپ کو آگ کی جانب سے کس چیز نے اس قدر بے پرواہ کر دیا تھا، فرمایا، دوسری آگ (آتش دوزخ) نے۔(۶)

آپ اور سلیمان بن یسار روزانہ مسجد نبوی میں قبر نبوی ﷺ اور منبر نبوی ﷺ کے درمیان دن چڑھے تک مذاکرہ حدیث میں مشغول رہتے تھے۔ اٹھتے وقت عبداللہ بن ابی سلمہ قرآن پاک کی ایک سورۃ سناتے تھے۔ قرآن سننے کے بعد دعا کرتے تھے۔(۷)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اتنا اہتمام تھا کہ اس سے غفلت کو کتاب اللہ سے غفلت شمار کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی طرح ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے بچاؤ کے لئے نہ چھوڑے، لوگوں نے بچاؤ کا مطلب پوچھا، فرمایا جب کسی ظالم اور سرکش کی زیادتی کا خوف ہو۔(۸)

انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق فی سبیل اللہ، فیاضی اور دریا دلی آپ کا خاص وصف تھا، خدا کی راہ میں بے دریغ صرف کرتے تھے، فقراء اور اہل حاجت کی دستگیری کے لئے ہمیشہ دست کرم دراز رہتا تھا، مدینہ کے معلوم نہیں کتنے گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پاتی تھی، آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ مستقل سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے۔(۹)

۱۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ج ۵، ص ۱۳۲ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۶۰ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۶۵ ۴۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۷

۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۶۰ ۶۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۲ ۷۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۱۶۰ ۸۔ ایضاً ۹۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۳۴۳

اخفاء کے لئے بہ نفس نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچاتے تھے۔ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ رات کی تاریکی میں خود جا کر ان کے گھروں پر دے آتے تھے۔(۱)

غلہ کے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے، وفات کے بعد جب غسل دیا جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے، معلوم ہوا آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں، جنہیں آپ راتوں کو لاد کر غرباء کے گھر پہنچاتے تھے۔(۲) آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کہتے تھے کہ خفیہ خیرات زین العابدین کے دم سے تھی، سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جب کوئی سائل آتا تو ''میرے توشہ کو آخرت کی طرف لے جانے والے مرحبا'' کہہ کر اس کا استقبال کرتے۔ سائل کو خود اٹھ کر دیتے اور فرماتے تھے صدقات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں۔(۳)

عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دے دیا، پچاس پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہن کر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے۔(۴)

اکل حلال:

اکل حلال میں اتنا اہتمام تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت یا نام سے ایک درہم کا بھی فائدہ اٹھانا پسند نہ کرتے تھے۔(۵)

حلم و بردباری:

تحمل اور بردباری میں اپنے بابا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے، زبان کے تیز سے تیز نشتروں کا بھی اثر نہ لیتے تھے، ناگوار اور تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے، آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا تھا کہ مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے، اب آئندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہ سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بے ہودہ بکنے والوں کی جانب متوجہ ہی نہ ہوتے، بعض گستاخ ایسے جری اور بے باک تھے کہ آپ کو جتلانے کے لئے کہتے کہ میں تم ہی کو کہہ رہا ہوں آپ اس کے جواب میں فرماتے میں چشم پوشی کرتا ہوں۔(۶)

کبھی جواب بھی دیتے تو اس طرح کا کہنے والا کو منفعل ہو جاتا۔ ایک مرتبہ آپ مسجد سے نکلے، راستہ میں ایک شخص نے آپ پر گالیاں برسانی شروع کر دیں، آپ کے غلام اور خدام میں اس کی طرف لپکے، آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں جو تم کہہ رہے ہو۔ تمہاری کوئی ضرورت ہے۔ جس میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، یہ جواب سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا، آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اسے دے دیا اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے۔ اس شخص پر آپ کے اس ''حسن انتقام'' کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں''۔(۷)

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے آپ اس کو لے کر اس شخص کے پاس پہنچے، یہ شخص سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو مدد کے لئے ساتھ لیا۔ برا کہنے والے شخص کے پاس پہنچ کر فرمایا تم نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے، اگر وہ صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے، اور اگر جھوٹ ہے تو خدا تمہاری مغفرت فرمائے۔(۸)

۱۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۴ ۲۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۴ ۳۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۴ ۴۔ ایضاً
۵۔ ایضاً، ص ۱۶۴ ۶۔ ایضاً ۷۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۷ ۸۔ ایضاً، ص ۱۳۷

عفوودرگزر:

ان کینہ پروردشمنوں سے بھی جن سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں موقع ملنے کے بعد انتقام نہ لیتے تھے۔ ہشام بن اسماعیل والی مدینہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو سخت اذیت پہنچاتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر علانیہ سب وشتم کرتا تھا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں اسے معزول کر کے حکم دیا کہ مجمع عام میں اس کو کھڑا کیا جائے اور لوگ اس سے اپنا بدلہ لیں۔ ہشام کا بیان ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے تھا۔ مگر انہوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص مجھ سے تعرض نہ کرے، آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے عرض کیا، خدا کی قسم! اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں، ہم کو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا، فرمایا ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا۔ ہشام پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اس کو زین العابدین کے فضل کا اعتراف کرنا پڑا۔ (۱)

نرمی وملاطفت:

فطرۃ بڑے نرم خو تھے، درشتی اور سختی کا نام تک نہ تھا۔ جانوروں تک کو مارتے اور جھڑکتے نہ تھے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ علی سواری پر مکہ جا کر واپس آتے تھے اور اس طویل سفر میں کبھی اپنی سواری کو نہ مارتے تھے۔ (۲)

محبوبیت وجلالت:

اس تحمل، عفوودرگزر اور نرمی وملاطفت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کی محبت وعظمت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزین ہوگئی تھی کہ جدھر نکل جاتے تھے آپ کو راستہ دینے کے لئے ہجوم چھٹ جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبدالملک کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے۔ ہشام بن عبدالملک ایک دفعہ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں عمائد شام کے ساتھ حج کو گیا، طواف کرنے کے بعد حجر الاسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھا۔ مگر اتنا ہجوم تھا کہ کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا۔ مجبوراً رک گیا، اور اژدھام کا تماشہ دیکھنے کے لئے پاس ہی اس کے لئے ایک کرسی بچھادی گئی۔ ابھی وہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں زین العابدین آگئے اور طواف کر کے حجر اسود کی طرف بڑھے، انہیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی اور انہوں نے آسانی کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا۔

یہ منظر دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے، جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے، ہشام آپ کو پوری طرح پہچانتا تھا۔ مگر ان کی جانب سے شامیوں کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا میں نہیں پہچانتا، فرزدق شاعر بھی موجود تھا۔ یہ تجاہل عارفانہ سن کر اس کی شراب عقیدت جوش میں آگئی، اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں۔ شامی نے پوچھا کون ہیں۔ فرزدق نے اسی وقت زین العابدین کی شان میں ایک پرزور مدحیہ قصیدہ پڑھا، جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔ (یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت سی تاریخوں میں ہے)

هذا الذی تعرف البطحاء وطاته — والبیت یعرفه والحل والحرم
هذا ابن خیر عباد الله کلهم — هذا التقی النقی الطاهر العلم
اذاء اته قریش قال ثلها — الی مکارم هذا ینتهی الکرم
ولیس قولك من هذا بضائره — العرب تعرف من انکرت والعجم
ماقال لاقط الا فی تشهد — لولا التشهد کانت لاءه نعم

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۶۳ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۶۰

یکاد یمسکم عرفان راحتہ ۔ رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم
مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم ۔ فی اکل امر و مختوم بہ الکلم
یخضی حیاء ویغضی من مھابتہ ۔ ولا یکلم الا حین یتبسم
ھذا ابن فاطمۃ انب کنت جاھلہ ۔ یجد انبیاء اللہ قد ختموا

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق سے برہم ہو گیا اور اس کو قید کر دیا۔ امام زین العابدین نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم عطا فرمائے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے مدح کی تھی انعام کے طمع میں نہیں، امام زین العابدین نے پھر اس کی پاس بجھوا دیا اور کہلا بھیجا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمہاری نیت سے واقف ہے، وہ اس کا اجر علیحدہ دے گا، خدا تمہاری سعی مشکور فرمائے، اس قیام کے بعد تعمیل ارشاد میں فرزدق نے روپیہ لے لیا۔(۱)

غرور سے نفرت:

اس عظمت وجلالت کے باوجود بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے غرور سے سخت نفرت کرتے تھے، فرماتے تھے اس متکبر اور مغرور انسان پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل پھر مردار ہو جائے گا۔ (ایضاً آپ کی چال ایسی تھی خاکسارانہ تھی کہ چلنے میں دونوں ہاتھ رانوں سے آگے نہ بڑھنے پاتے تھے۔(۲)

مساوات:

غرور نسب کو مٹانے اور مساوات کی عملی مثال قائم کرنے کے لئے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی تھی، اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود عقد کر لیا تھا، عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خط لکھ کر ملامت کی، آپ نے جواب میں لکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمہارے لئے نمونہ ہے، آپ نے صفیہ بن حیی کو (جو لونڈی تھیں) آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا، اور اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی کر دی تھی۔(۳)

محبت اہل بیت میں اعتدال کی ہدایت:

بعض مدعیان محبت اہل بیت شدت غلو میں اہل بیت کرام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں، امام زین العابدین اس قسم کی گمراہ کن اور غیر معتدل محبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور انہیں اس سے روکتے تھے، فرماتے تھے کہ "تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو، خدا کی قسم تم لوگ ہمارے متعلق اتنا کچھ کہتے رہے کہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں ہم کو مبغوض بنا دیا۔(۴) کبھی فرماتے: "ہمارے ساتھ خدا کے لئے اسلام کی بتائی محبت کیا کرو۔ تمہاری محبت تو ہمارے لئے عار بن گئی ہے۔(۵)

خلفائے ثلاثہ کے ساتھ حسن عقیدت:

اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلاثہ کے ساتھ امام زین العابدین بھی سچی عقیدت رکھتے تھے، ان کی برائی سننا پسند نہ فرماتے تھے، اور برائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے، ایک مرتبہ عراقی آپ کے پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن

۱۔ مختصر صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۶ ۔ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۶۰ ۔ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۹
۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۸ ۔ ۵۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۱۵۸

خیالات میں ان کے ہمنوا ہوں گے۔ آپ کے سامنے خلفائے ثلاثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کہیں، آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی تلاوت فرمائی:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ (۱)

''مال غنیمت میں ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنے مال سے محروم کئے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں''۔

جس میں مہاجرین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں اشارہ فرما کر پوچھا کیا تم ان مہاجرین اولین سے ہو، جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اور اپنی جائیداد اور دولت سے محروم کئے گئے، اور خدا کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں، اور اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں۔

عراقیوں نے کہا نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی طرف:

وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (۲)

''اور ان لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے (مہاجرین) پہلے سے مدینہ میں رہتے ہیں۔ اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور (مال غنیمت) جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے اپنے دل میں اس کی خواہش نہیں پاتے، اور خواہ ان پر تنگی کیوں نہ ہو، (مہاجرین) کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں، جو اپنے نفس کو بخل سے بچائے گا وہی لوگ فلاح پائیں گے''۔

جو انصار کے فضائل میں ہے اشارہ کر کے پوچھا کیا تم ان لوگوں میں ہو جو ان لوگوں (مہاجرین) کی ہجرت سے پہلے سے (مدینہ میں) گھر رکھتے ہیں، اور ایمان لا چکے ہیں اور جو ان کے یہاں ہجرت کر کے جاتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں۔

عراقیوں نے کہا ان میں سے بھی نہیں، فرمایا تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو، اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں بھی نہیں ہو جن کے متعلق خدا فرماتا ہے:

يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلّاً لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (۳)

''اور وہ لوگ جن کے (مہاجرین) بعد آئے اور کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سب سے پہلے ایمان لا چکے ہیں مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب تو رؤف الرحیم ہے''۔

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو تو خدا تم کو غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ، (۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ خدا کی قسم وہ ناحق شہید کئے گئے۔ (۵)

۱۔ الحشر: ۸ ۲۔ حشر: ۹ ۳۔ الحشر: ۱۰ ۴۔ صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۳۴ ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۶۰

حلیہ:

صورۃً نہایت حسین وجمیل تھے، بدن سے خوشبو پھوٹتی تھی۔(۱) شانوں تک زلفیں تھیں، مانگ نکلی رہتی تھی، (۲) خضاب کبھی سیاہ اور کبھی سرخ دونوں استعمال کرتے تھے۔

لباس:

نہایت خوش لباس تھے۔خز کا جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے، جبہ اور اسی کی چادر استعمال کرتے تھے۔ایک ایک چادر کی قیمت پچاس پچاس اشرفی تک ہوتی تھی اور محض ایک موسم میں استعمال کر کے اس کو بیچ کر قیمت خیرات کر دیتے تھے۔سردیوں میں لومڑیوں کا سمور استعمال کرتے تھے، رنگوں میں سفید، سرخ، زرد اور سیاہ ہر قسم کا رنگ پسند تھا، گول سر کی جوتی پہنتے تھے۔(۳)

نفاست:

مزاج میں بڑی لطافت ونفاست تھی، گندگی کو مطلق برداشت نہ کر سکتے تھے، بہت سی چیزوں کو محض دوسروں کی خاطر انگیز کرتے تھے، ابو جعفر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسین بیت الخلاء گئے میں ہاتھ دھونے کے لئے پانی لئے ہوئے دروازہ پر کھڑا تھا، بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد فرمایا، میں نے بیت الخلاء میں ایسے شے دیکھی جس نے مجھے شک میں ڈال دیا، میں نے پوچھا وہ کیا، فرمایا میں نے دیکھا مکھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں، پھر اڑ جاتی ہیں اور آدمی کی جلد پر بیٹھ جاتی ہیں اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ بیت الخلاء جانے کے لئے ایک خاص لباس بنواؤں پھر سوچ کر فرمایا کہ جس چیز کی لوگوں کو استطاعت نہ ہو اسے مجھے بھی نہ کرنا چاہئے۔(۴)

۶۔حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب:

زینب قبیلہ مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے، زینب بنت ابی سلمہ بن عبد اللہ بن عبد الاسد بن عمرو بن مخزوم حبشہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں، اور ان ہی کے ساتھ کچھ زمانہ کے بعد مدینہ کو ہجرت کی، حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابی بکر نے دودھ پلایا، (۵) پہلے برہ نام تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب نام رکھا۔(۶)

عام حالات:

۴ھ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی، تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں، اس وقت زینب شیر خوار تھیں، والدہ ماجدہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں، آپ غسل فرماتے تو ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے، لوگوں کا بیان ہے کہ اس کی یہ برکت تھی کہ بڑھاپے تک ان کے چہرے پر شباب کا آب ورنگ باقی رہا۔

حضرت عبد اللہ بن زمعہ بن اسود اسدی سے شادی ہوئی، دولڑکے پیدا ہوئے، جن میں ایک کا نام ابو عبیدہ تھا۔ ۶۳ھ میں حرہ کی لڑائی میں دونوں کام آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے سامنے ان کی لاشیں لا کر رکھی گئیں، انہوں نے اناللہ پڑھا اور کہا کہ "مجھ پر بہت بڑی مصیبت پڑی، ایک تو میدان میں لڑ کر قتل ہوا، لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا لوگوں نے اس کو گھر میں گھس کر مارا"۔

۱۔ایضاً، ج ۵، ص ۱۶۰ ۲۔ایضاً ۳۔ایضاً ۴۔ایضاً ص ۱۶۲۔سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۱۹۷۔۲۰۸

۵۔اصابہ، ج ۸، ص ۹۶ بحوالہ ابن سعد ۶۔صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۳۱، باب استحباب تعبیر الاسم القبیح الی حسن

وفات:

بیٹوں کے قتل ہونے کے بعد دس برس زندہ رہیں اور ۷۳ھ میں انتقال فرمایا یہ طارق کی حکومت کا زمانہ تھا۔(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جنازہ میں تشریف لائے۔

فضل وکمال:

حضرت زینب رضی اللہ عنہا فضل وکمال میں شہرہ آفاق تھیں اور اس وصف میں کوئی عورت ان سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھیں، اسد الغابہ میں ہے:

کانت من افقه نساء زمانها ۔(۲)

''وہ اپنے عصر کی فقیہ بیوی تھیں''۔

آنحضرت ﷺ سے کچھ حدیثیں روایت کیں، آپ ﷺ کے علاوہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے بھی چند حدیثیں سنیں جن لوگوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں:

امام زین العابدین، ابوعبیدہ، محمد بن عطاء، عراک بن مالک، حمید ابن نافع، عروہ، ابوسلمہ، کلیب بن وائل، ابوقلابہ جرمی۔(۳)

۷۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

نام ونسب:

ہند نام، ام سلمہ کنیت، قریش کے خاندان مخزوم سے ہیں، سلسلہ نسب یہ ہے:

ہند بنت ابی امیہ سہیل بن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، والدہ کا بنو فراس سے تھیں اور ان کا سلسلہ نسب یہ ہے، عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ بن مالک بن جذیمہ بن علقمہ بن جذل بن الطعان ابن فراس بن غنم بن مالک بن کنانہ۔

ابوامیہ (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد) کے مشہور مخیر اور فیاض تھے، سفر میں جاتے تو تمام قافلہ والوں کی کفالت خود کرتے تھے اسی لئے زاد الراکب کے لقب سے مشہور تھے۔(۴) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان ہی کی آغوش تربیت میں نہایت ناز ونعمت سے پرورش پائی۔

نکاح:

عبداللہ بن عبدالاسد سے جو زیادہ تر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے نام سے مشہور ہیں، اور جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد اور آنحضرت ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، نکاح ہوا۔

اسلام:

آغاز نبوت میں اپنے شوہر کے ساتھ ایمان لائیں۔

ہجرت حبشہ:

اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ میں کچھ زمانہ تک قیام کر کے مکہ واپس آئیں اور یہاں سے مدینہ ہجرت کی، ہجرت میں ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔

۱۔ تھذیب، ج۲، ص۴۲۱۔ اسد الغابہ، ج۵، ص۴۶۹ ۲۔ تھذیب، ج، ص۴۲۱

۳۔ اسد الغابہ، ج۵، ص۴۶۹۔ سیر الصحابۃ، ج۲، سیر الصحابیات: اول، ص۱۰۸۔۱۰۹ ۴۔ اصابہ، ج۸، ص۲۴۰

ہجرت مدینہ:

ہجرت کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ہمراہ ہجرت کرنا چاہتی تھیں (ان کا بچہ سلمہ بھی ساتھ تھا) لیکن (حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے) قبیلہ نے مزاحمت کی تھی، اس لئے حضرت ابوسلمہ ان کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے، اور یہ اپنے گھر واپس آ گئی تھیں (ادھر سلمہ کو بھی خاندان والے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے چھین کر لے گئے) اس لئے ام سلمہ کو اور بھی تکلیف تھی، چنانچہ روزانہ گھبرا کر گھر سے نکل جاتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتی تھیں، ۷۔۸ دن تک یہ حالت رہی اور خاندان کے لوگوں کو احساس تک نہ ہوا۔ ایک دن ابطح سے ان کے خاندان کا ایک شخص نکلا اور ام سلمہ کو روتے ہوئے دیکھا تو اس کا دل بھر آیا۔ گھر آ کر لوگوں سے کہا کہ "اس غریب پر ظلم کیوں کرتے ہو، اس کو جانے دو اور اس کا بچہ اس کے حوالے کر دو، روانگی کی اجازت ملی تو بچے کو گود میں لے کر اونٹ پر سوار ہو گئیں اور مدینہ کا راستہ لیا۔

چونکہ بالکل تنہا تھیں، یعنی کوئی مرد ساتھ نہ تھا، تنعیم میں عثمان بن طلحہ (کلید بردار کعبہ) کی نظر پڑی، بولا "کدھر کا قصد ہے؟" کہا: مدینہ کا" پوچھا: "کوئی ساتھ بھی ہے" جواب میں بولیں: "خدا اور یہ بچہ" عثمان نے کہا: "یہ نہیں ہو سکتا تم تنہا کبھی نہیں جا سکتیں" یہ کہہ کر اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کی طرف روانہ ہوا، رستہ میں جب کہیں ٹھہرتا تو اونٹ کو بٹھا کر کسی درخت کے نیچے چلا جاتا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اتر پڑتیں، روانگی کا وقت آتا تو اونٹ پر کجاوہ رکھ کر ہٹ جاتا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہتا کہ "سوار ہو جاؤ" حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا شریف آدمی کبھی نہیں دیکھا، غرض مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا مدینہ لایا، قبا کی آبادی پر نظر پڑی تو بولا "اب تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، وہ یہیں مقیم ہیں" یہ ادھر روانہ ہوئیں اور عثمان نے مکہ کا راستہ لیا۔ (۱)

قبا پہنچیں تو لوگ ان کا حال پوچھتے تھے اور جب یہ اپنے باپ کا نام بتاتیں تو ان کو یقین نہیں آتا تھا (یہ حیرت ان کے تنہا سفر کرنے پر تھی، شرفا کی عورتیں اس طرح باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتی تھیں) اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا مجبوراً خاموش تھیں، لیکن جب کچھ لوگ حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے اور انہوں نے اپنے گھر پیغام بھجوایا تو اس وقت لوگوں کو یقین ہوا وہ واقعی ابوامیہ کی بیٹی ہیں، ابوامیہ چونکہ قریش کے نہایت مشہور اور معزز شخص تھے، اس لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ (۲)

وفات ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اور نکاح ثانی اور خانگی حالات:

کچھ زمانہ تک شوہر کا ساتھ رہا، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بڑے شہ سوار تھے، بدر اور احد میں شریک ہوئے، غزوۂ احد میں چند زخم کھائے، جن کے صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے، جمادی الثانی ۴ھ میں ان کا زخم پھٹا اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ (۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور وفات کی خبر سنائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے مکان پر تشریف لائے، گھر میں کہرام مچا تھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں "ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو، اور یہ کہو کہ خداوندا! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر"۔ اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر تشریف لائے اور جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نو تکبیریں کہیں، لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے خود دست مبارک آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت کی دعا مانگی۔ (۴)

۱۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۷۲۔۲۷۳ ۲۔ مسند ابن حنبل، ج ۶، ص ۳۰۷ ۳۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۷۳ ۴۔ سنن نسائی، ص ۵۱۱

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ام سلمہ رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، وضع حمل کے بعد عدت گزر گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا، لیکن ام سلمہ نے انکار کیا، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر پہنچے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے چند عذر ہیں:

۱۔ میں سخت غیور عورت ہوں۔

۲۔ صاحب عیال ہوں۔

۳۔ میرا سن زیادہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب زحمتوں کو گوارا فرمایا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اب عذر کیا ہوسکتا تھا؟ اپنے لڑکے سے (جن کا نام عمر تھا) کہا اٹھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کرو۔ (۱) شوال کی ۴ھ کی اخیر کی تاریخوں میں یہ تقریب انجام پائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی موت سے جو شدید صدمہ ہوا تھا، خداوند تعالیٰ نے اس کو ابدی مسرت سے تبدیل کردیا، سنن ابن ماجہ میں ہے:

فلما تو فی ابو سلمة ذكرت الذی كان حدثنی فقلت اردت ان اقول اللهم عضنی خير امنه قلت فی نفسی اعاض خير امن ابی سلمة رضی اللہ عنہ ثم قلتها فعاضنی الله محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

"جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو میں نے وہ حدیث یاد کی جس کو وہ مجھ سے بیان کیا کرتے تھے اور میں نے دعا شروع کی تو جب میں یہ کہنا چاہتی کہ خداوند، مجھے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر جانشین دے تو دل کہتا کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون مل سکتا ہے؟ لیکن میں نے دعا کو پڑھنا شروع کیا تو ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے جانشین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری تھی عنایت فرمایا، یہی سامان اور بیویوں کو بھی عنایت ہوا تھا۔ (۲)

بہت حیادار تھیں، ابتداء جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکان پر تشریف لاتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرط غیرت سے لڑکی (زینب) کو گود میں بٹھا لیتیں، آپ یہ دیکھ کر واپس تشریف لے جاتے جاتے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور لڑکی کو چھین لے گئے۔ (۳)

لیکن بعد میں یہ بات کم ہوتی گئی، اور جس طرح دوسری بیبیاں رہتی تھیں، وہ بھی رہنے لگیں، نکاح سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا ذکر کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑا رشک ہوا، ابن سعد میں ان سے جو روایت منقول ہے اس میں یہ فقرہ بھی ہے:

حزنت حزنا شديدا، "یعنی مجھ کو سخت غم ہوا"۔ (۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک موقعہ پر جب تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو (سوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرنا تھا تو انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کو اپنا سفیر بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، صحیح بخاری میں ہے کہ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے، ایک میں حضرت عائشہ، حفصہ، صفیہ، سودہ رضی اللہ عنہن شامل تھیں، دوسرے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور باقی ازواج تھیں، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ محبوب رکھتے تھے اس لئے لوگ ان ہی کی باری میں ہدیے بھیجتے تھے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جماعت نے ان سے کہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح ہم بھی سب کی بھلائی کی خواہاں ہیں، اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے مکان میں بھی ہوں لوگوں کو ہدایہ بھیجنا چاہئے۔

۱۔ مسند، ج ۶، ص ۲۹۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً ۴۔ مسند، ج ۸، ص ۲۴۱

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دومرتبہ اعراض فرمایا، تیسری مرتبہ کہا: ''ام سلمہ رضی اللہ عنہا! عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں مجھے اذیت نہ پہنچاؤ، کیونکہ ان کے سواتم میں کوئی بیوی ایسی نہیں ہے، جس کے لحاف میں میرے پاس وحی آئی ہو''۔(۱) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اتوب الی اللہ عزوجل من اذاك یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذیت پہنچانے سے پناہ مانگتی ہوں''۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب باش ہوتے تو ان کا بچھونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے ہوتی تھیں۔(۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا بہت خیال رکھتی تھیں، حضرت سفینہ جو آنحضرت کے مشہور غلام ہیں، دراصل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، ان کو آزاد کیا تو یہ شرط کی کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تم پر ان کی خدمت لازمی ہوگی۔(۳)

عام حالات:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مشہور واقعات زندگی یہ ہیں، غزوۂ خندق میں اگرچہ شریک نہ تھیں، تاہم اس قدر قریب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اچھی طرح سنتی تھیں فرماتی ہیں کہ مجھے وہ وقت یاد ہے کہ جب سینہ مبارک غبار سے اٹا ہوا تھا، اور آپ لوگوں کو اینٹیں اٹھا اٹھا کر دیتے اور اشعار پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر نظر پڑی فرمایا: ''(افسوس) ابن سمیہ! تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا''۔(۴)

محاصرۂ بنوقریظہ (۵ھ) میں یہود سے گفتگو کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اثنائے مشورہ میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کے اشارے سے بتلایا کہ تم قتل کئے جاؤ گے، لیکن بعد میں اس کو افشائے راز سمجھ کر اس قدر نادم ہوئے کہ مسجد کے ستون سے اپنے آپ کو باندھ لیا، چند دنوں تک یہی حالت رہی پھر توبہ قبول ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے کہ صبح کو مسکراتے ہوئے اٹھے تو بولیں ''خدا آپ کو ہمیشہ ہنسائے، اس وقت ہنسنے کا کیا سبب ہے''؟ فرمایا: ''ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی''، عرض کی ''تو کیا میں ان کو یہ مژدہ سنادوں'' فرمایا: ''ہاں اگر چاہو'' حضرت ام سلمہ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہوئیں، اور پکار کر کہا: ''ابولبابہ! مبارک ہو، تمہاری توبہ قبول ہوگئی''۔ اس آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام مدینہ امڈ آیا۔(۵)

اسی سنہ میں آیت حجاب نازل ہوئی اس سے پیشتر ازواج مطہرات بعض دور کے اعزہ واقارب کے سامنے آیا کرتی تھیں، اب خاص خاص اعزہ کے سوا سب سے پردہ کرنے کا حکم ہوا۔ حضرت ابن ام مکتوم قبیلہ قریش کے ایک معزز صحابی اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے اور چونکہ نابینا تھے، اس لئے ازواج مطہرات کے حجروں میں آیا کرتے تھے، ایک دن آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''ان سے پردہ کرو'' بولیں: ''وہ تو نابینا ہیں'' فرمایا: ''تم تو نابینا نہیں ہو۔ تم تو انہیں دیکھتی ہو''۔(۶)

صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ حدیبیہ میں قربانی کریں، لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک کہ جیسا صحیح بخاری میں ہے، تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص بھی آمادہ نہ ہوا (چونکہ معاہدہ کی شرطیں بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں اس لئے تمام لوگ رنجیدہ اور غصہ سے بے تاب تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور ام سلمہ سے

۱۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۵۳۲ ۲۔ مسند، ج۶، ص۳۲۲ ۳۔ ایضاً، ص۳۱۶ ۴۔ مسند، ج۶، ص۲۸۹

۵۔ زرقانی، ج۲، ص۵۳، وابن سعد، ج۲، ص۵۴ ۶۔ مسند، ج۶، ص۲۹۶

شکایت کی، انہوں نے کہا "آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائیں" آپ نے باہر آ کر خود قربانی کی اور بال منڈوائے، اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا، ہجوم کا یہ حال تھا لہ ایک دوسرے پر ٹوٹا پڑتا تھا اور عجلت اس قدر تھی کہ ہر شخص حجامت بنانے کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ (۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا یہ خیال علم النفس کے ایک بڑے مسئلہ کو حل کرتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جمہور کی فطرت شناسی میں ان کو کس درجہ کمال حاصل تھا، امام الحرمین فرمایا کرتے تھے کہ صنف نازک کی پوری تاریخ اصابت رائے کی ایسی عظیم الشان مثال پیش نہیں کر سکتی۔ (۲)

غزوہ خیبر میں شریک تھیں، مرحب کے دانتوں پر جب تلوار پڑی تو کرکراہٹ کی آواز ان کے کانوں میں آئی تھی۔ (۳)

۹ھ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ کی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھی آئے وہ ان کی عزیز ہوتی تھیں، ان سے بھی گفتگو کی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ (۴)

عجباً لك يا ابن الخطاب دخلت في كل شئي حتى تبتغي ان تدخل بين رسول الله ﷺ وازواجه :

"عمر تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو"۔

چونکہ جواب نہایت خشک تھا، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے اور اٹھ کر چلے آئے، رات کو یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی صبح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور تمام واقعہ بیان کیا جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا تو آپ ﷺ مسکرائے۔ (۵)

حجۃ الوداع میں جو ۱۰ھ میں ہوا اگرچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا علیل تھیں، تاہم ساتھ آئیں، بنہان (غلام) اونٹ کی مہار تھامے تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب غلام مکاتب کے پاس اس قدر مال موجود ہو کہ وہ اس کو ادا کر کے آزاد ہو سکتا ہو تو اس سے پردہ ضروری ہو جاتا ہے۔ (طواف کے متعلق فرمایا کہ جب نماز فجر قائم ہو، تم اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا، چنانچہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ (۶)

۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ علیل ہوئے، مرض الموت نے طول کھینچا تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اکثر آپ کو دیکھنے کے لئے جایا کرتی تھیں، ایک دن طبیعت زیادہ علیل ہوئی تو ام سلمہ چیخ اٹھیں، آنحضرت ﷺ نے منع کیا کہ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں، (۷) ایک دن مرض میں اشتداد ہوا تو ازواج نے دوا پلانا چاہی، چونکہ آپ کو گوارا نہ تھی، آپ نے انکار فرمایا، لیکن جب غشی طاری ہو گئی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس نے دوا پلا دی (۸) (بعض روایتوں میں ہے کہ ان دونوں نے مشورہ دیا تھا) اسی زمانہ میں ایک روز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو حبشہ سے ہو آئی تھیں، وہاں کے عیسائی معبدوں کا (جو غالباً رومن کیتھولک گرجے ہوں گے) اور ان کے مجسموں اور تصویروں کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا ہے تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں، اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، قیامت کے روز عزوجل کی نگاہ میں لوگ بدترین مخلوق ہوں گے۔ (۹)

۱۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۳۸۰ ۲۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۷۲ ۳۔ استیعاب، ج ۲، ص ۸۰۳ ۴۔ صحیح بخاری ۲، ص ۳۰۷

۵۔ مسند، ج ۶، ص ۳۰۸۔۲۸۹ ۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۱۹۔۲۲۰ ۷۔ طبقات، ج ۲، ق ۲، ص ۱۳

۸۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۶۴۱ وطبقات، ج ۲، ق ۲، ص ۳۲ ۹۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم

وفات سے پہلے آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کان میں تین باتیں کی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی وقت بے تابانہ پوچھنے لگیں، لیکن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے توقف کیا اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد پوچھا۔(۱)

۶۱ھ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے ہیں، نہایت پریشان ہیں، سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ کیا حال ہے، ارشاد ہوا: ''حسین رضی اللہ عنہ کے مقتل سے واپس آ رہا ہوں''۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیدار ہوئیں تو آنکھوں میں آنسو جاری تھے (۲) اسی حالت میں زبان سے نکلا اہل عراق نے حسین کو قتل کیا، خدا ان کو قتل کرے اور حسین کو ذلیل کیا خدا ان لوگوں پر لعنت کرے۔(۳)

۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے بعد شامی لشکر مکہ گیا، جہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہما پناہ گزین تھے، چونکہ آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ایسے لشکر کا تذکرہ فرمایا تھا، بعض کو شبہ ہوا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا بولیں آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ ایک شخص مکہ میں پناہ لے گا، اس کے مقابلہ میں جو لشکر آئے گا بیابان میں وہیں دھنس جائے گا۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا جو لوگ جبراً شریک کئے گئے ہوں گے وہ بھی؟ فرمایا ہاں، لیکن قیامت میں اپنی نیتوں کے مطابق اٹھیں گے۔ (حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے کہ یہ واقعہ مدینے کے میدان میں پیش آئے گا۔(۴)

وفات:

جس سال حرہ کا واقعہ ہوا (یعنی ۶۳ھ) اسی سال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا، اس وقت ۸۴ برس کا سن تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں دفن کیا۔(۵)

اس زمانہ میں ولید بن عتبہ (ابو سفیان کا پوتا) مدینہ کا گورنر تھا، چونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے وصیت کی تھی کہ وہ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائے اس لئے وہ جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنے بجائے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔(۶)

اولاد:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر سے جو اولاد ہوئی اس کے نام یہ ہیں:

سلمہ حبشہ میں پیدا ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی امامہ سے کیا تھا۔

عمر رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان ہی نے کیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں فارس اور بحرین کے حاکم تھے۔

درہ، کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو کہ ازواج مطہرات میں داخل تھیں، آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ درہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟ فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر ہم نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لئے کسی طرح حلال نہ تھی، کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے۔(۷)

زینب۔ پہلے برہ نام تھا، لیکن آنحضرت ﷺ نے زینب رکھا۔(۸)

۱۔ طبقات، ج ۲، ق ۲، ص ۴۰ — ۲۔ صحیح ترمذی، ص ۲۲۴ — ۳۔ مسند، ج ۶، ص ۲۹۸ — ۴۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۹۳۔۴۹۴

۵۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۷۶ — ۶۔ طبرانی کبیر، ج ۳، ص ۲۴۴۳ — ۷۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۶۴ — ۸۔ زرقانی، ج ۳، ص ۲۷۲

حلیہ:

اصابہ میں ہے:

كانت ام سلمة موصوفة بالجمال البارع:

''یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نہایت حسین تھیں''

ابن سعد (۱) نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے حسن کا معلوم ہوا تو سخت پریشان ہوئیں، مگر یہ درقدی کی یہ روایت ہے جو چنداں قابل اعتبار نہیں۔

حضرت ام سلمہ کے بال نہایت گھنے تھے۔(۲)

فضل وکمال:

علمی حیثیت سے اگرچہ تمام ازواج بلندرتبہ تھیں، تاہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی جواب نہ تھا، چنانچہ محمود بن لبید کہتے ہیں: (۳)

كان ازواج النبی ﷺ يحفظن من حديث النبی ﷺ كثيراً ولا مثلاً العائشة رضی اللہ عنہا وام سلمه رضی اللہ عنہا،

''آنحضرت ﷺ کی ازواج احادیث کا مخزن تھیں، تاہم عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ان میں کوئی حریف مقابل نہ تھا۔

مروان بن حکم ان سے مسائل دریافت کرتا اور علانیہ کہتا تھا:

كيف نسل احداً وفينا ازواج النبی ﷺ۔(۴)

''آنحضرت ﷺ کی ازواج کے ہوتے ہوئے ہم دوسروں سے کیوں پوچھیں''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما دریائے علم ہونے کے باوجود ان کے دریائے فیض سے مستغنی نہ تھے۔(۵) تابعین کرام کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فیض پر سر بر تھا۔

قرآن اچھا پڑھتیں اور آنحضرت ﷺ کے طرز پر پڑھ سکتی تھیں، ایک مرتبہ کسی نے پوچھا آنحضرت ﷺ کیسے قراءت کرتے تھے؟ بولیں ایک ایک آیت الگ الگ پڑھتے تھے اس کے بعد خود پڑھ کر بتلایا۔(۶)

حدیث میں حضرت عائشہ کے سوا ان کا کوئی حریف نہ تھا، ان سے ۳۷۹ روایتیں مروی ہیں۔ اس بنا پر وہ محدثین صحابہ رضی اللہ عنہم کے تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

حدیث سننے کا بڑا شوق تھا۔ ایک دن بال گوندوا رہی تھیں کہ آنحضرت ﷺ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے ایھا الناس (لوگو!) کا لفظ نکلا تو فوراً بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں، اور کھڑے ہو کر پورا خطبہ سنا۔(۷)

مجتہد تھیں، صاحب اصابہ نے ان کے تذکرہ میں لکھا ہے:

۱۔ ابن سعد، ج ۸، ص ۶۶ ۲۔ مسند، ج ۶، ص ۲۸۹ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۲، ق ۲، ص ۱۲۶

۴۔ مسند، ج ۶، ص ۳۱۷ ۵۔ ایضاً ص ۳۱۲ ۶۔ ایضاً ص ۳۰۰-۳۰۲ ۷۔ ایضاً ص ۳۰۱

صاحب العقل البالغ والرائے الصائب (۱)

''یعنی وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں''۔

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ ان کے فتاویٰ اگر جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا رسالہ تیار ہوسکتا ہے۔(۲) ان کے فتاویٰ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ عموماً متفق علیہ ہیں اور یہ ان کی دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی کا کرشمہ ہے۔ان کی نکتہ سنجی پر واقعات شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، مروان نے پوچھا آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ بولے آنحضرت ﷺ بھی پڑھتے تھے، چونکہ انہوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ ؓ کے سلسلہ سے سنی تھی۔ مروان نے ان کے پاس تصدیق کے لئے آدمی بھیجا، انہوں نے کہا مجھ کو ام سلمہ سے یہ حدیث پہنچی ہے۔حضرت ام سلمہ ؓ کے پاس آدمی بھیجا گیا اور یہ قول نقل کیا تو بولیں:

یغفر اللہ لعائشة لقد وضعت امر علی غیر موضعہ۔(۳) اولم اخبرھا ان رسول اللہ ﷺ قد نھی عنھما۔(۴)

''یعنی خدا عائشہ ؓ کی مغفرت کرے انہوں نے بات نہیں سمجھی، کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کا خیال تھا کہ رمضان میں جنابت کا غسل فوراً صبح اٹھ کر کرنا چاہئے ورنہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ایک شخص نے جا کر حضرت ام سلمہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ سے پوچھا دونوں نے کہا کہ خود آنحضرت ﷺ جنابت کی حالت میں صائم ہوتے تھے، حضرت ابو ہریرہ ؓ نے سنا تو رنگ فق ہوگیا، اس خیال سے رجوع کیا اور کہا کہ میں کیا کروں فضل بن عباس ؓ نے مجھ سے اسی طرح بیان کیا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ کو زیادہ علم ہے۔(۵) (اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ ؓ نے اپنا فتویٰ واپس لے لیا۔)(۶)

ایک مرتبہ چند صحابہ نے دریافت کیا کہ (آنحضرت ﷺ کی اندرونی زندگی) کے متعلق کچھ ارشاد کیجئے، فرمایا: آپ ﷺ کا ظاہر و باطن یکساں تھا'' آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو آپ ﷺ سے واقعہ بیان کیا، فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔(۷)

حضرت ام سلمہ جواب صاف دیتی تھیں اور کوشش کرتی تھیں کہ سائل کو تشفی ہوجائے، ایک دفعہ کسی شخص کو مسئلہ بتایا، وہ ان کے پاس سے اٹھ کر دوسری ازواج کے پاس گیا۔سب نے ایک ہی جواب دیا، واپس آ کر حضرت ام سلمہ ؓ کو یہ خبر سنائی تو بولیں: نعم واشفیك! ذرا ٹھہرو! میں تمہاری تشفی کرنا چاہتی ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق حدیث سنی ہے۔(۸)

حضرت ام سلمہ ؓ کو حدیث وفقہ کے علاوہ اسرار کا بھی علم تھا، اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت حذیفہ ؓ عالم تھے۔ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ ان کے پاس آئے تو بولیں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ بعض صحابی ایسے ہیں جن کو نہ میں اپنے انتقال کے بعد دیکھوں گا نہ وہ مجھے دیکھیں گے، حضرت عبدالرحمٰن ؓ گھبرا کر حضرت عمر ؓ کے پاس پہنچے اور ان سے یہ حدیث بیان کی حضرت عمر ؓ، حضرت ام سلمہ ؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا: ''خدا کی قسم! سچ سچ کہنا کیا میں انہیں میں ہوں؟'' حضرت ام سلمہ ؓ نے کہا نہیں، لیکن تمہارے علاوہ میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کروں گی۔(۹)

۱۔اصابہ، ج ۸، ص ۲۴۱ ۲۔اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۱۳ ۳۔مسند احمد، ج ۶، ص ۲۹۹، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۲۳۹

۴۔مسند احمد، ج ۶ ص ۳۰۲ ۵۔مسند احمد، ج ۶، ص ۳۰۶، ۳۰۷ ۶۔ایضاً ص ۳۰۶ ۷۔مسند احمد، ج ۶، ص ۳۰۹

۸۔ایضاً ص ۲۹۷ ۹۔مسند احمد، ج ۶، ص ۳۰۷

حضرت ام سلمہ ؓ سے جن لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا ان کی ایک بڑی جماعت ہے ہم صرف چند ناموں پر اکتفا کرتے ہیں:
عبدالرحمٰن بن ابی بکر، اسامہ بن زید، ہند بنت الحارث الفراسیہ، صفیہ بنت شیبہ، عمر، زینب (اولاد حضرت ام سلمہ ؓ) مصعب بن عبداللہ (برادرزادہ) نبہان (غلام مکاتب) عبداللہ بن رافع، نافع، شعبہ، پسر شعبہ، ابوبکر، خیرہ والدہ حسن بصری، سلمان بن یسار، ابوعثمان النہدی، حمید، ابوسلمہ، سعید بن مسیب، ابووائل، صفیہ بنت محص، شعبی، عبدالرحمٰن ابن حارث بن ہشام، عکرمہ، ابوبکر بن عبدالرحمان، عثمان بن عبداللہ ابن موہب، عروہ بن زبیر کریب مولیٰ ابن عباس، قبیصہ بن ذویب، نافع مولیٰ ابن عمر، یعلیٰ بن مملک۔

اخلاق وعادات:

حضرت ام سلمہ ؓ نہایت زاہدانہ زندگی بسر کرتی تھیں ایک مرتبہ ایک ہار پہنا جس میں سونے کا کچھ حصہ شامل تھا، آنحضرت ﷺ نے اعراض کیا تو اس کو توڑ ڈالا۔(۱) ہر مہینہ میں تین دن (دوشنبہ، جمعرات اور جمعہ) روزہ رکھتی تھیں، (۲) ثواب کی متلاشی رہتیں۔ ان کے پہلے شوہر کی اولاد ان کے ساتھ تھی، اور وہ نہایت عمدگی سے ان کی پرورش کرتی تھیں، اس بنا پر آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مجھ کو اس کا کچھ ثواب بھی ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔(۳)

اچھے کاموں میں شریک ہوتی تھیں، آیت تطہیر انہی کے گھر میں نازل ہوئی تھی، آنحضرت ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ اور حسنین کو بلا کر کمبل اڑھایا اور کہا: ''خدایا میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی کو دور کر اور ان کو پاک کر''۔ حضرت ام سلمہ ؓ نے یہ دعا سنی تو بولیں یا رسول اللہ میں بھی ان کے ساتھ شریک ہوں ارشاد ہوا تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔(۴)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں، نماز کے اوقات میں بعض امراء نے تغیر وتبدل کیا یعنی مستحب اوقات چھوڑ دیئے تو حضرت ام سلمہ ؓ نے ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ظہر جلد پڑھا کرتے تھے اور تم عصر جلد پڑھتے ہو۔(۵)

ایک دن ان کے بھتیجے نے دو رکعت نماز پڑھی، چونکہ سجدہ گاہ غبار آلود تھی، وہ سجدہ کرتے وقت مٹی جھاڑتے تھے، حضرت ام سلمہ ؓ نے روکا کہ یہ فعل آنحضرت ﷺ کی روش کے خلاف ہے، آنحضرت ﷺ کے ایک غلام نے ایک دفعہ ایسا کیا تھا، تو آپ نے فرمایا تھا: ''ترب وجهك الله!'' یعنی تیرا چہرہ خدا کی راہ میں غبار آلود ہو۔(۶)

فیاض تھیں، اور دوسروں کو بھی فیاضی کی طرف مائل کرتی تھیں، ایک دفعہ حضرت عبدالرحمان بن عوف نے آکر کہا اماں! میرے پاس اس قدر مال جمع ہو گیا ہے کہ اب بربادی کا خوف ہے، فرمایا بیٹا! اس کو خرچ کرو، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ بہت سے صحابہ ایسے ہیں جو مجھ کو میری موت کے بعد پھر کبھی نہ دیکھیں گے۔(۷)

ایک مرتبہ چند فقراء جن میں عورتیں بھی تھیں، ان کے گھر آئے اور نہایت الحاح سے سوال کیا، ام الحسن بیٹھی تھیں، انہوں نے ڈانٹا لیکن حضرت ام سلمہ ؓ نے کہا ہم کو اس کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد لونڈی سے کہا ان کو کچھ دے کر رخصت کرو، کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔(۸)

۱۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۳۲۲-۱۳۵ ۲۔ ایضاً ص ۲۸۹ ۳۔ صحیح بخاری، ج ۱ ص ۱۱۹۸ ۴۔ صحیح ترمذی، ص ۵۳۰

۵۔ مسند، ج ۶ ص ۲۸۹ ۶۔ ایضاً، ج ۶ ص ۳۰۱ ۷۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۲۹۰ ۸۔ استیعاب، ج ۲ ص ۸۰۳

آنحضرت سے ان کو جو محبت تھی اس کا یہ اثر تھا کہ آپ کے موئے مبارک تبرکا رکھ چھوڑے تھے۔ جن کی وہ لوگوں کو زیارت کراتی تھیں، (۱) آنحضرت ﷺ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس کا کیا سبب ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں، تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:

ان المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات۔ (۲)

مناقب:

ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور باتیں کرتے رہے، ان کے جانے کے بعد آپ نے پوچھا: ''ان کو جانتی ہو''؟ بولی دحیہ تھے، لیکن جب آپ نے اس واقعہ کو اور لوگوں سے بیان کیا تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے۔ (۳) (غالباً نزول حجاب سے قبل کا واقعہ ہے) (۴)

۴۔ حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اڑتیسویں (۳۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی آئمہ ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کی ہے۔

☆ حضرت محمد بن المثنی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں، اور آپ آئمہ صحاح ستہ کے شیخ ہیں۔

☆ اس سند میں چار رواۃ اہل بیت اطہار سے ہیں، اور حضرت زینب بھی آقا کریم ﷺ کی زیر پرورش وتربیت ہی رہیں۔

☆ سند میں چار آئمہ کرام (یحییٰ، جعفر، باقر، زین العابدین) اپنے زمانہ کے مشہور آئمہ وفقہاء میں سے ہیں۔

☆ سند میں ایک ام المؤمنین (ام سلمہ) اور ایک صحابیہ (زینب) ہیں، حضرت زینب حضرت ام سلمہ کی پہلے خاوند حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

☆ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ، حضرت زینب اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنن النسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد اہل بیت اطہار میں سے زندہ بچ جانے والی واحد شخصیت ہیں۔

☆ امام زین العابدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی حضرت ام فروہ کے صاحبزادے ہیں۔

۱۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۲۹۶ ۲۔ ایضاً، ص ۳۰۱ ۳۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۴۱

۴۔ سیر الصحابۃ، ج ۲، سیر الصحابیات: اول، ص ۴۴۔ ۴۲

☆ حضرت ام فروہ حضرت اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔

☆ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تین صد اناسی (۳۷۹) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اکل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا — کتفا: دستی۔ مراد ہے جانور کے پاؤں کا اوپر والا حصہ

جاء: وہ آیا۔ — خرج: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے

الصلاۃ: نماز — لم یمس: نہیں چھوڑا — ماء: پانی

۱۸۳۔اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَحَدَّثَتْنِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصْبِحُ جُنُبًا مِنْ غَيْرِ احْتِلَامٍ ثُمَّ يَصُومُ۔ وَحَدَّثَنَا مَعَ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَنَّهَا حَدَّثَتْهُ اَنَّهَا قَرَّبَتْ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَاَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ۔

حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے، میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بغیر احتلام کے صبح کے وقت جنبی ہوتے تھے اور روزہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد یہ حدیث مبارکہ بھی بیان کی: ایک دفعہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسلی کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تناول فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت آخری حصہ میں ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنا ہوا گوشت تناول فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا۔

۲۔اطراف:
مسلم: ۱۱۰۹، احمد: ۲۶۶۷۲، السنن الکبریٰ: ۱۸۹، تحفۃ الاشراف: ۱۸۱۶۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے پانچ راویوں کے حالات گزر چکے ہیں، حضرت محمد بن یوسف اعرج رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۔محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع: ۵ — ۲۔خالد: راجع: ۶۷

۳۔ابن جریج: راجع: ۳۲

۴۔محمد بن یوسف: آپ کا نام محمد بن یوسف بن عبداللہ بن یزید اعرج کندی مدنی (م: ۱۴۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت و امامت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے

روایت نہیں کی۔(۱)

۵۔سلیمان بن یسار: راجع:۱۵۶

۶۔ام سلمۃ: راجع:۱۸۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ تہترھویں (۷۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے اصحاب صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ شیخ محمد بن عبدالاعلیٰ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محمد بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری، تیسرے مکی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ روایت تابعی (محمد بن یوسف) کی دوسرے تابعی (سلیمان) سے روایت ہے۔

☆ حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ تابعین فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔

☆ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ دوسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، عنعنہ دو دفعہ اور صیغہ تحدیث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

حدثتنی: آپ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا	کان یصبح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح فرماتے
جنبا: حالت جنبی، غسل کی حاجت والا	یصوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے
قوبت: میں پیش کرتی	جنبا: پہلو۔پسلی
مشویا: بھنا ہوا گوشت	اکل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا

ا۔i۔تھذیب التھذیب، ج۹،ص۵۳۴ ii۔الثقات، ج۷،ص۴۳۳

قام :آپ ﷺ کھڑے ہوئے　　　لم یتوضا :آپ ﷺ نے وضو نہ کیا

۱۸۴۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ عَنِ ابْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ خُبْزًا وَلَحْمًا ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں آقا کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے روٹی اور گوشت تناول فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے، اور وضو نہ کیا۔

۱۔ مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

احمد: ج۱ص۳۶۶، السنن الکبریٰ: ۱۹۰، شرح معانی الآثار، ج۱ص۴۹، تحفۃ الاشراف: ۵۶۷۱

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کے حالات گذر چکے ہیں:

۱۔ محمد بن عبدالاعلیٰ:	راجع: ۵	۲۔ خالد:	راجع: ٦٧
۳۔ ابن جریج:	راجع: ۳۲	۴۔ محمد بن یوسف:	راجع: ۱۸۳
۵۔ ابن یسار:	راجع: ۱۵٦	٦۔ ابن عباس:	راجع: ۳۱

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چوہترویں (۷۴) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے چچازاد ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، عنعنہ دو دفعہ اور کلمہ تحدیث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۸۵۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ قَالَ حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ آخِرَ الْأَمْرَيْنِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْكُ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتِ النَّارُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
دو کاموں (آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا یا نہ کرنا) میں سے رسول اللہ ﷺ کا آخری کام یہ تھا، کہ آپ ﷺ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں کرتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
حضور نبی کریم ﷺ آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہیں کرتے تھے۔

۲۔اطراف:

ابوداود:۱۹۲،السنن الکبریٰ:۱۸۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کے حالات گذر چکے ہیں، حضرت علی بن عیاش حمصی کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔عمرو بن منصور: راجع:۱۴۷

۲۔علی بن عیاش: آپ کا نام ابوالحسن علی بن عیاش بن مسلم بکا الھانی حمصی (۱۴۳ھ۔۲۱۹ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام مسلم روایت نہیں کرتے۔(۱)

۳۔شعیب بن ابی حمزۃ: راجع:۸۵ ۴۔محمد بن المنکدر: راجع:۱۳۸

۵۔جابر بن عبداللہ: راجع:۳۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ اکسٹھویں (۶۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ مذکورہ بالا دونوں ابواب میں یہ پہلی حدیث خماسیات ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی نسائی، اگلے دو حمصی اور آخری دو مدنی ہیں۔
☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت عمرو بن منصور بھی نسائی نسبت کے حامل ہیں۔
☆ سند کے باقی راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت علی بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے۔

۱۔i۔الجرح والتعدیل، ج۶،ص۱۹۹ ii۔تاریخ الثقات، ص۳۴۹

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابہ سبعہ مکثرین میں سے ہیں، آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ، سمعت ایک ایک اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اخر الامرین: دو کاموں میں سے آخری کام	ترک الوضوء: وضو کا چھوڑ دینا
مست: اس نے چھوا	النار: آگ

۷۔ مسائل ونصائح:

آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا لازم آتا ہے یا نہیں، اس بارے میں امام ابوحاتم محمد بن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں امور سے متعلق احادیث کو جمع کیا ہے، پہلے ان احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے، پھر فقہاء کرام کی آراء کو بیان کیا جائے گا۔

ا۔ ابن حبان کی روایت کردہ احادیث مبارکہ:

ا۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا ہم بکریوں کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو وضو کرو اور اگر نہ چاہو تو وضو نہ کرو، اس نے عرض کیا: کیا ہم اونٹوں کا گوشت کھا کر وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس نے عرض کیا: کیا میں اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا نہیں!

۲۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونٹوں کے گوشت (کھانے) پر وضو کرنے کا حکم دیا اور ہمیں بکریوں کے گوشت (کھانے) پر وضو کرنے کا حکم نہیں دیا۔

۳۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریوں کے باڑے میں نماز کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے اس کی رخصت عطا فرمائی اور آپ سے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور آپ سے بکریوں کے گوشت (کھانے) پر وضو کرنے کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو وضو کرلو اور اگر نہ چاہو تو وضو نہ کرو۔

۴۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹوں کے گوشت (کھانے) پر وضو کریں اور بکریوں کے گوشت (کھانے) پر وضو نہ کریں اور یہ کہ ہم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیں اور اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھیں۔

۵۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: کیا ہم اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! عرض کیا گیا: کیا ہم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! عرض کیا گیا: کیا ہم اونٹوں کے گوشت کو (کھانے) پر وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! عرض کیا گیا: کیا ہم بکریوں کے گوشت (کھانے) پر وضو کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں!

۶۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہانڈی کے پاس سے گزرے، آپ نے اس میں سے ہاتھ سے ایک بوٹی نکال کر کھائی پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

۷۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روٹی اور گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کیا گیا، پس آپ نے وہ کھایا اور وضو کے لئے پانی منگوایا، پھر ظہر کی نماز پڑھائی، پھر بچا ہوا کھانا منگوایا اور کھایا، پھر نماز عصر پڑھائی اور وضو نہیں کیا، پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ (گھر

کے) اندر داخل ہوا تو انہوں نے پوچھا: کیا کوئی چیز ہے؟ چنانچہ انہیں نہیں ملی تو کہا: تمہاری وہ بچہ جنم دینے والی بکری کہاں ہے؟ چنانچہ انہوں نے مجھے حکم دیا، میں نے اسے باندھ کر اس کا دودھ دوہا، پھر انہوں نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا تو ہم نے کھانا کھایا، پھر (نیا) وضو کرنے سے پہلے ہی آپ نے نماز پڑھی، پھر میں حضرت عمر کے ساتھ (گھر کے) اندر داخل ہوا تو میں نے وہ برتن سامنے رکھا جس میں گوشت روٹی تھی، چنانچہ ہم نے کھایا اور پھر ہم نے (نیا) وضو کرنے سے پہلے نماز ادا کی۔

۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانے کا گوشت کھایا، فرمایا: آپ نے پسلی کا گوشت کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

۹۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ گوشت تناول فرمایا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم بھی تھے، پھر یہ لوگ صف میں کھڑے ہو گئے اور وضو نہیں کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، تو انہوں نے کھانا کھایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا، پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے ایک بڑے پیالے سے کھانا کھایا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

۱۰۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شانے کا گوشت کھایا، پس آپ نے نماز پڑھی لیکن وضو نہ کیا۔

۱۱۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کاموں میں سے آخری کام یہ تھا کہ آپ نے وضو کرنا ترک فرما دیا تھا، اس چیز کو تناول کرنے سے جسے آگ نے چھوا ہو۔

۱۲۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ پر پکا ہوا کھانا کھایا، پھر وضو کرنے سے پہلے نماز پڑھی، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے آگ پر پکا ہوا کھانا کھایا اور پھر وضو کرنے سے پہلے نماز پڑھی، پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہوں نے آگ پر پکا ہوا کھانا کھایا اور پھر نیا وضو کرنے سے پہلے نماز ادا کی۔

۱۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ گوشت تناول فرمایا اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے، پھر وہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے کھانا کھایا اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا، پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، انہوں نے ایک بڑے پیالے سے کھانا کھایا پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

۱۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک انصاری عورت نے بکری کا گوشت پکا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے کھانا تناول کیا پھر نماز کا وقت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پھر بقیہ کھانے کی طرف واپس آئے اور انہوں نے کھانا کھایا، پھر نماز عصر کا وقت ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نہیں فرمایا۔

۱۵۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری عورت کے ہاں تشریف لائے تو اس نے آپ کے لئے کھجور کے ایک جھنڈ کے سائے میں کپڑا بچھایا اور اس کے ارد گرد پانی چھڑک دیا اور ایک بکری ذبح کی، چنانچہ آپ نے کھایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ تناول

کیا، پھر آپ نے کھجور کے اس چھوٹے سے درخت کے نیچے قیلولہ فرمایا، پھر بیدار ہوئے، وضو کیا، پھر ظہر کی نماز ادا فرمائی تو اس عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے پاس اضافی کھانا ہے، کیا آپ تناول فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! چنانچہ آپ نے کھایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر نیا وضو کرنے سے قبل نماز ادا کی۔

۱۶۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک انصاری عورت نے ہماری دعوت کی، اور اس نے بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا اور ہمارے لئے کھجور کے ایک جھنڈ کے نیچے پانی چھڑک دیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کے لئے پانی منگوایا اور وضو کیا پھر نماز پڑھی پھر ہم بچے ہوئے کھانے کی طرف آئے، چنانچہ اسے کھایا اور رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا اور ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس داخل ہوئے، انہوں نے کھانا منگوایا لیکن نہ ملا تو انہوں نے پوچھا: تمہاری وہ بکری کہاں ہے جس نے بچہ جنم دیا ہے؟ خاتون نے کہا: وہ تو ہے، چنانچہ اسے منگوایا اور اپنے ہاتھ سے اس کا دودھ دوہا، پھر انہوں نے ایک میٹھا کھانا تیار کیا، آپ نے تناول فرمایا، نماز پڑھی لیکن وضو نہ کیا اور میں نے رات کا کھانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھایا، چنانچہ ان کے پاس دو پیالے لائے گئے، ایک پیالہ ان کے سامنے اور دوسرا لوگوں کے سامنے رکھ دیا گیا، چنانچہ انہوں نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

۱۷۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کے شانے کا گوشت تناول فرمایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

۱۸۔ حضرت جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ بکری کے شانے کا گوشت دانتوں سے نوچ کر تناول فرما رہے تھے، پھر نماز کے لئے بلایا گیا تو آپ کھڑے ہوگئے اور چھری پھینک دی پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ اور حضرت علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی از والد خود از رسول اللہ ﷺ بھی اسی کی مثل روایت ہے۔

۱۹۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی اور نہ وضو کیا اور نہ ہی کلی کی۔

۲۰۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

۲۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

۲۲۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ ایک انصاری عورت کے پاس آئے، اس نے آپ کے لئے کھجوروں کے جھنڈ کے پاس کپڑا بچھایا اور بکری ذبح کی اور آپ کے لئے کھانا تیار کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے کھانا کھایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ کھایا، پھر آپ نے نماز ظہر کے لئے وضو کیا اور نماز پڑھائی، اس عورت نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! بکری کا کچھ گوشت ہمارے پاس بچ گیا ہے، کیا آپ کو مزید کھانے کی طلب ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! چنانچہ آپ نے اور ہم نے کھانا کھایا، پھر آپ نے نماز عصر پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

۲۳۔ حضرت ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پنیر کے کچھ ٹکڑے تناول کئے اور پھر وضو کیا اور پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ میں نے وضو کیوں کیا؟ میں نے پنیر کے ٹکڑے کھائے تھے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جس چیز کو آگ چھوئے اس سے وضو کرو۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی چکنائی سے وضو کرتے تھے۔

۲۴۔ حضرت عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مسجد کی چھت پر وضو کرتے ہوئے پایا تو انہوں نے ان سے سوال کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس لئے وضو کر رہا ہوں کہ میں نے پنیر کی کچھ ٹکڑے کھائے ہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگ پر پکی ہوئی چیز (کھانے) سے وضو کرو۔

۲۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس چیز کو آگ چھوئے، اس سے وضو کرو (یعنی وہ چیز کھاؤ تو اس کے بعد وضو کرو)۔

۲۶۔ حضرت ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کی بھنی ہوئی کلیجی تحفہ دی گئی، آپ نے اس سے تناول کیا پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں فرمایا۔

۲۷۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کی بوٹی دانتوں سے نوچ کر کھاتے ہوئے دیکھا، پھر نماز کی اطلاع دینے والا آیا تو آپ نے بوٹی اور چھری اپنے ہاتھ سے رکھ دی اور وضو نہیں کیا۔

۲۸۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے پنیر کے ٹکڑے تناول فرما کر وضو کیا پھر انہوں نے دیکھا کہ آپ نے بکری کا شانہ کھا کر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

۲۹۔ حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ ہم خیبر سے کچھ فاصلے پر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا منگوایا لیکن ستو کے سوا کوئی چیز نہ ملی، چنانچہ ہم نے وہی کھایا پھر آپ نے پانی منگوایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور وضو نہیں کیا۔

۳۰۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے بکری کے گوشت کی بوٹی کھائی پھر نماز پڑھائی اور کلی نہیں کی اور نہ ہی پانی کو چھوا۔

۳۱۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں بکریوں کے گوشت سے وضو کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو وضو کر اور اگر تو نہ چاہے تو وضو نہ کر، اس نے عرض کیا: کیا میں اونٹوں کے گوشت سے وضو کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اونٹوں کے گوشت سے وضو کرو، اس نے عرض کیا: کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اس نے عرض کیا: کیا اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں!

۳۲۔ حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے سال نکلے یہاں تک کہ جب ہم مقام صہباء میں تھے جو کہ خیبر سے قریب ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اترے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر کھانے کی چیزیں منگوائیں، چنانچہ صرف ستو لائے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ گھولے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمائے اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تناول کئے، پھر آپ نماز مغرب کے لئے کھڑے ہوئے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نہیں کیا۔

۳۳۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم بکریوں کے گوشت سے وضو کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چاہو تو وضو کرو اور اگر نہ چاہو تو وضو نہ کرو، اس نے عرض کیا: کیا ہم اونٹوں کے گوشت سے

وضو کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم اونٹوں کے گوشت سے وضو کرو، اس نے عرض کیا: کیا میں بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس نے عرض کیا: میں اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں!

۳۴۔ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بکریوں کے گوشت سے وضو کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو وضو کرلو، اور آپ سے بکریوں کے باڑے میں نماز کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو نماز پڑھ لو اور آپ سے اونٹوں کے گوشت سے وضو کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: وضو کرلو، اور آپ سے اونٹوں کے باڑے میں نماز کے بارے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: تم نماز نہ پڑھو۔(۱)

☆ امام ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

۱۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ انہیں ایک بکری بطور ہدیہ دی گئی۔ آپ نے اسے ہنڈیا میں ڈالا۔ (اتنے میں) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا اے ابورافع یہ کیا ہے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایک بکری ہے جو تحفہ کے طور پر ہمیں دی گئی ہے۔ میں نے اسے ہانڈی میں پکایا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابورافع مجھے (کھانے کو اس کا) بازو دے۔ میں نے پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے دوسرا بازو بھی دے۔ میں نے دوسرا بھی پیش کر دیا۔ پھر فرمایا مجھے اور بازو بھی دے ابورافع نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ بکری کے دو ہی بازو ہوتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آگاہ ہو اگر تو خاموش رہتا تو مجھے بازو کے بعد بازو دیتا رہتا جب تک کہ خاموش رہتا۔ پھر آپ نے پانی طلب فرمایا اور کلی کی اور اپنی انگلیوں کے کنارے دھوئے پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز ادا کی۔ پھر ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے ہاں ٹھنڈا گوشت پایا اس سے بھی تناول فرمایا پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی اور پانی کو نہ چھوا اسے احمد نے روایت کیا اور دارمی نے اسے ابوعبیدہ سے روایت کیا مگر اس نے ثم دعا بماء الی آخر کے الفاظ ذکر نہ کئے۔(۲)

۲۔ آگ پر پکی ہوئی اشیاء کھانے سے وضو کے ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے بارے میں فقہاء کی آراء:

۱۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بعض علماء فرماتے ہیں کہ بہتر بات یہاں یہ ہے کہ پہلی حدیث میں وضو کو لغوی معنی پر محمول کیا جائے یا وضو شرعی مراد ہے اور اس صورت میں امر استحباب کے لئے ہوگا۔

قاضی فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں وضو کہتے ہیں بعض اعضاء کے دھونے کو اور ان کو صاف کرنے کو یہ وضاءۃ سے ہے جس کا معنی نظافت یعنی صفائی ستھرائی ہے اور شریعت نے اس کو فعل مخصوص کی طرف نقل کیا ہے اور یہاں وضو سے ہی لغوی معنی مراد ہے اس سے اور اس طرح کی دوسری احادیث سے ہاتھوں کا دھونا ہی مراد ہے تا کہ بو وغیرہ زائل ہو جائے ابن عباس اور ام سلمہ کی احادیث میں تطبیق کرتے ہوئے اور جن حضرات نے اس کو وضو شرعی پر محمول کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ حدیث ابن عباس سے منسوخ ہے یہ بات اس وقت ثابت ہوگی جب کہ دونوں حدیثوں کی تاریخ کا علم ہو اور اول کے مقدم ہونے کا یہاں یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ ابن عباس کی صحبت تو متاخر ہے لہٰذا یہ ناسخ بن جائے گی۔ اس لئے کہ تاخر صحبت یہ تاخر روایت پر دلالت نہیں کرتا مگر یہ کہ متاخر کی صحبت وہ پہلے کی وفات کے بعد ہو یا اس کے غائب ہونے کے بعد ہو بخلاف اس کے کہ جب وہ دونوں جمع ہوں۔

۱۔ صحیح ابن حبان، ج ۲، ص ۱۰۳۔ ۱۱۲۷، ۱۱۲۴، ۱۱۵۷ ۲۔ مشکوۃ: ۳۰۱۔ ترجمہ: اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۵۶۷

بعض نے کہا ہے کہ ابن الصلاح نے اپنی کتاب میں نسخ کی تصریح کی ہے، انہوں نے فرمایا ہے اور وہ حدیث کہ جس میں نسخ ہے وہ صحابی کا یہ قول ہے: کان آخر الامرین من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما مست النار۔ کہ حضور علیہ السلام کا آخری عمل وہ وضو ترک کرنے میں ہے۔ ما مست النار کے کھانے کے بعد۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ذکر کیا ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں شارع علیہ السلام کے کلام کو ہاتھوں کے دھونے پر محمول کرنا یہ بعید ہے اور بے شک اس کو شرعی مفہومات و مدلولات پر محمول کیا جائے گا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ شرعیات کے بیان کے لئے مبعوث کئے گئے تھے اور اس میں اصل یہ ہے کہ نسخ کا حکم قول جابر سے نکلتا ہے اور وہ یہ قول ہے: کان اخر الامرین من رسول الله ﷺ ترك الوضو ممامست النار۔ (۱)

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کھانے کی اس چیز میں چکناہٹ نہ ہو جس سے ہاتھ اور منہ کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں ہاتھ منہ دھونا بھی ضروری نہیں ہے۔ (۲)

۳۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اونٹ کا گوشت کھانا:

صرف حنابلہ کے ہاں، دوسرے حضرات کے ہاں نہیں، اونٹ کا گوشت کسی بھی حالت میں کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، کچا ہو یا پکا، جانتا ہو یا ناواقف ہو۔ دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اونٹوں کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا، آپ نے فرمایا ان کی وجہ سے وضو کیا کرو، بکریوں کے گوشت کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا اس کی وجہ سے وضو نہیں کیا جائے گا۔

اور حضرت اسید بن حضیر نے حدیث نقل کی ہے کہ اونٹ کے گوشت کی وجہ سے وضو کیا کرو اور بکریوں کے گوشت کی وجہ سے وضو نہ کیا کرو۔

حنابلہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں اونٹوں کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو واجب ہونا ایسی بات ہے جو محض تعبدا (بطور عبارت) انجام دینی ضروری ہے، اس کے سبب کو عقلا نہیں کہا جا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ حکم اس کے علاوہ کی طرف متعدی ہوگا بھی نہیں لہٰذا اونٹ کا دودھ پینے اس کے گوشت کا شوربہ پینے، اس کا جگر، کلیجی، کوہان، کھال اور اوجھڑی کھانے سے وضو کرنا لازم نہیں ہوگا۔

حنابلہ کے علاوہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اونٹوں کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ حضرت جابر نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری معاملہ یہ تھا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز استعمال کرنے کے بعد وضو نہیں کیا کرتے تھے (یعنی آگ پر پکی ہوئی) یا آگ کو چھوئی ہوئی چیز دوسری بات یہ ہے کہ یہ دوسری کھائی جانے والی اشیاء کی طرح ایک چیز ہے۔

میرے نزدیک جمہور کی رائے راجح ہے کیونکہ ہر زمانے کے تمام فقہاء عہد اول کے بعد اس بات پر متفق ہیں کہ آگ کی چھوئی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو کے واجب ہونے کا حکم ساقط ہے کیونکہ اس کا خلفاء راشدین کا عمل ہونا ثابت ہے بلکہ حنابلہ بذات خود جمہور کی حدیث کو اختیار کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جس کو آگ لگی ہو۔ (۳)

۱۔ مرقاۃ المفاتیح، ج۲، ص۶۰ ۲۔ اشعۃ اللمعات، ج۱، ص۵۶۶ ۳۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص۳۰۰

۴۔ مفتی احمد یار نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

معلوم ہوا کہ اپنے غلاموں یا دوستوں سے کوئی چیز بے تکلفی سے مانگنا ناجائز نہیں ہے جس سوال سے منع کیا گیا وہ ذلت کا سوال ہے، حضور کو دست پسند تھا کیونکہ گلتا بھی جلدی ہے لذیذ بھی ہوتا ہے اس میں ریشہ یعنی دھاگہ بھی نہیں ہوتا۔

غالباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کی جماعت ہوگی اور سب کے ساتھ یہ گوشت کھایا ہوگا۔

یعنی ہم مطالبہ کیے جاتے تم دیتے رہتے، اسی ہانڈی میں سے سینکڑوں دست نکل آتے اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر ہر قسم کی اشیاء عالم غیب سے مہیا ہو جاتی ہیں۔ حضرت طلحہ کے گھر تین چار سیر گوشت سینکڑوں کو کھلا دیا بوٹیاں اور شوربے کا پانی اور مصالحہ عالم غیب ہی سے آرہا تھا دوسرے یہ کہ بزرگوں کے سامنے ایسے موقع پر انکار یا تردد نہ چاہئے بلکہ بے دریغ ان کے حکم پر عمل چاہئے بحث وانکار سے فیض بند ہو جاتا ہے۔

یعنی پورا ہاتھ تو کیا پوری انگلیاں بھی نہ دھوئیں بیان جواب کے لئے ورنہ کھانے سے اول اور بعد دونوں ہاتھ دھونا سنت ہے۔ غالباً پہلی بار نفل پڑھے ہوں گے اور دوبارہ فرائض واللہ اعلم۔ (۱)

۵۔ مولانا تقی عثمانی دیوبندی بیان کرتے ہیں:

قال فقال له ابن عباس انتوضا من الدهن انتوضا من الحميم؟: اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یا اخی اذا سمعت حديثا عن النبي صلى الله عليه وسلم فلا تضرب له مثلا'' یہاں یہ بات واضح رہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا منشاء ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ حدیث مرفوع کو اپنی رائے سے رد کریں یا حدیث کے مقابلہ میں اپنی رائے پیش کریں، بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابو ہریرہ کو اس حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی بات نہیں فرما سکتے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے اس دعوئی کی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا گوشت تناول فرمانے کے بعد بلا وضو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔

بہرکیف وضو مما مست النار کے بارے میں صحابہ کے ابتدائی دور میں اختلاف تھا، لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اب اس بات پر اجماع منعقدہ ہو چکا ہے کہ وضو مما مست النار واجب نہیں، جو حضرات وجوب وضو کے قائل تھے وہ بعض قولی یا فعلی احادیث سے استدلال کرتے تھے، مثلاً حدیث باب، لیکن جمہور ان بیشمار احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن سے ترک الوضوء ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ اگلے باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

جمہور کی طرف سے حدیث باب اور اس جیسی دوسری احادیث کے تین مختلف جوابات دیئے گئے ہیں۔

۱۔..... وضوء مما مست النار، کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور اس کی دلیل ابوداؤد (۲) میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے' قال كان آخر الامرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما غيرت النار ''۔

۲۔..... وضو کا حکم استحباب پر محمول ہے، نہ کہ وجوب پر، اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وضو بھی ثابت ہے اور ترک وضو بھی، اور یہ استحباب کی شان ہے۔

۱۔ مراۃ المناجیح، ج۱، ص۲۳۸

۲۔ باب فی ترک الوضوء مما مست النار ۱۲، ج۱، ص۲۵

۳۔......اس باب میں وضو سے مراد وضوء اصطلاحی نہیں بلکہ وضوء لغوی ہے، یعنی ہاتھ منہ دھونا اس کی دلیل جامع ترمذی جلد ثانی ''کتاب الاطعمة باب ما جاء فی التسمیة علی الطعام'' میں حضرت عکراش بن ذویب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں وہ ایک دعوت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''ثم أتینا بماء فغسل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یدیه ومسح ببلل کفیه وجهه وذراعیه وراسه وقال: یا عکراش هذا الوضوء مما غیرت النار'' نیز مسند بزار میں عبدالرحمٰن بن غنم اشعری فرماتے ہیں ''قلت لمعاذ بن جبل هل کنتم تتوضئون مما غیرت النار، قال نعم اذا اکل احدنا طعاما مما غیرت النار فغسل یدیه وفاه فکنا نعد هذا وضوء'' (۱)

محدثین وفقہاء نے یہ تین مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں، لیکن مجموعہ روایات پر غور کرنے کے بعد جو بات احقر کو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تینوں توجیہات بیک وقت درست اور صحیح ہیں، یعنی وضو مما مست النار سے وضوء لغوی مراد ہے، جیسا کہ حضرت عکراش رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، اور یہ عمل مستحب تھا واجب کبھی نہیں رہا، لیکن نظافت کے خیال سے شروع میں اس کا زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا، بعد میں جب یہ خطرہ ہوا کہ اس اہتمام کے نتیجہ میں اس وضو کو واجب سمجھ لیا جائے گا یا وضو سے مراد وضوء شرعی لے لیا جائے گا تو پھر اس کا استحباب بھی منسوخ کر دیا گیا، اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے ''عن المغیرة بن شعبة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اکل طعاما ثم اقیمت الصلوٰة وقد کان توضأ قبل ذلك فاتیته بماء لیتوضأ فانتهرنی وقال وراءك ولو فعلت ذلك فعل الناس بعدی'' (۲)

مجمع الزوائد (۳) پر یہی روایت تفصیل کے ساتھ اس طرح آئی ہے ''عن المغیرة ابن شعبة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أکل طعاما ثم اقیمت الصلوٰة فقام وقد کان توضأ قبل ذالك فاتیته بماء لیتوضا منه فانتهرنی وقال وراءك فساء نی والله ذلك ثم صلی فشکوت ذلك الیٰ عمر رضی اللہ عنہ فقال یا نبی الله صلی اللہ علیہ وسلم ان المغیرة قد شق علیه انتهارك ایاه وخشی ان یکون فی نفسك علیه شیء فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس علیه فی نفسی الا خیر ولکن اتانی بماء لاتوضأ وانما أکلت طعاما ولو فعلت، فعل الناس ذلك بعدی رواه أحمد والطبرانی فی الکبیر ورجاله ثقات۔ (۴)

امام طبرانی نے معجم کبیر ہی میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بھی ایک واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے، روایت اس طرح ہے ''عن الحسن بن علی أیضاً انه دخل علی رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فی بیت فاطمة فتاوئته کشف شاة مطبوخة فاکلها ثم قام یصلی فاخذت ثیابه فقالت ألا توضأ یارسول الله صلی اللہ علیہ وسلم مم یا بنیة قالت قداکلت مما مسته النار قال ان اطهر طعامکم مامسته النار۔

ان واقعات میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا پانی لانا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وضو کے بارے میں پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ وضو پہلے متعارف تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار فرمانا اس کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مظنہ وجوب کے اندیشہ سے اسے ترک فرما دیا تھا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ وضو پہلے بھی واجب نہیں تھا، بلکہ مستحب تھا، نیز اگر یہ واجب ہوتا خواہ ابتداء اسلام میں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت باب میں حضرت

۱۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، ج۱، ص۱۰۱، رقم: ۲۹۱ ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج۱، ص۴۷
۳۔ ج۱، ص۲۵۱ ۴۔ اعلاء السنن، ج۱، ص۱۷۵

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس کا حکم سن کر تعجب کا اظہار نہ کرتے، بہر حال آخری دور میں اس کا استحباب بھی منسوخ ہو گیا تھا، اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو مما مست النار کو بالکل ترک فرما دیا تھا، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو شعور کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا موقعہ فتح مکہ کے بعد ملا اور اس عرصہ میں انہوں نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو مما مست النار کرتے نہیں دیکھا، امام ابو بکر حازمی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے وضو مما مست النار کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا ہے، بہر حال ماسبق توجیہ سے تمام روایات میں بہترین تطبیق ہو جاتی ہے، اور تمام احادیث کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے۔

فاکل ثم صلی العصر ولم یتوضا: امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث انہی کی ایک دوسری حدیث کی تشریح ہے جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''**کان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترك الوضوء مما غیرت النار**''(۱) گویا امام ابوداؤد کے خیال میں یہ امرین اسی مذکور فی الباب حدیث کے واقعہ میں جمع ہیں کہ ظہر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کھا کر وضو فرمایا اور عصر کے وقت گوشت کھانے کے باوجود وضو نہیں فرمایا ''**فکان الثانی ناسخا للاول**''، لیکن دوسرے محدثین وفقہاء نے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے اس خیال کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دونوں روایتیں الگ الگ ہیں، کیونکہ راوی کے متحد ہونے سے واقعہ کا ایک ہونا لازم نہیں آتا، اور اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ ''کان آخر الامرین'' سے یہی واقعہ مراد ہو، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ حدیث باب کے واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہر کے لئے وضو فرمانا کسی حدث کے سبب سے تھا نہ کہ اکل کی وجہ سے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

فقال توضؤوا منھا: وضوء من لحوم الابل کا مسئلہ وضو مما مست النار سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے مستقل باب قائم کیا ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحٰق بن راہویہ اگرچہ وضو مما مست النار کے قائل نہیں، لیکن وضو من لحوم الابل کو واجب کہتے ہیں، خواہ اس کا اکل بغیر طبخ کے کیوں نہ ہو، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے، جمہور کا مسلک یہاں بھی یہ ہے کہ وضو من لحوم الابل واجب نہیں، اور حدیث باب میں وضو سے مراد ہاتھ منہ دھونا ہے اور یہ امر استحباب کے لئے ہے، اور استحباب کی دلیل معجم طبرانی کبیر میں حضرت سمرۃ السوائی کی حدیث ہے، ''**قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انا اھل بادیۃ وماشیۃ فھل نتوضأ من لحوم الا بل والبانھا قال نعم قلت فھل نتوضأ من لحوم الغنم والبانھا قال لا**'' (**رواہ الطبرانی فی الکبیر و اسنادہ حسن ان شاء اللہ**)''(۲)

اسی طرح مسند ابویعلیٰ میں روایت ہے ''**عن مولیٰ لموسی بن طلحۃ او عن ابن لموسیٰ بن طلحۃ عن ابیہ عن جدہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ من البان الابل ولحومھا ولا یتوضأ من البان الغنم ولحومھا ویصلی فی مرابضھا**'' **رواہ ابویعلیٰ وفیہ رجل لم یسم**''(۳)

مذکورہ حدیثوں میں البان کا بھی ذکر ہے، حالانکہ البان ابل سے وجوب وضو کے نہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ قائل ہیں نہ امام اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ، جب وضو من البان الابل بالاجماع استحباب پر محمول ہے تو وضو من لحوم الابل بھی اسی پر محمول ہوگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خاص طور سے لحوم ابل پر یہ حکم کس وجہ سے لگایا گیا، اس کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ دراصل اونٹ کا

۱۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، ج ۱، ص ۲۵ ۲۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۵۰ ۳۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج ۱، ص ۲۵۰

گوشت بنی اسرائیل کے لئے حرام کر دیا گیا تھا، لیکن امت محمدیہ علی صاحبہا والتسلیمات کے لئے جائز کر دیا گیا، لہٰذا اباحت کے شکرانہ کے طور پر وضو کو مشروع و مستحب کر دیا گیا، نیز لحوم والبان ابل میں وسومت اور بو زیادہ ہوتی ہے، اس لئے اس کے بعد وضو کرنا مستحب قرار دیا گیا۔

علامہ عثمانی نے فتح الملہم میں یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اس معاملہ میں بھی احکام میں تدریج ہوئی ہے، پہلے مطلق مامست النار سے وضو کا حکم دیا گیا ہے، پھر صرف لحوم ابل سے، اس کے بعد یہ تمام احکام منسوخ ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ (۱)

۶۔ شیخ حافظ محمد امین سلفی نجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا چاہئے مگر اس حکم کو وجوب پر محمول کرنا مشکل ہے کیونکہ وضو تو کسی پلید چیز نکلنے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ پاک چیز کھانے سے جیسا کہ حدیث نمبر ۱۷۴ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اشکال ظاہر فرمایا ہے، لہٰذا ان احادیث کو یا تو استحباب پر محمول کیا جائے گا یا یہ حکم منسوخ ہے جیسا کہ آئندہ باب کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع دور میں آپ نے یہ حکم دیا تھا بعد میں آپ نے خود ہی اس حکم پر عمل نہیں کیا۔ (۲) اور صحابہ کرام نے بھی اس پر عمل چھوڑ دیا اور یہی جمہور فقہاء و محدثین کا مسلک ہے اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

احتلام یا جماع کی بنا پر جنابت کسی بھی وقت ہو سکتی ہے، اس لئے شریعت نے گنجائش رکھی ہے کہ اگر کسی کو یہ صورت حال پیش آ گئی اور وہ روزہ رکھنا چاہتا ہے، غسل کا وقت نہیں، اگر غسل کرتا ہے تو سحری رہ جائے گی تو اسے اجازت ہے کہ اسی طرح روزہ رکھ لے اور بعد میں نماز سے پہلے نہا لے، اگر روزے کے دوران میں بھی کسی کو احتلام ہو جائے تو روزے کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

لم یمس ماء، ظاہر معنی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ گویا کلی بھی نہیں کی کیونکہ کلی فرض نہیں اور ممکن ہے کہ یہ کنایہ ہو وضو نہ کرنے سے، یہی بات واضح ہے۔ دو کاموں سے مراد آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا اور نہ کرنا ہے، گویا وضو کرنے کا حکم منسوخ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد مدینہ آئے تھے۔ (۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کے نقض اور عدم نقض کے بارے میں دو باب قائم کر کے پندرہ احادیث مبارکہ روایت کی ہیں، جن میں سے گیارہ احادیث مبارکہ سے نقض وضو پر استدلال کیا، اور چار احادیث مبارکہ سے عدم نقض وضو پر استدلال کیا ہے۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں جو آخری حدیث مبارکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ والی روایت کی ہے، وہ اس بارے میں واضح ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہ فرماتے تھے۔

☆ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کے لازم ہونے یا نہ ہونے پر صحابہ کرام کے زمانہ میں اختلاف تھا، لیکن بعد میں اس مسئلہ پر امت کا اجماع ہے: کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

☆ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اونٹ کا گوشت کسی بھی صورت میں کھانے سے وضو لازم آئے گا، البتہ یہ حکم تعبدی ہے، متعدی نہیں ہے۔

۱۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۳۱۱۔۳۱۵ ۲۔ دیکھئے: حدیث: ۱۸۵ ۳۔ سنن نسائی (فوائد)، ج ۱، ص ۲۱۳۔۲۱۵

☆ جن احادیث میں آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا لازم ہے، ان کی توجیہات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی روایت ناسخ ہے۔

۲۔ وضو کا حکم استحباب پر محمول ہے، اور وجوب پر نہیں ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا بھی ہے، اور ترک بھی کیا ہے، یہ عمل استحباب پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ ان احادیث میں وضو لغوی معنیٰ (ہاتھ منہ دھونا) پر محمول ہے، اصطلاحی معنیٰ مراد نہیں ہے۔

☆ حدیث نمبر ۱۸۰۔۱۸۱ سے ثابت ہوا کہ مہمان داری سنت مطہرہ ہے۔

☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے شانے یا دستی کا گوشت مرغوب تھا۔

☆ جنبی ہونے کی حالت میں روزہ رکھنا جائز ہے۔

باب ۱۲۴: الْمَضْمَضَةِ مِنَ السَّوِيْقِ — ستو کھا کر کلی کرنا

اس باب میں ستو کھا کر کلی کرنے کا استحباب بیان ہوا ہے، کیونکہ ستو ایسی چیز ہے، جس کے کھانے کے بعد کچھ ذرات منہ میں باقی رہ جاتے ہیں، خاص طور پر دانتوں کے درمیان ذرات پھنس جاتے ہیں، ان سے منہ کو صاف کرنے کے لئے کلی کر لینا سنت مستحبہ ہے۔ اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔ پچھلے باب میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو نہ کرنے کا بیان تھا، اس باب میں ستو کھا کر کلی کرنے پر اکتفا کا بیان ہے، اور وضو کے لازم نہ ہونے کا بھی بیان ہے۔ چونکہ ستو بھی آگ پر پکائے جاتے ہیں، اس طرح دونوں ابواب آگ سے پکی ہوئی چیز کھا کر وضو لازم نہ ہونے کے بیان پر مشتمل ہیں۔

۱۸۶۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ وَالْحَارِثُ بْنُ مِسْكِيْنٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ - وَاللَّفْظُ لَهُ - عَنِ ابْنِ الْقَاسِمِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتَّى إِذَا كَانُوْا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ مِنْ أَدْنَى خَيْبَرَ صَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيْقِ فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ فَأَكَلَ وَأَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ فَتَمَضْمَضَ وَتَمَضْمَضْنَا ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر والے سال نکلے، جب وہ لشکر خیبر کے قریب ہی بستی صہباء میں پہنچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توشے منگوائے، تو صرف ستو ہی لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ستو پانی میں بھگوئے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے (ستو) کھائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے:
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستو کھا کر کلی کی۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۲۰۹، ۲۱۵، ۲۹۸۱، ۴۱۹۵، ۵۳۸۴، ۵۳۹۰، ۵۴۵۴، ۵۴۵۵، ابن ماجہ: ۴۹۲، سنن نسائی: ۱۸۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۹۱، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۴۸، صحیح ابن حبان: ۱۱۵۵، المعجم الکبیر: ۶۴۵۶، سنن کبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۱۶۰، شرح السنۃ: ۱۷۱، مسند احمد، ج ۳، ص ۴۶۲، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۵۸۰۰، ج ۲۵، ص ۹۸، موطا، ج ۱، ص ۲۶، احمد: ۱۵۷۹۹، ۱۵۸۰۰، السنن الکبریٰ: ۱۹۱، تحفۃ الاشراف: ۴۸۱۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گذر چکے ہیں، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن سلمۃ: راجع: ۲۰ ۲۔الحارث بن مسکین: راجع: ۹ ۳۔عبدالرحمٰن بن القاسم: راجع: ۲۰

۴۔مالک: راجع: ۷ ۵۔یحییٰ بن سعید: راجع: ۲۳

۶۔بشیر بن یسار: آپ کا نام بشیر بن یسار مصفر حارثی انصاری مدنی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ کبار سے ثقہ، فقیہہ تابعی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاھت وفقاھت پر متفق ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۷۔سوید بن النعمان: آپ کا نام سوید بن نعمان بن مالک بن عامر اوسی انصاری مدنی ہے، آپ مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں، آپ اصحاب شجرہ میں سے ہیں، آپ نے غزوہ احد اور بدر کے غزوات میں شرکت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ سے صحاح ستہ میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے آپ سے کل سات احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ امام بخاری اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

- ☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
- ☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ پچھترویں (۷۵) حدیث مبارکہ ہے۔
- ☆ سند کے تمام راوی ثقہ، فقیہہ، اجل ہیں۔
- ☆ سند کے تمام راوی فقاھت کے اعلیٰ درجہ کے حاملین ہیں۔
- ☆ سند کے تمام راوی اپنے اپنے زمانہ کے آئمہ فقہاء میں سے ہیں۔
- ☆ سند کے پہلے تین راوی مصری اور آخری چار راوی مدنی ہیں۔
- ☆ سند میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فقہ مالکی کے بانی امام ہیں۔
- ☆ حضرت سوید بن نعمان رضی اللہ عنہ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔
- ☆ سند میں الفاظ روایت حدثنی ایک دفعہ، صیغہ اخبار دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔i۔تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۶۱ ii۔طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۳۰۳

۲۔i۔اسد الغابۃ، ج ۲، ص ۳۸۱ ii۔الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج ۲، رقم: ۳۶۱۱

۶۔لغات:

خرج :وہ نکلا	عام خیبر :غزوہ خیبر والا سال
الصہباء:بستی کا نام	ادنی خیبر: خیبر کے قریب
صلی :آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی	دعا :آپ ﷺ نے منگوایا
بالازواد:سفر کے کھانے	لم یؤت:نہ لایا گیا
السویق :ستو	امر: آپ ﷺ نے حکم دیا
ثری :ستو پانی میں گھول دیا گیا	اکل :آپ ﷺ نے تناول فرمائے
اکلنا :ہم نے بھی کھائے	قام :آپ ﷺ کھڑے ہوئے
فتمضمض: آپ ﷺ نے کلی کی	لم یتوضا: آپ ﷺ نے وضو نہ کیا

۷۔مسائل ونصائح:

اس حدیث مبارکہ کی شرح میں آئمہ کرام کی آراء درج ذیل ہیں:

علامہ ابن بطال قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ا۔ستو کے ذرات دانتوں کے درمیان اور منہ کے اندر باقی رہ جاتے ہیں،ان کی وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے زبان سے کلمات ادا کرنے میں دشواری کا سامنا ہو سکتا ہے۔

۲۔اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر کے لئے کھانے پینے کا ضروری سامان ساتھ لے کر چلنا چاہئے،اس میں ان صوفیاء کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ کل کے لئے کچھ بچا کر رکھنا جائز نہیں ہے۔

۳۔یہ بھی ثابت ہوا کہ قائد لشکر کو قلت سامان پر نظر رکھنی چاہئے،اور جمع کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ جن کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ ہو،ان کو بھی یہ چیزیں میسر آجائیں گی۔

۴۔اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بحران کے وقت حاکم وقت کو چاہئے وہ ذخیرہ اندوزوں سے سامان بازار میں منگوائے،اور ضرورت مندوں کو پہنچائے۔(۱)

۵۔علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد شافعی قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مبارکہ کھانے کے بعد کلی کرنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔(۲)

۶۔اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر ایک قوم کے پاس زادِ راہ زیادہ ہو تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسروں بھائیوں کو دے دے،اگر وہ قیمت دے سکتے ہوں،تو قیمت لے سکتے ہیں،اگر قیمت نہ دے سکتے ہوں،تو پھر بغیر قیمت کے ہی دے دیں،یہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پڑوسی کا حق ہے۔(۳)

ا۔شرح ابن بطال،ج ا،ص ۳۲۴ ۔ ۲۔ارشاد الباری،ج ا،ص ۴۳۴ ۔ ۳۔شرح ابن بطال،ج ا،ص ۳۲۴

۷۔علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

کھانا کھانے کے بعد کلی کرنے کا استحباب، ضرورت کے وقت ذخیرہ اندوزوں سے طعام نکلوانا اور دیگر مسائل:

ا۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانا کھانے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے۔

۲۔اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کے بعد ستو کھائے اور اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز پڑھی، اس سے معلوم ہوا کہ ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

۳۔اس سے معلوم ہوا کہ شرکاء سفر سے کھانے کی چیزیں جمع کر کے مل کر کھانا مستحسن ہے، کیونکہ جماعت میں رحمت اور برکت ہے۔

۴۔اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ذخیرہ اندوزوں سے ضرورت کے وقت طعام نکلوانا جائز ہے۔

۵۔امام کو چاہئے کہ اہل لشکر کی ضروریات میں غور کرے اور جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز نہ ہو، اس کو کھانا کھلوائے۔(۱)

۸۔علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس عنوان کے تحت امام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور حدیث بھی ذکر کی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

۲۔کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا اور وضو نہ کیا۔ یہ دونوں حدیثیں اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ان سے یہ ثابت ہوتا ہے۔آگ سے پکی ہوئی چیز کا کھانا ناقض وضو نہیں ہے اور یہ کہ کھانے پینے کے بعد جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو کلی کر لینا مستحب ہے تاکہ چکنائی وغیرہ سے منہ صاف ہو جائے۔ویسے بھی کھانے کے بعد منہ کو صاف کرنا صحت کے لئے مفید ہے۔کھانے پینے کے بعد ہاتھ منہ کو صاف کر لینے کو وضو طعام سے موسوم کیا جاتا ہے۔(۲)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ ستو کھانے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے درج ذیل مسائل کا استنباط ہوتا ہے:

ا۔ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲۔ سفر میں زاد راہ ساتھ لے کر جانا چاہئے، اور یہ عمل توکل کے منافی نہیں ہے۔

۳۔ ساتھیوں کو چاہئے کہ وہ زاد راہ اکٹھا کرلیں، اس کے علاوہ حالت سفر کے بغیر بھی ایسا ہوسکتا ہے، اس امر کا استحباب اس صورت میں ہے، جب ضرورت نہ ہو، اگر بعض کو ضرورت ہو تو پھر ایسا کرنا واجب ہے۔

۴۔ کھانا مل کر کھانا چاہیے، اگرچہ بعض لوگ زیادہ کھانے والے ہوں۔

۵۔ حاجت کے وقت سب کا کھانا باہم ملا دینا چاہیے، تاکہ جن کے پاس کھانا نہیں انہیں بھی کھانے کو مل جائے۔

۶۔ امیر کو چاہیے کہ وہ لشکر کی ضرورتوں کا خیال رکھے، اور وہ عمل کرے جو لشکر کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو۔

۷۔ حاکم کو چاہیے کہ وہ لشکر ضرورت کے وقت ذخیرہ اندوزوں سے زبردستی سامان نکلوائے، اور ضرورت مندوں کو بیچے، اگر ضرورت مند

ا۔نعمۃ الباری، ج ا،ص ۶۴۴۔۶۴۵ ۲۔فیوض الباری، ج ا،ص ۵۹۷

قیمت نہ دے سکتے ہوں' پھر بلا قیمت دے دے۔

۸۔ ایک وضو سے دو یا زیادہ نمازیں پڑھنا جائز ہیں۔ (۱)

کھانا کھانے کے بعد چکناہٹ دور کرنے کے لیے بھی کلی کرنا چاہیے یہ صحت کے لیے بھی ضروری ہے۔

۱۰۔ مل کر کھانا کھانے اور کام میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت ہوتی ہے۔

باب ۱۲۵: اَلْمَضْمَضَةِ مِنَ اللَّبَنِ — دودھ پی کر کلی کرنا

دودھ پینے سے منہ اور دانتوں میں چکناہٹ لگ جاتی ہے، اس لیے دودھ پینے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں ستو پی کر کلی کرنے کا بیان ہے۔

۱۸۷۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَتَمَضْمَضَ ثُمَّ قَالَ "اِنَّ لَهٗ دَسَمًا"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی کریم ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، پھر پانی منگوا کر کلی کی اور فرمایا: بلاشبہ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔

۱۔ مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: حضور ﷺ نے دودھ نوش فرمایا پھر کلی کی۔

۲۔ اطراف: بخاری: ۲۱۱، ۵۶۰۹ نعمۃ الباری، ج ۱ ص ۶۴۵

(صحیح مسلم: ۳۵۸۔ ۷۷۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۶، سنن نسائی: ۱۸۷، سنن ترمذی: ۸۹، سنن ابن ماجہ: ۴۹۸، صحیح ابن خزیمہ: ۴۷، مسند ابویعلیٰ: ۲۴۱۸، بیہقی ج ۱ ص ۱۶۰، شرح السنۃ: ۱۷۰، مصنف عبدالرزاق: ۶۴۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۵۷، صحیح ابن حبان: ۱۱۵۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۳، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۹۵۱۔ ج ۳ ص ۴۱۹، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

۳۔ تعارف رجال: اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گزر چکے ہیں، حضرت عقیل بن خالد ایلی کے حالات درج کیے جاتے ہیں، البتہ حضرت عبیداللہ بن عبداللہ کے حالات دوبارہ کچھ وضاحت سے لکھے جاتے ہیں:

۱۔ قتیبۃ: راجع: ۱ ۲۔ اللیث: راجع: ۳۵

۳۔ عقیل: آپ کا نام ابوخالد عقیل بن خالد عقیل اموی مصری (م: ۱۴۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ ثابت راوی ہیں، آپ نے پہلے مدینہ منورہ، پھر شام اور آخر میں سکونت اختیار فرمائی۔ آئمہ جرح تعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۴۔ الزہری: راجع: ۱

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج ۴ ص ۱۱۸۔ ۱۱۹

۲۔ i۔ جرح والتعدیل، ج ۶ ص ۲۱۹ ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲ ص ۳۳

۵۔ عبیداللہ بن عبداللہ

نام ونسب:

عبیداللہ نام ابوعبداللہ کنیت۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ کے پوتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزومی۔

فضل وکمال:

عبیداللہ کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا' اس ماحول نے ان کو علم وعمل کا مجمع البحرین بنادیا۔ فضل وکمال کے لحاظ سے وہ ممتاز ترین تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں حدیث فقہ شعر وشاعری اور دوسرے مروجہ علوم میں پورا درک تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقۃ کثیر الحدیث العلم شاعر" (۱) علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت امامت اور عظیم منزلت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۲)

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے' حفاظ میں انہوں نے ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، ابوواقد لیثی، زید بن خالد، نعمان بن بشعر، عمار بن یاسر، ابوطلحہ انصاری، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور فاطمہ بنت قیس اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے فیض اٹھایا تھا۔ (۳)

حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے تھے' وہ ہمیشہ کے لیے دماغ میں محفوظ ہو جاتی تھی' اس حافظہ نے ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا تھا۔ (۴)

امام زہری کا بیان ہے کہ میں جن جن علماء کے پاس بیٹھا ان کے پاس جو کچھ تھا سب حاصل کرلیا' لیکن عبیداللہ علم کا بحر بے پایاں تھے' ان کے پاس جب آتا تھا تو ہمیشہ تازہ علم حاصل ہوتا تھا۔ (۵) میں نے بہت علم حاصل کیا' اور ایک حد پر پہنچنے کے بعد خیال ہوا کہ جو کچھ میں حاصل کر چکا ہوں وہ بہت کافی ہے' لیکن جب عبیداللہ سے ملا تو معلوم ہوا کہ میرا علم کچھ بھی نہیں ہے۔ (۶)

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے' بعض کے نام یہ ہیں عون سعد بن ابراہیم' ابوالزناد صالح بن کیسان' راک بن مالک' موسیٰ بن ابی عائشہ' ابوبکرہ بن ابی الجہم عدوی' ضمرہ بن سعید' طلحہ بن یحییٰ' عبیداللہ بن عبدہ' عبدالمجید بن سہیل وغیرہ۔ (۷) امام زہری ان کے حلقہ درس کے ممتاز طالب علم اور ان کے مخصوص تلامذہ میں تھے' ان سے ان کا استفادہ ہمیشہ جاری رہا' امام مالک کا بیان ہے کہ ابن شہاب زہری اس وقت بھی جب کہ وہ عالم بن چکے تھے عبیداللہ کے پاس آتے جاتے تھے۔

عبیداللہ ان سے حدیثیں بیان کرتے تھے اور وہ کنوئیں سے پانی بھرتے تھے۔ (۸)

۱۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۵ ۲۔ تہذیب الاسماء ج ا ق ا ص ۳۱۲ ۳۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۲۳ ۴۔ ایضاً ص ۴۲۳

۵۔ تہذیب التہذیب ج ا ق ا ص ۳۱۲ ۶۔ ابن خلکان ج ا ص ۲۷۱ ۷۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳

۸۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸

فقہ:

فقہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کا پایہ نہایت بلند تھا' امام ابوجعفر طبری کا بیان ہے کہ علم احکام اور حلال وحرام کی معرفت میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا' ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے۔(۱)

حافظ ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے ان دس پھر ان سات فقہاء میں سے تھے' جو فقہ وفتاویٰ کا محور تھے' وہ بڑے صاحب علم' فاضل اور فقہ میں بڑے بلند پایہ تھے۔(۲)

شاعری:

شاعر بھی تھے' ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ وہ نہایت اچھے شاعر تھے' میرے علم میں دور صحابہ سے اس وقت تک قضاء میں ان سے بڑا شاعر اور شاعروں میں اتنا بڑا فقیہ کوئی نہ تھا۔(۳) وہ حقیقی شاعر تھے' ان کی شاعری تفنن طبع کے لیے نہ ہوتی تھی بلکہ سوز قلب سے مجبور ہو کر شعر کہتے تھے' جب ان کی شعر گوئی پر کوئی اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ ایک دردمند اور دل کا بیمار اگر سانس نہ لے تو کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔(۴)

ابوتمام نے حماسہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں:

شققت القلب ثم زردت فیه　هواك فلیم فالتام الفتور

''میں نے اپنا دل چیر کر اس میں تیری محبت کا بیج بویا' پھٹنے کے بعد شگاف برابر ہو گیا''۔

تغلغل حب عثمه فی فوادی　فبادیه مع الخافی یسیر

''عثمہ کی محبت میرے قلب میں ساری اور پیوست ہو گئی' وہ محبت جو علانیہ نظر آتی ہے اس محبت سے کم ہے جو مخفی ہے''۔

تغلغل حیث لم یبلغ شرابا　ولا حزن و لم یبلغ سرور

''وہ دل کی گہرائی میں پہنچ گئی ہے جہاں شراب' غم اور خوشی کوئی شے نہیں پہنچ سکتی''

بعض لوگوں نے ان کے اشعار پر اعتراض کیا کہ آپ ایسے رنگین اور عاشقانہ اشعار کہتے ہیں' فرمایا' دل کے بیمار کو لدود (ایک تلخ دوا جو منہ میں لگائی جاتی ہے) سے راحت ہوتی ہے۔(۵)

زہد وعبادت:

اس دردِ دل اور سوز باطن نے ان کو بڑا عابد ومتورع بنا دیا تھا۔ امام نووی انہیں صلحائے تابعین میں اور ابن خلکان عبادت گزار لکھتے ہیں۔(۶) ان کی نمازیں بڑی طویل اور سکون واطمینان کی ہوتی تھیں' امام مالک کا بیان ہے کہ عبیداللہ بڑی طویل نمازیں پڑھتے تھے اور کسی شخص کے لیے بھی اس میں جلدی نہ کرتے تھے'(۷) ایک مرتبہ علی بن حسین ان کے پاس آئے عبیداللہ نماز پڑھ رہے تھے وہ بدستور نماز میں مشغول رہے۔ علی دیر تک ان کا انتظار کرتے رہے' نماز تمام کرنے کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے نواسہ آئے اور تم نے اتنی دیر تک ان کو انتظار کرایا' فرمایا خدا میری مغفرت فرمائے جس کو علم کی تلاش ہو اسے تکلیف اٹھانا چاہیے۔(۸) اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا

۱۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۴ بحوالہ طبری　۲۔ ایضاً بحوالہ ابن عبدالبر　۳۔ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۴　۴۔ ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۴

۵۔ ابن خلکان ج اول ص ۳۷۲　۶۔ تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۱۲　۷۔ ابن خلکان ج اول ص ۲۷۱　۸۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸

ہے تو عبید اللہ کے اخلاقی فضائل وکمالات کا اندازہ کرنے کے لیے یہ مثال کافی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز ان ہی کے تربیت یافتہ تھے' ان پر ان کے اخلاقی کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ عبید اللہ کی ایک صحبت اور تھوڑی دیر ان کے ساتھ ہم نشینی مجھے دنیا مافیہا سے عزیز ہے خدا کی قسم ان کی ایک رات میں بیت المال کے ایک ہزار دینار سے خریدنے کو تیار ہوں' لوگوں نے کہا امیر المومنین بیت المال کے تحفظ میں شدت واہتمام کے باوجود آپ ایسا فرماتے ہیں' جواب دیا خدا کی قسم میں ان کی رائے' ان کی نصیحت اور ان کی نصیحت کے وسیلہ سے ایک ہزار کے بجائے بیت المال میں ہزاروں داخل کروں گا' باہمی گفتگو سے عقل میں تازگی پیدا ہوتی ہے' قلب کو راحت ملتی ہے' غم دور ہوتا ہے اور ادب سدھرتا ہے۔(۱)

وفات:

باختلاف روایت ۹۸ ھ یا ۹۹ ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔(۲)

۶۔عبید اللہ بن عبد اللہ: راجع: ۳۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے، آئمہ صحاح ستہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت ثلاثیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بقلانی، دوسرے تیسرے مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔ حضرت قتیبہ بن سعید بقلانی سے یہ حدیث مبارکہ آئمہ خمسہ نے براہ راست روایت کی ہے۔

☆ حضرت عقیل ایلی شامی مصری ہیں۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عباس مدنی بصری طائفی مکی ہیں۔

☆ یہ تابعی (زہری) کی دوسرے تابعی (عبد اللہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عبد اللہ مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بھائی حضرت عتبہ کے پوتے ہیں۔

☆ حضرت عبید اللہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عبد اللہ بن عباس فقہاء عبادلہ اربعہ میں سے ہیں، اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔ آپ سے ایک ہزار چھ سو چھیانوے احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ابن خلکان ج اول ص ۲۷۱ ۲۔ابن خلکان ج ۵ ص ۱۸۶۔سیر الصحابہ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۱۶۸۔۱۷۰

۶۔لغات:

شرب: آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔ لبنا: دودھ: دعا: آپ ﷺ نے منگوایا

ماء: پانی تمضمض: آپ ﷺ نے کلی کی دسما: چکنائی۔ چکناہٹ

۷۔مسائل ونصائح:

۱۔چکناہٹ والی چیز کھانے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے:

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے: کہ حضور نبی کریم ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، اس کے بعد نہ ہی کلی کی اور نہ ہی وضو کیا۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ دودھ پینے یا چکنائی دار چیز کھانے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔(۱)

۲۔کھانے کے بعد کلی کرنا، کھانے کا ادب ہے:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن بطال بکری قرطبی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد منہ کی کلی کرنا، یہ کھانے کے آداب میں سے ہے(۲)

۳۔کھانے سے پہلے اور بعد دونوں ہاتھوں کو صاف کرنا مستحب ہے:

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں امر کی دلالت استحباب پر ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دودھ کے اثرات اور اسی طرح کی دوسری کھائی جانے والی اشیاء کے اثرات سے منہ کو صاف کرنا مستحب ہے، کیونکہ ہاتھوں پر بھی چکنائی یا کھانے کے دیگر اثرات ہوتے ہیں۔(۳)

۴۔چکناہٹ یا مٹھاس کا اثر اگر دوران نماز میں پیٹ میں چلا جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی:

علامہ ملا علی بن سلطان قاری حنفی لکھتے ہیں:(۴)

مسلم شریف کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے: ثم دعا بماء فمضمض ای غسل فمه۔ ابہری نے ذکر کیا ہے کہ شیخ دین فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ہاتھوں کو صفائی کے لیے دھونا مستنبط ہوتا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں علماء نے کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کے مستحب ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ سب سے ظاہر بات وہ یہ ہے کہ کھانے سے پہلے غسل یدین وہ مستحب ہیں الا یہ کہ ہاتھوں کا ناپاکی اور میل کچیل سے پاک وصاف ہونا یقینی ہو اور فارغ ہونے کے بعد بھی مستحب ہے مگر یہ کہ کھانے کا اثر ہاتھ پر باقی نہ رہا ہو مثلاً یہ کہ کھانا کوئی خشک چیز ہو یا کھانا ہاتھ میں نہ لگا ہو۔ قال ﷺ ان له دسما: دال وسین کے فتحہ کے ساتھ ہے ای زہومۃ۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں یہ جملہ استینافیہ ہے کلی کرنے کی علت کا بیان ہے اور اس میں یہ خبر دینا ہے کہ کلی کرنا مناسب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ پانی کے ساتھ کلی کرنا ہر کھانے کے بعد کلی کی جائے گی، جس کا باطن تک پہنچنے کا ڈر ہو۔ علت کو چھوڑتے ہوئے اور حدیث السویق بھی اس کے لئے مؤید ہے۔ ابن الملک فرماتے ہیں یہ شافعیہ

۱۔عمدۃ القاری، ج۳، ص۱۶۱ ۲۔شرح ابن بطال، ج۱، ص۳۲۵

۳۔عمدۃ القاری، ج۳، ص۱۶۰ ۴۔مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج۲، ص۶۳۔۶۴

کے ہاں ہے اور باقی ہمارے نزدیک توظہیریہ میں ہے کہ اگر میٹھا یا حلوہ کھالیا پھر نماز پڑھنے لگ پڑا اس حال میں کہ مٹھاس اس کی منہ میں تھی اور وہ تھوک کے ساتھ اندر چلی گئی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

۵۔آگ سے پکی ہوئی چیز سے وضو کرنے کا حکم منسوخ ہے:

علامہ حافظ اور بن علی ن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے حضرت مہلب کے حوالے سے لکھا ہے: اس حدیث مبارکہ میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے پر وضو کرنے کی علت بیان ہوئی ہے۔ اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ صفائی وستھرائی کا زیادہ خیال نہ رکھتے تھے، اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنے کا حکم دیا، پھر جب اسلام کی وجہ سے لوگ صفائی پسند ہوگئے، تو اس حکم کو منسوخ کردیا گیا۔ مزید یہ کہ اس حدیث مبارکہ میں کلی کرنے کی علت دودھ پینے کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر چکنائی دار چیز کھانے کے بعد کلی کرنے کے مستحب ہونے پر دلالت کرتی ہے۔(۱)

۶۔ہر چکنائی دار کھانے اور مشروب کے بعد منہ اور ہاتھوں کی صفائی مستحب ہے:

علامہ علی بن آدم اتیوبی مولوی نجدی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر چکنائی دار کھانے اور مشروب کے بعد منہ اور ہاتھوں کا صاف کرنا مستحب ہے، کیونکہ چکنائی کا اثر کھانے اور پینے کے بعد باقی رہتا ہے۔(۲)

۸۔خلاصہ:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے دودھ پینے کے بعد کلی کرنا سنت ہے۔

☆ دودھ پینے کے بعد کلی کرنا سنت مستحبہ ہے، اس کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حضور نبی اکرم ﷺ نے دودھ نوش فرمایا، اس کے بعد کلی کی اور نہ ہی وضو کیا۔(۳)

اس حدیث مبارکہ کی سند حسن ہے، چونکہ آپ ﷺ نے کلی کرنا ترک بھی کیا ہے، جس سے اس کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

☆ کھانا کھانے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، کیونکہ آقا کریم ﷺ نے اس عمل کو ترک بھی فرمایا ہے۔

☆ دودھ پینے کے بعد کلی کرنا: آقا کریم ﷺ نے اس کی علت چکناہٹ بیان فرمائی ہے، یہ علت دودھ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ عام ہے، اس سے مستنبط ہوا کہ ہر چکنائی دار چیز کھانے اور مشروب پینے کے بعد کلی کرنا مستحب ہے۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ چکنائی دار اشیاء کھانے یا پینے سے منہ کو صاف کرنا مستحب ہے، اس سے یہ حکم اس طرف بھی متعدی ہوگا کہ کھانا کھانے کے بعد چکناہٹ ہاتھوں کو بھی لگ جاتی ہے، اس لیئے ہاتھوں کا دھونا بھی مستحب ہے۔

☆ ہاتھوں کا کھانا کھانے سے پہلے دھونا بھی مستحب ہے۔

۱۔فتح الباری، ج ۱، ص ۳۵۱ ۲۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج ۴، ص ۱۲۴ ۳۔ابوداؤد: ۱۹۷

باب ۱۲۶: باب ذِكْرِ مَا يُوجِبُ الْغُسْلَ وَمَا لَا يُوجِبُهُ - غُسْلُ الْكَافِرِ إِذَا أَسْلَمَ

کن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے، اور کن سے نہیں؛ کافر کا مسلمان ہونے پر غسل کرنا

اس باب سے امام نسائی طہارتِ کبریٰ کا بیان شروع کر رہے ہیں، اب تک تمام ابواب کا تعلق طہارت صغریٰ سے تھا، طہارت صغریٰ سے مراد وضو اور طہارت کبریٰ سے مراد غسل ہے، طہارت صغریٰ کے لیے امام نسائی نے ایک سو پچیس (۱۲۵) ابواب کے تحت ایک سو ستاسی (۱۸۷) احادیثِ مبارکہ ذکر کی ہیں جبکہ طہارت کبریٰ کے لیے اسی (۸۰) ابواب کے تحت ایک سو چھتیس احادیثِ مبارکہ ذکر کی ہیں۔ اکثر محدثین نے کتاب الطہارۃ کے تحت وضو سے متعلق امور کو بیان کیا ہے، اور غسل کے لیے کتاب الغسل کا علیحدہ عنوان قائم کیا ہے، لیکن امام نسائی نے دونوں قسم کے مسائل کو کتاب الطہارۃ کے تحت ہی ذکر کیا ہے۔ اسلام کلمہ پڑھ کر مسلمان ہونے کا نام ہے، کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی اسے باطنی صفائی مل جاتی ہے، اسلام نے ظاہری بدن کی پاکیزگی کے لیے غسل کا نظام رکھا ہے، اسی لیے امام نسائی نے پہلا باب کافر کے مسلمان ہونے پر غسل کرنے کا قائم فرمایا ہے، پچھلا باب طہارت صغریٰ سے متعلق تنظیف پر مبنی تھا، اور یہ باب طہارت کبریٰ سے متعلق ظاہری بدن کی تنظیف سے متعلق ہے۔

۱۸۸۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الْأَغَرِّ - وَهُوَ ابْنُ الصَّبَّاحِ - عَنْ خَلِيفَةَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَاصِمٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ۔

حضرت قیس بن عاصم بیان کرتے ہیں: جب وہ مسلمان ہوئے تو آقا کریم ﷺ نے انہیں پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

۵۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمان ہونے پر غسل کرنے کا حکم فرمایا۔

۲۔ اطراف:

ابوداؤد: ۳۵۵، ترمذی: ۶۰۵، ابن خزیمہ: ۲۵۴۔ ۲۵۵، ابن حبان: ۱۲۳۴، ابن الجارود: ۱۴، احمد: ۲۰۶۳۵، السنن الکبریٰ ۱۹۳، تحفۃ الاشراف: ۱۱۱۰۰۔

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کے حالات گذر چکے ہیں، باقی تین کے درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ عمرو بن علی: راجع: ۴ ۲۔ یحییٰ: ایضاً ۳۔ سفیان: راجع: ۳۷

۴۔ الاغر بن الصباح:

آپ کا نام الاغر بن الصباح تمیمی منقری کوفی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صالح راوی ہیں، امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۱۔ i۔ تہذیب التہذیب، ج ۱، ص ۳۶۴ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۷۱

۵۔خلیفۃ بن حصین:

آپ کا نام خلیفہ بن حصین بن قیس بن عاصم تمیمی منقری کوفی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاھت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے۔(۱)

۶۔قیس بن عاصم: (۲)

نام ونسب:

قیس نام' ابوعلی کنیت' نسب نامہ یہ ہے' قیس بن عاصم بن خالد بن منقر بن عبید ابن مقعس بن عمر بن کعب بن سعد زید مناۃ بن تمیم تیمی منقری۔

قیس اپنے قبیلہ کے سردار تھے' اور زمانہ جاہلیت میں بڑے وقار و تمکنت سے رہتے تھے' ایک مرتبہ انہوں نے اپنی جاہلی زندگی کا حال بتایا کہ میں نے اس زمانہ میں بھی کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ کبھی کسی تہمت سے مہتم ہوا' ہمیشہ فوجی سواروں میں یا پنچایت کی مجلسوں میں یا مجرموں کی حمایت میں رہتا تھا۔(۳)

البتہ لازمہ امارت شراب بہت پیتے تھے' ایک دن بدمستی کی حالت میں اپنی لڑکی کے پیٹ کی شکنوں پر ہاتھ ڈال دیا' اور ماں باپ کو نہایت فحش گالیاں دیں' شب ماہ تھی' چاند دیکھ کر اور ترنگ بڑھی اور اول فول بکنے لگے' اور مدہوشی کے عالم میں بادہ فروش کو ایک خطیر رقم دے ڈالی' جب نشہ ہرن ہوا تو لوگوں نے بدمستی کے واقعات سنائے انہیں سن کر اس قدر نادم اور شرمسار ہوئے' کہ اس دن سے توبہ کر لی' اور پھر کبھی شراب کو منہ نہیں لگایا' اشعار ذیل اس واقعہ کی یادگار ہیں: (۴)

رایت الخمر صالحة و فیها   خصال تفسد الرجل الحلیما

''میں شراب کو اچھی چیز سمجھتا تھا' لیکن اس میں بعض ایسے اوصاف ہیں جو حلیم اور سنجیدہ آدمی کے اخلاق بگاڑ دیتے ہیں''

ملا واللہ اشربها صحیحا   ولا اشفی بها ابدا سقیما

''خدا کی قسم اب کبھی نہ اس کو صحت کی حالت میں پیوں گا اور نہ بیماری میں دوا کے لیے استعمال کروں گا''

اسلام:

۹ھ میں تمیم کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے' اور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر مشرف با اسلام ہوئے' آپ نے فرمایا یہ بادیہ نشینوں کے سردار ہیں' کچھ دنوں کے بعد امارت صدقہ کی خدمت سپرد ہوئی۔(۵)

غزوات:

قبول اسلام کے بعد غالباً سب سے اول غزوۂ حنین میں شریک ہوئے' اس غزوہ میں فوج کے اس حصہ میں تھے جس نے پہلے بنوہوازن کو پسپا کر دیا تھا' لیکن پھر مال غنیمت کی لوٹ مار میں شکست کھا گیا تھا۔(۶)

۱۔i۔تہذیب الکمال، ج۸، ص۳۱۳   ii۔الثقات، ج۴، ص۲۰۹   ۲۔سیر الصحابۃ، ج۲ (صغار صحابہ: دوم)، ص۱۴۵۔۱۴۷   ۳۔اصابہ ج۵ ص۲۵۸

۴۔استیعاب ج۲ ص۵۴۰   ۵۔ابن سعد ج۷ ق اول ص۳۴ سنہ کی تعیین اسد الغابہ سے کی گئی ہے   ۶۔سیرت ابن ہشام ج۲ ص۳۷۶

وصیت اور وفات:

بصرہ آباد ہونے کے بعد یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی' یہیں مرض الموت میں مبتلا ہوئے' جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو لڑکوں کو بلا کر حسب ذیل وصیت کی:

''میرے بچو جب میں اس دنیا سے گزر جاؤں تو جو تم میں سب سے بڑا ہو اسے سردار بنانا اور اپنے بزرگوں کا صحیح جانشین اور نمونہ بننے کی کوشش کرنا' اپنے چھوٹے کو سردار نہ بنانا' ورنہ تمہارے ہم چشم تم پر نکتہ چینی کریں گے' مجھ پر نوحہ نہ کرنا' رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے' مال کی اصلاح وحفاظت مدنظر رکھنا' اس سے شرفاء کی شان بڑھتی ہے' اور کمینوں سے استغنار ہتا ہے' اپنے اونٹوں کو بے محل نہ صرف کرنا' لیکن برمحل صرف کرنے میں بخل بھی نہ کرنا' کم اصلوں سے شادی نہ کرنا' ممکن ہے اس سے وقتی مسرت حاصل ہو لیکن اس سے جو خرابی پیدا ہوگی وہ اس مسرت سے کہیں زیادہ نقصان رساں ہوگی' اپنے دشمن کی اولاد سے بچتے رہنا۔ وہ اپنے بزرگوں کی طرح تمہاری دشمن ہوگی' مجھ کو ایسے مقام پر دفن نہ کرنا' جہاں بکر بن وائل کا گزر ہو سکے' زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ میرے اختلاف اور جھگڑے رہ چکے ہیں' اس لیے خطرہ ہے کہ وہ انتقام میں میری قبر کھود ڈالیں گے' اور تم اس کے انتقام میں ان کی دنیا اور وہ تمہاری آخرت برباد کریں گے' پھر ترکش سے ایک تیر نکال کر بڑے لڑکے کو دیا' اور کہا اس کو توڑو اس نے توڑ دیا' پھر دو تیر ایک ساتھ توڑنے کو دیے' اس نے کوشش کی مگر نہ توڑ سکا' یہ مشاہدہ کرنے کے بعد کہا کہ اتحاد واتفاق اور تشتت واختلاف میں تمہاری حالت اسی تیر کی طرح ہے' یعنی اگر متفرق رہو گے تو ہر شخص زیر کرے گا' اور اگر مل کر رہو گے تو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ (۱)

اولاد:

وفات کے بعد ۳۳ لڑکے یادگار چھوڑے' ہزاروں کی تعداد میں مویشی تھے' جو صحرانشینوں کی سب سے بڑی دولت ہے۔ (۲)

فضل وکمال:

گو قیس بہت آخر میں مشرف باسلام ہوئے' تاہم چند احادیث ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں' ان کے لڑکے حکیم اور احنف نے ان سے روایت کی ہے' (۳) شاعر بھی تھے' کلام کا نمونہ اوپر گزر چکا ہے۔

اخلاق:

نہایت عاقل وفرزانہ' حلیم الطبع اور فیاض تھے' جاہلیت کی حمیت میں اپنی لڑکی زندہ دفن کر دی تھی' زمانہ اسلام میں اس کا کفارہ ادا کیا۔ (۴)

حلم:

طبیعت میں حلم غالب تھا' ایک مرتبہ آپ کے بھتیجے نے ان کے ایک لڑکے کو مار ڈالا' لوگ اس کو پکڑ کے مع مقتول لاش کے قیس کے پاس لائے' قیس نے بھتیجے کی اس شقاوت پر کوئی انتقام نہیں لیا' بلکہ بحیثیت بزرگ کے اس کو نصیحت کرنے لگے کہ تم نے کتنا برا کام کیا' خدا اور رسول کے گنہگار ہوئے' اپنے چچیرے بھائی کو قتل کر کے قطع رحم کیا' خود اپنے کو اپنے تیر سے زخمی کر کے اپنا جتھہ کمزور کیا یہ نصیحتیں کر کے دوسرے بیٹے سے کہا' اس کی مشکیں کھول دو اور اپنے بھائی کی تجہیز وتکفین کا انتظام کرو' اور مقتول لڑکے کی ماں کو اپنے پاس سے دیت ادا کی۔ (۵)

۱۔ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۱۱، ۶۱۲ ۲۔ اصابہ ج ۵ ۲۵۹ ۳۔ تہذیب الکمال ص ۳۱۷ ۴۔ اصابہ ج ۵ ص ۲۵۹ ۵۔ اسد الغابہ ج ۴ ص ۲۲۰

تعمیل فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

قیس نہایت دولت مند تھے، لیکن بہت سمجھ بوجھ کر خرچ کرتے تھے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دولت کے متعلق چند سوالات کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم کو اپنا مال پسند ہے یا اپنے موالی کا، عرض کی اپنا مال، فرمایا تمہارا مال تو وہی ہے جس کو کھا پی کر ختم کر دو، پہن اوڑھ کر پرانا کر دو، دے لے کر برابر کر دو، ورنہ وہ تمہارے موالی کا ہے، عرض کیا اگر زندہ رہا تو اونٹ کے گلے اپنی زندگی ہی میں ختم کر دوں گا، چنانچہ بڑا حصہ زندگی میں ختم کر دیا۔(۱)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت ثلاثیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ ثلاثیات کے اعتبار سے یہ ستترویں (۷۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری روایت ثلاثیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے، دوسرے اور آخری راوی بصری اور باقی کوفی ہیں۔

☆ سند میں ''وھوابن الصباح'' سے اس قاعدہ کی رعایت وارد ہے کہ شیخ نے نسبت ذکر نہیں کیا تھا، بلکہ راوی نے نسبت ذکر کیا ہے۔

☆ حضرت قیس بن عاصم سے سنن النسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت قیس بن عاصم قلیل الروایۃ صحابی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اسلم: وہ مسلمان ہوئے۔ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا۔

ان یغتسل: غسل کرنا۔ یہ کہ وہ غسل کرے۔ ماء: پانی

سدر: بیری۔ مراد ہے بیرے کے پتے جو میل کچیل دور کرنے کے لئے استعمال ہوتے تھے۔

نوٹ:

مسائل و نصائح اور خلاصہ اگلے باب کے بعد لکھے جائیں گے۔

۱۔مستدرک حاکم ج ۳ ص ۶۱۲

باب ۱۲۷: تَقْدِيمِ غُسْلِ الْكَافِرِ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُسْلِمَ

جب کافر مسلمان ہونے کا ارادہ کرے تو غسل کرے

اس باب میں اس بات کا بیان ہے، کہ کافر جب مسلمان ہونے کا ارادہ کرے، تو پہلے غسل کرے، بعد میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو۔ اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں کافر کے مسلمان ہونے کے بعد غسل کرنے کے استحباب کا بیان تھا۔ اس باب میں مسلمان ہونے سے قبل غسل کرنے کا بیان ہے۔

۱۸۹۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ اِنَّ ثُمَامَةَ بْنَ اُثَالٍ الْحَنَفِيَّ انْطَلَقَ اِلٰى نَجْلٍ قَرِيْبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ يَا مُحَمَّدُ وَاللّٰهِ مَا كَانَ عَلَى الْاَرْضِ وَجْهٌ اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ فَقَدْ اَصْبَحَ وَجْهُكَ اَحَبَّ الْوُجُوْهِ كُلِّهَا اِلَيَّ وَاِنَّ خَيْلَكَ اَخَذَتْنِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرٰى فَبَشَّرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهُ اَنْ يَعْتَمِرَ مُخْتَصَرٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
حضرت ثمامہ بن اثال مسجد نبوی کے قریب تالاب پر تشریف لے گئے، وہاں غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوئے اور گواہی دی: میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ یا رسول ﷺ اس سے پہلے روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے بڑھ کر مجھے ناپسند نہیں تھا، مگر اب مجھے تمام چہروں سے زیادہ آپ ﷺ کا چہرہ انور محبوب ہے۔ میں عمرہ مبارک کی سعادت کے لئے جا رہا تھا، جبکہ آپ ﷺ کے جانثار مجھے پکڑ لائے ہیں، اب آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے انہیں مبارک دی اور عمرہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔
امام نسائی فرماتے ہیں: یہ روایت مختصر ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوانوں کے ساتھ مطابقت درج ذیل کلمات میں ہے:
حضرت ثمامہ بن اثال حنفی نے تالاب میں غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔

۲۔ اطراف:

نعمۃ الباری، ج ۲ ص ۲۵۶

تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، ان چاروں کے حالات گزر چکے ہیں۔

۱۔ قتیبہ: راجع: ۱ ۲۔ اللیث: راجع: ۳۵ ۳۔ سعید بن ابی سعید: راجع: ۱۱۷ ۴۔ ابوہریرہ: راجع: ۱

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیات سند:

یہ روایت رباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ رباعیات امام نسائی کی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ دسویں (۱۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سنن نسائی میں اس سے پہلے درج ذیل روایات رباعیات ہیں: ۶، ۱۴، ۱۹، ۳۵، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۷۶، ۱۳۸

☆ فیوض لزاھی فی شرح سنن نسائی جلد ثانی کی یہ دوسری روایت رباعیات ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے سارے راوی ایسے ہیں، جن سے اصحاب ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری اور باقی دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رواۃ مکثرین سبعہ کے سرخیل ہیں، آپ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، عن اور سمع ایک ایک دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔ لغات:

انطلق: وہ گیا۔ وہ تشریف لے گے — نجل: چھوٹا تالاب

قریب: نزدیک — اغتسل: اس نے غسل کیا

دخل: وہ داخل ہوا — اشهد: اس نے گواہی دی

وحده: وہ واحد یکتا ہے — عبده: اس کا بندہ

ما كان على الارض: زمین پر نہ تھا — وجه: چہرہ

البغض: انتہائی ناپسند — احب: مجھے محبوب ترین ہے

خيلك: آپ کے مجاہد۔ آپ کے سوار — اخذتنی: مجھے پکڑ لائے ہیں

انا اريد: میں ارادہ ہے — ماذاترى؟: آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟

بشره: آپ ﷺ نے انہیں خوشخبری دی — ان یعتمر: عمرہ کرنا

۷۔ مسائل ونصائح:

نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۲۵۷۔ ۲۶۱

اسلام قبول کرنے والے کے غسل کرنے میں مذاہب فقہاء:

- علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

جو شخص اسلام لائے اس کے غسل کرنے کے حکم کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے امام مالک کے بھی اس میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) امام مالک نے المدوّنہ میں کہا ہے کہ جب نصرانی اسلام لائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہے کیونکہ وہ لوگ طہارت حاصل نہیں کرتے' امام احمد بن حنبل اور ابوثور نے بھی اس پر غسل واجب کیا ہے۔

(۲) ابن وہب اور ابن ابی اویس نے امام مالک سے نقل کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک شخص مسلمان ہوا' آیا اس پر غسل واجب ہے یا اس کے لیے وضوء کرنا کافی ہے؟ امام مالک نے فرمایا: ہمیں یہ حدیث نہیں پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو بھی یہ حکم دیا ہو کہ وہ اسلام لائے تو غسل کرے۔

(۳) ابن المنذر نے کہا ہے: امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اس کا غسل کرنا مستحب ہے' اگر اس نے وضوء کیا اور نماز پڑھی اور غسل نہیں کیا تو وہ ہمیشہ نماز کو دہرائے گا' جب کہ وہ پہلے جماع کر چکا ہو یا جنبی ہو' اور یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر وہ جنبی نہ ہو تو اس کے لیے وضوء کرنا کافی ہے' جیسے امام شافعی نے کہا ہے۔

المہلب نے کہا ہے: ثمامہ کی حدیث ابن وہب اور ابن ابی اویس کے خلاف حجت ہے کیونکہ ثمامہ جب گئے تو انہوں نے غسل کیا' پھر مسجد میں داخل ہوئے' پھر انہوں نے اسلام کی گواہی دی' اسی لئے امام مالک نے یہ کہا ہے کہ ہمیں یہ حدیث نہیں پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی اسلام لانے والے کو غسل کرنے کا حکم دیا ہو۔

ابوعبداللہ بن ابی صفرہ نے کہا ہے: رہا امام مالک کا دوسرا قول' جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اسلام لانے والے پر غسل کرنا واجب ہے' کیونکہ وہ طہارت حاصل نہیں کرتے' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ نجاست سے اپنے بدنوں کو پاک نہیں کرتے' کیونکہ ان کے لیے جنابت سے پاک ہونا محال ہے' خواہ وہ اس کی نیت کریں کیونکہ ان کے لیے یہ مشروع نہیں ہے' لہٰذا امام شافعی' امام احمد اور ابن القاسم کا قول ساقط ہو گیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب وہ جنبی نہیں ہو گا تو وہ بے وضو ہو گا' پھر اس کے لیے نماز پڑھنا کس طرح مباح ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ غیر جنبی اور بے وضوء ہو گا تو نماز پڑھنے کے لیے اس پر وضو کرنا واجب ہو گا اور اس پر غسل نہیں ہو گا کیونکہ وہ جنبی ہیں ہے' اس پر غسل کرنا سنت ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو نجاست سے پاک نہیں رکھتے۔ (۱)

فقہاء احناف کے نزدیک اسلام لانے سے پہلے اگر کافر جنبی ہو یا حائض ہو یا نفساء ہو خواہ اس کا حیض اور نفاس منقطع ہو چکا ہو' اس پر غسل کرنا واجب ہے ورنہ اس کا غسل کرنا مستحب یعنی وہ جنابت کے بعد غسل کر چکا ہو یا عورت حیض اور نفاس کے بعد غسل کر چکی ہو تو پھر اسلام لانے کے لیے اس کا غسل کرنا مستحب ہے۔ (۲)

کفار اور اہل کتاب کے مسجد میں دخل ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

۱۔ شرح ابن بطال ج ۲ ص ۱۴۳۔۱۴۲' دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۲۴ھ ۲۔ الدرالمختار وردالمختار ج ۱ ص ۲۷۶۔۲۷۵' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ

اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ کافر مسجد میں داخل ہوسکتا ہے' علامہ ابن التین نے بیان کیا ہے کہ مجاہد سے منقول ہے کہ اہل کتاب مسجد میں داخل ہوسکتے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز اور قتادہ اور امام مالک اور مزنی شافعی نے کہا: یہ جائز نہیں ہے' اور امام ابوحنیفہ رحمہا اللہ نے کہا: اہل کتاب مسجد میں داخل ہوسکتے ہیں اور دوسرے کافر مسجد میں داخل نہیں ہوسکتے۔(۱)

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے یہ امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہماری اس مسجد میں اس سال کے بعد کوئی مشرک داخل نہیں ہوگا مگر اہل ذمہ اور ان کے خدام۔(۲)

امام مالک کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا (۳) مشرک محض ناپاک ہیں' سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ فقہاء احناف کے نزدیک اس آیت میں "لا یقربوا" اگرچہ صورۃً نہی کا صیغہ ہے لیکن معنیً نفی ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا بلکہ یہ خبر دی ہے کہ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام میں داخل نہیں ہوں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں مشرکین سے مراد اہل کتاب کے ماسوا ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اہل کتاب کے احکام' مشرکین کے احکام کے مغایر ہیں۔

علامہ علاء الدین حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

ذمی کا مسجد میں داخل ہونا مطلقاً جائز ہے اور امام مالک نے اس کو مطلقاً مکروہ کہا ہے اور امام شافعی اور امام احمد نے مسجد حرام میں کافر کے داخل ہونے کو منع کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ نہی تکوینی ہے تکلیفی نہیں ہے اور تحقیق یہ ہے کہ فقہاء نے جنبی کے لیے مسجد کے عبور کرنے کو جائز کہا ہے اور اس وقت آیت کا معنی یہ ہوگا کہ مشرکین اس سال کے بعد برہنہ ہوکر حج یا عمرہ نہ کریں اور یہ سال نو ہجری تھا' جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سورت کا اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ برہنہ طواف کرے۔(۴)

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ' اس عبارت کی شرح میں نہی تکوینی کا معنی لکھتے ہیں:

تکوین اللہ تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات افعال اسی کی طرف راجع ہیں اور "لا یقربوا" کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں مسجد حرام کی طرف جانے کا فعل پیدا نہیں فرمائے گا اور امر تکوینی کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین سے فرمایا:

اتیا طوعا او کرها (۵) تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے حاضر ہوجاؤ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ فعل پیدا کردیا' اور امر تکلیفی کی مثال: "اقیموا الصلوة" (۶) تم نماز کو قائم کرو' امر تکوینی اور امر تکلیفی میں فرق یہ ہے کہ امر تکوینی میں فرماں برداری کے خلاف نہیں ہوسکتا اور امر تکلیفی میں فرماں برداری کے خلاف ہوسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ "فلا یقربوا" کا صیغہ اگرچہ صورۃً نہی کا صیغہ ہے لیکن یہ معنیً نفی ہے اور اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ مشرکین مسجد حرام کے قریب نہیں جائیں گے' کیونکہ یہ منقول نہیں

۱۔ عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۴۹

۲۔ مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹۔ ج ۳ ص ۳۹۲ طبع قدیم' مسند احمد: ۱۵۲۲۱۔ ۱۴۹۴۹۔ ج ۲۳ ص ۳۸۷۔ ۱۸' مؤسسۃ الرسالۃ' بیروت' مصنف عبدالرزاق: ۱۹۳۵۷۔ ۹۹۸۲ ۳۔ التوبہ: ۲۸ ۴۔ صحیح البخاری: ۱۶۲۲' صحیح مسلم: ۱۳۴۷ ۵۔ حٰم السجدۃ: ۱۱ ۶۔ البقرہ: ۴۳

ہوا کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے لے کر آج تک کبھی مشرکین نے برہنہ ہو کر حج یا عمرہ کیا ہو جیسا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔(۱)

نبی ﷺ کا نور نبوت سے یہ جان لینا کہ ثمامہ اسلام لے آئیں گے اس لیے آپ نے اس کو کھولنے کا حکم دیا

علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثمامہ نے قید کیے جانے کو اپنی عزت نفس کے خلاف سمجھا تھا' اس لیے وہ خود اسلام نہیں لایا اور نبی ﷺ نے اس چیز کو جان لیا' اس لئے آپ نے فرمایا: ثمامہ کو کھول دو' پس جب اس کو قید سے کھول دیا گیا تو وہ اسلام لے آیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ثمامہ حنفی کو قید کر لیا گیا' نبی ﷺ صبح کو اس کے پاس گئے اور اس سے استفسار فرمایا: اے ثمامہ اب تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا: اگر آپ مجھے قتل کریں تو ایک گناہ گار شخص کو قتل کریں گے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار شخص پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال لینے کا ارادہ کرتے ہیں تو آپ جتنا مال چاہیں گے' آپ کو دیا جائے گا اور نبی ﷺ کے اصحاب فدیہ لینے کو پسند کر رہے تھے' وہ کہہ رہے تھے: ہم اس کو قتل کر کے کیا کریں گے' پھر نبی ﷺ ایک دن اس کے پاس سے گزرے تو وہ اسلام لے آیا' پھر آپ نے اس کو کھول دیا اور اس کو حضرت ابوطلحہ کے باغ میں بھیجا اور اس کو غسل کرنے کا حکم دیا' پس اس نے غسل کیا اور دو رکعت نماز پڑھی' پھر نبی ﷺ نے فرمایا: تمہارا بھائی بہت عمدہ اسلام لایا ہے۔(۲)

علامہ عینی کا علامہ کرمانی اور علامہ ابن جوزی کی شرحوں پر اعتراض

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ امام کو یہ حق ہے کہ وہ کافر قیدی کو قتل کر دے یا غلام بنا لے' یا اس سے فدیہ لے کر اس کو چھوڑ دے یا اس پر احسان کر کے اس کو چھوڑ دے' اور نبی ﷺ نے اس پر احسان کر کے اس کو چھوڑ دیا کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ نبی ﷺ نے نور نبوت سے یہ جان لیا تھا کہ وہ دل سے ایمان لے آئے گا اور عنقریب کلمہ شہادت پڑھنے سے اس کا ایمان ظاہر ہو جائے گا۔(۳)

اسی طرح علامہ ابن جوزی نے بھی لکھا ہے۔ (ہم نے علامہ جوزی کی مفصل عبارت اس سے پہلے نقل کی ہے) علامہ بدرالدین عینی ان دونوں شارحین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس شرح کو امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان کی وہ حدیث رد کرتی ہے' جس میں یہ مذکور ہے کہ ایک دن نبی ﷺ ثمامہ کے پاس سے گزرے تو وہ اسلام لے آیا' پھر آپ نے اس کو کھول دیا' اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ وہ آپ کے کھولنے سے پہلے اسلام لے آیا تھا۔ علامہ کرمانی کو تو اس شرح میں معذور قرار دیا جائے گا کیونکہ انہوں نے اس شرح کو حتماً ذکر نہیں کیا' بلکہ یہ کہا ہے کہ اس میں یہ احتمال ہے' اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے واقف نہیں تھے' لیکن علامہ ابن جوزی اس حدیث سے کیسے غافل ہو گئے حالانکہ وہ حدیث کی کثرت پر مطلع ہیں۔(۴)

۱۔ ردالمحتار مع الدرالمختار ج ۹ ص ۲۷۲' داراحیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۹ھ

۲۔ مصنف عبدالرزاق: ۹۸۶۵' صحیح ابن خزیمہ: ۲۵۳' صحیح ابن حبان: ۱۲۳۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۷' کشف المشکل لابن الجوزی ج ۱ ص ۲۸۸' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ھ

۳۔ شرح الکرمانی ج ۴ ص ۱۲۳' داراحیاء التراث العربی' بیروت

۴۔ عمدۃ القاری ج ۴ ص ۳۵۰' دارالکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۱ھ

مصنف کا علامہ ابن جوزی اور علامہ کرمانی کی طرف سے جواب اور تینوں شروح میں محاکمہ

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن جوزی صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ کی اس حدیث سے غافل نہیں ہیں' جس میں یہ تصریح ہے کہ ثمامہ' نبی ﷺ کے کھولنے سے پہلے اسلام لے آیا تھا اور اس کے بعد آپ نے اس کو کھولا تھا کیونکہ علامہ ابن جوزی نے اس حدیث کو خود اپنی مذکور شرح کے بعد امام عبدالرزاق کے حوالے سے مفصلاً ذکر کیا ہے' جس کو ہم نے دیگر متعدد حوالوں کے ساتھ نقل کیا ہے' لہٰذا علامہ ابن جوزی کو غافل کہہ کر خود علامہ عینی نے عجلت کا مظاہرہ کیا ہے۔

اب یہ سوال رہ جائے گا کہ جب علامہ ابن جوزی کے علم میں مصنف عبدالرزاق کی یہ حدیث تھی کہ ثمامہ آپ کے کھولنے سے پہلے اسلام لے آیا تھا اور آپ نے اس کو اسلام لانے کے بعد کھولا تھا' تو انہوں نے اپنی شرح میں یہ کیوں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے ثمامہ کے اسلام لانے سے پہلے اس کو کھول دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو نور نبوت سے علم تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا' سو وہ آپ کے کھولنے کے بعد اسلام لے آیا اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے۔

صحیح البخاری میں اس طرح مذکور ہے:

مسلمانوں نے ثمامہ بن اثال کو گرفتار کر کے مسجد کے ستون سے باندھ دیا' نبی ﷺ اس کی طرف نکلے اور فرمایا: ثمامہ کو کھول دو' پھر ثمامہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا' پھر مسجد میں داخل ہوا' پھر کہا'' اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا رسول اللہ''۔(۱)

دیکھئے اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے اسلام لانے سے پہلے اس کو کھولنے کا حکم دیا تھا اور اس نے بعد میں غسل کر کے کلمہ شہادت پڑھا اور علامہ ابن جوزی نے اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کے اسلام لانے سے پہلے اس کو کھولنے کا حکم دیا تھا کہ آپ نے (نور نبوت سے) جان لیا تھا کہ وہ اسلام لے آئے گا اور ایسا ہی ہوا' اور علامہ کرمانی بھی صحیح بخاری کی اسی حدیث کی شرح کر رہے تھے' لہٰذا ان کی شرح بھی صحیح ہے' البتہ ان کا اس شرح کو احتمال سے ذکر کرنا غلط ہے' ان کو چاہیے تھا وہ اس شرح کو جزم اور یقین کے ساتھ لکھتے' جس طرح علامہ ابن جوزی نے لکھا ہے' پھر علامہ ابن جوزی کے وسعت علم کی یہ دلیل ہے کہ انہوں نے امام عبدالرزاق کی روایت کو ذکر کر کے یہ بھی بتا دیا کہ یہ روایت صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس روایت میں مذکور ہے کہ ثمامہ کے اسلام لانے کے بعد آپ نے اس کو کھولا تھا اور ظاہر ہے کہ صحیح بخاری کی حدیث کے مقابلہ میں مصنف عبدالرزاق کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں ہے' جب کہ صحیح مسلم: ۱۷۶۴ میں بھی یہ واقعہ صحیح بخاری کی طرح زیادہ تفصیل کے ساتھ ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ مذکور ہے کہ آپ کے کھولنے کے بعد ثمامہ اسلام لایا تھا اور صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں اس کے خلاف یہ مذکور ہے کہ آپ کے کھولنے سے پہلے ثمامہ اسلام لایا تھا تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مقابلہ میں صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی کیا حیثیت ہے' کیا علامہ عینی صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی بنیاد پر علامہ ابن جوزی پر اعتراض کر کے جمہور کے خلاف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے نزدیک صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان' صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر راجح ہیں' لیکن ان کے اس نظریہ کو علمی دنیا میں کوئی قبول نہیں کرے گا۔

علامہ ابن جوزی کی تائید میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مفصل روایت

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے گھوڑے سواروں کے ایک دستہ کو نجد کی طرف بھیجا' وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر

۱۔ صحیح البخاری: ۴۶۲

کے لے آئے جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا پس انہوں نے اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا' نبی ﷺ اس کی طرف نکلے اور فرمایا: اے ثمامہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میری رائے نیک ہے' اے محمد اگر آپ مجھ کو قتل کریں گے تو اس شخص کو قتل کریں گے جس پر قصاص ہے' اور اگر آپ احسان کریں گے تو شکر گزار پر احسان کریں گے اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کریں آپ جتنا مال طلب کریں گے' مل جائے گا حتیٰ کہ دوسرے دن پھر آپ نے اس سے فرمایا: ثمامہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: جو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ احسان کریں تو شکر گزار پر احسان کریں گے' آپ نے اس کو چھوڑ دیا' پھر تیسرے دن آپ نے فرمایا: اے ثمامہ تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میرے نزدیک وہی بات ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں' آپ نے فرمایا: ثمامہ کو کھول دو وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا' پس اس نے غسل کیا' پھر مسجد میں داخل ہو گیا' پھر کہا: ''اشھد ان لا الہ الّا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ' 'اے محمد پہلے مجھے روئے زمین پر آپ سے زیادہ کوئی شخص ناپسند نہیں تھا اور آج صبح آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے' اور اللہ کی قسم پہلے مجھے آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین ناپسند نہیں تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کی قسم پہلے آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ ناپسند تھا اور اب آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ پسند ہے' آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا اور میں اس وقت عمرہ ادا کرنے کے لیے جا رہا تھا' اب آپ بتائیں کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بشارت دی اور اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا' جب وہ مکہ پہنچا تو کسی کہنے والے نے کہا: کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں اور سنو اب نبی ﷺ کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔ (۱)

علامہ ابن جوزی کی شرح اس حدیث کے مطابق ہے اور علامہ عینی نے علامہ ابن جوزی کی شرح پر جو اعتراض کیا ہے' وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کی تصریح کے خلاف ہے اور صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی روایت کے موافق ہے۔

☆ شرح صحیح مسلم' ج ۵' ص ۷۷۴

طالب اسلام کو کلمہ پڑھانے میں تاخیر کرنا جائز نہیں بلکہ خدشہ کفر ہے

اگر کوئی کافر کسی مسلمان سے یہ کہے کہ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں تو وہ اس میں تاخیر نہ کرے اور اس کو فوراً کلمہ پڑھا دے، عام طور پر لوگ اس شخص کو کسی عالم دین کے پاس لے جا کر کلمہ پڑھواتے ہیں یہ طریقہ غلط ہے کیونکہ اس کو کلمہ پڑھانے میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اتنی دیر اس کے کفر پر راضی ہے اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے اور اگر بالفرض وہ اس وقفہ میں مر گیا تو العیاذ باللہ کفر پر مرے گا۔ اس لیے جو شخص اسلام کا طالب ہو اس کو فوراً کلمہ پڑھا دینا چاہئے اور بعد میں اس کو غسل کرنے کا حکم دیں اور اس کو اسلام کے احکام کی تعلیم دیں۔

۸۔ خلاصہ:

☆ امام نسائی رحمہ اللہ علیہ کا مذکورہ دو احادیث مبارکہ سے استدلال یہ ہے کہ جب کافر مسلمان ہو تو اس پر غسل کرنا واجب ہے، البتہ اگر وہ قبل از اسلام بھی غسل کرے، تو وہ کفایت کر جائے گا۔

☆ امام نسائی کی روایت کردہ حدیث مبارکہ مختصر ہے، جبکہ امام بخاری وامام مسلم نے اس روایت کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۱۔ صحیح البخاری: ۴۳۷۲' صحیح مسلم: ۱۷۶۴

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے سواروں کے ایک دستہ کو نجد کی طرف بھیجا، وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لے آئے، جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا، پس انہوں نے اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نکلے اور فرمایا: اے ثمامہ! تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میری رائے نیک ہے، اے محمد! اگر آپ مجھ کو قتل کریں گے تو اس شخص کو قتل کریں گے جس پر قصاص ہے، اور اگر آپ احسان کریں گے تو شکر گزار پر احسان کریں گے، اور اگر آپ مال چاہتے ہیں تو آپ سوال کریں آپ جتنا مال طلب کریں گے، آپ کو دیا جائے گا حتیٰ کہ دوسرے دن پھر آپ نے اس سے فرمایا: ثمامہ! تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: جو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ اگر آپ احسان کریں گے تو شکر گزار پر احسان کریں گے، آپ نے اس کو چھوڑ دیا، پھر تیسرے دن آپ نے فرمایا: اے ثمامہ! تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: میرے نزدیک وہی بات ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں، آپ نے فرمایا: ثمامہ کو کھول دو، وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے درخت کے پاس گیا، پس اس نے غسل کیا، پھر مسجد میں داخل ہو گیا، پھر کہا: اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد ارسول اللہ'' یا محمد! پہلے مجھے روئے زمین پر آپ سے زیادہ کوئی شخص ناپسند نہیں تھا اور آج صبح آپ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اللہ کی قسم! پہلے مجھے آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین ناپسند نہیں تھا اور اب آپ کا دین مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ کی قسم پہلے آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ ناپسند تھا اور اب آپ کا شہر مجھے سب سے زیادہ پسند ہے، آپ کے سواروں نے مجھے گرفتار کر لیا اور میں اس وقت عمرہ ادا کرنے کے لئے جا رہا تھا، اب آپ بتائیں کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بشارت دی اور اسے عمرہ کرنے کا حکم دیا جب وہ مکہ پہنچا تو کسی کہنے والے نے کہا: کیا تم نے دین بدل لیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں! لیکن میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان ہو گیا ہوں اور سنو! اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر تمہارے پاس گندم کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔(۱)

علامہ ابن جوزی کی شرح اس حدیث کے مطابق ہے اور علامہ عینی نے علامہ ابن جوزی کی شرح پر جو اعتراض کیا ہے وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کی تصریح کے خلاف ہے اور صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی روایت کے موافق ہے۔(۲)

☆ اسلام لانے والے شخص پر غسل کرنا واجب ہے یا مستحب ہے، اس بارے میں فقہاء کرام کی آراء درج ذیل ہیں:

۱۔ امام مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک اسلام لانے والے پر غسل واجب ہے۔ یہ ایک قول ہے۔

۲۔ فقہاء احناف امام شافعی، امام مالک (دوسرا قول) اور امام احمد بن حنبل (دوسرا قول) کے نزدیک اگر وہ شخص اسلام لانے سے پہلے جنبی تھا، تو اس پر غسل کرنا واجب ہے، ورنہ مستحب ہے۔

اس قول کے مطابق جمہور علماء کے نزدیک بعد اسلام غسل کرنا مستحب ہے۔

☆ کافر مسجد میں داخل ہو سکتا ہے، یا کہ نہیں، اس بارے میں فقہاء کے اقوال درج ذیل ہیں:

۱۔ فقہاء احناف کے نزدیک اہل کتاب مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں، باقی کافر داخل نہیں ہو سکتے۔

۲۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک کافر مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔

۳۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک کافر مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا۔

☆ حدیث نمبر ۱۸۸: سے ثابت ہوا کہ جب کوئی شخص مسلمان ہو تو وہ غسل کرے، تاکہ حالت کفر کی نحوست اس سے زائل ہو۔

۱۔ صحیح بخاری: ۴۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۷۶۴، نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۲۶۱ ۲۔ صحیح البخاری: ۴۳۷۲، صحیح مسلم: ۱۷۶۴

☆ غسل کرتے وقت جسم کی صفائی کے لیے صابن اور شمپو وغیرہ استعمال کرے۔
☆ یہ غسل کرنا مستحب ہے، کیونکہ اگر غسل کرنا واجب ہوتا تو آقا کریم ﷺ ہر اسلام قبول کرنے والے کو غسل کرنے کا حکم دیتے۔
☆ حدیث نمبر ۱۸۹: سے ثابت ہوا کہ کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے، کیونکہ حضرت ثمامہ بن اثال حنفی اسلام لانے سے پہلے مسجد میں داخل ہوئے۔
☆ کافروں کو قیدی بنانا جائز ہے، ان کو باندھنا بھی جائز ہے۔
☆ نیک کام کی نذر یا ارادہ حالت کفر میں بھی کیا ہو تو سلام لانے کے بعد اسے پورا کرنا چاہیے۔
☆ کافر کو بغیر فدیہ کے چھوڑنا جائز ہے۔
☆ جب کافر مسلمان ہو تو اسے تہذیب و تمدن بھی اسلامی اپنانا چاہیے۔

باب ۱۲۸: اَلْغُسْلُ مِنْ مُوَارَاةِ الْمُشْرِكِ مشرک کو دفنانے سے غسل کرنا

اس باب میں غیر مسلم کو دبانے کے بعد غسل کرنے کا بیان ہے، کیونکہ اس کے جسم پر گندگی وغیرہ ہوتی ہے، جس سے اپنا جسم آلودہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس لیے کافر و مشرک کی لاش دبانے کے بعد غسل کر لینا چاہیے، البتہ یہ غسل مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ امام نسائی نے اس مسئلہ میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں کافر کے مسلمان ہونے پر پہلے غسل کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں مشرک کی لاش کو دبانے کے بعد غسل کرنے کا بیان ہے۔

۱۹۰۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى عَنْ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي شُعْبَةُ عَنْ اَبِي اِسْحَاقَ قَالَ سَمِعْتُ نَاجِيَةَ بْنَ كَعْبٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اَبَا طَالِبٍ مَاتَ. فَقَالَ "اذْهَبْ فَوَارِهِ" قَالَ اِنَّهُ مَاتَ مُشْرِكًا. قَالَ "اذْهَبْ فَوَارِهِ" فَلَمَّا وَارَيْتُهُ رَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ لِي "اغْتَسِلْ"۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
میں آقا کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور بتلایا: ابو طالب وفات پا گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور انہیں دفنا دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: وہ مشرک فوت ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے (دوبارہ) فرمایا: جاؤ اور انہیں دفنا دو۔ جب میں انہیں دفنا کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: غسل کرو۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت درج ذیل جملہ میں ہے:
میں دفنا کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے غسل کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ اطراف:

تقدیم: ۲۰۸، ابوداؤد: ۳۲۱۴،۶۴۲۲، احمد: ۱۰۹۳،۷۵۹، السنن الکبریٰ: ۱۹۵، مسند ابو داؤد الطیالسی: ۱۲۲، ادلائل (بیہقی)، ج ۲ ص ۳۴۸، ابن ابی شیبہ، ج ۳ ص ۲۶۹، ابویعلیٰ: ۴۲۳، السنن الکبریٰ (بیہقی)، ج ۱ ص ۳۰۴-۳۰۵، مسند زوائد عبداللہ: ۱۰۷۴۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کے حالات گزر چکے ہیں، حضرت ناجیہ بن کعب کے حالات درج کیے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن المثنی: راجع:۸۰ ۲۔محمد بن جعفر: راجع:۴۲ ۳۔شعبہ: راجع:۲۶

۴۔ابواسحاق: راجع:۴۲

۵۔ناجیہ بن کعب: آپ کا نام ناجیہ بن کعب اسدی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، بعض نے مجہول قرار دیا ہے۔آپ کو امام ابوحاتم، امام عجلی، امام ابن حبان، امام نسائی اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ علامہ ابن مدنی نے مجہول اور علامہ جوز جانی نے مزموم لکھا ہے۔امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔علی: راجع:۹۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور باقی شواہد و مشابہات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سدسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اٹھہتر ویں (۷۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت ناجیہ بن کعب کو بعض نے مجہول و مذموم قرار دیا ہے۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین کوفی ہیں۔

☆ حضرت علی المرتضی خلیفہ راشد چہارم، داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیا کے سرخیل ہیں، آپ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔

☆ یہ حدیث مبارکہ حضرت علی المرتضی نے اپنے والد جناب ابوطالب کے بارے میں بیان کی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنی اور سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات

اتی: وہ آیا | مات: وہ فوت ہوا | اذھب: تو جا | فوارہ: اسے دفناؤ۔اسے دباؤ

مشرك: شرک کرنے والا | لیماواریتہ: جب میں نے دفنالیا | رجعت الیہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

اغتسل: تو غسل کر

ا۔i۔تہذیب التہذیب، ج۱۰،ص۴۰۱ ii۔الجرح والتعدیل، ج۸،ص۴۸۶

۷۔ مسائل ونصائح:

جناب ابوطالب کے ایمان لانے یا نہ لانے کے بارے میں عصر حاضر کے عظیم مفسر، شارح، مؤرخ اور محقق علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہ نے سیر حاصل بحث کی ہے، ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں:

غرغرہ موت کے وقت ایمان نامقبول ہونے پر دلیل اور ابوطالب کے ایمان نہ لانے کی بحث:

حدیث نمبر چالیس میں ہے جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا، تو رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کو دعوت اسلام دی۔

غرغرہ موت اس وقت کو کہتے ہیں، جب انسان کے بدن سے روح نکالی جاتی ہے، جب انسان اخروی معاملات کو دیکھ لیتا ہے، اس وقت ایمان لانا مقبول نہیں ہوتا، قرآن مجید میں ہے:

وليست التو بة للذين يعملون السيات حتى اذا حضر احدهم الموت قال انى تبت الان ولاالذين يموتون وهم كفار۔(۱)

اور ان لوگوں کی توبہ (مقبول) نہیں جو (مسلسل) گناہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہے میں نے اب توبہ کی، اور نہ ان کی (توبہ قبول ہے) جو کفر پر مرتے ہیں۔

جب نبی ﷺ نے ابوطالب کو دعوت اسلام دی تھی تو اس پر یہ وقت ابھی نہیں آیا تھا کیونکہ ابوطالب نے اس وقت نبی ﷺ اور کفار قریش سے کافی باتیں کی تھیں۔

ابوطالب کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں ہوئی، ابن فارس نے کہا ہے کہ جس وقت ابوطالب کی وفات ہوئی، اس وقت رسول ﷺ کی عمر ۴۹ سال آٹھ ماہ گیارہ دن تھی، ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہو گئی۔(۲)

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں:

جب ابوطالب پر موت کی علامات ظاہر ہونے لگیں تو نبی ﷺ اس کے پاس گئے اور ابوطالب کو اسلام کی دعوت دی، علامہ خطابی نے کہا، ابھی رسول اللہ ﷺ حمل میں تھے کہ آپ کے والد فوت ہو گئے پھر آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کی کفالت کی، اور جب وہ فوت ہو گئے تو آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی، ابوطالب آپ سے محبت کرتے تھے اور آپ کی حفاظت کرتے تھے اور قریش میں سے جو لوگ آپ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کرتے ان سے مدافعت کرتے تھے، قریش نے یہ مطالبہ کیا کہ وہ آپ کو ان کے حوالے کر دیں، مگر ابوطالب نے انکار کر دیا، پھر قریش اور کفار مکہ نے یہ قسم کھائی کہ وہ بنو ہاشم کا بائیکاٹ کریں گے، ان سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کریں گے نہ نکاح کریں گے پھر شعب ابی طالب میں ابو اور بنو ہاشم تین سال تک سخت تنگی میں محصور رہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس اعلان کے صحیفہ کو ختم کر دیا۔

اس باب کی احادیث میں یہ تصریح ہے کہ ابوطالب کا خاتمہ شرک پر ہوا۔ سہیلی نے کہا ہے کہ میں نے مسعودی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ ابوطالب کی موت ایمان پر ہوئی لیکن یہ قرآن مجید کی ان آیات اور احادیث کی وجہ سے صحیح نہیں ہے جو اس باب میں مذکور ہیں، اور بعض

۱۔ نساء: ۱۸ ۲۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۴۰

سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عباس نے کہا میرے بھائی وہ کلمہ پڑھ لیا جس کا آپ نے حکم دیا، اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا، اور عباس اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے ان کی شہادت معتبر نہیں ہے، (یہ شیعہ کی روایت ہے، امام بیہقی نے کہا اس کی سند منقطع ہے، نیز صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباس ابو طالب کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۶)۔ سعیدی (غفرلہ) اگر یہ کہا جائے کہ ابو طالب دل سے رسول اللہ ﷺ کا مصدق تھا تو کیا اس وجہ سے اس کو مومن کہا جائے گا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے ایمان کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے۔ (۱)

ابو طالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور ان کی تفسیر میں مذاہب اربعہ کے مفسرین کی تصریحات:

حدیث نمبر ۲۰۴ میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے موت سے کچھ وقت پہلے ابو طالب کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی لیکن ابو طالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہ خدا میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہ دے، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی

ما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين و لو كانوا اولي قربى من بعد ما تبين لهم انهم اصحاب الجحيم۔ (۲)

نبی اور ایمان والوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے قرابت دار ہوں، جب ان پر ظاہر ہو چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔

علامہ آلوسی حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ امام احمد، امام ابن ابی شیبہ، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ابن جریر، امام ابن منذر اور امام بیہقی نے میسب بن حزن سے روایت کیا ہے کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو نبی ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، اس وقت اس کے پاس، ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بیٹھے ہوئے تھے، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: اے چچا لا الہ الا اللہ کہو، میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ سے حجت پکڑوں گا، ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا، اے ابو طالب کیا تم عبد المطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ رسول اللہ ﷺ اس پر لا الہ الا اللہ پیش کرتے رہے، اور ابو جہل اور عبد اللہ اس کو اس کلمہ کے خلاف بھڑکاتے رہے، آخر میں ابو طالب نے کہا کہ وہ عبد المطلب کی ملت پر ہے اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے لیے اس وقت تک مغفرت کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کیا جائے، اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

حسین بن فضل نے یہ کہا ہے کہ ابو طالب کی موت، ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی اور یہ سورت مدینہ میں آخر میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اس حدیث کو اس آیت کا شان نزول قرار دے دینا مستبعد ہے، علامہ واحدی نے کہا یہ استبعاد خود مستبعد ہے، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ ابو طالب کی موت کے بعد اس کے لیے مسلسل استغفار کرتے رہے ہوں، حتیٰ کہ مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوگئی کیونکہ کفار کے ساتھ سختی کرنے کی آیات مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوئی ہیں، اس تاویل کی بناء پر حدیث کا معنی یہ ہوگا، اس لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی، یہ معنی نہیں ہوگا، اس کے بعد یہ آیت نازل کی اور فانزل میں فاسبیت کے لیے ہوگی نہ کہ تعقیب کے لیے، اکثر علماء نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے اور یہ ہے بھی عمدہ توجیہ۔ لیکن اس

۱۔ اکمال المال المعلم ج ۱ ص ۱۱۱۔۱۱۰

۲۔ توبہ، ۱۱۳

پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ امام ابن سعد امام ابن عساکر نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ ابو طالب کی موت کے بعد کئی دن تک نبی ﷺ اس کے لیے استغفار کرتے رہے، حتیٰ کہ جبرائیل اس آیت کو لے کر نازل ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ سورہ توبہ کی یہ آیت مکہ میں پہلے نازل ہوئی ہو اور باقی آیات بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی ہوں اور اس سورت کو بہ اعتبار غالب کے مدنی کہا جاتا ہو، بہر حال یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ ابو طالب کفر پر مرا اور یہی اہل سنت و جماعت کا معروف مذہب ہے۔

امام ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں یہ ہے کہ ابو طالب کے مرض الموت میں نبی ﷺ نے اس سے کہا کہ اے چچا آپ لا الہ الا اللہ کہیں تا کہ قیامت کے دن آپ کے لیے میری شفاعت جائز ہو، اور نبی ﷺ نے یہ اصرار ترغیب دی، ابو طالب نے کہا بہ خدا اے بھتیجے اگر مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا کہ میرے بعد قریش تم پر اور تمہارے باپ کی اولاد پر ملامت کریں گے اور قریش یہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ لیتا اور میں صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ کلمہ پڑھتا، جب ابو طالب پر موت کا وقت آیا تو عباس نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے ہونٹ ہل رہے تھے، انہوں نے کان لگا کر سنا اور حضور سے کہا اے بھتیجے تم نے اسے جس کلمہ کو پڑھنے کا کہا تھا اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے نہیں سنا۔ (۱) اس روایت سے اور ابو طالب کے جو اشعار حضور کی مدح میں مشہور ہیں، ان سے علماء شیعہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ ابو طالب مومن تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان اشعار کی سند منقطع ہے، علاوہ ازیں ان اشعار میں ابو طالب کے ایمان لانے کی تصریح نہیں ہے، رہی یہ روایت تو یہ شیعہ کی روایت ہے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے (امام بیہقی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند منقطع ہے، اور حضرت عباس جو اس حدیث کے راوی ہیں اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ابو طالب کی عاقبت کے متعلق سوال کیا کہ آپ نے ابو طالب کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ کی مدافعت کرتا تھا آپ نے فرمایا ہاں وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے آخری طبقہ میں ہوتا، اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے، اور وہ ضعیف روایت اس صحیح حدیث سے تصادم کی قوت نہیں رکھتی۔ (۲)، علاوہ ازیں اس روایت میں بھی یہ ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے نہیں سنا" باقی ابو طالب نے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد اور نصرت کی تو وہ دین اسلام کی محبت میں نہیں کی بلکہ نسب اور قرابت کی محبت کی وجہ سے کی، اور اعتبار دینی محبت کا ہے نسبی محبت کا نہیں ہے، علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ کے شدید اصرار کے بعد بھی ابو طالب نے ایمان نہ لا کر آپ کو سخت اذیت بھی تو پہنچائی ہے، تاہم ابو طالب کے کفر کے باوجود اس کی اس طرح مذمت نہ کی جائے جس طرح ابو جہل اور دیگر کفار کی مذمت کی جاتی ہے۔ (۳)

امام رازی شافعی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے لیے استغفار کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ وہ مشرک تھا۔ (۴)

حافظ ابن کثیر حنبلی نے اس آیت کی تفسیر میں احادیث کے حوالے سے ابو طالب کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا ہے۔ (۵)

علامہ قرطبی مالکی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ (۶)

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷، البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۲۳ ۲۔ دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۳۴۶ ۳۔ روح المعانی، ج ۱ ص ۳۳۔ ۳۲

۴۔ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۱ ۵۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۴۶۰ ۶۔ الجامع الاحکام القرآن، ج ۸، ص ۲۷۳۔ ۲۷۲

نیز قرآن مجید میں ہے:

انك لا تهدی من احببت و لکن الله یهدی من یشاء(۱) بے شک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں کرتے، لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔ (آپ بظاہر ہدایت دیتے ہیں، حقیقۃً ہدایت نہیں دیتے حقیقۃً ہدایت اللہ تعالیٰ دیتا ہے، یعنی ہدایت کو پیدا کرتا ہے۔)

حافظ ابن کثیر حنبلی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں بکثرت احادیث کے حوالوں سے ابوطالب کا ایمان نہ لانا بیان کیا ہے۔ (۲)
علامہ قرطبی مالکی نے بھی یہی لکھا ہے۔ (۳)
امام رازی شافعی لکھتے ہیں:

بظاہر اس آیت کی ابوطالب کے کفر پر دلالت نہیں ہے۔ زجاج نے کہا مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ ابوطالب نے اپنی موت کے وقت کہا: اے بنو عبد مناف کی جماعت محمد ﷺ کی اطاعت کرو، اور ان کی تصدیق کرو تم ہدایت اور فلاح پاؤ گے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے چچا آپ ان کو تو نصیحت کر رہے ہیں خود اس نصیحت پر عمل کیوں نہیں کرتے، ابوطالب نے کہا تم کیا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا آج آپ کا دنیا میں آخری دن ہے، میں چاہتا ہوں کہ آپ لا الہ الا اللہ کہیں تا کہ میں اللہ کے سامنے آپ کے ایمان کی گواہی دوں ابوطالب نے کہا اے بھتیجے میں جانتا ہوں کہ تم صادق ہو لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا، اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیتا، کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم بہت نصیحت کرتے ہو، اور بہت غم کھاتے ہو، لیکن میں عنقریب عبد المطلب ہاشم اور عبد مناف کی ملت پر جان دوں گا۔ (۴)

علامہ آلوسی حنفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام عبد بن حمید، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن ابی حاتم، امام ابن مدویہ، اور امام بیہقی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب پر موت آنے لگی، تو اس کے پاس نبی ﷺ تشریف لے گئے اور فرمایا: اے چچا لا الہ الا اللہ کہیے میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے آپ کے حق میں گواہی دوں گا، ابوطالب نے کہا اگر مجھے قریش کی ملامت کا خدشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ اس نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھا ہے تو میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

انك لا تهدی من احببت و لکن الله یهدی من یشاء(۵) بے شک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں کرتے، لیکن اللہ جسے چاہے اس کو ہدایت یافتہ کرتا ہے۔

۱۔ قصص ۵٦:۲۸

۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۵، ص ۲۹۴۔۲۹۰

۳۔ الجامع الاحکام القرآن، ج ۱۳، ص ۲۹۹

۴۔ تفسیر کبیر، ج ٦ ص ۴۹۹

۵۔ قصص ۵٦:۲۸

امام بخاری، امام مسلم، امام احمد، امام نسائی، اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب نبی ﷺ نے ابوطالب سے اسلام لانے کے لیے شدید اصرار کیا، امام ابن مدویہ نے بھی اس روایت کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے (علامہ نووی شافعی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ شرح مسلم ج ا ص ۴۱)۔

ابوطالب کے اسلام کا مسئلہ مختلف فیہ، اور یہ کہنا کہ تمام مسلمانوں کا، کیا تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، صحیح نہیں ہے، کیونکہ علماء شیعہ اور ان کے اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ ابوطالب اسلام لے آئے تھے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ ائمہ اہل بیت کا بھی اس پر اجماع ہے اور ابوطالب کے اکثر قصائد اس پر شاہد ہیں، اور جن کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ علماء دیعہ کے اختلاف اور ان کی روایات کا اعتبار نہیں کرتے، تاہم ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے قول کے باوجود ابوطالب کو برا نہیں کہنا چاہیے اور نہ اس کے حق میں یاوہ گوئی کرنی چاہیے، کیونکہ اس سے علویین کو ایذا پہنچتی ہے اور یہ بعید نہیں ہے کہ اس سے نبی ﷺ کو بھی ایذا پہنچے۔ (۱)

قرآن مجید میں ہے:

وهم ينهون عنه وينئون عنه (۲) اور وہ لوگوں کو (انہیں ایذا پہنچانے سے) روکتے ہیں اور خود (ان سے) دور رہتے ہیں۔

علامہ قرطبی مالکی نے اس آیت سے ابوطالب کا ایمان نہ لانا ثابت کیا ہے اور قرآن اور حدیث سے بکثرت دلائل پیش کیے ہیں۔ (۳)

حافظ ابن کثیر حنبلی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ابوطالب کا ایمان نہ لانا بیان کیا ہے۔ (۴)

اور امام رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں: بعض علماء نے کہا کہ کفار لوگوں کو نبی ﷺ کی تصدیق کرنے اور آپ کی رسالت کا اقرار کرنے سے روکتے ہیں اور خود بھی آپ سے دور رہتے ہیں اور عطاء اور مقاتل نے یہ کہا کہ آیت ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ ابوطالب نبی ﷺ کو ایذاء پہنچانے سے قریش کو منع کرتا تھا اور خود بھی آپ سے دور رہتا تھا اور آپ کے دین کی اتباع نہیں کرتا تھا لیکن قول اول حق کے زیادہ مشابہ ہے۔ (۵)

علامہ سید آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ، امام ابن حمید، امام ابن جریر اور امام ابن المنذر وغیرہم نے مجاہد سے اس آیت کی تفسیر نقل کی ہے کہ کفار لوگوں کو قرآن سننے سے روکتے ہیں اور خود بھی قرآن سے دور بھاگتے ہیں، اور امام ابن جریر، امام ابن منذر، امام ابوحاتم، امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ تفسیر نقل کی ہے، کفار لوگوں کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے ہیں اور خود بھی آپ سے دور رہتے ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوطالب اور ان کے اتباع کے متعلق نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اور اس کے باوجود خود آپ سے دور رہتے ہیں اور آپ پر ایمان نہیں لاتے۔

اس روایت کی بناء پر بعض علماء نے اس آیت سے ابوطالب کے ایمان نہ لانے پر استدلال کیا ہے، لیکن امام رازی نے اس تفسیر کو رد کر دیا

۱۔ روح المعانی ج ۲۰ ص ۹۷۔۹۶ ۲۔ انعام ۷: ۲۶ ۳۔ الجامع الاحکام القرآن، ج ۶ ص ۴۰۸۔۴۰۵

۴۔ تفسیر کبیر، ج ۳ ص ۱۴ ۵۔ تفسیر کبیر، ج ۴ ص ۲۷

ہے کیونکہ تمام آیات مقدسہ مشرکین کی مذمت میں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی سے روکنا مذموم نہیں ہے۔(۱)

امام رازی کے اعتراض کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذمت آپ کو ایذاء رسانی سے منع کرنے کی نہیں ہے' بلکہ مذمت اس بات پر ہے کہ خود ایمان نہیں لاتے اور ایمان لانے سے دور بھاگتے ہیں، جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نیکی نہیں کرتے۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب افلاتعقلون (۲) کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو؟ اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟

اس آیت میں بھی نیکی کا حکم دینے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ نیکی کا حکم دینے کے باوجود نیکی پر عمل نہ کرنے کی مذمت کی گئی ہے، اسی طرح زیر بحث آیت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانے کی ممانعت کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ مذمت اس بات کی ہے کہ آپ کو ایذا رسانی سے منع کرنے کے باوجود یہ لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ سے دور بھاگتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سورہ توبہ، سورہ قصص اور سورہ انعام کی ان تین آیتوں میں ابوطالب کے ایمان نہ لانے کو بیان کیا گیا ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مسلک ہے، البتہ جب کوئی مسئلہ پوچھے تو صرف اتنا کہنا چاہیے کہ ابوطالب کا ایمان قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مختار ہے، بلاضرورت اور بلاوجہ ابوطالب کو کافر کہنے کی رٹ لگانا چاہیے اور نہ دیگر کفار قریش کی طرح ابوطالب کو برا کہنا چاہیے کیونکہ بہرحال ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش' آپ کی حفاظت اور آپ کی مدافعت کی ہے اور نسبی قرابت اور ابوطالب کی خدمات کی وجہ سے رسول اللہ کو ابوطالب سے بہت محبت تھی، آپ آخر وقت تک ابوطالب کو مسلمان کرنے کی کوشش فرماتے رہے لیکن تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہتا ہے، اب ہم ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث بیان کر رہے ہیں۔

ابوطالب کے ایمان نہ لانے کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب کو موت آنے لگی تو اس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، آپ نے وہاں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی امیہ کو بیٹھے ہوئے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب سے کہا: اے چچا کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھیے میں قیامت کے دن اس کلمہ کی آپ کے لیے شہادت دوں گا، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے اعراض کر رہے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ابوطالب پر کلمہ پیش کرتے رہے اور وہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے، حتیٰ کہ ابوطالب نے آخر میں یہ کہا کہ وہ عبدالمطلب کی ملت (حضرت عبدالمطلب عہد فترت میں تھے، یہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، ثانیاً بعض روایات صحیحہ سے حضرت عبدالمطلب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں تمام آباء کا موحد اور مومن ہونا ثابت ہے، شرح صحیح مسلم جلد ثانی میں ہم نے اس پر دلائل پیش کیے ہیں' اس لیے ابوطالب کا اپنے دین کو حضرت عبدالمطلب کی ملت قرار دینا جائز نہیں ہے۔) پر ہے، اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہ خدا میں آپ کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے روک نہ دیا جائے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل

۱۔ روح المعانی، ج ۷، ص ۱۲۷-۱۲۶ ۲۔ بقرہ ۲: ۴۴

کی: نبی اور مومنین کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے استغفار کریں۔(۱)

اس حدیث کو امام مسلم (۲)، امام نسائی (۳)، نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز یہ حدیث مسند احمد (۴) اور دلائل النبوت (۵) میں بھی موجود ہے۔

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا لا الہ الا اللہ پڑھیں، میں قیامت کے دن آپ کے حق میں اس کی گواہی دوں گا، ابو طالب نے کہا اگر مجھے قریش کے عار دلانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ کہیں گے کہ یہ بے صبری کی وجہ سے مسلمان ہو گیا، تو میں کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک آپ جس کو چاہیں ہدایت یافتہ نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ کرتا ہے۔(۶)

اس حدیث کو امام ترمذی (۷)، اور امام احمد (۸) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عباس بن عبد المطلب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: آپ نے اپنے چچا سے کس عذاب کو دور کیا؟ وہ آپ کی طرف سے مدافعت کرتے تھے آپ کی خاطر غضب ناک ہوتے تھے آپ نے فرمایا: وہ ٹخنوں تک آگ میں ہے، اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ آگ کے آخری طبقہ میں ہوتا۔(۹)

اس حدیث کو امام مسلم (۱۰)، امام احمد (۱۱)، امام ابو یعلیٰ (۱۲)، امام بیہقی (۱۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ابو طالب کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو نفع پہنچے گا، اس کو تھوڑی سی آگ میں ڈالا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک ہوگی، جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔(۱۴)

اس حدیث کو امام مسلم (۱۵)، امام احمد (۱۶)، اور امام بیہقی (۱۷)، نے بھی روایت کیا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے کم دوزخ کا عذاب ابو طالب کو ہوگا اس کو آگ کی دو جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔(۱۸)

اس حدیث کو امام احمد (۱۹)، اور امام بیہقی (۲۰)، نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۴۸۔ ۱۸۱، ج ۲، ص ۶۷۵۔ ۶۷۴ ۲۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۰ ۳۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۴۰

۴۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۴۳۳ ۵۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۴۳۔ ۳۴۲ ۶۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۰ ۷۔ جامع ترمذی، ص ۴۵۹

۸۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۴۴۱۔ ۴۳۴ ۹۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۴۸ ۱۰۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۱۵ ۱۱۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۰۶، ج ۳، ص ۵۵، ۵۰، ۹

۱۲۔ مسند ابو یعلیٰ موصلی، ج ۲، ص ۳۹۹۔ ۱۲۵ ۱۳۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ۳۴۶ ۱۴۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۴۸ ۱۵۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۱۵

۱۶۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۵۵، ۵۰، ۹ ۱۷۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۴۷ ۱۸۔ صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۱۵ ۱۹۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۹۵ ۲۰۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۴۸

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا قیامت کے دن دوزخ میں سے سب کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جس کے پیروں کے تلووں میں دو انگارے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح پیتل کی دیگچی میں پانی کھولتا ہے۔(۱)

اس حدیث کو امام مسلم (۲)، امام ترمذی (۳)، اور امام دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام احمد نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرۃ (۴)، حضرت ابوسعید خدری (۵) اور حضرت نعمان بن بشیر (۶) سے روایت کیا ہے

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ کا بوڑھا گمراہ چچا فوت ہو گیا اس کو زمین میں کون دفنائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ، اپنے باپ کو زمین میں دفن کردو۔(۷)

اس حدیث مبارکہ کو امام ابوداؤد (۸)، امام ابن ابی شیبہ (۹)، امام بیہقی (۱۰) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ابو طالب فوت ہو گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جا کر اس کو دفن کردو، میں نے عرض کیا وہ مشرک ہونے کی حالت میں فوت ہوا ہے، آپ نے فرمایا جا کر اس کو دفن کردو، جب میں دفن کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا تو آپ نے فرمایا غسل کرلو۔(۱۱)

اس حدیث کو امام بیہقی (۱۲) نے بھی روایت کیا ہے:

۱۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۷۱

۲۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص، ۱۱۵

۳۔ جامع ترمذی، ص ۳۷۳

۴۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۴۳۹۔۴۳۲

۵۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۷۸۔۱۳

۶۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۷۴۔۲۷۱

۷۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۲۰۳

۸۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۰۳

۹۔ المصنف ابی شیبہ، ج ۳، ص ۳۴۷

۱۰۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۴۹

۱۱۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۳۱۔۱۳۰۔۱۰۳، ۹۷

۱۲۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۴۸

امام ابن شیبہ روایت کرتے ہیں:

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب فوت ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے پاس جا کر کہا آپ کا بوڑھا چچا جو کافر تھا وہ فوت ہو گیا۔(۱)

امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا قرآن مجید کی آیت ''اور وہ لوگوں کو منع کرتے ہیں اور خود ان سے دور رہتے ہیں'' ابو طالب کے متعلق نازل ہوئی تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کو ایذاء پہنچانے سے مشرکین کو منع کرتا تھا۔ اور آپ کے لائے دین سے دور رہتا تھا۔ (۲)

ابو طالب کے ایمان نہ لانے کی بحث میں علامہ غلام رسول سعیدی کا موقف

قرآن مجید کی اول الذکر آیات اور ثانی الذکر احادیث صحیحہ کی روشنی میں مذاہب اربعہ کے معروف علماء، فقہاء، مفسرین اور جمہور اہل سنت کا یہ موقف ہے کہ ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں ہے، ہم نے عمداً ان تمام تصریحات کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ ہمارے لیے یہ کوئی خوشگوار موضوع نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کی بڑی خواہش تھی کہ ابو طالب ایمان لے آئے، لیکن تقدیر کا لکھا پورا، ہو کر رہا، یہ بہت نازک مقام ہے، جو لوگ اس مسئلہ میں شدت کرتے ہیں اور ابو طالب کی ابولہب اور ابو جہل کی طرح مذمت کرتے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی دل آزاری کر کے خطرہ میں ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی دل آزاری سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، ہم اس بحث میں صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ابو طالب کا ایمان ثابت نہیں ہے اور یہ چیز ہم پر بھی اتنی ہی گراں اور باعث رنج جتنی اہل بیت کے لیے ہے اس سے زیادہ ہم اس بحث میں کچھ لکھنا چاہتے ہیں اور نہ اس مسئلہ کی باریکیون میں الجھنا چاہتے ہیں، بعض علماء اہل سنت نے ابو طالب کے ایمان کو ثابت بھی کیا ہے، ہر چند کہ یہ رائے تحقیق اور جمہور کے موقف کے خلاف ہے، لیکن ان کی نیت محبت اہل بیت ہے، اس لیے ان پر طعن نہیں کرنا چاہئے۔

ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی توجیہ:

اس باب کی احادیث میں ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کا ذکر ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ابو طالب کفر پر مرے تھے اور کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوتی قرآن مجید میں ہے:

لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون (۳) ''کفار کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی''

تو ابو طالب ایمان نہیں لائے اور ان کا کفر پر خاتمہ ہوا تو ان کے عذاب میں کیسے تخفیف ہوگی؟ اسی طرح پیر کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف ہوگی کیونکہ اس نے پیر کے دن رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشخبری سن کر انگلی سے اشارہ کر کے اپنی باندی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا (۴) لیکن ابولہب بھی ایمان نہیں لایا اور اس کے عذاب میں بھی تخفیف ہوگی اور قرآن کریم میں ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی، اس کا جواب یہ ہے قرآن کریم میں جس تخفیف کی نفی ہے وہ مدت کے اعتبار سے ہے یعنی کفار کے عذاب مخلد اور دائمی سزا میں تخفیف نہیں ہوگی اور احادیث سے جس تخفیف کا ثبوت ہے وہ کیفیت کے اعتبار سے ہے یعنی عذاب ہوگا تو دائمی اور غیر متناہی لیکن اس کی شدت کو کم

۱۔ المصنف ابی شیبہ، ج ۳، ص ۳۴۸
۲۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۴۱
۳۔ البقرہ ۲:۱۶۲
۴۔ بخاری ج ۲، ص ۷۶۴

کر دیا جائے گا۔ دوسرا جواب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے اور جن کفار کے عذاب میں اللہ تعالیٰ تخفیف فرمائے گا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی لیکن بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی عزت افزائی کے لیے اپنے قانون میں استثناء فرما دیتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قانون بنایا کہ ہر نزاعی معاملہ میں دو گواہ ہونے چاہییں چنانچہ فرمایا:

واستشهدوا شهيدين من رجالكم۔ (۱) دو مردوں کو گواہ بناؤ۔

لیکن ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے تنہا خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دے دیا۔ (۲)

اسی طرح کفار کے بارے میں بھی قانون تو یہی ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی لیکن رسول اللہ ﷺ کسی کے حق میں شفاعت کر دیں پھر بھی تخفیف نہیں ہو سکتی ایسا نہیں ہو سکتا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کلی اور عمومی قاعدہ میں استثناء کر دے یہ تو ہو سکتا ہے لیکن اپنے محبوب کی بات ٹال دے یہ اس کے کرم سے متصور نہیں ہے۔

والدین کریمین کے ایمان پر دلیل:

حدیث نمبر ۴۲۲ سے ۴۲۵ تک میں یہ مذکور ہے کہ سب سے پہلے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا، ابو طالب رسول اللہ ﷺ کے چچا تھے اور چچا کی بہ نسبت والدین کا اولاد پر زیادہ احسان ہوتا ہے سو اگر بالفرض والدین بھی کافر ہوتے تو ان کو ابو طالب سے کم عذاب ہوتا لیکن ان احادیث میں ہے کہ سب سے کم عذاب ابو طالب کو ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ والدین کریمین مومن تھے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضور ﷺ کے والدین کے ایمان کی دلیل ہے کیونکہ کفر کے باوجود ابو طالب کے عذاب میں کمی یا اس کے قرب نبی کی بناء پر ہے یا اس کی پرورش اور خدمت کی بناء پر اگر حضور کے والدین العیاذ باللہ کافر ہوتے تو ابو طالب کی بہ نسبت وہ عذاب میں کمی کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ چچا کی نسبت والدین کا قرب زیادہ ہے اور اگر ابو طالب کے عذاب میں کمی پرورش اور خدمت کی وجہ سے ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہو سکتی ہے کیونکہ اولاد والدین کا جز اور حصہ ہوتی ہے اور کون سی خدمت حمل اور وضع حمل کا مقابلہ کر سکتی ہے کیا کسی پرورش کنندہ یا خدمت گذار کا حق والدین کے حق کے برابر ہو سکتا ہے جب کے حق کو رب العزت نے اپنے حق کے ساتھ شمار کر کے فرمایا ہے:

ان اشكرلي ولوالديك (۳) میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا۔

پھر ابو طالب نے جہاں برسوں خدمت کی چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، رسول اللہ ﷺ بار بار کلمہ پڑھنے کے لیے فرماتے رہے لیکن اس نے کلمہ نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا۔ جرم وہ کیا ہے جس کی مغفرت نہیں، عمر بھر معجزات دیکھے، حضور کی سیرت اور تمام احوال کو تازہ بہ تازہ دیکھتا رہا، پھر بھی حضور ﷺ کے اصرار کے باوجود ایمان نہیں لایا۔ اس کے برخلاف والدین کریمین نے نہ زمانہ نبوت پایا نہ ان کو دعوت اسلام دی گئی، نہ انھوں نے انکار کیا، ثابت ہوا کہ ہر لحاظ سے انہیں کا پلہ بھاری ہے لہٰذا اگر العیاذ باللہ والدین کریمین کافر ہوتے اور قرب اور پرورش کی وجہ سے

۱۔ البقرۃ ۲:۲۸۲ ۲۔ ابوداؤد، ص ۵۰۸ ۳۔ لقمان ۳۱:۱۴

عذاب کم ہوتا تو سب سے کم عذاب والدین کریمین کو ہوتا۔ حالانکہ یہ بات احادیث صحیحہ کے خلاف ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ سب جہنمیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا تو ثابت ہوا کہ حضور کے والدین کریمین مومن اور مسلمان تھے۔(۱)

حضرت علی المرتضیٰ کو غسل کرنے کا حکم مٹی لگنے یا دیگر ناپسندیدہ چیز لگنے کی وجہ سے تھا:

علامہ محمد بن عبدالصادی سندھی حنفی لکھتے ہیں:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کو جو غسل کرنے کا حکم دیا، وہ جسم کا مٹی آلود ہونے یا دیگر ناپسندیدہ چیزوں کے لگنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۲)

کافر کی میت کو محفوظ کرنا جائز ہے:

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر کی میت کو محفوظ کرنا جائز ہے، البتہ ہ کام اس کی اپنی اولاد کرے، اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ محفوظ کرنا اہتمام کے ساتھ، تعظیم کے لیے یا پیارہ محبت کی وجہ سے نہ ہو۔(۳)

کافر کی میت کو غسل دینا اور دفنانا جائز نہیں ہے:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان میت کے لیے غسل، دفنانا اور جنازہ ہے۔ البتہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: غیر مسلم میت کے لیے غسل اور دفنانا نہیں ہے، البتہ ان کے لیے محفوظ کرنا یا دبانا ہے۔(۴)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ کافر و مشرک کو محفوظ کرنے کے بعد غسل کرنا واجب ہے۔

☆ جناب ابوطالب کی وفات ہجرت کے تین سال بعد ہوئی۔

☆ جمہور علماء کے نزدیک کافر و مشرک کو محفوظ کرنے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔

☆ اہل تشیع اور بعض اہل سنت کے نزدیک جناب ابوطالب کا ایمان ثابت ہے۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا ایمان ثابت ہے۔

☆ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے، اگرچہ وہ کافر ہوں۔

☆ کافر و مشرک کی میت کو محفوظ کرنا جائز ہے، البتہ یہ کام اس کے وارث کریں۔

☆ حضرت علی المرتضیٰ اعلیٰ و اضع شان کے مالک تھے، کہ ان پر باپ کی نسبی محبت کی بجائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمانی محبت کا غلبہ تھا۔

۱۔ شمول الاسلام، ص ۸۔۶ ۲۔ حاشیہ سندھی، ج ۱، ص ۵۱

۳۔ زہر الربیٰ، ج ۱، ص ۵۱ ۴۔ المجموع شرح المہذب، ج ۵، ص ۱۵۳

☆ جناب ابو طالب کے عذاب میں تخفیف اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے ہوئی۔

☆ جناب ابو طالب کی ابولہب اور ابوجہل کی طرح مذمت نہ کی جائے۔

باب۱۲۹: وُجُوبِ الْغُسْلِ اِذَا الْتَقَی الْخِتَانَانِ

مرد و عورت کی شرمگاہیں ملنے سے غسل کا واجب ہونا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مرد اور عورت کی شرمگاہیں مل جائیں، تو غسل واجب ہو جاتا ہے، باب کے عنوان میں مرد کے ختنہ کے ساتھ ساتھ عورت کے مختونہ ہونے کا بھی ذکر ہے، یہ اس لیے کہ عربوں میں عورتوں کے ختنے کا بھی رواج تھا، مرد کا ختنہ یہ ہے کہ آلہ تناسل کے حشفہ پر جو زائد کھال ہے، اسے کاٹ دیا جائے، عورت کا ختنہ یہ ہے کہ اس کی فرج کے اوپر کی باریک کھال کاٹ دی جائے۔ امام نسائی نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔ پچھلے باب میں مشرک کی لاش دبانے پر غسل کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں مرد و عورت کی شرمگاہیں ملنے کی صورت میں غسل کے واجب ہونے کا بیان ہے۔

۱۹۱۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰی قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْحَسَنَ یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِذَا جَلَسَ بَیْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ اجْتَهَدَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ"

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ کر اسے تھکا دے، تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

۱۔ مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے:

مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ کر اسی صورت تھکائے گا، جب دونوں کی شرمگاہوں ملیں گے، اسی پر غسل واجب ہوگا۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۲۹۱، مسلم: ۸۷، ابو داؤد: ۲۱۶، ابن ماجہ: ۶۱۰، احمد: ۶۶۸۲، السنن الکبری: ۱۹۷، شرح السنۃ: ۲۴۱، ابن حبان: ۱۱۸۲، دارقطنی، ج ۲، ص ۱۱۳، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۱۶۳

۳۔ تعارف رجال: اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کے حالات گذر چکے ہیں، حضرت ابو رافع کے حالات درج کیے جاتے ہیں، اور حضرت حسن بصری کے حالات دوبارہ تفصیلی لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع: ۵ ۲۔ خالد: راجع: ۴۷ ۳۔ شعبۃ: راجع: ۲۶ ۴۔ قتادۃ: راجع: ۳۴

۵۔ الحسن:

نام ونسب:

حسن نام، ابو سعید کنیت، والد کا نام یسار تھا، علمی حالات کے لحاظ سے سرخیل علماء اور اخلاقی و روحانی فضائل کے اعتبار سے سرتاج اولیا

تھے۔

ان کے والدین غلام تھے' ان کی غلامی کے بارے میں مختلف بیانات ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ ان کے والد میسان کے قیدیوں میں تھے' انس بن مالک کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بنی نجار یعنی ایک انصاری کی غلامی میں تھے' انہوں نے بیوی کے مہر میں بنی سلمہ کو دے دیا تھا' بنی سلمہ نے ان کو آزاد کر دیا' تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے غلام تھے' اور ان کی ماں ام المومنین حضرت سلمہ کی لونڈی تھیں' ان اختلافات سے قطع نظر کر کے اتنا مسلم ہے کہ یسار اور ان کی بیوی لونڈی غلام تھے اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت:

حسن بصری آخری عہد فاروقی میں جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دو سال باقی رہ گئے تھے یعنی ۲۲ھ میں پیدا ہوئے' ام المومنین ام سلمہ کی غلامی کی نسبت سے ان کو وہ شرف میسر ہوا جو کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آیا ہوگا' ان کی ماں لونڈی تھیں' اس لیے اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں' جب وہ حسن بصری کو چھوڑ کر کسی کام میں لگ جاتیں اور وہ زیادہ رونے لگ جاتے' تو حضرت ام سلمہ ان کو بہلانے کے لیے چھاتی منہ میں دے دیتیں' پھر ان کی ماں لوٹ کر دودھ پلاتیں' اس طرح ان کو ام المومنین کی رضاعت کا شرف حاصل ہوا۔

حسن بصری حضرت ام سلمہ کے سایہ شفقت میں پلے تھے' ان کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی ان کی آمد و رفت رہتی تھی' ان کا خود بیان ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت تک جب کہ ان کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی وہ بہ تکلف ازواج مطہرات کے گھروں میں آتے جاتے تھے۔ (۱)

علمی کمالات:

حسن بصری ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جب کہ صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی اور ایسے مقام پر ان کی نشو و نما ہوئی تھی جہاں کی گلی گلی علوم نبوی ﷺ کا مخزن تھی' پھر انہیں صحبت ایسے بزرگوں کی میسر آئی جو تعلیمات اسلامی کا زندہ نمونہ اور اخلاق نبوی ﷺ کی مجسم تصویر تھے۔ اس لیے ان کا دامن علم و عمل' فضل و کمال اور زہد و ورع جملہ اخلاقی اور روحانی فضائل سے مالا مال ہو گیا۔

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

كان الحسن جامعاً عالماً عالياً رفيعاً فقيهاً، ماموناً، عابداً، ناسكاً، كبير العلم فصيحا جميلا وسفياً۔ (۲)

''حسن بصری جامع کمالات تھے' عالم تھے' بلند مرتبت رفیع المنزلت تھے' فقیہ تھے' مامون تھے' عابد و زاہد تھے' وسیع العلم تھے' فصیح و بلیغ تھے' اور حسین و جمیل تھے''

غرض وہ جملہ نعمتوں سے مالا مال تھے' حافظ ذہبی لکھتے ہیں: حافظ' علامة من بحور العلم' فقيه النفس' كبير الشان' عديم النظير' مليح لتذكير' بليغ الموعظة' راس فى انواع الخير (۳)' علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مشہور عالم تھے' ان کی جلالت شان پر سب اتفاق ہے۔ (۴)

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲ ۲۔ ایضاً ص ۱۱۵ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۶۲ ۴۔ تہذیب الاسماء ج ۱، ص ۱۶۱

اکابر علماء کی رائے:

اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال کا ان کی جلالت شان پر اتفاق ہے۔ امام شعبی کہتے تھے کہ میں نے اس ملک (عراق) کے کسی شخص کو بھی ان سے افضل نہیں پایا۔ قتادہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ اس شخص (حسن بصری) کا دامن پکڑو میں نے رائے میں اس سے زیادہ کسی شخص کو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے مشابہ نہیں دیکھا' اعمش کہتے تھے کہ حسن حکمت کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کو بولتے تھے' امام باقر فرماتے تھے کہ ان کی باتیں انبیاء کی باتوں کے مشابہ ہیں' غالب القطان کہتے تھے کہ اس عہد کے علماء پر حسن کو ایسی فضیلت حاصل تھی جیسے طیور میں باز کو گوریوں پر ہوتی ہے' جو شخص اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھنا چاہے اسے حسن کو دیکھنا چاہیے۔ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ مجھے اہل بصرہ پر حسن اور محمد دو شخصوں کی وجہ سے رشک ہے' یونس بن عبید اللہ اور حمید الطویل کہتے تھے کہ میں نے بہت سے فقہاء کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ کسی کو کامل المروۃ نہیں پایا' عطاء بن ابی رباح لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص (حسن) کی طرف مسائل میں رجوع کیا کرو وہ بہت بڑے عالم' امام اور مقتداء ہیں' امام مالک فرماتے تھے کہ تم لوگ حسن بصری سے مسائل پوچھا کرو کیونکہ انہوں نے محفوظ رکھا اور ہم نے بھلا دیا' بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر حسن نے سن شعور میں عہد صحابہ پایا ہوتا تو یہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج نہ ہوتے۔ (۱)

اگرچہ حسن بصری جامع العلوم تھے' لیکن ان کی زندگی زیادہ تر زہد و تقوی اور عبادت اور روحانی مشاغل میں بسر ہوتی تھی' اس لیے ان کے روحانی مرتبہ کے مقابلہ میں ان کے علم کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں' تاہم جتنے حالات ملتے ہیں وہ سرسری اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں' ان کو تفسیر فقہ اور حدیث جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی۔

تفسیر:

مفسر کی حیثیت سے انہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی' لیکن تفسیر کی تعلیم انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی' بارہ برس کے سن میں وہ حافظ قرآن ہو گئے تھے۔ ابوبکر الہزلی کا بیان ہے کہ جب تک وہ ایک سورۃ کی تفسیر و تاویل اور شان نزول وغیرہ سے پوری واقفیت نہ حاصل کر لیتے تھے' اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے' (۲) اس محنت نے ان کو قرآن کا بڑا عالم بنا دیا تھا اور وہ تفسیر کا درس دیتے تھے۔ (۳)

حدیث:

حدیث میں ان کا جو درجہ ہے اس کا اندازہ حافظ ذہبی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے کہ وہ علامہ اور علم کے سمندروں میں تھے۔ (۴)

حدیث میں انہوں نے ان بزرگوں سے فیض پایا جن میں سے اکثر اس فن کے اساطین اور رکن اعظم تھے' چنانچہ صحابہ میں حضرت عثمان' حضرت علی' ابوموسیٰ اشعری' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس' عبداللہ بن عمرو بن العاص' انس بن مالک' جابر بن معاویہ' معقل بن یسار' ابی بکرہ' عمران بن حصین اور جندب بجلی رضی اللہ عنہم سے براہ راست استفادہ کیا تھا اور عمر بن الخطاب' ابن کعب' سعد بن عبادہ' عمار بن یاسر' ثوبان' عثمان بن ابی العاص اور معقل بن سنان رضی اللہ عنہم سے بواسطہ مستفید ہوئے' صحابہ کے علاوہ اکابر تابعین کی ایک بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔ (۵)

شائقین حدیث کا مرجوعہ:

جہاں تک ان کے حالات کا پتہ چلتا ہے' غالباً ان کا کوئی خاص حلقہ درس نہ تھا اور وہ اس سلسلہ کو اپنے لیے پسند نہ کرتے تھے اور حدیث

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، تذکرہ حسن بصری ۲۔ شذرات الذہب جلد اول ص ۱۳۷ ۳۔ تہذیب التہذیب تذکرہ جابر بن زید
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۶۲ ۵۔ تہذیب التہذیب، ج ۲ ص ۲۶۴

بہ درجہ مجبوری بیان کرتے تھے' چنانچہ فرماتے تھے کہ ''اگر خدا نے اہل علم سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تم لوگوں کے سب سوالات میں حدیث نہ بیان کرتا''۔(۱)

لیکن ان کی شخصیت ایسی تھی کہ لوگ ان کا دامن نہ چھوڑتے تھے' اکثر شائقین علم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے' اور جہاں وہ جاتے تھے خلق اللہ کا مرجع بن جاتے تھے۔ مکہ تک میں جو مدینہ کے بعد علم کا دوسرا مرکز تھا' لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا اہل مکہ آپ کو تخت پر بٹھا کر حدیثیں سنتے تھے' اور مجاہد' عطاء اور طاؤس جیسے اکابر علماء سننے والوں میں ہوتے تھے اور ان کی زبان پر کلمہ ہوتا تھا کہ ہم نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا۔(۲)

روایت بالمعنی:

احادیث کو بالفاظہا روایت کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے' صرف معنی اور مطلب کے ادا ہو جانے کو کافی سمجھتے تھے عموماً ان کی روایت بالمعنی ہوتی تھیں۔(۳) بعض الفاظ میں اختلاف اور کمی بیشی ہو جاتی تھی لیکن معنی ایک ہی رہتے تھے۔(۴)

فقہ:

فقہ کے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے' قتادہ کا بیان ہے کہ حسن حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم تھے۔(۵) ایوب کا بیان ہے کہ حسن سے بڑا فقیہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا ربیع بن انس کا بیان ہے کہ میں کامل دس سال تک حسن کے پاس آتا جاتا رہا اور ان سے ہمیشہ نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے۔(۶)

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حدیث وفقہ میں بعض کتابیں بھی لکھی تھیں۔

رائے اور قیاس:

اس تفقہ کے لیے مجتہدانہ نظر ضروری تھی' چنانچہ جن مسائل میں روایتی سند نہ ہوتی تھی اس میں رائے اور قیاس سے اجتہاد کرتے تھے' ایک مرتبہ ابوسلمہ بن عبدالرحمان نے پوچھا کہ آپ جن جن مسائل میں لوگوں کو فتویٰ دیتے ہیں کیا ان سب میں آپ کے پاس سماعی سند ہوتی تھی۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم سب میں سماعی سند نہیں ہوتی لیکن ہماری رائے سائلوں کی رائے سے ان کیلیے بہتر ہوتی ہے۔(۷)

ان کی رائے اصابت وصحت میں اصحاب رائے صحابہ کے برابر ہوتی تھی' قتادہ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے' اور کہتے تھے' خدا کی قسم میں نے ان کی رائے سے زیادہ کسی کی رائے کو عمر بن الخطاب کی رائے کے مشابہ نہیں دیکھا (۸) بعض ارباب علم تو یہاں تک ان کی اصابت رائے اور دقت نظر کے معترف تھے اور کہتے تھے کہ اگر حسن سن شعور میں عہد صحابہ میں ہوتے تو وہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوتے۔(۹)

حقیقی عالم:

آپ کے نزدیک تنہا بار علم سے کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق نہ ہوتا تھا' بلکہ اس کے لیے بہت سی شرائط تھیں۔ ایک مرتبہ مطر الوراق نے آپ سے مسئلہ پوچھا اور عرض کیا' فقہاء آپ کی مخالفت کرتے ہیں' فرمایا تیری ماں تجھ کو روئے' تو نے فقیہ دیکھا بھی ہے اور جانتا بھی ہے کہ فقیہ کسے

۱۔ابن سعد، ج ۷، ص ۱۱۵ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد ج ۷، ص ۱۱۵ ۴۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۱۵ ۵۔ ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۱۸
۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۲۶۵ ۷۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۰ ۸۔ ایضاً ۹۔ ابن سعد، تذکرہ حسن بصری

کہتے ہیں۔ فقیہ وہ ہے جو زاہد و متورع ہو، اپنے سے بلند مرتبہ کی پرواہ نہ کرتا ہو اور اپنے سے کم رتبہ والے کا مذاق نہ اڑاتا ہو، اور خدا نے اس کو جو کچھ علم عطا کیا ہے اس سے قلیل دنیاوی منفعت نہ حاصل کرتا ہو۔(۱)

علم باطن:

گو حسن بصری علوم ظاہر میں بھی شیخ الاسلام کا درجہ رکھتے تھے، لیکن یہ علوم ان کے لیے سرمایہ فخر و امتیاز نہ تھے، ان کا اصل اور حقیقی مقام عرفان و حقیقت کا کنگرہ تھا۔ ان کی ذات تصوف کا منبع اور علم باطن کا سرچشمہ تھی، تصوف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں۔ چنانچہ تصوف کے اکثر بڑے بڑے سلاسل آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتے ہیں، اس طرح گویا آپ ہی کے واسطہ سے دنیا میں یہ دریائے نور رواں ہوا۔

اگرچہ محدثین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کا استفادہ روحانی ثابت نہیں ہے لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب یقینی منسوب ہیں، محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے، لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تسلی بخش بحث کے ذریعہ سے اہل تصوف کی تائید کی ہے، ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نے حضرت علی سے فیض پایا۔(۲)

سلف سے لے کر خلف تک تمام اکابر صوفیہ حضرت حسن بصری کو اس سلسلہ نورانی کا سرچشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں، ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں، صوفیہ کے تذکروں میں ان کا نام سرفہرست ہوتا ہے، ان کے اقوال تعلیم تصوف کا نصاب مانے جاتے ہیں۔

شیخ فرید الدین ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں: "آن پروردہ نعمت، آن خوکردہ فتوت، آن کعبہ علم و عمل آن خلاصہ ورع و حلم آں بردہ بصاحت صدری صدر سنت حسن بصری مناقب او بسیار است و محامد او بے شمار۔(۳)

شیخ علی بن عثمان ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ (ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے ۴۵۶ھ سے لے کر ۴۶۵ھ تک کسی سنہ میں وفات پائی) اپنی کتاب کشف المحجوب میں فارسی میں تصوف کی سب سے قدیم کتاب ہے لکھتے ہیں: "امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بن ابی الحسن بصری دے را قدرے و خطرے بزرگ است نزدیک اہل طریقت الاشارہ بودہ است اندر علم و معاملت۔(۴)

شیخ ابو نصر سراج المتوفی ۳۷۸ھ اور شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ اکابر صوفیہ نے اپنی کتابوں میں کتاب اللمع اور عوارف المعارف میں حسن بصری کے اقوال سے استناد کیا ہے۔(۵)

بعض اقوال اور کلمات طیبات:

بے کار اور بے فائدہ باتیں بہت کم کرتے تھے، ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ حکمت اور موعظت کے موتی ہوتے تھے۔(۶) ان کے حکیمانہ اقوال معنویت اور بلاغت ادا کے اعتبار سے پند موعظت اور علم و حکمت کا دفتر ہیں جن سے بہت سے اخلاقی اور روحانی اسرار و حکم پر روشنی پڑتی ہے

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۹ ۲۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، ص ۱۳ و ص ۱۸ ۳۔ تذکرۃ الاولیاء عطار، ج ۱، ص ۳۲۴

۴۔ کشف المحجوب، ص ۷۷۔۷۸ ۵۔ کتاب اللمع، ص ۵۱۔۵۶۔۶۰۔۲۶۴۔۴۴۲۔۴۹۰۔۶۲۳، عوارف المعارف، ص ۳۵۶ ۶۔ ایضاً ۱۳۷

ان میں سے بعض اقوال یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) فرماتے تھے جو وسوسے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں اور نکل جاتے وہ شیطان کی جانب سے ہیں ان کے ازالہ میں ذکر خدا اور تلاوت قرآن سے مدد لی جائے اور جو پیدا ہو کر قائم ہو جاتے ہیں وہ نفس کی جانب سے ہیں ان کے دور کرنے میں نماز روزہ اور ریاضت سے مدد لینی چاہیے۔

(۲) خدا جس بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کو اہل وعیال کی بندشوں میں نہیں پھنساتا ہے۔

(۳) متواضع ہونے کی یہ شرط ہے کہ گھر سے باہر کسی سے بھی ملے تو اس کو اپنے سے افضل اور برتر سمجھے۔

(۴) جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قرابت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۵) ایک شخص نے آپ سے اپنے قلب کی شکایت کی' فرمایا اس کو ذکر وفکر کے مقامات میں لے جایا کرو۔

(۶) مردہ کے لیے سب سے برے خود اس کے گھر والے ہوتے ہیں کہ اس پر روتے ہیں' حالانکہ اس کے مقابلہ میں ان کے قرض کا ادا کرنا اس پر آسان نہیں ہوتا۔

(۷) ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو۔

(۸) طمع عالم کو رسوا کر دیتا ہے۔

(۹) انسان کا علانیہ اپنے نفس کی مذمت کرنا درحقیقت اس کی مدح ہے۔

(۱۰) اپنے بھائیوں کی عزت کرو تو ہمیشہ ان کے ساتھ تمہاری دوستی رہے گی۔

(۱۱) اگر اپنی موت کی رفتار پر ابن آدم کی نظر ہوتی تو وہ اپنے فریب امید کا دشمن ہو جاتا۔

(۱۲) جو شخص عاجزی کے لیے خدا کے سامنے صوف پہنتا ہے تو خدا اس کی نگاہ اور قلب کا نور بڑھاتا ہے' اور جو پندار کے لئے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۱۳) کاش میں کوئی ایسا کھانا کھا لیتا جو میرے پیٹ میں اینٹ بن جاتا کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اینٹ پانی میں تین سو برس تک باقی رہتی ہے۔

(۱۴) ایک مرتبہ تذکرہ ہو رہا تھا کہ فقیہ ایسا ایسا کہتے ہیں' فرمایا تم لوگوں نے فقیہ دیکھا بھی ہے فقیہ وہ ہوتا ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو دین میں بصیرت رکھتا ہو خدا عزوجل کی عبادت پر مداومت کرتا ہو۔

(۱۵) خدا کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال وزر کو عزت دی خدا نے اس کو ذلیل کیا۔

(۱۶) عقلمند کی زبان قلب کے پیچھے ہے جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو قلب کی طرف رجوع کرتا ہے' جو زبان پر آتا ہے بک جاتا ہے۔

(۱۷) دنیا درحقیقت تمہاری سواری ہے' اگر تم اس پر سوار ہو گے تو وہ تم کو اپنے اوپر اٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی۔

(۱۸) جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو تو پہلے اس پر نظر کرو اگر وہ خدا کا مطیع ہے تو اس سے بچو' کیونکہ خدا اس کو بھی تمہارے قبضہ میں نہ دے گا اور تمہارے لیے اس کو تنہا نہ چھوڑے گا' اور اگر وہ خدا کا نافرمان ہے تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں اپنے نفس کو خواہ مخواہ اس کی عداوت

میں پریشان نہ کرو۔

(۱۹) جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے اس سے دوستی تم پر ضروری ہے' کیونکہ جو شخص صالح آدمی کو دوست رکھتا ہے' وہ گویا خدا کو دوست رکھتا ہے۔

(۲۰) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے یعنی پھر ایسی چیز کیوں نہ چاہی جائے' جس سے دونوں چیزیں مل جائیں۔

(۲۱) اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا کے سپرد کر دو اور ہر مسلمان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔

(۲۲) محبت کا متوالا ہمیشہ مست و بےخود رہتا ہے' اسے صرف محبوب کا مشاہدہ جمال ہوشیار کرتا ہے۔(۱)

وفات:

بعض خاصان حق کو دنیا چھوڑنے سے پیشتر وصل محبوب کے اشارات مل جاتے ہیں' خود قرآن نے وفات نبوی ﷺ کا اشارہ کر دیا تھا' بعض آدمیوں کو عالم رویا میں حسن بصری کی وفات کا بھی اشارہ مل گیا تھا' (۲) چنانچہ ان کی وفات سے چند دنوں پیشتر ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک طائر نے مسجد کی سب سے خوبصورت کنکری اٹھالی مشہور معبر ابن سیرین نے اس کی یہ تعبیر دی کہ حسن کا انتقال ہو جائے گا۔(۳)

اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد حسن بصری مرض الموت میں مبتلا ہوئے' دوران علالت فرماتے تھے'' کاش انسان نے اپنی صحت و تندرستی کے زمانہ میں بیماری کے دن کیلیے کچھ رکھ چھوڑا ہوتا' وقت آخر اپنے صاحبزادے کو اپنی کتابیں اکٹھا کرنے کا حکم دیا انہوں نے حکم کی تعمیل میں اس کے بعد خادم کو تنور جلانے کا حکم دیا' اس نے جلایا اور چشم زدن میں علوم وفنون کا سارا دفتر جل کر خاکستر ہو گیا۔ ب اس کا وقت آ گیا تھا۔

صد کتاب وصد ورق در نار کن جان دارا جانب دلدار کن

صرف ایک کتاب باقی رہنے دی۔ ممکن ہے یہ قرآن کے متعلقات میں رہی ہو جس کو احتراماً چھوڑ دیا ہو۔

دم آخر کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

ان تیاریوں سے فراغت کے بعد ۱۱۰ھ میں شب جمعہ کو سفر آخرت کیا' محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا۔(۴)

دوسرے دن بعد نماز جمعہ'' عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا ساری خلقت جنازہ پر ٹوٹ پڑی شہر اتنا خالی ہو گیا کہ اس دن جامع بصرہ میں کوئی عصر کی نماز پڑھنے والا نہ تھا'' (۵)

حلیہ:

حضرت حسن بصری جمال معنوی کے ساتھ حسن ظاہری سے بھی آراستہ تھے' صورۃ نہایت حسین جمیل تھے (۶) اس حسن کے ساتھ خدا نے وجاہت اور رعب بھی عطا فرمایا تھا' جس مجمع میں بیٹھتے تھے سب میں ممتاز نظر آتے تھے عاصم کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ بصرہ جاتے وقت

۱۔ صفوۃ الصفوۃ، ص ۱۴۴۔۱۴۶ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۲۷ ۳۔ ایضاً، ص ۱۲۹ ۴۔ ایضاً ۱۲۹

۵۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۲۸ ۶۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۱۱۵

امام شعبی سے پوچھا کہ بصرہ میں آپ کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟ شعبی نے کہا حسن کو میرا اسلام پہنچا دینا' عاصم نے کہا میں ان کو پہچانتا نہیں ہوں شعبی نے یہ نشان بتایا کہ بصرہ میں داخل ہونے کے بعد تم کو جو سب سے زیادہ حسین شخص نظر آئے اور تمہارے دل پر جس کا سب سے زیادہ رعب پڑے اسی کو سلام پہنچانا' اس نشان پر شعبی نے سلام پہنچایا جو ٹھیک حسن بصری کو پہنچا۔(۱)

لباس:

اس حسن ظاہری کے ساتھ بڑے خوش لباس اور جامہ زیب تھے چنانچہ ظاہری وضع وقطع میں زیادہ تقشف کو پسند نہ کرتے بلکہ اس کو جامہ ریا سمجھتے تھے اسی لیے نہایت بیش قیمت اور خوبصورت کپڑے استعمال کرتے تھے۔ مشہور مقامات کے عمدہ کپڑے منگواتے تھے' شطاء کا کتان' یمن کی چادر اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے' لباس میں جبہ، رداء اور عمامہ پورے کپڑے ہوتے تھے' بغیر عمامہ کے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔(۲)

۶۔ابورافع:

آپ کا نام ابورافع نفیع الصائغ مدنی ہے، آپ بصرہ رہائش پذیر ہو گئے تھے' آپ نام کی بجائے ابورافع کنیت سے مشہور ہیں۔ آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ، ثابت تابعی راوی ہیں' آپ کبار تابعین میں سے ہیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے آپ کو صحابہ میں شمار کیا ہے، آئمہ کرام آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں (۳)

۷۔ابوہریرۃ: راجع:۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے، اور آئمہ خمسہ (ترمذی کے علاوہ) نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ انتالیسویں (۳۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔ البتہ شیخ نسائی محمد بن عبدالاعلی سے امام بخاری نے روایت نہیں کی۔

☆ سند کے پہلے پانچ راوی بصری، حضرت ابورافع مدنی بصری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدنی ہیں

☆ سند میں تین تابعین کرام (قتادہ۔حسن۔ابورافع) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت حسن بصری گروہ تابعین وصوفیاء کے سرخیل ہیں۔

☆ حضرت ابوہریرہ رواۃ صحابہ کے سرخیل ہیں، آپ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سب سے روایت کرنے والے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمعت ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔تہذیب التہذیب، ج ۲، ص ۲۶۴ ۲۔ابن سعد، ج ۷، تذکرہ حسن بصری

۳۔i۔طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۲ ii۔الثقات، ج ۷، ص ۵۳۹

۶۔لغات:

جلس: وہ ایک مرد بیٹھا — شعبہا الاربع: عورت کی چار شاخیں (مراد دو ہاتھ اور دو ٹانگیں)

اجتہد: انتہائی کوشش یہ جماع سے کنایہ ہے — وجب: اس پر واجب ہوا — الغسل: غسل

۱۹۲۔اَخْبَرَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ يَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحَاقَ الْجُوْزَجَانِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ يُوْنُسَ قَالَ حَدَّثَنَا اَشْعَثُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِذَا قَعَدَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْاَرْبَعِ ثُمَّ اجْتَهَدَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ۔"

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ کر اسے تھکا دے، تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

۱۔مطابقت: راجع:۱۹۱

۲۔اطراف: ایضاً

امام نسائی فرماتے ہیں: یہ سند غلط ہے، صحیح سند اشعث، عن الحسن، طرح نقل کیا ہے، جس طرح حضرت خالد نے کیا ہے۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت عبداللہ بن یوسف تینسی کے حالات لکھے جاتے ہیں، البتہ علامہ ابن سیرین کے حالات تفصیلی لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ابراہیم بن یعقوب:

راجع:۱۷۴

۲۔عبداللہ بن یوسف:

آپ کا نام ابو محمد عبداللہ بن یوسف کلا عیتینسی مصری (م:۲۱۸ھ) ہے، آپ کا اصل وطن دمشق تھا، بعد میں مقام تینس رہائش پذیر ہو گئے تھے۔آپ رواۃ کے دسویں طبقہ کبار سے ثقہ۔ثابت راوی ہیں، اہل علم کا آپ کی ثقاہت وعدالت پر اتفاق ہے۔امام ابن معین اور ابو حاتم فرماتے ہیں: موطا کے راویوں میں آپ اوثق ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: موطا کے راویوں میں آپ اثبت الناس ہیں۔امام بخاری، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۳۔عیسیٰ بن یونس: راجع:۸ — ۴۔اشعث بن عبدالملک: راجع:۳۶

۱۔i۔تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۸۶۔۸۸ — ii۔الکامل (ابن عدی)، ج ۴، ص ۲۰۵

۵۔ابن سیرین:

نام ونسب:

محمد نام ابوبکر کنیت' والد کا نام سیرین تھا۔ سیرین جرجایا (عراق) کے باشندے تھے اور ٹھیرے کا کام کرتے تھے۔ عین التمر میں ان کی دوکان تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عین التمر کے معرکہ میں اور عجمیوں کے ساتھ سیرین بھی گرفتار ہوئے اور کسی مجاہد کے حصہ میں پڑے۔ بعد میں وہ انس بن مالک کی غلامی میں تھے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید وہ ان ہی کے حصہ میں پڑے ہوں گے۔ یا انہوں نے کسی مجاہد سے خریدا ہوگا۔ بہر حال وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی غلامی میں تھے۔ سیرین بڑے صناع تھے۔ کافی کماتے تھے۔ اس لیے انس نے بیس یا چالیس ہزار لے کر انہیں کچھ عرصہ کے بعد آزاد کر دیا۔(۱)

ان کی بیوی صفیہ حضرت ابوبکر کی لونڈی تھیں۔ اور لونڈی تھیں جن کی ذات آزاد عورتوں کے لیے قابل رشک ہے۔ ان کے نکاح میں تین امہات المومنین نے ان کو سنوارا تھا اور اٹھارہ بدری صحابہ شریک نکاح تھے اور ان کے لیے دعائے خیر کی تھی۔(۲)

پیدائش:

ان دونوں کی شخصیت سے مل کر محمد بن سیرین کی ذات وجود میں آئی۔ وہ ۳۳ھ میں تولد ہوئے (۳)

فضل وکمال:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ذات وہ تھی جن کے معمولی تربیت یافتہ علم وعمل کے وارث ہوئے۔ ابن سیرین نے انہی کے دامن علم میں تربیت پائی تھی۔ اور مدتوں ان کے ساتھ رہے تھے' انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ اکابر صحابہ میں انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زیادہ صحبت اٹھائی تھی اور ان کے اصحاب میں ان کا شمار تھا۔(۴) تابعین میں وہ مدتوں سرتاج تابعین حضرت حسن بصری کی صحبت میں رہے۔(۵)

ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابن سیرین کو پیکر علم وعمل بنا دیا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة مامونا عالیا رفیعا اماما کثیر العلم ورعا'' (۶) حافظ ذہبی لکھتے ہیں'' کان فقیها اماما عزیز العلم ثقة ثبتا علامة التفسیر راسا فی الورع''۔(۷)

تفسیر:

انہیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ تفسیر' حدیث' فقہ اور تعبیر رؤیا وغیرہ فنون میں امام تھے۔(۸)

حدیث:

ابن سیرین حضرت انس کے تربیت یافتہ' ابو ہریرۃ کے شاگرد اور حسن بصری کے ہم جلیس تھے۔ جن میں سے ہر ایک حدیث کا رکن اعظم تھا۔ ان تینوں بزرگوں کے علاوہ انہوں نے اس فن شریف میں صحابہ میں زید بن ثابت' حذیفہ بن یمان' ابن عمر، ابن عباس، حسن بن علی، جندب بن عبداللہ بجلی، رافع بن خدیج، سلیمان بن عامر، سمرہ بن جندب، عثمان بن ابی العاص، عمران بن حصین، کعب بن عجرہ، معاویہ، ابوداؤد، ابوسعید خدری،

۱۔ابن خلکان ج۴،ص۴۵۳ ۲۔ابن سعد، ج۷،ص۱۴۰ ۳۔ایضاً ۴۔تہذیب التہذیب، ج۹،ص۲۱۵

۵۔ابن خلکان، ج۱،ص۴۵۱ ۶۔ابن سعد ج۷، ق۱ص۱۴۰ ۷۔تذکرہ الحفاظ، ج۱،ص۶۷ ۸۔تہذیب الاسماء، ج۱،ص۸۲

ابوقتادہ انصاری، ابوبکرہ ثقفی، ام المومنین عائشہ صدیقہ، اور غیر صحابہ علما میں عکرمہ، شریح، حمید بن عبدالرحمن حمیری، عبداللہ بن شقیق، عبدالرحمن بن ابی بکرہ، قیس بن عباد، مسلم بن یسار، یونس بن جبیر، عمرو بن وہب، یحییٰ بن اسحاق حضرمی، خالد الحذاء وغیرہ ایک بڑی جماعت سے روایتیں کی ہیں۔(۱)

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو علم حدیث کا دریا بنا دیا تھا۔ ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی، ابن حجر انہیں امام الحدیث لکھتے تھے۔

احتیاط:

اس وسعت علم کے باوجود وہ بڑے محتاط تھے۔ اور سماع اور روایت دونوں میں انتہائی حتیاط برتتے تھے۔ معمولی درجہ کے اشخاص سے تحصیل علم اور اخذ حدیث خلاف احتیاط سمجھتے تھے' چنانچہ فرماتے تھے کہ علم دین ہے۔ اس لیے ان کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب اچھی طرح سے پرکھ لو جس سے اس کو حاصل کرنا ہے۔(۲)

روایت میں اتنے محتاط تھے کہ احادیث کو بالفاظہا روایت کرتے تھے۔ تنہا معنی بیان کرنا کافی نہ سمجھتے تھے۔(۳) حدیث اس احتیاط سے بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز صاف کر رہے ہیں' یا کسی چیز کا خوف ہے۔(۴) انتہائی احتیاط کی بنا پر حدیثوں کو قلم بند کرنا پسند نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ کتاب سے بچو' تمہارے اگلے لوگ کتابوں ہی سے سرگرداں اور گمراہ ہوئے۔ اگر میں کسی چیز کو کتاب بناتا تو رسول اللہ ﷺ کے خطوط کو بناتا لیکن حدیثوں کو حفظ کرنے کے لیے اس شرط پر ان کا قلمبند کرنا جائز سمجھتے تھے کہ حفظ کرنے کے بعد وہ مٹادی جائیں۔(۵) روایت اور کتابت حدیث کے سلسلہ میں ایک باریک نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر کسی بات کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی باتیں مواخذہ کے لیے قلم بند کی جاتی ہیں' تو وہ گفتگو کم کر دے۔(۶) اس کا مقصد یہ ہے کہ جب معمولی باتوں میں باتیں کرنے والے مواخذہ کے خوف سے احتیاط کرنے لگتے ہیں تو حدیثوں کی کتابت میں تو بدرجہ اولیٰ احتیاط کرنی چاہیے کہ اس کی بھول چوک میں زیادہ مواخذہ ہے' اور کتاب کی بھول چوک کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔

ان کی مرویات کا پایہ:

اس احتیاط کی بناء پر ارباب فن کے نزدیک وہ بڑے صادق القول اور ان کی روایات نہایت معتبر مانی جاتی تھیں۔ ہشام بن ثابت کہتے تھے کہ میں نے انسانوں میں سب سے زیادہ سچا ابن سیرین کو پایا۔(۷) بڑے بڑے ائمہ حدیث شائقین علم کو ان کا دامن پکڑنے کی ہدایت کرتے تھے' شعیب بن حجاب کا بیان ہے کہ شعبی ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ ابن سیرین کا دامن پکڑو۔(۸)

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ بعضوں کے نام یہ ہیں، امام شعبی، ثابت، خالد الحذاء، داؤد بن ابی ہند، ابن عون، جریر بن حازم، ایوب، عاصم، الاحوال، قتادہ، سلیمان التیمی، مالک بن دینار، امام اوزاعی، قرہ بن خالد، ہشام بن حسان اور ابو ہلال راسبی وغیرہ۔(۹)

فقہ:

فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ وہ بالاتفاق اپنے عہد کے اکابر فقہاء میں تھے، ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی اور ابن حجر وغیرہ تمام

۱۔ تہذیب التہذیب، ج۹، ص۲۱۴ ۲۔ ابن سعد، ج۷، ص۱۴۱ ۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً ص۱۴ ۶۔ ایضاً ص۱۴

۷۔ ابن سعد، ج۷، ص۱۴۳ ۸۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ص۶۸ ۹۔ تہذیب التہذیب، ج۹، ص۲۱۴

ائمہ فقہ میں ان کی امامت کے معترف ہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ابن سیرین فقیہ فاضل اور متقن تھے۔(۱)

مہارت قضاء اور اس سے گریز:

فقہی کمال کی بناء پر انہیں قضا میں بڑی مہارت تھی۔ عثمان البتی کا بیان ہے کہ اس علاقہ میں ابن سیرین سے زیادہ قضا کا عالم کوئی نہ تھا۔(۲) ان کی مہارت قضا کی وجہ سے ان کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا گیا۔ یہ اس خوف سے شام بھاگ گئے پھر عرصہ کے بعد وہاں سے مدینہ واپس آئے (۳)

فتاویٰ میں احتیاط:

مسائل اور فتاویٰ کے جواب میں اتنے محتاط تھے کہ جواب دیتے وقت شدت اختیار یا خوف سے گھبرا جاتے اور ان کی حالت بدل جاتی، اشعث کا بیان ہے کہ ہم لوگ ابن سیرین کے پاس بیٹھتے تھے تو وہ باتیں بھی کرتے تھے، ہنستے بھی تھے۔ حالات بھی پوچھتے تھے لیکن جہاں ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ یا حرام وحلال کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ ہنس بول رہے تھے۔(۴) ابن عون کا بیان ہے کہ میں نے ایک مسئلہ میں ابن سیرین کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔(۵)

معاصر علماء کا اعتراف:

اس عہد کے بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال انہیں ان کے زمانہ کا ممتاز فاضل سمجھتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ ساری دنیا میں تین آدمیوں کا مثل نہیں مل سکتا۔ عراق میں ابن سیرین کا، حجاز میں قاسم بن محمد کا اور شام میں رجاء بن حیوۃ کا اور پھر ابن سیرین اب تینوں میں فائق تھے۔(۶) ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن سیرین بصرہ کے سب سے بڑے متورع، فقیہ، فاضل، حافظ متقن اور معبر خواب تھے۔(۷)

زہد وورع:

ان کی ذات جامع العلم والعمل تھی، ان میں جس درجہ کا علم تھا' اسی درجہ کا عمل بھی تھا' وہ اپنے عہد کے بڑے عابد ومتورع بزرگ تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں: کہ وہ کثیر العلم اور متورع تھے۔(۸) حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ راس المتورعین تھے۔(۹) خطیب کا بیان ہے کہ وہ متورع فقہاء میں تھے۔ عجلی کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو ورع میں ان سے بڑا فقیہ اور فقہ میں ان سے بڑا متورع نہیں دیکھا۔(۱۰) فرماتے تھے کہ ورع نہایت آسان چیز ہے کسی نے پوچھا کہ وہ کیسے فرمایا جس چیز میں شک معلوم ہو اس کو چھوڑ دو۔(۱۱)

۶۔ابو ہریرہ:

راجع:۱

۱۔تہذیب التہذیب، ج۹ص۲۱۶ ۲۔ابن سعد ج۷ق اول، ص۱۴۳ ۳۔شذرات الذہب ج اول ص۱۳۹
۴۔ابن سعد، ج۷، ص۱۴۳ ۵۔ابن سعد، ج۷، ص۱۴۲ ۶۔تہذیب التہذیب، ج۹، ص۲۱۶ ۷۔ایضاً
۸۔ابن سعد، ج۷، ص۱۴۰ ۹۔تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۶ ۱۰۔تہذیب التہذیب، ج۱ص۸۳ ۱۱۔ابن سعد، ج۷، ص۱۴۲

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

☆ روایت کی فنی حیثیت:

اس روایت کی سند پر امام نسائی کا اعتراض یہ ہے کہ اصل سند اشعث عن ابن سیرین عن ابی ہریرہ کی بجائے، اشعث عن الحسن عن ابی ہریرہ ہے۔ امام نسائی کا اس سند کی تصنیف سے مقصود یہ ہے کہ علامہ ابن سیرین کا حضرت ابو ہریرہ سے براہ راست سماع ثابت نہیں ہے۔ جبکہ خود امام نسائی نے جو سند ذکر کی ہے، اس پر بھی نسائی نے یہی اعتراض (حدیث نمبر ۳۴۶۱) کیا ہے کہ حضرت حسن بصری کا سماع حضرت ابو ہریرہ سے ثابت نہیں ہے جبکہ دوسرے ائمہ رجال کے نزدیک ان کا سماع ثابت ہے۔

ا۔ امام مسلم کی شرط کے مطابق سماع ثابت ہے:

امام مسلم کے نزدیک اتصال سند کے لیے راوی اور مروی عنہ کے لیے معاصرت کا ایک ہونا ضروری ہے، معاصرت ایک ہونے کی صورت میں امکان سماع موجود ہے، اور اتصال کے لیے یہ کافی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نقل فرماتے ہیں:

وذالك ان مسلمات ان الاسناد المعنن له حكم اتصال اذا تعاصر العنعن و من عنعن عنه، وان لم يثبت اجتماعها الا ان كان العنعن مدلسا (۱)

ترجمہ:

امام مسلم کے نزدیک اتصال سند کی شرط یہ ہے کہ معنن اور معنن عنہ کی معاصرت ایک ہو اگر چہ دونوں کی ملاقات ثابت نہ ہو۔ اگر چہ ملاقات کا ثبوت نہ ہو، بشرطیکہ راوی مدلس نہ ہو۔

علامہ ابن سیرین کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت ہے:

علامہ ابن سیرین کی پیدائش ۳۳ھ اور وفات ۱۱۰ھ ہے (۲) حضرت ابو ہریرہ کی وفات ۵۹ھ ہے۔ (۳) اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ کی وفات کے وقت علامہ محمد بن سیرین کی عمر تقریباً چھبیس سال تھی، دونوں کی معاصرت ایک ہے امکان سماع موجود ہے، امام مسلم کی شرط کے مطابق سماع ثابت ہے، اس کے مزید دلائل حسب ذیل ہیں:

۲۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک سماع ثابت ہے:

علامہ ابن حجر عسقلانی نقل فرماتے ہیں:

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں علامہ محمد بن سیرین کا حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت ہے۔ (۴)

۱۔ فتح الباری (مقدمہ) ج ۱ ص ۹
۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۲۸۶
۳۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج ۶ ص ۳۱۳
۴۔ تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۲۸۵

۳۔علامہ ابن مدنی کے نزدیک سماع ثابت ہے:

علامہ ابن مدنی فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ کے قابل تعریف شاگرد چھ ہیں: حضرت ابن مسیب، حضرت ابوسلمہ، حضرت اعرج، حضرت ابوصالح، حضرت ابن سیرین اور حضرت طاؤس۔(۱)

۴۔علامہ ابن حجر عسقلانی نے علامہ ابن سیرین کے شیوخ میں حضرت ابوہریرہ کا ذکر کیا ہے، اور ساتھ ہی سماع پر مزید دلائل بھی قائم کیے ہیں۔(۲)

لہٰذا ان تصریحات سے واضح ہوا کہ علامہ ابن سیرین کا حضرت ابوہریرہ سے سماع ثابت ہے، اور امام مسلم کی شرط کے مطابق معاصرت ایک ہے اور سماع کا امکان موجود ہے، اس لیے سماع ثابت ہے۔

۵۔شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی کے نزدیک سماع ثابت ہے:

علامہ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی لکھتے ہیں:

فان عیسی امام ثقه فمغالته لغیره لا تحمل علی لخطا بل یحمل علی ان اشعث رواه عن الحسن وابن سیرین والحاصل ان لاولی تصحیح هذاالسند لما ذکر۔

حضرت عیسیٰ بن یونس ثقہ، راوی ہیں، ان کی مخالفت کرتے ہوئے اس سند کو خطا پر محمول کرنا درست نہیں، بلکہ اس پر محمول کرنا چاہیے کہ حضرت اشعث نے یہ حدیث مبارکہ حضرت حسن بصری اور علامہ ابن سیرین دونوں سے سماع کی ہو۔ بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ سند صحیح ہے۔

۶۔خصوصیات سند:

یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اناسویں (۷۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی جوزجانی، دوسرے مصری، تیسرے کوفی، چوتھے پانچویں بصری اور آخری مدنی ہیں۔

☆ یہ سند پانچ علاقوں کے راویوں کے درمیان ہے۔

☆ سند میں تین راوی (عیسیٰ، ابن سیرین، ابوہریرہ) ایسے ہیں جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں۔

☆ علامہ ابن سیرین تعبیر الرؤیا کے امام ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، صیغہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۷۔لغات:

قعد بوہ ایک مرد بیٹھا

۱۔ایضاً ص ۲۸۵۔۲۸۶ ۲۔ایضاً

۸۔ مسائل ونصائح:

چارشاخوں کا معنی:

☆ اس حدیث میں چار شاخوں کا لفظ ہے اس سے مراد دو ہاتھ اور دو پیر ہیں، یا دو رانیں اور دو پیر ہیں، یا دو ٹانگیں اور دو ہونٹ ہیں اور اقرب یہ ہے کہ اس سے دو ہاتھ اور دو پیر مراد ہیں۔

نفس دخول بلا انزال سے آیا صرف وضوء واجب ہوتا ہے یا غسل؟

☆ علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ غسل کا واجب ہونا نزول منی پر موقوف نہیں ہے، بلکہ جب مرد کے آلہ کا سر عورت کی اندام نہانی میں غائب ہو جائے تو ان دونوں پر غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ ان دونوں کو انزال نہ ہو، اب اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، صحابہ کے ابتدائی دور میں اس میں اختلاف تھا کیونکہ ایک جماعت کا یہ مذہب تھا کہ جس نے عورت کے ساتھ جماع کیا اور اس کو انزال نہیں ہوا، اس پر وضو نہیں ہے۔(۱)

☆ **شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی لکھتے ہیں:**

جن صحابہ کا یہ مؤقف تھا کہ اگر انزال نہ ہو تو جماع سے غسل واجب نہیں ہوتا، وہ حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابن مسعود، حضرت رافع بن خدیج، حضرت ابو سعید الخدری، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابن عباس، حضرت النعمان بن بشیر اور حضرت زید بن ثابت اور جمہور انصاری ہیں رضی اللہ عنہم، اور فقہاء تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح، ابو سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف، ہشام بن عروہ اور الاعمش ہیں اور بعض اہل الظاہر (غیر مقلدین) ہیں۔(۲)

☆ **وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس دخول بلا انزال سے صرف وضوء واجب ہوتا ہے نہ کہ غسل:**

جن آثار سے ان صحابہ اور فقہاء تابعین نے استدلال کیا، وہ حسب ذیل ہیں:

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ایک مرد جماع کرتا ہے اور اس کو انزال نہیں ہوتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ اس طرح وضو کرے، جس طرح نماز کا وضو کرتا ہے اور اپنے آلہ کو دھو لے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے کہا: پھر میں نے یہ سوال حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا، یحییٰ نے کہا: مجھے ابو سلمہ نے خبر دی کہ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔(۳)

☆ حضرت ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (عورت کو) تھکانے میں صرف وضو ہے۔(۴)

☆ حضرت ابن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرد کے متعلق دریافت کیا، جو جماع کرتا ہے، پھر عورت کو تھکا دیتا

۱۔ عمدۃ القاری، ج۳، ص۳۶۶
۲۔ المحلی بالآثار، ج۱، ص۲۴۹
۳۔ البخاری: ۲۹۲، مسلم: ۳۴۷
۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج۱، ص۹۰

ہے، آپ نے فرمایا: اس پر جو چیز لگی ہے، اس کو دھولے اور اس طرح وضو کرے، جس طرح نماز کا وضو کرتے ہیں۔(۱)

☆ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انصار کے ایک مرد کے پاس سے گزرے، آپ نے اس کو بلایا، وہ آپ کے پاس اس حالت میں آیا کہ اس کے سر سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، آپ نے فرمایا: شاید ہم نے تم کو جلدی بلا لیا، اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: جب تمہیں جلدی بلا لیا جائے یا تمہیں انزال نہ ہوا ہو تو تمہارے اوپر (صرف) وضو لازم ہے۔(۲)

☆ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی پانی کے سبب سے ہے یعنی غسل انزال منی کے سبب سے ہے۔(۳)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ایک مرد کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجا، اس نے آنے میں دیر کردی، آپ نے اس سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟ اس نے کہا: میں اپنی بیوی سے عمل زوجیت کر رہا تھا، جب آپ کا پیغام برآیا تو میں نے صرف غسل کیا اور کوئی کام نہیں کیا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی صرف پانی کے سبب سے ہے (غسل صرف اس پر واجب ہے، جس کو انزال ہوا ہو)(۴)

جن احادیث میں یہ تصریح ہے کہ نفس دخول سے غسل واجب ہوتا ہے خواہ انزال نہ ہو۔

دوسرے صحابہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا، انہوں نے کہا: اس صورت میں غسل ہے، خواہ اس کو انزال نہ ہوا ہو۔(۵)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے اس مرد کے متعلق سوال کیا گیا جو جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو تو میں نے کہا: میں نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا، پھر ہم دونوں نے غسل کیا۔(۶)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو ختنوں کی جگہیں مل جائیں تو غسل کرو۔(۷)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرد کے متعلق سوال کیا، جو اپنی بیوی سے جماع کرے، پھر اس کو تھکا دے، آیا اس پر غسل ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس وقت بیٹھی ہوئی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک میں اور یہ اس طرح کرتے ہیں، پھر ہم غسل کرتے ہیں۔(۸)

۱۔ البخاری: ۲۹۲، مسلم: ۳۴۷، موطأ امام مالک: ۴۷۔۷۳، مسند احمد، ج ۵، ص ۱۱۴

۲۔ صحیح البخاری: ۱۸۰، صحیح مسلم: ۳۴۵، سنن ابن ماجہ: ۶۰۶، مسند احمد، ج ۳، ص ۲۳۔۲۱، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۱۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۸۹، شرح معانی الآثار: ۳۰۰

۳۔ صحیح مسلم: ۳۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰، سنن نسائی: ۱۹۹، سنن ابن ماجہ: ۶۰۷، مسند احمد، ج ۵، ص ۴۲۱۔۴۲۶

۴۔ شرح معانی الآثار: ۳۰۳، سنن ابوداؤد: ۲۱۵، سنن ترمذی: ۱۱۰، سنن نسائی: ۱۹۹، سنن ابن ماجہ: ۶۰۷

۵۔ شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۶۹

۶۔ سنن ترمذی: ۱۰۸، سنن ابن ماجہ: ۶۰۸، مسند احمد، ج ۶، ص ۱۳۵۔۱۱۲۔۱۱۰۔۶۸۔۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۸۵، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۱۶۴

۷۔ صحیح البخاری: ۲۹۱، صحیح مسلم: ۳۴۸، سنن ابوداؤد: ۲۱۶، سنن نسائی: ۱۹۱، موطأ امام مالک: ۷۵۔۷۳۔۷۲۔۷۱، مسند احمد، ج ۶، ص ۱۳۵۔۱۲۳۔۱۱۲۔۹۷۔۴۷، شرح معنی الآثار: ۳۰۶

۸۔ صحیح مسلم: ۳۵۰

جن احادیث میں مذکور ہے کہ غسل انزال سے واجب ہوتا ہے، وہ احتلام اور خواب محمول ہیں:

☆ امام طحاوی فرماتے ہیں: ان احادیث اور آثار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص جماع کرے اور اس کو انزال نہ ہو، اس پر بھی غسل کرنا واجب ہے، اور جن احادیث میں ہے کہ پانی پانی سے واجب ہوتا ہے، وہ احتلام پر محمول ہیں یعنی وہ خواب میں دیکھے کہ وہ جماع کر رہا ہے اور اس کو انزال نہ ہو تو اس پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ اور جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ جب تک اس کو انزال نہ ہو، اس پر غسل واجب نہیں ہے، ان کے خلاف یہ احادیث ہیں: (۱)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے، پھر اس کو تھکا دے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (۲)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے، پھر ختنہ کی جگہ کو ختنہ کی جگہ کے ساتھ چپکا دے تو تحقیق یہ ہے کہ غسل واجب ہو گیا۔ (۳)

غسل انزال سے واجب ہوتا ہے، یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا، اب منسوخ ہو چکا ہے......اب دخول بلا انزال سے بھی غسل واجب ہوتا ہے:

☆ امام طحاوی فرماتے ہیں: یہ احادیث پہلی احادیث کے خلاف ہیں، اب یہ دیکھنا ہے کہ ان میں سے کون سی احادیث دوسری احادیث کے لئے ناسخ ہیں، سو درج ذیل احادیث میں اس کی وضاحت ہے:

☆ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم کہ پانی، پانی کے سبب سے ہے، (غسل نزول منی کے سبب سے ہے) ابتداء اسلام میں تھا، جب اسلام مستحکم ہو گیا تو اس سے منع کر دیا گیا۔ (۴)

محمود بن لبید نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سوال کیا: ایک شخص اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے، پھر اس کو تھکا دیتا ہے اور انزال نہیں ہوتا؟ حضرت زید نے کہا: وہ غسل کرے گا۔ (۵)

☆ حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ کہتے تھے: جب ختنہ کی جگہ ختنہ کی جگہ سے مس کرے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (۶)

حبیب بن شہاب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سوال کیا کہ غسل کو کیا چیز واجب کرتی ہے؟ انہوں نے کہا: جب آلہ کا سر غائب ہو جائے۔ (۷)

۱۔ شرح معانی الآثار، ج ۱ ص ۱۷ ۲۔ صحیح بخاری: ۲۹۱، صحیح مسلم: ۳۴۸، شرح معانی الآثار: ۳۳۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۶، سنن نسائی: ۱۹۱، سنن ابن ماجہ: ۶۱۰، مسند احمد، ج ۲ ص ۵۲۰۔ ۴۷۱۔ ۳۹۲۔ ۳۴۷۔ ۲۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۸۶۔ ۸۵، شرح السنۃ: ۲۴۲

۳۔ شرح معانی الآثار: ۳۱۴، صحیح بخاری: ۲۹۱، صحیح مسلم: ۳۴۸، سنن نسائی: ۳۹۱، سنن ابن ماجہ: ۶۱۰، جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۵۴۱

۴۔ شرح معانی الآثار: ۳۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۱۵۔ ۳۱۴، سنن ترمذی: ۱۱۱۔ ۱۱۰ ۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۸۸

۶۔ صحیح بخاری: ۲۹۱، صحیح مسلم: ۳۴۸، سنن نسائی: ۳۹۱، سنن ابن ماجہ: ۶۱۰، شرح معانی الآثار: ۳۲۱

۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۸۷

یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پہلا حکم کہ جب جماع بغیر انزال کے ہوتو اس سے صرف وضو واجب ہوتا ہے، غسل واجب نہیں ہوتا، منسوخ ہو چکا ہے۔

اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت عبید بن رفاعہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ ذکر کر رہے تھے کہ انزال سے غسل واجب ہوتا ہے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: جب تم میں سے کوئی شخص جماع کرے اور انزال نہ ہوتو وہ اپنی شرم گاہ کو دھوئے اور صرف نماز کا وضو کرلے، پھر مجلس میں سے ایک شخص اٹھ کر گیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم خود جاؤ اور حضرت زید کو لے کر آؤ تا کہ تم ان پر گواہ ہو، وہ شخص زید کو لے کر آیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے، ان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید سے کہا: تم اپنی جان کے دشمن ہو اور لوگوں کو یہ فتوئ دیتے ہو، حضرت زید نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اپنی طرف سے یہ فتوئ نہیں دیا، لیکن میں نے اپنے دو چچاؤں سے یہ سنا ہے، حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ اور حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان اصحاب سے کہا: اب آپ لوگ کیا کہتے ہیں، پس ان میں اختلاف ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے بندو! تم بہترین لوگ ہو، اہل بدر ہو، میں تمہارے بعد اور کس سے پوچھوں گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کی طرف پیغام بھیجے، پھر جو حکم بھی ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے کہا: مجھے اس کا علم نہیں، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھیجا تو انہوں نے کہا: جب ایک ختنہ کی جگہ دوسرے ختنہ کی جگہ سے تجاوز کرے گی تو غسل واجب ہو جائے گا۔(۱) اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اب اگر مجھے علم ہوا کہ کسی نے یہ کام کیا ہے، پھر غسل نہیں کیا تو میں اس کو عبرت ناک سزا دوں گا۔(۲)

☆ امام ابوجعفر احمد بن الطحاوی الحنفی لکھتے ہیں:

ہم نے ان آثار کو جو روایت کیا ہے، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف دو شرم گاہوں کے ملنے اور دخول سے غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ انزال نہ ہو اور صرف وضو کرنے کا حکم ان احادیث اور آثار سے منسوخ ہو گیا۔

قیاس سے اس کا ثبوت کہ نفس دخول غسل کا موجب ہے خواہ انزال نہ ہو:

اور طریق نظر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرج میں جماع کرنا حدث ہے خواہ انزال نہ ہو، اب ایک قوم یہ کہتی ہے کہ یہ اغلظ حدث ہے اور اغلظ طہارت کو واجب کرتا ہے، جو غسل ہے اور دوسری قوم یہ کہتی ہے: یہ اخف حدث ہے اور یہ اخف طہارت کو واجب کرتا ہے، جو وضو ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ دو شرم گاہوں کا ملنا اور دخول اغلظ اشیاء ہے، حتیٰ کہ ایک آدمی روزے میں یا حج میں دخول کرے، خواہ انزال نہ ہوتو اس سے اس کا روزہ اور حج فاسد ہو جائے گا اور اس پر روزے اور حج کی قضا لازم ہوگی اور حج کی قضا کرنی لازم ہوگی اور روزے میں قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے، اور اگر اس کو انزال ہو جائے، تب بھی قضا اور کفارہ ہی لازم ہوگا اور اس سے کچھ زیادہ لازم نہیں ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ انزال سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اس لئے صرف شرم گاہوں کا ملنا اور نفس دخول ہی اغلظ حدث ہے، اس لئے اس سے اغلظ طہارت واجب ہوگی اور وہ غسل ہے۔

۱۔ جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۵۴۱، المسند، ج ۶ ص ۴۷، صحیح مسلم: ۳۴۹

۲۔ شرح معانی الآثار: ۳۲۴، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱ ص ۸۷

نظر کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی انسان کسی اجنبی عورت کی شرم گاہ میں اپنی شرم گاہ کو داخل کر دے اور انزال سے پہلے اپنے آلہ کو نکال لے تو اس پر حد واجب ہوگی اور اگر اس کو انزال ہو جائے، پھر بھی حد واجب ہوگی اور اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اغلظ حدث صرف نفس دخول ہے، خواہ انزال نہ ہو، اس لئے اغلظ طہارت واجب ہوگی، جو غسل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور عام فقہاء کا قول ہے۔ (۱)

دو شرم گاہوں کے ملنے سے خواہ انزال نہ ہو، وجوب غسل کے حکم میں امام مالک، امام احمد اور شافعی کی تصریح:

☆ علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

فقہاء کی جماعت کا یہ مذہب ہے کہ جب دو شرم گاہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ انزال نہ ہو، جیسا کہ صحیح البخاری: ۲۹۱ میں، اس کی تصریح ہے اور داؤد ظاہری کے سوا فقہاء تابعین اور ان کے بعد کے فقہاء کا بھی یہی مذہب ہے۔ (۲)

☆ علامہ احمد بن محمد قدامہ حنبلی اور علامہ عبدالرحمان بن محمد بن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

جب آلہ کا سر عورت کی اندام نہانی میں غائب ہو جائے خواہ انزال نہ ہو تو اس سے غسل بالاتفاق واجب ہو جاتا ہے، اس میں صرف داؤد ظاہری نے اختلاف کیا ہے، اس نے کہا: اس سے صرف وضو واجب ہوتا ہے۔ (۳)

☆ علامہ ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

داؤد بن علی ظاہری (غیر مقلدین کے امام) نے کہا ہے کہ اگر دو شرم گاہیں مل جائیں اور انزال نہ ہو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اس سے غسل واجب ہو جاتا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (۴)

☆ علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

امت کا اب اس پر اجماع ہے کہ جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ اس کے ساتھ انزال ہو یا نہ ہو، بعض صحابہ کا یہ قول تھا کہ غسل صرف انزال سے واجب ہوتا ہے، پھر ان میں سے بعض نے رجوع کر لیا اور بعد میں سب کا اس پر اجماع ہو گیا کہ غسل صرف دخول سے واجب ہو جاتا ہے، حضرت ابوہریرہ کی زیر بحث حدیث پر تمام فقہاء کا عمل ہے، اور جس حدیث میں ہے: "غسل صرف انزال سے واجب ہوتا ہے" یہ منسوخ ہے یا اس کا محمل یہ ہے کہ خواب میں کچھ دیکھنے سے غسل اس وقت واجب ہوتا ہے جب انزال بھی ہو، یا اگر کوئی شخص فرج میں دخول کئے بغیر مباشرت کرے، تو صرف انزال کے بعد غسل واجب ہوگا۔

☆ اگر کوئی شخص عورت کی فرج یا دبر یا مرد کی دبر یا کسی جانور کی فرج میں حشفہ (آلہ تناسل کا سر) غائب کر دے تو اس پر غسل واجب ہوگا، خواہ جس میں دخول کیا ہے وہ زندہ ہو یا مردہ، چھوٹا ہو یا بڑا، خواہ عمداً ہو یا نسیاناً اور اختیاراً ہو یا جبراً، ان تمام صورتوں میں فاعل اور مفعول پر غسل واجب ہے، الا یہ کہ مفعول بہ غیر مکلف ہو، اگر سمجھ دار بچہ یا بچی ہو تو وہ جنبی ہوگا اور اس کے ولی کو اسے غسل کرنے کا حکم دینا چاہئے۔ (۵)

۱۔ شرح معانی الآثار، ج ۱ ص ۷۹۔۷۷ ۲۔ شرح ابن بطال، ج ۱ ص ۴۰۹ ۳۔ المغنی، ج ۱ ص ۲۶۶

۴۔ صحیح البخاری: ۲۹۱۔ الحاوی الکبیر، ج ۱ ص ۲۵۶۔۲۵۵۔ نعمۃ الباری، ج ۱ ص ۷۷۶۔۷۸۰

۵۔ شرح مسلم، ج ۱ ص ۱۵۶۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱ ص ۱۰۳۸۔۱۰۳۹

☆ ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:

دو ختنوں والی جگہوں کا ملنا...... خواہ بغیر انزال کے سہی، یا عضو تناسل کے حشفہ یا اس کے بقدر عضو کے حصے کا اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کا حشفہ کٹا ہوا ہو، ایسی شرمگاہ میں داخل ہونا جو جماع کے قابل ہو خواہ اگلی شرمگاہ ہو یا پچھلی مرد کی ہو یا عورت کی خوشی سے ہو یا جبری سوتے وقت ہو یا جاگتے وقت ہو۔ اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں خواہ غیر بالغ شخص کی شرمگاہ ہو لہٰذا اس میں تکلیف (مکلف ہونا) شرط نہیں لہٰذا بچے اور پاگل کے عضو تناسل داخل ہونے سے یہ دونوں جنبی ہو جائیں گے اور شوافع کے نزدیک ان پر غسل ان کے کامل ہونے پر اور وہ بچہ جو تمیز کر سکتا ہو اس کا غسل کرنا درست ہے اور اس کو اس کا حکم دیا جائے گا جیسے وضو کا حکم دیا جاتا ہے، حنابلہ دس سال کے بچے اور دس سال کی بچی پر غسل اور وضو دونوں واجب کرتے ہیں۔ اگر یہ دونوں وطی کریں اور ایسی چیز کا ارادہ کریں جو غسل پر موقوف ہو جیسی تلاوت قراءت یا ایسی چیز کا ارادہ کریں جس کے لئے وضو لازم ہو جیسے نماز اور طواف۔

☆ مالکیہ اور احناف یہ شرط قرار دیتے ہیں کہ وطی کا عمل مکلف، بالغ، عاقل نے کیا ہو لہٰذا غیر مکلف شخص پر غسل واجب نہیں ہوگا اور مالکیہ کے ہاں معتمد قول کے مطابق قریب البلوغ اور چھوٹی لڑکی جس کے ساتھ بالغ شخص نے ہم بستری کی ہو اس کے لئے غسل کرنا مستحب ہے احناف فرماتے ہیں کہ قریب البلوغ شخص کو غسل کر لینے تک نماز سے روکا جائے گا اور دس سالہ بچے کو تادیبا اس کا حکم دیا جائے گا۔

☆ ہمبستری میں انزال بالاتفاق شرط نہیں ہے، کیونکہ وہ حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں بلاشبہ نہانا جب واجب ہے جب پانی (منی) نکلے بالا جماع منسوخ ہے، تاہم احناف نے مردہ جانور اور بہت چھوٹی بچی سے ہم بستری کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اگر بچی کی بکارت زائل نہ ہوئی ایسی صورت میں انزال ہونے سے غسل واجب ہوگا اور اگر نہ انزال ہوا اور نہ چھوٹی بچی کی بکارت وطی کرنے سے ختم ہو تو اس صورت میں نہ غسل واجب ہوگا نہ وضو صرف عضو تناسل کو دھو لینا لازم ہے۔ کیونکہ ایسی وطی سلیم الطبع لوگ نہیں کرتے ہیں۔ (۱) اس کے ہاں مقصود نہیں ہوتی ہے۔

☆ مالکیہ اور شوافع کے ہاں وطی خواہ کسی حائل کے ساتھ ہو یا بغیر حائل کے وہ غسل واجب کرتی ہے، تاہم مالکیہ یہ فرماتے ہیں کہ غسل اس صورت میں واجب ہوگا کہ جب وہ اپنے عضو تناسل پر پتلا کپڑا لپیٹے اور اگر موٹا کپڑا لپیٹے تو واجب نہیں ہوگا شوافع فرماتے ہیں غسل بہر حال واجب ہے خواہ عضو تناسل پر باریک کپڑا لپٹا ہوا ہو یا موٹا کپڑا ہو حنفیہ اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ کسی حائل کے ساتھ داخل کرنے کی صورت میں انزال نہ ہونے پر غسل واجب نہیں جیسے کوئی شخص اپنے عضو پر کپڑا لپیٹ لے یا اس پر تھیلی چڑھا لے حنابلہ اور شوافع یہ شرط لگاتے ہیں کہ عضو کو اصلی شرمگاہ میں داخل کیا جائے لہٰذا غیر اصلی فرج میں بغیر انزال کے صرف داخل کر لینے سے غسل واجب نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص ہیجڑے کی اگلی شرمگاہ میں عضو داخل کر دے کیونکہ اس صورت میں اصل فرج (شرمگاہ) کا ہونا یقینی نہیں اسی طرح اگر ہیجڑہ اپنی عضو تناسل نما شرمگاہ بلا انزال کسی کی اگلی یا پچھلی شرمگاہ میں داخل کر دے تو بھی بلا انزال غسل لازم نہیں ہوگا کیونکہ یہاں اصلی حشفہ کا غائب ہونا یقینی نہیں (یعنی ہیجڑے کے عضو تناسل کا ہونا یقینی نہیں ہے) مالکیہ وغیرہ نے یہ شرط رکھی ہے کہ یہ دخول ایسی شرمگاہ میں ہو کہ جو طاقت رکھتی ہو لہٰذا بلا انزال تھوڑا سا حشفہ اندر کرنے یا پورا اندر کرنے سے لیکن وہ اندر بھی ایسی شرمگاہ کے ہو جو اس کی طاقت نہ رکھے یا شرمگاہ سے نیچے کہیں ڈال دینا جیسے ران میں یا پیٹ سے رگڑنا یا شرمگاہ کے اوپر کے دونوں کناروں میں ڈالنا یا شرمگاہ کے گڑھے میں ڈالنا یا دونوں شرمگاہوں یا بغیر داخل کئے ملنا اور عورت کا دوسری عورت سے چپٹی کرنا وغیرہ ان سب امور میں بلا انزال محض عضو کے ڈالنے سے غسل لازم نہیں ہوگا۔

☆ التقاء ختانین (دو ختنے کی جگہوں کے ملنے) سے غسل کے لازم ہونے کی دلیل خدا کا یہ فرمان ہے وان کنتم جنبا فاطھروا اور بہت سی احادیث بھی ہیں جن میں ایک حدیث یہ ہے جب دو ختنے کی جگہیں مل جائیں تو غسل واجب ہوگا خواہ انزال نہ بھی ہو۔ (۲) اور حدیث جب مرد اس کے

۱۔ حاشیہ ابن عابدین، ج ۱، ص ۱۵۴

۲۔ بروایت امام مسلم اور ابن ماجہ از حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم یہ حدیث صحیح ہے

چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر اس کو بھینچ لے تو اس وقت اس پر غسل واجب ہے۔(۱) اور امام مسلم اور امام احمد نے وان لم ینزل کے الفاظ نقل کئے ہیں (یعنی خواہ اس کو انزال نہ ہو) اور یہ حدیث بھی دلیل ہے جب وہ شخص عورت کے چار گوشوں کے درمیان بیٹھ جائے پھر ختنے کی جگہ ختنے کی جگہ سے مل جائے تو غسل لازم ہو جائے گا۔(۲) ترمذی کے الفاظ ہیں: ختنے کی جگہ دوسرے ختنے کی جگہ سے تجاوز کر لے تو غسل لازم ہو جائے گا۔ اور حضرت ابی بن کعب کی حدیث بے شک یہ فتوی جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ غسل منی نکلنے پر واجب ہے ایک رخصت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ابتدائے اسلام میں دی تھی، پھر آپ نے اس کے بعد ہمیں غسل کرنے کا حکم دینا شروع کر دیا۔ اور ترمذی کی نقل کردہ حدیث جس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے کہ الفاظ یہ ہیں کہ غسل کے منی کے نکلنے ہی پر واجب ہونے کا حکم ابتداء اسلام میں رخصت تھا پھر اس سے منع کر دیا گیا۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج کی روایت جو امام احمد نے نقل کی ہے کہ الماء من الماء (غسل کا حکم پانی (منی نکلنے پر ہے) منسوخ ہے، اور یہ حدیث انصار کے اس گروہ کے خلاف دلیل بھی ہے جو یہ کہا کرتے تھے کہ بغیر انزال داخل کرنا اور نکالنا موجب غسل نہیں کیونکہ یہ تمام احادیث التقاء ختانین کے سبب غسل واجب قرار دینے میں صریح ہیں خواہ اس شخص کو انزال ہو یا نہ ہو۔ اور صحابہ کا اس پر اجماع بھی ہے۔ التقاء ختانین سے مراد دونوں شرمگاہوں کا آمنے سامنے ہونا یا صرف ملنا نہیں بلکہ مراد ہے ایک ختنے کی جگہ کا دوسرے ختنے کی جگہ سے تجاوز کر دینا تو گویا یہ مجاز ہے اور اس سے مراد عضو کا داخل کرنا یا حشفہ کا شرمگاہ میں داخل کرنا۔ کیونکہ ختانا (دو ختنے والی جگہوں) سے مراد ختنے میں جہاں سے کھال کاٹی جاتی ہے وہ جگہ ہے، اور عورت کی ختان (ختنے کی جگہ) پیشاب کے راستے سے اوپر ہوتی ہے، اور پیشاب کی جگہ عضو تناسل داخل کرنے کی جگہ سے اوپر ہوتی ہے (یعنی ختنے کی جگہ ملنے سے مراد کنایۃ، عضو تناسل کا عورت کی اندام نہانی میں داخل کرنا ہے اصلی ختنے کی جگہ مراد نہیں ہے) حنابلہ وغیرہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ مردہ عورت سے وطی کئے جانے کی صورت میں اس کو دوبارہ غسل دینا لازم ہوگا۔(۳)

۸۔ خلاصہ:

☆ مذکورہ دو احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ مرد و عورت کے باہم ختنوں والی جگہ کے ملاپ سے غسل واجب ہو جاتا ہے۔

☆ جبکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علامہ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔

☆ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتصال سند کے لئے معاصرت اور امکان سماع کافی ہے، اس شرط کے مطابق علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے۔

☆ التقاء ختانین سے مراد ہے، جب مرد کے آلہ تناسل کا حشفہ عورت کی اندام نہانی میں غائب ہو جائے۔

☆ نفس دخول بلا انزال بھی ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

☆ جن احادیث میں انزال سے غسل واجب ہونے کا ذکر ہے، وہ منسوخ ہیں، یا ان سے خواب میں احتلام مراد ہے۔

☆ علماء احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کا اس پر اجماع ہے کہ جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ اس کے ساتھ انزال ہو یا نہ ہو۔

☆ مرد کے آلہ تناسل کا حشفہ عورت کی فرج یا دبر، مرد کی دبر یا کسی جانور کی شرمگاہ میں غائب ہو جائے، تو غسل واجب ہو جائے گا، خواہ وہ

ا۔ متفق علیہ بروایت حضرت ابو ہریرہ، نیل الاوطار، ج ۱، ص ۲۱۹، اور چار گوشوں سے مراد یا تو دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہیں یا دونوں رانیں ہیں بعض نے اور بھی کچھ تفصیل بیان کی ہے۔ ۲۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۲۲۱ ۳۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۳۵۱۔۳۵۲

زندہ ہو یا مردہ، چھوٹا ہو یا بڑا، عمداً ہو یا نسیاناً، اختیاراً ہو یا جبراً۔ ان تمام صورتوں میں فاعل اور مفعول دونوں پر غسل واجب ہو جائے گا۔

☆ غسل واجب ہونے کے لئے شوافع اور حنابلہ کے ہاں مکلف ہونا شرط نہیں ہے، البتہ احناف اور مالکیہ کے ہاں مکلف ہونا شرط ہے۔

☆ مکلف سے مراد ہے وہ عاقل، بالغ ہو، البتہ مالکیہ کے ہاں قریب البلوغ ہونے سے بھی غسل واجب ہوگا۔

☆ فقہاء احناف اور حنابلہ کے ہاں کسی حائل چیز سے دخول بغیر انزال کے غسل واجب نہ ہوگا، جبکہ شوافع اور مالکیہ کے ہاں وطی دونوں صورتوں میں غسل واجب ہوگا۔ البتہ مالکیہ کے نزدیک حائل موٹا کپڑا ہونے کی صورت میں غسل واجب نہ ہوگا۔

باب ۱۳۰: اَلْغُسْلُ مِنَ الْمَنِيِّ — منی نکلنے سے غسل کرنا

منی وہ گاڑھا لیس دار مادہ جو شدت شہوت کے وقت اچھل کر نکلتا ہے، مرد کا مادہ منی گاڑھا اور سفید جبکہ عورت کا پتلا اور پیلا ہوتا ہے، بچہ کی پیدائش اسی سے ہوتی ہے، اس کے نکلنے کے بعد جسم پر نقاہت اور کمزوری ہوتی ہے۔ اس باب میں یہی بیان ہوا ہے کہ منی اگر اچھل کر نکلے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اس بات میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔ پچھلے باب میں جماع کی صورت میں غسل کے وجوب کا بیان تھا۔

۱۹۳۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ - وَاللَّفْظُ لِقُتَيْبَةَ - قَالَ حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ عَنِ الرُّكَيْنِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ قَبِيصَةَ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِذَا رَأَيْتَ الْمَذْيَ فَاغْسِلْ ذَكَرَكَ وَتَوَضَّأْ وُضُوئَكَ لِلصَّلَاةِ وَإِذَا فَضَخْتَ الْمَاءَ فَاغْتَسِلْ۔"

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے مذی بہت زیادہ آتی تھی، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:
جب تم مذی دیکھو تو آلہ تناسل کو دھو لو اور نماز جیسا وضو کرو، جب پانی اچھل کر نکلے، تو غسل کرو۔

۱۔ مطابقت: حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
جب پانی اچھل کر نکلے، تو غسل کرو۔

۲۔ اطراف: بخاری: ۱۳۲، مسلم: ۳۰۳، ابوداؤد: ۲۰۶، ترمذی: ۱۱۴، ابن ماجہ: ۵۰۴، احمد: ۶۱۸، السنن الکبریٰ: ۱۹۹، ابن حبان: ۱۱۰۱۔۱۱۰۶

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ قتیبہ بن سعید: راجع: ۱   ۲۔ علی بن حجر: راجع: ۱۳   ۳۔ عبیدہ بن حمید: ایضاً

۴۔ الرکین بن الربیع:

آپ کا نام ابو الربیع الرکین بن الربیع بن عملیہ فزاری کوفی (م: ۱۳۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقے سے ثقہ صالح راوی ہیں، آپ کی ثقاہت پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کیا ہے۔ (۱)

۱۔i۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۱۶۷   ii۔ العلل (ابن حنبل)، ج ۱، ص ۱۰۸

۵۔حصین بن قبیصہ: آپ کا نام حصین بن قبیصہ فزاری کوفی ہے، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔علی: راجع:۹۱

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند: یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆خماسیات کے اعتبار سے یہ باسٹھویں (۶۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عبیدہ بن حمید صدوق ہیں۔

☆سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مروزی، باقی سارے کوفی ہیں۔

☆سند میں 'وللفظ لقتیبہ' سے اس قاعدہ کی رعایت کرنا ہے۔ کہ جب دوشیوخ سے یہ حدیث سماعت کی، تو الفاظ کس کے ہیں، اس میں وضاحت کردی کہ حدیث کہ الفاظ حضرت قتیبہ بن سعید بغلانی کے ہیں۔

☆امام نسائی نے یہ حدیث مبارکہ دوشیوخ حضرت قتیبہ اور حضرت علی بن حجر سے روایت کی ہے۔

☆سند دو تابعین کرام (رکین، حصین) ہیں۔

☆سند کے آخری صحابی راوی خلیفہ راشد چہارم، دامادِ رسول حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔

☆سند میں الفاظ روایتِ اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات

کنت رجلا مذاء: مجھے مذی بہت آتی تھی۔ رایت: تو دیکھے۔تو محسوس کرے۔ اغسل: تو دھو

ذکرك: اپنی شرمگاہ، اپنا آلہ تناسل توضا: تو وضو کر فضخت: تو اچھالے، تو کود کر نکالے

الماء: پانی، مراد ہے منی اغتسل: تو غسل کر

۱۹۴۔اَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ اَنْبَاَنَا عَبْدُ الرَّحْمٰنِ عَنْ زَائِدَةَ ح وَاَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ - وَاللَّفْظُ لَهٗ - اَنْبَاَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنِ الرُّكَيْنِ بْنِ الرَّبِيْعِ بْنِ عَمِيْلَةَ الْفَزَارِيِّ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ قَبِيْصَةَ عَنْ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - قَالَ كُنْتُ رَجُلاً مَذَّاءً فَسَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ "اِذَا رَاَيْتَ الْمَذْيَ فَتَوَضَّاْ وَاغْسِلْ ذَكَرَكَ وَاِذَا رَاَيْتَ فَضْخَ الْمَاءِ فَاغْتَسِلْ۔"

حضرت علی المرتضیٰ بیان فرماتے ہیں: مجھے مذی بہت زیادہ آتی تھی، میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے پوچھا، آپ نے فرمایا: جب تم مذی دیکھو تو وضو کرو اور آلہ تناسل کو دھولو، جب تم پانی اچھل کر نکلتا دیکھو تو غسل کرو۔

۱۔i۔الثقات، ج۴،ص ۱۵۷ ii۔تقریب التھذیب، ج۱،ص ۱۸۲

۱۔مطابقت:

راجع:۱۹۳

۲۔اطراف:

ایضاً

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے سات کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت ابوالولید ہشام بن عبدالملک کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔عبداللہ بن سعید: راجع:۱۵ **۲۔عبدالرحمان:** راجع:۴۹ **۳۔زائدہ:** راجع:۹۱ **۴۔اسحاق بن ابراہیم:** راجع:۲

۵۔ابوالولید: آپ کا نام ابوالولید ھشام بن عبدالملک باہلی طیالسی بصری (۱۳۳ھ۔۲۲۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، امام، حجۃ، متقن راوی ہیں، آپ نے چورانوے (۹۴) سال کی طویل عمر پائی، آپ کی ثقاہت، عدالت، اتقان پر آئمہ جرح وتعدیل متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سو سات (۱۰۷) احادیث مبارکہ روایت کی ہیں۔(۱)

۶۔الرکین بن الربیع: راجع:۱۹۳ **۷۔حصین بن قبیصہ:** ایضاً **۸۔علی:** راجع:۹۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اسی ویں (۸۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس باب میں یہ دوسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں حضرت زائدہ پر تحویل ہے، جو کہ سند کی مضبوطی پر دلیل ہے، البتہ بعض تحویل کو سند کی کمزوری قرار دیتے ہیں۔

☆ سند میں اخبرنا اسحاق بن ابراہیم کے بعد: واللفظ لہ۔ سے مراد ہے کہ حضرت امام نسائی نے یہ حدیث مبارکہ دو شیوخ حضرت عبیداللہ بن سعید اور حضرت اسحاق بن ابراہیم سے سماعت کی ہے، اور حدیث کے الفاظ حضرت اسحاق بن ابراہیم سے سماعت کی ہے، اور حدیث کے الفاظ حضرت اسحاق بن ابراہیم کے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا دو دفعہ، انبانا ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔تہذیب التہذیب، ج ۱۱، ص ۴۵۔ تاریخ الثقات، ص ۴۵۸

۶۔لغات:

راجع:۱۹۳

۷۔مسائل ونصائح:

راجع:۱۵۷

۸۔خلاصہ:

ان دو احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے، کہ اچھل کر منی نکلنے کی صورت میں غسل واجب ہو جاتا ہے۔

☆ ان مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں مذی اور منی کے بارے میں احکام بیان ہوئے ہیں، مذی سے وضو لازم آتا ہے، اور منی سے غسل واجب ہوتا ہے، یہ دونوں اصطلاحات بھی ہیں۔

☆ مذی اور منی کے علاوہ تیسری اصطلاح ودی ہے، ان تینوں کی تعریفات حسب ذیل ہیں:

۱۔مذی کی تعریف:

وہ لیس دار مادہ جو شہوت کے وقت بغیر شہوت کے شرمگاہ سے نکلتا ہے۔

۲۔منی کی تعریف:

وہ گاڑھا مادہ جو شدت شہوت کے وقت شرمگاہ سے اچھل کر نکلتا ہے۔

۳۔ودی کی تعریف:

وہ تر مادہ جو پیشاب کے بعد شرمگاہ سے نکلتا ہے۔

☆ مذی اور ودی سے وضو واجب ہوتا ہے، اور منی سے غسل واجب ہوتا ہے۔

☆ مذی، ودی اور منی کا کپڑوں اور جسم سے دھونا واجب ہے،

☆ مذکورہ بالا تینوں قسم کے مادے ناپاک ہیں۔

☆ انسان کو شرعی مسائل پوچھنے میں شرم نہیں کرنی چاہئے۔

☆ منی اگر اچھل کر نہ نکلے، تو غسل واجب نہیں ہوتا، البتہ اگر نیند سے بیدار ہونے پر کپڑوں پر تری موجود پائے، تو غسل واجب ہوتا ہے۔

باب ۱۳۱: غُسْلِ الْمَرْاَةِ تَرٰی فِیْ مَنَامِهَا مَا یَرَی الرَّجُلُ

عورت خواب میں وہی دیکھے جو مرد دیکھتا ہے، تو اس پر غسل واجب ہے

جس طرح مرد کو حالت خواب میں مختلف وجوہات کی بناء پر احتلام ہوتا ہے، اسی طرح عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے، اس صورت میں نیند کی بیداری پر اگر کپڑوں پر پانی لگا ہوا ہو تو غسل واجب ہو جاتا ہے، یہی مسئلہ اس باب میں زیر بحث ہے، اس باب میں امام نسائی نے پانچ احادیث مبارکہ سے

استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں مرد کے لیے کود کر منی نکلنے کی صورت میں غسل واجب ہونے کا بیان تھا، اس باب میں عورتوں کے لیے حالت خواب میں منی نکلنے پر غسل واجب ہونے کا بیان ہے۔

۱۹۵۔ اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اُمَّ سُلَيْمٍ سَاَلَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَرٰى فِي مَنَامِهَا مَا يَرَى الرَّجُلُ قَالَ "اِذَا اَنْزَلَتِ الْمَاءَ فَلْتَغْتَسِلْ"

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت ام سلیم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، اس عورت کے بارے میں پوچھا، جو حالت خواب وہی کچھ دیکھتی ہے جو مرد دیکھتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر پانی (منی) نکلے تو غسل کرلے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدیم: ۲۰۰، مسلم: ۳۱۱، ابن ماجہ: ۶۰۱، احمد: ۵۶۴۰، السنن الکبریٰ: ۲۰۲

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو حضرت عبدۃ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ اسحاق بن ابراہیم:

راجع: ۲

۲۔ عبدۃ:

آپ کا نام ابو محمد عبدۃ بن سلیمان کلاجی کوفی (م: ۱۸۷ھ) ہے، بعض نے آپ کا نام عبدالرحمان بھی لکھا ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ صغار سے ثقہ، ثابت راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں (۱)

۳۔ سعید: راجع: ۳۸ **۴۔ قتادہ:** راجع: ۳۴ **۵۔ انس:** راجع: ۶۶

۶۔ ام سلیم:

نام ونسب:

سہلہ یا رملہ نام، ام سلیم کنیت، غمیصاء اور رمیصا لقب، سلسلہ نسب یہ ہے: ام سلیم بنت ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار، ماں کا نام ملیکہ (اصابہ ج ۸، ص ۲۴۴) بنت مالک بن عدی بن زید مناۃ تھا۔ آبائی سلسلہ سے حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سلمٰی بن زید کی پوتی تھیں، سلمٰی، عبدالمطلب جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ تھیں اسی بناء پر ام سلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور ہیں۔

۱۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۳۱۵ ii۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۳۹۰

نکاح:

مالک بن نضر سے نکاح ہوا۔

اسلام:

مدینہ میں اوائل اسلام میں مسلمان ہوئیں' مالک چونکہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے اور ام سلیم تبدیلی مذہب پر اصرار کرتی تھیں اس لیے دونوں کی کشیدگی پیدا ہوئی اور مالک ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں انتقال کیا' ابوطلحہ نے جو اسی قبیلہ سے تھے نکاح کا پیغام دیا۔ لیکن ام سلیم کو اب بھی وہی عذر تھا یعنی ابوطلحہ مشرک تھے۔ اس لیے وہ ان سے نکاح نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض ابوطلحہ نے کچھ دن غور کر کے اسلام کا اعلان کیا اور ام سلیم کے سامنے آ کر کلمہ پڑھا' حضرت ام سلیم نے حضرت انس سے کہا کہ اب تم ان کے ساتھ نکاح کر دو۔ ساتھ مہر معاف کر دیا اور کہا ''میرا مہر اسلام ہے'' حضرت انس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ یہ نہایت عجیب وغریب مہر تھا۔ (۱)

عام حالات:

نکاح کے بعد حضرت ابوطلحہ نے بیعت عقبہ میں شرکت کی اور چند ماہ کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ مدینہ میں تشریف لائے' حضرت ام سلیم اپنے صاحبزادے (حضرت انس) لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور کہا ''انس کو آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں' یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے لیے دعا فرمائیں'' آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی۔ (۲) اسی زمانہ میں آپ نے مہاجرین اور انصار میں مواخاۃ کی' اور یہ مجمع ان ہی کے مکان میں ہوا۔ (۳)

غزوات میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے نہایت جوش سے حصہ لیا۔ صحیح مسلم میں ہے۔ (۴)

كان رسول الله ﷺ يغز و بام سليم و نسوة من الانصار مع اذا عز فيسقين الماء و يداوين الجرحى

''آنحضرت ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے' جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔''

غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے جمے ہوئے قدم اکھڑ گئے تھے' وہ نہایت مستعدی سے کام کر رہی تھیں' صحیح بخاری میں حضرت انس سے منقول ہے کہ ''میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ مشک بھر بھر لاتیں تھیں' اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں' مشک خالی ہو جاتی تھی تو وہ پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔ (۵)

۵ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا' اس موقع پر حضرت ام سلیم نے ایک لگن میں مالیدہ بنا کر حضرت انس کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ آنحضرت ﷺ سے کہنا کہ اس حقیر ہدیہ کو قبول فرمائیں۔

۷ھ میں خیبر کا واقعہ ہوا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا اس میں شریک تھیں' آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ سے نکاح کیا تو حضرت

۱۔ اصابہ بحوالہ ابن سعد ۲۔ صحیح مسلم، ۲ص، ۳۵۲، صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۴۴
۳۔ مسلم، ج ۲، ص ۱۰۳ ۴۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، ج ۲، ص ۵۸۱ ۵۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۵۵

ام سلیم ہی نے حضرت صفیہ کو آنحضرت کے لیے سنوارا تھا۔(۱)

غزوہ حنین میں وہ ایک خنجر ہاتھ میں لیے تھیں۔ حضرت ابوطلحہ نے دیکھا تو آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ام سلیم خنجر لیے ہیں' آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا کروگی؟ بولیں ''اگر کوئی مشرک قریب آئے گا تو اس کا پیٹ چاک کروں گی'' آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے حضرت ام سلیم نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مکہ کے قریب جو لوگ فرار ہو گئے ہیں ان کے قتل کا حکم دیجیے' ارشاد ہوا ''خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔''(۲)

وفات:

حضرت ام سلیم کی وفات کا سال اور مہینہ معلوم نہیں' لیکن قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے خلافت راشدہ کے ابتدائی زمانہ میں وفات پائی ہے۔

اولاد:

جیسا کہ اوپر معلوم ہوا انہوں نے دو نکاح کیے تھے' پہلے شوہر سے حضرت انس پیدا ہوئے' حضرت ابوطلحہ سے دو لڑکے پیدا ہوئے' ابو عمیر اور عبداللہ' ابو عمیر صغیر سنی میں فوت ہو گئے اور عبداللہ سے نسل چلی۔

فضل وکمال:

حضرت ام سلیم سے چند حدیثیں مروی ہیں' جن کو حضرت ابن عباس، زید بن ثابت، ابو سلمہ، اور عمرو بن عاصم نے ان سے روایت کیا ہے لوگ مسائل دریافت کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم میں ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تھا تو ان بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا۔(۳)

ان کو مسائل پوچھنے میں کوئی عار نہ تھی۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تھیں اور کہا یا رسول اللہ ﷺ خدا حق بات سے نہیں شرماتا کیا عورت پر خواب میں غسل واجب ہے' ام المومنین حضرت ام سلمہ یہ سن رہی تھیں' بے ساختہ ہنس پڑیں کہ تم نے عورتوں کی بڑی فضیحت کی؟ بھلا کہیں عورتوں کو بھی ایسا ہوتا ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں؟ ورنہ بچے ماں کے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں۔(۴)

اخلاق:

حضرت ام سلیم میں بڑے بڑے فضائل اخلاق جمع تھے' جوش ایمان کا یہ عالم تھا کہ اپنے شوہر سے صرف اس بنا پر علیحدگی اختیار کی کہ وہ اسلام قبول کرنے پر رضامند نہ تھے' حضرت ابوطلحہ نے نکاح کا پیغام دیا تو محض اس وجہ سے رد کر دیا کہ وہ مشرک تھے اس موقع پر انہوں نے ابوطلحہ کو جس خوبی سے اسلام کی دعوت دی وہ سننے کے قابل ہے مسند احمد میں ہے:

قالت یا ابا طلحہ ! الست تعلم ان الھاك الذی تعبد نبت من الارض قال بلی قالت افلا تستحی تعبد شجرہ۔(۵)

''ام سلیم نے کہا ابوطلحہ! تم جانتے ہو کہ تمہارا معبود زمین سے اگا ہے؟ انہوں جواب دیا ہاں' حضرت ام سلیم بولیں تو پھر تم کو درخت کی پوجا کرتے شرم نہیں آتی؟

حضرت ابوطلحہ پر اس تقریر کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گئے۔

۱۔ صحیح مسلم، ج ا، ص ۵۴۶ ۲۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۰۳ ۳۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۴۳۰۔۴۳۱

۴۔ مسند احمد، ج ۶، ص ۶۹۲، ۳۰۶، ۳۷۶ ۵۔ الاصابۃ، ج ۸، ص ۲۴۳

آنحضرت ﷺ سے حد درجہ محبت کرتی تھیں، آپ اکثر ان کے مکان پر تشریف لے جاتے اور دوپہر کو آرام فرماتے تھے۔ جب بستر سے اٹھتے تو وہ آپ کے پسینے اور ٹوٹے ہوئے بالوں کو ایک شیشی میں جمع کرتی تھیں۔ (۱)

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے ان کی مشک سے منہ لگا کر پانی پیا تو وہ اٹھیں اور مشک کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا دہن مبارک مس ہوا ہے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کو بھی ان سے خاص محبت تھی، صحیح مسلم میں ہے۔ (۳)

کان النبی ﷺ لا یدخل علی احد من النساء الا علی ازواجه الا ام سلیم فانه یدخل علیها فقیل فی ذالك فقال انی رحمهما قتل اخوها معی۔

''آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کے علاوہ اور کسی عورت کے یہاں نہیں جاتے تھے لیکن ام سلیم مستثنیٰ تھیں لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے، ان کے بھائی (حرام) نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اکثر اوقات حضرت ام سلیم کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت ام سلیم نہایت صابر اور مستقل مزاج تھیں، ابو عمیر ان کا بہت لاڈلہ اور پیارا بیٹا تھا لیکن جب اس نے انتقال کیا تو نہایت صبر سے کام لیا اور گھر والوں کو منع کیا کہ ابوطلحہ کو اس واقعہ کی خبر نہ کریں، رات کو ابوطلحہ آئے تو ان کو کھانا کھلایا اور اطمینان سے بستر پر لیٹے، کچھ رات گزرنے پر ام سلیم نے واقعہ کا تذکرہ کیا، لیکن عجیب انداز سے بولیں اگر تم کو کوئی شخص عاریۃً کوئی ایک چیز دے اور پھر اس کو واپس لینا چاہے تو کیا تم اس کے دینے سے انکار کرو گے؟ ابوطلحہ نے کہا کبھی نہیں، کہا تو اب تم کو اپنے بیٹے کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔ ابوطلحہ سن کر غصہ ہوئے کہ پہلے سے کیوں نہ بتلایا۔ صبح اٹھ کر آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور سارا واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا، خدا نے اس رات تم دونوں کو بڑی برکت دی۔ (۴)

اسی طرح ایک مرتبہ ابوطلحہ آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ بھوکے ہیں کچھ بھیج دو، حضرت ام سلیم نے چند روٹیاں ایک کپڑے میں لپیٹ کر حضرت انس کو دیں کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں، آپ مسجد میں تھے اور صحابہ بھی بیٹھے ہوئے تھے، حضرت انس کو دیکھ کر فرمایا، ابوطلحہ نے تم کو بھیجا ہے؟ بولے جی ہاں کھانے کے لیے؟ کہا ہاں، آپ تمام صحابہ کو لے کر ابوطلحہ کے مکان پر تشریف لائے، ابوطلحہ دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت ام سلیم سے کہا اب کیا کیا جائے؟ کھانا بہت قلیل ہے اور آنحضرت ﷺ ایک مجمع کے ساتھ تشریف لائے ہیں، حضرت ام سلیم نے نہایت استقلال سے کہا کہ ان باتوں کو خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں، آنحضرت ﷺ اندر آئے تو حضرت ام سلیم نے وہی روٹیاں اور سالن سامنے رکھ دیا، خدا کی شان اس میں بڑی برکت ہوئی اور سب لوگ سیر ہو گئے۔ (۵)

حضرت ام سلیم کے فضائل و مناقب بہت ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں گیا تو مجھ کو آہٹ معلوم ہوئی، میں نے کہا کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انس کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔ (۶)

۱۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۹۲۹ ۲۔ مسند احمد، ج۶، ص۳۷۶ ۳۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۳۴۱ ۴۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۳۴۲

۵۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۸۱۰ ۶۔ صحیح مسلم ج۲ ص۳۴۲۔ سیر الصحابہ، ج۲، ص۷۶۔۷۹

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیات سند:

یہ حدیث مبارکہ سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اکیاسیویں (۸۱) حدث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے کوفی، حضرت ام سلیم مدنیہ اور باقی بصری راوی ہیں۔

☆ امام نسائی کے شیخ اسحاق ابن ابراہیم، ابن راھویہ کے نام سے مشہور ہیں، اور بہت بڑے امام ومحدث ہوئے ہیں۔ان کی تصنیف مسند اسحاق بن راھویہ ہے۔

☆ یہ صحابی انس کی صحابیہ (حضرت ام سلیم) سے روایت ہے۔

☆ یہ بیٹے کی ماں سے روایت ہے۔

☆ حضرت ام سلیم، حضور اکرم ﷺ کی خالہ ہیں۔

☆ حضور اکرم ﷺ ان کے گھر اکثر چلے جاتے تھے۔

☆ حضرت ام سلیم مشہور خادم رسول ﷺ اور راوی حدیث حضرت انس بن مالک کی والدہ اور حضرت ابوطلحہ کی زوجہ ہیں۔

☆ سنن نسائی میں حضرت ام سلیم سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور سالت ایک ایک بار حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

سالت: اس ایک عورت نے پوچھا۔ تری: وہ ایک عورت دیکھے۔ منامھا: اپنے خواب میں۔
مراۃ: عورت الرجل: مرد انزلت: وہ ایک عورت نکالے مراد ہے دیکھے۔
الماء: پانی۔مراد منی ہے تغتسل: تو غسل کر۔

۱۹۶۔أَخْبَرَنَا كَثِيرُ بْنُ عُبَيْدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبٍ عَنِ الزُّبَيْدِيِّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ كَلَّمَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَائِشَةُ جَالِسَةٌ فَقَالَتْ لَهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ أَرَأَيْتَ الْمَرْأَةَ تَرٰى فِي النَّوْمِ مَا يَرَى الرَّجُلُ أَفَتَغْتَسِلُ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "نَعَمْ۔" قَالَتْ عَائِشَةُ فَقُلْتُ لَهَا أُفٍّ لَكِ أَوَتَرَى الْمَرْأَةُ ذٰلِكَ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ "تَرِبَتْ يَمِينُكِ فَمِنْ أَيْنَ يَكُونُ الشَّبَهُ"

حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں:
حضرت ام سلیم نے میری موجودگی میں آقا کریم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا: اگر کوئی عورت خواب میں وہ دیکھے جو مرد دیکھتا ہے، کیا اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا تجھ پر افسوس کیا عورت بھی یہ دیکھتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں! پھر (بچے میں عورت کی) مشابہت کیسے ہوتی ہے؟

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
اگر کوئی عورت خواب میں وہ دیکھے، جو مرد دیکھتا ہے، کیا اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔

۲۔اطراف: مسلم: ۳۱۴، ابوداؤد: ۲۳۷، احمد: ۲۴۶۶۴، السنن الکبریٰ: ۲۰۳، تحفۃ الاشراف: ۱۶۶۲۷۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت کثیر بن عبید کے حالات تحریر کیے جاتے ہیں:

۱۔کثیر ابن عبید:

آپ کا نام ابوالحسن کثیر بن عبید بن نمیر مذاء مذحجی حمصی مقری (۲۵۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں (۱)

۲۔محمد بن حرب: راجع: ۱۷۲　　۳۔الزبیدی: راجع: ۵۶　　۴۔الزھری: راجع: ۱

۶۔عائشہ: راجع: ۵

۴۔حکم روایت: یہ حدیث صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

۱۔i۔الجرح وتعدیل، ج ۷، ص ۱۵۵　　ii۔الثقات، ج ۹، ص ۲۷

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ بیاسیویں (۸۲) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے تمام رواۃ ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ احادیث روایت کرتے ہیں۔
☆ البتہ حضرت کثیر بن عبید سے امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔
☆ حضرت عروہ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ تابعین میں سے ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی حمصی اور آخری تین مدنی ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

۶۔لغات:

کلمت: اس نے کلام کیا۔ جالسة: وہ ایک عورت بیٹھی لا یستحی: وہ نہیں شرماتا۔
ارایت: آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ تری: وہ ایک عورت دیکھے۔ اف لك: تجھ پہ افسوس۔
فالتفت الی: آپ میری طرف متوجہ ہوئے تربت یمینك: تیرا ہاتھ خاک آلود ہو۔ الشبه: مشابہت اس کی۔یعنی بچے کی

۱۹۷۔اَخْبَرَنَا شُعَيْبُ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيٰى عَنْ هِشَامٍ قَالَ اَخْبَرَنِي اَبِي عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اُمِّ سَلَمَةَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ هَلْ عَلَى الْمَرْاَةِ غُسْلٌ اِذَا هِيَ احْتَلَمَتْ قَالَ "نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ" فَضَحِكَتْ اُمُّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اَتَحْتَلِمُ الْمَرْاَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَفِيْمَ يُشْبِهُهَا الْوَلَدُ"

حضرت ام سلمہ بیان کرتی ہیں:
ایک عورت نے سوال پوچھا: یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا: جب عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا ہاں: ہاں! جب وہ پانی (منی) دیکھے۔حضرت ام سلمہ مسکرائیں اور کہا: کیا عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر بچہ کس وجہ سے ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
جب عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں جب وہ پانی دیکھے۔

۲۔اطراف:

مسلم: ۳۱۳، سنن ترمذی: ۱۲۲، سنن نسائی: ۱۹۷، سنن ابوداؤد: ۲۳۷، سنن ابن ماجہ: ۶۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۹، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۲۶۵، سنن دارمی: ۷۶۲، مسند ابوعوانہ، ج ۱، ص ۲۹۲، صحیح ابن حبان: ۱۱۶۶، مسند الشامیین: ۱۷۴۹، مسند احمد: ۲۴۶۱۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔شعیب بن یوسف:	راجع:۴۹	۲۔یحییٰ:	راجع:۴
۳۔ھشام:	راجع:۶۱	۴۔عمروۃ بن الزبیر:	راجع:۴۴
۵۔زینب بنت ام مسلمہ:	راجع:۱۸۲	۶۔ام سلمہ:	ایضاً

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ تریاسویں (۸۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی نسائی، دوسرے بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت شعیب بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی نسائی نسبت سے مشہور ہیں، اور یہ آپ کے ہم علاقہ ہیں۔

☆ یہ روایت بیٹے (ھشام) کی باپ (عروہ) سے روایت ہے، اسی طرح یہ بیٹی (زینب) کی اپنی ماں (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے۔ اس طرح سنن نسائی کی یہ پہلی سند ہے، جس میں بیٹا باپ سے اور بیٹی ماں سے روایت کرتی ہے۔

☆ یہ صحابیہ (زینب) کی دوسری صحابیہ (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے۔

☆ اس سند میں دو صحابیہ رواۃ ہیں۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ آخری راویہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین میں سے ہیں۔ سند میں الفاظ روایت حدثنا ایک دفعہ، صیغہ اخبار دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راٰت الماء: وہ عورت پانی دیکھے، مراد ہے منی موجود پائے

فیم یشبھھا الولد: بچہ ماں کی شباہت پر کیوں ہوتا ہے؟

۱۹۸۔اَخْبَرَنَا يُوْسُفُ بْنُ سَعِيْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ عَنْ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ عَطَاءً الْخُرَاسَانِيَّ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَرْاَةِ تَحْتَلِمُ فِيْ مَنَامِهَا فَقَالَ "اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ فَلْتَغْتَسِلْ۔"

حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے بارے میں پوچھا، جسے خواب میں احتلام ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب وہ پانی (منی) موجود پائے، تو غسل کرے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

ابن ماجہ: ۶۰۲، احمد: ۲۷۳۸۲، السنن الکبریٰ: ۲۰۴

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ یوسف بن سعید: آپ کا نام ابو یعقوب یوسف بن سعید بن مسلم مصیصی انطا کی (م: ۲۷۱ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ، حافظ، صدوق راوی ہیں، امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ حجاج: راجع: ۲۳ ۳۔ شعبۃ: راجع: ۲۶

۴۔ عطاء الخراسانی: آپ کا نام ابو عثمان عطاء بن ابی مسلم مسرہ خراسانی (م: ۱۳۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، البتہ تدلیس اور ارسال کرتے ہیں، امام مسلم اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۵۔ سعید بن المسیب: راجع: ۹

۶۔ حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا:

نام ونسب:

خولہ نام، ام شریک کنیت قبیلہ سلیم سے تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ ہوتی ہیں۔ (۳) نسب نامہ یہ ہے: خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص بن مرہ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم۔

نکاح:

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، نکاح ہوا۔

عام حالات:

مسلمان ہو کر مدینہ کو ہجرت کی ۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون نے وفات پائی تو حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا نکاح کیا، اکثر پریشان رہتی تھیں صحیح بخاری میں روایت آئی ہے کہ انہوں نے اپنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (۴)

فضل وکمال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پندرہ حدیثیں روایت کیں، روایان حدیث میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، بشیر بن سعید رضی اللہ عنہ، عروہ اور ربیع بن مالک رضی اللہ عنہ داخل ہیں۔

۱۔ i۔ المعجم المشتمل، ص ۱۱۸۴ ii۔ تہذیب الکمال، ج ۲۰، ص ۱۱۰ ۲۔ i۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۴۰۵ ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۳۹۰

۳۔ مسند، ج ۶، ص ۴۰۹ ۴۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۶۷، وتہذیب، ج ۲، ص ۲۱۵

اخلاق:

اسد الغابہ میں ہے کانت امرءۃ صالحہ، وہ ایک نیک بی بی تھیں‘ مسند میں ہے تصوم النھار وتقوم اللیل ”یعنی دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت کرتی تھیں۔

ابتداء زیور کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اگر طائف فتح ہوا تو آپ ﷺ مجھ کو فلاں عورت کا زیور دیجئے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اگر خدا اس کی اجازت نہ دے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔(۱)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور دیگر متابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چوراسویں (۸۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت عطاء خراسانی صدوق متکلم فیہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مصیصی، تیسرے بصری، چوتھے خراسانی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت سعید بن مسیب فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ آپ کی مرسل روایات اصح ترین ہیں، اور قابل قبول ہیں۔

☆ حضرت خولہ بنت حکیم ؓ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

سالت: میں نے پوچھا	المرأۃ: عورت
تحتلم: اس ایک عورت کو احتلام ہوا	منامھا: اپنی نیند۔ اپنا خواب
رات: اس ایک عورت نے دیکھا	الماء: پانی۔ مراد ہے منی
فلتغتسل: اسے چاہیے کہ وہ غسل کرے	

۷۔مسائل ونصائح:

اللہ تعالیٰ ﷻ کے حیاء کرنے کا معنی ہے: کسی کام کو ترک کرنا:

۱۔اصابہ، ج ۸، ص ۷۰۔ سیر الصحابۃ، ج ۲، ص ۱۱۰

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ حق سے حیاء نہیں فرماتا، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ حق بیان کرنے کو ترک نہیں فرماتا، اسی طرح میں بھی اپنی حاجت کے سوال کو ترک نہیں کرتی، جس کا سوال کرنے میں عموماً عورتیں حیاء کرتی ہیں، کیونکہ عورتوں کی منی کا نازل ہونا، اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان کو مردوں کی شدید خواہش ہے، حیاء کی تاویل ہم نے ترک کرنے سے اس لئے کی ہے کہ حیاء انسان کی اس کیفیت کو کہتے ہیں، جو کسی عیب یا مذمت کے خوف سے طاری ہوتی ہے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لئے محال ہے، جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک تمہارا رب تبارک وتعالیٰ حیاء فرمانے والا کریم ہے، جب بندہ اس کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو وہ ان کو خالی لوٹانے سے حیاء فرماتا ہے۔(۱)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے بندہ کی دعا قبول نہ کرنے اور اس کے ہاتھوں کے خالی لوٹانے کو حیاء سے تعبیر فرمایا ہے، پس اللہ تعالیٰ کا ہاتھوں کے خالی لوٹانے کو ترک فرمانا، اس کا حیاء فرمانا ہے، جیسے کریم کا کسی محتاج کے لوٹانے کو ترک کرنا، اس کا حیاء کرنا ہے۔

☆ بچہ ماں یا باپ کے کس وجہ سے مشابہ ہوتا ہے؟

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی منی پر اس کے بچہ کی اس کے ساتھ مشابہت سے استدلال فرمایا ہے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے جواب میں فرمایا:

پس مشابہت کس وجہ سے ہوتی ہے؟ مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے، پس ان میں سے جس کا پانی بھی غالب ہو اور سابق ہو، اسی کی وجہ سے مشابہت ہوتی ہے۔(۲)

☆ ایک اور حدیث میں فرمایا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: جب عورت کو احتلام ہو اور وہ پانی دیکھ لے تو کیا وہ غسل کرے گی؟

آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت سے کہا: تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں اور جنگ زدہ ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس عورت کو چھوڑ دو، عورت کی اپنے بچے کے ساتھ مشابہت اس پانی کی وجہ سے ہوتی ہے، جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب ہو جائے تو بچہ اپنے ماموں کے مشابہ ہوتا ہے اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب ہو جائے تو بچہ اپنے چچاؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔(۳)

☆ حدیث مذکور کے دیگر مسائل اور فوائد:

۱۔ پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق عالم سے سوال کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ عورت یا مرد جس کو بھی احتلام ہو اور اس کے کپڑوں پر پانی لگ جائے اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

۳۔ مرد کا پانی سفید ہوتا ہے اور اس کی بو گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوتی ہے اور جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو اس کی بو انڈے کی طرح ہوتی ہے،

۱۔ سنن ابوداؤد: ۱۴۸۸، سنن ترمذی: ۳۵۵۶، سنن ابن ماجہ: ۳۸۶۶

۲۔ صحیح مسلم: ۳۱۱، سنن نسائی: ۲۰۰۔۱۹۵، السنن الکبریٰ للنسائی: ۲۰۲، سنن ابن ماجہ: ۶۰۱ ۳۔ صحیح مسلم: ۳۱۴

مرد کا پانی اچھل کر نکلتا ہے اور اس کے بعد جسم پر نقاہت اور کمزوری طاری ہوتی ہے اور اس پانی کے خروج کے وقت جسم کو لذت آتی ہے اور اس کے آلہ میں شہوت ہوتی ہے اور شہوت اور لذت سے خروج منی کے بعد غسل واجب ہوتا ہے اور عورت کی منی کے خروج کے بعد اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ اس کو شہوت ہو یا نہ ہو اور شہوت سے مراد یہ ہے کہ عورت کو مرد سے اور مرد کو عورت سے جماع کی خواہش ہو۔

۴۔ اس حدیث میں قیاس کا ثبوت ہے اور ایک چیز کے لئے اس کی نظیر کا حکم ثابت کرنا ہے اور اس میں عورت کی منی کا ثبوت ہے۔(۱)

☆ **حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا عورتوں کے احتلام کا انکار کرنا کس وجہ سے تھا؟**

مولانا تقی عثمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہیں:

یہ مسئلہ باب ''فیمن یستیقظ ویری بللاً'' میں گذر چکا ہے، لیکن وہاں ضمناً تھا، اور یہاں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے قصداً بیان کیا ہے، اس پر اتفاق ہے کہ عورت پر خروج ماء بشہوۃ سے غسل واجب ہوتا ہے، صرف ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان کے نزدیک واجب نہیں ہوتا، ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر یہ نسبت صحیح ہے تو اس کے خلاف ام سلیم رضی اللہ عنہا کی روایت باب حجت ہے، ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس پر محمول ہے کہ خروج الماء الی الفرج الخارج نہ ہوا ہو بلکہ صرف لذت کا احساس ہوا ہو، چنانچہ صاحب درمختار نے فرمایا کہ اگر نزول ماء کا احساس ہوا، لیکن فرج خارج تک وہ نہیں پہنچا، تو اس وقت بعض احناف کے نزدیک غسل واجب ہو گیا، لیکن مختار یہ ہے کہ واجب نہیں ہوا، کیونکہ حق مرأۃ میں وجوب غسل کا مدار خروج الماء الی الفرج الخارج ہے۔

☆ حدیث باب اور بعض دوسری احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت میں بھی مادۂ منویہ موجود ہوتا ہے، جس کا خروج بھی ہوتا ہے، لیکن قدیم و جدید اطباء کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ عورت میں منی بالکل نہیں ہوتی، اور اس کے لحاظ سے انزال کا مطلب محض استکمال لذت ہے، البتہ اطباء اس بات کا اقرار کرتے ہیں، کہ عورت میں ایک خاص قسم کی رطوبت ہوتی ہے، ان میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے، لیکن در حقیقت کوئی تعارض نہیں، حقیقت یہ ہے کہ عورت کی بھی منی ہوتی ہے، البتہ وہ باہر نہیں نکلتی، بلکہ عموماً اس کا انزال رحم ہی کے اندر ہی ہوتا ہے، البتہ بعض غیر معمولی صورتوں میں یہ انزال باہر کی جانب بھی ہو جاتا ہے، حدیث باب میں اسی غیر معمولی صورت کو بیان کیا گیا ہے، اور اطباء نے جو نفی کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ منی مرأۃ مثل منی رجل نہیں ہوتی، یہ تحقیق شیخ بوعلی سینا کے قول سے مؤید ہے، جنہوں نے تصریح کی ہے کہ عورت میں منی نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا خروج باہر کی جانب نہیں ہوتا، ورنہ جہاں تک اس کے وجود کا معاملہ ہے اس میں شبہ نہیں ہے، کیونکہ میں نے خود عورت کے مستقر میں منی دیکھی ہے۔

☆ قالت ام سلمۃ: اس روایت میں اس قول کا قائل حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو قرار دیا گیا ہے، جبکہ مؤطا (۲) کی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قرار دیا گیا ہے، قاضی عیاض اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس تعارض کو اس طرح رفع کیا کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں موجود تھیں، اور دونوں نے یہ بات کہی تھی ''فذکر کل راو مالم یذکرہ الآخر''۔

☆ قلت لها فضحت النساء یا ام سلیم: مطلب یہ ہے کہ تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی بات پوچھی جو عورتوں کی کثرت شہوت پر دال ہے، اس لئے تم نے عورتوں کو رسوا کر دیا ''والکتمان فی ذلک من عادۃ النساء''

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۴۸۹ ۲۔ للامام مالک، ص ۳۷

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ "باب فیمن یستیقظ ویری بللاً" میں گذرا ہے کہ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی نے آپ سے یہ سوال کیا تھا تو پھر ام سلیم رضی اللہ عنہا پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سوال کا سائل قرار دیا گیا ہے عبداللہ بن عمر راوی کی وجہ سے ضعیف ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "وعبداللہ ضعفه یحییٰ بن سعید من قبل حفظه في الحدیث" لہٰذا اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہاں پر بھی اصل سائلہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہوں جن کا نام ضعیف راوی کو یاد نہ رہا، اور اس نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ذکر کر دیا، اس کی تائید اس لئے بھی ہوتی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا متشابہ اسماء ہیں جس میں ضعیف راوی کے لئے وہم کا قوی امکان موجود ہے، واللہ اعلم۔(۱)

☆ **شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:**

اصل لغت میں تو اس لفظ یعنی قربت یمینک کا معنی کسی کے لئے ذلت ومحتاجی کی بد دعا کرنا ہوتا ہے۔ پھر بعد میں یہ لفظ عربوں کی زبان زد ہو گیا ہے تعجب اور مذمت کے وقت استعمال کرتے ہیں۔ اس کا حقیقی معنی مراد نہیں لیتے۔ یہاں اس سے یہ مراد ہے کہ اے ام سلمہ تجھ پر تعجب کہ تو اس طرح کی بات کر رہی ہے اور تو اپنی سمجھ اور فراست سے کام نہیں لے رہی کہ عورت سے بھی منی خارج ہوتی ہے جس طرح مرد سے خارج ہوتی ہے۔ اگر عورت سے منی خارج نہیں ہوتی تو پھر بچہ کس وجہ سے عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔

چنانچہ اگر مرد کی منی پہلے رحم میں چلی گئی یا وہ غالب آ گئی تو بچہ مرد کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور اگر عورت کی منی پہلے رحم میں گئی یا وہ غالب آ گئی تو بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔(۲)

☆ **مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:**

یہ حدیث گذشتہ حدیث کی تفسیر ہے یعنی خواب کی صورت میں بغیر تری دیکھے غسل واجب نہیں خواہ منی ہو یا مذی کیونکہ کبھی منی پتلے ہونے کی صورت میں مذی محسوس ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو بیبیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے والی ہوں انہیں احتلام نہیں ہوتا، یعنی رب تعالیٰ انہیں زنا کے خیال سے بھی پاک رکھتا ہے ازواج پاک کی عصمت۔

☆ سبحان اللہ کیسا حکیمانہ جواب ہے مقصد یہ ہے کہ احتلام کی علت یا احتلام کی وجہ منی ہے اور منی عورت میں ہے لہٰذا احتلام بھی عورت کو ہونا چاہئے اور منی کا ثبوت یہ ہے کہ کبھی بچہ ماں کی ہم شکل ہوتا ہے جب ماں کی منی باپ کی منی پر غالب ہو ہاتھ کا خاک میں ملنا بد دعا نہیں بلکہ عرب والے کبھی محبت میں بھی یہ کلمہ بولتے ہیں جیسے اردو منڈی مشنڈی، پنجابی میں رڑ جائیں اوتر جائیں وغیرہ۔

یہ اصلی حالت ہے ورنہ کبھی کمزور مرد کی منی پتلی اور کمزور ہو جاتی ہے اور طاقتور عورت کی منی سفید اور گاڑھی، بچہ ماں باپ کی مخلوط منی سے بنتا ہے جس کے اجزاء زیادہ ہوں گے بچہ اس کی جنس سے ہوگا۔ یعنی اگر عورت کی منی کے زیادہ اجزاء ہیں تو لڑکی ہوگی ورنہ لڑکا اور رحم میں جس کی منی پہلے گرے گی بچہ اس کی شکل پر ہوگا۔(۳)

☆ **سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:**

۱۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۳۷۰۔۳۷۱ ۲۔ اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۶۴۶ ۳۔ مراۃ المناجیح، ج ۱، ص ۲۷۹۔۲۸۰

ارسطو کا نظریہ یہ ہے کہ عورت کے بھی منی ہوتی ہے اور بچہ عورت اور مرد دونوں کی منی سے بنتا ہے۔ لیکن جالینوس کا خیال یہ ہے کہ بچہ صرف مرد کی منی سے بنتا ہے اور عورت کی منی نہیں ہوتی۔ ایک رطوبت ہے جو منی کے مشابہ ہے حدیث میں ہے مرد کی منی غلیظ اور بد بودار ہوتی ہے اور عورت کی منی رقیق زردی مائل ہوتی ہے تو زوجین میں سے جس کی منی غالب آجائے بچہ اسی کی شکل پر ہوتا ہے۔ اس حدیث نے جالینوس کے خیال کی تردید کی ہے۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے احتلام کے متعلق سوال کیا اور اس سے شرم نہ کی جس سے واضح ہوا کہ مسائل و احکام دین کے سمجھنے اور پوچھنے میں شرم کرنا مذموم ہے۔

امہات المؤمنین کو اللہ عزوجل نے حاضری خدمت سے پہلے بھی احتلام سے محفوظ رکھا اس لئے کہ احتلام میں شیطان کی مداخلت ہوتی ہے اور شیطانی مداخلتوں سے ازواج مطہرات پاک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ام سلیم رضی اللہ عنہا نے احتلام کے متعلق سوال کیا تو حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سوال پر تعجب ہوا۔ (۱)

☆ **شیخ حافظ محمد امین نجدی مذکورہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:**

خواب مرد اور عورت دونوں کو آسکتا ہے۔ خواب میں جماع والا عمل بھی نظر آسکتا ہے مگر غسل تب واجب ہوتا ہے جب منی نکلے، خواہ مرد ہو یا عورت۔ اگر منی نہ نکلے تو، خواہ خواب میں اس نے مکمل جماع بھی کیا ہو، غسل واجب نہ ہوگا۔ اور اگر خواب کے بغیر بلا شہوت سوتے میں منی نکل جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے، مرد ہو یا عورت۔ گویا احتلام میں غسل کا سبب منی کا نکلنا ہی ہے، چاہے منی مرد کی نکلے یا عورت کی۔

اف لك، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا علم نہ ہوگا اور ان کے تجربے سے یہ بات نہ گذری ہوگی۔ ویسے بھی عورتوں کو احتلام بہت کم ہوتا ہے، خصوصاً خواب میں منی کا نکلنا تو شاذ و نادر ہے۔

☆ تربت یمینك ''تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔'' معنی کے لحاظ سے تو یہ بددعا ہی ہے۔ لیکن اہل عرب یہ اور اس طرح کے دیگر محاورے، مثلاً: قاتلاه الله، ماأشجعه، لا ام له، ثكلتك امك، وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ اور وہ اس سے ان کے حقیقی معنی مراد نہیں لیتے تھے بلکہ کسی چیز کا انکار کرنے، اس کی مذمت کرنے، اس پر رغبت دلانے یا تعجب کے لئے بولتے تھے۔ واللہ اعلم۔ (۲)

فمن این یکون الشبه، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقلی دلیل دی ہے کہ اگر عورت کو انزال نہیں ہوتا اور اس کا پانی نہیں نکلتا تو بچے میں اس سے مشابہت کہاں سے آجاتی ہے؟ جب کہ کئی بچوں کی ماؤں سے بھی بہت مشابہت ہوتی ہے۔

☆ ان روایات میں امام زہری رحمہ اللہ اور ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کے مابین اختلاف ہے کہ یہ مکالمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے یا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا؟ امام ابوداؤد کے نزدیک زہری رحمہ اللہ کی روایت راجح ہے، یعنی یہ مکالمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کے مابین ہوا انہوں نے اس کے شواہد بھی ذکر کئے ہیں۔ مگر قاضی عیاض کی تحقیق کے مطابق یہ مکالمہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم رضی اللہ عنہا کے درمیان ہوا، اس طرح ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کی روایت راجح ہوگی اور امام بخاری رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (۳) تاہم علامہ نووی نے دونوں روایتوں کے مابین یوں تطبیق دی ہے کہ عین ممکن ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ہی اس موقع پر موجود ہوں اور دونوں نے تعجب کا اظہار کیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (۴)

☆ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ جو انہوں نے اپنے سوال سے پہلے کہا کہ ''اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا''۔ ان کے کمال حسن ادب پر دلیل ہے، یعنی

۱۔ فیوض الباری، ج۱، ص۴۴۸ ۲۔ دیکھئے: شرح مسلم للنووی، ج۳، ص۲۸۵ ۳۔ دیکھئے: صحیح البخاری، العلم حدیث: ۱۳۰

۴۔ شرح مسلم للنووی: ج۳، ص۲۸۶، تحت حدیث: ۳۳۱، وعون المعبود: ج۱، ص۴۰۳۔۴۰۴، تحت حدیث: ۲۳۷

جوبات عرفاً زبان پر نہیں لائی جاتی اور مجھے اس کی شرعاً ضرورت ہے، وہ بتائی جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں کتنی اچھی ہیں کہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے میں حیا انہیں آڑے نہیں آتی۔ (۱)

☆ **علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن عینی حنفی لکھتے ہیں:**

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: اس حدیث مبارکہ میں دلیل ہے کہ سب عورتوں کو احتلام نہیں ہوتا، اسی لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس کا انکار کیا، بلکہ احتلام تو بعض مردوں کو بھی نہیں ہوتا، اور عورتوں کی اکثریت کو احتلام نہیں ہوتا۔ بعض نے انکار کی وجہ یہ بیان کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی وجہ ان کی صغرسنی ہے، اور خاوند کے ساتھ رہتی تھیں، کیونکہ وہ حائضہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہوئیں، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ کبھی زیادہ عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ بھی نہ رہیں تھیں، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں وہ احتلام سے واقف نہ تھیں، کیونکہ اکثر عورتیں احتلام سے واقف نہیں ہوتیں، کیونکہ خاوند موجود ہوتے ہیں، جب خاوند موجود نہ ہوں تو عورتوں کو احتلام ہوتا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں: میرے نزدیک پہلی وجہ زیادہ صحیح اور زیادہ بہتر ہے، جبکہ حضرت ام سلمہ کا پہلا خاوند فوت ہو چکا تھا، اور وہ ان مسائل کی بہت بڑی عالمہ تھیں، اس کے باوجود انہوں نے بھی حضرت عائشہ صدیقہ کی طرح انکار کیا۔ یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بعض عورتوں کو حالت بیداری میں جماع کے علاوہ منی نہیں آتی، بعض نے یہ بھی کہا ہے: کہ حضرت ام سلمہ نے جوانی میں حضرت ابوسلمہ سے شادی کی، جب وہ فوت ہو گئے، تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر لیا، اس لئے بھی اور کثرت سے عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے بھی ان کو اس کا علم نہ تھا۔ (۲)

حدیث مبارکہ کے دیگر مسائل اور فوائد:

(۱) پیش آمدہ مسئلہ کے متعلق عالم سے سوال کرنے میں حیاء نہیں کرنی چاہیے۔

(۲) عورت یا مرد جس کو بھی احتلام ہو اور اس کے کپڑوں پر پانی لگ جائے اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۳) مرد کا پانی سفید ہوتا ہے اور اس کی بو گندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوتی ہے اور جب پانی خشک ہو جاتا ہے تو اس کی بو انڈے کی طرح ہوتی ہے، مرد کا پانی اچھل کر نکلتا ہے اور اس کے بعد جسم پر نقاہت اور کمزوری طاری ہوتی ہے اور اس پانی کے خروج کے وقت جسم کو لذت آتی ہے اور اس کے آلہ شہوت ہوتی ہے اور شہوت ہو یا نہ ہو اور شہوت سے مراد یہ ہے کہ عورت کو مرد سے اور مرد کو عورت سے جماع کی خواہش ہو۔

(۴) اس حدیث میں قیاس کا ثبوت ہے اور ایک چیز کے لیے اس کی نظیر کا حکم ثابت کرنا ہے اور اس میں عورت کی منی کا ثبوت ہے۔ (۳)

خلاصہ:

☆ مذکورہ حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ عورت کو حالت خواب میں اگر احتلام ہو، اور بیدار ہونے پر کپڑوں یا جسم پر منی پائے تو اس پر غسل کرنا واجب ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے حق میں حیاء نہ کرنے کا مطلب ہے، اللہ تعالیٰ حق بیان کرنے کو ترک نہیں فرماتا۔

۱۔ صحیح البخاری، قبل حدیث: ۱۳۰۔ سنن نسائی (فوائد)، ج ۱، ص ۲۲۲۔۲۲۴

۲۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۵۰۔۳۵۱ ۳۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۴۹۰

☆ حضرت ام سلیم کا ابتداء میں یہ جملہ بولنا کمال ادب حسن ہے، کہ جس بات کو تمام طور پر عورتیں زبان پر نہیں لاتیں، مجھے شرعی طور پر اس کے علم کی ضرورت ہے، اس لیے مجھے اس بارے میں بتلایا جائے۔ حضرت ام سلیم انصاریہ صحابیہ ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں: انصار کی عورتیں کتنی اچھی ہیں، دین کی سمجھ بوجھ کے لیے انہیں حیاء آڑے نہیں آتی۔(۱)

☆ یہ مکالمہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلیم کا ہے یا حضرت ام سلمہ اور ام سلیم کا ہے؟ اس بارے میں علامہ نووی نے تطبیق یہ دی ہے: ممکن ہے دونوں امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام سلمہ اس موقع پر موجود ہوں، اور دونوں نے بیک وقت اظہار تعجب کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

☆ عورت خواب میں جماع دیکھے اور فرج پر خارج منی نہ پائے، تو غسل واجب نہیں ہے، اگر بیدار ہونے پر بغیر جماع دیکھے کپڑوں پر منی کپڑوں یا جسم پر پائے، تو غسل واجب ہے۔ یہی حکم مردوں کے لیے بھی ہے۔

☆ تـربـت یـمـینـك: یہ الفاظ بددعا کی مذمت کے لیے نہیں، بلکہ اظہار محبت وشفقت رغبت دلانے اور اس طرح کے دیگر الفاظ تعجب کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ یہ عربوں کے ہاں محاورۃً استعمال ہوتے ہیں۔ جن کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے، جیسا کہ ہر زبان میں اس طرح کے محاورے استعمال ہوتے ہیں۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں یہ دلیل بھی ہے کہ سب عورتوں کو احتلام نہیں ہوتا، بلکہ بعض کو ہوتا ہے اور بعض کو نہیں ہوتا۔ اسی طرح علماء نے لکھا ہے کہ بعض مردوں کو بھی احتلام نہیں ہوتا۔

☆ میاں بیوی میں سے جس کا پانی غالب ہو، بچے کے تین نقش اس پر ہوتے ہیں، اگر مرد کا پانی غالب ہو تو بچہ ددھیالیوں کے مشابہ ہوتا ہے، اور اگر عورت کا پانی غالب ہو تو بچہ ننھالیوں کے مشابہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ام المومنین کو ان کے عزت اور شرف کی وجہ سے احتلام سے محفوظ رکھا۔

☆ ام المومنین کے اظہار تعجب کی ایک وجہ یہ بھی ہے: کہ حضرت عائشہ صدیقہ کم عمری کی وجہ سے اور حضرت ام سلمہ کثرت عبادت کی وجہ سے اور پھر دونوں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ رفاقت کی وجہ سے، اس صورت حال سے ناواقف تھیں۔

☆ حضرت ام سلیم پر امہات المومنین کا اظہار تعجب اس لیے تھا کہ عام طور پر عورتیں ایسے مسائل کو مردوں کے سامنے بیان نہیں کرتیں، یا یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ عمل عورتوں کی مردوں سے کثرت شہوت کے میلان پر دلالت کرتا ہے، جو کہ نامناسب امر ہے۔

☆ حضرت ام سلمہ کا مسکرانہ بھی اظہار تعجب اور شرم وحیاء کی وجہ سے تھا۔

☆ احتلام عام طور پر ان عورتوں کو ہوتا ہے، جن کے خاوند زیادہ عرصہ تک بیویوں سے علیحدہ رہیں، اور حقوق زوجیت ادا نہ کریں۔

☆ مرد کی منی گاڑھی سفید اور عورت کی پتلی زرد ہوتی ہے۔

باب ۱۳۲: الَّذِی یَحْتَلِمُ وَلَا یَرَی الْمَاءَ — جس شخص کو احتلام ہو اور وہ منی نہ دیکھے

اس باب کے قائم کرنے سے مراد ہے کہ کوئی شخص حالت خواب میں جماع وغیرہ دیکھے، لیکن بیدار ہونے پر کپڑوں یا جسم پر منی کے اثرات نہیں دیکھتا، ایسے شخص پر غسل واجب نہ ہوگا۔ اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں عورت پر

ا۔ بخاری: ۱۳۰

حالت خواب میں احتلام ہونے اور منی نکلنے کی صورت میں غسل واجب ہونے کا بیان تھا، اس باب میں مرد کے لیے حالت خواب میں احتلام ہونے اور منی نہ نکلنے کی صورت میں غسل کے واجب نہ ہونے کا بیان ہے۔

۱۹۹۔ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْجَبَّارِ بْنُ الْعَلَاءِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سُعَادٍ عَنْ أَبِي أَيُّوبَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ"

حضرت ابوایوب انصاری کا بیان ہے، کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: غسل منی نکلنے سے واجب ہوتا ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے:

آپ ﷺ نے مطلقاً اصول بیان فرمادیا کہ اگر مادہ منی کا خروج ہوگا تو غسل فرض ہوگا، وگرنہ نہیں، لہٰذا ایسا شخص جسے احتلام ہو، لیکن منی نہ نکلے، تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا۔

۲۔ اطراف:

ابن ماجہ: ۶۰۷، احمد: ۲۳۵۹۰، تحفۃ الاشراف: ۳۴۶۹، السنن الکبریٰ: ۲۰۵

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے، باقی تین کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ عبدالجبار بن العلاء: آپ کا نام ابوبکر عبدالجبار بن العلاء بن عبدالجبار عطار بصری مکی (م: ۲۴۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ صغار سے ثقہ، متقن، صالح الحدیث راوی ہیں، امام مسلم، ترمذی، اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ سفیان: راجع: ۱ **۳۔ عمرو:** راجع: ۱۵۴

۴۔ عبدالرحمان بن السائب:

آپ کا نام عبدالرحمان بن السائب یا السائبہ ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، مقبول راوی ہیں، امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، (۲)

۵۔ عبدالرحمان بن سعاد:

آپ کا نام عبدالرحمان بن سعاد ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ ہیں، مقبول تابعی راوی ہیں۔ امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۳)

۶۔ ابوایوب: راجع: ۲۰

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۶، ص ۳۲ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۲۸۵

۲۔ i۔ الثقات، ج ۵، ص ۹۱ ii۔ تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۴۴۸

۳۔ i۔ التاریخ الکبریٰ (بخاری)، ج ۳، ص ۲۹۰ ii۔ الثقات، ج ۵، ص ۹۳

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ پچاسی ویں (۸۵) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ سداسیات سے ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ عبدالرحمان بن سعاد کو بعض نے متکلم فیہ قرار دیا ہے۔
☆ سند کے تین راویوں حضرت سفیان، عمرو بن دینار اور حضرت ابوایوب انصاری سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی مکی اور آخری مدنی ہیں، جبکہ دو کی نسبت غیر معروف ہے۔
☆ سند میں تین تابعین کرام (عمرو، عبدالرحمان بن السائب، ابن سعاد) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔
☆ حضرت ابوایوب انصاری وہ خوش قسمت ذات ہیں۔
☆ جن کے ہاں حضور نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے بعد قیام فرمایا تھا۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الماء: پانی اس سے مراد غسل ہے   **الماء:** پانی اس سے مراد منی ہے،

۷۔مسائل ونصائح:

راجع:۱۹۸

۸۔خلاصہ:

ایضاً

باب ۱۳۳: اَلْفَصْلِ بَیْنَ مَاءِ الرَّجُلِ وَمَاءِ الْمَرْاَةِ   مرد اور عورت کی منی میں فرق

اس باب میں یہ بیان ہے کہ مرد کی منی گاڑھی سفید اور عورت کی منی پتلی زرد ہوتی ہے، اس طرح مرد اور عورت کی منی کا فرق اور پہچان بیان کی گئی ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں احتلام ہونے اور منی نہ دیکھنے کا بیان تھا، اس طرح یہ دونوں باب منی سے متعلق ہیں:

۲۰۰۔اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَنْبَاَنَا عَبْدَةُ قَالَ حَدَّثَنَا سَعِيْدٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "مَاءُ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ اَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْاَةِ رَقِيْقٌ اَصْفَرُ فَاَيُّهُمَا سَبَقَ كَانَ الشَّبَهُ"

حضرت انس بن مالک کا بیان ہے، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مرد کی منی گاڑھی سفید اور عورت کی پتلی زرد ہوتی ہے، دونوں میں سے جو غالب آجائے، (بچہ) اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

۱۔مطابقت: حدیث مبارکہ کا پہلا جزء باب سے مطابقت رکھتا ہے:

مرد کی منی گاڑی سفید اور عورت کی پتلی زرد ہوتی ہے۔ پہلے حصے میں مرد وعورت دونوں کی منی کا فرق بیان ہوا ہے۔

۲۔اطراف: راجع:۱۹۱، ۱۹۵، مسلم:۳۱۱، ابن ماجہ:۶۰۱، احمد:۱۲۲۲۴، السنن الکبریٰ:۲۰۶ تحفۃ الاشراف:۱۱۸۱

۳۔تعارف رجال: اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے:

۱۔اسحاق بن ابراہیم: راجع:۲ ۲۔عبدۃ بن سلیمان: راجع:۱۹۵ ۳۔سعید: راجع:۳۸

۴۔قتادہ: راجع:۳۴ ۵۔انس: راجع:۶

۴۔حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔ امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند: یہ حدیث خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ تریسٹھویں (۶۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی ہیں، آپ مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

ماء الرجل: مرد کا پانی، مراد ہے منی غلیظ ابیض: گاڑھا سفید ماء المرۃ: عورت کا پانی مراد ہے منی

رقیق اصغر: پتلا زرد سبق: وہ آگے نکلا، مراد غلبہ الشبہ: مشابہت۔ مشابہ

۷۔مسائل ونصائح: راجع:۱۹۸

۸۔خلاصہ: ایضاً

باب ۱۳۴: ذِكْرُ الاِغْتِسَالِ مِنَ الْحَيْضِ — حیض سے غسل کرنے کا بیان

عورت کو ہر ماہ باقاعدگی سے جو خون آتا ہے، اسے حیض کہتے ہیں، یہ خون عورتوں کو اپنی اپنی عادات کے مطابق آتا ہے، اس کے آنے کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے، جب یہ ماہواری کا خون ختم ہو جائے، تو عورت پر غسل پر فرض ہوتا ہے، اس باب میں اسی مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، اس باب میں امام نسائی نے آٹھ احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ پچھلے باب میں غسل کا سبب بننے والے مادہ منی کے فرق کا بیان تھا۔ اس باب میں حیض سے غسل فرض ہونے کا بیان ہے۔

۲۰۱۔ أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْعَدَوِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِي هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ مِنْ بَنِي أَسَدِ قُرَيْشٍ أَنَّهَا أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ أَنَّهَا تُسْتَحَاضُ فَزَعَمَتْ أَنَّهُ قَالَ لَهَا "إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي"

حضرت فاطمہ بنت قیس بیان کرتی ہے، کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اسے استحاضہ (بے وقت خون) آتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا: یہ ایک رگ (کا خون) ہے۔ جب تجھے ماہواری (حیض) آئے تو نماز چھوڑ دے، جب ماہواری (حیض) ختم ہو جائے تو نہا دھو کر نماز پڑھو۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کا آخری جملہ باب کے عنوان سے مطابقت رکھتا ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب حیض ختم ہو جائے تو نہا دھو کر نماز پڑھو۔

۲۔ اطراف: تقدیم: ۲۱۱، ۲۱۵، ۳۴۲، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۶۰، ابوداؤد: ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۶، احمد: ۲۷۷۰۱، السنن الکبریٰ: ۲۰۹، تحفۃ الاشراف: ۱۸۰۱۹۔

۳۔ تعارف رجال: اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی تین کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ عمران بن یزید:

آپ کا نام ابو عمر عمران بن خالد بن یزید بن مسلم بن خالد قریشی آئمہ طائی دمشقی (م: ۲۴۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۳۔ الاوزاعی: راجع: ۴/۱۷ ۴۔ یحییٰ بن سعید: راجع: ۲۳ ۵۔ ہشام بن عروۃ: راجع: ۶۱ ۶۔ عروۃ: راجع: ۴۴

۷۔ فاطمہ بنت قیس:

آپ کا نام حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش قیس بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اسدیہ ہے، آپ صحابیہ رسول ﷺ ہیں، آپ سے امام ابوداؤد اور امام نسائی روایت کرتے ہیں۔ آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ (۲)

۴۔ حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیات سند: یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

۱۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۶۵ ii۔ تہذیب ابن عساکر، ج ۳، ص ۲۷ ۲۔ i۔ الثقات، ج ۵، ص ۳۰۰ ii۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۵۸۴

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چالیسویں (۴۰) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی شامی اور آخری چار مدنی ہیں۔
☆ حضرت عمران بن یزید سے روایت کرنے میں امام نسائی منفرد ہیں۔
☆ حضرت فاطمہ بنت قیس سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت فاطمہ سے امام نسائی کے علاوہ امام ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے، اور یہی حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، کلمہ تحدیث چار دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اتت النبی: وہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائیں
ذکرت: اس ایک عورت نے بیان کیا
تستحاض: اس ایک عورت کو استحاضہ کا خون آتا ہے
زعمت: اس عورت نے گمان کیا۔ یہاں مراد ہے اس نے کہا
اقبلت: شروع ہو، جاری ہو، حاضر ہو
عرق: رگ۔ عادل نام کی رگ مراد ہے۔
دعی: تو چھوڑ دے۔
الصلوۃ: نماز
ادبرت: ختم ہو جائے۔ مکمل ہو جائے۔
اغسلی: تو غسل کر
الدم: خون
صلی: تو نماز پڑھ

۲۰۲۔اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ هَاشِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْاَوْزَاعِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَاتْرُكِي الصَّلَاةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْتَسِلِي۔"

حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں، حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب ماہواری (حیض) کا خون آنا شروع ہو جائے، تو نماز چھوڑ دو، اور جب خون آنا رک جائے تو غسل کرو۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف: ابن ماجہ:۶۲۶، السنن الکبریٰ:۲۱۰، تحفۃ الاشراف:۱۶۵۱۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ہشام بن عمار:

آپ کا نام ابوالولید ہشام بن عمار بن نصیر بن میسرۃ بن ابان سلمی ظفری دمشقی (۱۵۳ھ۔۲۴۵ھ) ہے، آپ جامع مسجد دمشق کے خطیب

تھے۔ آپ رواۃ کے دسویں طبقہ کبار سے ثقہ، صدوق، مقری راوی ہیں۔ امام ابن معین، امام عجلی، ابن حبان نے آپ کو ثقہ، امام دارقطنی، علامہ ابن حجر عسقلانی نے صدوق، امام نسائی اور ابو حاتم نے تبدیل کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: آپ کا بڑھاپے کی وجہ سے حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ البتہ بڑھاپے سے پہلے کی روایات صحیح ہیں۔ اسی طرح آپ نے امام معروف خیاط سے روایات سنی ہیں، وہ قابل اعتماد نہیں، کیونکہ امام خیاط خود ثقہ نہیں ہیں۔ آپ نے بانوے سال کی طویل عمر پائی۔ امام بخاری اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ سہل بن ہاشم:

آپ کا نام (سہل بن ہاشم بن بلال حبشی واسطی بیروتی شامی ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے صدوق، ثقہ راوی ہیں، آپ کے بارے میں امام ابو حاتم اور امام نسائی نے لا باس بہ کے الفاظ تعدیل لکھے ہیں۔ امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۳۔ الاوزعی: راجع: ۵۶ **۴۔ الزھری:** راجع: ۱

۵۔ عروۃ: راجع: ۴۴ **۶۔ عائشۃ:** راجع: ۵

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ چھیاسی ویں (۸۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔ البتہ حضرت ہشام روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی دمشقی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت عروۃ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ تابعین میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابیہ ہیں، سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اترکی الصلوۃ: تو نماز چھوڑ دے اقبلت: تجھے شروع ہو۔ ادبرت: تجھ سے ختم ہو جائے

۱۔ i۔ ابن الجنید، ص ۲۴۸، ابو ابراہیم ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۳۲۵

۲۔ i۔ الثقات، ج ۸، ص ۲۹۰ ii۔ تہذیب الکمال، ج ۱۲، ص ۲۱۰

۲۰۳۔ أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ بْنُ يَزِيدَ قَالَ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتُحِيضَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ سَبْعَ سِنِينَ فَاشْتَكَتْ ذَلِكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّ هَذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلَكِنْ هَذَا عِرْقٌ فَاغْتَسِلِي ثُمَّ صَلِّي"

حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے: حضرت ام حبیبہ بنت جحش کو سات سال سے خون جاری تھا، انہوں نے اس سے متعلق آپ آقا کریم ﷺ سے پوچھا، آپ نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے، لہٰذا تم غسل کرو اور نماز پڑھو۔

۱۔ مطابقت:

اس حدیث مبارکہ میں استحاضہ کے خون پر آپ نے غسل کرنے کا حکم فرمایا، چونکہ اس روایت میں غسل کرنے کا بیان ہے، اس لیے امام نسائی نے اس باب کے تحت ذکر کیا ہے، ورنہ اس کا تعلق ماہواری (حیض) کے خون سے نہیں ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدیم: ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۱۰، ۳۵۵ بخاری: ۳۲۷، مسلم: ۳۳۴، ابوداؤد: ۲۹۰، ترمذی: ۱۲۹، ابن ماجہ: ۶۲۶، جامع المسانید ۱۷۹۲۲، ابن جوزی: ۷۴۰۶، احمد: ۲۷۵۱۶، السنن الکبریٰ: ۲۱۱ تحفۃ الاشراف: ۱۶۵۱۶۔

تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت عمرہ بنت عبدالرحمان کے حالات درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ عمران بن یزید: راجع: ۲۰۱ ۲۔ اسماعیل بن عبداللہ: ایضاً ۳۔ الاوزاعی: راجع: ۱۷۴

۴۔ الزہری: راجع: ۱ ۵۔ عروۃ: راجع: ۴۴

۶۔ عمرہ بنت عبدالرحمان:

آپ کا نام عمرہ بنت عبدالرحمان بن سعد بن زرارہ انصاریہ مدنیہ (م: ۹۸ھ، ۱۰۶ھ، ۱۰۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ مدینہ تابعیہ راوی ہیں، آپ حضرت عائشہ صدیقہ کے زیر پرورش وزیر تربیت رہیں، حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرنے والوں میں آپ فائق تھیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۷۔ عائشہ: راجع: ۵

۴۔ حکم روایت: یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، آئمہ صحاح ستہ نے اسے روایت کیا ہے،

۱۔ i۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۵۸۰ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۵۲۱

۵۔خصوصیاتِ سند: یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ستاسیویں (۸۷) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی دمشقی اور باقی مدنی ہیں۔
☆ سند کی آخری دو راویات عورتیں ہیں، حضرت عمرہ تابعیہ ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو صد دس (۲۲۱۰) حدیثیں مروی ہیں۔
☆ یہ تابعی (عروہ) کی تابعیہ (عمرہ) سے روایت ہے، دونوں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تربیت یافتہ اور ملامزہ میں سے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، عنعنہ دو دفعہ اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

استیحیضت: بیماری کا خون آتا تھا　　سبع سنین: سات سال　　اشتکت: اس نے پوچھا
لیست بالحیضة: ماہواری کا خون نہیں　　عرق: رگ۔ عادل اس کا نام ہے　　اغتسلی: تو غسل کر
صلی: تو نماز پڑھ

۲۰۴۔اَخْبَرَنَا الرَّبِيعُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ اَخْبَرَنِي النُّعْمَانُ وَالْاَوْزَاعِيُّ وَاَبُوْ مُعَيْدٍ - وَهُوَ حَفْصُ بْنُ غَيْلَانَ - عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ اَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَعَمْرَةُ بِنْتُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتُحِيضَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ امْرَاَةُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَهِيَ أُخْتُ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَاسْتَفْتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ هٰذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلٰكِنْ هٰذَا عِرْقٌ فَاِذَا اَدْبَرَتِ الْحَيْضَةُ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي وَاِذَا اَقْبَلَتْ فَاتْرُكِي لَهَا الصَّلَاةَ" قَالَتْ عَائِشَةُ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ وَتُصَلِّي وَكَانَتْ تَغْتَسِلُ اَحْيَانًا فِي مِرْكَنٍ فِي حُجْرَةِ أُخْتِهَا زَيْنَبَ وَهِيَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَنَّ حُمْرَةَ الدَّمِ لَتَعْلُو الْمَاءَ وَتَخْرُجُ فَتُصَلِّي مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا يَمْنَعُهَا ذٰلِكَ مِنَ الصَّلَاةِ.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو بیماری کا خون آتا تھا، انہوں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ماہواری کا خون نہیں، بلکہ بیماری کا خون ہے۔ جب تمہیں ماہواری کا خون آنا بند ہو جائے، تو غسل کرو اور نماز پڑھو، جب ماہواری کا خون شروع ہو تو نماز چھوڑ دو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں، کبھی کبھی وہ اپنی بہن، زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں موجود ٹب میں غسل کرتی تھیں، تو خون کی سرخی پانی پر غالب آ جاتی، پھر آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز (باجماعت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں) ادا فرماتیں، بیماری کا خون انہیں نماز سے نہ روکتا تھا۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

جب تمہیں ماہواری کا خون آنا بند ہو جائے، تو غسل کرو اور نماز پڑھو۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۲۰۳

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں دس راوی ہیں، جن میں سے سات کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔:

ا۔ **الربیع بن سلیمان:** راجع: ۱۷۳ ۲۔ **عبداللہ بن یوسف:** راجع: ۱۹۲

۳۔ **الھیثم بن حمید:**

آپ کا نام ابوحمید الھیثم بن حمید غسانی دمشقی ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، صدوق قدری راوی ہیں، امام عثمان رحمۃ اللہ علیہ دارمی فرماتے ہیں: آپ اولین و آخرین میں بہترین عالم دین ہیں۔ آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۴۔ **النعمان بن المنذر:**

آپ کا نام ابوالوزیر النعمان بن المنذر غسانی لخمی دمشقی (م: ۱۳۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق، قدری راوی ہیں، امام ابوداؤد امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۵۔ **الاوزاعی:** راجع: ۱۷۴

۶۔ **ابومعید:** آپ کا نام ابومعید حفص بن غیلان ھمدانی رعینی دمشقی شامی ہیں، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، فقیہ، قدری راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۳)

۷۔ **الزھری:** راجع: ۱ ۸۔ **عروۃ:** راجع: ۴۴

۹۔ **عمرۃ:** راجع: ۲۰۳ ۱۰۔ **عائشۃ:** راجع: ۵

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے۔

ا۔ i۔ الثقات، ج ۹، ص ۲۳۵ ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۳۳۲

۲۔ i۔ تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۹۲ ii۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۳۲۰

۳۔ i۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۱۲۲ ii۔ تاریخ ابی زرعہ، ص ۲۳۹

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اٹھاسیویں (۸۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ سباعیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ بعض قدری راوی ہیں۔

☆ سند کے پہلے دوراوی مصری، اگلے پانچ شامی اور آخری چار مدنی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت حدثنا، عنعنہ دو دو دفعہ اور صیغہ اخبار تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

استفتت: اس نے مسئلہ پوچھا	تغتسل: وہ ایک عورت غسل کرتی
مرکن: ٹب۔ پانی کا برتن	حمرۃ الام: خون کی سرخی
لتعلو: غالب آجاتا	مایمنعھا: وہ خون اسے نہ روکتا

۲۰۵۔اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اُمَّ حَبِيبَةَ - خَتَنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ - اسْتُحِيضَتْ سَبْعَ سِنِينَ اسْتَفْتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ هٰذِهِ لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلٰكِنْ هٰذَا عِرْقٌ فَاغْتَسِلِيْ وَصَلِّيْ۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمشیرہ نسبتی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سات سال تک بیماری کے خون میں مبتلا رہیں، انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ماہواری کا خون نہیں ہے، بلکہ بیماری (رگ) کا خون ہے، تم غسل کر کے نماز پڑھا کرو۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے۔

تم غسل کر کے نماز پڑھا کرو۔

چونکہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کرنے کا حکم دیا ہے، اور غسل ماہواری کے ختم ہونے پر ہوتا ہے، جیسا کہ دوسری احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح موجود ہے، اس لئے یہاں پر بھی مراد یہی ہے کہ ماہواری کے ختم ہونے پر غسل کرو۔

۲۔اطراف:

راجع: ۲۰۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔محمد بن سلمۃ:	راجع:۲۰	۲۔ابن وھب:	راجع:۹
۳۔عمرو بن الحارث:	راجع:۷۹	۴۔ابن شھاب:	راجع:۱
۵۔عروۃ:	راجع:۴۴	۶۔عمرۃ:	راجع:۲۰۳
۷۔عائشۃ:	راجع:۵		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اناسیواں (۸۹) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند میں حضرت عمرو بن حارث رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن شھاب زھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث وفقہ میں امامت کے درجہ پر فائز ہیں۔
☆ سند کے اکثر راوی فقیہہ ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے، حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ مروی ہے، جبکہ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمرہ رحمۃ اللہ علیہا سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

ختنۃ: ہمشیر نسبتی، زوجہ کی بہن، سالی

۲۰۶۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ اسْتَفْتَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِنْتُ جَحْشٍ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي أُسْتَحَاضُ۔ فَقَالَ "إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ فَاغْتَسِلِي وَصَلِّي۔" فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلَاةٍ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:
حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کے لئے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بیماری کا خون (استحاضہ) آتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رگ (عادل) کا خون ہے، تم غسل کر کے نماز پڑھو۔ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

تم غسل کر کے نماز پڑھو۔

چونکہ غسل ماہواری کے اختتام پر ہوتا ہے، آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی مقصود یہی ہے، جیسا کہ سابقہ احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح گذری ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۵۰، مسلم: ۳۳۴، ابوداؤد: ۲۹۰، ترمذی: ۱۲۹، احمد: ۲۴۵۷۷، السنن الکبریٰ: ۲۰۷، تحفۃ الاشراف: ۱۶۵۸۳

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔ قتیبۃ: راجع: ۱ ۲۔ اللیث: راجع: ۳۵

۳۔ ابن شھاب: راجع: ۱ ۴۔ عروۃ: راجع: ۴۴

۵۔ عائشۃ: راجع: ۵

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چونسٹھویں (۶۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ اس باب میں سنداً یہ روایت عالی ہے، کیونکہ باقی روایات سداسیات اور سباعیات ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل فقیہہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری اور باقی مدنی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل پانچویں حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۲۰۷۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ سَأَلَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّمِ - قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہا رَأَيْتُ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے آقا کریم ﷺ سے (بیماری کے) خون کے بارے میں پوچھا؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے ان کا ٹب (نہانے کا برتن) خون سے بھرا ہوا دیکھا۔ آقا کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: جتنی مدت تمہیں

مِرْكَنِهَا مَلْآنَ دَمًا - فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "امْكُثِي قَدْرَ مَا كَانَتْ تَحْبِسُكِ حَيْضَتُكِ ثُمَّ اغْتَسِلِي"۔
أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ مَرَّةً أُخْرٰى وَلَمْ يَذْكُرْ جَعْفَرًا۔

ماہواری آیا کرتی تھی، اتنے دن رکی رہا کرو، پھر غسل کرو۔
امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت قتیبہ بن سعید بغلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں یہ حدیث مبارکہ دوبارہ سنائی، تو سند میں حضرت یزید بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عراک بن مالک رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان حضرت جعفر بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں کیا۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
جتنی مدت تمہیں ماہواری آیا کرتی تھی، اتنے دن رکی رہا کرو، پھر غسل کرو۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۵۱، مسلم: ۳۳۴، ابوداؤد: ۲۷۹، احمد: ۲۶۸۰۲، السنن الکبریٰ: ۲۰۷، تحفۃ الاشراف: ۱۶۳۷۰

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو کے درج کئے جاتے ہیں:

ا۔ قتیبہ: راجع: ا ۲۔ اللیث: راجع: ۳۵

۳۔ یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ:

نام ونسب:

یزید نام، ابو رجاء کنیت، قریش کی شاخ بنی عامر بن لوی کے غلام تھے، ان کے والد ابو حبیب (اسود) نوبی تھے، ان کا وطن دنقلہ تھا۔

پیدائش:

یزید ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ان کی نشوونما ہوئی۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے مصر کے آئمہ تابعین میں تھے۔ حافظ ذہبی انہیں امام الکبیر لکھتے ہیں۔ (ا) مصر میں ان ہی کی ذات سے دینی علوم کا صحیح ذوق پیدا ہوا۔ ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن کی ذات سے مصر میں علم ظاہر ہوا اور حلال وحرام کے مسائل کا آغاز ہوا۔ ان سے پہلے اہل مصر کا علم محض ترغیب اور ملاحم وفتن تک محدود تھا۔ (۲)

حدیث:

وہ مصر کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے۔ علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث (۳) اور حافظ ذہبی حجۃ اور حافظ حدیث لکھتے ہیں۔ (۴)

ا۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۱۱۶ ۲۔ ایضاً ۳۔ ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۲۰۲ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۱۱۶

حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن حارث بن جزو زبیدی، ابوالطفیل، اسلم بن یزید، ابی عمران، ابراہیم بن عبداللہ بن حنین، خیر بن نعیم حضرمی، سوید بن قیس، عبدالرحمٰن بن شماسہ مہری، عبدالعزیز ابن ابی الصعبہ، عطاء بن ابی رباح، عراک بن مالک اور امام زہری وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔
ان سے فیض یاب ہونے والوں میں سلیمان التیمی، محمد بن اسحاق، زید بن انیسہ، عمرو بن الحارث، عبدالحمید بن جعفر، ابن لہیعہ اور لیث بن سعد لائق ذکر ہیں۔(۱)

فقہ:

فقہ میں انہیں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔(۲) عمر بن عبدالعزیز نے مصر میں تین آدمیوں کو افتا کے منصب پر ممتاز کیا تھا۔ ان میں سے ایک یزید بھی تھے۔(۳) انہی کی وجہ سے مصر میں فقہ کا مذاق پیدا ہوا۔

علمائے معاصرین کی رائے:

ان کے کمالات کے متعلق ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے تھی۔ لیث بن سعد کہتے تھے کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہیں۔(۴) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لیث ان کے اور عبیداللہ بن جعفر کے متعلق کہتے تھے کہ یہ دونوں ملک کے جوہر ہیں۔ عمرو بن حارث نے کسی سے سوال کیا یزید افضل ہیں یا عبداللہ بن جعفر، انہوں نے جواب دیا اگر وہ دونوں ترازو میں تولے جائیں تو کسی کا پلہ بھاری نہ ہوگا۔(۵)

احتیاط:

محتاط تابعین کی طرح وہ بھی اس قدر احتیاط کرتے تھے، کہ جب ان کے پاس سائلین کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے خانہ نشینی اختیار کر لی۔(۶)

علم کی عظمت:

علم کا بڑا وقار قائم رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی امیر کے آستانہ پر جانا گوارا نہیں تھا۔ جس کو ضرورت ہوتی، اس کو خود یہاں بلاتے تھے۔ ایک مرتبہ ریان بن عبدالعزیز نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ میرے پاس آیئے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جواب کہلا بھیجا کہ تم خود میرے پاس آؤ میرے پاس آنا تمہارے لئے زینت اور میرا تمہارے پاس جانا تمہارے لئے عیب دار ہے۔(۷)

صاف گوئی:

امراء کو مطلق خاطر میں نہ لاتے۔ ان کے منہ پر ان کی برائیاں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ بیمار پڑے۔ حورہ بن سہیل امیر مصر آپ کی عیادت کے لئے آیا اور پوچھا جس کپڑے میں مچھر کا خون لگا ہو، اس میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، یہ سوال سن کر آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس سے گفتگو بند کر دی۔ یہ دیکھ کر حورہ اٹھ گیا۔ آپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ روزانہ خلق اللہ کا خون کرتے ہو، اور مجھ سے مچھر کے خون کے متعلق پوچھتے ہو۔(۸)

وفات:

مروان ثانی کے عہد حکومت ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔(۹)

۱۔تھذیب التھذیب، ج ۱۱، ص ۳۱۸ ۲۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۵ ۳۔ایضاً ص ۱۱۶ ۴۔ایضاً ص ۱۱۵۔۱۱۶ ۵۔ایضاً
۶۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۵۔۱۱۶ ۷۔تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۵۔۱۱۶ ۸۔ابن سعد، ج ۷، ق ۲، ص ۲۰۲
۹۔ایضاً سیر الصحابۃ، ج ۳، تابعین کرام، ص ۳۳۰۔۳۳۲

۴۔جعفر بن ربیعۃ: راجع:۱۷۳

۵۔عراک بن مالک:

آپ کا نام عراک بن مالک غفاری کنانی مدنی (م:۱۰۰ھ ق) ہے، آپ رواۃ کے تیسرے ثقہ، فاضل، تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔آپ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خاص معتمدین میں سے تھے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۶۔عروۃ: راجع:۴۴ ۷۔عائشۃ: راجع:۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔حکم روایت:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہیں۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اکتالیسویں (۴۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ جب یہ حدیث مبارکہ سنائی، تو حضرت جعفر بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کو ذکر نہیں کیا، اس لحاظ سے یہ حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ نوے ویں (۹۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی مصری اور باقی تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عروہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے، اور اگر سداسیات کا اعتبار کیا جائے، تو عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رایت: میں نے دیکھا	مرکنھا: اس کا ٹب۔نہانے کا برتن
ملآن: بھرا ہوا:	امکثی: تو رکی رہ۔تو رک جا
قدر: برابر۔مقدار	ماکانت تحبسک: جتنا تو شمار کرتی تھی

ا۔i۔الجرح والتعدیل، ج۷، ص۳۸ ii۔تاریخ الثقات، ص۳۳۱

مرۃ اخری: دوسری دفعہ۔ دوسری مرتبہ

۲۰۸۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ عَنْ مَالِكٍ عَنْ نَافِعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ تَعْنِي اَنَّ امْرَاَةً كَانَتْ تُهَرَاقُ الدَّمَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَفْتَتْ لَهَا أُمُّ سَلَمَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ "لِتَنْظُرْ عَدَدَ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامِ الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيضُ مِنَ الشَّهْرِ قَبْلَ اَنْ يُصِيبَهَا الَّذِيْ اَصَابَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ قَدْرَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّهْرِ فَاِذَا خَلَّفَتْ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ ثُمَّ لِتَسْتَثْفِرْ ثُمَّ لِتُصَلِّيْ۔"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں ایک عورت کو کثرت سے خون آیا تھا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بیماری سے پہلے کے ماہواری والے دنوں کو شمار کرے، مہینہ میں اتنے دن نماز چھوڑ دے، جب وہ دن گذر جائیں، تو غسل کرے، پھر لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھے۔

۱۔ مطابقت:

اس حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
جب ماہواری کے دن گذر جائیں، تو غسل کرے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۵۲، ۲۵۳، ابوداؤد: ۲۷۴۔ ۲۷۸، ابن ماجہ: ۶۲۳، موطا: ۱۴۰، احمد: ۲۶۵۷۲، السنن الکبریٰ: ۲۱۴، تحفۃ الاشراف: ۱۸۱۵۸

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔ قتیبۃ بن سعید: راجع: ۱ ۲۔ مالک: راجع: ۷
۳۔ نافع: راجع: ۱۲ ۴۔ سلیمان بن یسار: راجع: ۱۵۶
۵۔ ام سلمۃ: راجع: ۱۸۳

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ پینسٹھویں (۶۵) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل اور حدیث وفقہ کے امام ہیں۔
☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند میں تابعی (نافع) دوسرے تابعی (سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ تابعین میں سے ہیں۔

☆ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں، اور زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہیں۔

☆ سند میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فقہ مالکی کے بانی اور امام دار الھجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے

۶۔لغات:

کانت تھراق الام: عورت کو مسلسل خون آتا تھا

استفتت: اس نے مسئلہ پوچھا

لتنظر عدد اللیال و الایام: وہ راتوں اور دنوں کو شمار کرے

الشھر: مہینہ

قبل ان یصبھا الذی اصابھا : اس بیماری کے شروع ہونے سے پہلے

لتترك: وہ ایک عورت چھوڑ دے

خلفت ذلك: یہ گذر جائے۔

لتغتسل : اسے چاہئے کہ وہ نہائے

لتستفثر: اسے چاہئے کہ وہ لنگوٹ باندھے

لتصلی : اسے چاہئے کہ وہ نماز پڑھے

۷۔مسائل ونصائح:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تمام احادیث کو باب ذکر الاغتسال من الحیض ، یعنی حیض کے بعد غسل کے واجب ہونے ، کے تحت ذکر کیا ہے، اس لئے یہاں پر غسل سے متعلق ابحاث کو ذکر کیا جارہا ہے، استحاضہ سے متعلق ابحاث ''کتاب الحیض والاستحاضۃ'' میں آئیں گی۔

حدیث مذکور میں مستحاضہ کے نام میں آئمہ حدیث کا اختلاف:

علامہ زین الدین عبدالرحمان بن شہاب ابن رجب حنبلی متوفی ۷۹۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مستحاضہ کے نام میں اختلاف ہے، اکثرین کی روایت میں ان کا نام ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ہے اور بعض نے کہا: وہ ام حبیبہ بنت جحش ہیں، امام مسلم کی روایت: ۷۰۴ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمشیر نسبتی ہیں، یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے نکاح میں تھیں، ان کا سات سال خون جاری رہا، اور امام ابوداؤد الطیالسی نے از ابن ذئب از الزہری روایت کیا ہے کہ یہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں، جن کا خون سات سال جاری رہا۔

اور ان کو زینب کے نام میں وہم ہوا ہے، امام ابوداؤد اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں خون جاری رہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کریں۔(۱)

امام ابوداؤد فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام ابوداؤد الطیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) نے روایت کیا ہے، میں نے اس حدیث کا ان سے سماع نہیں کیا، انہوں نے از سلیمان بن کثیر از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو روایت کیا ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت زینب بنت جحش کا خون جاری ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نماز کے لئے غسل کرو اور حدیث بیان کی، امام ابوداؤد نے کہا: اس حدیث کو عبدالصمد نے از سلیمان بن کثیر روایت کیا ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرو، امام ابوداؤد نے کہا: یہ عبدالصمد کا وہم ہے اور اس میں قول ابوالولید کا ہے۔(۲)

اس حدیث کو امام مسلم نے از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش، جو آپ کی ہمشیر نسبتی تھیں، کا سات سال سے خون جاری تھا۔ آپ نے فرمایا: یہ حیض نہیں ہے، رگ کا خون ہے، تم غسل کر کے نماز پڑھو۔(۳)

امام مالک نے زینب بنت ابی سلمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش، جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھیں، ان کا خون جاری تھا اور وہ غسل کر کے نماز پڑھتی تھیں۔(۴)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اسی طرح یحییٰ وغیرہ نے اس حدیث کو امام مالک سے موطا میں روایت کیا ہے اور یہ امام مالک کا وہم ہے، کیونکہ حضرت زینب بنت جحش، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے نکاح میں بالکل نہیں تھیں، وہ پہلے حضرت زید بن حارثہ کے نکاح میں تھیں، پھر ان کے طلاق دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں اور جو حضرت عبدالرحمان بن عوف کے نکاح میں تھیں، وہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش تھیں، یہ تین بہنیں تھیں: حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ اور حضرت حمنہ بنت جحش، جو حضرت طلحہ بن عبیداللہ کے نکاح میں تھیں، ایک قول یہ ہے کہ ان تینوں کو استحاضہ آیا تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ صرف حضرت ام حبیبہ اور حضرت حمنہ کو استحاضہ آیا تھا۔(۵)

جس کا خون مسلسل جاری ہو، آیا وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے گی یا دو نمازوں کے لئے یا ہر روز غسل کرے گی؟

امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرا خون جاری رہتا ہے، آپ نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے، تم غسل کرو اور نماز پڑھو تو وہ نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔(۶)

اس حدیث کی شرح میں کہا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں غسل کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے اس سے یہ سمجھا کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کریں۔

دوسروں نے کہا کہ ان پر یہ واجب تھا کہ وہ ظہر اور عصر کے لئے ایک غسل کر لیں، اور مغرب اور عشاء کے لئے غسل کر لیں، ظہر کو اس کے آخر وقت میں پڑھیں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھ لیں، اسی طرح مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو اول وقت میں پڑھ لیں اور صبح کے لئے ایک غسل

۱۔ سنن ابوداؤد: ۲۹۲۔ فتح الباری لابن رجب، ج ۱، ص ۵۲۴، دار ابن الجوزی، ریاض، ۱۴۱۷ھ ۲۔ سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۱۳۳

۳۔ صحیح مسلم: ۳۳۴، الرقم المسلسل: ۷۴۰ ۴۔ موطا امام مالک: ۱۰۶، تنویر الحوالک، ص ۸۰

۵۔ الاستذکار، ج ۳، ص ۲۲۸۔ ۲۲۷ ۶۔ صحیح مسلم: ۳۳۴، الرقم المسلسل: ۷۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۹۰، سنن ترمذی: ۱۲۹، سنن نسائی: ۲۰۵

کرلیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے اس کی مثل مروی ہے اور یہ ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن شداد کا قول ہے۔
دیگر فقہاء نے کہا ہے کہ وہ ہر دن میں ایک بار غسل کرلے، جس وقت میں چاہے، اس کو معقل بن یسار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اس کا حیض ختم ہوجائے تو وہ ہر روز غسل کرے۔
فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا: وہ ایک طہر سے لے کر دوسرے طہر تک کے لئے غسل کرے۔ (۱)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث (۲) سے منسوخ ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے فتویٰ دیا کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرلیں اور حضرت ام حبیبہ کی حدیث کی مخالفت کی، اسی وجہ سے ابومحمد اشبیلی نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث استحاضہ کے باب میں سب سے صحیح حدیث ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ آپ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو غسل کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا اور وہ ہر نماز کے لئے نفلی طور پر غسل کرتی تھیں اور ابن شہاب الزہری نے یہ ذکر نہیں کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن وہ اپنی طرف سے ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں، اور جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ مستحاضہ پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے، لیکن اس پر یہ واجب ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔ (۳)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کا مسلسل خون جاری ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم دیا۔ (۴)
حفاظ نے اس حدیث میں اس زیادتی پر طعن کیا ہے، کیونکہ الزہری کے اثبات اصحاب سے یہ زیادتی ثابت نہیں ہے، تاہم اگر اس حدیث میں غسل کے امر کو استحباب پر محمول کردیا جائے تو دونوں حدیثوں میں تطبیق ہوجائے گی، اس حدیث کی توجیہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غسل نہیں ہے، بلکہ یہ لفظ غسل ہے یعنی ہر نماز کے وقت فرج سے خون اور نجاست کو دھولیا کریں، کیونکہ نجاست کو زائل کرنا نماز کی صحت کے لئے شرط ہے۔
امام طحاوی نے کہا ہے کہ حضرت ام حبیبہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم ہے، وہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث سے منسوخ ہے، جس میں ہر نماز کے لئے وضو کرنے کا حکم ہے، لیکن دونوں حدیثوں کو جمع کرنا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں غسل کو استحباب پر محمول کرنا اولیٰ ہے۔ (۵)

☆ **علامہ سید محمود احمد رضوی محدث لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:**

ام حبیبہ بنت جحش، حضرت زینب ام المؤمنین کی ہمشیرہ ہیں اور عبدالرحمن بن عوف کی بیوی ہیں۔ واقدی نے کہا۔ ان کا نام حبیبہ اور کنیت ام حبیب ہے، عہد نبوی میں غالباً پانچ عورتوں کو استحاضہ کی بیماری تھی جن کے نام یہ ہیں:
ام حبیبہ بنت جحش، فاطمہ بنت ابی حبیش، سہلہ بنت سہیل، سودہ بنت زمعہ

۱۔ الاستذکار، ج ۳، ص ۲۳۱۔ ۲۲۸ ۲۔ صحیح البخاری: ۲۲۸ ۳۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۲۶۲ ۴۔ نعمۃ الباری، ج ۱، ص ۸۲۸۔ ۸۳۰
۴۔ سنن ابوداؤد: ۲۹۲ ۵۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۸۳۸

ام حبیبہ نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میرے لئے نماز کے متعلق کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا غسل کرلو۔ یعنی جب حسب عادت حیض کے دن پورے ہوجائیں۔ تو اس کے بعد غسل کرو۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کر کے نماز پڑھتی رہو۔

واضح ہو کہ مستحاضہ کے لئے یہ واجب نہیں ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ ہاں اگر وہ ہر نماز کے لئے غسل کرے، تو اس میں زیادہ پاکیزگی ہے۔ چنانچہ حضرت ام حبیبہ اپنی خوشی سے ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں ہر نماز کے لئے غسل کا حکم نہیں دیا تھا۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں اس کی تصریح ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے انہیں ہر نماز کے لئے غسل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ وہ اپنی خوشی سے ایسا کرتی تھیں۔ ہاں اگر ہر نماز کے لئے غسل کیا جائے جیسا ام حبیبہ کرتی تھیں تو حرج نہیں بلکہ مستحب ہے اور حدیث ابوداؤد میں ہر نماز کے لئے غسل کی جو ہدایت ہے وہ ندب واستحباب پر محمول ہے وجوب پر نہیں، چنانچہ جامع ترمذی میں ہے:

ان اغتسلت لکل صلوۃ ھو احوط لھا وان توضأت لکل صلوۃ اجزاھا ۔ یعنی مستحاضہ اگر نماز کے لئے غسل کرے تو احوط ہے اور اگر صرف وضو کرلے تو کافی ہے۔ (۱)

☆ شیخ سید احمد رضا بجنوری دیو بندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تشریح: پہلے باب الاستحاضہ میں بھی حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کے لئے حضور علیہ السلام کا ارشاد "**انما ذلک عرق و لیس بالحیضۃ**" (یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے) گذر چکا اور استحاضہ کی تشریح بھی ہو چکی ہے، یہاں امام بخاری دوسری حدیث دربارہ حضرت ام حبیبہ جحش لائے ہیں۔ جحش کی تین صاحبزادیاں تھیں، حضرت زینب ام المومنین حمنہ اور ام حبیبہ کہا گیا کہ یہ سب استحاضہ میں مبتلا تھیں، امام بخاری نے جو ذکر کیا ہے کہ بعض امہات المومنین بھی مستحاضہ تھیں تو غالباً وہ حضرت زینب ہی تھیں یوں عام طور سے علماء نے حضور اکرم ﷺ کے زمانہ مبارکہ کی استحاضہ والی عورتوں کی تعداد دس تک لکھی ہے مگر محقق عینی نے اپنی وسعت علم ونظر کے تحت گیارہ گنوائی ہیں، ملاحظہ ہو۔ (۲)

حدیث الباب میں ذکر ہوا کہ حضرت ام حبیبہ کو سات سال تک استحاضہ کی شکایت رہی، اس سے ابن القاسم نے استدلال کیا کہ مستحاضہ پر نمازوں کی قضا نہیں اگر وہ حیض کے دھوکہ میں ان کو ترک کردے کیونکہ حضور ﷺ نے اتنی بڑی مدت کی نمازوں کے لوٹانے کا حکم نہیں دیا، لیکن حافظ نے لکھا کہ اس سے استدلال نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ سات سال کی مدت کا ذکر تو ضرور ہوا ہے مگر اس کا کیا ثبوت کہ حضور ﷺ سے سوال کرنے کے وقت سے پہلے یہ مدت گذر چکی تھی۔ (۳)

یعنی ممکن ہے بلکہ صحابیات کے دینی اہتمام کے تحت یہی اغلب ہے کہ سوال استحاضہ کی شکایت شروع ہونے پر ہی ہوگیا ہوگا لہٰذا ترک صلوٰۃ اور قضا نہ کرنے کی نوبت ہی نہ آئی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بحث ونظر: حدیث الباب میں ذکر ہوا کہ حضرت ام حبیبہ (حالت استحاضہ میں) ہر نماز کے وقت غسل کیا کرتی تھیں اس پر حافظ نے لکھا کہ حضور علیہ السلام کی طرف سے ان کے لئے حکم غسل مطلق تھا تکرار پر کوئی دلالت نہ تھی (جس کی تعمیل ایک دفعہ حیض ختم ہونے اور استحاضہ شروع ہونے پر ہوچکی) اس لئے شاید انہوں نے کسی قرینہ سے ہر نماز کے وقت غسل کا حکم سمجھ لیا، اور امام شافعی نے فرمایا کہ حکم نبوی تو نہ تھا، مگر انہوں نے خود ہی اس کا التزام کرلیا، یہی جمہور کا مذہب بھی ہے کہ بجز متحیرہ کے کسی مستحاضہ پر ہر نماز کے وقت غسل واجب نہیں ہے البتہ وضو ہر نماز کے لئے واجب ہے

۱۔ فیوض الباری، ج ۲، ص ۶۲ ۲۔ عمدہ، ج ۲، ص ۱۰۵ ۳۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۲۹۲

باقی ابوداؤد میں جو حدیث مرفوع سلیمان بن کثیر کی روایات سے حکم غسل کی مروی ہے اس میں حفاظ حدیث نے کلام کیا ہے اگر چہ دوسری حدیث ابو داؤد، یحییٰ بن ابی کثیر والی سے بھی حکم غسل ہر نماز کے لئے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا دونوں روایتوں کو جمع کرنے کے لئے حکم غسل کو استحباب پر محمول کرنا ہوگا، امام طحاوی نے حدیث ام حبیبہ کو حدیث فاطمہ بنت ابی جیش سے منسوخ قرار دیا، جس میں صرف وضو کا حکم ہے غسل کا نہیں، تاہم ہمارے نزدیک دونوں طرح کی احادیث میں جمع و تطبیق ہی بہتر ہے یعنی حدیث ام حبیبہ میں امر کو استحباب پر محمول کرنا اولیٰ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

ارشاد انور: حضرت نے فرمایا: علامہ شوکانی نے استحاضہ کے ہر نماز کے لئے غسل پر نکیر کی ہے اس کو تکلیف مالا یطاق قرار دیا، اور اس کو بدعت تک کہہ دیا ہے نیز دعوے کر گئے کہ اس کی اصل صحیح شرع میں نہیں ہے مگر یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ اس جملہ کا مرفوع ہونا یہاں (بخاری سے) تو ثابت نہیں ہوتا لیکن ابوداؤد نے اس کے مرفوع ہونے کو ثابت کیا ہے، جس میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہی ان کو ہر نماز کے وقت غسل کا حکم فرمایا تھا، حافظ ابن حجر نے بھی اس حدیث کی تصحیح کر دی ہے اس کے بعد حضرت نے مندرجہ ذیل افادہ کیا۔

علامہ شوکانی وابن تیمیہ کا فرق مراتب:

علامہ شوکانی اور شیخ عبدالوہاب نجدی کبھی کبھی تیز کلامی کرتے ہیں جس کا ان کو حق نہیں ہے کیونکہ وہ سرسری نظر والے ہیں، دقیق النظر نہیں ہیں، موٹی سمجھ والے ہیں البتہ حافظ ابن تیمیہ اگر تیز کلامی کرتے ہیں تو وہ برداشت کی جا سکتی ہے کیونکہ وہ بڑے پایہ کے شخص ہیں، (یہ بھی فرمایا کہ معذور کے مسائل کبیری شرح منیہ میں تفصیل سے ہیں، البتہ ایک ضروری بات چھوٹ گئی ہے اس کو قنیہ میں دیکھا جائے۔)

صاحب تحفہ وصاحب مرعاۃ کا ذکر خیر:

اس موقع پر ہم نے تحفۃ الاحوذی کا مطالعہ کیا کہ علامہ شوکانی کی اس اہم غلطی کا کچھ ذکر کرتے ہیں یا نہیں؟ آپ نے یہاں علامہ نووی کی عبارت ذیل نقل کر دی، صرف ایک غسل وقت انقطاع حیض جمہور علماء سلف وخلف کے نزدیک واجب ہے یہی حضرت علی وابن مسعود وابن عباس وحضرت عائشہ سے بھی مروی ہے اور امام مالک ابوحنیفہ واحمد کا مذہب ہے لیکن ابن عمر ابن زبیر عطاء سے نقل ہے کہ وہ غسل کو ہر نماز کے وقت واجب کہتے تھے جمہور کی دلیل یہ ہے کہ اصل عدم وجوب ہے دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام سے صرف ایک ہی مرتبہ کے لئے امر غسل صحت کے ساتھ مروی ہے، باقی ابوداؤد و بیہقی وغیرہما کی مرویہ احادیث میں سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور بیہقی وغیرہما کی مرویہ احادیث میں سے کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اور بیہقی وغیرہ نے بھی ان کا ضعف بیان کر دیا ہے، اور اس بارے میں صرف بخاری ومسلم کی وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے ام حبیبہ کو غسل کا حکم دیا اور ہر وقت نماز پر غسل کیا کرتی تھیں، اس کے بعد امام نووی نے امام شافعی کا قول نقل کیا کہ وہ خود ہی تطوعاً غسل کیا کرتی تھیں۔ حضور نے ہر نماز کے وقت غسل کا حکم نہیں دیا تھا یہ لکھ کر صاحب تحفہ نے لکھا کہ میں کہتا ہوں بعض لوگوں نے جمع کی صورت اختیار کی کہ احادیث غسل لکل صلوٰۃ کو استحباب پر محمول کیا، واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام شافعی کو چونکہ امر غسل لکل صلوٰۃ والی احادیث صحت کے ساتھ نہ پہنچیں، انہوں نے حضرت ام حبیبہ کو غیر مامور قرار دے دیا اس پر اعتماد کر کے امام نووی نے بھی احادیث امر غسل لکل صلوٰۃ کو غیر ثابت قرار دے دیا، صاحب تحفہ نے اسی تحقیق کو نقل کرنے پر اکتفا کیا تا کہ علامہ شوکانی کی بات بے وزن نہ ہو سکے حالانکہ حق وانصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ حافظ ابن حجر کی تصحیح اور حافظ ابن حزم کی تقریر و تحقیق کو بھی

۱۔ فتح، ج ۱، ص ۲۹۲ ۲۔ تحفہ ص ۱۲۳۔ ا

سامنے کرتے اور اس کا حوالہ دینے کے بعد اپنی رائے قائم کرتے، ایک طرف عدم ثبوت والی بات لکھتے ہیں، اور دوسری طرف دبے الفاظ میں جمع کی بات بھی نقل کرتے ہیں حالانکہ غیر ثابت کو ثابت کے ساتھ جمع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن حزم کا درجہ فنِ حدیث میں علامہ نووی سے فائق ہے بقول حضرت شاہ صاحب نووی کا شمار صرف مقیدین میں ہے، محققین میں نہیں، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ صاحبِ تحفہ کی شرح کا درجہ تحقیق کے لحاظ سے کیا ہے، اور وہ اکابرِ حنفیہ کے بارے میں جو تیز کلامی کرتے ہیں، اس کا ان کو کیا حق پہنچتا ہے۔ یہی بات آج ہم صفائی کے ساتھ ان کے تلمیذِ خاص صاحب مرعات کے بارے میں عرض کرتے ہیں، جن کی تیز لسانی کے نمونے سے پہلے پیش بھی کیے ہیں، درحقیقت حضرت شاہ صاحب نے یہ بات نہایت ہی قیمتی فرمائی ہے، کہ حافظ ابن تیمیہ ایسے محققین ومدققین کی تیز کلامی تو برداشت کی جاسکتی ہے لیکن علامہ شوکانی وشیخ عبدالوہاب نجدی کا حد سے آگے بڑھنا زیب نہیں دیتا، یہی رائے ہم نے صاحبِ تحفہ وصاحبِ مرعاۃ کے بارے میں بھی قائم کی ہے اور الحمدللہ علیٰ وجہ البصیرۃ کی ہے جس کی تفصیل بحث ونظر میں وآتی رہتی ہیں اور انوار الباری کی تکمیل تک پورے حقائق سامنے ہوکر تمام تلبیسات کے پردے چاک ہوجائیں گے، انشاءاللہ بہ نستعین۔(۱)

☆ شیخ حافظ محمد امین نجدی ﷫ لکھتے ہیں:

فوائد مسائل:

(۱) حیض وہ خون ہے جو ہر جوان عورت کو رحم سے ہر ماہ باقاعدگی کے ساتھ چند دن آتا ہے۔ یہ عورت کی صحت کی علامت ہے۔ اس خون کی بندش یا بے قاعدگی عورت کے مریض ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ خون آرہا ہو تو جماع' نماز اور روزے کی ممانعت ہے۔ حیض ختم ہوجائے' یعنی یہ خون آنا بند ہوجائے تو غسل فرض ہوجاتا ہے۔ غسل کرنے کے بعد یہ تمام کام جائز ہوجاتے ہیں۔ (۲) استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو معینہ دنوں کے علاوہ رحم سے آئے' چونکہ وہ بیماری ہے' لہٰذا اس میں مندرجہ بالا کام جائز رہتے ہیں اور اس سے غسل بھی واجب ہوتا ہے۔ (۳) ''عرق'' کے معنی رگ ہیں جو رحم کے قریب ہوتی ہے' اس سے یہ خون آتا ہے۔

فوائد ومسائل:

(۱) مستحاضہ کا ہر نماز کے لیے غسل کرنا ضروری نہیں' البتہ افضل اور مستحب ہے۔ حضرت ام حبیبہ ﷞ کا ہر نماز کے لیے غسل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے فرمان سے یہ بات سمجھی ہے' تبھی وہ استحباباً اور افضلیت کو پانے کی خاطر ہر نماز کے وقت غسل کرتی تھیں' نیز اس بات کی تائید دیگر احادیث سے ہوتی ہے جبکہ بعض کا یہ کہنا کہ انھیں حدیث کے معنی ومراد سمجھنے میں غلطی لگی ہوگی' درست نہیں کیونکہ یہ موقف بے دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔ (۲) استحاضہ والی عورت کو لنگوٹ وغیرہ باندھ کر مسجد میں جانا جائز ہے تاکہ خون نیچے گرے نہ کپڑے خراب ہوں۔ (۳) حضرت ام حبیبہ کا ٹب میں غسل کرنا خون کی رنگت دیکھ کر یہ معلوم کرنے کے لیے تھا کہ حیض بند ہوا یا نہیں ورنہ ٹب میں بیٹھ کر غسل کرنا طہارت کے خلاف ہے۔

فوائد ومسائل:

(۱) ''خون سے بھرا ہوا'' اس سے مراد پانی ہے جس میں خون شامل ہونے کی وجہ سے رنگت خون جیسی تھی ورنہ وہ پانی ہی ہوتا تھا۔ مقصد

۱۔ انوار الباری شرح صحیح البخاری، ج ۱۰، ص ۱۷۲۔۱۷۳

یہ ہے کہ انہیں بہت خون (استحاضہ) آتا تھا۔ (۲) ''تمہیں حیض آیا کرتا تھا۔'' گویا پہلے انہیں صرف حیض آتا تھا' بعد میں بیماری شروع ہوئی۔ مطلب ہے' پہلے جتنے دن حیض آیا کرتا' اتنے دن حیض شمار کرو' اس کے بعد غسل کر کے نماز وغیرہ پڑھا کرو۔ (۳) مستحاضہ کے لیے غسل کرنا مستحب اور افضل ہے ضروری نہیں۔

فوائد مسائل:

(۱) ہمارے فاضل محقق نے اس روایت کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے لیکن یہ روایت معناً صحیح ہے کیونکہ دیگر احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے' نیز حدیث کے بعض حصے کے شواہد کا خود محقق کتاب نے بھی اعتراف کیا ہے اور حضرت عائشہ کی روایت بھی اس کی شاہد بنتی ہے۔ دیکھیے: (صحیح مسلم' الحیض' حدیث:۳۳۳) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحدیثیة مسند احمد:۴۴/ ۱۲۲-۱۲۳) (۲) جس عورت کو پہلے باقاعدگی سے حیض آتا تھا بعد میں استحاضہ شروع ہوا تو وہ انھی دنوں کو حیض شمار کرے جن دنوں میں اسے پہلے حیض آتا تھا' انھی دنوں میں نماز چھوڑے۔ اس کے علاوہ باقی دنوں میں خون آنے کے باوجود نماز وغیرہ پڑھتی رہے' البتہ حیض کے دن ختم ہونے پر وہ غسل کرے' مزید غسل کی ضرورت نہیں۔ اور اگر اسے شروع ہی سے بے قاعدہ خون آ رہا ہے تو وہ رنگ دیکھ کر حیض اور استحاضہ کے درمیان فرق کرے' لیکن اگر رنگ سے بھی پہچان نہ ہو تو وہ مہینے میں سے کوئی چھ یا سات دن حیض سمجھ لے یا قریبی رشتہ دار خواتین کی ماہانہ عادت کو اپنا لیا کرے' پھر غسل کر کے نماز شروع کرے۔ (۳) لنگوٹ اس لیے باندھنا ہوگا کہ خون کے قطرے کپڑوں اور جسم کو خراب نہ کریں۔

۸۔ خلاصہ:

مذکورہ بالا آٹھ احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ حیض کے اختتام پر غسل کرنا واجب ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات ظاہریہ میں گیارہ صحابیات کو استحاضہ کا خون آتا تھا، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت ام حبیبہ بنت جحش	۲۔ ام المؤمنین حضرت زینب	۳۔ حضرت اسماء اخت میمونہ
۴۔ حضرت فاطمہ بنت ابی جحش	۵۔ حضرت حمنہ بنت جحش	۶۔ حضرت سہلہ بنت سہیل
۷۔ حضرت زینب بنت جحش	۸۔ حضرت سودہ بنت زمعہ	۹۔ حضرت زینب بنت ام سلمہ
۱۰۔ حضرت اسماء بنت مرشد حارثیہ	۱۱۔ حضرت بادیہ بنت غیلان ثقفیہ (۱)	

☆ استحاضہ کا خون جس رگ سے آتا ہے، عادل کہتے ہیں

☆ حیض کا خون ہر جوان عورت کے رحم سے ہر ماہ باقاعدگی سے معین دنوں میں آتا ہے' اس کے دنوں کی قلیل مقدار تین دن اور کثیر دس دن ہے۔

☆ تین دن سے کم اور دس دن سے زائد آنے والا خون بیماری کا خون کہلاتا ہے۔

☆ رگ عادل جس سے استحاضہ کا خون آتا ہے، یہ رحم کے قریب ایک رگ ہے۔

☆ حضرت ام حبیبہ کا ہر نماز کے لیے غسل کرنا بطور استحباب و افضل تھا، وگرنہ حیض سے فراغت کے بعد ایک دفعہ غسل کرنا واجب ہے، پھر ہر نماز کے لیے وضو کرنا واجب ہے۔

۱۔ عمدة القاری، ج ۳، ص ۱۱۱

☆ استحاضہ والی عورت کو زیر پاجامہ وغیرہ پہن کر نماز پڑھنی چاہیے، تاکہ خون سے جائے نماز کپڑے اور بدن آلودہ نہ ہو۔

☆ استحاضہ والی عورت حیض کے دنوں میں غور و فکر کر کے تعین کرے، پھر غسل کر کے نماز پڑھے۔

☆ اگر کسی عورت کو شروع سے ہی استحاضہ آنا شروع ہو جائے، تو وہ رنگ اور دیگر علامات سے حیض اور استحاضہ میں فرق کرے، اگر ایسا بھی نہ ہو تو قریبی رشتہ دار خواتین کی ماہواری سے اندازہ کرے۔

☆ حیض کے دنوں کی نماز اور روزہ چھوڑ دے، استحاضہ کے دنوں میں نماز پڑھے اور روزہ رکھے گی۔ البتہ حیض کے دنوں کے روزوں کی قضا بھی کرے گی، جبکہ نمازوں کی شرعاً معافی ہے۔

باب ۱۳۵: ذِكْرُ الْاَقْرَاءِ — قرء سے مراد حیض ہے یا طہر؟

امام نسائی کے نزدیک قرء سے مراد حیض ہے، علماء احناف کا بھی یہی موقف ہے، جبکہ امام شافعی کے نزدیک قرء سے مراد طہر ہے، علماء لغت کے نزدیک قرء لفظ حیض اور طہر دونوں کے معنی پر مشتمل ہے، اور قرینہ سے اس کا معنی متعین ہوگا۔ اس باب کے قائم کرنے سے امام نسائی کی مراد یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں اس کا معنی حیض ہے، اس باب میں امام نسائی نے چار احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حیض سے فارغ ہونے پر غسل کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں لفظ قرء سے حیض کا معنی مراد لینے کا بیان ہے، دونوں باب حیض سے متعلق ہیں۔

۲۰۹۔ اَخْبَرَنَا الرَّبِيْعُ بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوُدَ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ الَّتِيْ كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّاَنَّهَا اسْتُحِيْضَتْ لَا تَطْهُرُ فَذُكِرَ شَاْنُهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ "اِنَّهَا لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ وَلٰكِنَّهَا رَكْضَةٌ مِّنَ الرَّحِمِ فَلْتَنْظُرْ قَدْرَ قَرْئِهَا الَّتِيْ كَانَتْ تَحِيْضُ لَهَا فَلْتَتْرُكِ الصَّلَاةَ ثُمَّ تَنْظُرُ مَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَلْتَغْتَسِلْ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ"۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ام حبیبہ بنت جحش زوجہ حضرت عبدالرحمان بن عوف کو بیماری کا خون جاری ہوا، جس سے وہ پاک نہیں ہوتی تھیں، ان کی یہ حالت آقا کریم ﷺ کو بیان کی گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ماہواری کا خون نہیں ہے، بلکہ رحم کے زخم کا خون ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنی ماہواری کے خون کی مقدار کو یاد کرے، ان دنوں میں نماز کے لیے غسل کرے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے، کہ آقا کریم ﷺ نے لفظ "قرء" کو حیض کے معنی میں استعمال کیا ہے، بس سے ثابت ہوا کہ قرء کا معنی حیض ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۵۴، احمد: ۲۵۰۲۶، السنن الکبریٰ: ۲۱۸، تحفۃ الاشراف: ۱۷۹۵۴

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت ابوبکر بن محمد کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔الربیع بن سلیمان: راجع:۱۷۳ ۲۔اسحاق بن بکر: ایضاً
۳۔بکر بن مضر: ایضاً ۴۔یزید بن عبداللہ: راجع:۹۰
۵۔ابوبکر بن محمد:

آپ کا نام قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری خزرجی نجاری مدنی (م:۱۲۰ھ) ہے،آپ کا نام اور کنیت ایک ہی ہے،البتہ بعض نے کہا کہ ابوبکر نام ہے اور ابومحمد کنیت ہے۔آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ،عابد،تابعی راوی ہیں،آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت وعدالت پر متفق ہیں،آپ مدینہ منورہ کے گورنر اور قاضی ہوئے ہیں۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔

۶۔عمرہ: راجع:۲۰۳ ۷۔عائشہ: راجع:۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ حدیث مبارکہ سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ بیالیسویں (۴۲) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں؛البتہ حضرت اسحاق بن بکر کو بعض نے صدوق قرار دیا ہے۔
☆ سند کے تین راوی مصری ہیں اور باقی چار مدنی ہیں۔
☆ سند میں تین تابعین کرام (یزید،ابوبکر،عمرہ) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔
☆ یہ روایت بھانجا (ابوبکر) کی اپنی خالہ (عمرہ) سے روایت ہے۔
☆ سند میں دو خاتون (عمرہ،حضرت عائشہ) راویات ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ،صیغہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغوی مباحث:

استحفت: اسے بیماری کا خون آتا تھا — لا تطھر: وہ پاک نہیں ہوتی تھی — ذکر: ذکر کیا گیا
شانھا: ان کی حالت — رکضۃ: چوٹ،زخم — الرّحم: رحم — قرء: حیض
ما بعد ذلك: اس کے بعد — عند کل صلوٰۃ: ہر نماز کے وقت

۲۱۰۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَمْرَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ جَحْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ سَبْعَ سِنِينَ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ "لَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ إِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ" فَأَمَرَهَا أَنْ تَتْرُكَ الصَّلَاةَ قَدْرَ أَقْرَائِهَا وَحَيْضَتِهَا وَتَغْتَسِلَ وَتُصَلِّيَ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ۔

حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں: حضرت ام حبیبہ بنت جحش کو سات سال تک بیماری کا خون آتا رہا، انہوں نے حضور نبی کریم سے پوچھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ماہواری (حیض) کا خون نہیں ہے، بلکہ یہ رگ کا خون ہے، آپ نے انہیں ماہواری کے دنوں کی مقدار نماز چھوڑنے کا حکم دیا، اور فرمایا: اس کے بعد غسل کرو اور نماز پڑھو۔

ا۔مطابقت:

اس حدیث مبارکہ میں آقا کریم ﷺ نے لفظ قرء کو حیض کے مترادف کے طور بیان کیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ قرء حیض کے معنی میں ہے۔

۲۔اطراف: راجع:۲۰۳

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے:

۱۔محمد بن المثنی:	راجع:۸۰	۲۔سفیان:	راجع:۱	۳۔الزہری:	ایضاً
۴۔عمرہ:	راجع:۲۰۳	۵۔عائشہ:	راجع:۵		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایات خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ چھیاسٹھویں (۶۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بصری، دوسرے کوفی، اور باقی مدنی ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ، ام المؤمنین اور مکثرین سبعہ رواہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

سالت: اس نے آپ ﷺ سے پوچھا　　عرق: رگ۔رحم کی عادل رگ مراد ہے۔　　امرھا: آپ ﷺ نے حضرت ام حبیبہ کو حکم دیا

۲۱۱۔ اَخْبَرَنَا عِیسَی بْنُ حَمَّادٍ قَالَ حَدَّثَنَا اللَّیْثُ عَنْ یَزِیدَ بْنِ اَبِی حَبِیبٍ عَنْ بُکَیْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الْمُنْذِرِ بْنِ الْمُغِیرَۃِ عَنْ عُرْوَۃَ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ اَبِی حُبَیْشٍ حَدَّثَتْ اَنَّھَا اَتَتْ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَشَکَتْ اِلَیْہِ الدَّمَ فَقَالَ لَھَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ فَانْظُرِی اِذَا اَتَاكِ قُرْؤُكِ فَلَا تُصَلِّی فَاِذَا مَرَّ قُرْؤُكِ فَتَطَھَّرِی ثُمَّ صَلِّی مَا بَیْنَ الْقُرْءِ اِلَی الْقُرْءِ " ھٰذَا الدَّلِیلُ عَلٰی اَنَّ الْاَقْرَاءَ حَیْضٌ۔

قَالَ اَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَقَدْ رَوٰی ھٰذَا الْحَدِیثَ ھِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ عَنْ عُرْوَۃَ وَلَمْ یَذْکُرْ فِیہِ مَا ذَکَرَ الْمُنْذِرُ۔

حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش بیان کرتی ہیں: انہوں نے آقا کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر خون آنے کی بابت عرض کیا، آپ نے فرمایا:

یہ رگ کا خون ہے۔ تم غور وفکر کرو، جب تمہارے حیض کے دن آجائیں، تو نماز نہ پڑھنا، جب تمہارے ماہواری کے دن گزر جائیں تو غسل کرو، اور دونوں حیضوں کے درمیان نماز پڑھو۔

امام نسائی فرماتے ہیں: یہ حدیث مبارکہ دلیل ہے کہ قرء سے مراد حیض ہے۔

آپ مزید فرماتے ہیں: اس حدیث مبارکہ کو حضرت ہشام بن عروہ نے بھی حضرت عروہ سے روایت کیا ہے، لیکن انہوں نے وہ سند ذکر نہیں کی، جو حضرت منذر بن مغیرہ نے ذکر کی ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے، کہ آقا ﷺ نے لفظ قرء کو چار دفعہ حیض کے معنی میں استعمال کیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ قرء کا معنی حیض ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۳۴۵، ۳۵۵، ۳۶۰، ابوداؤد: ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۶، السنن الکبریٰ: ۲۱۶، تحفۃ الاشراف: ۱۸۰۱۹، ابن ماجہ: ۶۲۰

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی تین کا درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ عیسیٰ بن حماد:

آپ کا نام ابوموسیٰ عیسیٰ بن حماد بن مسلم عبداللہ زغبہ تجیبی مصری (م: ۲۴۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ کے والد کا لقب بھی زغبہ تھا، آپ حضرت امام لیث کے تلامذہ ثقات میں سے آخری شاگرد ہیں، آپ نے نوے سال کی طویل عمر پائی۔ امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ اللیث: راجع: ۳۵ **۳۔ یزید بن ابی حبیب:** راجع: ۲۰۷

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۶، ص ۲۷۴ ii۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۲۰۹

۴۔بکیر بن عبداللہ الاشج:

آپ کا نام ابوعبداللہ بکیر بن عبداللہ اشج قریشی مدنی مصری (م:۱۲۰ھ) بعض نے آپ کی کنیت ابویوسف لکھی ہے، آپ بنومخزوم کے آزاد کردہ غلام تھے' آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آپ کی ثقاہت پر آئمہ حدیث متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔المنذر بن المغیرۃ:

آپ کا نام منذر بن مغیرہ مجازی مدنی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ہیں' آپ کو علامہ ابن حبان نے ثقہ (۲)، علامہ ابن حجر عسقلانی نے مقبول (۳) اور امام ابوحاتم نے مجہول (۴) قرار دیا ہے۔علامہ ابوالحاج جمال الدین یوسف مزی فرماتے ہیں: **یحتمل ان یکون جدّ المنذر بن عبدالله الخزامی** (۵) شاید یہ منذر بن عبداللہ حزامی کے دادا ہوں۔

امام مزّی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ حضرت منذر بن عبداللہ حزامی کے دادا ہیں، پھر ان پر مجہول ہونے کا حکم لگانا درست نہیں ہے اسی طرح علامہ احمد بن صالح لکھتے ہیں: حضرت منذر بن مغیرہ جب سے حضرت بکیر بن عبداللہ اشج روایت کرتے ہیں وہ ثقہ ہیں۔(٦) امام ابو داؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۷)

٦۔عروۃ بن الزبیر: راجع:۴۴ ۷۔فاطمہ بنت ابی جیش: راجع:۲۰۱

۴۔حکم روایت:

اس روایت کو امام نسائی نے مذکورہ سند سے سنن نسائی صغریٰ میں دو مقامات (۲۱۱، ۳۵٦) پر نقل کیا ہے، اور نقل کرنے کے بعد درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

قد روی هذا الحديث هشام بن عروة عن عروة ولم يذكر فيه ما ذكر المنذر

امام نسائی کا سند پر اعتراض:

مذکورہ بالا عبارت سے امام نسائی کا مقصود یہ ہے کہ حضرت منذر بن مغیرہ نے "**عن عروة ان فاطمه ابی جیش حدثت**" کہا ہے، جب کہ حضرت ہشام کی سند میں **عن عروة عن عائشه** ہے، جس کا مطلب ہے یہ حدیث مبارکہ حضرت عروۃ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے سماعت کی ہے، نہ کہ حضرت فاطمہ بنت ابی جیش سے سماعت کی ہے، اس لیے یہ سند منقطع ہے، اور حدیث ضعیف ہے۔

ان عروة ادرك فاطمه، ولا يبعد ان يسمع الحديث من عائشه و من فاطمه واما المنن فان حديث ام حبيبه يشهد له (۸)

حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت فاطمہ کا زمانہ پایا ہے، اور یہ بعید نہیں کہ انہوں نے یہ حدیث مبارکہ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمہ دونوں

۱۔i۔العلل (ابن حنبل)، ج۱، ص۵۲ ii۔تقریب التہذیب، ج۱، ص۱۱٦ ۲۔الثقات، ج۷، ص۴۸۰
۳۔تقریب التہذیب، ج۲، ص۲۸۰ ۴۔الجرح وتعدیل، ج۸، ص۲۴۲ ۵۔تہذیب التہذیب، ج۷، ص۱۹۰
٦۔ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۴، ص۲۸۲ ۷۔تقرب التہذیب، ج۲، ص۲۸۰ ۸۔ذخیرہ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۴، ص۲۵۷

سے سنی ہو، اور متن کے شواہد حضرت ام حبیبہ کی حدیث مبارکہ میں ہیں، لہٰذا یہ سند متصل ہوئی۔

امام ابوداؤد کے نزدیک مذکورہ سند کا متصل اور حدیث کا صحیح ہونا:

امام ابوداؤد نے مذکورہ سند کے ساتھ یہ حدیث مبارکہ دو مقامات (۲۸۰، ۲۸۶) پر روایت کی ہے، دونوں مقامات پر سند یا حضرت عروۃ کے حضرت فاطمہ سے سماع پر کوئی بحث نہیں کی، بلکہ دونوں مقامات پر اس سند اور متن کے دیگر شواہد ومتابعات ذکر کیے ہیں، جو اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک یہ سند متصل اور حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

امام مسلم کی شرائط پر مذکورہ سند کا متصل ہونا:

امام مسلم کے نزدیک اتصال سند کے لیے راوی اور مروی عنہ کی معاصرت کا ایک ہونا کافی ہے، اگرچہ ملاقات ثابت نہ ہو(۱) مذکورہ سند میں حضرت عروۃ اور حضرت فاطمہ کا زمانہ ایک ہے، اس لیے امکان سماع موجود ہے لہٰذا یہ سند متصل ہے۔

شواہد ومتابعات کی وجہ سے حدیث مذکور کا صحیح ہونا:

مذکورہ حدیث مبارکہ کے شواہد اور متابعات کثیر ہیں، جنہیں آئمہ صحاح ستہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور دیگر کثیر آئمہ حدیث نے نقل کیا ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی نجدی نے بھی مذکورہ حدیث مبارکہ کو صحیح قرار دیا ہے(۲) لہٰذا مذکورہ بالا دلائل، شواہد اور متابعات کی بناء پر یہ حدیث مبارکہ سنداً متصل اور متناً صحیح ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۵۔ خصوصیات سند:

یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ تنتالیسویں (۴۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت منذر بن مغیرہ علامہ ابن حبان اور احمد ابن صالح نے ثقہ، علامہ بن حجر عسقلانی نے مقبول اور امام ابوحاتم نے مجہول قرار دیا ہے، علامہ مزی کا رجحان اس طرف ہے کہ آپ ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی مصری، چوتھے مدنی مصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت عروہ زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ تابعین میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، کلمہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اتت رسول الله: وہ آقا کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں

فستنکت الیه الدم: انہوں نے آقا کریم سے خون آنے کی بات عرض کی

فانظری: تم غور وفکر کرو۔ قروك: تمہارے ماہواری کے دن۔ تمہارا حیض

مر بہ گزر گیا۔ مراد ہے حیض کے دن گزر جائیں فتطھری: تو غسل کر

۱۔ فتح الباری (مقدمہ) ج۱ص۹ ۲۔ سلسلہ الاحادیث الصحیحہ وشی من فقہہا فوائدھا: ۳۰۱

القرء: ماہواری۔حیض

۲۱۲۔اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ وَوَكِيْعٌ وَاَبُوْ مُعَاوِيَةَ قَالُوْا حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَائَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِيْ حُبَيْشٍ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّيْ امْرَاَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلَاةَ قَالَ "لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِالْحَيْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِيْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّيْ"

حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے:
حضرت فاطمہ بنت حبیش آقا کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: میں بیماری کے خون سے کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے، حیض کا نہیں ہے۔ جب تمہیں ماہواری کا خون آئے، تو نماز چھوڑ دو، اور جب ختم ہو جائے، تو خون دھو کر نماز پڑھو۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ذیل ہے:
آقا کریم نے بیماری اور ماہواری کے خون کی وضاحت فرمائی ہے، باب بھی ماہواری کے خون سے متعلق ہے، اس حدیث مبارکہ میں حضور انور ﷺ نے ماہواری کے خون کے لیے لفظ "حیض" کا استعمال فرمایا ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۵۹، بخاری: ۲۲۸، ۳۰۶، ۳۲۰، ۳۲۵، ۳۳۱، مسلم: ۳۳۳، ترمذی: ۱۲۵، ابن ماجہ: ۶۲۱، دار قطنی: ج ا، ص ۲۰۶، ابن ابی شیبہ، ج ا، ص ۱۲۵، ابوعانہ، ج ا، ص ۳۱۹، سنن بیہقی: ج ا، ص ۳۲۴، احمد: ۲۵۶۲۲، السنن الکبریٰ: ۲۱۷، تحفۃ الاشراف: ۱۷۰۱۷، ۱۷۱۹۶، ۱۷۲۵۹۔

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔اسحاق بن ابراہیم: راجع:۲ ۲۔عبدۃ: راجع:۱۹۵ ۳۔وکیع: راجع:۲۵ ۴۔ابومعاویہ: راجع:۳۰
۵۔ہشام بن عروۃ: راجع:۶۱ ۶۔عروۃ: راجع:۴۴ ۷۔عائشۃ: راجع:۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ سٹھر سٹھویں (۶۷) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی مروزی نیشاپوری، اگلے تین کوفی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت اسحاق بن ابراہیم بن ابراہیم ابن راہویہ نے یہ حدیث مبارکہ تین شیوخ حضرت عبدہ، وکیع اور ابو معاویہ سے سماعت کی ہے۔

☆ یہ بیٹے (ہشام) کی اپنے باپ (عروہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عروۃ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ یہ بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (حضرت عائشہ) سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت حدثنا ایک دفعہ، اخبرنا، اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

☆ حدیث نمبر ۲۱۱ پر امام نسائی کا اعتراض یہ ہے کہ یہ روایت عن عروۃ عن فاطمہ کی بجائے عن عروۃ عن عائشہ نفی حضرت عروۃ کا حضرت فاطمہ سے روایت کرنا صحیح نہیں ہے، لہٰذا یہ سند منقطع ہے اور حدیث ضعیف ہے، علامہ ابن حزم، امام ابوداؤد اور امام مسلم کے نزدیک حضرت عروہ کا حضرت فاطمہ سے سماع ثابت ہے، اس روایت کی سند متصل ہے اور یہ حدیث مبارکہ کثیر شواہد اور متابعات کی بناء سنداً متناً صحیح ہے۔

۶۔لغات:

جاء ت: وہ ایک عورت آئی لا اطھر: میں پاک نہیں ہوتی اخادع الصلوۃ ؟: کیا میں نماز چھوڑ سکتی ہوں؟

فاغسلی غسلک الدم: تو اپنا خون دھو۔ مراد ہے کپڑے دھو اور غسل کر

۷۔مسائل ونصائح:

اس باب میں مذکورہ احادیث کی اکثر تشریحات وتوضیحات حدیث نمبر ۱۳۴ اور حدیث نمبر ۲۰۹ کے ضمن میں گزر چکی ہیں، باقی چند ایک حسب ذیل ہے:

حیض اور استحاضہ کا معنی:

حدیث مذکور ہے: ''استحاض'' اس کا معنی ہے: حیض کی مدت گزرنے کے بعد میرا خون مسلسل جاری رہتا ہے یعنی وہ مستحاضہ تھیں' حیض حیض اس خون کہتے ہیں' جو رحم سے نکلتا ہے اور رحم وہ جگہ ہے جہاں جماع کیا جاتا ہے اور جہس سے بچہ کی ولادت ہوتی ہے اور استحاضہ وہ خون ہے' جو حیض کی کم از کم مدت سے کم دنوں میں آئے یا حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت سے زیادہ دنوں میں آئے' یعنی تین دن سے کم آئے یا دس دن سے زیادہ آئے۔

اس اشکال کا جواب کہ آپ نے حیض ختم ہونے کے بعد نماز پڑھنے کا حکم دیا' .... حالانکہ اس سے پہلے غسل کرنا ضروری ہے

اس حدیث میں مذکور ہے: اور جب حیض چلا جائے تو تم اپنے جسم سے خون صاف کرنا' پھر نماز پڑھنا' اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا ذکر نہیں کیا اور حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرنا ضروری ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس روایت میں غسل کا ذکر نہیں ہے لیکن دوسری صحیح روایت میں غسل کا ذکر ہے' وہ روایت حسب ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے بیان کرتی ہیں کہ ام حبیبہ بنت جحش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: بے شک حیض کے بعد میرا خون جاری رہتا ہے' آپ نے فرمایا: یہ رگ (کا خون) پس تم غسل کر دہ پھر نماز پڑھو' پس وہ ہر نماز کے وقت غسل کرتی تھیں (۱)

۱۔صحیح مسلم: ۳۳۴، الرقم المسلسل: ۷۳۹' سنن ابوداؤد: ۲۸۵' سنن ترمذی: ۱۲۹' سنن نسائی: ۲۰۵)

اوراحادیث ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں' لہٰذا اس حدیث میں بھی یہی معنی مراد کہ جب حیض چلا جائے تو تم غسل کرو' پھر نماز پڑھو۔

حائضہ عورت کو پیش آنے والے دیگر مسائل:

(۱) اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا' اس سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے پیش آمدہ مسئلہ میں عالم دین سے براہ راست سوال کرسکتی ہیں۔

(۲) جو عورت حائضہ ہو' اس کا ایام حیض میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے' خواہ نماز فرض ہو یا نفل ہو' نہ اس کا طواف کرنا جائز ہے' نہ نماز جنازہ پڑھنا' نہ سجدہ تلاوت کرنا نہ سجدہ شکر کرنا۔

(۳) جب کسی عورت کا حیض منقطع ہو جائے' تو اس پر واجب ہے کہ وہ اسی وقت غسل کر کے اس وقت کی نماز پڑھے اور پھر اس کے لیے نماز اور روزے کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور وہ طاہرات کے حکم میں ہے۔

(۴) بعض فقہاء احناف نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر پیشاب اور پاخانے کے راستوں کے علاوہ بھی جسم کے کسی حصہ سے خون نکل آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ میں وضو ٹوٹنے کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ رگ سے خون نکلا ہے' لیکن وہ پیشاب کے راستے سے نکلا ہے اور پیشاب کے راستہ سے جو خون نکلے' اس سے وضوء ٹوٹنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۵) بعض احادیث میں مذکور ہے کہ وہ نماز کے لیے وضو کرے اس میں فقہاء احناف اور شوافع کا اختلاف ہے کہ مستحاضہ ہو یا کوئی اور صاحب عذر مثلاً جس کے پیشاب کے قطرات ہر وقت نکلتے رہتے ہیں یا جسم کے زخم سے ہر وقت خون بہتا رہتا ہے' آیا وہ ہر نماز کے لیے ایک وضو کرے یا ہر نماز کے وقت کے لیے ایک وضو کرے' فقہاء شافعیہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر نماز کے لیے ایک وضو کرے اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر نماز کے وقت کے لیے ایک وضو کرے اور اس پورے وقت میں فرائض اور نوافل اور تلاوت قرآن کرسکتا ہے' بہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے اس کا وضو نہ ٹوٹے اور جب دوسری نماز کا وقت آجائے گا تو پھر اس کو دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔(۱)

فائدہ:

مستحاضہ کے لیے ہر نماز کے وقت غسل کی حدیث کو حافظ ابن حجر نے قوی قرار دیا ہے اور اسے قابل حجت قرار دیتے ہوئے' اس حدیث کو ضعیف قرار دینے والوں کا تعاقب کیا ہے اور آخر میں حدیث عکرمہ اور اس کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے اس امر کو استحباب پر محمول کیا ہے' یعنی استحاضہ میں مبتلا عورت کے لیے ہر نماز کے لیے غسل کرنا افضل تو ہے واجب نہیں تاکہ دیگر روایات سے اختلاف پیدا ہو۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو(۲)

فائدہ:

اس سے پہلی تین روایات میں (قرء) حیض کے معنی میں آیا ہے۔ اور یہی امام نسائی کا مقصود ہے۔ امام شافعی نے (قرء) سے طہر مراد لیا ہے۔ لغت کے لحاظ سے یہ لفظ دونوں معانی میں استعمال ہوا ہوتا ہے۔ موقع محل کی مناسبت سے دونوں میں سے کوئی معنی مراد لیا جاتا ہے۔ محققین کا یہی موقف ہے۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ا، ص ۶۸۰۔۶۸۱ ۲۔ فتح الباری: ا۔۴۲۲ و صحیح سنن ابی داؤد (مفصل) للالبانی: ۲۔۸۳ حدیث: ۳۰۳

۸۔خلاصہ:

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ لفظ ''قرء'' کا معنی حیض بیان کیا ہے، آقا کریم ﷺ نے اس لفظ کو حیض کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

☆ لفظ ''قرء'' کا معنی حیض اور طہر دونوں مشترک ہیں، البتہ قرینہ سے معنی کا تعین ہوگا، علماء احناف کے نزدیک طلاق کے باب میں اس کا معنی حیض ہے، جبکہ علماء شوافع کے ہاں اس کا معنی طہر ہے۔

☆ عورت کو حیض کی حالت میں نماز معاف ہے، جبکہ استحاضہ کی حالت میں نماز پڑھنا فرض ہے۔

☆ حالت حیض میں عورت کے لیے نماز پڑھنا، قرآن پڑھنا طواف کرنا، نماز جنازہ پڑھنا، سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر ادا کرنا جائز نہیں ہے۔

☆ امام شافعی کے نزدیک استحاضہ والی عورت اور اسی طرح کے دوسرے شرعی معذور ہر نماز کے لیے علیحدہ وضو کریں، جبکہ علماء احناف کے نزدیک ہر نماز کے وقت کے لیے علیحدہ وضو کریں گے، پھر اس وقت فرائض، نوافل اور دیگر عبادات اس وضو کے ساتھ بجالانا جائز ہے۔

☆ استحاضہ عورت اور اسی کی مثل دوسرے شرعی معذورین کے لیے ہر نماز کے وقت کے لیے غسل کرنا مستحب ہے۔

☆ حائضہ عورت کیلیے ماہواری سے فارغ ہونے پر غسل کرنا واجب ہے۔

☆ حضرت ام حبیبہ کا ہر نماز کے لیے غسل کرنا استحباب پر محمول ہے۔

☆ مسلسل استحاضہ والی عورت غور وفکر کر کے حیض کے دنوں کا تعین کرے گی۔

☆ آقا کریم ﷺ کا ہر نماز یا دو نمازوں کے لیے ایک غسل کا حکم بھی استحباب پر محمول ہے، کیونکہ دوسری حدیث مبارکہ میں آقا کریم ﷺ نے حیض سے فارغ ہونے پر غسل اور پھر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

باب ۱۳۶: ذِكْرُ اغْتِسَالِ الْمُسْتَحَاضَةِ — استحاضہ والی عورت کا غسل کرنا

اس باب میں ایسی عورت کے غسل کرنے کا بیان ہے' جسے بیماری کا خون مسلسل جاری ہو، آقا کریم ﷺ نے ایسی عورت کو ظہر اور عصر کے لیے ایک غسل' مغرب اور عشاء کے لیے ایک غسل اور فجر کے لیے علیحدہ غسل کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم استحباب پر محمول ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے ایسی عورت کے لیے صرف وضو کرنے کا بھی حکم ارشاد فرمایا ہے، اس لیے یہ ایک اختیاری اور استحبابی عمل ہے، امام نسائی نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں لفظ قرء سے حیض مراد ہونے کا بیان تھا۔ اس باب میں استحاضہ والی عورت کے غسل کرنے کا بیان ہے، دونوں ابواب میں مناسبت یہ ہے کہ حیض سے غسل واجب ہوتا ہے، اور استحاضہ سے غسل مستحب ہوتا ہے، یعنی دونوں کا تعلق غسل سے ہے۔

۲۱۳۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنھا أَنَّ امْرَأَةً مُسْتَحَاضَةً عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ لَهَا إِنَّهُ عِرْقٌ عَانِدٌ فَأُمِرَتْ أَنْ تُؤَخِّرَ الظُّهْرَ وَتُعَجِّلَ الْعَصْرَ وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا وَاحِدًا وَتُؤَخِّرَ الْمَغْرِبَ وَتُعَجِّلَ الْعِشَاءَ وَتَغْتَسِلَ لَهُمَا غُسْلًا وَاحِدًا وَتَغْتَسِلَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ غُسْلًا وَاحِدًا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: آقا کریم کے زمانہ حیات (ظاہری) میں ایک عورت کو بیماری کا خون آتا تھا، اسے بتلایا گیا: یہ سرکش رگ کا خون ہے، پھر اسے ظہر کو تاخیر سے اور عصر کے جلدی پڑھنے اور دونوں کے لیے ایک غسل کرنے کا حکم دیا گیا، مغرب کو تاخیر سے اور عشاء کو جلدی پڑھنے کا اور دونوں کے لیے ایک غسل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر فجر کی نماز کے لیے علیحدہ غسل کرنے کا حکم دیا گیا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے استحاضہ والی عورت کو غسل کرنے کا حکم دیا۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۵۸، ابوداؤد: ۲۹۴، ابن ماجہ: ۶۲۱۔، احمد: ۲۵۴۴۶، سنن بیہقی: ج ۱ ص ۳۵۲، طحاوی: ج ۱ ص ۳۵۲، تحفۃ الاشراف: ۱۴۷۹۵،

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔محمد بن بشار: راجع: ۲۷ ۲۔محمد: راجع: ۲۲ ۳۔شعبہ: راجع: ۲۶ ۴۔عبدالرحمان بن القاسم: راجع: ۱۶۶
۵۔القاسم بن محمد: ایضا ۶۔عائشہ: راجع: ۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح مرفوع ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ اکانویں (۹۱) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی مصری اور آخری تین مدنی ہیں۔
☆ یہ سند حضرت عائشہ صدیقہ کی مرویات سے اصح الاسانید میں سے ہے۔
☆ یہ بیٹے (عبدالرحمان) کی اپنے باپ (القاسم) سے روایت ہے،
☆ اسی طرح یہ (القاسم) کی اپنی پھوپھی (حضرت عائشہ صدیقہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت قاسم بن محمد فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

عھد رسول اللہ ﷺ: حضور کریم ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری

عرق عائد: سرکش رگ۔ ایسی رگ جس سے مسلسل خون بہے

امرت: اس ایک عورت کو حکم دیا گیا۔

ان توخر: تو جلدی کر

صلوۃ الصبح: فجر کی نماز

غسلا واحدا: ایک غسل

۷۔مسائل ونصائح:

☆ سرکش رگ سے مراد مسلسل خون بہنا ہے:

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

عرق عائذ کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب نہایہ نے لکھا ہے: اس سے مراد عورت کا وہ خون ہے، جو اس کی عادت کے برعکس مسلسل جاری ہوتا ہے، بعض نے کہا ہے: اس سے مراد وہ خون ہے جو رکتا نہیں ہے۔(۱)

☆ حدیث مذکور مرفوع حدیث ہے:

علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی لکھتے ہیں:

امرت: سے مراد حضور اکرم ﷺ کا حکم دینا ہے(۲)

علامہ جلال الدین عبدالرحمان سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

و کیعط حکم الرفع فی الصواب   نحو من السنته من صحابی

کذا امرنا و کذا کنا نری   فی عمدہ او عن اضافہ عری(۳)

جب صحابی یہ کہے کہ یہ سنت سے ہے، ہمیں اس طرح حکم دیا گیا، ہم نے ایسا دیکھا، آپ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ایسا ہوتا تھا، یا اسی طرح کے دیگر الفاظ استعمال کرے، تو ان تمام صورتوں میں روایت کا حکم مرفوع ہوگا۔

☆ عذر کی وجہ سے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنا:

علامہ ابومحمد محمود بن احمد بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں:

۱۔زہرالربٰی، ج۱، ص۵۵   ۲۔حاشیہ سندھی: ج۱، ص۵۵

۳۔ذخیرۃ العقبٰی فی شرح المجتبٰی، ج۴، ص۲۸۸

اس حدیث مبارکہ میں آقا کریم ﷺ نے ایک غسل کے ساتھ دو نمازوں کو جمع کی اجازت عنایت فرمائی ہے، یہ اسی طرح ہے، جیسے مسافر کو دو نمازیں ایک وقت میں پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے، اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایک تیمم سے دو فرض نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ دونوں میں علت ایک ہے، اور شرعی ضرورت بھی ہے، امام ابوحنیفہ، حضرت سفیان ثوری، حضرت سعید بن مسیب، حضرت حسن بصری اور امام زہری کا بھی یہی مسلک ہے۔(۱)

☆ حافظ محمد امین سلفی نجدی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

فوائد مسائل:

(۱) اسے کہا گیا" ظاہر ہے کہنے والے رسول اللہ ﷺ ہی تھے۔ کیونکہ آپ کے دور میں صحابہ کرام آپ ہی سے مسئلہ پوچھا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۲) "سرکش رگ" چونکہ استحاضہ شروع ہو جائے تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتا' اس لیے رگ کو سرکش کہا گیا ہے۔ بعض نے اس کے معنی "نہ رکنے والی" کیے ہیں' یہ معنی بھی درست ہیں۔

(۳) اس حدیث میں مستحاضہ عورت کو ایک دن میں تین غسل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے مگر یہ مستحب اور اختیاری چیز ہے' واجب نہیں کیونکہ بعض روایات میں یہ لفظ بھی ہیں: "اگر تو طاقت رکھے۔" (۲) ورنہ واجب تو صرف وضو ہے۔

(۴) ایک نماز کو مؤخر کرنا اور دوسری کو جلدی پڑھنا' یہ جمع صوری' یعنی پہلی نماز اپنے آخری وقت میں اور دوسری نماز اپنے اول وقت میں اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے اصل وقت ہی میں پڑھی جائیں گی۔ صرف ظاہراً جمع کی گئی ہیں۔

۸۔ خلاصہ:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال یہ ہے کہ استحاضہ والی عورت دو نمازوں کے لیے غسل کرے گی، اور یہ امر مستحب ہے، کیونکہ اس سے پہلے احادیث مبارکہ گزر چکی ہیں، جن میں استحاضہ والی عورت کو حیض کے بعد غسل اور پھر ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کا حکم تھا۔

☆ یہ روایت سنداً مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے علی عھد رسول اللہ ﷺ اور امرت کے الفاظ استعمال کیے ہیں، علماء اصول کے نزدیک جب صحابی یا صحابیہ اس طرح کے الفاظ استعمال کریں، تو روایت کا حکم مرفوع کا ہوتا ہے۔

☆ رگ عاذل سے مراد وہ رگ ہے، جس سے مسلسل خون بہتا ہے، اور رکتا نہیں ہے۔

☆ مذکورہ عورت کو ایک دن میں تین دفعہ غسل کرنے کا حکم استحباب پر محمول ہے۔

☆ دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا جمع صوری ہے، یعنی ظہر آخری وقت میں اور عصر پہلے وقت میں، پھر مغرب آخری وقت میں اور عشاء اول وقت میں پڑھنی چاہیے، اس طرح دونوں نمازیں اپنے اپنے اصل وقت میں ادا ہوں گی۔

☆ ایک تیمم کے ساتھ بھی دو نمازیں مذکورہ ہیئت پر پڑھنا جائز ہے، کیونکہ وہاں پر بھی یہی علت دشواری ہے، اسی طرح مسافر کو بھی اس کی اجازت ہے۔

۱۔ شرح سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۳۸۴۔ ۲۸۴۔ دیکھیے: سنن ابی داؤد الطہارت' حدیث: ۲۸۷ ۲۔ ایضاً، ص ۲۳۴

باب ۱۳۷: الاِغْتِسَالُ مِنَ النِّفَاسِ — نفاس کے بعد غسل کرنا

نفاس: وہ خون ہے، جو بچہ کی پیدائش کے بعد عورت کے رحم سے جاری ہوتا ہے، اس کی قلیل مدت کی حد نہیں ہے، البتہ کثیر مدت چالیس دن ہے، عورتوں کی اپنی عادات کے مطابق جب یہ خون آنا بند ہو جائے، تو غسل کرنا فرض ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں مستحاضہ عورت کے غسل کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں نفاس والی عورت کے غسل کرنے کا بیان ہے۔

۲۱۴۔ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ قَالَ حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ حَدِيْثِ اَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ حِيْنَ نُفِسَتْ بِذِي الْحُلَيْفَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَبِيْ بَكْرٍ "مُرْهَا اَنْ تَغْتَسِلَ وَتُهِلَّ۔"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو ذوالحلیفہ کے مقام پر نفاس کا خون آیا، تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: انہیں غسل کرنے اور احرام باندھنے کا کہو۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ اور باب کے عنوان میں بظاہر تفاوت ہے، اس میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران نفاس غسل کا حکم وصفائی کے لئے دیا، تاکہ حالت احرام میں نظافت حاصل ہو، یہی مطلوب ہے، جب آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نفاس میں بھی غسل کا حکم دیا ہے، نفاس کے بعد بدرجہ اولیٰ یہ حکم ثابت ہوگا۔ غالباً امام نسائی کا اس باب کو قائم کرنے کا یہی مقصد ہے۔

۲۔ اطراف:
تقدم: ۳۸۹، ۲۷۶۰، ۲۷۶۱، مسلم: ۱۲۱۰، ابن ماجہ: ۲۹۱۳، احمد: ۲۷۱۵۲، السنن الکبریٰ: ۲۱۹، تحفۃ الاشراف: ۲۶۰۰

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ راویوں کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت محمد بن قدامہ کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ محمد بن قدامہ: آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن قدامہ بن عین بن مسور قریشی مصیصی (م: ۲۵۰ھ) ہے، آپ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۲۔ جریر: راجع: ۲ — ۳۔ یحییٰ بن سعید: راجع: ۲۳
۴۔ جعفر بن محمد: راجع: ۱۸۲ — ۵۔ محمد بن علی: راجع: ۹۵
۶۔ جابر بن عبداللہ: راجع: ۳۵

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۱۔ i۔ المعجم المشتمل، ص ۹۴۳ — ii۔ العلل، ج ۳، ص ۱۴۸

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ بانویں (۹۲) حدیث مبارکہ ہے، سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند میں دوراوی امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ آئمہ اطہار میں سے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مصیصی، دوسرے کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ شیخ محمد بن قدامہ سے امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ، جبکہ باقی رواۃ سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

نفست: اسے نفاس کا خون جاری ہو گیا

ذو الحلیفۃ: مقام کا نام جہاں سے اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں، یہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر جانب مکہ مکرمہ ہے

مرھا: اس کو کہو، اسے حکم دو

تھل: وہ تلبیہ کہے، مراد ہے احرام باندھے

۷۔ مسائل ونصائح:

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو غسل کرنے کا حکم بطور نظافت تھا۔

علامہ ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں:

یہ غسل احرام کی حرمت کی وجہ سے بطور نظافت تھا، اور یہ نفاس سے فارغ ہو کر غسل واجب نہ تھا، کیونکہ غسل واجب نفاس سے فراغت کے بعد ہوتا ہے، اور اس وقت حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا نفاس شروع تھا، اس صورت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جس وقت آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کرنے کا حکم دیا، اس وقت تو نفاس شروع ہوا تھا۔(۱)

حیض والی عورت کے احرام میں مذاہب:

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ حیض اور نفاس والی عورتوں کا احرام باندھنا صحیح ہے اور ان کا احرام کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔ آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔ البتہ غیر مقلدین کو واجب قرار دیتے ہیں، حیض یا نفاس والی عورت حج یا عمرہ کے تمام افعال کرے گی۔ البتہ طواف اور طواف کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: اصنعی ما یصنع الحاج غیر ان لا تطوفی "طواف کے سوا حج کے سارے افعال کرو۔"(۲)

۱۔ حاشیہ سندھی، ج ۱، ص ۵۵ ۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۸۵۔ شرح صحیح مسلم، ج ۳، ص ۳۷۸

☆ حیض ونفاس والی عورت قرآن کے علاوہ ذکر اذکار کر سکتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر موسیٰ شاھین لاشین لکھتے ہیں:

حج کے اعمال ذکر واذکار اور تلبیہ ودعاؤں پر مشتمل ہیں، اس لئے حیض ونفاس والی عورتوں کو یہ منع نہیں ہے، یہی حکم جنبی کا بھی ہے، البتہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے بارے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے، کچھ اس کی اجازت دیتے ہیں، اور کچھ اس سے منع کرتے ہیں۔ علامہ طبری، ابن منذر اور امام ابوداؤد کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے، ان حضرات کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے: آقا کریم ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، کیونکہ ذکر عام ہے، وہ قرآن اور غیر قرآن سب کو شامل ہے، اس لئے جائز ہے، امام مالک اور امام شافعی کا بھی پہلا قول یہی ہے، جبکہ جمہور علماء تلاوت قرآن مجید کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے: آقا کریم ﷺ ہر حال میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے، سوائے حالت جنابت کے۔ (۱) اس حدیث مبارکہ کو آئمہ سنن اربعہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث مبارکہ کو صحیح قرار دیا ہے۔

حیض اور نفاس والی عورتوں کی ناپاکی جنبی سے زیادہ ہے۔ (۲)

☆ **امام نسائی پر علامہ سندھی کا اعتراض اور اس کا جواب:**

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ باب کے عنوان اور حدیث مبارکہ میں کوئی مطابقت نہیں ہے، کیونکہ باب کا عنوان ہے نفاس سے غسل کرنا اور حدیث مبارکہ میں صفائی حاصل کرنے کیلئے غسل کرنے کا بیان ہے۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: میرے نزدیک علامہ سندھی کا اعتراض درست نہیں ہے، کیونکہ علامہ نسائی نے باب کا عنوان: نفاس کے ختم ہونے پر غسل کرنا" قائم کیا، بلکہ یہ عنوان قائم کیا ہے، نفاس سے غسل کرنا، اس عبارت میں اگرچہ علامہ سندھی کے اعتراض کی بھی گنجائش ہے، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اسے عام سمجھا جائے، کیونکہ غسل کا واجب ہونا، نفاس کی ناپاکی کی وجہ سے ہے، وہ چاہے نفاس کی حالت میں نظافت کے لئے ہو، یا نفاس کے ختم ہونے پر پاکی حاصل کرنے کے لئے ہو، اس صورت میں نظافت کا حکم نص سے ثابت ہوگا، اور اسی سے پاکی کا حکم نفاس ختم ہونے پر ہوگا، کیونکہ جب نفاس کی حالت میں غسل کرنا واجب ہوگا، تو ختم ہونے پر بدرجہ اولیٰ یہ حکم واجب ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہاں پر علت خون کا ناپاک ہونا ہے، جیسا کہ ماہواری کا خون ہے۔ (۳)

☆ شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی رحمۃ اللہ علیہ کا حالتِ نفاس میں غسل کو واجب کہنا آئمہ اربعہ کے نزدیک درست نہیں ہے:

مذکورہ بالا بحث میں شیخ محمد بن علی اتیوبی نے حالت نفاس میں غسل کو واجب لکھا ہے، جو کہ جمہور علماء کے مؤقف اور آئمہ اربعہ کے مؤقف کے برعکس ہے۔

اس بارے میں علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حیض اور نفاس والی عورتوں کا احرام باندھنا صحیح ہے، اور ان کا احرام کے لئے غسل کرنا مستحب ہے، آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔ (۴)

۸۔ خلاصہ:

اس باب کے قائم کرنے اور حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے، کہ نفاس کی حالت میں بھی نظافت حاصل کرنے کے

۱۔ ترمذی: ۱۴۶ ۲۔ فتح المنعم شرح صحیح مسلم، ج۵، ص۱۷۱

۳۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح سنن المجتبیٰ، ج۴، ص۲۹۷۔۲۹۸ ۴۔ شرح مسلم نووی، ج۱، ص۳۸۵

لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

☆ مذکورہ باب اور حدیث سے غسل کا استحباب مراد لینا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ امام نسائی نے اس سے پہلا باب بھی مستحاضہ کے لئے غسل کے استحباب کا ذکر کیا ہے۔

☆ مذکورہ حدیث میں غسل کا حکم بطور استحباب ہے۔

☆ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو ذوالحلیفہ سے نفاس کا خون شروع ہوا، اس کا سب حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت تھی، ذوالحلیفہ اہل مدینہ کا میقات اور مدینہ منورہ سے چھ میل جانب مکہ مکرمہ ہے، مقام شجرہ بھی ذوالحلیفہ میں ہی ہے، مقام بیداء بھی ذوالحلیفہ کی ایک جانب میں واقع ہے، ممکن ہے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ولادت کے وقت مقام بیداء میں لوگوں سے دور ہوں، اور آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں تشریف فرما تھے، آپ نے یہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا۔ اسی وجہ سے بعض احادیث مبارکہ میں مقام شجرہ اور مقام بیداء کا ذکر ہے(۱)

☆ آئمہ اربعہ کے نزدیک حیض ونفاس والی عورت کا احرام کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

☆ علماء ظاہر، غیر مقلدین اور نجدی علماء کے نزدیک یہ غسل واجب ہے ان کی دلیل مذکورہ بالا حدیث مبارکہ ہے۔

☆ حیض ونفاس والی عورت اور جنبی مرد کے لئے تلاوت قرآن مجید کے علاوہ باقی ذکر اذکار جائز ہیں، بعض علماء قرآن مجید کی تلاوت کے بھی قائل ہیں۔

☆ حیض ونفاس والی عورت حج اور عمرہ کے تمام افعال کرے گی، البتہ طواف اور اس کی دو رکعتیں ادا نہیں کرے گی، وہ حیض ونفاس سے فارغ ہونے کے بعد ادا کرے گی۔

☆ حیض ونفاس والی عورت کے لئے تلبیہ کہنا، دعا کرنا اور سعی کرنا جائز ہے۔

☆ نفاس سے فارغ ہونے پر عورت کے لئے غسل کرنا فرض ہے۔

☆ حیض اور نفاس کا خون پلید ہے۔

☆ مذکورہ حدیث میں غسل کا حکم بطور استحباب ہے۔

☆ عورتوں کو شوہروں یا ولیوں کے ذریعہ تبلیغ کرنا زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو بتلائیں۔

باب ۱۳۸: الْفَرْقُ بَيْنَ دَمِ الْحَيْضِ وَالِاسْتِحَاضَةِ — ماھواری اور بیماری کے خون کا فرق

ماھواری کا خون سیاہی مائل اور بیماری کا خون سرخی مائل ہوتا ہے، عربی زبان میں ماھواری کو حیض اور بیماری کے خون کو استحاضہ کہتے ہیں، اس باب میں ماھواری اور بیماری کے خون کا فرق اور پہچان بیان کی گئی ہے، اس باب میں امام نسائی نے پانچ احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں نفاس کے خون کی وجہ سے غسل کرنے کا بیان تھا، اور اس باب میں ماھواری اور بیماری کے خون کے فرق کو بیان کیا گیا ہے، پچھلا باب نفاس کے

۱۔ فتح المنعم، ج ۵، ص ۱۷۰

خون سے متعلق تھا، اور یہ حیض اور استحاضہ کے خون سے متعلق ہے، یہ تینوں خون عورت کو آتے ہیں، یہ دونوں باب عورت کے خون سے متعلق ہیں۔

۲۱۵۔اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ عَنْ مُحَمَّدٍ - وَهُوَ ابْنُ عَمْرِو بْنِ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ - عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَبِیْ حُبَيْشٍ اَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ - فَاِنَّهٗ دَمٌ اَسْوَدُ يُعْرَفُ - فَاَمْسِكِيْ عَنِ الصَّلَاةِ فَاِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِيْ فَاِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ۔"

حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: انہیں بیماری کا خون آتا تھا، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا:
ماھواری کا خون سیاہ ہوتا ہے، جو پہچانا جاتا ہے، (جب یہ خون آئے) تو نماز چھوڑ دو، جب دوسری رنگت کا خون آئے، تو وضو کرو، کیونکہ وہ رگ کا خون ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

ماھواری کا خون سیاہ ہوتا ہے۔

۲۔اطراف: راجع:۲۰۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص رحمۃ اللہ علیہ کے حالات درج کئے جاتے ہیں:

۱۔محمد بن المثنیٰ: راجع:۸۰ ۲۔ابن ابی عدی: راجع:۱۷۵

۳۔محمد بن عمرو بن علقمۃ بن وقاص:

آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص لیثی مدنی (م:۱۴۵ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے صدوق، صالح الحدیث، متکلم فیہ راوی ہیں، علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ثقات میں شمار کیا ہے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔ابن شھاب: راجع:۱ ۵۔عروۃ بن الزبیر: راجع:۴۴

۶۔فاطمۃ بنت ابی جیش: راجع:۲۰۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواھد ومتابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

۱۔ i۔احوال الرجال، ص۲۴۴ ii۔الکامل، ج۶، ص۲۲۴

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ترانویں (۹۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ محمد بن عمرو بن علقمہ متکلم فیہ راوی ہیں، جبکہ علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقہ اور ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق وھمی قرار دیا ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری اور باقی مدنی ہیں۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ، ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اسود: سیاہ، کالا **یعرف:** وہ پہچانا جاتا ہے، یعنی معروف ہے

امسکی: تو رک جا **توضیٔ:** تو وضو کر

۲۱۶۔قَالَ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ هٰذَا مِنْ كِتَابِهٖ اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عَدِیٍّ مِنْ حِفْظِهٖ قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَبِیْ حُبَیْشٍ كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّ دَمَ الْحَیْضِ دَمٌ اَسْوَدُ یُعْرَفُ فَاِذَا كَانَ ذٰلِكِ فَاَمْسِكِیْ عَنِ الصَّلَاةِ وَاِذَا كَانَ الْاٰخَرُ فَتَوَضَّئِیْ وَصَلِّیْ۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا کو بیماری کا خون آتا تھا، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: ماھواری کا خون کالا ہوتا ہے، جو پہچانا جاتا ہے، جب یہ خون آئے، تو نماز چھوڑ دو، جب دوسرا خون آئے، تو وضو کرو اور نماز پڑھو۔

امام محمد بن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں پہلی روایت (۲۱۵) حضرت ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب سے بیان فرمائی، جبکہ یہ دوسری روایت (۲۱۶) آپ نے زبانی بیان فرمائی۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو بہت سارے راویوں نے بیان کیا ہے، لیکن امام ابن ابی عدی رحمۃ اللہ علیہ والے الفاظ کسی اور راوی نے ذکر نہیں کیے۔

۱۔مطابقت: راجع: ۲۱۵

۲۔اطراف: ایضاً

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔محمد بن المثنیٰ:	راجع:۸۰	۲۔ابن ابی عدی:	راجع:۱۷۵	۳۔محمد بن عمرو:	راجع:۲۱۵
۴۔ابن شہاب:	راجع:۱	۵۔عروۃ:	راجع:۴۴	۶۔عائشۃ:	راجع:۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد ومتابعات کی بناء پر صحیح ہے، البتہ دونوں روایات پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اعتراضات ہیں:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا سند ومتن پر اعتراض اور اس کا جواب:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت ابن ابی عدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اعتراض ہیں:

۱۔پہلا اعتراض: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا اعتراض سند پر ہے کہ حدیث نمبر ۲۱۵ میں حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ براہ راست حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، جب کہ دوسری حدیث نمبر ۲۱۶ میں حضرت عروہ عن عائشۃ عن فاطمۃ روایت کرتے ہیں، یعنی حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ ہے اس لئے سند میں اضطراب ہے، چونکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں، اس لئے سند منقطع ہے۔

۱۔اعتراض کا جواب: حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دونوں سے سماع ثابت ہے، اس کی مکمل بحث حدیث نمبر ۲۱۲ کے تحت گذر چکی ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے، کہ باقی راویوں سے جو حدیث مروی ہے، اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

فاذاقبلت الحيضة فدعى الصلوة، واذا ادبرت فاغسلى عنك اثر الام ،وتوضى

دوسری روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

فاذاذهب قدرهافاغسلى عنك الام وصلى۔

جب کہ ان دونوں روایات کے برعکس علامہ ابن ابی عدی کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

ان دم الحيض دم اسود يعرف

اس طرح شیخ ابن ابی عدی کے الفاظ غریب المتن ہیں۔

اعتراض کا جواب: پہلی روایت میں اور حضرت ابن ابی عدی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مفہوم کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ روایت بالمعنیٰ ہے، دونوں روایتوں کے الفاظ مختلف ہیں اور مفہوم ایک ہی ہے، پہلی روایت میں اقبلت الحيضة اور دوسری روایت میں وهى كونها اسود تعرف ایک ہی مفہوم کو واضح کررہے ہیں، اور وہ حیض کی پہچان ہے، جو دونوں جملوں میں موجود ہے۔(۱)

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۴، ص۳۰۶

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہیں۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چورانویں (۹۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ محمد بن عمرو بن علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کو بعض نے ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت میں اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۲۱۵

۲۱۷۔أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ حَبِيبِ بْنِ عَرَبِيٍّ قَالَ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ - وَهُوَ ابْنُ زَيْدٍ - عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ - رضى الله عنها - قَالَتِ اسْتُحِيضَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّمَا ذَلِكَ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَإِذَا أَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ أَثَرَ الدَّمِ وَتَوَضَّئِي فَإِنَّمَا ذَلِكَ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ" قِيلَ لَهُ فَالْغُسْلُ قَالَ "ذَلِكَ لَا يَشُكُّ فِيهِ أَحَدٌ"

قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا ذَكَرَ فِي هَذَا الْحَدِيثِ "وَتَوَضَّئِي" غَيْرَ حَمَّادِ بْنِ زَيْدٍ وَقَدْ رَوَى غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ هِشَامٍ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ "وَتَوَضَّئِي"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کو بیماری کا خون آتا تھا، انہوں نے اس کے بارے میں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بیماری کا خون آتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رگ (عاذل) کا خون ہے اور ماہواری کا خون نہیں ہے، جب ماہواری کا خون آئے تو نماز چھوڑ دو، جب ختم ہو جائے تو خون کے اثرات دھوڈالو اور وضو کرو، کیونکہ یہ رگ کا خون ہے، ماہواری کا نہیں ہے، حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا: غسل ہوگا، آپ نے فرمایا: اس میں کسی کو شک نہیں ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میرے علم کے مطابق وتوضئی (تو وضو کر) کے الفاظ حضرت حماد بن زید کے علاوہ کسی اور راوی نے بیان نہیں کئے، حالانکہ حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت بہت سارے راویوں نے بیان کی ہے۔

۱۔مطابقت:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہواری اور بیماری کے خون کو بیان فرمایا ہے، کہ بیماری کا خون ایک رگ (عاذل) کی وجہ سے آتا ہے، اور ماہواری کا خون عورت کی عادت کے مطابق مخصوص دنوں میں آتا ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۳۶۲، بخاری: ۲۲۸، مسلم: ۳۳۳، ابوداؤد: ۲۸۶، ترمذی: ۱۲۵، ابن ماجہ: ۶۲۱، احمد: ۲۷۵۱۶، ابن حبان: ۱۳۴۸، ۱۳۵۰، ۱۳۵۴،

دارمی:۹۷۷،تحفۃ الاشراف:۱۶۸۵۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں،ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔یحییٰ بن حبیب بن عزل: راجع:۷۵ ۲۔حماد بن زید: راجع:۳

۳۔ھشام بن عروۃ: راجع:۶۱ ۴۔عروۃ بن الزبیر: راجع:۴۴

۵۔عائشۃ: راجع:۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے،اس کے شواھد کثیر ہیں۔امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے سند ومتن پر اعتراض کیا ہے:

حدیث مذکور پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض اوراس کا جواب:

علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ثم توضئ لکل صلاۃ:ان الفاظ پر بعض نے مدرج اور بعض نے حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ پر موقوف ہونے کا حکم لگایا ہے،ان الفاظ کے روایت کرنے میں حضرت ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ منفرد نہیں ہیں، بلکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت حماد بن زید عن ھشام کے طریق سے روایت کی ہے،اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ حماد بن زید ان الفاظ کی زیادتی میں منفرد ہیں،امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے،جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، کیونکہ امام دارمی نے یہی حدیث حماد بن سلمہ عن ھشام اور امام سراج نے یحییٰ بن سلیم عن ھشام کے طریق سے روایت کی ہے۔(۱)

علامہ شیخ محمد بن علی اتیوبی نجدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ(توضئ لکل صلاۃ)حدیث فاطمہ میں وضو کے الفاظ حضرت ھشام رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سارے شاگردوں سے مروی ہیں،جیسا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے،امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کیا ہے،امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو معاویہ رحمۃ اللہ علیہ سے،امام دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ سے،حضرت سراج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یحییٰ بن سلیم رحمۃ اللہ علیہ سے اور علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو حمزہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔(۲)

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ اڑسٹھویں(۶۸)حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دوراوی بصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

۱۔ فتح الباری،ج۱،ص۳۹۱

۲۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ،ج۴،ص۳۱۲

☆ سند کے آخری تین راوی فقیہہ ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اثر الدم: خون کے اثرات توضی: تو وضو کر

ذلك لا يشك فيه احد: اس بات میں کسی کو شک نہیں ہے

۲۱۸۔اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ - رضى الله عنها - قَالَتْ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِىْ حُبَيْشٍ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَطْهُرُ اَفَاَدَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِى الصَّلَاةَ فَاِذَا ذَهَبَ قَدْرُهَا فَاغْسِلِىْ عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّىْ۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رگ کا خون ہے، اور ماھواری کا خون نہیں ہے، جب ماھواری کا خون شروع ہو تو نماز چھوڑ دو، جب ماھواری کے دن گذر جائیں، تو خون کے اثرات دھولو اور نماز پڑھو۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

یہ رگ کا خون ہے اور ماھواری کا خون نہیں ہے

۲۔اطراف: راجع: ۲۱۲

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔قتیبۃ:	راجع:	۲۔مالک:	راجع: ۷
۳۔ھشام بن عروۃ:	راجع: ۶۱	۴۔عروۃ بن الزبیر:	راجع: ۴۴
۵۔عائشۃ:	راجع: ۵		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ انہترویں (۶۹) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فقہ مالکی کے بانی، مؤطا کے مصنف اور امام دار الہجرۃ کے لقب سے مشہور ہیں۔
☆ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔
☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رواۃ سبعہ مکثرین میں سے ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۲۱۲

۲۱۹۔اَخْبَرَنَا اَبُو الاَشْعَثِ قَالَ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ بِنْتَ اَبِي حُبَيْشٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي لَا اَطْهُرُ اَفَاَتْرُكُ الصَّلَاةَ قَالَ "لَا اِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ" قَالَ خَالِدٌ فِيْمَا قَرَاْتُ عَلَيْهِ "وَلَيْسَتْ بِالْحَيْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَيْضَةُ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ وَصَلِّي۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:
حضرت فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں پاک نہیں ہوتی، کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، یہ ایک رگ کا خون ہے، (حضرت خالد بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ھشام رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پڑھا گیا۔) یہ ماھواری کا خون ہے، جب ماھواری کے دن آ ئیں، تو نماز چھوڑ دیا کرو، جب وہ دن گذر جائیں، تو خون کے اثرات دھو کر نماز پڑھو۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ اس جملہ میں ہے:
یہ ایک رگ کا خون ہے، اور یہ ماھواری کا خون نہیں ہے۔
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا فرق بیان کیا ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۲۱۲

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ابوالاشعث کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔ابوالاشعث:

آپ کا نام ابوالاشعث احمد بن مقدام بن سلیمان بن اشعث بن اسلم عجلی بصری (۱۵۶ھ۔۲۵۳ء) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے صدوق، ثقہ راوی ہیں، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ضعف قرار دیا ہے، امام ابوحاتم، ابن خزیمہ، امام نسائی، امام ابن عدی اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے صدوق، صاحب حدیث، قرار دیا ہے، جبکہ علامہ ابن حبان، ابن عبدالبر اور علامہ مسلمہ بن قاسم رحمہم اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔ آپ نے نوے سال سے زیادہ کی عمر پائی۔(۱)

۲۔خالد بن الحارث: راجع:۸۱ ۳۔هشام بن عروة: راجع:۶۱

۴۔عروة: راجع:۴۴ ۵۔عائشة: راجع:۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ سترویں (۷۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری روایت خماسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت ابوالاشعث رحمۃ اللہ علیہ صدوق ہیں۔

☆ سند میں ''قال خالد فیما قرأت علیه '' کا مطلب ہے کہ حضرت خالد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ حضرت هشام رحمۃ اللہ علیہ سے دو دفعہ روایت کی ہے۔ پہلی دفعہ لا انما ذلك عرق تک سماعت کی، دوسری دفعہ حضرت هشام رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ویست بالحیضة سے آخر تک پڑھی گئی۔

☆ اللہ تعالیٰ ان راویوں پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، کہ انہوں نے روایات کی کیفیات تک کو بیان کیا ہے، اور اختلاف کیفیات کو بھی بیان کیا ہے۔(۲)

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۲۱۲

۷۔مسائل ونصائح:

راجع:۲۰۸، ۲۱۲، ۲۱۳

۱۔i۔تھذیب التھذیب، ج۱، ص۸۱ ii۔الثقات، ج۸، ص۳۲

۲۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج۴، ص۳۱۵

۸۔خلاصہ:

مذکورہ بالا پانچوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ ماہواری کے خون اور بیماری کے خون میں فرق ہوتا ہے، ماہواری کا خون سیاہ رنگت والا ہوتا ہے، اور بیماری کا خون اس کے علاوہ ہوتا ہے۔

☆ حدیث نمبر ۲۱۵ اور ۲۱۶ پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو اعتراض کئے ہیں، یہ دونوں اعتراضات اور ان کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

۱۔حدیث نمبر ۲۱۵ پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے دو اعتراضات اور ان کے جوابات: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا اعتراض سند پر ہے، حدیث نمبر ۲۱۵ کی سند میں حضرت عروہ براہ راست حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، جب کہ حدیث نمبر ۲۱۶ کی سند میں حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا واسطہ ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا براہ راست حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں ہے، اس لئے حدیث نمبر ۲۱۵ کی سند منقطع ہے۔

جواب: امام مسلم، امام ابوداؤد، علامہ ابن حزم، شیخ ناصر الدین البانی نجدی اور علامہ اتیوبی لولوی نجدی رحمہم اللہ کے نزدیک حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے، کیونکہ دونوں کی معاصرت ایک ہے، اور امکان لقاء و امکان سماع موجود ہے، اس کی سند متصل ہے، یہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی متصل سند کی شرط ہے، پھر اس روایت کے شواہد اور متابعات بھی کثیر ہیں، اس لئے یہ روایت سنداً متصل اور متناً صحیح ہے۔

۲۔اعتراض: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا اعتراض متن پر ہے، کہ حضرت ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی اور راوی نے "ان دم الحیض دم اسود یعرف" کے الفاظ روایت نہیں کئے، اس لئے روایت کے یہ الفاظ غریب ہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ باقی راویوں کی روایت اور یہ روایت مفہوماً ایک ہی ہیں، البتہ الفاظاً فرق ہے، باقی راویوں کی روایت میں اقبلت الحیضۃ، ادبرت، ذھب قدرھا کے الفاظ موجود ہیں، چونکہ حیض کے دن اور اس کے خون کی پہچان عورتوں کے درمیان معروف ہے، اس لئے دونوں روایات حیض کے مسئلہ میں ایک ہی مفہوم رکھتی ہیں، اور یہ روایت بالمعنیٰ ہے، جو محدثین کے ہاں قابل قبول ہے۔ واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم بالصواب

☆ حدیث نمبر ۲۱۷ کی سند اور متن پر بھی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کیا ہے، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حدیث نمبر ۲۱۷ کی سند اور متن پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتراض اور اس کا جواب: اس روایت کی سند و متن پر امام نسائی کا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ھشام کے بہت سارے شاگردوں نے یہ روایت بیان کی ہے، لیکن حضرت حماد بن زید کے علاوہ کسی اور شاگرد نے "وتوضئی" کے الفاظ روایت نہیں کئے۔

جواب: علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام نسائی کا یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ حضرت ھشام بن عروہ کے بہت سارے شاگردوں نے یہ الفاظ روایت کئے ہیں، جیسا کہ امام نسائی کے علاوہ امام مسلم نے بھی حضرت حماد بن زید کے ان الفاظ کی طرف "ترکناہ" سے اشارہ کیا ہے، امام بخاری اور امام ترمذی نے حضرت ھشام کے شاگرد حضرت ابو معاویہ سے، امام دارمی نے حضرت حماد بن سلمہ سے، حضرت سراج نے حضرت یحییٰ بن سلیم سے اور علامہ ابن حبان نے حضرت ابو حمزہ سے یہی الفاظ روایت کئے ہیں۔(۱)

☆ مذکورہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ ماہواری اور بیماری کے خون میں فرق ہے، یہ فرق دو طرح ہے:

۱۔ فتح الباری، ج۱، ص ۳۹۱

۱۔ ماھواری کا خون سیاہ ہوتا ہے، یہ ابتداء میں گاڑھا سیاہ ہوتا ہے، اور آہستہ آہستہ خون کی رنگت کا ہو جاتا ہے۔

۲۔ ماھواری کا خون مخصوص دنوں میں آتا ہے۔

☆ ماھواری کے مخصوص دنوں کے علاوہ آنے والا خون بیماری کا خون ہوتا ہے، جسے استحاضہ کا خون کہا جاتا ہے۔

☆ بیماری کا خون ایک مخصوص رگ سے آتا ہے، جس کا نام عاذل اور بعض کے نزدیک عادل ہے۔

☆ ماھواری کے خون کی پہچان عورتوں کے ہاں معروف ہے۔

☆ ماھواری کے دنوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور ان دنوں کی نماز عورتوں کو معاف ہے۔

☆ بیماری کے خون کی وجہ سے نماز کی معافی نہیں ہے، اس صورت میں ہر نماز کے وقت کے لئے تازہ وضو کیا جائے گا، البتہ امام شافعی کے نزدیک ہر نماز کے لئے وضو کرنا واجب ہے۔

☆ ''واذا کان الاخر فتوضی وتصی'' سے مراد یہ ہے کہ جب ماھواری کا خون ختم ہو جائے، تو کپڑے دھوکر، ایک دفعہ غسل کرنے کے بعد، پھر ہر نماز کے لئے غسل کی بجائے صرف وضو کرنا کافی ہے۔

☆ ''فاغسلی عنك الام ونصلی'' سے مراد ہے کہ کپڑے دھونے اور غسل کرنے کے بعد نماز پڑھو، حضرت ھشام کا قول: ذلك لا یشك فیه احد'' یعنی ماھواری کے خون کے بعد غسل کرنے میں کسی کو شک نہیں ہے، اسی امر کی وضاحت ہے۔ واللہ تعالیٰ ﷻ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ ﷻ کے فضل وکرم اور اس کے حبیب مکرم شفیع معظم ﷺ کے طفیل آج مورخہ ۰۲ ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ بمطابق ۱۶ ستمبر ۲۰۱۵ء بعد از نماز عشاء کو ''فیوض الزاهی فی شرح سنن النسائی'' کی دوسری جلد مکمل ہوگئی ہے، اے رب العالمین! جس طرح تو نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناکارہ سے دو جلدیں تحریر کروائی ہیں، اسی طرح باقی جلدوں کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ برحمتک یا ارحم الراحمین

محمد کریم خان سندرانی لاہوری عفی عنہ

جامعہ علمیہ متصل جامع مسجد حنفیہ

انوار مدینہ، ونڈسر پارک، اچھرہ، لاہور

☆☆☆☆☆

جدول احادیث

جدول احادیث جلد دوم

(حدیث نمبر ۱۰۱_۱۱۹)

رباعیات:	خماسیات:	سداسیات:	سباعیات:	ثمانیات:	تساعیات:
۱۳۸،۱۸۹۔	۱۰۱،۱۰۳،۱۱۰،۱۱۴،۱۲۵، ۱۲۶،۱۳۱،۱۳۲،۱۳۷، ۱۳۹،۱۴۱،۱۴۳،۱۴۹، ۱۵۰،۱۵۲،۱۵۳،۱۵، ۱۶۵،۱۸۵،۱۹۳،۲۰۰، ۲۰۶،۲۰۸،۲۱۰،۲۱۲، ۲۱۷،۲۱۸،۲۱۹۔	۱۰۲،۱۰۶،۱۰۸،۱۰۹، ۱۱۳،۱۱۴،۱۱۵،۱۱۷، ۱۱۸،۱۲۲،۱۲۳،۱۲۷، ۱۳۰،۱۳۳،۱۳۵، ۱۳۶،۱۴۲،۱۴۴،۱۴۵، ۱۴۶،۱۵۴،۱۵۸،۱۵۹، ۱۶۰،۱۶۱،۱۶۲،۱۶۷، ۱۶۸،۱۷۰،۱۸۳،۱۸۴، ۱۸۶،۱۸۷،۱۸۸،۱۹۰، ۱۹۲،۱۹۴،۱۹۵،۱۹۶، ۱۹۷،۱۹۸،۱۹۹،۲۰۲، ۲۰۳،۲۰۴،۲۰۵،۲۰۷، ۲۱۳،۲۱۴،۲۱۵،۲۱۶۔	۱۰۴،۱۰۷،۱۱۱،۱۱۲،۱۱۶، ۱۱۹،۱۲۰،۱۲۱،۱۲۴،۱۲۹، ۱۳۴،۱۴۰،۱۴۷،۱۴۸، ۱۵۱،۱۵۷،۱۶۳،۱۶۶، ۱۶۹،۱۷۱،۱۷۲،۱۷۵، ۱۷۶،۱۷۷،۱۷۸،۱۷۹، ۱۸۰،۱۸۲،۱۹۱،۲۰۱،۲۰۷، ۲۰۹،۲۱۱۔	۱۰۵،۱۲۸،۱۵۵، ۱۶۴،۱۷۴۔	۱۷۳،۱۸۱۔

کل تعداد:

رباعیات: ۲
خماسیات: ۲۸
سداسیات: ۵۱
سباعیات: ۳۳
ثمانیات: ۵
تساعیات: ۲

کل: ۱۲۱

نوٹ: حدیث نمبر ۱۱۴ بیک وقت خماسی اور سداسی ہیں، حدیث نمبر ۲۰۷ بیک وقت سداسی اور سباعی ہیں، اس طرح مجموعی تعداد ایک سو انیس (۱۱۹) ہے۔

اطراف الحدیث

اطراف الحدیث (جلد دوم)

اشاریہ اسماء رجال

اشاریہ اسماء رجال (جلد دوم)

☆☆☆☆☆

مصادر و مراجع

مصادر و مراجع

قرآن حکیم

۱۔ ابراھیم بن عمر، ابوالحسن، بقاعی، علامۃ نظم الدرر فی تناسب الایات والسور، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۔ ابراھیم بن محمد، ابواسحٰق، الزجاج، امام، معانی القرآن واعرابہ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۔ ابن ابوحاتم، عبدالرحمٰن، ابومحمد رازی، الجرح والتعدیل، مطبوعہ مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ط۱، 1952

۴۔ ایضاً، المراسیل، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ط2، 1982

۵۔ ابن اثیر، عزالدین علی بن محمد، ابوالحسن الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۶۔ ایضاً، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۰ھ

۷۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد، ابوبکر، الاشرف علی مناقب الاشراف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۸۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد، ابی بکر، التواضع والخمول لابن ابی الدنیا، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۹۔ ابن ابی الدنیا، ضوء الشموع شرح کتاب الجوع، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۱۰۔ ابن ابی شامہ، عبدالرحمٰن، ابومحمد، شھاب الدین، کتاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، دار الرایۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۱۱۔ ابن ابی شیبۃ، عبداللہ بن محمد، ابوبکر، امام، المصنف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۱۲۔ ایضاً، المسند، دار الوطن، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۳۔ ایضاً، کتاب الایمان، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۲، ۱۴۰۳ھ

۱۴۔ ابن بطال، علی بن خلف، ابوالحسہ قرطبی، شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۱۵۔ ابن اثیر جزری، علی بن محمد، ابوالحسن، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۶۔ ایضاً، الکامل فی التاریخ، بیت الافکار الدولیۃ، الاردن۔

۱۷۔ ایضاً اللباب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۱ء

۱۸۔ ایضاً، النھایۃ فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۹۔ ابن اسحاق، محمد، ابن یسار، کتاب المبدأ والمبعث والمغازی (سیرۃ)، (تحقیق، ڈاکٹر حمید اللہ)، دار النفائس، لاہور، پاکستان، ط۱، ۱۴۲۶/۲۰۰۵ء

۲۰۔ ابن تیمیہ، احمد، عبدالحلیم، مقدمۃ فی اصول التفسیر، دار القرآن الکریم، لاہور، ط۱، ۱۹۷۱ء

۲۱۔ ابن تیمیۃ، احمد بن عبدالحلیم، الصارم المسلول علی شاتم الرسول، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۲۔ ابن تیمیۃ، احمد بن عبدالحلیم، الفرقان بین اولیاء الرحمان واولیاء الشیطان، مطبوعۃ دار ابن حزم بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۲۳۔ ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، ابوالعباس، مجموعۃ الفتاوی: ، دارابن حزم، بیروت، الطبعۃ ط۲، ۱۴۲۲ھ

۲۴۔ ابن جوزی، عبدالرحمان بن علی، المنتظم، دارالفکر، بیروت، لبنان ۱۴۱۵ھ

۲۵۔ ایضاً، کشف المشکل، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ

۲۶۔ ایضاً، جامع المسانید، ایضاً

۲۷۔ ایضاً، ابوالفرج، احکام النساء ، دارالفکر بیروت، ط۳، ۱۴۱۶ھ

۲۸۔ ایضاً، ابوالفرج ، بحرالدموع، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۹۔ ایضاً، ابوالفرج، صفوۃ الصفوۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۰۔ ایضاً، مناقب امام احمد بن حنبل ، مکتبہ الخانجی، مصر، ط۱، ۱۳۹۹ھ

۳۱۔ ایضاً، تاریخ عمر بن الخطاب، دارالمعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۳۲۔ ایضاً، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ

۳۳۔ ایضاً، اخبار الظراف والمتماجنین دارالکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۳۴۔ ایضاً، کتاب الاذکیاء، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع ط۱، ۱۴۰۸ھ

۳۵۔ ایضاً، تلقیح فھوم اھل الاثر فی عیون التاریخ والسیر ، شرکۃ دارارقم بن ابی الارقم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۶۔ ایضاً، حنبلی، زادالمسیر فی علم التفسیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۳۷۔ ایضاً، الوفا بأحوال المصطفیٰ ﷺ ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۳۸۔ ابن حبان، محمد، ابوحاتم البستی، المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۹۲ء

۳۹۔ ایضاً، الثقات، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۹۷۳ء

۴۰۔ ابن حبان، محمد، ابوحاتم خراسانی، صحیح ابن حبان، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۲۰۰۴ء/ ۱۴۲۵ھ

۴۱۔ ایضاً، تقریب التھذیب، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

۴۲۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۳۔ ایضاً، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۴۔ ایضاً، تھذیب التھذیب ، دارالفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۵۔ ایضاً، القول المسدد فی الذب عن المسند للامام احمد ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۴۶۔ ایضاً، النکت، ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۴۷۔ ایضاً، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳

۴۸۔ ایضاً، لسان المیزان، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ط۱، ۱۹۶۷ء

۴۹۔ ایضاً، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۵۰۔ ایضاً، الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۸ھ

۵۱۔ ایضاً، حافظ، مختصر زوائد مسند البزار، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط ۳، ۱۴۱۴ھ

۵۲۔ ایضاً، المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، دار الباز، عباس احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ط ۱، ۱۴۰۷ھ

۵۳۔ ایضاً، موافقۃ الخبر الخبر فی تخریج احادیث المختصر، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط ۳، ۱۴۱۹ھ

۵۴۔ ابن حجر، احمد بن محمد علی، مکی، الفتاویٰ الحدیثۃ، داراحیاء التراث العربی، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۵۵۔ ابن حجر مکی، احمد، علامہ، الصواعق المحرقۃ، مکتبۃ القاھرۃ، مصر، ۱۳۸۵ھ

۵۶۔ ابن حنبل، احمد، ابوعبداللہ، العلل ومعرفۃ الرجال، مطبوعہ الدار السلفیہ بومبائی، الھند، ط ۱، ۱۹۸۸ء

۵۷۔ ایضاً، المسند، بیت الافکار الدولیۃ، عمان، اردن، ط ۱، ۲۰۰۴ء

۵۸۔ ایضاً، نشر السنہ، ملتان، س ن

۵۹۔ ابن حمزۃ الحسینی، ابراھیم بن محمد الشھیر، البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف، دار المعرفۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۴ھ

۶۰۔ ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق، ابوبکر، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ط ۳، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۶۱۔ ایضاً، کتاب التوحید، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط ۶، ۱۴۱۸ھ

۶۲۔ ابن خلدون، عبدالرحمان بن محمد، مقدمۃ ابن خلدون، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط ۱، ۱۴۱۴ھ

۶۳۔ ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء انباء الزمان، بیروت، مصر، ۱۳۱۰ھ

۶۴۔ ابن خیاط، ابوعمرو، خلیفہ، الطبقات، مطبوعہ دار طیبۃ الریاض، السعودیۃ، ط ۱، ۱۹۸۲ء

۶۵۔ ابن رجب، عبدالرحمان بن احمد، ابوالفرج، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف، دار ابن کثیر، دمشق، ط ۴، ۱۴۱۹ھ

۶۶۔ ایضاً، شرح علل الترمذی، عالم الکتب، بیروت، ط ۲، ۱۴۰۵ھ

۶۷۔ ایضاً، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۶۸۔ ابن رشد، محمد بن احمد، اندلسی مالکی، ہدایۃ المجتھد، دار الفکر، بیروت۔

۶۹۔ ابن زنجویہ، اسماعیل بن علی، مختصر کتاب الموفقۃ بین اھل البیت والصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۰ھ

۷۰۔ ابن سعد، محمد، ابوعبداللہ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دار صادر، بیروت، لبنان، ۱۹۶۰ء

۷۱۔ ابن صلاح، عثمان بن عبدالرحمان، حافظ، رسالۃ فی وصل البلاغات الاربع فی الموطاء، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط ۱، ۱۴۱۸ھ/۱۳۳۲ھ

۷۲۔ ایضاً، مقدمۃ ابن الصلاح، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ط ۴، ۱۴۱۶ھ

۷۳۔ ابن عباس، عبداللہ، تنویر المقباس، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۷۴۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ، ابوعمر، التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، المکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، السعودیۃ العربیۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۷۵۔ ایضاً، الاستذکار، دار الوعی، القاہرہ، مصر، ط۱، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۷۶۔ ایضاً، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء

۷۷۔ ایضاً، حافظ، التمہید لما فی الموطا من المعانی والمسانید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۷۸۔ ابن عدی، عبداللہ، ابو احمد الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۸۴ء

۷۹۔ ابن عربی، محمد بن عبداللہ، ابوبکر قاضی اندلسی مالکی، القبس فی شرح موطا ابن انس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۸۰۔ ایضاً، عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۲۵ھ۔۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۸۱۔ ایضاً، تفسیر ابن عربی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۸۲۔ ایضاً، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۶ھ

۸۳۔ ایضاً، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۸۴۔ ابن عربی، ابوبکر، قاضی، العواصم من القواصم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۲۵ھ

۸۵۔ ابن عربی، ابوعبداللہ محمد، الفتوحات المکیۃ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۸۶۔ ابن عساکر، عبدالصمد بن عبدالوہاب، ابوالیمن، اتحاف الزائر واطراف المقیم السائر، دار ارقم بن ابی الارقم، بیروت

۸۷۔ ابن عساکر، علی بن حسین، ابوالقاسم، تاریخ دمشق، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ

۸۸۔ ابن عماد، عبدالحیٰ، ابوالفلاح حنبلی، شذرات الذہب، مصر، ۱۳۵۰ھ

۸۹۔ ابن قتیبۃ، عبداللہ بن مسلم، المعارف لابن قتیبۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط۲، ۱۴۲۴ھ

۹۰۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن احمد، ابومحمد حنبلی، المغنی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۹۱۔ ابن قیم محمد، شمس الدین ابوعبداللہ جوزی، کتاب الروح، حیدر آباد، دکن، ط۲، س ن

۹۲۔ ایضاً، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابوعبداللہ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۱۸ھ

۹۳۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر عماد الدین بوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۹۸۵ء

۹۴۔ ایضاً، اختصار علوم الحدیث، مکتبہ، دار التراث، قاہرہ۔

۹۵۔ ایضاً، البدایۃ والنہایۃ، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

۹۶۔ ایضاً، السیرۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۹۷۔ ایضاً، الفصول فی سیرۃ الرسول: ، دار التراث المدینۃ المنورۃ، ط۶، ۱۴۱۳ھ

۹۸۔ ایضاً، مناقب الامام الشافعی، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۹۹۔ ابن کثیر، احمد بن ابراہیم، ابی عبداللہ، امام، دورقی، البغدادی، مسند سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۱۰۰۔ ابن کثیر، صلابی، علی محمد، دکتور، اسمی المطالب فی سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۰۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ قزوینی، السنن، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۱۰۲۔ ابن مدینی، علی بن عبداللہ بن جعفر، ابوالحسن السعدی، العلل، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۹۸۰ء

۱۰۳۔ ابن معین، یحییٰ، ابوزکریا، معرفۃ الرجال، مطبوعہ مجمع اللغۃ العربیہ، دمشق، ط۱، ۱۹۸۵ء

۱۰۴۔ ابن منبہ، ہمام، الصحیفۃ الصحیحۃ، (تحقیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ)، کرمانوالہ بک شاپ، لاہور، ط۱، ۲۰۰۷ء

۱۰۵۔ ابن مندہ، عبدالوھاب بن محمد، العبدی، حافظ، الفوائد، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۱۰۶۔ ابن مندۃ، محمد بن اسحاق، حافظ، کتاب الایمان، دارالفضیلۃ، الریاض، ط۴، ۱۴۲۱ھ

۱۰۷۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، داراحیاء التراث العربی بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۱۰۸۔ ایضاً، مختصر تاریخ دمشق، دارالفکر، دمشق، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۱۰۹۔ ابن ناصرالدین، محمد بن ابی بکر، دمشقی، مجالس فی تفسیر قولہ تعالیٰ "لقد من اللہ علی المؤمنین الخ، مؤسسۃ الریان، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۱۰۱۔ ابن نجیم، زین الدین، حنفی، البحرالرائق، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، س ن

۱۱۱۔ ابن المبارک، عبداللہ، امام، الزھد، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۱۱۲۔ ابن السنی، احمد بن محمد، ابوبکر، عمل الیوم واللیلۃ، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، الصنائع، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۱۱۳۔ ابن معین، یحییٰ، ابوزکریا، تاریخ، الھیئۃ المصریۃ العامۃ، قاھرہ، ۱۹۷۸ھ

۱۱۴۔ ابن الملقن، عمر بن علی، ابی حفص، امام، غایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۱۱۵۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، ابوالفرج وراق، الفہرست، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ط۲، ۱۹۹۰ء

۱۱۶۔ ابن النجار، محمد بن محمود، ابوعبداللہ، الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ، مکتبہ دارالزمان المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۱۷۔ ابن ھشام، عبدالملک، ابومحمد، السیرۃ النبویۃ، وحیدی کتب خانہ، پشاور، ط۲، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۱۱۸۔ ابن ہمام، کمال الدین، فتح القدیر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، س ن

۱۱۹۔ ابوبکر، احمد بن عمرو، امام، دارالرایۃ، الریاض، الآحاد والمثانی، ط۱، ۱۴۱۱ھ۔

۱۲۰۔ ابوحیان، اندلسی، محمد بن یوسف، النھر المادمن البحر المحیط: دارالجنان، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۱۲۱۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، حافظ سجستانی، سنن ابوداؤد، دارالفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۵-۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۱۲۲۔ ابوزرعۃ، عبدالرحمن بن عمرو، الدمشقی، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، مطبوعۃ جامعہ بغداد، عراق، ۱۹۷۳ء

۱۲۳۔ ابوشھبۃ، محمد بن محمد، اسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، مکتبۃ السنۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۱۲۴۔ ابوغدۃ، عبدالفتاح، شیخ، الاسناد من الدین، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۲۵۔ ابوغدۃ، عبدالفتاح لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث، مطبوعۃ دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۱۲۶۔ ابوالشیخ، عبداللہ بن محمد، ابومحمد، ذکر الأقران ورواياتهم عن بعضهم بعضاً، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۲۷۔ ابوالشیخ، عبداللہ بن محمد جعفر، امام، کتاب العظمۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۱۲۸۔ ابوالفداء، اسماعیل بن کثیر، شافعی، حافظ، جامع المسانید والسنن، دارالفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۱۲۹۔ ابونعیم، احمد بن عبداللہ، اصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء
۱۳۰۔ ابویوسف، یعقوب بن ابراہیم، امام، کتاب الخراج، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان۔
۱۳۱ اتیوبی، علی بن آدم، لولوی، ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، دار ابن جوزی للنشر والتوزیع، قاہرہ، ط۳، ۱۴۳۲ھ
۱۳۲۔ اثری، ابن الدیبع، عبدالرحمان بن علی، تمیز الطیب من الخبیث، دارالکتاب العربی، بیروت ۱۴۲۴ھ
۱۳۳۔ احمد بن ادریس، مصری، شہاب الدین، الاحکام فی تمییز الفتاویٰ عن الاحکام، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۲، ۱۴۱۶ھ
۱۳۴ احمد بن اسماعیل، ابوجعفر نحاس، امام، اعراب القرآن: عالم الکتب، بیروت، ط۲، ۱۴۰۵ھ
۱۳۵۔ احمد بن حنبل، امام، الزہد، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ
۱۳۶۔ ایضاً، السنۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ
۱۳۷۔ ایضاً، زوائد مسند احمد، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ
۱۳۸۔ ایضاً، المسند، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۱۳۹۔ احمد بن ستیوی، الدکتور، دیوان الامام علی رضی اللہ عنہ: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ: جمع وتعلیق، دارالغد الجدید، مصر، ط۱، ۱۵۲۴ھ
۱۴۰۔ احمد بن عمر، قرطبی، ابوالعباس، امام، مفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، دار ابن کثیر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ
۱۴۱۔ احمد بن عمرو، ابوبکر، امام، کتاب الاوائل، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ
۱۴۲۔ احمد بن فارس، ابوالحسین، معجم المقاییس فی اللغۃ، دارالفکر، بیروت، ط۲، ۱۴۱۸ھ
۱۴۳۔ احمد رضا، امام، حدائق بخشش، پروگریسو بکس، لاہور
۱۴۴۔ ایضاً، فتاویٰ رضویۃ، مطبوعۃ مکتبہ رضویۃ آرام باغ کراچی، رضا فاؤنڈیشن جامعۃ نظامیۃ رضویۃ، لاہور۔
۱۴۵۔ احمد رضا، معجم متن اللغۃ، مطبوعہ دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۵۸ء
۱۴۶۔ احمد شہاب الدین، مصری، خفاجی، حنفی، علامۃ، عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۱۴۷۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ط۱، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء
۱۴۸ الازہری، کرم شاہ، محمد پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۰۵ھ
۱۴۹۔ ایضاً، سنت خیر الانام، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء
۱۵۰۔ اسفرائینی، عبدالقاہر بن طاہر، الفرق بین الفرق، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔
۱۵۱۔ اسماعیل بن عمر، عماد الدین، حافظ، شافعی، تفسیر القرآن العظیم، دارالمعرفۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۰۶ھ
۱۵۲۔ اشعری، علی بن اسماعیل، ابوالحسن، الابانۃ عن اصول الدیانۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۵۳۔ ایضاً، مقالات الاسلامیین واصلاح المصلین، تحقیق محی الدین عبدالحمید، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ۔

۱۵۴۔ اصبھانی، احمد بن موسیٰ، ابوبکر، جزء فیہ ما انتقاء ابوبکر بن مردویہ من حدیث الطبرانی لاھل البصرۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۵۵۔ اصبھانی، اسماعیل بن محمد، ابوالقاسم، دلائل النبوۃ، دارالعاصمۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۵۶۔ اصفھانی، ابونعیم، مسند الامام ابوحنیفۃ، مکتبۃ الکوثر، الریاض، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۱۵۷۔ اصفھانی، احمد بن عبداللہ، ابونعیم، دلائل النبوۃ، دارالنفائس، بیروت، ط۳، ۱۴۰۶ھ

۱۵۸۔ ایضاً، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دارالکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۱۵۹۔ اصلاحی، امین احسن، مبادی تدبر حدیث، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ط۳، ۲۰۰۸ء

۱۶۰۔ ایضاً، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ط۱۱، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۵ء

۱۶۱۔ اعظمی، امجد علی، بہار شریعت، مکتبۃ المدینۃ، کراچی، ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

۱۶۲۔ امجدی، شریف الحق، محمد، نزہتہ القاری شرح صحیح البخاری، فرید بک سٹال، لاہور، ط۱، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

۱۶۳۔ امین، محمد، حافظ، سنن نسائی (فوائد ومسائل)، دارالسلام، لاہور، ۱۴۳۲ھ

۱۶۴۔ امین، محمد ترقی، المعجم الوسیط، مطبوعہ اشرف علی الطبع حسن علی عطیہ دارالفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۳ھ/ 1995ء

۱۶۵۔ آمدی، علی بن ابی علی، سیف الدین، الاحکام فی اصول الاحکام، مطبع محمد علی واولادہ، مصر، ۱۳۴۷ھ

۱۶۶۔ اندلسی، ابوحیان بن محمد، علامہ، البحرالمحیط، دارالفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۶۷۔ اندلسی، عبدالحق بن غالب، ابوبکر، قاضی، علامۃ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۱۶۸۔ اندلسی، علی بن احمد، ابی محمد، جمھرۃ انساب العرب: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۶۹۔ اندلسی، یوسف بن عبدالبر، ابی عمر، الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقھاء، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۷۰۔ آجری، محمد بن حسین، ابوبکر، الشریعۃ، دارالکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۲۰ھ

۱۷۱۔ آلوسی محمود احمد، ابوالفضل، روح المعانی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۴، ۱۴۱۸ھ

۱۷۲۔ الیاس، انطون، الیاس، قاموس الیاس، المصر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۲ء

۱۷۳۔ انصاری، عبداللہ، خواجہ، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ شہر طہران، ط۵، ۱۳۷۱ھ

۱۷۴۔ بابرتی، محمد بن محمود، عنایۃ شرح ھدایۃ، نوریہ رضویہ، سکھر۔

۱۷۵۔ باجوری، محمد بن عفیفی، اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء، دارابن حزم، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۱۷۶۔ الباجی، سلیمان بن خلف، ابوالید قاضی اندلسی، کتاب المنتقی شرح موطاء، دارالکتب العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۳۳۲ھ

۱۷۷۔ ایضاً، سنن الصالحین وسنن العابدین، دارابن حزم بیروت ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۷۸۔ باقلانی، ابوبکر، محمد بن طیب، امام، اعجاز القرآن، مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۴۔

۱۷۹۔ البانی، ناصر الدین محمد، حجیت حدیث، مکتبہ محمدیہ، لاہور، ط۱، ۲۰۰۸ء

۱۸۰۔ البستانی، بطرس، المعلم، قطر المحیط، ساحۃ ریاض الصلح، بیروت، لبنان، ۱۸۶۹ء

۱۸۱۔ بجنوری، احمد رضا، سید، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۵ھ

۱۸۲۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ، دار السلام، الریاض، ط۲، ۱۴۱۹ھ

۱۸۳۔ ایضاً، خلق افعال العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۱ھ

۱۸۴۔ ایضاً، الادب المفرد، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۴۱۹ھ۔

۱۸۵۔ ایضاً، الضعفاء الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ط۱، ۱۹۸۶ء

۱۸۶۔ ایضاً، کتاب التاریخ الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۱۸۷۔ برقانی، احمد بن محمد، ابوبکر، سوالات البرقانی للدارقطنی، مطبوعہ نشرۃ احمد میاں تھانوی، لاہور، باکستان، ط۱، ۱۹۸۴ء

۱۸۸۔ برھان الدین، شیخ، الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح، مکتبۃ الرشد، الریاض ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۸۹۔ برھانپوری، علی متقی بن حسام الدین، علامہ، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۱۹۰۔ بزار، احمد بن عمرو، ابوبکر الدخار، مسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۱۹۱۔ ایضاً، البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۱۹۲۔ برزنجی، سید محمد حسینی، الاشاعۃ لاشراط الساعۃ: ، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ ۱۴۲۵ھ

۱۹۳۔ بستی، محمد بن حبان، ابوحاتم، ابوحاتم، السیرۃ النبویۃ واخبار الخلفاء، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۲، ۱۴۱۱ھ

۱۹۴۔ بشطوفی، علی بن یوسف، ابوالحسن، بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۱۹۵۔ بصری، علی بن محمد، ادب الدنیا والدین، دار ابن کثیر ط۳، ۱۴۲۳ھ

۱۹۶۔ بغدادی، ابی الحسین بن قانع، قاضی، معجم الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۱۹۷۔ بغدادی، احمد بن علی، ابی بکر، حافظ، امام، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۱۹۸۔ ایضاً، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۴۰۳ھ

۱۹۹۔ ایضاً، شرف اصحاب الحدیث، عالم الکتب بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۲۰۰۔ ایضاً، الرحلۃ فی طلب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۳۹۵ھ

۲۰۱۔ بغوی، حسین بن مسعود، امام، معالم التنزیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۰۲۔ ایضاً، مصابیح السنۃ، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۲۰۳۔ ایضاً، امام، شرح السنۃ، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۰۴۔ ایضاً، الانوار فی شمائل النبی المختار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۲۰۵۔ بغوی، عبداللہ بن محمد، ابوالقاسم، مسند ابن الجعد ، مؤسسۃ النادر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۲۰۶ بلاذری، احمد بن یحییٰ، ابوجعفر، کتاب البلدان دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۲۰۷۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، ابوالفضل، مصباح اللغات، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ط۲، ۱۹۸۲ء

۲۰۸۔ بیسونی، حامد بن احمد، ابوانس طاہر، مقدمۃ، مؤطاامام مالک، دارالفجر للتراث، قاہرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۲۰۹۔ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، ناصر الدین قاضی، انوار التنزیل واسرار التاویل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۱۰۔ بوصیری، احمد بن ابی بکر، اتحاف الخیرۃ المھر ۃ بزوائد المسانید العشر ۃ، دارالوطن، الریاض، ط۱، ۱۴۲۰ھ۔

۲۱۱۔ ایضاً، زوائد ابن ماجۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۱۲۔ بیہقی، احمد بن حسین، الحافظ ابوبکر، السنن الکبریٰ، دارالمعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء

۲۱۳۔ ایضاً، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء

۲۱۴۔ ایضاً، الآداب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ۔

۲۱۵۔ ایضاً، السنن الصغریٰ، دار الجیل، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۱۶۔ ایضاً، السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۱۷۔ ایضاً، کتاب الاسماء والصفات، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۱۸۔ ایضاً، معرفۃ السنن والآثار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۲۱۹۔ ایضاً، دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۲۲۰۔ ایضاً ، الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد، الیمامۃ، دمشق، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۲۱۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، التفسیر المظھری ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۲۲۔ پٹنی محمد طاہر، علامۃ، تذکرۃ الموضوعات، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۲۳۔ تاذفی، محمد بن یحییٰ، قلائد الجواھر فی مناقب عبدالقادر ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۳، ۱۴۲۷ھ

۲۲۴۔ تبریزی، عبداللہ محمد بن عبداللہ، خطیب، امام، مشکاۃ المصابیح ، دار الارقم، بیروت، لبنان۔

۲۲۵۔ تحقیقات اسلامی، ادارہ تحقیق وتصنیف علی گڑھ، بھارت، جنوری، ۲۰۰۹ء

۲۲۶۔ ترمذی، محمد بن عیسی، ابوعیسی، امام، الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ ﷺ ومعرفۃ الصحیح والمعلول وماعلیہ العمل ، دار السلام، الریاض، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۲۷۔ ایضاً علل الترمذی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۹۸۹ء

۲۲۸۔ ایضاً ، الشمائل المحمدیۃ ، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۲۲۹۔ ترمذی، محمد ، ابوعبداللہ، امام، نوادر الاصول فی احادیث الرسول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۲۳۰۔ تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد نسفی، نور محمد اصح المطابع، کراچی، س ن

۲۳۱ ایضاً، درس ترمذی (مرتب: رشید اشرف)، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء

۲۳۲۔ تقی عثمانی، محمد، حجیت حدیث، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط۱، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء

۲۳۳۔ ایضاً، تکملۃ فتح الملھم بشرح صحیح الامام مسلم، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ط۱، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

۲۳۴۔ ایضاً، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء

۲۳۵۔ تلمسانی، احمد بن محمد، ابو العباس، شھاب الدین، فتح المتعال فی مدح النعال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۲۳۶۔ تلیدی، عبداللہ، شیخ تھذیب الخصائص النبویۃ الکبریٰ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۰ھ

۲۳۷۔ ایضاً، الانوار الباھرۃ بفضائل اھل البیت النبوی والذریۃ الطاھرۃ، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۳۸۔ تمیمی، احمد بن علی، المثنی، امام، مسند ابی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۳۹۔ تمیمی، عبدالکریم بن محمد، ابی سعد، امام، ادب الاملاء والاستملاء، دار و مکتبۃ الھلال، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۲۴۰۔ تونجی، ابو طالب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، دیوان ابی طالب علم النبی صلی اللہ علیہ وسلم سنہ نبوت، تحقیق و تشریح: الدکتور محمد، دار الکتاب العربی ط۴، ۱۴۲۳ھ

۲۴۱۔ تھانوی، شیخ محمد، التقریرات الرائعۃ علی النسائی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۲۴۲۔ تھانوی، اشرف علی، جمال الاولیاء، مکتبۃ اسلامیۃ، بلال گنج، لاہور۔

۲۴۳۔ ایضاً، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم، تاج کمپنی، کراچی

۲۴۴۔ ایضاً، بیان القرآن، تاج کمپنی لاہور، الطبعۃ ۲۰۰۱ء

۲۴۵۔ ثعالبی، عبدالرحمٰن محمد بن مخلوف، شافعی، الجواھر الحسان فی تفسیر القرآن: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۴۶۔ ایضاً، الانوار فی آیات النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۲۴۷۔ ثعلبی، احمد بن ابراہیم، ابو اسحاق، الکشف والبیان، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ

۲۴۸۔ ایضاً، عرائس المجالس فی قصص الانبیاء، مطبع الحیدری، بمبئی، ہند، ۱۲۹۵ھ

۲۴۹۔ جادر، سالم العبد، مساعد، معالی الرتب لمن جمع بین شرفی الصحبۃ والنسب، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۵۰۔ جرجانی، عبداللہ بن عدی، ابی احمد، الکامل فی ضعفاء الرجال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۵۱۔ جرجانی، علی بن محمد، میر سید شریف، کتاب التعریفات، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۵۲۔ جزری، عبدالرحمان، کتاب الفقہ المذاھب الاربعۃ، علماء اکیڈمی، لاہور، ط۷، ۲۰۰۶ء

۲۵۳۔ جعفر مصطفیٰ، سید، سبیہ، دکتور، (المعاصر)، موسوعۃ سیرۃ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام: المکتبۃ المکیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۲۵۴۔ جمال رجب، سیدبی، الدکتور، رسائل الجنید، دار اقرا، دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۵۵۔ جمعۃ، احمد خلیل، نساء اھل البیت فی ضوء القرآن والحدیث، دار الیمامۃ، دمشق، ط۵، ۱۴۲۳ھ

۲۵۶۔ جمل، سلیمان بن عمیر عجیلی، الفتوحات الالٰھیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۶ھ

۲۵۷۔ جوزجانی، ابراہیم، ابواسحاق، احوال الرجال، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ط۱، ۱۹۸۵ء

۲۵۸۔ جوزقانی، ابوعبداللہ بن ابراھیم، الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاھیر، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ۔

۲۵۹۔ جوزی، ابن قیم، محمد بن ابی بکر، حادی الارواح الی بلاد الافراح، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۶۰ ایضاً، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۲۶۱۔ ایضاً، روضۃ المحبین ونزھۃ المشتاقین، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۶۲۔ ایضاً، الوابل الصیب من الکلم الطیب، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۶۳۔ ایضاً، بدائع الفوائد، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۶۴۔ ایضاً، الفوائد مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۶۵۔ ایضاً، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۹ھ

۲۶۶۔ ایضاً، الطرق الحکمیۃ فی السیاسیۃ الشرعیۃ، المکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۶۷۔ ایضاً، جلاء الافھام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الأنام، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۷ھ

۲۶۸۔ ایضاً، الروح، دار الفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ ودار احیاء العلوم، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ

۲۶۹۔ ایضاً، فضائل الصحابۃ، الدمام، ط۳، ۱۴۲۶ھ

۲۷۰۔ جوھری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، مطبوعہ دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۲۷۱۔ جوینی، عبدالملک بن عبداللہ، کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۷۲۔ جیلانی، عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ، شیخ، فتوح الغیب، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، بمصر ط۲، ۱۳۹۲ھ

۲۷۳۔ الجزائری، طاھر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۲۸ھ

۲۷۴۔ حازمی، محمد بن موسیٰ، ابوبکر، شروط الائمۃ الخمسۃ، رحیم اکیڈمی، کراچی۔

۲۷۵۔ حاکم، محمد بن عبداللہ، ابوعبداللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۲۷۶۔ ایضاً، سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۹۸۴ء

۲۷۷۔ ایضاً، المدخل الی کتاب الاکلیل، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ

۲۷۸۔ ایضاً، المدخل فی اصول الحدیث، دار ابن حزم، ط۱، ۱۴۲۸ھ

۲۷۹۔ ایضاً، معرفۃ علوم الحدیث، المکتبۃ العلمیۃ، المدینۃ المنورۃ، ط۲، ۱۳۹۷ھ

۲۸۰۔ حسین بن محمد، شرف الدین، طیبی، الکاشف عن حقائق السنن، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۸۱۔ حصکفی، محمد بن علی، علامہ حنفی، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ

۲۸۲۔ حصری، روضۃ الجمال، دکتورۃ، حیاۃ الحسن البصری، دار الکلم الطیب، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۲۸۳۔ حصنی، محمد بن عبد المومن، تقی الدین، قمع النفوس ورقیۃ المایوس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۲۸۴۔ حضرمی، محمد بن عمر، حدائق الأنوار ومطالع الانوار ومطالع الاسرار فی سیرۃ النبی المختار، مطبوعۃ دار الحادی، بیروت ط۱، ۱۴۱۹ھ

۲۸۵۔ ایضاً، رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الھادی صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۸۶۔ حلبی، علی بن برھان الدین، انسان العیون فی سیرۃ الامین المآمون (السیرۃ الحلبیۃ)، دار المعرفۃ، بیروت۔

۲۸۷۔ حماد، عبد الستار، ابو محمد، حجیت حدیث، دار السلام، الریاض، السعودیہ، س ن

۲۸۸۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ط۹، ۲۰۰۳ء

۲۸۹۔ حمیدی، محمد بن فتوح، الجمع بین الصحیحین، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۲۹۰۔ حمیدی، عبد اللہ بن الزبیر، امام، المسند، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۲۹۱۔ خازن، علی بن محمد، بغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۹۲۔ خالد علوی، ڈاکٹر، حفاظت حدیث، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۸ء

۲۹۳۔ ختلی، ابراھیم بن عبد اللہ، ابو اسحاق، سؤالات ابن جنید، مطبوعہ مکتبۃ الدار، المدینۃ المنورۃ، السعودیۃ، ۱۹۸۸ء

۲۹۴۔ خرکوشی، عبد الملک بن ابی عثمان محمد، حافظ، ابو سعد، امام، شرف المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۲۹۵۔ خزرمی، احمد بن عبد اللہ، صفی الدین، خلاصۃ التذھیب، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۱ء

۲۹۶۔ خضری بک، محمد، اصول الفقہ، مکتبۃ التجاریۃ الکبری، بیروت، لبنان، ۱۹۲۹ء

۲۹۷۔ خطابی، حمد بن محمد، ابو سلیمان بستی، معالم السنن شرح سنن ابی داؤد، مکتبۃ العارف للنشر والتوضیع، الریاض، ط۱، ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء

۲۹۸۔ خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابو بکر، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۷ھ

۲۹۹۔ ایضاً، تاریخ بغداد، مطبوعہ مکتبۃ الخانجی، القاھرۃ، ط۱، ۱۹۳۰ء

۳۰۰۔ خفاجی، حمد شھاب الدین، علامۃ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء القاضی عیاض: المطبعۃ الازھریۃ المصریۃ، ط۱، ۱۳۲۷ھ

۳۰۱۔ خلف بن عبد المالک، ابو القاسم، امام، کتاب الغوامض والمبھمات: دار الاندلس الخضراء، جدۃ، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۰۲۔ خوارزمی، محمد بن اسحاق، اثارۃ الترغیب والتشویق الی المساجد الثلاثۃ والبیت العتیق، مکتبۃ نزار مصطفی الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۰۳۔ ایضاً، مناقب الامام ابی حنیفۃ، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ

۳۰۴۔ خوارزمی، محمد بن محمود، ابو المؤید، امام، جامع المسانید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۳۰۵۔ خیضری، قطب الدین، حافظ، اللفظ المکرم بخصائص النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۰۶۔ دارا شکوہ، شھزادہ، سفینۃ الاولیاء، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع ہفتم ۱۹۸۶ء

۳۰۷۔ دار قطنی، علی بن عمر، ابو الحسن، السنن، دار المحاسن، قاھرۃ، ۱۹۶۶ء

۳۰۸۔ ایضاً، الضعفاء والمتروکین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۴ء

۳۰۹۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، حافظ، سنن الدارمی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۳۱۰۔ دارمی، عثمان بن سعید، تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابن معین، مطبوعہ مرکز البحث العلمی، مکۃ المکرمۃ، ط ا، ۱۹۸۰ء

۳۱۱۔ دحلان، احمد بن زینی، سید، السیرۃ النبویۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط ا، ۱۴۱۶ھ

۳۱۲۔ ایضاً، الفتح المبین فی فضائل الخلفاء الراشدین واھل البیت الطاھرین، دارالفکر، بیروت، ط ا، ۱۴۲۳ھ

۳۱۳۔ دشتانی محمد بن خلفہ، ابوعبداللہ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ

۳۱۴۔ دمیری، محمد بن موسیٰ، کمال الدین، حیات الحیوان الکبریٰ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر۔

۳۱۵۔ دمشقی، علی بن ابراھیم، علاؤ الدین، فتاویٰ امام نووی، دارالفکر، دمشق، ط ا، ۱۴۱۹ھ

۳۱۶۔ دولابی، محمد بن احمد، ابوبشر، الذریۃ الطاھرۃ النبویۃ، الدار السلفیۃ الکویت، ط ا، ۱۴۰۷ھ

۳۱۷۔ دیاربکری، حسین بن محمد، شیخ، امام، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ علیہ وسلم، دارصادر، بیروت

۳۱۸۔ دینوری، احمد بن مروان، ابوبکر، المجالسۃ وجواھر العلم، دارابن حزم، بیروت، ط ا، ۱۴۲۳ھ

۳۱۹۔ دینوری، عبداللہ بن مسلم، امام، تاویل مختلف الحدیث، دارالفکر بیروت، ط ا، ۱۴۱۵ھ

۳۲۰۔ زحیلی، وھبۃ، دکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، دمشق، ط ۳، ۱۴۰۹ھ

۳۲۱۔ ایضاً، التفسیر المنیر، دارالفکر، دمشق، ط ا، ۱۴۱۲ھ

۳۲۲۔ ذہبی، احمد بن عثمان، ابوعبداللہ، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

۳۲۳۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، مکتبۃ عیسیٰ البابی الحلبی، القاھرہ، ط ا، ۱۹۶۳ء

۳۲۴۔ ایضاً، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، لبنان، ط ا، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

۳۲۵۔ ایضاً، الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط ۲، ۱۴۱۲ھ

۳۲۶۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، مطبوعۃ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ا، ۱۴۱۵ھ

۳۲۷۔ ایضاً، تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ط ا، ۱۴۲۶ھ

۳۲۸۔ ایضاً، معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ۲، ۱۴۰۸ھ

۳۲۹۔ ذھبی، محمد حسین، دکتور، التفسیر والمفسرون، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط ۲، ۱۹۹۶ء

۳۳۰۔ رازی، عبدالرحمٰن بن محمد ادریس، امام، تفسیر القرآن العزیز، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط ۲، ۱۴۱۹ھ

۳۳۱۔ رازی، فخرالدین، محمد بن عمر، بکری، مفاتیح الغیب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ا، ۱۴۱۱ھ

۳۳۲۔ راغب، حسین بن محمد، اصفھانی، المفردات فی غریب القرآن، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط ا، ۱۴۱۸ھ

۳۳۳۔ زرقانی محمد بن عبدالباقی، ابوعبداللہ، شرح موطا الامام مالک، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط ا، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

۳۳۴۔ رسالہ ''تدبر'' لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء

۳۳۵ رضوی، لیاقت علی، محمد، فیوضات الرضویۃ فی تشریحات الھدایۃ، شبیر برادر، لاہور، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

۳۳۶۔ رضوی، محمود احمد، سید، فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری، مکتبہ رضوان، لاہور، س ن

۳۳۷ رودانی، ابو عبد اللہ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ء

۳۳۸۔ زبیدی، مرتضیٰ حسینی، سید، حافظ، امام، بلغۃ الاریب فی مصطلح آثار الحبیب ، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ

۳۳۹۔ زبیر علی زئی، حافظ، انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ من السنن الاربعۃ، المکتبۃ الاسلامیۃ، لاہور، ط۱، ۱۴۳۳ھ

۳۴۰۔ ایضاً، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۳۴۱۔ ایضاً، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۴۲۔ زرقانی، محمد عبد الباقی، اشراق مصابیح السیرۃ المحمدیۃ بمزج اسرار المواھب اللدنیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۴۳۔ زرکشی، محمد بن عبد اللہ، امام، التذکرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۴۴۔ ایضاً، البرھان فی علوم القرآن، در المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۴۵۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام قاموس تراجم لأشھر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، بیروت، ط۲

۳۴۶۔ زمخشری، محمود بن عمر، علامہ، الکشاف عن حقائق التاویل ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۴۷۔ ایضاً، الفائق فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۴۸۔ زیلعی، عبد اللہ بن یوسف، جمال الدین، حافظ، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۳۴۹۔ زین الدین، عبد الرحیم بن حسین، عراقی، امام، التقیید والایضاح لما اطلق واغلق من مقدمۃ ابن الصلاح ، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۳۵۰۔ ایضاً، المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۵۱۔ ایضاً، الفیۃ السیرۃ النبویۃ، در المنھاج، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۵۲۔ سبط ابن جوزی، علی بن عبد اللہ، تذکرۃ الخواص ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۵۳۔ سبکی، محمد خطاب، محمود، المنھل العذب المورود شرح سنن الامام ابی داؤد، مطبوعہ مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ

۳۵۴۔ سبکی، علی بن کافی، تقی الدین، السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۵۵۔ ایضاً، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام ، مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۳۵۶۔ سبکی، عبد الوھاب بن علی، طبقات الشافعیۃ الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۳۵۷۔ ستانی، محمد بن عبد الکریم، ابی الفتح، الملل والنحل ، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، ط۹، ۱۴۲۹ھ

۳۵۸۔ سجستانی، عبد اللہ بن ابی داؤد، ابوبکر، کتاب المصاحف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۵۹۔ سخاوی، محمد بن عبد الرحمٰن، شمس الدین، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۳۶۰۔ ایضاً، الأجوبۃ المرضیۃ من الاحادیث النبویۃ ، دار الریۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۶۱ ایضاً منحۃ الکرام بشرح بلوغ المرام، دارالامام الطبری، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۶۲ـ ایضاً، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع صلی اللہ علیہ وسلم، دارالکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ ومؤسسۃ الریان، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۳۶۳ـ سراج الدین، محمد بن عبدالرشید، سجاوندی حنفی، السراجی فی المیراث، المیزان، لاہور ۲۰۰۴ء

۳۶۴ـ سرخسی، محمد بن احمد، ابوبکر، المبسوط، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۳۶۵ـ سرھندی، وارث، علمی اردو لغات جامع، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء

۳۶۶ـ سعید بن منصور، مکی، خراسانی، امام، سنن سعید بن منصور، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۶۷ـ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، ط۳، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۳۶۸ـ ایضاً، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، ط۱۰، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۳۶۹ـ ایضاً، نعمۃ الباری فی شرح صحیح بخاری، فرید بک سٹال، لاہور، ط۲، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۳۷۰ـ سلیمان حسیم، فرھنگ بزرگ، فرھنگ معاصر، تہران، ط۵، ۱۳۷۹ھ

۳۷۱ـ سمرقندی، ابواللیث، نصر بن محمد، امام، بحر العدوم (تفسیر سمرقندی)، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۳۷۲ـ سمعانی، عبدالکریم بن محمد، ابوسعد، الانساب، مجلس دارالمعارفۃ، ہند، ۱۳۸۲ھ،

۳۷۳ـ سمھودی، علی بن عبداللہ، نورالدین، جواھر العقدین فی فضل الشرفین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۷۴ـ ایضاً، خلاصۃ الوفا، داراحیاء الکتاب العربی، بیروت۔

۳۷۵ـ ایضاً، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، داراحیاء التراث العربی، بیروت۔

۳۷۶ـ سندھی، محمد بن عبدالھادی، ابوالحسن، حاشیۃ السندھی علی النسائی، دارالمعرفۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۳۷۷ـ ایضاً، کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجہ، دارالمعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۷۸ـ سنکی، زکریا بن محمد، شیخ، حافظ، انصاری، التبصرۃ والتذکرۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت۔

۳۷۹ـ سہارنپوری، خلیل احمد، علامہ محدث، بذل المجھود فی حل ابی داؤد، قدیمی کتب خانہ کراچی، س ن

۳۸۰ـ سہروردی، شھاب الدین، عوارف المعارف، پروگریسو بکس، لاہور، ط۲، ۲۰۱۰ء

۳۸۱ـ سھیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، ابوالقاسم، علامۃ، الروض الانف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۸۲ـ سیوہاروی، حفظ الرحمان، محمد، قصص القرآن، مکتبہ رحمانیہ لاہور، معلوم ندارد

۳۸۳ـ سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ط۸، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۳۸۴ـ ایضاً، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی، ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۳۸۵ـ ایضاً، زہر الربی علی ھامش سنن النسائی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، معلوم ندارد

۳۸۶ـ ایضاً، الاکیل فی استنباط التنزیل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۸ھ

۳۸۷۔ ایضاً، الباھر فی حکم النبی ﷺ فی الباطن والظاھر، دارالسلام، القاھرۃ، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۳۸۸۔ ایضاً، البدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۳۸۹۔ ایضاً، تاریخ الخلفاء، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۹۰۔ ایضاً، التعظیم والمنۃ فی ان ابوی رسول اللہ ﷺ فی الجنۃ ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۹۱۔ ایضاً، جامع الاحادیث الکبیر ، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۳۹۲۔ ایضاً، جمع الجوامع، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۳۹۳۔ ایضاً، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ﷺ، مکتبۃ نزار المصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۹۴۔ ایضاً، الحاوی للفتاوی ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۲ھ وطبع دارالکتاب العربی، بیروت الطبعۃ ۱۴۲۵ھ

۳۹۵۔ ایضاً، الدرر المنتثرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ

۳۹۶۔ ایضاً، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، دارالفکر، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۴ھ

۳۹۷۔ ایضاً، ذیل اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ مطبع علوی لمحمد علی بخش خاں لکھنوی، ۱۳۰۳ھ

۳۹۸۔ ایضاً، زھر الربی علی المجتبیٰ (شرح سنن النسائی): ، دارالمعرفۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۳۹۹۔ ایضاً، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، دارالمعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۴۰۰۔ ایضاً، طبقات الحفاظ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۳ھ

۴۰۱۔ ایضاً، قطف الازھار المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

۴۰۲۔ ایضاً، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب ﷺ (الخصائص الکبریٰ) ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۴۰۳۔ ایضاً، الکنز المدفون والفلک المشحون، او الکشکول، موسسۃ النعمان، بیروت الطبعۃ ۱۴۱۲ھ

۴۰۴۔ ایضاً، لباب النقول فی اسباب النزول، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۴۰۵۔ ایضاً، مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ، مکتبۃ الصحابۃ جدۃ، ط۲، ۱۴۱۳ھ

۴۰۶۔ ایضاً، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ ﷺ من مجموعۃ الرسائل العشر ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۰۷۔ ایضاً، نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۰۸۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابو اسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، المطبعۃ الرحمانیۃ، القاھرۃ، مصر ۱۴۰۲ھ

۴۰۹۔ شافعی، محمد بن ادریس، امام، الرسالۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی، القاھرہ، المصر ، ط۳، ۱۹۸۳ء

۴۱۰۔ ایضاً، المسند ، دارالثقافۃ، العربیۃ، دمشق، ۱۴۲۳ھ

۴۱۱۔ شامی، محمد امین، ابن عابدین، ردالمحتار علی درالمختار، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۱۲۔ شاہ عبدالحق، محدث دھلوی، ماثبت بالسنۃ عن اعمال السنۃ عربی واردو ، دارالاشاعت، کراچی ۱۴۰۳ھ

۴۱۳۔ ایضاً، اشعۃ اللمعات، فرید بک سٹال، لاہور، ط۲، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء
۴۱۴۔ شاہ عبدالعزیز، دھلوی، محدث، فتاویٰ عزیزی، کتاب فروشی حاجی محمد علیم و پسران، بازار کتاب فروشی کابل افغانستان
۴۱۵ ایضاً، بستان المحدثین، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
۴۱۶۔ ایضاً، تحفہ اثناء عشر، حضرت میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی۔
۴۱۷۔ شاہ، ولی اللہ، محدث، دہلوی، المسوّٰی شرح الموطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء
۴۱۸۔ ایضاً، حجۃ اللہ البالغۃ، دار احیاء العلوم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ
۴۱۹۔ ایضاً، المصفّٰی شرح موطا محمد علی کارخانہ، کراچی، س ن
۴۲۰۔ ایضاً، المسوّٰی شرح مؤطا، ایضاً
۴۲۱۔ ایضاً، ازالۃ الخفاء فی تاریخ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔
۴۲۲۔ ایضاً، الانتباہ فی سلاسل اولیاء، ایضاً
۴۲۳۔ ایضاً، القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، سندھ ساگر اکادمی، لاہور
۴۲۴۔ شبلنجی، مومن بن حسن، نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار ﷺ، شرکۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر الطبعۃ الاخیرۃ ۱۳۲۷ھ
۴۲۵۔ شبیر احمد، عثمانی تفسیر عثمانی، مجمع الملک فھد الطباعۃ المصحف الشریف، مدینۃ منورۃ، الطبعۃ ۱۴۰۹ھ
۴۲۶۔ شعرانی، عبدالوہاب، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۱، ۱۳۵۹ھ
۴۲۷۔ شعرانی، عبدالوہاب، امام، البدر المنیر فی احادیث البشیر النذیر ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۴۲۸۔ ایضاً، کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، دار الفکر بیروت، الطبعۃ ۱۴۰۸ھ
۴۲۹۔ ایضاً، الکبریت الاحمر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، و دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۸ھ
۴۳۰۔ ایضاً، لواقع الانوار و طبقات الاخیار (الطبقات الکبریٰ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۴۳۱۔ ایضاً، المنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۴۳۲۔ ایضاً، الیواقیت والجواھر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، و دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۴۳۳۔ شمس الحق، محمد، ابوطیب عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن
۴۳۴۔ شنقیطی، تجانی، مختار بن احمد، رسالۃ البیان والتبیان فی ان الصوفیۃ مذھبھا السنۃ والقرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ
۴۳۵۔ شوکانی، محمد بن علی، قاضی، فتح القدیر، دار ابن کثیر، دمشق، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۳۶۔ ایضاً، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ
۴۳۷۔ ایضاً، قطر الولی علی حدیث الولی: العلامۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۳۲۲ھ
۴۳۸۔ ایضاً، تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین، دار الجیل، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۳۹۔ ایضاً، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۴۰۔ شیبانی، محمد بن الحسن، موطا الامام مالک (موطا محمد)، دار القلم دمشق، ط۱، ۱۴۱۳ھ
۴۴۱۔ شیبانی، احمد بن عمرو، امام، الزھد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ
۴۴۲۔ ایضاً، السنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۳، ۱۴۱۳ھ
۴۴۳۔ شیخ نظام، مولانا، الفتاویٰ العالمگیریۃ، المکتبۃ الرشید، کوئٹہ، س ن
۴۴۴۔ شیرویہ بن شھر، حافظ، فردوس الاخبار، دار ابن شیرویہ الدیلمی، دار الریان، القاھرۃ، ط۱، ۱۴۰۸ھ
۴۴۵۔ صالحی، محمد بن طولون، الشذرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ
۴۴۶۔ صالحی، محمد بن یوسف، امام، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۴۷۔ صاوی، احمد بن محمد، حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۴۸۔ صدیق حسن خان، نواب، بھوپالی، فتح البیان فی مقاصد القرآن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۲ھ
۴۴۹۔ ایضاً، مسک الختام، مکتبہ عثمانیہ، حیدر آباد، دکن، س ن
۴۵۰۔ صدیقی، محمد سعد، ڈاکٹر، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، شعبہ تحقیق قائد اعظم لائبریری، لاہور، ط۱، ۱۹۸۸ء
۴۵۱۔ صلابی، علی محمد، الدکتور، خامس الخلفاء الراشدین امیر المؤمنین الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دار ابن کثیر دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ
۴۵۲۔ صلاح الدین، ڈاکٹر، العمر فی خبر من عنبر، کویت۔
۴۵۳۔ صنعانی، عبد الرزاق بن ھمام، امام، تفسیر عبد الرزاق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۵۴۔ صنعانی، محمد بن اسماعیل، سبل السلام شرح بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، مطبعۃ الاستقامۃ، مصر، ۱۳۵۷ھ
۴۵۵۔ ایضاً، المصنف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ
۴۵۶۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، ابو القاسم، امام، جزء فیہ طرق حدیث من کذب علی متعمدا، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۴۵۷۔ ایضاً، کتاب الدعا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ
۴۵۸۔ ایضاً، معجم الاوسط، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۴۰۵ھ
۴۵۹۔ ایضاً، معجم الکبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ودار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۸ھ
۴۶۰۔ ایضاً، المعجم الصغیر (الروض الدانی)، مکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ
۴۶۱۔ طبری، ابن جریر، ابو جعفر، تاریخ الامم والملوک، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ
۴۶۲۔ ایضاً، جامع البیان، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۹ھ
۴۶۳۔ ایضاً تھذیب الآثار تفصیل الثابت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الاخبار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۹ھ
۴۶۴۔ ایضاً، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، دار الفکر، بیروت الطبعۃ ۱۴۱۵ھ

۴۶۵۔ ایضاً، خلاصہ سیر سید البشر ،مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۴۶۶۔ طبری، احمد بن عبداللہ، محب الدین، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، دار الغرب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۹۹۶ء

۴۶۷۔ ایضاً، السمط الثمین فی مناقب امہات المؤمنین، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ۔

۴۶۸۔ طحاوی، احمد بن محمد ،ابوجعفر، امام، شرح معانی الآثار، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۴۶۹۔ ایضاً، تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار، دار بلنسیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۴۷۰۔ الطحان، محمود، الدکتور، تیسیر مصطلح الحدیث، دار القرآن الکریم، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ء

۴۷۱۔ طرابلسی، القاوقجی، محمد بن خلیل، اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل لہ او باصلہ موضوع، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۷۲۔ طوسی، عبداللہ بن علی، ابونصر، اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی ،دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۴۷۳۔ طٰہٰ محمد، الساکت، شیخ، علامہ، من ذخائر السنۃ النبویۃ، دار نور المکتبات، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۴۷۴۔ طیالسی، سلیمان بن داؤد، امام، المسند ،دار الکتب العلمیۃ، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۴۷۵۔ ظہری، محمد بن سعد، امام، الطبقات الکبریٰ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۴۷۶۔ عامری، یحییٰ بن ابی بکر، ابوزکریا، عماد الدین بھجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل ،دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۴۷۷۔ عبدالباقی، محمد فواد، مناقب علی والحسنین وامھما فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم، دار الحدیث، القاہرۃ، سنۃ الطبع ۱۴۲۳ھ

۴۷۸۔ عبدالمنعم، قضاء علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مکتبۃ الرشد، السعودیۃ، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۴۷۹۔ عبدالمجید، خواجہ، جامع اللغات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ط۱، ۱۹۸۹ء

۴۸۰۔ عتر، نورالدین، منہج النقد فی علوم الحدیث، دار الفکر، دمشق، شام، ۱۹۸۱ء

۴۸۱۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ، فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ۱۴۲۳ھ

۴۸۲۔ ایضاً، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی، لاہور، س ن

۴۸۳۔ عثمانی، ظفر احمد، تھانوی، شیخ، اعلاء السنن، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۴۸۴۔ عجاج، محمد، الخطیب، السنۃ قبل التدوین، مکتبہ وھبہ، القاہرہ، مصر، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء

۴۸۵۔ عجلونی، اسمٰعیل بن محمد، علامہ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۴۸۶۔ عجلی، احمد بن عبداللہ، ابوالحسن، تاریخ الثقات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط۱، ۱۹۸۴ء

۴۸۷۔ عصفری، خلیفۃ بن خیاط، ابی عمرو، تاریخ خلیفہ بن خیاط تحقیق اکرم ضیاء العمری، دار طیبۃ الریاض، ط۲، ۱۴۰۵ھ

۴۸۸۔ العطار، صدقی جمیل، حاشیہ سنن ابی داؤد، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۲۶۔۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۵ء

۴۸۹۔ عطار، فریدالدین، شیخ، تذکرۃ الاولیاء، لاہور

۴۹۰۔ عقاد، عباس محمود، العبقریات الاسلامیۃ، المکتبۃ العصریۃ، بیروت۔

۴۹۱۔ عقیلی، محمد بن عمرو، ابوجعفر، الضعفاء الکبیر، مکتبہ علمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۸۴ء

۴۹۲۔ عکبری، عبید اللہ بن محمد، ابو عبد اللہ ، الابانۃ عن شریعۃ الفرق الناجیۃ ومجانبۃ الفرق المذمومۃ، دار الربۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۹۳۔ عکری، احمد بن محمد، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، دار ابن کثیر، دمشق، ط۱، ۱۴۰۶ھ

۴۹۴۔ علائی، خلیل بن کیکلدی، کتاب تحقیق منیف الرتبۃ لمن ثبت لہ شرف الصحبۃ، دار العاصمۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۴۹۵۔ علوی، محمد ابن السید ، مالکی مکی، محمد ﷺ الانسان الکامل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۹ھ

۴۹۶۔ عمر بن علی، ابوحفص، حنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۹۷۔ عیاض مالکی، قاضی، ابو الفضل بن موسیٰ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۴۹۸۔ عینی، محمود بن احمد، بدر الدین، ابو محمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دار الحدیث، ملتان، ط۱، س ن

۴۹۹۔ ایضاً، العلم الھیب من الکلم الطیب، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۰۰۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، المورد، لاہور، ط۳، ۲۰۰۹ء

۵۰۱۔ غربان محمد شفیق، الموسوعۃ العربیۃ المیسر ۃ، قاھرہ، مصر، ۱۹۶۵ء

۵۰۲۔ غزالی، محمد بن محمد، امام، احیاء علوم الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۰۳۔ ایضاً، المستصفی من علم الاصول، امیریہ کبری، بولاق، مصر، ۱۲۹۴ھ

۵۰۴۔ غیاث الدین، محمد، غیاث اللغات، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، معلوم ندارد

۵۰۵۔ فاسی، محمد مھدی، امام، مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات ، المکتبۃ المکرمۃ الرضویۃ، لائلپور (فیصل آباد)

۵۰۶۔ فزاری، ابراھیم بن محمد، ابو اسحاق، کتاب السیر ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۰۷۔ فتنی، محمد طاھر، مجمع بحار الانوار، مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورۃ، ط۳، ۱۴۱۵ھ

۵۰۸۔ الفلاح، محمد عبدہ، تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف ناشران، لاہور، س ن

۵۰۹۔ فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، مجد الدین، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۳ھ

۵۱۰۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، س ن

۵۱۱۔ قاسمی، وحید الزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۵۱۲۔ قاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث، مکتبہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، ۱۳۵۸ھ

۵۱۳۔ ایضاً، محاسن التاویل (التفسیر القاسمی)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۱۴۔ قاضی، زین العابدین، قاموس القرآن، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۷۸ء

۵۱۵۔ قرطبی، احمد بن عمر، ابو عباس ابراہیم مالکی، المفھم، دار ابن کثیر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ

۵۱۶۔ قرطبی، محمد بن احمد، ابو عبد اللہ مالکی، الجامع لاحکام القرآن، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۵۱۷۔ ایضاً، التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۱۸۔ قرطبی، یوسف بن عبداللہ، ابوعمرو، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۱۹۔ ایضاً، جامع بیان العلم وفضلہ، دار ابن الجوزی، الدمام، ط۴، ۱۴۱۹ھ

۵۲۰۔ قسطلانی، احمد بن محمد، ابوالعباس شہاب الدین، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۲۰۰۹ء

۵۲۱۔ ایضاً، المواہب الدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، مکتب الاسلامی بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۵۲۲۔ قشیری، عبدالکریم بن ھوازن، ابوالقاسم، امام، لطائف الاشارات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۵۲۳۔ قضاعی، محمد بن سلامۃ، ابی عبداللہ، دستور معالم الحکم ومأ ثور مکارم الشیم، شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۲۴۔ قطب شہید، سید، فی ظلال القران، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، ط۴، ۱۹۹۸ء

۵۲۵۔ قنوجی، محمد صدیق حسین، سید، البلغۃ فی اصول اللغۃ، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۲۶۔ ایضاً، تکریم المؤمنین بتقویم مناقب الخلفاء الراشدین، قادری کتب خانہ، سیالکوٹ۔

۵۲۷۔ ایضاً، التاج المکلل من جوھر مآثر الطراز الآخر والاولی، مکتبۃ دار السلام الریاض، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۵۲۸۔ ایضاً، الدین الخالص، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۲۹۔ کاسانی، ابوبکر بن مسعود، علاؤالدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۴۰۰ھ

۵۳۰۔ کاندھلوی، محمد ادریس، حجیت حدیث، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ط۲، ۱۹۹۶ء

۵۳۱۔ ایضاً، التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۵۳۲۔ کاندھلوی، محمد زکریا، شیخ، اوجز المسالک الی موطا مالک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء

۵۳۳۔ ایضاً، بذل المجھود فی حل ابی داؤد، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء

۵۳۴۔ کاندھلوی، محمد یوسف، حیاۃ الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ

۵۳۵۔ الکائی، ھبۃ اللہ بن حسن، ابوالقاسم، شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۵۳۶۔ کتانی، محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۵۳۷۔ کدیری، احسان محمد دحلا جمفسی سراج الطالبین، مکتبۃ الحرمین، جدۃ۔

۵۳۸۔ کشمیری، محمد انور شاہ، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۵، ۱۴۱۲ھ

۵۳۹۔ ایضاً، العرف الشذی شرح جامع الترمذی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء

۵۴۰۔ ایضاً، فیض الباری علی صحیح البخاری، المکتبۃ الرشیدیۃ، کوئٹہ۔

۵۴۱۔ لکھنوی، عبدالحی محمد، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۳، ۱۴۰۸ھ

۵۴۲۔ ایضاً، الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، بحلب، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۵۴۳۔ لکھنوی، محمد عبدالحلیم بن محمد امین، قمر الاقمار لنور الانوار فی شرح المنار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۴۴۔ ماتریدی، محمد بن محمود، ابی منصور، سمرقندی، حنفی، تاویلات اھل السنۃ، مؤسسۃ الرسالۃ ط۱، ۱۴۲۵ھ

۵۴۵۔ مالک، ابن انس، امام، الموطا، دار الفجر للتراث، القاہرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۵۴۶۔ مالینی، احمد بن محمد، ابوسعید، امام، کتاب الاربعین فی شیوخ الصوفیۃ، دار البشائر الاسلامیۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۴۷۔ ماوردی، علی بن محمد، علی بن محمد، علامۃ، اعلام النبوۃ: مطبوعۃ دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۴۸۔ ایضاً، النکت والعیون، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۵۴۹۔ مبارکپوری، عبدالرحمٰن، ابوالعلی محمد، تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، بیت الافکار الدولیۃ، عمان، اردن، س ن

۵۵۰۔ ایضاً، الرحیق المختوم، دار السلام، الریاض، الطبعۃ ۱۴۱۴ھ

۵۵۱۔ مجاھد بن جبر، قرشی، مخزومی، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۵۵۲۔ محمد بن علی، ابوعلی، الصوری، الحافظ، الفوائد المنتقاۃ والغرائب الحسان عن شیوخ الکوفیین، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۵۵۳۔ محمد بن سلامۃ، الشافعی، القضاعی، امام، مسند الشھاب، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۵۵۴۔ محمد بن ہارون، ابوبکر، رویانی، امام، مسند الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۵۵۔ محمد بن محمد، ابوالسعود، عمادی، حنفی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۵۶۔ محمد امین بن محمد مختار جکنی، علامۃ، اضواء البیان فی ایضاح القرآن: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۵۷۔ محمد بن یعقوب، مجد الدین، فیروز آبادی، امام، بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت

۵۵۸۔ محمد بن خطیب، شربینی، السراج المنیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۵۵۹۔ محمد علی، شیخ، صابونی، صفوۃ التفاسیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۶۰۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۵۶۱۔ محمد بن خلیفۃ، ابوعبداللہ، وشتانی، ابی المالکی، علامۃ، اکمال اکمال المعلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۶۲۔ محمد بن احمد، ابوالقاسم، کلبی، التسھیل لعلوم التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۶۳۔ محمد زکریا، سھارنپوری، مولانا، لامع الدرری علی جامع البخاری، مکتبۃ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۵۶۴۔ محمد بن محمد، سنوسی، مالکی، علامۃ، مکمل اکمال الاکمال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۶۵۔ محمد بن محمد، ابوالفتح، حافظ، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مکتبۃ دار التراث، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۵۶۶۔ محمد بن احمد، ابوالبقاء، تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۶۷۔ محمد بن عمر، کتاب المغازی للواقدی، عالم الکتب بیروت، ط۳، ۱۴۰۴ھ

۵۶۸۔ محمد بن ادریس، دیوان امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، تحقیق محمد عبدالرحیم، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۶۹۔ محمد نافع، مولانا، سیرت امیر معاویہ، دار الکتاب، لاہور

۵۷۰۔ مرادآبادی، نعیم الدین، سید محمد، خزائن العرفان، حافظ کمپنی، لاہور، س ن

۵۷۱۔ مراغی، زین الدین ابی بکر بن الحسین، کتاب تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الھجرۃ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۷۲۔ مروزی، خزاعی، نعیم بن حماد، حافظ، الفتن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۷۳۔ مروزی، اسحاق بن ابراھیم، امام، مسند اسحاق بن راھویہ، مکتبۃ الایمان، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۱۰ھ ودار الکتاب العربی، بیروت ط۱، ۱۴۲۳ھ

۵۷۴۔ مروزی، محمد بن نصر، امام فقیہ شیخ الاسلام، المسند، مکتبہ مصطفیٰ البابی، بولاق، مصر، ۱۴۰۲ھ

۵۷۵۔ مزی، جمال الدین یوسف، ابوالحجاج، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۹۹۲ء

۵۷۶۔ مرغینانی، علی بن ابی بکر، ابوالحسن، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۵۷۷۔ ایضاً، اللباب فی شرح الکتاب، ایضاً

۵۷۸۔ مرجانی، محمد بن عبدالملک، بھجۃ النفوس والاسرار، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۷۹۔ مسلم، ابن حجاج، ابوالحسین قشیری، صحیح مسلم، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

۵۸۰۔ ایضاً، الانتفاع بجلو دالسباع، دار الفکر، بیروت۔

۵۸۱۔ مصری، عمر بن شبۃ، ابوزید، تاریخ مدینۃ، دار التراث، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۵۸۲۔ مصطفیٰ خیری، منصوری، علامۃ، المقتطف من عیون التفاسیر، دار القلم، دمشق، ط۲، ۱۴۱۷ھ

۵۸۳۔ مطلبی، محمد بن اسحاق، مدنی، السیرۃ النبویۃ، درالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۵۸۴۔ مغلطائی، ابوعبداللہ بن قلیج، علاء الدین، حافظ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۵۸۵۔ مقاتل بن سلیمان، ابوالحسن، ازدی، امام، تفسیر مقاتل بن سلیمان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۵۸۶۔ مقدسی، یوسف بن یحییٰ، عقد الدرر فی اخبار المنتظر وھو المھدی، مکتبۃ المنار، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۵۸۷۔ مقدسی، محمد بن عبدالواحد، ضیاء الدین، الاحادیث المختارۃ مما لیس فی الصحیحین، مکتبۃ النھضۃ الحدیثیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۰ھ۔

۵۸۸۔ مقدسی، محمد بن طاھر، ابوالفضل، حافظ، اطراف الغرائب والافراد للدارقطنی، دار التدمریۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۲۸ھ

۵۸۹۔ ایضاً، الجمع بین رجال الصحیحین، دائرۃ معارف عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۲۳ھ

۵۹۰۔ ایضاً، شروط القدیمۃ السنۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۴ء

۵۹۱۔ مقریزی، احمد بن علی، ابی العباس المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار، الطبعۃ بدون تاریخ، مکتبۃ الدینیۃ، القاھرۃ۔

۵۹۲۔ مقری، احمد بن محمد علی، المصباح المنیر، مطبوعۃ دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۱۴ھ

۵۹۳۔ ملا علی القاری، علی بن سلطان محمد، الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۵۹۴۔ ایضاً، جمع الوسائل فی شرح الشمائل، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

۵۹۵۔ ایضاً، شرح مسند ابی حنیفۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
۵۹۶۔ ایضاً، شرح الفقہ الاکبر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ
۵۹۷۔ ایضاً، شرح الشفاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
۵۹۸۔ ایضاً، فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ، دار ارقم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۵۹۹۔ ایضاً، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، المکتبۃ التجاریہ، مکۃ المکرمۃ۔
۶۰۰۔ ایضاً، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۵، ۱۴۱۴ھ
۶۰۱۔ ملاجیون، احمد، نور الانوار، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، س ن
۶۰۲۔ مناوی، عبد الرؤف، علامۃ، شرح الشمائل، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔
۶۰۳۔ ایضاً، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۶۰۴۔ ایضاً، الکواکب الدریۃ فی تراجم السادۃ الصوفیۃ، دار صادر، بیروت، ط۱، ۱۹۹۹ء
۶۰۵۔ منذری، زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی، امام، الترغیب والترھیب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۶۰۶۔ منصور بن الحسن، عماد الدین، گازرونی، شافعی، حاشیۃ الگازرونی علی البیضاوی: دار الفکر، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۶ھ
۶۰۷۔ منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ اللعالمین، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور ۱۹۹۱ھ
۶۰۸۔ مودودی، ابو الاعلی، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ط۴۰، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء
۶۰۹۔ ایضاً، سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ط۲۰، ۲۰۰۰ء
۶۱۰۔ موسیٰ شاھین، لاشین، پروفیسر ڈاکٹر، فتح المنعم شرح صحیح مسلم، دار الشروق، القاھرہ، مصر، ط۲، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء
۶۱۱۔ مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مہر منیر، فیض احمد فیض رحمۃ اللہ علیہ، قطب عالم، پاکستان، انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ لاہور ۱۴۰۶ھ
۶۱۲۔ ایضاً، تصفیۃ مابین سنی وشیعۃ رحمۃ اللہ علیہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور ۱۴۰۶ھ
۶۱۳ ناصر الدین، محمد البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، وشئی من فقھھا وفوائدھا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء
۶۱۴۔ ایضاً، ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ: المکتب الاسلامی، ط۳، ۱۴۱۳ھ
۶۱۵ ایضاً، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ واثرھا السیئ فی الامۃ، ایضاً، ط۱، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء
۶۱۶۔ نبھانی، یوسف بن اسماعیل، امام، الانوار المحمدیۃ من المواھب اللدنیۃ، الطبعۃ الادبیۃ، بیروت ۱۳۲۱ھ
۶۱۷۔ ایضاً، جامع کرامات اولیاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۶۱۸۔ ایضاً، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار، مصر ۱۳۷۹ھ، ودار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۶۱۹۔ ایضاً، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۶۲۰۔ ایضاً، حزب الاستغاثات بسید السادات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۶۲۱۔ ایضاً، سعادۃ الدارین فی الصلاۃ علی سید الکونین ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۲۲۔ ایضاً، شواھد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ودار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۲۳۔ نجدی، محمد بن عبدالوھاب، مختصر زاد المعاد، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۴، ۱۴۰۳ھ

۶۲۴۔ ایضاً، مختصر سیرۃ الرسول، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۶۲۵۔ نجم الدین، محمد بن محمد، الغزی، الاتقان ما یحسن من الاخبار الواردۃ علی الالس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۲۵ھ۔

۶۲۶۔ ندوی، سید سلمان، سیرۃ النبی ﷺ، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۱ء

۶۲۷۔ ندوی، علی، ابوالحسن، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، دار ابن کثیر دمشق، ط۴، ۱۴۲۶ھ

۶۲۸۔ ایضاً، المرتضیٰ سیرۃ امیر المامنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دار القلم دمشق، ط۲، ۱۴۱۹ھ

۶۲۹۔ ندوی، سید رضوان علی، الدکتور، خانوادۂ نبوی وعھد بنی امیہ، حقائق واوھام عربی ادارۂ تصنیف ونشر کراچی۔

۶۳۰۔ نسائی، احمد بن علی بن شعیب، ابوعبدالرحمٰن، الضعفاء والمتروکین، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۶ء

۶۳۱۔ ایضاً، سنن النسائی المسمیٰ بالمجتبیٰ، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۵ھ۔۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۶۳۲۔ ایضاً، تفسیر النسائی، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۶۳۳۔ ایضاً، خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۱۷ھ

۶۳۴۔ ایضاً، السنن الکبریٰ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۶۳۵۔ نسفی، احمد بن محمد، ابوالبرکات، علامۃ، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، دار القلم، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۶۳۶۔ نظام الدین بن محمد، قمی، علامۃ، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۶۳۷۔ نعمانی، شبلی، سید سلیمان، ندوی، علامۃ، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور۔

۶۳۸۔ نعمانی، محمد عبدالرشید، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھتان: علامۃ مکتبۃ الحسن، لاہور

۶۳۹۔ ایضاً، شھداء کربلاء پر افتراء، مکتبۃ الحسن، لاہور۔

۶۴۰۔ ایضاً، یزید کی شخصیت اھل سنت کی نظر میں، مکتبۃ الحسن، لاہور۔

۶۴۱ نعیمی، احمد یار خان، مفتی، مرأۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، مکتبہ اسلامیہ، لاہور،

۶۴۲۔ نقوی، علی رضا، سید دکتر، فرھنگ جامع (فارسی بہ انگلیسی واردو)، قرایزنی فرھنگی سفارت، جمھوری اسلامی ایران، اسلام آباد، ط۲، ۱۳۸۲ھ

۶۴۳۔ نواب صاحب، ظفر اللاضی بما یجب فی القضاء علی القاضی، دار ابن حزم بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۶۴۴۔ نووی، یحیی بن شرف، ابوزکریا محی الدین، المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیت الافکار الدولیۃ، اردن، ط۵، ۲۰۰۷ء

۶۴۵۔ ایضاً، تھذیب الاسماء واللغات، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۶۴۶۔ ایضاً، تقریب النواوی مع تدریب الراوی، مکتبۃ الکوثر، الریاض، ط۲، ۱۴۱۵ھ

۶۴۷۔ ایضاً، المنتخبة من کلام سید الابرار ﷺ، دار ابن کثیر، دمشق، ط۶، ۱۴۱۳ھ۔

۶۴۸۔ ایضاً، المجموع شرح المهذب، دار الفکر، بیروت

۶۴۹۔ نیشاپوری، حسن بن محمد، عقلاء المجانین، دار الکتب العلمیة بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۶۵۰۔ نیشاپوری، عبداللہ بن علی، امام، المنتقی، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۵۱۔ نیشاپوری، محمود بن ابی الحسن، ایجاز البیان عن معانی القرآن، مکتبة التوبة، الریاض، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۵۲۔ ایضاً، الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۶۵۳۔ ایضاً، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۶۵۴۔ ایضاً، اسباب نزول القرآن، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۱ھ

۶۵۵۔ وحید الزمان، علامہ، تیسیر الباری شرح صحیح البخاری: تاج کمپنی پاکستان

۶۵۶۔ ایضاً، لغات الحدیث، نور محمد کتب خانہ، کراچی، س ن

۶۵۷۔ وحید الزمان خان، فوائد سنن ابن ماجہ علی هامش سنن ابن ماجہ، مطبوعہ مہتاب کمپنی، لاہور، س ن

۵۸۔ وهبہ زحیلی، ڈاکٹر، الفقه الاسلامی وادلته، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۱۲ء

۶۵۹۔ وکیع بن الجراح، امام، کتاب الزهد، دار الصمیعی، الریاض، ط۲، ۱۴۱۵ھ

۶۶۰۔ هاشمی، عبدالمنعم، عصر الصحابة، دار ابن کثیر بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۶۱۔ هانز ویر، معجم اللغة العربیة المعاصرة، مطبوعہ مکتبہ لبنان، بیروت، ۱۹۸۰ء

۶۶۲۔ هجویری، علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب، نوائے وقت پرنٹرز، لاہور، الطبعة ۱۳۸۷ھ

۶۶۳۔ هروی، احمد بن محمد، ابوعبید، الغریبین فی القران والحدیث، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکة المکرمة، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۶۶۴۔ هروی، علی بن سلطان محمد، امام، شرح شرح نخبة الفکر فی مصطلحات اهل الأثر، شرکة دار الارقم بن ابی الارقم، بیروت۔

۶۶۵۔ همدانی، محمد بن محمد، ابوالفتوح، الطائی، کتاب الاربعین، دار البشائر الاسلامیة، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۶۶۶۔ هیتمی، ابن حجر، احمد بن محمد، امام، اسنی المطالب فی صلة الاقارب، دار الکتب العلمیة بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۶۷۔ ایضاً، اشرف الوسائل الی فهم الشمائل، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۶۶۸۔ ایضاً، الدر المنضود فی الصلاة والسلام علی صاحب المقام المحمود ﷺ، دار المدینة المنورة، ط۲، ۱۴۱۶ھ

۶۶۹۔ ایضاً، الصواعق المحرقة فی الرد علی اهل البدع والزندقة، مطبوعہ مکتبة القاهرة، مصر، ط۲، ۱۳۸۵ھ

۶۷۰۔ هیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، حافظ، بغیة الباحث فی زوائد مسند الحارث، تحقیق: مسعد السعدنی، دار الطائع القاهرة۔

۶۷۱۔ ایضاً، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۶۷۲۔ ایضاً، کشف الاستار عن زوائد البزار، موسسة الرسالة، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۶۷۳۔ ایضاً، مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۶۷۴۔ ایضاً، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الفکر، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۴ھ

۶۷۵۔ ایضاً، المقصد العلی فی زوائد مسند ابی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۶۷۶۔ یافعی، محمد عبداللہ، یمنی، خلاصة المفاخر فی مناقب شیخ عبدالقادر، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور۔

۶۷۷۔ ایضاً، روض الریاحین، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۱ھ

۶۷۸۔ ایضاً، مرآة الجنان، مؤسسة الاعلمی مطبوعات، بیروت، ۱۳۹۰ھ

۶۷۹۔ یاقوت حموی، ابو عبداللہ، شہاب معجم البلدان والجبال والاودیة، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ء

۶۸۰۔ یحصبی، عیاض بن موسیٰ، ابوالفضل، مشارق الانوار علی صحاح الآثار، دار الکتب العلمیة، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۳ھ

۶۸۱۔ یسوعی، لویس معلوف، المنجد، المطبعة الکاثولیکیة، لبنان، الطبعة، لبنان، ط ۱۲، ۱۳۹۴ھ

۶۸۲۔ یمنی، ابوبکر بن علی، الحداد، الجوہرة النیرة علی مختصر القدوری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۶۸۳۔ یوسف فرحات، الدکتور، دیوان الامام علی بن ابی طالب: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، دار الکتاب العربی، ط ۶، ۱۴۲۰ھ

۶۸۴۔ یوسف بن عبداللہ، الوابل، اشراط الساعة، دار ابن الجوزی، الدمام، ط ۹، ۱۴۱۸ھ، ۱۷۵۔

۶۸۵۔ سیر الصحابة، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۱۳۵۶ھ

۶۸۶۔ فتاوی عالمگیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

☆☆☆☆☆